انمول
1
ایم اے راحت

سانولی رات نے نڈھال ہو کر اجالے کی آغوش میں آنکھیں موند لیں اور تاریکیوں کا رسیا سیراب نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا حجلہ شب سے باہر آگیا۔ زمین پر زندگی جاگ اٹھی تھی ایک آوارہ کرن کا چمکتا ہوا نوک دار خنجر اس کی پیشانی کے عین درمیان چبھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور غصیلی نظروں سے اس بن بلائی آوارہ کرن کو دیکھنے لگی جس نے اس کا تیسرا خواب توڑ دیا تھا۔ اس کے دانت بھنچ گئے اور جبڑوں کے مسلز ابھر آئے۔ ٹوٹے خواب کبھی نہیں جڑتے' اس خواب میں وہ تکمیل کی آخری منزل میں تھی۔ اس کا بدن سرخ زریں لباس میں جھلملا رہا تھا' بالوں میں بیلا اور گلاب الجھے ہوئے تھے' بس مانگ میں افشاں رہ گئی تھی۔ بے اختیار اس کے ہاتھوں کی لمبی انگلیاں اس چوڑی اور لمبی مانگ کو ٹٹولنے لگیں جس میں افشاں نہ تھی بالوں کے گلاب بھی کھو گئے تھے۔ بیلے کی خوشبو بھی نہ تھی۔ بدن پر زر بفت کی چبھن بھی نہ تھی۔ وہ دھیمی دھیمی چبھن جو سخت اور کھردرے ہاتھوں کی انگلیوں جیسی ہو۔ اس کے ذہن میں دھواں سا بھر گیا آنکھوں میں خون جیسی سرخی ابھرنے لگی۔ اس نے آہستہ آہستہ کہنیاں بستر پر ٹکائیں اور وہ شانوں تک دھنس گئیں۔ نرم اور قیمتی گدے سے اسے سخت نفرت کا احساس ہوا جو اس کے نازک سے بوجھ کو بھی نہ سنبھال سکا تھا اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پوری زندگی ایسے ہی جھٹکوں سے عبارت تھی سہارے ملے کہاں تھے۔ آہ! یہ ٹوٹا خواب۔

کوان ین مسکرا دیا اور اس کی سرخ آنکھیں اسے گھورنے لگیں۔ کوان ین کی آنکھوں میں تمسخر تھا اس نے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے اسے دیکھا اور آہستہ آہستہ مسہری سے نیچے آ گئی کوان ین کی مضحکہ اڑانے والی مسکراہٹ اسے زہر لگ رہی تھی۔ یہ مجسمہ اس نے کتنی چاہت سے شنگھائی سے خریدا تھا۔ اسے بڑے اہتمام سے یہاں تک لائی تھی اور آج وہ اس پر مسکرا رہا ہے۔ سب نے یہی کیا ہے سب نے۔ پیتل کے وزنی گلدان پر اس کی انگلیاں پیوست ہو گئیں اور کوان ین کی مسکراہٹ ریزہ ریزہ ہو گئی وہ اس وقت تک کوان ین کو توڑتی رہی جب تک اس کا سفید چینی کا وجود کرچی کرچی نہ ہو گیا۔ سرخ ایرانی قالین پر دور تک مجسمے کی کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ اس نے زور سے لمبے گھنے سیاہ بالوں کو جھٹکا اور دیوار پر لگی مونا لیزا کی تصویر کو دیکھنے لگی۔ ایک پرسکون آفاقی مسکراہٹ یہ مسکراہٹ اس کے جذبات کی نفی تھی۔ اسے تو کوئی کرب زدہ چہرہ درکار تھا۔ وہ چہرہ جو اس کے ٹوٹے خواب کے

احساسات کا مظہر ہو۔ یہاں اس خواب گاہ میں ہر شے اس کی زرخرید تھی۔ ہر چیز اس کی غلام تھی لیکن سب باغی۔ سب کے اس وقت کے احساس سے منحرف اور وہ انتقام کی قدرت رکھتی تھی۔ مونا لیزا کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ کیوپڈ کے سنہرے تیر نے مونا لیزا کو اس کے خد و خال سے محروم کر دیا تھا۔ یہ ایک عقاب کے پنجوں میں پھنسی ہوئی چڑیا تھا جسے وہ دیر تک دیکھتی رہی تھی۔

سورج کی بے باک کرنیں کونے کھدرے تلاش کر رہی تھیں اور جہاں سے موقع مل رہا تھا وہاں سے اندر داخل ہو کر ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس کھڑکی کی طرف بڑھ گئی جہاں سے پہلے جرم کا آغاز ہوا تھا۔ قیمتی موٹے پردے کا ایک گوشہ سرکا رہ گیا تھا وہیں سے یہ قیامت رونما ہوئی تھی۔ اس نے دیوار پر لگا بٹن دبایا اور پردہ ایک نغمہ بار آواز کے ساتھ سمٹنے لگا۔ شیشوں سے دوسری طرف کا منظر عریاں ہو گیا۔ روشنی کے شیدائی پھول ہواؤں سے کھیل رہے تھے۔ بڑے سفید پھاٹک کے پاس باوردی چوکیدار حکم کا منتظر تھا۔ سرخ بجری کی روش پر کار کے موٹے ٹائروں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ مالی بڑی سی قینچی لئے باڑھ کی روش درست کر رہا تھا اور بائیں سمت کی گیلری میں بیگ صاحب اپنے وزنی وجود کو وہیل چیئر کے سہارے دھکیلتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی نظریں لہلہاتے پھولوں کی جانب تھیں اور وہ لمبی لمبی سانسیں کھینچ رہے تھے۔

دفعتاً" وہ چونک پڑی۔ بیگ صاحب بے دھیانی میں سیڑھیوں کے بالکل قریب سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے قدرتی مناظر کے شوق میں سیڑھیوں کے فاصلے کو نظر انداز کر دیا تھا۔ آہ.... وہ کچھ اور آگے بڑھیں کہ ان کی توجہ سیڑھیوں کی طرف نہ ہو سکے۔ انہیں یہ اندازہ نہ ہو پائے کہ وہیل چیئر کا ایک وہیل اوپری سیڑھی کے بالکل کنارے کے پاس سے گزر رہا ہے۔ بس ذرا سا رخ بدلے تو..... تو اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔ بیگ صاحب نے کرسی تھوڑی سی آگے بڑھائی۔ چند انچ اور..... بس چند انچ اور..... وہ بڑبڑائی اور کرسی چند انچ اور آگے بڑھی۔ ساتھ ہی بیگ صاحب کا ایک ہاتھ فضا میں بلند ہوا' پھر دوسرا..... کرسی اچھلی' بیگ صاحب چیخے اور اس کے حلق سے بے اختیار قہقہہ آزاد ہو گیا۔ بند شیشوں سے بیگ صاحب کی چیخیں اسے سنائی نہیں دی تھیں نہ اس کا قہقہہ باہر سنا جا سکا ہو گا۔ غلطی ہو گئی۔ شیشے کھلے ہونے چاہئے تھے۔ ایک اور غلطی بھی ہوئی تھی کاش ان سیڑھیوں پر قالین نہ بچھے ہوتے اس نے مسرور انداز میں پردہ برابر کیا اور مسکراتی ہوئی غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ٹھنڈے پانی کی پھواریں سکون بخش تھیں آنکھیں بند کئے بھیگتی رہی باہر کئی بار دستک ہوئی تھی لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ بہت دیر کے بعد وہ جیسے نیند سے جاگی ہو۔ سبز ریشمی گون کے بند باندھتی ہوئی وہ دروازے کے پاس آ گئی۔ دروازے کے باہر ملازمہ کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے؟"

"بیگ جی سیڑھیوں سے گر گئے۔" ملازمہ نے کہا اور وہ چونک پڑی۔

"ابو!" اس کے حلق سے سرسراہٹ نکلی۔

"ہاں جی۔ کسی کو آواز دیئے بغیر باہر نکل آئے تھے' کرسی سیڑھیوں سے نیچے آ گئی۔"

"چوٹ لگی ہے؟" اس نے بدحواسی سے کہا۔

"سر پھٹ گیا ہے ناک سے خون بہہ رہا ہے۔"

"ڈاکٹر کو بلایا؟" وہ چیختی ہوئی بھاگی اور کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آ گئی۔ "کہاں ہیں ابو! فرحت' ناصر' کہاں ہیں ابو۔ آہ! ابو کہاں ہیں؟" بڑے کمرے سے ناصر باہر نکلا اور اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"ڈاکٹر اعجاز بس آنے والے ہوں گے۔" فرحت نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور وہ اس کی بات سنے بغیر اندر داخل ہو گئی۔ بیگ صاحب اندر کوچ پر پڑے ہوئے تھے۔ ناصر فرسٹ ایڈ کورس کئے ہوئے تھا اس نے سر پر پٹی کس دی تھی ناک سے البتہ خون بار بار باہر رینگ کر آ جاتا تھا جسے نرم روئی سے صاف کیا جا رہا تھا۔

"ابو۔" اس کی رندھی ہوئی آواز ابھری۔ آنکھوں سے آنسو لڑھکنے لگے۔ "آنکھیں کھولئے ابو' ابو۔ ناصر کیا گہرا زخم ہے؟"

"نہیں میڈم' کنپٹی کے پاس کھال پھٹ گئی ہے البتہ منہ کے بل نیچے گرے تھے اس لئے ناک پر گہری چوٹ ہے۔ ڈاکٹر اعجاز آتے ہی ہوں گے۔" ناصر نے کہا۔

"ابو' ابو آنکھیں تو کھولئے۔" وہ درد بھرے لہجے میں بولی۔ رفیق پتھرایا ہوا کھڑا تھا۔ اس کی نظریں رفیق کی طرف اٹھیں تو وہ لرز کر بولا۔

"میں نے کرسی پر بٹھایا تو مجھ سے بولے رفیق چائے لے آؤ۔ میں نیچے آ گیا وہ خود باہر نکل آئے تھے جی!"

"غارت ہو جاؤ رفیق۔ ورنہ گولی مار دوں گی۔ جاؤ۔" وہ غرائی اور ملازم باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر اعجاز نے دیر نہیں لگائی تھی کئی بینڈیج کرنے کے بعد اس نے ناک کے اندر مرہم لگاتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی معمولی زخم ہے' سہمے ہوئے ہیں' بے ہوش نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ سیڑھیوں پر قالین بچھا ہوا تھا ورنہ چوٹ خطرناک ہو سکتی تھی۔"

"میں نے بارہا چاہا کہ نچلی منزل میں رہیں مگر ابو کی ضد۔" وہ سسک کر بولی۔

"میں نے اس فولاد کو پہلی بار پگھلا ہوا دیکھا ہے۔"

"ایک ہی نام تو میرا ہے ڈاکٹر' ابو۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے آپ انہیں بہت چاہتی ہیں۔"

"چائے کے لئے اور کون ہے میرا؟"

"چائے نہیں پلوائیں گی؟"

"گھر جا کر پینا۔ میں یہاں سے ہٹ نہیں سکتی۔"

"چائے یہاں بھی آ سکتی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"اوہ۔ بس میں نے منع کر دیا تھا۔" وہ جھلا کر بولی اور ڈاکٹر جھینپی ہوئی نظروں سے دوسروں کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"فیملی ڈاکٹر ہونے کے بہت سے نقصانات ہیں کوئی عزت ہی نہیں ہوتی ایک تو صبح ہی صبح بلا لیا پھر ایک پیالی چائے کے لئے صاف منع کر دیا' کمال ہے۔"

وہ بے اختیار مسکرا دی اور ڈاکٹر ناک سکوڑ کر بولا۔ "بہت بہت شکریہ اس مسکراہٹ کا۔ خدا حافظ۔" ڈاکٹر چلا گیا۔ وہ بیگ صاحب کے پاس ہی بیٹھ گئی اور اس نے ان کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے چہرے سے بے پناہ چاہت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میڈم! ناشتا کر لیں۔"

"بکواس مت کرو۔"

"معمولی سی چوٹ ہے آپ بہت فکر مند ہو رہی ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز کہہ رہے تھے کہ ذرہ برابر تشویش کی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" میری فکرمندی سے تمہیں کیا پریشانی ہے؟"

"جی وہ میرا مطلب ہے۔" ناصر ہکلا کر بولا۔

"ڈاکٹر نے اور کوئی ہدایت دی ہے ابو کے لئے؟"

"جی ہاں۔ کہا ہے ناشتا مانگیں تو معمول کے مطابق ناشتا دیا جائے۔ آرام کرنے دیا جائے۔ سوئیں تو سونے دیا جائے۔"

"ہوں' ٹھیک ہے اور سنو' آج کے سارے پروگرام کینسل کر دو میں کسی سے نہیں ملوں گی۔"

"جی وہ۔ "ہی اینڈ شی" گروپ کی میٹنگ؟"

"افتخار صاحب شرکت کر لیں گے۔"

"جی میڈم!" ناصر نے کہا۔ ساڑھے گیارہ بجے بیگ صاحب کو بھوک لگی تو وہ ہوش میں آ گئے۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"رفعت' فرزندی! جوس لاؤ' جلدی' رفعت کہاں چلے گئے تم۔ او کمبخت فرزندی۔" وہ باہر دوڑی' تھوڑی دیر کے بعد جگ میں جوس آیا اور وہ بیگ صاحب کو اپنے ہاتھ سے جوس پلانے لگی۔ "اور دوں ابو؟"

"ایک گلاس اور دے دو۔" بیگ صاحب کراہتے ہوئے بولے۔ دوسرا گلاس خالی کرنے کے بعد انہوں نے نیم غشی کے انداز میں جوس کے جگ کو دیکھا۔

"اور دوں ابو؟"

"دے دو۔ تھوڑا سا اور دے دو۔" بیگ صاحب کراہ کر بولے۔ جگ میں سے تیسرا گلاس نکل آیا تھا جسے پی کر بیگ صاحب پھر دراز ہو گئے۔" ڈاکٹر نے ناشتے کے لئے منع کیا ہے نا؟" انہوں نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہ کریں تو بہتر ہے ابو۔ جوس ہلکا رہے گا اور منگوا دوں؟" اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں' ابھی نہیں۔"

"کیسی طبیعت ہے؟"

"بہت درد ہے۔ سر میں بہت درد ہے۔ آہ!" اور وہ بے چین ہو گئی۔

"رفعت! ڈاکٹر صاحب کو فون کرو' بتاؤ سر میں بہت تکلیف ہے۔ کہہ دینا دوپہر کے بعد چکر لگا لیں۔" رفعت نے بتایا۔

"ڈاکٹر صاحب نے دو قسم کی گولیاں لکھوائی ہیں۔ میں نے رفیق کو بھیج دیا ہے ابھی لاتا ہو گا۔"

"دوپہر کے کھانے کے بارے میں پوچھا۔" بیگ صاحب بمشکل بولے۔

"جی! سختی سے منع کر دیا ہے۔" رفعت نے سختی سے دانت بھینچ کر کہا اور بیگ صاحب نے ایک سرد آہ بھر کر آنکھیں بند کر لیں۔

دوپہر کو بیگ صاحب کو بخار ہو گیا اور وہ بے چین ہو گئی۔ شکر تھا کہ ڈاکٹر اعجاز آ گئے۔ انہوں نے معائنہ کیا اور بولے۔

"کوئی اہم بات نہیں ہے۔ وہ گولیاں کھلا دی تھیں؟"

"جی!"

"انجکشن دیئے دیتا ہوں بخار اتر جائے گا اور یہ آپ کو کیا ہو گیا؟"

"کچھ نہیں ٹھیک ہوں۔"

"بیمار پڑنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں' ٹھیک ہوں۔"

"سنا ہے صبح سے اسی طرح بیٹھی ہیں ناشتا بھی نہیں کیا۔"

"دل نہیں چاہا کوئی خاص بات نہیں ہے۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"خاص بات ہے محترمہ۔ ایک گھر میں ایک ہی مریض ہو تو بہتر ہے۔ ویسے لنچ میں نے بھی نہیں کیا۔"

"مسز اعجاز انتظار کر رہی ہوں گی اور آپ ایک اچھے شوہر ہیں۔ ادھر ادھر کھا کر ان کا امیج خراب نہ کریں۔"

"میں آپ سے کھانا نہیں مانگ رہا لیکن آپ کچھ کھا کر آرام کریں تو بہتر ہے۔"

بیگ صاحب کے لئے ڈاکٹر نے صرف دودھ کی اجازت دی تھی۔ شام کے چھ بج گئے وہ صبح سے اسی کمرے میں تھی ناصر نے بیرونی معاملات سنبھال رکھے تھے اور سیکرٹری کی حیثیت سے اس کے سارے پروگرام کینسل کر دیئے تھے۔

پھر رات ہو گئی۔

فرزندی نے ڈرتے ڈرتے اسے چائے پیش کی اور اس نے حیرت سے فرزندی کو دیکھا۔

"جی بس بی بی۔ سچ مچ بیمار پڑ جائیں گی۔"

"اوہ فرزندی بوا' کچھ بسکٹ بھی لا دو۔" اس نے کہا اور فرزندی باہر دوڑ گئی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ کھاتے ہوئے اس نے بیگ صاحب کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ سکون سے سو رہے تھے۔ وہ یہ چہرہ دیکھتی رہی اور اچانک اس کے اپنے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ اس کے خد و خال میں تیکھا پن پیدا ہو گیا۔ چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے پیالی زور سے پرچ میں پٹخ دی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"رفیق' فرزندی! کون ہے باہر' کوئی ہے؟" اس کی آواز بے حد کرخت تھی۔ رفیق اور فرزندی دونوں ہی اندر آ گئے تھے۔

"انہیں ان کے کمرے میں پہنچا دو!" وہ غرائی۔

"جی سو رہے ہیں شاید۔ ہلانے سے تکلیف نہ ہو جائے۔" رفیق نے کہا۔

"سو گئے ہیں؟ مر نہیں گئے اور پھر کون سے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہیں معمولی سی چوٹ ہے سیڑھیوں پر قالین ہی پڑا ہوا تھا کمبخت..... لے جاؤ اٹھا کر اور کمرے میں ڈال دو۔ یہ کمرا ہسپتال کا کمرا نہیں ہے ہر جگہ کا الگ مصرف ہوتا ہے۔" وہ پاؤں پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر دروازے میں رک کر بولی۔

"اور سنو! کمرا اچھی طرح صاف کر دینا۔ سارا کمرا تباہ ہو رہا ہے صبح سے۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

□

"ابے او ہیڈ کلرک۔ چائے نہیں آئی ابھی تک۔ کمال ہے یار دفتر میں حرام خوری کرتے کرتے گھر میں بھی تیری یہی عادت بنتی جا رہی ہے ایک گھنٹے سے چائے کا انتظار کر رہا ہوں۔" شامی نے اخبار کا صفحہ الٹتے ہوئے کہا۔

"نل میں پانی ہی نہیں آ رہا یار۔۔ سر میں صابن لگا ہوا ہے باہر کیسے آؤں؟" غسل خانے سے فراز کی آواز سنائی دی۔

"پانی نہیں آ رہا؟"

"کرایہ دے دیا تھا پچھلے مہینے کا؟ کوئی سیاسی اختلاف تو نہیں کر ڈالا تھا؟"

"بکواس مت کر شامی۔ یار ذرا فریج سے ایک بوتل نکال دے۔ سر تو صاف کر لوں۔"

"فریج کے پانی سے سر دھوئے گا؟" شامی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو کیا کروں اندھا ہوا جا رہا ہوں۔"

"سرسام ہو جائے گا۔"

"ہونے دے اب کیا کیا جائے۔ یار جلدی کر۔ اٹھ جا!"

"لعنت ہے کم بخت' اطمینان سے اخبار بھی نہیں پڑھنے دیتا۔" شامی اخبار پٹختا ہوا بولا اور پھر اٹھ کر فریج کی طرف بڑھ گیا۔ بوتل کا پانی کافی ٹھنڈا تھا۔ اس نے ایک بوتل نکالی اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ "نمونیہ ہو گیا تو میں ڈاکٹر کے ہاں نہیں لے جاؤں گا۔"

"ان شیخ صاحب سے نمٹنا ہی پڑے گا۔ حد کر دی ہے۔ کرایہ دو دن لیٹ ہو جائے تو صبح شام خیریت معلوم کرنے آ جاتے ہیں۔ ضروری چیزوں کا خیال ہی نہیں خدا کی قسم انگلیاں ٹیڑھی کرنی ہی پڑیں گی' ابے کہاں ہے بوتل۔" فراز نے غسل خانے کا تھوڑا سا دروازہ کھول کر ہاتھ باہر نکالتے ہوئے کہا۔

"ہائیں یہ تیری کمر کے نیچے سرخ نشان کیسا پڑ گیا ہے؟" شامی نے شرارت سے کہا اور فراز نے دھڑ سے دروازہ بند کر لیا۔

"او کمینے' بوتل دے رہا ہے یا....."

"کمال ہے یار۔ بوتل بند دروازے سے کیسے اندر داخل ہو گی؟" شامی شرارت سے بولا۔

"تو تو بوتل کے ساتھ اندر کیوں گھسا آ رہا ہے۔ دے دے یار میں تکلیف میں ہوں۔"

"چل لے لے تو بھی کیا یاد کرے گا۔" شامی نے بوتل دروازے سے اندر داخل کر دی اور خود باورچی خانے کی طرف بڑھ گیا جہاں چائے کا پانی کھول رہا تھا۔ اس نے چائے کی دو پیالیاں تیار کیں اور اٹھائے ہوئے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فراز بھی لنگی اور بنیان پہنے تولیہ سے سرخ آنکھوں کو رگڑتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

"شیخ صاحب کو درست نہ کر دیا تو میرا نام بھی فراز نہیں' جانور سمجھ رکھا ہے۔ کبھی پانی غائب ہے اور کبھی..... کبھی....."

"بیٹی غائب ہے' کیوں؟"

"لعنت ہے۔ لاؤ چائے دو۔" فراز نے آنکھیں بھینچتے ہوئے کہا۔

"شیخ صاحب بے وقوف نہیں ہیں چاروں طرف سے محتاط رہتے ہیں' ویسے یہ مس شمسہ کی واپسی کب تک ہے؟"

"شامی! کیوں بور کر رہا ہے۔ کم بخت ہفتے میں ایک دن ملتا ہے نہانے دھونے کے لئے اور اس دن بھی پانی غائب!" فراز نے بیزار لہجے میں کہا۔

"آہ۔ راہ عشق میں تو نہ جانے کیا کیا غائب ہو جاتا ہے عزیز' تم صرف پانی سے پریشان ہو۔"

"ناشتا تیار کرو۔" فراز بولا۔

"تمہاری باری ہے بے ایمانی مت کرو۔ میں ذرا اپنے مستقبل کی تلاش میں ہوں۔" شامی نے اخبار اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میری باری کیوں ہے؟"

"کتنے معصوم ہو' سب کچھ بھول جاتے ہو سوائے شمسہ کے۔ یاد نہیں پچھلے جمعہ شیخ صاحب کے ساتھ اسٹیشن گئے تھے۔"

"مگر میں نے ناشتا شیخ صاحب کے ساتھ کیا تھا۔"

"میں نے تو گھر پر ہی کیا تھا اور تیار بھی خود ہی کیا تھا وہ کسی حساب میں نہیں؟"

"تیرے پاس لڑنے کے لئے بہت وقت ہے..... ٹھیک ہے میں تیار کر لوں گا۔"

"اصول' اصول ہوتے ہیں' اشتہار پڑھ' ستائیس سالہ بانجھ' انتہائی خوبصورت بیوہ' تنہا خود مختار' ذاتی انڈسٹری' ایسا شخص جو بزنس سنبھال سکے۔ دس کروڑ روپے کے سرمائے سے مزید کوئی منافع بخش کاروبار کر سکے' شادی شدہ بھی قبول۔ کیسا رہے گا؟"

"بکواس۔" فراز منہ بنا کر بولا۔

"دس کروڑ... فراز دس کروڑ۔"

"یہ اشتہار پڑھ پڑھ کر تیرا دماغ خراب ہو جائے گا۔"

"لیڈی ڈاکٹر' ماہانہ آمدنی ایک لاکھ روپے۔ ایک لاکھ روپے ماہانہ سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ میں بیگم سے کہہ کر تیرے لئے بھی کسی عمدہ سے مکان کا بندوبست کر دوں گا۔" شامی بولا۔

"نہیں بھائی۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر غسل خانے میں کیوں رو رہے تھے۔ تم تو ہو ہی غسل خانے کے مینڈک۔ شمسہ کی مدھ بھری آنکھوں میں غوطہ لگا لیا کرو ہفتے کے ہفتے نہانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"شمسہ تیرے ذہن پر کیوں سوار ہے آخر۔ کوئی چکر ہے کیا؟"

"میرا؟" شامی آنکھیں نکال کر بولا۔

"سو فیصدی تیرا' جس دن سے وہ گئی ہے تو روز بلاناغہ اس کے تذکرے کرتا ہے کبھی میرے منہ سے اس کا نام سنا۔"

"آہیں کون بھرتا ہے اس کے لئے' میں؟" شامی بولا۔

"لعنت ہے آہیں بھرنے والے پر۔ خدا قسم یہ دونوں باپ بیٹی فراڈ ہیں اور وہ مدھ بھری آنکھیں جن کے زاویئے ہمیشہ دو ہوتے ہیں میں آج تک فیصلہ نہ کر سکا جب وہ ہم دونوں کے سامنے آ کر مسکراتی ہے تو اس کی مسکراہٹ کا مرکز کون ہوتا ہے؟"

"اوہ' کسی کی کمی کا مذاق نہیں اڑاتے فراز۔ بس بے چاری تھوڑی سی بھینگی ہی تو ہے تو اس کی محبت دیکھ۔ بس ایک دن تو نے کہا تھا کہ مجھے کھیر پسند ہے۔ کتنی بار پکا کر بھیج چکی ہے۔ ارے شیخ صاحب کو گرم سموسے' تازہ امرتیاں' چھ بجے ہی سب کچھ یاد آتا ہے جبکہ میں پورا دن ہی گھر میں ہوتا ہوں۔ کبھی چھ بجے سے پہلے کچھ یاد آیا۔"

"تجھ جیسے دائمی بیروزگار سے کون اپنی بیٹی کی تقدیر پھوڑے گا؟" فراز نے کہا اور چائے کی خالی پیالی نیچے رکھ دی۔

"میں بھی اپنی تقدیر کسی چار کمروں کے گھر والے کی بیٹی سے نہیں پھوڑ سکتا میرے لئے کیا نہیں ہے۔ دس کروڑ اور انڈسٹری' ایک لاکھ روپے ماہانہ آمدنی والی لیڈی ڈاکٹر' اور کینیڈا میں مقیم گرین کارڈ ہولڈر فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ کسے اپناؤں۔"

"یہ اشتہار صرف تفریح کے طور پر شائع ہوتے ہیں فرزند۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں' عمل کی دنیا میں آؤ۔ نوکری کرو یہی سچائی ہے۔"

"او شٹ اپ۔ تم عمل کے باورچی خانے میں جاؤ اور ناشتا تیار کرو مجھے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے دو۔" شامی نے کہا اور دوسرا اشتہار پڑھ کر چہکنے لگا۔

دونوں چچا تایا کے بیٹے تھے۔ گھر کے لوگ دوسرے شہر میں رہتے تھے۔ فراز ایک سرکاری محکمے میں ہیڈ کلرک تھا شامی بی اے کر کے ڈیڑھ سال قبل اس کے پاس آ گیا تھا تا کہ نوکری کر سکے اور اسے لاتعداد محکموں میں انٹرویو دینے کا ڈیڑھ سالہ تجربہ تھا اب وہ نوکری کے تصور سے بیزار ہو گیا تھا اسے یقین تھا کہ اسے ملازمت نہیں ملے گی اور اکثر وہ فراز سے کہتا تھا کہ وہ کسی کا محکوم بننے کے لئے پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہیں کوئی دوسرا مستقبل کے کسی گوشے سے جھانکے گا اور وہ گولڈن ہو جائے گا چنانچہ وہ ان دنوں صرف گوشے جھانکنے پر اکتفا کئے ہوئے تھا اور اب فراز ہی ایسے اشتہارات دیکھ کر درخواستیں ٹائپ کرتا اور خود ہی شامی کے دستخط کر کے پوسٹ کر دیتا۔ ساری ذمے داری فراز نے سنبھالی ہوئی تھی۔

پہلے فراز ایک کمرے کے ایک گھر میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتا تھا لیکن شامی کے آ جانے کے بعد وہ جگہ چھوٹی اور مہنگی پڑنے لگی اور دوسری جگہ کی تلاش شروع ہو گئی تب ایک کرم فرما کی معرفت شیخ صاحب کے چار کمروں والے اس گھر میں انہیں اوپری منزل کے دو کمرے مل گئے جہاں غسل خانہ کچن اور دوسری ضروریات بھی معقول تھیں بس شیخ صاحب کچھ نامعقول تھے اور کرائے کی ادائیگی کے ساتھ انہیں شیخ صاحب کے سیاسی

تبصرے موجودہ حالات پر مباحثے اور قدیم سیاسی اور غیر سیاسی رہنماؤں کے حالات بھی سننے پڑتے تھے اور اتنا ہی نہیں کسی بھی مسئلے پر انہیں شیخ صاحب سے متفق بھی ہونا پڑتا تھا۔ یہ ازالہ ضروری تھا' اختلاف کی شکل میں کبھی نیچے کے ٹینک میں پانی ختم ہو جاتا' کبھی گیس بند ہو جاتی تھی' عموماً وہ اس اختلاف سے پرہیز کرتے تھے لیکن چمڑے کی زبان تھی کبھی کبھی پھسل ہی جاتی تھی اور پھر وہیں سے تکالیف کا آغاز ہو جاتا تھا اس احساس کے ساتھ ان کی تحقیق کا آغاز ہوتا اور بعد میں شیخ صاحب اسے اپنی کم علمی کی معذرت کرنا پڑتی تب جا کر حالات درست ہوتے۔

شیخ صاحب کے اس خانہ عافیت میں یوں تو کئی کردار تھے لیکن دختر نیک اختر شیخ عظمت حسین المعروف شمسہ صاحبہ ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ بفضل تعالیٰ مڈل پاس تھیں۔ کنواری تھیں' بھینگی تھیں' خوش مزاج تھیں' دل پھینک تھیں' ماہر امور خانہ داری تھیں اور ان دونوں کو دیکھ کر سب سے زیادہ خوش ہوئی تھیں۔ انہوں نے چند ہی روز کے اندر اندر ان دونوں پر دل پھینک مارے مگر نگاہوں کا زاویہ درست نہ ہونے کی بنا پر دونوں نہ سمجھ پائے کہ نشانہ کدھر ہے' بعد میں یہ مشکل بھی حل ہو گئی' شامی منہ پھٹ تھا اور فراز بامروت' اس کی خاموشی نے شمسہ صاحبہ کو باور کرا دیا کہ بسمل کون ہے چنانچہ ان کی عنایتیں مخصوص ہو گئیں اور شامی طفیلی بن گیا۔

پچھلے دنوں آنسہ معہ جملہ خواتین کے شہر سے باہر شادی میں تشریف لے گئی تھیں جنہیں اسٹیشن پہنچانے کے لئے فراز کو بھی جانا پڑا تھا فراز کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ شیخ صاحب موصوف کو نور چشمی کا التفات معلوم تھا اور فراز ہی معقول تھا کیوں کہ یہ برسرروزگار تھا۔

ناشتے کے بعد فراز نے کہا۔ "ذرا نیچے جا کر شیخ صاحب کا جائزہ تو لو صبح سے پانی کی موٹر نہیں چلی بقید حیات ہیں یا چل بسے۔"

"بور مت کرو فراز' مجھے آج فیصلہ کرنا ہے۔ آخر گھر تو بسانا ہی ہو گا۔ یہ سب بے چاریاں میری آس لگائے بیٹھی ہیں کسی کو مایوس کرنا گناہ ہے۔"

"لعنت ہے تم پر' خدا قسم تم ذہنی توازن کھوتے جا رہے ہو۔" فراز نے غصیلے لہجے میں کہا اور خود ہی شیخ صاحب سے ملاقات کرنے چل پڑا۔ شامی پھر اخبار میں کھو گیا تھا۔

شام کو فراز نے کہا۔ "قبلہ عالی کل کا پروگرام یاد ہے؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے تین پتے نوٹ کئے ہیں اور بہت غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ لیڈی ڈاکٹر ہر لحاظ سے بہتر ہے اسی کے لئے کوشش کرنی ہے باقی دو کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"شامی کوئی ایسی ترکیب نہیں کہ تم انسان بن جاؤ۔"

"اطمینان رکھو' ڈاکٹر ضرور بن جاؤں گا۔ لیڈی ڈاکٹر کے شوہر کو لوگ اخلاقاً ڈاکٹر صاحب ہی کہیں گے میرا دعویٰ ہے۔" شامی نے کہا۔

"کل تمہیں گارمنٹ سٹی میں انٹرویو کے لئے جانا ہے وقت ساڑھے نو بجے مقرر ہے۔"

"اوہ ہاں تم نے تذکرہ کیا تھا کیا وہاں جانا بہت ضروری ہے؟" شامی نے آہستہ سے کہا۔

"یار خدا کے لئے کام کی باتوں کو نظر انداز مت کیا کر' ہو سکتا ہے کہیں تکا لگ ہی جائے آخر نوکریاں بھی انسانوں ہی کو ملتی ہیں اور گارمنٹ سٹی بہت بڑا ادارہ ہے میں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور اس کے باوجود مجھے بھیج رہے ہو۔" شامی نے شکایتی انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"چند گھنٹے ضائع کرانے کے علاوہ اور بھی کچھ حاصل ہو گا تمہیں' اس سے بہتر یہ نہیں ہے کہ ان تینوں رشتوں کو ٹرائی کر لوں' ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی کام بن جائے ویسے تمہارا کیا خیال ہے دوسرے لوگ اس چکر میں نہیں پہنچیں گے۔"

"تمہاری مرضی ہے شامی میں نے تمہیں آج تک مجبور تو نہیں کیا ہر معاملے میں غیر سنجیدگی اختیار کرنا چاہتے ہو تو کرتے رہو۔"

"ارے ارے تو تو سنجیدہ ہو گیا ہیڈ کلرک' ٹھیک ہے بھائی پہلے وہاں چلا جاؤں گا لیکن وہاں کیا ہو گا یہ مجھ سے یہیں پوچھ لو' چند شکلوں سے مدبر نظر آنے والے اور عقلوں سے کورے اور جیب بھرے ایک میز کے گرد اس طرح بیٹھے ہوں گے جیسے انگریزی فلموں میں مافیا کے باس بیٹھے ہوا کرتے ہیں ان کے چہروں پر سختی ہو گی اور وہ انٹرویو کے لئے آنے والے ہر شخص کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھیں گے اور پھر سوالات کریں گے کہ ہوا ہوا کہاں ہے یا ہنالولو کے لوگ گنڈیریاں کھاتے ہیں یا نہیں' اس قسم کے چند سوالات کرنے کے بعد وہ معذرت کر لیں گے یا کہہ دیں گے کہ تمہیں ڈاک کے ذریعے مطلع کر دیا جائے گا یہ ساری کارروائی میرے لئے اجنبی نہیں ہے تاہم چلا جاؤں گا رشتوں کا مسئلہ ہے وہاں سے واپسی کے بعد سہی۔" شامی نے کہا۔

فراز سادہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا شامی کی اندرونی کیفیات کا اسے اندازہ تھا ڈیڑھ سال پہلے جب اس کے پاس آیا تھا تو بڑا تر و تازہ اور پرامید تھا لیکن ڈیڑھ سال کی مسلسل کاوشوں کے بعد ناکامیوں نے اسے مضمحل کر دیا تھا اور اب وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا جس میں خود سری اور جھنجلاہٹ شامل تھی' یہی غنیمت تھا کہ اس نے اپنی خوش مزاجی نہیں چھوڑی تھی' ویسے فراز اسے بہت چاہتا تھا بچپن ہی سے دونوں ساتھ رہے تھے اور ان دونوں کے درمیان بڑے گہرے روابط تھے۔

شامی نے فراز کی ہدایت کے مطابق تیاریاں کیں دوسرے دن صبح کا ناشتا تیار کرنا اس

کی ذمے داری تھی چنانچہ اس نے یہ ذمے داری بھی پوری کی اور اس کے بعد نیا استری کیا ہوا لباس پہن کر تیار ہو گیا۔ ساڑھے آٹھ بجے فراز اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا تھا۔ شامی نے لاپرواہی سے تمام تیاریاں کیں الٹے سیدھے بال سنوارے اور پھر باہر نکل آیا ایک بس نے اسے مطلوبہ جگہ پہنچا دیا اور بس سے اترتے ہی سامنے اسے گارمنٹ سٹی کابورڈ نظر آیا بلاشبہ یہ وسیع و عریض عمارت سٹی کہلانے ہی کی مستحق تھی بہت ہی نفاست سے ہر چیز آراستہ کی گئی تھی بڑے سے صدر گیٹ سے اندر داخل ہوا تو اسے بہت سے مارکیٹنگ منیجر نظر آئے جو انٹرویو کے لئے تیار تھے اور ہال کی دو طرفہ نیم دائرے کی شکل میں لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے ہی بڑا گول دروازہ نظر آ رہا تھا اور اس دروازے کے دوسری طرف بقول شامی کے مافیا کے پراسرار باس بیٹھے ہوئے تھے۔ کام مقررہ وقت پر ہی شروع ہو گیا تھا اس بات پر شامی کو ذرا حیرت ہوئی تھی ورنہ یہ باس قسم کے لوگ اگر ساڑھے نو بجے کا وقت دیں تو بارہ بجے انٹرویو ضرور شروع ہو جاتا ہے اس سلسلے میں شامی کے تجربے نے یہاں تھوڑا سا دھوکہ کھایا تھا بہرحال انٹرویو کا آغاز ہوا امیدواروں کو اندر بلایا جانے لگا اور وہ منہ لٹکائے واپس آتے رہے پھر شامی کی باری آئی اور وہ اٹھ کر اندر چل پڑا لیکن اندر اس کے اندازے کے مطابق مافیا کے باس نہیں تھے' ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جو درمیان میں تھیں ان کے برابر ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان سے کچھ فاصلے پر ایک لڑکی جس کے پاس فائل کے انبار تھے' لڑکی نے غالباً شامی کا فائل ان خاتون کے سامنے رکھ دیا خاتون نے فائل کھولا چند لمحات اس پر نگاہیں دوڑاتی رہیں اور پھر اسے برابر بیٹھے ہوئے معمر شخص کے حوالے کر دیا شامی کو سامنے کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی گئی تھی اور وہ شکریہ ادا کرکے بیٹھ گیا تھا۔ معمر شخص نے کہا۔

"آپ کا نام احتشام احمد ہے؟"

"جی سو فیصدی شناختی کارڈ کے ساتھ۔" شامی نے جواب دیا۔

"ہوں' تعلیم؟"

"غالباً درخواست کے ساتھ تمام تعلیمی سرٹیفکیٹ بھی منسلک کئے گئے تھے۔ تاہم بی۔ ایس۔ سی کیا ہے میں نے۔" شامی نے جواب دیا۔

"بی۔ ایس۔ سی کرنے کی کوئی خاص وجہ تھی؟"

"جی ہاں۔"

"کیا؟"

"ابا نے کہا تھا کہ سائنس پڑھو سائنس پڑھی۔"

"میرا مطلب ہے آپ کا اپنا کوئی تصور نہیں تھا اس سلسلے میں؟"

"محترم! ہمارے ملک میں اولاد کی تقدیر کے فیصلے والدین کیا کرتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہئے

کہ اولاد کی تقدیر والدین کی مٹھی میں ہوتی ہے اور اولاد یہ مٹھی کبھی نہیں کھلوا سکتی' باپ تعلیمی معاملات میں فیصلے کرتا ہے اس لئے کہ تعلیمی اخراجات اس کے ذمہ ہوتے ہیں ماں شادی کے لئے چاند سی بہو منتخب کرتی ہے کیوں کہ چاند کے ٹکڑے تلاش کرنے میں باپ کی نگاہیں تیز نہیں ہوتیں اس طرح لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں شادیاں کرتے ہیں ان کا اپنا ذاتی [illegible] وقت کچھ نہیں ہوتا ہاں اپنی اولاد کے مستقبل کے وہ بادشاہ بن جاتے ہیں۔" معمر شخص نے عورت کی طرف دیکھا وہ خاموشی سے شامی کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"گویا آپ کے خیال میں مسٹر احتشام والدین کو اولا پر مسلط نہیں ہونا چاہئے۔"

"قطعی نہیں ہونا چاہئے اگر والدین اولاد پر مسلط ہونے کے بجائے ان کے رجحان کا جائزہ لیں تو اولاد اپنا بہتر مستقبل تعمیر کر سکتی ہے اب آپ دیکھ لیجئے تاکہ جرمنی کا معمولی سا نوجوان بالاخر وہاں کا چانسلر بن گیا اس کی بنیادی وجہ کیا تھی؟"

"آپ ہٹلر کی بات کر رہے ہیں؟"

"میں ہر اس شخص کی بات کر رہا ہوں جسے اپنے طور پر زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے والدین تعلیمی راستے تو منتخب کر دیتے ہیں لیکن حصول تعلیم کے بعد وہ تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ جاؤ اس تعلیم کو بروئے کار لاؤ اور اگر ابتدائی مراحل میں ان سے انحراف کیا جائے تو اسکول اور پھر کالج کی فیس نہیں ملتی جیب خرچ نہیں ملتا چنانچہ وہی ہوتا ہے جو ہٹلر نما ابا جان چاہتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک اس ملازمت کا اشتہار پڑھا تھا آپ نے؟"

"سر یہ سوال آپ نہ کریں کیوں کہ اس کا جواب خالص ذاتی نوعیت کا ہو جائے گا۔" شامی نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن جواب ضروری ہے مسٹر احتشام۔"

"تو جواباً عرض ہے کہ اشتہار وغیرہ میں نہیں پڑھتا یہاں میں اپنے بھائی کے ساتھ رہتا ہوں ڈیڑھ سال قبل اپنے شہر سے یہاں آیا تھا اور سوچ کر آیا تھا کہ بس پہنچا اور ملازمت ملی اس کے بعد انٹرویو کے تجربے کئے اور جب تھک گیا تو یہ شعبہ ختم کر دیا اب میرا بھائی خود ہی اشتہارات پڑھتا ہے درخواستیں ٹائپ کرتا ہے ان پر دستخط کرتا ہے اور پوسٹ کر دیتا ہے۔ مجھے بس انٹرویو کے لئے آنا جانا پڑتا ہے اس لئے آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے۔"

معمر شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی البتہ خاتون بالکل سنجیدہ اور خاموش بیٹھی ہوئی تھیں اور انہوں نے بس ایک آدھ ہی سوال کیا تھا معمر شخص بولا۔

"یہ اشتہار مارکٹنگ منیجر کے لئے ہے۔ کیا آپ کو مارکٹنگ کا کوئی تجربہ ہے؟"

"جی ہاں کیوں نہیں۔ بچپن میں' بلکہ جوانی میں بھی گھر کا سارا سودا سلف میں ہی لاتا تھا میں جانتا ہوں کہ آٹا' دال' چاول تیل کس طرح خریدا جاتا ہے گوشت میں کون کون سا حصہ

اچھا ہوتا ہے۔ یہی نہیں جناب بلکہ بہتر سودا سلف لانے میں تو پڑوسی بھی میرا لوہا مانتے تھے اور عموماً مجھ سے اپنا سودا سلف منگوا لیا کرتے تھے کیوں کہ وہ جیب خرچ پورا نہیں ہوتا تھا جو ابا جان سے ملتا تھا چنانچہ پڑوسیوں کی مدد سے حالات قدرے بہتر ہو جاتے تھے۔“

”آپ مذاق فرما رہے ہیں احتشام۔“ معمر شخص نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”کیا حرج ہے جناب انٹرویو ہنستے کھیلتے گزر جائے ویسے بھی ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے مذاق کر رہے ہیں کیا آپ ان انٹرویوز کے مسئلے میں سنجیدہ ہیں میرا تو خیال ہے کہ اس قسم کے دفاتر میں لوگ انٹرویو' انٹرویو ہی کھیلا کرتے ہیں اور ان انٹرویوز کا نتیجہ جو کچھ ہوتا ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی چنانچہ کھیل کھیل میں وقت گزر جائے کچھ دلچسپ باتیں مسکراہٹیں اور قہقہے میرا تو یہی نظریہ ہے باقی اگر آپ اسے ناخوش گوار محسوس کر رہے ہیں تو معذرت خواہ ہوں۔ اب جاؤں؟“

”جی! جائیے۔“ معمر شخص نے کہا عورت کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی شامی سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل آیا اس کے انداز میں بے پناہ سرکشی تھی وہ جانتا تھا کہ اس انٹرویو کا نتیجہ بھی کیا ہو گا بس وقت گزر جائے گا اور یہ فرم بھی ذہن سے نکل جائے گی ہونہہ گارمنٹ شی.... اس نے گردن جھٹکی اور باہر نکل آیا۔ دوسرے امیدوار کو طلب کر لیا گیا تھا۔

شامی کافی دور تک پیدل چلتا رہا ذہن تھوڑی سی کدورت کا شکار ہو گیا تھا اب اسے سارے انٹرویو ڈرامے لگتے تھے نہ جانے بیروزگار نوجوانوں کے ساتھ یہ مذاق کیوں کیا جاتا ہے جبکہ ملازمت میں انتخاب اسی کا کیا جاتا ہے جس نے کوئی ذریعہ حاصل کر لیا ہو۔ شادی کے اشتہارات کے مذاق سے بھی وہ بخوبی واقف تھا یہ کروڑوں روپے کی جائیداد کے جھانسے اپنا کوئی پس منظر ضرور رکھتے تھے کبھی اس کا تجربہ بھی کر کے دیکھنا چاہئے۔ ویسے اس بارے میں سرگرمی اور دلچسپی کا اظہار اس نے صرف فراز کو چڑانے کے لئے کیا تھا۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے کرتے تھک گیا تو گھر واپس چل پڑا اور باہر ہی شیخ صاحب سے ملاقات ہو گئی۔

”آخاہ۔ احتشام میاں؟“

”کیسے مزاج ہیں شیخ صاحب؟“

”ٹھیک ہوں۔ آؤ چائے پلاؤں۔ پتی ختم ہو گئی تھی دکان سے لینے گیا تھا۔“ چائے کے تذکرے پر وہ شیخ صاحب کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ حاجت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ شیخ صاحب اسے بیرونی حصے میں بٹھا کر چائے لینے چلے گئے پھر دو پیالیاں اٹھائے اندر آ گئے۔

”گھر میں بچے نہ ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ گھر کیا ہے سارے کام خود کرنے پڑتے ہیں ایک ہفتے میں ہی چولیں ہل گئی ہیں۔“

”چچی جان کب تک واپس آ جائیں گی؟“ شامی نے جلدی جلدی چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”بس ایک آدھ دن میں.... اور سناؤ سیاست کیا کہہ رہی ہے آج کل؟“

”اوہ نہیں! اس کا نام سیاست نہیں فرحت ہے آپ کے سننے میں غلطی ہوئی ہو گی۔“ شامی نے کہا۔

”کس کا نام فرحت ہے؟“

”میری ہونے والی منگیتر کا۔ کہتی ہے برسرروزگار تو ہو جاؤ دنیا پوچھے گی لڑکا کیا کرتا ہے تو کیا کہو گے؟“

”لاحول ولا قوۃ۔ میں تمہاری منگیتر کے بارے میں نہیں ملکی سیاست کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔“

”اس وقت صرف فرحت کی بات ہو سکتی ہے کیا سمجھے آپ۔ ایک پیالی چائے میں سیاست گھول کر پلائیں گے ہونہہ۔“ وہ خالی پیالی رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور پھر باہر نکل آیا۔ شیخ صاحب حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

□

مرزا سخاوت صاحب دین دار انسان تھے۔ دینی تعلیم حاصل کی تھی اور پوری زندگی اسی پر عمل پیرا رہے تھے۔ پانچوں وقت کی نماز و رمضان بھر کے روزے اور ان کا اہتمام بلکہ ان کے شناساؤں کا کہنا تھا کہ مرزا جی کے ہاں ماہ رمضان میں تیس دن تک عید رہتی ہے۔ جوانی میں والدین کے اطاعت گزار رہے۔ شادی کے بعد بیوی کے وفادار' کیا مجال جو کسی عمر میں کسی کو غلط آنکھ سے دیکھا ہو۔ ہاں' دوسروں سے بھی دینوی حقوق کے حصول میں کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ چنانچہ ہر شخص کی حد مقرر تھی تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کے باپ تھے۔ سب سے بڑا سجاد تھا۔ اس سے چھوٹی تابندہ پھر جواد اور آخر میں رخشندہ' اور فرخندہ۔ ورثے میں کپڑے کا کاروبار ملا تھا جسے بہت عرصے چلاتے رہے بعد میں آڑھت کا کام شروع کر دیا جو زیادہ منافع بخش تھا اور حالات کافی بہتر ہو گئے تھے۔ بیٹیوں کی تعلیم کے روادار نہیں تھے گرلز اسکول سے میٹرک کے بعد تابندہ پر پابندی لگ گئی یہ میٹرک بھی بس لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر کرا لیا تھا ورنہ تابندہ نے جس دن سے دوپٹہ سینے پر سجایا اسی دن سے انہوں نے زیادہ تعلیم کی مخالفت شروع کر دی۔ تابندہ البتہ تعلیم کی شوقین تھی۔ میٹرک کے بعد بڑی رد و قدح ہوئی بالآخر طے پایا کہ تابندہ پرائیویٹ بی۔ اے کر لے۔ اس کے لئے انتظامات کر لئے گئے اور تابندہ نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ سجاد ایم۔ اے کر رہا تھا اور پڑھائی میں تابندہ کی مدد کرتا تھا اس طرح تابندہ نے بی۔ اے کر لیا۔ جواد بھی بی۔ اے سے نکل گیا۔ رخشندہ اور فرخندہ ابھی چھوٹی کلاسوں میں پڑھ رہی تھیں اس لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایم۔ اے کے بعد سجاد نے ملازمت تلاش کرنا شروع کی اور خوش قسمتی سے اس میں

کامیاب ہو گیا۔

مرزا صاحب کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ ساری زندگی کی نیکیاں کام آئی تھیں۔ ذہنی سکون میسر ہوا تھا۔ بیٹے سے پوچھا۔ "میاں تنخواہ کیا مقرر ہوئی؟"

"ابو ڈھائی ہزار ملیں گے' کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کام پر نگاہ رکھتے ہوئے اضافہ کیا جائے گا۔"

"معبود کریم برکت دے۔ خدا کے فضل سے اب میں ایک مرحلے سے نکل گیا اور اب دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گا۔"

"دوسرا مرحلہ!" بیگم فیروزہ نے پوچھا۔

"تمہاری تو سدا آنکھیں بند رہیں گھر والی۔ اللہ کی بندی کبھی تو آنکھیں کھول کر دنیا کو دیکھا ہوتا۔"

"موقع مل گیا مجھے برا بھلا کہنے کا۔ بند آنکھوں سے ہی تو اولاد پال دی ہے۔" فیروزہ بیگم بولیں۔

"اولاد کی ذمہ داریاں والدین کی زندگی میں ختم نہیں ہو جاتیں نیک بی بی' یہ تو مرتے دم تک جاری رہتی ہیں۔ بچیاں بیل کی طرح بڑھ رہی ہیں ان کے مستقبل کا بھی تو سوچو۔"

"تو اس سے انکار کسے ہے؟"

"کیوں بھئی سجاد میاں' پہلے بیوی لاؤ گے یا بہنوئی؟"

"ابو!" سجاد شرما گیا۔

"میاں شرمانے سے کام نہیں چلے گا۔ دو ٹوک فیصلہ ضروری ہوتا ہے۔ اب تو تم میری ہر مشکل کے ساتھی ہو۔ اسی دن کا تو انتظار کر رہا تھا۔"

"ابو! ہم پہلے اپنی تینوں بہنوں کو رخصت کریں گے۔" سجاد نے کہا۔

"ارے نہیں بھئی نہیں! تم جذباتی ہو گئے۔ میں اتنی بے انصافی نہیں کروں گا' ایک بیٹی رخصت کروں گا پھر ایک بہو لاؤں گا۔ جنت جہاں! اب داماد کی تلاش میں نگاہ دوڑاؤ۔"

"کیوں نہیں۔" فیروزہ بیگم نے کہا۔

مرزا صاحب کو سوجھ گئی تھی چنانچہ اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کر لیا۔ دوست احباب شریک کار ہو گئے اور کسی معقول لڑکے کی تلاش شروع ہو گئی۔ لڑکیاں بے مثال تھیں اور خاندان کھرا اس لئے کئی رشتے آئے لیکن مرزا صاحب کو پسند نہیں آئے تھے۔ بہرحال تلاش جاری تھی۔ فیروزہ بیگم بھی نگاہ دوڑا رہی تھیں پھر ایک قریبی عزیز کے ہاں کسی لڑکی کی شادی طے پائی اور دعوت نامہ پہنچ گیا۔

"خالدہ ممانی نے ایک ہفتے پہلے بلایا ہے۔ کیا کہتے ہو؟"

"ایں۔ یعنی اس لغویات پر کوئی تبصرہ بھی کرنا پڑے گا مجھے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"لغویات۔" فیروزہ بیگم نے جھلا کر کہا۔

"سو فیصد' کیا آپ مجھ سے متفق نہیں ہیں' ذرا غور فرمایئے' ایک خاتون اپنے بیٹے کی شادی کر رہی ہیں اور ایک ہفتہ قبل اپنے مہمانوں کو بلانا چاہتی ہیں' کوئی عقل کی بات ہے' یعنی یہ کہ آپ چلی جائیں گی اور ہم یہاں اپنے آپ کو رنڈوا محسوس کریں گے۔"

"دیکھئے مرزا صاحب' میں نے کبھی زبان نہیں کھولی آپ کے سامنے' آپ کے احکامات کی تعمیل ہمیشہ کرتی رہی ہوں لیکن یہ بات ظلم میں شامل ہو جاتی ہے' اپنوں سے کبھی جی بھر کے ملاقات نہیں کرنے دی آپ نے' طویل عرصے کے بعد یہ موقع آیا ہے' سارے خاندان والے جمع ہوں گے' میں بھی ان کے درمیان ہنس بول لوں گی' کیا یہ میرا حق نہیں ہے؟"

"ارے ارے' بڑی سنجیدہ ہو گئیں آپ' بھلا منع کس احمق نے کیا ہے' شادی میں شرکت فرمایئے اور گھر واپس آ جایئے' بھلا ہم نے روکا ہے کبھی۔"

"آپ بھی دیندار ہیں مرزا صاحب' احکامات خداوندی کی پیروی کرتے ہیں تو کیا اس میں یہ بات شامل نہیں کہ کسی کی دلجوئی بھی کی جائے۔ میں نے کب آپ سے ضد کی' بچیاں تو پورے خاندان سے کٹی ہوئی ہیں' کب ملتی ہیں کسی سے ایک ذرا سرسری ملاقات ہو گئی۔ یہ بھی کوئی ملاقات ہے آخر انہیں پرائے گھر بھیجنا ہے آپ کو' ابھی سے ان کے ارمان مار دیں گے تو کیا یاد کریں گی میکے کو؟"

"توبہ توبہ! اتنی لمبی چوڑی تقریر فرمانے کے لئے کس نے کہا تھا آپ کو۔ جانا چاہتی ہیں؟"

"جی ارادہ تو یہی ہے لیکن ظاہر ہے آپ کی اجازت کے بغیر....؟"

"بھئی محبت کی بات نہیں کرتیں آپ' بس یہی سوچتی ہیں کہ ہم نے آپ پر ظلم کیا عزیزوں سے دور رکھا' یہ نہیں سوچتیں کہ آپ کی جدائی کبھی برداشت ہی نہ ہو سکی' خیر کب جانا چاہتی ہیں؟"

"اجازت ملے تو ایک آدھ دن میں چلی جاؤں۔ دوسرے شہر کا معاملہ ہے چند روز رہ کر آؤں گی۔"

"ہوں ٹھیک ہے' یہ کڑوے گھونٹ پی لیں گے بھئی چلی جایئے' تیاریاں کر لیجئے۔"

"تینوں بچیوں کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔"

"اب یہ آپ نے مزید لغویت شروع کر دی۔"

"کیوں' کیا بچیوں کو چھوڑ کر چلی جاؤں! نا بابا نا! اس سے تو میرا نہ جانا ہی بہتر ہے' بچیاں کیا سوچیں گی' ماں چلی گئیں شادی میں شاد ہونے کے لئے اور ہمارا خیال نہ کیا۔"

"عجیب بات ہے گویا تینوں کو لے جاؤ گی۔"

"ہاں۔"

"اور گھر میں کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں ہو گا' کیا مرد گھروں میں رہتے نہیں ہیں؟"

"آہ کاش اس دن کے لئے مرد نہ ہوتے۔ خیر بھئی ہاں' جواد اور سجاد تو جا نہیں سکتے۔"

"ان دونوں کو آخری دن بھیج دیجئے گا اور آپ بھی شادی میں شرکت فرمایئے۔"

"دعوت نامے کا شکریہ۔ بہرحال آپ نے حوالے ایسے دل خراش دیئے ہیں کہ دل ڈرنے لگا ہے آپ تیاریاں کیجئے اور جس شے کی ض... ہو بلا تکلف فرما دیجئے۔"

فیروزہ بیگم خوش ہو گئی تھیں' میکے کا خاندان ... بڑا تھا لیکن سچائی یہی تھی کہ جس دن سے رخصت ہو کر مرزا صاحب کے گھر آئی تھیں ... ے والوں سے ملنا جلنا بس ثانوی ہی سا رہ گیا تھا۔ مرزا صاحب اتنی محبت کرنے والے تھے ک... بھی یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ کسی غیر گھر میں آ گئی ہیں' ملنے جلنے میں کمی بھی نہیں کی ... انہوں نے' لیکن کبھی بھی ایک آدھ دن سے زیادہ نہ چھوڑا' اور یہ بات بھی بہت پرانی تھی۔ جب بچے دنیا میں آئے اور ذمہ داریاں بڑھیں تو یہ ایک دو دن بھی ختم ہو گ... ہاں جب کسی سے ملنے کو جی چاہا تو مرزا صاحب نے انکار نہ کیا' بلکہ خود ہی ملانے لے گئے اور اپنے ساتھ ہی واپس لے آئے بہت عرصے کے بعد فیروزہ بیگم کا جی چاہا تھا کہ خاندان والوں کے ساتھ چند روز گھل مل کر گزاریں۔ خاص طور سے بچیوں کا بھی خیال تھا۔ بے چاریاں گھر کے ماحول میں پروان چڑھی تھیں' باہر کی دنیا نہ دیکھنے کے برابر دیکھی تھی' مرزا صاحب کے ہاں کسی دوست وغیرہ کی تقریب ہوئی تو مرزا صاحب بڑی پابندیوں کے ساتھ لے گئے۔ وہ بھی بیگم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ایک بچی کو۔ دوسری تقریب میں دوسری بچی شریک ہو جاتی تھی' یوں لوگوں سے ملنا جلنا رہا تھا' یہ پہلا موقع تھا کہ مرزا صاحب نے ان سب کو اجازت دی تھی اور وہ بھی شاید فیروزہ بیگم کے بے حد اصرار پر۔ بہرطور وہ بیگم سے ہمیشہ ہی تعاون کرتے تھے اور بہت کم فیروزہ بیگم کو ان سے شکایات کے مواقع ملے تھے۔

تیاریاں ہوئیں - لڑکیاں بے حد خوش تھیں ایک ہفتہ گھر سے باہر رہنے کا موقع ملے گا اور دلچسپیاں سمیٹی جائیں گی۔ جس لڑکی کی شادی ہو رہی تھی وہ بھی ان سب سے بے حد بے تکلف تھی اور پھر خاندان کے سب افراد جمع ہوں گے۔ سب سے ملنا جلنا ہو گا خوب مزہ رہے گا۔ تیاریاں کی گئیں اور اس کے بعد مرزا صاحب نے انہیں ریل میں بٹھا دیا۔ جواد کو ساتھ کر دیا گیا تھا کہ چھوڑ کر واپس آ جائے' وقت تو ہو گی' لیکن یہ ضروری تھا' جواد کے تعلیمی مشاغل میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔

خالدہ بیگم یا خالدہ ممانی بہت محبت کرنے والی تھیں۔ بہت دنوں کے بعد ایسا موقع آیا تھا چنانچہ اس خاندان کو انتہائی پر مسرت انداز میں خوش آمدید کہا گیا۔ بڑی سی حویلی میں بے شمار کمرے تھے۔ ان لوگوں کے قیام کے لئے بھی بندوبست کر لیا گیا اور سب خوشی سے

پھولے نہ سمائے' گھر بھرا ہوا تھا' پرانے طرز کے لوگ تھے' رشتہ دار جن کو شادی بیاہ کے موقع پر بہت پہلے سے بلا لیا جاتا تھا اور شادی کا ہر دن شادمان گزرتا تھا چنانچہ اس وقت بھی کئی بیرونی رشتہ دار آئے ہوئے تھے۔ میل ملاقاتیں ہوئیں' تعارف ہوئے اور فیروزہ بیگم کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔

"تابندہ' رخشندہ اور فرخندہ بھی پر مسرت انداز میں اپنے خاندان کی لڑکیوں سے مل رہی تھیں' بڑی بوڑھیوں سے تعارف کرایا جا رہا تھا' حویلی کے وسیع و عریض لان پر چہلیں ہونے لگی تھیں رات کو ڈھولک بھی بجا اور لڑکیوں نے اپنی اپنی بے سری آوازوں میں اچھے اچھے گیتوں کا ستیاناس کیا۔ قہقہے' دلچسپیاں' تفریحات گویا کئی دن کے لئے عید آ گئی تھی۔ رشتہ دار لڑکیوں سے گو زیادہ ملاقاتیں نہیں ہوتی تھیں' لیکن سب ایک دوسرے کی شناسا تھیں' کسی سے رابطہ بالکل ہی منقطع نہیں تھا۔

شہوار سدا کی شریر سب سے زیادہ وہی شرارتیں کر رہی تھی۔ دوسری لڑکیاں بھی تھیں۔ ڈھولک کے گیت ختم ہوئے تو بڑے بزرگوں نے سونے کی ہدایت کی' لیکن لڑکیاں سونے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ رخشندہ اور فرخندہ بھی اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھیں۔ فیروزہ بیگم خالدہ ممانی کے ساتھ تھیں۔

تابندہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ ان لوگوں کو جو کمرا دیا گیا تھا وہ اوپری منزل میں کنارے کا کمرا تھا اور کھڑکی کے دوسری جانب باغیچہ پھیلا ہوا تھا ابھی تابندہ کو اپنے کمرے میں آئے ہوئے پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ شہوار ہاتھ میں ایک پیالہ لئے ہوئے اندر آ گئی اور کہنے لگی۔

"تابندہ باجی! کسی کو سونے نہیں دیں گے' جو سوئے گا اس کے منہ پر کالک لگائیں گے' ذرا اسے سنبھال کر رکھ لیں میں ابھی آئی۔"

"اے شہوار کیا بدتمیزی ہے' جس کے چہرے پر تم یہ کالک لگاؤ گی اس کے چہرے پر دھبے پڑ جائیں گے یہ آسانی سے چھوٹے گی بھی نہیں۔"

"بے کار باتیں نہ کریں تابندہ باجی۔ یہ لوگ آخر سو کیوں رہے ہیں' ایک منٹ ٹھہریں میں ابھی آئی۔"

"بھئی میں اس شرارت میں تیرا ساتھ نہیں دوں گی بلکہ ان لوگوں سے کہہ بھی دوں گی۔" تابندہ نے کہا لیکن شہوار ہنستی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"تابندہ نے پیالے میں کالک کو دیکھا جو تیل میں ملا دی گئی تھی' کافی مقدار میں تھی اور واقعی بڑی خراب چیز تھی۔ اس نے کھڑکی کے پاس جا کر پیالہ نیچے اوندھا دیا تاکہ شہوار کسی کے ساتھ یہ مذاق نہ کرے لیکن کالک نیچے پھینکتے ہوئے اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی تھی اور وہ بری طرح بوکھلا گئی' اس نے جلدی سے کھڑکی کا بڑا پٹ کھول کر باہر جھانکا تو نیچے

کوئی اپنے سفید لباس کو جھٹک رہا تھا' اس کا چہرہ اوپر اٹھا دیکھا تو تابند کو اس چہرے پر بھی کالک کے دھبے نظر آئے۔

"خخ' خدا کی پناہ۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ گھبراہٹ میں اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی' اور پیچھے پلٹ آئی۔ دل میں شدید شرمندگی کا احساس تھا۔ نجانے کون ہے اب کیا ہو گا؟"

"دیر تک وہ اسی طرح کھڑی سوچتی رہی کہ نجانے کون اس کی اس حماقت کا نشانہ بن گیا ہے دیکھ بھال کر کالک نیچے پھینکنی چاہئے تھی' اسی وقت شہوار اندر آ گئی۔

"ارے یہ پیالہ خالی کیسے ہو گیا؟"

"شہوار بہت برا ہوا ہے۔ میں نے یہ کالک نیچے پھینکی تھی لیکن وہ کسی کے اوپر پڑ گئی۔

"کس کے اوپر؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"آ گئی شامت' اب مصیبت بھگتنے کے لئے تیار رہو' بہت زیادہ نیک بن رہی تھیں۔ لاؤ پیالہ دو جلدی سے باہر نکل جاؤ۔ تمہارے کمرے کی تلاشی لی جائے گی تو پیالہ نہیں ملے گا۔ تم بھی عجیب ہو تابندہ باجی۔" شہوار بڑبڑاتی ہوئی خالی پیالہ لئے باہر نکل گئی اور تابندہ چند لمحات پریشانی کے عالم میں یونہی کھڑی رہی پھر وہ بھی بوکھلا کر باہر نکل آئی اسے خدشہ تھا کہ جو شخص کالک کا شکار ہوا ہے وہ باز پرس کے لئے ضرور آئے گا۔ وہ خود بھی دوسری لڑکیوں میں جا شامل ہوئی تھی' پتا نہیں کوئی اس کے کمرے میں پہنچا یا کہ نہیں اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔

لیکن دوسرے دن صبح دس ساڑھے دس بجے ہوں گے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اتفاق سے اس وقت بھی تابندہ ہی یہاں موجود تھی۔ دروازہ کھولا تو اس نے ایک خوش رو نوجوان کو کھڑے پایا۔

دودھ جیسا سفید چہرہ' سفید کلف لگا کرتا اور پاجامہ' بہت ہی دلکش شخصیت کا مالک تھا وہ' اس نے ہاتھ میں ایک بنڈل پکڑا ہوا تھا' وہ بنڈل اس نے تابندہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لیجئے! آپ کی مصوری کے نقوش چہرے سے تو مٹانے میں کامیاب ہو گیا لیکن یہ کپڑے' دھونے سے بھی صاف نہیں ہوئے۔ ان کا فیصلہ آپ ہی فرمایئے گا۔" بنڈل تابندہ کے ہاتھ میں دے کر وہ واپس پلٹ گیا' خواتین آ جا رہی تھیں اور زنان خانے میں تھوڑے سے پردے کا اہتمام بھی تھا اس لئے وہ وہاں نہیں رکا تھا۔ تابندہ ہاتھ میں کپڑوں کا بنڈل لئے ششدر کھڑی رہ گئی پھر وہ جلدی سے اندر آئی اور غڑاپ سے دروازہ بند کر لیا' یہ یقیناً وہی تھا جس پر رات کو کالک پڑ گئی تھی۔ اجنبی چہرہ تھا اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے لیکن ایک عجیب سی کیفیت اس کے اوپر طاری ہو گئی' اس نے ڈھیلے ڈھیلے ہاتھوں سے بنڈل کھولا

سفید لباس کالک کے دھبوں سے بری طرح برباد ہو گیا تھا' اسے غالباً دھونے کی کوشش کی گئی تھی جس کی وجہ سی کالک مزید پھیل گئی تھی اور وہ تقریباً ناقابل استعمال ہو گیا تھا۔ اسے شرمندگی کا احساس ہوا۔ حالانکہ یہ حرکت اس نے جان بوجھ کر نہیں کی تھی لیکن جرم اسی کا تھا۔ اب اس لباس کا کیا کرے۔ یہاں اس کی موجودگی بھی خطرناک ہے پھر اسے اس نوجوان کا خیال آیا۔ کون ہے وہ؟ کتنا خوش شکل ہے۔ اسے پہچان چکا ہے کہیں دوسروں سے شکایت نہ کر دے۔ دل چاہا کہ فیروزہ بیگم کو ساری صورت حال بتا دے مگر بات کا بتنگڑ نہ بن جائے پھر کیا کیا جائے؟ کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی۔

اس نے بنڈل کو مضبوطی سے کس کر ایک الماری کے پیچھے ٹھونس دیا حالانکہ یہاں محفوظ نہیں تھا۔ لیکن اس وقت کچھ کیا بھی تو نہیں جا سکتا تھا۔

رات کو جب سب ہنگامہ خیزیوں میں مصروف تھے وہ کچھ دیر کے لئے اجازت لے کر آ گئی۔ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی الماری کے پیچھے سے بنڈل نکالا اور اسے چھپائے ہوئے حویلی کے اس حصے سے باہر نکل آئی اور باغ کے ایک ایسے گوشے کی جانب بڑھ گئی جہاں وہ بنڈل چھپایا جا سکے وہ سہمے سہمے قدموں سے سفر طے کر کے وہاں پہنچی اور بنڈل گھاس کے ڈھیر میں چھپا دیا! لیکن قدموں کی اس چاپ کو وہ محسوس نہ کر سکی تھی جو اس کے عقب میں سرسرائی تھی پلٹی تو اسے اپنے سامنے کھڑے پایا اور اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔

"بھوتوں کی شکل ذرا مختلف ہوتی ہے خاتون اور یقیناً آپ ہمیں بھوت نہیں کہہ سکتیں لیکن یہ انداز پہلی بار دیکھا کسی کو زندگی ہی میں دفن کر دیا آپ نے۔"

"خدا نہ کرے۔" وہ بے اختیار بولی۔

"تو پھر ہمارے یہ کپڑے دفن کرنے کے لئے تھے؟"

"نہیں میں معذرت خواہ ہوں بخدا مجھے علم نہیں تھا کہ آپ نیچے کھڑے ہوئے ہیں یونہی غلط فہمی میں وہ پیالہ نیچے الٹ دیا تھا آپ جو بھی سزا مجھے دینا چاہیں قبول کر لوں گی میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔"

"واللہ دل کی ساری شکایتیں دور ہو گئیں لیکن سزا تو آپ کا مقدر ہے بولئے وعدہ پورا کریں گی؟"

"کک.... کیسا وعدہ؟"

"یعنی سزا قبول کریں گی؟"

"جی ہاں آپ کو تمام ہرجانہ دینے کے لئے تیار ہوں غلطی بہرطور مجھ سے ہوئی ہے۔"

"تو پھر یوں کیجئے کہ کل اس وقت جب تمام لڑکیاں حماقتوں میں مصروف ہوں آپ یہاں تشریف لائیں گی؟"

"کیوں؟"

"بس سزا تو سزا ہے اور اسے آپ نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔"

"نہیں' براہ کرم اس کے علاوہ کچھ فرمایئے۔"

"آپ کی مرضی ہے۔ ویسے میں انتظار کروں گا۔" اس نے کہا۔

وہ تیز تیز قدموں سے وہاں سے واپس پلٹ آئی۔ دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے زندگی بہت ہی محدود گزری تھی حسن و عشق کی دلکشی عمر کے ساتھ ساتھ ذہن میں موجود تھی لیکن کبھی براہ راست اس کا تجربہ نہیں ہوا تھا' وہ خوش شکل تھا' خوش آواز تھا اور تہذیب یافتہ بھی تھا کہ اس کی لاج رکھ لی تھی اس نے لیکن یہ سب کچھ' سوال ہی نہیں پیدا ہوتا صرف ایک لمحہ ہی تو ہوتا ہے سنبھلنے کا کہیں بدنام نہ ہو جائے' بلا وجہ یہاں سے ایک داغ لے کر جائے گی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرے دن وہ اس سے ملنے نہ گئی تیسرا دن بھی گزر گیا لیکن ایک شام اتفاق سے وہ پھر پھنس گئی یونہی گزر رہی تھی کہ شرارت سوجھی اور شہوار سے بچنے کے لئے ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ شہوار اسے تلاش کر رہی تھی اس نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور کان لگائے کھڑی ہو گئی شہوار اسے آوازیں دیتی ہوئی گزر گئی تھی کہ آہٹ کو سن کو وہ پلٹی اور دوسرے لمحے دھک سے رہ گئی وہ سامنے موجود تھا۔ تابندہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی کوئی عذر بے مقصد تھا۔ بھلا اسی کمرے میں داخلہ کیا معنی رکھتا ہے۔ کمرا اسی کا معلوم ہوتا تھا اور وہ مسکراتی نگاہوں سے تابندہ کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"وعدہ ایفا تو کیا آپ نے لیکن بہت دیر کے بعد' تاہم مزید اعتماد کا شکریہ یعنی یہ کہ آپ میرے کمرے میں تشریف لائیں۔"

"تابندہ شدید گھبراہٹ میں کچھ نہ کہہ سکی اس کے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور پھر بولا۔

"تعارف تو کرا دیجئے کم از کم آپ کون ہیں؟" تابندہ اپنے آپ کو سنبھالنے لگی پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"انسان ہی ہوں اور کون ہو سکتی ہوں؟"

"ناممکن۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ انسان نہیں ہیں۔"

"تو پھر کیا لگتی ہوں آپ کو؟"

"حوروں کا تصور انسانی ذہن میں ایک طلسمی حسن کی حیثیت رکھتا ہے جو ناقابل یقین ہو اور آپ اسی طرح ناقابل یقین لگتی ہیں' یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اگر ایک حو

بر روئے زمین است۔"

"بس بس! جناب غلطی سے یہاں گھس آئی تھی' آپ نے تو شاعری شروع کر دی' شاعر ہیں آپ؟"

"جی ہاں خدا کے فضل سے' کچھ پیش کروں؟" اس نے کہا اور تابندہ مسکرا دی۔

"ارشاد۔"

"سبحان اللہ سخن فہم معلوم ہوتی ہیں اور شعر و سخن کی دلدادہ بھی۔ تو محترمہ شعر سنتی جایئے۔ عرض کیا ہے کہ

میری آنکھوں نے آج دھرتی پر جلوؤں کا آبشار دیکھا ہے
دیکھا ہے بانکپن جوانی کا' حسن کا شاہکار دیکھا ہے
سر سے پاؤں تلک خمار ہے وہ
سو بہاروں کی اک بہار ہے وہ

تابندہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔ وہ پھر بولا۔

رنگ رعنائی اور خوشبوئیں' پھول اس سے ادھار لیتے ہیں
اس کے جوڑے میں سج کے سرخ گلاب اپنی قسمت سنوار لیتے ہیں
سر سے پاؤں تلک خمار ہے وہ

"یوں لگتا ہے آپ ہر موقعے کی غزلیں تیار رکھتے ہیں' معافی چاہتی ہوں ایک ذرا سی غلطی ہو گئی تھی جس کے جواب میں نجانے کیا کیا سننے کو مل رہا ہے۔" تابندہ نے دروازہ کھولا اور تھوڑا سا باہر جھانکنے لگی راہداری سنسان تھی وہ عقب سے بولا۔

"گویا میرے اس قیمتی لباس کی بس اتنی ہی قیمت تھی آپ کی نگاہ میں' چلئے ٹھیک ہے نام تک نہ معلوم ہو سکا' تقدیر کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے اور اس کے بعد تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ملاقات کی درخواست بھی نہیں کی جا سکتی۔"

تابندہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور اس کے بعد اس جگہ پہنچ گئی جہاں دوسری لڑکیاں موجود تھیں وقت گزر گیا لیکن آج کی رات ذرا مختلف تھی ذہن میں بار بار اس کا تصور ابھر رہا تھا اس کی شریر آنکھوں کی گہرائیاں اور اس کے خوبصورت الفاظ شاعری تو اس نے اس طرح شروع کر دی تھی جیسے واقعی کوئی غزل اس موقع کے لئے تیار کر کے رکھی ہو آخر وہ ہے کون؟ بار بار ذہن میں اس کا تصور آتا رہا اور وہ اپنے آپ کو سنبھالتی رہی۔ یہ سب کچھ درست نہیں ہوتا یہ تو بہت بری بات ہے اس کا مقصد ہے کہ لوگ لڑکیوں کو گھر سے نہ نکال کر ٹھیک ہی کرتے ہیں کم بخت ذہن اتنا کچا ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں چوٹ پڑ ہی جاتی ہے۔

یہ ایک ہفتہ جیسے پر لگا کر اڑ گیا۔ شادی کے بعد ہنگامے ختم ہو گئے اور مہمانوں کی

واپسی شروع ہو گئی۔ مرزا صاحب نے بھی اپنے دونوں صاحب زادگان کے ساتھ اس شادی میں شرکت کی تھی اور اس کے بعد فیروزہ بیگم کو لے جانے کے لئے تیار تھے۔ فیروزہ بیگم بہت آزردہ تھیں۔ رشتے داروں نے کچھ عرصے رکنے کی درخواست کی تھی مرزا صاحب سے لیکن مرزا صاحب نے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ ان کے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے چنانچہ خاموشی اختیار کر لی گئی تھی اور دوسرے دن روانگی طے ہو گئی تھی۔ تابندہ کا خو[illegible] بھی یہاں سے جی نہیں بھرا تھا۔ بہت عرصے کے بعد کھلی فضا نصیب ہوئی تھی اور اب [illegible] احساس کا شکار تھی کہ پھر وہی روز و شب ہوں گے۔

اس وقت کچھ لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ رخشندہ آئی اور اس نے بتایا کہ ا[illegible] تابندہ کو بلا رہی ہیں وہ رخشندہ کے ساتھ چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد رخشندہ کی رہنمائی میں حویلی کے ایک بڑے کمرے میں داخل ہو گئی لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا جو شخصیت اسے سب سے پہلے نظر آئی وہ اسی نوجوان کی تھی جس سے اس ملاقات کے بعد اور کوئی ملاقات نہ ہو سکی تھی البتہ کچھ اور خواتین بیٹھی ہوئی تھیں اور فیروزہ بیگم بھی انہی میں شامل تھیں انہوں نے کہا۔

"یہ تابندہ ہے۔" ایک خاتون نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور تابندہ اخلاقاً ان کے پاس پہنچ گئی خاتون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"ماشاء اللہ تابندہ ہی ہے۔"

"تابندہ! یہ فرزانہ باجی ہیں۔ ہمارے وہ بڑے ماموں تھے ناں دوسرے نانا کے بیٹے' میں نے تمہیں ان کے بارے میں بتایا تو تھا۔ تو بڑے ماموں کے بیٹے محمود احمد بھائی ہیں' ایڈوکیٹ ہیں' فرزانہ باجی میری بھاوج ہوئیں۔ بہت عرصے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی ہے تم سب کو دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔"

"ہاں کیا کیا جائے فیروزہ زندگی کچھ اس طرح الجھاووں میں لپٹ جاتی ہے کہ انسان اپنوں سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ تابندہ یہ میرا بیٹا حسن محمود ڈاکٹری پڑھ چکا ہے۔ ہاؤس جاب کر رہا ہے اور یہ میری بیٹی ترنم ہے' یہ عزیزہ ہے' حسن سے بڑا ایک بھائی اور ہے جو ملک سے باہر گیا ہوا ہے غرض یہ کہ ہمارا چھوٹا سا کنبہ ہے ویسے فیروزہ میں آؤں گی ضرور تمہارے پاس دل ہی نہیں بھرا یہاں تو ہنگاموں میں آرام سے بیٹھ کر بات بھی نہیں ہو سکی۔"

ہاں باجی ضرور آیئے میں تو ترس جاتی ہوں اپنوں کے لئے آپ نے درست کہا زندگی اس طرح الجھاووں میں الجھ جاتی ہے کہ موقع ہی نہیں ملتا۔"

تابندہ کو پہلی بار اس شخص کا نام معلوم ہوا اس کا اندازہ تو تھا اسے کہ کہیں نہ کہیں سے رشتے دار ہی ہو گا ورنہ اس شادی میں شریک کیوں ہوتا لیکن یہ رشتے داری کچھ

ہی قریب کی نکل آئی تھی۔ بہرطور وہ خاموش رہی۔ حسن بھی مسکرا رہا تھا غالباً اس تصور سے کہ بالآخر تابندہ کا نام معلوم ہو ہی گیا لیکن اس کے بعد واپسی تک دوسری ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

جب لوگ واپس جا رہے تھے تو حسن خصوصاً انہیں چھوڑنے کے لئے آیا تھا اس کی آنکھیں تابندہ سے کچھ کہہ رہی تھیں اور یہ کچھ کہتی ہوئی آنکھیں واپس آنے کے بعد تابندہ کے ذہن سے فراموش نہ ہو سکیں' گھر آ گئی ماحول میں کچھ تبدیلی نہ تھی۔

مرزا صاحب کی وہی مصروفیات۔ اس کی اپنی زندگی کے وہی معمولات سب کچھ جوں کا توں تھا لیکن یہ آٹھ دن تابندہ کے لئے کچھ عجیب سے قصوں کے حامل بن گئے تھے اسے وہ اشعار آج بھی یاد تھے جو حسن نے اس کے لئے کہے تھے وہ نگاہیں اب بھی اس کے ذہن میں چبھتی رہتی تھیں جو اس کی واپسی کے تصور سے آزردہ تھیں یہ سب کچھ بے معنی ہے ان قصے کہانیوں کی ۔ ند جو رومانی داستانیں ہوتی ہیں اور اس سے آگے کچھ نہیں وہ خود کو ان داستانوں کا حصہ نہیں بنانا چاہتی تھی چنانچہ اپنی قوت ارادی سے کام لے کر وہ ان لمحات کو بھولنے کی کوشش جاری رکھتی تھی۔

وقت جس تیزی سے گزرتا ہے اس کا اندازہ ہر ایک ہی کو ہے لیکن اس دن تابندہ کی زندگی میں ایک نئی سوچ کا آغاز ہوا جب فرزانہ بیگم اچانک محمود احمد ایڈوکیٹ کے ساتھ آ گئیں۔ ان کے ساتھ ان کی چھوٹی بیٹی عزیزہ بھی تھی جس کی پذیرائی سب نے ہی بڑی محبت سے کی تھی ویسے ان مہمانوں کے آنے سے تابندہ بھی دوسروں کی مانند بہت خوش ہوئی تھی خاص طور سے مرزا صاحب نے اپنی مصروفیات کے باوجود محمود احمد صاحب کا شاندار خیر مقدم کیا تھا اور ایک دن کے لئے اپنی مصروفیات ترک کر دی تھیں۔ محمود احمد صاحب نے بتایا کہ واپسی جلد ہی ہو جائے گی کسی اہم کام سے آئے ہیں اور وہ اہم کام اس رات مرزا صاحب اور فیروزہ بیگم کے سامنے پیش کر دیا گیا محمود احمد نے کہا۔

"بھئی مرزا ہم نے تو تمہاری بیٹیوں کو اب دیکھا ہے ہماری بیگم نے شادی میں ان لڑکیوں کو دیکھا تھا اور اپنے دل میں ایک ارادہ لئے ہوئے گئی تھیں اس کے بعد دیکھ لو انہوں نے ہمیں چین نہ لینے دیا ہم تمہارے پاس تابندہ کے لئے اپنے بیٹے حسن کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔ حسن ہاؤس جاب کر رہا ہے اور بہترین رپورٹ رکھتا ہے۔ انشاء اللہ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے گا تو یوں سمجھ لو کہ تابندہ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ باقی تم صاحب اختیار ہو۔ میں اس امید کے ساتھ آیا ہوں کہ تم میری درخواست کو نہ ٹھکراؤ گے۔"

فیروزہ بیگم کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں مرزا صاحب بھی گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"یہ عزت افزائی ہے آپ کی محمود بھائی ظاہر ہے آپ سے بڑھ کر ہمارے لئے اور

کون ہو سکتا ہے لیکن مشورے کا وقت تو دیں گے ناں؟"

"ہاں بھئی! یہ خواہش تمہارے کانوں تک پہنچا دی گئی ہے جواب کے لئے تم آزاد ہو۔ اصولاً بھی یہی ہے لیکن ایک درخواست ضرور کی جائے گی جواب جلد ملنا چاہئے۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں! میں خود حاضری دوں گا۔" مرزا صاحب نے کہا۔

پھر وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ فیروزہ بیگم تو خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں دل کی بڑی آرزو پوری ہو گئی تھی، مرزا صاحب نے بھی اس سلسلے میں پوری پوری دلچسپی لی اور بالآخر یہ طے کر لیا گیا کہ محمود احمد صاحب کو آمادگی کی اطلاع دے دی جائے۔ مرزا صاحب نے اس کے لئے خود ہی وقت نکالا تھا پھر یہ بات تابندہ کے کانوں تک پہنچ گئی اور وہ سکتے میں رہ گئی دل کی آرزوئیں اس طرح پوری ہو جاتی ہیں اس کا اسے یقین بھی نہیں تھا اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر نہیں بہنے دیا تھا اور محتاط رہی تھی لیکن اس کی کہانی میں کوئی ایسا موڑ نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے یہ کہانی کچھ اور کیفیتیں اختیار کر جاتی اسے سب کچھ معلوم ہو چکا تھا گو اس سے اس سلسلے میں کچھ نہیں پوچھا گیا تھا لیکن تجربے کار نگاہوں نے جائزہ لے لیا تھا کہ اس انکشاف سے تابندہ کی پیشانی شکن آلود نہیں ہوئی تی۔ چنانچہ مرزا صاحب، محمود احمد صاحب کے پاس چلے گئے تاکہ ان پر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیں۔ بہت سی باتیں ہوئیں محمود احمد صاحب نے مرزا صاحب کا بہترین خیر مقدم کیا تھا وہ چونکہ ایڈووکیٹ تھے اور تھوڑے سے جدید بھی۔ چنانچہ انہوں نے مرزا صاحب سے سوال کیا کہ لڑکی کو انگوٹھی پہنانے کے لئے لڑکا خود جائے گا؟" مرزا صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی محمود بھائی! ہمیں اپنی روایت ہی میں زندہ رہنے دو ابھی ہم لوگ جدید دور کی ان حماقتوں کا شکار نہیں ہوں گے جو بعض اوقات غلط شکلیں اختیار کر لیتی ہیں جس طرح ہماری تمہاری منگنیاں ہوئی تھیں اسی طرح یہ منگنی بھی ہونے دو تم لوگ انگوٹھی لے کر آ جاؤ اور اس کے بعد ہم آ جائیں گے کوئی بھی لڑکی کو یہ انگوٹھی پہنا دے گا اور اسی طرح یہ سب کچھ بھی ہو جائے گا۔ معاف کرنا میری بات بری نہ محسوس کرنا بس میں ذرا ایسے ہی خیالات آدمی ہوں۔"

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے آپ کی خواہش کے مطابق ہی سب کچھ ہو جائے گا۔" محمود احمد صاحب نے کہا۔

"بے حد شکریہ، بس میرا مزاج جدید زمانے سے میل نہیں کھاتا۔ میں نے اپنی بچیوں بھی حدود میں رکھا ہے، اپنے گھروں میں جا کر وہاں کے طریق اختیار کر لیں یہ بعد کی بات ہے۔"

"بالکل آپ کو اس کا پورا پورا حق ہے۔" محمود صاحب بولے۔

"منگنی کی تاریخ طے ہو گئی۔ مرزا صاحب واپس آ گئے اور انہوں نے گھر آ کر یہ خوش

خبری سنا دی۔ سب ہی خوش تھے۔ رخشندہ اور فرخندہ نے تو کافی اودھم مچایا تھا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی امی۔ ہم نے حسن بھائی کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔"

"لو، ملی نہیں تھیں اس سے۔"

"یوں تو بہت سوں سے ملے تھے ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہ ہمارے بہنوئی بن جائیں گے۔ ورنہ ہم انہیں خاص نگاہوں سے دیکھتے۔"

"تو اب کیا مقصد ہے تمہارا۔ اب کیا کیا جائے؟" فیروزہ بیگم نے کہا۔

"منگنی میں حسن بھائی کو بھی بلائیں۔ لڑکا خود لڑکی کو انگوٹھی پہنائے، آج کل یہی دستور ہے۔"

"باوا جان کو جانتی ہو اگر یہ بات ان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تو کھال اتار دیں گے تم دونوں کی۔" فیروزہ بیگم نے کہا پھر بولیں۔ "مگر تمہاری خواہش تو بعد میں پوری ہو جائے گی۔ دیکھ لینا جی بھر کے۔"

"کیسے؟" رخشندہ نے پوچھا۔

"بھئی اس کے بعد ہم بھی تو انگوٹھی پہنانے جائیں گے۔"

"تب ٹھیک ہے۔" دونوں لڑکیاں خوش ہو گئیں۔

❑

وہ بیگ صاحب کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ دور ہی سے اسے بیگ صاحب کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور اس کا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ آواز کا کرارہ پن یہی ظاہر کر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے اس نے دل میں سوچا اور بیگ صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ بیگ صاحب بستر پر ہی تھے۔ اسے دیکھ کر بولے۔

"میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ اس عذاب کو مجھ پر سے ختم کر دو، اس کی صورت دیکھ کر مجھ پر جنون طاری ہو جاتا ہے۔"

"کسے ابو؟" وہ جھٹ سے مسکرا کر بولی۔

"اس رفیق کو او خدا۔ کیا کروں میں؟"

"کیا کیا رفیق نے ابو؟"

"دیکھو۔ وہ گلدان کے زرد پھول دیکھو، سب جانتے ہیں مجھے زرد پھولوں سے نفرت ہے یہ نفرت کا رنگ ہے اسے دیکھ کر صرف نفرت کا احساس ابھرتا ہے۔"

"میں ابھی ہٹوائے دیتی ہوں ابو۔ رفیق! کہاں ہو تم؟"

"جی میڈم۔" رفیق کمرے میں داخل ہو گیا۔

"یہ زرد پھول تم نے یہاں لگائے ہیں؟"

"نہیں میڈم۔ مالی نے لگائے ہیں۔"

"ہٹاؤ انہیں یہاں سے تمہیں معلوم نہیں کہ ابو کو زرد پھول ناپسند ہیں۔ ہٹاؤ جلدی۔ دوسرے پھول لے آؤ۔"

"کیا یہی ایک رہ گیا ہے میری تقدیر میں۔ تم مجھے کوئی دوسرا ملازم دے دو۔ یہ میری صحیح نگہداشت نہیں کرتا۔ اس دن میں اسی کی وجہ سے گر پڑا تھا۔"

"فضل کی ڈیوٹی لگا دوں گی میں ابو۔"

"ہرگز نہیں، وہ نسوار کا مریض ہے۔ اسے تو میرے سامنے بھی مت بھیجنا!" بیگ صاحب چیخ کر بولے۔

"میں آپ کے لئے ایک درجن ملازم رکھ دوں گی ابو۔ سب کے سب آپ کی پسند کے۔ ویسے ابو میں نے آپ کے لئے نیچے کونے والا کمرا درست کرا دیا ہے۔ آپ اب نیچے ہی رہا کریں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، میں نیچے ہرگز نہیں رہوں گا، قطعی نہیں، وہاں مجھے شدید گھٹن کا احساس ہوتا ہے، تم چاہتی ہو کہ مُیں گھٹ گھٹ کر مرجاؤں، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میں نیچے نہیں جاؤں گا۔"

"ابو! آپ کی زندگی میرے لئے دنیا کی سب سے قیمتی شے ہے۔ میں تو صرف آپ کی وجہ سے یہ چاہتی ہوں، وہاں اوپر کی منزل میں آپ کو خطرہ رہتا ہے، اب دیکھئے نا اس دن بھی آپ باہر نکل آئے تھے اور کرسی لڑھک گئی۔"

"یہ سب کچھ اس بدبخت رفیق کی وجہ سے ہوا تھا، مجھے کرسی پر بٹھانے کے بعد نجانے کہاں دفان ہو گیا اور میں بے خیالی میں باہر نکل آیا۔ تم جانتی ہو، مجھے سبزہ اور پھول کس قدر پسند ہیں بس لیکن میں نیچے نہیں رہوں گا، یہاں سے میں باہر کا منظر بہ آسانی دیکھ سکتا ہوں، نیچے، اف خدا کی پناہ، ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے دیواریں سکڑ رہی ہوں۔"

"ابو! میں نے جو کمرا آپ کے لئے منتخب کیا ہے نا وہاں کی کھڑکی سے پورا باغ نظر آتا ہے، دراصل میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی، ابو پلیز! وہی کمرا آپ کے لئے درست رہے گا۔ ڈاکٹر اعجاز بھی یہی کہتے ہیں۔"

"میں نہیں مانتا، کوئی مجھے یہاں سے لے جا کر دیکھے، اچھا نہیں ہو گا۔" وہ ہنستی رہی پھر اس نے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے، چائے پی لی آپ نے؟"

"ہاں پی لی۔" بیگ صاحب روٹھے ہوئے لہجے میں بولے اور اسی وقت رفیق سرخ پھول ہاتھوں میں اٹھائے اندر آ گیا اور اس نے یہ خوشنما پھول گلدان میں سجا دیئے اور اس کے ساتھ ہی اس نے اطلاع دی۔

"ڈاکٹر اعجاز آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"آپ کے کمرے کی جانب بڑھ گئے ہیں۔"

"میں جا رہی ہوں۔ تم ذرا ابو کو سنبھالو۔" اس نے کہا اور نیچے چل پڑی۔

ڈاکٹر اعجاز سے کافی تعلقات تھے۔ بہت ہی ملنسار اور نفیس انسان تھا۔ اس سے کافی بے تکلف تھا اور کسی بات کا برا نہیں مانتا تھا۔

"وہ اپنی خواب گاہ کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں ڈاکٹر وسط میں کھڑا خواب گاہ کا جائزہ لے رہا تھا اس کی آہٹ پر چونکا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔

"کسی نے غلط اطلاع دے دی آپ کو ڈاکٹر اعجاز، یہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے، آپ کیسے آ گئے۔"

"ایک ڈاکٹر کا مریض سے ذہنی رشتہ ہوتا ہے میڈم، میرے ذہن نے کہا کہ کوئی گڑبڑ ہے چنانچہ میں چلا آیا۔"

"اور سیدھے میری خواب گاہ میں آ گئے۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟"

"خواب گاہوں میں اس طرح نہیں داخل ہونا چاہئے۔"

"کمال کرتی ہیں آپ۔ ڈاکٹر کو مریض کے پورے جسم سے واقفیت ہوتی ہے، آپ صرف خواب گاہ کی بات کر رہی ہیں۔"

"لیکن میں آپ کی مریض کب سے ہو گئی؟"

"آپ مریض ہیں، یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام نہیں میرا ہے، کیوں کہ اس گھر کی نگہداشت، میرا مطلب ہے طبی نگہداشت میری ذمے داری ہے۔"

"کمال ہے ڈاکٹر آپ، یعنی اپنے پیسے بنانے کے لئے کسی نہ کسی کو مریض بنائے رکھنا چاہتے ہیں، خیر تشریف رکھئے، آپ فوراً ہی چائے کا تقاضا کریں گے، چلئے آپ بھی کیا یاد کریں گے، چائے پلوا دیتے ہیں آپ کو۔"

"بھئی معاف کرنا ویسے تو ہم بھی خوشحال آدمی ہیں اور بعض لوگ ہمیں بڑا آدمی بھی کہہ دیتے ہیں لیکن آپ جیسے بڑے آدمیوں کا تجربہ ہم نے بخوبی کیا ہے، چائے بھی اس تکلف سے پلاتے ہیں جیسے پشتوں پر احسان کر رہے ہوں، ارے کسی غریب آدمی کے گھر جاؤ، میز پر سجا کر رکھ دیتا ہے اور بڑے انکسار سے کھلاتا پلاتا ہے، یہاں ایک پیالی چائے اس طرح پلائی جاتی ہے جیسے پشتوں پر احسان کیا جا رہا ہو مگر کوئی بات نہیں ہے، کاروبار کے لئے ہر شخص کو برداشت کرنا پڑتا ہے، منگوا لیجئے چائے۔"

وہ ہنسنے لگی اور پھر اس نے ملازم سے چائے کے لئے کہہ دیا پھر ڈاکٹر اعجاز کی طرف

دیکھتے ہوئے بولی۔

"ویسے آپ یقین کریں اتنی صبح صبح آپ کا آ جانا میرے لئے تعجب خیز ہے۔"

"ہوں، کبھی کبھی اپنے کام سے بھی کہیں آنا جانا پڑتا ہے چائے پی لیں اس کے بعد اس وقت آمد کی وجہ بھی بتا دیں گے آپ کے موڈ کا کیا ٹھکانہ کوئی بات مزاج کے خلاف ہو گئی تو....."

"کیا میں موڈی ہوں ڈاکٹر؟" اس نے سوال کیا۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر۔"

"مطلب؟" وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

"مطلب یہ کہ اللہ بہت بڑا ہے۔"

"یہ میرے سوال کا جواب ہے؟"

"آپ کا سوال؟ یہ آپ کے ملازم بہت گھٹیا ہیں۔ ذرا سی چائے اور اتنی دیر۔" اسی وقت ملازم چائے لے کر آ گیا تھا۔

"سبحان اللہ یہ شاید کاجو کی برفی ہے واہ ایک حسین صبح کا آغاز ہوا ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور وہ چائے بنانے لگی پھر اس نے پیالی ڈاکٹر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کا جواب میرے ذہن میں ہے ڈاکٹر۔ واقعی بڑی کمزوریاں ہیں مجھ میں آپ بہت اچھے انسان ہیں ڈاکٹر بعض اوقات میں آپ سے بہت تلخ ہو جاتی ہوں لیکن آپ....."

"یہ برفی غیر ملکی معلوم ہوتی ہے جس مقدار میں اس میں کاجو شامل کئے گئے ہیں وہ کسی خاص حلوائی کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"وہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "میں آپ کے لئے ایک من منگوا دوں گی۔"

"اس کے بعد بھلا آپ کی تلخیوں پر غور کرنے کی فرصت کسے مل سکتی ہے۔ ویسے میڈم آپ کو جاننے والا صرف آپ سے محبت کر سکتا ہے آپ کی کسی بات سے نفرت نہیں۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی رہی۔

"ڈاکٹر نے برفی کے ساتھ خوب انصاف کیا پھر بولا۔ "ہم کچھ گفتگو کر رہے تھے۔"

"زیادہ وقت نہ دے سکوں گی۔" وہ کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر بولی۔

"ہاں یقیناً وہ گارمنٹ سٹی کو ایک مارکیٹنگ منیجر کی ضرورت تھی۔"

"ہاں۔ انٹرویو کئے جا چکے ہیں۔"

"انٹرویو دینے والوں میں ایک نام سہیل انصار ہے۔ بیوی کے بہنوئی کا بھائی ہے آدمی ٹھیک ہے، تجربے کار ہے، ضرورت مند ہے، شریف ہے، بیوی کے بہنوئی کا بھائی ہے اس لئے اس کی سفارش قبول فرمائیے۔"

"اوہ۔" وہ ہنس پڑی۔ "ٹھیک ہے۔ میں نام نوٹ کئے لیتی ہوں۔"

"پیشگی شکریہ معہ برفی اور چائے کے۔ اجازت؟" ڈاکٹر نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر بولا۔

"اس بیڈ روم میں کچھ کمی محسوس ہو رہی ہے۔ کیا؟ یہ غور کر رہا ہوں۔"

"آپ اپنے مطلب کی باتوں کے علاوہ بھی کسی بات پر غور کرتے ہیں ڈاکٹر۔"

"دیکھا دے دیا نہ طعنہ اس سفارش کا۔ ارے ہاں اس دیوار پر مونا لیزا مسکراتی تھی اور یہاں کوان ین تھا جس پر بارہا میری نیت خراب ہوئی لیکن ایک بار بھی اسے اڑانے کا موقع نہیں مل سکا مجسمہ کہاں گیا؟"

"وہ خاموش رہی۔ ان دونوں چیزوں کے تصور سے اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ خاموشی سے ڈاکٹر کو دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ دونوں چیزیں مجھے بے حد پسند تھیں ڈاکٹر۔"

"مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ خاص طور سے وہ تصویر تو آپ نے بہت مہنگی خریدی تھی مگر یہ چیزیں یہاں سے ہٹا کیوں دیں؟"

"مجسمہ میں نے توڑ دیا اور تصویر پھاڑ دی۔" وہ ایک کرب ناک مسکراہٹ سے بولی اور ڈاکٹر بھونچکا رہ گیا۔

"کیا؟ کیوں؟"

"جو چیزیں مجھے پسند ہوتی ہیں، میں انہیں خود فنا کر دیتی ہوں۔ اس خوف کی وجہ سے کہ کوئی اور..... کوئی اور انہیں تباہ کر دے گا، ضرور کر دے گا۔ اس طرح میں اسے شکست دے دیتی ہوں اور وہ تلملاتا رہ جاتا ہے اور ڈاکٹر میں.... میں فتح مند رہتی ہوں لیکن مونا لیزا..... اس کی ابدی مسکراہٹ؟ کیا تم اس کی مسکراہٹ سے متفق ہو ڈاکٹر؟"

"اس موضوع پر کبھی تفصیلی گفتگو ہوگی۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ ڈاکٹر اعجاز باہر آ گیا تھا۔ راستے میں اسے ناصر ملا جو میڈم کا ہاؤس سیکریٹری تھا۔

"ناصر صاحب۔" ڈاکٹر نے رک کر اسے مخاطب کیا۔

"جی ڈاکٹر صاحب۔" ناصر قریب آ گیا۔

"میڈم ذہنی طور پر کچھ منتشر لگتی ہیں ذرا خیال رکھنا کوئی بات مزاج کے خلاف نہ ہو۔"

"اوہ، آپ کے خیال میں ڈاکٹر۔"

"نہیں دورے کا امکان نہیں ہے بس ذرا ٹھنڈا رہنا چاہئے۔ آفس میں بھی کوئی ایسی بات نہ ہو۔"

"آپ ذکی صاحب کو فون کر دیں ڈاکٹر صاحب۔" ناصر نے کہا۔

"ہاں ضرور۔ او کے۔" ڈاکٹر نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میڈم اندر ہی تھیں۔ ناصر

آہستہ آہستہ اسی کمرے کی طرف بڑھ گیا جو میڈم کی خواب گاہ تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ ناصر الفاظ نہ سن سکا لیکن میڈم کی آواز اسے سنائی دے گئی۔

"ناصر!"

"لیس... لیس میڈم۔" وہ جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔

"باہر کیا کر رہے تھے؟"

"آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"کوئی خاص پروگرام ہے آج۔ آؤ۔" وہ دروازے سے باہر نکل آئی۔

"نہیں میڈم۔ کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ آفس میں بھی کوئی خاص کام نہیں ہے۔"

"آفس جانا ضروری ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور پھر چلتے چلتے رک گئی نگاہ اس کمرے کی طرف اٹھ گئی جسے بیگ صاحب کے قیام کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور پھر قدم بھی اسی جانب اٹھ گئے۔ ناصر ساتھ تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ اس کا جائزہ لینے لگی۔ موٹے فوم کے گدے کی مسہری دوسرا ہلکا فرنیچر بیڈ روم فرنیچر جو مسہری لے ساتھ تھا۔ دروازے کھڑکیوں پر پڑے پردے ہر چیز سائی نفاست سے آراستہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف بڑھ گئی پردہ سرکایا شیشے کھ لے اور باغ کا منظر دیکھنے لگی۔ کھڑکی کے عین سامنے زرد پھولوں کا کنج نظر آ رہا تھا۔ پیلے پھول سبز پتوں میں نہیں رہے تھے۔ اس کے کانوں میں بیگ صاحب کی آواز ابھری۔

"سب جانتے ہیں مجھے اس رنگ سے نفرت ہے۔ یہ نفرت کا رنگ ہے اسے دیکھ کر صرف نفرت کا احساس ابھرتا ہے۔" وہ بے اختیار مسکرا دی۔ بیگ صاحب باغ کا منظر دیکھنے کے لئے کھڑکی کھولیں گے تو انہیں صرف یہ پھول نظر آئیں گے۔ صرف یہ پھول۔ اس کی آنکھیں خواب ناک ہو گئیں۔ وہ دیر تک ان پھولوں کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ناصر! شاہ سے کہو گاڑی نکالے دفتر جانے کا وقت ہو گیا ہے اور ہاں سنو! بیگ صاحب کو اس کمرے میں منتقل کرا دو۔"

"جی بہتر۔ وہ بیگ صاحب اوپر سے آنا نہیں چاہتے اس بارے میں سخت احتجاج کر رہے ہیں۔"

"انہیں کرسی سمیت.... اوپر سے اتار لاؤ' کسے دقت ہو گی اس میں؟"

"جی کسی کو نہیں۔"

"جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہی کرو۔ انہیں یہاں لا کر ڈال دو' سمجھ گئے؟"

"جی۔" ناصر نے کہا۔

"تو اب یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جاؤ!" اس نے غرا کر کہا اور ناصر جلدی سے باہر نکل گیا۔ وہ پرمسرت انداز میں چلتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آئی اور دفتر جانے کے لئے لباس تبدیل کرنے لگی پھر باہر نکل آئی۔ ڈرائیور شاہ گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا ہوا تھا۔ وہ پرنخوت قدموں سے چلتی ہوئی گاڑی میں جا بیٹھی۔ باہر زندگی کے کھیل جاری تھے۔ معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ خوب صورت کار گارمنٹ سٹی کی عمارت کے اندر داخل ہو گئی اور وہ اپنے شاندار دفتر میں پہنچ گئی۔ اردلی نے پانی کا گلاس اس کے سامنے پیش کر دیا پھر مس بینا آ گئیں۔

"ہوں۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"فرانس کے آرڈر کے سیمپل تیار ہو گئے ہیں۔"

"فوٹوگراف بنوائے ہیں۔"

"جی!" مس بینا نے ایک البم سامنے کر دی اور وہ جدید طرز کے لباس کے نمونے تصویروں کی شکل میں دیکھنے لگی۔ مس بینا خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ البم دیکھ کر اس نے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"فلپائن کا آرڈر مکمل ہو گیا؟"

"آج آخری سپلائی آ جائے گی۔"

"کچھ لیٹ ہو گئے ہم!"

"نہیں میڈم' ڈلیوری اسی ماہ دینی ہے۔"

"پیکنگ شروع کرا دی؟"

"ساتھ کے ساتھ ہوتی جا رہی ہے۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"جی! فرانس کے اس آرڈر کا ٹھیکہ کسے دیا جائے گا؟"

"وہائٹ سنز کو۔"

"او کے میڈم۔ میرے لئے اور کوئی حکم؟"

"نہیں!" اس نے آہستہ سے کہا اور گلدان میں سجے ہوئے پیلے پھولوں پر نظریں جما دیں۔ پیلے پھول۔ اس کے لبوں سے آہستہ سے نکلا اور پھر اسے بیگ صاحب یاد آ گئے کچھ آوازیں اس کے کانوں میں ابھرنے لگیں۔ یہ نفرت کا رنگ ہے۔ اسے دیکھ کر نفرت کا احساس ابھرتا ہے۔ مونا لیزا کہاں گئی؟ کوان ین ٹوٹ گیا۔ وہ کیوں مسکراتی ہے۔ سچی مسکراہٹوں کا وجود کہاں ہے؟ کون اس سچائی سے مسکراتا ہے۔ بے حقیقت بے معنی صرف پکاسو کا تخیل جو اس کائنات کا جھوٹ ہے۔ سب سے بڑا جھوٹ۔

انٹر کام پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے کی آن کر دی۔

"ہوں؟"

"حاضر ہو سکتا ہوں۔" میجر ذکی صاحب کی آواز ابھری۔

"آ جائیے۔" اس نے کی آف کر دی۔ چند لمحات کے بعد ذکی صاحب چند فائل سنبھالے ہوئے اندر آ گئے۔ مزاج پرسی کے بعد انہوں نے کہا۔

"یہ انٹرویو فائل ہیں میڈم۔ سلیکشن فائنل کر دیں۔"

"آپ نے کچھ طے کیا؟" وہ سرد مہری سے بولی۔

"جی آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔" ذکی صاحب نے فائل دو حصوں میں کئے۔

"جن لوگوں سے آپ کو ڈسکس کرنا تھا ان کے فائل میں نے الگ کر لئے ہیں۔ یہ پہلا فائل کاظم حسنین کا ہے' یہ شخص ایک بڑی فرم میں...."

ذکی صاحب تفصیلات دہراتے رہے اور وہ آنکھیں بند کئے سنتی رہی پھر ذکی صاحب نے کہا۔

"یہ سہیل انصار.... وہ میڈم ڈاکٹر اعجاز صاحب نے فون کیا تھا۔"

"اوں؟" اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"سہیل انصار کے سلسلے میں انہوں نے شاید آپ سے کوئی بات کی ہے۔ آدمی ہمارے معیار کے مطابق ہے۔ مارکیٹنگ کا تجربہ بھی ہے اور...." لیکن اس نے شاید ذکی صاحب کی پوری بات بھی نہ سنی نیم غنودگی سے چونک کر آنکھیں کھولیں تو فائلوں کے اس ڈھیر پر نگاہ پڑ گئی جو مسترد شدہ تھا اور اس کے سلسلے میں گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی سب سے اوپر جو نام نظر آ رہا تھا وہ احتشام احمد کا تھا۔

"ابا نے کہا سائنس پڑھو سائنس پڑھی۔ ہمارے ملک میں اولاد کی تقدیر کے فیصلے والدین کیا کرتے ہیں۔"

"اگر والدین اولاد پر مسلط ہونے کی بجائے ان کے رجحان کا جائزہ لیں تو اولاد اپنا بہتر مستقبل تعمیر کر سکتی ہے۔"

"کیا حرج ہے جناب انٹرویو ہنستے کھیلتے گزر جائے۔ ویسے بھی ہم دونوں ایک دوسرے سے مذاق کر رہے ہیں۔ انٹرویو' انٹرویو کھیل رہے ہیں۔ ان انٹرویوز کا نتیجہ جو کچھ ہوتا ہے آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی؟"

"یہ صاحب شاید ڈاکٹر اعجاز کے ہم زلف کے بھائی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ ان کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرا دوں۔ آپ سے کوئی بات ہوئی ہے۔"

اس نے جواب دیئے بغیر مسترد شدہ فائلوں میں سب سے اوپر والی فائل اٹھا لی۔ "احتشام احمد' ذکی صاحب اسے اپائنٹمنٹ لیٹر بھجوا دیں۔"

"جی؟" ذکی صاحب بھونچکے رہ گئے۔ انہوں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے

فائل لے لیا پھر کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ وہ بولی۔

"براہ کرم باہر جاتے ہوئے میرے اردلی سے کافی کے ساتھ سر درد کی گولیاں بھی بھجوا دیجئے۔"

"بہتر!" میجر صاحب نے فائل سمیٹے اور پھر اوپری فائل کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔

□

دروازے پر تیسری بار دستک ہوئی اور شامی دانت پیستا ہوا دروازے پر پہنچ گیا۔ "السلام علیکم۔" شیخ صاحب کی گرجدار آواز سنائی دی۔ شامی خاموشی سے انہیں گھورتا رہا۔

"غسل خانے میں تھے کیا عزیزم دیر سے دستک دے رہا ہوں۔ میاں ہٹو دروازے کے سامنے سے ہو کیا رہا ہے؟" شیخ صاحب نے بے تکلفی سے کہا اور اندر گھس آئے۔ ان کا موڈ بہت خوشگوار تھا پھر انہوں نے ناک سے گہرے گہرے سانس لے کر کہا۔ "واہ' کیا نفیس خوشبو ہے بھئی کیا پکا ڈالا؟"

"آم۔ آملیٹ۔" شامی نے بدحواسی سے کہا اور کچن کی طرف چھلانگ لگا دی۔ چار انڈے فرائنگ پین میں پک رہے تھے اور ان کی نچلی تہہ سے دھواں بلند ہو رہا تھا۔ شامی نے جلدی سے فرائنگ پین نیچے اتار لیا۔ کانٹے سے پلٹ کر دیکھا تو آملیٹ کی نچلی تہہ سیاہ پڑ چکی تھی۔ "خدا غارت کرے۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ شیخ صاحب کچن میں داخل ہو گئے تھے۔

"تو کھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں مگر خوشبو بہت عمدہ ہے کیا پکا ڈالا؟" اوہو آملیٹ۔ بخدا ترس گئے اہلیہ کے جانے کے بعد تمہاری چچی کے ہاتھ کا بنا ہوا آملیٹ دور دور تک مشہور ہی ہری مرچیں نہیں ڈالیں اس میں؟"

شامی بے بسی سے آملیٹ کو گھور رہا تھا۔ "ڈبل روٹی سے کھاؤ گے اسے؟" شیخ صاحب نے پوچھا۔

"جل گیا ہے نیچے سے۔"

"ایں۔ کیسے؟ ذرا دیکھوں۔" شیخ صاحب نے کانٹا شامی کے ہاتھ سے لے لیا اور آملیٹ کو پلٹ کر دیکھنے لگے۔ "یہ جل کیسے گیا؟"

"آپ دروازہ جو توڑ رہے تھے۔"

"اوہ۔ اوہو۔ تو میاں فرائنگ پین نیچے اتار کر آ جاتے ویسے بھی آملیٹ کو نیم برشت رکھنا چاہئے انڈے کو زیادہ پکنا ہی نہیں چاہئے اس کی تمام صفات ختم ہو جاتی ہیں۔" شیخ صاحب نے کہا۔

شامی غصے سے بھنا جا رہا تھا۔ دفعتاً اسے کچھ یاد آ گیا اور اس نے فوراً موڈ بدل لیا۔ "آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"اہں۔ نہیں کہاں۔ میں ذرا دیر سے ہی کھاتا ہوں۔ ظہر کی نماز پڑھی تھی اور کھانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ تم یاد آ گئے کچھ کام تھا تم سے' سوچا کہ پہلے تم سے مل آؤں بعد میں کھا لوں گا۔"

"جی۔ جی تو پھر آیئے بسم اللہ کیجئے مگر آملیٹ کچھ جل گیا ہے۔"

"رزق کی توہین بھی تو نہیں کی جا سکتی۔ اب اسے پھینکا بھی تو نہیں جا سکتا۔ لاؤ بھئی اسے پلیٹ میں ڈال لوں۔" شیخ صاحب نے آملیٹ فرائنگ پین سے اتار کر پلیٹ میں سجا لیا۔ شامی اس دوران ڈبل روٹی کھول کر پلیٹ میں رکھ چکا تھا۔

"تشریف لایئے۔" اس نے کہا شیخ صاحب مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ شامی نے بڑے پیار سے انہیں بٹھایا اور بولا۔ "آپ شروع کیجئے میں ابھی حاضر ہوا۔"

"اہں کہاں بھئی؟"

"میں ایک پانچ منٹ میں حاضر ہوا آپ شروع ہو جایئے۔" شامی نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ضرور تم کچھ تکلف کرنے جا رہے ہو مگر دیکھو زیادہ پیسے خرچ نہ کرنا۔ میں تکلف کا عادی نہیں ہوں۔"

"جی۔" شامی نے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ سب سے پہلے اس نے دروازہ باہر سے بند کیا تھا لیکن اس طرح کہ آواز نہ ہو اس کے بعد وہ نیچے اتر گیا تھا۔ بڑا رسک لیا تھا اس نے اور فیصلہ تقدیر پر چھوڑ دیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جب وہ بازار سے انڈے خریدنے گیا تھا تو اس نے شیخ صاحب کو ہوٹل سے چکن کڑاہی خریدتے ہوئے دیکھا' اخبار میں لپٹی ہوئی تندوری روٹیاں بھی وہ ان کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں شیخ صاحب نے اپنے لئے ہی خریدی ہوں گی اور شیخ صاحب کے بیان کے مطابق انہوں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ چنانچہ ان دونوں کو محفوظ ہونا چاہئے تھا۔ جلے ہوئے آملیٹ کے عوض۔

نیچے اتر کر وہ سیدھا شیخ صاحب کے کچن میں داخل ہو گیا۔ چار انڈوں کا آملیٹ اور پوری ڈبل روٹی داؤ پر لگا دی اگر ناکامی ہوئی تو.... مگر کچن میں داخل ہو کر باچھیں کھل گئیں۔ چولہے پر مرغی رکھی ہوئی تھی' ڈھکن سے ڈھکی ہوئی چنگیری سے روٹیاں جھانک رہی تھیں جنہیں یونہی اخبار میں لپٹا رہنے دیا گیا تھا۔ شامی کے چہرے پر مسرت جھلکنے لگی' مرغی اور خمیری روٹیاں۔ اس نے تکلف کرنا مناسب نہیں سمجھا اور باورچی خانے میں ہی شروع ہو گیا۔ رفتار تیز رکھی تھی ویسے خطرہ تو نہ تھا کیونکہ اوپر کا دروازہ باہر سے بند تھا پھر بھی کام جلدی ہو جائے تو بہتر ہے۔ یہ کڑاہی گوشت اپنی مثال آپ ہوتا تھا مگر بہت مہنگا بھی تھا۔

لطف دے گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پلیٹ صاف ہو چکی تھی' ایک گلاس پانی پینے کے بعد شامی نے سارے برتن سلیقے سے رکھے اور پھر باہر نکل آیا۔ منہ وغیرہ صاف کر کے وہ واپس اوپر پہنچ گیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ شیخ صاحب مصروف تھے اسے دیکھ کر بولے۔

"بہت دیر لگا دی شامی میاں۔ ارے خالی ہاتھ؟"

"جی۔ وہ بس۔ کیا عرض کروں' تھوڑے پیسے تھے ایک حاجت مند مل گیا' دل نہ مانا' اس کی حاجت پوری کر دی اور خود خالی ہاتھ آ گیا۔"

"جزاک اللہ۔ جزاک اللہ۔ خدا اجر دے اس کار ثواب کا جانتے ہو جوانی کی ایک نیکی ستر نیکی کا درجہ رکھتی ہے۔"

"جی۔ جی ہاں۔" شامی نے آملیٹ کی خالی پلیٹ دیکھ کر کہا۔

"میاں تم بھوکے رہ گئے۔ کیا آملیٹ بنایا تھا لقمہ لقمہ لے رہا تھا غور کیا تو پلیٹ خالی۔ بہت عرصہ کے بعد اتنا عمدہ آملیٹ کھایا ہے کمال کی لذت ہے تمہارے ہاتھ میں۔"

"نوازش۔ میں کس قابل ہوں۔" شامی شرما کر بولا۔

"کیا سوچ رہے ہو گے تم بھی مگر پڑوس میں رہ کر تکلف ہونا بھی نہیں چاہئے۔ میں تو تم دونوں کو اپنا بچہ سمجھ کر ہمیشہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا ہوں۔"

"آپ ہی کا گھر ہے تکلف کیسا مجھے تو دکھ ہے کہ آپ کا پیٹ بھی نہ بھرا ہو گا اس تھوڑے سے آملیٹ سے۔ شامی نے کہا۔

"نہیں شامی میاں' احکام دین ہیں کہ بس اتنا کھاؤ کہ زندگی برقرار رہے۔ بسیار خوری ہمیشہ نقصان کا باعث ہوتی ہے اچھا ہاں میاں آمدم برسر مطلب ایک زحمت دوں گا تمہیں۔"

"جی فرمایئے؟"

"فراز میاں تو شام کو پانچ بجے آئیں گے' بچے آ رہے ہیں آج شام ساڑھے چار بجے کی ٹرین سے ذرا میری مدد کے لئے اسٹیشن چلنا ہو گا' کام تو کچھ نہیں ہو گا بس ڈھارس رہے گی۔"

"جی!" شامی نے کہا۔

"چلو گے نا۔ انکار نہیں سنوں گا۔"

"جی بہتر' جو حکم ہو۔" شامی نے کہا اور شیخ صاحب اٹھ گئے پھر ایک زوردار سلام داغ کر وہ نیچے اتر گئے اور شامی دروازہ بند کر کے آہٹوں کا انتظار کرنے لگا۔ شیخ صاحب یقیناً اس تصور سے گئے ہوں گے کہ اب نیچے جا کر شکم سیری کریں گے اور بقیہ کسر پوری کر لیں گے لیکن۔

"پتا نہیں شیخ صاحب پر کیا بیتی حیرت انگیز طور پر ظرف کا ثبوت دیا اور اوپر نہ آئے آ

کر کہہ بھی کیا سکتے تھے سمجھ تو گئے ہوں گے لیکن بات کہنے کی نہ تھی اپنی پوزیشن بھی خراب ہوتی کہ جب گھر میں کھانا موجود تھا تو آملیٹ پر کیوں پھسل پڑے۔ الغرض ٹل گئی تھی۔ البتہ شام کو چار بجے ہی آواز لگا دی۔

"میاں شامی تیار ہو جاؤ۔ وقت ہو گیا ہے۔"

"میں تیار ہوں شیخ صاحب۔"

"تو بس آ جاؤ۔ چلتے ہیں۔" شامی تیار ہو کر نیچے آ گیا تھا شیخ صاحب کی نگاہیں کھوپڑی کے راستے معدے میں جھانک رہی تھیں لیکن زبان کچھ نہ کہہ سکی اور بس نے انہیں اسٹیشن پر اتار دیا۔ وقت مقررہ پر ٹرین آ گئی اور سامنے کے گزرنے والے ایک ڈبے سے "ابا جی" کی سریلی چیخ ابھری۔ یہ شمسہ بیگم کی آواز تھی۔ برقع کی اوٹ سے دو آنکھیں چمک رہی تھیں اور بہت سے لوگ خود حیران ہو رہے تھے کہ ابا جی کیسے ہو گئے۔ کیونکہ نگاہوں کے زاویئے معمول کے مطابق صحیح نشانہ منتخب نہ کر سکے تھے لیکن ابا جی نے یہ آواز سن لی تھی اور ڈبے کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا تھا شامی نے اس جذباتی کیفیت سے فائدہ اٹھایا اور پانی کی سبیل کے عقب میں ہو گیا پلیٹ فارم پر کافی بھیڑ بھاڑ تھی اور اس بھیڑ میں کسی ایک انسان کا گم ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی اس وقت یہ گمشدگی نہایت ضروری تھی کیونکہ بیگم شیخ یقینی طور پر اپنے ساتھ ٹین کے آدھے درجن صندوق' جوٹ کی چھ عدد بوریاں اور چٹائی کی نجانے کتنی ٹوکریاں لائی ہوں گی اور کسی اپنے بچے کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ قلی کی چھٹی کر دی جائے جوان بچہ سب کچھ اتار کر نیچے رکھ دے گا۔

شامی نے شیخ صاحب کا وہ رقص دیکھا تھا جو وہ اس کی تلاش میں کر رہے تھے انسانوں کی بھیڑ میں وہ شامی کو ڈھونڈھ رہے تھے اور جب اس سے مایوس ہوئے تو پھر قلیوں سے رجوع کیا اور تھوڑی سی رد و قدح کے بعد معاملہ طے ہو گیا دو قلیوں نے سامان اتارنا شروع کیا ٹین کے ڈھائی عدد صندوق یعنی دو صندوق اور ایک کنستر' جوٹ کے دو بورے دو پوٹلیاں کپڑے سے بندھی ہوئیں تین چٹائی کی ٹوکریاں اور ایک بستر بند یہ تمام سامان اہل سامان کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ شیخ صاحب خود ایک ٹوکری اٹھا کر آگے بڑھے تو شامی لپک کر ان کے قریب پہنچ گیا۔

"کہاں گم ہو گئے تھے شیخ صاحب؟ آپ تو ایسے بھاگے کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا میں سارے ڈبوں میں جھانکتا پھر رہا تھا کہ چچی جان کہاں ہیں!"

"اماں لاحول ولا قوۃ کیا پچھلے ڈبوں کی طرف چلے گئے تھے؟"

"جی ہاں آپ نے یہی بتایا تھا کہ چچی جان عقبی ڈبوں میں ہوں گی لائیے لائیے یہ ٹوکری مجھے دیجئے آپ کہاں اٹھاتے پھریں گے۔" شامی نے وہ سب سے ہلکی ٹوکری جس کا وزن دیکھ کر شیخ صاحب نے اسے اپنے لئے منتخب کر لیا تھا شیخ صاحب کے ہاتھ سے لے کر سعادت

مندی کا ثبوت دیا تاکہ دعائیں ملیں اور بوقت ضرورت کام آئیں شیخ صاحب کا موڈ خراب تھا شامی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

'ہر جگہ لوٹ مار' ہر شعبے میں لوٹ مار' یہ رہ گیا ہے آج کل کا دور میاں ان قلیوں کو دیکھو حالانکہ ان کے پھیرے مقرر ہیں لیکن پرائیویٹ سودا کئے بغیر باز نہیں آتے پورے پچیس روپے مانگے ہیں نامعقولوں نے مجبوراً دینا پڑے تم تو غائب ہی ہو گئے تھے۔"

"ازحد شرمندہ ہوں میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں چچی جان کو اترتے ہوئے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔" شامی نے کہا۔

ابھی بہت سے مراحل تھے اسٹیشن سے گھر جانے کا معاملہ تھا مع اس ساز و سامان کے تاہم طے ہوا۔ ایک ٹوکری سے دو مرغیاں نکل بھاگیں اور آس پاس بھگدڑ مچ گئی لیکن شامی نے اس موقع پر جواں مردی کا ثبوت دیا اور ٹانگیں بندھی ہوئی دونوں مرغیوں کو جھپاک سے پکڑ لیا جو بس لڑھکتی پھڑکتی پھر رہی تھیں اگر ٹانگیں کھلی ہوتیں تو شاید شامی کے فرشتے بھی ان پر ہاتھ نہ ڈال سکتے بہرطور مرغیوں کو دوبارہ ٹوکری میں قید کر دیا گیا اور اس کے بعد گھر کا راستہ لیا گیا شیخ صاحب کو آج جوٹ پر چوٹ ہو رہی تھی چکن کڑاہی کی پلیٹ ویسے بھی نوے روپے سے کم نہیں ہوتی اس پر روٹیاں جب کہ انڈے زیادہ سے زیادہ چار روپے قیمت کے ہوں گے اور دو روپے کی ڈبل روٹی گویا آج کا دن نقصان ہی نقصان کا تھا بہرطور برداشت کیا پچیس روپے قلیوں کو بھی دینے پڑے تھے اور شامی نے اپنی ذہانت پر خدا کا شکر ادا کیا تھا ورنہ شیخ صاحب ایک ایک صندوق باہر بھجواتے اور اس کے بعد آخری ٹوکری میں شاید خود شامی ہی کو بے ہوشی کے عالم میں لایا جاتا غرض تھوڑی سی ذہانت سے بلا ٹل گئی تھی گھر پہنچے تو فراز موجود تھا اس کا اندازہ اوپری دروازہ کھلنے کی وجہ سے ہو گیا تھا شامی نے ٹوکری رکھی اور چھلانگیں مارتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ شیخ صاحب اسے آوازیں ہی دیتے ہی رہ گئے تھے فراز ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا پرانا اخبار دیکھ رہا تھا شامی کے قدموں کی دھمک سن کر چونک پڑا اور اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کہاں گئے تھے؟"

"آ گئی ہیں۔ جاؤ نیچے جاؤ۔ ذرا سامان اترواؤ۔"

"کون آ گئی ہیں؟" فراز چونک کر بولا۔

"ابے نیچے جاؤ خواہ مخواہ ٹیں ٹیں لگا رکھی ہے چلو جلدی نیچے جاؤ ابھی آتا ہوں۔" فراز بادل نخواستہ نیچے اتر گیا تھا شیخ صاحب کے اہل خاندان کو دیکھ کر اس نے گہری سانس لی شیخ صاحب ہاتھ ہلا ہلا کر بولے۔

"اماں جلدی سے آؤ فراز میاں' یہ سامان اندر پہنچواؤ یہ شامی کہاں گھس گیا؟" فراز نے شیخ صاحب کا ہاتھ بٹایا تھا اور جب بستر بند اندر جا رہا تھا تو شامی پھر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا

نیچے آ گیا۔

"اوہو اتنی جلد بازی کی کیا ضرورت تھی میں بس ایک لمحے کے لئے باتھ روم گیا تھا' شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ سارا سامان اندر پہنچوا دیا میرا انتظار بھی نہ کیا۔"

شیخ صاحب برا سا منہ بنا کر اندر چلے گئے اور شامی اور فراز سر کھجاتے ہوئے رہ گئے۔

"آ جاؤ عزیزی' ایک جھلک تو دیکھ ہی لی ہو گی باقی کسر بعد میں پوری ہو جائے گی چلو اوپر چلو۔"

"لاحول ولا قوۃ فضول بکواس سے کبھی بھی باز نہیں آتے۔" فراز نے کہا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ شامی مسکرا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"یہ ذمے داری تمہاری تھی جسے دوستی میں مجھے پورا کرنا پڑا اسٹیشن گیا تھا شیخ صاحب کے ساتھ ان لوگوں کو لینے کے لئے۔"

"خدا کا شکر ہے میں آفس میں تھا ورنہ مجھے ہی جانا پڑتا۔" فراز نے آہستہ سے کہا پھر بولا۔

"جاؤ ذرا باورچی خانے میں چائے کا پانی چڑھا ہوا ہے تیار کرو میں نے چائے نہیں پی۔"

"بسر و چشم بسر و چشم۔" شامی باورچی خانے کی جانب بڑھ گیا تھوڑی دیر کے بعد دونوں چائے کی چسکیاں لے رہے تھے شامی کے ہونٹوں پر بار بار مسکراہٹ کپکپانے لگتی تھی۔

"تو یہ لوگ واپس آ گئے۔"

"تمہارے دل کی مراد پوری ہوئی ہے کچھ کھلاؤ پلاؤ اس خوشی میں۔"

"بکواس مت کر یار خدا قسم آج دل اتنا خوش ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"ابے ہائیں کک.... کیا مطلب ہے تیرا' سنجیدہ ہوا جا رہا ہے' میں کہتا ہوں ہیڈ کلرک تیری شامت آ گئی ہے کیا' مذاق کی بات دوسری ہے لیکن تیرے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ تو واقعی شمسہ بیگم۔"

"لعنت ہو شمسہ بیگم پر اور تیری اس بکواس پر میری خوشی کی وجہ کچھ اور ہے۔"

"کچھ اور۔" شامی اسے متجسس نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا پھر کہنے لگا۔

"کچھ اور یا کوئی اور۔"

"نہیں کچھ اور۔" فراز نے مسکرا کر کہا۔

"بتا دے پھر میں بھی تجھے ایک ایسا گرما گرم قصہ سناؤں گا کہ مزا آ جائے گا۔"

"بتا دوں۔" فراز نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا۔

"سسپنس' ایکشن' ڈرامہ' خواہ مخواہ پراسرار فلموں کا ایک کردار بننے کی کوشش کر رہا ہے تو کیا قصہ ہے؟" شامی نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور فراز نے جیب سے ایک لیٹر نکال

کر شامی کی طرف بڑھا دیا۔

"لو لیٹر۔" شامی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیرے سامنے ہے دیکھ لے اور پڑھ لے کہ کیا ہے؟"

شامی نے متجسس نگاہیں لفافے پر ڈالیں اوپر گارمنٹ سٹی پرنٹ تھا اور درمیان میں اس کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ شامی نے حیرت زدہ انداز میں لفافے سے کاغذ نکال لیا لفافہ پہلے ہی چاک کیا جا چکا تھا۔ کاغذ کھول کر اس نے اس کی ٹائپ شدہ تحریر پڑھی اور اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا آخری سطر تک پڑھنے کے بعد اس نے حیران نگاہوں سے فراز کو دیکھا اور پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ناممکن فراز' چار سو بیس دھوکہ۔"

"کیا مطلب؟"

"گارمنٹ سٹی کا کوئی لیٹر پیڈ اور لفافہ اڑا کر کسی نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے' یہ مذاق تمہارا بھی ہو سکتا ہے فراز۔"

"بکواس مت کر خدا کی قسم میں نے تو جب سے پڑھا ہے اپنی خوشیوں کو سنبھالنے میں ناکام رہا ہوں' یار شامی تیری تقدیر بھی کھل گئی۔"

"ابے دماغ خراب ہوا ہے تیرا' ہیڈ کلرکی کرتے کرتے کھوپڑی بھی گھس گھس کر ختم ہو گئی ہے' مجھے اور ملازمت مل جائے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یقیناً یہ کسی کی چار سو بیسی ہے۔"

"چار سو بیسی کے بچے مہر دیکھ نام دیکھ سب کچھ بالکل درست ہے اور پھر لفافہ رجسٹری سے آیا ہے میں نے پوسٹ مین کو دستخط کر کے رسید واپس کی ہے' شامی میری جان میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کرو میں جانتا ہوں کہ خدا ایک نہ ایک دن سب کی سنتا ہے۔"

"اب میں تیری اس حماقت کو کیا کروں تیری سمجھ میں بات ہی نہیں آ رہی پیارے بھائی یہ کیسے ہو سکتا ہے وہاں بڑے بڑے جغادری موجود تھے اور میں نے جو انٹرویو دیا تھا اس سے ان لوگوں کی طبیعت خوش ہو گئی ہو گی کوئی سلیقے کی بات ہی نہیں کی تھی میں جانتا تھا کہ یہ سارا کھیل کیا حیثیت رکھتا ہے اس کے بعد بھلا میں ان کے کھیل کا شکار کیوں بنتا' وہ فرم میری وجہ سے تباہ ہو جائے گی انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا مارکیٹنگ کا تجربہ ہے تو میں نے ان سے کہا کہ ہاں اپنا محلے بھر کا سودا سلف بازار سے لاتا رہا ہوں میں نے کسی سے بھی تو سلیقے کی گفتگو نہیں کی تھی پھر یہ سب کیا چکر ہے اور اگر یہ سب درست ہے تو پھر اس بات کو بھی ذہن نشین کر لو مائی ڈیئر مسٹر فراز کہ اس کے پس پردہ ضرور کوئی گہرا راز ہے' گارمنٹ سٹی فراڈ معلوم ہوتا ہے' وہ لوگ مجھے یہ حیثیت دے کر کوئی جرم کرنا چاہتے

ہیں ابے تم نے انڈین فلمیں نہیں دیکھیں کس طرح لوگوں کو پھانسا جاتا ہے انہوں نے سمجھ ہو گا نو آموز ہے آسانی سے جال میں پھنس جائے گا ارے باپ رے۔" فراز قہقہہ مار کر ہنس پڑا تھا۔

"اب فضول باتوں سے گریز کرو شامی تم اس مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے۔"

"یار کوئی عقل میں آنے والی بات ہے' مجھے اور ملازمت مل جائے ذرا تنخواہ کا اسکیل دیکھو ساڑھے چار ہزار ٹوٹل بنتا ہے نیز دیگر الاؤنس' پاگل ہوگئے ہو کیا وہ مجھے اتنی بڑی رقم دیں گے اے بھائی ہیڈ کلرک دیکھ میری گردن میں پھانسی کا پھندہ مت ڈال تو اکیلا رہ جائے گا۔"

"میں جتنا خوش ہوں شامی کاش تمہیں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا' خدا نے ہماری مشکل حل کر دی ہے میرے دوست جو کچھ میرے پاس تھا کل بھی تیرے لئے تھا اور آج بھی تیرے لئے ہے لیکن میں تیرے اندر کے دکھ سے ناواقف نہیں ہوں۔ یوں بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے فضول خیالات کو دل میں جگہ نہ دو اور کل سے خدا کا نام لے کر اپنی ذمے داریاں سنبھال لو۔" شامی منہ کھولے فراز کو دیکھتا رہا تھا پھر اس نے زور سے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی۔

"یہ ہو کیسے سکتا ہے آخر کیسے ہو سکتا ہے کچھ سمجھ میں بھی تو آئے؟"

"سمجھ میں آ جائے گا یار کیوں میرے کان کھائے جا رہا ہے' کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو کیا رات کو بھوکے مرنے کا ارادہ ہے؟"

"ابے بکواس مت کرو تمہیں کھانے پینے کی پڑی ہے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر اس لیٹر کا پس منظر کیا ہے سوچنے دو' مجھے غور کرنے دو' کوئی سمجھ میں آنے والی بات بھی ہو۔"

شامی اپنی جگہ سے اٹھ کر مسہری پر جا لیٹا اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں فراز مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا شامی کی یہ کیفیت اس کے لئے غیر معمولی نہیں تھی وہ کچھ اس طرح بددل اور مایوس ہو گیا تھا کہ یہ لیٹر اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا بہرطور کافی وقت اسی طرح گزر گیا پھر فراز نے کہا۔

"چلو شامی تیار ہو جاؤ آج رات کا کھانا اس خوشی میں کسی اچھے ہوٹل میں کھائیں گے میرا مطلب ہے اچھا سا ہوٹل سمجھتے ہو نا۔" شامی نے گردن جھٹک دی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا اسی وقت سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فراز دروازے کی جانب دیکھنے لگا دروازے کا پٹ تھوڑا سا کھلا اور شمسہ کی آواز سنائی دی۔

"یہ لے لیجئے گا۔" شامی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے فراز کو اشارہ کیا۔

"لے لیجئے' لے لیجئے۔" فراز اسے گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا شمسہ نے کچھ سامان آگے بڑھا دیا اور فراز سے بولی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"اندر آ کر دیکھ لیجئے نا یہ پردہ کیوں شروع کر دیا گیا؟" شامی بولے بغیر نہ رہ سکا۔ جواب میں شمسہ کی ہنسی سنائی دی تھی۔

"شرم آ رہی ہے ہمیں' بہت دن ہو گئے نا؟" اس نے کہا۔

"ہاں' ہاں کچھ دن گزر جاتے ہیں تو شرم آنے ہی لگتی ہے۔" شامی نے کہا اور فراز تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے شمسہ کے ہاتھ سے سامان لے لیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟" شمسہ نے پھر پوچھا۔ شامی نے آگے بڑھ کر سامان فراز کے ہاتھ سے لے لیا۔ ابلے ہوئے سنگھاڑے سوجی کے حلوے کی پتھریلی ٹکیاں۔ بڑے سائز کے بتاشے۔ شامی نے بمشکل قہقہہ ضبط کیا تھا پھر وہ بولا۔

"تم ہار گئے فراز۔ شکرقندیاں نہیں ہیں' سنگھاڑے ہیں بتاشے ہیں حلوہ ہے مگر شکرقندیاں۔" فراز کچھ نہیں سمجھ سکا تھا شمسہ نے البتہ چونک کر پوچھا۔

"شکرقندیاں؟"

"مسٹر فراز نے کہا تھا کہ مس شمسہ شکرقندیاں ضرور لائیں گی وہ جانتی ہیں کہ مجھے شکرقندیاں پسند ہیں شرط لگانے کے لئے تیار تھے موصوف اصولاً تو ہار گئے۔"

"شامی کیا بکواس ہے؟" فراز غرایا۔

"اوہ' معاف کرنا فراز۔ اوہ ابا جی آواز دے رہے ہیں۔" شمسہ تیزی سے سیڑھیاں نیچے اتر گئی۔

"کیا بکواس تھی؟" فراز نے کہا۔

"لو جان من بس شکرقندیوں کی کسر تھی۔" شامی نے شمسہ کی سوغات فراز کے حوالے کر دی۔

"چلو یار بھوک لگ رہی ہے آؤ۔" فراز نے کہا اور شامی کو ساتھ لے کر نیچے اتر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں ایک نانبائی کی دکان میں داخل ہو رہے تھے واپس آئے تو کافی دیر ہو چکی تھی نیچے خاموشی طاری تھی۔ فراز نے کہا۔

"کپڑے وغیرہ درست کر لو۔ صبح جلدی اٹھنا ہے شیو بھی بڑھی ہوئی ہے۔"

"پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ یار کیا واقعی مجھے کل گارمنٹ سٹی جانا ہے؟"

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔"

"اچھا۔ کمال ہے یار۔ واقعی کمال ہے" شامی جوتے اتار کر بستر میں دراز ہو گیا۔ فراز نے مسکراتے ہوئے گردن جھٹکی اور خود بھی اپنے بستر میں گھس گیا۔ اس نے روشنی بجھا دی تھی پھر اس کی آنکھوں میں غنودگی آ گئی۔ ابھی پوری طرح سو بھی نہیں پایا تھا کہ دفعتاً

شاہی کی سرگوشی سنائی دی۔

"فراز؟"

"کیا ہے؟ خیریت کیا بات ہے؟" فراز نے گھبرا کر روشنی جلا دی۔

"یار ایمانداری سے بتا دو کیا واقعی کل مجھے گارمنٹ سٹی جانا ہے؟؟"

"ابے سو جا یار۔ خدا کی قسم۔ نیند حرام کر دی۔" فراز نے جھلا کر بتی بجھا دی۔

❑

تابندہ کی منگنی ہو گئی۔ محمود احمد صاحب چند حضرات اور خواتین کے ساتھ آئے مرزا صاحب نے قابل دید اہتمام کیا تھا کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ہیرے کی انگوٹھی تابندہ کی انگلی میں پہنا دی گئی پھر مرزا صاحب کے اہل خاندان محمود احمد کے ہاں گئے اور یہی رسم وہاں بھی پوری کی گئی کوئی کسر نہ چھوڑی گئی تھی دونوں طرف سے ہی لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئے تھے۔ ہنگامے ختم ہو گئے اور زندگی پھر معمول پر آ گئی - سجاد بڑے بھائی کی حیثیت سے بہت خوش تھا۔

"ابو وقت پر لگا کر اڑتا ہے۔ ہمیں تابندہ کے لئے تیاریاں کرنی چاہئیں۔ تھوڑی تھوڑی خریداری ہر ماہ ہونی چاہئے۔"

"تجھ پر فخر ہے سجاد۔ اپنی ماں سے ساری تفصیلات معلوم کر لو اور اس کے بعد ان کے لئے ایک فہرست بنا لو۔ بس اس کے مطابق کام شروع کر لیا جائے گا ویسے کافی کچھ تمہاری ماں کر چکی ہیں۔" بیٹے کی بات نے مرزا صاحب کا کلیجہ بڑھا دیا تھا۔ بہرحال کام جاری ہو گیا سجاد جس فرم میں ملازمت کرتا تھا وہ بہت بڑی فرم تھی اور اس کے مالک سیٹھ ادریس تھے شان و شوکت کے آدمی تھے زیادہ تر ملک سے باہر رہتے تھے اور ان کے منیجر بختیار احمد فرم سنبھالتے تھے۔

اس شام اچانک بادل گھر آئے اور پھر بارش شروع ہو گئی۔ چار بجے تھے لیکن یوں لگنے لگا جیسے رات ہو گئی ہو بارش بھی ایسی تھی کہ سڑکیں جل تھل ہو گئیں سجاد آفس میں ہی تھا اور بختیار صاحب کے کمرے میں کچھ ہدایات لے رہا تھا کہ دو طوفان اندر داخل ہو گئے لباس شلوار قمیص ہی تھا لیکن جیسا تھا بس دیکھا ہی جا سکتا تھا۔ اول تو یہ لباس ہی بدن کی طوفان خیزیوں کا شکار تھا۔ دوسرے بارش میں بھیگ گیا تھا۔

"بختیار صاحب۔" ایک طوفان گرجا۔

"ارے تم۔ کہاں سے آ گئیں اس بارش میں افوہ۔ بری طرح بھیگ گئی ہو بیمار پڑ گئیں تو۔"

"بختیار صاحب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔

"چار آدمی مہیا کیجئے' ایک بوتل پیٹرول کی اور ایک ماچس۔" دوسرے طوفان نے کہا۔

"خیریت؟" بختیار صاحب مسکرا کر بولے۔

"اس گاڑی کو آگ لگانی ہے۔" پہلے طوفان نے کہا۔

"خراب ہو گئی؟"

"بختیار صاحب' آپ دیر کر رہے ہیں۔ چار آدمیوں کو فوراً مہیا کریں۔"

"بھئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اول تو ایک گاڑی کو جلانے کے لئے چار آدمیوں کی کیا ضرورت ہے یہ کام ایک بوتل پیٹرول اور ایک آدمی کر سکتا ہے۔ دوئم اس بارش میں گاڑی آگ نہیں پکڑے گی۔ سوئم یہ کہ قصور گاڑی کا نہیں ہے آپ اسے سڑکوں پر تیرا رہی ہوں گی پوائنٹ میں پانی آ گیا۔"

"وہ خشکی میں بھی خراب ہو جاتی ہے۔ آپ بلا وجہ اس کی وکالت کر رہے ہیں۔"

"ایک عمدہ تجویز ذہن میں آئی ہے اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپ دونوں تشریف رکھیے میں آپ دونوں کو اتنی عمدہ کافی پلاؤں گا کہ مزا آ جائے گا' کیا خیال ہے؟؟"

"جان عاجز آ گئی ہے اس گاڑی سے۔" دونوں لڑکیاں بڑبڑاتی ہوئی بیٹھ گئیں۔ بختیار صاحب نے چپراسی کو بلا کر کافی لانے کے لئے بھیجا پھر سجاد کو دیکھ کر بولے۔

"اب کام کیا ہو گا سجاد۔ بیٹھ جاؤ کافی پی کر جانا اور ہاں ان دونوں سے تعارف ہے؟؟"

"نہیں۔" سجاد نے کہا۔

"یہ دونیا ہے اور یہ عکسہ' ادریس صاحب کی لاڈلیاں ہیں' ان کے منہ پر ان کی تعریف کیا کروں بہت اچھی بچیاں ہیں۔ ویسے شہزادیو! وہ گاڑی ہے کہاں؟؟"

"سڑک پر!" دونیا نے دانت پیس کر کہا۔

"اوہو۔" بختیار صاحب نے کہا اور عقبی کھڑکی کی جھلملیاں ہٹا کر باہر دیکھنے لگے پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔ "ارے خدا کی پناہ بیچ سڑک پر روکی ہے سارا ٹریفک جام ہو رہا ہے ضرور اب تک چالان ہو چکا ہو گا۔ ارے سجاد میاں جلدی کرو کچھ لوگوں کو بھیج کر اسے سڑک کے کنارے کرا دو۔ جلدی جائیے ورنہ مصیبت آ جائے گی۔" سجاد مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

گاڑی کے شیشے کھلے ہوئے تھے عقبی سیٹ پر بہت سے پیکٹ پڑے ہوئے تھے لوگ برا بھلا کہہ رہے تھے' سجاد نے چند لوگوں کے ذریعے گاڑی دھکیل کر دفتر کے باہر پارکنگ لاٹ پر پہنچا دی۔ دوبارہ بختیار صاحب کے دفتر میں جانا مناسب نہیں تھا اس لئے اپنی سیٹ پر آ گیا بختیار صاحب فرم کے منیجر تھے لیکن بے نظیر انسان تھے سب سے محبت سے پیش آنا ان کی فطرت تھی حالانکہ انہوں نے سجاد کو بھی کافی کی دعوت دی تھی لیکن سجاد دوبارہ وہاں نہ گیا۔

سیٹ پر بیٹھے ہوئے چند لمحات بھی نہ گزرے تھے کہ بختیار صاحب کا چپراسی آ گیا۔ "صاحب بلا رہے ہیں۔" اس پیغام کو رد نہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ اٹھ کر بختیار صاحب کے

دفتر کی طرف چل پڑا۔

"کہاں رک گئے تھے بھئی۔ کافی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے' بیٹھو۔" سجاد شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"یہ کون ہیں انکل؟" عکسہ نے پوچھا۔

"سجاد بیگ' فرم میں ہمارے ساتھی ہیں۔"

"ہیلو۔" دونوں نے بیک وقت کہا اور سجاد نے گردن خم کر دی۔ عکسہ نے خود کافی سجاد کے سامنے رکھی تھی۔

"سجاد تم کار ڈرائیو کر لیتے ہو؟" بختیار صاحب نے پوچھا۔

"جی!"

"بس ٹھیک ہے تم میری گاڑی لے جاؤ ان دونوں کو گھر چھوڑ کر تم اپنے گھر نکل جانا۔ میں اسٹاف کے ساتھ چلا جاؤں گا۔"

"جی۔" سجاد نے جواب دیا۔ کافی ختم ہو گئی' دونیا نے کھڑکی سے باہر جھانک کر کہا۔

"بارش کچھ ہلکی لگ رہی ہے سجاد صاحب میرا خیال ہے چلیں۔"

"ہاں نکل جاؤ' لو سجاد یہ چابی لو' کل ملاقات ہو گی اس وقت یہ کام پورا کر لیں گے۔"

سجاد چابی لے کر ان دونوں کے ساتھ باہر آ گیا۔ ان کے لباس اب بھی بھیگے ہوئے تھے۔ سجاد نے بختیار صاحب کی کار کے دروازے کا لاک کھول لیا اور پر پچھلی سیٹ کا دروازہ بھی کھول لیا۔

"چلو تم پیچھے بیٹھ جاؤ میں سجاد صاحب کے ساتھ بیٹھوں گی۔" دونیا نے کہا۔

"کیوں؟" عکسہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا نہیں لگے گا سجاد صاحب اکیلے ڈرائیو کریں گے اور ہم دونوں پیچھے ہوں گے۔"

دونیا گھوم کر دوسرے دروازے پر پہنچ گئی۔ سجاد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی پھر اس نے گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"میں پیچھے اکیلی بیٹھی پتا ہے کیسی لگ رہی ہوں۔" عکسہ نے کہا۔

"کیسی لگ رہی ہو؟"

"جیسے دونوں حضرات اغوا کر رہے ہوں یا پھر..... یا پھر..... میں دونوں کے درمیان کباب میں ہڈی ہوں۔"

"دماغ کی خرابی اسے ہی کہتے ہیں۔" دونیا نے کہا۔

عکسہ بے اختیار مسکرا پڑی۔

"سجاد صاحب آپ کی شادی ہو گئی؟" اس نے اچانک سوال کیا۔

"جی میں سمجھا نہیں۔" سجاد گڑبڑا کر بولا۔

"یہ جی اور پتا نہیں یا سمجھا نہیں' آپ جانتے ہیں یہ جملے کس وقت ادا کئے جاتے ہیں' بات کانوں میں داخل ہو گئی ہوتی ہے اور جواب نہیں بن پڑتا۔ آپ نے سن بھی لیا ہے اور سمجھ بھی گئے ہیں' شادی ہو گئی ہے آپ کی؟"

"جی نہیں۔" سجاد گہری سانس لے کر بولا۔

"تب ایمان سے آپ دونیا سے شادی کر لیں' اتنی اچھی جوڑی لگ رہی ہے آپ دونوں کی کہ بس بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے' دونیا آپ کے پاس بیٹھی بہت اچھی لگ رہی ہے۔"

سجاد کا ہاتھ سٹیرنگ پر بہک گیا تھا وہ اس انوکھی بات کی توقع نہیں کر سکتا تھا' دونیا نے گردن گھما کر عکسہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"عکسہ' دماغ کی خرابی کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے تمہاری' بولتے وقت احساس بھی نہیں کرتیں کہ کیا بول گئی ہو' سجاد صاحب اس لڑکی کو ہمارے گھرانے میں نیم پاگل کہا جاتا ہے' اس کی فضول بکواس پر کوئی توجہ نہ دیں۔"

"جی ہاں' جو شخص دل میں آنے والی بات سچائی سے کہہ دے' زمانہ اسے پاگل ہی کہتا ہے' ایک بات آئی تھی میرے ذہن میں۔ میں نے کہہ دی' اس میں کون سی قیامت آ گئی۔"

"ارے سجاد صاحب' روکئے روکئے' خدا کے لئے روکئے۔" دفعتاً ہی عکسہ چیخی اور سجاد نے احتیاط سے بریک پر پاؤں رکھ دیا' بارش کی وجہ سے فوری طور پر بریک لگانا بھی خطرناک تھا بہرطور گاڑی سائیڈ میں رک گئی۔

"ہماری گاڑی میں ہمارا کچھ سامان پڑا ہوا ہے بہت ضروری ہے' دونیا بھول گئیں؟"

"اوہ مائی گاڈ' وہ۔ کیا اب گاڑی میں موجود ہو گا' ہم نے تو شیشے اور دروازے بھی لاک نہیں کئے تھے۔"

"سامان گاڑی میں موجود ہے اور میں شیشے لاک کر آیا تھا۔" سجاد نے جواب دیا۔

"تب تو پلیز ذرا سا واپس موڑ لیجئے' کچھ ضروری سامان ہے' دراصل ہم شاپنگ کرنے کے لئے ہی تو نکلے تھے۔"

سجاد نے عقب نما آئینے میں سڑک کی کیفیت دیکھی اور پھر گاڑی گھما کر دوسری سائیڈ لے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دوبارہ فرم کے سامنے ان دونوں گاڑیوں کے پاس پہنچ گیا۔

دونیا اور عکسہ دونوں ہی نیچے اتر گئی تھیں پھر وہ اپنے سامان کے پیکٹ اٹھا کر لے آئیں' سجاد زندگی میں پہلی بار اس سچویشن سے دوچار ہو رہا تھا' زمانہ طالب علمی میں لڑکیوں سے دور نہیں رہا تھا لیکن بس سرسری حد تک' کبھی کسی سے قربت نہیں ہوئی تھی اور وہ دوسرے چکروں میں نہیں پڑ سکا تھا اس کی وجہ بھی مرزا صاحب ہی تھے جو ہر معاملے میں

سخت گیر رہے تھے اور ان کے بچوں کو دوسری تفریحات کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ سامان گاڑی میں منتقل ہو گیا۔ نکہ معمول کے مطابق عقبی سیٹ پر بیٹھ گئی اور دونیا نے پھر سجاد کے برابر ہی سیٹ سنبھال لی۔ گاڑی آگے بڑھی تو نکہ نے پھر کہا۔

"میں اگر چاہتی تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خود سجاد صاحب کے پاس بیٹھ سکتی تھی لیکن جو منظر مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ میں اسے نگاہوں سے کیوں اوجھل ہونے دوں۔"

"آپ ڈرائیو کرتے رہیے سجاد صاحب' اس کی بکواس پر توجہ نہ دیں۔" دونیا نے کہا اور سجاد دھیمے سے مسکرا دیا۔

گاڑی سڑک پر دوڑتی رہی' ہلکی ہلکی بوندا باندی اب بھی برس رہی تھی۔ دونیا نے کہا۔

"آپ ہمارا گھر جانتے ہیں نا؟"

"نہیں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔" سجاد نے جواب دیا۔

"آگے چوراہے سے بائیں سمت موڑ لیجئے گا۔"

"جی۔"

"آپ کہاں رہتے ہیں سجاد صاحب؟"

"میں بھی بس ایک چھوٹے سے علاقے میں رہتا ہوں۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ہماری فرم میں ملازمت کئے ہوئے؟"

"زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔"

"اسی لئے آپ کبھی ہمارے گھر نہیں آئے' جب ڈیڈی یہاں ہوتے ہیں تو اکثر چھوٹے موٹے پروگرام بناتے رہتے ہیں' ہماری کوٹھی کا لان بہت وسیع ہے اور عموماً اس پر محفلیں رہتی ہیں' بڑالطف آتا ہے' اب کے کوئی محفل ہوئی تو میں خصوصی طور پر آپ کو دعوت نامہ بھیجوں گی' آپ اپنے پورے خاندان کے ساتھ آئیے گا۔"

"دیکھا دیکھا یہ ہوتے ہیں دوغلے لوگ' دل میں کچھ اور زبان پر کچھ' اب مس دونیا آپ کا خاندان دیکھنا چاہتی ہیں آپ ایک بات ذہن میں رکھئے سجاد صاحب' اگر کہیں دونیا سے آپ کی قربت ہو جائے' میرا مطلب ہے' اے دونیا یہ کار میں ہاتھا پائی کی نہیں ہوتی۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تو پلٹ کر مجھ پر حملہ کرنے والی ہے تو میں کہہ رہی تھی سجاد صاحب کہ اگر کبھی آپ دونوں میں قربت ہو جائے تو آپ مجھے درویش سمجھ لیجئے گا' کیونکہ اس بات کی ابتدا میں نے ہی کی ہے۔"

"نکہ! مذاق کا بھی ایک معیار ہوتا ہے' تم غیر معیاری مذاق کر رہی ہو۔"

"ارے چھوڑو' اس معیار نے انسان سے اس کی انسانیت چھین لی ہے' سب ایک جیسے ہیں دل میں جو آئے وہ کہہ دینا چاہئے اور اگر اسے غیر معیاری مذاق سمجھا جاتا ہے تو سمجھا جائے ہمیں کیا' ہمارے اندر تو ایک ہی خوبی ہے اور وہ یہ کہ کبھی دل پر کوئی بوجھ نہیں رہنے

دیتے۔"

"تو نے سجاد صاحب کے ساتھ ایک پیالی کافی پی انہوں نے تمہاری گاڑی ہٹوا کر سڑک کے کنارے کر دی اور اب وہ ہمیں چھوڑنے جا رہے ہیں اور تو نے ان کے بارے میں منصوبے بنا لئے۔"

"دیکھو دونیا ہر چیز ایک کہانی ہوتی ہے' ہر واقعہ کہیں نہ کہیں سے شروع تو ہوتا ہے نا پھر آگے بڑھتا ہے اور اس کے بعد اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ پتا نہیں تم ان تمام چیزوں سے انحراف کیوں کرتی ہو' حالانکہ اسی سے زندگی کی کہانی بنتی ہے۔"

"یہ بکتی رہے گی سجاد صاحب' جب تک ہم گھر نہیں پہنچ جائیں گے یہ بکتی رہے گی۔ ویسے یہ اس کی خوبی ہے کبھی کسی انسان کو بور نہیں ہونے دیتی۔"

"گویا تم میری تجویز سے بور نہیں ہوئیں۔" نکہ نے کہا اور دونیا غرا کر اس کی طرف پلٹی' نکہ پھر پیچھے ہو گئی تھی۔

"یہی انسان کی کمزوری ہے اور سچ بتاؤں سچائیوں کا ثبوت بھی ہے یعنی وہ جو اس حقیقت کو اپنے دل میں پاتے ہیں اور اپنے آپ میں رکھنا چاہتے ہیں اگر وہ کہیں باہر سے نمایاں ہو جائیں تو پھر وہ اپنی تھوڑی سی سبکی محسوس کرتے ہیں اور اگر اپنے سے کمزور کوئی سامنے بیٹھا ہو تو اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔" دونیا ہنس پڑی تھی' سجاد بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ہاں یہی موڑ ہے۔" دونیا نے کہا اور سجاد نے گاڑی اطمینان سے بائیں سمت موڑ دی۔

"ایسے ہی موڑ زندگی کے اختتام تک لے جاتے ہیں' آگے جا کر آپ کو پھر ایک موڑ مڑنا پڑے گا لیکن بائیں سمت آپ مڑ چکے ہیں اب دائیں سمت مڑیئے گا۔" نکہ نے کہا سجاد ان کی ہدایت پر عمل کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد کار ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی۔

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ یہاں آئیں اور ہم آپ کو کسی خاطر مدارات کے بغیر جانے دیں' چنانچہ تشریف لایئے۔"

"بارش بڑھ جانے کا امکان ہے' اگر اس وقت معاف کر دیجئے تو بہتر ہو گا پھر حکم دیں گی تو حاضر ہو جاؤں گا۔"

"سبحان اللہ' سبحان اللہ' یہ انکساری اور انداز انکساری میں ادب ہے اور انداز میں دلآویزی' گویا لوٹ لیا آپ نے ہم دونوں کو آیئے اندر آ جایئے شرافت سے' میں ذرا مختلف قسم کی انسان ہوں۔" نکہ نے کہا۔

"آ جایئے سجاد صاحب' دفتر میں تو کافی پی تھی لیکن اس عمدہ موسم میں کافی کی دوسری پیالی بھی بری نہیں لگے گی' آ جایئے تکلف نہ کیجئے' آپ مرد ہیں' بارش تیز ہو بھی گئی تو کیا

ہو جائے گا؟" دونیا نے کہا' عکسہ نے پھر کچھ بولنا چاہا لیکن دونیا نے اس کے شانے پر گھونسہ جمادیا تھا' سجاد خاموشی سے اتر کر اندر داخل ہو گیا' یہ لمحات اسے بھی کچھ برے نہ لگ رہے تھے' زندگی میں کچھ تبدیلی ہوئی تھی' چند لمحوں کے اندر اندر' بہرطور وہ آگے بڑھ گیا اور اسے ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا۔ عکسہ نے یہاں بھی مداخلت کی' کہنے لگی۔

"یہ حسین موسم ڈرائنگ روم میں گھس کر بیٹھنے کا نہیں ہے' آؤ اوپر منزل پر سائبان تلے چلتے ہیں' وہاں آئے گا کافی پینے کا لطف' آیئے سجاد صاحب۔"

دونیا نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا' وہ لوگ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے سیڑھیوں پر آ گئے اور پھر اوپری منزل پر پہنچنے کے بعد یہ سیڑھیاں اوپر کو چلی جاتی تھیں۔ وسیع و عریض چھت پر جو جگہ سائبان کے نام سے منسوب کی گئی تھی وہ ایک حسین ترین جگہ تھی اور اسے دیہاتی طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ باہر کا منظر دھند میں ڈوبا ہوا تھا' دونیا نے سجاد کو بیٹھنے کی پیش کش کی اور بولی۔

"بس چند لمحات کی اجازت دیجئے' ہم لوگ ذرا لباس تبدیل کر لیں؟"

"جی ضرور۔ آپ نے بلا وجہ تکلف کیا ہے' ورنہ اس موسم میں اور پھر آپ' ویسے بھی بھیگی ہوئی تھیں۔"

"پگھل نہیں جائیں گے ہم لوگ بھیگ کر' ابھی آئے۔" عکسہ نے کہا اور دونوں چلی گئیں' سجاد نے اب تک اس کوٹھی کا تھوڑا سا منظر دیکھا تھا اور دل ہی دل میں عجیب سے احساسات کا شکار ہو گیا تھا' کچھ لوگوں کے لئے زندگی کتنی آسان ہو جاتی ہے آسائشوں میں آنکھ کھولتے ہیں' پلتے ہیں' بوڑھے ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں' سوچتے ہی نہیں کہ زندگی کے کچھ دوسرے رخ بھی ہوتے ہیں' سجاد نے بے شک ایک آسان زندگی گزاری تھی اور مرزا صاحب نے چھوٹی موٹی ضرورتوں سے انہیں کبھی محروم نہیں رکھا تھا لیکن ذمے داریوں کا ایک احساس ابتدا ہی سے ان کے ذہنوں پر تھا اور کوئی بھی اس سے عاری نہیں تھا' بس مرزا صاحب اچھی خاصی کمائی کر لیتے تھے لیکن اسی حد تک کہ ضروریات پوری ہو جائیں اور کوئی تکلیف نہ ہو' زندگی اس سے بہت آگے تھی اور باہر کی دنیا میں نکلنے کے بعد جب اس زندگی کو دیکھا جاتا ہے تو اپنے اندر کمی کا شدید احساس ہوتا تھا اور ایک یہ لوگ ہیں کہ ہر طرح کی آسائشوں سے مالا مال ہیں' کوئی الجھن ہی نہیں ہے زندگی میں اس زندگی میں کتنا حسن ہے۔

دونوں لڑکیاں واپس آ گئیں اور سجاد کے ساتھ بیٹھ گئیں تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم نے کافی کے ساتھ بے شمار چیزیں پہنچا دی تھیں۔ سجاد کہنے لگا۔

"مس دونیا اور مس عکسہ' میں آپ لوگوں سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ معاف کیجئے گا اگر کچھ نامناسب الفاظ کہہ دوں تو اپنا مہمان سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ

آپ جیسی لڑکیاں جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتی ہیں اور زندگی کو بہت سہل انداز میں دیکھتی ہیں' عموماً خود پسند ہو جاتی ہیں اور اپنا ایک معیار قائم کر لیتی ہیں آپ کو علم ہوا ہے کہ میں آپ کا ملازم ہوں اور بات صرف اتنی سی تھی کہ مجھے آپ کو یہاں تک چھوڑنے آنا پڑا لیکن آپ نے مجھے صرف ایک ملازم کی حیثیت نہ دی بلکہ کافی پینے کے لئے بھی روک لیا اس بات نے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور میں اس تاثر کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔" دونیا کہنے لگی۔

"ہمارا مطالعہ بہت زیادہ وسیع نہیں ہے سجاد صاحب لیکن وہی بات جو راستے میں عکسہ نے کہی تھی یعنی انسان کو انسان میں کوئی فرق نہیں محسوس کرنا چاہئے' آپ ڈیڈی کی فرم میں ملازمت کرتے ہیں' لاتعداد لوگ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ کرتے ہی ہیں' اب یہ سوچ لینا کہ وہ ذرا عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرطور اگر آپ کو ہماری یہ بات پسند آئی ہے تو ہم خوش نصیب ہیں۔" عکسہ بے اختیار ہنس پڑی تھی پھر وہ بولی۔

"اور میں یہ بات دعوے سے کہتی ہوں کہ مس دونیا نے ایسے الفاظ اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں کہے' میں چونکہ ان کے سائے کی مانند ان کے ساتھ رہتی ہوں' آپ یہ سمجھ لیجئے سجاد صاحب کہ کال میں کچھ دالا ہے۔ ابھی میں الٹا ہی بول رہی ہوں سجاد صاحب' چونکہ جب دال میں کالا میرے سامنے آ جائے گا تو دال میں کالا کہوں گی۔"

"بکتی رہو' بکتی رہو' تمہاری یہ بکواس اس موسم میں بری نہیں لگ رہی۔" دونیا نے کہا۔

کافی کا دور بہت ہی عمدہ رہا ان دونوں نے سجاد کی خاطر مدارات کی اور پھر سجاد نے ان سے اجازت طلب کر لی۔

"جائیے اللہ حافظ لیکن اگر کبھی بارش ہو تو آپ ہمارا اپنے دفتر میں اسی طرح انتظار کریں' ہم لوگ اپنی گاڑی خراب کر کے ضرور وہاں پہنچ جائیں گے اور پھر انکل بختیار کی گاڑی میں آپ ہمیں یہاں تک چھوڑنے آئیں گے ظاہر ہے اس کے علاوہ ملاقات کا اور کوئی ذریعہ تو ہو نہیں سکتا۔" عکسہ نے کہا۔

""کیوں نہیں ہو سکتا' سجاد صاحب آپ سے اکثر ملاقاتیں رہیں گی۔" دونیا بولی اور اس کے بعد دونوں اسے باہر تک چھوڑنے آئی تھیں۔ سجاد کار میں آ بیٹھا' موٹی موٹی بوندیں اب بھی پڑ رہی تھیں' اس نے دونوں کو خدا حافظ کہا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔

وائپر تیزی سے شیشہ صاف کر رہے تھے اور سجاد کا ذہن بھول بھلیوں میں گم ہوا جا رہا تھا ان دونوں کا رویہ اس کے ساتھ حیرت ناک تھا' بات معمولی سی تھی' پہلی بار اسے دونیا اور عکسہ نے دیکھا تھا اور اس نے انہیں۔ ہو سکتا ہے وہ مزاجاً ایسی ہی ہوں۔ پہلی بار کوئی

گاڑی لے کر گھر پہنچا تھا' گھر والے بھی ذرا الجھے ہوئے تھے۔ گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اندر داخل ہو گیا۔ مرزا صاحب پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔

"ارے بھئی خیریت سے تو آ گئے' ہم لوگ بڑے پریشان ہو رہے تھے تمہارے لئے۔"

"کیوں ابو پریشانی کی کیا بات تھی؟" سجاد نے پوچھا۔

"بارش کافی تیز تھی بیٹے' سڑکوں کا کیا حال ہے؟"

"پانی سے بھری ہوئی ہیں' ہمیشہ کی مانند مگر بختیار صاحب نے مجھے اپنی گاڑی دے دی تھی اور کہا تھا کہ اسی سے چلے جاؤ۔"

"اوہو' یہ بختیار صاحب کون ہیں؟"

"ہماری فرم کے منیجر ہیں۔"

"اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔" مرزا صاحب نے کہا۔

اس کی بعد بات آئی گئی ہو گئی سجاد گھریلو معاملات میں مصروف ہو گیا لیکن رات کو جب وہ بستر پر لیٹا تو اس کی نیند اڑ گئی' آنکھوں میں وہی منظر گردش کر رہا تھا۔ کانوں میں وہی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ملکہ نے بے باکی سے کچھ جملے کہہ دیئے تھے' لڑکیاں تھیں' بے وقوف تھیں' آزاد خیال تھیں اور یہ گفتگو ان کے ہاں شاید اتنی معیوب نہ سمجھی جاتی ہو' چنانچہ جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا گیا لیکن اس کہے نے سجاد کے دل پر غلط ہی اثر ڈالا تھا اور وہ آدھی رات تک سو نہیں سکا تھا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ آدھی رات کے بعد نیند نے البتہ اسے ان پریشان خیالوں سے آزاد کر لیا تھا۔

خوب صورت کار عظیم الشان کوٹھی میں داخل ہو گئی اس نے اطراف پر نگاہیں دوڑائیں۔ ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے' ہر شے سلیقے کا مظہر تھی اس کی یہ کوٹھی بے مثال تھی اور دیکھنے والے اس کی بے پناہ تعریف کرتے تھے ہر شے اس نے اس کوٹھی میں سجا ڈالی تھی' ملازموں کی فوج کی فوج رہتی تھی۔ یہاں حالانکہ اس کوٹھی کے اصل مکین صرف دو تھے' بیگ صاحب اور وہ خود ان دو افراد کے لئے ملازموں کی اتنی تعداد تھی کہ سننے والے حیران رہ جائیں' اس نے ایک ایک کام کے لئے کئی کئی ملازم رکھ ڈالے تھے' یہ سب اسے میڈم کہہ کر پکارتے تھے' معمر آدمی بھی تھے' معمر عورتیں بھی تھیں لیکن اس نے کسی سے کوئی رشتہ قائم نہیں کیا تھا اور انہیں ان کے ناموں سے پکارتی تھی اور وہ صرف اسے میڈم کہتے تھے۔ اس کے لئے ان لوگوں کو سختی سے ہدایت کر دی گئی تھی پتا نہیں اس کا پس منظر کیا تھا شاید اسے رشتوں سے نفرت تھی لیکن وہ انسانوں سے نفرت نہیں کرتی تھی۔ دفتری معمولات بھی اس کی اسی کیفیت کے مظہر تھے' حالانکہ ذکی صاحب کئی بار اس سے کہہ چکے تھے کہ اسٹاف بہت زیادہ ہے اور ان پر اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں

لیکن ان کی اس بات کو اس نے سختی سے مسترد کر دیا تھا۔

"نہیں ذکی صاحب جو لوگ ملازمت کر رہے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی ان کی ملازمت سے نہ نکالا جائے۔ آپ میری ہمدردی میں یہ بات کہہ رہے ہیں' میں تسلیم کرتی ہوں کہ آپ گارمنٹ سٹی کے ہمدرد ہیں لیکن ان لوگوں سے آپ کی کیا دشمنی ہے جنہیں یہاں سے معقول تنخواہیں ملتی ہیں اور وہ مطمئن زندگی گزار رہے ہیں' سب چلتا ہے ذکی صاحب' ہمیں نقصان تو نہیں ہے۔ کسی ایک شخص کو بھی ہمارے ادارے سے نہ نکالا جائے' پتا نہیں کس کی تقدیر ہمیں بھی کچھ دے رہی ہے۔"

"ذکی صاحب اس کی اس بات سے متفق ہی تھے اور خود بھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ادارے میں ڈسپلن کی پابندی کی جاتی تھی اور کسی کو بھی غلط راستے اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

کار سے اتر کر وہ اپنے مخصوص راستے پر مخصوص انداز میں چلتی ہوئی بالآخر اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔

تمام لوگ مستعد تھے لیکن کسی کو اس وقت تک اس سے ملنے کی جرات نہیں ہوتی تھی جب تک کہ وہ خود کسی کو طلب نہ کرے۔ بیڈ روم میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور لباس تبدیل کرنے کے لئے باتھ روم کی جانب بڑھ گئی' ملازمہ اس کا گھر میں پہننے کا لباس سلیقے سے اس کی جگہ لٹکا چکی تھی۔ باتھ روم میں پہنچ کر اس نے غسل کیا' بال خشک کرتی ہوئی باہر آئی اور لباس تبدیل کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔

نرم برش سے اس نے اپنے بال پیچھے کرنا شروع کر دیئے اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی رہی لیکن دفعتاً" ہی اس کا ہاتھ رک گیا۔ پیشانی کے عین درمیان بالوں کے پیچھے ہونے کی وجہ سے ان کا آخری حصہ نمایاں ہوا تھا اور اس آخری حصے میں اسے باریک سفید سی چیز نظر آئی تھی۔ اس نے آئینے کے قریب سر جھکا کر اس سفید سی چیز کو دیکھا' چھ سات یا آٹھ بال جڑوں سے ہلکے ہلکے سفید ہو رہے تھے اور سفیدی کی ایک لکیر سی بن گئی تھی' یہ لکیر پہلی بار نمایاں ہوئی تھی' اس نے اس لکیر کو بغور دیکھا' دیکھتی رہی اور دفعتاً" ہی اس کے چہرے پر ایک پتھریلا پن نمودار ہو گیا جبڑے سختی سے بھینچ گئے اور ان کے مسلز ابھر آئے۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اس سفید لکیر کو دیکھتی رہی اور پھر اس کی لمبی پتلی نازک انگلی اس سفید لکیر پر گردش کرنے لگی' وہ ساکت و جامد نگاہوں سے اس سفید لکیر کو دیکھ رہی تھی اور اس کا ہاتھ رک گیا تھا' چند لمحات اسی طرح گزر گئے پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اس کے بعد برش کو بالوں میں پھیرنے لگی لیکن اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ بالوں کو سیدھا کرنے کے بعد اس نے جوڑا بنایا اور پھر پتھرائی ہوئی سی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"چند لمحات وہ اپنے کمرے میں ٹہلتی رہی۔ نجانے اس کی ذہنی کیفیت کیا تھی لیکن چہرے کا پتھریلا پن بتاتا تھا کہ اسے یہ سفید لکیر دیکھ کر کوئی خاص احساس ہوا ہے۔ چند لمحات کے بعد وہ پھر آئینے کے سامنے آ بیٹھی اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بالوں کو تھوڑا سا سرکایا، جھک کر ان سفید جڑوں کو دیکھتی رہی، چہرہ عجیب و غریب قسم کے جذبات کا آئینہ دار تھا۔ اس نے ایک بار پھر ٹھنڈی سانس لی اور پیچھے ہٹ گئی، اس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ پھیل گئی تھی ایک زہریلی، زخمی مسکراہٹ، سنگھار میز کے پورے اوپری حصے پر کا بہترین میک اپ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ بڑے بڑے اعلیٰ درجے کے سینٹ اور ایسی دوسری چیزیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پیرس کا "مون ڈراپس" اٹھایا اس کا ڈھکن کھولا اسے ناک کے قریب کر کے سونگھنے لگی پھر اس نے مون ڈراپس کا پورا پیک قریب رکھے ہوئے صاف ستھرے ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ ہالینڈ کا "بیربیرس" بھی اسی ڈسٹ بن میں گیا، حسین قسم کی لپ اسٹک اور رفتہ رفتہ سنگھار میز خالی ہونے لگی، ڈسٹ بن منہ تک بھر گیا تھا، اسی وقت فرزندی تازہ پھولوں کا ڈھیر ہاتھ میں لئے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اس نے وہ ڈھیر گلدان میں سجا دیا، پورا کمرا خوشبوؤں سے بھرا ہوا تھا۔

"فرزندی۔" اس نے فرزندی کو آواز دی اور وہ قریب پہنچ گئی۔ "یہ ڈسٹ بن باہر دوسرے ڈسٹ بن میں خالی کر کے آؤ اور مجھے دوسرا ڈسٹ بن دو۔"

فرزندی نے ڈسٹ بن کو اوپر تک بھرا ہوا دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، وہ ایک لمحے کے لئے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، تب ہی اس کی آواز ابھری۔

"فرزندی!" اور دوسرے لمحے فرزندی نے جھک کر وزنی ڈسٹ بن اٹھایا اور اسے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے باہر نکل گئی۔ اس نے تمام شیشیاں اور خوب صورت باکس اٹھائے انہیں توڑنا مروڑنا شروع کر دیا تھا اور یہ تمام چیزیں قالین پر ڈھیر ہو گئیں۔ فرزندی ذرا دیر میں واپس آ گئی تھی اس نے ڈسٹ بن اس کے سامنے رکھا۔ "ان سب کو اٹھا کر میں ڈال لو اور تیسری بار بھی تمہیں آنا پڑے گا میں ان سب کی صفائی چاہتی ہوں۔"

فرزندی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور ہزاروں روپے کی قیمتی اشیاء ڈسٹ بن میں بھرنے لگی، اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے لیکن وہ خود مطمئن نظر آ رہی تھی، سنگھار میز سونی نظر آ رہی تھی، اور اب اس پر چند ضروری چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آرام دہ کرسی تک پہنچ گئی اس کے بعد کمرے میں مکمل خاموشی طاری ہو گئی تھی، بس اس کے ہانپنے کی آوازیں فضا میں ابھر رہی تھیں کسی کی جرات نہیں تھی کہ دروازے سے اندر داخل ہو سکے، نجانے کتنی دیر اسی طرح گزر گئی، کمرے میں تاریکی پھیلتی جا رہی تھی پھر دروازے پر آہٹ ہوئی اور ناصر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے

نگاہیں اٹھا کر ناصر کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"جاؤ اس وقت کچھ نہیں سننا چاہتی آرام کرنے دو مجھے، جاؤ۔"

ناصر خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ وہ ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی اور تیسری بار جب اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے تاریکیوں میں دھندلائی ہوئی ڈریسنگ الماری نظر آئی۔ وہ چند لمحات ساکت نگاہوں سے الماری کو دیکھتی رہی پھر کسی خیال کے تحت اٹھی، الماری کا دروازہ کھولا اور اس میں لٹکے ہوئے لباس دیکھنے لگی۔ وہ لباس کو دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے ہینگر میں ٹنگے ہوئے کچھ لباس باہر نکال کر ڈھیر کرنا شروع کر دیئے، یہ انتہائی قیمتی اور شوخ رنگوں کے لباس تھے، سادہ رنگوں کے لباس اس نے وہیں رہنے دیئے اور شوخ رنگ کے تمام لباس نکال کر زمین پر ڈھیر کر دیئے پھر اس کی آواز دوبارہ ابھری۔

"فرزندی، فرزندی۔"

فرزندی شاید کہیں آس پاس ہی موجود تھی، اس کی آواز پر دوڑی چلی آئی۔

"یہ کپڑے اٹھاؤ اور باہر پھینک آؤ۔"

"جی میڈم۔" فرزندی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور انتہائی قیمتی کپڑوں کو اٹھانے لگی۔

"سنو اگر یہ تمہارے کام آ سکتے ہیں تو تم رکھ لو۔"

"جی میڈم۔" فرزندی نے آہستہ سے کہا اور کپڑوں کو سمیٹتے ہوئے باہر نکل گئی، وہ گہری گہری سانسیں لیتی رہی تھی اور اس کے بعد وہ اپنے بستر پر جا لیٹی۔ اندھیرا تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔ نجانے کتنا وقت گزرا کہ ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی اور اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

"اب کون ہے؟"

"خادم ہے، حاضر ہو سکتا ہے۔" یہ آواز ڈاکٹر اعجاز کی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور ڈاکٹر اعجاز دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

"ارے یہ کمرے میں تاریکیاں کیسی بکھری ہوئی ہیں؟" اس نے سوئچ بورڈ پر لگا ہوا بٹن دبایا اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ وہ ڈاکٹر اعجاز کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"خیریت، کیا کچھ زیادہ تھک گئی ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"دفتر میں کام بہت زیادہ کیا ہے کیا؟"

"ہاں یہی سمجھ لیجئے۔ آپ کا اس وقت آنا کیسے ہو گیا؟ میں نے منع کیا تھا سب کو کہ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"افسوس آپ نے ہمیں منع نہیں کیا کبھی اور شاید آپ کو اپنے الفاظ یاد ہوں کہ جب چاہیں یہاں آ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

"کوئی کام تھا؟" اس نے کسی قدر نرم لہجے میں پوچھا۔

"جی۔" ڈاکٹر اعجاز اس کے بالکل قریب آ بیٹھا وہ ضرورت سے زیادہ ہی بے تکلف تھا اس سے کیونکہ مسہری پر اس کے پاس بیٹھنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی [illegible] نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"ذرا نبض دکھایئے۔" ڈاکٹر اعجاز نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی آنکھوں میں جنون کے [illegible] پیدا ہو گئے۔

"دماغ خراب ہے آپ کا ڈاکٹر اعجاز؟"

"جی ہاں کبھی کبھی مجھے خود بھی یہی محسوس ہوتا ہے ذرا ہاتھ ادھر لایئے۔" ڈاکٹر نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ڈاکٹر پلیز میرا موڈ بالکل درست نہیں ہے اس وقت آپ سے معذرت چاہتی ہوں۔

"سبحان اللہ آدمی غصے میں کتنا مہذب ہو جاتا ہے۔

"ڈاکٹر! میں نے آپ سے انتہائی سنجیدگی سے معذرت کی ہے اس وقت میں تنہا چاہتی ہوں۔" وہ ایسے لہجے میں بولی کہ ڈاکٹر اعجاز کو جھلانا پڑا وہ چند لمحات اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کچھ کھایا پیا آپ نے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کون سی زبان میں کہوں کہ میں تنہائی چاہتی ہوں۔" وہ بولی۔

"خیر ٹھیک ہے ابتدا حضرت آدمؑ ہی سے ہوئی تھی' جنت سے نکالے گئے تھے' آدم زادوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو تو تعجب کی کیا بات ہے' جا رہے ہیں خدا حافظ ڈاکٹر اعجاز باہر نکل آیا۔ دروازے سے کچھ فاصلے پر چند ملازمین کھڑے ہوئے تھے اس ناصر سے کہا۔

"بہتر ہے آرام کرنے دو۔ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔"

"چائے تک نہیں پی' کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔"

"تم لوگوں میں سے کسی کو کھا جائیں گی اس وقت مکمل خاموشی اور تنہائی چاہیے' بات نہیں ہے آج کسی تکلف کا مظاہرہ نہ کرو آرام کرنے دو۔" ڈاکٹر اعجاز یہ کہہ کر باہر گیا۔

"ڈاکٹر کے جانے کے بعد اس نے اٹھ کر ساری روشنیاں بجھا دیں پھر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں میں ایک سفید لکیر تیر رہی تھی۔ نجانے

تک وہ اس لکیر سے کھیلتی رہی' یہ لکیر کبھی گول ہو جاتی کبھی تکون کبھی چوڑی ہو جاتی اور اس میں کچھ چہرے اٹکے ہوئے نظر آتے وقت خاموشی سے گزرتا رہا اور پھر ایک بج گیا۔ باہر گہرا سناٹا چھا چکا تھا لوگ تو آدھی نیند بھی پوری کر چکے ہوں گے لیکن.... وہ اپنی جگہ سے اٹھی الماری کھول کر نیند کی گولیوں کی شیشی نکالی اور چار گولیاں ہتھیلی پر رکھ کر میز کی طرف بڑھ گئی۔ پانی کا گلاس بھر کر اس نے گولیاں منہ میں ڈال لیں اور پانی پی کر میز پر جا بیٹھی۔

دوسری صبح ویران تھی۔ دماغ بھاری ہو رہا تھا۔ مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی نگاہ سنگھار میز کی طرف اٹھی تو دل اور بھاری ہو گیا وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی پھر مسہری سے اٹھ کر میز کے قریب پہنچ گئی' بال سمیٹ کر اس نے سفید بالوں کی لکیر دیکھی اور دیر تک اسے مختلف زاویوں سے دیکھتی رہی اس کے بعد جھلاہٹ میں بال منتشر کئے اور وہاں سے اٹھ کر غسل خانے میں داخل ہو گئی۔ ٹھنڈے پانی کی پھواروں کے نیچے اس نے معمول سے دگنا وقت گزارا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے بدن سے بھاپ اٹھ رہی ہو پھر جب یہ بھاپ بند ہو گئی تو وہ لباس پہن کر باہر نکل آئی۔ پہلی ہی آواز پر فرزندی دوڑی آئی تھی۔

"ناشتہ لگا دو۔ بلکہ یہاں لے آؤ اور ہاں ناصر کو بھیج دو۔"

"جی میڈم! ناصر آ گیا۔"

"کوئی خاص پروگرام؟"

"نہیں میڈم۔ بس زمان صاحب کے ڈنر پر جانا ہے۔" ناصر نے جواب دیا۔

"او کے۔"

فرزندی ناشتہ لے آئی اور وہ خاموشی سے ناشتے میں مصروف ہو گئی۔ ناصر اور فرزندی با ادب کھڑے ہوئے تھے۔ چائے کا آخری گھونٹ لے کر فارغ ہوئی تو ناصر نے کہا۔

"وہ میڈم۔ بیگ صاحب بہت پریشان ہیں۔"

"کیوں؟" اس کی بھنویں تن گئیں۔

"وہ اس کمرے میں نہیں رہنا چاہتے۔ کھڑکیوں کے پردے پھاڑ دیئے ہیں پورے کمرے میں توڑ پھوڑ مچائی ہے۔ رات کو کھانا بھی نہیں کھایا اس وقت ناشتہ بھی نہیں کیا سب کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔"

"اوہ' اچھا۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اچانک ہی اسے اپنے سلگتے ہوئے وجود میں ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔ "تکلیف کیا ہے انہیں؟"

"وہ اوپری منزل میں رہنا چاہتے ہیں۔ خاص طور سے انہیں کھڑکی سے نظر آنے والے زرد پھول ناپسند ہیں۔ انہوں نے پیتل کا گلدان کھڑکی پر زور سے مار کر دو شیشے توڑ دیئے ہیں۔"

"شیشے لگوا دیئے؟"

"ابھی نہیں میڈم۔"

"اور پردے؟"

"ریلنگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے پردے بھی ہٹا دیئے گئے ہیں۔"

"ہوں، تمام چیزوں کو جوں کی توں رہنے دو اور سنو۔ رفیق کہاں ہے؟"

"ان کے کمرے کے دروازے کے سامنے موجود ہے اور دروازہ باہر سے بند کر د
ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ بار بار باہر نکل رہے ہیں۔"

"تو پھریوں کرو انہیں وہیل چیئر سے اتار کر بستر پر لٹا دو اور وہیل چیئر کمرے سے ن
دو۔ وہیل چیئر پر نہ ہوں گے تو کچھ بھی نہیں کہیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی؟" ناصر نے آنکھیں پھاڑ کر کہا اور ناصر کا چہرہ دیکھ کر اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

"بہرے ہو گئے ہو یا پاگل۔ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سن نہیں پائے یا سمجھ نہ
سکے۔"

"نہیں میڈم ٹھیک ہے جو حکم!" ناصر نے کہا۔

"جاؤ!" وہ غرائی اور ناصر جلدی سے باہر نکل گیا' وہ خود بھی چند لمحات کے بعد باہر ن
آئی۔ شاہ نے گاڑی نکال لی تھی اسے دیکھ کر جلدی سے عقبی دروازہ کھول لیا اور وہ خامو
سے اندر بیٹھ گئی۔ کار اسٹارٹ ہو کر کوٹھی سے باہر نکل آئی تھی۔ رات بھر کی تپش
لمحات میں گم ہو گئی تھی وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔

گارمنٹ سٹی میں کام جاری تھا۔ بے شمار ورکر مصروف تھے مشینوں کا شور ابھر رہا
آفس کا دروازہ چپراسی نے کھول دیا اور وہ اندر داخل ہو گئی۔ وسیع و عریض میز پر چند فا
رکھے ہوئے تھے اسنے فائل کھول لئے اور مصروف ہو گئی۔ فائلوں میں الجھی ہوئی تھی
چیف ڈیزائنر شاہدہ عمر آ گئی اور اس نے فائل سمیٹ دیئے۔

"ہوں!"

"میڈم۔ یہ سارے نئے ڈیزائن پاس ہو گئے ہیں آپ فائنل کر دیں تو رجسٹرڈ کرا
جائیں۔"

"سیمپل بنا کر دیکھے؟"

"ابھی نہیں، آپ کی منظوری ضروری ہے۔"

"دوسرے مراحل طے ہو گئے؟ کاسٹ وغیرہ نکال لی؟"

"جی پوری تفصیل موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے لاؤ میں سائن کر دوں۔ تم ان کے سیمپل بنوا دو۔ شاہدہ انہیں نمائش

بھیجنے ہیں۔ میں چاہتی ہوں اس بار صنعتی نمائش میں ہم زیادہ سے زیادہ سیمپل رکھیں۔"

"جی یقیناً!" چیف ڈیزائنر نے کہا اور اس نے کئی کاغذات سائن کر دیئے۔ تھوڑی دیر
کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہو گئی اور شاہدہ نے کاغذات سمیٹ لئے۔

"سنو۔ ذکی صاحب کو بھیج دو۔"

"جی بہتر۔" لیکن شاہدہ باہر نکل رہی تھی کہ ذکی صاحب خود ہی پہنچ گئے ان کے ساتھ
ایک بوکھلایا ہوا نوجوان بھی تھا جس کا چہرہ ہونق ہو رہا تھا۔

"حاضر ہو سکتا ہوں میڈم؟"

"آیئے ذکی صاحب۔ یہ کون ہیں۔ اوہ۔ شاید وہ۔ یعنی ہمارے نئے مارکیٹنگ منیجر۔" اس
نے احتشام احمد کو پہچان لیا تھا۔

"آپ بھی یہی کہہ رہی ہیں خاتون۔ یعنی آپ بھی۔" نوجوان نے آنکھیں پھاڑتے
ہوئے کہا۔

"لوگ مجھے میڈم کہہ کر پکارتے ہیں آپ بھی یہی کہیں مسٹر احتشام۔" اس نے
مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر احتشام! میڈم گارمنٹ سٹی کی مالک ہیں۔ آپ کی باس۔" ذکی صاحب نے کہا۔

"مسئلہ تو یہیں اٹک گیا ہے۔ جناب مجھے یقین دلا دیں کہ یہ سب کچھ کوئی انتقامی
کارروائی نہیں ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"ذکی صاحب آیئے بیٹھئے۔ آپ بھی مسٹر احتشام۔ آپ کونسی انتقامی کارروائی کے بارے
میں کہہ رہے ہیں؟"

"چند الفاظ مجھے بولنے کی اجازت دیجئے میڈم۔" ذکی صاحب نے کہا۔ "آپ کے حکم
کے مطابق احتشام صاحب کو مارکیٹنگ منیجر کی حیثیت سے منتخب کر کے انہیں طلب کر لیا گیا
تھا۔ احتشام صاحب یہاں آ تو گئے ہیں لیکن مسلسل پوچھے جا رہے ہیں کہ اس مذاق کا مطلب
کیا ہے؟"

"مذاق؟" وہ بولی۔

"جی میڈم۔ اگر الف لیلیٰ کا دوبارہ آغاز ہوا ہے تو میں یقیناً اس دور کا ابوالحسن ہوں
جس کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا مجھے لگتا ہے آپ کا شجرہ نسب کہیں نہ کہیں خلیفہ ہارون الرشید
سے ملتا ہے اور میرے ساتھ بھی ابوالحسن کی کہانی دوہرائی جا رہی ہے یہ نوکری مجھے دے کر
بادشاہت دی گئی ہے مگر ایک دن کی۔"

ہارون الرشید نے ابوالحسن کے ساتھ برا تو نہیں کیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً۔ لیکن میری آنکھ کب کھلے گی؟"

"آپ جاگ رہے ہیں احتشام صاحب۔ آپ تعلیم یافتہ ہیں آپ نے انٹرویو دیا تھا ہم

نے آپ کا انتخاب کر لیا۔" وہ بولی۔

"کوئی گھپلا ضرور ہے' کیا میں انتخاب کے قابل ہوں' کیا خوبی ہے مجھ میں ضرور کوئی گھپلا ہے۔"

"اس دوران احتشام مختلف خدشات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ انہیں خوف ہے کہ گارمنٹ سٹی میں کوئی مجرمانہ کارروائی نہ ہوتی ہو اور انہیں اس کے لئے استعمال نہ کیا جانے والا ہو۔" ذکی صاحب نے کہا۔

"اوہ۔" وہ ہنس پڑی۔ کوئی انڈین فلم ان کے ذہن میں آ گئی ہو گی اور آپ نے ان سے کسی انتقامی کارروائی کا تذکرہ بھی تو کیا تھا؟"

"لاکھوں خیالات دل میں آ رہے ہیں۔ میں نے اس دن آپ لوگوں سے مذاق کیا تھا اس کا برا مان کر تو آپ نے مجھے یہاں نہیں بلوا لیا؟"

"انہوں نے کوئی مذاق کیا تھا ذکی صاحب؟"

"پتا نہیں میڈم!"

"میں نے کہا تھا کہ مجھے محلے والوں کا سودا سلف خریدنے کا تجربہ ہے اور..... اور بھی بہت کچھ کہا تھا میں نے۔"

"آپ نے ایک اور بات بھی کہی تھی احتشام صاحب۔" وہ بولی۔

"کیا؟"

"یہی کہ آپ خود کوئی درخواست نہیں بھیجتے آپ کا کوئی دوست یہ درخواستیں ٹائپ کر کے بھجوا دیتا ہے۔"

"اسی بدبخت نے مجھے صبح صبح تیار کر کے یہاں بھیج دیا ہے رات بھر میرے کپڑے استری کرتا رہا ہے۔" احتشام نے کہا۔

"آپ ملازمت نہیں کرنا چاہتے؟"

"کون بدبخت ملازمت نہیں کرنا چاہتا لیکن ملازمت خود مجھے نہیں کرنا چاہتی۔ نجانے کب سے کوشش کر رہا ہوں اور اب یہ کوششیں مذاق ہی معلوم ہوتی ہیں۔"

"ہر کام وقت پر ہوتا ہے احتشام صاحب۔ ذکی صاحب احتشام صاحب بہت دلچسپ انسان ہیں۔ ذرا ان کے ساتھ ایک ایک پیالی کافی ہو جائے پلیز نورو کو آواز دے لیں۔" ہنستی ہوئی بولی اور ذکی صاحب بھی مسکرا دیئے پھر انہوں نے چپراسی کو بلا کر کافی کے لئے کہہ دیا۔

"ہاں احتشام صاحب تو میں کہہ رہی تھی کہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے آپ کو ملازمت اس وقت ملنا مقدر تھی مل گئی آپ اطمینان رکھیں ہم نہ آپ سے کوئی جرم کرائیں گے اور نہ ہم نے آپ کی کسی بات کا برا مانا ہے جو کچھ آپ نہیں جانتے وہ سیکھ لیں

ذکی صاحب آپ کی پوری پوری مدد کریں گے اور آپ کو سب سکھا دیں گے آپ محنت سے کام کریں۔"

"کمال ہے۔" احتشام نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ "آپ گارمنٹ سٹی کی مالک ہیں؟"

"گ یہی کہتے ہیں؟"

"واقعی کمال ہے۔" اس نے پھر اسی انداز میں کہا۔ اتنی دیر میں کافی آ گئی اور پھر کافی پینے کے بعد ذکی صاحب اسے لے کر چلے گئے وہ مسکراتی رہی تھی پھر شام تک اس کا موڈ بے حد خوشگوار رہا تھا دوپہر کو ذکی صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تھی۔

"کہئے آپ کا مارکیٹنگ منیجر کیسا جا رہا ہے؟"

"بہت کچھ سکھانا پڑے گا اسے' ویسے ذہین ہے۔"

"آپ براہ کرم اس پر محنت کریں۔ اچھا ہے کسی کی زندگی بن جائے۔"

"شام کو واپس پلٹی تو اسی خوشگوار موڈ میں تھی۔ "فرزندی چائے؟" اندر داخل ہوتے ہی اس نے ہانک لگائی۔ چائے سامنے آئی تو کچھ یاد آ گیا۔

"ابو کیا کر رہے ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں۔"

"میری چائے وہیں لے آؤ۔" اس نے کہا اور اٹھ کر بیگ صاحب کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ بیگ صاحب مسہری پر چت لیٹے ہوئے تھے۔

"ابو۔" اس نے پیار سے انہیں پکارا۔ بیگ صاحب نے گردن گھما کر اسے دیکھا پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"میرے ساتھ یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے؟"

"کیا بات ہے ابو؟"

"تم نے مجھے ان وحشیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ میرے لئے تمہارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔"

"اوہ' نہیں ابو۔ ایسی کیا بات ہے میرا اور کون ہے آپ کے سوا۔ ابو آپ ہی تو ہیں۔ بس ایک آپ ہی تو؟" اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"مجھ سے میری پسند کی جگہ چھین لی گئی۔ صبح سے بستر پر پڑا ہوں' رفیق نے جھانک کر نہیں دیکھا مجھے کرسی سے اس لئے اتار دیا گیا ہے کہ میں کہیں آ جا نہ سکوں۔ وہ لوگ مجھے میری مرضی کے خلاف نیچے اتار لائے اور تمہیں کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔"

"اوہ' ابو اوپر آپ کو خطرہ تھا دیکھئے نہ آپ نیچے گر پڑے تھے۔"

"روز تو نہ گرتا۔ اور پھر یہ پیلے پیلے پھول آہ۔ یہ پیلے پھول دیکھ کر میری عمر [illegible] ہے دیکھو

وہ میری مسہری کے عین سامنے ہیں۔" بیگ صاحب نے مظلومیت سے کہا۔

"پیلے پھول؟ ناصر۔ ناصر۔" اس نے گرج کر آواز دی۔ چند منٹ کے بعد ناصر کمر میں آ گیا۔

"لان پر جتنے پیلے پھولوں کے کنج ہیں سب کٹوا دو۔ اس عمارت میں ایک بھی پیلا پھو نظر نہ آئے۔ یہ کام راتوں رات ہو جانا چاہئے۔"

"جی میڈم۔" ناصر نے کہا اور باہر نکل گیا۔ وہ اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر بیگ صاحب کے قریب بیٹھ گئی۔

"میرے پیارے ابو۔ میری زندگی کے مالک اٹھیں چائے پی لیں میرے ہاتھ سے۔"

"مجھے سہارا دے کر بٹھا دو۔ میں پی لوں گا۔"

"نہیں ابو۔ میں پلاؤں گی۔ میں خود پلاؤں گی۔" اس نے لاڈ سے کہا اور بیگ صاحب مسکرا دیئے۔

□

مرزا صاحب گھر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلی آواز انہوں نے تابندہ ہی کو دی۔ تابندہ۔ ارے بھئی تابندہ بیٹی!"

"جی ابو!" وہ دوڑتی ہوئی پہنچ گئی۔

"زبردست خوش خبری لایا ہوں تمہارے لئے۔ بتاؤ تو کیا؟"

"آپ ہی بتا دیں ابو۔" اس نے کہا جب سے اس کی منگنی ہوئی تھی وہ عجیب احساسات کا شکار ہو گئی تھی اسے یوں لگتا تھا جیسے ان لوگوں سے تعلق عارضی رہ گیا ہے ا احساس سے اس کے دل میں ان سب کا پیار بے پناہ بڑھ گیا تھا۔

"صدفی آئی ہے اور تمہیں بے حد یاد کر رہی ہے مجھے فون کیا تھا اب بولو کب ملو اس سے؟" مرزا صاحب نے کہا۔

"صدف کب آئی ہے ابو؟ ابھی لے چلیں مجھے اس کے پاس۔" وہ حسرت سے بولی۔

"میں نے کل کے لئے کہا ہے۔ کل صبح اس کے پاس پہنچا دوں گا دن بھر رہ لینا شام واپسی میں ساتھ لے لوں گا۔"

"ٹھیک ہے ابو۔ ہم اسے اپنے ہاں بھی لائیں گے، دعوت کریں گے اس کی، اپنے شو کے ساتھ آئی ہے؟"

"یہ تو نہیں پوچھا میں نے۔ دعوت ضرور کر دینا۔" مرزا صاحب نے کہا اور مسکرا ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ تابندہ بے حد مسرور ہو گئی تھی صدف اس کے بچ کی سہیلی تھی ڈیڑھ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی اور وہ شوہر کے ساتھ لندن چلی گئی تخشب لندن ہی میں ملازمت کرتا تھا اس دوران صدف صرف ایک بار آئی تھی لیکن ا

بھی سال سے زیادہ گزر گیا تھا مرزا صاحب کے ایک دوست کی بیٹی تھی اسی لئے یہ دوستی بھی ہوئی تھی۔

رات تابندہ نے سوتے جاگتے کاٹی اور دوسری صبح جلدی جلدی سارے کاموں سے فارغ ہو گئی۔ مرزا صاحب اسے ساتھ لے کر چل پڑے تھے، صدف کے والد مر چکے تھے ماں بڑے بیٹے کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتی تھیں اور وہاں صدف کی سسرال تھی۔ بڑی بہن یہاں رہتی تھیں۔ صدف بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"صدفی۔ میری جان۔" تابندہ اس سے لپٹ گئی۔ صدف نے بری طرح اسے بھینچ لیا تھا۔ "ہائے موٹی ہو گئی تو تو۔"

"کیوں نہ ہوتے عیش کر رہے ہیں۔"

"خدا کرے تو ہمیشہ عیش کرے تخشب بھائی بھی آئے ہیں؟"

"نہیں وہ ایک ماہ کے بعد آئیں گے۔" صدف اسے اندر لے گئی۔ دوسرے لوگوں سے بھی رسمی ملاقات ہوئی اور پھر دونوں تنہا رہ گئیں۔

"تو نے تو آنے کی اطلاع بھی نہ دی۔"

"جیسے تو نے مجھ سے رابطہ رکھا تھا!" صدف نے شکایت کی۔

"ہائے صدفی۔ تو ابو کی عادت جانتی ہے لڑکیوں کو خط لکھنے کی اجازت کہاں ہے ہمارے گھر میں۔"

"میں تجھ سے سخت ناراض ہوں!"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"منگنی کر لی اور ہم سے مشورہ بھی نہ کیا۔"

"میں نے کر لی منگنی؟"

"تو پھر؟"

"بس۔ کر دی گئی۔"

"کیوں تیری مرضی نہ تھی؟"

"بکواس مت کر۔ اس میں مرضی کا کیا دخل ہے۔ ماں باپ جو کرتے ہیں ٹھیک کرتے ہیں۔ یہ ان کا حق ہے۔"

"کون ہیں حضرت؟"

"ڈاکٹر ہیں حسن محمود نام ہے ہاؤس جاب کر رہے ہیں۔"

"کیسے ہیں، دیکھا ہے؟"

"ہاں، بس ایک بار۔"

"دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔" صدف نے شرارت سے کہا۔

"چھوڑ یار۔ تو بتا۔ تیرا لندن کیسا ہے؟"

"نخشب کی طرح۔ پرجوش حسین رومانٹک۔" صدف نے جواب دیا۔

"زبان کافی چل گئی ہے!"

"جیسا دیس ویسا بھیس۔ لندن بہت خوبصورت ہے کہر میں ڈوبا ہوا دھند میں ڈوبا ہوا۔"

"دنیا جہاں کی باتیں۔ صدف نخشب کے ساتھ بہت خوش تھی۔ وہ بہت سے تحائف بھی لائی تھی سب کے لئے۔ اس نے رخشندہ اور فرخندہ کے تحائف بھی اسے دیئے تو وہ بولی۔

"ابو کے ڈر کے مارے نہ کہہ سکیں ورنہ وہ بھی ضرور آتیں ان کی چیزیں رکھ لو ہمارے یہاں کب آ رہی ہو؟"

"جب کہو!"

"کل آ جاؤ سب کے ساتھ؟ ایک آدھ دن وہاں بھی رہ جانا۔"

"ضرور رہوں گی مگر کل نہیں جمعہ کا دن مناسب رہے گا۔"

"یہ چیزیں اسی دن ساتھ لے آنا۔"

"چلو ٹھیک ہے' ہاں اب ساری باتیں ہو گئیں۔ ذرا ان حسن صاحب کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔"

"بس صدف' سچ کہہ رہی ہوں صرف ایک بار دیکھا ہے ایک دلچسپ واقعہ بھی ہوا تھا۔"

"ہاں ہاں وہی تو بتاؤ۔" صدف نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولی۔

"میرا مطلب ہے ملاقات بڑی رومانٹک ہو گی۔"

"خام رومانٹک بے چارے کو نقصان پہنچا تھا میرے ہاتھوں۔" تابندہ نے ہنستے ہوئے اس شادی کا واقعہ سنایا لیکن صرف وہاں تک جہاں حسن کا لباس داغدار ہوا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟" صدف نے پوچھا۔

"منگنی۔" اس نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"بس اتنی سی بات اس منگنی کا سبب بن گئی۔"

"منگنی کا اس سے کیا تعلق۔ یہ فیصلہ تو بزرگوں نے کیا ہو گا۔"

"حسن صاحب کا کچھ ہاتھ ضرور ہو گا اس میں؟"

"خدا جانے!" تابندہ نے جواب دیا۔ صدف اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتی رہی تھی' دوپہر کا کھانا ساتھ کھایا گیا پھر دونوں لیٹ کر باتیں کرتی رہیں۔ ڈھائی بجے کے قریب صدف اٹھ گئی۔

"ایک دس منٹ کی اجازت دو ابھی آتی ہوں۔"

"کہاں؟"

"ایک ضروری کام ہے بس دس منٹ میں آئی۔" اور تابندہ نے گردن ہلا دی۔ بہرحال اس ملاقات سے اسے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ وہ صدف کی واپسی کا انتظار کرتی رہی پھر دروازے پر آہٹ ہوئی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ دروازہ کھلا اور کوئی اندر آگیا۔ یہ صدف نہ تھی بلکہ' بلکہ وہ بری طرح اچھل پڑی۔ آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ حسن تھا۔ ایک خوب صورت لباس میں ملبوس مسکراتا ہوا شفاف چہرہ دم بخود رہ گئی تھی۔

"اگر خادم آپ کے تصور میں بسا ہوا ہے تو اسے تصور نہیں حقیقت جانیں اگر بغیر اجازت آنے سے کچھ ناگواری محسوس ہوئی ہو تو یہ سمجھیں کہ مجبوری تھی' اگر اس بات پر حیران ہوں کہ میں یہاں کیسے آ گیا تو یہ سمجھیں کہ نخشب میرے بچپن کا دوست ہے اور ذرا دور کا رشتے دار بھی ہے اور اسے میں نے اپنی منگنی کا حال من و عن لکھ دیا تھا۔ نیز یہ کہ صدف بھابی کا میکہ میرے شہر میں ہے اور وہ لندن سے پہلے وہیں آئی تھیں وہاں میری ان سے ملاقات ہوئی بات پہلے انہیں معلوم ہو چکی تھی اور نخشب نے مجھے ان کی آمد کے بارے میں لکھ دیا تھا۔ چنانچہ میں ان سے ملا۔ حال دل کہا اور درخواست کی کہ ایک بار آپ سے ملا دیں۔ سو میں یہاں ہوں۔" اس نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"آپ کو یہ سب کچھ برا لگا؟" حسن نے پوچھا۔

"نہیں!" وہ صاف لہجے میں بولی۔

"یعنی واقعی' واقعی؟" وہ پرمسرت لہجے میں بولا۔

"ہاں' برا نہیں لگا لیکن کسی کو پتا چل گیا تو ابو کے مزاج کے خلاف ہو گا۔" اس نے حیرت انگیز صاف گوئی سے کہا۔

"اس کا یقین کر لیں کسی کو پتا نہیں چلے گا!"

"تب بیٹھئے۔ صدف کہاں ہے؟"

"باہر' انہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"آپ کب آئے؟"

"ڈھائی منٹ پہلے۔ صدف بھابی نے مجھے فون کر لیا تھا' ہسپتال سے بھاگا ہوا بائی روڈ آیا ہوں اور اب بھاگم بھاگ واپس چلا جاؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"بلا وجہ اتنی زحمت اٹھائی!"

"بلا وجہ۔ یہاں دل پر بنی ہوئی تھی ایک بار آپ سے مل کر یہ پوچھنا تھا کہ۔ کہ آپ اس منگنی سے خوش ہیں۔ مجھے اپنے قابل سمجھتی ہیں نا؟ خدا کے لئے ایک بار۔ بس ایک بار

اپنی زبان سے مجھے بتا دیں۔ آپ کے ذہن میں جو کچھ بھی ہے مجھے بتا دیں مجھے اطمینان ہو جائے گا۔"

"یہ تحریک آپ کی تھی حسن؟ آپ نے اپنے والدین سے اس کا اظہار کیا تھا؟" تابندہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"میں اس منگنی سے خوش ہوں حسن صاحب' کیونکہ آپ بہت اچھے انسان ہیں خدا کرے میں آپ کے قابل نکلوں۔"

"خدا کی قسم۔ وہ مل گیا ہے جو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ تابندہ آپ نے مجھے اتنی خوشی دی ہے کہ۔ کہ۔ میں اسے سنبھال نہیں سکتا۔"

"خدا کے واسطے اسے سنبھالئے۔ آپ نے اتنی جدوجہد کی ہے۔ میں نے جاہلوں کی طرح شرمانے کے بجائے آپ سے سچائی عرض کر دی۔ اس کے بعد ہم آداب و اخلاق کے تمام رشتے نبھائیں گے' وہی کریں گے جو بزرگوں کی ہدایت ہو گی۔"

"آپ کو مجھ سے شکایت نہ ہو گی۔" حسن نے کہا اور اسی وقت صدف دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"ملاقات کا وقت ختم!"

"اوہ صدف بھابی یو آر گریٹ۔ آپ نے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔" حسن نے کہا۔

"طبیعت جھک ہو گئی ہو گی دیور صاحب۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ وہ شرمائے گی' لجائے گی' شرم کے مارے مسہری کے نیچے جا گھسے گی۔ کہو مزا آیا؟" صدف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھابی آپ کا یہ احسان دوہرا ہو گیا ہے اس طرح تو تابندہ کی شخصیت کا ایک اور پہلو میری نگاہ میں آیا ہے یہ آہنی اعصاب کی مالک ہیں وقت سے مقابلہ کرنا جانتی ہیں ورنہ....ورنہ....."

"اب فرمایئے آپ کی کیا خاطر کی جائے؟"

"بہت کافی ہے۔ آپ نے ویسے بھی ملاقات کا وقت ختم کر دیا ہے۔"

"میں اپنی دوست کے لئے زیادہ خطرہ مول نہیں لے سکتی اس لئے معذرت خواہ ہوں ورنہ میں تم لوگوں کو کافی وقت دیتی میں چاہتی ہوں کہ کسی کو پتا نہ چلے۔"

"یقیناً' اچھا تابندہ چلتے ہیں خدا حافظ!" حسن نے کہا۔

"خدا حافظ!" تابندہ بولی اور حسن انہیں سلام کر کے باہر نکل گیا! اس کے جاتے ہی صدف تابندہ سے لپٹ گئی۔

"تو نے میری لاج رکھ لی تابندہ۔ خدا کی پناہ۔ تو اتنی بولڈ کب سے ہو گئی۔ پہلے تو ایسی نہ تھی!"

"اور آپ نے جو یہ بے ایمانی فرمائی ہے اس کے بارے میں کیا کہیں گی!" تابندہ نے کہا۔

"یار۔ دیور بھابی کے رشتے بھی بڑا مان رکھتے ہیں اور پھر یہ ڈبل رشتہ بہرحال خدا کا احسان ہے کہ یہ سب کچھ! ویسے حسن واقعی بہت پیارا ہے تم دونوں کو میں ہنی مون پر اپنے ساتھ لندن لے جاؤں گی۔"

"بس بس۔ حد ادب' حد ادب' یہ چاند اور شہد ہمارے معاشرے میں جگہ نہیں پا سکا اور نہ وقت سے پہلے اس کے خواب دیکھنے چاہئیں!" تابندہ نے ہنستے ہوئے کہا اور صدف اسے گھورنے لگی پھر کچھ یاد کر کے ہنس پڑی۔ شام کو پانچ بجے مرزا صاحب کے آنے کی اطلاع ملی تھی۔

فراز ہنس پڑا۔ کچھ ایسی ہی شکل بنائے ہوئے داخل ہوا تھا شامی' لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اندر آ کر وہ مسہری پر گر پڑا۔ اداکاری کر رہا تھا اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

"اب میں تم سے پوچھوں کہ کیا ہوا' یا تم خود بتاؤ گے۔" فراز نے کہا اور شامی نے وحشت زدہ نگاہیں اس کی جانب گھمائیں' پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آج تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"کیوں؟" اپائنٹمنٹ لیٹر کے باوجود' میرا مطلب ہے کیا کہا انہوں نے؟"

"میری سیٹ مجھے دے دی' بے شمار فائل میرے چارج میں دیئے گئے ہیں۔ منیجر ذکی صاحب ہیں جو منیجر صاحب سے زیادہ "ماموں میاں" ہیں۔ سارا دن میری ناز برداریاں کرتے رہے' مجھے میرا کام بتاتے رہے اور میرے پوچھنے پر یقین دلاتے رہے کہ یہ نوکری واقعی مجھے مل گئی ہے' مگر میرے سوال کا وہ کوئی تسلی بخش جواب شام تک بھی نہیں دے سکے۔"

"کیا سوال کیا تھا تم نے؟"

"بس میں یہ پوچھتا رہا ان سے کہ یہ نوکری مجھے کیسے مل گئی؟ مختلف انداز میں مجھے ایسے جواب دیتے رہے کہ میری تشفی نہ ہو سکی' پھر جھلا کر مجھے فرم کی مالکہ کے پاس لے گئے' نہایت پراسرار خاتون ہیں کہنے لگیں۔ "سب لوگ مجھے میڈم کہتے ہیں تمہیں یہی کہنا ہو گا۔" حالانکہ میرا دل شدت سے انہیں لیڈی بلیک کہنے کو چاہ رہا تھا' میں نے خود کو باز رکھا البتہ یہ ضرور کہہ دیا ان سے کہ مجھے اپنے چاروں طرف خطرات منڈلاتے نظر آ رہے ہیں' ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھے کسی جرم کا آلہ کار بنایا جائے گا اور تو کوئی صلاحیت نہیں ہے مجھ میں' انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ مجھ سے کوئی جرم نہیں کرایا جائے گا۔"

"بکواس کر رہا ہے۔" فراز غرایا۔

"خدا کی قسم ایک لفظ جھوٹ ہو تو منہ میں کیڑے پڑیں۔"

"وہ ناراض نہیں ہوئیں۔"

"یہی چیز تو میرے شبہے کو تقویت دے رہی ہے۔" شامی تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

"تجھے تیرے عہدے کا چارج دے دیا گیا؟"

"ہاں۔" شامی بھرائے ہوئے لہجے میں بولا اور فراز ہذیانی سے انداز میں ہنس پڑا' اس

نے اپنی جگہ سے اٹھ کر شامی کو بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

"مبارک ہو میری جان مبارک ہو' خدا کا شکر ہے نوکری مل گئی اور وہ بھی اتنی شاندار' دیکھ میرے پیارے بھائی' میں نے بھی آج دفتر میں کام نہیں کیا اور سارا دن آوارہ گردی کرتا رہا ہوں' میں نے گارمنٹ سٹی کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں' نہایت مستحکم اور پرانا ادارہ ہے' شاندار روایات کا حامل' دنیا بھر میں اس کی ایکسپورٹ ہے' ملک ملک میں نمائش کرتا ہے' کوئی ایسی بات اس سے وابستہ نہیں ہے جو باعث تشویش ہو' اب تجھے خدا کی اس دین کی لاج رکھنی ہے۔"

"تعجب ہے' تو بھی یہی کہہ رہا ہے' مگر پھر یہ نوکری آخر مجھے کیسے مل گئی؟"

"بکواس بند' چائے لا رہا ہوں' جا منہ ہاتھ دھو لے۔" فراز نے مسرور لہجے میں کہا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گیا۔

"چائے پیتے ہوئے بھی شامی گہری سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔ فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ خوش خبری صاحب کو دی جائے۔"

"پاگل ہوا ہے کیا؟" شامی چونک کر بولا۔

"کیوں؟"

"ہیڈ کلرک بھائی جان' ہیڈ میں سوکھا بھوسا بھرا ہوا ہے یا اسے کسی چیز سے گیلا بھی کیا گیا ہے؟"

"آپ فرمایئے بقراط اعظم۔" فراز نے کہا۔

"شیخ صاحب کے دل و دماغ منور ہو جائیں گے' آنکھوں میں روشنی بڑھ جائے گی۔ اس عظیم الشان ولا کا کرایہ ان کی نگاہ میں بہت کم ہے اور وہ ازراہ کرم ہم سے کرایہ وصول کر رہے ہیں۔ میری نوکری کی سنتے ہی وہ اس کرائے کو چار سے ضرب دے دیں گے اور فوراً کہیں گے۔ "میاں یہ ہماری دعاؤں کا طفیل ہے اب اس میں ہمارا حصہ نکال لو اور کرایہ بڑھا دو' بڑے دنوں سے انتظار کر رہے تھے۔"

"ہاں یہ تو ہے' مگر بدلے ہوئے حالات پر غور تو کریں گے' تم تیار ہو کر دفتر جاؤ گے معمولات میں فرق آئے گا تو غور نہیں کریں گے وہ؟"

"اس کا جواب سوچ لیا جائے گا۔" شامی نے کہا۔

"میرا خیال تو تھا کہ مٹھائی لاؤں اور انہیں بھی بھجواؤں۔" فراز بولا۔

"انہیں۔ یعنی خاتون مشرق و مغرب کو' اوہو پتا چل گیا۔ فرمائش کی ہو گی مٹھائی کی' بے ضروری ہے کہ یہ مٹھائی تو انہیں میرے ہی حوالے سے کھلائے۔ بھئی یہ تیرا ذاتی معاملہ ہے' مٹھائی پہنچانا ہے تو کوئی بھی بات کہہ دینا' مجھ غریب پر یہ بوجھ کیوں لاد رہا ہے۔" شامی شرارت پر اتر آیا اور فراز آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

"تیرے ذہن میں تو شیطان نے بسیرا کر لیا ہے' بے چاری کو بلاوجہ بدنام کرتا رہتا ہے۔" شامی معنی خیز انداز میں فراز کو گھورتے ہوئے گردن ہلاتا رہا۔ اسی وقت شیخ صاحب کی آواز سنائی دی۔

"بھئی کیا ہو رہا ہے' دونوں حضرات بڑے خاموش ہیں' کیا باورچی خانے میں کوئی کارروائی ہو رہی تھی' اماں دروازہ تو کھولو' کیا خواتین کی طرح دروازہ بند کئے بیٹھے ہوئے ہو۔"

"لیجئے آپ نے نام لیا' آ گئے' جایئے دروازہ کھولئے۔" شامی نے فراز کو اشارہ کر کے کہا اور فراز دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دو قدم چل کر پھرتی سے واپس پلٹا اور بولا۔

"ابے یہ پیالیاں تو ہٹا دو' فوراً ہی چائے کی پیالیاں دیکھ کر چائے کی فرمائش کر ڈالیں گے۔"

"میں پیالیاں اندر رکھ کر آتا ہوں۔" شامی نے کہا اور جھپٹا مار کر چائے کی دونوں پیالیاں اٹھائیں اور باورچی خانے میں گھس گیا۔ شیخ صاحب مسکراتے ہوئے اندر تشریف لائے تھے۔

"جی' سنایئے کیا ہو رہا ہے اور فراز میاں آج آپ بڑی جلدی واپس آ گئے تھے خیریت تو ہے؟ بس یونہی تشویش ہو گئی تھی میں نے سوچا کہ ایک ذمے دار سرکاری افسر جو کبھی اپنی ڈیوٹی سے غافل نہیں ہوتا آج جلدی کیوں آ گیا؟"

"جی ہاں' پیٹ میں کچھ گرانی تھی۔" فراز نے جواب دیا۔

"اوہو شامی صاحب' بھئی بڑے تھکے تھکے نظر آ رہے ہو۔ کہاں گھوم پھر آئے؟" شیخ صاحب بیٹھتے ہوئے بولے۔

"جی بس وہی ایک مسئلہ جو زندگی سے چپک کر رہ گیا ہے یعنی نوکری کی تلاش۔"

"ہاں بھئی یہ ملک بے روزگاروں کا ملک ہے' نوجوان حصول تعلیم کے بعد صرف کرسی اور میز طلب کرتے ہیں حالانکہ زندگی تو مختلف شعبوں سے عبارت ہے' پتا نہیں ہماری یہ نئی نسل صرف قلم کیوں گھسنا چاہتی ہے' اگر یہ گلیوں سڑکوں اور بازاروں' کھیتوں کھلیانوں اور پہاڑوں میں نکل کر اپنے لئے رزق تلاش کرے تو حصول رزق مشکل نہیں ہو گا۔"

"بات آپ نے بڑے پتے کی کی ہے شیخ صاحب۔"

"میاں اسی خوشی میں چائے پلوا دو۔" شیخ صاحب نے کہا اور پھر میز پر چائے کی پیالیوں کے تازہ تازہ نشانات دیکھ کر اچھل پڑے اور بولے۔

"یہ گول دائرے بتا رہے ہیں' کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں چائے موجود تھی۔" فراز نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں اور شامی شیخ صاحب کو گھورتا ہوا بولا۔

"نوجوانی کے زمانے میں تو آپ گھروں کے دروازوں سے پار دیکھ لیا کرتے ہوں گے شیخ

صاحب' باپردہ خواتین تو بڑی مشکلات کا شکار رہتی ہوں گی۔"

شیخ صاحب اچھے موڈ میں تھے' ہنسنے لگے اور بولے۔ "میاں آنکھوں کی بینائی بھی زندگی کے اچھے اعمالوں کا نتیجہ ہوتی ہے' ہر چیز کو اپنے قبضے میں رکھا ہے' غیروں کی تحویل میں نہیں جانے دیا۔"

"جی جی اس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن آپ نے صرف اپنے پر محنت کی ہے اپنی اولاد پر نہیں۔"

شامی نے کہا تو فراز ہکا بکا رہ گیا' آنکھوں کی بات ہو رہی تھی اور یہ چوٹ براہ راست شمسہ پر تھی' لیکن شیخ صاحب ہونقوں کی طرح منہ کھول کر رہ گئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں سمجھا نہیں؟"

"میرا مطلب ہے آپ کے بچے آپ کی طرح توانا اور طاقتور نہیں ہیں۔" شامی نے جلدی سے بات برابر کر دی اور شیخ صاحب مطمئن ہو گئے پھر بولے۔

"بھئی تمام اصلی چیزیں دنیا سے رخصت ہو گئیں' یہ نئی نسل اصلی کھانا بھول گئی' آج گھر میں کہیں سے تھوڑا سا اصلی گھی لا کر رکھ دو بچے یہی کہیں گے کہ کیا بدبو آ رہی ہے' جب یہ صورت حال ہو تو پھر صحت کہاں سے آئے' وہ چائے کی بات درمیان ہی میں رہ گئی۔"

"بدقسمتی سے دو پیالیوں کی پتی بچی تھی۔ میں نے کہا کہ چائے بنا لو ابھی پی کر بیٹھے ہیں' فراز تمہاری تنخواہ آخر کب ملے گی' یہ تیس تاریخ سے پہلے اگر تم تھوڑا سا ایڈوانس لے لیا کرو تو کوئی حرج ہے' گھر میں چیزیں ختم ہو جاتی ہیں تو پھر باہر والوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے' وہ تو بس یوں سمجھیں شیخ صاحب کہ دو پیالیوں کی پتی نکل آئی ورنہ ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ نیچے آ کر آپ سے فرمائش کریں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں میاں' تمہارا گھر ہے' اور سناؤ سیاست کیا کہہ رہی ہے؟"

"میں نے ایک روز پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اس کا نام سیاست نہیں فرحت ہے۔" شامی نے جواب دیا۔

"اس کی بات نہیں کر رہا ہوں میں' ہو گی کوئی فرحت ورحت مجھے اس سے کیا اور سنو میاں جوانی ہم پر بھی آئی تھی' یہ لچھن اچھے نہیں ہیں اور بزرگوں کا تو کوئی خیال ہی نہیں رہ گیا' اگر تم ان چیزوں میں پڑے ہوئے ہو تو کم از کم اپنی زبان تو قابو میں رکھا کرو' ہمیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے تمہاری فرحت ورحت سے' بھئی فراز میاں انہیں سکھاؤ کہ شریفانہ طور طریقے کیا ہوتے ہیں؟"

"جی شیخ صاحب' بس یہ شریر ہے اور زبان ہی چلتی ہے اس کی ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"کم از کم عمروں کا تو خیال کرنا چاہئے' اچھا میں چلتا ہوں۔" شیخ صاحب جانے کے لئے سنبھلے تو شامی نے جلدی سے کہا۔

"کمال ہے شیخ صاحب' ہم تو یہ سوچتے ہیں کہ آپ ہمارے بزرگ دوست ہیں' ہر طرح کے الٹے سیدھے مشورے آپ سے کر لیا کرتے ہیں' آپ کو علم ہے اس شہر میں ہمارا کوئی بزرگ تو ہے نہیں' دل کی باتیں اگر آپ سے نہ کریں تو کس سے کریں گے۔ آپ برا مان جاتے ہیں' حکم دے دیں کہ آئندہ آپ سے کس طریقے سے گفتگو کی جائے' میں تو آپ سے ایک بہت اہم مشورہ کرنا چاہتا تھا۔" شامی کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا اور اس کی آواز میں ایک ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی' شیخ صاحب بری طرح چونک پڑے تھے' لیکن فراز نے دوسری طرف رخ بدل لیا تھا' جانتا تھا کہ شامی کتنا بڑا اداکار ہے۔ شامی کی بھرائی ہوئی آواز نے شیخ صاحب کو متاثر کر دیا تھا' اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئے تھے اور فراز کی طرف رخ کر کے بولے۔

"یہ ہے آج کل کے نوجوانوں کی ہمت اور ان کا دل' ایک جملہ کہہ دیا تو آواز بھرا گئی' ارے بھئی کبھی کہا تم سے کہ ہم تمہارے بزرگ نہیں ہیں' ہمیشہ اپنے بچوں کے مانند سمجھا' دیکھو کیسا فضول آدمی ہے یہ تمہارا دوست شامی۔" شیخ صاحب بری طرح پسیج گئے تھے شامی نے اداکاری ہی ایسی کی تھی۔ شیخ صاحب بولے۔

"ہاں کیا مشورہ کرنا تھا' اب ذرا تمیز سے بات کرنا مجھ سے۔" شیخ صاحب سچ مچ بزرگ بن گئے - شامی نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے ایسے نادر الفاظ کہے تھے جو میرے دل پر جم گئے۔" شیخ صاحب کے چہرے پر فخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہم نے' کون سے الفاظ تھے بھئی وہ؟"

"ابھی آپ نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے رزق کے بارے میں کچھ کہا تھا' پتا نہیں کیوں بات میرے دل کو لگ گئی' آپ بالکل درست کہتے ہیں' تعلیم کا حصول تو انسان کو ذہنی شگفتگی عطا کرتا ہے' ملازمت کے لئے یا ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے ایک میز اور ایک کرسی ہی تو ضروری نہیں ہوتی۔ واقعی زندگی کے بہت سے شعبے ہیں۔ بہت سے کام ہیں۔ آپ نے اس وقت میری بڑی عظیم رہنمائی کی ہے شیخ صاحب' ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو گیا مجھے ملازمتوں کی تلاش میں دفتروں کے چکر کاٹتے ہوئے' ملازمت ہے کہ ملتی ہی نہیں آپ کے ان الفاظ نے مجھے ایک نئی ہمت عطا کی ہے' اسٹیشن پر قلی گیری بھی کی جا سکتی ہے' ساز و سامان بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہر وہ کام کیا جا سکتا ہے جس سے پیٹ بھرنے کے لئے کچھ مل سکے اور آپ کے ان الفاظ کی روشنی میں' میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ کل صبح گھر سے نکلوں گا اور رات کو گھر واپس آؤں گا کچھ نہ کچھ لے کر چاہے وہ پانچ دس روپے ہی کیوں نہ ہوں۔"

"عظیم بات ہے بیٹے' یہ جسم جو ہے ناں یہ بڑی عجیب چیز ہے' اسے جس قدر آسائشوں کا عادی بناؤ یہ ان کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے اور اگر اسے مشقت کی زندگی دو تو یہ زیادہ خوش اور تندرست رہتا ہے۔ تمہارا فیصلہ بالکل درست ہے میں تم سے متفق ہوں۔"

"بس یہی مشورہ کرنا تھا آپ سے' سنا تم نے فراز کل سے میں اپنی ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہا ہوں' صبح سے نکلوں گا اور رات کو گھر واپس آؤں گا' جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا' مرد میداں ہوں' کل سے میدان میں جا کر تقدیر آزماؤں گا۔"

"ضرور میاں ضرور' تم دیکھنا وقت تمہارے قدموں تلے آ پڑے گا۔" شیخ صاحب نے کہا' چائے کا آسرا تو ختم ہو گیا تھا' چنانچہ چند لمحات کے بعد اجازت لے کر چلے گئے اور فراز انہیں دروازے تک چھوڑنے گیا' پھر اس نے دروازہ بند کر کے شامی کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

"خدا تجھے سمجھے شامی' در حقیقت شیطان تیرے آگے پناہ مانگتا ہو گا۔"

"آداب' آداب۔" شامی مسکراتا ہوا بولا۔ شامی نے درحقیقت کل سے اپنے جانے کا جواز پیدا کر لیا تھا جس کے بارے میں وہ تھوڑی دیر پہلے گفتگو کر رہے تھے۔

❑

سجاد نوجوان تھا۔ زندگی کے ان تمام تصورات سے آراستہ جو عمر کے ساتھ ساتھ ذہن میں بس جاتے ہیں۔ گو مرزا صاحب ایک سخت گیر انسان تھے اور اولاد پر گہری نگاہ رہی تھی' چنانچہ کوئی ایسا واقعہ سجاد یا جواد کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکا تھا جو نوجوانی کی بھول سمجھا جاتا ہو۔ بیٹیوں کے سلسلے میں تو خیر ویسے ہی بڑی سختیاں تھیں لیکن دونوں بچوں کو بھی بھٹکنے سے روکا گیا تھا اور وہ اصولوں اور پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے' یہاں تک کہ مزاج ہی بدل گیا تھا' لیکن زندگی کی جو طلب ہوتی ہے وہ دل سے دور نہیں ہوتی' حسین تصورات کسی بھی لمحے رینگتے ہوئے ذہن تک پہنچ جائیں تو ان پر بھلا کس کا بس ہوتا ہے۔

بارش کی وہ شام سجاد کو ابھی تک یاد تھی جب اسے ایک خوشگوار فرض انجام دینا پڑا تھا۔ عکسہ اور دونیا اس کے مالک کی بیٹیاں تھیں۔ ہر طرح سے اس کے لئے واجب الاحترام۔ اگر ایک عام انداز میں اسے اپنا یہ فرض انجام دینا ہوتا تو شاید انہیں ان کی کوٹھی پر پہنچانے کے بعد واپسی میں وہ ان کے تصور تک کو فراموش کر بیٹھتا لیکن شریر عکسہ نے جو باتیں کی تھیں وہ انہیں بھلا نہیں سکا تھا۔ دونیا بہت حسین تھی' عکسہ بھی بہت خوبصورت تھی' لیکن اس نے دونیا کے حق میں خود کو دستبردار کر لیا تھا۔ راستے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ آج تک سجاد کے وجود میں ایک میٹھا میٹھا تصور بن کر سسکتی رہتی تھی اور دل میں بارہا یہ آرزو پیدا ہوئی تھی کہ پھر بارش ہو' پھر وہ دونوں یہاں آئیں اور پھر اسے وہی خدمت سونپی جائے۔ اس سے زیادہ کوئی تصور حماقت کے سوا اور کچھ نہیں تھا' عکسہ تو اپنی شرارت میں جو

چاہتی کہتی رہتی تھی، لیکن سجاد کے لئے وہ گفتگو ایک عجیب سا احساس بن کر رہ گئی
عکسہ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ انتظار کرے کسی ایسی ہی شام کا جب بارش ہو رہی ہو وہ
ضرور آئیں گی لیکن بارش کا موسم گزرتا جا رہا تھا اور کوئی بھی شام ایسی نہیں آئی تھی
دھواں دھار بارش ہو جائے۔ بارہا جب بادل چھاتے تھے اس کی نگاہیں کھڑکی کے دوسری
نگراں ہو جاتیں اور ذہن میں وہی تصورات ابھر آتے لیکن اپنے آپ پر اسے بارہا خود
آئی تھی کیسی احمقانہ سوچ ہے، لیکن عجیب احساس ہے یہ، ان تمام فلمی کہانیوں کے
ظاہر ہے زندگی ان تمام چیزوں سے ہٹ کر ہے۔ فلموں میں یا کہانیوں میں پیش کی جانے
باتیں بے شک زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن شاذ و نادر ہی ایسے کیس ہوا کرتے ہیں جو
کہانیاں جنم دیتے ہیں ورنہ عمومی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا، چنانچہ ان تصورات
ذہن سے جھٹک دینا چاہئے، البتہ کبھی کبھی تنہائی میں یہ تمام تصورات اس کے دل میں
جاتے تھے اور پھر وہ رات حسرتوں کی آغوش میں گزرتی تھی۔

یوں کافی دن ہو گئے، وہ اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ زندگی کو ایک ذمے داری بھی
گئی تھی۔ تابندہ کے لئے بہت کچھ کرنا تھا اور ان دنوں وہ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔
کی خواہش تھی کہ الگ سے کوئی اور کام کرے جس سے آمدنی بڑھ جائے، بے شک
صاحب نے اپنے بچوں کے لئے بہت کچھ سوچا تھا۔ کافی کچھ کیا تھا، لیکن موجودہ دور
کی شادی کے لئے جس قدر ہولناک ہو گیا ہے اس کا احساس سجاد کو بھی تھا جبکہ اسے
تک کوئی خاص ذاتی تجربہ نہیں ہوا تھا لیکن دوسروں کو تو دیکھا تھا بہت سی کہانیاں بہت
واقعات سنے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی پہلی بہن کی شادی اتنی شان سے کرے کہ کسی کو
احساس نہ ہونے پائے اور ویسے بھی جب بیٹے جوان ہو جاتے ہیں تو والدین کے تصورات
کی حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں، نیک بیٹوں کے لئے ان پھیلی ہوئی سرحدوں کو قائم
ضروری ہوتا ہے۔

شام ہونے والی تھی اور سجاد پوری طرح کام میں مصروف تھا کہ انٹر کام پر بختیار صاحب
کا اشارہ موصول ہوا اور اس نے فوراً ہی اس کا جواب دیا۔

"بھئی ذرا میرے پاس آؤ۔" بختیار صاحب کے لہجے میں الجھن تھی۔

"جی حاضر ہوا۔" اس نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ ختم ہونے کے بعد
سے اٹھا اور بختیار صاحب کے آفس کی طرف چل پڑا، نہ جانے کیا بات تھی۔ ضروری کام
رہا تھا جسے چھوڑنا پڑا تھا۔ بختیار صاحب نے اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور بولے۔

"وہ عکسہ سے کیا بات ہوئی تھی تمہاری؟"

"جی۔" سجاد کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"عکسہ، عکسہ، جانتے ہو نا عکسہ کو۔"

"جی..... جی ہاں، کک، کیوں نہیں، مم... مگر بات....." سجاد بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"وہ جوئیں مارنے کی کونسی دوا تھی جو گرانڈ اسٹور میں ملتی ہے۔" بختیار صاحب
جھلائے ہوئے انداز میں بولے۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا جناب۔"

"بھائی چلے جاؤ، گرانڈ اسٹور زیادہ دور نہیں ہے، میری گاڑی لے جاؤ، وہ وہاں تمہارا
انتظار کر رہی ہے، لو یہ چابی سنبھالو۔"

"کون انتظار کر رہی ہے میرا؟" سجاد نے کہا۔

"عکسہ میاں عکسہ۔ مجھے فون کیا تھا ابھی اس نے، کہنے لگی کہ سجاد صاحب نے جوئیں
مارنے کی ایک دوا کا نام لیا تھا جو اسے یاد نہیں آ رہا۔ وہ گرانڈ اسٹور میں موجود ہے سجاد
صاحب سے ذرا معلومات حاصل کر کے اس دوا کا نام بتا دوں یا سجاد صاحب کو وہاں بھیج دوں،
جاؤ چلے جاؤ، کہہ رہی تھی کہ میں سر کھجا کھجا کر مری جا رہی ہوں اور آپ لوگوں کو فکر ہی
نہیں ہے، کسی اور کو بتا بھی نہیں سکتی سر میں جوئیں پڑ گئی ہیں، سجاد صاحب نے جوئیں
مارنے والی دواؤں کا تذکرہ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس دوا کی ایک شیشی مجھے بھجوا دیں
گے، آج تک واپس نہیں پلٹے، انہیں فوراً میرے پاس بھیج دیجئے۔"

سجاد سر کھجانے لگا تو بختیار صاحب بولے۔

"کیا تمہارے سر میں بھی جوئیں پڑ گئی ہیں۔ عزیزی جاؤ گرانڈ اسٹور چلے جاؤ، دیکھا ہے
نا گرانڈ اسٹور؟ وہ جو سامنے والی سڑک کے اختتام پر ہے۔"

"جی ہاں دیکھا ہے، لیکن عکسہ عکسہ۔"

"چلے جاؤ اب کتنی بار کہوں تم سے، وہاں جا کر اس سے تمام معلومات حاصل کر لو، یہ
چابی اٹھاؤ۔"

سجاد نے بحالت مجبوری چابی اٹھائی اور مرے مرے قدموں سے باہر نکل آیا، بڑا
ضروری کام کر رہا تھا، لیکن یہ نجانے بختیار صاحب کو کیا ہو گیا عکسہ، جوئیں مارنے کی دوا،
عکسہ عکسہ اس کے ذہن میں عکسہ کا تصور جاگا اور اس کے ساتھ ہی دونیا کا اور یکبارگی اس
کا دل دھڑک اٹھا۔ جوئیں مارنے والی کسی دوا کا قصہ تو اسے یاد نہیں آ سکا لیکن عکسہ کے
ساتھ ہی دونیا ضرور یاد آ گئی، ایک منٹ کے لئے وہ اپنے کمرے میں آیا، ضروری سامان سمیٹا
اور اس کے بعد باہر نکل آیا، ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، اسے بالکل یاد نہ آیا کہ
اس نے ایسی کوئی بات عکسہ سے کی تھی۔

گرانڈ اسٹور زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، چند ہی لمحات کے بعد اس کی وہ گاڑی جو اسے
بختیار صاحب نے دی تھی، گرانڈ اسٹور کے سامنے رکی اور وہ اسٹور میں داخل بھی نہیں ہوا
تھا کہ اسے عکسہ سٹور سے باہر نکلتی ہوئی نظر آئی۔ بے اختیارانہ انداز میں سجاد کی نگاہیں اس

کے عقب میں اٹھی تھیں، لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ عکسہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئی۔

"جسے آپ تلاش کر رہے ہیں نا، وہ میرے پیچھے موجود نہیں ہے، سمجھ رہے ہیں آپ؟"

"جج...جی جی۔" اس نے جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں دونیا نہیں ہے میرے ساتھ۔"

"لیکن عکسہ صاحبہ، یہ جوئیں مارنے والی دواؤں کا کیا چکر ہے جہاں تک مجھے یاد آتا ہے میں نے ایسی کسی چیز کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"عجیب ہونق آدمی ہیں آپ، فوراً ہی شروع ہو گئے۔ کچھ خیر و عافیت معلوم کی جاتی ہے شناساؤں سے، کچھ ادھر ادھر کے احوال پوچھے جاتے ہیں اور آپ نے فوراً ہی جوئیں مارنے کا چکر چلا دیا۔ جب آپ کے کان پر جوں نہیں رینگنے گی تو پھر کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا نا، آخر میری بھی کچھ ذمے داریاں ہیں۔" عکسہ نے منہ بنا کر کہا۔

"جی۔" سجاد آہستہ سے بولا۔

"آیئے آپ میرے ساتھ اور یہ گاڑی کیوں اٹھا لائے ہیں آپ، کیا ہمارے پاس گاڑی نہیں ہے، اس کے بغیر آپ یہاں تک نہیں آ سکتے تھے، آخر دفتر سے یہاں کا فاصلہ ہی کتنا ہے، چھوڑ دیجئے آپ یہ گاڑی، یہیں چھوڑ دیجئے۔"

"جی....جی؟" سجاد گڑبڑا کر بولا۔

"جناب عالی، گاڑی یہیں چھوڑ دیجئے، واپسی میں لے لیجئے گا، کوئی لے نہیں جائے گا اس کھٹارے کو۔"

"ہو سکتا ہے بختیار صاحب کو گاڑی کی ضرورت پیش آ جائے۔ مجھے جانا کہاں ہے؟"

عکسہ نے نچلا ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بڑی بے تکلف لڑکی تھی، وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے واپس گرانڈ اسٹور میں داخل ہو گئی اور پھر اس نے کاؤنٹر پر پہنچ کر فون اپنی جانب سرکایا، کاؤنٹر کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ سجاد کو اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کس کا فون نمبر ڈائل کر رہی ہے، لیکن چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"بختیار صاحب بول رہے ہیں، جی بختیار صاحب ذرا سی ایک زحمت کرنا ہو گی آپ کو گرانڈ اسٹور میں اپنے کسی آدمی کو بھیج کر یہاں سے اپنی گاڑی منگوا لیجئے، سجاد صاحب سے مجھے کام ہے، جوئیں مارنے کی وہ دوا اس اسٹور پر نہیں ملی، دوسرے اسٹوروں پر تلاش کرنا ہے اور میں یہ کام کر کے ہی چھوڑوں گی، جی ہاں شکریہ۔ کاؤنٹر پر جو ایک خاتون بیٹھی ہیں ان سے آپ اپنی گاڑی کی چابی طلب کر لیجئے گا، جی کچھ کہا نہیں جا سکتا، ہو سکتا ہے شام ہو

جائے، آج میں جوئیں مارنے کی دوا لے کر ہی جاؤں گی، اچھا ٹھیک ہے تو پھر چابی آپ یہاں سے لے لیجئے گا۔" اس نے فون بند کیا اور پھر سجاد سے بختیار صاحب کی کار کی چابی طلب کی، جسے سجاد نے ایک گہری سانس لے کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی لڑکی کو تفصیلات سمجھا کر وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑی۔

باہر ہی اس کی خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی۔ سجاد خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا، اس کے ساتھ قدم ملاتا، آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک بات بھی جو اس کی سمجھ میں ابھی تک آئی ہو، لیکن نجانے کیوں وہ عکسہ کے سامنے بول ہی نہیں پا رہا تھا۔ عکسہ نے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"اب آپ سے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ تشریف رکھئے۔"

"نن نہیں۔" سجاد نے کہا اور کار میں بیٹھ گیا۔

عکسہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اس کے بعد کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی، سجاد کا دماغ ہوا میں معلق تھا۔

❑

شہنائی کی مدھر آوازیں بھی کتنا سرور رکھتی ہیں، یہ مدھم مدھم آوازیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں اور اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ سرخ جوڑا بدن پر بڑا وزنی محسوس ہو رہا تھا، سر پر کہکشاں اتری ہوئی تھی، تاروں بھرا سرخ دوپٹا کہکشاں کے مانند ہی چمک رہا تھا، ہاتھوں میں چوڑیاں کھنک رہی تھیں، اور ان چوڑیوں کے نیچے سفید کلائیوں پر مہندی کی حسین لکیریں بنی ہوئی تھیں، سرخ حسین لکیریں جو نجانے کیا کیا کہانیاں اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں اس نے دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش کی، اطراف میں پھولوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں، اس کی سیج کے کھلے ہوئے مہکتے ہوئے پھول اور ان پھولوں میں تصورات کے نجانے کون کون سے لمحے اٹکے ہوئے تھے، ہر پتی ایک الگ کہانی کی حامل تھی جہاں نگاہ اٹھ جائے اس کہانی کا آغاز ہو جائے۔ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں، دوسری تحریریں نگاہوں کے سامنے عریاں تھیں اور اس کے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے، کہیں یوں نہ ہو کہ شہنائی کی آواز میں یہ آہٹیں دب جائیں اور پھر ایسا نہ ہوا، دروازے پر ہلکی سی آواز سنائی دی اور پھر اس کی چرچراہٹ ابھری جیسے کوئی دروازہ کھول رہا ہو، اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا، ہونٹ خشک ہو گئے، اب کوئی دروازہ کھول کر اندر آئے گا، قدموں کی بھاری چاپ سنائی دے گی، پھر سیج کے قریب پھول پھڑپھڑائیں گے اور اس کے بعد دو ہاتھ، دو کھردرے چوڑے مضبوط ہاتھ جن کی کلائیاں سیاہ بالوں سے بھری ہوں گی، آگے بڑھیں گے اور سرخ کہکشاں اس کے چہرے سے اوپر اٹھ جائے گی۔ اس نے شرمگیں انداز میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور اپنے چہرے کو نمایاں ہونے سے بچانا چاہا لیکن اچانک ہی اس کے سرخ دوپٹے میں آگ لگ

گئی' شعلوں کی زبانیں لپکنے لگیں' ستارے اس کے ہاتھوں میں چبھ گئے تھے اور جہاں جہاں مہندی لگی ہوئی تھی وہاں سے خون کی دھاریں پھوٹ پڑیں۔ اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا' روشنیاں بجھ گئیں اور گھور تاریکی ہر سمت سے امنڈنے لگی۔ وہ وحشت زدہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی سمت بھاگی اور اچانک ہی ٹھوکر لگنے سے نیچے گر پڑی۔ اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا نیچے نرم قالین تھا جس کی وجہ سے اسے چوٹ تو نہ لگی' لیکن اس تاریکی میں اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا' دل تھا کہ بے قابو ہوا جا رہا تھا' کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو گیا؟ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا' کہکشاں میں آگ کیسے لگ گئی؟

اس نے دھڑکتے دل کی آواز کو سنا لیکن یہ آواز اس کے دل کی دھڑکنوں کی تو نہیں تھی بلکہ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ یہ اسی دیوار گیر گھڑی کی آواز تھی۔ چند لمحات وہ اس آواز کو سنتی رہی' پھر اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ دونوں ہاتھ قالین پر ٹکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ تاریکی اس کی اپنی پیدا کی ہوئی تھی۔ اس نے سب نوکروں کو حکم دیا تھا کہ اس کی خواب گاہ میں روشنی کی ایک رمق نہ آنے پائے۔ رات کی تاریکیوں میں اسے روشنی سے سخت نفرت ہوتی تھی' یہ تاریکی اس کے مزاج سے ہم آہنگ تھی اور جب باہر کی دنیا خاموش ہو جائے تو پھر اسے صرف ان تاریکیوں ہی میں سکون ملتا تھا۔ اس کے ہونٹ بری طرح خشک ہو رہے تھے' اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی۔

"فرزندی اری فرزندی' کم بخت کہاں مر گئی' پانی پلا دے مجھے۔" لیکن رات کے یہ لمحات کسی ملازم کے جاگنے کے لمحات نہیں تھے' سب اپنی اپنی آرام گاہوں میں گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ چند ہی لمحات کے بعد اسے احساس ہو گیا کہ اس کی آواز بے معنی ہے جو کچھ کرنا ہے اسے خود ہی کرنا ہے' ہاں جو کچھ کرنا ہے مجھے خود ہی کرنا ہے۔

بیڈ روم فریج سامنے موجود تھا' آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچی' فریج کھولا' پانی کی بوتل نکالی' گلاس بھی موجود تھا' لیکن اس نے ٹھنڈے پانی کی بوتل ہونٹوں سے لگا لی اور پیتی چلی گئی۔ نجانے کب تک پھر اسے احساس ہوا کہ بہت زیادہ پانی پی لیا ہے اس نے' لیکن پیاس تھی کہ دور نہیں ہو رہی تھی' کہکشاں کی آگ اس کے سینے میں اتر گئی تھی اور اس کا وجود خاکستر ہوا جا رہا تھا' پانی کی بوتل فریج میں رکھنے کے بعد اس نے فریج بند کر دیا۔ فریج کے اندر جلتے ہوئے بلب سے جو روشنی نکلی تھی اسے بہت بری محسوس ہو رہی تھی۔ تاریکیاں صرف تاریکیاں میرے پورے وجود کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس نے سوچا اور فریج کے پاس کافی دیر تک کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی' پھر دیوار گیر گھڑی پر نگاہیں جما دیں۔ نجانے کیا وقت ہوا ہے' کم بخت گھڑی ٹک ٹک کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتی' پتا نہیں گھنٹا کب بجے گا' گھنٹا بجنے سے یہ اندازہ ہو کہ کیا وقت ہو گیا ہے۔

آنکھیں تاریکیوں سے مانوس ہوئیں تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنی اس مسہری کے قریب پہنچ گئی جو کچھ دیر قبل اس کے سامنے ایک سیج کی شکل میں موجود تھی۔ مسہری پر بیٹھی تو نرم گدا اندر دھنستا چلا گیا اور اس کے دل کو ایک بار پھر ایک دھچکا سا لگا۔ کوئی بھی تو میرا بوجھ نہیں سنبھال سکتا' ہاں کوئی بھی نہیں جو مجھے اپنے وجود کا سہارا دے سکے' کتنی تنہا ہوں میں اس کائنات میں' اس کائنات میں اتنا تنہا اور کوئی نہ ہو گا۔ دل میں سخت نفرت کا احساس بیدار ہونے لگا اور اس نے سوچا کہ کل سب سے پہلے ناصر سے کہے گی کہ یہ مسہری اٹھا کر باہر پھنکوا دے اور یہاں ایک ایسی مسہری بچھوا دے جس کا گدا پتھر کی طرح سخت ہو اور جب وہ اس پر بیٹھے تو یہ زمین بوس نہ ہو جائے کچھ تو نظر آئے کوئی تو ایسا پتھریلا وجود ہو جو مجھے سہارا دے سکے۔

بہت دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی' اسکے بعد اٹھ کھڑی ہوئی' ایک کرسی قریب سے اٹھائی اور اسے گھسیٹتی ہوئی اس کھڑکی تک لے گئی جس سے باہر کا منظر نظر آتا تھا۔ کھڑکی کا پردہ ہٹایا' کھڑکی کھولی اور باہر پھیلی ہوئی تاریک رات کو دیکھتی رہی۔ اسی کھڑکی پر بیٹھے بیٹھے اس نے صبح کر دی تھی۔ روشنی کس طرح آسمان سے زمین تک آتی ہے' یہ منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن دل میں سوچا تھا کہ جھوٹ ہے سب جھوٹ ہے' یہ روشنی ایک فریب ہے جو لوگ جان بوجھ کر کھاتے ہیں ورنہ روشنیاں زمین تک کبھی نہیں آتیں۔

صبح کو اس کا موڈ سخت خراب تھا' غسل خانے میں جا کر غسل کیا' لباس تبدیل کیا' اسی دوران فرزندی چائے لے آئی تھی۔ چائے کی پیالی اس نے نفاست سے میز پر رکھ دی اور خاموش کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"صبح ہی صبح مجھے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟" اس نے فرزندی سے سوال کیا۔

"میں جاؤں؟"

"نہیں میرے سر پر آ کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا اور فرزندی جلدی سے باہر نکل گئی۔ وہ خاموشی سے چائے کو دیکھ رہی تھی جس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی' پھر اٹھی چائے کی پیالی اٹھائی اور اسی کرسی پر آ بیٹھی۔

سخت گرم چائے کے گھونٹ اس نے حلق سے نیچے اتارنا شروع کر دیئے' اس کا حلق جل رہا تھا' لیکن اسے ایک ہلکا ہلکا سرور محسوس ہو رہا تھا۔

چائے پینے کے بعد اس نے زور سے گردن جھٹکی' آنکھیں بھینچیں اور چکراتے ہوئے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر باہر نکل آئی' باہر سب سے پہلی نگاہ بیگ صاحب پر پڑی تھی جو وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اسی کی سمت آ رہے تھے۔ اس کے قدم

یک بہ یک رک گئے یہاں سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا اور یہ کھلا ہوا حصہ کیاریوں کی جانب کھلتا تھا' بیگ صاحب اس کے قریب پہنچ گئے۔

"کہیں جا رہی ہو؟"

"جی فرمایئے۔" اس نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"تم نے میرے مسئلے پر غور نہیں کیا۔" بیگ صاحب بولے۔ اس نے نفرت بھری نگاہوں سے بیگ صاحب کو دیکھا اور بولی۔

"آپ کی زندگی میں مسائل کے علاوہ اور کچھ ہے ابو؟"

"میں یہاں بے سکون ہوں۔"

"تو کہاں جانا چاہتے ہیں آپ؟" اس نے بدستور اسی خشک اور کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"اوپر۔"

"ہوں' آپ جیسے لوگ آسانی سے اوپر نہیں جاتے ابو۔" وہ بھاری لہجے میں بولی۔

"یہاں میرا دم گھٹتا ہے' میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے اوپر پہنچا دو' ایک بار گر گیا' غلطی ہو گئی اب بار بار یہ غلطی تھوڑی ہو گی۔"

"غلطی ابو ایک بار ہوتی ہے زندگی میں' صرف ایک بار ہوتی ہے اور ساری زندگی اس غلطی کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔"

"تمہارے اوپر ہر وقت فلسفے کا بھوت سوار رہتا ہے' اب مجھے خود بتاؤ' میں یہاں بے سکونی کے عالم مین رہتا ہوں' کیسے رہ سکتا ہوں میں' جب مجھے یہ جگہ اچھی ہی نہیں لگتی۔"

"کیا چاہتے ہیں آپ آخر؟" اس نے کہا اور رخ تبدیل کر دیا' سامنے ہی کیاریاں نظر آ رہی تھیں جن میں جگہ جگہ خلا پیدا ہو گیا تھا' اس کے حکم پر ساری کیاریوں سے زرد پھولوں کے پودے اکھاڑ دیئے گئے تھے اور اب جگہ جگہ کیاریاں عریاں نظر آ رہی تھیں۔ اس کا دل تڑپ اٹھا اور اس نے خونی نگاہوں سے بیگ صاحب کو دیکھا۔

"اور کیا کروں آپ کے لئے' اور کیا کروں" آپ دیکھ رہے ہیں ان سونی کیاریوں کو' سب کچھ تو اجاڑ دیا میں نے آپ کے لئے اور کیا کر سکتی ہوں' بتایئے اور کیا کر سکتی ہوں؟"

"مگر میں نیچے نہیں رہوں گا' کہہ دیا ہے میں نے تم سے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"رفیق۔" وہ دھاڑی اور کچھ فاصلے پر موجود رفیق دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

انہیں لے جاؤ یہاں سے اور خبردار جب تک میں یہاں ہوں یہ اس طرف نہ آئیں' سمجھے تم۔" وہ بری طرح غرائی۔

"جی جی۔" رفیق نے کہا اور برق رفتاری سے بیگ صاحب کی وہیل چیئر کو عقب سے دھکیلتا ہوا دور لے گیا۔

وہ دانت پیستی ہوئی آگے بڑھی اور اس کے بعد سیڑھیاں اتر کر ان کیاریوں کے قریب پہنچ گئی۔ وہ دکھ بھرے انداز میں ان کیاریوں کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں زرد پھولوں کے درمیان پودے لہلہاتے رہتے تھے اور اب یہاں جگہ جگہ خلا نظر آ رہے تھے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا دور ہی سے ناصر نظر آ گیا۔

ملازمین دور دور رہا کرتے تھے اور یہ اندازہ لگاتے رہتے تھے کہ اس وقت اس کا موڈ کیسا ہے' ناصر بھی کچھ فاصلے پر تھا۔ اس نے اشارے سے ناصر کو قریب بلایا اور ناصر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ کیاریاں دیکھ رہے ہو تم؟"

"جی میڈم۔"

"کیا پھولوں کو اسی بے دردی سے اکھاڑ دینا چاہئے تھا؟"

"جی پودے جڑ سے اکھاڑنے پڑے میڈم' ورنہ اگر صرف پھول اتار دیئے جاتے تو دو ایک دن میں پھر نکل آتے۔"

"ہوں' جڑ سے اکھاڑ دیئے گئے۔ ان جگہوں کو فوراً پر کرا دو سمجھے' فوراً پر ہونا چاہئے ان جگہوں کو۔"

"مگر میڈم اگر ہم یہاں دوسرے رنگ کے پھولوں کے بیج ڈالتے ہیں تو پودے اگنے میں بھی کچھ وقت لگے گا' آپ بتایئے وہ کونسا طریقہ ہو سکتا ہے جس کے تحت یہاں فوراً پودے لگا دیئے جائیں؟"

"بکواس کرتے ہو' مجھ سے زبان چلاتے ہو' دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے فوراً' فوراً۔"

وہ غرائی اور ناصر شانے ہلا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

"چرب زبانی سب کو آتی ہے' یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں' ہونہہ۔" اس نے کہا اور کیاریوں کی جانب سے واپس چل پڑی۔

ایک بار پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی' عجیب بے چینی طاری ہو رہی تھی اس پر' کمرے میں چند لمحات رکی پھر لائبریری کی طرف چل پڑی۔ لائبریری ایک بہت بڑے ہال نما کمرے میں واقع تھی۔ اس کی نفاست قابل دید تھی اور وہاں ہزاروں کتابیں دیواروں میں بنے ہوئے شیلف میں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان دیواروں کے قریب پہنچ کر ایک ایک کتاب کا جائزہ لینے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اور ملازمہ کمرے میں داخل ہو گئی۔

"ناشتا لگ گیا ہے میڈم۔"

"چلو آ رہی ہوں۔" اس نے کہا اور ملازمہ کے واپس پلٹتے ہی خود بھی واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے' چند لمحات کے بعد وہ ناشتے کی میز پر تھی۔ ناشتا حسب معمول لگا ہوا تھا۔ اس

نے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئی' پھر اس نے ایک پلیٹ اٹھائی۔ پلیٹ کے درمیانی حصے میں
کے چند قطرے رکے ہوئے تھے۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا' ملازمہ جو
کراتی تھی سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے انگلی کے اشارے سے اسے قریب بلایا اور
میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا ہے؟"

"ج...جی جی' پلیٹ ہے۔"

"پلیٹ تو ہے' میں اندھی نہیں ہوں' اس کے درمیان میں کیا ہے؟"

"جی' پ...پانی۔"

"پانی۔" اس نے پلیٹ کنارے سے پکڑ کر اٹھائی اور پھر اسے گھما کر دیوار پر دے ماری
ملازمہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی' اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

"پلیٹ ہے اور پانی ہے اس میں کیوں' جانور سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے مجھے'
تنخواہیں دیتی ہوں میں تمہیں' اندازہ ہے کچھ' اتنی تنخواہوں پر کہیں ملازمتیں مل سکتی ہیں
تمہیں' اور اس کے بعد میرے ساتھ یہ سلوک کرتی ہو۔" اس نے چائے دانی اٹھائی اور
کھولتی ہوئی چائے دانی دیوار پر دے ماری۔ اس کے بعد ایک ایک برتن دیوار پر ٹوٹتا رہا
ملازمہ دیوار سے لگی سہمی کھڑی تھی۔ اس نے کرسی پیچھے سرکائی اور پھر اسے ایک لات مار کر
ایک جانب اچھال دیا۔ اس کے بعد تیز تیز قدموں سے ڈائننگ ہال سے باہر نکل آئی۔

ملازمین پر سکتہ سا طاری تھا۔ آج موڈ کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہوتا تھا۔ جہاں بھی
جمع ہو رہے تھے ایک دوسرے سے یہی الفاظ کہہ رہے تھے' پھر شامت کے مارے ڈاکٹر اعجاز
آ گئے' یہ معلوم کر کے کہ میڈم لائبریری میں ہیں وہ سیدھے لائبریری ہی کی جانب بڑھ گئے
تھے۔ لائبریری کا دروازہ کھلا ہوا تھا' لیکن انہوں نے ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہو
گئے۔ اس نے گھوم کر ڈاکٹر اعجاز کو دیکھا اور اس کے چہرے کی سختی کچھ اور بڑھ گئی' پھر اس
نے آہستہ سے کہا۔

"جی فرمائیے؟"

"صبح کا سلام پیش کرتا ہوں۔" ڈاکٹر اعجاز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ ڈاکٹر ہیں یا اداکار۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"خدا کی قسم' دل کی بات کہہ دی' اداکار ہی بننا چاہتا تھا' لیکن کیا کروں ڈاکٹر بنا د
گیا۔"

"خودکشی کیوں نہ کر لی۔"

"جی۔" ڈاکٹر اعجاز بھونچکے ہو کر بولے۔

"اگر آپ کو آپ کی پسند کی زندگی نہیں ملی تھی تو آپ نے خودکشی کیوں نہیں کر لی

زندہ کیوں ہیں؟"

"آہ' یہ ایک لمبی کہانی ہے' اتنی لمبی کہ اسے سنانے کے لئے کافی وقت درکار ہو گا اس
لئے اس وقت ان باتوں کو جانے دیجئے آپ یہ بتائیے آپ کے مزاج کیسے ہیں؟"

"ڈاکٹر صاحب! میرا خیال ہے میں نے کبھی آپ سے بہت زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ
نہیں کیا' آپ کے خیال میں کیا یہ سب کچھ مناسب ہے' آپ کو صرف اس وقت یہاں
تشریف لانا چاہئے جب آپ کو یہاں بلایا جائے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ روزانہ صبح
یہاں کیوں تشریف لے آتے ہیں۔ ہر ایک کے اپنے اپنے مسائل ہوتے ہیں' کام ہوتے
ہیں' ذہنی طور پر کچھ پروگرام ترتیب دیئے جاتے ہیں' ایسے اوقات میں اگر کوئی ذہن کو منتشر
کر دے تو کیا آپ کے خیال میں یہ مناسب ہے۔ کوئی کام تھا آپ کو یہاں' کسی نے بلایا ہے
آپ کو بتانا پسند کریں گے۔"

ڈاکٹر اعجاز ایک لمحے کے لئے تو چکرا گئے تھے' لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولے۔

"جی بعض اوقات اپنی کوئی غرض بھی کھینچ لاتی ہے اور اس وقت ایک کام ہی سے حاضر
ہوا تھا۔"

"جی جی فرمائیے۔ کیا کام ہے آپ کو؟" اس نے حلیمی سے پوچھا۔

"جی وہ سنا ہے مارکیٹنگ منیجر کی جگہ کسی کو رکھ دیا گیا ہے۔ میں نے آپ سے ایک
درخواست کی تھی وہ بیوی کے بہنوئی کا بھائی' جسے یہ جگہ دینے کا وعدہ کر لیا گیا تھا۔"

"آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں' آپ نے یہ سفارش کی تھی اور میں نے یہ
سوچا تھا کہ دیکھ لیا جائے گا' لیکن آپ جانتے ہیں گارمنٹ سٹی کو میں نے اپنے خون سے سینچا
ہے' میرے لئے وہ ایک عبادت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور عبادت گاہ میں کوئی گندگی کوئی
بھی پسند نہیں کرتا۔" اس نے کہا تو ڈاکٹر اعجاز بولے۔

"مگر وہ بڑا صاف ستھرا آدمی ہے' بے داغ لباس پہنتا ہے اور ہاتھ دھوئے بغیر کھانا نہیں
کھاتا۔"

"آپ مذاق فرما رہے ہیں' خیر ظاہر ہے ہر شخص اپنی پسند کی گفتگو کرتا ہے' میں آپ کو
اس سے نہیں روکوں گی' لیکن گارمنٹ سٹی میں سفارش سے نہیں بلکہ کارکردگی سے کام کیا
جاتا ہے۔ مجھے آپ کی بیوی کے بہنوئی کے بھائی پسند نہیں آئے اور میں نے اپنی پسند کے
آدمی کو اس جگہ رکھ لیا اس لئے معافی چاہتی ہوں مزید کوئی حکم۔" اس نے کہا۔

"جانے کی اجازت چاہتا ہوں بس۔" ڈاکٹر صاحب نے برا مانے بغیر کہا۔

"خدا حافظ۔" وہ بولی اور ڈاکٹر اعجاز خاموشی سے باہر نکل گئے' کچھ فاصلے پر انہیں ناصر
نظر آیا تو وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"آج آتش فشاں ابل رہا ہے' خدا خیر کرے تم سب لوگ ہوشیار رہنا۔"

ناصر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر اعجاز اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے تھے اور
لائبریری ہی میں تھی۔ ڈاکٹر اعجاز کو اس نے ذہن سے نکال پھینکا تھا' ایسے فضول لوگ
مخواہ وقت برباد کرنے کے لئے آ جاتے ہیں۔ ذہن کھول رہا تھا اور بے چینی کافی حد تک
چکی تھی۔ اس میں کسی طور کمی نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور
لائبریری سے باہر نکل گئی۔ باہر آ کر اس نے نرم لہجے میں ایک ملازم سے کہا۔
"گاڑی نکلواؤ' میں دفتر جانا چاہتی ہوں۔" حالانکہ ابھی دفتر کا وقت نہیں ہوا تھا' یہ
ملازم کی کیا مجال ہو سکتی تھی کہ انکار کرتا' تھوڑی دیر کے بعد وہ گارمنٹ سٹی جا رہی تھی۔

❑

سجاد پر کچھ دیر بدحواسی طاری رہی پھر رفتہ رفتہ اس نے موڈ کو سنبھال لیا اور عکسہ کی
طرف دیکھ کر کہا۔
"محترمہ مجھے بتا تو دیجئے کہ آپ کہاں جا رہی ہیں۔ کچھ ایسا کام دفتر میں چھوڑ آیا ہوں
جسے کرنا ازحد ضروری تھا' آپ صرف یہ فرما دیجئے کہ کہاں جا رہی ہیں اور کتنی دیر مصروف
رہنا پڑے گا۔"
"جب تک آپ کے کان پر جوئیں نہیں رینگنے لگیں گی' میں آپ کو نہیں چھوڑوں
گی۔"
"میرا خیال ہے میں نے آپ سے کسی جوئیں مارنے والی دوا کی بات نہیں کی تھی' یہ
میرا شعبہ بھی نہیں ہے' آپ کونسی جوؤں کا تذکرہ کر رہی ہیں؟"
"کمال ہے سجاد صاحب' محاورے بھی نہیں سمجھتے آپ' اچھا خیر چھوڑیئے آپ بھی کیا
یاد کریں گے کہ کس سے واسطہ پڑا تھا' دونیا کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟"
"جی۔"
"اس دن جو میرے ساتھ تھی میری بڑی بہن جس نے آپ کو بڑی چاہت سے کافی
پلائی تھی' یاد آ گئی آپ کو؟"
"جی' جی ہاں' کیوں نہیں' لیکن آپ ان کے بارے میں میرا کیا خیال پوچھ رہی ہیں؟"
"کیا وہ اتنی بدشکل ہے کہ آپ دوبارہ کبھی اسے ٹیلی فون بھی نہیں کر پائے۔" عکسہ
نے کہا۔
"معاف کیجئے گا' آپ اب بھی مذاق کر رہی ہیں' دونیا صاحبہ میرے مالک کی بیٹی ہیں'
میں ان کا احترام کرتا ہوں اور آپ کا بھی' میں بھلا انہیں بے مقصد ٹیلی فون کیوں کرتا؟"
"بے مقصد' گویا گویا آپ نے اس کی شخصیت کو قبول ہی نہیں کیا؟"
"کیوں قبول نہیں کیا' لیکن فون کرنے کا کیا جواز تھا؟"
"ہوں' سنئے سجاد صاحب' ایک بات کان کھول کر سن لیجئے' وہ میری بڑی چہیتی بہن ہے'

اگر اسے کچھ ہو گیا تو معاف نہیں کروں گی آپ کو۔"
"مگر انہیں کیا ہو رہا ہے؟" سجاد نے سوال کیا۔
"بے چین ہے' پریشان ہے' آپ کے لئے افسردہ ہے اس بات پر کہ آپ نے اسے
دوبارہ فون نہیں کیا' اس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی' اب آپ بتایئے ایک لڑکی کی اس
سے زیادہ توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی اسے اس قابل بھی نہ سمجھے کہ ایک بار ملنے کے
بعد دوبارہ ملنے کی خواہش نہ کرے۔"
سجاد کو ہنسی آ گئی اس نے کہا۔
"عجیب زبردستی ہے' میں دوبارہ ملنے کی کوشش کیوں کرتا آخر اس کی بنیاد کیا ہے؟"
"محبت' محبت کے بارے میں کچھ جانتے ہیں آپ؟"
"جی ہاں' جانتا تو ہوں۔"
"تو پھر آپ اس طرح انجان کیوں بن رہے ہیں' کیا آپ کے خیال میں دونیا کو آپ
سے محبت نہیں ہو سکتی؟ کیا آپ کے خیال میں وہ چاہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ آپ
نے اسے نظرانداز کیوں کیا' ایک اور بات دوبارہ کان کھول کر سن لیجئے بلکہ کان تو آپ نے
پہلے ہی کھول لئے ہوں گے' دونیا کے علاوہ آپ کسی اور سے محبت بھی نہیں کر سکتے' اگر
آپ یہ جواز پیش کریں گے کہ آپ کو پہلے سے کسی سے پیار ہے یا آپ کی بچپن میں منگنی
ہو چکی ہے تو میں اس بات کو بالکل تسلیم نہیں کروں گی' آپ کو وہ منگنی توڑنا ہو گی' دونیا
بہت حساس اور نازک دل رکھتی ہے' اگر اس کا دل ٹوٹ گیا تو آپ نہیں جانتے کیا ہو جائے
گا؟"
"خدا آپ کو عقل دے عکسہ صاحبہ' پتا نہیں کیسی باتیں کر رہی ہیں' میری سمجھ میں تو
کچھ نہیں آ رہا۔"
"اچھا پلیز ایک بات بتا دیجئے' آپ کو میرے سر کی قسم۔" عکسہ نے کہا۔
"جی۔" سجاد اب بالکل سنبھل چکا تھا۔
"کیا آپ کسی سے محبت کرتے ہیں؟" عکسہ نے بڑی بے تکلفی سے پوچھا۔ سجاد چند
لمحے سوچ میں ڈوبا رہا' پھر اس نے کہا۔
"بڑا ٹیڑھا سوال ہے' کسی سے آپ کی کیا مراد ہے' دیکھئے میرا گھر ہے' والدین ہیں'
بہنیں ہیں' بھائی ہے' سب سے محبت کرتا ہوں میں۔"
"اب آپ بننے کی کوشش کر رہے ہیں' میرا مقصد ہے آپ کی کوئی منگیتر ہے؟"
"جی نہیں۔"
"بچپن سے آپ کسی کو چاہتے ہیں' میرا مطلب ہے کوئی ایسی لڑکی جس سے آپ
شادی وغیرہ کرنا چاہتے ہوں؟"

"نہیں، کوئی نہیں ہے۔"

"ونڈر فل، ونڈر فل، اس کا مطلب ہے کہ دونیا کی تقدیر کھل گئی، خدا مبارک کرے۔" نکہ نے کہا اور ایک ہوٹل کے سامنے کار روک دی۔

"یہاں کیوں؟"

"آیئے نا۔ آپ تو بات بات میں سوالات کرنے کے عادی ہیں، ویسے آپ بہت آدمی ہیں سجاد صاحب، ہم نے آپ سے بڑی محبت اور بے تکلفی سے گفتگو کی تھی، شنا پیدا کی تھی، لیکن آپ کو اتنی توفیق کبھی نہیں ہوئی کہ دوبارہ ہماری خبر ہی لے لیتے۔"

سجاد ہنسنے لگا، پھر وہ نکہ کے ساتھ نیچے اتر آیا اور ہوٹل کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

"آپ نے ہی خود کچھ فرمایا تھا، نکہ صاحبہ۔"

"کیا؟" نکہ نے پوچھا۔

"آپ نے کہا تھا نا کہ میں بارش کی کسی ایسی شام کا انتظار کروں جب آپ کی گ خراب ہو جائے اور آپ دفتر میں پہنچیں، بدقسمتی سے اس کے بعد کبھی ایسی بارش ہی نہ ہوئی حالانکہ میں انتظار کرتا رہا۔"

نکہ ایک دم ٹھٹک کر رک گئی، اس کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"آپ بارش کا انتظار کرتے رہے، آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ آئیں اور آپ لوگوں سے دوبارہ ملاقات ہو۔"

"جلدی سے ایک بات بتا دیجئے فوراً آپ کو میں پسند ہوں یا دونیا؟" نکہ نے کہا، کا سانس تیزی سے پھول رہا تھا۔

اور سجاد یہ محسوس کر رہا تھا کہ بڑے گھر کی ایک سیدھی سادی لڑکی ہے، بڑے گھر اسے حلیہ تبدیل کرنے میں مدد دی ہے، مگر ذہن وہی بچوں جیسا ہے۔ اس نے آہستہ کہا۔

"آپ کو۔"

"کک... کیا؟" نکہ کا چہرہ اتر گیا۔

"جی، جی نکہ صاحبہ آپ مجھے پسند ہیں اور دونیا بھی، لیکن آپ کی شوخ فطرت بہت زیادہ پسند آئی ہے، میری تین بہنیں ہیں اور میں آپ کو اپنی چوتھی بہن کی حیثیت تسلیم کر سکتا ہوں۔"

"ارے باپ رے، مار دیا تھا آپ نے تو مجھے، میں تو دم بخود رہ گئی تھی، میں نے کہ یہ کیا ہو گیا، کسی کے لئے قربانی دینے جا رہی تھی اپنی ہی قربانی ہو جاتی، مگر خدا کے آپ دونیا کے لئے یہ الفاظ نہ کہہ دیجئے گا، وہ، وہ آپ سے محبت کرنے لگی ہے، آپ کریں اسے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔"

"تعجب ہے، مگر آپ ہوٹل میں کہاں جا رہی ہیں؟"

"آیئے نا، بتا دوں گی، جلدی کیا ہے؟" نکہ نے کہا اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا، پھر لفٹ کے ذریعے اوپری منزل کی جانب چل پڑی، تیسری منزل پر پہنچ کر وہ لفٹ سے اتری اور راہداری میں آگے بڑھتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گئی، پھر اس نے پرس سے چابی نکالی اور دروازے کا تالا کھولنے لگی۔

سجاد حیران نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گئی، بہت ہی خوبصورت اور سجا ہوا کمرا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں نے یہ کمرا کرائے پر حاصل کیا ہے، جانتے ہیں کیوں؟"

"کیا جانوں؟" سجاد نے بے چارگی سے کہا۔

"آپ کے لئے، آپ دونوں کی ملاقات کے لئے، سمجھے آپ، اچھی خاصی رقم خرچ کر رہی ہوں میں یہ بیکار نہیں جانی چاہئے۔"

"خدا کے لئے مجھے بتا تو دیجئے کہ یہ سب کیا چکر ہے، مجھے کرنا کیا ہے۔"

"کچھ نہیں کرنا، بس بیٹھ کر انتظار کرنا ہے، ابھی تھوڑی دیر کے بعد وہ آتی ہو گی۔"

"کون؟"

"دونیا بھئی، آپ سمجھ کیوں نہیں پا رہے، کمال ہے۔"

"کک... کیوں آتی ہو گی؟"

"آپ سے ملاقات کرنے، میں جا رہی ہوں، آپ انتظار کرتے رہیں۔" نکہ نے کہا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

سجاد کا منہ کھلا اور بند ہو گیا، عجیب پریشانی کے عالم میں گرفتار ہو گیا تھا، کہیں ان دو احمق لڑکیوں کی حماقتیں اس سے اس کی ملازمت نہ چھین لیں، بڑی ضروری تھی یہ ملازمت اس کے لئے، سجاد ہولتا رہا۔ اسے پوری طرح یہ احساس تھا کہ دونوں لڑکیاں اس فرم کے مالک سیٹھ ادریس کی چہیتی بیٹیاں ہیں، جس میں وہ ایک ادنیٰ درجے کا کارکن تھا، لڑکیوں کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، وہ اپنی شوخ اور آزاد فطرت کی بنا پر سب کچھ کہہ سکتی ہیں، سب کچھ کر سکتی ہیں، لیکن بات اس سے آگے بڑھے تو نتائج جو کچھ ہو سکتے ہیں وہ سجاد کی نگاہوں سے دور نہیں تھے۔ اس قسم کی کہانیوں کے انجام اس نے فلموں میں بھی دیکھے تھے، افسانوں میں بھی پڑھے تھے اور پھر حقیقی زندگی بھی یہی تھی کہ کوئی بھی شخص ان کہانیوں کو کہانیوں کی حیثیت تو دے سکتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں ان کا مقام ذرا مشکل ہی سے بنتا ہے نتیجہ خطرناک بھی ہو سکتا تھا، جبکہ وہ خود بے گناہ تھا۔

انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور سجاد پریشان نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھنے لگا، دونیا حیران حیران سی اندر داخل ہوئی تھی اور پھر سجاد کو دیکھ

کر ٹھٹک گئی تھی۔

"آپ؟" اس نے حیران کن لہجے میں کہا۔

"ج....جی' جی' میں سجاد ہوں۔"

"وہ تو آپ ہیں' مگر آپ یہاں کیسے؟"

"جی وہ بس' آپ نے شاید' آپ نے مجھے بلایا تھا۔"

"میں نے؟" دونیا حیرت سے بولی۔

"وہ میرا مطلب ہے' میرا مطلب ہے۔" سجاد ایک بار پھر نروس ہو گیا۔ دونیا نے کہا

"مجھے فون کس نے کیا تھا؟"

"فون۔" سجاد پریشان لہجے میں بولا اور دونیا پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی' پھر بو

"جی ہاں' مجھے فون کیا گیا تھا' یہی وقت دیا گیا تھا' فون کرنے والے نے مجھ سے کہ کہ اسے مجھ سے انتہائی ضروری کام ہے' چنانچہ اس ہوٹل کے اس نمبر کے کمرے میں سے ملاقات کر لوں' میں خود حیران پریشان یہاں آئی ہوں' نام بھی نہیں بتایا گیا تھا مجھے' ذرا بتا دیجئے کہ یہ سب کیا قصہ ہے؟"

"دونیا صاحبہ! براہ کرم تشریف رکھئے۔" سجاد کو اب تمام صورت حال کا اچھی ط اندازہ ہو گیا تھا' دونیا آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی اور پھر ایک کرسی گھسیٹ بیٹھ گئی۔ سجاد نے کہا۔

"اب سے تھوڑی دیر پہلے میں اپنے دفتر میں کام میں مصروف تھا' بختیار صاحب مجھے بلایا اور فرمایا کہ میں گرانڈ اسٹور پہنچ جاؤں' جہاں عکسہ میرا انتظار کر رہی ہے اس کو کی جوئیں مارنے والی دوا درکار ہے جس کا تذکرہ میں نے اس سے کیا تھا' حالانکہ ایسی بات نہیں تھی' مس دونیا بختیار صاحب نے مجھے وہاں بھیجا' عکسہ صاحبہ مجھے یہاں لے آ اور انہوں نے اس کمرے میں چھوڑ دیا' بس اتنی سی کہانی ہے' نہ میں نے آپ کو کوئی فون کیا تھا نہ میں اپنی مرضی سے یہاں آیا ہوں۔"

دونیا حیران نگاہوں سے سجاد کو دیکھتی رہی اور پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

"عکسہ کی شرارتوں سے تنگ آ گئی ہوں' یہ بہت بری بات ہے کہ اس نے آپ بھی پریشان کیا اور مجھے بھی ایک گمنام ٹیلی فون کر کے دھوکا دیا' مجھے افسوس ہے کہ اس آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا' آپ اطمینان رکھیں آئندہ وہ ایسا نہیں کر سکے گی' میں ڈانٹ دوں گی' دراصل اس کی شرارتیں اسی قسم کی انتہا پسندی پر مشتمل ہوتی ہیں' لیکن ذات تک رہنا الگ بات ہے' دوسروں کو پریشان کرنا بہت بری بات ہے۔ اگر ڈیڈی کو بارے میں معلوم ہو گیا تو بلاوجہ آپ بھی مشکلات کا شکار ہوں گے اور ہم بھی۔"

"جی جی' میں یہی کہنا چاہتا تھا' دراصل عکسہ کے اندر بہت زیادہ معصومیت اور

ہے' لیکن دونیا صاحبہ ہمیں سمجھداری سے کام لینا ہے' ظاہر ہے میں آپ کی سطح کا انسان نہیں ہوں کہ ان شرارتوں میں شرکت کر سکوں۔"

"آپ سطح کا تعین کر کے وہ فضول باتیں نہ کریں جو اکثر لوگ کیا کرتے ہیں' اصولی طور پر تو ہر انسان کی سطح ایک ہی ہوتی ہے' آپ یہ کام کرتے ہیں دوسرے لوگ دوسرے کام کرتے ہیں' ہر شخص ایک دوسرے کی مجبوری ہے' میرا مطلب ہے کہ معاشرے کے ان اصولوں سے باغی ہوں جو متعین کر دیئے گئے ہیں' دوست تو ہر قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں اگر ہم لوگ دوست بن جاتے تو کوئی ایسا حرج بھی نہیں تھا' تاہم اگر آپ کو یہ سب کچھ ناپسند ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا' عکسہ کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔"

"ارے کیا بے تکی باتیں ہو رہی ہیں یعنی ہم نے اتنی محنت کی اور وہ بے کار چلی جائے' سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' ناممکن خدا کی قسم ناممکن۔" دروازے سے عکسہ کی آواز سنائی دی اور وہ غراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"جانتی ہو کتنی محنت کی ہے میں نے اس ملاقات کے لئے اور تم لوگ ہو کہ کباڑا ہی کئے دے رہے ہو' ذرا مجھ سے بھی تو کہا جائے کہ آخر ایسی کونسی پریشانی لاحق ہو گئی محترمہ دونیا صاحبہ' یہ دو رخی بالکل نہیں چل سکے گی' میرے سامنے۔ میں معصوم ہوں' شوخ ہوں ٹھیک ہے مانتی ہوں مگر اندھی تو نہیں ہوں' کیا میں نہیں دیکھ رہی کہ تمہارا چہرہ کتنا تبدیل ہو گیا ہے' کتنا یاد کرتی ہو تم سجاد کو۔"

"عکسہ بدتمیزی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔" دونیا نے کہا۔

"جی ہاں ہوتی ہے' مگر یہ بات حد سے باہر ہے' ذرا دیکھئے' اسے دیکھئے۔" اس نے اپنا پرس کھولا اور مڑے تڑے چند کاغذ نکال کر دونیا کے سامنے ڈال دیئے۔

"یہ کیا ہے؟" دونیا نے سوال کیا۔

"کھول کر دیکھ لیجئے۔ یہ آپ ہیں' دونیا صاحبہ یہ آپ ہیں۔"

"مگر آخر یہ ہے کیا؟" دونیا نے ایک مڑا ہوا کاغذ کھولا۔ کسی خوبصورت اور خوشبو دار لیٹر پیڈ کا ایک کاغذ تھا جس کے اوپری حصے پر صرف ایک لفظ لکھا ہوا تھا۔ جان عزیز۔ دونیا نے حیران نگاہوں سے عکسہ کو دیکھا اور پھر دوسرا مڑا ہوا کاغذ کھولا' یہ بھی پورا کاغذ سادہ تھا' بس اوپری حصے پر لکھا ہوا تھا۔

"میری سب سے حسین تمنا۔" دونیا پھٹی پھٹی نگاہوں سے عکسہ کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"کس کے لئے تھے یہ القاب' کسے خط لکھنا چاہتی تھیں آپ' ذرا بتانا پسند کریں گی'

محترمہ دونیا صاحبہ' کیا یہ دونوں الفاظ سجاد صاحب کے لئے نہیں تھے۔"

دونیا ہنس پڑی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا۔

"بس خدا تجھے مسرور اور خوش رکھے' باؤلی ہے تو' کیا کہوں اب تجھ سے' تجھے میری دوست تمنا یاد نہیں ہے۔"

"تمنا؟"

"تمنا کو نہیں جانتی تو؟" دونیا نے کہا۔

"جج.... جانتی تو ہوں' مم... مگر۔"

"یہ خط میں اسے لکھ رہی تھی' اس کا خط آیا' اس کا جواب دینا تھا مجھے' جان عزیز ہم میں نے اسے ہی لکھا تھا۔ میری سب سے حسین تمنا بھی اسے ہی لکھا تھا' تو تمنا کو جانتی ہے پتا نہیں تیرے دماغ میں کیا خرابی پیدا ہو گئی ہے' بس خدا ہی سمجھے۔"

"کمال کرتی ہیں آپ یعنی یعنی' میں تو اس لئے پریشان تھی کہ آپ سجاد صاحب کو خط لکھنا چاہتی ہیں' مگر لکھ نہیں پا رہی ہیں' یہ لفظ ادا کرتے ہوئے آپ کو شرم محسوس ہوتی ہے' اور یقینی طور پر آپ دوسرے الفاظ تراش رہی ہوں گی' اب مجھے کیا معلوم تھا' لیکن ایک بات کہوں دونیا۔"

"جی جی فرمایئے۔" دونیا اب نارمل ہو گئی تھی۔

"یہ سجاد صاحب تم سے محبت کرتے ہیں۔"

"کیا؟" سجاد بری طرح اچھل پڑا تھا۔

"کس طرح تڑپ گئے تھے آپ دونیا کے بارے میں سن کر کہئے غلط کہہ رہی ہوں' اگر غلط کہہ رہی ہوں تو رکھئے میرے سر پر ہاتھ' بتایئے آپ دونیا کا نام سن کر تڑپ گئے تھے نا۔"

سجاد کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا تھا' اس نے کہا۔

"عکسہ بہت پیاری ہو تم' میں نے تم سے کہا تھا کہ تم مجھے اپنی بہنوں ہی کی طرح عزیز ہو' بہت اچھی ہو تم' لیکن عکسہ ایک بات ذرا غور سے سنو' سوچ لو' میرے اور تمہارے درمیان رشتے کی سطح ہموار نہیں ہے' ہم دونوں کے بیچ بہت بڑے بڑے گڑھے ہیں' دونیا صاحبہ! آپ بہت اچھی ہیں' بلاشبہ آپ بے انتہا نفیس شخصیت کی مالک ہیں' صاف ستھرا مزاج ہے آپ کا اور مغرور ہونا چاہئے آپ کو اس بات پر کہ عکسہ جیسی آپ کی دوست ہے' لیکن دونیا صاحبہ میں برباد نہیں ہونا چاہتا' میں آپ کو مختصراً اپنے بارے میں بتا دوں۔ میرے والدین ہیں' تین بہنیں ہیں' ایک چھوٹا بھائی ہے' یہ ملازمت مجھے حد عزیز ہے' سیٹھ ادریس صاحب میرے مالک ہیں' میری فرم کے مالک ہیں' اگر انہیں تمام باتوں کا علم ہو گیا تو میری نوکری پر بن جائے گی۔ بختیار صاحب مجھے ذلیل ترین ان

سمجھیں گے' یہ ساری باتیں میرے ذہن میں آ کر مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں' میرے دل میں حسرت ہے دونیا صاحبہ کہ کاش میں اس سطح کا انسان ہوتا کہ آزادی سے آپ لوگوں سے مل جل سکتا' ساری دل کی باتیں کہہ سکتا' لیکن آپ جانتی ہیں یہ ممکن نہیں ہے' آہ کاش یہ ممکن ہوتا۔"

جذباتی ہو گیا تھا اور دونیا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی' عکسہ کی پلکوں پر آنسو لرزنے لگے تھے۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ ہمیں ذلیل کر رہے ہیں سجاد صاحب' ہم اتنے برے لوگ نہیں ہیں' نہ ہی میرے ڈیڈی اتنے برے انسان ہیں' اگر میرا خیال درست ہے اور آپ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہیں تو پھر یہ ذمے داری مجھ پر چھوڑ دیجئے' میں اپنی زندگی کی قیمت پر آپ کا ملاپ کراؤں گی۔"

دونیا عکسہ کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ' کیا چیز ہے یہ عکسہ؟"

"آپ مجھے اجازت دیجئے' بہت دیر ہو چکی ہے۔" سجاد نے کہا۔

"ہاں جایئے آپ' خدا حافظ سجاد صاحب' اور میں انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو عکسہ کی وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانا پڑی' خدا حافظ۔" دونیا نے سرد لہجے میں کہا اور سجاد اپنی جگہ سے اٹھ گیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا حافظ۔" اس کے بعد وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا' اس نے عکسہ کی آوازیں سنی تھیں' لیکن الفاظ اس کے کانوں تک نہ پہنچ پائے اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

□

گارمنٹ سٹی میں صفائی ستھرائی کا کام ختم ہو چکا تھا' صبح کو جلدی آنے والے آ چکے تھے۔ وہ اپنے دفتر میں جا بیٹھی' اپنی کرسی پر بیٹھ کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ذہن میں ابھی تک گرم گرم لہریں اٹھ رہی تھیں۔ رات کے خواب نے اس کے اعصاب کشیدہ کر دیئے تھے اور وہ اپنے آپ کو اس خواب کے سحر سے آزاد کرانے کی کوشش میں مصروف تھی' لیکن ذہن تھا کہ ساتھ ہی نہیں دے پا رہا تھا۔ ہر چیز سے نفرت کا احساس ہو رہا تھا پھر ملازمین آنا شروع ہو گئے' مس مینا آئیں اور انہوں نے اس کے سامنے ایک سلا ہوا فراک رکھ دیا جو ایک خاص کپڑے کا بنا ہوا تھا۔

"کیا ہے یہ؟"

"میڈم یہ گارمنٹ سٹی کا بنا ہوا نہیں ہے لیکن یہ کپڑا وہ ہے جو صرف ہم استعمال کرتے ہیں اور آرڈر پر ہمارے ہی لئے بنایا گیا ہے۔"

"پھر یہ باہر کیسے نکل گیا؟"

"اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم؟"

"ہوں۔ ذکی صاحب کہاں ہیں؟"

"جی وہ ابھی تک نہیں آئے۔"

"کیوں؟" اس نے کرخت نگاہوں سے مینا کو دیکھا۔

"شاید آج انہیں کچھ دیر ہو گئی ہے میڈم۔"

"کمال ہے۔ جب غیر ذمے داریوں کا یہ عالم ہو گا تو اور بھی بہت سی باتیں ہو سکتی ہ
تم جاؤ' ذکی صاحب جیسے ہی آئیں انہیں میرے پاس بھیج دینا۔"

"جی میڈم۔" مس مینا اٹھ گئیں تو اس نے کہا۔

"اور سنو۔ میرے لئے چائے بھجوا دو اور تھوڑے سے بسکٹ بھی۔"

"جی میڈم۔" مینا نے جواب دیا۔

ذکی صاحب شاید ابھی تک نہیں آئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد چائے آ گئی اور وہ خامو
سے چائے پینے لگی۔ دو چار بسکٹ بھی اس نے کھائے اور اس کے بعد خالی پیالی ایک جان
سرکا دی۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر انٹر کام پر ہاتھ پہنچا ہی تھا کہ ذ
صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ اس نے ذکی صاحب کی طرف دیکھا اور بولی۔

"ذکی صاحب! آپ بہت دیر سے تشریف لانے لگے ہیں۔"

"نہیں میڈم' یہی میرے آنے کا وقت ہے اور میں صحیح وقت پر پہنچا ہوں۔"

"لیکن ذکی صاحب' چھ منٹ اوپر ہو چکے ہیں۔" ذکی صاحب نے عجیب سی نگاہوں
اسے دیکھا اور پھر بولے۔

"معذرت خواہ ہوں۔"

"تشریف رکھئے' ذرا یہ دیکھئے یہ کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ مس مینا نے مجھے ابھی ابھی بتایا تھا۔"

"اگر آپ ان چیزوں کی روک تھام نہیں کر سکے ذکی صاحب تو پھر بات کیسے بنے
آپ خود سوچئے ہماری کچھ ورائٹیز ہیں' جنہیں ہم اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اگر یہ بھی ہماری
رہیں اور اس طرح ہم بے ایمانیوں کا شکار ہو گئے تو گارمنٹ سٹی کی ساکھ کیا رہ سکے گی؟"

"میں اس سلسلے میں مکمل طور پر تفتیش کرتا ہوں' اور آپ کو رپورٹ پیش کر
ہوں۔"

"وہ آپ کے مارکیٹنگ منیجر کہاں ہیں؟"

"آ چکا ہے' وقت کا پابند لڑکا ہے' پہنچ چکا ہے۔"

"ذرا انہیں بھی بلائیے بلکہ آپ ایسا کیجئے جائیے اور انہیں بھیج دیجئے' یہ ذمے دار

انہیں ہی سنبھالنی ہوں گی' ویسے بھی نوجوان آدمی ہے' ایسے کاموں میں اسے آگے بڑھانا
چاہئے تاکہ مارکیٹ ہمارے کنٹرول میں رہے اور کوئی بھی ایسی ویسی بات نہ ہونے پائے۔

"جی' میں ابھی بھیجتا ہوں اور کوئی حکم میرے لئے۔"

"نہیں بس جائیے آپ۔" اس نے کہا اور ذکی صاحب خاموشی سے گردن جھکائے
ہوئے باہر نکل گئے' کچھ دیر کے بعد وہ اندر داخل ہوا' وہی شوخی آنکھوں میں رقصاں تھی۔
وہی جیتا جاگتا چہرہ جو زندگی سے معمور تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی' ایک لمحے کے
لئے کھو سی گئی' یہ تازگی' یہ فرحت ان چہروں پر کہاں سے آ جاتی ہے اور لوگ اسے برقرار
رکھنے میں کیسے کامیاب ہو جاتے ہیں' دو ہی صورتیں ہیں یا تو بے حسی اپنا لی جائے اور اگر
ذرا بھی جذباتیت ذہن پر مسلط ہوئی تو تازگی ہمیشہ کے لئے رخصت۔

"آیئے۔" اس نے کہا اور شامی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تشریف رکھئے۔"

"شکریہ محترمہ۔"

"محترمہ نہیں میڈم' میں نے آپ کو شاید پہلے بھی بتایا تھا کہ دراصل کسی بھی جگہ کے
کچھ اصول ہوتے ہیں' مجھے محترمہ اور میڈم میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا' لیکن دوسرے
لوگ بھی بھٹک جاتے ہیں' اس لئے براہ کرم آپ مجھے صرف میڈم کہا کریں۔"

"آئندہ ایسا ہی ہو گا۔" شامی نے جواب دیا۔

"جی' آپ کا کام کیسا چل رہا ہے۔ احتشام صاحب۔"

"آپ مجھے شامی کہہ سکتی ہیں۔" اس نے جواب دیا اور ایک دم سے اس کی بھنویں
تن گئیں۔

"کیوں؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب ہے میرے شناسا' میرے جاننے والے مجھے احتشام نہیں بلکہ شامی کہتے
ہیں' آپ بھی اگر مجھے شامی کہیں تو کوئی حرج نہیں ہے' دراصل اس نام میں اپنائیت محسوس
ہوتی ہے اور آپ یقین کریں کہ احتشام کا نام تو میں بھول گیا ہوں' کہیں آپ دور سے مجھے
آواز دیں اور احتشام کہہ کر پکاریں تو شاید میں پلٹ کر بھی نہ دیکھوں' لیکن بس ایک بار
شامی کہیں' اس نام کی مجھے بری طرح عادت پڑ گئی ہے۔"

"آپ مجھے اپنی کہانیاں سنانے آئے ہیں یا اس فرم میں کام کرنے۔" وہ غرائے ہوئے
لہجے میں بولی اور شامی اسے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"اگر اتنی سی بات میں نے آپ کو اپنے بارے میں بتا دی تو کیا برا کیا' کمال کرتی ہیں
آپ' آپ بھی تو ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ سے یہی بات کہہ چکی ہیں کہ آپ کو صرف میڈم
کہا جائے' میں نے اس پر کوئی اعتراض کیا' میں نے آپ سے کہا کہ آپ مجھے اپنی کہانی سنا

رہی ہیں۔ ایک جملہ میں نے کہہ دیا تو آپ بگڑ گئیں' یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

وہ غصے سے سرخ ہو گئی اور اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کو یہاں کام کرتے کتنے دن ہو گئے؟"

"جی ساڑھے گیارہ دن۔" شامی نے جواب دیا۔

"اور آپ کو ابھی تک میرے مزاج کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہوئیں۔"

"جی نہیں' میں نے کبھی معلومات حاصل ہی نہیں کیں' جو کام میرے سپرد ذکی صا نے کیا ہے میں اسے بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہا ہوں اور اس کا اعتراف صاحب کر چکے ہیں' آپ انہیں بلا کر پوچھ لیجئے' کام سے کوئی شکایت ہو تو آپ مجھے بتایئے' باقی جہاں تک آپ کے مزاج کا تعلق ہے تو نہ میں نے اس کے بارے میں معلو حاصل کرنے کی کوشش کی اور نہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اخلاق و آداب کی ذمے داریاں شخص پر عائد ہوتی ہیں میڈم' آپ پتا نہیں کیوں اپنے آپ کو بھی مجھ پر مسلط کرنا چا ہیں۔"

"حد سے بڑھ نہیں رہے تم؟" وہ کپکپا کر بولی۔

"جی بالکل نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ گستاخی ہے۔"

"ہو گی' میں آپ کا احترام کرتا ہوں' اس فرم کی مالکہ کی حیثیت سے آپ مجھے دیں گی' ابھی ساڑھے گیارہ دن ہوئے ہیں' زیادہ سے زیادہ آپ یہ کریں گی کہ مجھے حساب کر کے یہاں سے نکال دیں گی لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ میں یہ کہوں وہ نہ کہوں' کروں وہ نہ کروں' میں نے آپ سے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ مجھے شامی کہہ دیا کریں تو میں کون سا غضب ہو گیا۔ نہ کہیں آپ شامی' احتشام ہی کہہ کر پکاریں لیکن یہ لہجہ تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"دیکھو یہاں صرف وہ ہوتا ہے جو میں چاہتی ہوں۔"

"یہاں صرف وہی ہو گا جو آپ چاہیں گی لیکن اس فرم کی حد تک' آپ کی ذات کا کوئی معاملہ ہے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔ یہ بات آپ بھی ذہن نشین کر لیجئے میڈم۔" شامی نے تلخ لہجے میں کہا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی' چند لمحا کے بعد شامی پھر بولا۔

"آپ کو کیا معلوم کہ مین نے زندگی کیسے گزاری ہے ہر انسان تو ٹھوکروں میں نہیں سکتا۔ ٹھیک ہے مجھے ملازمت کی ضرورت تھی اور ڈیڑھ سال سے بے کار پھر رہا تھا۔ نے ملازمت دے دی۔ میری ذات کو تو نہیں خرید لیا۔ آپ کی فرم کے تمام کام میں خوشی اور ذہانت سے کروں گا' لیکن باقی معاملات میں آپ خود سوچ لیجئے کہ آپ مجھے

برداشت کر سکتی ہیں۔"

وہ شامی کو دیکھتی رہی۔ اس کا سانس بری طرح چڑھنے لگا۔ یہ.... یہ لڑکا.... یہ لڑکا نہایت بدتمیز ہے۔ اس نے سوچا او اس کے اندر کا سارا غبار دماغ پر چڑھ گیا اور پھر.... پھر نجانے کیا ہوا کہ ایک شیشہ سا ٹوٹ گیا' چھناکے کی آواز اس کے ذہن ہی تک محدود رہی تھی اور اسے باہر نہیں سنا جا سکا تھا لیکن شیشہ ٹوٹنے کے بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے وجود میں .و جوار بھاٹا اٹھا تھا وہ سرد پڑتا جا رہا ہو' جو گھٹن جو دھواں چند لمحات قبل اس پر طاری تھا اس میں ایک دم کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ پرسکون ہوتی چلی گئی' شامی گردن جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا' تب اس نے کہا۔

"یہ فراک دیکھئے گا۔" اس نے فراک آگے بڑھائی اور شامی نے اسے ادب سے دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا پھر بولا۔

"جی؟"

"یہ کپڑا ہم ایسٹرن کلاتھ اسٹور سے خریدتے ہیں' ہم نے آرڈر اور ڈیزائن دے کر اسے بنوایا تھا لیکن یہ فراک ہمارے ادارے کی تیار کردہ نہیں ہے۔ یہ کپڑا باہر کیسے گیا' مارکیٹنگ منیجر کی حیثیت سے یہ ذمے داری آپ کی ہے کہ آپ اس کی تحقیق کریں' ایسٹرن کلاتھ اسٹور سے بات کریں اور ان سے یہ سوال کریں کہ یہ کپڑا یا یہ ڈیزائن باہر کیسے آیا جبکہ اسے رجسٹرڈ کرا لیا گیا ہے۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر اسی طرح کے معاملات ہوتے رہے تو ہمارے ادارے کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ جن لوگوں سے ہمارا کاروبار ہے وہ یہ بات جانتے ہیں کہ گارمنٹ سٹی نہایت دیانتداری سے اپنے کئے ہوئے وعدے پورے کرتا ہے۔"

"یقیناً میڈم۔ ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

"آپ براہ کرم اس سلسلے میں تفصیلات معلوم کر لیں اور اس کے بعد مجھے رپورٹ پیش کریں۔ آپ کو نام یاد ہے نا؟"

"جی ہاں۔ ایسٹرن کلاتھ اسٹور۔"

"ذکی صاحب اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کر دیں گے۔"

"جی۔" شامی نے کہا اور وہ بولی۔

"اب آپ جا سکتے ہیں۔"

"جی بہت شکریہ میڈم۔" شامی بولا اور کرسی سے اٹھ گیا اس کے بعد وہ بغیر کسی لغزش کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اس دروازے کو تکنے لگی تھی جس سے وہ نکل کر گیا تھا پھر اس نے آنکھیں بند کر کے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور آہستہ سے

بڑبڑائی۔

"سرکش؟"

□

صدف واپس لندن جا رہی تھی۔ اس دوران وہ کئی بار مرزا صاحب کے گھر آئی تھی۔ ایک دو بار مرزا صاحب کے اہل خاندان کو بھی اس کی سسرال جانا پڑا تھا' صدف سے ان کے ہی قریبی تعلقات تھے۔ مرزا صاحب بھی اسے اچھا سمجھتے تھے لیکن صدف نے جو کارنامہ سر انجام دیا تھا وہ تابندہ کے لئے بڑا دلنشین تھا۔ صدف نے جب یہ اعلان کیا کہ وہ واپس جا رہی ہے تو تابندہ کو سخت افسوس ہوا۔ صدف کہنے لگی۔

"ارادہ تو تھا زیادہ عرصے رہنے کا' مگر کچھ ایسی مجبوریاں آ پڑی ہیں۔ میں نے تو سوچا تھا تیری شادی کے بعد ہی جاؤں گی لیکن خیر وعدہ کر لیا ہے میرے میاں نے کہ جب بھی تیری شادی ہو گی وہ مجھے لندن سے یہاں ضرور بھیج دیں گے۔"

تابندہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صدف کہنے لگی۔

"کل کچھ وقت نکال سکو گی' شام کو چار بجے کے قریب۔"

"کیوں؟"

"کچھ ضروری خریداری کرنی ہے' بازار چلنا ہے۔"

"ابو پسند نہیں کریں گے۔" تابندہ نے کہا۔

"اور اگر میں انکل سے بات کر لوں تو؟"

"اگر ابو اجازت دے دیں گے تو ظاہر ہے مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے۔" تابندہ نے جواب دیا اور صدف خاموش ہو گئی۔

صدف نے مرزا صاحب سے کچھ اس انداز میں بات کی کہ وہ راضی ہو گئے اور دوسرے دن صدف اسے لینے آ گئی۔ اس کی کار ایک بھرے پرے بازار میں جا رکی اور وہ ایک اسٹور سے خریداری کرنے لگی' کافی دیر تک یہ خریداری جاری رہی اس کے بعد سامان کار میں رکھنے کے بعد صدف نے کہا۔

"آؤ اب سامنے والے ہوٹل میں چائے پئیں گے۔"

"ارے باپ رے اگر ابو کو پتہ چل گیا تو یوں سمجھ لو کہ تم سے ملنا جلنا ہی بند ہو جائے گا۔ وہ ہوٹلوں کے بہت خلاف ہیں۔"

"میں جانتی ہوں چچا جان کو۔ وہ بہت پرانے خیالات کے آدمی ہیں لیکن انہیں پتا کیسے چلے گا؟"

"اور اگر چل گیا تو؟"

"نہیں چلے گا بھئی۔ آؤ۔" صدف نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

زندگی میں ایک آدھ بار ہی کبھی کسی ہوٹل میں جانے کا موقع ملا تھا۔ وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی لیکن صدف کی بات کو ٹالنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ صدف اسے لئے ہوئے ریستوران کے اوپری حصے کی جانب چل پڑی جہاں کیبنوں کی قطار تھی پھر کیبن نمبر آٹھ کے قریب پہنچ کر اس نے کیبن کا پردہ سرکایا اور تابندہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اندر حسن موجود تھا۔ صدف خاموشی سے اندر آ گئی۔ تابندہ نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تو صدف کہنے لگی۔

"میں ابھی واپس چلی جاؤں گی تابندہ۔ حسن نے نہایت عاجزی سے مجھ سے درخواست کی تھی کہ واپس جانے سے پہلے ایک بار اور تم سے ملاقات کرا دوں' کیونکہ اس کے بعد اس کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ میں مجبور ہو گئی تھی۔ پلیز تابندہ محسوس نہ کرنا اور اب تم دونوں یہیں بیٹھ کر باتیں کرو۔ صرف آدھا گھنٹہ دیا جاتا ہے تمہیں۔ میں اس دوران بازار سے خریداری کروں گی تم باتیں کر لو۔ بس اس کے بعد یہاں سے نکل چلنا ہے۔"

"تم بھی بیٹھ جاؤ صدف کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" تابندہ نے کہا۔

"نہیں پلیز تابندہ۔ تم لوگ باتیں کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" صدف نے کہا اور باہر نکل گئی.... حسن اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"یوں لگتا ہے جیسے آج کی اس ملاقات سے آپ ناخوش ہیں؟"

"قطعی نہیں' لیکن آپ کو یقینی طور پر اس بات کا علم ہو گا کہ ابو ذرا سخت مزاج کے آدمی ہیں اور ایسی باتوں کا خصوصی طور پر خیال رکھتے ہیں۔ میں نے کبھی انہیں دھوکا نہیں دیا اور ایسا کوئی کام نہیں کیا جو ان کے مزاج کے خلاف اور مرضی کے خلاف ہو۔ پہلی ملاقات بھی نادانستگی میں ہوئی تھی اور آج بھی صدف نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اگر کسی طرح ابو کو معلوم ہو گیا اور وہ پوچھ بیٹھے تو میں ان سے جھوٹ نہیں بول سکوں گی اور ظاہر ہے یہ بات ابو پسند نہیں کریں گے' بس اتنا سا خیال تھا۔"

"اپنی اس حرکت کا میں اعتراف کرتا ہوں لیکن صدف بھابی واپس جا رہی تھیں اور میں جانتا ہوں کہ اس کے بعد کوئی ایسا ذریعہ نہ ہوتا جس کے ذریعے آپ کو دیکھنے یا ملنے کا موقع مل سکتا۔ آپ سے ملاقات کرنے کو دل چاہ رہا تھا اور وعدہ کرتا ہوں آپ سے کہ اس ملاقات کے بعد اس وقت تک ایسی کوئی دوسری ملاقات کرنے کی کوشش نہیں کروں گا جب تک کہ ہمیں اس کا قانونی حق نہ ملے۔ اس لئے آج کی اس جرات کو معاف کر دیجئے گا۔"

"آپ یہاں کب تشریف لائے؟" تابندہ نے پوچھا۔

"کل آیا ہوں۔ امی اور ابو آپ کے گھر آنے والے ہیں شاید کل تک پہنچ جائیں۔ میں بھی ایک کام سے آیا تھا اور کل ہی مجھے واپس چلے جانا ہے۔"

"اور کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" تابندہ نے سوال کیا تو حسن مسکرا دیا۔

"نثر میں جواب دوں یا نظم میں۔ میرا خیال ہے نظم سن لیجئے گا تاکہ آپ کو ہماری شاعری کا کچھ اندازہ ہو سکے۔"

تابندہ بھی مسکرا دی اور بولی۔

"آپ کی شاعری تو میں سن چکی ہوں۔"

"جی ہاں یاد بھی ہیں وہ اشعار۔"

"جی یاد ہیں' لیکن سنانے کو نہ کہئے گا۔"

"سنانے کو ہی تو میرا دل چاہ رہا ہے یہ چند اشعار ذرا سماعت فرما لیجئے گا۔"

رات دن میرا من سلگتا ہے
سوچ کا شوخ بن سلگتا ہے
اتنی حدت ہے اب خیالوں میں
من تو کیا تن بدن سلگتا ہے
آگ سی لگ رہی ہے پھولوں میں
رنگ و بو سے چمن سلگتا ہے
شعلہ آگیں ہے شرم کی شبنم
خنکی شب میں تن سلگتا ہے

اشعار تو کچھ اور بھی ہیں لیکن سنانے کی جرات نہیں ہے کیونکہ ان میں ذرا جذبات کی شدت نمایاں ہو گئی ہے۔"

"میرے خیال میں کافی ہے۔" تابندہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب آپ کو کیا پلاؤں؟" حسن نے پوچھا۔

"میزبان تو میں ہوں اس شہر میں آپ کی اور میرے خیال میں کوئی ٹھنڈا مشروب زیادہ موزوں رہے گا۔" تابندہ نے لطیف طنز کیا اور حسن مسکرا دیا پھر بولا۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔ ٹھنڈا مشروب ہی موزوں رہے گا۔" اس کے بعد مشروب منگوایا گیا اور مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے حسن نے کہا۔

"جب آپ سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو آپ اس وقت سے بہت مختلف نظر آئی تھیں مجھے۔"

"کیوں؟" تابندہ نے سوال کیا۔

"شاید اس وقت ہم بہت اجنبی تھے ایک دوسرے سے۔"

"جی۔" تابندہ آہستہ سے بولی۔

حسن کے ہونٹ کئی بار کھلے جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو' لیکن پھر وہ خاموش ہی رہا اور یوں وقت گزر گیا۔ اسی دوران صدف واپس آ گئی اور اس نے کہا۔

"حضرات ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے اب آپ لوگ ایک ایک کر کے اٹھ جائیے گا۔" تابندہ نے مشروب کا بل ادا کیا تھا' حسن ان کے ساتھ باہر نکلنے لگا تو صدف نے کہا۔

"اے مسٹر حسن! آپ تھوڑی دیر کے بعد باہر آئیے گا۔" حسن ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تابندہ صدف کے ساتھ واپس کار میں آ بیٹھی تو صدف مسکرا کر بولی۔

"تو نے میری اس دوسری حرکت کا برا تو نہیں مانا؟"

"نہیں صدف برا تو نہیں مانا' لیکن بات بے حد خطرناک ہے خدانخواستہ اس چھوٹی سی غلطی سے کہیں کوئی بڑا معاملہ نہ بن جائے۔"

"ارے چھوڑ کس نے دیکھا ہے ہمیں اور پھر اس بے چارے کی درخواست رد بھی تو نہیں کی جا سکتی تھی۔"

تابندہ خاموش ہو گئی۔ صدف نے اسے گھر چھوڑ دیا تھا۔

دوسرے دن حسن کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق محمود احمد صاحب اور فرزانہ بیگم آ گئے لدے پھندے آئے تھے اور بہت سے پھل مٹھائی اور نجانے کیا کیا ان کے ساتھ تھا۔ مرزا صاحب نے بھی بڑے پرجوش انداز میں ان کا استقبال کیا اور خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ محمود احمد صاحب کہنے لگے۔

"بھئی یہ محترمہ فرزانہ بیگم اپنی بہو کو دیکھنے کے لئے بے چین تھیں' بہت دنوں سے میرے پیچھے پڑی ہوئی تھیں' کچھ فرصت ملی تو میں انہیں آپ لوگوں سے ملانے لے آیا۔"

"بہت اچھا کیا محمود بھائی۔ بڑی خوشی ہوئی آپ کے آنے سے۔"

رات کی تمام ضروریات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بڑے کمرے میں نشست جم گئی اور محمود احمد صاحب کہنے لگے۔

"تو پھر جناب مرزا صاحب ہماری امانت کب تک ہمارے سپرد کر رہے ہیں آپ؟"

"میرے پاس تو واقعی وہ آپ کی امانت ہے لیکن دنیاوی رسومات کے مطابق ہی میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں اور اس کے لئے مجھے وقت درکار ہے آپ جانتے ہیں محمود بھائی کہ میں نے ہمیشہ ایک معتدل حد تک پس اندازی کی ہے' ماشاء اللہ تین بیٹیاں ہیں اور تینوں ہی کے لئے سوچتا رہا ہوں کچھ وقت لگ جائے گا تابندہ کو الوداع کرنے میں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے اس کی مہلت دیں گے۔"

"بھئی ہم رسمی طور پر نہیں' حقیقی طور پر کہہ رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف اپنی امانت درکار ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں اس میں تکلف سے کام نہ لیجئے گا' گو یہ دنیا کے دکھاوے ہوتے ہیں' لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے' آپ دین دار آدمی ہیں صرف معمولی پیمانے پر کام کیجئے گا۔"

"دل تو یہی چاہتا ہے محمود بھائی مگر کیا کروں ان سب کی نگاہوں میں دیکھتا ہوں تو اپنے

آپ پر صبر کرنا پڑتا ہے میرا خیال ہے آپ ہمیں کم از کم ایک سال کا وقت ضرور دیجئے گا۔

"بہت طویل عرصہ ہے' کیوں فرزانہ بیگم؟"

"ہاں ہے تو طویل' لیکن اب ان لوگوں کا مسئلہ بھی ہمارا اپنا ہی مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے مرزا صاحب کو اتنا وقت درکار ہو گا سو یہ وقت وہ مانگ رہے ہیں' میرا خیال ہے کوئی حرج نہیں ہے سال تو پلک جھپکتے میں گزر جائے گا۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے فرزانہ بہن' درحقیقت بڑی ذمے داریاں ہیں مجھ پر ابھی جواد ملازمت سے نہیں لگا ہے اس بے چارے کے شانوں پر تمام تر ذمے داری ہے اور پھر آپ کے شایان شان ہی عمل کرنا ہے ورنہ کوئی حرج نہیں تھا۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے' آپ آرام سے انتظام کر لیجئے گا۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

دوسرے دن یہ لوگ واپس چلے گئے اور اسی دن صدف بھی لندن چلی گئی تھی۔ حسن سے دوسری ملاقات اس کے اشعار' تابندہ کے چہرے کی سرخیوں میں اضافہ کر دیتے تھے' نجانے کیا کیا سوچیں تھیں اس کے ذہن میں۔

❑

شامی گھر میں داخل ہو گیا' فراز آ چکا تھا' اس نے مشتبہ نگاہوں سے شامی کو دیکھا تو شامی نے پوچھا۔

"غسل خانے میں پانی ہے؟"

"آج پانی بہت کم آیا' لیکن تمہارے لئے میں نے بالٹی بھر کر رکھ دی ہے۔" فراز نے جواب دیا اور شامی الماری کی طرف بڑھ گیا' اس نے الماری کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو فراز نے کہا۔

"کپڑے کھونٹی پر لٹکے ہوئے ہیں۔" شامی نے ایک نگاہ فراز پر ڈالی اور الماری کے پیچھے سلیپر تلاش کرنے لگا' فراز کو پھر بولنا پڑا۔

"او بھلے آدمی سلیپر چارپائی کے پاس ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" شامی نے آہستہ سے کہا اور پھر مسہری پر بیٹھ کر جوتوں کے فیتے کھولنے لگا' فراز کمرے سے باہر نکل گیا۔ شامی غسل خانے میں داخل ہوا تو وہاں بالٹی میں پانی' تولیہ اور صابن بڑے قرینے سے رکھا ہوا تھا' شامی چند لمحے ان چیزوں کو دیکھتا رہا' اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے' پھر دروازہ بند کر کے غسل کرنے لگا' باہر نکلا تو سینٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی چائے کی پیالیاں نظر آئیں' جن سے خوشبودار بھاپ اٹھ رہی تھی' فراز بھی اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"نوکری چھوٹ گئی ہے؟" شامی نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"ایں؟" فراز اچھل پڑا' اس نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ "کیسے؟" وہ سرسراتے

ہوئے لہجے میں بولا۔

"تم سے پوچھ رہا ہوں' تمہاری نوکری چھوٹ گئی ہے کیا یا معطل کر دیئے گئے ہو کسی بات پر۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے' میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"یہ سب کچھ دیکھ کر یہی سوچ رہا ہوں' بالٹی میں پانی' چارپائی کے پاس سلیپر' تولیہ' صابن' کپڑے' یہ سب کیا ہے؟ اوہو سمجھ گیا' اخبار پڑھ لیا ہو گا پرسوں کا۔"

"دماغ کی چولیں کچھ کھسکی ہوئی لگتی ہیں' بے تکی ہانک رہا ہے چائے پی۔" فراز گردن جھٹک کر بولا۔

"پرسوں کے اخبار میں دو لڑکیوں کی تصویریں چھپی تھیں دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں' ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی تھیں۔ انہوں نے خدا سے دعا کی کہ کوئی ایسی سبیل نکالے کہ وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں' دعا قبول ہو گئی' ان میں سے ایک لڑکا بن گئی اور انہوں نے آپس میں شادی کر لی۔"

"بکواس۔" فراز نے گردن جھٹکی۔

"خدا قسم دونوں کی تصویریں چھپی تھیں۔"

"پھر؟" فراز نے پوچھا۔

"ایک بات پوری سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں' اگر تم نے بھی کوئی ایسی دعا مانگ لی ہے ہیڈ کلرک تو میں تم سے شادی ہرگز نہیں کروں گا۔"

"میں خود تجھ پر تھوکتا ہوں۔" فراز چڑ کر بولا۔

"تھوکتا ہوں کی حد تک درست ہے۔ "تھوکتی" کی پوزیشن میں کبھی نہ آنا ورنہ کچھ نہ پاؤ گے۔"

"کیا بات ہے موڈ بہت خوشگوار ہے' کیسا دن گزرا؟"

"پہلے یہ بات صاف ہو جائے' میں اندر داخل ہوا تو تم نے مجھے شبہے کی نگاہ سے دیکھا' پھر یہ ساری خدمت گزاری یہ زنانہ خصلت ہے' اسی وجہ سے پہلے میں نے سوچا کہ کہیں تمہاری نوکری تو نہیں چھوٹ گئی' جو یہ گھریلو کام شروع کر دیئے اور بعد میں۔"

"گدھے کے کوئی سینگ ہوتے ہیں جو تمہارے ہوتے' مجھے تو ہر شام تجھ پر شبہ ہوتا ہے کہ تو استعفیٰ دے کر نہیں آیا' کل تو مجھے بہت تھکا تھکا لگ رہا تھا مجھے اندازہ ہے کہ دفتر میں فائلوں میں سر کھپاتے کھپاتے کیا حال ہو جاتا ہے اس لئے آج میں نے یہ کام کر دیئے' سب خیریت ہے نا؟"

"اب تو خیریت ہے' ارے باپ رے' دروازہ بند کیا یا نہیں؟" شامی اچھل پڑا۔

"کیوں؟"

"نیچے سے شیخ صاحب کی آواز آ رہی ہے ان کی ناک بہت تیز ہے' چائے کی خوشبو سونگھ لیں۔"

"کسی کو ڈانٹ رہے ہیں شاید' ابھی نہیں آئیں گے۔" فراز نے ہنستے ہوئے کہا اور فراز اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلا گیا اور شامی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سوچنے لگا۔

فراز' اس کا رشتے کا بھائی' بچپن کا دوست ایسا جس پر زندگی قربان کر دی جائے' شامی جانتا تھا کہ وہ اسے کتنا چاہتا ہے دونوں گھر سے دور تھے' وہاں پورا خاندان تھا' دونوں گھرانے درمیانے درجے کے تھے' ایسے کہ نوجوان ان کا بوجھ سنبھال لیں۔

فراز کو سرکاری ملازمت مل گئی' شامی تعلیم سے فارغ ہوا تو فراز نے فوراً لکھ دیا کہ یہاں آ جائے' نوکری تلاش کر لی جائے گی اس کے بعد فراز نے ڈیڑھ سال تک اسے سنبھالا تھا' اس طرح کہ شامی کو کبھی بیروزگاری کا احساس نہیں ہوا تھا' وہ جانتا تھا کہ فراز کیسے گزارا کرتا ہے' ایک معقول رقم وہ گھر بھیجتا تھا بچے ہوئے پیسوں میں گھر کا کرایہ' سارے بل' کھانا پینا' اسی میں شامی کے آنے جانے کے اخراجات' کپڑے وغیرہ شامی خود لے کر آیا تھا اور اب تک وہی چل رہے تھے لیکن شامی جانتا تھا کہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں فراز نے اپنے لئے ایک جوڑا بھی نہیں بنایا تھا البتہ شامی کے کپڑے پہننے میں وہ کبھی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ بہت صاف ستھری طبیعت کا مالک تھا فراز' اس وقت بھی شامی بہت متاثر ہوا تھا پہلے دونوں کام بانٹ کر کیا کرتے تھے' حالانکہ شامی ہمیشہ کا کاہل تھا' اکثر گھر کے کاموں میں بے ایمانی کر جاتا تھا لیکن فراز۔

فراز واپس آ گیا۔ "بڑی عمدہ خوشبو اٹھ رہی ہے' باورچی خانے میں کیا پک رہا ہے۔" شامی نے پوچھا۔

"بھنا ہوا قیمہ۔"

"جزاک اللہ' دعا مانگو خدا' ہمیں یہ کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"کیا مطلب؟"

"رب العالمین شیخ صاحب کو نزلہ کر دے ان کی ناک کا ایریل خراب ہو جائے وہ محلے سے گزرتے ہوئے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کہاں کیا پک رہا ہے۔"

"یار تو بری طرح ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔"

"انہوں نے بھی تو جینا حرام کر دیا ہے۔ کھانے پینے ہی نہیں دیتے کبھی کوئی ڈھنگ کی چیز سامنے آئی' آ دھمکے۔"

"دفتر کی سنا۔" فراز نے کہا۔

"کچھ نہیں' داؤ پیچ چل رہے ہیں' اپنی علامہ کے عاشق زاد ہیں اور ان کی نصیحت گرہ میں باندھے ہوئے ہیں یعنی اس رزق سے موت اچھی جس سے پرواز میں کوتاہی آئے

اپنا نشیمن ہمیشہ قصر سلطانی کے گنبد پر رہتا ہے کس کی مجال ہے کہ فرش پر بٹھا دے بس وہاں ایک خرابی ہے۔"

"کیا؟"

"اقتدار ایک خاتون کے ہاتھ میں ہے۔"

"پھر؟"

"محترمہ رعب جھاڑنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں ادب و آداب سکھاتی ہیں لیکن مد مقابل بھی شامی صاحب ہیں۔"

"یار لڑ نہ بیٹھنا' بہت اچھی ملازمت ہے۔"

"تو یہ انہیں جا کر سمجھا لو اگر وہ مجھے احتشام کہیں گی تو میں انہیں پہلے محترمہ اور کچھ دن کے بعد لیڈی بلیک کہنے لگوں گا۔"

"پتا نہیں کیا بکواس کر رہا ہے۔" فراز نے بے بسی سے کہا اور شامی نے اسے پوری کہانی سنا دی' فراز کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کس وقت کی بات ہے؟"

"صبح کی۔"

"بعد میں انہوں نے کوئی ایکشن تو نہیں لیا؟"

"لے کر دیکھیں۔ ٹھیک کر کے رکھ دوں گا' اوہو سیڑھیوں پر دھمک ہو رہی ہے الٰہی خیر' ارے جلدی سے باورچی خانے کا دروازہ بند کرو ہری اپ' شیخ صاحب۔" شامی نے کہا' واقعی آواز آ رہی تھی' فراز باورچی خانے کی طرف دوڑ گیا' ادھر دروازے پر دستک ہوئی تھی' یقیناً شیخ صاحب نہیں تھے کیونکہ وہ دستک دینے کے بجائے گرجتے ہوئے آتے تھے۔ شامی نے دروازہ کھول دیا' شمسہ تھی اور ہاتھوں میں دو برتن لئے کھڑی تھی۔

"ارے بھابی بیگم آپ' اوہ معاف کیجئے شمسہ صاحبہ' کیا تکلف کر دیا آپ نے' شیخ صاحب کہاں ہیں؟"

"ابا باہر گئے ہیں' یہ دودھ شکرقندیاں ہیں' اس دن آپ نے فرمائش کی تھی نا' میں کئی بار بازار گئی مگر شکرقندیاں بازار میں آئی ہی نہیں تھیں' آج نظر آ گئیں۔" شمسہ نے کہا۔ اتنی دیر میں فراز آ گیا۔

"کون ہے شامی؟"

"بھا.... میرا مطلب ہے شمسہ صاحبہ ہیں دودھ شکرقندیاں لائی ہیں تمہارے لئے' تمہیں تو شکرقندیوں کی کھیر بہت پسند ہے نا چلو کوئی بات نہیں' اجزا تو وہی ہیں کھیر سمجھ کر کھا لینا۔"

"نہیں میں کھیر پکا دوں گی کسی دن۔"

"ارے کہاں تکلف کریں گی شمسہ صاحبہ اس فراز کا کیا ہے اس کا بس چلے تو شکر قندی کا کھیت اگا لے، کبھی کھیر کبھی گلگلے، کبھی۔"

"ابا آنے والے ہوں گے چلتی ہوں اور ہاں برتن نیچے نہ بھجوایئے گا میں خود کل لے لوں گی ابا کو معلوم نہیں ہے کہ۔"

"کانوں کان خبر نہیں ہو گی آپ جو دل چاہے لے آیا کریں۔" شامی نے کہا اور شمسہ نے عقب سے اس کے زور سے چٹکی کاٹی اور شامی کے منہ سے سی کی آواز نکل گئی، شمسہ قلانچیں بھرتی ہوئی نیچے اتر گئی تھی۔

"بدتمیزی کی بھی ایک حد ہوتی ہے شامی، بلاوجہ اس بے چاری کو بدنام کرنے پر کیوں تلا ہوا ہے تو؟"

"یار دیکھو، بدذوقی کی باتیں مت کیا کرو، بدنام کرنے پر تلا ہوا ہے، بھلا دودھ شکر قندی میں کون سی بدنامی چھپی ہوئی ہے۔"

"یہ شکر قندی تمہارے ذہن پر کیوں سوار ہو گئی ہے؟"

"بری لگتی ہے تمہیں؟"

"نہیں مگر بلا وجہ شکرقندی، مجھے یقین ہے اب وہ کھیر بھی پکائے گی اور گلگلے بھی۔"

"ہائے تمہیں کیا معلوم محبت سے پیش کی ہوئی چیز کیا حیثیت رکھتی ہے ہیڈ کا چھوڑ مزہ آ گیا، سویٹ ڈش میں، دودھ شکرقندی۔" شامی قہقہے لگانے لگا اور فراز اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"ارے یہ تم بھابی بیگم، بھابی بیگم کیا کرتے ہو، تمہارا دماغ خراب ہے یا میرا، میں اسے بھابی بناؤں گا تمہاری۔"

"کیا حرج ہے یار، ذرا غور تو کر، کیا شاندار بھابی ہیں دیور اور شوہر کو ایک نگاہ دیکھنے والی، واہ لطف آ جائے گا۔"

شام ہو گئی تھی، قیمہ تیار ہو گیا، خدا نے شیخ صاحب کی آفت سے محفوظ رکھا تھا، فراز نے شامی کو پیسے دیتے ہوئے کہا۔

"اب جاؤ بازار سے روٹیاں لے آؤ، قیمہ تیار ہو گیا ہے ذرا جلدی کھا لیتے ہیں۔"

"مشکل کام ہے، لیکن چلو ٹھیک ہے، تم بھی گھر والیوں کی طرح کام کرتے رہو میں، میں تو ہوں ہی اس گھر کا مرد، لاؤ پیسے دو۔" شامی نے فراز کے ہاتھوں سے پیسے لے سیڑھیاں اتر کر باہر نکل گیا، لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ شیخ صاحب نظر نہ آتے۔ اخبار کے میں روٹیاں لپیٹے واپس آ رہا تھا کہ شیخ صاحب دروازے پر ہی مل گئے۔

"کیا دبا رکھا ہے، کہیں سے مرغی پکڑ لائے ہو کیا؟" شیخ صاحب نے ازراہ مذاق کہا۔

"نہیں شیخ صاحب روٹیاں ہیں، اچھا ہوا آپ نظر آ گئے، ایک کام تھا آپ سے۔"

"کیا... کیا کہو؟" شیخ صاحب نے فراخ دلی سے پوچھا۔

"پیاز کی دو گٹھیاں ہوں گی گھر میں؟"

"یقیناً ہوں گی، کیوں پیاز کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ اوہو میں سمجھ گیا آملیٹ بناؤ گے، بھئی شامی تمہارے ہاتھ کا آملیٹ تو بس مگر ایک بات اور بھی ہے، اس دن جو تم نے جلا ہوا آملیٹ مجھے کھلایا تھا تو تم نیچے کیا کرنے اترے تھے؟"

"دیر ہو رہی ہے شیخ صاحب، پیاز کے بارے میں معلومات کر لیجئے۔ آملیٹ نہیں بناؤں گا بلکہ ہم لوگ دو دو روٹیاں پیاز کی ایک ایک گٹھی کے ساتھ کھا لیں گے۔"

"کیوں کوئی سالن وغیرہ نہیں پکا آج؟" شیخ صاحب نے پوچھا اور شامی ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر آہستہ سے بولا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟" شیخ صاحب حیرت سے بولے۔

"اب آپ ہمیں ذلیل کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں شیخ صاحب۔ ہمارے حالات آپ جانتے ہیں، کیسے ہیں بس کام چلانے والی بات ہے دو دو روٹیاں پیاز کی ایک گٹھی، اگر ہو تو معلوم کر لیجئے نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، پانی سے بھی بری نہیں لگیں گی۔" شامی نے درد بھرے انداز میں کہا اور شیخ صاحب اندر چلے گئے، کچھ دیر کے بعد وہ پیاز کی دو گٹھیاں لئے ہوئے واپس آ گئے اور انہوں نے کہا۔

"اتفاق سے گھر میں ماش کی دال پکی تھی، بچے کھا پی چکے ختم ہو گئی، ورنہ ضرور پیش کر دیتا۔"

"نہیں، نہیں آپ کا بے حد شکریہ، بس یہی کافی ہے، کہیں جا رہے ہیں آپ؟"

"ہاں وہ بس، ذرا دوستوں کی نشست جم رہی ہے، آج، بھئی شعر و شاعری کا شوق ہے تمہیں؟"

"اس وقت تو بھوک کے مارے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں شعر و شاعری بھلا اس وقت کہاں یاد آ سکتی ہے۔"

"پڑوس میں ایک شاعر صاحب رہتے ہیں، کبھی ملائیں گے تمہیں ان سے، بہت خوب کہتے ہیں سبحان اللہ، اچھا جاؤ، تم کھانا کھاؤ۔"

شامی مرے مرے قدموں سے سیڑھیاں طے کرنے لگا اور جب شیخ صاحب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں اور اوپر جا کے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ہانپتے ہوئے شیخ صاحب کی کہانی سنائی اور فراز نے اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما دی۔

"شامی! بہت بڑا شیطان ہے تو۔"

"کمال کرتے ہو یار ایک تو گھر بچا رہا ہوں اوپر سے تم مجھے شیطان قرار دے رہے
راستہ بند کر آیا ہوں ورنہ قیمہ یا شاعری میں سے یقیناً قیمے کا فیصلہ کر کے اوپر نازل ہو
اس کے بعد کیا ہوتا تمہیں اندازہ ہے۔"

فراز ہنسنے لگا تھا۔

❑

سجاد دفتر واپس پہنچ گیا' بختیار صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی' ان کی گاڑی بھی نہ
آئی تھی غالباً وہ کسی کام سے چلے گئے تھے' سجاد اپنے آفس میں آ کر بیٹھ گیا' دماغ سا
سائیں کر رہا تھا' وہی سوچیں' وہی احساس دل میں تھے' عکسہ اور دونیا دونوں ہی زندگی
بھرپور تھیں' بھلا انہوں نے زندگی کے تلخ و ترش کہاں دیکھے تھے' اپنے طور پر وہ بہت ز
دل تھیں اور حیران کن بات یہ تھی کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹیاں ہونے کے باوجود ان
اندر انسانیت موجود تھی۔ پہلے بھی ایک بار ان سے گفتگو ہو چکی تھی اور آج بھی یہی با
ہوئی تھیں' انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ آخر انسان کی سطح کیا ہوتی ہے' انسان تو سر
یکساں ہیں' پتا نہیں ان کی ذہنی نشو و نما اس انداز میں کیسے ہوئی تھی ورنہ اس قدر صاحب
ثروت لوگ تو بھٹک ہی جاتے ہیں' خاص طور سے لڑکیاں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود
اس کا حق نہیں ہے کہ میں ان کے بارے میں سوچوں' عکسہ شریر ہے' یہ اس کا مذاق
وہ ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ جانے کی عادی ہے' دونیا نے بھی یہی الفاظ کہے تھے
اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں ان کے خیالات میں گم ہی ہو جاؤں' سوال ہی نہیں
ہوتا' یہ نوکری جاتی رہے گی' یقیناً جاتی رہے گی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی نجانے کیا
مشکلات سامنے آ جائیں اور یہ نوکری میرے لئے کس قدر ضروری ہے' اس نے اپنا
جھٹک دیا۔ شام کو گھر واپس پہنچا' طبیعت میں ایک اداسی' ایک اضمحلال تھا لیکن گھر والوں
اس کا علم نہیں ہونے دینا چاہتا تھا' کماؤ پوت تھا' گھر کے تمام لوگ ہی اس پر توجہ دیتے
مرزا صاحب خصوصی طور پر کچھ دیر اس سے ضرور باتیں کیا کرتے تھے' آج بھی انہوں
یہی کیا۔

"سجاد میاں! ذرا کمرے میں آنا میرے پاس' کچھ باتیں کرنا ہیں تم سے۔" مرزا صا
کی باتیں کچھ خاص اہمیت کی حامل نہیں ہوا کرتی تھیں' ویسے بھی ان دنوں ان پر تابند
بھوت سوار تھا اور جب بھی گفتگو کرتے' تابندہ کے بارے میں ہی کرتے۔ سجاد جانتا تھا
بے چارے کس انداز میں سوچتے ہیں' دل میں وسوسے اور خیالات تو ہوں گے ہی۔ محمود
صاحب اور ان کی اہلیہ جا چکے تھے اور ان سے ہونے والی گفتگو کے اثرات ابھی تک ذہن
باقی تھے۔ ان میں میاں بیوی کے درمیان کچھ باتیں ہوئی تھیں' حالانکہ فیروزہ بیگم نے کہ
کہ سجاد بذات خود حساس نوجوان ہے اور اپنی بہنوں کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے

لیکن مرزا صاحب جانے کیوں اس گفتگو سے مسرت محسوس کرتے تھے۔

سجاد تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ان کے پاس جا بیٹھا فیروزہ بیگم بھی تھیں' لڑکیاں باہر تھیں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف۔ مرزا صاحب کہنے لگے۔

"تم بھی کیا سوچتے ہو گے سجاد' جب دیکھو تمہارے کان کھاتا رہتا ہوں۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے آپ کہیں' خیریت۔" سجاد نے دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔

"بس بیٹے وہی تابندہ' اس وقت تو ہماری زندگی کا محور یہی لڑکیاں ہیں' خیر کچھ کی تو جلدی نہیں ہے لیکن خدا نے تابندہ کو ایک اچھا رشتہ دے دیا ہے' تو جی چاہتا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں' حسن کے بارے میں سوچتا ہوں تو بعض اوقات حیرت ہونے لگتی ہے' قرب و جوار کے ماحول پر نگاہ دوڑاؤ' کیسی کیسی شاندار تعلیم یافتہ لڑکیاں گھروں میں بیٹھی ہوئی ہیں' رشتے ہی نہیں ملتے' ایسے حالات میں ایک اتنا اچھا رشتہ ہمارے ہاتھ آ جائے اسے تابندہ کی خوش قسمتی کے ساتھ ساتھ ہم اپنی خوش بختی بھی کہہ سکتے ہیں' والدین اور بڑے بھائیوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بیٹیاں اور بہنیں اپنے اپنے گھروں میں سکون سے رہیں' انہیں ایسا گھر ملے جہاں انہیں خوشیاں نصیب ہوں' کیسی عجیب بات ہے سجاد' میں تم سے یہ ساری باتیں کہہ رہا ہوں' تم جو ابھی خود بھی ان ساری چیزوں سے ناواقف ہو لیکن بیٹے اور کس سے کہوں' سب سے بڑے تم ہی ہو اور ابھی تو تم ہی میرا سہارا بنے ہوئے ہو' تم سے نہ کہوں گا یہ باتیں تو پھر کس سے کہوں گا؟"

"نہیں ابو' آپ مجھ سے ہی کہیں' آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ میں آپ کی باتیں غور سے نہیں سنتا۔"

"ہم لوگ ایسے ہی باتیں کر رہے تھے' یہ فیروزہ بیگم تو دنیا شناس نہیں ہیں' بعض باتیں نہیں سمجھتیں لیکن میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہوں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" سجاد نے آہستہ سے کہا۔

"محمود احمد صاحب بات کر رہے تھے حسن اور تابندہ کی شادی کی' کہنے لگے ہم جس قدر جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں اچھا ہے' میں نے ان سے انحراف تو بالکل نہیں کیا لیکن انہیں صاف صاف لہجے میں بتایا کہ ابھی ہمارے پاس مکمل انتظام نہیں ہے' محمود احمد ٹھہرے مرد آدمی' کہنے لگے کہ بھئی انتظام کیا کرنا ہے' کون سا غیروں کا معاملہ ہے آپس میں جو کچھ بھی ہو جائے۔ میں نے خدا کے فضل سے اس وقت ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ پورے اعتماد سے کہا کہ پہلی بیٹی کی شادی ہے جس قدر بہتر ہو سکے گا کریں گے لیکن وہ بضد ہو گئے کہ آخر اس سلسلے میں کرنا ہی کیا ہے' میں نے پھر بھی ان سے ایک سال کا وقت مانگا' جس پر ان کی بیگم کہنے لگیں کہ یہ ٹھیک ہے اور ان کے کہنے کا انداز تمہاری والدہ محترمہ نے

محسوس نہیں کیا بلکہ میں نے کیا' کیوں کہ بات کچھ لینے دینے کی تھی' بھئی میں یہ نہیں
کہ فرزانہ بیگم لالچی ہیں' خدا نہ کرے ایسا ہو اور پھر رشتہ دار ہیں وہ لوگ ہمارے لیکن
کے باوجود سب ہی چاہتے ہیں کہ جس گھر سے لڑکی لے کر آئیں وہاں سے اور بھی بہت
ساتھ لائیں خود نہ سہی' دیکھنے والے تو باتیں کیا کرتے ہیں' تم سے یہ ساری باتیں کہنے
مقصد یہ تھا کہ ذرا رفتار تیز کر دو اور کچھ انتظام کرو کہ اس ایک سال کے اندر اندر سب
ہو جائے۔"

"کیوں نہیں ابو' میری تو خود بھی یہی خواہش ہے میں اور بھی بہت سی باتیں سوچ
ہوں۔"

"ہاں ہاں یہی میں کہنے والا تھا' کیا سوچ رہے ہو؟"

"بس میں سوچ رہا ہوں کہ جواد کا بھی کوئی نہ کوئی مسئلہ کرا دیا جائے' مستقل نہ سہی
عارضی طور پر ہی سہی' کم از کم اتنا جواد بھی کر لے کہ ہمیں کچھ مدد حاصل ہو جائے۔"

مرزا صاحب کچھ سوچنے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "بات تو واقعی درست ہے' جواد کی
تعلیم کا مسئلہ ہے کہیں درمیان میں نہ رہ جائے۔"

"نہیں ابو اگر آدمی پڑھنا چاہے تو بھلا اسے کون روک سکتا ہے' جواد کو میں کسی ایسی
جگہ لگانا چاہتا ہوں جہاں اس کا تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی
کچھ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے۔"

"تو میاں کوشش کرو۔" مرزا صاحب دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"میں بختیار صاحب سے بات کروں گا' میری فرم کے منیجر ہیں' بہت اچھے آدمی ہیں
فرم میں نہ سہی کہیں اور لگا دیں گے' اگر ایسا ہو جائے تو واقعی بڑے کام کی بات ہو جائے
گی۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے' درحقیقت تم دونوں میرے بازو ہو' بس یہ بات تمہارے
کانوں میں ڈالنی تھی' ذرا خیال رکھنا اور خود بھی اگر کوئی پارٹ ٹائم وغیرہ مل جائے تو ضرور
تلاش کرو۔"

"جی یقیناً۔" سجاد نے جواب دیا۔

اپنے کمرے میں رات کو آرام کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ واقعی اسے پارٹ ٹائم بھی
کچھ کرنا چاہئے' کیا کیا جا سکتا ہے' دفتر سے تقریباً پانچ بجے چھٹی ہوتی تھی' چھ بجے گھر واپس
آتا تھا اور اس کے بعد فراغت حاصل کر کے سات ساڑھے سات بج جایا کرتے تھے' اس
کے بعد کون سا کام کیا جا سکتا ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ پانچ بجے چھٹی کرنے کے بعد گھر
واپس آیا جائے دو تین گھنٹے کا کہیں پارٹ ٹائم مل جائے تو ضرور کرنا چاہئے۔ اس کے بعد
اکٹھے ہی گھر واپس آیا جائے گا' کل سے یقینی طور پر یہ دونوں کام شروع کر دوں گا' پہلی بات

تو یہ ہے کہ بختیار صاحب سے کہہ کر جواد کی بات کروں گا اور اس کے بعد اپنے پارٹ ٹائم
کے لئے اور پھر یکایک اس کے ذہن میں دن کے واقعات ابھر آئے' دونیا' عکسہ' عکسہ' دونیا'
جنہیں وہ بھلانے کی مسلسل کوششیں کر رہا تھا لیکن دونوں تھیں کہ اس کے وجود پر سوار ہو
گئی تھیں' اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے زیر لب کہا۔

"یہ ہے انسان کی سطح مس عکسہ' مس دونیا یہ ہے انسان کی سطح' آپ نے صرف اپنے
خوبصورت محل میں جھانکا ہے مجھ جیسے کسی انسان کے گھر میں بھی جھانک لیجئے گا جہاں
مسائل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور اس کے بعد آپ مجھے زندگی کی ان رنگینیوں میں
الجھانا چاہتی ہیں' جو بے شک اوپر سے رنگین نظر آتی ہیں لیکن گہرائیوں میں تاریکیاں ہیں'
صرف تاریکیاں۔ افسوس میں آپ لوگوں کے اس اچھے اور صاف ستھرے مزاج کا ساتھ نہیں
دے سکوں گا' مجھے معاف رکھیں' خدا کے لئے مجھے معاف رکھیں۔" اور دل میں اس نے
یہ فیصلہ کیا کہ اب اس کے بعد اگر عکسہ یا دونیا نے اس سے ملاقات کرنے کی کوشش کی یا
ان دونوں نے کسی انداز میں قدم آگے بڑھائے تو ان کی شکایت بختیار احمد صاحب سے کر
دے گا' بختیار صاحب ہی اسے بچا سکتے ہیں' ورنہ اگر وہ خود کوئی کوشش کرے تو بھلا کون
مانے گا بڑے لوگوں کی بڑی ہی بات ہوتی ہے۔

❑

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کرسی کی پشت سے ٹک گئی' عجیب جھگڑالو آدمی ہے'
کیسی باتیں کرتا ہے جیسے جیسے اس کی نگاہوں میں کسی چیز کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو' کیا کیا
فضول باتیں کر گیا وہ مجھ سے اور میں نے اس کی باتوں کا برا کیوں نہیں مانا! تعجب ہے میں
نے اپنے مزاج کے خلاف اسکی یہ ساری فضول باتیں برداشت کیسے کر لیں' کیوں آخر کیوں؟

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور پھر یکایک آنکھیں کھول دیں۔ کیا کرنا چاہئے اس
سلسلے میں' احمق ہے بالکل ہی احمق بات کرتے ہوئے سوچتا ہی نہیں کہ کس سے بات کر رہا
ہے' دوسرے لوگوں کو میرے سامنے بولنے کی جرات نہیں ہوتی اور وہ مجھ سے بحث کرتا
ہے' نہایت بدتمیز ہے مجھے اس کا اندازہ اسی وقت لگا لینا چاہئے تھا جب وہ انٹرویو کے لئے آیا
تھا کہتا تھا ڈیڑھ سال سے نوکری نہیں ملی' کیسے ملتی' ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو گا ہر
جگہ' لوگ کیوں برداشت کریں گے' اب اتنا نوعمر بھی نہیں ہے کہ زمانے کے سود و زیاں
سے ناواقف ہو' کیا عمر ہو گی اس کی' صحیح اندازہ تو نہیں لگایا میں نے لیکن اس کے چہرے پر
زندگی جگمگاتی ہے حالانکہ جو کچھ اس نے پہلے دن کہا تھا اس میں یاسیت جھلکتی تھی۔
تقدیروں کا فیصلہ والدین کرتے ہیں' کتنا کرب تھا اس جملے میں یا شاید مجھے محسوس ہوا تھا' یہ
اس کی فطرت کا تضاد ہے یا حالات سے سمجھوتا کیا ہے اس نے لیکن سمجھوتا کرنے والے
سرکش نہیں ہوتے اور سرکشی کیا اس کی یہ سرکشی ناقابل برداشت ہے' اس کی وجہ سے

گارمنٹ سٹی میں غلط روایات نہ قائم ہو جائیں' دوسرے لوگ بھی اس کی تقلید نہ کرنے لگیں' لوگ اسے پیار سے شامی کہتے ہیں' میں بھی اسے شامی کہوں' احمق' بے وقوف' میں کیوں اسے شامی کہوں' ناممکن گارمنٹ سٹی میں ایسے کسی شخص کو برداشت نہیں کیا جا سکتا جو مجھ سے انحراف کرے' جو مجھ سے نگاہیں ملا کر بات کرے' میرا خیال ہے اسے نوکری سے جواب دے دینا چاہئے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی' ناممکن۔ اس کی بھویں تن گئیں۔

اس نے اپنے سامنے رکھا ہوا پیڈ اٹھایا اور ایک پین سے اس پر لکیریں بنانے لگی لیکن کیا' کیا میں اس کی آنکھوں کی چمک چھین لوں' یہ ملازمت اس کے لئے حیران کن بھی ہے اور خوشگوار بھی' بجھا دوں امیدوں کے ان چراغوں کو جو اس کی آنکھوں میں روشن ہو گئے ہیں' نہیں یہ مناسب نہیں ہے' اس نے پیڈ پر لفظ نہیں لکھا' جلتے دیپ بجھانا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے' بجھے چراغوں کی قربانی دے دی جائے تو کیا حرج ہے۔ تھوڑا سا ذہن پر جبر ہی تو کرنا پڑے گا لیکن کچھ چراغ تو جلتے رہیں گے' نہیں بری بات ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے' مگر.... مگر وہ کتنا عجیب آدمی ہے' کیسا انوکھا' اونہہ میں اتنا کیوں سوچ رہی ہوں اس کے بارے میں۔ اس نے سوچا اور گھنٹی بجا دی۔ چپراسی اندر آ گیا تھا۔

"مس مینا کو بلاؤ۔" اس نے کہا اور مس مینا فوراً ہی اندر آ گئی۔

"مس مینا کچھ نئے ڈیزائن آئے ہیں ہمارے پاس۔" اس نے اپنے آپ کو کام میں الجھانا چاہا' شامی کا تصور خواہ مخواہ نازل ہو گیا تھا اور وہ اس کائنات میں کسی تصور کو ذہن میں جگہ نہیں دینا چاہتی تھی' بس جو مقصد ہے اس کی حیات کا بس وہی پورا ہوتا رہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں' کچھ بھی نہیں' بالکل نہیں۔ مس مینا سے وہ کافی دیر تک باتیں کرتی رہی لیکن رہ رہ کر اس کی آواز کانوں میں گونجنے لگتی تھی' ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا کہ اسے بلائے' ذکی صاحب کو بھی بلا لے اور ان سے پوچھے کہ یہ کیا چیز پال لی ہے آپ نے لیکن ذکی صاحب تو صاف صاف کہہ دیں گے کہ یہ فیصلہ ان کا تو نہیں تھا بلکہ ڈاکٹر اعجاز نے بہت کوشش کی تھی اپنے کسی عزیز کے لئے۔

ڈاکٹر اعجاز۔ اس کے ذہن میں ڈاکٹر اعجاز آ گیا اور وہ بہت دیر تک ڈاکٹر اعجاز کے بارے میں سوچتی رہی ذکی صاحب خود ہی کسی کام سے آئے تھے۔ مس مینا جا چکی تھی' وہ اس سے اپنے کام کے سلسلے میں بات کرتے رہے' کئی بار اس کے ہونٹوں پر شامی کا نام آتے آتے رہ گیا لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ بری بات ہے اگر بلاؤں گی تو سوچے گا کہ معذرت کا انداز ہے' میں نے بات کو نظر انداز کر دیا' بس اتنا ہی کافی ہے' نہیں اسے بلانا نہیں چاہئے۔

ذکی صاحب صبح کو اس کا موڈ دیکھ چکے تھے' چنانچہ بڑے محتاط تھے لیکن رفتہ رفتہ اس کے انداز میں تبدیلی نمودار ہوتی جا رہی تھی' ذکی صاحب سے بھی اس نے بہت خوشگوار

انداز میں باتیں کیں' بار بار ہنستی اور مسکراتی رہی۔

دوپہر کو اس نے انٹر کام پر اپنے لئے کھانا طلب کر لیا جس کا انتظام فوراً ہی ہو گیا' بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ دوپہر کا کھانا کھائے اور جب وہ کھانا کھاتی تھی تو اس کا مطلب ہوتا تھا کہ اس کا موڈ نہایت خوشگوار ہے' ویسے بھی آج صبح کو ناشتا نہیں کیا تھا اور چند بسکٹوں پر گزارہ کر لیا تھا' اس نے کھانا کھایا' کھانا کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اب شامی اس کے ذہن سے نکل گیا تھا لیکن فطرت میں جو خوشگوار کیفیت بیدار ہو گئی تھی' وہ برقرار رہی' بالآخر شام ہوئی اور اس کے بعد وہ گھر چل پڑی۔

گھر میں اس کی آمد بھی ایک ہنگامہ ہی ہوا کرتی تھی' دن بھر آرام سے زندگی گزارنے والے شام کو اپنی اپنی جگہ مستعد ہو جایا کرتے تھے' ایک ایک بات کا خیال رکھا جاتا تھا' جہاں وہ اپنے ملازموں کے لئے ماں کی مانند تھی اتنی ہی وہ سخت بھی تھی کہ ملازم اس سے کانپتے رہتے تھے۔

اس وقت بھی یہی کیفیت تھی' ہر شخص اپنی جگہ مستعد تھا' فرزندی نظر آئی اور اس نے اسے دیکھ کر غائب ہونے کی کوشش کی تو اس نے انگلی کے اشارے سے فرزندی کو اپنے قریب بلایا اور کمرے کی جانب بڑھ گئی' فرزندی کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اندر پہنچنے کے بعد وہ بولی۔

"کیا ہو رہا ہے فرزندی؟"

"کچھ نہیں میڈم۔ بس یونہی' یونہی۔"

"یہ یونہی کیا ہوتا ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور فرزندی اسے مسکراتے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"بس میڈم' آپ کی محبتوں کے سائے میں جی رہے ہیں۔"

"تم تو اچھی خاصی شاعر ہو فرزندی' ارے ہاں تمہارے ان رشتے دار کا کیا ہوا جو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر تلے ہوئے تھے۔"

"دونوں میں سمجھوتا ہو گیا میڈم۔"

"چلو یہ بہت اچھا ہوا' تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"نہیں میڈم آپ کی محبتوں سے سب کچھ ہی تو حاصل ہے ہمیں۔"

"اچھا جاؤ' چائے کی تیاری کرو' ہاں ابو کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں۔"

"اچھا بس ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اس نے کہا پھر لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد' بیگ صاحب کے کمرے کی طرف چل پڑی' بیگ صاحب ایک کرسی پر مضمحل بیٹھے ہوئے تھے' اس نے مسکراتی آنکھوں سے بیگ صاحب کو دیکھا' اس وقت ان کی آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ بیگ صاحب نے اسے دیکھ کر منہ پھلا لیا' بس ایسا ہی مزاج ہو گیا

تھا ان کا۔ وہ ان کے قریب پہنچی اور پیار سے ان کے رخسار پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

"ابو..." جواب میں بیگ صاحب نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ وہ بے چین ہو گئی اور آگے بڑھ کر بیگ صاحب سے لپٹ گئی۔ ان کی پیشانی، رخسار، آنکھوں کے لاتعداد بوسے لئے، ان کے قدموں میں بیٹھ گئی اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے ابو کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں، کیا بات ہے، بتایئے نا مجھے کیا بات ہے ابو بتائیں گے نہیں۔" وہ بے قرار ہو کر ان سے سوالات کر رہی تھی، بیگ صاحب خاموشی سے خلا میں گھورتے رہے پھر اس نے بیگ صاحب کی طرف یکھا اور پھر ان کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لیتے ہوئے بولی۔

"ابو کیا ناراض ہیں مجھ سے۔ بتایئے نا۔ کیا بات ہے؟"

"تم نے میری بات مانی ہے کبھی، تم نے مجھے اس کمرے میں قید کر دیا ہے یہ کمرا جو میرے لئے قبر کے مانند ہے۔"

"ابو کیسی باتیں کر رہے ہیں خدا آپ کو زندہ سلامت رکھے، کیسی باتیں کر رہے ہیں ابو آپ، خدا کے لئے آپ، آپ ابو ایسی کوئی بات مت کیا کیجئے، میں مر جاؤں گی، آپ نہ ہوئے تو میں ایک لمحہ اس دنیا میں نہ رہ سکوں گی ابو آپ کے ساتھ قبر تک میں دفن ہونے کو تیار ہوں، مجھے بتایئے نا، کیا تکلیف ہے آپ کو؟"

"بتایا نہیں ہے میں نے تمہیں، میں یہاں نہیں رہنا چاہتا مجھے اوپر کا حصہ پسند ہے، مجھے وہیں بھجوا دو۔"

"میں نے آپ کو صرف اس لئے نیچے بلا لیا تھا ابو کہ اس دن آپ کرسی کے ذریعے سیڑھیوں پر گر پڑے تھے۔"

"غلطی ہو گئی تھی، بار بار تھوڑی ہوتی ہے ایسی غلطی، دیکھو مجھے یہ جگہ بالکل پسند نہیں ہے، خدا کے لئے مجھے اوپر ہی بھجوا دو۔"

"ابھی پہنچ جائیں گے آپ اوپر۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا اور پھر وہ زور زور سے تمام ملازموں کو آوازیں دینے لگی، ملازم دوڑتے ہوئے اندر آ گئے تھے۔ فرزندی، ناصر اور دوسرے تمام لوگ۔

"سنو تم لوگ، ابو یہاں نہیں رہنا چاہتے، تم لوگ انہیں اوپر کے کمرے میں پہنچا دو، سب سے اچھے کمرے میں، جو یہ پسند کریں، چلو تیاریاں کرو۔ ابو کون سے کمرے میں جائیں گے آپ؟" اس نے پوچھا اور بیگ صاحب یقین نہ کرنے والی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"مجھے میرا ہی کمرا پسند تھا، بس اسی میں جاؤں گا میں۔"

"چلو فوراً کمرے کی صفائی ستھرائی کر دو۔"

"میڈم کمرا تو صاف ستھرا ہے۔" ناصر نے کہا۔

"تو پھر دیکھ کیا رہے ہو، ابو کو اوپر لے چلو اور یہ رفیق کہاں مر گیا؟ رفیق او رفیق، یہ رفیق بڑا غلط آدمی ہے ابو، کیا خیال ہے، کیا میں اسے تبدیل کر دوں؟"

بیگ صاحب کا موڈ بھی کچھ بدل گیا تھا، کہنے لگے۔

"نہیں نہیں رہنے دو بس کچھ حرام خور ہے، کاہلی کرتا ہے لیکن برا نہیں ہے، نہیں، میں کسی کو نکالنا نہیں چاہتا۔" اتنی دیر میں رفیق بھی آ گیا تھا، اس نے رفیق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رفیق! دیکھو ابو کو اوپر کے کمرے میں پہنچایا جا رہا ہے، میں تمہیں سختی سے ہدایت کرتی ہوں کہ تم اپنی ڈیوٹی صحیح طور پر انجام دو، ورنہ کیا فائدہ نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے تمہیں ایسی نوکری دوبارہ آسانی سے نہیں ملے گی۔"

"نہیں میڈم رحم کریں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔" رفیق نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"لیجئے، کیسے فضول ہیں یہ لوگ نوکری تم کرتے ہو اور حوالہ دیتے ہو چھوٹے چھوٹے بچوں کا، ابو یہ لوگ فوراً ہی چھوٹے بچوں کا حوالہ کیوں دینے لگتے ہیں، ہمارا ان سے کیا تعلق ہے، سنو رفیق، ابو اوپر جا رہے ہیں اور تم اپنی بے پروائی سے ایک بار انہیں نیچے گرا چکے ہو، اگر اس بار ابو کو کوئی نقصان پہنچا تو تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی، یہ بات یاد رکھنا یا پھر تم یہ کہہ دو کہ تم اپنی یہ ذمے داری پوری نہیں کر سکتے۔"

"نہیں میڈم آئندہ کبھی غلطی نہیں ہو گی۔" رفیق نے کہا۔

"گڈ ویری گڈ، کتنے بچے ہیں تمہارے؟"

"تین ہیں میڈم۔"

"بہت چھوٹے ہیں وہ، اتنے اتنے بڑے۔" اس کی آنکھوں میں پیار امنڈ آیا تھا۔ "یا اتنے اتنے بڑے، ہائے کیسے لگتے ہوں گے۔ ارے ہاں لو، یہ پیسے رکھ لو اپنے بچوں کے لئے۔" اس نے کچھ نوٹ رفیق کے حوالے کر دیئے اور فرزندی کے منہ میں پانی آ گیا۔

کچھ دیر کے بعد بیگ صاحب اوپر پہنچ گئے اس نے کہا۔ "فرزندی چائے میں ابو کے ساتھ اوپر ہی پیوں گی۔"

فرزندی گردن ہلا کر نیچے چلی گئی، چائے کے ساتھ دوسرے بے شمار لوازمات تھے۔ بیگ صاحب خوش ہو گئے اور سب کچھ بھول کر ان اشیاء پر پل پڑے۔ وہ مسکراتی نظروں سے بیگ صاحب کو کھاتے دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں پیار تھا، جیسے بیگ صاحب ننھے سے معصوم سے بچے ہوں۔ ابو کے رخسار اب بھی کتنے سرخ ہیں۔ اس نے پیار سے ان کے

شانے سے سر ٹکا دیا اور بولی۔

"خدا آپ کو ہمیشہ میرے سر پر سلامت رکھے ابو' آپ ہزاروں سال جئیں' میری حیات کا ہر لمحہ آپ کو مل جائے۔"

"کبھی تو اتنی سخت ہو جاتی ہو کہ میں پریشان ہو جاتا ہوں۔" بیگ صاحب نے شکایت کی۔

"نہیں ابو ایسی کوئی بات نہیں ہے' غلطی ہو جاتی ہے' آپ مجھے معاف کر دیا کریں' آپ کے علاوہ اور کون ہے میرا اس دنیا میں۔"

بیگ صاحب کے ہاتھ بدستور چل رہے تھے' بہت کچھ صاف کر کے دم لیا تھا انہوں نے پھر وہ کرسی دھکیلتے ہوئے کھڑکی کے پاس پہنچ گئے اور باہر کا منظر دیکھا اور مسکرا کر بولے۔

"تم نے زرد پھول ہٹا دیئے نا۔"

"ایں۔ ہاں آپ کو ناپسند تھے نا' ارے ہاں ابو یہ خالی کیاریاں کتنی بری لگ رہی ہیں آپ مشورہ دیں یہاں کیا لگایا جائے۔" بیگ صاحب اسے مشورے دیتے رہے اور اس نے ناصر کو بلا لیا۔

"ناصر تم نے ان کیاریوں کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"گیلارڈ نرسری سے بات کی ہے میڈم وہ لوگ کل آئیں گے۔"

"ابو سے ملا دینا انہیں' جیسا ابو کہیں ویسا ہی کرنا۔"

"جی میڈم۔" ناصر نے کہا۔

"سب کو احساس ہو گیا کہ اس کا موڈ بہت خوش گوار ہے' رات کا کھانا بھی اس نے ڈٹ کر کھایا اور پھر کچھ دیر چہل قدمی کر کے بیڈ روم میں آ گئی۔ بیڈ روم میٹ تبدیل کر دیا گیا تھا اس وقت بیڈ پر ایک سخت گدا پڑا ہوا تھا' اسے کچھ یاد آ گیا لیکن اس وقت ٹیلی فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا' اس نے فون اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو سونا کیا بھاؤ رہا آج؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی۔" اس نے حیرانی سے کہا۔

"آسمان کا رنگ کیسا ہے' گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں یا چاند چمک رہا ہے۔" وہ مسکرائی اور بولی۔

"آپ یقیناً ٹیلی فون آپریٹر ہیں اور بور ہو رہے ہیں' لیکن افسوس غلط نمبر ڈائل کیا ہے آپ نے' میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں اور آپ کی باتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔"

"نہیں میڈم' ہم نے صحیح نمبر ڈائل کیا ہے اور ذرا موسم کا حال معلوم کر رہے تھے وہ بھی آواز بدل کر تاکہ موسم خراب ہو تو عزت سادات رہ جائے' ورنہ نام ہے ڈاکٹر اعجاز احمد' پیشہ ہے ڈاکٹری۔" اس بار اس نے ڈاکٹر اعجاز کی آواز پہچان لی تھی' وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"خدا سمجھے آپ کو ڈاکٹر اعجاز' واقعی میں نے درست کہا تھا آپ کے بارے میں آپ کو ڈاکٹر کے بجائے اداکار ہونا چاہئے تھا' کیسی عمدہ آواز بدل لیتے ہیں آپ...؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے' آپ ٹھیک ہیں' موسم کا حال تو معلوم ہو گیا' بس یہی معلوم کرنا تھا۔"

"سنئے ڈاکٹر اعجاز' آخر آپ کیسے انسان ہیں؟"

"کیوں....؟"

"آپ' میرا مطلب ہے آپ کتنے بے لوث ہیں' ہمارے لئے' واقعی گھر کا اتنا خیال رکھتے ہیں اور میں ہمیشہ آپ سے گستاخی کرتی ہوں لیکن آپ.... کتنی بار جی چاہا ہے کہ آپ سے معذرت کروں۔"

"آپ بیمار ہیں میڈم اور ڈاکٹر کبھی اپنے مریض سے ناراض نہیں ہوتا جس دن آپ صحت یاب ہو جائیں گی اس دن آپ کو بل پیش کر دیا جائے گا جس میں سارے حسابات درج ہوں گے' جتنی بار آپ نے ہماری توہین کی ہے اس کا بھی پورا حساب ہو گا۔"

"میں بیمار ہوں؟"

"ہاں ہیں۔"

"کیا بیماری ہے مجھے؟"

"جس دن معلوم ہوئی علاج شروع ہو جائے گا' اس کی تو کھوج ہو رہی ہے اور بالآخر پتا چل جائے گا۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"خدا حافظ۔" ڈاکٹر اعجاز نے فون بند کر دیا اور وہ کئی منٹ ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی پھر اس نے فون بند کیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مسہری کی طرف بڑھ گئی۔

□

سیٹھ ادریس کی دو ہی بیٹیاں تھیں' ساری زندگی بیٹے کی آرزو کرتے رہے تھے پھر تقدیر پر شاکر ہو گئے تھے' کاروبار بے پناہ تھا' دو کو چار اور چار کو آٹھ بنانے کا گر جانتے تھے اور اس گر کے پکے تھے' شاہ خرچی یا فیاض دلی نام کو نہ تھی' پیسہ پیسہ دانت سے پکڑتے تھے' کبھی بے ضرورت خرچ نہ کیا' ہر کام میں میانہ روی تھی' بس اگر کبھی کوئی نقصان ہوتا تو وہ بیٹیوں ہی کی وجہ سے ہوتا تھا' عکسہ اور دونیا لاڈلی تھیں حالانکہ انہوں نے انہیں بھی صحیح

جگہ رکھا تھا اس کے باوجود وہ دونوں کبھی کبھی بھٹک جاتی تھیں اور ادریس صاحب کو ان کی خوشی پوری کرنا پڑتی تھی لیکن اس پر کبھی افسوس نہیں کرتے تھے' بیٹیوں کے ساتھ دوستانہ رویہ تھا' عکسہ تو خصوصی طور پر منہ چڑھی تھی' ہاں اگر کبھی کوئی دکھ ہوتا تو صرف یہ کہ دونوں ان سے دور ہو جائیں گی پھر انہوں نے اس کا بھی حل سوچا' بیگم ادریس سے کہنے لگے۔

"بیگم ایک خیال آیا ہے دل میں۔"

"کیا؟"

"لڑکیاں غالباً جوان ہو چکی ہیں۔"

"جی ہاں' آج کیسے غور کر لیا آپ نے؟"

"غور تو عرصہ سے کرتا رہا ہوں مگر تسلیم کرنے کو جی نہ چاہتا تھا' یہ خوف دل میں آ جاتا تھا کہ ان کے بعد ہمارا کیا ہو گا؟"

"بیٹیاں تو پرائی ہوتی ہیں ادریس صاحب۔" بیگم نے کہا۔

"اجی زبردستی پرائی ہوتی ہیں' ہم انہیں پرائی نہ ہونے دیں گے۔"

"کیا مطلب؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"ایک چیز ہوتی ہے گھر داماد۔"

"چھی چھی کیسی باتیں کرتے ہیں آپ' وہ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" بیگم ادریس نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"جو نوجوان بیوی کی دولت پر پلنا چاہتا ہو' سسرال سے ملنے والے پیسے پر اپنے مستقبل کی تعمیر کے خواب دیکھتا ہو وہ اچھا شوہر ہو سکتا ہے؟"

"اختلافی مسئلہ ہے رئیسہ بیگم لیکن آپ کو ذرا مختلف انداز میں سمجھانا ہو گا' ادریس احمد کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟"

"سمجھی نہیں"

"لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ شیشے سے پتھر توڑ دیتے ہیں' آپ نہ مانیں تو مجبوری ہے' دنیا پر اتنی گہری نگاہ ہے ہماری کہ بس آپ تو ٹھہریں زمانہ قدیم کی کھونٹے کی گائے' لیکن نسل جدید کے افکار ذرا مختلف ہیں' نئی نسل کے نوجوان مرد کا آئیڈیل ایک دولت مند لڑکی ہے جس کے والدین اسے چاہتے ہوں' وہ شکل و صورت کا پرستار کم ہی ہوتا ہے' میں عام بیوقوف نوجوانوں کی بات نہیں کر رہا بلکہ ذہین اور جدید دور کو سمجھنے والوں کی بات کر رہا ہوں' اسی طرح لڑکیوں کا آئیڈیل وہ مرد ہیں جو دولت مند اور ناسمجھ ہوں' ناسمجھ بھی نہ ہوں تو کم از کم ایسے ضرور ہوں جو بیوی کو کائنات کا درجہ دے سکیں اور اس پر کسی کو فوقیت نہ دیں' والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹیاں ایسی جگہ بیاہیں جہاں وہ راج کریں' غلط کہہ رہا ہوں؟"

"کہتے رہیں!" رئیسہ بیگم نے کہا۔

"ہم دوسروں کا راج محل کیوں تلاش کریں' راج محل ہمارے پاس ہے' بس ہمیں دو عدد احمق درکار ہیں' سنو سنجیدگی سے میری بات سنو اس پر غور کرو' فرض کرو ہم اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے لئے اپنے ہم پلہ لوگ تلاش کریں جن کی شاندار کوٹھیاں ہوں' بہترین کاروبار ہو' دولت کی ریل پیل ہو' مل جائیں گے ہمیں ضرور مل جائیں گے' نہ ملنے کا کیا سوال ہے لیکن انہیں ان کے شایان شان دینا ہو گا' راج محل خالی کر دینا پڑے گا اور وہ اسے خاطر میں نہ لائیں گے' ہمیں کیا ملے گا بس دو بیٹیوں کے لئے شوہر' اس کے برعکس اگر اچھے' نیک نام خاندانوں کے دو ایسے لڑکے ہمیں مل جائیں جو ہونہار ہوں' خوب صورت ہوں' پڑھے لکھے ہوں محنتی ہوں' ہم ان سے بیٹیوں کی شادیاں کر دیں' کاروبار میں ہمارے معاون ہوں گے' ہماری بیٹیوں کے وفا شعار رہیں گے' عیش کریں گے تو ان کا سر بھی جھکا رہے گا اپنی دولت دوسروں کے حوالے کرنے سے کیا فائدہ' بات سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"ہاں آ تو رہی ہے۔" رئیسہ بیگم نے اعتراف کیا۔ "مگر اچھے لڑکے ملیں تب نا۔"

"تو مان لو ادریس سیٹھ کو' بڑی محنت سے کمایا ہے' بڑی ہوشیاری سے بچانا ہو گا اور یہ فیصلہ میں نے راتوں رات نہیں کیا' خوب غور کر کے کیا ہے' میں نے اپنی بچیوں کو دوست بنایا ہے اپنا' وہ بے دھڑک مجھ سے بات کرتی ہیں' میں انہیں سمجھتا ہوں وہ مجھے سمجھتی ہیں' میں نے ان سے کہا ہے کہ اگر انہیں اپنی زندگی کے لئے کوئی ساتھی پسند آ جائے تو سب سے پہلے مجھے بتائیں میں ان کے لئے روایتی باپ نہیں بنوں گا بلکہ ان کا دوست بن کر ان کی مدد کروں گا۔"

رئیسہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

❑

دونیا کی آنکھ کھل گئی' عجیب خواب دیکھا تھا' اس خواب میں اسے سجاد نظر آیا تھا۔ ساحل سمندر پر وہ تنہا تھا' اس کی آنکھوں میں اداسیاں تیر رہی تھیں وہ چہروں کو تک رہا تھا پھر اس کی آواز ابھری۔

"آہ کاش یہ ممکن ہوتا۔" پھر وہ لہروں کی طرف قدم بڑھانے لگا' آگے اور آگے' پانی اس کی کمر تک آ گیا پھر سینے تک اور پھر وہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ دونیا کی آنکھ کھل گئی اسکا دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا' آنکھیں آنسو برسانے کے لئے بے چین تھیں' ہونٹ خشک ہو رہے تھے' اسے سجاد کی موت کا بے حد دکھ تھا پھر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی نے اسے احساس دلایا کہ وہ ساحل پر نہیں' اپنی گھر میں ہے۔

"آہ' خدا کا شکر ہے' یہ خواب تھا۔" اس کے منہ سے نکلا۔ مگر یہ خواب مجھے کیوں
آیا' میرا اس سے کیا واسطہ' عکسہ احمق ہے' ضرورت سے زیادہ شوخ اسی نے یہ
چھوڑا تھا ورنہ کوئی تصور بھی نہیں تھا میرے ذہن میں بارش میں گاڑی کا انجن بند ہو
دفتر کے پاس تھے' بختیار صاحب نے ایک آدمی کا بندوبست کیا وہ ہمیں گھر چھوڑنے
بس' بعد میں صرف عکسہ کی حرکتیں تھیں اور کیا تھا' کچھ تھا یا نہیں۔ اس نے
سوال کیا' دل نے کہاں ہاں کچھ تھا' اس کی شخصیت' اس کا وقار' اس کا انداز' کچھ تو
شاید یہ عشق نہیں تھا' صرف پسندیدگی تھی مگر اب اس کے الفاظ' کاش ایسا ہو سکتا۔ یہ
دل میں پگھل رہے تھے یا شاید دل پگھلا رہے تھے وہ اسے ڈوبتا نظر آ رہا تھا' یہ تو غلط
ہاں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ زیر لب بڑبڑائی اور پھر چونک کر اس نے عکسہ کی مسہری پر
ڈالی۔ دونوں بہنیں ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں ہمیشہ سے۔

عکسہ کی مسہری پر نگاہ پڑی تو دونیا کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا' عکسہ کہنیوں کے
مسہری کے تکئے سے ٹکی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور وہ ا
گھور رہی تھی دونیا نے خوفزدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں' حالانکہ روشنی مدھم تھی مگر ا
وولٹیج زیادہ ہوتے ہیں زیرو بلب بھی کافی تیز ہو جاتا ہے چہرے دیکھے جا سکتے ہیں' عکسہ
بھی اسے دیکھ لیا ہے ورنہ اسے اس طرح کیوں گھورتی' اس نے محسوس کیا کہ عکسہ اپنی
سے اٹھی ہے وہ اس کی طرف بڑھ رہی ہے' دوسرے لمحے اس کے حلق سے چیخ نکل
عکسہ نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے بٹھا دیا تھا۔

"مجھے بالکل بے وقوف سمجھتی ہو؟" عکسہ غرائی۔

"ارے ارے کیا بدتمیزی ہے؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

"جواب دو احمق ہوں میں۔" عکسہ اسی انداز میں بولی۔

"میرا گریبان تو چھوڑ پاگل کہیں کی' کیا ہو گیا تجھے سوئی نہیں ابھی تک ذرا دیکھ کیا
ہے؟" دونیا نے اس سے گریبان چھڑاتے ہوئے کہا۔

"دونیا بی بی' بے شک مجھ سے بڑی ہو' تھوڑا بہت رعب ڈال سکتی ہو مجھ پر لیکن
نہیں' میں نے تمہارے ساتھ ساتھ دنیا دیکھنا شروع کی ہے اور اتنی ہی دیکھی ہے جتنی
نے کیا سمجھیں؟"

"پتا نہیں کیا بکواس کر رہی ہے؟" دونیا بولی۔

"ہاتھ دو۔" عکسہ نے کہا اور دونیا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا' عکسہ نے
اپنے سر پر رکھا اور بولی۔

"اب کھاؤ میری قسم کہ جو کچھ کہو گی سچ کہو گی۔"

"ہاں میں جھوٹ نہیں بولتی۔"

"قسم کھاؤ۔"

"کھا لی نا۔" دونیا نے عاجز آ کر کہا۔

"سجاد صاحب سے محبت کرتی ہو نا۔"

"ایں...." دونیا کھو گئی' قسم کھائی تھی اس نے اس وقت جھوٹ نہیں بول سکتی تھی جو
کچھ کہنا تھا سوچ سمجھ کر کہنا تھا' وہ فیصلہ کر رہی تھی کہ کیا ایسی کوئی بات ہے۔ عکسہ خاموشی
سے اسے دیکھ رہی تھی کچھ دیر کے بعد دونیا نے کہا۔

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے عکسہ۔"

"کیا....؟" عکسہ نے اسے کڑی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"تجھے یہ یقین تو ہے کہ اب میں نے تیری قسم کھا لی ہے اور جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

"یقین ہے۔" عکسہ نے جواب دیا۔

"تو سن' بارش کی وہ شام جب سجاد صاحب سے ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی' وہ مجھے
اچھے لگے تھے لیکن تو نے جو کچھ شروع کر دیا تھا وہ مجھے پسند نہیں آیا تھا' ایسے فیصلے اتنی
جلدی نہیں کئے جاتے پھر یہ ایک مشکل مرحلہ تھا' ڈیڈی بہت اچھے ہیں' ہمیں بہت چاہتے
ہیں لیکن انہوں نے ہمارے بارے میں کچھ فیصلے بھی کئے ہوں گے اور ان کے فیصلوں کا
احترام ہم پر فرض ہے۔"

"رات کے سوا دو بجے ہیں اور آپ اس وقت منطق اور فلسفے کی رو سے بات کر رہی
ہیں مس دونیا' میں دو لفظوں میں سب کچھ سننا چاہتی ہوں۔" عکسہ نے کہا۔

"تو سو جا' صبح بتاؤں گی۔" دونیا نے لیٹنا چاہا لیکن عکسہ نے اسے دوبارہ پکڑ لیا اور دونیا
کے حلق سے آواز نکل گئی پھر وہ ہنس پڑی۔

"عجیب مصیبت سے پالا پڑ گیا ہے کیا بتاؤں تجھے بڑی مشکلات ہیں عکسہ' ہم فلموں اور
کہانیوں کے کردار بن جائیں گے سجاد ہمارے ہاں ملازم ہیں' ظاہر ہے ان کے مالی حالات بھی
زیادہ بہتر نہ ہوں گے' اگر ایسی بات ڈیڈی کے سامنے آئی تو وہ ضرور ناراض ہوں گے اوز اور
یہ سب کچھ پسند نہیں کریں گے بلکہ بے چارے سجاد صاحب کو نوکری سے نکال دیا جائے
گا۔"

"تم ان سے محبت کرتی ہو؟" عکسہ اپنے سوال پر اڑی ہوئی تھی۔

"نہیں۔" دونیا نے جواب دیا۔

"ایں۔" عکسہ ڈھیلی پڑ گئی۔

"ہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی' یہ سب کچھ اچھا نہیں ہوتا لیکن ابھی کچھ دیر پہلے میں
نے ایک خواب دیکھا تھا' اس میں' میں نے سجاد کو ڈوبتے دیکھا ہے' وہ سمندر میں ڈوب گئے'
وہ بہت اداس تھے اور مجھے ان کی موت کا بے حد دکھ ہوا' عکسہ تیری قسم کھائی ہے میں نے

تجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی' شاید میرے دل میں ان کے لئے کچھ ہے' مجھے پہلے احساس نہیں ہو سکا تھا۔"

"ہے۔" عکسہ چیخ پڑی' اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگی تھیں پھر اس نے کہا ہوئی نا بات۔"

"مگر عکسہ یہ مناسب نہیں ہے' یہ سب کچھ کسی کی بربادی کا سبب بن جائے گا غلط بات نہیں ہونی چاہئے۔"

"سو جاؤ۔" عکسہ نے کہا اور اپنی مسہری پر چلی گئی۔

چند لمحات کے بعد وہ گہری نیند سو گئی لیکن دونیا جاگتی رہی اس کے ذہن میں نجانے کیا خیالات آتے رہے تھے۔

دوسرے دن ناشتے کی میز پر سب موجود تھے' عکسہ نارمل تھی' ناشتا خاموشی سے کیا اس کے بعد عکسہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "ڈیڈی آپ دفتر جائیں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں بیٹے۔"

"کس وقت؟"

"ابھی تو ساڑھے نو بجے ہیں' گیارہ بجے جانا ہے۔" ادریس صاحب بولے۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے؟" عکسہ نے سنجیدگی سے کہا اور دونیا کا دل دھک سے ہو گیا تھا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے عکسہ کو دیکھا لیکن عکسہ نے اس کی طرف نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔

"ضرور بیٹے' کہو کیا بات ہے؟"

"تنہائی میں' آپ کے کمرے میں۔" عکسہ بولی۔

"ہوں' اٹھتے ہیں' آؤ رئیسہ۔" ادریس صاحب نے کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا عکسہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔"

"تنہائی کا مطلب سمجھتے ہیں آپ؟" اس نے تلخ انداز میں کہا۔

"اِں' اوہ۔ ہاں اچھا ٹھیک ہے' رئیسہ تم یہیں بیٹھو' سوری ڈیئر' آؤ۔" ادریس صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور عکسہ کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ دونیا کو چکر رہے تھے' یہ عکسہ جو قیامت نہ ڈھالے کم ہے' کم بخت کو عقل نام کو نہیں ہے' اب نجانے کیا بکواس کرے گی' دونیا سوچ رہی تھی۔

" عکسہ نے ادریس صاحب کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد خود بھی اندر داخل کر دروازہ بند کر دیا' ادریس صاحب کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ عکسہ ان سامنے بیٹھ گئی' پھر بولی۔

"بیٹی جوان ہو گئی ہے کچھ اس پر بھی غور کیا آپ نے؟"

"اِں' ہاں کیوں نہیں' تم ماشاء اللہ کافی بڑی ہو گئی ہو۔"

"اپنی نہیں دونیا کی بات کر رہی ہوں۔"

"ہاں' دونیا بھی بڑی ہو گئی ہے۔"

"کوئی لڑکا دیکھا آپ نے اس کے لئے؟" عکسہ بولی اور ادریس صاحب بھونچکے رہ گئے انہوں نے حیرت سے عکسہ کو دیکھا لیکن بیٹیوں کو عام باپوں سے کچھ زیادہ جانتے تھے' سمجھتے تھے اس لئے کچھ محسوس نہیں کیا بلکہ مسکرا دیئے۔

"ابھی تک تو نہیں دیکھا۔" وہ بولے۔

"کب دیکھیں گے؟"

"بس بھئی وہ' اوہو یہ کام تم بھی تو کر سکتی ہو' تمہاری نگاہ میں کوئی لڑکا ہے؟" اچانک ادریس صاحب کو کوئی احساس ہوا اور انہوں نے یہ سوال کر ڈالا۔

"جی ہاں ہے۔" عکسہ نے جواب دیا۔

"خوب' کون ہے بھئی' ہمیں بھی بتاؤ۔" ادریس صاحب نے دوستانہ انداز میں کہا لیکن ان کا ماتھا ٹھنک گیا تھا' وہ گہری ٹٹولنے والی نگاہوں سے عکسہ کو دیکھ رہے تھے۔ عکسہ نے بڑے مدبرانہ انداز میں گردن ہلائی اور بولی۔

"دیکھئے ڈیڈی' یہ آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل ہو رہا ہے' کہا تھا آپ نے ایک بار ہم سے کہ ہم آپ کے دوست ہیں' دل کی کوئی بھی بات ہو' صاف صاف آپ سے کہہ دی جائے' کبھی نہ چھپایا جائے اور ہم نے آج تک یہی کیا ہے؟"

"کیوں نہیں بیٹے' میں نے کب انکار کیا ہے اس بات سے؟"

"تو بس پھر ٹھیک ہے' آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے دونیا کے لئے لڑکا تلاش کر لیا ہے اور آپ کو بس ہاں کہنی ہے۔"

ادریس صاحب نے ایک لمحے کے لئے اپنے آپ کو سنبھالا' اپنی خوش مزاجی برقرار رکھنا چاہتے تھے پھر بولے۔

"ہاں کہنے سے پہلے اگر ہمیں لڑکے کے بارے میں کچھ معلوم ہو جاتا' ہم ایک نگاہ اسے دیکھ لیتے تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں ہے عکسہ؟"

"ہوں' مجھے یقین ہے کہ آپ نے اسے دیکھا ہو گا' آپ کی فرم میں ملازمت کرتا ہے' بہت خوب صورت سا' لمبا چوڑا سا' گورا چٹا نوجوان ہے اور اس کا نام سجاد بیگ۔"

"سجاد۔" ادریس صاحب نے اپنے ذہن میں ہونے والے دھماکے سے اپنے آپ کو ہی ایک بار پھر سنبھالتے ہوئے کہا' ان کا ذہن اپنی فرم میں ملازم سجاد کو تلاش کر رہا تھا اور ایک ہی سجاد تھا جو عکسہ کے بتائے ہوئے حلیئے پر پورا اترتا تھا۔ پڑھا لکھا' خوب صورت سا نوجوان' شریف اور نیک' اپنا کام مستعدی سے کرنے والا لیکن یہ نام' عکسہ کے ذہن میں

کیسے آیا' ادریس صاحب سوچنے لگے' عکسہ بہت معصوم تھی' دونیا بھی اس سے مختلف نہ
تھی لیکن آخر عکسہ نے اس شخص کے بارے میں کیسے سوچا' ادریس صاحب دل میں سوچ
رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"لیکن تم اسے کیسے جانتی ہو عکسہ' جو اتنے اعتماد سے کہہ رہی ہو کہ مجھے بس ہاں کہنی
ہے' میری خواہش ہے کہ تم مجھے اس کے بارے میں کھل کر بتاؤ اور ویسے بھی عکسہ' ہماری
فرم کا ایک ملازم تمہاری بہن کا شوہر کیسے بن سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ تمہیں اس کا
خیال کیسے آیا' کیا اس سے ملاقات ہوئی تھی تمہاری؟"

"جی۔"

"بھئی شرط یہی ہے کہ آپ ہمیں پوری تفصیل بتائیں گی اس سلسلے میں اس کے بارے میں
ہم ... کچھ ...

... بتانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' بہت دن پہلے کی بات
... تیز ہو رہی تھی اور ہماری گاڑی آپ کے دفتر کے پاس خراب ہو گئی تھی'
... ہمیں بختیار صاحب کی گاڑی میں چھوڑنے گھر آئے تھے' مجھے بہت پسند آئے وہ دونیا
باجی کے لئے' اور میں نے انہیں دونیا باجی کے لئے منتخب کر لیا' میں نے لڑکے اور لڑکی
ان کے خیالات پوچھے تو ڈیڈی پتا چلا کہ دونوں میں سے کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ بس
سجاد صاحب جو ہیں نا' وہ ذرا بور قسم کے آدمی ہیں' پتا نہیں کیا کیا کہانیاں سنانے لگے' کہنے
لگے وہ اس سطح کے انسان نہیں ہیں جس سطح کے ہم لوگ ہیں وہ ہمارے ہاں ملازم ہیں
پتا نہیں وہ ساری باتیں کرنے لگے جو فلموں میں ہوتی ہیں۔ کہنے لگے میری نوکری چلی جائے
گی اور سیٹھ صاحب میرا ستیاناس کر دیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ جناب عالی آپ
لوگوں کو نہیں جانتے' ہمارے اندر دولت کا غرور بالکل نہیں ہے' ہم اتنے اچھے لوگ ہیں
اس روئے زمین پر دوسرے نہیں ہوں گے' میں نے آپ کی بھی بڑی تعریف کی' میں
کہا سجاد صاحب میرے۔ ڈیڈی تو فرشتہ صفت انسان ہیں مگر صاحب بھلا وہ کہاں ماننے والے
تھے' خوف سے مرے جا رہے تھے' میں نے دونیا باجی سے پوچھا تو دونیا باجی بھی مجھے ڈانٹنے
لگیں کہ یہ کیا بدتمیزی ہے لیکن ڈیڈی دونوں کے دلوں کا حال مجھے معلوم ہو چکا ہے اور
دیر کرنا بے کار ہے آپ بس "ہاں" کہہ دیجئے آپ ابھی تک بیٹھے میری صورت دیکھ رہے
ہیں' ہاں نہیں کہی آپ نے۔"

ادریس صاحب خاموشی سے بیٹھے عکسہ کی صورت دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"دیکھو بیٹے کسی بھی بات میں جلد بازی تو نہیں کی جا سکتی نا' ہاں کہنے سے پہلے ذرا
معلومات کر لوں' آپ مجھے اس کی اجازت تو دیں گی نا۔"

"کرنے ... کوئی حرج نہیں ہے' ویسے میں ساری معلومات حاصل کر چکی ہوں"

نے کہا اور ادریس صاحب مسکرائے بغیر نہ رہ سکے' عکسہ کی خود اعتمادی انہیں بے اختیار
مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی پھر انہوں نے کہا۔

"یقیناً آپ نے جو معلومات حاصل کی ہوں گی خاتون وہ بالکل مکمل ہوں گی لیکن ایک
باپ کی حیثیت سے تھوڑی سی رعایت ہمیں بھی ملنی چاہئے۔"

"ٹھیک ہے میں نے منع کب کیا ہے' آپ معلومات حاصل کر لیجئے اور سنئے' ابھی یہ
بات کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچنی چاہئے' سمجھ رہے ہیں آپ؟"

"بالکل بالکل۔" ادریس صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اب میں جاؤں؟"

"جی بہتر۔" ادریس صاحب بولے اور عکسہ پُراعتماد انداز میں دروازہ کھول کر باہر نکل
گئی لیکن ادریس صاحب اپنی جگہ بیٹھے رہ گئے تھے۔ ان کے ذہن پر کافی دباؤ پڑا تھا۔ جو کچھ
عکسہ نے کہا تھا وہ قابل غور تھا اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی برہمی کا اظہار نہیں کیا جا
سکتا تھا اور ابھی کچھ دن پہلے کی تو بات تھی کہ ادریس صاحب نے رئیسہ بیگم سے اس سلسلے
میں بات کی تھی' ان کا ایک نظریہ تھا۔ جس پر انہوں نے رئیسہ بیگم سے گفتگو کی تھی اور یہ
بالکل اتفاق تھا کہ اس نظریئے کے تحت ایک نوجوان اس کے ذہن میں آیا تھا' سجاد بیگ۔ وہ
ایک بار پھر اس شخص پر غور کرنے لگے۔ سجاد اچھے عہدے کا مالک' اچھی فطرت کا انسان تھا
اور پھر بختیار صاحب تو اس کے بارے میں ساری تفصیل جانتے ہوں گے کوئی حرج نہیں ہے
اگر بات آگے بڑھائی جائے' یہ ادریس صاحب کا فیصلہ تھا۔ تھوڑی دیر میں رئیسہ بیگم اندر آ
گئیں اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کہاں گئی وہ آفت کی پر کالہ۔"

"چلی گئی باہر کیوں خیریت؟" "نہیں بس پوچھنے آئی تھی کہ کیا گفتگو فرما رہی تھیں
محترمہ۔" رئیسہ بیگم نے کہا لیکن ادریس صاحب نے ابھی بیگم کو کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا
تھا' پہلے بختیار صاحب سے معلومات حاصل کر لی جائیں اس کے بعد بات آگے بڑھائی جا سکتی
ہے۔

شامی نے ایسٹرن کلاتھ اسٹور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ وہ اسٹور پہنچا تھا
نے اس پرنٹ کا سارا اسٹاک نکلوا دیا تھا۔ فیاض احمد جو اس اسٹور کے مالک تھے بدحواس
گئے تھے۔

"جناب جناب! آپ نے تو اس طرح چھاپہ مارا ہے جیسے میں کوئی اسمگلر ہوں۔
بہت کپڑا اگر باہر نکل گیا تو کیا ہو گیا۔ میں نے باقاعدہ اسے بیچنا تو شروع نہیں کر دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ گارمنٹ سٹی آپ کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کی
وقعت نہیں آپ کی نگاہ میں۔ سنئے جناب ہم اصولوں کے سوداگر ہیں۔ ہمارا مسلک
ہے۔ بددیانتی کے سودے نہ ہم کرتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں سے کاروبار کرتے ہیں
ہمارے ساتھ بددیانتی کریں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ کہ آپ نے اگر اس کپڑے کے باہر جانے کا صحیح جواز نہ پیش کیا تو
آپ سے کاروبار بند کر دیں گے۔"

"آپ کا اسم شریف پوچھ سکتا ہوں؟"

"پوچھیے۔" شامی نے کہا۔

"بتا دیجئے۔"

"احتشام احمد ہے میرا نام۔"

"بہتر ہے احتشام صاحب، اس بات کا جواب میں میڈم کو دے دوں گا۔ آپ زحمت
کریں۔"

"مگر یہ فرض مجھے سونپا گیا ہے فیاض احمد صاحب۔"

"آپ دفتر جائیے جب آپ وہاں پہنچیں گے تو یہ فرض کسی اور کو سونپا جا چکا ہو گا۔"
فیاض صاحب نے طنزیہ کہا اور شامی انہیں گھورنے لگا' پھر بولا۔

"بہتر ہے شکریہ۔" وہ اسٹور سے باہر نکل آیا۔ فیاض صاحب اسے گھورتے رہے
جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو انہوں نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"کل کا لونڈا' احمق بے وقوف۔" چند لمحات خود کو معتدل کرنے کے بعد انہوں
ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور گارمنٹ سٹی کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔ رابطہ قائم ہونے پر انہوں

نے آپریٹر سے پوچھا۔ "میڈم آ چکی ہیں؟"

"جی سر۔"

"بات کرائیں ان سے۔" فیاض صاحب تیکھے لہجے میں بولے اور آپریٹر نے انہیں ہولڈ
آن کرنے کے لئے کہا پھر کچھ دیر کے بعد بولی۔

"بات کیجئے گا۔"

"جی میڈم بول رہی ہیں' ہیلو۔"

"ہیلو' کون صاحب ہیں؟" دوسری طرف سے میڈم کی آواز سنائی دی۔

"میڈم میں ایسٹرن کلاتھ اسٹور کا مالک فیاض احمد بول رہا ہوں۔" دوسری طرف چند
لمحات خاموشی طاری رہی' پھر میڈم کی آواز سنائی دی۔

"جی فیاض صاحب۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"اس وقت ٹھیک نہیں ہیں میڈم۔ گارمنٹ سٹی تو بڑی اچھی روایات کا حامل ہے۔ یہ
آپ نے کیسے لوگ بھرتی کر لئے۔"

"سمجھی نہیں فیاض صاحب۔"

"وہ ایک صاحب ابھی کچھ دیر قبل یہاں سے گئے ہیں میڈم۔ طوفان برپا کر دیا انہوں
نے تو۔ وہ ڈیزائن نمبر ایک سو ستاون کا کچھ کپڑا ایک جاننے والے لے گئے تھے۔ تعلقات تھے
دے دیا تھوڑا سا مگر وہ باز پرس کے لئے آ گئے۔ انہوں نے تو اسے میرا جرم بنا دیا۔ تبلیغ
کرنے لگے کہ ہم اصولوں کے سوداگر ہیں۔ ہمارا مسلک سچائی ہے۔ انہوں نے تو ثابت کیا
جیسے گارمنٹ سٹی کوئی ادارہ نہ ہو بلکہ عبادت گاہ ہو جس کی بے حرمتی کر دی گئی ہے۔ پورا
اسٹور الٹ پلٹ کر دیا لگ رہا تھا جیسے کسی اسمگلر کے ہاں چھاپہ مارا ہو۔ ایسے کاروبار ہوتا ہے
میڈم؟"

میڈم نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

"یہ ڈیزائن تو شاید رجسٹرڈ ہیں فیاض صاحب۔"

"مان لیا' مگر تعلقات بھی تو ہوتے ہیں' اب آپ کسی اور کا رجسٹرڈ شدہ ڈیزائن تھوڑا
بہت مانگ لیتیں تو منع کرتے ہم لوگ۔"

"کیا نام تھا ان صاحب کا؟" میڈم نے پوچھا۔

"احتشام احمد۔"

"ہاں وہ ہمارے نئے مارکیٹنگ منیجر ہیں۔"

"بتایا تھا انہوں نے' مگر وہ کامران صاحب بہت اچھے آدمی تھے۔ انہیں کیوں نکال دیا
آپ نے؟"

"میں نے انہیں نکالا نہیں تھا فیاض صاحب! وہ مشرق وسطیٰ چلے گئے نوکری چھوڑ کر۔"

”دوسرا آدمی رکھیں میڈم۔ یہ نوجوان شخص ہے۔ خواہ مخواہ گارمنٹ سٹی کی سا
خراب کرے گا۔ میں نے اس سے کہہ بھی دیا ہے۔“
”کیا؟“ میڈم نے پوچھا۔
”کہنے لگا اگر آپ نے اس کپڑے کے باہر جانے کا صحیح جواز پیش نہ کیا تو ہم آپ
کاروبار بند کر دیں گے تو میں نے کہا کہ وہ جائے میں میڈم سے بات کر لوں گا۔ اگر یہ
میری ذمے داری ہے تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ دفتر جائے یہ ذمے داری اس
واپس لے لی جائے گی۔ آپ کو میری بات کی لاج رکھنی ہو گی میڈم۔“
”کیسے فیاض صاحب؟“
”اسے فوراً نوکری سے جواب دے دیں۔ ہمارے پرانے تعلقات ہیں آپ کو میری
بات ماننا ہو گی۔“
”اتنی جلدی کیسے ممکن ہے فیاض صاحب۔“
”جیسے بھی ہو سکے آپ کو یہ کام کرنا ہے۔“
”مشکل ہے فیاض صاحب۔“
”پھر بتایئے میں کیا کروں؟“
”میرے خیال میں آپ احتشام صاحب سے دفتر میں ملاقات کر کے بات کر لیں۔ انہ
تیار کر لیں۔ کچھ بات بنا دیں' کپڑا باہر جانے کے سلسلے میں ورنہ وہ جو فیصلہ کریں گے مجھے
بھی ماننا پڑے گا۔“
”آپ مجبور ہیں ان کے سامنے۔“
”یہی سمجھ لیں۔“
”کمال ہے میڈم! میں آپ کو مارکیٹنگ منیجر کے کام کے لئے بہترین آدمی دوں گا۔ ا
فوراً نکال دیں۔“
”جو کچھ میں نے کہا ہے اگر وہ آپ کے لئے ممکن ہو تو کر لیں فیاض صاحب و
آپ کی مرضی۔“ دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا اور فیاض صاحب ہیلو ہیلو کرتے
گئے۔ پھر انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر فون بند کر دیا۔ چند لمحات غصے سے منہ بناتے ر
پھر رفتہ رفتہ چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑنے لگے۔ گارمنٹ سٹی سے انہ
لاکھوں روپے ماہانہ کا فائدہ ہوتا تھا بلکہ ان کا سب سے بڑا کاروبار اسی ادارے سے تھا اور
کسی بھی قیمت پر اسے ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ میڈم سے ان کے تعلقات بہ
پرانے تھے۔ بڑا کھرا سودا ہوتا تھا گارمنٹ سٹی سے۔ میڈم ان سے ہر طرح کا تعاون بھی
تھیں' لیکن اس وقت انہیں میڈم کی طرف سے بھی ٹکا سا جواب مل گیا تھا۔ شرمندگی
تھی۔ خوفزدہ بھی تھے۔ اس نوجوان نے جو کچھ کہا تھا وہ ان کے ذہن میں محفوظ تھا اور انہ

نے بھی اس سے جو دعویٰ کیا تھا انہیں یاد تھا۔ بڑی عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی ان کی۔
میڈم نے جس طرح آخری بات کہہ کر ٹیلی فون رکھ دیا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ
اس سلسلے میں ان کی دال گلنا مشکل ہے۔ کافی دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھے سوچتے رہے
پھر گردن ہلا کر بولے۔
”ٹھیک ہے بیٹے! تجھ سے تو ایسے نمٹوں گا کہ دیکھنے والے تیرا حشر دیکھیں گے۔ ٹھیک
ہے میرا نام بھی فیاض احمد ہے۔“
انہوں نے اپنے اسٹور کے منیجر کو بلایا اور اس سے پچیس ہزار روپے طلب کئے۔ منیجر
نے فوراً ہی کیش کاؤنٹر پر جا کر پچیس ہزار روپے لا کر ان کے حوالے کر دیئے۔ فیاض احمد
صاحب نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار گارمنٹ سٹی کی جانب جا
رہی تھی۔
وسیع و عریض عمارت کے کمپاؤنڈ میں انہوں نے میڈم کی کار دیکھی۔ اترے اور
استقبالیہ پر پہنچ گئے۔ ریسیپشنٹ سے انہوں نے کہا۔
”میڈم سے ملنا چاہتا ہوں۔“
”کون صاحب ہیں آپ۔ آپ کا کارڈ؟“
”بس ان سے اتنا کہہ دو کہ ایسٹرن کلاتھ اسٹور کے مالک فیاض احمد صاحب ملنا چاہتے
ہیں۔“
”سوری سر! میڈم اس وقت میٹنگ میں ہیں اور ہدایت کر دی گئی ہے کہ کسی کو ان
کے پاس نہ پہنچنے دیا جائے۔“
”کتنی دیر میں فارغ ہو جائیں گی میٹنگ سے؟“
”نہیں کہا جا سکتا سر! آپ کوئی میسج ہو تو مجھے دے دیں بعد میں پہنچا دیا جائے گا سر۔“
”لگتا ہے وزارت عظمیٰ کا دفتر ہے۔ وہ ایک احتشام صاحب بھی تو ہوتے ہیں یہاں؟“
فیاض احمد صاحب آہستہ سے بولے۔
”جی ہاں ہمارے مارکیٹنگ منیجر ہیں۔“
”کیا وہ بھی میٹنگ میں ہیں؟“
”جی نہیں آپ ان سے مل سکتے ہیں۔“
”ٹھیک ہے مجھے ان کے پاس پہنچا دو۔“ ریسیپشنٹ لڑکی نے ایک چپراسی کو بلایا اور
فیاض احمد کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ فیاض احمد کو بری طرح اپنی بے عزتی کا احساس تھا مگر کیا
کرتے لاکھوں کی آمدنی تو نہیں چھوڑ سکتے تھے' رویہ تبدیل کر لیا۔ پچیس ہزار روپے اس
لئے جیب میں ڈال لئے تھے کہ اگر بات بگڑنے لگے تو پھر دوسرا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔
چہرے پر خوشدلی اور مسکراہٹ پیدا کر کے وہ احتشام صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

شامی اپنی میز پر جھکا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔ فیاض احمد صاحب نے زور دار آواز میں اسے سلام
کیا تو اس نے چونک کر گردن اٹھائی اور پھر خود اخلاق سے بولا۔
"آیئے تشریف لایئے فیاض احمد صاحب' آیئے بیٹھیے۔"
"شکریہ۔" فیاض احمد صاحب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے شامی سپاٹ نگاہوں سے انہیں
دیکھنے لگا۔ اس نے ان پر کوئی طنز نہیں کیا تھا اور اس کی خاموشی کو بھی فیاض احمد صاحب
ایک گہرا طنز محسوس کر رہے تھے۔ کہنے لگے۔
"میں نے میڈم سے بات کی تھی۔"
"جی۔" شامی نے سادگی سے کہا۔
"وہ دراصل ایک میٹنگ میں مصروف ہیں۔ انہوں نے یہی جواب دیا مجھے کہ میں
مارکیٹنگ منیجر سے ہی بات کر لوں۔ دراصل احتشام صاحب آپ کچھ زیادہ ہی سخت گیر ہو گئے
اس سلسلے میں' یہ کاروبار ہے۔ بعض اوقات تعلقات کی بنا پر کچھ ایسے کام کرنے پڑ جاتے
ہیں جو مجبوری ہوتے ہیں۔ وہ تھوڑا سا کپڑا میرے ایک شناسا نے مانگا تھا۔ میں نے یہ سوچ
کر دے دیا کہ وہ کونسا مارکیٹ میں پھیلنے جا رہا ہے۔ بس اتنی سی بات کو فسانہ بنا دیا گیا۔
میرے خیال میں یہ مناسب نہیں تھا۔"
"میں نے آپ سے پہلے عرض کیا تھا فیاض احمد صاحب کہ ہم اصولوں پر سودے بازی
نہیں کرتے۔ سچے اصولوں پر کام کرتے ہیں اور یہ کسی بڑے ادارے کے لئے نہایت ضروری
ہے بہرحال فرمایئے اب میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟"
"بھئی اس مسئلے کو ختم کرنا ہے۔ تم نے تو یہ کہہ دیا تھا مجھ سے کہ اگر میں نے اس کا
صحیح جواز پیش نہ کیا تو مجھ سے کاروبار بند کر دیا جائے گا۔ اب دیکھو نا اتنے پرانے رشتے اتنی
آسانی سے تو ختم نہیں ہو جاتے یہاں نوکریاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تھوڑی سی لچک بھی رکھنا
چاہیئے۔ آج تم میرے کام آؤ گے کل میں تمہارے کام آؤں گا۔ ویسے تمہیں زیادہ عرصہ تو
نہیں ہوا اس ادارے میں کام کرتے ہوئے۔"
"آپ اس کپڑے کے باہر جانے کی بات کر رہے تھے فیاض احمد صاحب۔"
"ہاں جو جانا تھا وہ تو چلا ہی گیا۔"
"کیا مقدار تھی اس کی اور کہاں کہاں گیا ہے وہ؟"
"بس ایک جگہ اور مقدار کا جہاں تک معاملہ ہے تو میں ایسی باتوں کو یاد نہیں رکھتا۔
ایسٹرن کلاتھ اسٹور بھی کوئی چھوٹا موٹا ادارہ نہیں ہے۔ بس جو ہوا اس پر خاک ڈالو۔ آئندہ
خیال رکھا جائے گا۔"
"آپ تحریری طور پر مجھے یہ تفصیل لکھ کر دے دیں۔ میں میڈم سے ڈسکس کروں گا
اور جو بھی فیصلہ میڈم کر دیں اس پر عمل درآمد ہو گا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس معاملے کو یہیں رفع دفع کر دیا جائے۔ تم میرے لئے یہ کام
کرو۔ میں بھی تمہارے لئے کچھ کام کروں۔"
شامی نے نگاہیں اٹھا کر فیاض احمد کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔
"آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں؟" فیاض احمد صاحب نے برا سا منہ بنا کر جیب میں
ہاتھ ڈالا اور پچیس ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے پھر بولے۔ "
نوتیں کرو۔ بہت سی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔" شامی کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں
اس نے فوراً نوٹ لپکتے ہوئے کہا۔ "کتنے ہیں؟"
"پچیس ہزار۔"
"شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔" اس نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "ہاں تو
آپ وہ تحریر مجھے یہیں لکھ کر دیں دیجئے گا۔ میں میڈم کے سامنے پیش کر دوں گا۔"
"کیا مطلب؟" فیاض احمد صاحب کا منہ بھاڑ کی طرح کھلا رہ گیا۔
"جی ہاں۔ معذرت نامہ لکھیں۔ ہو سکتا ہے میڈم پرانے تعلقات کی بنا پر آپ سے باز
پرس نہ کریں۔"
"اور تمہیں یہ پچیس ہزار روپے میں نے جھک مارنے کے لئے دیئے ہیں۔ یہ سب کچھ
تمہیں کرنا ہے کیسے؟" یہ تم جانو اور تمہارا کام۔"
"آپ معذرت نامہ مجھے لکھ دیں۔ میڈم سے بات کر لوں گا۔ اس کے بغیر کچھ ممکن
نہیں ہے۔"
"معذرت نامے کی ایسی تیسی تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ یہ معذرت نامہ عدالت میں
بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہرجانے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے مجھ پر۔ پاگل سمجھتے ہو تم مجھے۔"
فیاض احمد صاحب غرائے۔
"تو اور کیا کر سکتا ہوں میں۔" شامی نے کہا۔
"رفع دفع کر دو اس معاملے کو۔ رپورٹ لکھ دو کہ چند گز کپڑا غلطی سے باہر نکل گیا
ہے۔ بات ختم ہو جائے گی۔"
"اوہو۔ یہ مشکل ہے۔ آپ جانتے ہیں گارمنٹ سٹی میں کبھی بے ایمانی کا کوئی کام نہیں
ہوتا۔"
"پچیس ہزار روپے لے لئے جاتے ہیں خوشی سے۔" فیاض احمد کلکلائے۔
"وہ تو آپ نے مجھے پیش کئے ہیں۔" شامی بولا۔
"داماد لگتے ہو تم میرے۔ سلامی میں دیئے ہیں نا؟"
"ارے نہیں آپ بلا وجہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" شامی نے شرماتے ہوئے لہجے
میں کہا اور پھر میز سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا آپ میرے ساتھ آیئے' آیئے پریشان نہ ہوں۔"

فیاض احمد صاحب اس کے ساتھ چل پڑے مگر میڈم کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ خوف زدہ ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتے شامی نے میڈم کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اندر کچھ لڑکیاں' پروڈکشن انچارج وغیرہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ میڈم نے چونک کر شامی کو دیکھا۔

"سوری میڈم۔" آپ کے چند منٹ لینا ضروری ہیں۔ ان لوگوں کو آپ دوبارہ بلا لیں۔" شامی نے کہا۔

"ہوں۔ یہ سب کچھ ایسے ہی چھوڑ دو۔ تم لوگ جاؤ چائے وغیرہ پیو میں تمہیں دوبارہ بلا لوں گی۔" میڈم نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا اور سب باہر نکل گئے۔ "آیئے۔" وہ بولیں۔

"میرے ساتھ فیاض احمد صاحب بھی ہیں ایسٹرن کلاتھ اسٹور کے مالک۔" شامی بولا۔

"میاں صاحبزادے۔ تم جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیداوار ہو گارمنٹ سٹی میں۔ میڈم ہمیں سالہا سال سے جانتی ہیں۔ ہمارا تعارف کرا رہے ہیں۔ کہئے میڈم کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" فیاض احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کی دعائیں ہیں فیاض صاحب تشریف رکھئے۔"

"شکریہ۔" فیاض صاحب بیٹھ گئے۔

"آپ بھی تشریف رکھئے۔" میڈم نے شامی سے کہا اور وہ بھی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ "جی فرمایئے۔" اس نے شامی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میڈم آپ کے حکم کے مطابق میں نے ایسٹرن کلاتھ اسٹور سے معلومات حاصل کیں اس کو چیک کیا ہمارے رجسٹرڈ ڈیزائن کے کم از کم پچاس تھان باہر فروخت کئے گئے ہیں۔ اس کی انٹری مل گئی ہے۔ فیاض صاحب کا فرمانا ہے کہ تعلقات کی مجبوری سے ایسا ہو گیا تھا۔ انہیں اس غلطی کا احساس ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اس لئے بیچارے فیاض صاحب نے مجھے پچیس ہزار روپے بھی پیش کئے ہیں۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ کیا ہونا چاہئے۔" شامی نے پچیس ہزار روپے نکال کر میڈم کے سامنے رکھ دیئے۔

فیاض احمد کے بدن کا لہو خشک ہو گیا تھا۔ ان کی آواز ہی بند ہو گئی۔ اس کی امید نہیں تھی انہیں۔ میڈم نے ایک نگاہ شامی پر ڈالی پھر بولیں۔ "یہ شاید رشوت پیش کی گئی ہے آپ کو۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"تو آپ یہ رقم شکریہ کے ساتھ واپس کر دیں۔"

"جی بہتر' بے حد شکریہ فیاض صاحب۔" شامی نے نوٹ فیاض احمد کی طرف کھسکا دیئے۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا فیاض صاحب کہ اس مسئلے کا فیصلہ ہمارے

مارکیٹنگ منیجر صاحب کریں گے میں اس کا بالکل اختیار نہیں رکھتی۔ آپ نے انہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیداوار کہا ہے یہ صرف آپ کا خیال ہے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مضبوط ستون ہیں اور ہمیشہ رہیں گے آپ اپنی غلط فہمی دور کر لیجئے۔ اس کے علاوہ میرے لئے اور کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔" فیاض احمد صاحب تھوک نگل رہے تھے۔ اب ان کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔ بمشکل انہوں نے کہا۔

"مجھے میری تقدیر کا فیصلہ سنا دیا جاتا تو بہتر تھا۔ گارمنٹ سٹی سے کاروبار پر ایسٹرن کلاتھ اسٹور کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ اگر یہ کاروبار بند ہو گیا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ میں نے اس کے بھروسے پر لاکھوں روپے قرض لے رکھے ہیں۔ میں دیوالیہ ہو جاؤں گا۔" فیاض احمد آواز بھرا گئی۔

"فیصلہ صرف مارکیٹنگ منیجر صاحب کریں گے۔" میڈم سرد لہجے میں بولیں۔

"میں نے آپ سے عرض کیا تھا فیاض صاحب۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی اس نوکری میں' میں نے اندازہ لگایا ہے کہ گارمنٹ سٹی میں اصولوں کی عبادت ہوتی ہے۔ یہاں کاروبار سے زیادہ انسانی اقدار کا خیال رکھا جاتا ہے ہم یہ چاہتے ہیں آپ بھی اس کے لئے ہم سے تعاون کریں۔ ہم جو آپ سے طے کریں آپ اس کی پابندی کریں۔ ہمیں آپ کی تباہی منظور نہیں لیکن یہ پہلی اور آخری بدعہدی ہو۔ اس کے بعد آپ سے صرف معذرت کی جائے گی۔" شامی نے کہا تو میڈم کا منہ اچنبھے سے کھل گیا۔ فیاض احمد صاحب اچھل پڑے پھر انہوں نے مسرور لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ احتشام احمد صاحب۔ بے حد شکریہ۔ میں جا سکتا ہوں۔" وہ کرسی کھسکا کر کھڑے ہو گئے۔

"خدا حافظ۔" میڈم نے کہا۔ شامی نے جلدی سے نوٹ اٹھا کر فیاض احمد صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔

"آپ انہیں جیب میں رکھنا بھول گئے فیاض صاحب۔" اور فیاض صاحب نے شرمندگی سے نوٹ جیب میں ٹھونس لئے۔

میڈم نے کہا۔ "احتشام احمد صاحب براہ کرم مس مینا کو یہ کہتے ہوئے چلے جایئے کہ وہ لوگ آ جائیں۔ میں یہ کام ختم کر لینا چاہتی ہوں۔"

"جی۔" شامی نے آہستہ سے کہا اور باہر نکل گیا۔

□

ادریس صاحب نے بات ٹالی نہیں تھی۔ عکسہ کا انکشاف ان کی نگاہ میں بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی دن انہوں نے کوئی کام نکالا اور سجاد بیگ کو بلا لیا۔ سجاد مودبانہ انداز میں ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"بیٹھو سجاد میاں۔ یہ ایک فائل ہے اس کی تفصیل مجھے سمجھا دو۔"

"جی سر۔" سجاد نے کہا اور سادگی سے انہیں فائل کے کوائف بتانے لگا۔ سیٹھ ادریس کی گہری نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شریف الطبع اور ذہین۔ ان کا فیصلہ تھا۔ انہوں نے تفصیل سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کیا پھر بولے۔

"اپنی ملازمت سے مطمئن ہو۔"

"جی سر بہت زیادہ۔"

"کوئی تکلیف تو نہیں میاں۔"

"نہیں سر بالکل نہیں۔"

"کہاں رہتے ہو؟" انہوں نے پوچھا اور سجاد نے اپنے گھر کے بارے میں بتا دیا۔ "اور کون کون ہے گھر میں؟"

"والدین ہیں' تین بہنیں ہیں' ایک بھائی ہے سر۔"

"والد کیا کرتے ہیں؟"

"جی بس' ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہیں۔"

"بھائی۔"

"پڑھ رہا ہے۔"

"بہنیں شادی شدہ ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"گویا گھر کا سارا بوجھ تم پر ہے۔"

"جی سر' ابھی تو ایسا ہی ہے۔" سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارے وطن کا بڑا المیہ ہے۔ یہاں بیٹوں کی جگہ گدھے پیدا کئے جاتے ہیں۔ جوان ہوں بار برداری پر لگا دو۔ یورپ میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں سب اپنا اپنا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ماں باپ اولاد پیدا کئے جاتے ہیں یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کے وسائل کیا ہیں' مستقبل میں بوڑھے ہو کر وہ ان کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔ کچھ نہیں سوچتے۔ بیٹے بڑے ہوں گے پالیں گے ان کی اولاد کو' فرض ہے ان پر کہ ماں باپ کا کیا سمیٹیں اور خود کو فنا کر دیں۔ جوانی کتنے دن کے لئے آتی ہے۔ زندگی کا سب سے سنہری دور ماں باپ کی اولاد کو پالنے میں گزار دو اور خود بھی بوڑھے ہو جاؤ۔ سعادت مندی کا تقاضا ہے۔ خوب ہے بھئی۔"

"سر اس کا حل کیا ہے؟" سجاد نے جرات سے پوچھا۔

"بھائی کی عمر کیا ہے؟"

"مجھ سے دو سال چھوٹا ہے اس سے ایک سال چھوٹی بہن ہے پھر دوسری دونوں بہنیں۔"

"بھائی پڑھ رہا ہے۔"

"جی سر!"

"بہنیں بھی پڑھی لکھی ہوں گی۔"

"جی۔"

"یہ کام والدین کا ہے - پلاننگ ضروری ہے' نہیں کی تو ایک پر بوجھ ڈال دینا ناجائز ہے۔ لڑکیاں نوکری کرتی ہیں۔ وہ بھی کریں۔ بھائی جوان ہے ہمت کرے۔ نوکری کرے' پھر پڑھے' معاف کرنا سجاد میاں تمہارا گھریلو معاملہ ہے جس میں دخل دے رہا ہوں لیکن یہ ایک سچ ہے۔ سب مصروف ہو جائیں تو زندگی کے دوسرے دور کا آغاز ہو۔ اتفاق سے ملکہ اور دونیا نے تمہارا تذکرہ کیا تھا۔ ملکہ تو تم سے بہت متاثر ہے۔ تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو مجھے ضرور بتا دینا میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"

سجاد کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ادریس صاحب کے پاس سے واپس آ گیا تھا مگر یہ گفتگو اسے بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ کیا مطلب ہے ان باتوں کا دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا۔ خود کو سنبھالے نہ سنبھال پا رہا تھا۔

سیٹھ ادریس انٹرویو کر چکے تھے۔ پوری طرح پاس کر دیا تھا انہوں نے سجاد کو بس اپنے مشوروں کا نتیجہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا' مگر اس سلسلے میں ابھی انہیں کچھ اور عمل کرنا تھا۔

□

شام کو وہ معمول کے مطابق گھر واپس آ گئی۔ آج بھی خوش تھی جس کا احساس سب کو فوراً ہو گیا تھا۔ خوش ہوتی تو سب کو اچھی لگتی تھی سب سے ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتی تھی۔ ناصر نے نئے پودے لگوائے تھے۔ اس نے بتایا کہ بیگ صاحب نے اپنی نگرانی میں یہ سب کرایا ہے۔

"ابو آپ خوش ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں بڑے خوبصورت پھول ہیں۔ تم دیکھنا کیاریاں کتنی پیاری ہو جائیں گی۔"

"خدا کرے آپ ہمیشہ خوش رہیں۔" اس نے خلوص سے کہا۔

"رات ہو گئی۔ کھانے کے بعد کچھ دیر خوش گپیاں رہیں' پھر آرام کرنے چلی گئی۔ بستر پر لیٹی تو شاہی کا خیال آ گیا۔ شاہی ہی تھا جس نے اسے خوشی بخشی تھی۔ گارمنٹ سٹی کے لئے بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے اپنے خون پسینے سے بنائے ہوئے اس ادارے سے عشق تھا۔ وہ اس سلسلے میں بڑی حساس تھی۔ اس کے بارے میں ایک بھی برا لفظ سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ وہاں کا ماحول بھی اس نے ایسا ہی بنایا تھا۔ جتنے لوگ کام کرتے تھے انہیں پورا پورا تحفظ حاصل تھا ان کی تنخواہیں اتنی تھیں کہ موجودہ مہنگائی کے دور میں وہ گزارہ کر سکیں۔ کئی

بونس دیتی تھی۔ ہر طرح کے الاؤنس مقرر تھے ایسے ماحول میں ملازمین بھی وفادار اور
کیوں نہ ہوتے۔

مگر اسے تو کچھ نہیں ملا ابھی تک سوائے اپائنٹمنٹ لیٹر کے اور واقعی کچھ بے پروا
گئی اس سلسلے میں، کبھی غور ہی نہیں کیا اس پر۔ شوخ شریر سا نوجوان اس نے خود بھی
کبھی کچھ نہیں کہا سوائے لڑنے کے۔ اسے ہنسی آ گئی۔ لڑتا خوب ہے مگر، اس گارمنٹ
کے بارے میں کیسے عجیب جذبات کا اظہار کیا تھا۔ اس کے الفاظ اسے یاد تھے۔

"جمعہ جمعہ آٹھ دن کی نوکری میں، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ گارمنٹ سٹی میں اصو
کی عبادت ہوتی ہے۔ یہاں کاروبار سے زیادہ انسانی اقدار کا خیال رکھا جاتا ہے۔"

اسے کیسے یہ اندازہ ہوا۔ اس کے لئے تو میں نے کسی انسانی اقدار کا خیال نہیں رکھ
مجھے علم ہو گیا تھا کہ ڈیڑھ سال سے بے روزگار ہے۔ کہتا تھا کہ اسے نوکری ملنے کی ا
نہیں تھی۔ اس کا دوست درخواستیں لکھ کر ڈال دیا کرتا تھا۔ کیسے گزر بسر ہو رہی ہو گی
چارے کی، مگر صاحب ظرف ہے۔ بڑا آدمی ہے پچیس ہزار روپے جوتے کی نوک پر ا
دیئے۔ خاموشی سے پی سکتا تھا اور پھر اس کا فیصلہ کس قدر خود اعتمادی کا مظہر تھا۔ اس
پہلے رشوت ٹھکرائی پھر انصاف کیا۔ اچھا آدمی ہے۔ قابل قدر۔ ذہن پر بڑے اچھے اثرا
مرتب ہوئے تھے۔ شامی ہی نے اس کا موڈ بدلا تھا ورنہ اس خواب کے بعد وہ اداس تھی۔

پہلی جماہی آئی تو اس نے جلدی سے خواب آور گولیوں کی شیشی اٹھا لی اور چار گولیا
ہتھیلی پر رکھ کر پانی کے گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ اس رات خواب نہیں دیکھنا چا
تھی۔ ایسے خواب جو سب کچھ چھین لیں۔ جنہیں دیکھ کر دل سنسان ہو جائے۔ ماحو
تاریک ہو جائے اور اس کے بعد نفرت کے سوا کوئی احساس باقی نہ رہے۔ نفرت صر
نفرت۔ گولیاں کھا کر اس نے آنکھیں بند کیں اور کچھ دیر کے بعد سو گئی۔ صبح ہی کو ہو
آیا تھا۔

آنکھ کھول کر اس نے سورج کی پہلی کرن کو دیکھا اور دل میں مسرت کا احساس جا
اٹھا۔ اس رات اسے کوئی خواب نظر نہیں آیا تھا اور اس کی ذہنی کیفیت برقرار تھی۔
خواب اس سے سب کچھ چھین لیا کرتے تھے۔ وہ اٹھی اور غسل خانے میں داخل ہو گ
باہر نکلی تو فرزندی صبح کی چائے لے آئی تھی۔ اس نے خوف زدہ نگاہوں سے میڈم کو د
تھا۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ میڈم مسلسل دو تین دن تک خوش رہیں۔ اکثر یہ دیکھا تھا اس
کہ رات کو ہنستی ہوئی سوئی تھیں اور صبح کو توڑ پھوڑ پر آمادہ۔ ہر ایک سے بے زار ہر
کے لئے خونخوار۔ وہ ان باتوں کے عادی ہو گئے تھے لیکن بعض اوقات انہیں نقصانات
اٹھانا پڑتے تھے۔ فرزندی کو تو کئی فائدے بھی حاصل ہوئے تھے۔ وہ اپنی چیزیں لباس
پھینک دیا کرتی تھی اور فرزندی سے دوبارہ کبھی نہیں پوچھتی تھی کہ اس نے ان چیزوں

بیا۔ تاہم اس کی اچھی فطرت کی بنا پر اور اس بات پر کہ وہ ملازموں کا بہت خیال رکھتی ہے
اس کے تمام ملازمین اس سے محبت ہی کرتے تھے۔ فرزندی کو جب یہ یقین ہو گیا کہ حالات
بہتر ہیں تو وہ مسکرانے لگی۔

"کوئی خاص بات ہے فرزندی؟"

"نہیں میڈم۔ سب کچھ بالکل ٹھیک ہے۔"

"جاؤ۔" اس نے کہا اور فرزندی گردن جھکا کر چلی گئی۔ وہ چائے کے چھوٹے
گھونٹ لینے لگی تھی، پھر اس نے آج کے کاموں پر نگاہ دوڑائی۔ کافی دنوں سے کوئی ایسی
پارٹی اٹینڈ نہیں کی تھی جس میں شناساؤں سے ملاقات ہو۔ ویسے بھی اس کا حلقہ احباب
محدود تھا۔ کام کے کچھ لوگ، چند شناسا اور بعض اوقات کئی کئی دن تک مصروفیات رہا کرتی
تھیں۔ ناصر کو بلایا اور اس سے آج کے دن کے پروگراموں کے بارے میں پوچھنے لگی۔ ناصر
نے اسے بتایا کہ کوئی ایسا خاص کام نہیں ہے جس کی نشاندہی کرنا ہو پھر ناشتے کا وقت ہو گیا
اور ناشتے سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ ڈاکٹر اعجاز کے آنے کی اطلاع ملی۔ وہ ایک گہری سانس
لے کر مسکرانے لگی تھی۔ ڈاکٹر اعجاز کو اس نے طلب کر لیا اور ڈاکٹر اعجاز اپنے مخصوص انداز
میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"آپ کے آنے کا ایک وقت مقرر ہے ڈاکٹر صاحب اس کی کیا وجہ ہے؟"

"خاص وقت سے آپ کی کیا مراد ہے؟" ڈاکٹر اعجاز نے پوچھا۔

"گھڑی میں وقت دیکھ لیجئے۔ آپ عموماً اسی وقت آتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے
کہا۔

"بھئی عزت کسے عزیز نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر پہلے آپ ناشتا کر رہی ہوں گی۔ اگر
ناشتے کے وقت آ جاتا تو کہلوا دیا جاتا کہ باہر بیٹھیں۔ میڈم ناشتا کر رہی ہیں۔ کیا ہی بے عزتی
محسوس ہوتی، بھئی ناشتا تو ہر شخص گھر سے کر کے چلتا ہے لیکن لوگ چائے کے لئے تو پوچھ
لیا کرتے ہیں۔ یہاں بس کیا کہا جائے۔"

وہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "آپکو چائے کا اس قدر شوق کیوں ہے ڈاکٹر صاحب اور پھر چائے
بھی کوئی ایسی حیثیت رکھتی ہے جس کے لئے کوئی جی چرائے۔"

"اللہ ہی جانے۔ بس یوں سمجھ لیجئے اس وسیع و عریض کوٹھی میں ہمارے حصے کی کوئی
چیز نہیں ہے۔"

"ذلیل کر رہے ہیں آپ مجھے۔ چائے منگواتی ہوں میں آپ کے لئے۔"

"یادگار ہو گی۔ منگوا لیجئے۔" ڈاکٹر اعجاز بھی بلا کا انسان تھا۔ اس نے فرزندی کو بلا کر
ڈاکٹر اعجاز کے لئے چائے طلب کی تھی اور اپنے لئے بھی۔ ڈاکٹر اعجاز پر مسرت انداز میں اسے
دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"برا تو نہیں مانیں گی اگر کچھ کہوں؟"

"نہیں مانوں گی۔" اس نے جواب دیا۔

"خدا کے فضل سے دو یا تین دن ہو گئے۔ مطلع بڑا صاف ہے' بادلوں کا آسمان
نشان نہیں ہے۔ کوئی خاص وجہ ہے اس کی۔"

"کیاخاص وجہ ہو سکتی ہے ڈاکٹر؟"

"نہیں میرا مطلب وہ کونسی ایسی خوشگوار کیفیت ہے جس نے یہ افاقہ کیا ہے
آپ میرا موڈ خراب کر دیں گے ڈاکٹر۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ارے نن..... نہیں' خدا کی قسم نہیں' خدا خدا کر کے تو چائے کی امید ہوئی ہے
غلطی شاید میری ہی ہے ابتدا ہی غلط گفتگو سے کر دیتا ہوں اور معاملہ چوپٹ ہو جاتا
سوری میڈم آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"آپ بہت باظرف اور مخلص انسان ہیں ڈاکٹر صاحب واقعی میں آپ سے بہت مت
ہوں۔" اس نے کہا اور ڈاکٹر اعجاز کی آنکھیں چڑھ گئیں۔

"عموماً سوچتی ہوں کیسے کیسے اچھے ساتھی مل گئے ہیں مجھے۔ کس طرح آپ سب
برداشت کر لیتے ہیں۔ کوئی اور ہو تو تھوک کر چلا جائے میرے چہرے پر' لیکن آپ سب
برداشت کر لیتے ہیں سب کچھ۔"

"چائے آنے سے پہلے کچھ نہیں بولوں گا۔ بولوں گا ہی نہیں۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا
وہ ہنسنے لگی پھر ایک دم چونک کر بولی۔

"ایک بات بتایئے ڈاکٹر۔"

"جی۔"

"وہ آپ کی بیگم کے بہنوئی کے بھائی کہیں ملازمت پر لگے یا نہیں؟"

"ہاں لگ گئے ہیں۔"

"سچ بتایئے؟"

"واقعی' مگر آپ نے کیوں پوچھا۔ کیا وہ پوسٹ پھر خالی ہو گئی ہے؟"

"ارے نہیں اس جگہ کے لئے تو ایک اتنا اچھا آدمی مل گیا ہے مجھے کہ بتا نہیں
کیا شخصیت ہے ملیں گے تو لطف آ جائے گا۔"

"ضرور ملوں گا۔ آپ جس کی تعریف کریں وہ باکمال شخص ہو گا۔"

"بہت نفیس انسان ہے۔" اس نے کہا۔ شامی اسے یاد آ گیا تھا۔ وہ چائے کے گھونٹ
لیتے ہوئے مسکراتی رہی تھی۔ ڈاکٹر اعجاز چائے کی پیالی کی اوٹ سے اسے بغور دیکھتا رہا
ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ دفتر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ عمدہ سفید ساڑھی میں ملبوس وہ
حد پروقار لگ رہی تھی۔ دراز قامت' انتہائی سڈول اور متناسب جسم اگر موڈ درست ہو

تو بے حد دلکش لگتی تھی۔ کار گارمنٹ سٹی جا کر رکی اور وہ دفتر میں داخل ہو گئی۔
ذکی صاحب اور مس مینا آئیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بہت سے امور ڈسکس
ہوئے' وہ کافی مصروف رہی' بے شمار کام نمٹائے اور ان میں پھنس کر سب کچھ بھول گئی۔
فیکٹری کے گشت پر نکلی اور لمبا چکر لگا کر واپس دفتر جا رہی تھی کہ شامی نظر آ گیا۔ وہ ٹھنک
گئی۔ چند فائل بغل میں دبائے ذکی صاحب کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے بغور اسے
دیکھا۔ سفید پتلون جس کے بارے میں ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ صاف ستھری ضرور ہے
لیکن بہت زیادہ استعمال کی ہوئی اور پرانی ہے' ہلکے آسمانی رنگ کے معمولی کپڑے کی قمیص۔
وہ آفس میں داخل ہو گئی۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا۔

"جی میڈم۔" چپراسی نے ادب سے کہا۔

"احتشام صاحب کو بلاؤ۔" وہ بولی اور چپراسی چلا گیا۔ شامی فوراً ہی آ گیا تھا۔ کسی اور کو
نہ آنے دینا میں مصروف ہوں۔ ذکی صاحب کو بھی نہیں۔" اس نے حکم دیا اور چپراسی گردن
ہلا کر چلا گیا۔

"بیٹھیے شامی۔" اس نے کہا اور بے اختیار مسکرا دی۔ شامی چونک کر اسے دیکھنے
لگا۔ "کیوں کیا بات ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ۔ آپ غلطی سے مجھے شامی کہہ گئی ہیں میڈم۔" شامی نے اسے یاد دلاتے ہوئے
کہا۔

"آپ کو ناگوار گزرا ہے۔"

"نہیں۔ بے اصولی پر حیران ہوں۔"

"شامی صاحب۔ آپ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے الفاظ کے استعمال کا خیال نہیں
رکھتے۔"

"خیال رکھوں گا تو آپ ناراض ہو جائیں گی۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کے سوالات کے جواب میں خاموشی ہی اختیار کرنا پڑے گی جو آپ کو پسند نہیں
آئے گی۔"

"خاموشی کیوں؟"

"ہر سوال کا ایک جواب ہوتا ہے میڈم لیکن اگر جواب پر ہاں میں ہاں ملائی جائے تو پھر
وہ بددیانتی ہو جاتی ہے۔ جانتی ہیں کسی کی ساتھ بددیانتی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔"

"نہیں میں نہیں جانتی۔" وہ شامی کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"خیر اب ایسی بات تو نہیں ہو سکتی میڈم۔ بات اصل میں یہ ہے کہ سوال کا صحیح جواب
دینا ضروری ہوتا ہے۔ آپ نے خود ہی مجھ سے یہ بات کہی تھی اور اب آپ اس کی خلاف

ورزی کر رہی ہیں۔"

"شامی صاحب، آپ اتنے لڑتے کیوں ہیں؟"

"نہیں میڈم سوری، اگر آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں آپ سے لڑ رہا ہوں آپ یقین کیجئے مجھے اس کا افسوس ہو گا۔ اصل میں میری فطرت میں یہ خرابی ہے کہ جو دل میں آتا ہے وہ کہہ دیا کرتا ہوں۔"

"نہیں یہ خرابی تو نہیں ہے یہ تو بہت بڑی اچھائی ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ بڑا الجھا ہوا دور ہے میڈم، آدمی کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کس وقت اسے کیا بولنا چاہئے۔"

"اچھا خیر چھوڑیئے، میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ آپ کا مطلب ہے کہ اگر کسی کے سوال کے جواب میں کوئی شکر میں لپٹی ہوئی بات کہہ دی جائے تو وہ ایماندارانہ بات نہیں ہوتی۔"

"بالکل بالکل آپ یقین کیجئے۔ میرا یہی نظریہ ہے آپ اگر اسے ناپسند کریں گی تو میں کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہو حالانکہ مجھے بڑی مشکل ہو گی۔ فراز کہتا ہے کہ میں اس دور کے لئے بالکل ان فٹ ہوں۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ وہ میری نوکری کی جانب سے ہمیشہ تشویش زدہ رہتا ہے۔ اگر میں اس سے جھوٹ بھی کہہ دوں کہ میری نوکری چھوٹ گئی ہے تو وہ ٹھنڈی سانس لے کر صبر کر لے گا، لیکن میری بات کو جھوٹا نہیں سمجھے گا۔"

"اچھا وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ میری عادت جانتا ہے لوگ مجھے پسند بہت کم کرتے ہیں، نفرت زیادہ کرتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں، دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے ویسے مسٹر شامی اصل میں آج سے اچانک میں نے اپنا نظریہ تبدیل کر دیا ہے۔ آپ کو شامی کہتے ہوئے زیادہ اچھا لگتا ہے آپ مجھے اس کا حق دیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔ آپ ہی نے ایک طریقہ کار اختیار کیا تھا لیکن آپ اطمینان رکھئے مالک اور ملازم کا رشتہ ہر حال میں قائم رہے گا۔ میں آپ کو میڈم کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔"

"اس کے لئے میں آپ کی شکرگزار رہوں گی مسٹر شامی۔ اچھا یہ بتایئے۔ آپ کی ذمہ داریاں کیسی چل رہی ہیں؟"

"یہی میں آپ سے عرض کرنے والا تھا کہ آپ مجھ سے یہ سوال پوچھیں تو میں آپ کو جواب پیش کروں۔"

"چلئے میں نے پوچھ لیا ہے یہ سوال آپ سے۔"

"اصل میں میڈم، گارمنٹ سٹی میں نیک اور ایماندار لوگ ہیں۔ میں اس کا جائزہ لے چکا ہوں۔ زکی صاحب بھی بہت نفیس انسان ہیں، لیکن بدقسمتی سے سب ہماری طرح سوچنے والے نہیں ہیں۔ اب جیسے فیاض صاحب کا معاملہ لے لیجئے خیر میں نے انہیں کافی ٹائٹ کر رکھا ہے، اپنے رجسٹرڈ ڈیزائنوں کی ایک فہرست انہیں دوبارہ بھجوا دی ہے اور تحریری تاکید کر دی ہے کہ اب کسی مروت میں بھی یہ ڈیزائن باہر نہیں جانے چاہئیں۔ اس کے علاوہ میڈم پرچیز ڈیپارٹمنٹ کے کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کے ہاں سے ہمارے پاس کافی مال آتا ہے۔ میں آپ سے ایک اجازت بھی چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس مال کے سلسلے میں ایک غیر متعلق شخص کی حیثیت سے میں مارکیٹ کا سروے بھی کروں گا اور اس کے لئے مجھے آفس سے چھٹی درکار ہو گی۔ یہ سروے کرنے کے بعد ہم جن لوگوں سے جو کچھ پرچیز کرتے ہیں اس کی قیمتوں کا تعین کریں گے اب دیکھئے نا معمولی معمولی سی چیزیں ہیں۔ مثلاً دھاگا، بٹن، ریشم کی مصنوعات پھر امبرائڈری کے لئے جو کام ہوتے ہیں ان سب کے ریٹس مقرر ہیں۔ جو لوگ یہ کام ہمارے ہاں ہونے والے کام سے کم قیمت پر کر رہے ہیں وہ بھی کچھ نہ کچھ کما رہے ہوں گے۔ اگر ہمارے لئے کام کرنے والے ہم سے زیادہ رقم وصول کرتے ہیں تو ہم انہیں یہ زیادہ رقم کیوں ادا کریں۔ ہمارے ہاں تو ویسے بھی پرافٹ کا مارجن کم رکھا گیا ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ آپ تو بہت جلد بہت بڑے کاروباری ہوتے جا رہے ہیں۔"

"اصل میں میڈم آپ سے تنخواہ ملے گی مجھے اور پھر میرا نیا نیا کام ہے آپ کو بہتر کارکردگی دکھاؤں گا تو مجھے بھی فائدے حاصل ہوں گے۔ میں کسی کا حق نہیں مارنا چاہتا، آپ کو اندزہ ہو گا اس بات کا لیکن کوئی ہمیں بے وقوف بنائے یہ تو غیر مناسب بات ہے پھر جناب احتشام احمد شامی صاحب بیکار کے مارکیٹنگ منیجر ثابت ہوں گے۔ ایسے تو بہت سے ہیں جو اپنا کام چلا لیتے ہیں۔ کمپنی کو فائدہ ہو یا نہ ہو۔"

"میں پہلے ہی تسلیم کر چکی ہوں کہ آپ ایک بہت ہی اچھے انسان ہیں اور مجھے آپ پر مکمل بھروسہ ہے۔ اچھا اب آپ مجھے ایک بات بتایئے آپ کے اپنے مسائل کیا ہیں؟"

"شش.... شیخ عظمت حسین۔" شامی نے کہا اور بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کون صاحب ہیں؟"

"ہمارے مالک مکان۔" شامی نے جواب دیا۔

"چائے پئیں گے آپ؟" اس نے سوال کیا اور شامی چونک کر اسے دیکھنے لگا، پھر حیرانی سے بولا۔

"آپ کے ساتھ؟"

"ہاں ہاں یہ بتایئے پئیں گے یا نہیں؟"

"چائے ایسی چیز ہے میڈم کہ اس کے بارے میں کبھی منع کرنا گناہ ہے۔"

"اس نے انٹر کام کا بٹن دبایا اور بولی۔ "شامی صاحب ہمارے کمرے میں ہیں ہم دونوں کے لئے چائے بھجوا دو۔" انٹر کام بند کر کے اس نے مسکراتی نگاہوں سے شامی کو دیکھا اور بولی۔ "تو آپ کے مالک مکان شیخ صاحب آپ کے لئے مسئلہ ہیں؟"

"مسئلہ واحد ہے، آپ انہیں مسائل کہہ سکتی ہیں۔"

"کیوں؟"

"ذرا موضوع سے ہٹ کر بات ہو جائے گی۔ اگر آپ کا حکم ہو تو کچھ تفصیل بتاؤں ان کے بارے میں؟"

"میں موضوع سے ہٹنا ہی چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"محترم شیخ عظمت حسین صاحب عالمی سیاست پر دسترس رکھتے ہیں۔ مذہب، معاشیات، عمرانیات، غرض ہر وہ موضوع جو موضوع کی شکل رکھتا ہے اس پر وہ اتھارٹی ہیں۔ بداخلاقیات کے بھی ماہر ہیں۔"

"بداخلاقیات۔"

"جی ہاں۔ آپ کے کچن میں اگر اتفاق سے اچھے سالن پکنے کی خوشبو آ جائے تو شیخ صاحب نیچے ہی نیچے اپنے پورے اہل خاندان کو آپ کے ہاں دعوت دے دیں گے اور نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ بعد میں خالی ہانڈی ہی کو گھورتے رہ جائیں گے۔ شیخ صاحب کا حق بنتا ہے، کرایہ دو دن لیٹ ہو جائے تو نلوں کا پانی بند، پائپ لائن کی کھدائی ہو رہی ہے اور سرکاری طور پر پانی بند ہے وہ کیا کریں، لیکن سرکاری طور پر پانی بند نہیں ہوتا بلکہ غیر سرکاری طور پر اوپر کے والو بند ہو جاتے ہیں کیونکہ کرایہ دو دن لیٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ محترمہ شیخانی صاحبہ ہیں پھر عزیزہ شمسہ ہیں جن کی نگاہوں کے زاویئے غیر درست ہونے کی وجہ سے عموماً مس فائرنگ ہوتی رہتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بے اختیار ہنستے ہوئی بولی۔

"بھینگی ہیں محترمہ۔"

"ارے توبہ۔ کیا واقعی یہ سب آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"میڈم جھوٹ بالکل نہیں۔"

"بڑی دلچسپ بات ہے آپ کی۔ اچھا تو پھر؟"

"اب آپ سوچئے مسائل کا یہ انبار شیخ صاحب لاتعداد زیادتیاں کرتے رہتے ہیں، لیکن فراز کہتا ہے کہ یہ سارے مسائل بھگتنے پڑتے ہیں، کیا کیا جائے۔"

"ہوں۔ فراز صاحب کیا کرتے ہیں؟"

"یہ تو شاید میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میرا تایا زاد بھائی ہے اور ایک دفتر میں ہیڈ کلرک

ہے۔"

"والدین کہاں ہیں آپ کے؟"

"اس شہر میں نہیں ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نوکری کے لئے گھر سے نکل پڑے ہیں۔ ویسے بھی والدین کو بہترین سہارا دینے کا ذریعہ یہی ہے کہ ان کی مالی امداد کی جا سکے۔ پہلے تو بیچارہ فراز سارے مسائل سمیٹے ہوئے تھا لیکن اب انشاء اللہ میں بھی اس میں بھرپور حصہ لوں گا۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں آپ شامی صاحب۔ واقعی بہت دلچسپ ہیں اچھا ہاں سنئے ابھی تو آپ نے اپنی سروس جوائن کی ہے سیلری ملنے میں بہت دیر لگے گی۔ ہماری فرم لون بھی دیا کرتی ہے آپ یوں کریں اکاؤنٹنٹ صاحب سے مل کر لون کی بات کر لیں۔ دس بیس ہزار روپے لے لیجئے ان سے اور اس کے بعد یہ طے کر لیجئے کہ ماہانہ اپنی تنخواہ میں سے کیا کٹوا سکتے ہیں۔ آپ کی عارضی مشکلات حل ہو جائیں گی۔"

"تجویز اچھی ہے میڈم لیکن فراز سے مشورہ کئے لیتا ہوں۔ ویسے ایک بات آپ کے ذہن نشین کر دوں۔ برا نہ مانئے گا۔" ملازم نے چائے لاکر رکھی اور ایک ایک پیالی بنا کر دونوں کے سامنے سرو کر دی۔ جب وہ چلا گیا تو میڈم نے کہا۔

"ہاں کیا؟"

"اصل میں آپ لون تو مجھے دے دیں گی لیکن کیا آپ کو مجھ پر مکمل بھروسا ہے؟"

"کیا مطلب۔ آپ کو یہ احساس کیسے ہوا کہ مجھے آپ پر بھروسا نہیں ہے۔"

"نہیں، نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں صاف گوئی سے سب کچھ کہہ دینے کا عادی ہوں۔ آپ کا موڈ اس وقت ٹھیک ہے کسی وقت خراب ہوا اور آپ نے مجھے نوکری سے نکال دیا تو لون کی رقم تو ڈوب ہی جائے گی آپ کی۔ آپ ایسا رسک نہ لیجئے گا۔"

"نہیں، نہیں۔ اس کے بجائے میں آپ کو یہ اطمینان دلا دوں کہ آپ کو نوکری سے کبھی نہیں نکالا جائے گا آپ کو یاد نہیں میں نے فیاض صاحب کے سامنے کیا جملے کہے تھے؟"

"ہاں میں نے اس بارے میں فراز کو بتایا تھا۔ فراز یقین ہی نہیں کر رہا تھا اصل میں اسے میری باتوں پر یقین کم ہی آتا ہے۔"

"آپ اطمینان سے جتنا لون چاہئے، لے لیجئے۔ اچھا ہو گا کہ آپ کے مسائل ہی دور ہوں گے۔ کم از کم گارمنٹ سٹی کے ایک اچھے عہدے دار ہونے کے ناتے سے آپ کو کچھ فائدے ہی پہنچیں گے۔"

"بے حد شکریہ، لیکن زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ فراز سے بات کر لوں۔"

"ضرور کر لیجئے گا۔" شامی چائے پیتا رہا اور اس کے بعد وہ بولی۔ "اب آپ جائیے شامی صاحب بہت بہت شکریہ اس کمپنی کا۔"

شامی سلام کر کے باہر نکل گیا اور وہ دیر تک دروازے کو دیکھتی رہی اس کے بعد بے اختیار مسکرا دی۔

□

نکسہ نے دونیا کو کہنی ماری اور دونیا کوئی کتاب پڑھتے پڑھتے چونک پڑی۔

"کیا ہوا؟"

"غصہ آ رہا ہے۔"

"کس پر؟"

"تم پر۔" دونیا نے کتاب میں نشانی لگائی اور اسے بند کر کے ایک جانب رکھ دیا۔ بولی۔

"وجہ۔"

"یار دونیا۔ اس دنیا میں خلوص نام کی شے اول تو باقی ہی نہیں رہی۔ رشتے ناتے سب دفن ہو چکے ہیں کوئی رشتہ مشکل ہی سے ایسا رہا ہو جس پر اعتبار کیا جا سکے لیکن اگر غلطی سے کسی سے مخلص ہو بھی جائے تو دوسرا اس خلوص کو تسلیم نہیں کرتا اب ایسے لمحات میں غصہ نہ آئے تو کیا ہو؟"

"حضور کی منطق کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تم بظاہر کتاب پڑھ رہی ہو لیکن میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ۔ کیا واقعی کتاب پڑھ رہی ہو؟"

"ارے مطلب کیا ہے تیرا؟"

"نہیں نہیں تم قسم کھاؤ پہلے۔"

"نکسہ کیوں زچ کر رہی ہو؟"

"کتاب پڑھ رہی تھیں کہ نہیں یہ بتاؤ؟"

"پڑھ تو رہی تھی۔"

"اور دماغ میں کس کا خیال تھا؟" نکسہ نے کہا تو دونیا ہنس پڑی۔

"تجھ سے جیتنا بہت مشکل ہے۔"

"نہیں۔ میرے سامنے جیتو تو اس طرح جیتو کہ دل میں خلوص اور سچائی ہو۔"

"اچھا بابا معافی چاہتی ہوں۔"

"تو پھر بتاؤ کیا سوچ رہی تھیں؟"

"کیا بتاؤں تجھے؟"

"کیا میں اس قابل نہیں ہوں؟"

"نہیں نکسہ اس بات کا فیصلہ تو خود کرے کہ میرے دل میں تیرا کیا مقام ہے۔ بہنوں میں بے شک پیار ہوتا ہے لیکن تو سچ جان' میں تجھ سے جیسا پیار کرتی ہوں اور تو میری دوست بھی ہے۔ میری ہمدرد اور مخلص بھی۔ بہت سے رشتے ہیں تجھ سے۔"

"تو پھر دل کی بات مجھ سے چھپائی کیوں جاتی ہے؟"

"چل مان لیتی ہوں اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"سجاد صاحب کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"کیا؟"

"حقیقت تو یہ ہے نکسہ کہ یہ آگ بھی تو نے ہی لگائی ہے میرے دل میں۔ خدا کی قسم اس انداز میں سوچا بھی نہیں تھا۔ بس ایک واقعہ تھا گاڑی خراب ہو گئی تھی' ہماری فرم کا ایک شخص ہمیں گھر تک چھوڑنے آیا۔ راستے میں تو نے جو فضول باتیں شروع کر دیں میرا ذہن انہی باتوں میں الجھ گیا۔ ویسے سجاد خود بھی دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ دلوں میں اتر جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن اگر اس سلسلے کی ابتدا ہی نہ ہوتی تو شاید میرے ذہن میں کبھی انکا خیال نہ آتا۔"

"بھئی ہمیں مستقبل سنوارنا ہے اگر ہمیں ہماری پسند کے لوگ نہ ملے اور ہم والدین کے کسی تجربے کا شکار ہو گئے تو تم سوچو زندگی میں کیا خاک لطف آئے گا اور پھر میں ایک بات بتاؤں دونیا میرا تجربہ تم سے زیادہ بے شک نہیں ہے لیکن تمہارا تجربہ بھی میرے برابر ہی ہو گا۔ ہم مالی طور پر خوشحال لوگ ہیں۔ ماں باپ کی چاہتوں میں پروان چڑھ رہے ہیں اگر ہم اپنی ہی جیسی حیثیت کے کسی خاندان میں چلے جاتے ہیں تو ہمارا کوئی خاص مقام نہیں ہو گا وہ لوگ خود ہماری ٹکر کے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ہمیں اچھے لوگ ملیں اور ہمیں اپنے برابر کا درجہ دیں لیکن اس میں مزہ نہیں آتا۔ اپنی حکمرانی کی بات ہی اور ہوتی ہے۔"

"خدا کی پناہ' تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھ لیں۔"

"دنیا اب اس قدر ناواقفیت کی جگہ نہیں رہ گئی ہے دونیا۔ بہت سی باتیں دوسرے لوگوں کے حالات دیکھ دیکھ کر خود ذہن میں آتی ہیں۔ میری اس سوچ میں کوئی بہت زیادہ منطق نہیں ہے' ایک عام تصور ہے۔ تم خود بتاؤ غلط ہے؟"

"غلط ہی تو نہیں ہے۔ اسی لئے حیران ہوں۔"

"اپنے سے ذرا ہلکی سطح کے لوگ ہوں تو اپنی برتری قائم رہتی ہے شوہر کو بے شک شوہر کی حیثیت دو لیکن اگر ایک احساس تمہارا اپنا حصہ رہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور وہ احساس یہ ہو کہ شوہر اپنی حیثیت تمہاری وجہ سے محسوس کرے۔"

"بات بڑی گہرائی کی ہے۔"

"سجاد بھائی بہت اچھے انسان ہیں اور ہر طرح سے درست' خوبصورت' اچھی گفتگو کرنے والے' جاذب نگاہ اگر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے ممنون کرم بھی ہوں تو ہمیشہ ہم سے تعاون کریں گے اور پتا چلے گا کہ کوئی سالی ہے' کوئی بہنوئی ہے' کوئی بیوی یا سمجھیں؟"

"تو نے انہیں سجاد بھائی کہنا شروع کر دیا؟"

"جی میڈم میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکی ہوں اس دوران۔"

"مثلاً؟"

"بھئی وہ ہم دونوں سے ایک ساتھ ہی ملے تھے۔ ہمارے بعد کی ملاقاتیں بھی تقریباً ایک ساتھ ہی ہوئیں۔ میں نے سوچا ذرا انہیں بھی اندر سے ٹٹول لیا جائے۔ ایک دن میں نے کمال کر ڈالا ان سے۔ بڑا بھیانک جواب دیا کہ میں تو ہل کر رہ گئی تھی۔"

"کیا؟"

"میں نے پوچھا کہ آپ ہم دونوں میں سے کس کو پسند کرتے ہیں۔ کہنے لگے تمہیں۔ میں تو واقعی گڑبڑا گئی تھی وضاحت نہ کرتے تو پریشان ہو جاتی۔"

"کیا وضاحت کی انہوں نے؟"

"کہنے لگے کہ میری تین بہنیں ہیں اور اب چار ہو گئی ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے' انہوں نے پانچ نہیں کہا۔ یعنی چوتھی بہن میں۔ آپ بھلا بہن کہاں ہو سکتی تھیں؟" دونیا ہنس پڑی۔

"آفت کی پر کالہ ہے تو کیا کیا باتیں کر ڈالتی ہے اجنبی لوگوں سے؟"

"پھر وہی بے ایمانی۔ اجنبی لوگ؟"

"نہیں بھئی' مگر عکسہ تو نے جو چکر چلایا ہے گڑبڑ بھی کر سکتا ہے یہ' بات اگر حد سے بہت آگے نکل گئی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گی۔"

"وہ کیسے میڈم؟"

"ڈیڈی اور ممی کا بھی معاملہ ہے۔"

"میں نے ڈیڈی سے بات کر لی ہے۔"

"کیا؟" دونیا اچھل پڑی۔

"میں نے ڈیڈی سے بات کر لی ہے۔"

"کک۔ کیا بات کی ہے؟" دونیا نے سوال کیا اور عکسہ نے باپ سے ہونے والی ساری گفتگو اس کے سامنے دہرا دی۔

"پھر ڈیڈی نے کیا کہا؟"

"ہاں ہم داؤ چلائیں اور ہمارا مدمقابل چت نہ ہو جائے۔ میں نے ڈیڈی کے دل کے گوشے کافی نرم کر لئے ہیں۔ میرا خیال ہے کچھ کام بنے گا۔"

اتفاق سے اسی رات کھانے کی میز پر کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سیٹھ ادریس نے دونوں بیٹیوں کے سامنے یہی موضوع چھیڑ دیا۔ بیوی سے وہ پہلے ہی اس پر گفتگو کر چکے تھے۔ دونیا بھی سامنے تھی۔ عکسہ سے بولے۔

"ہاں بھئی ہماری گھر کی بزرگ خاتون آپ نے ہم سے سجاد کا تذکرہ کیا تھا۔"

دونیا تو ایک دم سن سی رہ گئی لیکن عکسہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"جی ڈیڈی۔"

"سجاد اچھا لڑکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے ہر طرح سے درست' لیکن چند ضروری مسائل ہوتے ہیں جو بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان مسائل پر نظر ڈال لینا بھی ضروری ہے۔"

"آپ مجھ سے بات کیجئے ڈیڈی۔" عکسہ نے کہا۔

"آپ ہی سے مخاطب ہوں میڈم۔ مسئلہ یہ ہے کہ سجاد سے میں مل چکا ہوں اب جب تم نے یہ بات میرے کانوں تک پہنچائی تو میں نے اسے دوسری نگاہ سے دیکھا اچھا لڑکا ہے ذہین' سمجھدار اور میرے خیال میں ترقی کی راہوں پر جانے والا' لیکن عکسہ ترقی پانے کے لئے سہارے درکار ہوتے ہیں کہیں مضبوط اور کہیں کمزور سہارے' آدمی اپنی فطرت کے مطابق سفر ضرور کرتا ہے۔ سہارے کمزور ہوں تو منزل دور رہتی ہے اور اس تک پہنچنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے' مضبوط سہارے ہوں تو آسانیاں ہو جاتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سجاد کی ذہنیت کا اندازہ کیسے ہو؟ اپنے طور پر تو میں یہ کر نہیں سکتا نہ ہی اس کے لئے میرے پاس وقت ہے۔"

"ہمیں اسکے بارے میں کیا معلوم کرنا ہے ڈیڈی؟"

"بھئی دیکھو ہماری ایک سوسائٹی ہے۔ ہمارا اسٹیٹس ہے' ہمارا مقام ہے مگر جس سطح کے لوگوں سے ہمارا ملنا جلنا ہے اگر ہم نے سجاد کو اس حیثیت سے قبول کر لیا تو یہ بھی تو دیکھنا پڑے گا کہ سجاد اپنے آپ کو اس سوسائٹی میں موو کر سکتا ہے یا نہیں' میری ایک رائے ہے اس سلسلے میں۔ سجاد کو اپنے ساتھ تقریبات میں مدعو کرو۔ لوگوں کے درمیان لے جاؤ اور اس کے بارے میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ وہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو ان لوگوں میں ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔"

"یہ کونسا مشکل کام ہے ڈیڈی۔ آپ اس کی ذمے داری مجھ پر چھوڑ دیجئے۔"

"تب میں نہایت محتاط طریقے سے اس کی اجازت دیتا ہوں اصل میں ہمیں مرحلے وار چلنا ہو گا۔ پہلے مرحلے میں اس کا جائزہ لے لیا جائے۔"

"تو پھر اس میں برائی کیا ہے۔ سالگرہ آ رہی ہے دونیا کی ذرا دھوم دھام سے منا[ئیے]
اور سجاد صاحب کو بھی بلا لیجئے۔"

"یہاں مسئلہ کچھ اور رہے گا۔ سالگرہ میں بے شک اسے بلا لیا جائے گا لیکن یہاں [وہ]
اپنے آپ کو ہماری فرم کا ملازم سمجھ کر آئے گا۔ دوسرے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ باہر [کی]
پارٹیوں میں اسے ٹرائی کرو۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی اس کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔" سیٹھ ادریس نے دونیا سے کہا۔

"اور تم نے سمجھ لیا ہو گا دونیا میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اصل میں عکسہ نے مجھ سے اس
بارے میں بات کی تھی۔ بیٹے میں تو خود یہی چاہتا ہوں کہ تم دونوں کو زندگی کی تمام خوشیا[ں]
دوں جو میرے بس میں ہوں۔ میں ایک روایتی باپ کی طرح تمہارے لئے مسئلہ نہیں بن[نا]
چاہتا حالانکہ تمہاری ممی کا کہنا ہے کہ اسٹیٹس ایک چیز ہوتی ہے، لیکن مجھے اپنی بچیوں کی
خوشیاں عزیز ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ماحول میں بگاڑ نہ ہونے دیں۔ تم لوگ
اپنے اپنے طور پر یہ کوشش کر سکتی ہو۔ میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ آج عکسہ نے تمہارے
لئے اپنی خواہشوں کا اظہار کیا ہے تو کل کا دن تم بھی عکسہ کے بارے میں اسی انداز میں
سوچنا، تمہارا باپ تم سے تعاون کرے گا۔" سیٹھ ادریس کھانے کی میز سے اٹھ گئے۔ دون[یا]
اور عکسہ بھی اٹھ آئیں، لیکن اس گفتگو نے دونوں کو بے خود کر دیا تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے دونیا کہ ہمارے ڈیڈی بہت اعلیٰ ظرف انسان ہیں۔ عا[م]
باپوں سے بہت مختلف۔" دونیا نے بھی اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ جتنی آزادی گھر سے ل[ی]
تھی اس کا صحیح استعمال کرنا چاہتی تھیں۔ دونیا نے عکسہ سے پوچھا۔

"اب یہ بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"ابتدائی طور پر ہم انہیں تحائف پیش کرتے ہیں۔ ایسا کرتے ہیں کہ دو سوٹ خرید[یں]
اور اپنے اپنے طور پر انہیں پیش کریں۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں بھئی۔ ڈیڈی نے ہماری ذمے داری یہ بھی تو لگائی ہے کہ ہم سوسائٹی میں
موو کرا کے سجاد صاحب کا جائزہ لیں اور یہ بہت اچھی بات ہوئی ہے کہ ہمیں گھر سے اجازت
مل گئی ہے اگر کہیں کوئی خامی ہوئی تو اسے ابتدائی طور پر ہی سنبھال لیں گے اور سجاد صاحب
کو بتا دیں گے۔"

دونیا نے محبت بھرے انداز میں عکسہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

□

شیخ عظمت حسین نے اہلیہ محترمہ کو دیکھا اور پرخیال انداز میں بولے۔

"بہت دیر سے محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں۔"

"آئے ہاں۔ ان دنوں نجانے کیوں ایک خیال بار بار دل میں آنے لگتا ہے۔"

"کیا کوئی ایسی ہی پوشیدہ بات ہے جس کا ہمارے کانوں تک پہنچنا غیر مناسب ہو؟"

"تو کیا ایسی بات کوئی ہو سکتی ہے؟"

"تو پھر اب تک ہمیں بتائی کیوں نہیں گئی؟"

"میں سوچتی تھی کہ آپ خود ہی اس موضوع پر بات کریں گے۔"

"بھئی کوئی سیاسی موضوع ہے، سماجی یا معاشرتی موضوع ہے۔ آپ کو پتا ہے ہم سے
بڑا نکتہ داں ذرا مشکل ہی سے ملے گا آپ کو۔"

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں آپ تو کچھ سوچتے ہی نہیں۔ شمسہ کو نظر بھر کر دیکھا ہے
کبھی؟"

"شمسہ۔" شیخ صاحب حیرانی سے بولے۔

"تو اور کیا؟"

"خدانخواستہ کیا ہوا اسے، تندرست و توانا ہے۔ عمر کی جس منزل میں ہے اس کے
مطابق سرخ و سفید بھی ہے۔ کوئی تکلیف ہو گئی کیا اسے؟"

"لفظوں سے کھیلنا تو کوئی آپ سے سیکھے، ارے میں کہتی ہوں جوانی کے یہی دن تو
ہوتے ہیں اگر ماں باپ عمر کے اس دور کو نظر انداز کر دیں تو وہ اچھے ماں باپ تو نہیں
کہلائے جا سکتے۔"

"بھئی کچھ ضرورت سے زیادہ ادبی گفتگو ہو گئی ہے ہم دونوں کی۔ میاں بیوی کی طرح
بات نہیں کر رہے ہم لوگ اور پھر عزیزہ زیر بحث ہے۔ جو کہنا چاہتی ہیں کھل کر کہیں۔"

"اونہہ۔ اب اتنے کوڑھ مغز تو نہیں ہیں آپ۔ اپنے وقت میں تو درختوں پر چڑھ چڑھ
کر جھانکتے تھے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ کیا یاد دلا دیا۔ ایک بار گرے تھے آج تک سردیوں میں ٹانگ پر پٹی
باندھنی پڑتی ہے۔ انسان کی زندگی میں کچھ حماقتیں ہی تو ہوتی ہیں بس جنہیں وہ عمر کے ہر
دور میں یاد کرتا ہے۔ ایسی ہی سرچڑھ گئی تھیں آپ چھچھل پیری کی طرح۔"

"میں چھچھل پیری ہوں۔"

"نہیں پاؤں تو سیدھے ہیں لیکن بعض اوقات حرکتیں ویسی ہی ہو جاتی ہیں۔"

"پھر بات کو لے اڑے۔"

"اڑنا تو ہماری فطرت ہے، لیکن آپ بھی تو اصل بات پر نہیں آ رہیں۔"

"شمسہ کی شادی کے بارے میں کچھ سوچئے۔"

"ہوں۔ کسی حد تک ہم سمجھ تو گئے تھے اس مسئلے کو سوچ رہے ہیں۔ بہت غور کر
رہے ہیں، لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہے۔"

"میں کہتی ہوں جرات سے کام لو۔ اب ان کا تو کوئی سربراہ ہے نہیں۔ کہتے ہیں
باپ ہیں۔ دوسرے شہر میں رہتے ہیں ارے میں کہتی ہوں کوئی تو کبھی آتا' لگتا ہے بس
ہی بول رہے ہیں۔"
"فراز اور شاہی کی بات کر رہی ہو؟؟"
"ہاں۔"
"شخصیتیں تو مجھے بھی ان کی کچھ مشکوک ہی نظر آتی ہیں' ہو سکتا ہے واقعی بڑ
بولتے ہوں۔ اچھا خاصا عرصہ ہو گیا ہمارے ساتھ رہتے ہوئے' مگر پھر کیا کیا جائے؟؟"
"خود ہی بات کرنا پڑے گی؟"
"لڑکی والے ہو کر لڑکوں سے بات کریں گے۔"
"دیکھو پہلے تو یہ سوچو کہ شمسہ کے لئے فراز ٹھیک رہے گا یا شاہی؟"
"لاحول ولاقوۃ' شاہی بھی کوئی انسان ہے' لفنگا' چھچھورا' نازیبا حرکتیں کرنے والا۔
ہے جو معیار انسانیت پر پورا اترتا ہے اور پھر وہ صاحب روزگار بھی ہے۔ شاہی تو
ڈنڈے بجانے نکلتا ہے اور شام کو واپس آ جاتا ہے۔ بھلا اس کے بارے میں بھی ایسی
بات سوچی جا سکتی ہے۔"
"تو پھر شاہی سے بات کرو۔"
"کک.... کیا مطلب؟"
"میرا مطلب ہے اس سے کہو کہ ہمیں فراز کا رشتہ دے۔"
"ہوں' لیکن کوئی مناسب تدبیر سوچنا پڑے گی۔ لڑکے ذرا آزاد مزاج ہیں' ہو سکتا
ٹال مٹول سے کام لیں۔ ویسے عزیزہ شمسہ بھی فراز ہی کی جانب مائل نظر آتی ہے۔"
"اے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میری بچی تو پھولوں کی طرح نازک اور معصوم ہے
بھلا کیا کسی کی طرف مائل نظر آئے گی۔"
"خیر یہ تو آپ نہ کہیں۔ آپ ہی کی اولاد ہے۔"
"تو میں کیا بدکردار تھی۔" محترمہ نے آنکھیں نکالیں۔
"توبہ توبہ کون نامعقول کہہ رہا ہے لیکن وہ خط ہمیں یاد ہے جو آپ نے ہمیں لکھا
"شیخ صاحب۔ پیٹ میں آنت نہ منہ میں دانت۔ باتیں نوجوانوں کی سی کرنے لگے
آپ۔ فضول باتوں سے گریز کیجئے جو میں کہہ رہی ہوں وہ کریں۔"
"شاہی نہایت نامعقول لڑکا ہے۔ چٹکیوں میں اڑا دینے والا' لیکن خیر ہمارا نام بھی
عظمت حسین ہے۔ کوئی ایسی تدبیر ڈھونڈھ کر نکالیں گے کہ صاحبزادگان کو بات کرتے ہی
پڑے۔ فراز ہی زیادہ مناسب ہے۔"
"میں تو کہتی ہوں کہ اچھا ہے ماں باپ نہ ہوں۔ اکیلے لڑکے کو تو ہم قابو میں بھی

سکیں گے ورنہ ساس نندوں کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔"
"جی ہاں اور آپ کی صاحبزادی بھلا ساس نندوں کے درمیان کہاں رہ سکیں گی۔ چھ
مہینے میں ہی آپ نے ہمیں ہمارے والدین سے جدا کر دیا تھا۔ بے چارے ترستے ہی رہ گئے
تھے۔"
"بڑا منہ اگاتے تھے آپ کے والدین آپ کو اس کے بعد پلٹ کر کبھی خبر نہیں لی۔"
"تو آپ نے ہی ہمیں ان کی کونسی خدمت کرنے دی؟؟"
"تو میں نے کیا تمہاری ٹانگ پکڑ لی تھی؟"
"ارے ارے موضوع سے پھرہٹ رہے ہیں ہم لوگ۔"
"جی جلانے والی باتیں مت کیا کرو۔ اب اپنی پرانی باتیں بھول جاؤ بچی کے بارے میں
گفتگو کرو۔"
"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ میں شاہی سے گفتگو کروں لیکن گفتگو کرنے
کے لئے مجھے کوئی بہتر طریقہ کار سوچنا ہو گا۔ حرفوں کا بنا ہوا ہے وہ کم بخت خیر میں دیکھ لوں گا
اس مسئلے کو' لیکن آپ یہ بتائیے کہ کتنے عرصے میں شادی کرنے کا ارادہ ہے؟"
"ارے یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہیں اور ڈھونڈو گے تو لاکھوں چونچلے ہوں گے۔
یہاں سادگی سے دونوں کا نکاح کر دو جو تھوڑا بہت میں نے جمع کر رکھا ہے وہ نیچے سے اوپر
پہنچا دو لڑکوں کی تنخواہ آئے گی۔ ہم بھی کھائیں گے وہ بھی کھائیں گے اور پھر میں شمسہ کو
چار مہینے میں نہ اکسا دوں کہ شاہی سے علیحدگی اختیار کر لے تو میں بھی اپنے باپ کی نہیں
ہوں۔"
"یقیناً یقیناً یہ گر آپ کو آتا ہے۔ ویسے ہمیں فراز سے کیا مطالبہ کرنا چاہئے؟؟"
"اے ایک آدھ زیور تو بنائے گا ناں۔ اب سب ہی خرچ تھوڑی کر دیتا ہو گا۔ یہ موا
شاہی بلا وجہ گلے لگا ہوا ہے اس کی آدھی کمائی وہی کھا جاتا ہو گا۔"
"ہوں اب اس کے سلسلے میں تو آپ فرما چکی ہیں کہ اپنی بیٹی کے جوہر آزمائیں گی۔"
"تو پھر بسم اللہ کر کے یہ کام شروع کر دیجئے۔"
"اجی کل ہی لیجئے اور پھر دیکھئے ہمارے پینترے۔"
شیخ صاحب نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

□

دونوں قیامتیں دفتر پہنچ گئیں۔ بختیار صاحب کو انہیں دیکھ کر سنبھلنا پڑا تھا۔ جانتے تھے
کہ سیٹھ ادریس کی لخت جگر ہیں۔ عیش و عشرت اور ناز و نعم میں پلی ہوئی۔ ذرا ذرا سی بات
پر غصہ ناک پر رکھا ہوتا ہے۔ ویسے بچیاں اچھی تھیں۔ خود بختیار صاحب بھی ان سے محبت
کرتے تھے۔ دونوں کا پرتپاک استقبال کیا۔

"جی خواتین۔ آپ کی گاڑی خیریت سے ہے؟؟"

"بختیار صاحب یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن آپ ہیں۔"

"ارے توبہ توبہ ہم اور آپ سے دشمنی کریں گے۔"

"تو پھر بتایئے پچھلے سال جب ہم نے ایک گاڑی کی نشاندہی کی تھی آپ سے تو آپ نے اسے کیوں نہیں خریدنے دیا۔"

"بھئی بعد میں ہم نے بتایا تو تھا آپ کو کہ وہ گاڑی ذرا گھپلے کی تھی۔ جو شخص اسے بیچنا چاہتا تھا اس کے نام پر بھی نہیں تھی اور پھر اس کے کاغذات بھی ذرا کچھ ایسے ہی تھے۔"

"تو کیا اب اس ملک میں گاڑیوں کے شو روم نہیں رہے؟؟"

"شو روم تو ہیں، لیکن کچھ ایسی صورت حال تھی بعد میں آپ لوگوں نے بات ہی ٹال دی۔"

"آپ ہمیں نئی گاڑی دلوا دیجئے ورنہ ہمارا آپ کا جھگڑا ہو جائے گا۔"

"ہم جھگڑا ہونے سے پہلے ہی شکست مان لیتے ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ سیٹھ صاحب سے ذرا موقع ملتے ہی گفتگو ہو جائے گی۔"

"تھینک یو ویری مچ بختیار صاحب۔ بہت بہت شکریہ۔ ارے ہاں وہ سجاد صاحب کیا کچھ زیادہ ہی مصروف ہیں آج؟؟"

"سجاد۔ نہیں کیوں؟؟"

"اصل میں کچھ عجیب و غریب شخصیت ہے ان کی۔ بڑے کام کے آدمی ہیں۔ بازار تو ان کے بغیر جانا بیکار ہی لگتا ہے بڑی سوجھ بوجھ ہے انہیں خریداری کی۔ اصل میں ہمیں کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ میں نے دونیا سے کہا کہ دونیا انکل بختیار سے بات کر کے ذرا سجاد صاحب کو ساتھ لے لو۔ خریداری اچھی ہو جائے گی۔"

"تو لے جایئے سجاد میاں کو، بلاؤں؟؟"

"آپ ہی کہہ دیجئے۔ ہو سکتا ہے ہم سے نخرے کریں۔"

"نہیں سجاد تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ میں بات کرتا ہوں۔" بختیار صاحب نے ٹیلی فون پر سجاد صاحب کو مخاطب کیا اور اسے اپنے کمرے میں آنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر بعد سجاد پہنچ گیا تھا۔ بختیار صاحب نے کہا۔

"وہ سجاد بھئی آپ کو زحمت تو ہو گی ذرا ان دونوں کے ساتھ چلے جایئے۔ انہیں کچھ شاپنگ کرنا ہے۔"

"بہتر ہے بختیار صاحب، لیکن میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مجھے بھی ذرا جلدی نکلنا ہے۔"

"بس میاں وہیں سے چلے جایئے آپ۔ سوری مجبوری ہے ورنہ میں....."

"نہیں نہیں کوئی بات نہیں ہے۔ آیئے مس عکسہ، آیئے مس دونیا۔" سجاد ان کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا اور اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ عکسہ، دونیا کو پیچھے بٹھا کر اس کے برابر آ بیٹھی تو سجاد نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"آپ نے یہ زحمت کیوں کی، آپ مالکان ہیں۔"

"اور آپ اپنی اس احمقانہ گفتگو سے کبھی باز نہیں آئیں گے۔ یہ مالکان کیا چیز ہوتی ہے۔ میرا نام عکسہ ہے اور یہ پیچھے دونیا بیٹھی ہوئی ہے۔ چلئے۔"

سجاد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ عکسہ اسے گائیڈ کرتی رہی اور کچھ دیر کے بعد وہ شہر کے سب سے قیمتی اور خوبصورت بازار میں پہنچ گئے۔ سجاد نے گاڑی پارک کی اور بولا۔

"کیا مجھے بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلنا ہے؟؟"

"جی ہاں گاڑی بند کیجئے اور آیئے۔" عکسہ بولی اور اس کے بعد وہ ایک بہت عالیشان گارمنٹ اسٹور میں داخل ہو گئے جہاں لیڈیز اور جینٹس ہر قسم کے لباس ہوا کرتے تھے پہلے عکسہ نے اپنے اور دونیا کے لئے خریداری کی پھر جینٹس پورشن میں پہنچ گئی اور سوٹوں کو دیکھنے لگی۔ سجاد نے ہنس کر کہا۔

"کیا اب آپ کو مردانہ سوٹ پہننے کا شوق بھی چرایا ہے؟؟"

"جی ہاں، سجاد صاحب آپ بتایئے مجھ پر یہ سوٹ کیسا لگے گا؟" عکسہ نے ایک خوبصورت سوٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اس کی سلائی وغیرہ دیکھنے لگی۔

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں آپ کا شوق ہے؟؟"

"بھئی کیوں پریشان کر رہی ہو سجاد صاحب کو ویسے سجاد صاحب کپڑا واقعی خوبصورت ہے آپ کا کیا خیال ہے؟؟"

"بہترین ہے بلاشبہ۔"

"تو پھر یہ میں آپ کے لئے پسند کر رہی ہوں۔" دونیا نے کہا اور سجاد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے ایک نگاہ دونیا کو دیکھا اور پھر بولا۔

"نہیں آپ پلیز یہ زحمت نہ کیجئے گا۔ مم.... میں دراصل یہ بہت قیمتی سوٹ ہے۔"

"آپ سے زیادہ تو نہیں۔" عکسہ نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں مس دونیا پلیز اصولی طور پر مجھے آپ کو کوئی تحفہ پیش کرنا چاہئے۔ لل.... لیکن دراصل۔"

"اصولی طور پر کیوں؟؟" عکسہ نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا اور سجاد واقعی بوکھلا گیا۔ دونیا نے سیلز مین سے کہا کہ سجاد کے جسم کے ناپ کے مطابق یہ سوٹ نکالے۔ سجاد منہ کھول کر رہ گیا، بہرحال دونیا نے اس کے لئے نہ صرف خالی سوٹ خریدا بلکہ میچنگ ٹائی

اور شرٹ بھی خریدی اور اسے پیک کرا لیا۔ عکسہ کہنے لگی۔
"تم نے اپنے نمبر بڑھا لئے اور مجھے نیچا دکھا دیا۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔" ... چھوڑ کر آگے بڑھ گئی اور سجاد کچھ عجیب سی خجالت محسوس کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

"مس دونیا واقعی آپ نے یہ....."

"مناسب نہیں کیا۔ آپ کی حمیت پر ضرب لگائی ہے۔ کیوں یہی بات ..."

"نہیں خیر۔ میں کہاں اور آپ کہاں؟"

"سجاد صاحب یہ باتیں پسماندہ ذہنوں کے لئے رہنے دیجئے جو ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہتے ہیں۔ آپ ہر لحاظ سے ایک قیمتی شخص ہیں۔ آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں اور پھر میں نے جس خلوص سے یہ آپ کے لئے خریدا ہے آپ کو اس کی توہین نہیں کرنا چاہئے۔"

"نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"کوئی مطلب نہیں تھا آپ کا۔ آپ میرے خلوص کی قدر کیجئے گا۔" سجاد ایک ٹھنڈا سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس دوران عکسہ نے ایک اس سے بھی زیادہ خوبصورت سوٹ منتخب کیا۔ سیلز مین کو ناپ تو معلوم ہو ہی چکا تھا۔ وہ اپنا پیکٹ بغل میں دبائے ہوئے آگئی پھر اس نے کہا۔

"سجاد صاحب اصولی طور پر تو آپ کو دونیا ہی کا سوٹ زیادہ پسند کرنا چاہئے لیکن اگر ...لگتی کہیں تو ذرا میرے اس پیکٹ کو بھی دیکھ لیجئے گا۔"

"آپ دونوں نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔"

"نہیں صرف دونیا نے۔" عکسہ نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ دونیا بھی مسکرانے لگی تھی، بہرحال بازار سے واپسی ہو گئی اور اس کے بعد دونیا اور عکسہ نے سجاد کو اس کے گھر کے قریب چھوڑ دیا۔ سجاد یہاں آ کر بھی شرمندہ ہی ہوا تھا اس کے گھر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ ان دونوں کو اپنے گھر پر آنے کی دعوت دیتا۔ بیگ صاحب کا مزاج اچھی طرح جانتا تھا۔ اول تو اس بات پر ہی چراغ پا ہو جاتے کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ آیا ہے نجانے کیا کیا بدزبانی کر ڈالتے، بہرحال دونوں اسے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھیں۔

گارمنٹ سٹی کے اپنے معمولات تھے۔ وہاں کام کرنے والے تمام افراد اچھی طرح جانتے تھے کہ میڈم ایک سخت گیر عورت ہے۔ ڈسپلن اور باقی تمام معاملات اپنی جگہ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ایک رحم دل اور انسان دوست عورت ہے۔ گارمنٹ سٹی میں کام کرنے والوں کو اتنا ملتا تھا کہ کوئی وہاں کی ملازمت چھوڑ کر جانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کسی دوسرے ادارے میں بے شک تنخواہیں بھی زیادہ مل سکتی تھیں لیکن تنخواہوں کے ساتھ ساتھ جو آسانیاں یہاں کام کرنے والوں کو حاصل تھیں وہ شاید کہیں اور مشکل ہی سے ملتیں۔ یہاں تمام انسانی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ سارے قاعدے اور قوانین بے شک ایک اہمیت رکھتے تھے لیکن انسانی بنیاد پر کسی بھی مسئلے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بس میڈم کے مزاج کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس وقت بھی وہ حسب معمول گارمنٹ سٹی میں داخل ہوئی تھی اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں تو زندگی گزارنے کے جو بھی ڈھنگ ہوں لیکن جب وہ آ جاتی تھی تو ہر شخص اپنے اپنے طور پر الرٹ ہو جاتا تھا۔ وہ اپنے آفس میں جا بیٹھی۔ متعلقہ افراد کو طلب کیا اور ان سے معلومات حاصل کرنے لگی۔ نئے سیمپل آئے اور وہ ان کا جائزہ لیتی رہی۔ منیجر نے کہا کہ اگر ممکن ہو تو پروڈکشن کا جائزہ لے لے اور وہ اٹھ کر فیکٹری کی جانب چل پڑی۔ جہاں مشینوں پر کام ہو رہا تھا۔ ایک ایک سے ہمدردی سے گفتگو کرتی رہی۔ موڈ حیران کن طریقے سے اچھا تھا۔ ابھی تمام چیزوں کا جائزہ لے رہی تھی کہ چپراسی نے آ کر اطلاع دی کہ ڈاکٹر اعجاز آئے ہیں اور وہ چونک کر چپراسی کو دیکھنے لگی۔

"کہاں ہیں؟"

"ویٹنگ روم میں بٹھا دیا ہے میڈم۔"

"ٹھیک ہے میں آتی ہوں۔" اس نے کہا ڈاکٹر اعجاز کے بارے میں سوچا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ ڈاکٹر اعجاز بھی بہت دلچسپ آدمی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا فیملی ڈاکٹر تھا۔ تعلقات بھی اچھے خاصے پرانے تھے لیکن ڈاکٹر کی عادت بہت اچھی تھی۔ وہ اپنے مزاج کے مطابق نجانے کس کس طرح ڈاکٹر اعجاز کی تذلیل کر چکی تھی لیکن ڈاکٹر اعجاز کی پیشانی پر کبھی شکن نہیں آئی تھی اور وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ سب کچھ مالی مفاد کے لئے نہیں کیا جا رہا بلکہ یہ صرف دوستی نبھانے کا ایک ڈھنگ ہے۔ لاکھ

اپنے آپ کو سمجھاتی اور کوشش کرتی کہ اب کبھی ڈاکٹر اعجاز کی انسلٹ نہیں کرے گی بس اس بگڑے ہوئے مزاج کو کیا کرتی جو عالم جنون میں سب کچھ بھلا دیتا تھا۔ ڈاکٹر ویٹنگ روم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے آج کل موسم بالکل ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔"

"آیئے۔" وہ ہنستی ہوئی بولی اور ڈاکٹر اعجاز اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا پھر اس نے

"ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے میڈم کہ بعض اوقات اپنی ڈھٹائی پر خود اپنے حیرت ہوتی ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آفس میں جا کر اپنی میز کے پیچھے بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر سامنے بیٹھ گیا تھا۔ تب اس نے مسکرا کر ڈاکٹر اعجاز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیریت کون سی ڈھٹائی پر آپ کو افسوس ہوتا ہے۔"

"ہماری شخصیت، بڑے اچھے اچھے لوگوں سے واسطے رہتے ہیں، لیکن کہیں بھی طرح انسلٹ نہیں ہوتی لوگ عزت و احترام سے بلاتے ہیں، بٹھاتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں اپنے مسائل بتاتے ہیں لیکن یہاں ایک چپراسی نے ہمیں ویٹنگ روم میں بٹھا دیا حالا پرانے آنے والوں میں سے ہیں یہ نہ ہوا کہ دفتر ہی میں پہنچا دیا جاتا۔"

"آئندہ میں چپراسی کو ہدایت کر دوں گی۔"

"جی۔"

"ہاں۔"

"سچ کہہ رہی ہیں۔"

"کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

"مم.... میرا مطلب ہے، تعجب ہے واقعی تعجب ہے حالانکہ بخدا۔ یہاں آتے ہو دل بری طرح کانپ رہا تھا۔"

"اصل میں ڈاکٹر صاحب آپ نے خود مجھے اتنا بے تکلف کر لیا ہے آپ گفتگو انداز میں کرتے ہیں کہ بس کبھی کبھی غصہ آ جاتا ہے اور یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ آپ درجہ آپ کا مقام کیا ہے؟"

"ارے بھائی آج تو واقعی کھوپڑی آؤٹ ہو رہی ہے۔ ہم تو اصل میں اس خیال کے تھے کہ اس وقت دہشت و بربریت کا طوفان برپا ہو گا سب کی شامت آئی ہوئی ہو گی ایک ایک کا چہرہ دیکھا اور اس کے بعد اندر داخل ہوئے۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے مبادا کوٹھی میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔"

"کیوں بھئی آخر کیوں اب آپ کہیں گے کہ چائے کے لئے کیوں نہیں پوچھا

بولی۔" "ابی ہمارا دماغ خراب ہے کیا، جو کام کبھی کبھی ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ بات پوچھیں گے۔"

"آپ سے خدا سمجھے اب اتنی بداخلاق بھی نہیں ہوں میں چائے پلاتی ہوں آپ کو۔"

"شکریہ اصل میں بات یہ ہے کہ چائے کے بارے میں آپ جانتی ہیں آدمی کہیں بھی کسی بھی جگہ پی سکتا ہے لیکن چائے چائے کی بات ہوتی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے انٹر کام پر چائے کے لئے کہا اور پھر ڈاکٹر اعجاز کو دیکھنے لگی۔

"آپ مجھے اتنا خونخوار کیوں سمجھتے ہیں؟"

"لاحول ولا قوۃ کون احمق سمجھتا ہے؟"

"بھی وہ ایک عجیب و غریب ہستی دیکھی اور دل دہل دہل کر رہ گیا۔ ہم تو سمجھے کہ نہیں اب تک سولی پر لٹکایا جا چکا ہو گا زندہ ہے۔"

"کون؟" وہ حیرت سے بولی۔

"وہی سکندر اعظم جس نے ہماری آنکھیں حیرت سے ابال دی تھیں۔"

"کیا کہانیاں سنا رہے ہیں ڈاکٹر اعجاز؟"

"او بی بی اس نوجوان کی بات کر رہے ہیں جو یہاں آیا تھا اور ہمارے دلوں پر سکہ جما کر چلا گیا۔ میری مراد اس شخص سے ہے جو اس وقت پروڈکشن انچارج کو یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا کہ پیچھے سے گولی نہیں مار دی جائے گی چلو، یہاں گالیوں کے سوا اور کیا ملتا ہے۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا اور وہ ایک لمحے ڈاکٹر اعجاز کو دیکھتی رہی پھر بے اختیار ہنس پڑی۔

"خدا کی قسم باکمال شخصیت ہیں یعنی اس دور میں ایسا کوئی شخص موجود ہے جو کلمہ حق ادا کر سکتا ہے۔"

"وہ کلمہ حق ادا کر رہا تھا اتنی بری ہوں میں؟" وہ شکایتی انداز میں ڈاکٹر اعجاز کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"نن... نہیں یہ مقصد نہیں ہے۔"

"ارے نہیں بھائی نہیں ہمارا دماغ خراب ہے کیا، ہم جانتے ہیں کہ اگر منہ سے کوئی غلط جملہ نکل گیا تو چائے آنے سے پہلے واپس چلی جائے گی اور چائے کے بجائے چپراسی آئے گا اور کہے گا چلئے صاحب ہم آپ کے گریبان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔"

"آپ نے مجھے بڑا ذلیل کر دیا ہے ڈاکٹر، ایسا تو میں نے کبھی نہیں کیا۔"

"بات اس شیر دل سورما کی ہو رہی تھی۔"

"احتشام احمد نام ہے، شامی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اصل میں ایسا بے وقوف لیکن اتنا مخلص نوجوان ہے کہ اسے کچھ کہتے ہوئے بھی اپنے آپ ہی کو شرم آتی ہے کھرا سچا سیدھا

سادا‘ ہر طرح کے فریب سے عاری‘ کچھ یوں ہے ڈاکٹر کہ اس نے پہلی بار ملازمت کی ہے
اور دنیا داری سے واقف نہیں ہے‘ میں اس کا اچھی طرح جائزہ لے چکی ہوں کیا کیا واقعات
سناؤں آپ کو اس کے بارے میں۔ مارکیٹنگ منیجر کی حیثیت سے رکھا گیا ہے آپ کو تو معلوم
ہی ہے۔"

"جی ہاں ہمیں تو بہت زیادہ ہی معلوم ہے۔ کیونکہ بیگم صاحبہ کی نگاہوں میں ذلیل ہونا
پڑا ہے ہم نے تو دعوی کر دیا تھا کہ ہم سفارش کر دیں گے اور کام نہ ہو لیکن بہرحال۔"

"وہ دراصل انٹرویو کے دوران کچھ ایسی باتیں ہوئی تھیں اس سے کہ میں نے اسے
زیادہ مستحق سمجھا لیکن آپ یقین کیجئے بڑا ہی کارآمد آدمی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے
صحیح آدمی کا انتخاب کر لیا۔"

"اللہ اکبر‘ اللہ اکبر واقعی آدمی وہ بہت صحیح ہے۔"

"تو میں آپ کو بتا رہی تھی کوئی ایک واقعہ نہیں ہے درجنوں واقعات ہیں بچوں کی
طرح روٹھ جاتا ہے بچے جیسی حرکتیں کرتا ہے‘ ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے کہ
گارمنٹ سٹی کا ایک ڈیزائن جس کلاتھ اسٹور سے ہم کپڑا لیتے ہیں وہاں سے معاہدے کے
خلاف باہر نکل گیا تھا۔ کلاتھ اسٹور کے مالک میرے بہت پرانے شناسا ہیں۔ جب مجھے اس
بات کا علم ہوا کہ ہمارا ڈیزائن دوسروں کے پاس چلا گیا ہے تو میں نے ان سے باز پرس کی
لیکن پرچیز آفیسر کے ذریعے وہاں پہنچ گیا وہاں پر اور سارے رجسٹر وغیرہ چیک کر ڈالے۔ کلاتھ
اسٹور کے مالک فیاض صاحب نے پچیس ہزار روپے کی پیش کش کی اسے۔ بلایا انہیں یہاں
پر پچیس ہزار روپے وصول کئے اور میرے پاس لے آیا۔ سارا کچا چٹھا میرے سامنے کھول
دیا۔ فیاض صاحب تو بڑی شان سے اکڑتے ہوئے آئے تھے کہ اسے نوکری ہی سے نکلوا دیں
گے لیکن اب آپ بتائیے ایک ایسے مخلص آدمی کو جسے ابھی پہلی تنخواہ بھی نہیں ملی اور جس
کے پاس صرف ایک یا دو پتلونیں ہیں لیکن وہ پچیس ہزار روپے کی رشوت قبول نہیں کرتا
بلکہ کچھ ایسے الفاظ ادا کرتا ہے دوسروں کے سامنے تو پھر کس طرح اس کی باتوں کا برا مانا جا
سکتا ہے۔ آپ یقین کیجئے ڈاکٹر کبھی کبھی اس کی حماقتوں پر میں کھول جاتی ہوں اور میرا دل
چاہتا ہے کہ اسے دھکے دے کر باہر نکلوا دوں لیکن بس اس دور میں سچے چہرے نظر ہی کہاں
آتے ہیں غریبوں کو اپنے درمیان سجا لو‘ بٹھا لو‘ تمہیں خوش کرتے رہیں گے لیکن ان کے
دل میں کیا ہو گا اگر کبھی اسے جان لو تو جینے کو جی نہ چاہے۔" ڈاکٹر اعجاز خاموشی سے اسے
دیکھتا رہا۔ چائے آ گئی اور اس کے بعد ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟"

"آپ مجھ سے میری طبیعت کے بارے میں نہ پوچھا کریں ڈاکٹر صاحب‘ آخر مجھے
کیا بیماری ہے؟"

"کوئی نہیں‘ اصل میں فیملی ڈاکٹر کو بھی تو اپنا معاوضہ وصول کرنا ہوتا ہے اگر وہ اس
قسم کی باتیں نہ کرتا رہے تو جو لوگ اسے ماہانہ معاوضہ ادا کرتے ہیں یہ سوال نہ کر ڈالیں کہ
میاں کس بات کے پیسے لیتے ہو بس میں اس لئے یہ سوال کر ڈالتا ہوں ویسے اپنے بیگ
صاحب کا کیا حال ہے؟"

"ابو ٹھیک ہیں جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔"

"ذرا کھانے پینے میں احتیاط رکھا کرو ان کے لئے محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل ان کا
وزن بڑھنے لگا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں ابو کھانے پینے کے ہمیشہ سے شوقین ہیں‘ کبھی پابندی لگاتی ہوں تو برا
ماننے لگتے ہیں۔ روٹھ جاتے ہیں بچوں کی طرح‘ میری تو زندگی ہی عجیب ہے ڈاکٹر‘ یوں لگتا
ہے جیسی بے شمار بچوں کی ماں ہوں۔ ان میں بوڑھے بچے بھی ہیں نوجوان بھی ہیں اور آپ
جیسے بھی ہیں۔"

"ارے ارے ہم بھی شامل ہو گئے ان میں۔"

"جی ہاں۔ اب دیکھئے نا کوئی کام ہوا نہ ہوا چلے آئے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ منہ بناؤ برا
مان جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بداخلاقی کی انتہا ہو گئی۔"

"چنانچہ خدا حافظ چائے ختم ہو گئی اور ویسے بھی یہاں آنے کا کوئی خاص مقصد نہیں
تھا۔" ڈاکٹر اعجاز کرسی سرکاتے ہوئے بولے اور وہ ہنستی رہی۔ ڈاکٹر اعجاز خدا حافظ کہہ کر باہر
نکل گیا تھا۔

وہ سوچتی رہی اور پھر اس نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا‘ چپراسی اندر آ کر اٹین شن ہو
گیا۔

"شاہی صاحب اپنے کمرے میں موجود ہیں؟"

"جی میڈم۔" چپراسی نے جواب دیا۔

"بھیج دو۔" وہ آہستہ سے بولی اور چپراسی گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔

□

دونیا کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ عکسہ اس کے سامنے ہی یہ حرکت کر ڈالے
گی۔ سیٹھ ادریس‘ رئیسہ بیگم اور دونیا بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ عکسہ اندر داخل ہوئی۔
ہاتھ میں براؤن رنگ کا ایک لفافہ پکڑے ہوئے تھی۔ حسب عادت اس کا استقبال کیا گیا۔ گھر
میں سبھی کی لاڈلی تھی اور پھر سیٹھ ادریس اپنی بیٹیوں کو بہت چاہتا تھا۔ عکسہ نے بڑے فخر
سے کچھ تصاویر نکالیں اور سینٹر ٹیبل پر پھیلا دیں۔ سبھی دلچسپی سے تصویروں پر جھک پڑے
تھے لیکن دونیا کی نگاہیں تصاویر پر پڑیں اور وہ ایک دم سے سیدھی ہو گئی۔ ساری کی ساری
تصاویر سجاد کی تھیں اور یہ اس پارٹی کی تھیں جس میں یہ لوگ شریک ہوئی تھیں۔ تصویر

میں جگہ جگہ سجاد دونیا کے ساتھ نظر آ رہا تھا الگ سے تصویریں بھی بنائی گئی تھیں۔ دونیا حواس باختہ سی ہو گئی۔ بہرطور والدین کے سامنے تھی اور یہ بات سامنے آ چکی تھی کہ بچ کو کس نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے لیکن سیٹھ ادریس ہو سکتا ہے کسی معاملے میں بڑا آدمی ہو اپنی بچیوں کے لئے وہ بہترین باپ تھا۔ اس نے تمام تصاویر کو بغور دیکھا اور تعریفی انداز میں گردن ہلا کر بولا۔

"بڑی اچھی تصویریں ہیں کہاں بنائی گئیں؟"

"ایک پارٹی میں لے گئے تھے ہم سجاد صاحب کو ڈیڈی۔ آپ کو کیا بتاؤں آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہاں کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟"

"ارے بس کوئی بھی قسم لے کر دیکھ لیں آپ کے سجاد بھائی جیسی کوئی شخصیت تھی ہی نہیں وہاں جسے دیکھو ان کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور وہ مسز ابراہیم جو تھیں نا' آپ دیکھیں جگہ جگہ سجاد صاحب کے پیچھے پیچھے لگی نظر آ رہی تھیں۔ جہاں وہ جائیں وہیں ان کے پیچھے۔ آپ یقین کیجئے سارے کے سارے انہیں کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔"

"اچھا۔"

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو سجاد سجاد کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں۔" رئیسہ بیگم نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیجئے یعنی اب اس میں بھی کوئی بری بات ہو گئی۔ کیا فرق پڑتا ہے ان کا نام لینے سے۔"

"اس پارٹی میں تم کس سے پوچھ کر گئی تھیں۔"

"ڈیڈی سے۔"

"اچھا سمیٹو ان تصویروں کو۔"

"آپ دیکھئے ناں کتنی خوبصورت ہیں۔ آپ کو تو اپنے علاوہ اور کوئی اچھا لگتا ہی نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں بھئی واقعی بہت خوبصورت تصویریں ہیں۔ اچھا تم انہیں سنبھال کر رکھو۔ ویسے سجاد گڈ لکنگ آدمی ہے' کیوں رئیسہ؟"

"ہاں اچھا ہے لیکن اب ہر وقت سجاد سجاد کرتے رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"ارے چھوڑو بھئی بچیوں کا دوست ہے ہمیں کیا اعتراض؟"

"ڈیڈی اگر آپ چاہیں تو ان میں سے کوئی تصویر رکھ سکتے ہیں۔" عکسہ نے کہا۔

"نہیں بیٹا جب ضرورت ہو گی آپ سے مانگ لیں گے۔"

"او کے' او کے۔" عکسہ نے تصویریں اٹھائیں۔ دونیا بمشکل تمام بولی۔

"عکسہ وہ تم نے وہ کاپیاں دیکھ ڈالیں جو میں نے تمہیں دی تھیں۔"

"کاپیاں؟"

"ہاں ذرا آؤ میرے ساتھ' میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں فرصت ہوئی تو تھوڑا سا کام کروں گی۔" دونیا نے کہا اور عکسہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"کون سی کاپیوں کی بات کر رہی ہو دونیا مجھے تو یاد ہی نہیں آ رہیں؟"

"عکسہ تو تو سچ مچ ہی پاگل ہو گئی ہے۔ واقعی تیرے پاگل پن سے تو بعض اوقات بڑا خوف محسوس ہونے لگا ہے مجھے۔"

"ارے ارے کیا کر ڈالا میں نے' کیا پاگل پن کیا ہے؟"

"یہ میرے سامنے ہی ساری تصویریں ڈیڈی کے سامنے ڈال دیں۔"

"تو پھر؟"

"بھئی عکسہ اتنی تیز رفتاری اختیار نہ کرو کہیں کوئی گھپلا نہ ہو جائے۔"

"کمال کرتی ہو دونیا' میں اپنے لئے کر رہی ہوں یہ سب کچھ۔"

"میرے لئے ہی سہی میری جان لیکن اس طرح تھوڑی کیا کرتے ہیں پہلی بات تو یہ بتاؤ تصویریں تمہیں مل کہاں سے گئیں؟"

"جناب ہم بہت تیز آدمی ہیں۔"

"تمہارے پاس تو کیمرہ بھی نہیں تھا اور میری سمجھ میں نہیں آتا' اصل میں اگر یہ عام قسم کی ہوتیں تو میں نہ سوچتی اس بارے میں لیکن یہ تو یوں لگتا ہے جیسے خاص طور سے بنوائی گئی ہیں۔"

"جی ہاں بنوائی گئی ہیں۔"

"کس نے بنائیں؟"

"وہاں پارٹی میں کچھ پروفیشنل فوٹوگرافر بھی تھے۔ میں نے ایک کی ذمے داری لگا دی تھی اور اسے سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے' بس ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو اس سے حاصل ہوئی ہیں۔ بھئی تم اس معاملے میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ ڈیڈی نے مجھے پوری پوری اجازت دی ہے کہ ساری چھان بین کروں۔ ہر پہلو سے لڑکے کا جائزہ لوں اب میں اپنی ذمے داری پوری کر رہی ہوں۔ ایک تو والدہ صاحبہ ہیں پتا نہیں کہاں کی قدامت پرست ہونہہ۔" دونیا آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی تھی۔

ادھر رئیسہ بیگم' سیٹھ ادریس سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ لڑکی واقعی پاگل ہے بالکل اور آپ نے ان لوگوں کو جس طرح شہ دے رکھی ہے وہ بھی اچھی بات نہیں ہے۔"

"آپ اپنے تجربے کو میرے تجربے پر حاوی کرنا چاہتی ہیں۔ رئیسہ بیگم۔"

"کیسا تجربہ؟" رئیسہ بیگم نے کہا۔

"دیکھو رئیسہ بیگم بہت بڑا کاروبار پھیلا رکھا ہے میں نے' ہزاروں انسانوں سے
ہوتی ہے میری' بڑے بڑے شاطر' بڑے بڑے خطرناک لوگ ایسے جو ایک لمحے میں
لگائے بغیر نگل جائیں ان سب سے نمٹتا ہوں میں لیکن یہ سب کچھ کیوں کرتا ہوں
بچوں کے لئے' ان دو بیٹیوں کے علاوہ اور کون ہے میرا اس دنیا میں جن کے
قدر شدید محنت کرتا ہوں ان سے اگر دوری اختیار کر لوں تو پھر جینے میں کیا مزہ رہ جائے
میں نے انہیں خود سے اس قدر منسلک کر رکھا ہے کہ یہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے
سکتی ہیں پتا ہے اس سے مجھے کیا فائدہ ہوتا ہے۔"

"بتا دیجئے۔" رئیسہ بیگم نے کہا۔

"میں انہیں اندر تک دیکھ سکتا ہوں۔ انہیں مجھ سے کچھ کہتے ہوئے جھجک نہیں ہوتی
دل کی ہر بات وہ مجھ سے بتا دیتی ہیں' ورنہ معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے رئیسہ بیگم کہ کیا لڑکیاں
کیا لڑکے سب اپنے اپنے من کے موجی ہوتے ہیں جو دل چاہتا ہے کر ڈالتے ہیں اور بے
والدین کو جب ان کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو سر پھوڑنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر
پاتے۔"

"آپ کی منطق ہے بہرحال آپ کے معاملات میں کب ٹانگ اڑائی ہے میں نے لیکن
پھر وہی بات آ جاتی ہے سجاد آپ کے دفتر میں نوکر ہے۔"

"ہاں ہے اور آپ یقین کیجئے کہ یہ بات میرے ذہن پر بھی کافی گراں ہے لیکن آپ
مجھے بتایئے کہ اگر یہ تصور دونیا کے دل میں پیدا ہو چکا ہے تو ہم اسے کیسے نکال سکتے ہیں
سوائے اس کے کہ اس پر سختی کریں اس کی پسند کو نظرانداز کر دیں۔ اس کی ذات کو ایک
المیہ بنا دیں یا سرکشی پر آمادہ ہوجائے تو ہماری ذات ایک المیہ بن جائے' کسے پسند ہو گی یہ
بات' آپ کو بتایئے یہ بات آپ کو پسند ہو گی؟"

"نہیں خیر میں بھی اس حد تک تو جاہل نہیں ہوں۔"

"ہونا بھی نہیں چاہئے۔ بھئی ہر شخص جو اس دنیا میں سانس لے رہا ہے اب
دوسرے کا بوجھ برداشت کرنے کا عادی نہیں رہ گیا ہے۔ وہ اپنی زندگی جینا چاہتا ہے۔
اس سے تعاون نہ کریں گے وہ آپ سے دور ہٹ جائے گا۔ میں اپنی بچیوں کو خود سے
نہیں ہٹانا چاہتا۔"

"تو پھر کریں گے کیا؟"

"دیکھو سجاد کے بارے میں میں بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں بہت کچھ غور کر
ہوں۔ تصویریں تم نے بھی دیکھی ہوں گی ویسے بھی تم نے اسے دیکھا ہے شخصیت کے
سے بہترین نوجوان ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے فطرتاً بھی اچھا ہے۔ اگر کوئی بچ رہا

تو بس اس کا پس منظر' دو تین بہنیں ایک بھائی ہے سب سے بڑا۔ اس کے والد بھی
کہیں چھوٹی موٹی ملازمت کرتے ہیں۔ گھر کی ذمے داریاں ان کے شانوں پر ہیں۔ کم از کم
میں اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ دور اپنا بوجھ خود اٹھانے کے لئے ہے۔ یہی میں نے
اس سے بھی کہا تھا کہ اس ماحول کو بدلے۔"

"کیا جواب دیا؟"

"خیر بات چونکہ بہت زیادہ براہ راست نہیں ہو رہی تھی اس لئے وہ بھی خاموش رہا'
میں صرف یہ اندازہ لگا رہا ہوں رئیسہ بیگم کہ وہ شخصیتی طور پر ہمارے ساتھ کھپ سکے گا یا
نہیں۔ بس اتنا ہو جائے تو باقی معاملات میں ٹھیک کر لوں گا۔ بھئی بچیوں کی خوشی کے لئے
اگر تھوڑا بہت خرچ بھی کرنا پڑ جائے تو کیا ہرج ہے۔ دونیا کے لئے میں نے ایک الگ کوٹھی
بنوائی ہے اور ویسے بھی الگ کوٹھی کی ضرورت نہیں ہے اس کوٹھی کا ایک پورشن اس کے
لئے مخصوص کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا پورشن عکسہ کے لئے ہے ان دو بیٹیوں کے علاوہ ہمارا
اور ہے کون۔ ان کی شادیاں کریں گے۔ دامادوں کو اپنے پاس رکھیں گے بلکہ سچ بتاؤں اسی
ایک جذبے نے مجھے اور زیادہ متاثر کیا ہے سجاد اچھی شخصیت کا مالک ہے اگر وہ خوش دلی
سے ہمارے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کا مستقبل بہرطور محفوظ ہے۔ فرم میں دونیا
کا حصہ یوں سمجھ لو ایک طرح سے سجاد کا حصہ ہو گا۔ وہ معمول کے مطابق فرم کے معاملات
سنبھالے گا۔ اب جہاں تک اس کے ماں باپ کا تعلق ہے تو ہم اتنا کریں گے کہ ان لوگوں
کو بھی کچھ لے دے کر راضی کر لیں گے اگر سجاد بعد میں بھی انہیں کچھ دینا چاہے تو دے
سکتا ہے اس پر بھی ہم اعتراض نہیں کریں گے لیکن بس یہ ہماری شرط اول ہو گی کہ وہ اس
ماحول سے قطع تعلق کر لے گا۔ مہینے میں ایک دو بار اپنے والدین سے مل سکتا ہے لیکن بس
وہاں جا کر باقی ان لوگوں کو اپنے سر نہیں لگا سکتے ہماری کچھ شرائط ہیں اگر وہ مان لے تو پھر
کیا برا ہے۔"

"دیکھ لیجئے آپ کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑانا تو خیر مجھے گوارہ نہیں ہے آپ اگر یہ
سب کچھ بہتر سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے۔"

"تم نے یہ نہیں دیکھا کہ دونیا اسے پسند کرتی ہے۔"

"بھئی بچیوں کی کچی عمریں ہوتی ہیں کہیں بھی کسی بھی جگہ متاثر ہو جاتی ہیں۔ اب یہ
تو نہیں ہے کہ ہم جہاں وہ متاثر ہوں وہیں کے بارے میں اس انداز میں سوچنے لگیں۔"

"وقت بدلا ہے رئیسہ بیگم' وقت بدلا ہے ہمیں اس انداز میں سوچنا پڑے گا۔ نہیں
سوچیں گے تو دنیا سے پیچھے رہ جائیں گے' مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا سمجھ رہی ہیں نا
آپ۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے ویسے لڑکا مجھے بھی ناپسند نہیں ہے۔ شکل و صورت کا بھی پیارا

ہے' عادت کا اندازہ تو بعد میں ہی ہو گا۔"

"زندگی بدل جائے گی اس کی باہر بھیجیں گے ہم انہیں' عیش کریں گے اور میرا خیال ہے سجاد بخوشی یہ بات مان جائے گا اور پھر جہاں تک اس کے والدین کا تعلق ہے تو بیگم اس دور میں ضرورت نے انسان کو ان اقدار سے بہت دور کر دیا ہے جو کبھی اس کی شان ہوا کرتے تھے اب لوگ اپنی مجبوری کو ٹالنے کے لئے ہر بات برداشت کر لیتے ہیں مجھے یقین ہے کہ سجاد کے اہل خاندان بخوشی اپنے بیٹے کے عوض اچھی زندگی حاصل کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔" سیٹھ ادریس نے جواب دیا اور رئیسہ بیگم گردن ہلانے لگیں۔

□

ڈاکٹر حسن اپنے آفس میں بیٹھا کسی کیس کی ریڈنگ کر رہا تھا کہ دروازے سے کسی کی آواز سنائی دی۔

"کسی تکلف کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن پھر بھی بڑے آدمیوں سے اندر آنے کی اجازت مانگ لینا اپنے حق میں بہت بہتر ہوتا ہے کیا ہم حاضر ہو سکتے ہیں؟"

"تشریف لایئے۔" حسن نے مسکرا کر فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر عرفان کے پیچھے ایک نازک سی گڑیا جیسی لڑکی بھی اندر آئی تھی۔ بے حد خوبصورت شکل و صورت کی مالک۔ آنکھوں سے ذہانت عیاں' چال ڈھال بے مثال' ڈاکٹری لباس پہنے ہوئے تھی۔ حسن نے گردن خم کر کے دونوں کا استقبال کیا اور ڈاکٹر عرفان لڑکی کی طرف رخ کر کے بولا۔

"یہ ہیں ڈاکٹر حسن مل لیجئے ان سے۔"

"ہیلو۔" ڈاکٹر حسن نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"ہیلو ڈاکٹر میرا نام غزل ہے۔"

"اوہو آپ ہیں غزل۔"

"اصولی طور پر تو یہ نظم ہیں چھوٹی بحر کی نرم و نازک دلکش استعارات سے مرصع۔ رکھتے ہوئے ذرا سی بدذوقی کر دی گئی ہے نظم کو غزل کہنا کچھ عجیب سا نہیں لگتا۔"

"آپ منطقی ہیں۔ میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ویسے مس غزل آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اصل میں عرفان صاحب کچھ ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ ان کی کسی بات کا برا مان کر بھی افسوس ہوتا ہے مسلسل ایک ہفتے سے مجھے نظم کہے جا رہے ہیں اور آپ یقین کیجئے اب جب غزل کے نام سے پکارتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے۔" غزل نے کہا اور ہنس پڑی۔

"آپ کو علم تو ہو گیا ہو گا کہ اب ایک ہفتے تک ان کی ڈیوٹی آپ کے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں۔ میرے چارٹ میں ڈاکٹر غزل لکھا ہوا تھا۔"

"ویسے آپ یقین کیجئے میں ذرا تکدر کا شکار تھی کم از کم عرفان صاحب کے اندر یہ خوبی ہے کہ ہنستے بولتے وقت کاٹ دیتے ہیں۔ جب میری ڈیوٹی ختم ہوئی اور مجھے بتایا گیا کہ اب میری ڈیوٹی ڈاکٹر حسن کے ساتھ ہی ہو گی تو بس دل میں یہ خیال آیا تھا کہ کہیں ڈاکٹر حسن کوئی بہت ہی خشک طبیعت کے مالک نہ ہوں۔ ایک معمر ضعیف سے آدمی جو بات بات پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حسن آپ بات بات پر ناراض تو نہیں ہوتے۔"

"جی نہیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ ویسے سچ بات یہ ہے کہ متاع حیات کسی کے حوالے کرتے ہوئے انسان کو جس قدر دکھ ہوتا ہے جب بیتتی ہے تب ہی جانتا ہے۔" ڈاکٹر عرفان نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"متاع حیات۔"

حسن چونک کر عرفان کو دیکھنے لگا۔

"اب کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ اصل میں ڈاکٹر عرفان کا تعلق قبضہ گروپ سے معلوم ہوتا ہے جہاں کوئی کہیں خالی پلاٹ دیکھا۔ چٹائی بانس گاڑھ کر بیٹھ گئے اور اسے اپنی ملکیت قرار دے لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں پولیس ڈولی ڈنڈا کر کے اٹھا دیتی ہے۔ میں نے پہلی بار سنا ہے کہ میں ان کا متاع حیات ہوں۔"

"بھائی اصل میں شاعر قسم کے آدمی ہیں۔ ہر بات لطافت کی زبان میں کہنے کے عادی۔ اب آپ دیکھئے نا کیا خوب صورت ہفتہ گزارا اور اب سنا ہے کل سے مسز بھائیہ ہمارے ساتھ ڈیوٹی انجام دیں گی۔"

غزل اچانک ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "ڈاکٹر حسن آپ کو معلوم ہے جنرل وارڈ میں بیڈ نمبر انیس کی مریضہ کیا کہتی ہیں؟"

"نہیں مجھے نہیں معلوم۔"

"ذرا ان سے پوچھئے گا ان کا کہنا یہ ہے کہ ڈاکٹر عرفان نے انہیں نئی زندگی دی ہے۔ ڈاکٹر عرفان انہیں کیا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں آپ کو معلوم ہے۔"

"نہیں۔"

"نیلہ ڈارلنگ۔"

"کیا؟"

"جی ہاں اور ان کی عمر تقریباً باون سال ہے لیکن لفظ ڈارلنگ پر ان کے چہرے پر جو سرخی آجاتی ہے حقیقت میں یہی لگتا ہے جیسے انہیں نئی زندگی ملی ہو۔"

حسن ہنستا رہا' غزل خاصی فارورڈ اور خوش مزاج لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ رات کی ڈیوٹی میں آج کل ڈاکٹر غزل اس کے ساتھ رہے گی۔ آج ہی سے اسے رات کی شفٹ میں لایا گیا تھا۔ عرفان نے کہا۔

"تو پھر ہم چلیں۔ خواہ مخواہ کباب میں ہڈی بنے ہوئے ہیں۔"

"خدا حافظ۔" حسن نے کہا۔

"خدا ہی حافظ۔" ڈاکٹر عرفان یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ غزل نے مسکرا کر حسن کو دیکھا اور بولی۔

"میرا خیال ہے جنرل وارڈ کا ایک چکر لگا لیا جائے۔"

"تشریف لایئے۔" ڈاکٹر غزل نے کہا اور حسن کے ساتھ باہر نکل آئی۔ حسن وارڈ میں مریضوں کی مزاج پرسی کرتا رہا۔ دو نرسیں بھی ساتھ تھیں۔ ڈاکٹر غزل اسے بہتر طریقے سے اسسٹ کر رہی تھی اور حسن نے محسوس کیا کہ وہ ایک مستعد اور زور دار قسم کی اچھے مزاج کی لڑکی ہے ایک بار بھی اس نے کسی قسم کی کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور ہر جگہ مستعد نظر آئی تھی اس کے علاوہ مریضوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حسن نے اس کی ذہانت کا اندازہ بھی لگایا تھا۔

معائنہ مکمل کر کے وہ واپس ڈیوٹی روم میں آ بیٹھے۔ غزل نے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو کافی پلواؤں۔"

"آج تو آپ کے ساتھ میرا پہلا دن ہے۔ یہ خدمت مجھے سرانجام دے لینے دیجئے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ بات صرف کافی منگانے کی ہے۔"

ایک وارڈ بوائے کو طلب کر کے کافی کے لئے آرڈر بھجوا دیا گیا اور غزل کہنے لگی۔

"جناب ڈاکٹر صاحب میں نے تھوڑی بہت معلومات تو حاصل کر لی تھیں آپ کے بارے میں۔ مزید کچھ جان سکتی ہوں۔"

"بس ایک عام سی زندگی کا مالک ہوں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔"

"مستقبل کا کیا پروگرام ہے؟" غزل نے پوچھا۔

"جی۔" حسن حیرت سے بولا۔

"نہیں میرا مطلب ہے اپنا کلینک کھولیں گے جاب کریں گے' ملک سے باہر جائیں گے' کوئی نظریہ ہو گا آپ کا؟"

"جی ہاں۔ اسپشلائزیشن کے لئے ملک سے باہر امریکہ جانے کا ارادہ ہے۔ وہاں سے واپسی کے بعد دیکھیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات' اصل میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"بس ایک دوسرے سے واقفیت۔" غزل نے جواب دیا اور حسن نے وہ فائل اٹھا لیا جس کا وہ جائزہ لے رہا تھا۔ کافی آ گئی۔ غزل نے اپنے ہاتھوں سے اسے کافی بنا کر دی اور پھر

پرائیویٹ وارڈ سے ایک مریض کے سلسلے میں اطلاع آئی اور حسن نے غزل سے کہا کہ وہ چلی جائے۔

غزل چلی گئی اور حسن فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے مسکراتا ہوا اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ عرفان کے الفاظ بھی اسے یاد آ رہے تھے۔ غزل کو اس کے مختصر قد و قامت کی بنا پر نظم کہنا ایک دلچسپ بات تھی عرفان کی بذلہ سنجی اور تیز بیانی کا حسن دل سے قائل ہوا۔ اس کی چشم تصور نجانے کہاں پہنچ گئی۔ ایک حسین چہرہ' حسین الفاظ جس میں زندگی کا حسن چھپا ہوا تھا اور جس سے زندگی وابستہ ہو چکی تھی۔ نجانے اس کی تقدیر میں یہ تابندگی کب مسکرائے گی اس نے دل ہی دل میں سوچا اور ان لمحات کو یاد کرنے لگا جب تابندہ سے اس کی پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔

❑

شاہی نے بڑے احترام سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس نے بغل میں ایک فائل دبایا ہوا تھا۔ میڈم نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"تشریف رکھئے شاہی صاحب۔"

"شکریہ۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کہئے کیسی مزاج ہیں آپ کے؟"

"آپ کی دعائیں ہیں میڈم' ٹھیک ہوں بالکل۔" شاہی سنجیدگی سے بولا۔

"اور آپ کے معاملات کیسے چل رہے ہیں۔"

"اگر آپ نے کوئی حکم دینے کے لئے مجھے طلب کیا ہے تو براہ کرم پہلے فرما دیجئے گا اس کے بعد میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔"

"نہیں نہیں آپ بتایئے کیا بات ہے؟"

"ذرا ان ناموں پر نظر ڈال لیجئے گا۔ میں نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیں طویل عرصے سے مختلف اشیاء سپلائی کر رہے ہیں۔ میں نے آپ سے ایک بار عرض کیا تھا تا کہ میں مارکیٹ کا سروے کرنا چاہتا ہوں اور ذرا مختلف جگہوں سے مختلف اشیاء کے ریٹس بھی لینا چاہتا ہوں پھر تھوڑی سی کوالٹی کا بھی معاملہ ہے۔ میرا خیال ہے ان دنوں یہ کام آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فی الحال ہمارے لئے اور کوئی مشکل نہیں ہے۔" اس نے فائل اپنے سامنے رکھ لیا اور فہرست پر نظر ڈالنے لگی۔ پھر بولی۔

"ان میں سے چند نام تو ایسے ہیں شاہی صاحب جنہیں بڑے اعتماد سے ٹک کر سکتی ہوں ان لوگوں سے ہمارا طویل واسطہ ہے اور ان لوگوں کی کارکردگی سے ہمیشہ مطمئن رہے ہیں اس کے باوجود اگر آپ انہیں بھی چیک کرنا چاہتے ہیں تو میری طرف سے آپ کو مکمل

اجازت ہے' مارکیٹنگ منیجر کی حیثیت سے آپ یہ حق رکھتے ہیں کہ پرچیزنگ کے لئے
اپنا فیصلہ ہو۔"

"بے حد شکریہ میڈم۔ ویسے میں آپ کو ایمانداری سے بتاؤں یہ کام تو خیر مجھے
اور اس میں مرے خلوص میں آپ کو کوئی شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اصل میں وہ کلاتھ
والا معاملہ جو تھا نا اس سے میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ گارمنٹ سٹی کی ان
ول ہے۔ جب ایک آدمی ایسا کر سکتا ہے تو ہو سکتا ہے دوسرے لوگ بھی گارمنٹ
ساکھ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پھر اگر ہماری خریداری میں بھی تھوڑی
بچت ہو جائے تو ذرا میرے بھی نمبر بڑھ جائیں گے اور میں بغلیں بجا کر کہہ سکوں گا کہ
میں نے گارمنٹ سٹی کو کتنا فائدہ پہنچایا ہے۔"

"مگر اس سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا شامی صاحب؟"

"آپ نے تو گارمنٹ سٹی کا لون بھی قبول نہیں کیا اگر اس فائدے کے عوض آ
کوئی فائدہ پہنچایا گیا تو آپ اس پر بھی اعتراض کریں گے۔"

"خیر اب اتنا بیوقوف آدمی بھی نہیں ہوں میں۔ اگر کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس پر
کو اعتراض ہو تو بھلا مجھے اس میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔"

"آپ فراز کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔"

"اصل میں یہ فیصلہ کرنا ہی ایک مشکل کام ہے ہم نہیں جانتے کہ ہم ایک دوسرے
کتنا چاہتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ دو حصے مل کر ایک بنتے ہیں۔ چاہے انہیں فراز کہ
جائے چاہے شامی۔"

"بڑی خوبصورت بات کہی ہے آپ نے اور دلی جذبوں کو ایک نام دیا ہے۔"

"میرا خیال ہے ہم موضوع سے بہت دور نکل گئے۔"

"ہاں ہاں آپ کچھ کہہ رہے تھے۔"

"وہ اصل بات بتا رہا تھا جو اصولی طور پر آپ سے چھپائی ہے لیکن آپ سے کہہ رہا
ہوں کہ نہ تو کبھی آپ کے سامنے جھوٹ بولوں گا اور نہ اپنے فرائض سے کوئی
کروں گا یا غفلت کروں گا۔ اس آؤٹ ڈور ڈیوٹی میں تھوڑی سی بے ایمانی کرنا چاہتا ہوں"

"بے ایمانی۔" وہ دلچسپی سے بولی۔ جب موڈ اچھا ہوتا تھا تو شامی سے گفتگو کر
لطف آتا تھا۔ ابھی تک بڑا سنجیدہ سنجیدہ سا تھا لیکن اچانک ہی اپنے اصل لہجے میں آ گیا

"جی ہاں پکی بے ایمانی۔ ڈیوٹی کے اوقات میں اگر تھوڑا سا اپنا بھی کام کر لیا
اصولی طور پر تو بے ایمانی ہوتی ہے لیکن اگر آپ کو بتا کر اور آپ سے اجازت لے کر
کر لیا جائے تو میرا خیال ہے آپ کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"کام کیا ہے؟"

"مکان تلاش کرنا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ جب مارکیٹ کا جائزہ لینے نکلوں گا تو دو
چار اسٹیٹ ایجنسیوں سے بھی رابطہ قائم کر لوں گا۔ ہو سکتا ہے فوری طور پر کوئی ایسا کام بن
جائے۔ دور بیٹھ کر تو ذرا مشکل ہو جاتی ہے اور پھر فراز مجھ سے بھی زیادہ مصروف آدمی ہے
آج کل ویسے بھی اس کی کلوزنگ ہو رہی ہے اس لئے وقت ملنا مشکل ہے۔"

"کیا آپ اپنا مکان فوراً چھوڑ رہے ہیں؟"

"چھوڑنا پڑے گا میڈم۔ ایک انسانی زندگی کا سوال ہے۔"

"انسانی زندگی کا۔"

"جی ہاں۔"

"کس کی انسانی زندگی؟"

"فراز کی۔"

"ارے کیا ہوا آپ کے فراز صاحب کو؟"

"خودکشی کرنی پڑے گی بے چارے کو۔"

"آخر کیوں۔ آپ کی باتوں میں بس یہی ایک بات ہے کہ ایک دفعہ سمجھ میں نہیں
آتیں۔"

"میڈم صورت حال اس نہج پر پہنچ گئی ہے کہ اگر اب بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں تو
مارے جائیں گے۔"

"ہوا کیا ہے؟" شیخ صاحب نے کوئی چکر چلا دیا ہے کیا؟"

"بڑے چکر باز ہیں خدا کی قسم وہ۔ میں نے ایسا حرفوں کا بنا ہوا آدمی نہیں دیکھا۔ پتا
ہے کیا کہہ رہے تھے؟"

"نہیں مجھے کیا پتا؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"سوکھا سا منہ بنا کر آئے کہ میاں خاندان میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لوگ
کہتے ہیں کہ دو بیچلر لڑکوں کو گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔ جوان بیٹی گھر میں ہے۔ یہ اچھی بات
نہیں ہے۔ چنانچہ مجبور ہو گئے اور ہم سے یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم مکان
خالی کر دیں۔"

"اوہ یہ معاملہ ہے۔"

"جی نہیں یہ نہیں وہ معاملہ ہے۔" شامی بالکل ہی بے تکلفی سے بولا جیسے بھول گیا ہو
کہ کس کے سامنے بیٹھ کر بات کر رہا ہے۔"

"وہ معاملہ۔"

"جی قطعی وہ۔ ورنہ جوان صاحب زادی تو بہت عرصے سے دونوں سمت نظروں کے تیر
پھینک رہی تھیں۔ اب دیکھئے نا اگر ایک بار یہ نشانہ درست نہ لیا جائے تو کوئی کیا گھائل ہو

گا۔ بہت عرصے تک تو ہم دونوں یہی سوچتے رہے کہ یہ مسکراہٹ رائٹ ہینڈ کے لئے ہے یا لفٹ ہینڈ کے لئے۔ بہرحال کسی کا کبھی مذاق نہیں اڑانا چاہئے لیکن جناب قبلہ شیخ صاحب نے اس کا ایک حل فوراً نکال لیا۔"

"کس کا حل؟" وہ بے اختیار اپنی ہنسی روکتی ہوئی بولی۔

"یہی کہ ہمیں مکان خالی نہ کرنا پڑے اور لوگوں کی آواز بھی بند ہو جائے۔ اصل میں اتنے ہمدرد ہیں وہ ہمارے کہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم دربدر مارے مارے بھٹکتے پھریں۔ پچھلی رات کو تشریف لائے' ساری رام کہانی سنائی۔ ہم سے محبتوں کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمارے چلے جانے سے جو سونا پن پیدا ہو جائے گا وہ اس خلا کو زندگی بھر پر نہیں کر سکتے پھر انہوں نے بڑا تاک کر تیر مارا اور کہنے لگے میاں اس کا ایک ہی حل ہے۔ وہ یہ کہ فراز خاموشی کے ساتھ شمسہ بیگم سے نکاح کر لے۔ کہنے لگے کہ سادگی کا دور ہے کیا لینا کیا دینا' بس تھوڑے سے زیورات چند کپڑے بنا لئے جائیں۔ لڑکی نیچے سے اوپر منتقل ہو جائے گی اور لوگوں کی زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔"

"خدا کی پناہ۔" اب وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی اور پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہی تھی۔ شاہی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ ہنس چکی تو شاہی نے کہا۔

"اب ان حالات میں آپ بتایئے فراز کو قربانی کا بکرا تو نہیں بنایا جا سکتا۔"

"فراز صاحب کا کیا کہنا ہے۔"

"کہتے ہیں بھاگو۔" شاہی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

"واقعی ان حالات میں تو آپ کو فوراً وہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ ورنہ بے چارے فراز صاحب تو بن موت مارے جائیں گے۔"

"نہیں خیر اب کوئی زبردستی تو نہیں کر سکتے شیخ صاحب لیکن مسئلہ وہی آ جاتا ہے کہ ہمیں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر یہ مکان خالی کر دینا چاہئے ورنہ شیخ صاحب بڑے دھن کے پکے ہیں۔ ہم اچانک اس طرح ان پر اپنے اس قدم کا انکشاف کریں گے کہ انہیں سوچنے کا موقع نہ مل سکے۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ ورنہ گریبان پکڑ کر کھڑے ہو جائیں گے کہ میاں لڑکی کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو باپ رے باپ۔"

بہت دیر تک وہ ہنستی رہی پھر اس نے کہا۔

"اچھا ایک کام کریں آپ۔ ابھی اپنے اس آؤٹ ڈور کو چند دن کے لئے ملتوی کر دیں۔ اس کے بعد مارکیٹ کے سروے کے لئے نکل جایئے' فی الحال آپ کا مکان کا مسئلہ ہے۔"

"اللہ آپ کا بھلا کرے۔ واقعی اس وقت بڑی سنجیدہ کیفیت ہے۔"

"اچھا یہ بتائیں فلیٹ میں گزارا ہو جائے گا۔"

"فلیٹ ہی تلاش کریں گے۔ گزارہ کیوں نہیں ہو جائے گا میڈم' اگر آپ ہمارے اس رذالت کدے کو دیکھیں اور دس منٹ وہاں گزارے جائیں تو سر منڈوا دیجئے گا ہمارا۔ شیخ صاحب کا صحن ہے جس میں لال رنگ کی سولہ اینٹیں جگہ جگہ ابھری ہوئی ہیں ان کے درمیان کائی لگی ہوئی ہے صحن کی بائیں سمت غسل خانہ ہے باورچی خانہ ہے اور ایک اور خانہ ہے جس پر ٹاٹ کا پردہ لٹکا ہوا ہے اس کے بعد ایک چوڑا سا در ہے در کے دوسری جانب دالان میں تین کمرے۔ جس میں ایک محترمہ شمسہ کا ہے ایک کو آپ ڈرائنگ روم کہہ سکتی ہیں اور ایک کو بیڈ روم۔ بالکل داہنی سمت دروزے کے اندر داخل ہوتے ہی ایک پتلا سا کھڑکی کا زینہ ہے جس پر قدم رکھتے ہیں تو سب سے پہلے کلمہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ چرر چرر چوں چوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ابھی بائیں سمت زینے سمیت جا پڑیں گے۔ خیر اللہ کی عنایت کے ساتھ انسان اگر اوپر پہنچ بھی جائے تو اس کے بعد ایک چھوٹی سی جگہ آتی ہے جسے آپ راہداری کہہ سکتی ہیں۔ راہداری سے اندر داخل ہوتے ہیں تو جملہ لوازمات اور ایک کمرہ غسل خانہ جس کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ پانی شیخ صاحب کی مرضی سے آتا ہے۔ کرایہ دو دن لیٹ ہو جائے تو پانی چار دن لیٹ ہو جاتا ہے تو یہ ہے ہمارا دولت کدہ۔ دنیا کا ہر گھر اس سے بہتر ہو گا سمجھیں آپ۔"

"سمجھ گئی اچھی طرح۔ تو اگر ایسی بات ہے تو میں آپ کے لئے ایک فلیٹ کا بندوبست کر سکتی ہوں۔"

"جی ہاں بالکل میں۔ ذرا آپ یوں کریں کہ انٹر کام پر ذکی صاحب کو بلا لیں۔"

"آپ؟"

"میڈم کیا فلیٹ کے سلسلے میں؟"

"جی ہاں۔ وہ فلیٹ ذکی صاحب کا ہے۔ انہوں نے ہی خریدا تھا ہم کمپنی کی طرف سے آپ کو وہ فلیٹ رہائش کے لئے دے سکتے ہیں کمپنی ذکی صاحب کو کرایہ ادا کر دے گی۔ ویسے بھی آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ کو رہائش دی جائے اور یہ بات آپ کی کنفرمیشن کے بعد آپ کو بتائی جاتی۔"

"اوہو گویا گویا اس کا مطلب ہے کہ ہمیں فلیٹ کا کرایہ بھی نہیں ادا کرنا ہو گا۔"

"کمپنی ادا کرے گی وہ کرایہ آپ کا ذکی صاحب کا کہنا ہے کہ وہ فلیٹ بہت اچھا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے آپ کو پسند آ جائے تو ٹھیک ہے ویسے بھی آپ صرف دو افراد ہیں۔ آپ کے لئے بہت کافی رہے گا وہ۔ بلایئے ذرا ذکی صاحب کو۔

شاہی نے انٹر کام کے بٹن دبائے اور دوسری طرف سے ذکی صاحب کی آواز سنائی دی۔

"یس میڈم۔"

"اس وقت میڈم نہیں خادم بول رہا ہے ذکی صاحب۔ احتشام احمد۔ میڈم آپ کو طلب

کر رہی ہیں۔ میں انہی کی کمرے میں موجود ہوں۔"

"ابھی آیا۔" ذکی صاحب نے جواب دیا اور شامی نے انٹر کام بند کر دیا۔ وہ اب بھی ہنستی ہوئی نگاہوں سے شامی کو دیکھ رہی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نگاہوں کا یہ سفر اس کمرے کے آگے بڑھ گیا ہو۔ کہیں اور کہیں اور.... اور.... بہت دور.... نجانے کہاں۔

❑

محمود احمد ایڈووکیٹ اپنے کمرے میں بیٹھے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ترنم اور عزیزہ ایک گوشے میں کسی کتاب پر تبصرہ کر رہی تھیں۔ فرزانہ بیگم بہت دیر سے شوہر کی خاموشی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نہ رہا گیا تو پوچھ بیٹھیں۔

"کیا بات ہے خیریت تو ہے آپ بہت دیر سے کسی گہری الجھن کا شکار ہیں کوئی کیس ذہن میں آگیا ہے کیا؟" محمود احمد نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولے۔

"ہاں کیس ہی سمجھ لیجئے ذرا الجھن میں ہوں ان دنوں۔"

"خیریت مجھے بتانے کی بات نہیں ہے۔"

"ارے نہیں کیوں نہیں' بس ویسے تو اللہ کا شکر ہے کبھی کبھی مرزا صاحب کی طرف سے طبیعت تکدر کا شکار ہو جاتی ہے۔"

"مرزا سخاوت بیگ۔"

"ایک وہی تو اپنے مرزا ہیں انہی کے بارے میں سوچنے لگتا ہوں۔"

"کوئی خاص بات۔"

"بھئی اس سے زیادہ خاص بات اور کیا ہو سکتی ہے حسن نے ماشاء اللہ ہاؤس جاب مکمل کر لیا ہے۔ بس اسی کے لئے ابھی تک ہسپتال میں رہنے دیا ہے میں نے کہ پریکٹس جاری رہے ورنہ ساری زندگی کا مطمع نظر یہ ہے کہ بیٹے کو اسپیشلسٹ بناؤں اس کا اپنا کلینک کھلوا دوں اور اس طرح میری زندگی میں نئی لطافتوں کا آغاز ہو جائے۔ میں اب بھی اپنے اسی نظریئے پر قائم ہوں۔ حسن کی شادی کر دوں اس کے بعد ترنم اور عزیزہ کی فکر کروں۔"

"ہاں الجھن واقعی مجھے بھی ہے۔ اب مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ سخاوت بیگ اتنا وقت لگا دیں گے اور سچی بات یہ ہے کہ ابھی تو مجھے وہاں کچھ تیاریاں بھی نظر نہیں آتیں۔"

"حالانکہ ہم نے پچھلی ملاقات میں بڑی وضاحت سے بات کی تھی اور پھر آپ دیکھئے دن بھی اچھے خاصے ہو گئے۔ بیٹیوں والے تو اس دن سے کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں جس دن سے بیٹی گھر میں جنم لیتی ہے اور پھر وہ تو ماشاء اللہ تین تین بیٹیوں کے باپ ہیں پہلی کو ہی صحیح طور سے نہ نمٹا سکے تو بعد میں کیا کریں گے۔" فرزانہ بیگم نے متفکر لہجے میں کہا۔

رشتے داری کا معاملہ تھا اور پھر بڑی چاہ سے یہ رشتہ ہوا تھا۔ تابندہ میں واقعی کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ ہر طرح سے سگھڑ سینے پرونے میں ماہر۔ اسکے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے دیکھے تھے فرزانہ بیگم نے۔ نفاست کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ سب کچھ تھا اس کے اندر لیکن اب اس کو کیا کیا جاتا کہ مرزا سخاوت بیگ کے پاس انتظام ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ محمود احمد نے کہا۔

"بتاؤ کیا کیا جائے۔ کوئی ترکیب سمجھ میں آتی ہے۔"

"ملتے ہیں ایک بار پھر سخاوت بیگ صاحب سے بات کریں۔ میرا خیال ہے ان سے ایک آخری وقت لے لینا چاہئے۔"

"بھئی برا مت ماننا اس سے آگے بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"اگر مرزا صاحب صحیح وقت کا تعین نہ کر پائے تو پھر اس سلسلے کو جاری رکھنا میرے لئے ممکن نہیں ہو گا۔" محمود احمد نے کہا اور فرزانہ بیگم ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئیں۔ ترنم اور عزیزہ بھی اپنی کتاب وغیرہ چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ جو کچھ سنا رہی تھیں وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ تابندہ سے دلی لگاؤ تھا انہیں۔ رشتے ناتے کی تو خیر بات ہی نہیں تھی کیونکہ مرزا سخاوت بیگ نے خاندان میں بہت زیادہ گھلنے ملنے ہی نہیں دیا تھا لیکن یہ رشتہ طے ہو جانے کے بعد تابندہ سے بہت سی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور دونوں لڑکیاں اس سے بہت متاثر تھیں۔ فرزانہ بیگم اور محمود احمد کچھ دیر خاموش رہے پھر فرزانہ بیگم نے کہا۔

"خیر اب اس حد تک تو جانا ٹھیک نہیں ہے۔ اتنے دن کا لگا ہوا رشتہ۔ لڑکے اور لڑکی کے ذہن میں بھی ایک دوسرے کے لئے گھر بن جاتا ہے۔ یہ سارا سب کچھ تو ہو سکتا ہے لیکن ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے البتہ میں ذرا سختی سے فیروزہ بیگم سے بات کرتی ہوں اور کہتی ہوں کہ بھئی دیکھو اب یہ کام کرنا ہے تمہارا کوئی مسئلہ ہو یا نہ ہو لیکن ہماری مجبوریاں بھی مدنظر رکھو۔"

"اصل بات یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اب حسن کا وقت ضائع نہ ہو گزرنے والا ہر دن قیمتی ہوتا ہے یعنی ہم تو تیار بیٹھے ہوئے ہیں اس کے لئے کہ شادی کریں اور دونوں میاں بیوی کو امریکہ روانہ کر دیں لیکن راہ میں ایک رکاوٹ بنے ہوئے ہیں تو اپنے بیگ صاحب۔ یعنی میں تو اس بات پر بھی تیار ہوں کہ وہ بہت زیادہ شور و غوغا نہ کریں۔ سادگی ہی سے کر دیں جو بھی کرنا چاہیں حالانکہ میرا اکلوتا بیٹا ہے میں اپنے دل کے ارمان نکالنا چاہتا ہوں اس کے سلسلے میں لیکن پھر بھی سخاوت بیگ سے تعاون کروں گا۔ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ حسن فوراً امریکہ روانہ ہو جائے۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"فرض کیجئے اگر کچھ زیادہ وقت مانگ لیتے ہیں وہ تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ حسن کو امریکہ

روانہ کر دیا جائے۔"

"نہیں آپ اس سلسلے میں چاہے کچھ بھی کہیں میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ یہ کسی داستان کو اپنے گھر تک نہیں پہنچنے دینا چاہتا جیسی داستانیں عرف عام میں صاحبزادے تعلیم کے لئے ملک سے باہر گئے اور واپسی میں کسی نہ کسی غیر ملکی لڑکی کو آئے۔ والدین اگر سخت ہوئے تو دونوں کو نکال باہر کیا اور اگر سخت نہ ہوئے تو ... کے لئے المیہ برداشت کرنا پڑا۔ کلچر میں فرق پڑ جاتا ہے۔ فطرتوں میں فرق پڑ جاتا نسلوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے بہت سے مسائل ہیں' کسی ایک مسئلے کا کیا تذکرہ کر...

"تو پھر دیکھ لیجئے آپ جیسا مناسب سمجھیں' بھلا میں آپ سے اختلاف کر سکتی ہوں"

"نہیں اختلاف کی بات نہیں ہے بس میں اس کے لئے ذہنوں کو تیار کرنا چاہتا ہوں اگر مرزا سخاوت بیگ اب بھی ٹال مٹول سے کام لیں تو بحالت مجبوری ہمیں کچھ اور پڑے گا۔"

"چلئے بات کر لیتے ہیں ان سے۔"

"ہاں' لیکن ذرا کھل کر۔" محمود احمد صاحب نے کہا۔

❑

ذکی صاحب میڈم کے پاس پہنچ گئے۔ شامی وہیں موجود تھا۔ ذکی صاحب نے فوراً محسوس کر لیا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے میڈم کا موڈ ٹھیک ہے۔ میڈم ذکی صاحب دیکھ کر بولیں۔

"ذکی صاحب وہ آپ کا فلیٹ تو خالی ہی ہے نا جس کے بارے میں آپ نے تذکرہ تھا؟"

"جی میڈم بالکل خالی ہے اور میں اس کا خالی رہنا ہی زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔"

"کیوں ذکی صاحب؟"

"آپ کو بتا چکا ہوں کرائے پر دے کر بہت سے خطرات مول لینے سے کوئی ... نہیں' بے شمار ایسے واقعات علم میں آ چکے ہیں کہ بس مالکان اور کرائے دار کا تنازعہ ہوا دونوں میں سے کوئی ایک اللہ کو پیارا ہو گیا۔ بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے ان دنوں۔"

"ہاں یہ تو ہے ویسے شامی صاحب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"جی' میں سمجھا نہیں میڈم؟"

"میرا خیال ہے شریف آدمی ہے۔"

"ارے کیا بات ہوئی براہ کرم مجھے کچھ تو سمجھا دیا جائے۔"

"ذکی صاحب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ اپنا فلیٹ شامی صاحب کو دے دیں ... ہو گی۔ کرایہ آپ کو گارمنٹ سٹی سے ملے گا اور میرے خیال میں گارمنٹ سٹی پر آپ...

اعتماد رکھتے ہیں۔"

ذکی صاحب بے اختیار ہنس پڑے۔ میڈم بھی ہنسنے لگی تھیں۔ ذکی صاحب نے کہا۔

"میڈم یہ تو میرے اوپر احسان ہو گا اگر واقعی شامی صاحب اس فلیٹ میں آ جائیں' لاحول ولا قوۃ کسی برائی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"بس تو پھر آپ یوں کیجئے' زحمت تو ہو گی آپ کو' اصل میں شامی صاحب ذرا الجھن میں ہیں۔ آپ انہیں اپنا فلیٹ دکھا دیجئے خود ہی چلے جایئے تاکہ معاملہ کل پر نہ ٹلے۔"

"جی بہت بہتر میں حاضر ہوں۔" ذکی صاحب مستعدی سے بولے۔

"جایئے شامی صاحب سروے تو آپ بعد میں شروع کیجئے پہلے ایک حصہ مکمل کر لیجئے۔"

شامی ایک لمحے کے لئے الجھن میں رہا تھا لیکن بادل نخواستہ تیار ہو گیا۔ ذکی صاحب اسے اپنی کار میں لے کر چل پڑے۔ راستے میں انہوں نے کہا۔

"چابی گھر میں ہے۔ چابی لیتے ہوئے چلیں گے۔"

"جی۔"

گھر سے چابی لینے کے بعد ایک بار پھر سفر شروع ہوا اور پھر ذکی صاحب جس عمارت کے سامنے رکے وہ بہت خوبصورت اور صاف ستھری بنی ہوئی تھی۔ ہر طرح کی آسائشیں وہاں موجود تھیں۔ دوسری منزل کے ایک خوبصورت فلیٹ کے سامنے رک کر ذکی صاحب نے دروازہ کھولا' شامی تو یہاں کا ماحول دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا۔ اچھے خاصے صاحب حیثیت لوگ تھے۔ بہرحال فلیٹ میں داخل ہوا۔ پانچ کمروں کا نہایت خوبصورت فلیٹ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ پانچ کمروں کا نہایت خوبصورت فلیٹ تھا۔ بڑے کشادہ کمرے' تین بیڈ رومز کے ساتھ' بالکونی' غرض دیکھنے دکھانے کی چیز تھی۔ شامی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ ایسے فلیٹ کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ان لوگوں کے پاس اتنا سامان موجود تھا کہ وہ یہاں لا کر فلیٹ کو سجاتے بہرحال ذکی صاحب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہئے شامی صاحب کیسا ہے ہمارا فلیٹ' ویسے آپ کو بتا دوں بہت ہوادار اور بڑا پر فضا مقام ہے یہ میرے خیال میں آپ کو پسند آ جانا چاہئے۔"

"جی ہاں پسند تو ہے مجھے لیکن خیر کوئی بات نہیں ہے' دیکھ لیں گے۔"

"کیا؟"

"اصل میں ذکی صاحب ہم دو بھائی ہیں' ساتھ رہتے ہیں' والدین یہاں نہیں ہیں' بہت بڑا فلیٹ ہے یہ' ہمارے پاس تو سامان بھی مختصر ہے لیکن خیر اللہ مالک ہے۔"

"ارے شامی صاحب یہ سب تو بعد کی باتیں ہوتی ہیں' آہستہ آہستہ سب کچھ ہی ہو جاتا ہے' کر لیجئے آپ جو بھی مناسب سمجھیں' اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے یہ

بتایئے کہ فلیٹ کیسا ہے' آپ ذرا اس کے کچن دیکھئے' باتھ روم دیکھئے۔ یہ بالکونیاں ا
اطراف کے مناظر' میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ فلیٹ لے لینا چاہئے اور پھر بھائی یہ
فائدہ ہے' ڈیڑھ سال سے بند پڑا ہوا ہے یہ کرائے پر اس لئے نہیں دیتا کہ ہمت نہیں
کمپنی لیز ہو جائے گی مجھے بھی کچھ مل جائے گا۔"

شامی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "ذکی صاحب مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ایک
آپ کو بھی لینا پڑے گا' وہ یہ ہے کہ اگر ہو گئی کوئی گڑبڑ تو آپ کا فلیٹ پھر خالی ہو
گا۔" ذکی صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔

"آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں شامی صاحب لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کبھی کبھی
کے لئے میرے دل میں کچھ اور تصورات بھی جاگ اٹھتے ہیں۔"

"کیا؟"

"آپ بہت معصوم اور سادہ دل ہیں حالانکہ اس سے آپ کو فائدہ ہی ہوا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"بھئی آپ کو معلوم نہیں آپ کی صاف گوئی اور سادہ دلی ہی شاید میڈم کو پسند
تھی جس کی وجہ سے آپ کو یہ ملازمت مل گئی۔"

"نہیں' میڈم بذات خود بھی ایک انتہائی نفیس خاتون ہیں' بعض اوقات ان کے سا
کوئی سخت لہجہ اختیار کر کے آپ یقین کیجئے ذکی صاحب مجھے سخت شرمندگی اور افسوس
ہے لیکن کیا کروں بس طبیعت میں تیز مزاجی رچی ہوئی ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے یہ چابی اب آپ کے حوالے۔" ذکی صاحب نے کہا اور تھوڑی
کے بعد وہ وہاں سے واپس چل پڑے۔

شام کو معمول کے مطابق شامی وہاں سے فارغ ہوا' میڈم سے ٹیلی فون پر ہی بات
تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر فلیٹ اسے پسند آ گیا ہے تو اب وہ چابی اپنے پاس ہی
اور شفٹنگ کی تیاریاں کر لے اس کے لئے اسے تین دن کی چھٹی دی جا سکتی ہے جب
وہ لینا چاہے' شامی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اصل میں فراز سے گفتگو کئے بغ
بات آخری نہیں ہوتی اس سے بات کر لے' میڈم نے اسے اجازت دے دی تھی۔

شام کو شامی ہانپتا کانپتا گھر پہنچا تھا' فراز شاید ابھی آیا نہیں تھا' دروازے پر ش
صاحب سے ملاقات ہو گئی' حسب معمول آخاہ کا نعرہ لگا کر شامی کی طرف لپکے۔

"کہو بھئی کہاں سے آنا ہو رہا ہے؟"

"بس شیخ صاحب وہی زندگی کی تگ و دو اور کیا ہے؟"

"ہاں میاں بات کچھ عجیب سی ہے لیکن معاف کرنا اصل میں ہمارے ملک کی
آبادی نکمی ہو گئی ہے۔"

"بہت افسوس ہوا۔" شامی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ ارے بھائی یہ عمر تو ایسی ہے کہ زمین پر ٹھوکر
ماروں تو پانی نکل آئے' بازوؤں کی قوت آزماؤ بھلا کس چیز کی کمی رہے گی لیکن تم ہو کہ
ملازمت تلاش کرتے پھر رہے ہو اور آج تک ملازمت نہیں ملی۔"

"اصل میں بتاؤں یہ بات کیا ہے؟"

"جی بتایئے۔"

"یہ کارکردگی نہ ہونے کی بات ہے' صلاحیت نہ ہونے کی بات ہے' محنت نہ کرنے کی
بات ہے۔"

"بس تین؟"

"چکنے گھڑے بننے کی کوشش کر رہے ہو نہ بنو تو بہتر ہے۔"

"فراز آ گیا؟"

"ابھی نہیں آیا وہ کام کا بندہ ہے' ویسے میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر تم دونوں کے
درمیان کوئی گفتگو ہوئی؟"

"ہاں ہاں۔"

"کیا آؤ اندر بیٹھو چائے پیو گے؟"

"فراز تو ابھی آیا نہیں ہے' چائے پینے کو دل تو چاہ رہا ہے۔"

"تو آؤ آؤ' میں چائے بنوا کر لاتا ہوں بیٹھو۔" شیخ صاحب نے کہا اور شامی آرام سے
بیٹھ گیا۔ شیخ صاحب اندر چلے گئے تھے' چائے شاید تیار ہی تھی اپنے لئے اور شامی کے لئے
چائے لے کر آئے اور ایک پلیٹ میں اخروٹ کا حلوہ بھی' غالباً اچھے شگون کی باتیں کرنے
کے لئے مٹھائی ساتھ لائے تھے لیکن بس حلوہ اتنا ہی تھا کہ جو بھی ہاتھ بڑھا کر اٹھا لے اس
کے حصے میں آ جائے' دوسرا منہ دیکھتا رہ جائے شیخ صاحب میں یہ خوبی تھی' کسی بھی سلسلے
میں وہ کوئی احمقانہ تکلف نہیں برتتے تھے۔

"لو میاں تمہارا حصہ ہے فراز کے لئے بھی رکھا ہے ہم لوگ تو کھا چکے۔"

"شکریہ۔" شامی نے حلوے پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا اور دو نوالوں میں اسے ختم
کر کے چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔

"ہاں تو پھر کیا طے کیا ہے تم لوگوں نے' تم بتا رہے تھے نا کہ تمہارے اور فراز کے
درمیان گفتگو ہوئی ہے؟"

"جی ہاں ایسا ہوا ہے۔"

"کیا گفتگو رہی؟"

"آپ کو تو نہیں بتائی جا سکتی۔" شامی نے شرارت سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میری اور فراز کی باتیں ہیں' بھلا بیچ میں آپ کی ٹانگ کہاں سے آ اڑی۔"

"بھئی مسئلہ تو ہمارا ہی ہے۔"

"آپ کا مسئلہ ہے سوچ سمجھ کر جواب دیں گے۔ میرے اور فراز کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے وہ آپ کو بالکل نہیں بتائی جا سکتی۔"

"نہایت نامعقول آدمی ہو تم' میں نے ہمیشہ تم پر اعتبار کیا اور تم نے ہمیشہ ہی بے اعتباری کا ثبوت دیا۔"

"ہاں یہ تو ہے' انسان میں کچھ خامیاں تو ہوتی ہیں شیخ صاحب میں بھی خامیوں سے عاری تو نہیں ہوں۔"

"بھئی مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ۔"

"دیکھئے میں آپ کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا اوہو شاید فراز آ گیا۔" شاہی ایک دم اٹھ گیا اور اس کے بعد وہ کسی قسم کا تکلف کئے بغیر باہر نکل گیا' شیخ صاحب ہکا بکا اسے دیکھتے رہ گئے پھر انہوں نے حلوے کی خالی پلیٹ کو دیکھا اور چائے کی پیالی کو اور اس کے بعد برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگے' کم بخت پھر ڈاج دے گیا تھا' شاہی اوپر کمرے میں پہنچا۔ فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج کچھ جلدی آ گئے۔"

"نہیں' میرا خیال ہے تم دیر سے آئے ہو۔"

"چلو ہو سکتا ہے' یہ شیخ صاحب سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

"عزیزم ذرا چھری تلے دم لے لو کچھ کھا پی لو اس کے بعد بتاؤں گا' شیخ صاحب تو چھری لئے تیار بیٹھے ہیں۔"

"بے وقوف آدمی ہیں وہ ان کی ایسی تیسی وہ جو بکواس کر رہے ہیں ظاہر ہے اس پر عمل تو نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر جان من کرو گے کیا؟"

"سوچ رہے ہیں' یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے' میں نے آج اپنے چند دوستوں سے کہا ہے' چھٹی والے دن اسٹیٹ ایجنسیوں سے جا کر ملوں گا جیسا بھی ہو جس طرح سے بھی ہو جیسے بھی بن پڑے اس وقت یہاں سے نکل جانا ہے' شیخ صاحب اب بدتمیزی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ بھئی اچھا خاصا کرایہ دیتے ہیں ہم اس جھونپڑے کا اب تو ماشاء اللہ تمہاری ملازمت بھی لگ گئی ہے تھوڑا سا شیئر کر لیں گے کرائے میں' ذرا بہتر مکان لے لیں گے زندگی یہاں گھٹ گھٹ کر گزری ہے نہ کسی دوست کو بلانا ہوتا ہے' نہ جناب عالی کوئی سامان یہاں لا کر رکھا جا سکتا ہے' جگہ ہی نہیں ہے' حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کہ ہم سامان نہ لا سکیں مگر

یہاں کوئی گنجائش بھی تو ہو' کبھی پانی بند' کبھی گیس بند ایک عذاب میں زندگی گرفتار ہے اور اوپر سے شیخ صاحب ہمیشہ کے لئے یہ قید ہم پر مسلط کر دینا چاہتے ہیں معہ اپنی دو چشمی "ہے" کے۔"

فراز نے کہا اور شاہی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا' یہ دو چشمی "ہے" کا آئیڈیا بالکل نیا تھا اس کے لئے' وہ بہت دیر تک وہ دو چشمی "ہے" پر قہقہے لگاتا رہا' فراز برا سا منہ بنا کر اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یار میں کپڑے تبدیل کر لوں' خواہ مخواہ موڈ خراب ہو جاتا ہے' یہ سب کچھ سوچ کر' واقعی ایک بڑے عذاب میں گرفتار کر دیا ہے اب مکان کی تلاش کرنا بھی تو کوئی معمولی کام نہیں ہے۔"

"یار فراز آج ایک عجیب بات ہو گئی ہے' کپڑے ابھی نہ تبدیل کرو ہو سکتا ہے ہمیں چلنا پڑے۔"

"کہاں؟"

"پہلے بیٹھو پوری بات بتاتا ہوں۔ میں نے میڈم سے کہا تھا کہ باہر کا سروے کرنا چاہتا ہوں مارکیٹنگ منیجر کی حیثیت سے اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اس سے میرا بھی کچھ فائدہ ہے۔ مثلاً یہ کہ میں کوئی مکان تلاش کرنے میں آسانی محسوس کروں گا باہر نکل کر۔ جواب میں خاتون نے بڑی مہربانی کا مظاہرہ کیا اور اپنے منیجر صاحب کو بلا کر ان سے مجھے ایک فلیٹ دکھانے کے لئے کہا' منیجر صاحب کا فلیٹ ہے اور وہ ہمیں کمپنی کی طرف سے دینا چاہتے ہیں۔"

"کک.... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ ہم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا بلکہ کمپنی ہمیں رہائش دے رہی ہے' یعنی مجھے مارکیٹنگ منیجر کی حیثیت سے۔"

"ابے نہیں پھر چھوڑی تو نے۔"

"دیکھ فراز سیریس ہو جا' چھوڑوں گا تو سمیٹی نہیں جائے گی۔"

"مگر بات تو سن کیا کیا واقعی سچ کہہ رہا ہے' اصل میں یار اس وقت ذرا صورت حال بالکل مختلف ہے میں حواس باختہ ہو رہا ہوں اگر اس وقت کوئی مذاق مجھ سے کیا گیا تو سچی بات ہے میرے ساتھ ظلم ہو گا۔"

"فضول باتوں سے گریز کرو' یہ دیکھو یہ ہے اس فلیٹ کی چابی۔"

"سچ.... چابی؟"

"ہاں۔"

"سچ.... چابی کہاں سے لی تم نے؟"

"بس وہ فلیٹ مجھے دینے پر آمادہ ہیں' میں نے کہہ دیا ہے کہ فراز کو دکھا لوں اگر [اس] نے اوکے کر دیا تو پھر ٹھیک ہے۔"

"واقعی اور کرایہ کچھ بھی نہیں؟"

"نہیں۔"

"یار یہ تو امداد غیبی ہو گئی ہمارے لئے' اس وقت سچی بات یہ ہے کہ رہنے کے لئے کسی دکان کا سائبان بھی مل جائے تو ہم وہاں جا کر پڑ رہیں گے ان شیخ صاحب نے ایسا خوف و ہراس پھیلا دیا ہے' میں تو آج دن بھر یہ سوچتا رہا کہ شیخ صاحب نے آخر کہہ [کیا] ڈالا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے چلیں؟"

"فوراً چلو بھائی' باقی ساری باتیں بعد میں' ویسے تم نے فلیٹ دیکھ لیا؟" فراز نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیسا ہے؟"

"اچھا ہے۔"

"چلو دیکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ دیکھنا کیا بس آخری فیصلہ کر لیتے ہیں اس وقت میڈم کا احسان قبول کیا جا سکتا ہے کیونکہ جان پر بنی ہوئی ہے' بلکہ میری مان شامی بیٹھ [بیٹھ]۔"

"ہاں بولو۔"

"کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے میں سمجھتا ہوں اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ جہا[ں] تک تو ہمیں مل گئی ہے' ارے اگر ان لوگوں کو عقل آئی اور ہمیں نکالنے پر بھی تل گئے تو بعد میں کچھ اور دیکھ لیں گے کم از کم یہاں سے تو جان چھوٹے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

ابھی وہ یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ شیخ صاحب کا نزول ہو گیا لیکن اب فراز کے تھ[یور] بھی پھول پچک رہے تھے اب وہ اس کیفیت میں نہیں تھا جس میں تھوڑی دیر قبل تھ[ا] بہرحال شامی اتنی سنجیدگی سے کسی مسئلے میں جھوٹ نہیں بول سکتا اور یہ بھی درست ہے [کہ] جگہ کیسی ہی ہو اس وقت یہاں سے نکل جانا سب سے بہتر کام تھا۔

شیخ صاحب اسلام علیکم کہہ کر اندر داخل ہو گئے۔ "کہو فراز میاں کیسے مزاج ہیں بھئی شامی تو نامعقولیت کی آخری حد تک پہنچ گیا ہے اب۔ میرا خیال ہے میرے لئے ا[سے] برداشت کرنا ایک ناممکن کام ہو گیا ہے۔"

"جی جی شیخ صاحب۔ آپ آخر ہیں کون مجھے برداشت کرنے والے۔ کیا اوقات [ہے] حیثیت ہے آپ کی' آپ مالک مکان ہیں ہم کرایہ دار۔ کرایہ دیتے ہیں آپ کو ہر مہینے پہلی تاریخ کو جس سے آپ کے اخراجات چلتے ہیں اس سے زیاہ آپ کی اور اوقات کیا[؟]

جب دیکھیں فضول باتیں برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔"

"تو میاں برداشت نہ کرو' ہم کب کہتے ہیں کہ برداشت کرو۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"بس عزیزی مکان خالی کر دو۔"

"کب تک خالی کروں میں؟"

"میاں ہماری خواہش ہے کہ ابھی خالی کر دو۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔"

"اور وہ جو کرایہ جو آپ کو پہلی تاریخ تک کا ایڈوانس دیا جا چکا ہے؟"

"کتنے پیسے باقی بچیں گے تمہارے؟"

"حساب لگائیے۔"

"تم خود حساب لگا لو۔" شیخ صاحب نے کہا۔

"بھئی شامی کیوں بات بڑھا رہے ہو۔ ظاہر ہے شیخ صاحب۔ شیخ صاحب۔"

"نہیں میاں اصل میں بہت بڑی بڑی باتیں مجھے خود بھی ناپسند ہیں۔ میں تو تم لوگوں پر ترس کھا رہا تھا اور میں نے ایک تجویز پیش کی تھی۔ بھلا اس طرح کہیں رشتے بنائے جاتے ہیں۔ تم لوگوں کا فائدہ ہی فائدہ تھا ایک تو بزرگ بن کر سوچا اپنی بیٹی تمہارے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا اور اوپر سے یہ انداز اختیار کیا ہے تم نے' صاحبزادے باہر نکل کر ذرا گھروں کی حالت دیکھو گے تو پتا چلے گا کہ گھر ملنا اس دور میں کتنا مشکل کام ہے اور پھر حقیقت یہ ہے کہ نکمے اور نکھٹو ہی زیادہ بڑھ چڑھ کر بولتے ہیں یہ شامی آخر خود کو سمجھتا کیا ہے۔"

"اماں چھوڑیئے شیخ صاحب' میں لعنت بھیجتا ہوں۔ اس کبوتر خانے پر' مرغی کا ڈربہ اس سے اچھا ہو گا اسے آپ مکان کہتے ہیں' ہماری مجبوری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

"تو میاں اگر ناک والے ہو تو اسی وقت چھوڑ دو۔ منع کون کر رہا ہے۔" شیخ صاحب بھی آج کچھ غلط ہی بول رہے تھے حالانکہ مکان خالی کرانا مقصود نہیں تھا بس دباؤ ڈال کر ثمرہ اور فراز کی شادی کے لئے تیار کرنا تھا لیکن نجانے کیوں اس وقت کچھ اڑ گئے تھے۔

"لگائیے حساب اور نکالئے۔"

"تم سامان باندھو ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ۔"

"پیسے لئے بغیر۔"

"پیسے یہ لو' پیسوں کے لئے کیوں ڈراتے دھمکاتے ہو' شیخ صاحب نے طیش میں آ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور فراز نے آنکھیں بند کر لیں لیکن اس کا بھی دل ڈر رہا تھا۔ چابی بے شک شامی نے اسے دکھا دی تھی اور جو کچھ کہا تھا لازمی امر تھا کہ غلط نہیں ہو گا لیکن پھر بھی نجانے کیوں ایک خوف سا دل پر سوار تھا۔ شیخ صاحب نے حساب کر کے بقیہ رقم سامنے ڈالی اور بولے۔

"دو گھنٹے کے اندر اندر سامان باندھو اور یہاں سے نکل جاؤ۔"

"جی نہیں کرایہ ابھی رات بارہ بجے تک کا باقی ہے آپ پر۔ دن چوبیس گھنٹے کا ہے شیخ صاحب۔"

"ٹھیک ہے اب آپ جایئے اور ہم لوگوں کو اپنا کام کرنے دیجئے۔"

شیخ صاحب ایک لمحے تک کھڑے رہے اس کے بعد باہر نکل گئے لیکن ہوئے ذرا جزبز تھے یہ کیا ہو گیا' غصے ہی غصے میں بات گڑبڑ ہو گئی' یہ لوگ تو جانے پر آمادہ ہو گئے۔ نیچے پہنچے بیگم صاحبہ کو حقیقت بتائی اور بیگم صاحبہ ہکا بکا رہ گئیں۔

ڈاکٹر غزل کو حسن بہت پسند آیا تھا' کشادہ ذہن اور ماڈرن گھرانے سے تعلق رکھتی تھی' جہاں بے باکی اور آزادی سے دل کی کہانیاں کہی اور سنی جا سکتی تھیں۔ بیرسٹر ہاشم علی کی بیٹی تھی' گھر سے ہر طرح فارغ البال' بہن اور بھائی بھی تھے' سب کے سب مستحکم' بہنوں کی شادی ہو چکی تھی دو بھائیوں کی شادی ہو چکی تھی۔ دو بھائی باقی تھے لیکن ملازمتوں سے لگے ہوئے' غیر شادی شدہ وہی رہ گئی تھی' بیرسٹر ہاشم علی کا خیال تھا کہ اسے ڈاکٹر بنانے کے بعد مزید تعلیم کے لئے امریکہ بھیج دیں گے اور وہ خود بھی اس کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی' مستقبل کا ایک حسین خاکہ اس کے ذہن میں تھا لیکن ڈاکٹر حسن کو دیکھ کر اس کے دل میں محبت کی کونپل پھوٹ اٹھی تھی اور وہ بڑی تیزی سے ڈاکٹر حسن کی جانب بڑھ رہی تھی جب کہ اس نے محسوس کیا تھا کہ حسن معتدل مزاج آدمی ہے اور اپنے آپ کو لئے دیئے رہنے کا عادی۔ شکل و صورت میں مردانگی کے ساتھ شرافت کا ایک ایسا جزو پایا جاتا تھا جس نے اس کی دلکشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا' مستعد مزاج اور ذہین نوجوان تھا اور زندگی کے حسین ساتھی کی حیثیت سے اسے آئیڈیل بنایا جا سکتا تھا۔ غزل اس کے ساتھ پانچ دن مکمل کر چکی تھی لیکن بعد کا مسئلہ کوئی ایسا نہیں تھا بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت بھی دونوں الگ الگ راؤنڈ پر نکلے ہوئے تھے۔ راؤنڈ مکمل کرنے کے بعد ساتھ ساتھ ہی ڈیوٹی روم میں پہنچے' غزل گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر حسن بھی اپنے ساتھ کچھ رپورٹیں لایا تھا۔ نرس نے وہ رپورٹیں میز پر رکھ کر اس سے پوچھا کہ سر اب وہ کیا کرے تو ڈاکٹر حسن نے کہا۔

"اب تم آرام کرو سسٹر' میں ذرا یہ فائلیں دیکھ لوں۔" نرس چلی گئی تو غزل نے کہا۔

"لایئے ڈاکٹر حسن میں بھی آپ کی کچھ مدد کروں۔"

"جی پلیز یہ لیجئے۔ کام ذرا جلد ختم ہو جائے گا۔"

غزل پورے انہماک سے فائلوں پر مصروف ہو گئی اور ان پر اپنے نوٹس لکھنے لگی۔ کچھ دیر کی بعد دونوں کام سے فارغ ہو گئے تو غزل نے کہا۔

"کیا خیال ہے ڈاکٹر ایک ایک کپ کافی ہو جائے۔"

"میں کہہ دیتا ہوں۔" ڈاکٹر حسن نے کہا۔

"شکریہ۔"

ڈاکٹر حسن نے کافی کی ہدایت کرنے کے بعد اسے دیکھا اور کہا۔ "کوئی ایسی بات تو نہیں

جو باعث تشویش ہو؟"

"ہے۔"

"خیریت۔ کیا۔ آپ نے تذکرہ تو نہیں کیا۔"

"آج کرنے والی تھی۔"

"آج..... میرا مطلب ہے وارڈ میں کوئی ایسا مریض تو نہیں ہے جس کی حالت....."

"ارے نہیں۔ ہم زندگی کے دوسرے مسائل پر بھی تو گفتگو کر سکتے ہیں ڈاکٹر۔"

"افوہ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا ڈاکٹر غزل۔"

"کیا میں اس قدر خوفناک ہوں کہ آپ ڈر جائیں۔"

"جی نہیں۔ یہ کوئی وزن دار بات نہیں ہے۔"

"بے وزنی تو آپ نے پیدا کر رکھی ہے ڈاکٹر حسن۔"

"جی..."

"جی ہاں۔"

"وہ کیسے بھئی؟"

"کتنے دن ہو گئے ہمیں ساتھ کام کرتے ہوئے؟"

"غور نہیں کیا۔" ڈاکٹر حسن نے جواب دیا۔

"اور آپ نے مجھے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"میرے بارے میں آپ کیا جاننا چاہتی ہیں؟"

"دیکھئے ڈاکٹر ہم لوگ ایک پروفیشن میں ہیں' میرا خیال ہے دوست بھی ہیں ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ساتھ ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ اگر ایک دوسرے کی ذاتیات سے بھی تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر لیں تو کیا بری بات ہے۔"

"نہیں بالکل بری بات نہیں ہے۔ میرا نام ڈاکٹر حسن محمود ہے' تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہاؤس جاب مکمل کی ہے اب اس بات کا امکان ہے کہ اسپشلائزیشن کے لئے ملک سے باہر چلا جاؤں۔ والد کا نام محمود احمد ایڈووکیٹ ہے' گھر ہے' ماں ہیں بس یہ ہیں میرے حالات اس کے علاوہ آپ اور کیا جاننا چاہتی ہیں۔"

غزل ہنس پڑی پھر بولی۔ "آپ کے والد ایڈووکیٹ ہیں۔"

"جی۔"

"تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے بزرگ بھی ہم پیشہ ہیں اور اتفاق سے ہم بھی۔ شاید آپ نے کبھی میرے والد کا نام سنا ہو گا بیرسٹر ہاشم علی۔"

"مشہور نام ہے۔" حسن مسکرا کر بولا۔

"دیکھئے نا ذرا سی گفتگو سے رشتوں میں کس قدر کشادگی نکل آئی۔ جناب اب تو آپ'

کسی نہ کسی دن ہمارے گھر آنا پڑے گا اہل خاندان کے ساتھ تشریف لایئے میں ڈیڈی کو آپ لوگوں کے بارے میں بتاؤں گی۔"

"ہاں ہاں اس میں کیا حرج ہے۔" حسن نے جواب دیا۔ کافی آ گئی' غزل پھر بولی۔

"ڈاکٹر حسن ایک بات بتایئے۔"

"جی پوچھئے۔"

"میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے تو دل و دماغ کی ایک الگ حیثیت ہے' کچھ الزامات دماغ پر لگائے جاتے ہیں اور کچھ دل پر۔ شاعروں نے اپنی شاعری میں عشق و محبت' لطافت' نفرت' اس قسم کے مختلف جذبات کا تعلق دل سے قائم کیا ہے جبکہ ہماری میڈیکل سائنس کچھ اور ہی کہتی ہے آپ یہ بتایئے محبت کے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں یا دماغ میں۔"

"بھئی اگر شاعروں سے کم از کم اس بارے میں تعاون کر لیا جائے تو حرج تو نہیں ہے۔ دماغ کی ذمے داری سوچنے کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ زندگی سے متعلق ہر سوچ کا تعلق دماغ ہی سے ہوتا ہے' دل تو خون پمپ کرنے کا ایک آلہ ہے لیکن بہرطور شواہد ملتے ہیں کہ دل کی اپنی کچھ ڈیمانڈ ہوتی ہے۔"

"آپ کی وہ بات مجھے پسند آئی حسن صاحب کہ اگر شاعروں سے تعاون کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کم از کم اس تعاون میں ایک لذت پائی جاتی ہے۔"

"شاید۔"

"اچھا پھر ایمانداری سے بتایئے کہ آپ نے کس سے محبت کی ہے۔"

حسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ "عموماً اس عمر میں یہ باتیں بہت لطف دیتی ہیں اور پھر تنہائی میں اگر ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی چاہے وہ ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہو ایک نوجوان سے اس قسم کے سوال کرتی ہے تو خواہ مخواہ ذہنوں میں مٹھاس پیدا ہونے لگتی ہے۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر ہم زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھتے ہیں وہ نہایت ٹھوس ہے' ہم دل کا فنکشن بھی جانتے ہیں اور دماغ کا بھی۔ چنانچہ ان کہانیوں اور قصوں کی باتیں کیوں کریں جن میں لطافت بے شک ہے لیکن الجھنیں بھی ہیں۔"

"عجیب منطق ہے' زندگی سے جن چیزوں کا تعلق ہے ڈاکٹر ان پر گفتگو تو کرنی پڑتی ہے مگر میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ نے نہایت چابک دستی سے میرا سوال گول کر دیا ہے' اب جو کہتے ہیں نا کہ بعض لوگ بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں' ہو سکتا ہے میں بھی۔" غزل اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ ایک نرس اجازت لے کر اندر داخل ہوئی۔

"وہ ڈاکٹر صاحبہ بیڈ نمبر بیس کا مریض بڑی تکلیف محسوس کر رہا ہے' آپ دیکھ لیں تو اچھا ہے زور زور سے کراہ رہا ہے۔"

"اوہو اچھا۔ سوری حسن میں ذرا چلتی ہوں۔"

"ضرور۔ میری ضرورت ہو تو مجھے بلا لیجئے گا۔" ڈاکٹر حسن نے کہا اور غزل اس کے ساتھ باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد حسن سنجیدہ نگاہوں سے دروازے کو دیکھتا رہا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"نہیں ڈاکٹر غزل تم جن راستوں پر سفر کرنا چاہتی ہو' کوئی ان راستوں سے گزر کر بہت دور تک پہنچ چکا ہے اور اس نے اپنی جگہ سنبھال لی ہے اور اب اور کوئی جگہ باقی نہیں ہے' سوری ڈاکٹر غزل ویری سوری۔"

□

دونیا کی سالگرہ تھی' سجاد کو کارڈ ملا تھا اور عکسہ نے اس سے کہا تھا کہ اسے پورے اہتمام کے ساتھ آنا ہے' سجاد نے خوش دلی سے وعدہ کر لیا تھا لیکن اس کے بعد اس کی روح قبض ہو گئی تھی۔ سالگرہ کا مطلب ہے کہ کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے اور ظاہر ہے وہ تحفہ ان کے شایان شان بھی ہو۔ دونوں بہنیں اس سلسلے میں پہل کر چکی تھیں اور انہوں نے نہایت قیمتی سوٹ سجاد کو دیئے تھے۔ وہ کسی بھی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن کوئی معمولی سا تحفہ لے جا کر وہ اپنے آپ کو رسوا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچھی خاصی تنخواہ ملتی تھی لیکن یہ تنخواہ وہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو لے جا کر سخاوت بیگ صاحب کی گود میں رکھ دیا کرتا تھا۔ سخاوت بیگ صاحب تنخواہ کا لفافہ لے کر پہلے ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے اور اس کے بعد فیروزہ بیگم کو بلا کر حساب کتاب میں مصروف ہو جایا کرتے تھے۔ سجاد کو جو اخراجات ملتے تھے بس وہ اتنے ہوتے کہ وہ اپنا کام چلا لے۔ درمیان میں تھوڑی بہت ضرورت پیش آ جاتی تھی تو فیروزہ بیگم ہر طرح سے خیال رکھتی تھیں۔ اس طرح کے حالات تھے۔ کبھی کچھ پس انداز کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ جو چھوٹی موٹی ضرورتیں ہوتی تھیں ان میں تو واقعی پریشانی نہیں ہوتی تھی لیکن اب جو مشکل پیش آ گئی تھی اس کا کوئی حل سجاد کے پاس نہیں تھا۔ جان نکل کر رہ گئی تھی۔ ایسے شناسا بھی نہیں تھے جن سے کچھ قرض مانگا جائے۔ پہلی تاریخ میں ابھی دو دن باقی تھے لیکن تنخواہ اس کی ہوتی کب ہے بے شک سالگرہ پانچ تاریخ کو تھی لیکن کوئی ایسا حل نہیں تھا جس سے ایک معقول رقم ہاتھ آ جائے۔

سجاد ساری رات الجھا رہا۔ بہت سے عجیب سے احساسات اس کے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ زندگی پر اتنا بوجھ ہے کہ اپنی خوشیوں کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مرزا صاحب جس قسم کے انسان ہیں وہ کبھی بھول کر بھی نہیں سوچیں گے کہ ابھی بیٹوں کے لئے کچھ کیا جائے۔ بیٹیوں کا مسئلہ پہلے ہوتا ہے۔ یہ سارا کھیل ہی الٹا ہو رہا ہے۔ والدین اولاد پیدا کرتے ہیں بے شک انہیں پروان بھی چڑھا لیتے ہیں پالتے پوستے ہیں لیکن اس کے بعد ان کی سخت وصولیابی ناجائزہ ہے جوانی کا ایک بڑا حصہ تو ان کی نذر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد باقی ہی کیا بچتا ہے۔ کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے اور پھر ایک ہی سوچ نے دل میں جگہ بنا لی۔ اس کی

تنخواہ گول کر دی جائے لیکن جانتا تھا کہ اس کے نتائج بڑے بھیانک برآمد ہوں گے۔ بار سخاوت بیگ صاحب تابندہ کے لئے سخت پریشان تھے اور کئی بار اس سلسلے میں تلخ کلامی ہو چکی تھی۔ اب اگر تنخواہ بھی ہضم ہو جائے تو جان ہی کھا جائیں گے لیکن دونیا کو کوئی نہ کوئی تحفہ دینا بھی لازمی بات تھی اور سجاد نے اس سلسلے میں ایک پروگرام تیار کر لیا۔

پہلی تاریخ آئی' تنخواہ ملی اور اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں بلیڈ سے ایک کٹ لگا لیا' تنخواہ کا لفافہ اس نے ایک ایسی جگہ محفوظ کر دیا جہاں سے کوئی اسے تلاش نہ کر سکے۔ افسردہ سا اپنے کمرے میں آ گیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پہلی تاریخ تھی اور اس دن کے معاملات یوں ہوا کرتے تھے کہ سجاد صاحب پہلے مرزا صاحب کے پاس جاتا تھا اور لفافہ انہیں پیش کرتا تھا۔ آج معمول میں کچھ تبدیلی ہوئی تو فیروزہ بیگم اور مرزا صاحب اس کے کمرے میں آ گئے۔ فیروزہ بیگم نے سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سجاد کیا بات ہے' چہرہ کیوں اترا ہوا ہے' ارے کیا ہو گیا بیٹا' خیریت تو ہے؟"

"خیریت نہیں ہے امی۔"

"اللہ خیر۔ کیا ہو گیا بیٹے؟"

"جیب کٹ گئی میری۔" سجاد نے کہا اور سب اچھل پڑے۔

"کیا؟"

"جی۔ بس بدقسمتی سے ایک ایسی بس میں چڑھ گیا تھا جس میں خاصا رش تھا۔ تنخواہ کا لفافہ جیب میں رکھا ہوا تھا' پتا بھی نہیں چلا' بس اسٹاپ پر اترا اور گھر کے لئے قدم بڑھائے تب لفافے کا خیال آیا لیکن لفافہ غائب تھا اور جیب میں یہ سوراخ۔"

"اللہ خیر۔ اللہ خیر۔" فیروزہ بیگم کے منہ سے غمزدہ انداز میں نکلا۔ مرزا صاحب اچھل پڑے۔

"یعنی' پوری رقم۔ اماں دماغ خراب ہے تمہارا پاگل ہو گئے ہو۔ اتنی بڑی رقم اس طرح جیب میں ڈال لی اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں دی جبکہ بس میں سفر کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے' کیوں مجھے زندہ قبر میں دفن کئے دے رہے ہو۔ ارے کیا ہو گا مہینہ بھر گھر کا خرچ کیسے چلے گا۔ ہم ویسے ہی مصیبت کے مارے ہیں۔ بتاؤ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ ساری ادائیگیاں کرنی ہیں۔ دودھ والے کا بل' گیس کا بل' بجلی کا بل اور نجانے کیا کیا اور پھر گھر کے اخراجات۔ خدا کی قسم میرا تو خودکشی کر لینے کو دل چاہتا ہے۔ میاں میں کہتا ہوں لفافہ لے کر آئے تھے تو اندرونی جیب میں کیوں نہیں رکھا' ہیں؟ یہ اس جیب میں رکھنے کی چیز تھی' تم جیسے احمقوں ہی سے تو جیب کتروں کا کام بنتا ہے مگر میں کہتا ہوں اب ہو گا کیا؟"

سجاد مجرمانہ انداز میں گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا' مرزا صاحب بکتے جھکتے باہر نکل گئے'

سبھی کے چہرے اتر گئے تھے‘ لڑکیاں بھی پریشان تھیں اور سجاد اداکاری کر رہا تھا‘ اس
رات کا کھانا بھی نہ کھایا حالانکہ فیروزہ بیگم تڑپتی رہی تھیں‘ بہنوں نے بھی کہا تھا کہ
ہو گیا سو ہو گیا‘ مرزا صاحب خود بھی اسی کیفیت کا شکار تھے انہوں نے بھی کھانا ڈھنگ
نہیں کھایا تھا۔ پریشانیاں عروج کو پہنچی ہوئی تھیں‘ بہرحال سب کچھ تھا ایک رات کی بات
ہی سہی لیکن کام بن گیا تھا‘ سجاد اپنی تجویز پر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔

دوسرے دن فیروزہ بیگم نے اسے کچھ پیسے دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹا پریشانی تو ہو گی‘ دیکھ لینا اگر کہیں سے کچھ ادھار قرض مل جائے‘ پیسے تو
ہمارے پاس لیکن تم جانتے ہو کہ ان دنوں ہم کس طرح سے سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔
احمد صاحب کو کوئی تاریخ دینی ہو گی‘ جیسا کہ وہ جلدی کر رہے ہیں اس سے یہ اندازہ ہوا
کہ اب یہ شادی کرنے پر تل ہی گئے ہیں‘ ہم تو بس اللہ کے آسرے پر ہی بیٹھے ہوئے
غیب سے ہی چھپر پھاڑ کر دے تو دے ورنہ ہمارے پاس کیا رکھا ہوا ہے۔"

سجاد نے سب کچھ سنا‘ تھوڑا سا افسوس بھی ہوا دل کو لیکن پھر عکسہ اور دونیا
گئیں‘ دونیا کی میٹھی میٹھی مسکراہٹیں‘ محبوبانہ انداز‘ عکسہ کی شرارتیں‘ ایک وہ زندگی
خوشیوں اور امنگوں سے بھرپور اور ایک یہ عسرت زدہ گھرانہ ہے کتنا تضاد ہے دونوں
لفافہ آج وہیں پوشیدہ رہنے دیا تھا‘ کم از کم ایک دن تو غم زدہ انداز میں گزارا جائے۔
پھر تو خیر بہتر وقت گزرا تھا۔ شام کو وہی افسردگی چہرے پر طاری کر لی اور گھر واپس آ گیا‘
صاحب مسلسل اپنے کمرے میں گھسے ہوئے تھے‘ فیروزہ بیگم نے کہا۔

"میں نے تھوڑے سے پیسے نکال لئے ہیں اب بل بھی تو ادا کرنے ہی ہوتے ہیں
نے کچھ بندوبست کیا؟"

"نہیں امی‘ میں کوئی بندوبست نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اپنے اخراجات کے
آپ سے کچھ نہ مانگوں‘ جیسے بھی ہو گا گزارا کر لوں گا لیکن اور کیا کر سکتا ہوں میں نے
تک کسی سے ادھار نہیں مانگا‘ اب بھی نہیں مانگ سکتا اور پھر امی تھوڑی سی ذمے داری
آپ لوگ بھی قبول کیجئے‘ میں انسان ہوں کچھ بھی ہو سکتا ہے میرے ساتھ‘ مجھے مجرم
بنا دیا گیا اس سلسلے میں۔"

"ارے نہیں سجاد ایسی کیا بات ہے‘ بس مسائل ہوتے ہیں جو انسان کو الجھاتے
ہیں۔"

"میں بھی تو اسی گھر کا فرد ہوں‘ کیا ان مسائل میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں
پریشان ہوں‘ اب کیا کروں بتایئے خودکشی کر لوں کہیں جا کر‘ جان دے دوں۔"

"خدا نہ کرے‘ خدا نہ کرے مگر کسی نے تجھ سے کچھ کہا بھی تو نہیں ہے؟
نے یہی تو بتایا ہے تجھے کہ تھوڑا سا انتظام ہو گیا ہے آگے اللہ مالک ہے۔"

فیروزہ بیگم کے جانے کے بعد سجاد نے لفافے کا جائزہ لیا اور خیریت کا اندازہ کر کے
مطمئن ہو گیا۔ دوہری کیفیت کا شکار تھا‘ دل پر ہلکا سا احساس بے شک تھا اس بات کا کہ گھر
والوں کو پریشانی ہو رہی ہے لیکن ادھر جو کچھ تھا وہ بھی بہت دلکش تھا اسے بھی تو نظرانداز
نہیں کیا جا سکتا‘ وہ لوگ کتنے پیار سے ملتے ہیں‘ پہلے تحفہ پیش کر چکی ہیں‘ اگر یہ تقریب ان
کے شایان شان نہ رہی تو عزت دو کوڑی کی ہو جائے گی‘ بہرحال گھر میں ذرا سی اداکاری‘
تھوڑی سی پریشانی جس میں بعد میں کسی نہ کسی طرح شرکت کر لی جائے گی اس وقت تو دل
کو لگی ہوئی تھی پھر تیسرے دن اس نے دفتر سے چھٹی لے لی‘ صرافہ بازار پہنچ گیا‘ عمدہ قسم
کی دکانوں پر چھان بین کی‘ رقم بے شک نہ ہونے کے برابر تھی لیکن بہرحال اب جو بھی کام
بن جائے اور اسے ایک نہایت ہی حسین لاکٹ اپنی رینج کے اندر اندر مل گیا بلکہ تھوڑے
سے پیسے بھی بچ گئے تھے‘ ہر طرح سے لاکٹ کا جائزہ لے لیا‘ یقینی طور پر اس کے وزن وغیرہ
کی بات الگ لیکن بناوٹ اور خوبصورتی بے مثال تھی‘ چشم تصور سے اس نے لاکٹ کو دونیا
کے گلے میں دیکھا اور اس کی آنکھیں خوابوں میں ڈوب گئیں‘ ادائیگی وغیرہ کر دی گئی‘
دکاندار نے رسید وغیرہ بنا کر پیش کر دی اور وہ لاکٹ کو زندگی کی طرح سنبھال کر گھر واپس آ
گیا‘ اب بس آخری لمحات تھے جن میں اسے ہوشیاری سے کام لینا تھا۔ وقت آ گیا تھا اور
اس دن اس نے اپنا وہ دوسرا سوٹ نکالا جو اتنا ہی حسین تھا جتنا پہلا سوٹ.... عکسہ اور دونیا
نے اپنی اپنی پسند کا مظاہرہ کیا تھا۔ گھر والے خاص طور سے جواد اس کے اس بناؤ سنگھار کو
دیکھ رہا تھا اور اسکے تن بدن میں انگارے دوڑ رہے تھے‘ بس ذرا سی ایسی ہی فطرت کا مالک
تھا بہت سے معاملات میں اسے بڑے بھائی سے چڑ تھی۔ دوسرے مرزا صاحب تھے جو فیروزہ
بیگم سے کانا پھوسی کر رہے تھے اور وہ یہی کہہ رہے ہوں گے کہ دیکھو دوسرا سوٹ بھی بہن
کے لئے نہیں رکھا‘ یہ ہے زمانہ‘ میں اکیلا ہی مرتا رہوں‘ بیٹے بڑے ہو گئے ہیں اور اب ان
کے اپنے معاملات شروع ہو گئے ہیں ہماری حیثیت اور اوقات کیا رہی۔ بہرحال مرزا سخاوت
بیگ نے فیروزہ بیگم سے جو کچھ بھی کہا تنہائی ہی میں کہا اگر بات سجاد کے کانوں تک پہنچ جاتی
تو شاید طبیعت میں تکدر پیدا ہو جاتا‘ وہ جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا‘ چنانچہ اس میں اسے
کامیابی حاصل ہو گئی‘ لاکٹ کا خوب صورت ڈبہ اس نے بڑی احتیاط سے چھپا لیا تھا اور بس
گھر سے نکلنے کے بعد طبیعت مطمئن ہو گئی تھی۔

بالآخر منزل مقصود پر جا پہنچا‘ اس میں کوئی شک نہیں پہلے بھی حسین ترین لگ رہا تھا‘
شخصیت شاندار تھی‘ بھرا بھرا جسم‘ گورا رنگ‘ نقوش بھی جاذب نگاہ وہاں پارٹی کا حسین انتظام
کیا گیا تھا۔ عکسہ تتلی کی طرح تھرک رہی تھی‘ بے شمار مہمان آ چکے تھے‘ لڑکیاں عزیز و
اقارب‘ دلچسپ بات یہ تھی کہ خود سیٹھ ادریس نے سجاد کا آگے بڑھ کر خیر مقدم کیا تھا۔

"آیئے سجاد میاں آیئے آیئے۔" اور اس کے بعد سیٹھ ادریس نے سجاد سے مصافحہ کر

کے اس کی کلائی پکڑ لی اور اپنے شناساؤں اور دوستوں سے اس کا تعارف کرانے لگا'
اچھے الفاظ استعمال کئے تھے اس نے سجاد کے بارے میں اور بڑی تعریفیں کی تھیں'
ایک بے خودی سی طاری تھی سیٹھ ادریس کا یہ التفات بھی اسے بے معنی نہیں لگ رہا
اب اس قدر احمق بھی نہیں تھا' دنیا کا تھوڑا بہت اندازہ تو ہو چکا تھا اسے' اس کے
سالگرہ کی تقریب کا آغاز ہوا' دونیا کو دلہن بنا دیا گیا تھا' علمہ پیش پیش تھی' ویسے بھی
دونیا ذرا سنجیدہ تھی' جبکہ علمہ آتش فشاں تھی' سالگرہ کا کیک کاٹا گیا' تحائف پیش کئے
اور سجاد نے بھی اپنا تحفہ دونیا کو دیتے ہوئے کہا۔

"اپنی کم مائیگی کا احساس ہے مجھے مس دونیا لیکن جذبات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔"

علمہ نے تحفہ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اسے وہیں کھول ڈالا اور اس کے
اس نے اتنی تعریف کی اس لاکٹ کی کہ سجاد کی روح باغ باغ ہو گئی' دونیا نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

"اتنا قیمتی تحفہ کیوں خریدا ہے آپ نے میرے لئے؟"

"اس کی قیمت تو اب واضح ہوئی ہے مس دونیا جب یہ آپ کو پسند آ گیا۔"

بہترین پارٹی رہی تھی اور چونکہ سیٹھ ادریس نے بچیوں کو آزادی دے دی تھی چنانچہ
سجاد کی تو وہ پذیرائی ہوئی کہ سجاد کے تصور میں بھی نہ تھی' ہر ایک کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ
صرف سیٹھ ادریس کی فرم کا ایک ملازم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ بھی اس کی کوئی حیثیت
ہے' سجاد پر سحر سا طاری تھا۔

اور رات کو جب تمام پروگرام ختم ہونے کے بعد اس نے واپسی کے بارے میں سوچا تو
اچانک ہی اس کی طبیعت تکدر کا شکار ہو گئی' اب واپس اسی گھر میں جانا پڑے گا جہاں کا
ماحول سوگوار ہے اور جہاں اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں سوچا تھا' علمہ نے کہا۔

"نہیں جناب آپ ایسے نہیں جائیں گے ہم چھوڑنے جائیں گے آپ کو۔"

"نہیں علمہ اتنا کرو میرے لئے جتنا میری اوقات کے مطابق ہو۔"

"محترم آپ اپنی اوقات کا تعین خود نہ کریں یہ کام ہمارے اوپر چھوڑ دیں۔"

بعد میں یہ طے ہوا کہ سجاد کو ڈرائیور گھر چھوڑ آئے گا۔

سیٹھ ادریس نے بھی کہا کہ وہ اس طرح نہیں جانے دیں گے' بہرحال سجاد جب اپنے
گھر کے دروازے پر اترا تو نجانے کیسی کیسی کیفیات کا شکار تھا۔

❑

مسز شیخ نے ہر ممکن کوشش کر لی' سارے داؤ آزما لئے' سارے پینترے بدل لئے لیکن
اب تو صورت حال ہی دوسری تھی' شامی تو ادھار کھائے بیٹھا ہوا تھا' کہنے لگا۔

"نجانے کتنے عرصے سے برداشت کیا ہے ان شیخ عظمت حسین کو' نام دیکھئے اور کرتوت

دیکھئے' ارے کھانا پینا حرام کر دیا تھا ہمارا باورچی خانے میں کوئی خوشبو آ جائے تو نازل ہیں
چکنی چپڑی باتوں کے ساتھ اور جب تک ہانڈی کا پیندا تک صاف نہ کر جائیں' ٹلنے کا نام نہ
لیں' دو دن کرایہ لیٹ ہو جائے تو پانی بند' گیس بند' بجلی بند' ہزار نخرے میں لعنت بھیجتا ہوں
ایسے گھر پر' سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو۔"

"مگر سنو تو سہی احتشام بیٹے' اب اتنے عرصے کا ساتھ ہے ایسی ناراضگی بھی کیا؟"

"تو ہم نے کونسا کہا تھا چچی جان ہم تو رہ ہی رہے تھے اس ٹوٹے پھوٹے کھنڈر میں جس
میں کبوتر بھی رہنا پسند نہ کریں' بندروں کی رہائش گاہ ہے یہ آپ خود دیکھ لیجئے اس کے بعد
کیا ہو گا کوئی تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا ادھر' ارے ہاں بس ہو گیا جو ہونا تھا مکان خالی
کردو' مکان خالی کر دو یہ مکان ہے۔"

"بیٹے تم حد سے بڑھ رہے ہو۔"

"تو پھر آپ ہمیں بڑھنے دیجئے آگے' جا رہے ہیں اب تو حساب کتاب بھی ہو گیا۔"

"یہی تو پریشانی ہے' کہاں جاؤ گے آخر' لو سامان بھی باندھ لیا ذرا سی دیر میں۔"

"بس چچی جان خدا حافظ' اب ایک منٹ بھی نہیں رکیں گے یہاں پر چلو بھئی کھڑے
منہ کیا دیکھ رہے ہو ٹیکسی لے کر آؤ' سامان کسی پارک میں رکھ لیں گے اور آرام کریں
گے۔"

"ارے بیٹا دیکھو مان جاؤ۔" شیخانی صاحبہ رندھے ہوئے لہجے میں بولیں لیکن اب ماننے
کا کیا سوال' البتہ کسی دروازے کے پیچھے سے شمسہ ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی
اور نجانے اس کے دل میں کیا احساسات تھے۔ باہر نکل کر ٹیکسی پر سامان لادا گیا' سامان ہی کیا
مختصر سا سامان تھا۔ راستے میں فراز نے کہا۔

"یار یہ قدم اٹھا تو لیا ہے شامی کہیں منہ کے بل نہ گرنا پڑے۔"

"کمال کرتے ہو فراز' اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے' چلتے ہیں' چابی میرے پاس ہے
سب سے بڑا اطمینان یہ ہے کہ اگر کوئی بات ہو گئی بعد میں تو دیکھا جائے گا' زندگی ان شیخ
صاحب کے ساتھ بھی تو گزرنے کے لئے نہیں تھی اور پھر ہم تو پڑے ہی ہوئے تھے تم دیکھو
کیا داؤ کھیلا تھا انہوں نے مکان خالی کرانے کا حالانکہ مکان کا واقعی کوئی مسئلہ نہیں تھا' نہ ہی
خاندان والوں کو پڑی ہے کہ یہ کہیں کہ اوپر دو بیچلر لڑکے رہتے ہیں خاندان والا کوئی آتا جاتا
شیخ صاحب کے ہاں' تم نے خود دیکھا تھا۔"

"ہاں خیر یہ ساری باتیں تو ٹھیک ہیں' ارے باپ رے' شمسہ سے شادی اور شیخ صاحب
تو اس طرح تلے بیٹھے ہوئے تھے کہ اگر ذرا بھی منہ سے ہاں نکل جائے تو فوراً قاضی کو بلا
لائیں۔"

"بچ گئے بیٹا دعائیں دو شامی کو کہ یہ مشکل حل کر دی ورنہ بقول تمہارے دو چشمی

"ھ" ہوتی اور تم..." شامی نے کہا اور قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔

ڈرائیور کو راستہ بتاتے ہوئے بالآخر وہ اس عمارت کے پاس پہنچ گیا' جہاں وہ فلیٹ تھا۔

"کیا یہاں ہے وہ فلیٹ؟" فراز نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"یار جگہ تو بڑی آئیڈیل ہے تمہیں پتا ہے نا' یہاں سے تو میرا آفس بھی بہت قریب ہے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔"

"کاش کاش...." فراز جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا سامان اٹھا کر وہ لوگ فلیٹ کے دروازے پر آ گئے' سامنے والا فلیٹ سنسان پڑا ہوا تھا' بیرونی حصے میں بھی اندھیرا تھا دروازہ کھولا' روشنی کی اور اس کے بعد اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ فراز اور شامی فلیٹ کے اندر گئے' فراز پر بھی ایک عجیب سی کیفیت سوار ہو گئی تھی' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پورے فلیٹ کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر اس نے کہا۔

"اور یہ' یہ فلیٹ تمہیں دے دیا گیا۔"

"نہ دیا گیا ہوتا تو آپ اس کے اندر موجود ہوتے۔"

"یار یہ تو بڑا شاندار فلیٹ ہے' اتنے بڑے فلیٹ کا تو کرایہ ہی اتنا ہو گا جتنی میری تمہاری تنخواہ۔"

"چلو ہمیں کیا' مالکان کی طرف سے عزت افزائی کی گئی ہے موقعے سے فائدہ اٹھاؤ ایسی ہی ہے بھائی' اگر آگے بڑھ کر کام نہ کرو تو کوئی کسی کو گھاس نہیں ڈالتا۔"

بہرحال اپنے مختصر سے سامان کو دیکھ کر انہیں واقعی شرم آ رہی تھی' فراز نے رات کہا بھی۔

"اور اگر کبھی اتفاق سے تمہارے مالکان یہ جائزہ لینے آ گئے کہ فلیٹ کی کیا کنڈیشن ہے تو شرم سے ڈوب مرنے ہی کو جی چاہے گا۔"

"نہیں فراز صاحب' آدمی کے اندر اتنی بولڈنیس ہونی چاہئے جو کچھ اپنا ہے سو اپنا نہ ڈاکہ زنی کرتے ہیں ہم نہ چوری اور رشوت لیتے ہیں' بس اللہ نے جو کچھ دیا ہے وہ ٹھیک ہے۔"

"خیر اب ایسا بھی نہیں' بے فکر رہو' میں اسے اس حد تک تو ضرور ڈیکوریٹ کر لوں کہ آنے جانے والوں کو ہماری اوقات کا پتہ نہ چلے۔"

"تو پھر پریشانی کس بات کی ہے یہ کام بھی کر لیتے ہیں۔"

تمہاری ضرورت پیش آئے گی تو تم کام کرنا میں آفس چلا جاؤں گا۔"

"چھٹی کیوں لینا چاہتے ہو؟"

"یار بس کچھ ٹھیک ٹھاک کروں گا' کل تھوڑا سا خرچہ کر ڈالا جائے۔"

"تو پھر میں بھی رک جاتا ہوں۔"

"نہیں' مناسب نہیں ہو گا۔"

"او کے۔" شامی نے کہا۔

بہرحال فلیٹ میں پہلی رات گزاری گئی' دونوں ہی کو یقین نہیں آتا تھا کہ اس قدر پرفضا اور حسین ماحول میں اب انہیں رہنا ہے' شیخ صاحب سے جان چھوٹ گئی تھی ویسے بھی ان کے ساتھ کوئی ایسی اچھی یادیں وابستہ نہیں تھیں جتنا تنگ کر سکتے تھے تنگ کر لیا تھا' ایک وجہ جگہ تھی سچ مچ کبوتر خانہ اور ایک یہ بڑے بڑے باتھ روم' ٹائلز لگے ہوئے' ٹھنڈے گرم پانی کی لائنیں' شاور' باتھ ٹب اور ہر چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ادھر کچن میں شاندارا انتظامات تھے۔ ہر طرح کی آسائشیں۔ امریکن اسٹائل' اوون لگا ہوا' خوب صورت ٹائلز سے آراستہ۔

"بڑے بھائی۔" شامی نے باتھ روم سے آواز لگائی۔

"کیا ہے؟"

"پانی بہت گرم ہے آگ ہو رہا ہے۔"

"تو ٹھنڈا مکس کر لو۔"

"صابن نہیں ہے۔"

"بھول آئے۔ کر لیا نقصان۔ بغیر صابن کے کام چلاؤ آج بندوبست کروں گا۔"

"شیخ صاحب کے تو عیش ہو گئے۔ پورا صابن تھا۔ پرسوں ہی تو رکھا تھا غسل خانے میں۔"

"چلو جلدی نکلو۔ چائے تیار ہو گئی ہے۔ وہ تو شکر ہے پتی چینی اور دودھ والا ڈبہ اٹھا لایا تھا۔" فراز نے کہا۔ وہ بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

❑

جواد' مرزا صاحب کی واپسی کا بے چینی سے منتظر تھا' اس کے چہرے کے تاثرات کچھ عجیب سے تھے' ایک پراسرار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی' فرخندہ' رخشندہ اور تابندہ نے یہ بات اچھی طرح محسوس کی تھی کہ جواد کسی بے چینی کا شکار ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ بے چینی کیوں ہے' گھر کے ماحول کا پورا پورا اندازہ لڑکیوں کو بھی تھا' ناسمجھ نہیں تھیں' زندگی کی الجھی ڈور کو اچھی طرح محسوس کر رہی تھیں لیکن جس ماحول کی

بس ایک خاص حد تک اہمیت دینے کے قائل تھے اور اس سے زیادہ ان کا کوئی مقام نہ تھا۔ ضروری امور میں ان کی مداخلت بھی مناسب نہیں سمجھی جاتی تھی حالانکہ سب کی سب حساس تھیں، ہر بات کو محسوس کرتی تھیں خصوصاً تابندہ جسے یہ پورا پورا احساس تھا کہ اس وقت ساری مشکل اسی کی وجہ سے ہے، محمود احمد صاحب کا تقاضا بھی اس کے علم میں تھا اور مرزا صاحب کی مجبوری بھی۔ واقعی یہ تمام انتظام اتنی جلدی مشکل ہی ہو رہا تھا، وہ اپنے طور پر تو اس سلسلے میں کچھ بول نہیں سکتی تھی، حالانکہ حسن سے ملاقات کا ذریعہ کہیں نہ کہیں سے نکل سکتا تھا لیکن یہ بھی ایک خطرناک پہلو تھا، اگر اس بارے میں علم ہو جائے کسی طرح مرزا صاحب کو تو اور مصیبت آ جائے گی، بیچاری کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ سلائی کڑھائی اور دوسرے گھریلو امور میں اس نے کمال حاصل کر لیا تھا، بہنوں کے لباس خود سیتی تھی اور ایسی خوب صورت ڈیزائننگ کرتی تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھتے تھے ایک دو بار اس نے دبی زبان میں فیروزہ بیگم سے کہا کہ اگر پڑوس کے کپڑے سیئے جائیں تو کوئی بری بات بھی نہیں ہے آمدنی بھی ہو جائے گی تھوڑی بہت، مرزا صاحب نے سوچے سمجھے بغیر سختی سے منع کر دیا تھا ان کا کہنا تھا کہ اس طرح پڑوس کی خواتین سے خواہ مخواہ ربط وضبط بڑھے گا اور خواتین کے مزاج سے وہ بالکل ہی اتفاق نہیں رکھتے تھے، ادھر کی ادھر کرنے میں انہیں کمال حاصل ہوتا ہے، بس نظریات تھے مرزا صاحب کے جس کی وجہ سے بہت سے منصوبوں پر کبھی عمل نہیں ہو پاتا تھا، بالاخر مرزا صاحب دفتر سے واپس آ گئے۔

ان دنوں وہ مسکراہٹوں سے محروم تھے اور خاموش رہتے تھے، ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں بیٹھے تھے، فیروزہ بیگم بھی پاس ہی موجود تھیں کہ جواد کمرے میں پہنچ گیا۔

"ابو وہ پیسے چاہئیں مجھے؟" مرزا صاحب نے خون خوار نظروں سے اسے دیکھا اور بولے۔

"کیوں خیریت، کیا کرنا ہے؟"

"ابو فیس بھرنی ہے اگر تین دن کے اندر فیس نہ بھر دوں تو جانتے ہیں لیٹ فیس کتنی لگے گی؟"

"جہنم رسید کرو فیس کو اور لیٹ فیس کو، میرے لئے اب یہ عیاشی مشکل ہو گئی ہے [illegible] کرو بیٹے اپنے آپ کو سنبھالو، میں ان بوڑھی ہڈیوں سے کب تک تم لوگوں کا بوجھ ڈھلتا رہوں۔"

"دلچسپ بات ہے ابو، میں خود تو اس دنیا میں نہیں آ گیا مجھے بھی میری مرضی کے خلاف اس کائنات میں لایا گیا ہے اور جو لوگ اس کے ذمے دار ہیں اگر وہ اس طرح مجھ سے [illegible]

"آپ نے سب کچھ انہی کا تو حق نہیں تھا، میں بھی تو انسان ہوں۔"

"تقریر جھاڑ رہا ہے میرے سامنے، غیرت کھا کر کچھ کرنے پر نہیں تل جاتا۔"

"میں تو غیرت کھا لوں گا ابو، لیکن اس زیادتی کا جواب تو آپ کو دینا چاہئے۔ جو میرے ساتھ ہو رہی ہے، ایک طرف جناب قبلہ بھائی جان صاحب ہیں کہ عیش کی زندگی گزار رہے ہیں، تحائف وصول کر رہے ہیں، تحائف دے رہے ہیں گھر والوں کو مشکل کا شکار کر دیا ہے، بہانے بنا کر اگر کام نکال لئے جائیں تب سب کچھ ٹھیک ہے اور میں مجبوراً فیس مانگوں تو مجھے یہ تلخ جواب ملتا ہے۔"

"کیا کیا بکے جا رہا ہے تو، ہو جائے گا کچھ نہ کچھ بندوبست، باپ سے زبان کیوں لڑا رہا ہے۔"

"امی میں ان زیادتیوں کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں جو میرے ساتھ ہو رہی ہیں اور زیادتیاں دل میں بغاوت پیدا کرتی ہیں، مجھے بغاوت پر مجبور کیا جا رہا ہے، بھائی جان بھی چالاکی سے کام لینے لگے ہیں اب شاید وہ ہم لوگوں کو برداشت نہیں کر پا رہے پوری تنخواہ ہضم کر گئے ہیں اس بار اور جانتی ہیں جیب کٹنے کا بہانہ کس لئے کیا گیا ہے؟"

"ارے ارے کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے تو نے؟" فیروزہ بیگم نے چھوٹے بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں اس سلسلے میں - ابھی حاضر ہوا۔" جواد نے کہا اور بپھرا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ کوٹ اٹھا لایا جو سجاد پہنتا تھا اور اس دن جس دن اس کی جیب کٹی تھی وہ یہی کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ جواد نے کوٹ مرزا صاحب کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے جیب کٹی ہوئی ہے اور اس جیب سے بھائی جان کی تنخواہ کی پوری رقم نکل گئی ہے۔ ذرا یہ کٹ دیکھئے..... دیکھئے یہ کٹ۔ یہاں سے وہ رقم نکلی ہے۔ آپ کو معلوم ہے اسی رقم ایک لفافے میں ہوتی ہے۔ غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں، لیکن۔"

"غور سے دیکھئے اب اس چھوٹے سے کٹ میں سے وہ لفافہ نکلا ہے۔ کٹ بالکل سادہ ہے اور اتنا چھوٹا ہے کہ لفافہ کیا اس میں سے تو سو سو کے دو چار نوٹ بھی ایک ساتھ نہیں نکل سکتے اور پھر جب کسی پھٹی ہوئی جگہ سے کوئی چیز کھینچی جاتی ہے تو وہ چوڑی ہو کر کھل جاتی ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کیا اس کٹ میں سے وہ بڑا لفافہ نکلا ہے؟"

"تت..... تو تیرا مطلب کیا ہے؟"

"[illegible] مطلب میں سمجھ رہا ہوں تم رہنے دو۔" مرزا صاحب نے کٹ کو بغور دیکھتے ہوئے [illegible] لہجے میں بولے۔

"نہیں یہ کٹ مصنوعی طور پر لگایا گیا ہے اس سے وہ بڑا لفافہ نہیں نکل سکتا۔ ٹھیک کہتا ہے۔"

"لیکن یہ اسے کیا سوجھی' پوری تنخواہ ہضم کر گیا کیا کرے گا وہ اس تنخواہ کا؟؟"

"کرے گا نہیں کر چکا ہے۔ محترمہ والدہ صاحبہ' کر چکے ہیں انہیں جو کچھ کرنا تھا۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟؟"

"یہ رسید ملاحظہ فرمایئے۔ جیولر کے ہاں کی رسید ہے تاریخ دیکھئے لاکٹ سیٹ خرید ہے۔" مرزا صاحب نے بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"م..... مجھے کیا معلوم؟؟"

"آپ کو دیا ہو گا اس نے اور اگر آپ کو نہیں دیا ہے تو کیا لاکر میں رکھوا دیا میرے ہونہار بیٹے نے تاکہ عین وقت پر مجھے نکال کر دے کم از کم آپ کے علم میں تو چاہئے۔ والدہ محترمہ ہیں اور اگر نہیں تو پھر کم از کم اتنا ہی فرما دیجئے گا کہ یہ خریدا کس گیا تھا؟؟"

"ابو میں غیبت نہیں کر رہا میری حق تلفی ہو رہی ہے تو بول رہا ہوں۔ میرے تعلیمی فیس نہیں ہے اور بھائی جان اپنے دوستوں کو لاکٹ تحفے میں دیتے ہیں۔ آپ کو نہیں ہے جیب کٹی تھی افسردگی طاری تھی پورے گھر پر اور جناب قبلہ بھائی جان صاحب نوک پلک سے درست ہو کر نیا سوٹ زیب تن کر کے تقریب میں گئے تھے۔ کسی نے سوا کیا ان سے کہ تقریب کہاں تھی؟ اور اسکے بعد بھی آپ لوگ چشم پوشی کریں تو ضرور کیجئے آپ ہی کی اولاد ہے وہ۔ ہاں میرے لئے تعین فرما دیجئے گا کہ میں اپنی تعلیم جاری رکھوں یا ک چھوڑ دوں جیسا آپ لوگ پسند کریں ظاہر ہے ابھی تو میں مجبور ہوں۔"

"اب بک بک کئے جا رہا ہے کہا نا فیس ادا کر دی جائے گی بہت زیادہ باتیں نہ بنا۔"

"جی بہت بہتر' یہ رسید سنبھال کر رکھئے گا اور سنئے۔ بہتر ہے کہ اس سلسلے میں میرا نشانہ ہی نہ کی جائے۔ میں منہ پھٹ آدمی ہوں مجھ سے بات ہوئی تو میرا لہجہ تلخ ہو جائے گا اور نتائج کی ذمے داری آپ لوگوں پر ہو گی۔"

"تجھے اس بارے میں بولنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔" مرزا صاحب نے کہا اور جواد باہر نکل گیا۔ مرزا صاحب تلخ نگاہوں سے بیوی کو دیکھنے لگے تھے اور فیروزہ بیگم بے چاری اس طرح چور بن گئی تھیں جیسے سارا جرم انہی نے کیا ہو۔ پھر اس شام سجاد کی طلبی ہو گئی مرزا صاحب نے کہا۔

"میاں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں آپ سے؟؟"

"جی ابو فرمایئے؟؟"

"بہن کی شادی کے بارے میں کچھ سوچا ہے؟؟"

"میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے وسائل محدود ہیں جو کچھ کماتا ہوں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں اگر میرے لئے کوئی اور راہ متعین کر دی جائے تو میں حاضر ہوں حکم فرمایئے۔"

"سعادت مندی کی انتہا ہو گئی ہے واقعی۔ تم جیسا سعادت مند نوجوان شاید ہی روئے زمین پر دوسرا ہو۔"

"آپ طنز کر رہے ہیں ابو؟"

"نہیں درخواست کر رہے ہیں بیٹے کہ ابھی ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس میں ہماری مدد کرو۔ رسیاں نہ تڑاؤ۔ بہانے بازیاں نہ کرو۔ ایسی دوستیاں ابھی نہ کرو جن میں ہزاروں روپے کے تحائف دینا پڑیں۔ ہمارا ماحول اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

سجاد چونک کر مرزا صاحب کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ابو؟"

"یہی کہ جیب کٹ جانے کا بہانہ کر کے پورے گھر کو افسردہ کر دینا تمہارے لئے بالکل جائز نہیں تھا جو حقیقت تھی کھل کر بتا دیتے جھوٹ بول کر تم نے پورے گھر میں تکدر پھیلا دیا تھا۔ تمہیں اس کا حق کس نے دیا؟"

"امی کیا کہہ رہے ہیں ابو؟"

"امی سے بات مت کرو بیچاری پہلے ہی تمہاری وجہ سے شرمندگیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں سچ بتاؤ مجھے۔ جیب کٹی تھی؟"

"جو ایک بار بتا چکا ہوں بار بار اسے دہرانا ضروری نہیں سمجھتا۔" سجاد نے کہا۔

"کیوں' جھوٹ تو ہر بار بولا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ اسے جھوٹ سمجھتے ہیں تو جھوٹ ہی سہی۔"

"اور اگر نہیں سمجھتے تو سچ سمجھ لیں کیوں؟ یہ لاکٹ سیٹ کس کے لئے خریدا گیا ہے اس کا جواب دو۔" مرزا صاحب نے رسید اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا اور سجاد ایک لمحے کے لئے جز بز ہوا لیکن پھر اچانک ہی اس کا ذہن کھول اٹھا۔ یہ لوگ باقاعدہ اس کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں اس کے لباسوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ بس پارہ چڑھ گیا کہنے لگا۔

"میری عمر کتنی ہے ابو؟"

"خیریت اپنی عمر کا خیال کیسے آ گیا؟"

"میری عمر اب ایسی ہے کہ اب مجھ سے اس قسم کے سوالات نہیں کئے جانے چاہئیں۔"

"خوب' خوب گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اولاد کے سلسلے میں بھی والدین کو عمروں کا تعین رکھنا چاہئے۔"

"جی ہاں یہ ضروری ہے۔ ماڈرن دنیا کے لوگ بہت چھوٹے بچوں کے احساسات کا
کرتے ہیں۔ میں ایک درمیانہ ماحول پسند کرتا ہوں لیکن اب اس ماحول میں یہ جہالت
ہونی چاہئے۔ اگر میرے کردار پر کوئی حرف آیا ہے تو آپ اس کی نشاندہی کیجئے۔ میرے
کی کھوج میں رہنا میری خیال میں نامناسب ہے اور نہ میں اسے قبول کر سکتا ہوں۔ یہ
کچھ درست نہیں ہے۔"

"ابے تو سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو؟"

"یہ زبان بہت عرصے سے برداشت کر رہا ہوں ابو' پڑھے لکھے گھرانوں میں یہ
استعمال نہیں ہوتی۔ یہ ہمارا ماحول ہے۔ میں اس ماحول سے نفرت کرنے لگا ہوں سمجھے
اس ماحول میں اب میرا دم گھٹنے لگا ہے۔"

"ہاں میاں کہتے تو ٹھیک ہو واقعی بات بالکل درست ہے تمہاری لیکن بدقسمتی ہے
میں بھی مجبور ہوں۔ ہر انسان اپنی امیدوں پر جیتا ہے۔ میاں ہم ایک پسماندہ ماحول کے
باشندے ہیں کیا کریں والدین ہی کے دور سے یہ تصور چلا آتا ہے کہ اولاد پیدا ہو تو اسے
سینے سے لگا کر پالو اس کی پرورش اس کی صحت اس کی زندگی کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو
ضرور کرو اور اس کے بعد بدقسمتی سے یہ تصور بھی ذہن میں ہوتا ہے کہ تمہارا بڑھاپا اولاد
سنبھالے گی۔ رشتے ہوتے ہیں کچھ خون وغیرہ کے۔ بس انہی پر آدمی اعتماد کر لیتا ہے کیونکہ
یہی نظام کائنات ہے۔ ہاں اس نظام کو بدلنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے
گی۔ شاید غلطی ہو گئی چلو معاف کر دو۔ مجبوری ہے فیروزہ بیگم۔"

"ابو بات آج شروع ہو کر ختم نہیں ہوئی بلکہ اگر شروع ہوئی ہے تو اب اسے ختم ہو
جانا چاہئے۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔ بہت مشکل ہے میرے لئے۔ میرے بھی
اپنے مسائل ہیں باہر کی دنیا میں نکلا ہوں لوگوں سے تعلقات بھی ہیں۔ زندگی میں روشنی بھی
چاہتا ہوں۔ کچھ بہتری کا خواہش مند بھی ہوں۔ زندگی کے لئے مجھ پر اگر اتنے بوجھ لاد دیئے
گئے تو شاید میں انہیں برداشت نہ کر پاؤں۔ بس اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

سجاد نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ مرزا صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو
دیکھتے رہ گئے تھے۔ بہت دیر تک وہ سوچوں میں ڈوبے رہے۔ فیروزہ بیگم کا سر بھی جھکا ہوا
تھا۔ مرزا صاحب نے کہا۔

"واقعی ایک لمحہ فکریہ ہے فیروزہ بیگم' اولاد پر اتنا بھروسہ کر لینا جائز نہیں ہے کیونکہ
مستقبل میں یہ جواب مل سکتا ہے۔ واقعی مستقبل میں یہ جواب مل سکتا ہے۔ اب دیکھو غور
تو کرنا چاہئے تھا نا ہمیں۔ بیٹیاں بھی پیدا ہو گئیں اور وہ بھی ایک نہیں تین تین۔ بھائی کیوں
ان کی ذمے داریاں سنبھالیں لیکن ایک مسئلہ ہے تجربہ اسی وقت ہوتا ہے انسان کو جب اس
پر برا وقت آتا ہے۔ کیا اس تجربے سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ جب خود غرضی اس حد تک

رائج ہے اس کائنات میں تو والدین گدھوں کو کیا پڑی ہے کہ اولاد کے لئے دن کا سکون اور
رات کی نیندیں برباد کر دیں سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے زندگی ہے تو پروان
چڑھ جائیں گے نہیں ہے تو واپس لوٹ جائیں گے۔ اپنی زندگی کے بارے میں سوچا جائے
ہمیشہ۔ آہ دیر ہو گئی اب یہ سوچ بعد از وقت ہے اور سنو جواد سے کہہ دینا ایک پیسہ فیس کا
نہیں ملے گا۔ آئندہ اپنے تمام اخراجات فیس کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی کا بندوبست
خود کرے۔ تعلیم حاصل کر سکتا ہے تو حاصل کرے ورنہ چھوڑ دے۔ ہمارے ساتھ رہنا پسند
کرتا ہے تو کرے ورنہ اپنے لئے کہیں بھی بندوبست کر لے اور ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ بہت
سے فیصلے کرنے پڑیں گے مجھے' بہت سے فیصلے کرنے پڑیں گے۔"

مرزا صاحب طیش کے عالم میں اٹھے اور گھر سے باہر نکل گئے۔ فیروزہ بیگم سر پکڑ کر
بیٹھ گئی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں کیا نہ کریں۔ گھر کا شیرازہ منتشر ہوتا نظر
آ رہا تھا۔ تین تین بیٹیوں کا بوجھ تھا۔ پہلی ہی سے چھٹکارا مشکل نظر آ رہا تھا۔

□

فائق درانی صاحب گارمنٹ کے بہت بڑے ایکسپورٹر تھے۔ لاکھوں روپے کا بزنس کیا
کرتے تھے۔ گارمنٹ سٹی کو۔ بڑے مخلص آدمی تھے اور بڑے خلوص سے انہوں نے میڈم
کو اپنی بیٹی کی شادی میں مدعو کیا تھا۔ عموماً وہ اس قسم کی شادیاں اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ اس
کے اپنے معمولات تھے۔ میٹنگوں وغیرہ کی بات اور تھی لیکن گھریلو فنکشنوں میں اسے کوئی
دلچسپی نہیں تھی لیکن فائق درانی صاحب کچھ ایسا سر پڑے کہ وہ پریشان ہو گئی۔ یہاں تک کہ
اس دن جب گھر پہنچی تو رفعت نے بتایا کہ تین بار فائق درانی صاحب کا ٹیلیفون آ چکا ہے۔
انہوں نے کہا ہے کہ آپ انہیں رنگ بیک کر لیں۔

"اوہ فائق صاحب پتا نہیں کیوں اتنے زیادہ سنجیدہ ہو گئے ہیں؟" پھر اس نے فائق
صاحب کو فون کیا اور دوسری طرف سے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"دفتر میں نہیں تھیں آپ؟"

"جی ہاں' آؤٹ ڈور نکل گئی تھی۔ چند اسٹورز چیک کرنا تھے۔ بس یونہی دل میں آئی
اور چل پڑی۔" "اور ہم یاد نہیں رہے آپ کو؟"

"نہیں نہیں آپ کو بھلا کیسے بھولا جا سکتا ہے؟"

"ایک بات آپ سن لیجئے میڈم۔ اگر آپ میری اس خوشی میں شریک نہ ہوئیں تو کچھ
بگاڑ نہیں سکوں گا آپ کا لیکن ہمیشہ دل دکھے گا میرا۔"

"ارے فائق صاحب میری ساری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"اصل میں نجانے کچھ دل کو ایک امید ہے کہ مجھے دوسروں کے ساتھ شامل نہیں کیا
جائے گا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میں جانتا ہوں آپ شادیوں وغیرہ میں شرکت نہیں کیا کرتیں لیکن میری بھی دلی آ
تھی کہ آپ میری بیٹی کی شادی میں ضرور شریک ہوں۔ میری عزت میں اضافہ ہو جا
بات ہوئی تھی چند لوگوں کے سامنے۔ میں نے نجانے کیوں دعویٰ کر دیا کہ میڈم مجھ
ہمیشہ مہربانی سے پیش آتی ہیں۔ میرے ہاں وہ شادی میں ضرور شرکت کریں گی۔"

"آپ لوگوں نے بلاوجہ مجھے اتنی اہمیت دے دی ہے۔"

"آئیں گی؟" فائق درانی صاحب نے پوچھا۔

"جی بہتر ہے پہنچتی ہوں۔" اس نے کہا اور فائق صاحب نے شکریہ ادا کر کے فون
کر دیا۔

وہ دیر تک الجھی بیٹھی رہی۔ اسے بڑا اعتماد تھا بہت دن سے طبیعت بہتر چل رہی تھ
حالانکہ اندر سے وہ جس قدر بیمار تھی اس کا دل ہی جانتا تھا۔ نجانے کیوں نظام زندگی
سنبھالے ہوئے تھی، نجانے کیوں جی رہی تھی۔ جینے کا کوئی مصرف ذہن میں نہیں آتا
لیکن خود موت کو آواز دینا نہیں چاہتی تھی ہاں کوئی بھی لمحہ اگر وہ خود قریب آ جائے تو اس
استقبال کرنے سے گریز نہیں کرے گی۔ کیا کروں جانا پڑے گا۔ اب تو وعدہ کر لیا ہے۔
بہرطور وہ تیار ہوئی اور اسکے بعد گاڑی نکلوا کر چل پڑی۔

فائق درانی صاحب نے بہت ہی مسرور انداز میں اس کا استقبال کیا تھا۔ فیلڈ کے تمام
لوگ موجود تھے۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ اس کا وقار اس کی سادگی، اس کی شخصیت سب
ہی پر حاوی نظر آ رہی تھی۔ بیگمات کے چہرے اسے دیکھ کر مرجھا گئے تھے۔ وہ کچھ نہ ہو
ہوئے بھی اتنا کچھ تھی کہ سب اس کے سامنے خود کو احساس کمتری کا شکار محسوس کر رہے
تھے۔ ایک غیر متعلق شخصیت نے جو بہت بڑی شخصیت تھی جس کا اربوں روپے کا کاروبار
دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلا ہوا تھا لیکن گارمنٹ میں ڈیل نہیں کرتی تھی۔ فائق درانی
سے پوچھا۔

"وہ کون صاحبہ ہیں؟"

"اوہو آپ انہیں نہیں جانتے؟ انعام صاحب بہرحال آپ کی ٹکر کی تو نہیں ہیں لیکن
شہر کی بڑی شخصیت ہیں۔"

"بھئی تعارف کراؤ۔ بہت دلکش شخصیت کی مالک ہیں۔" انعام صاحب نے کہا اور فائق
درانی ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ اصل میں انعام صاحب ذرا مختلط قسم کی خاتون ہیں۔ اپنے آپ کو بہت لئے دیئے
رہتی ہیں۔ دنیا سے الگ تھلگ۔"

"کیوں؟"

"بس مزاج ہے۔"

"اور ان کے شوہر؟"

"نہیں، شادی شدہ نہیں ہیں۔"

"ایں۔" انعام صاحب اچھل پڑے۔ ان کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ "یعنی یعنی۔ شادی
کی ہی نہیں ہے یا بیوہ ہو گئی ہیں؟"

"میرا خیال ہے کی ہی نہیں ہے لیکن آپ اتنے متجسس کیوں ہیں؟"

"پوچھ رہے ہیں یہ بات، پتا ہے بیگم کے انتقال کو آٹھ سال ہو چکے ہیں اور آج تک
انتخاب ہی میں وقت گزار رہے ہیں۔ ویسے تو بے شمار لوگ زندگی میں شامل ہو جاتے ہیں
لیکن کوئی ہو بھی تو۔ بھئی تعارف کرا دو فائق۔"

"خدا کے لئے انعام صاحب۔ ابھی نہیں کوئی اور مناسب موقع آئے گا تو دیکھا جائے
گا۔" فائق درانی بوکھلا کر بولا۔ انعام صاحب کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ برے
آدمی نہیں تھے۔ نہ ہی عیاش طبع اور فضول شخصیت کے مالک لیکن حسن پرست ہمیشہ سے
تھے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ آٹھ سال قبل ان کی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا۔ بچے وغیرہ بھی
تھے لیکن وہ اپنے طور پر زندگی گزارتے تھے اور انعام صاحب کی اپنی ایک الگ دنیا تھی۔
اتنے عمر رسیدہ بھی نہیں تھے کہ شادی نہ کر سکتے لیکن آج تک کبھی یہ بات منظر عام پر نہیں
آئی تھی کہ انہوں نے شادی کیوں نہیں کی۔ بہرحال فائق درانی نے تو اس سلسلے میں آگے
بڑھنے کی ہمت نہیں کی لیکن انعام احمد صاحب خود ہی میڈم کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے
بڑے ادب سے انہیں سلام کیا اور وہ ان کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

"فدوی کو انعام احمد کہتے ہیں چھوٹا موٹا سا کاروباری ہوں اور اپنے دوستوں کے حلقے
میں محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہوں۔"

"جی۔" وہ خوش اخلاقی سے بولی۔

"ابھی چند لمحات پہلے میں نے آپ کے بارے میں فائق دُرانی سے پوچھا اور اس
خواہش کا اظہار کیا کہ آپ سے تعارف کرا دیا جائے تو وہ کنی کاٹ گیا۔ حالانکہ ہر بڑے آدمی
کو دوسرے بڑے آدمی سے متعارف ہونا چاہئے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس کا صحیح جواب تو آپ کو کوئی بڑا آدمی ہی دے سکے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"گڈ۔۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔۔ دیکھئے نا شخصیت کا ایک پہلو تو نمایاں ہوا۔ یعنی آپ کے مزاج
میں انکساری اس حد تک موجود ہے کہ آپ اپنے آپ کو بڑا آدمی کہنے سے گریز کرتی
ہیں۔"

"میں عورت ہوں انعام صاحب۔" وہ مسکرا کر بولی اور انعام صاحب سر کھجانے لگے پھر
بے اختیار قہقہہ لگا کر بولے۔

"عورت ہیں لیکن بہت خوب ہیں۔ کیا جواب دیا آپ نے۔ یعنی صحیح معنوں میں چکرا کر رکھ دیا۔ ہاں بھئی ہم ہی غلط بولے تھے لیکن خاتون سنا ہے کہ آپ نے بڑے بڑے مردوں کے کان کتر رکھے ہیں۔"

"عجیب بھونڈی بات سن رکھی ہے آپ نے۔ کس نے بتایا آپ کو؟" وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

"بھئی کچھ محاورے کی بات کر رہے ہیں۔"

"اچھا اچھا تب کوئی حرج نہیں ہے۔ محترم میں ایک چھوٹا سا گارمنٹ اسٹور چلاتی ہوں۔ اسٹور کیا سمجھ لیجئے مینوفیکچرنگ بھی میرے ہی ہاں سے ہوتی ہے۔ نہ اس میں کوئی بڑائی کی بات ہے نہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتی ہوں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ انسان کے اپنے مشاغل ہوتے ہیں۔ میرا یہ مشغلہ ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جس قدر وسعت ہے مجھ میں اس کے مطابق کامیابی سے اپنا کام سرانجام دے رہی ہوں۔"

"اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے؟"

"شاید۔ چونکہ آپ بہت بڑے کاروباری ہیں اس لئے آپ کی نگاہوں میں زیادہ وسعت ہے۔ ہر چیز کے بارے میں جاننے کی۔ مجھے اپنا یہ چھوٹا سا کاروبار کرنے میں کسی خاص مشکل سے واسطہ نہیں پڑتا اس لئے میں اس سے ناواقف ہوں؟"

"بڑی نپی تلی گفتگو کرتی ہیں آپ؟"

"فرمایئے میرے لئے کوئی خدمت؟"

"ارے نہیں بھئی۔ بس یہ تو بہر ملاقات والی بات تھی۔ ویسے دل چاہتا ہے کہ آئندہ بھی آپ سے باتیں کی جائیں۔"

"آپ کا کاروبار کیا ہے؟" اس نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا اور انعام صاحب اسے اپنے کاروبار کے بارے میں بتانے لگے۔ وہ نہایت تحمل سے سنتی رہی پھر اس نے کہا۔

"افسوس میرے اور آپ کے کاروبار میں کہیں کوئی مماثلت نہیں ملتی اور غیر ضروری لوگوں سے ملنا میرے لئے ممکن نہیں ہوتا کیونکہ میرے اپنے مشاغل بہت زیادہ ہیں۔"

"بھئی ہم اتنے غیر ضروری بھی نہیں ہیں جتنا آپ نے سمجھ لیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے آپ کچھ لوگوں کے لئے ضروری ہوں۔ آپ کے بارے میں جان کر مجھے اس سلسلے میں کوئی احساس نہیں ہوا کہ آپ میرے کسی کام آ سکتے ہیں۔"

"گویا آپ صرف کام کے لوگوں سے ملتی ہیں؟"

"جی قطعی۔ فائق درانی صاحب سے ہمارا کاروباری رشتہ ہے۔"

"آپ کے ذاتی رشتہ دار بھی تو ہوں گے۔"

"ان کے بارے میں نہ تو آپ کو جان کر کوئی خوشی ہو گی اور نہ مجھے ان کے بارے

میں بتانے سے دلچسپی ہے۔ معاف کیجئے گا اس میں نہ تو کوئی غرور ہے اور نہ ہی اجتناب اور نہ ہی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش۔ بس میری اپنی مصروفیات مجھے اس کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں غیر ضروری لوگوں سے ملاقات کروں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اس کے بعد اس جگہ سے آگے بڑھ گئی۔ انعام صاحب سر کھجاتے رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے شانے اچکا کر کہا۔

"بھئی بڑی ٹیڑھی خاتون ہیں لیکن اب کیا کیا جائے اپنے مزاج کو ٹیڑھے ہی لوگ پسند آتے ہیں۔ خیر محترمہ آپ سے ملاقاتیں تو بہرطور رہیں گی۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس کے لئے ذرا طریقہ کار دریافت کرنا پڑے گا۔"

وہ اپنے طور پر شادی کی مصروفیات میں دلچسپی لیتی رہی۔ دلہن منظر عام پر آئی۔ وہ اس کے پاس پہنچی سرخ دوپٹہ دیکھ کر نجانے کیوں اس کے دل میں کسمساہٹ ہونے لگی اور اس کے بعد آخر تک وہ ایک گوشے میں بیٹھی دلہن کو دیکھتی رہی۔ تمام رسمیں طے ہوئیں پھر اس نے واپسی کی اجازت طلب کی۔ فائق درانی نے خوش مزاجی سے کہا۔

"آپ یقین فرمایئے آپ کی آمد سے مجھے جس قدر مسرت ہوئی ہے میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ آپ کا بے حد شکریہ۔"

وہ خاموشی سے واپس آ گئی۔ دل و دماغ سرد ہو رہے تھے۔ پورے وجود میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ آج پھر دل کے گوشوں میں ایک کسک سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اس کسک کو سینے میں دبائے اپنے کمرے میں آ گئی۔ بالکل خاموش۔ فرزندی نے دودھ کے لئے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ فرزندی کہنے لگی۔

"وہ میڈم بیگ صاحب....."

"شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا اور فرزندی کان دبا کر باہر نکل گئی۔ البتہ باہر جانے کے بعد اس نے دوسروں کے کانوں میں پھونک دیا تھا کہ آج موسم خراب ہو گیا ہے۔ احتیاط رکھی جائے۔

رات کو نجانے کب تک وہ جاگتی رہی۔ دوسری صبح بھی ذہن پر کہر چھائی ہوئی تھی اور اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہی رکھا تھا۔ بس اپنے آپ میں کھوئی کھوئی، گم صم عجیب سی الجھنوں کا شکار لیکن وقت مقررہ پر دفتر جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور ناشتے کے بغیر ہی نکل پڑی تھی۔

گارمنٹ سٹی میں داخل ہو گئی۔ پچھلے کچھ عرصے سے لوگ اس کی خوش مزاجی کو محسوس کر رہے تھے اور خوش بھی تھے کیونکہ اس طرح اس خوف سے نجات ملی تھی جو ہر وقت دل و دماغ پر سوار رہتا تھا۔ نجانے کہاں غلطی ہو جائے۔ ٹالنے پر آ جائے تو بڑی بڑی غلطیوں کو معاف کر دے۔ موڈ خراب ہو تو اتنی سختی سے بات کرے کہ انسان کے لئے

جواب دینا مشکل ہو جائے۔

بہرحال دفتر میں آ بیٹھی۔ فائلوں کی ورق گردانی کرنے لگی پھر کسی اور پر نزلہ نہیں گرا
تھا کہ اچانک شامی نے دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کئے بغیر اندر آ گیا۔

اس نے سرد نگاہوں سے شامی کو دیکھا لیکن شامی نے ایک ایسی حرکت کی کہ اس کے
ذہن کو جھٹکا لگا اس نے ایڑی بجائی اور سیلوٹ کر کے ماتھے پر ہاتھ لگایا۔ بہت خوش نظر آ رہا
تھا۔ مسکرا رہا تھا۔ اس کی اس حرکت کو وہ سنجیدگی سے دیکھتی رہی۔ شامی مارچ کرتا ہوا آگے
بڑھا اور اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"آداب پیش کرتا ہوں میڈم۔"

"کیا بات ہے' رات کو کوئی سرکس دیکھ لیا کیا؟" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"بالکل نہیں۔ براہ کرم آپ مجھے بیٹھنے کی اجازت دے دیں۔ بڑا عجیب سا لگتا ہے۔
اس وقت جب آدمی کسی کے سامنے احمقوں کی طرح کھڑا ہو اور وہ اسے بیٹھنے تک کے لئے
نہ کہے۔"

"کوئی خاص کام تھا آپ کو؟"

"نہایت خاص۔ اب بیٹھنے کی اجازت دے دیجئے نا پلیز۔ میرے دل میں اس وقت آپ
کے لئے محبت کا جو سمندر موجزن ہے بس وہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ جلدی سے بیٹھ کر آپ
کے سامنے دل کے دروازے کھول دوں اور آپ ہیں کہ بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہہ رہی
ہیں۔"

ذہن سے ایک گرد کی تہہ ہٹی تھی۔ شیشہ سا ٹوٹا تھا۔ شامی کے چہرے پر کھلی ہوئی
مسرت اسے مجبور کر رہی تھی کہ اپنی گرد آلود دنیا سے واپس آ جائے۔ بولی۔

"بیٹھئے۔"

"شکریہ' بے حد شکریہ۔" شامی مسکراتا ہوا بیٹھ گیا پھر بولا۔ "کافی پئیں گی آپ؟"

"کیا بدتمیزی ہے؟"

"آج جو دل چاہے کہہ لیجئے۔ ایک لفظ بھی برا مان جاؤں تو شامی نام نہیں۔ بتائیے آپ
کافی پئیں گی۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ آج میں آپ کو کافی پلاؤں۔ گو آپ ہی کے دفتر
سہی لیکن بہرحال آفر میری طرف سے ہے۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں شامی صاحب۔ اس طرح روزانہ کمرے میں آ جاتے ہیں جیسے
مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہ ہو اور پھر میرے سامنے کس قدر فضول باتیں کرتے
ہیں آپ۔"

"کہہ چکا ہوں' کہہ چکا ہوں ایک بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ آدمی جب احسان
کے بوجھ تلے دب جاتا ہے نا تو پھر اسے بہت سی باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔"

"آپ نہایت احمق آدمی ہیں۔"

"اللہ اکبر' اللہ اکبر۔ آج میرے عہدے میں بہت سے اضافے ہو چکے ہیں مگر نہیں
مانوں گا برا نہیں مانوں گا۔ اب دیکھئے نا یہ بات ہوتی ہے۔ آپ یقین کریں بعض معاملات میں
زاز کی فراست کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ پھنس گیا نا آخر چکر میں؟"

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میڈم آپ نے ہمیں زمین سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا ہے۔ اس عرش کا شکریہ ادا
کرنے کے لئے آیا تھا۔"

"کیا مطلب' فلیٹ آپ کو پسند آ گیا؟" "اجی پسند آ گیا۔ ذکی صاحب غچہ کھا گئے۔
چابی ہمیں دی تھی کہنے لگے۔ جب میڈم نے یہ بات کہہ دی کہ آپ اس فلیٹ میں آ سکتے
ہیں تو فلیٹ آپ کا جب دل چاہے آپ یہاں شفٹ ہو جائیں۔ بس جناب رات کو گھر پہنچے۔
زاز کی حالت خراب تھی۔ اچھا اب یہ بتائیے کافی منگوا رہی ہیں آپ یا میں منگواؤں۔"

وہ اسے گھورتی رہی اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس کے ذہن میں ایک جملہ گونجا۔

"گارمنٹ سٹی میں اصولوں کی عبادت ہوتی ہے۔ یہاں بے اصولی برداشت نہیں ہو
سکتی۔" دوسرا جملہ گونجا۔

"میڈم میں مارکیٹ کا سروے کرنا چاہتا ہوں میری موجودگی میں لوگ گارمنٹ سٹی کو مالی
نقصان پہنچائیں یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔" اور پھر وہ واقعات بھی یاد آئے جب وہ
اس سے لڑ پڑا تھا۔ پروڈکشن انچارج کو دھکیلتے ہوئے لے گیا تھا کہ یہاں گالیاں ہی سننے کو
ملیں گی۔ چلو چلو پیچھے سے گولی نہیں مار دی جائے گی۔ یہ بے باکی' یہ آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر بات کرنا۔ یہ اس کی معصومیت کی دلیل ہے اور اس وقت اس کی معصومیت کو قتل
کرنا ظلم ہو گا یقیناً ظلم ہو گا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔

"منگوایئے کافی۔ انٹر کام پر سیکرٹری سے کہئے کہ کافی بھجوائے اور کچھ بسکٹ وغیرہ بھی۔
میں نے آج صبح کو ناشتہ نہیں کیا ہے۔"

"خدا کی قسم دل تو یہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر آپ کے لئے حلوہ پوری لے آؤں لیکن
آپ۔ آپ پھر وہی ڈسپلن کی بات کریں گی۔ ارے ہیں تو ہم لوگ انسان ہی نا۔ آپ مالک
ہیں میں ملازم ہوں۔ لیکن یقین کیجئے ہم انسان ہی ہیں۔ اگر ہمارے درمیان یہ رشتہ نہ ہوتا
اور آپ کہیں مجھے باہر ملتیں میری آپ سے شناسائی ہو جاتی آپ ایک اچھی خاتون ہوتیں تو
کیا میں آپ کو یہ آفر نہیں کر سکتا تھا مگر چھوڑیئے اچھا میں کافی منگواتا ہوں۔" اس نے انٹر
کام بند کر دیا۔

اس کا موڈ اچانک ہی ٹھیک ہونے لگا تھا۔ رات بھر جس ذہنی بحران کا شکار رہی تھی
شامی کی احمقانہ باتوں سے وہ دور ہو گیا تھا۔ ایک ہلکا ہلکا مسرت کا احساس اس کے دل و دماغ

سے ابھر رہا تھا۔

"جی۔ اب آگے فرمایئے۔"

"رات ہی کو شفٹ ہو گئے ہم۔ ہم اپنے ٹین ڈبے باندھ کر بس رات ہی کو بج
پڑے۔ پتا ہے ہوا کیا تھا۔ اصل میں بات تو پہلے ہی سمجھ میں آگئی تھی جناب قبلہ شیخ عشرت
حسین صاحب کو نہ تو ان کے رشتے داروں نے کچھ کہا تھا کہ میاں گھر میں نوجوان لڑکوں
رکھ چھوڑا ہے۔ بی شمسہ جیسی بلاخیز خاتون اس گھر میں موجود ہے۔ بھلا نوجوانوں میں [illegible]
کے آثار باقی رہیں گے۔ تو کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ یہ صرف شیخ صاحب کی اپنی اپچ تھی۔
شمسہ صاحبہ کو فراز کے سر منڈھنا چاہتے تھے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ فراز کی ساری جیبیں
خالی کرا لی جائیں اور ان کے اپنے چار پیسے بھی خرچ نہ ہوں۔ ہم سمجھ گئے تھے یہ ترکیب۔
فراز کی تو حالت خراب تھی۔ میں نے پہلے تو سب کو بے وقوف بنایا اور مکان کی تلاش کے
سلسلے میں خاصی خوفناک باتوں کا اظہار کیا۔ پھر بتایا کہ مکان کا بندوبست اس طرح ہو گیا ہے
اور اتفاق کی بات یہ کہ شیخ صاحب بھی تشریف لے آئے۔ وہی راگ الاپتے ہوئے بس
جناب میں تو اکھڑ گیا ہتھے سے۔ میں نے کہا شیخ صاحب ہم اسی وقت فٹ پاتھ پر جا بیٹھیں
گے آپ کے ساتھ نہیں رہیں گے اب اور ہم نے اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا۔ پھر محترمہ
شیخانی صاحبہ تشریف لائیں اور بات کو ہموار کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ اچھا خاصا کرایہ
دیتے تھے ہم لوگ اب وہ کھنڈر کوئی کرائے پر بھی نہیں لے گا۔ شیخ صاحب کی چال تو ایسی
پٹ ہوئی کہ زندگی بھر یاد کریں گے۔ ارے ہاں خدا کی قسم زندگی بھر آپ کو یقین نہیں
آئے گا۔ تمام مشہور شعراء کے اشعار اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ سیاست میں دیکھئے تو
جناب ابتدائے آفرینش سے لے کر مستقبل میں دنیا کی زندگی تک کی تمام پیش گوئیاں کر ڈالی
تھیں کہ آنے والے وقت میں کیا ہو گا۔ پھر باورچی خانے میں اگر کہیں کوئی چیز پکنے کی
خوشبو نیچے پہنچ جائے تو شیخ صاحب نازل سب' سب کچھ انہی کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔ باتوں
ہی باتوں میں سب کھا جاتے تھے اور اتنے خوش خوراک کہ آپ تصور نہیں کر سکتیں۔ یوں
زندگی عذاب کر رکھی تھی انہوں نے اور آپ نے ہم دو غریبوں کو اس عذاب سے نکال دیا
اور فلیٹ ایسا خوبصورت منظر نگاہوں کے سامنے فراز تو پاگل ہوا جا رہا ہے۔ کہنے لگا کہ بھائی
اسے ڈیکوریٹ کیسے کرو گے؟ ہمارے پاس تو دری چاندنی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ٹین کے
کنستر اور صندوق کیا یہ سجاؤ گے اس فلیٹ میں۔ میں نے کہا اللہ مالک ہے۔ آہستہ آہستہ
سب کچھ کر لیں گے قدم تو جماؤ۔ کوئی فلیٹ ہم سے ابھی خالی تھوڑی کرایا جا رہا ہے لیکن
فراز صاحب نے اپنا سینہ کشادہ کر دیا ہے۔ آج چھٹی کی ہے دفتر سے کہنے لگے دو تین دن کی
چھٹی لے کر اس سارے فلیٹ کو ڈیکوریٹ کروں گا۔ کچھ سامان وغیرہ خرید کر لاؤں گا ویسے
ایک بات آپ کو بتا دوں آپ نے دیکھا ہے فلیٹ؟"

اس نے اس انداز میں اس سے پوچھا کہ وہ شامی کو دیکھتی رہ گئی۔ نجانے کتنا عرصہ گزر
گیا تھا کتنا طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ کسی نے اس انداز میں گفتگو نہیں کی تھی۔ اس انداز میں
برابری تھی اپنائیت تھی ایک ایسی کیفیت تھی جس کا ہر انسان دل ودماغ سے خواہش مند ہوتا
ہے اور پھر وہ تو نجانے کب سے اس لہجے سے دور تھی اس نے طویل عرصے سے کسی سے
اس انداز میں گفتگو نہیں کی تھی۔ بس ایک دھواں اس کے وجود میں گھٹا رہتا تھا اور نجانے
کیسی زندگی گزار رہی تھی وہ۔ اور یہ شامی ایک چھوٹی سی خوشی مل جانے سے کس طرح
بدمست ہو رہا ہے۔

کافی کے ساتھ بسکٹ لئے۔ شاید دن بھر ہی فاقہ کرنا پڑ جاتا لیکن شامی کی باتوں نے ذہن
کو خاصا شگفتہ کیا تھا۔ وہ شیخ صاحب شمسہ فراز وغیرہ کے بارے میں بے تکان بولتا رہا۔ فلیٹ
کے لئے اس کا بار بار شکریہ ادا کرتا رہا۔ وہ کہنے لگی۔

"سنو شامی' میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ تھوڑا سا لون لے لو کام آئے گا۔ میں اس فرم
کی مالک ہوں جب میں کہہ رہی ہوں کہ اس میں کوئی دقت پیش نہیں ہو گی تو پھر پرہیز
کیوں کر رہے ہو؟"

"دیکھئے میڈم' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ انسان نما فرشتہ ہیں۔ بہت اچھی
خاتون ہیں آپ' اگر کوئی میرے دل ۔۔۔ پوچھے تو میں اسے بتاؤں کہ میرے دل میں آپ
کے لئے کتنی محبت' کتنی عقیدت اور کتنا پیار ہے لیکن دیکھئے نا بات بالکل سچ ہے۔ اب ہم
اس وقت سولی پر لٹکے ہوئے تھے۔ ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا اور جو شیخ صاحب چاہ
رہے تھے وہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اب سر چھپانے کے ایک ٹھکانے کے لئے کسی انسان کی
زندگی کو اس طرح ختم تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپ نے یہ احسان کیا اور پھر سب سے بڑی
بات یہ ہے کہ اتنے قیمتی فلیٹ کا آپ ہم سے کرایہ بھی نہیں لے رہی ہیں بلکہ آپ نے
فرم کے حوالے سے یہ سب کچھ کیا ہے۔ تو اتنا احسان رہنے دیں ہم پر جتنا ہم اٹھا سکیں
ورنہ سچ بتاؤں آپ کو جب بھی آپ مجھے کسی بات پر ڈانٹیں گی مجھے یہ احساس ہو گا کہ دیکھو
نہ اتنے احسان لیتے نہ اس طرح ذلیل ہونا پڑتا اور پھر فراز بڑا موقع شناس آدمی ہے مجھے تو
خیر اس نے کبھی نہیں بتایا کہ اس نے بینک اکاؤنٹ وغیرہ کھول رکھا ہے حالانکہ یقین کریں
آپ جب تک میری نوکری نہیں لگی تھی میں نے کبھی اس سے ایک پیسہ نہیں مانگا۔ بھئی
دیکھئے نا دوستی محبت اپنی جگہ انسان کی عزت نفس بھی ہوتی ہے۔ کھانے کا خرچہ وہ اٹھاتا تھا۔
کپڑوں کا خرچ وہ اٹھاتا تھا۔ مکان کا کرایہ وہ دیتا تھا۔ سارے ہی مسائل تھے۔ کبھی ایک لمحے
پیشانی پر جو شکن آئی ہو۔ میں اب ایسا ناسپاس نہیں ہوں کہ اس کے ان احسانات کا صلہ نہ
ادا کروں۔ حالانکہ ہم دونوں میں اتنی دوستی اور محبت ہے کہ کوئی کسی عمل کو احسان نہیں
سمجھتا لیکن پھر بھی دیکھئے نا کچھ انسانی خصائل ہوتے ہیں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ فراز کے پاس

ضرور پیسے ہیں اور پھر اب تو تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں مجھے اچھی خاصی رقم ملے گی سب اس کے حوالے کر دوں گا۔ کہوں گا کہ فکر نہ کرے بس ایک دو جوڑی کپڑے بنا دے مجھے اور آنے جانے کا کرایہ دے دیا کرے۔ باقی مجھے کیا کرنا ہے۔ آپ خود بتائیے مکان آپ نے ہمیں رہنے کے لئے دے دیا ہے۔ یہ الگ بچت ہو گئی۔ میں بہت شکرگزار ہوں آپ کا میڈم۔"

"اچھا اچھا بس ٹھیک ہے آج جتنا چاہے شکریہ ادا کر لیں کل سے فلیٹ کا کوئی تذکرہ نہیں کریں گے۔"

"آج سے' کل سے' پرسوں سے'۔ آپ بس حکم دے دیجئے مجھے۔ میں کام شروع کر دیتا ہوں۔"

"تو پھر کل سے آپ سروے کر ڈالئے لیکن شام کو مجھے مکمل رپورٹ ملنی چاہئے۔"

"بالکل ٹھیک ہے بس آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ذرا بھی کوتاہی ہو تو بے شک آپ مجھے ڈانٹ دیں۔" اس نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔

"آپ کا بہت وقت لیا ہے میں نے معذرت خواہ ہوں اجازت چاہتا ہوں۔"

"او کے۔" وہ بولی اور پھر شامی کو عقب سے دیکھتی رہی۔ دروازہ بند کر کے وہ باہر نکل گیا تھا لیکن وہ پھر بھی دروازے کو گھورتی رہی۔ شامی کیسا معصوم سا نوجوان ہے کتنا انوکھا۔ اس کے کانوں میں شامی کے الفاظ گونجے۔ "یہاں تقدیروں کے فیصلے والدین کیا کرتے ہیں۔ وہ مالک اور مختار ہوتے ہیں جس طرف چاہیں رخ تبدیل کر دیں۔ شاعر کو انجینئر اور ادیب کو ڈاکٹر بنا دیں۔ جو ان کا دل چاہے کر سکتے ہیں یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے۔" پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی۔

محمود احمد صاحب اپنی اہلیہ فرزانہ بیگم کے ساتھ اچانک ہی مرزا صاحب کے گھر پہنچے تھے۔ شام کے تقریباً چھ بجے کا وقت تھا۔ مرزا صاحب دفتر سے واپس آ چکے تھے۔ گھر کی کیفیت سوگوار تھی۔ جو واقعات پچھلے دن گزرے تھے ان کے اثرات جلد ہی ظاہر ہونے والے نہیں تھے لیکن محمود صاحب کی آمد پر ایک دم سے ماحول بدل گیا تھا۔ مرزا صاحب نے پرتپاک انداز میں ان کا استقبال کیا۔ فیروزہ بیگم نے ہنس کر فرزانہ بیگم کو گلے لگایا۔ بڑے اہتمام سے بٹھایا گیا۔

"بھئی کئی دن سے ذہن میں کھلبلی مچی ہوئی تھی مگر کیا کیا جائے' مصروفیات ہی اتنی ہوتی ہیں کہ انسان کو دل مسوس کر خاموش رہنا پڑتا ہے ان دنوں کچھ زیادہ مقدمے آئے ہوئے ہیں میرے پاس۔ انہیں نمٹانے میں مصروف تھا۔ آج میں نے صبح ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آؤں گا ضرور چاہے کتنی ہی مصروفیت ہو جائے۔ فرزانہ سے کہہ دیا تھا میں نے کہ چلنا ہے۔"

"بچیوں کو نہیں لائے آپ؟ وہ کون سا ہمارے گھر آتی ہیں؟"

"لاؤں گا لاؤں گا۔ اصل میں اس وقت تو میں نہایت سنجیدہ مسئلے پر گفتگو کرنے آیا تھا۔ میں نے سوچا بچیوں کی مداخلت مناسب نہیں رہے گی۔"

مرزا صاحب نے چونک کر بیگم صاحبہ کو دیکھا اور فیروزہ بیگم نے انہیں۔ چہرے پر ایک لمحے کے لئے پریشانی کے آثار ابھرے لیکن پھر فوراً ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ مرزا صاحب خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ فیروزہ بیگم نے رخشندہ اور فرخندہ کو آواز دی۔ دونوں اندر آئیں سلام کیا۔ فیروزہ بیگم نے کہا۔

"چچا جان اور چچی جان آئے ہیں۔ جاؤ کچھ انتظام کرو۔"

"بھئی بخدا کوئی تکلیف نہ کرنا بس تھوڑی دیر کے بعد چائے پئیں گے۔ بس خالی چائے۔ اس وقت اگر تم نے کچھ اور تکلف کیا مرزا صاحب تو بلا وجہ تمہیں زحمت کرنا پڑے گی اور ہم شرمندہ ہوں گے۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔ جاؤ تھوڑی دیر کے بعد چائے لے آنا۔" مرزا صاحب نے کہا پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں محمود احمد صاحب نے کہا۔

"خدا کے فضل و کرم سے حسن کا معاملہ اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ ہاؤس جاب مکمل

کر چکا ہے لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ نے اس کے ہاتھ میں شفا دی ہے' ہسپتال میں بڑا نام کر
رہا ہے۔ بس مرزا صاحب میری آرزو ہے کہ اسے جس قدر جلد ہو سکے امریکہ روانہ کر
دوں۔ اصل میں آپ کو اندازہ ہے کہ عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ کتنا قیمتی ہوتا ہے۔ ان لمحات
سے کچھ حاصل کر لیا جائے تو کارآمد ہے۔ ورنہ گزرا ہوا ہر لمحہ نقصان کا باعث ہوتا ہے۔"

"بے شک' بے شک۔ اس میں کیا شک ہے؟"

"مگر اس کے لئے تمہاری مدد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مرزا صاحب۔"

"میری مدد؟" مرزا صاحب نے سنبھل کر کہا۔

"ہاں میاں۔ اس دن بھی آیا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ تھوڑے بہت عرصے کے اندر تم
کوئی نہ کوئی مناسب جواب دو گے لیکن انتظار کرتے کرتے اتنا وقت بیت گیا۔ میں نے سوچا
ذرا یاد دہانی کرا دوں۔"

"ہاں' بالکل ٹھیک کہا ہے آپ نے۔ واقعی' لیکن کچھ مسائل میرے ساتھ بھی ہیں۔
بھئی رشتہ کر رہا ہوں بلاوجہ غلط گوئی کا عادی نہیں ہوں۔ بے شک ہم نے تھوڑے تھوڑے
کر کے کافی انتظامات کر ڈالے ہیں بچی کے لئے لیکن پھر بھی کچھ ایسے مسائل باقی رہ گئے ہیں
جنہیں حل کرنا بڑا ضروری ہے۔"

"دیکھو مرزا صاحب! بات اصل میں یہ ہے کہ اب یہ مسئلہ صرف مجھ تک نہیں رہ گیا
ہے۔ والدین کا شوق ہوتا ہے کہ بیٹے کا گھر آباد ہو۔ بہو لائیں۔ بس اس کے لئے حالات
کا انتظار کیا جاتا ہے۔ وقت کا انتظار کیا جاتا ہے اور جب وقت آ جاتا ہے تو پھر صبر نہیں ہوتا۔
اب آپ خود سوچیں مرزا صاحب صورت حال کیا ہے۔ حسن اسپیشلائزیشن کرنا چاہتا ہے۔
تمام انتظامات چٹکیوں میں ہو سکتے ہیں اور پھر آپ تو جانتے ہی ہیں کہ وقت کیا چیز ہے اس
وقت کچھ ایسے لوگوں سے رابطہ ہے جو حسن کو امریکہ بھجوانے میں بڑے معاون ثابت ہو
سکتے ہیں لیکن کل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کل ان لوگوں سے رابطہ
نہ رہے اور میں ان لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہتا اور پھر آپ سے کھل کر یہ کہہ دینا پسند
کرتا ہوں کہ تنہا میں حسن کو امریکہ نہیں بھیجنا چاہتا۔ ذمے داری شانوں پر آ جائے تو آدمی
کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ آپ خود اندازہ لگایئے میری بھی آرزوئیں ہیں امنگیں ہیں۔ اصل
میں' میں یہ چاہتا ہوں کہ شادی ہونے کے بعد کچھ عرصہ بہو بیٹا میرے ساتھ زندگی گزاریں۔
ذرا لطف تو لے لوں اس دوسرے رشتے کا اور اس کے بعد ان لوگوں کو امریکہ روانہ کر
دوں۔ بس یہ احساس ہے دل میں اگر ایسا نہ کر سکا تو میرے لئے بڑی مشکلات پیش آ جائیں
گی۔"

"نہیں نہیں' اللہ نہ کرے۔ ایسا کیوں نہ ہو گا بھائی جان' اس میں نہ ہونے کی کیا بات
ہے؟" فیروزہ بیگم نے کہا۔

"یہی تو میرا بھی کہنا ہے کہ اب تو دنوں کی بات کیجئے آپ مہینوں یا ہفتوں کی بات نہ
کریں۔ بس یہ کہیں کہ اتنے دن میں انتظام ہو جائے گا۔ میں ایک بار پھر آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ وہ ساری حماقتیں ہمارے ہاں نہیں ہوں گی جن کے لئے لڑکیوں کے والدین زیربار
ہوتے ہیں۔ آپ لوگ خود چاہیں جتنا بھی تکلف کر لیں ہم بخدا اس کی ضرورت نہیں
محسوس کرتے اور میں ان لڑکے والوں میں سے بھی نہیں ہوں جو صرف زبان سے کہتے ہیں
ہمیں کچھ نہیں چاہئے اور اندر ہی اندر نجانے کیا کیا آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں اور پھر لینا
دینا کیا بھائی اگر تم اپنی بیٹی کو کچھ دو گے تو کون سا میری جیب میں آ جائے گا یا میرے استعمال
میں آ جائے گا۔ گھر میں کچھ چیزوں کا اضافہ ہو جاتا ہے بس بلکہ انہیں تو استعمال کرتے
ہوئے تھوڑی سی شرم بھی آتی ہے اس خیال کے تحت کے بہو کیا سوچے گی دل میں۔ میں
ان تمام چیزوں سے بچنا چاہتا ہوں مرزا' ویسے بھی تمہیں اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں
ملے گا۔ ہو سکتا ہے دوسری بیٹیوں کے لئے مجھ جیسا فراخ دل آدمی تمہیں دستیاب نہ ہو
سکے۔ ان حالات کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اگر تم سنجیدگی سے اس بارے میں غور کر لو تو میرے
خیال میں زیادہ مناسب ہو گا۔"

"کیوں نہیں محمود بھائی' کیوں نہیں۔ میں مہینوں کی بات نہیں کرتا لیکن چند ہفتے تو
دینے پڑیں گے مجھے۔"

"ہاں بالکل۔ چند ہفتوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ اطمینان رکھئے۔ میں آج سے ٹھیک دس یا بارہ دن کے بعد آپ سے حتمی
بات کر لوں گا تاکہ تاریخ کا مسئلہ حل ہو جائے۔"

"بخدا جی خوش کر دیا۔ میں یہی چاہتا ہوں مرزا صاحب۔ بس آپ اللہ کا نام لے کر
اس سلسلے میں قدم اٹھا ہی ڈالیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ ظاہر ہے میں بھی بیٹی کو وداع کرنے کا خواہشمند ہوں۔ بس کچھ
مسائل ہی ہوتے ہیں۔ جو انسان کو الجھا دیتے ہیں۔"

"چائے پی گئی' مرزا صاحب نے بہت چاہا کہ سمدھیانے کی کچھ اور خاطر مدارت کریں
لیکن محمود صاحب نے منع کر دیا تھا۔ فرزانہ بیگم تابندہ سے ملاقات کرنے گئیں۔ خاموش'
افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے پیار سے اسے گلے لگایا اور کہنے لگیں۔

"کیا بات ہے بیٹی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی ہاں بالکل' بس ایسے ہی کچھ موسمی اثرات ہیں سر میں درد تھا۔"

"ہوں اور کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں چچی جان' بس وقت گزر رہا ہے۔"

"یہ سرٹ تم اپنے لئے کاڑھ رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ کیسی ہے؟"

"بہت خوبصورت ماشاء اللہ سلائی کڑھائی میں تو تم نے کمال حاصل کر لیا ہے' حالانکہ موجودہ دور میں لڑکیوں کا تصور کچھ اور ہی ہوتا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ اچھے سے اچھے کڑھائی کی ہوئی چیزیں بازار میں مل جاتی ہیں۔ اچھے سے اچھے سلے ہوئے سوٹ بازار میں دستیاب ہوتے ہیں تو پھر گھر میں یہ چکر کیوں چلایا جائے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں سوچتی ہوں چچی جان کہ بازار میں جو کچھ ملتا ہے۔ وہ بھی تو کوئی نہ کوئی تیار کرتا ہو گا اگر وہ کوئی غیر انسانی چیز ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے اور اگر وہ بھی انسان ہی ہیں تو پھر انسان کو جو کام آئے وہ اس کے حق میں بہتر ہی رہتا ہے۔"

"جیتی رہو۔ قسم خدا کی بڑی مدلل بات ہے لیکن سچ بات یہ ہے کہ کچھ کرے انسان یا نہ کرے لیکن محتاج نہیں ہونا چاہئے کسی کا۔ خود آگے بڑھ کر ان تمام معاملوں میں قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔"

کافی دیر تک فرزانہ بیگم تابندہ سے باتیں کرتی رہیں۔ فیروزہ بیگم بھی آ گئی تھیں۔ دلچسپ گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد یہ لوگ رخصت ہو گئے۔ جب یہ سب چلے گئے تو فیروزہ بیگم سیدھی مرزا سخاوت بیگ کے کمرے میں پہنچ گئی۔ مرزا سخاوت بیگ سیدھے لیٹے ہوئے چھت کو دیکھ رہے تھے۔ فیروزہ بیگم ان کے پائنتی جا کر بیٹھ گئیں۔ پیروں پر ہاتھ رکھا تو مرزا سخاوت بیگ نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔" مرزا سخاوت بیگ ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"آپ نے چند ہفتوں کا وعدہ کر لیا ہے؟"

"ہاں۔"

"لیکن.... لیکن؟"

"نہیں بس اب بہت ہو گیا جو کچھ ہونا ہے وہ ہو جانا چاہئے۔ میں اس سے زیادہ شرمندگی نہیں اٹھا سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے تو بات کر لی ہے ریٹائرمنٹ کے لئے۔ کل مکمل طور سے استعفیٰ دے کر اپنے واجبات کے لئے دنوں کا تعین کر لوں گا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تابندہ کو رخصت کر لیا جائے اس کے بعد دیکھیں گے کہ زندگی کس طرح گزرتی ہے۔" فیروزہ بیگم پریشان نگاہوں سے مرزا سخاوت بیگ کو دیکھ رہی تھیں جن کے چہرے کا پتھریلا پن اس بات کا مظہر تھا کہ جو فیصلہ انہوں نے کیا ہے اس پر پوری طرح سے اٹل ہیں۔

□

شامی فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ بیل بجانے پر فراز نے دروازہ کھولا تھا۔ شامی اندر داخل ہو کر ہنس پڑا۔ فراز بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ شامی کو ہنستے دیکھ کر بولا۔

"خیریت' دانت کیوں نکلے پڑ رہے ہیں؟"

"یار لطیفہ ہو گیا۔" شامی نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا لطیفہ ہو گیا؟"

"بخدا بال بال بچ گیا۔ کچھ ایسی بے خیالی ذہن پر سوار تھی کہ کچھ یاد ہی نہ رہا۔ بس میں بیٹھ کر وہیں اتر گیا جہاں روزانہ اترا کرتا ہوں اور قدم بھی آگے بڑھا دیئے۔ وہ تو اللہ کا کرنا ہوا کہ اچانک خیال آ گیا اگر غلطی سے شیخ صاحب کے گھر پر پہنچ جاتا تو لینے کے دینے پڑ جاتے۔" فراز ہنسنے لگا۔

"چھوڑ رہے ہو۔"

"نہیں فراز سچ جانو بس ذہن ذرا بے خیالی کا شکار تھا۔ ویسے تمہیں دیکھ کر ایک اور خیال آیا تھا جس کی وجہ سے ہنسی آ گئی۔"

"کیا؟"

"تم نے جس طرح دروازہ کھول کر مجھے دیکھا اس سے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اہلیہ محترمہ بے چینی سے سرتاج کی واپسی کی منتظر ہوں اور بیل کی آواز پر بے اختیار ہو کر دروازے پر آ گئی ہوں۔"

"بہت خوش نظر آ رہے ہو۔"

"وہ تو ہوں۔ یہ تصور ہی بڑا دل نواز ہے کہ عزیزہ شمسہ بیگم کی بھینگی مسکراہٹیں، شیخ صاحب کا خوف کہ کہیں السلام و علیکم کہتے ہوئے اندر داخل ہو جائیں اور باورچی خانے کا رخ کریں۔ یار کھانا پینا حرام کر دیا تھا انہوں نے ہمارا۔ اب یوں لگتا ہے جیسے قید سے رہائی حاصل ہوئی ہو۔ ارے ہاں تم نے کیا کر ڈالا ذرا دیکھوں۔"

شامی نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور پھر بے اختیار سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ فراز اس کے عقب میں کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں کیا ہوا۔ بھوت دیکھ لیا؟"

"اماں نہیں۔" شامی نے کہا اور پھر دروازہ کھول کر دیکھا۔ اندر خوبصورت فرنیچر جگمگا رہا تھا۔ دروازے کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ فراز نے اس کمرے کو ڈرائنگ روم بنایا تھا۔ شامی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر دیکھا اور پھر فراز کو۔

"کہو کیسا لگا؟"

"چراغ دکھا دو۔" شامی نے فراز کو ادھر ادھر سے گھورتے ہوئے کہا۔

"چراغ؟"

"الہ دین کا چراغ۔" شامی نے کہا اور فراز ہنس پڑا۔

"آؤ دوسرا کمرا دیکھو تمہارا بیڈ روم۔" شامی لپک کر دوسرے کمرے کے دروازے
پہنچ گیا۔ بیڈ روم میں جھانکا۔ خوبصورت بستر' قالین' پردے' سب کے سب میچنگ۔ شامی وہیں
کھڑے کھڑے چکرانے لگا اور پھر ایک جانب گرنے لگا لیکن خود ہی سنبھل گیا اور فراز کی
طرف پلٹ کر بولا۔

"پیارے بھائی! ایسے موقعوں پر گرتوں کو تھام لیتا ہے ساقی۔ یار فراز یہ کیا کر ڈالا تو
نے؟"

"میرا کمرا بھی تو دیکھ لو۔" فراز کا کمرا بھی خوبصورت بیڈ روم سیٹ سے سجا ہوا تھا۔ ہر
چیز سے قرینہ اور سلیقہ دکھائی دے رہا تھا۔

"اب آؤ کچن کی جانب۔"

"چلو۔" شامی لڑکھڑاتے قدموں سے کچن کی جانب چل پڑا۔ نیا فریج رکھا ہوا تھا۔ بہت
سے برتن سجے ہوئے تھے۔ شامی وہیں کچن کی زمین پر سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"ابے اٹھ کیا بدتمیزی ہے؟"

"یار کتنا خرچہ کر ڈالا تم نے۔ یہ پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟"

"بس آ گئے۔"

"پستول بھی تو دکھا دو۔"

"پہلے الہ دین کا چراغ' اب پستول' کھوپڑی آؤٹ ہو گئی ہے کیا؟"

"ڈاکہ نہیں ڈالا تم نے؟"

"جی نہیں۔ میں شریف آدمی ہوں۔"

"کمال ہے' شرافت سے بھی اتنی رقم اکٹھی ہو جاتی ہے۔ ویسے یار تو چالو چیز ہے مجھے
ہوا بھی نہیں لگنے دی اور یہ سب کچھ کر ڈالا۔"

"بھئی میری کیفیت اس زمانہ شناس باپ جیسی ہے جو اپنی اولاد کے مستقبل کے بارے
میں سوچتا ہے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے یہ بینک بیلنس اکٹھا کیا تھا۔ اس کے علاوہ اکاؤنٹنٹ
صاحب سے کچھ رقم قرض مانگی تھی مجھے اندازہ نہیں تھا شامی کہ میرے ادارے میں میری
اتنی اچھی ریپوٹیشن ہے۔ اکاؤنٹنٹ صاحب بیچارے نارمل سے آدمی ہیں۔ مجھ سے کبھی بہت
زیادہ دوستی نہیں رہی ان کی لیکن اس وقت اچانک دوست بن گئے کہنے لگے کہ لون تو تمہارا
سینکشن ہو ہی جائے گا تو واپس لے لوں گا فوراً ہی رقم دے دی۔"

"گویا تم نے لون لے لیا۔" شامی نے چونک کر کہا۔

"کیوں؟"

"اور مجھے تو منع کر دیا تھا۔"

"سمجھا کر شامی تیری نئی نئی نوکری ہے۔ ذرا اپنی حیثیت بنا لی جائے اس کے بعد اگر کچھ
ہوتا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔"

"خدا کی قسم فراز یقین نہیں آ رہا یہ تو یوں سمجھ لو کہ آن کی آن میں کایا پلٹ ہو گئی
یعنی کہاں وہ شیخ صاحب کا یتیم خانہ اور کہاں یہ فلیٹ' لگ رہا ہے ہم بھی انسان ہیں۔ ورنہ
وہاں تو [illegible] جھیلے ہیں اللہ کسی کو ایسے دکھوں کا شکار نہ کرے شیخ صاحب ظالم جادوگر کی
حیثیت رکھتے تھے۔ محترمہ شمسہ وہ بھیانک چڑیل جن کے کسی نہ کسی پر مسلط ہونے کے ہر
لمحے امکانات رہا کرتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں ایسے لانی پڑتی تھیں جیسے دوکان سے چرا کر
لا رہے ہیں اور اگر کبھی ڈھنگ کا کھانا پک جائے تو پھر دروازے بند کر کے کھانا پڑتا تھا خوشبو
باہر جانے سے روکنا پڑتی تھی۔ خدا کی پناہ ایسی زندگی بھی کبھی کسی نے نہ گزاری ہو گی۔"

فراز ہنستا رہا تھا۔ شامی نے کہا۔ "آپ تشریف رکھئے مسٹر فراز میں ابھی چائے بنا کر لاتا
ہوں۔"

"ڈائننگ روم تو دیکھا ہی نہیں تم نے۔"

"ڈ... ڈائننگ روم؟"

"ہاں آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔" ڈائننگ روم ایک اور کمرے کو بنایا گیا تھا اور یہاں بھی
ڈائننگ سیٹ پڑا ہوا تھا۔

"ویسے کچھ زیادہ نہیں خرچ کر ڈالا تم نے؟"

"بس وہ دبی ہوئی آرزوئیں پوری کی ہیں جن کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا تھا۔ اب
جب وہ خواب حقیقت بننے لگے تو میں نے سوچا کہ قلاش ہو جائیں ویسے کوئی پریشانی نہیں ہو
گی۔ جو لون سینکشن ہو گا اس کی بہت کم مقدار کٹے گی۔ کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اب تو
تیری بھی تنخواہ آ جایا کرے گی۔"

"وہ میری کہاں تیری ہی تو ہو گی یار۔" شامی نے خلوص سے کہا۔

"اس سے کس احمق کو انکار ہے۔ اچھا اب تم یہاں ڈائننگ روم میں بیٹھو میں چائے
لے کر آتا ہوں۔"

"نہیں میں بنا لیتا ہوں۔"

"بن گئی ہے۔ تم نے غور نہیں کیا؟"

"ہاں میں تو کچن میں ڈنر سیٹ' ٹی سیٹ' واٹر سیٹ اور فریج دیکھ کر ہی حیران ہو رہا
تھا۔"

"شکر ہے تم نے فریج کھول کر نہیں دیکھا۔" فراز نے کہا اور شامی نے ڈائننگ روم
سے باہر چھلانگ لگا دی۔ فریج پورا پیک تھا' فروزن چکن'

گوشت سبزیاں' پھل۔ فراز نے واقعی کمال کر دکھایا تھا اور پھر ایک دن میں یہ سب
ناممکن ہی سا محسوس ہوتا تھا اور اللہ دین کے چراغ کا ہی کارنامہ لگتا تھا۔

"اب جاؤ شرافت سے جا کر بیٹھو میں چائے لے کر آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بٹلر جلدی کرو۔" شامی اکڑتا ہوا ڈائننگ روم میں جا بیٹھا۔ کچھ دیر
فراز ایک خوبصورت ٹرے لئے ہوئے پہنچ گیا۔ جس میں بسکٹ اور ڈرائی فروٹس وغیرہ
ہوئے تھے۔ چائے بھی ٹی سیٹ میں تھی۔ شامی نے سحرزدہ سی نگاہوں سے اس
دیکھا اور بولا۔

"خدا کی قسم یوں لگتا ہے جیسے کسی دولت مند آدمی کے گھر مہمان آئے ہوئے
مسکراتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"وہ سامنے کھڑکی سے دیکھو گے تو تمہیں ایک ہوٹل نظر آئے گا۔"

"میں نے دیکھا ہے۔" شامی نے جواب دیا۔

"بڑا اچھا کھانا پکتا ہے اس کے ہاں۔ آج شام کے لئے میں نے ہوٹل کے ویٹر کو کہ
کے لئے کہہ دیا ہے کل سے کھانا خود تیار کریں گے اور اس کے لئے ایک طریقہ کار منتخب
کر لیا جائے گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے ویسے میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر مناسب پیسے خرچ کر کے ا
ایسی ملازمہ کو رکھ لیا جائے جو کھانا وغیرہ پکا دیا کرے اور گھر کی صفائی وغیرہ کر دیا کرے تو
حرج ہے؟"

"آئیڈیا برا نہیں ہے لیکن کوئی ایسی ہی شریف عورت ملنی چاہئے یا پھر مرد ہو۔ کہ
ایسا نہ ہو کہ ہم گھر سے باہر ہوں اور فلیٹ کی صفائی ہو جائے۔"

"مشکل ہے جانم' صفائی ہوتی ہے زیورات اور ایسی قیمتی چیزوں کی جو آسانی سے اٹھا
لے جائی جا سکیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم بھی تلاش کرو میں بھی کچھ لوگوں سے کہتا ہوں۔ ویسے اب ک
آوارہ گردی کی ضرورت نہیں ہے ہم باہر سے سیدھے گھر ہی آیا کریں گے۔ ایک ٹیلیف
کا معاملہ اور ہے لیکن وہ اتنی جلدی کی چیز نہیں ہے۔ دنیا کے سارے کام آہستہ آہستہ
جاتے ہیں۔"

"ارے ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ کوئی ایسا الجھا ہوا مسئلہ نہیں ہی۔ اللہ مالک ہے۔"
بہت خوش تھے دونوں کے دونوں' نجانے کیا کیا باتیں کرتے رہے تھے۔ شیخ صاحب
ذکر بھی درجنوں بار آیا تھا۔ شامی نے کہا۔

"ویسے ایک بات کہوں فراز۔ انسانی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بعض باتیں بڑی

"مثلاً۔"

"شیخ صاحب بلاشبہ عجیب و غریب فطرت کے مالک تھے لیکن اگر ان کے جذبے کے
پس پشت جھانکا جائے تو بہرطور ان کے دل میں بھی ایک باپ کا تصور تھا۔ بیٹی کے لئے
خوشیاں چاہتے تھے اور اس کے لئے یہ طریقہ کار منتخب کر لیا تھا جو بہرطور غیر مناسب تھا لیکن
شمسہ کو کیا کیا جاتا۔ وہ بیچاری ٹھیک نہیں تھی۔" فراز خاموش ہو گیا تھا۔ شامی نے قہقہہ لگا
کر کہا۔

"دل کے زخم تازہ ہو گئے کیا؟"

"بکواس مت کر تھپڑ مار دوں گا۔" فراز جھلا کر بولا اور شامی قہقہے لگاتا رہا۔

ایک ایک کھڑکی کھول کر ہر طرف جھانکا گیا۔ سامنے کے فلیٹ کے دروازے کو بھی ایک
دو بار دیکھا گیا۔ شامی نے کہا۔

"نجانے سامنے کون لوگ رہتے ہیں۔ ویسے ایک بات کہوں اگر مصیبتوں سے بچنا ہے تو
لوگوں سے زیادہ تعلقات نہیں پیدا کرنے چاہئیں خاص طور سے پڑوس میں ورنہ پڑوسی وبال
جان بن جاتے ہیں۔"

"خیر اس سلسلے میں تم سے اتفاق نہیں رکھتا۔ انسان کو انسان کی ضرورت پیش آتی
ہے۔ پڑوسیوں سے تعلقات رکھنا تو قدیم روایت رہی ہے۔ لوگ اس سے گریز کرنے لگے
ہیں لیکن اگر سچی بات دیکھی جائے تو یہ گریز ان کے حق میں بھی غلط ہے۔ انسان کو بہرطور
انسان کی ضرورت رہتی ہے۔"

"مگر مسائل بھی تو پیدا ہوتے ہیں۔ اب اللہ نہ کرے اگر شیخ صاحب جیسی کوئی چیز
سامنے موجود ہو تو بلاوجہ ایک تسلط قائم ہو جائے گا۔"

"نہیں بس نارمل رہنا چاہئے زیادہ گڑبڑ مناسب نہیں ہوتی۔"

رات کا کھانا سامنے ہوٹل سے آ گیا۔ مستعد ویٹر نے خاص طور سے خیال رکھا تھا۔ کھانا
بھی بہت عمدہ تھا۔ ویٹر کو اچھی خاصی ٹپ دی گئی۔ پہلا دن تھا اور خوشی کا دن بھی تھا۔
رات کو شامی نے کہا۔

"یہ بیڈ روم اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن یار الگ سونے میں مزہ نہیں آئے گا۔"

"میں خود بھی اس وقت یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"تو پھر ایک کام کیوں نہ کیا جائے؟"

"کیا؟"

"ایک ہی کمرے میں سویا کریں۔ آج تم بیڈ پر سو جاؤ میں قالین پر سو جاتا ہوں۔ بڑے
آرام سے سوؤں گا پھر کل میں بیڈ پر سو جاؤں گا تم قالین پر سو جانا۔" فراز ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں تو بیڈ پر ہی سو جا میں قالین پر سو جاؤں گا۔"

"یا پھر ایک کام کیوں نہ کیا جائے؟"

"کیا؟"

"ابے دونوں ایک بیڈ پر سو جاتے ہیں۔"

رات کو یہی کیا گیا۔ دونوں اپنے اپنے کمبل اوڑھ کر سو گئے۔ بہت دیر تک باتیں کر رہے تھے پھر فراز نے ہی کہا۔

"بیٹا اب سو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح کو وقت پر آنکھ نہ کھلے۔"

دونوں نے الگ الگ کروٹیں بدل لی تھیں۔ پتا نہیں فراز کو نیند آئی یا نہیں لیکن شاہی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ خیالات دل میں گدگدیاں کر رہے تھے۔ نجانے کیا کیا الٹی سیدھی سوچیں ذہن تک پہنچ رہی تھیں پھر فلیٹ کا خیال آ گیا اور اس کے بعد ذکی صاحب ذہن میں آئے پھر میڈم اور شاہی عجیب سے انداز میں میڈم کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا چیز ہے وہ۔ گارمنٹ سٹی کے ہر فرد کے چہرے پر اسے دیکھ کر خوف کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ میڈم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے بس ذرا سخت مزاج ہے۔ ہر ایک کو ڈانٹ دیتی ہے لیکن اندر سے موم ہے۔ اب بھلا کیا ضرورت پڑی تھی کہ میری اتنی سی بات پر ایک اتنا شاندار فلیٹ میرے حوالے کر دیتی۔

اچانک ہی ایک خیال شاہی کے دل میں آیا اور وہ کمبل پھینک کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ فراز کے حلق سے ہلکی سی آواز نکل گئی تھی - اس نے کروٹ بدلی اور بولا۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے - کھٹمل نے کاٹ لیا کیا؟"

"ابے نہیں فراز کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے یار۔" شاہی کے لہجے پر فراز بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا! کیا بات ہے؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ فلیٹ کا بیرونی دروازہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا۔ ماحول بالکل پرسکون تھا پھر شاہی کو کیا خیال آیا ہے۔

"بولتا کیوں نہیں۔ کیا بات ہے؟" فراز نے کہا۔

"یار فراز ایک بات بتاؤ۔ کس عمر کی عورت کس عمر کے نوجوان سے عشق کر سکتی ہے؟"

"کیا؟" فراز آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں ہاں' بتاؤ بتاؤ' عشق کے لئے کسی خاص عمر کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ میرا مطلب ہے بعض اوقات عمر رسیدہ آدمی نوجوان لڑکی سے عشق کر سکتا ہے اور بعض اوقات کوئی عمر رسیدہ کسی نوجوان لڑکے سے عشق کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے نا ایسا؟"

"دیکھ اب شرافت سے سو جا۔ کیا بدتمیزی ہے میں کہہ رہا ہوں کہ کہیں صبح کو آنکھ نہ کھلے خواہ مخواہ لیٹ ہو جائیں گے۔"

"یار بڑا سیریس معاملہ ہے۔ فراز تو میرے ذہن کی تسلی کر۔"

"ہوا کیا ہے۔ کیا مصیبت نازل ہو گئی؟"

"میڈم نے یہ فلیٹ میرے حوالے کیوں کیا؟ اس کا رویہ میرے ساتھ اتنا اچھا کیوں ہے؟ میں تو اس کی کوئی غلط سلط بات نہیں سنتا۔ دو چار بار میں نے کھری کھری سنا دی ہیں لوگ حیرت سے مجھے دیکھتے ہیں انکے خیال میں میڈم نے ایسی باتیں کبھی کسی کی برداشت نہیں کی ہوں گی اور پھر پتا ہے اس کا طریقہ کار کیا ہے بظاہر تو سختی کرتی ہے لیکن بہت سے ایسے معاملات ہوئے ہیں جب اس نے میرا مکمل فیور کیا ہے۔ یار فراز کچھ گھپلا نظر آتا ہے۔"

"کیسا گھپلا؟" فراز بھی سوچ میں ڈوب گیا۔

"کہیں میڈم مجھ سے عشق تو نہیں کرنے لگیں؟"

"یہ شبہ تمہیں کیسے ہوا؟"

"انہی تمام باتوں سے۔"

"کیا وہ شادی شدہ نہیں ہیں؟"

"پتا نہیں۔"

"عمر کیا ہو گی؟"

"کوئی صحیح اندازہ نہیں ہوتا میرے خیال میں تیس پینتیس سال سے کم نہیں ہو گی۔"

"کبھی ان کا شوہر گارمنٹ سٹی نہیں آتا۔"

"آج تک تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔"

"اگر وہ شادی شدہ ہیں تو پھر تجھ سے عشق کیسے کر سکتی ہیں؟"

"یار باقی باتیں تو ساری ٹھیک ہیں لیکن ان کی حرکتوں سے تو ایسا ہی لگتا ہے۔ ویسے یار فراز' کیا تقدیر واقعی مجھے اتنی بلندی دے سکتی ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"آہ وہ بہت خوبصورت ہے۔ فراز ایک بار میں تمہیں اس سے ضرور ملاؤں گا۔ بہت دلکش شخصیت کی مالک ہے۔ مسکراہٹ تو اتنی حسین ہے کہ بس میں دیکھتا ہی رہ جاتا ہوں۔ ویسے شاذ و نادر ہی مسکراتی ہے۔ لیکن لیکن اگر وہ واقعی مجھ سے عشق کرنے لگے تو کیا ہمارا بیڑا پار نہیں ہو جائے گا۔"

فراز نے ایک دم آگے بڑھ کر شاہی کی گردن پکڑ لی اور اسے زور سے تکئے پر پٹخ دیا۔

"اب کمبل اوڑھ اور چپ ہو کر سو جا۔ اس کے بعد اگر ایک لفظ تیرے منہ سے نکلا تو گردن سے پکڑوں گا اور تجھے تیرے کمرے میں چھوڑ آؤں گا۔ ابے ہاں نیند حرام کر دی۔"

"جل گیا۔ میری خوش قسمتی سے جل گیا لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسی ہی

بات ہے۔ خیر کسی نہ کسی ترکیب سے پوچھ لوں گا میڈم سے کہ کتنے شوہر اور کتنے بچے ہیں؟"

"میرا مطلب ہے کتنے بچے اور شوہر کہاں ہے؟"

"سو جا' سو جا' بس اب سو جا' خدا کی قسم شامی اب اگر بکواس کی تو تجھے تیرے کمرے میں پہنچا دوں گا۔ پیارے بھائی صبح جلدی اٹھنا ہے مجھے کچھ ایسے ہی کام ہیں۔" شامی ٹھنڈی سانس لے کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا تھا۔

❑

ان دنوں تمام ہی لوگ حیران تھے اور جب بھی موقع ملتا تھا۔ دبے الفاظ میں میڈم کے بارے میں گفتگو کرنے لگتے تھے سب کے سب خوش بھی تھے۔ اول تو میڈم ویسے ہی بہت فراخدل واقع ہوئی تھی۔ خاص طور سے اپنے ورکرز کے لئے اس نے جتنا کچھ اس سے ہو سکتا تھا کر ڈالا تھا۔ گارمنٹ سٹی میں ملازمت کرنے والے اچھی تنخواہیں تو پاتے ہی تھے لیکن وہ اس بات کے بھی دل سے قائل تھے کہ کسی ادارے میں اتنی مراعات انہیں نہیں مل سکتیں جتنی گارمنٹ سٹی میں دی گئی ہیں۔ کسی کی حقیقی تکلیف میڈم کے کانوں تک پہنچ جائے۔ وہ دل و جان سے اس کی مدد کرتی تھی۔ ہاں کچھ واقعات ایسے بھی ہوئے تھے جن میں اس کی رحم دلی سے فائدہ اٹھا کر کچھ لوگوں نے بے ایمانی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے نتائج انہیں سنگین بھگتنا پڑے تھے اور میڈم نے ایک بار پھر ان لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہا تھا۔

"دیکھو گارمنٹ سٹی میں کام کرنے والے تمام افراد میرے اہل خاندان کے مانند بھی ہیں اور ذہنی طور پر میں اپنے آپ کو ان کا ٹیچر بھی سمجھتی ہوں۔ آپ لوگ میری یہ بات ذرا غور سے سنیں ایک ٹیچر یا ایک خاندان کا سربراہ یہ بات کبھی نہیں پسند کر سکتا کہ اس کے شاگردوں میں یا اس کے گھر والوں میں کوئی ایسا اخلاقی جھول ہو جس پر اسے شرمندہ ہونا پڑے۔ آپ لوگ اگر میرے سامنے کسی بھی سلسلے میں کوئی جھوٹ بولیں گے تو ہو سکتا ہے میں آپ کے اس جھوٹ کے فریب میں آ جاؤں لیکن جب مجھے اس کا علم ہو گا تو آپ لوگوں کی کوئی عزت میری نگاہوں میں نہ رہے گی اور جس کی کہیں عزت نہ ہو وہاں اسے ایک لمحہ نہیں رکنا چاہئے۔ مجھ سے کسی معاملے میں بھی جھوٹ نہ بولا جائے۔ ہاں اگر کوئی مشکل ہو تو اس طرح مجھ سے رجوع کیا جائے جیسے اپنے خاندان کے کسی بزرگ سے کیا جاتا ہے یا جیسے بچے اپنے اسکول کے ٹیچر سے رجوع ہوتے ہیں۔"

بہرحال گارمنٹ سٹی والوں کا ایک مزاج بن گیا تھا۔ خرابی تھی میڈم میں تو بس یہ کہ گھڑی میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ ہو جاتی تھی۔ بگڑے تو ایسے کہ بات نہ بنے اور کچھ نہیں تو اس طرح کہ لوگوں کے حالات بدل جائیں لیکن ان دنوں میڈم کا موڈ کچھ زیادہ ہی خوشگوار

ظر آ رہا تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ اتنے دنوں تک اس پر خوشگوار کیفیت طاری رہے لیکن ان دنوں ایسا ہی تھا۔

آج بھی گارمنٹ سٹی پہنچی تو جسم سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ سفید ساڑھی میں وہ ہمیشہ ہی بہت حسین نظر آتی تھی۔ چہرے پر ہمیشہ ہلکا سا میک اپ کرتی تھی۔ بالوں کے سنوارنے کا ایک مخصوص اسٹائل تھا۔ ہاں کبھی کبھی اس اسٹائل میں اگر کوئی تبدیلی نظر آتی تھی تو سب سمجھ جاتے تھے کہ میڈم کا موڈ خراب ہے اور وہ خوشگوار انداز میں آنکھیں نیچی کر کے ایک ایک کے سلام کا جواب دیتی ہوئی اپنے آفس میں داخل ہو گئی۔ مس مینا اور مس صوفیہ اس کے پاس پہنچ گئیں اور اسے اپنی کارکردگی کے بارے میں تفصیلات بتانے لگیں۔ وہ ہر بات میں دلچسپی لے رہی تھیں اور ان لوگوں کو ہدایات جاری کر رہی تھی۔ کچھ نئے سیمپل تیار کئے گئے تھے جنہیں باہر بھیجنا تھا۔ وہ ان کے میڈیکل کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے لگی پھر بولی۔

"شامی صاحب سے کہو کہ فیاض علی صاحب کو اس کپڑے کے بارے میں آرڈر دے دیں اور ان سے بات کر لیں۔"

"جی میڈم۔"

"شامی صاحب آ گئے ہیں نا؟"

"جی میڈم۔ شامی صاحب ہمیشہ وقت پر پہنچتے ہیں۔" اس نے ایک لمحے کے لئے دروازے کی جانب دیکھا پھر انٹر کام کی طرف اور اس کے بعد مس مینا سے کہا۔

"شامی صاحب کو یہ تمام تفصیلات نوٹ کرا دو۔"

"جی بہت بہتر۔"

"اور میرے لئے کافی بھجوا دو۔" دونوں خواتین چلی گئیں وہ ریوالونگ چیئر سے پشت لگا کر ٹک گئی۔ چند لمحات سوچتی رہی پھر میز کی دراز سے باہر سے آئے ہوئے کچھ خطوط نکال لئے اور قلم تراش سے انہیں چاک کر کے پڑھنے لگی۔ اردلی نے نفاست سے کافی اس کے سامنے سجا دی تھی۔ کافی کو دیکھ کر اسے ایک بار پھر شامی کا خیال آیا لیکن اس نے جان بوجھ کر شامی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ شامی بہت بکواس کرتا تھا اور پھر نئے فلیٹ میں پہنچنے کے بعد نجانے اس کا موڈ کیسا ہو۔ اس وقت اسے بلا کر اس پر احسان جتانے کا سا انداز ہو جاتا تھا چنانچہ اس نے شامی کو طلب نہیں کیا تھا پھر وہ خطوط میں کھو گئی اور کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی رہی۔ چند لمحات کے بعد انٹر کام پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے انٹر کام کا ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں۔"

"میڈم ایک صاحب آپ سے ملاقات کرنے کے لئے آئے ہیں۔"

"اپوائنٹ منٹ ہے ان کا؟"

"جی نہیں۔"

"کون صاحب ہیں؟"

"کوئی انعام احمد صاحب ہیں۔"

"انعام احمد؟"

"جی ہاں۔"

"کون انعام احمد؟"

"میڈم میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اجنبی ہیں بالکل۔"

"جی ہاں پہلی بار آئے ہیں۔"

"تم نے ان سے ان کے بارے میں پوچھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا کہا انہوں نے؟"

"کہنے لگے کہ آپ انہیں جانتی ہیں۔"

"انعام احمد' انعام احمد ہوں۔" اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولی۔

"اور کسی کو تو نہیں آنا اس وقت؟"

"جی نہیں میڈم آپ فری ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے بھیج دو۔" اس نے کہا اور کافی کا آخری گھونٹ لے کر پیالی ایک جانب سرکا دی۔ ایک خط ابھی تشنہ رہ گیا تھا۔ اسے پڑھنے میں مصروف ہو گئی لیکن ذہن اس نام کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ یہ انعام احمد کون ہے۔ خیر اب جو کوئی بھی ہے آ تو رہا ہے۔ انتظار کرنے لگی۔ اردلی نے دروازہ کھولا اور انعام احمد صاحب کمرے میں داخل ہو گئے۔ دوسرے لمحے اس نے نامکمل خط میز پر رکھ دیا۔ یہ وہی صاحب تھے جن سے فائق درانی کے ہاں تقریب میں ملاقات ہوئی تھی اور جن کی فضول بکواس سے اس کی طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔ اس نے سرد انداز میں انعام احمد صاحب کو خوش آمدید کہا۔

"ماشاء اللہ' ماشاء اللہ' یہ آفس آپ کے ذوق کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے۔ ہر چیز میں نفاست' ہر چیز میں ایک بانکپن' کاش میں شاعر ہوتا تو آپ پر ایک غزل لکھتا اور آپ یقین کیجئے۔ محترمہ کہ اس وقت آپ جو کچھ لگ رہی ہیں میں اسے نثر میں تو بیان کر ہی نہیں سکتا۔"

"آپ براہ کرم تشریف رکھئے۔" اس نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔

"یقیناً' یقیناً میں جانتا تھا کہ اس کے بعد آپ یہی کہیں گی لیکن صاحب آداب بھی کچھ چیز ہوتے ہیں بے حد شکریہ۔" انعام احمد صاحب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"جی فرمایئے۔"

"فرمانا تو بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن پتا نہیں زبان کیوں بند ہو گئی ہے۔ شاید رعب حسن مانع ہے۔"

"انعام احمد صاحب۔ آپ وہ گفتگو کیجئے جو مناسب ہو اور جس کے لئے آپ یہاں تشریف لائے ہوں۔"

"مشکل ہے۔" انعام احمد صاحب نے کسی قدر شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی۔"

"جی ہاں۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں۔"

"آپ کچھ پڑھے لکھے ہیں؟"

"جی۔ جی ہاں۔ ایم بی اے کیا ہے میں نے۔"

"اس کے باوجود آپ کی باتوں سے جہالت کی بو آتی ہے۔"

"جی؟"

"جی ہاں' بہتر یہ نہیں ہو گا کہ آپ انسانوں کی مانند اور سلیقے سے گفتگو کریں۔"

"جج.... جی ہاں' کک... کیوں نہیں؟۔" انعام احمد صاحب ایک لمحے کے لئے گھبرا گئے تھے لیکن دوسرے لمحے انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ "ہا' تقدیر بھی کیا چیز ہوتی ہے محترمہ۔ ویسے ایک بات ذرا حیرت ناک ہے کہ آپ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔ وہاں بھی آپ سے کوئی خاص تعارف نہیں ہو سکا تھا اور یہاں بھی ابھی تک میں آپ کے نام سے ناواقف ہوں۔"

"لوگ مجھے میڈم کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"لوگوں کی بات چھوڑیئے۔ وہ جو کہا ہے نا کسی نے کہ دنیا کا کیا دنیا کا کیا۔ میرا مطلب ہے دنیا کا کیا۔ آگے پتا نہیں کیا ہے خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مجھے آپ کا اصل نام معلوم ہونا چاہئے۔"

"انعام احمد صاحب! آپ کو پتا ہے کہ اخلاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ یہ گارمنٹ سٹی ہے اور میرا آفس ہے آپ یہاں تشریف لائے۔ میں نے ایک معزز مہمان کی طرح آپ کو اندر بلا لیا۔ کیا آپ یہ فضول باتیں کرنے آئے ہیں یہاں؟"

"نہیں نہیں۔ میرا خیال ہے واقعی میں موضوع سے ہٹ گیا ہوں۔ اصل میں آپ سے اس تقریب میں ملاقات ہوئی کچھ اس طرح متاثر ہو گیا میں آپ سے کہ دوبارہ ملاقات کے بارے میں مسلسل سوچتا رہا پھر فائق درانی سے آپ کے بارے میں مزید تفصیلات معلوم

ہوئیں اور بھئی دل اس طرح مچلا کہ میں یہاں تک پہنچ گیا۔"

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

انعام احمد صاحب رخسار کھجانے لگے، پھر بولے۔

"ویسے معاف کیجئے گا یہ گارمنٹ سٹی آپ کتنے عرصے سے چلا رہی ہیں؟"

"طویل عرصہ ہو گیا۔"

"بڑا خوبصورت نظام قائم کر رکھا ہے آپ نے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آپ تنہا اتنے بڑے ادارے کو چلا رہی ہیں۔"

"شکریہ۔"

"فائق درانی سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ نے شادی نہیں کی۔" انعام احمد صاحب بولے اور اس نے پھر انہیں گھور کر دیکھا۔

"میں آپ کی اس آمد کی وجہ جاننا چاہتی ہوں انعام احمد صاحب؟"

"وہ دراصل کہتے ہیں نا کہ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔ اصل مقصد تو آپ کے نیاز حاصل کرنا تھا آپ جانتی ہیں کہ میرا بہت بڑا کاروبار ہے۔"

"میں کیسے جانتی ہوں؟"

"نہیں میرا مطلب ہے شاید کہیں سے آپ کو کچھ معلوم ہوا ہو۔ اصل میں ہر بڑا آدمی ہر بڑے آدمی کا شناسا ہوتا ہے۔"

"نہ تو میں بڑا آدمی ہوں اور نہ زیادہ شناسائیاں رکھتی ہوں آپ مجھے جانتے تھے۔"

"یہی تو غلطی ہو گئی حالانکہ مجھے آپ کو جاننا چاہئے تھا۔"

"خیر یہ اچھی بات ہے کہ آپ مجھے نہیں جانتے تھے۔ دیکھئے اصل میں یہاں کا تمام کاروبار میں ہی دیکھتی ہوں۔ دفتر آنے کے بعد مجھے ہزاروں کام ہوتے ہیں اگر آپ اپنی گفتگو کو مختصر کر دیں تو میں آپ کی شکرگزار ہوں گی۔"

"یہی تو مشکل ہے آپ کے سامنے آنے کے بعد کس کافر کا اٹھنے کو جی چاہے گا۔ ویسے آپ اپنے ڈیزائنوں کی نمائش وغیرہ کرتی رہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ملک میں یا ملک سے باہر بھی؟"

"بہت سے ملکوں میں۔"

"لیکن اس انداز میں نہ کرتی ہوں گی جس انداز میں یہ نمائش کی جا سکتی ہے۔ میرا کاروبار بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں ہے اور میں بذات خود بہت سے ممالک کی سیر کرتا رہتا ہوں۔ کئی جگہ ایکسپورٹ وغیرہ میں شرکت کی ہے میں نے۔ ہماری مصنوعات کی نمائندگی تو ہوتی ہے لیکن مناسب پیمانے پر نہیں۔ میں آپ کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"شکریہ انعام احمد صاحب۔ اصل میں میرا پھیلاؤ جس قدر ہے میں اس سے آگے کبھی قدم نہیں اٹھاتی۔ میں جہاں جہاں جو کچھ کر سکتی ہوں اپنے طور پر ہی کرتی ہوں۔"

"یہی تو میں عرض کر رہا تھا کہ آپ اب تک اپنے طور پر کچھ کرتی رہی ہیں۔ میں اس میں کچھ تبدیلیاں لانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں یہ تبدیلیاں نہیں چاہتی۔"

"دیکھئے اگر آپ ملکی صنعت کو فروغ دیں گی تو اس میں ملک کا بھی فائدہ ہے اور آپ کا بھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ کا پھیلاؤ محدود ہے لیکن میرا پھیلاؤ محدود نہیں ہے اگر آپ چاہیں تو گارمنٹ سٹی میں میری شرکت قبول کر لیں۔ پانچ دس کروڑ روپے لگانا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔ شراکت داری کر لیں گے اور اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ مجھے اپنا پارٹنر بنائیں یا پھر یہ دس پانچ کروڑ روپے ہیں جو بطور قرض لے لیں اور واپسی کے لئے بالکل فکر مند نہ ہوں بلکہ واپسی کے بارے میں سوچیں ہی نہیں آپ کے اس ادارے کو ترقی دینا میرا فرض ہے اور اگر یہ مزید ترقی کر جائے تو مجھے دلی خوشی حاصل ہو گی۔"

وہ ایک دم سے جذباتی ہو گئی اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"انعام احمد صاحب! دوبارہ اپنی زبان سے اس قسم کے الفاظ کبھی ادا نہ کریں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ گارمنٹ سٹی سے میرا کیا رشتہ ہے میں نے ایک ایک پیسا جوڑ کر اس پر لگایا ہے۔ میں نے اسے جس طرح پروان چڑھایا ہے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میرے اور اس کے درمیان ماں بیٹے کا رشتہ ہے اور مائیں بیٹوں کو فروخت نہیں کیا کرتیں۔ اس میں، میں کسی کی شرکت کا تصور بھی اس کی حرمت کو داغدار کرنے کے مترادف سمجھتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اس کی طرف کوئی میلی نگاہ نہ اٹھے۔"

"نہیں، نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو یہ چاہتا تھا۔"

"اب آپ کتنی دیر اور یہاں قیام کریں گے؟"

"بھئی میں تو بالکل فرصت سے ہوں۔ ویسے آپ نے مجھے چائے وغیرہ کے لئے نہیں پوچھا۔"

"میں کافی پی چکی ہوں اور ادارے میں کسی کی خاطرمدارات نہیں کرتی۔ اب میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں ازراہ کرم پھر کبھی ملاقات ہو گی۔"

"دیکھئے یہ ہوئی کام کی بات بھئی میں بھی کاروباری آدمی ہوں اور دوسروں کی مصروفیات میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ آپ نے دوسری ملاقات کا تذکرہ کر کے ذرا تسلی دی ہے لیکن میری بات کو اپنے ذہن میں رکھئے گا آپ اس انداز میں کیوں نہیں سوچتیں میڈم کہ دنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں گارمنٹ سٹی میں میری

شراکت....."

"انعام احمد صاحب! میرے ان الفاظ کا غالباً آپ نے مفہوم نہیں سمجھا جو میں ابھی ا[...]
کر چکی ہوں۔"

"سمجھا ہے، سمجھا ہے لیکن جس فیصلے میں گنجائش نہ ہو وہ فیصلہ مناسب نہیں ہوتا۔"

وہ پھولے پھولے سانس کے ساتھ انعام احمد صاحب کو دیکھتی رہی پھر اس نے انٹرکام اٹھا[...]
اور بولی۔

"ذکی صاحب کو بھیج دو۔"

"جی میڈم۔" سیکرٹری کی آواز سنائی دی اور انعام احمد صاحب اسے دیکھنے لگے پھر
بولے۔

"آپ صرف سفید ساڑھی استعمال کرتی ہیں؟"

"میں اپنی ذاتیات میں کسی کا دخل پسند نہیں کرتی۔"

"نہیں، میرا مطلب ہے میں یہ تو نہیں کہنا چاہ رہا کہ آپ فیروزی بلکہ ہلکی ہلکی فیروزی
یا لائٹ پنک ساڑھی استعمال کیا کریں حالانکہ یہ دونوں میرے پسندیدہ کلر ہیں۔"

اس نے وہ ادھورا خط اٹھا لیا اور آنکھوں پر چشمہ لگا کر اس پر نگاہیں دوڑانے لگی لیکن
سارے لفظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ انعام احمد صاحب خاموشی سے بیٹھے رہے۔ اتنی دیر میں ذکی
صاحب اندر داخل ہو گئے اور وہ آہستہ سے بولی۔

"ذکی صاحب پروڈکشن کی کیا پوزیشن ہے؟"

"جی۔" ذکی صاحب اس غیر متوقع صورت حال پر چونک پڑے۔

"کام تسلی بخش انداز میں ہو رہا ہے؟"

"جی میڈم۔"

"ذرا میرے ساتھ چلئے۔ میں تھوڑا سا جائزہ لینا چاہتی ہوں۔"

"جی ضرور۔" وہ کرسی کھسکا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے انعام احمد سے کہا۔ "شکریہ
انعام احمد صاحب آپ کی تشریف آوری کا میں ذرا مصروف ہوں براہ کرم آیئے۔"

انعام احمد صاحب مجبوراً کرسی سے اٹھ گئے۔ ذکی صاحب میڈم کے ساتھ باہر نکلے اور
میڈم فیکٹری کی جانب چل پڑی۔ انعام احمد نے کہا۔

"اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو میں بھی آپ کی فیکٹری دیکھ سکتا ہوں؟"

"جی نہیں۔ ہم کسی بھی اجنبی شخص کو فیکٹری تک جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ دیکھئے
نا کچھ چیزیں سیکرٹ ہوتی ہیں۔"

"تو میں اجنبی کہاں ہوں؟"

"ذکی صاحب، آپ انعام احمد صاحب کو باہر چھوڑ آیئے۔ میں فیکٹری جا رہی ہوں۔"

اس نے کہا اور راستہ بدل کر ایک جانب چل پڑی۔ ذکی صاحب ایک لمحے کے لئے ہکا بکا رہ
گئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"تشریف لایئے جناب۔"

"نہیں مجھے راستہ معلوم ہے شکریہ میں چلا جاؤں گا۔" انعام احمد صاحب ٹہلنے کے
انداز میں آگے بڑھ گئے۔

□

حسن راؤنڈ کرنے کے بعد ڈیوٹی روم میں آ بیٹھا۔ عرفان یہیں موجود تھا۔ اس نے
مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔

"جناب من۔" وہ بولا اور حسن مسکراتا ہوا کرسی گھما کر اسے دیکھنے لگا۔

"جی۔"

"حضور آج کل تو آپ نے شاعری میں کمال حاصل کر رکھا ہے۔"

"جی ہاں۔ نظم اور غزل دونوں آپ کے قبضے میں ہیں۔"

"خوب خوب تو آپ ان دنوں انہی سوچوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔"

"نہیں ہم تو خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔ اب دیکھئے نا کم از کم کہنے کے لئے کچھ
الفاظ تو ملے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" حسن نے کہا۔

"نظم آج کل آپ سے بہت متاثر ہے۔"

"اور آپ؟"

"جی۔" عرفان حیرت سے بولا۔

"آپ مجھ سے کوئی پرخاش رکھتے ہیں؟"

"ارے توبہ توبہ۔ ہرگز نہیں جناب ہرگز نہیں آپ اس تصور میں ہیں کہ ہم بھی نظم
کے طلبگاروں میں سے ہیں تو خدارا اس خیال کو ذہن سے نکال دیجئے۔ ماں باپ نے بچپن ہی
میں منگنی کر دی تھی اور وہ جو ہیں ان سے یوں سمجھ لیجئے ہماری بچپن کی یاد اللہ ہے کسی اور
کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے بس دعا کیجئے کہ یہ بیل منڈھے چڑھ جائے۔"

"کیوں؟" حسن مسکرا کر بولا۔ "کوئی مشکل ہے کیا؟"

"اصل میں ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہم کچھ نکمے ہیں۔"

"خیر یہ خیال تو غلط ہے۔ آپ تو نہایت مستعد آدمی ہیں۔"

"بس دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ ویسے نظم بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"یار اس کا نام غزل ہے۔"

"غلط ہے نا آپ دیکھئے وہ کتنی مختصر بحر میں ہیں۔" عرفان نے اس طرح کہا کہ حسن کو

ہنسی آ گئی اور اسی وقت غزل مسکراتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔
"واہ واہ' میرا خیال ہے چائے یا کافی کا انتظار ہو رہا ہو گا۔"
"نہیں ایک نظم زیر بحث تھی۔" عرفان نے کہا اور غزل مسکراتی ہوئی قریب آ کر بیٹھ گئی۔
"دیکھئے حسن صاحب یہ عرفان مجھے ہمیشہ نظم کہتے ہیں۔ آپ انہیں منع کر دیجئے گا۔"
"میرا خیال ہے مجھ سے پہلے عرفان کی آپ سے شناسائی ہے مس غزل۔"
"جی نہیں۔ یہ صدیوں کی شناسائی لمحوں کی شناسائی نہیں ہوتی۔ غزل صاحبہ کی آنکھوں میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایک دن کی بات نہیں ہوتی۔"
"خدا کا شکر ہے تم نے مجھے غزل تو کہا۔"
"معافی چاہتا ہوں غلطی ہو گئی۔" عرفان بولا۔ "تو میں کہہ رہا تھا حسن صاحب کہ یہ نرم و نازک سی خاتون غزل نہیں نظم کہلانے کے قابل ہیں۔ مختصر مختصر خوبصورت الفاظ سے مرقع اب وہ الفاظ کیا ہیں اگر میری منگنی نہ ہوئی ہوتی تو میں ادا کرتا اب یہ آپ کی ذمے داری ہے۔"
حسن مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اسی وقت ایک نرس نے عرفان کو آ کر ایک مریض کے بارے میں اطلاع دی اور عرفان مسکراتا ہوا بولا۔
"تو یوں کہئے مس نظم' نرس سے کہہ کر آئی تھیں آپ کہ چند لمحوں کے بعد کباب میں سے ہڈی نکال لے۔" عرفان مسکراتا ہوا اٹھ گیا اور غزل ہنسنے لگی۔ عرفان چلا گیا تو وہ بولی۔
"اس قسم کے لوگ بڑی دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ عرفان میں یہ خوبی ہے جملے بازی کرتا ہے اور ہنساتا رہتا ہے۔"
"بہت پیارا آدمی ہے۔" حسن نے کہا۔
"اور میں؟" غزل نے بے ساختہ پوچھا اور حسن چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
"خیر آپ کے بارے میں تو کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔"
"سبحان اللہ' اب اگر کافی آ جائے تو میں اس میں چار چمچے شکر ڈال کر دوں گی۔"
"ارے توبہ وہ کیوں؟"
"منہ میٹھا کرانے کے لئے آپ کا' کتنی شیریں بات کہی ہے آپ نے۔" حسن ہنسنے لگا غزل بولی۔
"میں کافی کے لئے کہہ کر آتی ہوں۔"
"عرفان کے لئے بھی منگوا لیجئے گا۔"
"ہاں ہاں یقیناً۔"

غزل وہاں سے چلی گئی اور حسن سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔ اچھی لڑکی تھی بری نہیں تھی لیکن جن راستوں کی جانب اس نے رخ کیا تھا۔ وہ حسن کی سمت نہیں آتے تھے کیونکہ حسن کے راستے تو جدا تھے۔ کوئی ایسا مناسب موقع آئے تو غزل کو سمجھا دیا جائے۔ بلاوجہ ایک سمت نہیں اختیار کرنی چاہئے جس کا اختتام ایک ٹھوس اور ناقابل عبور دیوار پر ہو۔ غزل چند لمحات کے بعد واپس آ گئی۔
"جناب۔"
"راؤنڈ پر ہو آئیں آپ؟"
"جی ہاں۔ اللہ کے فضل سے سب کچھ ٹھیک ہے ویسے حسن صاحب آپ بہت ریزرو ہیں۔"
"کیا نہیں ہونا چاہئے۔"
"نہیں وہ جو شعر ہے نا کہ "لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل" لیکن کبھی کبھی سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ کبھی کبھی تو تنہائی درکار ہوتی ہے۔" حسن خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اس کا دل چاہا کہ ابھی غزل کو اس سفر سے روک دے لیکن دور سے عرفان آتا ہوا نظر آ گیا تھا۔ وہ حسب عادت مسکراتا ہوا قریب پہنچ گیا۔
"دشمن اگر کوئی چال چلے جو نقصان پہنچانے کے لئے ہو اور نقصان نہ پہنچ پائے تو کیسا لگتا ہے مس غزل؟"
"آپ ایسی باتوں کے عادی ہیں۔ اس لئے نہ تو آپ کی باتوں کا برا مانا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان پر کوئی سنجیدہ توجہ دی جاتی ہے۔" "لیجئے چھٹی ہو گئی۔" عرفان نے کہا اور پھر بولا۔ "اصل میں اتنی جلدی واپسی کے لئے معذرت چاہنا چاہتا تھا لیکن کسی نے لفٹ ہی نہیں دی۔"
"جی نہیں آپ کی موجودگی کوئی ایسی بری بات نہیں ہوتی جس کے لئے آپ معذرت کریں۔"
"اچھا اچھا' ہاں بھئی ہم تو بالکل بے ضرر آدمی ہیں۔ ابھی چند لمحات قبل حسن صاحب سے آپ ہی کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حسن صاحب نے کچھ اس قسم کے الفاظ ادا کئے جیسے انہیں شبہ ہو کہ ہم ان کے راستے کاٹنے کے خواہش مند ہیں۔"
"جی نہیں عرفان صاحب مجھے ایسا شبہ بالکل نہیں ہوا تھا۔"
"ہم نے وضاحت کر دی اچھا ہی کیا۔ مس نظم کو بھی معلوم ہے ہم منگنی شدہ ہیں۔"
"ارے ارے کیا دلچسپ موضوع آ کر گزر گیا۔" غزل بولی۔
"جی ہاں۔"
"یہ تو بڑی پر لطف بات ہے کہ میرا ذکر اور ان کی محفل میں۔"

"جی ہاں۔ ہم آپ کے بہی خواہ ہیں اس لئے اکثر حسن صاحب کو احساس دلاتے رہتے ہیں کہ شاعری کرتے رہنا چاہئے۔ نظم یا غزل سے رشتہ قائم ہو جائے تو زندگی بہت بہتر گزرتی ہے۔"

اتنی دیر میں ویٹر کافی لے آیا اور عرفان نے کہا۔ "سبحان اللہ یہ رات کی ڈیوٹی میں ہر یہی خوبی ہے کہ کافی وغیرہ پینے میں بہت لطف آتا ہے اور اگر ہم ذوق ساتھ ہوں۔" عرفان نے کافی کی پیالی ختم کی تھی کہ وہی نرس پھر دوبارہ آ گئی اور عرفان اسے گھورنے لگا۔

"سر وہ تیرہ نمبر کا مریض بہت تکلیف میں ہے۔"

"دیکھو سسٹر یہ اچھی بات نہیں ہے خیر چلو تم بھی کیا یاد کرو گی؟" وہ گیا تو حسن ہنسنے لگا۔

"خوب ہے یہ شخص بھی۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حسن صاحب آپ ہمارے گھر آئیں نا کبھی۔ میں آپ کو ابو سے ملاؤں گی۔ ویسے میں نے ان لوگوں کو بتا دیا ہے کہ آپ بیرسٹر محمود حسن کے صاحبزادے ہیں - بڑا تفصیلی تعارف کرایا ہے میں نے۔ ابو تو محمود حسن صاحب سے بہت اچھی طرح نہ صرف واقف ہیں بلکہ کہنے لگے تھے کہ وہ ان کے دوست بھی ہیں۔"

"جی ہاں یقیناً ہم پیشہ ہیں۔ دوست ہونا چاہئے۔"

"لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ دوستی کبھی آگے نہیں بڑھ سکی۔ خیر اب یہ کام ہم کریں گے۔ آپ تشریف لائیں یا ہمیں بلائیں۔"

"آپ آیئے گا۔" حسن نے کہا۔

"آپ کہہ کر تو دیکھیں۔ کچے دھاگے سے بندھے چلے آئیں گے۔ بس ایک حکم کی دیر ہے۔"

عرفان پھر نازل ہو گیا اور غزل نے پھر گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ شخص واقعی کباب میں ہڈی ہے، رکتا ہی نہیں۔" حسن ہنسنے لگا تھا۔

❑

سخاوت صاحب پر ان دنوں کچھ عجیب سی وحشت سوار تھی - فیروزہ بیگم، شوہر کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں انہیں پورا پورا احساس تھا کہ سخاوت صاحب کن کیفیات سے گزر رہے ہیں اس وقت بھی وہ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ خاصی رات گزر گئی تھی۔ فیروزہ بیگم نے کہا۔

"آپ سو جایئے بے خوابی بیمار کر دے گی۔" سخاوت صاحب نے گہری نگاہوں سے بیوی کو دیکھا اور بولے۔

"بیمار تو میں ہوں فیروزہ بیگم۔"

"اب دیکھئے نا ہر چیز کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے صرف پریشان رہنے سے بھی کچھ حاصل ہوا ہے کسی کو؟"

"ہاں حل تلاش کر لیا ہے اور خدا نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن میں جن کیفیت سے گزر رہا ہوں وہ ذرا مختلف ہیں۔"

"کیا سوچتے رہتے ہیں آپ؟"

"پرانی کہاوت ہے کوئی نئی بات نہیں ہے فیروزہ بیگم کہ ایک باپ بڑی ہنسی خوشی اپنی دس اولادوں کو پالتا ہے ہر ایک کے ساتھ انصاف کرتا ہے جس حد تک اس کی اوقات ہوتی ہے وہ انہیں تکلیف نہیں دیتا، لیکن دس اولادیں مل کر ماں باپ کو پالنے سے گریز کرتی ہیں اور اپنی اپنی جان بچاتی ہیں۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بچے برے نہیں ہیں لیکن بس حالات ہی کچھ ایسے ہیں اب آپ دیکھئے نا جواد تو ابھی زیر تعلیم ہے ایک بیچارہ سجاد ہے۔ گھر کا خرچ تو بہرطور اٹھاتا ہی ہے وہ لیکن ہر انسان کے اپنے مسائل بھی ہوتے ہیں۔"

"ایسے مسائل ہوتے ہیں فیروزہ بیگم کہ انسان لہجہ بھی تلخ کر لے۔ ہم نے تو کبھی اپنی آواز میں تلخی پیدا نہیں کی۔ ہر ضرورت کو خندہ پیشانی سے سنا اور اسے بساط بھرپوری کرنے کی کوشش کی۔"

"لیکن یہ مسئلہ بھی تو کچھ زیادہ ہے۔"

"میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ دونوں بھائیوں کے درمیان اچھا خاصا خلا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ سجاد، جواد کو پسند نہیں کرتا اور جواد سجاد کے بارے میں زہر اگلتا رہتا ہے۔"

"بس وہی محرومیاں ہیں جواد کی عمر بھی اچھی خاصی ہو گئی ہے تعلیم مکمل ہو گی تو نوکری فوراً ہی تھوڑی مل جائے گی۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"انہی تمام باتوں کو سوچ کر اس کی طبیعت میں بھی کچھ چڑچڑاپن پیدا ہو گیا ہے۔"

"ہاں، اصل میں جو چیز مجھے پریشان کئے رہتی ہے وہ یہ ہے کہ چلئے میں نوکری تو چھوڑ ہی چکا ہوں پیسے مل جائیں گے۔ ہم تابندہ کو وداع کر دیں گے لیکن یہ دوسری دو بھی تو ہیں۔ بچوں کا مزاج اگر اسی طرح بگڑا رہا تو ان کا کیا ہو گا اور پھر یہ نوکری چھوڑنے کے بعد دیکھو حالات کیا رہتے ہیں۔"

"اللہ مالک ہے کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا۔ اصل میں یہ فکریں ہم کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو پیدا کرنے والا جانتا ہے کہ اسے کس طرح اپنی مخلوق کے اور اپنے بندوں کے مسائل حل کرنے ہیں۔"

"میں نے ایک سکول میں بات تو کی ہے میرے ایک دوست ہیں نیاز احمد صاحب، انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ملازمت چھوڑنے کے بعد وہ مجھے ایک اسکول میں جگہ دلوا دیں

گے۔ پیسے بہت کم ملیں گے لیکن ٹیوشن وغیرہ پڑھا کر کام چلاؤں گا۔ فی الحال مجھے دو
سات ہزار روپے مل رہے ہیں۔ کیا خیال ہے فیروزہ بیگم سارے کام اس میں مکمل ہو جائیں
گے؟"

"تھوڑا بہت تو کچھ ہم نے کیا بھی ہوا ہے باقی یہ انشاء اللہ اسی میں نمٹا لیا جائے گا۔"

"چیک مل جائے گا مجھے کل اور میں نے یہ سوچا ہے کہ کل ہی اسے کیش بھی کرالوں
گا۔"

"بینک میں ہی پڑا رہنے دیجئے گا نا۔"

"نہیں بھئی۔ میں رقم اپنے ہاتھ میں رکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ میں نے صرف اسی
چیک کو کیش کرانے کے لئے بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھولا ہے ورنہ ہم ایسے لوگوں میں سے
کہاں جن کے بینک اکاؤنٹ ہوں پچھلے دنوں انہی کارروائیوں میں مصروف رہا ہوں۔"

"پیسوں کو گھر میں رکھنا مناسب ہو گا؟"

"گھر میں رکھا ہی کیوں جائے۔ آپ بس پیسے ملنے کی بعد مشین بن جائیے۔ اصل میں
محمود حسن صاحب نے جس طرح جلد بازی کا سلسلہ شروع کیا ہے میں چاہتا ہوں یہ کام جس
قدر جلد ہو جائے بہتر ہے۔"

"پیسے اگر بینک میں ہی پڑے رہیں تو زیادہ اچھا ہے تھوڑے تھوڑے کر کے ہی نکالیں
گے۔"

"نہیں نجانے کیوں میرا مزاج کچھ ایسا ہی ہے۔ خیر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن آپ
ایک پورا پروگرام ترتیب دے دیجئے ایک ایک پائی مخصوص کر لی جائے اور اس کے بعد
دیکھیں گے کہ کیا بچتا ہے یا کیا کم پڑتا ہے۔"

فیروزہ بیگم ٹھنڈے سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔ سخاوت بیگ سوچ میں ڈوب
گئے پھر بولے۔ "تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کی کوئی فہرست بنائی ہے تم نے؟"

"اتنا نہیں ہے کہ فہرستیں بنائی جائیں۔ مجھے سب کچھ زبانی یاد ہے۔"

"ذرا بتائیے۔"

"تیرہ جوڑے ہیں۔ چھ بھاری سات ہلکے۔ چار چوڑیاں ہیں ایک چھوٹا لاکٹ سیٹ
ہے۔ کچھ اسٹیل کے برتن ہیں۔ ایک ڈنر سیٹ ہے۔ چاروں کے چار سیٹ ہیں۔"

"واہ۔ یہ تو اچھا خاصا ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ جوڑے کم از کم پچیس ہوں گے۔ ایک
بھاری سیٹ بنانا پڑے گا۔ چھوٹی چھوٹی درجنوں چیزیں ہوتی ہیں۔" فیروزہ بیگم نے کہا اور
سخاوت بیگ گہری گہری سانسیں لینے لگے۔

"بیرسٹر ہاشم علی ہائی کورٹ میں محمود حسن سے ملے دونوں ہی باہر نکل رہے تھے۔ ہاشم
علی نے محمود حسن کو دیکھا اور بڑے پرتپاک انداز میں آگے بڑھے۔"

"بھئی محمود حسن صاحب ہم بھی آپ کے شناساؤں میں سے ہیں۔"

محمود حسن بھی اس انداز میں مسکرا کر آگے بڑھے اور بولے۔ "اور ہم آپ کے
عقیدت مندوں میں سے۔" بیرسٹر ہاشم علی نے قہقہہ لگایا تھا پھر وہ بولے۔

"اچھی جوابی کارروائی ہے مگر جناب یہ بے اعتنائی باعث شکایت ہے۔"

"نہیں ایک بار بھی اگر کبھی حکم ملا ہوتا تو میں سر کے بل حاضر ہوتا۔"

"پھر آیئے تقریب بہرملاقات کے لئے ایک کپ ہو جائے۔"

"بسر و چشم۔"

"دونوں جا کر کورٹ کے کینٹین میں بیٹھ گئے۔ چائے کے لئے ہاشم صاحب نے آرڈر
دے دیا تھا پھر وہ بولے۔

"سنایئے محمود صاحب کیسی گزر رہی ہے؟"

"بس وہی رفتار بے ڈھنگی۔"

"ماشاء اللہ آپ کا وہ پچھلا کیس تو بڑا کامیاب گیا تھا۔ ویسے بھئی ایمانداری کی بات ہے
کہ آپ نے تو انکساری سے کہہ دیا کہ آپ میرے عقیدت مندوں میں سے ہیں لیکن
عقیدت مندوں میں سے میں ہوں۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں ہاشم صاحب؟"

"بخدا دل سے کہہ رہا ہوں۔ انسان کو اپنی ساکھ بنانے میں عمر گزر جاتی ہے اور بعض
اوقات کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ کے بارے میں' میں نے جج صاحبان کو کہتے سنا ہے کہ
جو کیس محمود حسن کے پاس ہو اس کے بارے میں یہ اندازہ تو باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ
حق پر مبنی ہے۔ اب باقی باتیں رہ جاتی ہیں تو ثبوتوں وغیرہ کی تو اس سلسلے میں ملزم کی تقدیر
ہے کہ بات کہاں تک آگے بڑھ جائے لیکن محمود حسن ہمیشہ ایسے ہی کیس لیتے ہیں جو سچائی
پر مبنی ہوں۔"

"بس ہاشم عملی صاحب اللہ کی عنایت ہے اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں یہ
نظریہ میرا ہمیشہ سے ہے کہ سچ کے ساتھ رہو۔ تھوڑا سا کم کھا لو' تعیشات زندگی بے شک
ایک اہمیت رکھتے ہیں لیکن کسی کی گردن کاٹ کر یا غلط طریقے سے حاصل ہونے والی دولت
بہرطور کسی نہ کسی وقت نقصان پہنچاتی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ بچے کیسے ہیں؟"

"خدا کا فضل ہے بالکل ٹھیک ہیں۔"

"ارے بھئی ہاں۔ وہ ہماری غزل کو جانتے ہو؟"

"غزل؟"

"ہاں بھئی میری بیٹی۔"

"اتفاق سے کبھی دیکھا نہیں بچی کو۔ کچھ ایسے فاصلے رہے ہمارے اور آپ کے درمیان کہ گھریلو طور پر یکجا نہ ہو سکے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تو غزل میری بیٹی ہے۔ ڈاکٹر بن چکی ہے۔ ہاؤس جاب مکمل کر لیا ہے اور ان دنوں ہسپتال میں تعینات ہے جس میں آپ کے صاحب زادے حسن محمود ہیں۔"

"اچھا۔ وری گڈ۔ اتفاق سے یہ بات بھی میرے علم میں نہیں آ سکی۔"

"حسن میاں نے کبھی تذکرہ نہیں کیا؟"

"وہ ذرا ریزرو طبیعت کے مالک ہیں۔ ادھر ادھر کی گفتگو کم ہی کرتے ہیں۔"

"جناب عالی، ان دونوں میں تعارف ہو چکا ہے اور غزل ہی نے مجھے بتایا تھا کہ بیرسٹر محمود حسن کے صاحب زادے ان کے ساتھ ہی پریکٹس کر رہے ہیں آپ یقین کریں محمود حسن کہ غزل بڑی تعریف کرتی ہے حسن میاں کی۔ کہتی ہے اتنی نفیس طبیعت کا انسان بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔"

"نوازش ہے، بس اللہ نے میری یہ آرزو پوری کر دی۔ اب میرے دل میں صرف یہ خیال ہے کہ حسن میاں کو امریکہ بھجوا دوں۔ وہ اسپیشلائزیشن کرنا چاہتے ہیں۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ میرے دل میں بھی یہی آرزو ہے۔ اب بچی کو ڈاکٹر بنایا ہے تو سوچ رہا ہوں کہ یہ آخری گولی بھی کھا لوں۔ اخراجات تو بے شک میری اوقات سے بڑھ کر ہیں، لیکن بچوں کی زندگی سدھر جائے اس کے علاوہ انسان کے دل میں اور کیا خواہش ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر کب جا رہے ہیں حسن میاں؟"

"بس تیاریوں میں مصروف ہوں۔"

"بھئی میری تو ایک ہی خواہش ہے اگر ممکن ہو سکے تو دونوں بچوں کو ساتھ ہی بھیج دیا جائے یہ بڑا اچھا رہے گا۔ وہاں دونوں ایک ساتھ تعلیم حاصل کریں گے ایک دوسرے کو تقویت رہے گی۔"

"ہاں اچھا خیال ہے۔" محمود حسن پرخیال لہجے میں بولے۔ اچانک ہی ان کے ذہن میں ایک عجیب سا خیال بیدار ہوا تھا۔ ہاشم علی کہنے لگے۔

"ویسے میرا خیال ہے اب کسی وقت گھر والوں کے بھی ایک دوسرے سے تعلقات کرا ہی دیئے جائیں۔ ویسے بھی اچھا ہوتا ہے۔"

"بلاشبہ۔"

"تو اب یہ کہنا تو ذرا اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ آپ ہمارے گھر آیئے۔ یوں کرتے ہیں پہلے ہم آپ کے گھر آئے جاتے ہیں، تاکہ بھابی صاحبہ کو یہ احساس نہ ہو کہ ہم نے اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھا ہے۔"

"بسر و چشم۔ آپ کی تشریف آوری میری لئے بہت خوشگوار ہو گی۔"

"آ رہے ہیں پھر کسی دن بیوی سے طے کر کے بتائیں گے کہ کون سے دن آئیں گے۔"

"مجھے ٹیلی فون ضرور کر دیجئے گا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ظاہر ہے بغیر ٹیلی فون کے جانے والوں کو ذرا کھانے پینے کے لئے کم ہی ملتا ہے بھئی میں تو آپ کو اس وقت ٹیلی فون کر دوں گا کہ تیاری میں چار پانچ گھنٹے مل جائیں۔" ہاشم علی نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ محمود حسن بولے۔

"نہیں آپ کا گھر ہے۔ فرمائش کر کے بتایئے کہ کیا کھانا پسند کریں گے۔ مجھے مسرت ہو گی۔ دو ہی باتیں ہونی چاہئیں انسان یا تو کسی سے ملے یا پھر نہ ملے۔ ملے تو اس خلوص کے ساتھ کہ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو ورنہ پھر نہ ملنا بہتر ہوتا ہے۔"

"میرے دل کی بات کہی ہے آپ نے محمود حسن بہرحال انشاء اللہ ہمارے تعلقات بہت دور تک جائیں گے بہت دور تک۔"

"انشاء اللہ۔" محمود حسن نے جواب دیا۔

اس شام جب وہ گھر پہنچے تو خیالات میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ رات تک برداشت کیا لیکن خواب گاہ میں پہنچ کر فرزانہ بیگم سے بولے۔

"فرزانہ دل بڑی بے ایمان چیز ہوتی ہے بعض اوقات انسان کو اس طرح بھٹکاتا ہے کہ انسان خود ہی اپنے آپ سے شرمندہ ہو جائے۔"

"خیریت؟"

"بیرسٹر ہاشم علی کو جانتے ہیں آپ؟"

"آپ کی زبانی نام ہی سنا ہے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"ہاں ظاہر ہے۔ ہمارا ایک ہی پروفیشن ہے۔ کورٹ میں میری ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں آج بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی اور انہوں نے ایک ایسی بات کہی کہ میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔"

"کیا کہا انہوں نے؟"

"ان کی بیٹی ہے غزل، اب یہ تو پتا نہیں کہ کیسی ہے، شکل و صورت کیسی ہے۔ مزاج کیسا ہے، عمر کتنی ہے، لیکن یونہی بس ایک خیال سا دل میں آ گیا وہ بھی ڈاکٹر ہے اور حسن کے ساتھ ہی پریکٹس کر رہی ہے۔ دونوں ہسپتال میں ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ پتا نہیں حسن

نے کبھی تم لوگوں سے کوئی تذکرہ کیا یا نہیں۔"

"حسن کہاں کرتے ہیں ایسا کوئی تذکرہ۔ تو پھر؟"

"بیرسٹر ہاشم علی غزل کو اسپشلائزیشن کے لئے امریکہ بھجوانا چاہتے ہیں آج تفصیل سے میں انہوں نے یہ بات مجھے بتائی اور پھر فرمائش کی کہ اگر دونوں بچے ایک ساتھ امریکہ چلے جائیں تو کیسا رہے گا۔ وہاں دونوں کو ایک دوسرے سے تقویت حاصل رہے گی۔"

"فرزانہ بیگم عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئیں پھر آہستہ سے بولیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"برا نہ ماننا۔ میں نے کہا نا دل بڑی بے ایمان چیز ہوتی ہے۔ اچانک ہی میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ اگر غزل کوئی ڈھنگ کی لڑکی ہے اور حسن کے ساتھ امریکہ جا رہی ہے تو تو کیا؟"

"ارے نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ کیا تابندہ کو بیچ بھنور میں چھوڑ دیں گے۔" فرزانہ بیگم نے دلسوزی سے کہا اور محمود حسن سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بولے۔

"میں خود بھی اس قسم کا انسان نہیں ہوں کسی کی بیٹی کو اپنی ہی بیٹی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن سخاوت بیگ صاحب بڑے پسماندہ ذہن کے مالک ہیں۔ اب دیکھو نا ہماری ایک مشکل ہے۔ میں نے ہر طرح سے اسے کہہ دیا کہ سادگی سے بچوں کی زندگی یکجا کر دی جائے۔ حسن میاں کو بھی میں نے آمادہ دیکھا تو ان حالات میں سخاوت بیگ صاحب کو میری بات مان لینی چاہئے تھی لیکن وہی فرسودہ باتیں پرانی قسم کی۔ اب میں یہ تو کہنے سے رہا کہ پروگرام اگر آپ چاہیں تو آپ کی طرف کے اخراجات بھی میں ہی کر لوں۔ برا لگتا ہے کسی کی توہین محسوس ہوتی ہے لیکن آپ آخر یہ تو سوچیں کہ دوسرے کی بھی ایک مشکل ہے۔ بچے کی زندگی کا ہر دن قیمتی ہے جس کام کے لئے امریکہ جانا ہے اس کا آغاز جس قدر جلد ہو جائے بہتر ہے۔ ورنہ وقت ہی ضائع ہو گا۔ اب میں تنہا تو اسے بھیجنے سے رہا کیوں کہ میں کوئی المیہ اپنے خاندان پر مسلط نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا فرزانہ بیگم۔ پورے خاندان پر اثر پڑتا ہے بچوں کے غلط اقدام کا۔ بیٹیاں ہیں میری۔ ان کی بھی زندگی ہے۔ بچہ بہت اچھا ہے لیکن خدا نخواستہ کہیں قدموں میں لغزش آ گئی تو وہ خود مختار ہو گا میں بھلا اسے کیا روک سکتا ہوں۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ سخاوت بیگ صاحب زیادہ جھگڑوں میں نہ پڑیں جو کرنا چاہیں کر دیں مگر اب انہیں کون سمجھائے؟

"وہ تو خیر ہو جائے گا کسی نہ کسی شکل میں ہم ان سے بات کر لیں گے مگر یہ غزل کا تذکرہ اس انداز میں کرنا آپ یقین کریں مجھے اچھا نہیں لگا۔ ایک بات اتنے عرصے سے طے ہے۔ بچوں کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے تو اس میں کوئی نیا پن نہیں پیدا کرنا چاہئے۔"

"آپ دیکھ لیجئے فرزانہ بیگم! سچی بات ہے میرا تو دل بے ایمان ہو رہا ہے۔ ہاشم علی کی

بھی دن آنے والے ہیں۔ دیکھ لیں ذرا غزل کو بھی۔"

"ضرور دیکھ لیجئے مگر اس نگاہ سے نہیں۔" فرزانہ بیگم نے کہا اور محمود حسن پر خیال انداز میں ایک دیوار کو دیکھنے لگے ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیوی کی بات سے متفق نہیں ہو سکے ہیں۔

ملازم تک آپس میں باتیں کرتے رہتے تھے اور اس بات پر حیران تھے کہ ایک میڈم کے مزاج میں یہ تبدیلی کیوں آ گئی ہے؟ حالانکہ پہلے تو ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا کبھی شاذ و نادر ہی موڈ درست ہوتا تھا' اکثر کبھی کبھی خوشگوار موڈ میں نظر آتی تھی لیکن پھر ایسی کایا پلٹ ہوتی کہ سارے ملازم بری طرح پریشان ہو جاتے۔ اصل میں وہ جس طرح ملازموں کو نوازتی تھی وہ بھی ایک اہمیت کی بات تھی کیونکہ کہیں اور اس طرح نوازشیں نہیں ہوتیں چنانچہ اگر چار باتیں سن لی جائیں تو کوئی حرج نہیں تھا' لیکن اب ایک طویل عرصے سے وہ خوشگوار کیفیت کی حامل نظر آ رہی تھی۔

بیگ صاحب کے ساتھ بھی اچھا رویہ ہوتا تھا اور وہ بے چارے اس کے عتاب سے بچے رہتے تھے لیکن ان کا مزاج ہی مختلف تھا۔ بس جو دل میں سمائی وہ کر ڈالا۔ کھانے پینے کے بے حد شوقین تھے حالانکہ اپاہج ہونے کی وجہ سے وزن بے حد بڑھ گیا تھا لیکن یہ بہت پہلے کی باتیں تھیں اب تو وہ کچھ عجیب سی فطرت اختیار کر چکے تھے۔

آج صبح بھی جب وہ جاگی تو ملازموں نے آج کے دن کے کاموں کا تعین کیا۔ چھٹی کا دن ویسے بھی اس کوٹھی میں بہت خطرناک ہوتا تھا کیونکہ وہ سارا دن کوٹھی میں رہتی تھی اور باقی سب کچھ موڈ پر منحصر نہ جانے کس وقت بگڑ جائے لیکن پچھلے چند دنوں کی مانند آج بھی اس نے خوشگوار موڈ کا مظاہرہ کیا۔ پتا نہیں بیگ صاحب پر نظر عنایت ہو گئی تھی۔ ناشتہ ان کے ساتھ ہی کیا اور پھر سارا دن ہی بیگ صاحب کے ساتھ لگی رہی۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ چھٹی کا دن ہونے کے ساتھ ساتھ آسمان بھی بادلوں سے ڈھک گیا تھا جس کی وجہ سے ماحول بھی بے حد خوشگوار تھا۔

وہ لان پر نکل آئی' بیگ صاحب بھی ساتھ تھے۔ وہیل چیئر وہ خود ہی دھکیل رہی تھی کہ بیگ صاحب سے پھولوں کی کیاریوں کے بارے میں مشورے ہوتے رہے۔ کچھ نئے پودوں کی بات ہوئی اور بیگ صاحب کی فرمائش پر اس نے وہ پودے وہاں لگوانے کا حکم بھی دے دیا۔

پھر اس وقت غالباً دن کے تین ساڑھے تین بجے تھے جب گیٹ پر ایک کار نظر آئی کوئی صاحب کار سے اتر کر چوکیدار سے باتیں کرنے لگے تھے۔ چوکیدار نے کار کے لئے گیٹ تو نہیں کھولا' لیکن ذیلی دروازے سے وہ صاحب اندر آ گئے۔ شربتی رنگ کے خوبصورت بش

کوٹ اور میچنگ پینٹ میں ملبوس تھے حالانکہ عمر اچھی خاصی تھی لیکن اسمارٹ نظر آ رہے تھے۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی اور پھر اچانک اس کے ہونٹ سکڑ گئے انعام احمد صاحب کو اس نے پہچان لیا تھا۔ ہاتھوں میں خوبصورت پھولوں کا گلدستہ لئے ہوئے تھے اور سارے دانت نکالے اس کی جانب آ رہے تھے۔ اس نے ایک ملازم کو اشارہ کیا اور ملازم قریب پہنچ گیا۔

"ابو کو اندر لے جاؤ۔"

"ہاں میں خود بھی کافی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔" بیگ صاحب نے کہا اور ملازم بیگ صاحب کی وہیل چیئر دھکیلتا ہوا اندر لے گیا۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر انعام احمد صاحب کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑے فاصلے پر لان چیئرز پڑی ہوئی تھیں' لیکن وہ اپنی جگہ ہی کھڑی رہی۔ انعام احمد صاحب پھول لئے اس کے پاس پہنچ گئے۔

"آداب عرض کرتا ہوں۔"

"فرمایئے' انعام احمد صاحب! کیسے زحمت فرمائی آپ نے؟"

"ارے بھائی کم از کم سلام دعا تو کر لیجئے۔ در دولت پر نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں۔"

"جی۔"

"یہ پھول گر قبول افتد زہے عز و شرف۔" انعام احمد صاحب نے پھول آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں میری کوٹھی کے لان ہر طرح کے پھولوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے باہر سے لائے ہوئے پھولوں کی میری نگاہ میں کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟"

"لیکن اگر تحفے میں کوئی چیز دی جائے تو اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اصل حیثیت دینے والے کے دل کی ہوتی ہے کہ اس نے کس خلوص اور کس نیت سے آپ کو کوئی حقیر سا تحفہ پیش کیا ہے۔"

"معذرت چاہتی ہوں۔ کچھ اصول بنائے ہوئے ہیں میں نے۔ ان میں کبھی کوئی لچک پیدا نہیں ہوتی۔"

"گگ... گویا' کسی کی دی ہوئی کوئی چیز قبول کرنا آپ کے اصولوں کے خلاف ہے۔"

"تقریباً۔"

"خیر' کیا عرض کر سکتا ہوں بہرحال میں نے سوچا کہ نیاز حاصل کر لوں۔"

"ہر سوچ کے پیچھے کوئی خیال ہوتا ہے انعام احمد صاحب' میں آپ کی تشریف آوری پر حیران ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ بظاہر میرا آپ سے نہ کوئی کاروباری ربط ہے اور نہ کوئی ایسا اور سلسلہ جس کی بنا پر آپ مجھ سے ملاقات کرنے آئیں۔ میرے اور آپ کے شعبے تو بالکل مختلف ہیں۔"

"اسی کوشش میں تو مصروف ہوں آج کل۔ میری پیشکش تو آپ نے قبول نہیں کی ورنہ میرا اور آپ کا شعبہ ایک ہی ہو جاتا۔ تاہم شناسائی کے لئے کوئی بہت ہی اہم بات ضروری تو نہیں ہوتی۔ میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ [illegible] خواہش مند ہوں۔"

"اور میں آپ سے معذرت کر چکی ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کا جو محور بنایا ہے اس میں زیادہ دوستیوں اور شناسائیوں کی گنجائش نہیں ہے۔"

"دیکھئے انسان ہر حال میں انسان ہوتا ہے۔ کمزور فطرت کا مالک' ضرورتوں کا پابند' اسے اپنے اندر لچک رکھنی چاہئے اصل میں میڈم میں آپ سے عرض کروں تھوڑی سی تفصیل بتانا چاہتا ہوں آپ کو اپنے بارے میں۔"

"کمال ہے' کیا آپ کے بارے میں وہ تفصیل سن کر مجھے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟"

"ہاں امکانات ہیں اس بات کے۔"

"فرمایئے۔" وہ بیزاری کے انداز میں بولی۔

"کھڑے کھڑے کیا فرماؤں' ساری سوچیں تو تھکن کی نذر ہو جائیں گی۔ میں بہت زیادہ کھڑے رہنے کا عادی نہیں ہوں اگر اجازت ہو تو؟"

"تشریف لایئے۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

عجیب ڈھیٹ آدمی تھا کہیں سے ہار ہی نہیں مان رہا تھا' بہرحال لان چیئرز پر پہنچ کر اس نے انعام احمد صاحب کو ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ انعام احمد صاحب نے پھول درمیان میں پڑی ہوئی میز پر رکھے اور بیٹھ گئے۔

"ہاں۔ تو میں کیا عرض کر رہا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"اوہو ہاں' شاید کچھ فائدے اور نقصان والی بات تھی۔"

"جی جی۔"

"تو اپنے بارے میں بتا رہا تھا آپ کو۔ دیکھئے محترمہ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کوئی بیوقوف یا احمق قسم کا آدمی ہوں تو میں آپ کے خیال کی تردید نہیں کروں گا' البتہ آپ سے چند الفاظ ضرور کہوں گا۔ وہ یہ کہ جو شخص ایک وسیع کاروبار کو بہتر انداز میں چلا رہا ہو وہ کم از کم احمق نہیں ہو سکتا۔ اسے دنیاداری بھی آتی ہے اور اس کی شناسائیاں بھی ہوتی

لیکن بعض اوقات وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ انسان اپنے ہی کسی خیال کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہرحال مختصراً آپ کو اپنے بارے میں بتانے کا خواہش مند ہوں اگر اجازت ہو تو۔"

"جی جی فرمایئے۔" اس نے کہا۔ چہرے پر اب تلخی سی ابھرتی آ رہی تھی' لیکن انعام احمد صاحب اس تلخی کو نظرانداز کر کے بولے۔

"اصل میں یہ سب کچھ جو میں نے کاروباری طور پر بنایا ہے میری جو حیثیت آپ کو نظر آتی ہے یہ ورثے میں نہیں ملی۔ والدین بے شک یہی کاروبار کرتے تھے' لیکن نہایت محدود پیمانے پر' میں نے اس کاروبار کو فروغ دینے کے لئے یوں سمجھ لیجئے اپنا تن من دھن سب کچھ صرف کر دیا تھا۔ جانوروں کی طرح محنت کی ہے میں نے اس کے بعد یہ مقام حاصل کیا ہے تو زندگی کا وہ دور جو کہ امنگوں کا دور ہوتا ہے اور جس میں دل کی طلب پوری کی جاتی ہے اپنے کاروبار کو وسعت دینے میں خرچ ہو گیا۔ ایک خاص ڈگر بن گئی تھی زندگی کی اور اس میں کچھ اور سوچنے کی گنجائش ہی نہ نکلی تھی۔ والدین کو اچانک خیال آیا کہ شادی کر دی جائے۔ میرے پاس تو اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان تمام جھگڑوں میں پڑوں' لیکن ان کی آرزوؤں کی تکمیل بھی میرا فرض تھی۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ لوگوں کا جو دل چاہے کریں۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ شادی کے اصل مسائل کیا ہوتے ہیں۔ ایک محترمہ میری زندگی میں آ گئیں۔ میں نے کچھ بھی نہ سوچا ان کے بارے میں سوائے اس کے کہ وہ بیوی ہیں۔ ہاں جب اپنی ڈھلان عبور کر کے اوپر پہنچا اور صاف اور سیدھے راستے نظر آئے تو چونک کر اپنے اطراف میں دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دنیا کی جن رعنائیوں کو میں نے نظرانداز کر دیا ہے۔ وہی تو حاصل زندگی ہیں اور اگر زندگی میں کوئی مقام حاصل ہو جائے تو اس کے بعد انسان کو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ مجھے ایک دم ہی احساس ہوا کہ جن خاتون سے مجھے منسلک کر دیا گیا ہے ان سے ایک روایتی سا رشتہ تو بے شک قائم ہو گیا ہے لیکن دل کے دروازے نہیں کھلے۔ نہ میرے اور شاید نہ ان کے۔ مزاج میں بڑی غیر ہم آہنگی تھی۔ ان کا انداز فکر کچھ اور میرا کچھ اور' لیکن پھر بے بسی کو اپنا لیا اور یہ سوچا کہ وہ جو کہتے ہیں کہ تقدیر بعض اوقات سب کچھ دینے کے بعد بھی کچھ نہیں دیتی یہ خاتون جیسی بھی ہیں بہرطور میری بیوی ہیں۔ اتفاق کی بات یہ کہ اولاد سے بھی محروم رہا ورنہ مزاج میں تبدیلی ہو جاتی لیکن نہ ہو سکی اور پھر مزید یہ ہوا کہ خاتون دائمی مفارقت دے گئیں اور میں تنہا رہ گیا۔ میں نے اس تنہائی کو بہت غنیمت سمجھا اور یہ سوچا کہ چلو جو زبردستی میرے ساتھ ہو گئی تھی اس کا خاتمہ اس انداز میں ہو گیا اب زندگی کو دوسری ہی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ کسی کو اپنی ذات پر مسلط کرنا ضروری تو نہیں ہے اور اس طرح زندگی کے پرسکون لمحات گزارنے لگا' لیکن محترمہ اس دن آپ سے ملاقات ہوئی اور اچانک ہی عمر کے پندرہ سال گم ہو گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں پندرہ سال پہلے کا انعام احمد ہوں اور

آپ اس وقت کی وہ خاتون جن کا میں طلب گار ہو سکتا تھا۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ا
تمام احساسات نے دل و دماغ پر ایسا برا اثر ڈالا ہے کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔ راتوں
آپ کے خواب دیکھتا ہوں۔ دن کو آپ کے تصور کے ساتھ جیتا ہوں۔ یہی شدت ہے جو
مجھے آپ تک بار بار لے آتی ہے اور آج بھی مجبور ہو کر یہاں پہنچا ہوں۔"

اس کے چہرے پر ایک عجیب سی تمتماہٹ پیدا ہو گئی۔ اس نے سخت نگاہوں سے انعام احمد کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"انعام احمد صاحب! میرے حالات آپ کو معلوم ہیں؟"

"اس حد تک کہ آپ نے شادی نہیں کی اور گارمنٹ سٹی کو آپ اپنا سب کچھ سمجھتی ہیں۔"

"جی ہاں' اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے اپنا کوئی حلقہ احباب نہیں بنایا ایک محدود زندگی گزارنے کی عادی ہوں۔"

"جی ہاں مجھے یہ بات معلوم ہے۔"

"ملنے جلنے والوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ اپنے کام سے کام رکھتی ہوں اور زندگی میں کسی تبدیلی کی خواہش مند نہیں ہوں۔"

"بے شک' بے شک۔"

"ان حالات میں ایسے لوگوں سے ملاقات جن سے میرا کوئی کاروباری واسطہ بھی نہ ہو۔ میرے لئے نہایت تکلیف دہ امر ہے۔"

"اس کی پیش کش بھی تو کر دی تھی میں نے' چلئے آپ مجھے اپنے کاروبار میں شریک نہ کیجئے گا' لیکن کچھ ذمہ داریاں ہی میرے سپرد کر دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے لئے کسی بھی فائدے کا مطالبہ نہیں کروں گا۔"

"لیکن کیوں' آخر کیوں؟"

"آپ بات اس نہج پر لے آتی ہیں کہ زبان کھولنا مجبوری بن گیا ہے۔ آپ کو اپنے کوائف بتا چکا ہوں اب زندگی کی اس تنہائی کو کسی ایسے ساتھی کے ساتھ بسر کرنا چاہتا ہوں جو میرے مزاج پر پورا اترتا ہو۔ ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے؟"

"کیجئے' کیا کیا جائے مجبوری ہے۔ دنیا کی بنائی ہوئی رسمیں پوری کرنی پڑتی ہیں۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"یہ میں آپ کو بتانا پسند نہیں کرتی۔"

"کیوں؟"

"کیا اس کیوں کی گنجائش ہے۔ ایک بات میں آپ کو نہیں بتانا چاہتی۔ نہیں بتا رہی اس

میں کیوں کی کیا گنجائش ہے۔"

"ایں ہاں۔ یہ بات تو آپ نے بالکل درست کہی لیکن آپ اب شادی کر لیجئے گا۔"

"انعام احمد صاحب!"

"جی جی حاضر۔"

"آپ براہ کرم مجھے اجازت دیجئے گا۔ اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکوں گی آپ کو۔"

"ارے نہیں' وہ دراصل ابھی تو بات کا آغاز بھی نہیں ہوا۔"

"بہتر ہے کہ یہ آغاز نہ ہو تاکہ ہمارے آپ کے درمیان دشمنی نہ پیدا ہو جائے۔"

"دشمنی؟"

"جی ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"میں آپ کو کچھ نہیں سمجھانا چاہتی۔ آپ اس بات کو محسوس نہیں کر رہے کہ یہ آپ کی کتنی غیر اخلاقی حرکت ہے کہ آپ کسی کے گھر میں بغیر کسی اپائنٹ منٹ کے تشریف لے آئے ہیں اور اس کے بعد اس کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"وقت ضائع کر رہا ہوں۔" انعام احمد صاحب عجیب سے لہجے میں بولے اور پھر ایک گہری سانس لے کر خود ہی مسکرائے۔

"اوہ سمجھ گیا؟"

"کیا سمجھ گئے آپ؟"

"یہی کہ.... یہی کہ' وہ جو کہتے ہیں نا تجاہل عارفانہ جی ہاں جی ہاں یقیناً' لیکن میں وہ تمام مراحل طے کرنے کے لئے تیار ہوں جو نوجوانی کی عمر کے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ جو کوہ کنی اور جوئے شیر والی بات ہے۔ بھئی سچ کہہ رہا ہوں آپ سے نوجوانی کی ایک عمر تو عشق و محبت کے جذبوں کو ابھارتی ہے اور ان میں دیوانگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر عمر پختہ ہو جائے اور پھر یہ تصور دل میں گھر کر لے تو بات کافی دلکش ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے میڈم کہ آپ کی چاہت کو دل میں بسانے کے بعد میری تنہائیوں میں ایک عجیب سی لذت پیدا ہو گئی ہے۔"

"خدا حافظ' آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

"سنئے سنئے۔ وہ دراصل کاروباری دنیا میں بھی' میں نے اس اس طرح کامیابی حاصل کی ہے اگر کسی چیز کا ایک سرا پکڑ لیا جائے تو آخری حد تک اس کے دوسرے سرے کو تلاش کرنا میری فطرت ہے' پھر حاضری دوں گا۔ ظاہر ہے ابھی تو آپ اپنے کسی نظریئے کے تحت بات کر رہی ہیں لیکن جب آپ کو تنہائی نصیب ہو گی تو آپ میرے بارے میں سوچیں گی

اور ہو سکتا ہے دل کا کوئی گوشہ نرم ہو جائے۔"

غالباً میڈم نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی تھی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئی۔

انعام احمد صاحب چند لمحات وہیں کھڑے رہے اور پھر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

□

عکسہ نے مسکراتی نگاہوں سے دونیا کو دیکھا اور دونیا اسے گھورنے لگی۔

"خیریت؟ پھر ذہن میں کوئی شرارت کلبلائی ہے؟"

"نہیں یار' اصل میں کچھ سوچ رہی ہوں۔"

"یقیناً کوئی شیطانی بات ہو گی۔"

"یار دونیا' ایسی بھی کیا ناسپاسی' میں ہمیشہ تمہارے لئے اچھی باتیں سوچتی ہوں اور تم ہمیشہ میری طرف سے شک و شبہے کا شکار رہتی ہو۔"

"اس وقت کیا سوچ رہی ہیں محترمہ یہ فرمایئے۔"

"تمہاری بہتری کے لئے ہی فکر مند رہتی ہوں۔ اب دیکھ لو زمانہ کیسا نازک ہے لڑکیوں کو بر کہاں ملتے ہیں۔ ویسے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے ہم اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں لڑکیوں کے لئے لڑکوں کی کمی نہیں ہوتی لیکن کوئی ڈھنگ کا لڑکا ملے تو سہی۔ وہ جن کا تعلق کھاتے پیتے گھرانوں سے ہوتا ہے اتنے بگڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ زندگی بعد میں عذاب بن جاتی ہے۔ وہ اپنی دولت کے زعم میں ہوتے ہیں اپنی امارت انہیں اپنی نگاہوں میں حسین تر بنا دیتی ہے اور وہ اس تصور کا شکار رہتے ہیں کہ لڑکیاں ان پر دھڑا دھڑ مریں گی۔ بیوی بے شک گھر کا ایک حصہ ہوتی ہے' لیکن ان کی باہر کی دنیا گھر سے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ ایسے عالم میں اگر کوئی ایسی شخصیت مل جائے جو ہر لحاظ سے باعث اطمینان ہو تو یوں سمجھ لو کہ زندگی کا لطف ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو میں نے تمہارے لئے کتنا اچھا لڑکا تلاش کیا ہے۔ یہ کام قبلہ والد صاحب یا والدہ صاحبہ کر سکتی تھیں کہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں' یہ دونوں عہدے میرے لئے تم نے ہی سنبھال رکھے ہیں۔ ویسے ایک بات کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی عکسہ۔ میرے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ تیرے ذہن میں اتنی گہرائی ہو گی۔ خدا کی قسم میں اتنے گہرے انداز میں نہیں سوچتی۔"

"یار جب بڑی بہن کی ذمہ داریاں سر پر آ پڑیں تو انسان دنیا کے بارے میں جاننے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے۔" عکسہ نے اس طرح کہا کہ دونیا ہنس پڑی۔

"سمجھتی ہوں کہ بڑی بہن کی ذمہ داریاں کیوں تیرے سر پر آ پڑی ہیں؟"

"جی جی' جو سمجھی ہیں وہ ذرا ہمیں بھی سمجھا دیجئے گا۔"

"جانتی ہے کہ یہ کانٹا درمیان سے نکلے تو اپنی باری آئے۔" دونیا نے کہا اور عکسہ

گھورنے لگی۔

"تو یہ صلہ ہے ہماری محبت کا' یعنی اس انداز میں سوچا جا رہا ہے یعنی ہم خود غرض ہیں۔"

"ارے نہیں میری جان۔ تو تو بس کیا کہوں آفت ہے' قیامت ہے۔" دونیا نے کہا اور ہنس پڑی۔

"نہیں جناب' یہ بات غلط نظر آ رہی ہے مجھے۔ احتجاج کرتی ہوں اس کے لئے۔"

"ویسے یہ سجاد صاحب بڑے ریزرو آدمی ہیں حالانکہ ہم نے کتنی بار ان سے اپنائیت اور یگانگت کا اظہار کیا ہے۔ بات اس حد تک آگے بڑھا دی ہم نے لیکن وہ حضرت خود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ابھی تک اپنے خول میں بند ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"بھئی انہیں خود بھی تو ہم سے رجوع کرنا چاہئے اور کچھ نہیں تو کم از کم ٹیلی فون ہی کر لیں۔"

"اب پھر کہوں گی کہ حد سے زیادہ تجربہ جھاڑ رہی ہوں۔ ایک نمایاں فرق ہے ان میں اور ہم میں وہ یہ جرات یوں نہیں کر پاتے کہ ہم ان کی سطح سے بلند ہیں۔ اب ذرا ہم میں شامل ہو جائیں تو پھر دیکھنا۔ میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ آدمی بیوقوف نہیں ہے لیکن تم خود سوچو مالک اور ملازم کا رشتہ ہے۔ اتنا زیادہ آگے کیسے بڑھ سکتے ہیں سجاد بھائی؟"

"ہاں یہ بات بھی ہے۔"

"مگر تم عجب احمق لڑکی ہو۔ کب تک انگلی پکڑ کر چلتی رہو گی میری' اور پھر یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ جس دن دونوں یکجا ہو گئے۔ عکسہ سے بس سلام دعا ہی رہ جائے گی۔ خیریت پوچھی جایا کرے گی اس کی اور عکسہ سناؤ سب خیریت ہے او کے' او کے۔ خدا حافظ۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا جناب اچھی طرح جانتی ہوں۔"

دونیا ہنستی رہی۔ عکسہ نے کہا۔ "ان فاصلوں کو مزید کم کرنے کے لئے ملاقاتیں کرو تمہیں آزادی ہے اور اب تو ڈیڈی کی طرف سے بھی کوئی پابندی نظر نہیں آتی خاصے نرم ہیں سجاد کے اور تمہارے سلسلے میں۔"

"تو پھر کیا کروں بھئی؟"

"ملنے کو دل چاہتا ہے؟" عکسہ نے رازداری سے پوچھا اور دونیا ہنس پڑی۔

"گھونسہ دوں گی پیٹھ پر۔"

"یہ جواب ہے۔"

"کیوں شرارت کر رہی ہے بھئی۔"

"سوال کا جواب دیجئے۔" عکسہ نے تیکھے انداز میں کہا۔

"ہاں، ہاں، ہاں۔"

"تو پھر نکل جاؤ کل گاڑی لے کر۔ آفس سے نکلیں حضرت تو چھاپہ مار دو۔ کہیں لے جاؤ ہوٹل وغیرہ میں۔ کھلاؤ پلاؤ، بٹھاؤ باتیں کرو اور پوچھو کہ مستقبل کا کیا فیصلہ کیا ہے۔ انٹرویو وغیرہ تو ہو چکے ہیں۔ باقی اور کوئی اہم مسئلہ بھی نہیں رہ گیا ہے اب کم از کم ان کا پروگرام تو پتا چلنا چاہئے۔"

"میں اکیلی؟"

"جی ہاں، حجلہ عروسی میں بھی مجھے ساتھ لے جایا جائے گا۔" عکسہ نے اس طرح کہا۔ دونیا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ بہت دیر تک ہنستی رہی پھر اس نے کہا۔

"یار سیریس ہو جاؤ۔ بتاؤ میں کیا کروں؟"

"وہی جو میں نے کہا ہے۔ بڑی سیدھی سی بات ہے۔ منع تو نہیں کیا حضرت نے کسی پروگرام میں شامل ہونے کے لئے۔ کھل کر بات کر لو میرا خیال ہے کا[illegible]۔"

"ہمت نہیں پڑتی عکسہ۔"

"میں ڈائیلاگ لکھ کر دیتی ہوں۔ ریہرسل کرو۔" عکسہ بولی اور دونیا ہنسنے لگی پھر بولی۔

"جی نہیں اب اتنے ڈائیلاگ مجھے بھی آتے ہیں آپ جو ڈائیلاگ لکھ کر دیں گی وہ مجھے یاد نہیں ہوں گے۔ کاغذ ساتھ لے کر جانا پڑے گا اور پڑھ پڑھ کر بات کرنی پڑے گی۔"

"گویا تیار ہیں محترمہ۔"

"دیکھو بس کیے دیتی ہوں ہاں۔" دونیا نے کہا اور عکسہ نے ایک قہقہہ لگایا۔

دوسرے دن دونیا تیار ہو گئی۔ آفس سے چھٹی کے وقت آفس سے تھوڑے فاصلے پر وہ اس جگہ اپنی گاڑی لے کر پہنچ گئی۔ جہاں سے سجاد واپسی کے لئے بس وغیرہ لیتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اسے سجاد نظر آیا حالانکہ آفس کے دوسرے لوگ بھی آفس سے نکل رہے تھے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ سجاد پیدل چل رہا تھا کہ اس نے اپنی گاڑی اس کے قریب روک دی۔

"آیئے۔" اس نے سائیڈ کا لاک کھولتے ہوئے کہا۔ سجاد ایک لمحے کے لئے جھجکا اور پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ دونیا نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ سجاد نے کہا۔

"اچانک اس طرف کیسے آ نکلیں مس دونیا؟"

"بس ادھر سے گزر رہی تھی آپ کو دیکھا تو تیزی سے آگے آ گئی، لیکن نہ سلام نہ دعا۔"

"بدحواس ہو گیا ہوں۔" سجاد نے جواب دیا۔

"تو پھر حواس قائم کیجئے۔"

"آداب پیش کرتا ہوں۔"

"جی نہیں سلام کیجئے گا۔" دونیا مسکرا کر بولی اور سجاد نے ہنس کر اسے سلام کیا۔

"بہت عرصے تک جیتے رہیئے، زندگی کی تمام خوشیوں امنگوں اور آرزوؤں کی تکمیل کے ساتھ۔" دونیا نے کہا او سجاد مسکرانے لگا۔

"بڑی اچھی دعا دی ہے آپ نے۔ اس کے جواب میں آپ کو کیا دے سکتا ہوں؟" دونیا سامنے سے نگاہیں ہٹا کر سجاد کو دیکھا اور بولی۔ "فرمائش کر کے ہم کسی سے کچھ نہیں لیتے۔"

"تو پھر سوچنا پڑے گا کہ جو دعا آپ نے مجھے دی ہے اس کا نعم البدل کیا ہو سکتا ہے؟"

"سوچو۔" دونیا نے کہا اور کار ڈرائیو کرتی رہی پھر ایک انتہائی خوبصورت ریستوران کے سامنے اس نے گاڑی روک دی۔ سجاد مضمحل سے لہجے میں بولا۔

"میرا حلیہ یہاں کے قابل نہیں ہے؟"

"اپنے آپ کو احساس کمتری میں مبتلا کرنا یا اس کا اظہار کرنا بعض لوگوں کی ہابی ہوتی ہے، حالانکہ آپ خود بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ جب ہم ہوٹل میں داخل ہوں گے تو کوئی آپ کو تنقیدی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ ہر ایک کے اپنے اپنے مشاغل ہیں۔ ہر شخص اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ یہ صرف لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ کوئی ان کے لباس اور حلیئے کی جانب توجہ دے گا اور پھر آپ کا حلیہ میرے حساب سے بالکل درست ہے۔ خوب صورت لباس پہنے ہوئے ہیں آپ، چہرہ بھی بالکل ٹھیک ہے، شیو وغیرہ ماشاء اللہ آپ باقاعدگی سے کرتے ہیں، بال آپ کے اس انداز کے ہیں کہ اول تو اپنی جگہ جمے رہتے ہیں اور اگر منتشر ہو جائیں تو اور خوبصورت لگتے ہیں۔ آیئے۔"

سجاد مسکراتا ہوا اس کے ساتھ اندر پہنچ گیا۔ لابی میں چیئرز پڑی ہوئی تھیں۔ دونوں لابی میں جا بیٹھے۔

"تھکن دور کرنے کے لئے اس وقت کافی مناسب رہے گی۔ ہلکی ہلکی بھوک بھی لگ رہی ہو گی، کیونکہ بہرطور آفس کا لنچ اتنا اچھا نہیں ہوتا کہ انسان مطمئن ہو جائے۔" دونیا نے کہا اور ویٹر کو چٹکی بجا کر اشارہ کر دیا۔ سجاد مسکراتا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"میری یہ اجارہ داری آپ کو ناگوار تو نہیں گزری؟"

"جی نہیں بہت اچھی لگ رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"شاید انسان کی فطرت کا ایک پہلو ہمیشہ کسی کی برتری قبول کرنے کا خواہاں ر[illegible] ہے۔"

"بڑی الجھی ہوئی بات کہہ دی آپ نے؟"

"نہیں' بالکل سلجھی ہوئی بات ہے۔ اپنے لئے ہر شخص کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے لیکن
اس کے لئے کوئی اور کچھ کرے تو یقیناً اسے بہت اچھا لگتا ہے۔ چاہے وہ کیا ہوا کچھ
ہو۔"
"گڈی ہی ملکہ کہہ رہی تھی۔"
"کیا؟"
"یہی کہ آپ بدھو نہیں ہیں بلکہ بہت تیز آدمی ہیں - خوب اچھا بولنا جانتے ہیں مگر
خاموش رہتے ہیں۔"
"میری اس خاموشی کی وجہ پر کبھی غور کیا ہے آپ نے؟"
"نہیں' کوئی خاص نہیں۔"
"تو پھر میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ رعب حسن بھی مانع ہے اور عنایتوں کا یہ انداز بھی
حیران کر دیتا ہے۔"
"بس یہیں سے مجھے غصہ آنا شروع ہو جاتا ہے۔"
"ارے ارے معافی چاہتا ہوں۔ غصہ کیوں آنا شروع ہو جاتا ہے؟"
"جب میں نے آپ کو اپنے برابر کا درجہ دیا ہے۔ آپ کو اپنے لئے منتخب کر لیا ہے تو
پھر' تو پھر۔" دونیا یہ جملہ کہہ کر خود ہی ایک دم خاموش ہو گئی۔ بہت بڑی بات کہہ گئی تھی۔
اس نے اس کے اثرات سجاد کے چہرے پر دیکھے سجاد اسے دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر بولا۔
"آج پلکیں نہیں جھپکاؤں گا مس دونیا۔ آپ نے جو الفاظ کہے ہیں ان پر تبصرہ کروں
گا۔"
"تو پھر کیجئے۔" دونیا نے بھی ترکی بہ ترکی کہا اور مسکرانے لگی۔ سجاد نے آہستہ سے
کہا۔
"ابھی آپ نے ایک جملہ کہا ہے۔"
"کون سا؟"
"یہی کہ آپ نے مجھے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے؟"
دونیا نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "آپ کو اس میں شک ہے؟"
"مس دونیا آخری بار بس آخری بار اور عرض کر رہا ہوں اس کے بعد اس موضوع کو
خارج کر دوں گا۔ مجھے اس کے لئے معاف فرما دیجئے گا۔"
"جی جی' کہیں کہیں۔"
"میرا ماحول آپ کو معلوم ہے۔ میری حیثیت میری شخصیت آپ سے چھپی نہیں
ہے۔ آپ لوگوں کا رویہ میرے ساتھ جس قدر اچھا ہے۔ میں بعض اوقات اس کے لئے
پریشان ہو جاتا ہوں۔ مجھے یہ بتائیے مس دونیا کہ یہ بیل منڈھے کیسے چڑھے گی؟"

"آپ کو اس کے لئے محنت کرنا ہو گی۔ میں تو اپنی جانب سے جو کچھ کر سکتی ہوں۔
تک کی مدد سے کر سکتی ہوں۔ میرے ڈیڈی بھی آپ کو پسند کرتے ہیں۔ اچھا انسان سمجھتے
ہیں سجاد صاحب بس ایک چھوٹی سی بچ ہے جس کے لئے آپ کو جرات مندی سے قدم اٹھانا
ہو گا۔"
"بتانا پسند کریں گی آپ؟"
"جی ہاں کیوں نہیں۔ ظاہر ہے جب اس موضوع پر آخری بار گفتگو ہو رہی ہے تو میں
آپ کو ضرور بتاؤں گی جو کچھ میرے دل میں ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے یوں سمجھ
لیجئے کہ دوسرے لوگوں کے دل میں بھی وہی سب کچھ ہو گا۔ میرا مطلب ہے میرے اہل
خاندان کے دل میں۔"
"جی جی فرمایئے۔"
"سب سے پہلے کافی پیجئے۔ میرا خیال ہے اس سے آپ کو میری باتیں سننے میں تقویت
حاصل ہو گی۔" دونیا نے کہا چونکہ وہ ویٹر کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ ویٹر نے
اسنیکس اور کافی کے برتن سجا دیئے۔ دونیا کافی کے برتن اپنے سامنے رکھ کر کافی بنانے لگی۔
سجاد گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنی دلکش کتنی حسین ہے یہ' کیا اس کے ساتھ تمام
زندگی کا تصور کیا جا سکتا ہے اگر یہ اپنی زندگی میں شامل ہو جائے تو۔ تو بس کیا کہا جائے۔
سوائے اس کے تقدیر یاوری کر رہی ہے۔ کوئی ایسی بات ضرور ہوئی ہے زندگی میں جس کے
نتیجے میں یہ سب کچھ مل رہا ہے۔
دونیا نے کافی کی پیالی اس کے سامنے رکھی اور بولی۔
"جی۔ کافی لیجئے۔"
"جی شکریہ۔"
"یہ اسنیکس۔"
"جی' جی' جی۔" سجاد نے اسنیکس کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر
دونیا نے کہا۔
"اصل میں وہ جو آپ بار بار ایک بات کہتے رہتے ہیں اسٹیٹس کا فرق' طرز زندگی کا
فرق' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرق ہے' لیکن سجاد صاحب یہ فرق اس شکل میں دور ہو
سکتا ہے کہ آپ جرات مندی سے کام لیں۔ دیکھئے ہر انسان کا ایک گھر ہوتا ہے۔ اہل
خاندان ہوتے ہیں' ان سے رشتے توڑ نہیں لئے جاتے لیکن اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے
لئے تھوڑے سے فاصلے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ جب ہم
زندگی میں آگے قدم بڑھائیں تو آپ صرف میرے ساتھ رہیں۔ صرف مجھے اپنائیں باقی جو
لوگ آپ کی زندگی میں شامل ہیں۔ ان سے آپ کو تھوڑا سا فاصلہ اختیار کرنا پڑے گا لیکن

اتنا کہ بالکل ہی قطع تعلق نہ ہو جائیں۔ آپ ان کی آسائش و آرام کے لئے جو دل چاہے کر سکتے ہیں۔ ان سے مل سکتے ہیں' ان کے ساتھ وقت گزار سکتے ہیں لیکن بس۔ اس کے بعد آپ صرف ہمارے ہوں گے کیا سمجھے آپ؟"

سجاد اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ ذہن ایک بار پھر گھر کی جانب لوٹ گیا۔ سخاوت بیگ' فیروزہ بیگم' تابندہ' رخشندہ وغیرہ یہ سب زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب اس کے اپنے ہیں' لیکن گھر کا بوجھل ماحول ہر وقت زندگی کی مشکلات کا رونا' ہر بات پر [illegible] بدتمیزی' بلاشبہ اگر دونیا جیسی نفیس طبیعت کی مالک لڑکی کو اس گھر میں جانا پڑ جائے تو وہ ایک لمحہ نہ جی سکے گی ایک حقیقت پسندانہ نگاہ اس نے اپنے ماحول پر ڈالی۔ جواد ہمیشہ طنزیہ گفتگو کرے گا۔ سخاوت بیگ صاحب کا نکتہ نظر جو ہو گا وہ کسی بھی طور دونیا کے لئے مناسب نہیں۔ وہ گھر میں اپنی حکمرانی کے قائل تھے۔ جو فیصلہ ان کا ہوتا وہ سب کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ یہاں جاؤ' وہاں نہ جاؤ' اس وقت جاؤ' اس وقت واپس آ جاؤ' یہ لباس پہنو' یہ نہ پہنو' یہ کھاؤ' وہ نہ کھاؤ' یہ تو ایک طرح کی قید ہے۔ ایک شخص نے پورے گھر پر آمریت مسلط کر رکھی ہے۔ ٹھیک ہے وہ میرے والد ہیں لیکن میرے والد ہیں دونیا کے نہیں۔ دونیا نے جس ماحول میں زندگی گزاری ہے وہ ایک الگ ماحول ہے کتنی نفاست کے ساتھ سیٹھ ادریس نے اس سے گفتگو کی تھی۔ کتنے آرام کے ساتھ وہ اپنی گاڑی لے کر نکل آئی تھی اور اب میرے ساتھ اس ہوٹل میں بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ آزاد ماحول کی آزاد زندگی ہے۔ وہ تو لڑکی ہے' سخاوت بیگ صاحب نے تو لڑکوں پر بھی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ چھپ چھپ کر جینا پڑے گا۔ نہیں یہ مناسب نہیں ہے۔ دو ہی باتیں ہیں۔ یا تو دونیا سے معذرت کر لی جائے اور کہا جائے کہ نہیں یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔ ہماری زندگی بالکل مختلف ہے' اور اس کے بعد خاموشی سے بیٹھ جایا جائے۔ سخاوت بیگ پہلے لڑکیوں کی شادیاں کریں گے وہی سب کچھ ہو گا جو ہوتا رہا ہے۔ زندگی میں اور اس کے بعد پھر لڑکوں کی باری آئے گی۔ بشرطیکہ کوئی رشتہ مل جائے۔ چونکہ بیٹیوں کے لئے رشتے تیار تو نہیں بیٹھے وہی فرسودہ باتیں ہوں گی کہ پہلے بیٹیاں اپنے اپنے گھر کی ہو جائیں۔ وہ عجیب بات ہے۔ والدین اولاد پیدا کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ان کا مستقبل کیا ہو گا' کس عمر میں کتنی اولاد ہونی چاہئے' اور کس طرح ان کے مستقبل کے بارے میں تیاریاں کی جا سکتی ہیں' چھوٹے چھوٹے بچے' چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں لادے پھرتے ہیں۔ گویا والدین کا کام صرف یہ ہے کہ اولاد پیدا کر دی جائے۔ پالنے کی ذمہ داری بہن بھائیوں کے سپرد۔

ہر شخص کو پلاننگ سے کام لینا چاہئے۔ یہ سوچنا چاہئے کہ اس کے قویٰ کب تک مضبوط رہیں گے کب تک وہ اپنی ان ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ اپنی ذمہ داریاں دوسری اولاد کے کاندھوں پر ڈال دینا کسی طور مناسب نہیں ہوتا۔ بعد میں والدین یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولاد کو پالا اور اولاد ہم سے گریز کر رہی ہے۔ اب بتایئے جوانی اور زندگی کے یہی چار دن ہوتے ہیں۔ یہ چار دن اپنی خوشیوں کو حاصل کرنے کی بجائے والدین کی پیدا کی ہوئی اولادوں کو پالنے میں صرف کر دیئے جائیں' آخر کیوں بھائی؟ اپنی اولاد کا بھی تو مسئلہ ہے۔ دنیا کی گاڑی اسی طرح چل رہی ہے۔ والدین اپنی اولاد کو پالتے ہیں اولاد اپنی اولاد کو لیکن یہ کیا فرسودہ طریقہ کار ہے کہ والدین بڑی اولاد کے لئے نئی نئی اولادیں پیدا کرتے رہتے ہیں اور ساری ذمہ داریاں بڑی اولادوں کے سر پر ڈال دیتے ہیں۔

نہیں میں اس ماحول میں نہیں جی سکتا وہ گھر اگر اتنے فاصلے پر ہو جائے کہ بس میں اس کی دیکھ بھال کر سکوں تو کوئی حرج نہیں ہے اور ظاہر ہے دونیا سے شادی کرنے کے بعد زندگی کی ڈگر بدلے گی۔ وہ سب کچھ حاصل ہو گا جو دل میں ہے' اگر یہ آسان راستہ مجھے حاصل ہو رہا ہے تو میں اپنی زندگی دوسروں کے لئے کیوں داؤ پر لگا دوں؟"

دونیا نے اسے سوچنے کا پورا پورا موقع دیا تھا اور خاموشی سے اسنیکس کھا رہی تھی۔ بہت دیر گزر گئی۔ سجاد کی کافی ختم ہو گئی۔ دونیا نے اس سے پوچھا۔

"اور کافی دوں؟"

"ایں۔" سجاد چونک پڑا' پھر معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "معاف کیجئے گا۔ میں' میں کچھ سوچنے لگا تھا۔"

"نہیں' سوچنا بہت ضروری ہے۔ میں نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے سجاد صاحب۔ آپ ضرور یہ سوچئے اور اچھی بات ہے کہ اس سوچ کا کوئی جواب بھی مجھے مل جائے۔"

"جواب ظاہر ہے مس دونیا' وہی ہو سکتا ہے جو کسی محبت کرنے والے کا جواب ہو۔ لوگ تو دنیا چھوڑ دیتے ہیں اپنی محبت کے لئے۔ میں' میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔"

دونیا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے کہا۔

"گویا' گویا آپ ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گے؟"

"جی بالکل۔" سجاد نے حتمی لہجے میں کہا۔

دونیا خوابوں میں کھو گئی تھی۔ بہت دیر تک اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکی۔

ادھر سجاد' دونیا کو اپنا فیصلہ سنانے کے بعد خود بھی سوچوں میں ڈوب گیا۔ اپنے گھر کا نقشہ اس کے ذہن میں آ رہا تھا۔ ابھی تک گھر والوں کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ کوئی دونیا کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دونیا نام کی کوئی ہستی ایسی ہے جس کا ان لوگوں سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ سجاد سوچ رہا تھا کہ ایسا کون ہو سکتا ہے جسے اس کے فیصلے سے خوشی ہو۔ باپ سب سے بڑے مخالف ہوں گے۔ ماں' باپ کی وجہ سے مجبور ہو گی اور بہنیں' یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی کہ سجاد کا بچپن سے

بہنوں سے کوئی گہرا تعلق نہیں رہا تھا۔ بس رشتے ہی نبھائے جا رہے تھے۔ اس کی وجہ بھی سخاوت بیگ ہی تھے کچھ عجیب سا مزاج پایا تھا انہوں نے۔ گھر پر آمریت قائم تھی اور بس ان کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔ درست ہو یا غلط۔ فیصلہ بس فیصلہ ہوتا ہے۔

دونیا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "سجاد صاحب۔" اس نے چونک کر دونیا کو دیکھا۔

"جی دونیا۔"

"اتنی طویل خاموشی۔"

"ہاں دونیا۔ مستقبل کے خوابوں میں کھو گیا تھا۔" سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بڑی جرات سے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"کرنا تھا مس دونیا۔ زندگی کے دو ہی رخ ہوتے ہیں۔ جو لوگ صحیح فیصلے نہیں کر پاتے وہ زخمی ہو کر جیتے ہیں۔ میں زخموں کے ساتھ نہیں جینا چاہتا۔"

"آپ کے اہل خاندان کا کیا رد عمل ہو گا اس فیصلے پر؟"

"بہتر نہیں ہو گا میں جانتا ہوں۔"

"میری ایک بات پر یقین کریں گے سجاد؟"

"ضرور۔"

"یہ سب کچھ میں نہیں چاہتی۔ میں نے ایک ماحول میں زندگی بے شک گزاری ہے لیکن میں اس ماحول سے سیراب ہو چکی ہوں مجھے اب آپ کا ساتھ سب سے زیادہ عزیز ہے لیکن بس کیا کروں۔ میرے ڈیڈی اور دوسرے لوگ مختلف مزاج رکھتے ہیں۔ وہ اپنا ماحول نہیں چھوڑنا چاہتے۔"

"میں مانتا ہو دونیا۔ یہ بھی مانتا ہوں کہ میرے گھر کے ماحول میں کوئی خوش نہ رہ سکے گا۔"

"اس کے باوجود سجاد ہم ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ ہم ان کا پورا خیال رکھیں گے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں مس دونیا۔"

"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کتنی بے باکی سے یہ ساری باتیں کر رہی ہوں۔"

"نہیں دونیا۔ میں تو اس اعتماد کے لئے شکرگزار ہوں جو آپ نے مجھ پر کیا ہے۔" سجاد نے کہا اور دونیا مسرور انداز میں مسکرانے لگی۔

❑

فراز دفتر سے واپس آیا تھا۔ شامی ابھی نہیں پہنچا تھا۔ وہ ذرا دیر سے آتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے فراز کو ٹیلی فون بھی کیا تھا کہ آج شاید وہ دیر سے گھر آئے۔ گارمنٹ سٹی میں کچھ کام ہو رہا ہے او وہ دیر تک مصروف رہے گا۔ فراز نے اس سے کہا تھا کہ وہ کھانے پر

انتظار کرے تو شامی نے کہا کہ کھانا بس گارمنٹ سٹی ہی میں کھانا پڑے۔ اس لئے آج وہ کھانا خود کھا لے اور اس کا انتظار نہ کرے۔ فراز بھی بے پرواہی سے گھر آیا تھا اور اپنے لئے کھانے کا کوئی باقاعدہ بندوبست کرنا ضروری نہیں تھا چنانچہ واپسی میں تھوڑا سا کھانا سامنے والے ہوٹل ہی پر کہہ کر آ گیا تھا۔

وہ فلیٹ کے دروازے پر پہنچا۔ ابھی تالے میں چابی گھمائی بھی نہیں تھی کہ سامنے والے دروازے سے کچھ عجیب و غریب آوازیں ابھریں پھر دروازہ کھلا اور ایک گیارہ سال کی بچی روتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اسے دھکا دے کر باہر نکالا گیا تھا اور وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس کے منہ سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

"نہیں ابو نہیں، ابو نہیں، اب نہیں۔" فراز چونک کر بچی کو دیکھنے لگا۔ بڑی خوبصورت لڑکی تھی، لیکن بہت معمولی سے لباس میں ملبوس، بال نچے ہوئے تھے، گال سرخ نظر آ رہے تھے۔ عقب میں ایک خونخوار سی شکل کا تنومند آدمی نمودار ہوا اور اس نے ایک لات بچی کے رسید کر دی، بچی اچھل کر آگے آئی تو فراز نے اسے اپنے ہاتھوں پر سنبھالا اور پھر جلدی سے بولا۔

"ارے ارے کیا کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟" وہ بچی کو اپنی پناہ میں لیتا ہوا بولا۔ تنومند آدمی آگے بڑھ آیا اور فراز کو خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اس فلیٹ میں کرائے دار آئے ہیں؟"

"جی جی۔"

"تو پھر ایک بات کان کھول کر سن لیجئے۔ اچھے پڑوسیوں کا فرض ہے کہ اپنے کام سے کام رکھیں اوردوسروں کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں۔"

"نہیں جناب، میں بالکل ٹانگ نہیں اڑا رہا، لیکن بچوں پر اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا اور وہ بھی لڑکی ذات پر۔"

"آپ نے میری بات پر غور نہیں کیا شاید۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ پڑوسیوں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑانا بہتر ہوتا ہے ورنہ اس کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ چل اندر۔" ان صاحب نے بچی کو بالوں سے پکڑا اور دھکیلتے ہوئے اندر لے گئے پھر دروازہ بند ہو گیا اور دھوں دھوں کی آوازوں کے ساتھ بچی کے رونے کی آوازیں بھی ابھرنے لگیں۔

فراز پر ایک بوجھل سی کیفیت طاری ہو گئی، بہرحال معاملہ کسی اور کے گھر کا تھا۔ بچی بڑی پیاری تھی اور جس طرح وہ بلک بلک کر رو رہی تھی اس سے فراز بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا، لیکن ذہن پر بچی کی مظلومیت طاری ہو گئی تھی۔ کیسے جانور قسم کے والدین ہوتے ہیں حالانکہ وہ شخص اچھی خاصی شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا، پھر اس فلیٹ میں رہنے والا اتنا جاہل بھی نہیں ہونا چاہئے اچھی خاصی حیثیت کے لوگوں کی آبادی

تھی، لیکن وہ شخص جس طرح بچی کو مارتا ہوا باہر لایا تھا اور پھر جس انداز میں اندر لے گیا
اس میں بڑی کمینگی تھی۔ فراز بہت دیر تک بیٹھا دل میں مسوستا رہا کیا کرنا چاہئے؟ نجانے کیا
قصہ ہے؟ بڑی الجھن ہو گئی تھی اسے۔ کچھ دیر کے بعد سامنے والے ہوٹل کا ملازم کھانا لے کر
آیا تو فراز نے اس سے کہا۔

"ارے ابھی سے۔"

"جی صاحب، جلدی ہو گیا کیا؟"

"یار ابھی بجا ہی کیا ہے؟"

"واپس لے جاؤں؟"

"نہیں اب لے آئے ہو تو چھوڑ جاؤ گرم کر کے کھانا پڑے گا۔"

"معافی چاہتا ہوں صاحب، آئندہ خیال رکھوں گا اس بات کا برتن صبح کو لے لوں گا۔"

"ہاں کل شام کو لے لینا۔ جلدی تو نہیں ہے؟"

"ارے نہیں صاحب، برتنوں کی کمی نہیں ہمارے ہوٹل میں۔" ملازم نے کہا اور باہر نکل گیا۔

سامنے والا دروازہ اب بند تھا اور اندر سے آوازیں بھی نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ فراز ایک رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا۔ شامی کی غیر موجودگی نے اسے خاصا اداس کر دیا تھا شامی کی باتیں یاد کر کر کے مسکراتا رہا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شامی کے ادارے کی مالکہ نے اس پر بڑی عنایات کی تھیں، لیکن شامی کا یہ سوچنا کہ ان کے پس پردہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے مضحکہ خیز ہی نظر آ رہا تھا۔ اب ایسی بات بھی نہیں ہو سکتی۔ قصے کہانیوں میں تو یہ واقعات مل جاتے ہیں ورنہ اس دور کی بات بالکل ہی الگ ہے ہر شخص اپنے بہتر مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے اور پھر لاحول ولا قوۃ

فراز نے گردن جھٹک دی اور گیلری کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بہت دیر تک وہ باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر سوچا کہ گارمنٹ سٹی فون کرے لیکن مناسب نہ سمجھ کر کچن میں چلا گیا۔ کھانا گرم کیا، کھایا اور اس کے بعد طے کیا کہ کچھ دیر باہر ٹہل آئے۔ چنانچہ چابی لے کر باہر نکلا۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ سامنے ایک نوجوان لڑکی کھڑی نظر آئی۔ سفید رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس، سر کے بال کھلے ہوئے لیکن اتنے لمبے کہ دیکھ کر حیرت ہو۔ دودھ جیسا سفید چہرہ، خشک گلابی ہونٹ، بہت سبک نقوش، بڑی بڑی آنکھیں، لیکن سرخ اور آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی۔ دروازے کے پاس عجیب سے انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔ فراز کو دیکھ کر جلدی سے دوسری راہداری کی جانب چل پڑی۔

راہداری کا اختتام ایک کھلی جگہ ہوتا تھا او وہاں سے باہر بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ فراز اپنے کام سے کام رکھنے کے مصداق آگے بڑھ گیا، لیکن لڑکی کے حسین نقوش، اس کا سبک اور

نازک چہرہ، دبلا پتلا جسم تمام سراپا سیاہ لمبے بال دیر تک فراز کی نگاہوں میں کھبے رہے اور وہ سوچتا ہوا باہر فٹ پاتھ پر آ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے فلیٹ کے بیرونی حصے کی چہل قدمی کی تھی۔ نیچے تو بڑی خوبصورت دکانیں تھیں اور ان میں بڑی نفیس چیزیں۔ فراز ان تمام چیزوں کو دیکھتا ہوا بہت دور نکل گیا اب شامی تو دیر سے ہی واپس آئے گا اس لئے ذرا ٹھیک ٹھاک چہل قدمی کر لی جائے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی چہل قدمی کے بعد وہ واپس پلٹا۔ اب خاصی رات ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید شامی بھی واپس آ گیا ہو۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر پہنچا اور پھر ایک دم چونک پڑا۔ وہی سفید لباس والی لڑکی دروازے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کے باہر والی دیوار سے کمر لگائی ہوئی تھی اور سر گھٹنوں میں رکھا ہوا تھا۔ فراز کا دل دھک سے ہو گیا۔ یہ کیا قصہ ہے۔ شام کو اس وقت وہ چھوٹی بچی باہر نکال دی گئی تھی اور اب یہ۔ لڑکی نے شاید فراز کے قدموں کی آہٹ محسوس کر لی تھی۔ چونک کر سر اٹھایا اور پھر اس طرح اٹھی کہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچی وہ دوڑ کر تیزی سے اس طرح راہداری میں آگے بڑھ گئی تھی جیسے اس وقت جب فراز اپنے فلیٹ سے باہر نکلا تھا۔ راہداری کے آخری سرے پر وہ جا کر کھڑی ہو گئی۔ فراز نے جان بوجھ کر دیر میں تالا کھولا تھا تاکہ لڑکی کے بارے میں صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کرے لیکن بہت زیادہ دیر بھی مناسب نہیں تھی۔ لڑکی اس انداز میں کھڑی ہوئی تھی جیسے فراز کے اندر چلے جانے کا انتظار کر رہی ہو۔ فراز اندر داخل ہو گیا، لیکن دروازے کے پاس ہی کھڑا رہا۔

تین چار پانچ منٹ گزر گئے اس نے باہر کی آہٹوں پر کان لگائے ہوئے تھے اور کچھ دیر کے بعد اس نے آہٹیں پھر سنیں۔ کوئی سامنے والے دروازے پر آیا تھا اور آہستہ آہستہ دستک دے رہا تھا۔ فراز نے کان لگا کر باہر کی آوازیں سنیں۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"امی دروازہ کھول دیجئے ابو دروازہ کھول دیجئے پلیز، باہر لوگ آ جا رہے ہیں خدا کے لئے دروازہ کھول دیجئے خدا کے لئے، خدا کے لئے۔"

فراز خاموشی سے یہ آوازیں سنتا رہا۔ دروازہ کھلنے کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ بہت دیر تک وہ اپنی جگہ کھڑا رہا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر دروازہ کھول کر دیکھے گا تو لڑکی باہر ہی کھڑی ہوئی ہو گی، لیکن ایک نوجوان اور اس عمر کی لڑکی کو دروازے سے باہر نکال کر کھڑا کر دینا واقعی بڑی درندگی کی بات تھی۔ نجانے یہ کون بدبخت شخص ہے جو بچوں پر اتنا ظلم کرتا ہے۔ بھلا لڑکیوں کو بھی اس طرح گھر سے نکالا جاتا ہے، اگر وہ دروازہ کھول کر دیکھے گا تو لڑکی شرمندہ ہو گی اس کے دل نے یہ گوارا نہیں کیا۔ وہ بہت دیر تک وہیں کھڑا ٹھنڈی سانسیں لیتا رہا۔

فراز سوچتا ہوا اندر آ بیٹھا۔ بڑی بے چینی سے شامی کا انتظار کر رہا تھا کچھ دیر کے بعد

دروازہ پر آہٹیں ہوئیں۔ شامی نے یہ محسوس کر کے کہ فراز اندر موجود ہے بیل بجائی تھی۔ فراز نے دروازہ کھول دیا' لیکن اس کی نگاہیں غیر اختیاری طور پر سامنے کی سمت اٹھ گئی تھیں اور وہ لڑکی کو وہاں نہ پا کر کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ شامی اندر داخل ہو گیا۔

"خیریت؟"

"ہاں سب خیریت ہے۔ آج تو تم نے کمال کر دیا بھئی۔"

"وہ اصل میں کل چھٹی بھی ہے اور اسٹاک ٹیکنگ ہو رہی تھی میرے لئے ضروری تھا کہ میں خود نگرانی کروں اس لئے رک گیا حالانکہ میڈم نے مجھے اس کی ہدایت نہیں کی تھی لیکن بہت اچھا ہوا یار بڑے کھلیے پکڑے ہیں میں نے' اب خیر اپنے اسٹاف کو تو نقصان نہیں پہنچاؤں گا میں' لیکن مجھے اس بات کا علم ہے کہ شاف کی صرف بے پرواہی ہے اور لوگوں نے اس بے پرواہی کا فائدہ اٹھایا ہے۔ البتہ یہ میڈم کے علم میں لانا ضروری ہو گا۔ اب پرسوں ہی یہ کام کیا جا سکتا ہے۔"

"کھانا کھالیا؟"

"ہاں یار بڑا معقول انتظام تھا وہاں کھانے کا۔ سوری فراز' تم نے کھانا کھا لیا؟"

"ہاں۔"

"کیا پکایا بھئی؟"

"کچھ نہیں ہوٹل سے منگوا لیا تھا۔"

"یہی تو عیش ہے یہاں۔" شامی نے کہا اور لباس وغیرہ تبدیل کرنے لگا پھر فراز کے پاس آ کر بولا۔

"چائے بناؤں تمہارے لئے؟"

"بنا لو کیا یاد کرو گے؟"

"ابے ابے میں نے تو اخلاقاً پوچھا تھا۔"

"میں بنا لوں؟"

"نہیں' میں ہی بنا لیتا ہوں۔ آج دل چاہ رہا ہے تمہیں چائے پلانے کے لئے۔" شامی نے کہا۔

کچھ دیر کے بعد دونوں چائے پی رہے تھے۔ شامی بولا۔ "سناؤ کیسے حالات جا رہے ہیں؟"

"یار' شامی ایک بڑی الجھن پیش آ گئی ہے۔"

"خیریت' کیا بات ہے؟" شامی ایک دم سنبھل گیا۔ فراز کے لہجے پر اس نے غور کیا تھا۔

"آج کچھ عجیب سے واقعات پیش آئے۔" فراز نے کہا اور سامنے والے کے بارے

میں تفصیلات بتانے لگا۔ شامی ایک دم اچھل پڑا۔

"ارے وہ لڑکی تو اب بھی سامنے راہداری میں کھڑی ہوئی ہے۔"

"کہاں؟" فراز چونک کر بولا۔

"جہاں اس راہداری کا اختتام ہوتا ہے۔"

"اوہو اب بھی وہیں کھڑی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔"

"یار بڑی درندگی ہے۔ یہ تو' اسے یقینی طور پر گھر سے نکال دیا گیا ہے دن میں چھوٹی لڑکی کو نکال دیا گیا تھا۔ نجانے کون لوگ ہیں۔ ویسے وہ صاحب جو اس بچی کو مار رہے تھے' تھے تو اچھی خاصی شخصیت کے مالک لیکن چہرے پر ذرا درندگی برستی تھی۔ انداز بھی شریفانہ نہیں تھا۔"

"ہوں' یہ تو واقعی افسوس ناک بات ہے' لیکن یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ پڑوس کا معاملہ ہے بس کیا کیا جائے۔ ہمارے ہاں کے قوانین ہی انوکھے ہیں لیکن معلومات تو کرنی چاہئے۔ پتا نہیں اب بھی وہ لڑکی وہیں موجود ہے یا' دیکھو جا کر۔"

"نہیں شامی! میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں ہو گا۔ وہ شرمندہ بھی ہو گی اور پھر نوجوان لڑکی ہے خواہ مخواہ کوئی چکر نہ چل جائے۔"

"ہوں۔" شامی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

❑

سخاوت بیگ نے بینک منیجر کا شکریہ ادا کیا۔ نوٹ سنبھال کر چمڑے کے اس چھوٹے سے بیگ میں رکھے جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ منیجر نے انہیں خدا حافظ کہا اور سخاوت بیگ باہر نکل آئے۔ حالات سے بڑے دل برداشتہ تھے۔ زندگی بھر کی محنت کا صلہ تھا یہ جو اس وقت ان کے پاس اس بیگ میں موجود تھا۔ فیروزہ بیگم نے حالانکہ یہی کہا تھا کہ رقم بینک میں رہنے دی جائے۔ ضرورت کے مطابق رقم نکالی جاتی رہے گی' لیکن نجانے کیوں سخاوت بیگ صاحب نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں رکھ کر لطف لینا چاہتے تھے۔ آخر زندگی بھر کی کمائی تھی' بہرحال اسی میں کچھ کر کرا کے تابندہ کو رخصت کر دینا چاہتے تھے۔ محمود حسن بہت اچھے آدمی تھے۔ یہ بات مرزا سخاوت بیگ کو معلوم تھی لیکن اپنی انا بھی کوئی چیز ہوتی ہے بہرطور پہلی بچی تھی۔ دنیا کی نگاہیں بھی ہوتی ہیں کہ سخاوت بیگ صاحب نے کیا کیا' چھوٹا موٹا سا خاندان بھی تھا ویسے ملاقاتیں ہوں یا نہ ہوں۔ شادی بیاہ کے موقع پر تو سب کو جمع کرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسروں کی نگاہوں میں سبکی بھی نہیں چاہتے تھے اس لئے اپنی ساری جمع پونجی تابندہ کی شادی میں لگا دینا چاہتے تھے تاکہ اس فرض سے ذمہ داری کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں۔ بعد میں دوسری بچیوں کا معاملہ تھا۔ اللہ مالک ہے۔ اللہ ہی ان کی سبیل

بھی کرے گا۔

بینک سے نکل کر فٹ پاتھ پر آ گئے۔ بس میں سفر کرنا اس وقت مناسب نہیں تھا۔ اس لئے آٹو رکشہ وغیرہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ ایک آٹو رکشہ کو روکا بھی لیکن آٹو رکشہ والے اس وقت سواری کے مزاج سے سفر نہیں کرتے بلکہ اپنے راستوں کا تعین خود کرتے ہیں۔ آٹو رکشہ والا منع کر کے چلا گیا۔ سخاوت بیگ صاحب آگے بڑھ گئے۔ کہیں اور سے رکشہ تلاش کیا جائے۔ چمڑے کا وہ بیگ انہوں نے تسمے کے ذریعے کلائی میں ڈال لیا تھا اور اسے ہاتھ میں بھینچا ہوا تھا صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ کوئی زندگی بھر کی اساس اس بیگ میں سمیٹے ہوئے ہے اور غالباً سخاوت بیگ کے اس محتاط انداز ہی نے کسی کو ان کی جانب متوجہ کر دیا۔ دبلے پتلے بدن کا نوجوان لڑکا تھا۔ سخاوت بیگ کو دور سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور موقع دیکھنے کے بعد آگے بڑھا۔ سخاوت بیگ رکشہ کی تلاش میں قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں عقب میں دو بلڈنگوں کے درمیان تنگ سی گلی تھی۔ اسی وقت نوجوان لڑکا ان سے زور سے ٹکرایا ور سخاوت بیگ صاحب گرتے گرتے بچے۔ چمڑے کے بیگ پر ان کی گرفت کم ہوئی تو لڑکے نے ایک زور دار جھٹکا بیگ کو پکڑ کر ان کے ہاتھ کو مارا اور بیگ کا تسمہ کلائی سے نکل گیا۔ دوسرے لمحے لڑکا سڑک عبور کرنے لگا۔ سخاوت بیگ ایک لمحے کے لئے تو ہکا بکا رہ گئے تھے۔ لیکن دوسرے لمحے ان کی چیخ سنائی دی اور وہ برق رفتاری سے لڑکے کے پیچھے سڑک پر بھاگے۔ سیاہ رنگ کی ایک گاڑی آ رہی تھی۔ سخاوت بیگ پوری قوت سے اس گاڑی سے ٹکرائے۔ ہائے کی آواز کے ساتھ اچھلے اور زمین پر آ رہے۔ آس پاس کے لوگوں نے لٹیرے کا کارنامہ تو نہیں دیکھا۔ ایکسیڈنٹ دیکھ لیا۔ تیزی سے قریب پہنچے۔ سخاوت بیگ صاحب کے سر میں تھوڑی سی چوٹ آئی تھی۔ بازو میں بھی چوٹ لگی تھی اور وہ بہت بری طرح گرے تھے بے ہوش ہو گئے تھے۔ کالی گاڑی والے نے جو کوئی شریف آدمی تھا لوگوں کو صورت حال بتائی اور کہا کہ قصور اس کا نہیں تھا یہ بزرگ اچانک ہی دوڑ کر سڑک عبور کر رہے تھے حالانکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے کوئی گاڑی کے سامنے آ جائے گا' بہرطور وہ اسے لے کر ہسپتال جا رہا ہے کوئی اور ساتھ چلنا چاہے تو بے شک چلے۔ یہ کہہ کر اس نے سخاوت بیگ کو کار میں ڈالا اور دو آدمی اس کے ساتھ اور بیٹھ گئے اور وہ شخص سخاوت بیگ کو ہسپتال میں لے گیا۔ پوری پوری دیکھ بھال اور نگرانی کی گئی۔

سخاوت بیگ کے سر پر پٹی باندھ دی گئی وہ بس مسلسل بے ہوش تھے۔ لباس کی تلاشی وغیرہ لی گئی اور ان کے لباس میں ان کے اپنے کاغذات مل گئے چیک بک بھی تھی اور اس کے ساتھ ہی پتا وغیرہ بھی لکھا ہوا رکھا تھا۔ ساری صورت حال معلوم ہو گئی۔ اس شریف آدمی نے جو مسلسل سخاوت بیگ کے ساتھ تھا بڑی ذمے داری کا ثبوت دیا ور ایک آدمی کو

فون پر طلب کر کے ہسپتال بلا لیا' پھر اسی شخص نے سخاوت بیگ کا پتا بتا کر ان کے گھر کی جانب روانہ کر دیا اس نے ہسپتال میں بھی کھل کر بتا دیا کہ یہ بزرگ اچانک ہی سڑک پر دوڑ پڑے تھے اور اس کی گاڑی سے ٹکرا گئے۔ اب وہ ہر قسم کے علاج معالجے کے لئے تیار ہے۔

گھر پر وہ شخص پہنچا تو تابندہ نے دروازہ کھولا۔ جواد موجود نہیں تھا۔ ایک اجنبی کو دیکھ کر چونکی۔ اجنبی نے کہا۔

"مرزا سخاوت بیگ کا یہی مکان ہے؟"

"جی ہاں۔"

"آپ کون ہیں؟"

"میں ان کی بیٹی ہوں۔ کیوں خیریت؟"

"مرزا صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ ہسپتال میں ہیں۔ یہ پتا ان کی جیب سے نکلا تھا جس پر ہم یہاں آ گئے ہیں۔"

تابندہ کے پیروں تلے زمین نکل گئی ایک چیخ مار کر اندر بھاگی اور ماں کو بتایا۔ جواد بھی موجود نہیں تھا۔ سجاد دفتر میں تھا۔ تابندہ نے کہا۔

"اماں اب کیا کریں؟" فیروزہ بیگم کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے زار و قطار رو رہی تھیں سخت پریشانی میں کانپ رہی تھیں۔ تابندہ نے کہا۔

"آپ یہیں رکیں میں جاتی ہوں' میں یہ کرتی ہوں کہ رحیم بخش صاحب کو بلائے لیتی ہوں برابر سے - گھر پر ہی ہوں گے۔ ان کے ساتھ چلتی ہوں۔"

پڑوس کے ایک بزرگ رحیم بخش صاحب فوراً ہی آ گئے۔ ٹیکسی کی گئی۔ فیروزہ بیگم' تابندہ اور رحیم بخش صاحب اس شخص کے ہمراہ چل پڑے۔ زمانہ خراب ہے کوئی بھی چار سو بیس کر سکتا ہے جوان لڑکی کو اکیلا تو نہیں بھیجا جا سکتا' لیکن صورت حال بہتر ہی رہی اور تابندہ ہسپتال پہنچ گئی۔ سخاوت بیگ صاحب جنرل وارڈ میں تھے بستر پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر معائنہ کر رہے تھے اور ان کے پورے جسم کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ تابندہ زار و قطار رو رہی تھی۔ فیروزہ بیگم کی بھی بری حالت تھی' بہرحال رحیم بخش صاحب نے کہا کہ وہ دونوں یہاں رکیں وہ سجاد کے دفتر چلے جاتے ہیں۔ جواد تو پتا نہیں کہاں ہو گا۔

رحیم بخش صاحب کو سجاد کا دفتر معلوم تھا۔ دفتر پہنچے سجاد سے ملے اور اسے حادثے کے بارے میں بتایا اور سجاد حواس باختہ ہو گیا۔ بختیار احمد صاحب کے ساتھ ہسپتال پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر باپ کی حالت دیکھی۔ ماں اور بہن کو سمجھایا۔ جواد کے بارے میں پوچھا' لیکن جواد کا پتا نہیں تھا۔ کہیں آوارہ گردی کر رہا ہو گا۔ سخت پریشان ہو گیا تھا وہ جس کی گاڑی سے یہ

حادثہ ہوا تھا۔ بہت ہمدرد انسان تھا اس نے کہا۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں' علاج کے تمام اخراجات میں ادا کروں گا اس کے باوجود اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ باقاعدہ پولیس کیس بنائیں تو بہرحال میں قانون کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

حادثہ اچانک ہی ہوا تھا۔ اس نے حادثے کی تمام تفصیلات بتائیں سجاد نے جب اسے ایک سنجیدہ اور شریف آدمی پایا تو کہا۔

"نہیں جناب' اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ تقدیر میں یہ لکھا تھا ہم باوجہ آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ ظاہر ہے آپ نے دشمنی میں ٹکر نہیں ماری تھی کیونکہ ہمارا آپ سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔"

اصل حقیقت ابھی تک کسی کو معلوم نہیں تھی۔ مرزا سخاوت بیگ صاحب اس قسم کے آدمی تھے۔ اہل خاندان کو ہر بات بتانا پسند نہیں کرتے تھے۔ پچھلے دنوں جو کارروائی کر رہے تھے وہ بھی بس فیروزہ بیگم ہی کو معلوم تھی اور آج بھی یہ نہیں بتا کر نکلے تھے کہ اصل میں کہاں جا رہے ہیں۔ گھر میں رقم لا کر بیوی کو چونکانا چاہتے تھے۔ کچھ عجیب سی فطرت تھی ان کی۔ زندگی بھر اسی انداز میں گزاری تھی اب بھلا کیا تبدیلی رونما ہوتی۔ بچوں سے بری طرح نالاں تھے' بہرطور بے ہوش ہی رہے۔

دماغی چوٹ تھی تیسرے دن جا کر ہوش آیا تھا لیکن اس دوران ایک اور تلخ حقیقت کا انکشاف ہوا تھا وہ یہ تھی کہ ڈاکٹروں نے یہ تفصیل بتائی تھی کہ ممکن ہے مرزا سخاوت بیگ اعصابی دباؤ کا شکار ہو کر معذور ہو جائیں۔ اس بات کے پورے پورے امکانات تھے اور نظر بھی آ رہے تھے' بہرطور یہ ایک دلدوز سانحہ تھا۔ جواد بھی ان دنوں خاصا بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔ باپ کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ زیادہ تر ہسپتال میں وہی رہتا تھا کیونکہ سجاد کو تو اپنی ڈیوٹی سرانجام دینی ہوا کرتی تھی۔ اس نے بختیار صاحب کو بتایا تھا اور بختیار صاحب نے سیٹھ صاحب کو' لیکن سیٹھ ادریس صاحب ذرا زمانہ شناس آدمی تھے۔ انہوں نے ہر طرح سے سجاد کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سے کہا کہ وہ روپے پیسے کی بالکل فکر نہ کرے جتنی رقم درکار ہو اکاؤنٹنٹ سے لے لے۔ والد کا علاج کرائے' لیکن نجانے کیوں سیٹھ ادریس نے مرزا سخاوت بیگ کی عیادت کو جانا پسند نہیں کیا تھا۔ سجاد نے بھی اس سلسلے میں کسی خاص بات کو محسوس نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے ابھی اس کے اور سیٹھ ادریس کے درمیان ایک فاصلہ تھا جسے عبور کرنا کسی بھی طور مناسب نہیں تھا۔

نکہ اور دونیا بھی مضطرب تھیں اور انہوں نے سجاد سے کہا تھا کہ وہ اسکے والد کو دیکھنے کے لئے آنا چاہتی ہیں لیکن سجاد نے نہایت نرمی سے انہیں سمجھا دیا تھا۔ اس نے کہا۔

"نکہ! ابھی اس کے لئے ضد نہ کرو۔ ماحول سازگار نہیں ہے۔ تمہاری عنایت اور محبت کا میں دل سے شکرگزار ہوں' لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ ابھی تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ مناسب وقت پر میں تمہیں خود لے جاؤں گا۔"

دونوں خاموش ہو گئی تھیں۔ تیسرا گھرانہ محمود حسن کا تھا ظاہر ہے اس سلسلے میں محمود حسن صاحب کو فوری اطلاع دینا ضروری تھا' چنانچہ اطلاع پاتے ہی محمود حسن صاحب ہسپتال پہنچ گئے تھے۔ یہ وہ ہسپتال نہیں تھا جس میں ڈاکٹر حسن کام کرتا تھا' حالانکہ ڈاکٹر حسن نے بڑی کوشش کی تھی کہ مرزا سخاوت بیگ کو اس ہسپتال میں منتقل کر دیا جائے تاکہ ان کی دیکھ بھال کی جا سکے' لیکن یہاں جو دیکھ بھال ہو رہی تھی اس سے بھی یہ لوگ مطمئن تھے ڈاکٹر حسن نے البتہ یہ اپنا شعار بنا لیا تھا کہ وہ صبح اور شام دو وقت یہاں آتا۔ ایک ایک' ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے وہاں رہتا تھا۔ ڈاکٹروں سے مشورے کرتا رہتا تھا۔ وہ خود بھی ایسی تشویش کا شکار تھا کہ مرزا سخاوت بیگ اعصابی دباؤ سے نہ بچ سکیں گے۔ کچھ ایسا ہی دباؤ تھا ان کے دل پر' ہوش میں تو آ گئے تھے' لیکن ابھی تک ہوش مندی کی ایک بھی بات نہیں کی تھی۔ ذہن متاثر تھا۔ تین دن تک بے ہوشی بے وجہ نہیں تھی اور ہوش میں آنے کے بعد بھی چھ سات دن اسی کیفیت کا شکار تھے۔ محمود حسن کے گھرانے نے بھی ان کی پوری پوری دیکھ بھال کی۔ یہ سانحہ واقعی بڑا تکلیف دہ تھا اور پورا گھر منتشر ہو کر رہ گیا تھا۔ سجاد' جواد حسب توفیق خدمت کر رہے تھے اور تیسرا شخص حسن تھا جس نے اپنا فرض نبھا کر دکھا دیا تھا۔ وہ سب سے زیاہ مصروف نظر آتا تھا۔ ہر قسم کی دوا مفت فراہم ہوتی تھی۔ ہر طرح کی دیکھ بھال رہتی تھی ڈاکٹروں سے لمحے لمحے کی رپورٹ لیتا تھا اور اسی پر سب سے پہلے یہ راز منکشف ہوا تھا کہ سخاوت بیگ صاحب نچلے دھڑ سے معذور ہو گئے ہیں۔ کچھ چوٹیں بھی تھیں اور کچھ ایسا اعصابی کھنچاؤ بھی تھا جس نے نچلے دھڑ کو مفلوج کر دیا تھا' بہرحال تقریباً دس یا بارہ دن اس بات میں صرف ہو گئے۔

تیرہویں دن سخاوت بیگ صاحب کی حالت کچھ بہتر ہوئی۔ دماغی قوتیں واپس آئیں تو سب سے پہلے اپنے ہاتھ کی کلائی کو ٹٹول کر دیکھا۔ جواد پاس بیٹھا ہوا تھا۔ باقی لوگ موجود نہیں تھے۔ جواد کو دیکھ کر کہا۔

"یہ میرے ہاتھ میں ایک بیگ تھا وہ کہاں گیا؟"

"بیگ؟"

"ہاں' بیگ کہاں ہے؟" سخاوت بیگ صاحب نے آنکھیں نکال کر جواد سے پوچھا۔

"کیسا بیگ ابو؟ آپ کے ہاتھ میں کوئی بیگ نہیں تھا؟"

"ابے بکواس کرتا ہے' پاگل ہو گیا ہے کیا بیگ نکال۔"

جواد ڈر گیا وہ یہ سمجھا کہ دماغی حالت خراب ہو گئی ہے۔ دماغ الٹ گیا ہے۔ ڈاکٹر کو

بلانے کے لئے دوڑا' لیکن بیگ صاحب نے قمیض پکڑ لی۔

"جواد' جواد۔ دیکھ میرا بیگ۔ اف میرے خدا' وہ وہ' اوہ میرے خدا اوہ میرے خدا۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ جواد متعجب نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"بات کیا ہے ابو۔ آپ مجھے نہیں بتائیں گے۔" جواد نے کہا اور مرزا صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"لٹ گیا میں' برباد ہو گیا۔ تباہ ہو گئے ہم لوگ اور کیا ہے۔ بس مر گئے ہم بے موت مر گئے۔" سخاوت بیگ کو ساری داستان یاد آ گئی تھی۔ بینک سے رقم نکلوانا۔ لٹیرے کا بیگ چھین کر بھاگ جانا اور پھر حادثہ۔

"ابو پلیز' یہ ہسپتال ہے۔ آپ اس طرح نہ روئیں۔ کیا بات ہے آخر۔ آخر کیا بات ہے؟"

"زندہ درگور ہو گئے جواد۔ ہم بری طرح تباہ ہو گئے۔ اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ آہ۔ میں مر کیوں نہ گیا۔ آہ میں۔" سخاوت بیگ صاحب روتے روتے بے حال ہوئے جا رہے تھے اور جواد پریشانی سے پہلو بدلنے کے سوا کچھ نہ کر پا رہا تھا۔

□

وہ دفتر پہنچ گئی' ذہنی کیفیت بہتر تھی اور ان دنوں وہ جس روایتی موڈ میں تھی اس میں آج بھی کوئی تبدیلی نظر نہیں آ رہی تھی۔ محبت کرنے والوں کے سلام کے جواب دیتی ہوئی۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئی مس مینا اور دوسری خواتین جو گارمنٹ سٹی کے اہم شعبوں سے متعلق تھیں اس کے سامنے آ گئیں اور اسے اپنی اپنی رپورٹ پیش کرنے لگیں۔ وہ صبر و تحمل سے ان کی باتیں سنتی رہی۔ شامی کی کچھ ذمہ داریاں لگائی تھیں اس نے اور شامی سے بھی رپورٹ لینی تھی ویسے اس میں کوئی شک نہیں شامی کو اپنے ذہن میں اس کے لئے کوئی بھی خیال آیا ہو' لیکن خود جب اس کے ذہن میں شامی کا خیال آتا تھا۔ تو وہ ایک خوشگوار کیفیت محسوس کرتی تھی اور یہ صرف شامی کی شخصیت کی بنیاد پر تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس تباہ کن دور میں کم از کم شامی ایک حقیقت ہے۔ اندر اور باہر سے یکساں - اس کے چہرے کی شفاف جلد پر منافقت کی کوئی لکیر کبھی نہیں دیکھی جا سکتی تھی' حالانکہ لوگ ایسی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے' لیکن جن کے ماضی میں کچھ ہو ان کے لئے ایسے کردار بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مس مینا وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے انٹر کام پر سیکرٹری سے کہا۔

"شامی صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"جی میڈم۔"

"انہیں بھیج دو۔"

"جی بہتر۔" سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ اس نے براہ راست شامی سے رابطہ نہیں کیا آفس ڈسپلن تھا جس کا وہ خود بھی پورا پورا خیال رکھتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد شامی مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔ کبھی کبھی شامی کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آتے تھے اور وہ اپنے مزاج کے مطابق گفتگو نہیں کرتا تھا لیکن جب سے وہ فلیٹ اسے ملا تھا شامی کا موڈ عموماً خوش گوار نظر آتا تھا۔ آج بھی وہ خوش گوار کیفیت میں ہی نظر آیا تھا۔

"کہیے شامی صاحب کیسی گزر رہی ہے؟"

"کمال کی۔" شامی نے مسرور انداز میں کہا۔

"تشریف رکھئے۔"

"شکریہ میڈم۔" شامی ادب سے بیٹھ گیا۔

"تو کمال کی گزر رہی ہے آپ کی زندگی؟"

"جی میڈم۔ بس یوں ہی سمجھ لیجئے انسان کی پہنچ ہوتی ہے۔ آپ کو ایک چھوٹی سی کہانی سناؤں۔"

"سنا دیجئے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ شامی کی یہی بے ساختگی اسے پسند تھی۔

"ایک چھوٹا سا گھر' چھوٹے چھوٹے مسائل سے بھرپور۔ اس گھر کی ایک نوجوان لڑکی' ارمان بھری۔ جس کا اس دنیا میں ماں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ ماں اپنی نور نظر کے مستقبل سے پریشان۔ ایک گھبرو جوان کا رشتہ آیا۔ لڑکا بردکھاوے کے لئے ہونے والی سسرال پہنچا۔ ماں نے نیم کے درخت کے نیچے چارپائی بچھا دی۔ بیٹی نے چائے کی دیگچی چولہے پر چڑھا دی اور گیلی لکڑیوں کو پھونکیں مارنے لگی۔ سرخ و سفید رنگ' بکھرے بال۔ دھوئیں کے آنسو آنکھوں سے رواں جوانی کی تپش چہرے پر پھنکاریں مارتی۔ لکڑیاں تھیں کہ سلگ کر نہ دے رہی تھیں' لیکن وہ اپنے مستقبل کے لئے چائے بنا رہی تھی۔ دل کی لگن کے ساتھ' اور وہ اسے گیلی لکڑیاں سلگاتے دیکھ رہا تھا۔ ماں کسی کام سے باہر نکل گئی۔" خود اس نے پوچھا۔

"صغراں ہے تیرا نام؟"

"ہاں۔"

"میرا نام صحابو ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"معلوم تو مجھے بھی تھا۔"

"کیا؟"

"یہی کہ تیرا نام صغراں ہے۔"

"پھر کیوں پوچھا؟"

"تیری آواز سننے کے لئے۔" وہ ہنس دی اور وہ بولا۔

"میں تیری لئے چاند تارے توڑ لاؤں گا۔"

"کہاں سے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"آسمان سے۔"

"تو آسمان پر کیسے جائے گا؟"

"بس چلا جاؤں گا۔ تجھے اور کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں تیرے لئے سب کچھ کروں گا۔ وہ سب کچھ جس کی تجھے ضرورت ہو۔ مجھے بتا۔ شادی کے بعد میں تجھے کیا تحفہ دوں۔"

"تحفہ؟"

"ہاں۔ مجھے بتا تجھے کیا چاہئے۔ کوئی ایسی چیز بتا جس کی آرزو تیرے دل میں ہو۔" مردانہ شان سے بولا۔

"جس کی آرزو میرے دل میں ہو۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ہاں۔ دل کھول کر بات کر' تجھ سے جو وعدہ کر رہا ہوں وہ پورا کروں گا۔" نوجوان نے کہا۔ وہ سوچتی رہی پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' پھر اس نے بڑی امنگ سے کہا۔

"کیا تو میرے لئے مٹی کے تیل سے جلنے والا ایک چولہا لا سکتا ہے؟"

"واہ۔" میڈم کے منہ سے بے اختیار نکلا اور شامی مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

"تو میڈم بات دراصل ذہنی پہنچ کی ہے۔ شیخ صاحب مرحوم و مغفور نے زندگی اتنی تلخ کر دی تھی کہ اب اس جنت نظیر فلیٹ میں پہنچنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مٹی کے تیل کا چولہا مل گیا۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ زندگی میں شاید بہت کم اس انداز میں ہنسی تھی۔ ایک ایسی ہنسی جو دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کمال ہے شامی صاحب' آپ اتنے اچھے ذوق کے مالک ہیں یہ تو آج ہی انکشاف ہوا؟"

"نہیں میڈم۔ اصل میں کچھ باتیں دل میں چھپی رہ جاتی ہیں اور یہ ان کی نوعیت ہوتی ہے۔ جیسے یہ چھوٹی سی کہانی جو میں نے آپ کو سنائی۔"

"بلا شبہ انسان کہیں بہت محدود ہے اور کہیں اس کے اندر بے پناہ وسعتیں چھپی ہوئی ہیں۔ اصل میں خوشی وہ نہیں ہے جو کسی بہت بڑی چیز کے حاصل ہونے پر ملے۔ سڑک پر پڑے کسی ٹوٹے کھلونے کے مل جانے سے جو خوشی ہوتی ہے کسی معصوم بچے کے دل سے پوچھو۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ ارے ہاں میڈم۔ آپ کو تو اس فلیٹ کے بارے میں کچھ

تفصیل نہیں معلوم ہو گی۔"

"کیسی تفصیل۔"

"وہاں کون کون رہتا ہے۔ پاس پڑوس میں کون ہے؟"

"بالکل نہیں' کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا؟" میڈم نے پوچھا اور شامی نے سامنے والے فلیٹ کی پوری کہانی اسے سنا دی۔

"اوہ' واقعی عجیب بات ہے۔ کچھ اور نہیں معلوم ہو سکا؟"

"پرسوں ہی کا تو واقعہ ہے' لیکن معلوم ہونا چاہئے۔"

"ہاں کوشش کرنا۔"

"بس ڈر لگتا ہے۔"

"وہی کسی کے معاملے میں ٹانگ اڑا دینے والی بات۔"

"نہیں۔ انسانوں سے اتنی بے اعتنائی بھی نہیں رکھی جا سکتی۔"

"خدا کی قسم بڑی انسانی بات کہی ہے آپ نے۔ ایسا ہونا چاہئے۔ لوگوں کا نظریہ کچھ اور ہے۔"

"کیا؟"

"عام طور سے یہی کہتے سنا گیا ہے کہ بھئی اپنے کام سے کام رکھو تمہیں دوسرے کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ درست نظریہ نہیں ہے۔"

"میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں۔"

"دیکھنا کیا قصہ ہے' ممکن ہے وہ خاندان کسی عذاب میں مبتلا ہو کوئی مدد کے قابل ہے تو اس کی مدد ضرور کرنی چاہئے خیر۔ ہاں آپ پرسوں اسٹاک ٹیکنگ کے لئے رکے تھے۔"

"جی ہاں۔ رپورٹ تیار کر رہا ہوں۔"

"کوئی مشکل تو نہیں ہوئی؟" میڈم نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک انٹر کام پر اشارہ موصول ہوا اور میڈم نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"یس۔"

"وہ میڈم ایک صاحب' ایک صاحب انعام صاحب دیکھئے۔ میں نے تو انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم بہت بے وقوف لڑکی ہو۔ میں ایسی معمولی شخصیت نہیں ہوں کہ اجازت لے کر اندر جاؤں۔" سیکرٹری نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے پر دھڑ دھڑاہٹ ہوئی اور انعام احمد صاحب دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ اس نے انعام احمد صاحب کو دیکھا اور ساری صورت حال اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے

سیکرٹری سے کہا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر اس نے فون کا ریسیور رکھ دیا۔ انعام احمد صاحب کو دیکھ کر اسے پھر غصہ آ گیا تھا۔ سیکرٹری جو کچھ بتانا چاہتی تھی وہ صحیح طریقے سے بتا بھی نہیں سکی تھی لیکن وہ سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے بہرحال انعام احمد صاحب اندر آ ہی گئے تھے۔ شامی بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ انعام صاحب نے کہا۔

"میں درحقیقت یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ نے اپنے اردگرد بڑے غلط لوگوں کو جمع کر رکھا ہے۔ اسٹاف میں کم از کم تھوڑی سی عقل اور تمیز تو ہونی ہی چاہئے تھی۔ یہ بے وقوف ہیں یہ۔ میں تو کہتا ہوں کہ اتنے شاندار ادارے کی ترتیب میں جو کمی رہ گئی ہے براہ کرم اسے پوری کریں۔ بڑی احمق ہے آپ کی سیکرٹری۔ یعنی کہ میں نے اسے بتایا کہ میں کیا حیثیت رکھتا ہوں لیکن وہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی۔"

وہ سرد نگاہوں سے انہیں گھورنے لگی۔ انعام صاحب نہایت بدتمیزی کے ساتھ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے پھر وہ بولے۔

"سارا موڈ چوپٹ کر دیا آپ کی اس سیکرٹری نے۔"

وہ انہیں گھورتی رہی۔ انعام صاحب شامی کی جانب متوجہ ہوئے پھر بولے۔

"معاف کیجئے گا آپ کون ہیں؟"

شامی اس براہ راست سوال سے چونک سا پڑا پھر بولا۔

"خاکسار کو احتشام احمد کہتے ہیں۔" شامی نے جواب دیا۔

"کہتے ہوں گے مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ یہاں کس سلسلے میں تشریف رکھتے ہیں؟"

"جی میں یہاں نوکری کرتا ہوں۔"

"اس وقت باہر جائیے۔ مجھے میڈم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"اوہ۔ بہتر ہے۔" شامی نے کرسی کھسکائی تو میڈم جلدی سے بولی۔

"شامی بیٹھو" اور انعام احمد صاحب آخر آپ کس قسم کے آدمی ہیں۔ میں نے آپ کو کوٹھی سے نکال دیا تھا آپ یہاں آ گئے اور وہ بھی سیکرٹری کے روکنے کے باوجود۔"

"گویا اب میری یہ حیثیت ہو گئی کہ میں یہاں آنے کے لئے آپ سے اجازت لوں۔" انعام صاحب بولے۔

"آپ کی کیا حیثیت ہے یہ میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔"

"میں شہر کا ایک بڑا بزنس مین ہوں۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔" وہ بولی - انعام صاحب شامی کو گھور کر بولے۔

"تم ابھی تک نہیں اٹھے۔ کیا اب بھی تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ دو بڑے آدمی

باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں بڑا کوڑھ مغز انسان ہوں جناب۔ آسانی سے کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" شامی نے مسمسی شکل بنا کر کہا۔

"سارا اسٹاف ہی الٹا سیدھا ہے۔ بھئی ہم لوگوں کو ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"میڈم مجھے کچھ ہدایات دے رہی ہیں سر!"

"انعام صاحب! کیا میں چپراسی کو بلاؤں۔" وہ بولی۔

"جی ہاں' ٹھنڈا لوں گا۔ کوئی بھی کولڈ ڈرنک منگوا لیجئے۔" انعام صاحب بولے۔

"شامی' انہیں باہر نکلواؤ۔ میں نے کبھی کسی کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی لیکن ان صاحب نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ پلیز شامی انہیں باہر نکلواؤ۔"

"یعنی' یعنی مجھے۔" انعام صاحب پھر کر بولے۔ "اس کا نتیجہ جانتی ہو میڈم!"

"اوہ نہیں سر' پلیز۔ بات کو اس حد تک نہ لے جائیے۔ آپ کو زحمت ہو گی۔ براہ کرم آپ مجھے کچھ وقت دیجئے پلیز بس دو منٹ کے لئے میرے کمرے میں چلئے۔" شامی نے اٹھ کر انعام صاحب کا بازو پکڑ لیا۔

"مجھے ان سے باتیں کرنی ہیں۔"

"بعد میں کر لیجئے گا۔ پلیز۔" شامی نے اپنا شکنجہ انعام صاحب کے بازو پر کستے ہوئے کہا اور وہ دہرے سے ہو گئے۔ میڈم نے محسوس کیا تھا کہ انعام صاحب خود اپنی جگہ سے نہیں اٹھے بلکہ شامی نے انہیں اٹھا کر کھڑا کر لیا ہے۔

"مم' میرا بازو چھوڑو۔ کیا توڑ دو گے۔" انعام صاحب نے جھٹکا دیا لیکن شامی کی گرفت میں لٹک کر رہ گئے۔

"میں آپ کا دلی شکرگزار رہوں گا جناب۔ بس دو منٹ دے دیجئے گا۔" شامی نہایت عاجزی سے بولا۔ انعام صاحب بازو کو جھٹکے لگاتے رہے' لیکن شامی انہیں معذرت آمیز باتیں کرتا ہوا دروازے تک لے گیا او پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

وہ محسوس کر رہی تھی کہ شامی کسی طرح انعام صاحب کو لے گیا ہے حالانکہ انعام صاحب کی حرکت سے شدید اشتعال میں آ گئی تھی لیکن شامی کی دلچسپ باتوں اور حرکت پر وہ ذہنی ہیجان کے باوجود ہنس پڑی۔

جواد کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ مرزا سخاوت بیگ کی جو کیفیت ہو رہی تھی اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ذہنی توازن کھو رہے ہیں۔ پریشان ہونے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ مرزا صاحب روتے رہے۔ پھر فیروزہ بیگم سجاد کے ساتھ آ گئیں۔ لڑکیوں کو گھر میں ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان دنوں تو گھر کی حالت ہی تباہ ہو رہی تھی۔ سجاد ڈیوٹی پر جاتا تھا کیوں کہ جانا ضروی تھا۔ باقی لوگ بری طرح منتشر تھے۔ اخراجات الگ ہو رہے تھے۔ معمولی بات نہیں تھی اس طرح کا علاج کرانا۔ فیروزہ بیگم نے مرزا صاحب کو پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے دیکھا تو خود بھی آبدیدہ ہو گئیں۔ یہ احساس ہی روح فرسا تھا کہ اچھے خاصے چلتے پھرتے مرزا سخاوت بیگ اپاہج ہو گئے تھے بہرحال وہ انہیں سمجھانے لگیں۔ دلاسے دینے لگیں، لیکن مرزا صاحب کی ہچکیاں نہ رکتی تھیں۔ بمشکل تمام ان کی زبان کھل سکی۔ انہوں نے کہا۔

"فیروزہ بیگم وہ ہو گیا ہے جو تمہارے تصور میں بھی نہ ہو گا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں..... میں ہر طرح سے اپاہج ہو گیا۔ ہر طرح سے تباہ ہو گیا میں۔ آہ کیسے بتاؤں تمہیں کیسے سناؤں وہ بری خبر، جو تم لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔"

"کیا ہوا؟ اللہ خیر کرے کیا اس سے بری کوئی اور آفت بھی نازل ہوئی ہے ہم پر؟" فیروزہ بیگم رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

"ہاں۔ بہت بڑی۔ بہت ہی بڑی۔ میں نے ریٹائرمنٹ لیا تھا تمہیں معلوم ہے؟"

"ہاں۔"

"اور مجھے چیک بھی مل گیا تھا۔"

"ہاں ہاں۔"

"چیک کیش کرا کے ہی واپس آ رہا تھا، ساری عمر کی پونجی سنبھالے ہوئے تھا کہ ایک بدبخت نے تاڑ لیا۔ حملہ کیا۔ میرا بیگ جھپٹ لیا اور بھاگ گیا۔ اس کے پیچھے ہی تو بھاگا تھا میں بس ٹکرا گیا گاڑی سے۔ آہ اس کے بعد۔ اس کے بعد یہاں ہسپتال میں آنکھ کھلی تھی۔ فیروزہ بیگم ساری رقم چلی گئی۔ ساری رقم چلی گئی۔"

فیروزہ بیگم پر تو سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ جواد اور سجاد بھی آنکھیں پھاڑے ہوئے باپ کو دیکھ رہے تھے سخاوت بیگ پھر رو پڑے اور بہت دیر تک روتے رہے۔ اس بار کسی نے

نہیں دلاسہ دینے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ بیٹیوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ کہا۔ بیگم بس ٹکر ٹکر شوہر کو دیکھتی رہیں۔ سخاوت بیگ نے کہا۔"

فیروزہ "ہم پر تباہی نازل ہو گئی ہے۔ نوکری بھی چھوڑ دی اور جس مقصد کے لئے چھوڑی تھی وہ بھی حل نہ ہوا۔ فیروزہ بیگم اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ جسم الگ معذور ہو ... تم یوں کرو کہ میرے علاج پر کچھ خرچ نہ کرو جو کچھ بچا ہے اپنے لئے محفوظ رکھو۔ مجھے کسی اپاہج خانے بھجوا دو۔ میں تم لوگوں کے قابل نہیں رہا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟"

"ارے جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرا مستقبل اب کیا ہو گا۔ معلوم ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے فیروزہ بیگم۔ آہ اب اس اپاہج بوڑھے کو سڑکوں پر بھی پناہ نہیں ملے گی کیا ہو گیا یہ سب کچھ؟"

مرزا صاحب کہتے رہے۔ دونوں بیٹیوں کی خاموشی واقعی بڑی تکلیف دہ تھی۔ بعد میں بھی انہوں نے کچھ نہ کہا۔ ڈاکٹروں نے ان سے معذرت کی اور کہا کہ اب اتنی دیر تک مریض کو پریشان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اب اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ بہرحال فیروزہ بیگم سخاوت بیگ کے پاس رہ گئیں۔ دونوں بھائی چلے آئے۔ پھر چند روز بعد سخاوت بیگ صاحب کو ہسپتال سے چھٹی دے دی گئی۔ ڈاکٹروں نے رپورٹ لکھی تھی کہ اس سانحے نے اعصابی طور پر مرزا صاحب کو مفلوج کر دیا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد ایک بڑا آپریشن کیا جا سکتا ہے لیکن ابھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ کچھ دوائیں استعمال کے لئے لکھ کر دے دی گئی تھیں۔

سخاوت بیگ صاحب ہسپتال سے گھر واپس آ گئے۔ گھر میں تابندہ، رخشندہ اور فرخندہ باپ کی تیمارداری کرنے لگیں لیکن مرزا صاحب بہت چڑچڑے ہو گئے تھے۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے لڑتے رہتے تھے۔ دماغی کیفیت بظاہر ٹھیک تھی لیکن شدید جھنجلاہٹیں ان پر طاری ہو گئی تھیں۔ فرخندہ وغیرہ خدمت گزاری کرتیں تو کہتے۔

"کس نے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے لڑکیو! ایک معذور آدمی کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ کچھ نہیں ملے گا تمہیں اب مجھ سے۔ بیٹھی رہو گھر میں یونہی بوڑھی ہو جاؤ گی۔ بلاوجہ مجھ پر اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ ارے ایک اپاہج آدمی کی بھی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔ اگر تم اس کا شکار ہو کہ میں ایک باپ کی حیثیت سے تمہیں رخصت کروں گا تو بھول جاؤ اس بات کو۔ اب یہ باپ باپ کہلانے کے لائق نہیں رہا ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں ابو؟" فرخندہ نے کہا۔

"حقیقت بتا رہا ہوں بیٹا حقیقت۔ تمہارے دونوں بھائی بڑے خود غرض ہیں۔ سمجھ لو کہ اب تم لاوارث ہو۔ کوئی پرسان حال نہیں ہے تمہارا۔"

"آپ ہیں ابو۔ آپ ہر طرح سے ہمارے سروں کا سایہ ہیں۔ آپ کا نام ہی ہمارے

لئے بہت کافی ہے۔"

"کتابوں افسانوں اور کہانیوں کی باتیں ہیں۔ حقیقت کی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ جو شخص کسی کے لئے کچھ نہ کر سکے اس پر وقت ضائع کرنا بے مقصد ہے۔"

بہرحال اب وہ اس طرح کی باتیں کرتے تھے۔ ایک شام جواد اور سجاد پر الٹ پڑے۔ دونوں کے دونوں موجود تھے اور یہ بھی ایک سچ تھا کہ ان کا رویہ کچھ عجیب و غریب تھا۔ باپ سے کچھ کہا تو نہیں تھا کسی نے۔ لیکن منہ پھلائے رہتے تھے۔ سخاوت بیگ نے کوئی بات ہی نہیں کی تھی اس سلسلے میں۔ سخاوت بیگ نے ہی کہا۔

"ہاں بھئی نوجوانو! کوئی بندوبست کیا ہے ہمارے لئے؟"

"کیا بندوبست ابو؟" سجاد نے پوچھا۔

"میاں بہت سے دارالامان ہیں۔ اولڈ ہاؤس تو یہاں ہیں نہیں لیکن پھر بھی کچھ خدا ترس لوگوں نے اپاہج اور معذور بوڑھوں کی پرورش کے لئے کچھ جگہیں بنا رکھی ہیں۔ بات کر لو اور بھجوا دو مجھے وہاں۔ کم از کم اس احساس سے تو چھٹکارا ملے گا کہ یہاں مجھے کسی کی توجہ حاصل نہیں ہے۔"

"یہ سارے قصے آپ خود ہی اپنے دل میں گھڑتے رہتے ہیں ابو۔ ورنہ نہ میں نے کبھی یہ سوچا اور نہ ہی جواد نے سوچا ہو گا۔"

"تمہارا رویہ.... اپنے رویئے پر غور کرتے ہو کبھی۔ پوچھتے ہو مجھے خواہش سے کہ کیا حال ہے میرا۔ کس کیفیت میں بیٹھا ہوا ہوں؟"

"ہم جانتے ہیں ابو آپ سے باتیں کریں گے تو آپ الٹے ہی ہمیں سنانے لگیں گے۔"

"قصور میرا ہے ناں۔ سارا قصور میرا ہی ہے۔ سہارا دیا تم نے مجھے۔ پکڑا تھا میرا ہاتھ۔ اپنی اپنی دنیا میں مست ہو۔ کبھی کوئی مشورہ دیا مجھے بیٹھ کر۔ خود میرے پاس آ کر بیٹھے کبھی کہ ابو مستقبل میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"آپ اس کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے ابو۔ آپ سے کیا باتیں کی جائیں؟" جواد نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ ظلم و ستم کی انتہا کر رکھی ہے میں نے اس گھرانے پر۔ سب میری بربریت کا شکار ہیں۔ شداد ہوں میں۔ نمرود ہوں۔ فرعون ہوں۔ تم سب پر میں نے تسلط قائم کر رکھا ہے میں نے۔ چنگیز خان کی نسل سے ہوں نا؟"

"یہ سب کچھ ہم نہیں کہہ رہے۔ آپ ہمیں ایک بات بتایئے۔ آپ نے ملازمت چھوڑی ہم سے مشورہ کیا؟"

"ہاں ہاں باپ میں ہوں۔ نہیں نہیں تم دونوں میرے باپ ہو۔ تم سے مشورہ کرنا چاہئے تھا مجھے۔ ظاہر ہے دولت کے انبار لگا دیئے تم نے کما کما کر میرے لئے اور ایسے بیٹے

جو پورے گھر کے اخراجات اٹھا رہے ہوں بھلا یہ کیسے برداشت کریں گے کہ ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھایا جا سکے۔"

"ریٹائرمنٹ لینا ہی نہیں چاہئے تھا آپ کو۔" سجاد بولا۔

"اور بہن کی شادی۔ اس کا تو سارا جہیز جمع کر رہے تھے تم لوگ۔ اپنی اپنی کمائی لاتے ہو۔ گھر کے اخراجات کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مہنگائی پر کبھی غور نہیں کرتے۔ یہ نہیں پتے کہ آٹا کیا بھاؤ ہے۔ تیل کس حساب سے آتا ہے۔ بس ایک رقم دے دی اور مطمئن ہو گئے۔ بھئی غور کرو سجاد میاں جو تم گھر کو دیا کرتے ہو وہ تو تم پر ہی خرچ ہو جاتا ہے۔ بہن کی شادی کے لئے محمود حسن نے ہماری گردن میں رسی کا پھندا ڈالا ہوا ہے۔ بتاؤ۔ کبھی اس پھندے کی گرہ ڈھیلی کی تم میں سے کسی نے۔ کیا پوچھ رہا ہوں میں بتاؤ' جواب دو۔"

"میں کہتا ہوں ریٹائرمنٹ لینے کی کیا ضرورت تھی۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا.... اب ہو گیا؟"

"اب کی بات مت کرو اب کی بات مت کرو بیٹے۔ اب تو وہ کچھ ہوا ہے وہ تو میری بدقسمتی' میری بد نصیبی ہے اور میری ہی نہیں بلکہ تابندہ کی اور اس کے بعد ان دونوں بچیوں کی۔ ارے تمہارا کیا ہے' زندگی میں عیش کرو گے اپنی دنیا الگ بسا کر۔ ماری گئیں تو یہ تینوں بدبخت لڑکیاں اور ان کی ماں۔ اب یہ اپاہج بھیک مانگنے کے لئے تو نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ یہ خاندانی معیار نہیں رہا ہے۔"

"آپ نے ریٹائرمنٹ لیا ابو۔ چیک ملا آپ کو کیا وہ چیک بینک میں نہیں جمع کرایا جا سکتا تھا۔ اسے کیش کرا کے رقم لئے لئے پھرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"باؤلا ہو گیا تھا۔ پاگل ہو گیا تھا اور کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"ابو آپ ہم سے بھی کہہ سکتے تھے۔ ہمیں ساتھ بھی لے جا سکتے تھے اگر کیش ہی لانا تھا آپ کو؟"

"جوتا اٹھاؤ میاں جوتا۔ بیس بیس مارو گن کر دونوں میرے سر پر۔ اب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بچی کے لئے کر رہا تھا جو کچھ بھی کر رہا تھا بدبختو۔ بچی کے لئے بس آ گئی بد نصیبی۔ پیچھا گھیر لیا میرا۔ ہائے اب کیا کروں؟ کچھ نہیں سمجھ میں آتا۔ ارے میاں ایک کام کرو۔ لوگ لاوارث لڑکیوں کی شادیاں کر دیتے ہیں۔ تم بھی تابندہ کو لاوارث سمجھ کر ہی کچھ کر دو اس کے لئے۔"

"آپ کے پاس فضول باتوں کے سوا کیا ہے ابو۔ کیا کہہ سکتے ہیں اس بات پر؟"

"میاں ایک بات سنو۔ جو جملے کہے ہیں نا تم نے مجھ سے اگر میرے پاؤں سلامت ہوتے تو اٹھتا اور اتنا مارتا تمہیں کہ بیٹا بچپن یاد آ جاتا۔ لیکن کیا کروں اب اتنے سعادتمند تو ہو نہیں کہ میرے پاس آ جاؤ سر جھکا کر کہو لیں ابا مار لیں۔ ارے کیا ہو گیا مجھے؟ کتنی بے

بسی طاری ہو گئی ہے مجھ پر؟"

بیگ صاحب پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ دونوں لڑکے جھلائے ہوئے انداز میں باہر نکل گئے تھے۔ بسی کسی کا شکار تھا یہ گھرانہ' بد نصیبی نے واقعی اس کا پیچھا گھیر لیا تھا۔ بیگ صاحب کی ایسی حالت بھی اس بے بسی کی آئینہ دار تھی۔ مسائل کے پہاڑ کھڑے تھے اور وسائل کچھ نہ تھے۔

□

شامی انعام احمد صاحب کو بازو سے پکڑے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔ انعام احمد صاحب اب بھی مسلسل اپنا بازو چھڑا رہے تھے لیکن شامی نے ان کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ انعام احمد صاحب نے کہا۔

"میاں انسان ہو یا درندے۔ یہاں گارمنٹ سٹی میں کیا تم نے پہلوانی شروع کر رکھی ہے۔ دیکھو بازو کی ہڈی تڑخ گئی تو میں تمہیں کم از کم دو سال کے لئے جیل بھجوا دوں گا تم نے مجھے معمولی آدمی سمجھا ہے کیا؟"

"سر! میں تو آپ کا غلام ہوں۔ آپ کا خادم۔ بھلا میری یہ مجال کہ آپ کی شان میں کوئی گستاخی کروں۔ انتہائی معذرت چاہتا ہوں۔ خدارا میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔"

"غلط فہمی کیسی' بچے میرا بازو ٹوٹ رہا ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئیں گے۔"

"سر! آپ میرے کمرے میں تشریف لایئے۔ میں آپ کے جوتوں کی خاک ہوں۔ آپ کی خدمت کر کے مجھے دلی خوشی نصیب ہو گی۔ آپ براہ کرم کچھ لمحات مجھے دے دیجئے گا۔"

لیکن انعام احمد صاحب وہ لمحات اسے کیا دیتے وہ تو بس گھسٹ رہے تھے اور دوسرے لوگوں کی نگاہیں بھی ان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ شامی انہیں اپنے کمرے میں کھینچ لایا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے انعام احمد صاحب کا بازو چھوڑا تھا اور پھر بڑے احترام سے انہیں کرسی پیش کرتا ہوا بولا تھا۔

"آپ تشریف رکھئے گا۔ بخدا آپ سے اتنا متاثر ہوا ہوں میں کہ زندگی میں شاید کبھی کسی سے اتنا متاثر نہ ہوا ہوں گا سر آپ دو منٹ میرے پاس تشریف رکھیں گے تو مجھے دلی مسرت ہو گی۔"

انعام احمد صاحب اسے گھورنے لگے پھر بازو سہلاتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یہ تمہارا ہاتھ ہے یا لوہے کا شکنجہ؟"

"سر! کیا عرض کروں بس یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی گزار رہا ہوں۔ بد نصیبی ہے میری کہ مجھے یہ گستاخی کرنا پڑی لیکن آپ جانتے ہیں نوکری کا معاملہ ہے جس کا کھایا جاتا ہے نا سر اس کے حکم کی تعمیل بھی کی جاتی ہے ورنہ آپ۔ بس میں کیا کہوں؟"

شامی کی آواز میں بھراہٹ پیدا ہو گئی اور انعام احمد چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

"ایک گلاس پانی تو پلوا دو گے۔"

"آپ حکم کیجئے۔ میں ٹھنڈا منگاتا ہوں آپ کے لئے۔"

"نہیں نہیں بس ٹھنڈا پانی۔"

شامی نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور اس سے ٹھنڈا پانی لانے کے لئے کہا۔ انعام احمد صاحب اپنا ہاتھ جھٹک رہے تھے انہوں نے کہا۔

"بازو آہستہ سے نہیں پکڑ سکتے تھے؟"

"نوکری چلی جاتی سر۔"

"کیا مطلب؟"

"میڈم محسوس کر لیتی ہیں کہ میں آپ کے ساتھ رعایت برت رہا ہوں۔ پھر بھلا کیا مجال تھی میری کہ میں اس دفتر میں قدم رکھ سکتا۔"

"اتنی سخت گیر ہیں وہ؟"

"سر آپ سے کیا عرض کروں بس جانے دیجئے مالکان کی برائی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ نمک حرامی کہلاتی ہے۔"

"جیسی حسین صورت ہے ویسا حسین کردار نہیں ہے شاید۔"

"نہیں سر! سب کچھ ٹھیک ہے۔ بس مزاج کی بہت تیز ہیں۔"

"میں ٹھیک کر لوں گا۔" انعام احمد صاحب نے کہا اور شامی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ اتنی بے عزتی کے بعد بھی یہ شخص مستقبل کے بارے میں کچھ امیدیں رکھتا تھا۔

چپراسی نے پانی لا کر رکھ دیا اور انعام احمد صاحب نے پانی کا گلاس اٹھا لیا۔ شامی اپنی کرسی پر بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔ پانی کا پورا گلاس خالی کرنے کے بعد انعام احمد نے کہا۔

"کیا کرتے ہو؟"

"مارکیٹنگ منیجر ہوں سر۔"

"اچھی خاصی پوسٹ ہے۔"

"بس دعائیں ہیں آپ کی۔"

"کس قسم کے آدمی ہو؟"

"درجہ اول کا سر۔" شامی نے جواب دیا اور انعام احمد اس برجستگی پر چونک پڑے۔

"میرا مطلب ہے کچھ دوستیاں' دوستیاں بھی کرتے ہو یا بس نوکری ہی کرتے ہو؟"

"سر! اپنی حیثیت کے لوگوں سے دوستی بھی کرتا ہوں۔"

"مجھ سے دوستی کرو گے؟"

"سر میری اوقات سے بڑھ کر بات ہو گی۔"
"مگر میں مختلف قسم کا آدمی ہوں۔"
"وہ تو مجھے لگ رہا ہے سر ورنہ آپ جیسے بڑے آدمی مجھ غریب کو گفتگو کے قابل سمجھیں گے۔"

"دروازہ بند کر دو ذرا۔" انعام احمد صاحب نے آنکھ دبا کر کہا اور شامی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد اس نے آفس کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ خود بھی بے باک آدمی تھا۔ حالانکہ جس سچویشن میں انعام احمد صاحب کو میڈم کے کمرے سے لایا تھا۔ اس کے بعد یہ ہو سکتا تھا کہ میڈم فوراً ہی اسے طلب کر لیتیں اور صورت حال معلوم کرتیں لیکن شامی نے پروا کئے بغیر دروازہ بند کر دیا تھا۔ انعام احمد صاحب بولے۔

"تمہیں میرا کیس معلوم ہے؟"
"سر! ساری تفصیل عرض کر چکا ہوں آپ سے۔ نوکری کرتا ہوں یہاں کہیں اور مل جائے گی تو کہیں اور کر لوں گا میڈم کی سخت گیری کی بارے میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں۔"
"تو گویا تمہیں میرا کیس معلوم نہیں۔"
"بالکل نہیں۔"
"عشق کرتا ہوں اس سے۔"
"کس سے؟" شامی نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔
"اماں انہی سے۔ نام تک نہیں بتاتی اپنا۔ بس میڈم میڈم کہو۔"
"جی جی سر۔ وہ اپنا نام کیوں نہیں بتاتیں؟"
"کیا پتا؟"
"کیا کسی کو بھی نہیں پتا سر؟"
"پتا ہو گا مجھے نہیں معلوم۔ میڈم ہی کے نام سے مشہور ہیں۔"
"بڑی پراسرار خاتون معلوم ہوتی ہیں۔"
"اور خوبصورت بھی۔" انعام احمد نے کہا۔
"جی سر۔ جی سر۔"
"تو میں ان سے عشق کرتا ہوں۔"
"بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر۔"
"خاک خوشی ہوئی میاں تم نے دیکھا نتیجے میں مجھے کیا ملا۔ بے عزتی رسوائی۔"
"سر! سنا ہے عشق کے نتیجے میں یہی ملتا ہے۔"
"نہیں بھائی سبھی ان کی طرح مغرور تھوڑی ہوتے ہیں۔"
"ج.... جی۔"

"اب تم دیکھو نا وہ مجنوں تھا۔ بے شک لیلیٰ سے عشق کرتا تھا۔ لیلیٰ کا دماغ اتنا خراب نہیں تھا وہ تو پاس پڑوس کے لوگوں نے گڑبڑ کر رکھی تھی ورنہ دونوں ایک دوسرے کے ہوتے۔"
"جی جی سر' فرہاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"فرہاد کا کیس ذرا الجھا ہوا ہے۔ بھئی شادی شدہ عورت سے عشق اول تو ویسے ہی نہیں کرنا چاہئے اور پھر اس کے بعد یہ شور شرابہ کہ دودھ کی نہر نکال لاؤں۔"
"جی سر' جی سر۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ویسے یورپ میں عشق اچھا ہوتا ہے اب دیکھئے نا رومیو اور جولیٹ کا مسئلہ کوئی ایسا نہیں ہے جس میں کوئی بہت ہی الجھی ہوئی بات ہو۔"
"سر ہم اس معاملے میں بڑے پسماندہ ہیں۔"
"خیر ایسی بات نہیں ہے۔ ہے پُرلطف مشغلہ۔"
"جی جی' سر۔"
"لو بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں ان خاتون سے عشق کرنے لگا ہوں اور ان سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر یہ وہی جو شاعروں نے کہا کچھ کہا ہے ایسے موقعے کے بارے میں۔ میرا مطلب ہے کہ محبوب ہمیشہ خونخوار ہوتا ہے۔ خونخوار کا لفظ ٹھیک ہے یہاں؟"
"نہیں سر۔ اگر وہ خونخوار ہو تو محبوب نہ ہو۔"
"کیا شرح مرتب کر رہے ہو؟"
"نہیں سر بالکل نہیں۔"
"تو پھر یہ اتنی تفصیل سے خیر چھوڑو کام کی بات کرتے ہیں تو بات یہ ہے کہ میرے بھائی مارکیٹنگ منیجر ہو تم یہاں۔ میری فرم بھی کم نہیں ہے جنرل منیجر لگ سکتے ہو وہاں لیکن کچھ کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔"
"جی سر' بالکل۔"
"تو بات اصل میں یہ ہے کہ میرے اس عشق کو کامیاب ہونا چاہئے۔"
"سر اس کے لئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"
"میاں یہ میں تمہیں بتاؤں۔ منیجر بننے کے لئے انسان کو بہت کوشش کرنا ہوتی ہے۔"
"گویا.... گویا سر میں' میرا مطلب ہے۔"
"ہاں ہاں بالکل تم کسی طرح کوئی ایسی تجویز بتاؤ جس سے میرا یہ عشق کامیاب ہو سکے نوجوان آدمی ہو۔ کرنٹ افیئرز کے بارے میں جانتے ہو اصل میں جوانی میں' میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا۔"

"سر آپ شادی شدہ ہیں؟"
"تھا اب نہیں ہوں۔" انعام احمد صاحب نے بتایا۔
"گڑبڑ کر دی؟" شامی نے رازداری سے پوچھا۔
"نہیں میاں بیوی مر گئی۔"
"اوہو' اوہو' بڑا افسوس ہوا بچے ہوں گے آپ کے؟"
"نہیں ہیں۔ بیکار اکیلا پھر رہا ہوں۔"
"ہاں ہاں وہ جو کہتے ہیں ناکہ تنہائی میں انسانی دماغ شیطان کا گھر بن جاتا ہے۔"
"کک.....کیا مطلب؟" انعام احمد صاحب چونک کر بولے۔
"میرا مطلب ہے اس قسم کے امراض تنہائی ہی میں لگ جایا کرتے ہیں۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم نے اسے غور سے نہیں دیکھا تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ جوانی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ والدین نے شادی کی۔ کرلی بیگم صاحبہ ذرا مختلف مزاج کی خاتون تھیں۔ دقیانوسی خیالات کی حامل' پسند نہیں تھیں مگر کام چلاتا رہا پھر خود انہوں نے ہی مجھ پر رحم کر ڈالا۔ بیمار ہوئیں اور اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ بس اس وقت سے یہ سوچا تھا کہ جو تجربہ کیا ہے دوبارہ نہ دہرایا جائے بھلا انسان بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ آخر کار وہی ہوا اور اب پتا ہے کیا دل چاہتا ہے؟"
"نہیں سر مجھے نہیں معلوم۔"
"اب دل چاہتا ہے کہ نوجوانوں کی طرح عشق کیا جائے۔"
"تو آپ بوڑھے تو نہیں ہیں کتنی عمر ہو گی آپ کی۔ عمر کتنی بھی ہو لیکن صحت اور شخصیت آپ کی ایسی ہے کہ آپ سے تو خود عشق ہو جانا چاہئے۔"
"اماں نہیں بے وقوف بنا رہے ہو دیکھو نہ میں بے وقوف ہوں نہ پاگل مگر وہ جو کہتے ہیں ناکہ عشق میں انسان کی سٹی گم ہو جاتی ہے۔ یہ خاتون جتنا مجھے نظر انداز کر رہی ہیں یقین کرو۔ افسوس کریں گی بعد میں۔"
"سو فیصد' سو فیصد لیکن جناب آپ جس قسم کے انسان ہیں میں دل کی بات آپ سے کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔"
"میاں تو کہو نا اب جب تم نے اس قدر بے عزتی کر دی ہے ہماری اور پھر اس طرح پکڑ کر یہاں لے آئے ہو تو کوئی کام کی بات کر دو بھائی۔ ہم نے تو اپنی طرف سے تمہیں پیش کش کر دی ہے لیکن شرط وہی ہے۔"
شامی نے دل ہی دل میں دانت پیسے لیکن چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پیدا کر کے بولا۔
"جناب آپ مجنوں' فرہاد وغیرہ کے عشق کے قائل ہیں تو جناب عالی اس کے بھی قائل ہوں گے کہ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔"
"کیا کیا مطلب؟"
"کسی ایسے درویش سے رابطہ کیا جائے جو یہ کام بنا دے۔"
"یعنی فقیر۔ میرا مطلب ہے عامل وغیرہ؟"
"ہوتے تو ہیں۔ میں نے ایسے بہت سے کیس دیکھے ہیں جو اس طرح پورے ہو گئے ہیں۔"
انعام احمد صاحب سوچ میں ڈوب گئے پھر آہستہ سے بولے۔
"کیا نام ہے آپ کا؟"
"احتشام احمد۔"
"مسٹر احتشام۔ دیکھو یار دوستی کے لئے کوئی عمر درکار نہیں ہوتی اور پھر اگر کسی کی ضرورت کسی سے پوری ہو جائے تو اس سے بڑا دوست اور کون ہو سکتا ہے۔ یار یہ کام کرا دو بس یوں سمجھ لو زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔"
"مم.... میں کرا دوں۔"
"روپے پیسے کی کوئی پرواہ نہ کرنا جتنے بھی خرچ ہو جائیں میں ایڈوانس دینے کے لئے تیار ہوں۔"
شامی نے گھور کر انعام احمد کو دیکھا اور بولا۔ "انعام احمد صاحب ایک بات کہوں آپ سے؟"
"ہاں ہاں فوراً فوراً۔"
"دیکھئے بات بڑی عجیب سی ہو جاتی ہے لیکن کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میڈم میری مالکہ ہیں۔ میں ان کی عزت کرتا ہوں۔ ان کا احترام کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ایک خاتون کو اپنے راستے پر لانے کے لئے مجھ سے مدد مانگ رہے ہیں۔ جانتے ہیں ایسے لوگوں کو کیا کہا جاتا ہے؟"
"سس..... سوری میرا یہ مطلب نہیں ہے.....تت.....تم.....تم۔" انعام احمد صاحب گھبرا گئے۔
"تیسری بات یہ ہے کہ آپ مجھے پیسے کی پیش کش بھی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد میری حیثیت میری اوقات کیا ہو جاتی ہے۔ کیا آپ مجھے ایک گندی سی گالی نہیں دے رہے؟"
"بخدا یہ نظریہ بالکل نہیں تھا لیکن تمہاری شخصیت کا قائل بھی ہو گیا۔ بڑے انسان معلوم ہوتے ہو۔ بڑی بات کر رہے ہو۔ اس سے تمہاری عزت میرے دل میں بڑھ گئی لیکن دوستوں سے مشورے تو لئے جا سکتے ہیں۔ مشورے کے طور پر تو میں تم سے پوچھ سکتا ہوں

کہ بتاؤ کیا کروں؟"

"کچھ درویش عامل میرے علم میں ہیں اور وہ ایک پیسہ بھی نہیں لیتے ایسے کسی کام کا نہ ہی میں ایک پیسہ آپ سے اس سلسلے میں طلب کروں گا۔ نہ کوئی احسان قبول کروں گا لیکن آپ کو چونکہ عشق ہو گیا ہے اس لئے دوستانہ طور پر میں آپ کے لئے کوشش کروں گا کہ کسی اچھے بزرگ سے رابطہ قائم ہو جائے آپ اپنے طور پر جو کوشش کرنا چاہتے ہیں وہ جاری رکھیے گا اور ایک بات عرض کر دوں آپ سے؟"

"ہاں ہاں کہئے کہئے۔"

"دیکھئے میڈم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کو وہاں سے لے آؤں' مجھے ان کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ آئندہ بھی اگر کوئی ایسی صورت حال ہو اور میں آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی کر جاؤں تو دوستی کے حساب میں معاف کر دیجئے گا۔"

"وعدہ رہا مگر یہ کام کب تک کر ڈالو گے؟"

"اب دیکھئے مصروف آدمی ہوں پھر بھی جلد از جلد۔"

"بے حد شکریہ احتشام صاحب' میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔"

"اچھا چلتا ہوں۔"

"جی جی۔ سیدھے جایئے کہیں ایسا نہ ہو کہ میڈم کے کمرے کی جانب دوبارہ رخ کر لیں۔"

"نہیں سیدھا ہی جاؤں گا۔" انعام احمد صاحب نے کہا اور اس کے بعد وہ شامی سے بڑے احترام سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ شامی شرارت آمیز نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

□

بیرسٹر ہاشم علی اپنی اہلیہ اور بیٹی کے ساتھ محمود حسن کے گھر پہنچ گئے۔ حسن بھی گھر میں ہی موجود تھا۔ محمود حسن صاحب نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا اور بہت مسرور نظر آنے لگے۔ ہاشم علی نے کہا۔

"بھئی محمود صاحب نہایت ہی بے تکلفی کا ثبوت دیا ہے میں نے اور دیکھو میاں بے تکلف اسی سے ہوا جاتا ہے جس سے اپنائیت محسوس کی جاتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اصولی طور پر مجھے اطلاع دے کر یہاں آنا چاہئے تھا لیکن جناب ہم نے بھی سرپرائز دیا اور اچانک ہی یہاں پہنچ گئے۔"

"تو اس میں کوئی ایسی بات کہاں ہے ہاشم علی صاحب ظاہر ہے اپنائیت کی بات ہے۔ ہم پیشہ بھی ہیں ہم لوگ۔ دوست بھی ہیں۔"

"یقیناً یقیناً۔"

"تو پھر اچانک آنے کے لئے معذرت' کا مسئلہ ختم ہو گیا۔"

"بالکل۔" محمود حسن نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر فرزانہ بیگم سے سب کا تعارف کرانے لگے۔ فرزانہ بیگم نے گہری نگاہوں سے غزالہ کو دیکھا تھا۔ اچھی لڑکی تھی۔ ایک نگاہ میں کسی کو بھی پسند آ سکتی تھی۔ فرزانہ بیگم بہرحال ان کے آنے سے جزبز نہیں ہوئی تھیں۔ حسن بھی نارمل ہی تھا۔ بیرسٹر ہاشم علی صاحب حسن سے اس کے مستقبل کے بارے میں سوالات کرتے رہے۔ حسن نے سادگی سے اپنے آئندہ پروگرام انہیں بتا دیئے تھے۔ ویسے یہ سادگی مصنوعی ہی تھی وہ ایک دم چوکس ہو گیا تھا۔ غزالہ جس قدر بے باک لڑکی تھی اور اس نے جس انداز میں حسن سے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی اس کے تحت کوئی بھی کوشش کر سکتی تھی وہ۔

بہرحال ہاشم علی صاحب اور بیرسٹر محمود حسن بڑی فراخدلی سے ہر موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ خاطر مدارت کا بھی سلسلہ شروع ہوا۔ غزالہ نے حسن سے کہا۔

"حسن صاحب اپنی رہائش گاہ دکھایئے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ مستقبل کا ایک بہت بڑا اسپیشلسٹ اپنی عام زندگی میں کیسا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے میری رہائش گاہ میں - آیئے اگر یہ عمارت دیکھنا چاہتی ہیں تو تشریف لایئے۔"

غزالہ حسن کے ساتھ چل پڑی۔ حسن اسے اپنی خواب گاہ میں لایا اور غزالہ ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی پھر بولی۔

"اصل میں آپ کے مزاج کا اندازہ لگانا چاہتی ہوں۔"

"کیا اندازہ لگایا؟"

"بڑا شاعرانہ ہے اور شاعر تھوڑے بہت رومان پسند ضرور ہوتے ہیں۔ حسن صاحب جبکہ آپ کی فطرت میں یہ عنصر بہت کم پایا جاتا ہے۔"

"اسے بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"نہیں' بدقسمتی تو خیر یہ بالکل نہیں ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ دوسروں کی بدقسمتی ہے۔"

"بھلا وہ کیوں؟"

"آپ جیسی شخصیت بہت کم نظر آتی ہے۔ ہر لحاظ سے مکمل۔ شکل و صورت میں بے مثل۔ اعلیٰ ذوق کی مالک۔ ایسی شخصیتوں کو نہ چاہنا بدبختی کے سوا اور کیا ہے؟"

"آپ تو الٹی گنگا بہا رہی ہیں غزالہ صاحبہ۔"

"بھلا وہ کیوں؟"

"محبوبیت کے تمام حقوق تو صنف نازک کے لئے وقف ہیں لیکن آپ یہ جملے ادا کر کے صنف قوی کے حقوق چھین رہی ہیں۔"

"جی نہیں' زمانہ آزادی اور برابری کا ہے۔ جن جذبات کو تالوں میں قید کر کے رکھا جاتا تھا اب وہ قید سے رہائی پا چکے ہیں۔ عورتیں اپنے حق کے حصول کے لئے سرگرداں ہیں۔ الفاظ ہی کی تو بات ہے نا۔ ہم اپنے جذبات کا اظہار اگر لفظوں میں کر دیتے ہیں تو یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر ہنگامہ برپا ہو جائے۔ بھئی تھوڑی ہی سی تو پی لینے والی بات ہے اور یہ بات کوئی اتنی بری بات نہیں ہے۔"

"خیر نظریہ ہے آپ کا۔"

"آپ اس سے اتفاق نہیں کرتے؟"

"جانے دیجئے آپ مہمان ہیں میری آپ کی ہر بات کو برداشت کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔"

"کوئی ایسی بات کہہ دی کیا میں نے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ میں تذکرے کے طور پر کہہ رہا ہوں۔"

"یہ مونا لیزا صنف نازک ہی ہے نا۔"

"جی۔"

"اور آپ کے کمرے میں موجود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ حسن لطیف آپ کے اندر ہے۔"

"عجیب سی بات ہے میں نے آپ سے کب کہا کہ ایسا نہیں ہے۔"

"نہیں' کہا تو نہیں ہے لیکن پذیرائی تو آپ نہیں کرتے۔"

"کس کی؟"

"صنف لطیف کی۔"

"کرتا ہوں غزالہ صاحبہ۔"

"ہم تو وہی کہیں گے کہ۔

اے چشم ساقی کیوں اتنا تغافل
رہ رہ گئے ہم ساغر اٹھا کر

اتنا بے باک اور آزاد شعر تھا کہ حسن کو خاموش ہی ہو جانا پڑا غزالہ نے فوراً ہی بات پلٹ دی۔

"اور یہ ڈیکوریشن پیس بھی ذوق شاعرانہ ہے آپ کا اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اشعار وغیرہ سے بھی کافی دلچسپی ہو گی؟"

"جی ہاں' کیوں نہیں۔"

"کوئی اچھا سا شعر سنائیے۔"

"شعر کی حرمت داغدار ہو جائے گی۔"

"کیوں' کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔"

"جب تک رسم دنیا موقع اور دستور نہ ہو شعر گوئی میرے خیال میں کوئی بہتر علامت نہیں ہوتی۔"

"موقع اور دستور' رسم دنیا کی بات چھوڑ دیجئے۔ چلئے ساری باتیں چھوڑ دیجئے آپ کی کوٹھی بہت خوبصورت ہے۔"

"شکریہ۔"

"ایسی کوٹھی میں بھلا کس کا زندگی بھر رہنے کو جی نہ چاہے۔"

"جی بس کرم نوازی ہے آپ کی۔"

اتنی دیر میں ملازمہ آگئی اور اس نے کہا کہ بیرسٹر صاحب بلا رہے ہیں۔

"آئیے۔"

"رکئے تو ذرا۔"

"نہیں آئیے بلایا ہے ان لوگوں نے۔" حسن نے کہا اور غزالہ بحالت مجبوری حسن کے ساتھ واپس کمرے میں آگئی۔ ہاشم علی نے کہا۔

"بھئی غزالہ لگتا ہے کچھ زیادہ ہی پسند آگیا یہ گھر؟"

"جی ڈیڈی بات کچھ ایسی ہی ہے۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا تو بھئی پھر اجازت؟"

"ہاشم بھائی دل بھی نہیں بھرا ابھی تو؟"

"میاں دل نہ بھرلینا ہم سے کیونکہ دل بھر جانے کا مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ کی ملاقاتیں ختم۔"

"نہیں یہ مطلب تو خیر بالکل نہیں ہوتا۔"

"پھر آئیں گے بلکہ بار بار آئیں گے بلکہ آتے رہیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ اب تم ہماری دعوت قبول کرنا۔"

"آپ جب حکم دیں گے حاضر ہو جائیں گے۔"

"بس تو ہمارے حکم کا انتظار کرو۔"

اس کے بعد یہ سب بیرسٹر ہاشم علی کو چھوڑنے آئے تھے۔

"ہمارے درمیان روابط اور پختہ ہو گئے حسن۔ ہسپتال میں ملاقات ہو گی۔" غزالہ نے آہستہ سے کہا۔

"جی۔" حسن نے کہا اور وہ لوگ اپنی کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔ محمود حسن مسکرا رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی کیسے لگے یہ لوگ بچیاں گھر موجود نہیں تھیں وہ بھی مل لیتیں غزالہ وغیرہ سے۔ یہ واپس کب آئیں گی آخر؟"

"آپ ہی نے تو چار دن کی اجازت دی تھی۔"

"اُفوہ۔ میں بے خیالی میں گردن ہلا جاتا ہوں۔ اب وہ ہوتیں تو وہ بھی مل لیتیں تم سے۔ ویسے فرزانہ بیگم ایمانداری سے بتانا کیسی لگی یہ لڑکی اور یہ مختصر گھرانہ۔"

"اچھے لوگ ہیں۔ ہنس مکھ ملنسار۔"

"میرا خیال ہے حسن اور غزالہ میں کافی انڈرسٹینڈنگ ہے کیوں حسن؟"

"ظاہر ہے وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔"

"بھئی حسن میاں ہماری تو نیت خراب ہو رہی ہے۔" محمود حسن نے جرات کرکے کہا۔

"سمجھا نہیں ابو۔"

"مرزا صاحب کے حالات تو مزید الجھ گئے ہیں۔ پہلے بھی الجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے اب نہ جانے کس کل اونٹ بیٹھے۔ تمہاری تعلیم کا کتنا حرج ہو رہا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں اس سلسلے میں۔"

"اس کا کیا حل سوچا آپ نے؟"

"صرف ایک۔ یہ منگنی توڑ دی جائے۔ غزل کے بارے میں غور کیا جائے۔ فائدے ہی فائدے ہیں۔ تم دونوں کو یکجا کر کے مشترکہ طور پر تعلیم کے لئے امریکہ بھیج دیا جائے۔"

"نہیں ابو۔ اتنے عرصے تابندہ سے ذہنی طور پر ملوث رہنے کے بعد اس کی جگہ کسی اور کو دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ غزالہ اچھی لڑکی ہے۔ ہاشم علی چچا بھی بہت اچھے آدمی ہیں لیکن میں غزالہ کو تابندہ کی جگہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" حسن نے صاف لہجے میں کہا اور محمود حسن اسے گھورنے لگے۔ پھر سنبھل کر بولے۔

"لیکن وہاں کے حالات میری سمجھ میں نہیں آئے۔"

"آپ انہیں سمجھائیں۔ ضروری نہیں ہے کہ شادی کا انداز روایتی ہو۔ ہنگامے اور نمائش ہو۔ سب کچھ سادگی سے کیا جا سکتا ہے۔ دو گھرانے یکجا ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت سنبھالی جائے تو برا نہ ہو گا۔ اس کے باوجود اگر ابھی یہ ممکن نہ ہو سکے تو میں تعلیم پوری کرنے چلا جاؤں گا واپس آکر دیکھا جائے گا۔"

"تم جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو؟"

"شاید۔" حسن نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

"گویا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔"

"یہ لفظ ہی غلط ہے ابو۔ فیصلہ ہمیشہ پہلا اور آخری ہوتا ہے۔" حسن نے کہا۔

□

زمین آسمان کا فرق تھا شیخ عظمت علی کے مکان میں اور اس فلیٹ میں۔ اول تو علاقہ ...تھا۔ پھر ایک منحوس کمرہ۔ سارا ماحول گھٹن کا شکار۔ اوپر سے شیخ صاحب۔ گھر سجایا جاتا ...۔ یہاں کی بات ہی کچھ اور تھی۔ زندگی محسوس ہوتی تھی۔ شامی بھی برسرروزگار ہو گیا تھا اور اب فراغت ہی فراغت تھی۔ کچھ شناسائیاں تھیں۔ دفتر کے لوگ بھی تھے کئی بار ...نے فراز سے اس کے گھر آنے کی فرمائش کی تھی مگر فراز نے ٹال دیا تھا۔ بھلا کسی کو ...صاحب کے مقبرے پر لے جایا جا سکتا تھا۔

...آج جلدی واپس آگیا۔ دوپہر ہی سے فراغت تھی۔ کچھ آؤٹ ڈور کام تھے جن کے ...فرصت تھی۔ پھر بھی ایک ہوٹل میں کھانا کھایا باہر نکلا تو آسمان پر بادل اڈ رہے تھے۔ ...بادل نہ جانے کیوں اتنے دلکش ہوتے ہیں۔ بہت ہی کور ذوق لوگ ہوتے ہوں گے جو ...موسم سے مچل نہ اٹھیں۔ جی چاہا کہ شامی کو دفتر سے بلا لے مگر اصول کے خلاف بات ...کچھ دیر سوچنے کے بعد فلیٹ پر واپس آگیا۔ ننھی ننھی بوندیں پھسلنے لگی تھیں۔ گھر کے ...ایسے کمرے کا انتخاب کیا جہاں سے بارش کا نظارہ کیا جا سکتا تھا لیکن بارش تیز نہ ہوئی۔

...کوئی چار بجے تھے کہ دروازہ بجنے کی آواز سنائی دی۔ فراز چونک پڑا۔ شامی نہیں ہو ...وہ بیل بجاتا تھا۔ فراز جلدی سے دروازے پر پہنچا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ اچانک اس کے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ سامنے والی فلیٹ کی نوجوان لڑکی تھی۔ سستے سے ...ے کا ملگجا لباس۔ باہر اڈنے والے بادلوں جیسے سیاہ گھنے اور لمبے بال جو الجھے ہوئے ...دودھ جیسا سفید چہرہ' انتہائی دلکش نقوش' حسین گلابی ہونٹ جو مرجھائے ہوئے تھے۔ ...حد خوبصورت لیکن روتی ہوئی آنکھیں۔

فراز گم سا ہو گیا۔ "وہ۔۔۔۔میں۔۔۔۔امی۔۔۔وہ" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی اور ...از چونک پڑا۔ پھر ایک دم سنبھل گیا۔

"جی جی فرمائیے کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟" فراز نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"امی۔ امی بے ہوش ہو گئی ہیں۔" اس کے منہ سے سسکی جیسی آواز نکلی۔

"بیمار ہیں۔"

"پتا نہیں۔" وہ آنسوؤں میں بھیگی آنکھوں سے اوپر دیکھ کر بولی۔

"میں انہیں دیکھ سکتا ہوں۔" فراز نے کہا۔

"ہماری مدد کیجئے۔" وہ بدستور اسی لہجے میں بولی اور فراز اسی طرح باہر نکل آیا۔ اسے ...کٹر داغ آدمی یاد تھا لیکن کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس پر۔ وہ سب کچھ نظر

انداز کر کے سامنے کے دروازے سے اندر گھس گیا۔ لڑکی اس کے پیچھے آ رہی تھی۔

"کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"اس طرف۔" لڑکی نے اشارہ کیا اور فراز اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں گیارہ سال کی لڑکی ایک بستر کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ بستر پر ایک عورت ساکت نظر آ رہی تھی۔ لاغر... زرد۔ فراز نے اسے دیکھا۔ پورا بدن پسینے سے بھیگ رہا تھا۔ اوپری سانس لے رہی تھی۔ یقیناً ہارٹ پرابلم تھا۔

"ابو کہاں ہیں آپ کے؟"

"شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"انہیں ہسپتال لے جانا ہو گا۔"

"میں، میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"آپ براہ کرم جلدی سے تیار ہو جایئے۔ بہت جلدی سے پھر انہیں ہسپتال لے چلیں۔"

"انیلا کو بھی لے چلیں گے۔"

"انیلا؟"

"یہ" لڑکی نے گیارہ سالہ لڑکی کی طرف اشارہ کیا پھر بولی۔ "یہ گھر میں اکیلی....."

"ہاں انہیں بھی لے چلیں گے مگر جلدی۔"

"جی۔" اس نے جواب دیا۔

فراز الٹے پاؤں فلیٹ سے نکل آیا۔ اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے کچھ رقم جیب میں ڈالی اور زینے پھلانگتا ہوا نیچے آ گیا۔ خوش قسمتی سے ایک ٹیکسی قریب ہی مل گئی اور فراز نے اسے روک لیا۔

"ایک مریض کو ہسپتال لے جانا ہے بھائی۔ جتنے پیسے مانگو گے دے دوں گا۔ لے چلو گے؟"

"کیوں نہیں جی۔ آپ مریض کو لے آؤ۔" ٹیکسی ڈرائیور بھی کوئی نیک آدمی ہی تھا فراز پھر چھلانگیں مارتا ہوا اوپر آیا۔ سامنے فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو آواز آئی۔

"آ جایئے۔"

فراز اندر داخل ہو گیا۔ دونوں لڑکیوں نے بس بال سنوار لئے تھے۔ لباس وہی تھے فراز نے کہا۔

"دروازے کی چابی لے لی ہے؟"

"ہاں۔" بڑی لڑکی نے جواب دیا۔ فراز ایک لمحے کے لئے جھجکا۔ پھر اس نے آگے بڑھ

کر عورت کو بازوؤں میں اٹھا لیا اسے احتیاط سے کاندھے سے لگایا اور آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"جلدی سے تالا لگا کر نیچے آ جایئے۔" لڑکیوں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ فراز ہلکی پھلکی عورت کو لئے ہوئے نیچے اترا اور اسے احتیاط سے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ دونوں لڑکیوں کو اس کے دونوں طرف بٹھا کر اس نے دروازے بند کئے اور پھر خود ڈرائیور کے پاس بیٹھ کر اسے چلنے کے لئے کہا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ فراز نے ڈرائیور سے امراض دل کے ہسپتال چلنے کے لئے کہا۔

لڑکیوں کے چہرے پریشانی اور دہشت سے زرد پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے فراز نے کچھ نہ کہا۔ آخر کار امراض دل کے ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ ایمرجنسی کاؤنٹر پر جا کر اس نے خود ہی اسٹریچر اٹھایا اور ٹیکسی کے پاس جا کر خاتون کو اس پر منتقل کیا۔ دو نیک دل وارڈ بوائے باہر ہی سے آ رہے تھے۔ انہوں نے اسٹریچر سنبھالا اور فراز سے بولے۔

"آپ پرچی بنوا لیں۔ ہم انہیں اندر لے جا رہے ہیں۔"

"آپ ان کے ساتھ جایئے۔" فراز نے لڑکی سے کہا اور بچی سے بولا۔ "بے بی آپ میرے ساتھ آیئے۔" کاؤنٹر سے پرچی بنوا کر فراز نے اندر کا رخ کیا۔ بچی اس کے ساتھ تھی۔ ایمرجنسی ہال کے ایک اسٹینڈنگ وال کے قریب وہ لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بھی آ گئے تھے اور کارڈیوگرام کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ ایک ڈاکٹر نے معائنہ شروع کر دیا تھا۔

فراز کو اطمینان ہوا۔ مریضہ کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹروں نے بھی فوری توجہ دی تھی۔ ای سی جی ہوا۔ ڈاکٹروں نے موقع پر ہی اس کا جائزہ لیا پھر ایک نرس کو کچھ ہدایات دیں۔ نرس واپس چلی گئی۔ دوسرے ڈاکٹر نے فراز کو ایک پرچہ لکھ کے دیا۔

"یہ دو انجکشن لے آیئے۔"

"میں آتا ہوں۔ آپ ہمت سے کام لیجئے۔" فراز نے لڑکی سے کہا اور تیزی سے باہر نکل کر میڈیکل اسٹور کی طرف دوڑا۔ اس نے قیمتی انجکشن خریدے اور واپس آ گیا۔ لڑکی ڈاکٹر کی ٹیبل پر فائل بنوا رہی تھی۔

"انجکشن لے آئے آپ؟"

"جی ڈاکٹر صاحب یہ ہیں۔"

"نرس۔" ڈاکٹر نے قریب کھڑی ہوئی نرس کو پکارا۔

"یس سر۔"

"یہ انجکشن لگا دو۔" لڑکی نرس کے ساتھ چلی گئی تھی۔ ڈاکٹر دوسرے مریض کی طرف متوجہ ہوا تو فراز بھی چھوٹی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر مریضہ کے پاس پہنچ گیا۔

"ہوش آیا۔" فراز نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔"

"ڈاکٹر نے کچھ بتایا؟"

"نہیں۔ ایک انجکشن لگایا تھا۔"

"کب؟"

"ہاں جب آپ گئے ہوئے تھے۔" فراز خاموش ہو گیا - نرس نے تھوڑے وقفے سے دونوں انجکشن دیئے اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ وہ لوگ مریضہ کے ساتھ ہی کھڑے رہے۔ فراز خاموش نگاہوں سے بستر پر لیٹی ہوئی خاتون کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کی آنکھیں بدستور بند تھیں لیکن اب کافی پرسکون معلوم ہوتی تھیں۔ سبک نقوش' جاذب نگاہ تھیں لیکن عسرت اور بے کسی کا شکار شخصیت میں ایک عجیب سی تمکنت تھی۔ فراز کے ذہن میں بہت سے خیالات آنے لگے۔ اس نے جس بے باکی کے ساتھ ان کو گود میں لے کر فلیٹ کی سیڑھیاں طے کی تھیں وہ بس ایک جذباتی نوعیت کا واقعہ تھا۔ ورنہ وہ تو بالکل اجنبی تھا۔ اس وقت اسے ذرہ برابر احساس نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔ کوئی دیکھتا تو کیا کہتا۔ وہ خطرناک آدمی بھی اسے یاد تھا اور اس سے متعلق کچھ باتیں اور بھی' اس کی نگاہیں یونہی لڑکی کی جانب اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔ فراز نے ہمدردی سے کہا۔

"جی کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟" لڑکی کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس نے سخت شرمندگی کے عالم میں کہا۔

"ہمارے' ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں آپ کے جتنے پیسے بھی۔"

"پلیز' کیا یہ وقت ان باتوں کا ہے آپ اس کے لئے ذرا بھی متردد نہ ہوں۔ آخر آپ پڑوسی کی حیثیت سے میرے پاس آئی تھیں۔ میں نے ایک معمولی سی خدمت سرانجام دے ڈالی تو اس میں کوئی احسان نہیں ہے نہ ہی آپ کو اس کے لئے الجھنا چاہئے۔ ہاں اگر احسان اتارنے کا خیال آپ کے دل میں اتنا ہی جڑ پکڑ رہا ہے تو یوں سمجھئے کہ اگر میں کبھی بیمار ہو جاؤں تو اس طرح مجھے ہسپتال لے آیئے گا۔" فراز نے خوشگوار انداز اختیار کرنے کی کوشش کی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر فراز کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ ڈاکٹر نے انہیں اشارہ کیا تھا فراز تیزی سے آگے بڑھا تو لڑکی بھی اس کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر کے پاس پہنچ گئی۔ ڈاکٹر نے ایک پرچہ لکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کچھ دوائیں لکھ دی ہیں میں نے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد انہیں ہوش آ جائے گا تو آپ انہیں لے جایئے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب کچھ بتائیں گے نہیں ان کے بارے میں؟"

"نہیں - ہارٹ اٹیک نہیں ہے دل کی حالت بھی نارمل ہے۔ ای سی جی کلیئر ہے بس بے پناہ کمزوری اور اس میں کوئی خاص خیال یا احساس جس نے انہیں عارضی طور پر دل کے

میں لے لیا تھا لیکن ہارٹ اٹیک والی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ بظاہر ... بھی نہیں ہیں۔"

فراز نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا۔ لڑکی کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"بہتر ہو گا کہ آپ میں سے کوئی ایک فرد مریضہ کے پاس رہے۔ دیکھئے یہاں ایمرجنسی وارڈ میں رش مناسب نہیں ہوتا۔"

"ڈاکٹر صاحب۔ بس یہ ہوش میں آ جائیں۔ ہم انہیں لے کر چلے جائیں گے۔ ظاہر ہے یہاں تفریح کرنے نہیں آئے آپ براہ کرم ہمیں اس کی اجازت دے دیجئے۔" ڈاکٹر نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک اور فائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔ فراز نے کہا۔

"آیئے۔" اور اس کے بعد وہ واپس مریضہ کے پاس پہنچ گئے۔ مریضہ کے جسم میں اب جنبش ہونے لگی تھی پھر اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ ادھر ادھر دیکھا اور اس کے چہرے پر وحشت نمودار ہو گئی۔ پھر قریب ہی اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھا اور اس کے بعد اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں امی' ایک منٹ لیٹی رہئے۔ ایک منٹ لیٹی رہئے۔"

"یہ یہ' یہ ہسپتال ہے؟" مریضہ نے کہا۔

"جی امی۔"

"اوہ اوہ۔" وہ بے چینی سے گردن پٹخنے لگی - فراز خاموشی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ ہمت کر کے اٹھ گئی۔ اسی وقت ڈاکٹر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے معمر عورت کو دیکھا مسکرایا۔ نبض دیکھی پھر آلہ لگا کر دل کی دھڑکنوں کا معائنہ کیا اور اس کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے جناب آپ لے جایئے انہیں اور بہتر ہو گا کہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کی جائے کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو خلاف مزاج ہو۔ یہ ایک عارضی کیفیت تھی جو ان دواؤں کے استعمال سے بہتر ہو جائے گی۔ خطرے کی بالکل کوئی بات نہیں ہے۔ او کے۔"

"شکریہ ڈاکٹر۔" فراز نے کہا اور معمر عورت نے حیران نگاہوں سے پہلے فراز کو پھر بیٹی کو دیکھا۔ فراز نے کہا۔

"چلئے باہر آ جایئے میں ٹیکسی دیکھتا ہوں۔ آپ دونوں انہیں سہارا دے کر باہر لے آیئے۔" اور اس کے بعد فراز تیزی سے باہر نکل آیا۔ ٹیکسی ملنا بالکل مشکل نہیں ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹیکسی خالی ہوئی تو فراز نے اسے روک لیا اور انتظار کرنے لگا۔ دونوں لڑکیاں معمر عورت کو سہارا دے کر باہر لے آئیں۔ فراز نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئیں۔

تب فراز' ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا اور ٹیکسی چل پڑی فراز نے راستے میں خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ ہو سکتا ہے اس وقت جب وہ ٹیکسی لینے کے لئے نکلا تھا۔ لڑکیوں نے معمر خاتون کو فراز کے بارے میں بتا دیا ہو لیکن راستے میں وہ بھی کچھ نہیں بولی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی بلڈنگ کے پاس پہنچ گئی فراز نے کہا۔

"آپ لوگ اطمینان سے آہستہ آہستہ اوپر جایئے۔ میں ٹیکسی والے کو بل ادا کر کے آؤں گا۔" فراز جیب سے پرس نکال کر بل ادا کرنے لگا۔ تینوں خواتین اوپر چلی گئیں۔

بل ادا کرنے کے بعد اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر سڑک عبور کر کے ایک بڑا میڈیکل سٹور تھا۔ فراز آگے بڑھ کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے میڈیکل اسٹور سے پرچے پر لکھی ہوئی دوائیں خریدیں اور پھر مزید کچھ فاصلہ عبور کر کے پھلوں کی ایک دکان پر پہنچ گیا۔ یہاں سے اس نے کافی مقدار میں پھل خریدے اور پھر یہ دونوں چیزیں لئے ہوئے وہ واپسی اپنی بلڈنگ میں آ گیا اور چند لمحات کے بعد اپنے فلیٹ کا تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے والے فلیٹ کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ غالباً فراز کے انتظار میں۔ فراز چند لمحات انتظار کرتا رہا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور دونوں لڑکیاں باہر آ گئیں۔

"یہ دوائیں ہیں اور یہ تھوڑے سے پھل۔ اس پرچے کے مطابق دوائیں استعمال کرایئے۔"

"وہ سنئے۔" بڑی لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

"جی۔"

"میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ...."

"پیسے نہیں ہیں آپ کے پاس۔ یہی یا اس کے علاوہ کچھ اور...."

"اصل میں۔"

"مجھے آپ کا نام بھی نہیں معلوم خاتون۔ آپ بار بار میرے اس خلوص کی کیوں توہین کر رہی ہیں جو میرے دل میں ہے۔ مجھے پیسوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کو کوئی بھی ضرورت ہو مجھ سے کہہ دیں۔ آپ کے لئے کچھ کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ اور سنئے۔ آپ کی امی کی حالت بہتر ہو جائے تو مجھے ضرور اطلاع کر دیں۔"

"ہم آپ کے احسان مند ہیں۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" فراز نے کسی قدر شوخ لہجے میں کہا اور وہ مسکرا دی۔

"کیا صلہ دیں اس احسان کا؟"

"بس دو چار گالیاں دے لیں۔"

"خدا نہ کرے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"صاعقہ' انیلا۔ کون ہے بیٹا؟" اندر سے آواز آئی اور وہ دونوں لڑکیاں چونک پڑیں۔ چھوٹی لڑکی جلدی سے اندر چلی گئی تھی۔ وہ ہچکچانے لگی۔

"صاعقہ' انیلا" دیکھئے مجھے آپ نے اپنے نام نہیں بتائے قدرت نے میری مدد کی ہے۔ اب آپ جایئے خدا حافظ۔"

فراز واپس پلٹ پڑا۔

دن کو تین بجے کے قریب میڈم کی جانب سے اشارہ موصول ہوا اور شامی نے فوراً ہی انٹرکام اٹھا لیا۔

"یس میڈم۔"

"مسٹر شامی۔"

"جی میڈم۔"

"وہ سائنات لمیٹڈ کا فائل لے کر میرے پاس آ جایئے۔"

"جی میڈم میں اسی پر کام کر رہا تھا۔"

"کام مکمل نہیں ہوا کیا؟"

"نہیں میڈم کام تو کل ہی مکمل ہو گیا تھا۔ میں اس کے سلسلے میں کچھ نئے پروگرام بنا رہا تھا۔"

"آ جایئے۔" میڈم نے کہا اور شامی سامنے رکھا ہوا فائل اٹھا کر میڈم کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے سلام کیا اور فائل ادب سے اس کے سامنے رکھ دیا۔

"بیٹھئے۔" وہ بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ گزرے ہوئے لمحات شاید اس کے ذہن سے محو ہو گئے تھے اس نے فائل اٹھا لیا۔

"آپ نے فلیکس کے سلسلے میں کیا کیا؟"

"میڈم بشنگ کلاتھ خرید لیا گیا ہے۔ کوالٹی چیک کر لی گئی ہے اور میں نے اسے رنگنے کے لئے دے دیا ہے۔ پرسوں مل جائے گا ہمیں۔"

"ہوں' ذرا مس مینا کو بلوایئے۔"

"جی بہتر۔" شامی اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو وہ بولی۔

"نہیں آپ بیٹھئے۔ میں چپراسی سے کہے دیتی ہوں۔" اس نے چپراسی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی اور اسے مس مینا کو بلا کر لانے کے لئے کہا۔

مس مینا آ گئی اور وہ اس سے باتیں کرنے لگی۔ "مس مینا پرسوں آپ کو اگر رنگا ہوا بشنگ کلاتھ مل جائے تو آپ فلیگ کی تیاری میں کتنا وقت لے لیں گی؟"

"کم از کم ایک ہفتہ میڈم۔"

"آج کیا تاریخ ہے؟"

"میڈم تیرہ تاریخ ہے۔"

"گویا آپ بیس تاریخ تک یہ کام مکمل کر لیں گی۔"

"نہیں میڈم تیئیس تاریخ تک کیونکہ کپڑا مجھے سولہ تاریخ کو ملے گا۔"

"ہوں مناسب ہے کیونکہ ہمیں انتیس تاریخ تک یہ سپلائی دینی ہے لیکن مس بینا انتیس سے تیس تاریخ نہیں ہونی چاہئے۔"

"نہیں ہو گی میڈم آپ اطمینان رکھئے گا لیکن سولہ تاریخ کو مجھے کپڑا مل جانا چاہئے۔"

"شامی صاحب آپ پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سولہ تاریخ کو آپ کپڑا دے دیں گے؟"

"جی میڈم سولہ تاریخ کو دن کے دو بجے کپڑا پروڈکشن سیکشن میں پہنچ جائے گا۔" شامی نے پر اعتماد انداز میں کہا۔

"مس بینا آپ مطمئن ہیں؟"

"جی میڈم۔" مس بینا نے کہا۔

"او کے تھینک یو۔ ٹھیک ہے شامی صاحب میں مطمئن ہوں۔ ارے ہاں ذرا میں یہ فائل دیکھ لوں۔" اس نے سامنے رکھے ہوئے فائل کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

اور پھر تقریباً سولہ منٹ تک شامی کو خاموش بیٹھنا پڑا لیکن اس دوارن وہ میڈم کا جائزہ لیتا رہا۔ کیا عجیب شخصیت کی مالک ہے یہ عورت بھی۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ' حسین ترین نقوش' بلاشبہ عمر زیادہ ہو گئی ہے لیکن ایک انوکھی دلکشی کی حامل' وہ فائل دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر فائل بند کر دیا۔ شامی کو دیکھا اور چونک پڑی۔

"ارے آپ.... ابھی یہیں بیٹھے ہوئے ہیں؟"

شامی جلدی سے کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ "سوری میڈم۔"

وہ ہنس پڑی اور اس نے کہا۔ "بیٹھئے بیٹھئے عجیب آدمی ہیں آپ۔ میں نے یہ تھوڑا کہا ہے کہ یہاں سے نکل جائیے۔ بس فائل پڑھتے ہوئے میں یہ بھول گئی تھی کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"تھینک یو میڈم۔"

"شامی صاحب' ایک بات کہوں آپ سے؟"

"جی میڈم۔"

"آپ اس قدر مودب کیوں ہو گئے میرے سامنے بہت دن سے آپ نے مجھ سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کیا ہے۔"

"نہیں میڈم' بھلا آپ سے لڑائی جھگڑے کی جرات کر سکتا ہوں میں۔"

"نہیں بھئی آپ کا لڑائی جھگڑا کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔" اس نے کہا۔

"جی۔"

"ہاں لڑتے جھگڑتے رہئے گا۔"

"میں سمجھ نہیں پایا میڈم۔ آپ طنزیہ الفاظ کہہ رہی ہیں یا؟"

وہ خاموش ہو گئی۔ آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"نہیں' بالکل طنزیہ نہیں کہہ رہی۔ مجھے آپ کی لڑائیاں یاد آ رہی ہیں۔ خیر۔ ارے ہاں وہ انعام صاحب کا کیا کیا آپ نے؟" اس نے کہا اور پھر بے تحاشا ہنس پڑی۔ آج اتنی سی دیر میں وہ کئی بار ہنسی تھی اور شامی ہر بار یہ سوچتا رہا کہ کم بخت ہنستے ہوئے گلاب کی طرح کھل جاتی ہے اور کتنی دلکش لگتی ہے۔ وہ بولی۔

"آپ تو انہیں لٹکا کر لے گئے تھے۔ ویسے آپ بہت تیز آدمی ہیں شامی صاحب۔"

"میڈم آپ نے حکم دیا تھا مگر عجیب حدود اربعے کے آدمی ہیں۔"

"بتائیے بتائیے کیا ہوا تھا پھر؟" وہ بچوں جیسی دلچسپی سے بولی۔

"میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے رہے تھے بہرحال معزز آدمی تھے۔ اس لئے میں انہیں اپنے آفس میں لے گیا۔"

"اچھا اچھا پھر.....؟"

"اور مجھے صورت حال بتانے لگے۔"

"ہاں ہاں کیا کہہ رہے تھے؟"

"کہہ رہے تھے جوانی میں کوئی عشق نہیں کیا اور اب انہیں آپ سے عشق ہو گیا ہے۔" شامی نے بے باکی سے کہا اور وہ کسی قدر سنجیدہ ہو کر شامی کو دیکھنے لگی۔ مگر بولنے کی اجازت اسی نے دی تھی۔ شامی اپنی دھن میں کہتا چلا گیا۔

"جوان ہوئے تو والدین نے شادی کر دی۔ بیگم صاحبہ داغ مفارقت دے گئیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ انعام صاحب کو احساس ہی نہیں ہوا کہ کب وہ شادی شدہ ہوئے اور کب بیگم سے بچھڑ گئے۔ زندگی میں عشق و محبت کا موقع ہی نہ ملا پھر اچانک انہوں نے آپ کو دیکھا اور انہیں آپ سے عشق ہو گیا اور اب وہ ہر قیمت پر آپ کی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔" شامی نے کہا۔

"گدھا' کمینہ' ذلیل۔"

"جی ہاں لیکن میڈم میرے خیال میں وہ آئندہ بھی آپ کو پریشان کرتے رہیں گے۔ ویسے میرا خیال ہے خاصے بڑے کاروباری آدمی ہیں۔"

"جہنم میں جائے مجھے اس کے کاروبار سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے لیکن اس کے لئے کوئی

موثر طریقہ کار سوچنا پڑے گا۔ اگر کوئی سخت قدم اٹھاتی ہوں تو بلاوجہ اسکینڈل بنے گا اور اس
سے میں گھبراتی ہوں۔ ڈرتی نہیں ہوں بس الجھن ہوتی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی کام ہے۔
عجیب انسان ہے مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ میرے گھر کیا بکواس کرنے کے لئے وہاں سے
نکالا تو یہاں پہنچ گیا۔ دوبارہ بھی آئے گا۔"

"میڈم اس کا ٹھیکہ مجھے دے دیجئے۔" شامی نے کہا اور پھر وہ چونک پڑی۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اسے درست کرنے کا ٹھیکہ مجھے دے دیجئے۔" شامی [illegible] وہ
شامی کو دیکھتی رہی پھر کسی قدر تشویش سے بولی۔

"نہیں شامی' تعلقات والا آدمی ہے کچھ کرو گے تو تمہارا دشمن بن جائے گا بلاوجہ۔ کوئی
ایسی تجویز دی جائے جس سے اس کا دماغ درست ہو جائے۔"

"اسی کا ٹھیکہ مانگ رہا ہوں میڈم۔"

"کیا کرو گے؟"

"شروع کر چکا ہوں۔"

"کیا؟"

"وہ کام جس سے اس کے ہوش درست کئے جا سکیں۔"

وہ دونوں کہنیاں میز کی سطح پر رکھ کر آگے جھک آئی۔

"اچھا۔ کیا شروع کیا ہے تم نے؟"

"پیری مریدی کے چکر میں لگا دیا ہے۔ کسی درویش کے جال میں پھنسا دوں گا آپ کے
لئے تعویذ کاٹے گا چلہ کشی کرے گا اور ایسی چلہ کشی کرے گا کہ کچھ اور کرنے کے قابل
نہیں رہے گا۔ میں نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے محترم انعام صاحب اب اس
بات کا انتظار کریں گے کہ میں انہیں کون سے درویش سے ملواتا ہوں۔ رقم کی پیش کش بھی
کی تھی مجھے لیکن میں نے کہا جو صحیح کام کرنے والے ہوتے ہیں وہ پیسے نہیں لیا کرتے بلکہ
فی سبیل اللہ کام کرتے ہیں۔ اس بات سے انعام صاحب بہت متاثر ہوئے مجھے منیجر کی پیش
کش بھی کر گئے ہیں اور کہا ہے کہ میں جب چاہوں ان کے ہاں جوائن کر سکتا ہوں یہ ہے
جناب انعام صاحب کی صورت حال۔"

"تو اب تم کیا کرو گے؟"

"کسی درویش کا انتظام کروں گا۔" شامی نے کہا اور وہ پھر مسکرا دی۔

"سنبھل کر کرنا جو کچھ بھی کرنا۔ اسے احساس نہیں ہونا چاہئے لیکن کمال کی بات ہے
بڑا عجیب آدمی ہے بعض لوگ اتنے ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ کسی طور بات سمجھ کر نہیں دیتے۔
ویسے تم نے عجیب چکر چلایا ہے۔"

"ایک ٹانگ پر کھڑا کروا کر چالیس دن چلہ کشی کرواؤں گا۔ آپ اس کے لنگڑا ہو جانے
پر یقین کر ہی لیجئے گا۔" شامی نے کہا اور وہ ایک بار پھر بے اختیار ہنس پڑی۔ اس نے
کہا۔

"اچھا آئیڈیا ہے مجھے پسند آیا۔"

"اس قسم کے مختلف مراحل سے گزرے گا اور بعد میں یہ سوچ لے گا کہ یہ عشق
نہیں آسان۔ ہو سکتا ہے وہیں سے تائب ہو جائے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ بلاوجہ ذہن کا روگ بن گیا ہے۔"

"ویسے میڈم ایک سوال کروں آپ سے؟"

"ہوں۔"

"آپ کے شوہر کہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے کبھی ان کی زیارت نہیں ہوئی اور آپ ان
سے یہ بات کیوں نہیں کہتیں کہ یہ احمق آدمی آپ کو پریشان کر رہا ہے۔"

اس کے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا' وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر خاموش ہو گئی۔ چند
لمحات سوچتی رہی پھر چہرے پر کرختگی کے آثار ابھرنے لگے۔ اسکے بعد اس نے بیل بجائی۔
چپراسی کو بلا کر پانی طلب کیا۔ شامی کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اب
صورت حال بگڑنے والی ہے۔ لیکن پانی پینے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ فائل لے جایئے شامی صاحب ویسے آپ نے اس فائل پر بے حد محنت کی ہے'
آپ کا بے حد شکریہ اور ہاں ذرا بٹننگ کلاتھ کا خاص طور سے خیال رکھئے گا لیٹ نہیں ہونا
چاہئے۔ میں انتیس تاریخ کی سپلائی کا وعدہ کر چکی ہوں' تھینک یو ویری مچ۔ لیجئے یہ فائل
لے جایئے۔" اس نے فائل شامی کی جانب بڑھا دی اور شامی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

فائل لے کر باہر نکلتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ شوہر کے نام میں کوئی ایسی خاص بات
ہے جو اسے الجھانے کا باعث بن گئی۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا حادثہ' کوئی ایسا واقعہ' جس نے
اسے شوہر کے نام سے متنفر کر دیا ہو۔ جو کچھ فراز نے کہا تھا اس نے اس کا کوئی ٹھوس پہلو
نہیں تھا۔ یعنی میڈم کے عشق کا معاملہ البتہ یہ ضرور سوچا تھا اس نے کہ اسٹاف ہی کے کسی
شخص سے کبھی میڈم کے بارے میں یہ سوال ضرور کرے گا کہ میڈم کے شوہر کہاں ہیں اور
اتفاق کی بات یہ کہ اسی شام ساڑھے چار بجے ذکی صاحب نے اسے بلایا۔ ذکی صاحب اس
سے کچھ معلومات حاصل کر رہے تھے۔ وہ بھی شامی سے بہت خوش تھے شوخ' کھلنڈر'
دلچسپ آدمی۔ لیکن کام کے معاملے میں نہایت دیانتدار اور کسی جن کی طرح مستعد۔ ذکی
صاحب کو میڈم کے انتخاب سے زبردست اتفاق ہو گیا تھا اور وہ شامی کو بہت پسندیدگی کی نگاہ
سے دیکھتے تھے۔ شامی کے ذہن میں چونکہ یہ سوالات مچل رہے تھے اس لئے ضروری گفتگو
کے بعد اس نے ذکی صاحب سے کہا۔

"ذکی صاحب میڈم کے شوہر کبھی نظر نہیں آئے یہاں اس کمپنی میں۔ اس شہر میں ہیں یا ملک سے کہیں باہر؟"

"شوہر!" ذکی صاحب حیرت سے بولے۔

"جی.....جی۔ میڈم کے شوہر۔"

"بھئی میڈم نے شادی ہی نہیں کی ہے شوہر کہاں سے آئیں گے۔ اچھا ہاں تم ایسا کرو کہ گرے اسٹون کی فائل میرے پاس بھجوا دو' مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ او کے۔"

"او کے۔" شامی نے آہستہ سے کہا اور باہر نکل آیا تو میڈم نے شادی نہیں کی۔ خوب۔ لیکن کیوں ابھی تک' ایسا کیوں نہیں کیا انہوں نے۔ یہ سوچتا ہوا وہ اپنے کمرے میں آیا اور پھر گرے اسٹون کا فائل کیبنٹ میں تلاش کرنے لگا۔

❑

سیٹھ ادریس بڑے زمانہ شناس آدمی تھے' اڑتی چڑیا کے پر گن لینے والے' بیٹیوں کا بہترین مستقبل ان کا مطمع نگاہ تھا اور اس کے لئے پوری زیرک نگاہی سے کام لینا چاہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کسی کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا اور وہ بہ آسانی کسی چھوٹے سے بھی انسان کو بڑا بنا سکتے تھے لیکن شرط یہ تھی کہ خود اس کے اندر بھی کچھ اپنی صلاحیتیں ہوں اور یہ صلاحیتیں انہوں نے سجاد بیگ کے اندر پائی تھیں۔ بس ذرا پسماندہ گھر کا نوجوان تھا لیکن عکسہ اور دونیا کی رپورٹ ظاہر کرتی تھی کہ روشن زندگی کا طلب گار ہے اور صحیح راستے پر لگایا جا سکتا ہے۔ بیٹیوں پر مکمل اعتماد اور اس کے ساتھ ساتھ ہی سجاد کا جائزہ بھی لے چکے تھے' ہر طرح سے ٹھونک بجا لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے تجویز پیش کی۔

"کیا خیال ہے عکسہ کچھ دن کے لئے کسی پہاڑی مقام کی سیر کر آؤ' سجاد کو بھی ساتھ لے جاؤ' دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے دور ہو سکتا ہے یا نہیں میرے خیال میں یہ اس کا آخری ٹیسٹ ہو گا اور اس کے بعد ہم کارروائی کا آغاز کر دیں گے۔"

"اوہ ڈیڈی زندہ باد' میرے دل کی بات کہہ دی آپ نے' آپ یقین کیجئے کتنی بار یہ خیال میرے ذہن میں آیا لیکن بس اس خیال سے خاموش ہو گئی کہ آپ یہ نہ کہیں کہ حد سے آگے بڑھ رہے ہیں۔" عکسہ نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں عکسہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ سجاد بیگ ایک الگ ماحول کا انسان ہے' بے شک محبتیں کہاں نہیں ہوتیں۔ میں بھی تمہیں چاہتا ہوں' تم مجھے چاہتی ہو لیکن ہم صرف جذباتی انداز اختیار کر کے دنیا کو فیس نہیں کر سکتے' محبت کا صحیح انداز یہ ہے کہ میں تمہارے مستقبل کے بارے میں سوچوں تم مزید بہتری کے لئے سوچو' ہم صرف جذباتی لغزشوں کا شکار ہو کر صرف ایک دوسرے سے محبت بھرے الفاظ کہہ کر زندگی نہ گزارتے رہیں' جس ماحول سے

اس کا تعلق ہے وہاں کچھ جذباتیت زیادہ ہوتی ہے ان کا انداز فکر یہ ہے کہ بھوکے رہیں تو ساتھ ساتھ رہیں' جو بھی حالات ہوں مشترکہ طور پر ہی ان میں شرکت کی جائے حالانکہ یہ ایک احمقانہ بات ہے اگر کوئی ماحول سے تھوڑی سی علیحدگی اختیار کر کے اپنے حالات بہتر بنا سکتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے گریز نہیں کرنا چاہئے سجاد کے سلسلے میں ساری باتیں بہتر ہیں' تھوڑا سا پریشان ہوں تو اس کے ماحول سے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے دل میں گھر اور اہل خاندان کا خیال شدت پکڑ جائے' ظاہر ہے تم اس ماحول میں گزارا نہیں کر سکتیں' ان دنوں ذرا یہ جذباتی کیفیت کچھ شدت پر ہے۔ مثلاً یہ کہ اس کے باپ کو حادثہ پیش آ چکا ہے' ایسے عالم میں اگر وہ تمہارے ساتھ شہر سے باہر جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو کم از کم ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ذاتی طور پر کس قدر جذباتی ہے۔"

عکسہ نے دونیا کی صورت دیکھی' دونیا نے ایک پر تفکر سانس لی' گویا انہیں شبہ تھا اس بات کا کہ ان حالات میں کہیں واقعی سجاد ان سے معذرت نہ کر لے اور کہے کہ چونکہ سخاوت بیگ صاحب بیمار ہیں' اس لئے اس وقت اس کا باہر جانا ممکن نہیں ہے اگر ایسا ہو گیا تو ادریس صاحب کا مزاج تبدیل نہ ہو جائے لیکن بہرطور باپ کی بات سے منحرف تو نہیں ہو سکتی تھیں۔ تنہائی میں دونیا نے عکسہ سے کہا۔

"اگر سجاد صاحب نے انکار کر دیا تو؟"

"پہلے تو یہ کہ ہم انہیں سمجھائیں گے' ظاہر ہے تیمار داری کے لئے سجاد کا بھائی بھی موجود ہے اور پھر سجاد کوئی ان کے سرہانے بیٹھ کر تو انہیں شفا نہیں بخش رہے' جو علاج معالجہ ہو رہا ہے وہ تو ہو ہی رہا ہے اور اس کے باوجود اگر سجاد کسی قیمت پر تیار نہ ہوئے تو پھر ڈیڈی سے فراڈ کرنا پڑے گا کوئی ایسی بات جو انہیں بھی مطمئن کر دے' لیکن اس سے پہلے سجاد سے بات تو کر لی جائے۔"

"ٹیلی فون کرو۔"

سجاد دفتر ہی میں موجود تھا۔ عکسہ نے کہا۔ "کیا ہو رہا ہے سجاد بھائی؟"

"بس وہی جو زندگی کے روز و شب ہیں۔"

"ان روز و شب میں شام کا وقت بھی ہوتا ہے' کیا خیال ہے؟"

"ہاں ہوتا تو ہے۔"

"اور اک بڑا خوبصورت ہوٹل ہے ہاں لی شانو' لی شانو کا پارک بے مثال ہے اور وہاں برازیل کی امپورٹیڈ کافی ملتی ہے کیا خیال ہے ہو جائے؟"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" سجاد نے جواب دیا۔

"شام چھ بجے۔"

"مناسب وقت ہے۔"

"آپ وہاں مل جائیں گے ہمیں؟"

"بھلا کیسے ممکن ہے کہ نہ ملوں۔"

"تھینک یو سجاد بھائی۔" عکسہ نے کہا اور مسکرا کر فون بند کر دیا۔

شام کو ٹھیک چھ بجے سجاد نے ان دونوں کا استقبال کیا' لی شانو واقعی اپنی نوعیت کا بے مثال تھا۔ خوبصورت درختوں کے درمیان میزیں لگائی گئی تھیں۔ قدرتی ماحول میں جدت پیدا کی گئی تھی اور صاحب ذوق لوگ ہی وہاں آتے تھے' ذوق کا بھی ایک نظریہ ہوتا ہے۔ ہم خوبصورت جگہوں پر باذوق آدمی نہیں پہنچ پاتے' لیکن باذوق وہی ہوتا ہے جو اس جگہ پہنچنے کی اہلیت رکھتا ہو' یہ اس دور کی رسم ہے۔

لی شانو کے اس خوبصورت لان میں بیٹھ کر کافی طلب کر لی گئی۔ عکسہ نے کہا۔

"ہم تو آپ کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں سجاد بھائی اب دیکھئے نا' آپ کی شادی کرانے کا بندوبست کر دیا اور اس سے پہلے آپ کے مستقبل کی ساتھی کو آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے انتظامات بھی ہم نے ہی کئے ہیں' دیکھیں اس کے صلے میں مستقبل میں آپ ہمیں کیا دیتے ہیں۔"

"دونیا کیا خیال ہے' ہمیں عکسہ کے مستقبل کی فکر ابھی سے شروع کر دینی چاہئے؟"

"جی نہیں جناب پہلے میرے مشن کو کامیابی حاصل ہو جائے اس کے بعد آپ سے کچھ مانگنا مناسب بھی رہے گا اچھا آپ سنئے' ہم لوگ ایک پہاڑی مقام پر چل رہے ہیں۔ میں آپ اور دونیا' اور ہماری روانگی تین دن کے اندر اندر ہو جانی چاہئے۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"اچانک۔" سجاد نے سوال کیا۔

"جناب عالی' جو پروگرام اچانک بنتے ہیں انہیں میں لطف آتا ہے' ورنہ پہلے سے طے شدہ پروگرام بھی کوئی پروگرام ہوتے ہیں۔ جانتا ہے آدمی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بڑی مشکل سے ڈیڈی سے اجازت لی ہے اور آپ کا تو کوئی مسئلہ نہیں۔"

"دفتر کے معاملات۔" سجاد نے کہا۔

"انہی کی بات کر رہی ہوں۔ دفتر سے آپ کو بہ آسانی چھٹی مل جائے گی' اس کی آپ بالکل فکر نہ کیجئے گا۔"

سجاد ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گیا۔ سخاوت بیگ صاحب کا خیال آیا تھا' بیمار ہیں' سخت چڑچڑے ہو گئے ہیں' ہر وقت کسی نہ کسی سے لڑتے رہتے ہیں' ایسے عالم میں کسی جگہ جانا کیا مناسب ہو گا۔ لیکن پھر فوراً ہی اندر سے ایک بغاوت کی سی کیفیت ابھری' جو کیا ہے وہ بھگت رہے ہیں نہ ہی کسی سے مشورہ' نہ کسی سے مدد' آخر انہیں کیا ضرورت تھی ریٹائرمنٹ لینے کی اور اگر لے بھی لیا تو جو چیک ملا تھا اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتے' تابندہ کی

شادی ہی کا مسئلہ تھا تو آہستہ آہستہ رقم نکالتے رہتے جو کچھ کیا اپنی مرضی سے کیا جو ہوا ان کی غلط سوچ کی بنیاد پر ہوا۔ اور اب پورے گھر پر مصیبت لاد رکھی ہے میں کیوں اس مصیبت کا شکار بنوں۔ عکسہ اور دونیا کے ساتھ کسی پہاڑی مقام پر جانے کا تصور بھی دلکش تھا۔ آہستہ سے بولا۔

"ظاہر ہے تعمیل حکم کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"گویا آپ تیار ہیں۔"

"جی ہاں لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"اخراجات میں کروں گا۔"

"سجاد بھائی۔ یہاں آپ دل دکھا دیتے ہیں۔" عکسہ نے کہا۔

"کیوں بھئی' اس میں دل دکھانے کی کیا بات ہے؟"

"یہ کم بخت پیسہ ہر لمحے درمیان میں آ جاتا ہے۔ آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ سے الگ ہے۔ ڈیڈی انتظامات کریں گے ہم کوئی آپ کو تو نہیں لے جا رہے جب ڈیڈی انتظامات کر رہے ہیں تو کیا آپ کا اس سلسلے میں ٹانگ اڑانا مناسب ہو گا۔" سجاد ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

کہنے کو تو یہ بات کہہ گیا تھا لیکن جانتا تھا کہ ان امیرزادیوں کو کسی پہاڑی مقام
کرانے کا مطلب کیا ہے اپنے آپ کو بیچ کر بھی وہ اخراجات نہیں پورے کر سکتا تھا
سلسلے میں ہوتے۔ بہرطور عزت سادات رہ گئی تھی۔ عکسہ کے الفاظ پر خاموش ہو گیا۔ عکسہ
نے کہا۔

”تو پھر بس تیار ہو جایئے اور یوں سمجھ لیجئے کہ ہمیں دو دن کے اندر اندر روانہ ہو جانا
ہے۔“

”تعمیل حکم کا اظہار تو پہلے ہی کر چکا ہوں۔“ سجاد نے جواب دیا۔ سجاد کو اب اس سلسلے
میں ایک نئی مہم سرانجام دینا تھی۔ بڑی پریشانی کے عالم میں گھر پہنچا تھا۔ خیر ان دنوں کسی کی
پریشانیوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا تھا' سبھی پریشان تھے سجاد نے خود ہی فیروزہ بیگم کو بتایا۔

”وہ اب اتفاق دیکھئے فرم کے کام سے شہر سے باہر جانا پڑ رہا ہے۔“

”کہاں؟“ فیروزہ بیگم نے پوچھا۔

”امی ایک دوسرے شہر جا رہا ہوں۔“

”کتنے دن کے لئے۔“

”ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ لگ جائے گا۔“

”پہلے تو کبھی نہیں گئے۔“

”کوششوں میں مصروف ہوں امی کہ ترقی ہو جائے اور آپ کو اندازہ ہے کہ ترقی
حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کر کے دکھانا ہوتا ہے۔ میں خود بھی ان حالات میں گھر
چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن.....“

مرزا سخاوت بیگ نے سنا تو عادت کے مطابق طنزیہ انداز میں بولے۔

”میاں تم سے اس گھر کو فیض ہی کیا پہنچ رہا ہے کیا دے رہے ہو ہمیں یہاں رہو یا
کہیں بھی رہو اپنے لئے کر رہے ہو جو کچھ کر رہے ہو' بتاؤ کیا کیا ہے اور کیوں اجازت لے
رہے ہو ہم لوگوں سے' ارے اس قابل کہاں' میں ایک بے بس لاچار بوڑھا معذور آدمی اور
یہ میری بیوی' تم لوگ آزاد ہو میاں عیش کی زندگی گزارو۔ ہمیں کم از کم یہ پرتکلف الفاظ
کہہ کر دکھ نہ دیا کرو۔“

سجاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جواب دینے کا مطلب تھا کہ ایک باقاعدہ جنگ اور وہ

طور اپنے موڈ کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تیاریاں کی گئیں' کسی نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا۔

دفتر میں ٹیلی فون کر کے عکسہ نے سارا پروگرام بتا دیا تھا۔ چنانچہ تیسرے دن سجاد'
... اور دونیا کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ہوائی سفر اختیار کیا گیا تھا۔ جس جگہ پہنچے وہ اپنی مثال
... تھی۔

... دونیا ساتھ' عکسہ کی شرارتیں' زندگی کے سنہرے دن تصور کئے جا سکتے تھے یہ اور سجاد
... رہا تھا کہ کتنا تضاد ہے ہر دو جگہ کی زندگی میں' یہاں خوشیاں ہی خوشیاں' عیش و
... زندگی کی ہر مسرت اور وہاں غمزدہ ماحول بجھے ہوئے چہرے' ہونہہ اپنی زندگی کو روگ
... یوں لگایا جائے بس ٹھیک ہے' سب کچھ ٹھیک ہے۔ اس ماحول سے نکلے بغیر کوئی چارہ کار
... میں ہے۔ بے موت مرنے سے کیا فائدہ یہ اس کی سوچیں تھیں۔

❑

محمود حسن اپنی بیگم فرزانہ' دو بیٹیوں اور حسن کے ساتھ اچانک ہی مرزا سخاوت بیگ
کے گھر پہنچے تھے' بس بیٹے کا خیال دل میں تھا ورنہ سچ بات یہ ہے کہ ہاشم علی کی بیٹی غزالہ پر
ریجھ گئے تھے' جو بیٹے کے لئے ایک حسین مستقبل ثابت ہو سکتی تھی وہ' ہر لحاظ سے تابندہ
سے بہتر تھی' تعلیمی طور پر' گھریلو طور پر' بعض اوقات انہیں افسوس ہونے لگتا تھا کہ بلاوجہ
جلد بازی کر گئے اور اس چکر میں پھنس گئے' بے شک مرزا سخاوت بیگ سے تھوڑی بہت
رشتے داری بھی تھی' ساری باتیں اپنی جگہ تابندہ ایک خوبصورت اور اچھی لڑکی تھی' لیکن
اس کے لئے ضروری تو نہیں تھا کہ اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ بیٹے کو اس طرح اپنے غلط خیال کی
نذر کر دیتے اور اب بات خاصی بگڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھی' حسن کا انداز بتاتا تھا کہ وہ
کسی طرح ماننے والوں میں سے نہیں ہے اور تابندہ کو حد سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ بہرحال
اب اس کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو ایک داؤ کھیل لیا جائے اور وہ یہ تھا کہ مرزا سخاوت
بیگ ان دنوں جن حالات کا شکار تھے اس کے تحت شادی وغیرہ کے بارے میں سوچ ہی
نہیں سکتے تھے' اگر ایسا ہو جائے کہ وہ خود ہی اس سلسلے میں لیت و لعل کریں تو حسن سے
ایک بار اور بات کی جا سکتی ہے یا پھر دوسری شکل یہ تھی کہ سختی سے اپنے موقف پر ڈٹ
جاتے اور بیٹے سے کہہ دیتے کہ کسی بھی قیمت پر تابندہ سے شادی نہیں کی جا سکتی۔

بہرحال اس وقت اسی نظریئے کے تحت مرزا سخاوت بیگ کے گھر کی جانب چل پڑے
تھے' حسن کو خصوصاً ساتھ لے لیا تھا۔ مرزا سخاوت بیگ کے گھرانے میں تو اس وقت ایک
عجیب سی کیفیت تھی' سجاد جا چکا تھا' جواد ہر وقت باپ کی ڈانٹ کھا کھا کر گھر سے باغی ہو گیا
تھا' گھر میں تابندہ' رخشندہ' فرخندہ اور فیروزہ بیگم ہی تھیں۔

بہرحال محمود حسن کے گھرانے کا استقبال کیا گیا۔ محمود صاحب اس کمرے میں پہنچ گئے

جہاں مرزا سخاوت بیگ موجود تھے۔ بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ بری حالت ہو رہی تھی، بڑی سردمہری سے محمود حسن کا استقبال کیا۔

"کیسے ہیں سخاوت بھائی؟"

"ہیں نہیں تھے کہو، محمود حسن، تھے، مرزا سخاوت بیگ کبھی سخاوت بیگ تھے اب تو ایک [illegible] معترضہ ہیں۔ گھر والوں کے دل و دماغ پر بوجھ۔"

"ارے نہیں سخاوت بھائی، یہ حادثات تو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ہوتے رہتے ہیں آپ کو اتنا زیادہ بددل نہیں ہونا چاہئے۔"

"کمال کرتے ہو میاں، یعنی ایک شخص زندہ درگور ہو جائے زندہ رہ کر زندگی سے اتنا دور ہو جائے اور تم کہتے ہو کہ ایسا ہوتا رہتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ جس تن لاگے سو تن جانے۔ جس پر پڑی ہو وہی سمجھتا ہے، خود اس حادثے کا شکار ہو کر یہ الفاظ کہتے تو مانتے۔"

فیروزہ بیگم نے سہمی ہوئی نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔ بالکل ہی پٹری سے اتر گئے تھے، رشتے ناتوں کا خیال کیا جاتا ہے، بات سنبھالنے کے لئے بولیں۔

"اب دیکھ لیجئے محمود بھائی یہ کیفیت ہو گئی ہے آج کل ان کی، شدت سے چڑچڑے ہو گئے ہیں۔"

"اصل بات بتا دو، یہ بھی اتنے ہی چڑچڑے ہو جائیں گے فیروزہ بیگم۔" سخاوت بیگ نے کہا۔

محمود حسن غور سے مرزا صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

"کوئی اصل بات بھی ہے مرزا صاحب....؟"

"انتہائی اصل اور خصوصاً آپ سے متعلق۔"

"مجھ سے متعلق....؟"

"ہاں۔"

"وہ کیا بات ہے؟"

"دیکھئے آپ...." فیروزہ بیگم نے دخل دیا تو مرزا صاحب تڑخ کر بولے۔

"ناقص العقل ہو سند یافتہ، اپنی عقل کو میرے سامنے نہ استعمال کیا کرو اور جب میں بول رہا ہوں تو بیچ میں مداخلت سے گریز کیا کرو، ایک اپاہج بیوی کی حیثیت اختیار نہ کرو جے شوہر پر ہر طرح سے فوقیت حاصل ہوتی ہے سمجھ رہی ہو نا۔" فیروزہ بیگم خاموش ہو گئیں، مرزا صاحب نے کہا۔

"جانتے ہیں محمود حسن صاحب یہ حادثہ کیسے پیش آیا تھا، بتاتا ہوں میں آپ کو، بڑا تلخ تجربہ [illegible] میری زندگی کا اصل میں ماں باپ، اولاد پیدا کرتے ہیں، کوئی تصور نہیں ہوتا ان کے [illegible] میں سوائے اس کے کہ پیدا ہو جانے والی اولاد سے محبت کا رشتہ قائم ہو جائے، بعد میں بڑے خیالات دل میں آتے ہیں محبت کے ساتھ ساتھ ایک حسین مستقبل کا تصور اولاد کے لئے دل میں بیدار ہوتا ہے، ماں باپ ساری زندگی کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں یہاں تک اولاد کو اس قابل کر دیتے ہیں کہ اولاد ماں باپ کا سہارا بنے لیکن اولاد سوچتی ہے کہ اے نفس بے شکل بدنصیبی نے تجھ سے ایک رشتہ قائم کر دیا ہے، لیکن ہم میں جرات ہے ت ہے اس رشتے کو ختم کرنے کی اس کی نفی کرنے کی اور دیکھ ہم اپنی محبت اور جرات استعمال کرتے ہیں تو عزیزم بیٹیوں کا مسئلہ اس سلسلے میں خاص طور سے الجھ جاتا ہے، بھائیوں کی ذمے داری کیوں ہو، پیدا والدین نے کیا ہے، پرورش والدین نے کی ہے تو شادی بیاہ بھی انہی کی ذمے داری ہوتی ہے۔ مگر ہوتا کیا ہے والدین اس وقت تک بوڑھے ہو چکے ہوتے ہیں جب تک بیٹیاں جوان ہوتی ہیں، بیٹے سوچتے ہیں کہ بھائی ہماری کمائی ان والد صاحب کی اولاد پر کیوں خرچ کی جائے، یہی کیفیت ہمارے ہاں ہوئی، ایک صاحب زادے ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جو ملازم ہو چکے ہیں وہ کسی قسم کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اپنے طور پر جینے کے فیصلے کر چکے ہیں۔ اب بتائیے محمود حسن صاحب ایک بوڑھا باپ اولاد کے سلسلے میں کیا کرے، میں نے تابندہ کی شادی کے لئے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیا۔ ریٹائرمنٹ لینے کے بعد جو رقم مجھے مل رہی تھی اسے میں تابندہ کی شادی پر لگانا چاہتا تھا، مگر اس دن رقم کیش کرا کے واپس آ رہا تھا کہ ایک لٹیرے نے میرے بیگ پر جھپٹا مارا اور اسے لوٹ لے گیا اسے پکڑنے کے لئے دوڑا تو کار کے حادثے کا شکار ہو گیا اور بدنصیبی نے اب ان سب کے رحم و کرم پر لا کر ڈال دیا۔ اصل میں محمود حسن صاحب یہ ساری باتیں آپ کو بتانا اس لئے ضروری تھیں کہ تابندہ کی شادی اب ایک غیر معینہ مدت تک میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

محمود حسن صاحب تو اچھل پڑے تھے، یہ تو بڑا انوکھا انکشاف تھا ان کے منصوبے میں بہترین طور سے معاون، کسی قدر خشک انداز اختیار کر لیا تھا انہوں نے چند لمحات خاموش رہے پھر آہستہ سے بولے۔

"حادثہ بے حد افسوس ناک ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ نہ سجاد، نہ جواد دونوں میں سے کسی نے اس وقت آپ کے ساتھ شرکت ضروری نہ سمجھی، جب آپ یہ فیصلہ کر رہے تھے یا رقم وغیرہ لا رہے تھے خیر بہرحال یہ دکھ بھرا حادثہ ہے لیکن تقدیر اسی کو کہتے ہیں، البتہ مرزا صاحب میں آج آپ سے بڑی اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیجئے۔"

"اب جب یہ صورت حال ہو گئی ہے تو تابندہ اور حسن کی شادی کے لئے آپ کیا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"تصور تک نکال چکا ہوں اپنے دل سے سمجھ رہے ہیں آپ، خیال تک کھو بیٹھا ہوں

اس کا خود سوچیں آپ کیسے ممکن ہے کیا طریقہ کار اختیار کروں میں اس کے لئے۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں مرزا صاحب تو ایک پیشکش میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیجئے.... کیجئے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"دو خاندان جب یکجا ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی عزت ہمیشہ ان کی اپنی عزت ہوتی ہے' اگر اس سلسلے میں آپ قبول فرمائیں تو سارے اخراجات میرے اوپر چھوڑ دیجئے گا میں دونوں طرف سے خرچ کر لوں گا' کوئی ایسی بات نہیں ہے ہم سادگی سے یہ شادی کر دیں گے۔"

"کیوں؟ فقیر سمجھا ہے مجھے' ہیں' غریب سمجھ کر مذاق اڑانے آئے ہو میرا' میاں سمجھتے کیا ہو خود کو' بیرسٹر ہو گے اپنے گھر کے' بیٹی کا باپ ہوں' عزت دار ہوں بیٹی کے نام پر تم سے پیسہ لوں اور بیٹی بیاہ دوں' تھو تھو کراؤں دنیا سے اپنے منہ پر اس سے بڑی گالی اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی تمہارے پاس' بیٹی بیٹھی رہ جائے گی' کوئی حرج نہیں ہے کسی سے لے کر کچھ کروں یہ کیسے ممکن ہے میرے لئے تمہیں افسوس نہیں ہوا یہ بات کہتے ہوئے۔"

محمود حسن ایک لمحے کے لئے تو چکرا گئے' آس پاس بیٹھے تمام لوگوں کی صورتیں دیکھتے رہے' حسن بھی سکتے میں تھا فیروزہ بیگم بھی گنگ تھیں فرزانہ بیگم بھی ہکا بکا۔ مرزا صاحب اول فول بکتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"بہرحال تم نے کہہ لیا' میرا جواب سن لیا تم نے' کوئی مدت نہیں ہے' کوئی بھی وقت نہیں ہے میرے پاس' بھول جاؤ اب اس خیال کو جب کبھی کچھ ہو سکے گا' کوئی ذریعہ بن سکے گا تو سوچوں گا تابندہ کی شادی کے لئے' ورنہ بھائی معافی چاہتا ہوں جہاں دل چاہے کر لو اپنے ڈاکٹر کی شادی۔"

"میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی تھی جس پر آپ اس قدر برافروختہ ہو گئے...."

"پیسہ ہے نا جیب میں' حالات اچھے ہیں نا اس لئے یہ بات بڑے معمولی لگی ہو گی تمہیں لیکن میری لئے اس سے بڑی گالی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ باپ کو بیٹی کی قیمت پیش کرنے کا اظہار کیا ہے تم نے۔"

"نہیں مرزا صاحب ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"ایسی ہی بات تھی ایسی۔"

"بہرحال یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے میں عزت کے ساتھ آپ کی بیٹی کو بیاہ کر لے جانا چاہتا تھا لیکن آپ کا رویہ بڑا عجیب ہے میرے ساتھ' میں تو یہ سمجھتا ہوں جیسے آپ اپنی اس تکلیف کا ذمے دار ہمیں سمجھتے ہیں۔"

"سو فیصد تم ہو میاں' سو فیصد تم ہو' بھلا اس میں کوئی شک کی بات ہے' شور مچا رکھا تھا شادی' شادی' تھوڑا سا وقت مل جاتا مجھے آرام سے انتظام کرتا' تمہاری ہڑبونگ کی

بدلے یہ سب کچھ کرنا پڑا نتیجے میں اپنا بھرم بھی کھو بیٹھا۔ میاں معاف کر دو بھائی ہمیں معاف کر دو بس معاف کر دو۔"

"آپ کی مرضی ہے' سن لیا آپ لوگوں نے اب اس کے بعد مزید کوئی بات رہ گئی ہے آپ کے دل میں۔"

"بھائی صاحب وہ وہ...." فیروزہ بیگم نے لجاجت سے کہا۔

"نہیں بھائی صاحب' اب باقی سب حماقت کی باتیں ہیں' مرزا صاحب نے عجیب سا رویہ اختیار کیا ہے' میں چلتا ہوں آپ لوگ بیٹھیں گے۔" انہوں نے بیوی اور بیٹیوں سے کہا۔

حسن بھی سکتے کے سے عالم میں تھا۔ بہرحال سب اٹھ کھڑے ہوئے' فیروزہ بیگم نے لاکھ لاکھ خوشامدیں کیں لیکن محمود حسن صاحب کا منصوبہ پورا ہو گیا تھا' یہاں تو بڑی مدد مل گئی تھی انہیں۔ اب حسن کے پاس بھی کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ باہر نکل گئے اور گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

ادھر گھر میں خاصی لے دے ہو رہی تھی۔ آخر کار تمام لوگ اجازت لے کر گاڑی میں پہنچ گئے اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

محمود حسن صاحب طیش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"جی حسن میاں' اب کیا ہم آپ سے ہاتھ دھو لیں' اس سے زیادہ تو ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے' میاں اب آپ پر منحصر ہے ہم ذلیلوں کا ساتھ دیجئے یا نہ دیجئے گا لیکن مرزا صاحب نے بات ختم کر دی ہے میری طرف سے بھی تقریباً ختم ہو گئی' غزالہ ہو یا کوئی اور ہو آپ سے شادی کریں یا نہ کریں لیکن بہرحال اب اس گھر سے تابندہ کے لئے بارات نہیں جائے گی۔ یہ بات آپ لوگ کان کھول کر سن لیجئے۔"

حسن نے تھوڑی دیر کے بعد کہا.... "ٹھیک ہے ابو آپ کا حکم سر آنکھوں پر' نہ میں گھر چھوڑ کر کہیں بھاگ رہا ہوں' نہ کوئی اور بات ہے' البتہ ایک نظریہ ہے میرا' آپ کو اس کی تکمیل کرنا پڑے گی۔"

"ارشاد فرمایئے۔"

"مجھے امریکہ بھجوا دیجئے' آپ کے لئے ممکن نہ ہو تو مجھے حکم دیجئے کہ اپنے طور پر کوشش کروں' تعلیم حاصل کروں گا شادی وغیرہ کا خیال ابھی میرے ذہن میں نہیں ہے' غزالہ یا کوئی اور لڑکی ہو' میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا' میں بس امریکہ جانا چاہتا ہوں' تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس آؤں گا' اس کے بعد جو صورت حال ہو گی اس پر عمل کروں گا۔"

"غور کر لو حسن...."

"ابو! غور کر لیا ہے میں نے' میں جانتا ہوں کہ آپ کا اس سلسلے میں کوئی قصور نہیں ہے نہ ہی میں آپ کی نافرمانی کر رہا ہوں' دیکھئے یہ میرے مستقبل کا معاملہ ہے غزالہ میرے لئے کسی طور بہتر نہیں رہے گی' آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہ میرے مزاج سے کس قدر مختلف ہے' میں بے باک لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا اور بے شمار ایسے واقعات میرے علم میں آ چکے ہیں' کہ اس قسم کی لڑکیاں ایک بہتر شریک زندگی نہیں ثابت ہوتیں۔ آپ اس کے لئے مجبور کریں گے ابو تو خاموشی سے گھر چھوڑ دوں گا' یہ دھمکی نہیں ہے ایک [illegible] اپنے مستقبل کے لئے بہتر چاہتا ہوں اگر آپ اس میں کوئی ضد کریں گے تو میں اسے تسلیم نہیں کروں گا۔" حسن یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

□

"ہیلو۔" شامی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور فراز اسے گھورنے لگا۔ شامی نے مسخرے پن سے گردن جھکا لی۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"خ..... خدا کی قسم۔ دفتر سے۔"

"اس وقت؟"

"یار کچھ فلیکس سپلائی کرنے تھے۔ دن میں یہ اندازہ نہیں تھا کہ کوئی گھپلا نکل آئے گا۔ شام کو اچانک انکشاف ہوا کہ کلاتھ کا رنگ ہلکا رہ گیا ہے۔ فوری طور پر کارروائی کرنی پڑی۔"

"بہانہ.....؟"

"خدا کی قسم نہیں۔ بھلا جھوٹ کیوں بولوں گا۔" شامی نے کہا۔ اور فراز خاموش ہو گیا جب نہ جانے کیوں شامی آج کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ کھانا آج شاید بازار سے آیا تھا جب شامی نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تو فراز نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کوئی بات ہے شامی؟"

"تیری قسم کوئی بات نہیں نہ جانے کیوں اس باز پرس نے کچھ سنجیدہ کر دیا۔"

"میں خود حیران ہوں۔"

"نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا ہم خوش ہیں؟"

"بہت خوش..... کیوں؟"

"بس' تنہا تنہا۔ مشین کی زندگی' یار فراز تو شادی کر لے۔"

"میں.....؟"

"ہاں۔"

"تم کیوں نہ کر لو؟"

"یہی سننے کے لئے تو میں نے یہ تجویز پیش کی ہے۔" شامی موڈ میں آ گیا۔

"کیا مطلب؟"

"تم مجبور کرو گے تو میں کر لوں گا۔"

"سنجیدگی کی وجہ پتا چل گئی نا۔" فراز مسکرا کر بولا۔

"کیا وجہ پتا چلی؟"

"یہی کہ کوئی چکر چل گیا ہے۔"

"کیسا چکر؟"

"شادی کے لئے کوئی مرکز نگاہ بن گیا ہے۔"

"وہ تو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"بکواس' بکواس کر رہے ہو مجھے کیا بتایا ہے تم نے؟"

"یار کمال کر رہے ہو' میں نے میڈم کے بارے میں نہیں بتایا تمہیں۔"

"میڈم؟"

"ہاں۔"

"یعنی گارمنٹ سٹی کی مالک.....؟"

"ہاں یار' کام ہو تو کم از کم اتنا ہی اونچا ہونا چاہیے۔"

"یار اب تو مجھے میڈم کو دیکھنا ہی پڑے گا' تو جس طرح بار بار ان کا تذکرہ کرتا ہے اس سے مجھے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔"

"ہنڈریڈ پر سنٹ گڑبڑ ہے' تم خود غور کرو فراز بلکہ غور کرنے کے بعد مجھے تجزیہ کر کے بتاؤ' ایک ایسی خاتون جن کا نک چڑھا پن ہر شخص کی زبان پر ہے' بے شک وہ اپنے ملازمین کے لئے بڑی نرم ہیں' ان کی بہتری کا خیال رکھتی ہیں لیکن آج بھی اگر کسی ملازم کو ان کے کمرے میں طلب کیا جاتا ہے تو اسے تھر تھر کانپتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے' یہاں تک کہ میڈم کے منیجر ذکی صاحب جو ایک معمر اور سنجیدہ مزاج آدمی ہیں' میڈم کا نام سن کر اس طرح چہرہ سکھا لیتے ہیں جیسے پتا نہیں کہاں سے بلاوا آ گیا ہو' ایک ایسی خاتون میری ہر بدزبانی برداشت کر لیتی ہوں' ہر بات گوارا کر لیتی ہیں' کیوں؟ آخر کیوں؟ اور پھر میں پہلا فرد ہوں جسے انہوں نے اپنے دفتر میں بٹھا کر اپنے ساتھ چائے پلائی ہے' مائی ڈیئر فراز ان تمام باتوں سے تم کیا اندازہ لگا سکتے ہو؟ اور پھر یار آج کا ایک دلچسپ لطیفہ سنو' کمال کا لطیفہ ہے' سنو گے تو ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاؤ گے۔"

"چلو سناؤ۔" فراز دلچسپی سے بولا۔

"نام ہے انعام احمد' بہت بڑی فرم کے مالک ہیں اور میڈم سے عشق کرتے ہیں۔"

"کیا.....؟"

"ہاں، انعام احمد صاحب کے میڈم سے کب اور کہاں تعلقات ہوئے یہ تو مجھے نہیں معلوم؟ لیکن سنا ہے کہ میڈم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ کبھی گھر پہنچ جاتے ہیں کبھی دفتر آتے ہیں، آج بھی دفتر آ گئے تھے، میں اس وقت وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ میڈم نے نہایت ترش روئی سے ان کا استقبال کیا اور پھر بڑی بے عزتی سے انہیں اپنے آفس سے نکال دیا۔" شامی نے پوری تفصیل فراز کو بتائی اور اس کے بعد کہا۔

"بس وہ مجھے اپنا آلہ کار بنانے پر راضی ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"فرمائش کی تھی مجھ سے کہ میں ان کی بیل کو منڈھے چڑھاؤں، پیش کش بھی کی تھی، بلکہ مجھے اپنی فرم میں منیجر بنانے کے لئے تیار ہیں۔ میں نے حامی بھر لی ہے۔"

"ابے کیا بکواس کر رہا ہے؟"

"میں نے ان سے کہا ہے کہ کسی پیر فقیر کو تلاش کیا جائے اور اس کے بعد اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے، میڈم تو کچے دھاگے سے بندھی چلی آئیں گی۔"

"تو نے وہاں بھی چکر چلا دیا ہے؟"

"اس کے بعد میں نے میڈم کو بتایا، خوب ہنسیں اور کہنے لگیں کہ شامی تم مزے کے آدمی ہو، بس اسی رواداری میں، میں نے سوال کر ڈالا کہ میڈم کیا آپ شادی شدہ نہیں ہیں۔ اس بات پر البتہ ان کا موڈ کچھ خراب ہو گیا، ویسے منیجر ذکی صاحب سے میں نے معلومات حاصل کر لی ہیں، محترمہ نے شادی نہیں کی۔"

"کتنی عمر ہو گی یار ان کی؟"

"عمر تو اچھی خاصی ہے، میرا مطلب ہے کہ جوانی کی ان، ناہموار حدوں سے نکل گئی ہے جہاں ناتجربے کاری ہوتی ہے اور ہرایرا غیرا پسند آ جاتا ہے، شامی کی بات الگ ہے۔"

"ہوں، ہوں اچھا، تو شادی کیوں نہیں کی یہ کچھ پتا نہیں چلا؟"

"ذکی صاحب کی مجال کہ اس سے آگے کچھ بول جاتے، زندگی عزیز ہے انہیں اپنی۔"

"دلچسپ کیس ہے۔"

"ہاں واقعی ہے تو دلچسپ اور خوبصورت کیس بھی ہے۔"

"ہوں، لیکن بیٹا اچھی نوکری ہے ذرا ہوشیار رہنا بلاوجہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جانا۔"

"یار ایک بات بتاؤ۔ بے چارے انعام احمد صاحب نے تو مجھ سے اس بارے میں مشورے لئے اور میں نے انہیں بہرحال درویشوں کے چکر میں ڈال دیا ہے حالانکہ سمجھدار آدمی ہیں بیوقوف نہیں ہیں، باتیں بھی ٹھیک ٹھاک ہی کرتے ہیں لیکن وہ بس ان پر لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد اور رومیو جولیٹ وغیرہ سوار ہو گیا ہے، اس لئے عقل کھو بیٹھے ہیں

[illegible] لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ میں اب کیا کروں میڈم کے لئے؟"

"بیٹا شرافت سے نوکری کرو اچھی نوکری ہے اگر عزت سے بات بنی رہے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کیا فائدہ چپراسیوں کے ہاتھوں دھکے دے کر نکلوائے جاؤ۔"

"اے اے مسٹر فراز زبان سنبھال کر بات کرو، میرا نام شامی ہے شامی۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ بے عزت کر کے نکال دیئے جاؤ۔"

"[illegible] عزت کر کے نکالنے والے۔"

"بہرحال پھر بھی میں یہ مشورہ دوں گا کہ ہوشیاری اچھی چیز ہے۔"

"ہاں ہوشیاری اچھی چیز ہے، خیر ابھی مجھے بھی جلدی نہیں ہے، تیل دیکھتا ہوں، تیل کی دھار دیکھتا ہوں، انعام احمد صاحب پر ذرا دھار لگا دوں، ویسے اس سے کافی خوشی محسوس کر رہی ہیں وہ، کوئی اور چکر چلاؤ نا یار، کچھ تو کرنا چاہئے نا کم از کم میرا مطلب ہے وہ ہلکی سی جو ضرب کہلاتی ہے نا۔"

"یہاں بھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آ گیا ہے۔" فراز نے کہا۔

"واقعی۔"

"ہاں۔"

"کیا یار جلدی جلدی؟" شامی نے حسب عادت شوخی سے کہا۔

فراز چند لمحات سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے شامی کو آج کا پورا واقعہ سنا دیا، شامی حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ کہانی سن رہا تھا، جب فراز خاموش ہوا تو شامی چند لمحات اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔"

"فضول باتوں سے گریز کرنا کیا سمجھے؟"

"میں فضول باتوں سے گریز کروں یا میری غیر موجودگی میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، شیخ صاحب کا گھر کم از کم اس لحاظ سے بہتر تھا کہ وہاں بی شمسہ دونوں طرف سے تمہاری نگرانی کیا کرتی تھیں، یعنی دائیں اور بائیں دونوں آنکھیں استعمال کیا کرتی تھیں، میں تو وہاں بھی خیر ایک غلط شخص کے طور پر مشہور تھا لیکن بی شمسہ تمہاری ہی جانب متوجہ تھیں تو یہ سلسلہ تھا، ابے میں کہتا ہوں ہوش میں آ جا فراز ہوش میں آ جا۔"

"یار تو بعض اوقات بڑی فضول باتیں کرنے لگتا ہے تو مجھے بتا اگر تو میری جگہ ہوتا تو کیا کرتا؟"

"بھائی ہم ہوتے ہی کہاں تمہاری جگہ، ویسے اب تک تو خیر میں نے غور نہیں کیا، لیکن اب ذرا گہری نگاہوں سے دیکھنا پڑے گا انہیں ویسے بڑی عجیب داستان ہے۔"

"شامی ذرا ہمدردی سے سوچ کتنی افسوس ناک بات ہے‘ میرا خیال ہے ان لڑکیوں کا باپ ان کے ساتھ کافی برا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی اوباش مزاج آدمی ہو‘ شکل و صورت سے تو ایسا ہی لگتا ہے‘ پورا گھرانہ بڑی بے کسی کا شکار ہے‘ بڑی لڑکی نے ہسپتال میں بڑے غم آلود اور شرمندہ لہجے میں مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" شامی بھی سنجیدہ ہو گیا پھر بولا - "ویسے ایمانداری سے بتاؤ غور سے دیکھا تھا اسے؟"

"ہاں کیوں نہیں دیکھا تھا؟"

"کیسی شکل و صورت ہے؟"

"شامی بہت اچھی‘ یقین کر کیچڑ میں لپٹا ہوا پھول ہے بڑے سبک اور حسین نقوش لیکن بے کسی اور بے بسی سے مرجھائے ہوئے‘ میں نے واقعی اسے غور سے دیکھا تھا اور میرے دل میں اس کے لئے کافی جگہ پیدا ہو گئی ہے۔"

"ابے تیرے کی‘ تو تو یار بہت آگے کی چیز ہے اگر ایسی بات ہے تو بس سمجھ لے کہ پھر مجال ہے کسی کی کہ اسے کوئی نقصان پہنچائے‘ نام کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے صاعقہ۔"

"تمہارا خیال ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا مطلب؟"

"یار نام نہیں پوچھا میں نے‘ شاید چھوٹی کا نام انیلا ہے اور بڑی کا صاعقہ۔"

"ہوں‘ اچھا خیر چلو تمہاری وجہ سے سنجیدہ ہوا جا رہا ہوں۔ ویسے صورت حال بھی کچھ ایسی ہی ہے‘ اب کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ظاہر ہے بے چاری اپنی عزت سے ڈرتی ہو گی‘ باپ بھی سخت گیر ہے کہیں مصیبت کا شکار ہی نہ ہو جائیں۔"

"تو ہم کس مرض کی دوا ہیں۔" شامی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں شامی‘ ان لوگوں کو ہماری وجہ سے مزید مصیبتوں میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔"

"یار عقل سے کام لیا کرو فراز بھئی دیکھو نا‘ باپ ہر وقت تو گھر میں نہیں ہوتا اب اتنا بھی محتاط رہنا اچھی بات نہیں ہے‘ تم نے پوچھا نہیں کہ ابا حضور کہاں گئے ہیں‘ کب واپس آئیں گے؟ یہ بے شک چھوٹا موٹا کام کر دیا تم نے ان کے لئے اور واقعی بڑی جرات اور بے باکی سے کیا‘ لیکن اب اس کے بعد انہیں اس طرح چھوڑ دینا تو مناسب نہیں ہو گا۔"

"نہیں بھئی‘ میں اس سے آگے بڑھنے کے موڈ میں نہیں ہوں بلاوجہ کوئی الجھن پالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔" شامی پرخیال انداز میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔ فراز نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ دونوں دیر تک سوچتے رہے پھر شامی نے کہا...."اور ظالم سماج شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"کون۔"

"ان کا باپ۔"

"ہاں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ عارضی طور پر ماحول سازگار ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم مزاج پرسی کر سکتے ہیں۔"

"پتا نہیں مناسب ہو گا یا نہیں۔"

"ایک بار کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ایک چھوٹا سا احسان کر کے ان کے پیچھے لگ گیا ہوں۔"

"اندازہ ہو جائے گا‘ ویسے ٹائپ کیا ہے؟"

"ٹائپ؟"

"کچھ پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں یا۔"

"بڑی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا‘ ہو سکتا ہے تھوڑی بہت پڑھی لکھی ہو۔ چھوٹی بچی کا پڑھی لکھی ہونا مشکل لگتا ہے۔"

"کیوں؟"

"یار جن کے پاس بیماری کے علاج کے لئے پیسے نہ ہوں‘ اور جو سلوک ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد بھلا تعلیم کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔" فراز نے کہا اور شامی گردن ہلانے لگا۔

□

تاحد نگاہ برف پوش پہاڑیاں‘ ان کے دامن میں پھیلے ہوئے سبزہ زار‘ چیڑ کے جنگل‘ خوبصورت چھوٹے چھوٹے مکانات‘ ایک جگہ بلندی پر ایک حسین عمارت‘ قدیم و جدید کا امتزاج‘ حسن و دلکشی میں بے مثال‘ چوڑی سڑک سے ایک ذیلی سڑک اوپر کی جانب آتی تھی اور اس ذیلی سڑک کے اختتام پر یہ حسین عمارت بنی ہوئی تھی اور حسین عمارت سیٹھ ادریس کی ملکیت تھی۔

شہر کے ایئر پورٹ پر اترنے کے بعد جب وہ باہر نکلے تو ایک انتہائی قیمتی لینڈ روور ان

کے استقبال کے لئے موجود تھی جس میں ایک مستعد ڈرائیور موجود تھا' اس نے نیچے اتر کر عکسہ اور دونیا کو سلام کیا اور اس کے بعد بڑے ادب سے لینڈ روور تک آنے کی پیش کش کی۔ سجاد کے تصور میں بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی' پہاڑی مقامات کی کہانیاں اس نے سنی تھیں' خود کبھی زندگی میں یہ موقع نہیں ملا تھا کہ وہ کسی پہاڑی مقام پر جاتا' دوست سنایا کرتے تھے کہ اس بار وہ گرمیوں میں فلاں جگہ گئے فلاں جگہ گئے۔ یہ تفریح کی' وہ لطف اٹھائے۔ لیکن مرزا سخاوت بیگ نے لڑکوں کو بھی لڑکیوں کی طرح ہی پرورش کیا تھا' یہ دوسری بات ہے کہ لڑکے ان سے کبھی متفق نہیں ہوئے تھے' اور اب جبکہ صرف فلموں اور [illegible] جو ماحول نظر آتا تھا وہی ماحول سجاد کے سامنے آیا تو سجاد مبہوت ہو کر رہ گیا۔

لینڈ روور تھی کہ بس چلتا پھرتا مکان کا کمرہ۔ پہاڑی مقامات کے لئے ہی غالباً اسے تیار کیا گیا تھا۔ مستعد ڈرائیور نے لینڈ روور اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی' عکسہ اور دونیا خوش نظر آ رہی تھیں۔ خوش تو سجاد بھی تھا لیکن اپنی خوشی کا اظہار کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ البتہ عکسہ کی شریر حرکتیں اسے بار بار مسکرانے پر مجبور کر دیتی تھیں' اور وہ ان کے اور اپنے ماحول کے فرق کو محسوس کر کے دل مسوس کر کے رہ جاتا تھا تب ہی عکسہ نے کہا۔

"سجاد بھائی! اب ذرا یہاں سے اطراف کے مناظر دیکھئے' آپ ان علاقوں میں آ تو چکے ہوں گے....؟"

"نہیں آیا...." سجاد نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں آئے...؟"

"ہاں عکسہ اور اس کی وجہ نہ پوچھنا....؟"

"کون احمق وجہ پوچھے گا..... اور اب تو مجھے اور بھی لطف آئے گا۔ راستے بھر آپ کے کان کھاتی رہوں گی' ہم تو کئی بار یہاں آ چکے ہیں اور بہت سے دلچسپ واقعات یہاں سے وابستہ ہیں۔ رحمان بابا تمہیں یاد ہے ایک مرتبہ ہمیں راستے میں بھوت ملے تھے؟" عکسہ نے ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا اور ڈرائیور ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"ہاں چھوٹی بی بی یاد ہے مجھے..... اور اب بھی جب اس سڑک سے گزرتا ہوں تو وہ واقعہ مجھے یاد آ جاتا ہے۔"

"بھئی پوچھئے نا سجاد بھائی کہ کیا واقعہ تھا؟" سجاد محویت سے چونکا اور اس نے عکسہ سے پوچھ ہی ڈالا۔

"کسی دن' رات کو یہ لوگ اس سڑک سے گزر رہے تھے کہ ایک سیاہ لباس میں ملبوس شخص نے ہاتھ جوڑ کر ان سے لفٹ مانگی۔ گاڑی رکی اور وہ شخص گاڑی میں آ بیٹھا لیکن جب یہ لوگ منزل پر پہنچے تو اچانک وہ شخص غائب ہو گیا تھا۔"

"مگر کیسے؟"

"قسم کھاتی ہوں آج تک پتا نہیں چلا دونیا باجی سے پوچھ لیں۔"

"ہاں وہ واقعہ واقعی بہت دنوں تک ہمیں لرزاتا رہا تھا۔ ہم دونوں ہی تھے اور رحمان بابا ...ے۔ رحمان بابا اس کی گواہی دیں گے۔"

"ہاں صاحب' بھٹکتی ہوئی روحیں کبھی کبھی مل جاتی ہیں اور ایسے واقعات رونما ہو جاتے ...ے" رحمان بابا نے کہا۔

"عجیب واقعہ ہے' کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے اس بے چارے کو بٹھایا ہی نہ ہو اور یہ ...یا ہو کہ وہ بیٹھ گیا ہے۔"

"ارے اب ہم اتنی بے وقوف بھی نہیں ہیں آپ رحمان بابا سے پوچھ لیجئے۔"

"کیوں رحمان بابا یہ لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں؟" سجاد نے کہا اور رحمان بابا ہنس ...ے۔ عکسہ سجاد کو گھورنے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"خدا کرے آپ کو بھی کوئی بھوت مل جائے۔ پھر پوچھوں گی آپ سے۔"

"بھوت تو نہیں' البتہ ایک بھوتنی مل گئی ہے مجھے۔" سجاد نے پیار سے عکسہ کو دیکھتے ...ئے کہا۔

"سن رہی ہیں آپ.... آپ کے لئے اور کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا۔ ذرا بس اتنا بتا ...یجئے۔"

"بھئی تم بولتی بہت ہو۔" دونیا نے کہا۔

"جی ہاں' جی ہاں' ظاہر ہے جو کچھ کہا جائے گا ہم سے ہی کہا جائے گا..... رحمان بابا یہ ...ہاری باجی کے منگیتر ہیں۔"

"ارے اچھا.... ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا بیٹا۔ معاف کر دیجئے صاحب آپ کو تو سات ...سلام کرنے پڑیں گے۔"

"یہ سات سلام کا محاورہ بعض جگہ کچھ غلط بھی ہو جاتا ہے' رحمان بابا۔"

"نہیں صاحب ہم تو عزت ہی سے کہہ رہے ہیں۔" رحمان بابا نے جواب دیا۔

لینڈ روور ہی سے خاصا مرعوب ہو گیا تھا سجاد۔ ذیلی سڑک سے اوپر چلنے کے بعد جو ...کوٹھی نظر آئی' اسے دیکھ کر تو سجاد ششدر ہی رہ گیا تھا۔ دروازے پر دربان موجود تھا۔ اندر ...چار ملازم۔ گویا اس عمارت میں چھ تو صرف ملازم ہی تھے اور پھر عمارت اس قدر حسین کہ ...آس پاس کی کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر پاتی تھی عکسہ نے کہا۔

"یہ ڈیڈی نے میری فرمائش پر بنوائی تھی۔ پہلے ہم آتے تھے۔ میں دکھاؤں گی آپ کو ...جاد بھائی۔ کافی فاصلے پر ہماری ایک اور کوٹھی بنی ہوئی ہے۔ ہم اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔ ...مگر جب بھی اس پوائنٹ پر آتی تھی تو مجھے بڑا اچھا لگتا تھا۔ میں نے ڈیڈی سے کہا کہ ڈیڈی ...ہماری ایک کوٹھی اس پوائنٹ پر بھی ہونی چاہئے اور بس جناب ڈیڈی تیار ہو گئے اور پھر یہ

کوٹھی بن گئی۔ وہ کوٹھی کرائے پر دے دی گئی ہے۔"

سجاد ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ بخدا کیا زندگی ہے۔ ایک وہ گھر ہے جہاں بے کسی اور کسمپرسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور ایک یہ لوگ ہیں جنہیں زندگی کی کر مشکل سے آشنائی ہی نہیں ہے اور تقدیر مجھے اس گھرانے میں شامل ہونے کی دعوت دے رہی ہے' کیا اتنا ہی احمق انسان ہوں میں کہ اس دعوت کو ٹھکرا دوں اور صرف ان اقدار کے ڈھول پیٹتا رہوں جن میں اقدار کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

سجاد کی طبیعت میں کچھ اور پختگی پیدا ہو گئی۔ سخاوت بیگ کو بیمار چھوڑ آیا تھا۔ بہانہ کر کے یہاں آیا تھا۔ دل کے کسی گوشے میں ایک ہلکی سی خلش بھی تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد وہ خلش بالکل مٹ گئی۔ ہر انسان اپنی زندگی جیتا ہے' سخاوت بیگ صاحب کی تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا تو انہیں نہیں ملا' مجھے قدرت نے یہ مواقع فراہم کئے ہیں تو میں بھی انہیں ٹھکرا دوں صرف ان لوگوں کے لئے جو ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے۔ نہیں جناب یہ سب کچھ غور کرنے کے قابل ہے اس پر پوری سنجیدگی سے سوچنا پڑے گا۔ بلکہ غور کرنا پڑے گا۔ فیصلہ ہو چکا ہے' میں نے دونیا سے سب کچھ کہہ دیا ہے اب اس میں کوئی ترمیم کسی طرح مناسب نہیں ہو گی۔

ملازموں نے سب کچھ سنبھال لیا۔ سامان اندر پہنچا دیا گیا۔ عکسہ اور دونیا نے الگ الگ کمرے لئے تھے۔ سجاد کا کمرہ دونیا کے کمرے کے قریب تھا۔ ایک ملازم نے جب اس کی ڈریسنگ الماری سجائی تو وہ دنگ رہ گیا۔ وہ کئی لباس لایا تھا۔ لیکن ملازم ایک سوٹ کیس لے کر اندر آیا اور اس سے مزید لباس نکال کر الماری میں سجانے لگا تو سجاد چونک پڑا۔

"یہ؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"غلطی سے عکسہ بی بی کے کمرے میں چلا گیا تھا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔" سجاد نے ملازم سے کچھ نہ کہا۔ البتہ اس کے جانے کے بعد سجاد نے وہ لباس دیکھے۔ بعد میں اس نے عکسہ سے کہا۔

"میرے لئے کپڑے کس نے خریدے؟"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" عکسہ نے کہا۔

"تم یہ سب کچھ کرتی ہو۔"

"جی نہیں میرے حقوق محفوظ ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ان سے پوچھئے جو خاموش بیٹھی ہیں۔"

"دونیا یہ تم نے خریدے ہیں؟"

"ہاں۔" دونیا نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ۔ یہ سب کچھ....."

"قابل تذکرہ نہیں ہے۔" دونیا نے جواب دیا۔

بہرحال پہاڑی مقام کی سیاحت شروع ہو گئی۔ عکسہ بے حد شوخ اور منہ پھٹ تھی۔

گئی۔

"اصل میں آپ دونوں حضرات کو میں اس لئے لائی ہوں کہ وہ شادی سے قبل کی جو کر ہوتی ہے وہ کر لیں۔ چار چھ گانے وغیرہ گا لیں برف پر لوٹیں لگا لیں شادی کے بعد نہیں رہتی۔ آپ لوگ لوکیشن دیکھ لیں بعد میں' میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گی سمجھے۔"

"دونیا یہ زیادہ نہیں بولتی۔"

"میری قابل فخر بہن ہے یہ۔" دونیا نے پیار سے عکسہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیر ہم اس کا قرض اتار دیں گے۔"

"کیسے؟۔" دونیا نے پوچھا۔

"اس کے لئے کوئی حسین سا لڑکا تلاش کر کے۔" سجاد نے جواب دیا۔

"سوری جنٹلمین۔ میں شرمانے کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔" عکسہ نے کہا۔

ایک ایک لمحہ حسین گزر رہا تھا۔ سجاد کو تو یہ سب خواب محسوس ہوتا تھا۔ تجزیہ کرتا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتا' کہیں یہ سب کچھ خواب تو نہیں ہے' اس خواب سے آنکھ تو نہیں کھل جائے گی۔ زندگی بھر ایسے ماحول کا تصور بھی نہیں کیا تھا جو اب نصیب ہو گیا تھا' تقدیر کہیں مذاق تو نہیں کر رہی۔ کوئی ایسا واقعہ تو نہیں پیش آ جائے گا جو اس خواب کو توڑ دے' آنکھ کھل جائے اور اس کے بعد کچھ بھی نہ ہو' آہ' اگر ایسا ہوا تو جینا بے مزہ ہو جائے گا' زندگی نہ گزر سکے گی' لیکن عکسہ اور دونیا کا رویہ یہ احساس دلاتا تھا کہ شاید یہ خواب مکمل تعبیر سے پہلے نہ ٹوٹ پائے گا۔

دونوں کے ساتھ بہترین رویہ اختیار کیا تھا اس نے' کبھی کبھی یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ جو اسے کرنا چاہئے یہ دونوں لڑکیاں اس کے لئے کر رہی ہیں' یعنی تمام ذمے داریوں کی تکمیل' اخراجات کا سلسلہ لیکن دونوں ہی کا رویہ اس بات کا احساس دلاتا تھا کہ وہ صرف اس کی ذات سے متاثر ہیں۔

کافی دن یہاں ہنسی خوشی گزر گئے۔ سجاد ہی نے کہا۔

"بھئی عکسہ' کیا خیال ہے تم لوگوں نے اپنے قیام کی یہ مدت طویل نہیں کر دی ہے؟"

"جانے کو دل ہی نہیں چاہتا سجاد بھائی' کیا آپ کا دل جانے کو چاہتا ہے؟"

"نہیں' یہ حسین ماحول اور پھر تم لوگوں کا ساتھ' کوئی احمق ہی یہاں سے واپسی کے بارے میں سوچ سکتا ہے' لیکن آفس کے معاملات بھی ہیں اور پھر مجھے نہیں معلوم کہ تم

"کتنے دن کی اجازت لے کر آئی ہو۔"

"آفس آپ کا ہے اور اجازت ڈیڈی کی' پھر کیا رہ جاتا ہے اس سلسلے میں' ہاں آپ کو کچھ جلدی ہو تو بتایئے۔"

"نہیں مجھے کیا جلدی ہے؟" سجاد نے کہا۔

عکسہ اور دونیا' سجاد سے بالکل مخلص تھیں' لیکن باپ نے کچھ ذمے داریاں بھی سپرد کی تھیں انہیں بھی ذہن میں رکھنا تھا' عکسہ نے کہا۔

"سچ بتایئے سجاد بھائی کوئی اور بات تو نہیں ہے؟"

"اور بات؟"

"ہاں۔"

"بھلا اور بات کیا ہو سکتی ہے؟"

"میرا مطلب ہے آپ کو اپنا گھر یاد آ رہا ہے یا کچھ اور لوگ میرا مطلب ہے آپ کے ابو بھی تو بیمار تھے۔"

سجاد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"ابو۔" اس کے لہجے میں ایک تنفر سا تھا' ایک گھٹن سی تھی۔ عکسہ نے اسے نظر انداز نہیں کیا' کیونکہ یہی تو ان کا مشن تھا وہ بولی۔

"سجاد بھائی! میں جس طرح آپ سے ہر موضوع پر بے دھڑک گفتگو کر لیا کرتی ہوں' اسی طرح یہ سوال بھی کر رہی ہوں' اپنے اہل خاندان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' دیکھئے' آپ کا خاندان تو اب میں بھی ہوں اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ میرے ذہن میں کوئی اور بات ہے' بس ایسے ہی اس وقت میرا دل چاہا کہ آپ سے سوال کروں۔"

"عکسہ! اصل میں غربت کوئی بری چیز نہیں ہے' میرے والد ایک قناعت پسند اور ایک محدود زندگی کے مالک رہے' ان کی زندگی میں بس ہلکی پھلکی ہی سی تفریحات رہی ہیں' نہ انہوں نے کبھی زندگی کو کسی روشن پہلو میں دیکھا' نہ انہیں اس کی طلب ہوئی' ہمارے گھر کے تمام افراد ایک ہی انداز میں پروان چڑھے' روشنی کی جانب ہم نے رخ تو کیا لیکن اس کا حصول ہمارے لئے ممکن نہیں تھا' میں بھی اسی ماحول کا ایک فرد ہوں۔ بے شک یہ زندگی جو میں اب دیکھ رہا ہوں میرے تصور میں تو بسی رہی لیکن اس کا حصول میرے لئے ایک خواب ہی تھا' وہ ماحول اب مجھے بالکل اجنبی لگتا ہے' تم لوگوں نے حقیقتاً مجھے میری حیثیت سے الگ کر دیا ہے اور اب میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر کبھی مجھے اس ماحول میں واپس جانا پڑا تو کتنے دن جی سکوں گا۔"

"تم سلامت رہو ہزاروں برس' اور ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار تمہاری زندگی کے لئے تو ہم دنیا ادھر سے ادھر کر سکتی ہیں سجاد بھائی۔ اس دنیا میں واپس جانے کا تصور کیوں

کرتے ہو۔ میں تو صرف یہ سوال کر رہی تھی آپ سے کہ ہماری دنیا میں آنے کے بعد اگر لوگوں نے آپ کو قبول نہ کیا تو کیا آپ اس دنیا کو چھوڑ سکیں گے؟"

"میں وہ الجھا ہوا ماحول چھوڑ چکا ہوں عکسہ تم نے مجھ سے پہلے بھی پوچھا تھا اور میں نے تمہیں جواب دیا تھا کہ میں وہاں سے تنگ آ گیا ہوں' اس بوجھل ماحول سے مجھے اب نفرت ہو گئی ہے۔"

"بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا سجاد بھائی' یہ کوئی موضوع نہیں ہے۔" عکسہ نے کہا۔

رات کو گفتگو میں دونوں نے سجاد کی ذہنی کیفیت سے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ عکسہ نے کہا۔

"دونیا باجی! سجاد بھائی پوری طرح ہمارے رنگ میں رنگے جا چکے ہیں اور اب ڈیڈی سے اطمینان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ بسم اللہ کریں۔"

پھر واپسی کا فیصلہ ہو گیا۔ جانا تو تھا ہی اور تینوں آخر کار اس حسین ماحول سے واپس اپنی دنیا میں روانہ ہو گئے۔

□

انعام احمد نے اس کے بعد گارمنٹ سٹی یا میڈم کی رہائش گاہ پر جانے کی کوشش نہیں کی تھی' انتظار کرتے رہے تھے پھر ایک دن شامی کو ان کا فون موصول ہوا' شامی اپنے آفس میں کام میں مصروف تھا کہ انعام احمد صاحب کا فون اسے ملا۔

"جی سر۔"

"بھئی میں انعام احمد بول رہا ہوں' کیا احتشام صاحب ہیں؟"

"جی جی سر آپ کا خادم۔" شامی کو انعام احمد یاد آ گئے۔

"بھئی احتشام صاحب آپ نے ہم سے کچھ وعدے کئے تھے اور پھر آپ ہمیں بھول گئے۔"

"نہیں سر بھلا میری کیا مجال لیکن جرات نہیں کر پا رہا تھا' سر آپ سمجھتے ہیں نا' میری اور آپ کی سطح کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"سر' آپ میرے مالکان کے ہم عصر ہیں اور میں ایک غریب سا آدمی' آپ نے بے شک اس دن میرے سپرد کچھ خدمات کی تھیں' میں نے اپنے طور پر تو انتظام کر لیا لیکن پھر آپ سے رابطے کی جرات نہیں کر سکا' یہ سوچ کر کہ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ سے زبردستی بے تکلف ہونا چاہتا ہوں' دراصل آپ کو یہ اندازہ ہے کہ انسان کی عزت نفس ایک لمحے میں مجروح ہو سکتی ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو' یعنی ہم تو ایک ایک لمحہ تمہاری طرف سے کسی جواب کے منتظر

ہیں اور تم سے ان تکلفات سے کام لے رہے ہو۔"

"تو پھر آپ یہ فرمائیے کہ میں آپ سے کہاں ملاقات کروں؟"

"بھئی وہاں سے تو بڑے بڑے بے عزت کر کے نکال دیئے گئے ہیں چنانچہ وہاں تمہاری تو جرات نہیں ہو سکتی' تم جہاں بھی طے کرو۔"

"سر پھر کوئی ایسا ہوٹل منتخب کر لیجئے' جہاں میں چھٹی کے بعد پہنچ سکوں۔"

"آج ہی آ جاؤ۔"

پھر ایک ہوٹل طے ہو گیا اور شام کو آفس سے چھٹی کرنے کے بعد شامی ہوٹل پہنچ گیا' انعام احمد صاحب کو واقعی کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی تھی۔ شامی سے پہلے ہی وہاں موجود تھے بڑے پرتپاک انداز میں شامی کا استقبال کیا' کہنے لگے۔

"احتشام صاحب! در حقیقت آپ نے مجھے بہت متاثر کیا ہے' برا نہ مانئے گا اس دنیا کو بڑے قریب سے دیکھا ہے' عموماً ایسے لوگ بڑے آدمیوں کے چمچے بن جاتے ہیں اور ان کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں' میں نے آپ کو جو پیش کش کی' آپ نے اسے بڑی شان بے نیازی سے ٹھکرا دیا اور اس کے بعد میری مدد کرنے کا فیصلہ کیا' اس بات نے میرے دل میں آپ کے لئے بڑی گنجائش پیدا کی ہے' بہرحال دیکھو احتشام احمد' زندگی میں انسان ایک بار ضرور کسی سے متاثر ہوتا ہے اور یہ عشق و محبت کا جو روگ ہے نا' اس کے بارے میں تو دنیا کی تاریخ یہی کہتی ہے کہ عقل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور انسان اپنی ساری شخصیت کھو بیٹھتا ہے' میں بھی کچھ ایسے ہی حالات کا شکار ہوں اور اس وقت مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوجھ رہا کہ جس طرح بھی بن پڑے میری دلی مراد بر آئے' اچھا خیر یہ تو ہوئی میرے دل کی بات' یہ بتاؤ میری تقدیر کے ستارے گردش سے نکلے یا نہیں؟"

"سر! اپنے طور پر جو کچھ کر سکتا تھا وہ میں نے کر ڈالا ہے لیکن تھوڑا سا الجھا ہوا بھی ہوں' چونکہ مجھے بتایا گیا ہے وہ آپ کی سطح کی چیز نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"سر! عامل اور درویشوں کے بارے میں تو آپ کو علم ہی ہے یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ بالکل مختلف چیز ہوتی ہے میرا مطلب ہے اس کا انداز بالکل الگ ہی ہوتا ہے۔"

"ہاں' ہاں کیوں نہیں' کیوں نہیں' لیکن کار آمد تو ہوتا ہے نا۔"

"جی سر' اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔"

"یہی میں کہہ رہا ہوں کہ ہونا کار آمد چاہئے۔"

"ایک بہت ہی نیک اور دین دار بزرگ ہیں آپ کی مشکل کا حل میں نے ان سے مانگا تو کہنے لگے کہ میاں ایک وظیفہ ہے پڑھ لیا جائے تو محبوب کا دل نرم ہو جاتا ہے اور سارے کام بن جاتے ہیں' کہتے ہیں کہ تیر بہدف ہے اور اس چلہ کشی کا نتیجہ نکلنا ہی ہوتا ہے۔"

"چچ.... چچ.... چچ چلہ کشی۔"

"جی۔"

"سنا تو ہے اس کے بارے میں کچھ کبھی توجہ نہیں دی کیا کرنا پڑتا ہے بھائی....؟"

"ان بزرگ نے بتایا ہے کہ کسی ایسے ویرانے میں جہاں انسانی شور نہ ہو' گاڑیاں وغیرہ بھی آتی جاتی نہ ہوں یہ چلہ سات دن تک کرنا ہوتا ہے' سورج چھپنے کے بعد سے اس وقت تک جب تک آسمان تاریک نہ ہو جائے۔"

"ارے باپ رے یہ تو بڑی خوفناک بات ہے۔"

"بس اسی لئے میں الجھ رہا تھا۔"

"نہیں نہیں' کچھ پانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے' ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے جہاں یہ چلہ کیا جا سکے؟"

"ذرا فاصلہ ہے لیکن ایک ایسی جگہ میرے علم میں ہے۔"

"کہاں؟"

"کچھ کھنڈرات ہیں' کوئی ایسا خاص واقعہ بھی ان سے منسوب نہیں ہے' بس قدیم کھنڈرات ہیں اور وہاں تک جانا بھی مشکل کام نہیں ہے گاڑی سے جا سکتے ہیں آپ' پھر دو تین گھنٹے کا معاملہ ہوتا ہے' وہاں سے چلہ کشی کی جا سکتی ہے۔"

"احتشام احمد! جب اتنی مدد کی ہے میری تو کیا تھوڑی سی مدد اور نہیں کر سکتے؟"

"میں نے کب انکار کیا ہے سر؟"

"وہ جگہ مجھے دکھا دو اور اس وظیفے وغیرہ کے بارے میں بتا دو۔"

"جی بہتر ہے جب آپ پسند کریں۔"

"میاں بعد کی کیا بات ہے' آج اب ابھی۔"

"تو پھر اٹھئے یہاں سے۔"

شامی ایک ہی آفت کا پر کالہ تھا' کھنڈرات اس نے خود ہی منتخب کر لئے تھے' شہر سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک صنعتی علاقے کی دوسری جانب یہ کھنڈرات واقع تھے۔ انعام احمد کو لے کر وہاں پہنچ گیا اور انعام احمد اس ماحول سے متاثر نظر آنے لگے۔

"اصل میں ایسے کسی معاملے سے کبھی سابقہ نہیں پڑا' لیکن ہم بھی کیا یاد کریں گے' اب ذرا وہ وظیفہ بھی بتا دو۔"

شامی کے لئے کوئی وظیفہ گھڑ لینا بالکل مشکل نہیں تھا' انعام احمد نے وہ وظیفہ لکھ لیا اور شامی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے' شامی نے اسے بتایا کہ ایک حصار بنا کر یہ وظیفہ وہاں شروع کرنا ہے لیکن اس کے بعد شامی نے کہا۔

"البتہ انعام احمد صاحب ان وظائف میں کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔"

"انسان خوف زدہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"اصل میں ہر وظیفے کے تحت کچھ موکل ہوتے ہیں' یہ موکل چاہتے ہیں کہ عامل اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے' وہ طرح طرح اسے ڈراتے ہیں اور اگر ڈر گئے تو پھر بات نہیں بنتی۔"

"ہوں' میں نے یہ سب کچھ سنا ہے لیکن میں ڈروں گا نہیں بے فکر رہو۔"

"تو پھر آپ کب سے شروع کر رہے ہیں یہ وظیفہ۔"

"میرا خیال ہے کل جمعرات ہے۔"

"نہایت موزوں دن ہے' کل شام کو سورج چھپے آپ یہاں پہنچ جایئے۔"

"احتشام احمد! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ یہاں سے کچھ فاصلے پر موجود رہیں؟"

"ہرگز نہیں جناب' میں نے کہا نا کہ تنہائی اور راز داری ہر وظیفے کی اول شرط ہوتی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" انعام احمد صاحب نے کہا کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"ٹھیک ہے کل سے شروع کرتا ہوں آؤ واپس چلیں۔"

شاہی مسکراتا ہوا انعام احمد صاحب کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔

□

رات کو شاہی سے گفتگو کرتے ہوئے بہت سی باتیں ہوئی تھیں لیکن کوئی ایسا حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا جس کے تحت فراز کو اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوتا۔ بہرحال اتنی بات ضرور طے ہو گئی تھی کہ کسی مناسب وقت ان لوگوں سے ان کے بارے میں معلوم کیا جائے۔ شاہی آفس چلا گیا تھا فراز یونہی کچھ ڈانواں ڈول سا ہو رہا تھا حالانکہ کوئی خاص وجہ نہیں تھی لیکن بس دیر تک گھر میں رہا۔ دن کو کوئی دس بجے کے قریب وہ تیار ہو کر گھر کے دروازے کے باہر نکلا تو سامنے ہی اس نے چھوٹی سی لڑکی کو کھڑے ہوئے پایا۔ عجیب سے انداز میں کھڑی ہوئی تھی فراز کو دیکھ کر اس نے سلام کیا' پھر بولی۔

"میں بہت دیر سے یہاں کھڑی ہوئی ہوں۔"

"کیوں بیٹے خیریت۔ امی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ امی نے ہی کہا تھا۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ جب آپ باہر نکلیں تو میں انہیں اندر آ کرتا دوں۔ آپ ذرا ایک منٹ کے لئے یہیں رکیں گے۔" لڑکی تیزی سے بولی۔

"ارے اگر کوئی بات تھی تو تم نے دروازہ کیوں نہ بجا دیا بیٹا؟" فراز محبت سے بولا۔

ی وقت عقب سے دروازہ کھلا اور ان خاتون کی صورت نظر آئی جو گزشتہ روز شدید بیمار ہو گئی تھیں۔

"معاف کرنا بیٹے' اصل میں' میں تمہیں بلانے کی ہمت نہیں کر پائی' کچھ وقت دے سکتے ہو نہیں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"اگر جلدی میں ہو تو پھر سہی۔"

"نہیں محترمہ کوئی جلدی نہیں ہے مجھے' آپ براہ کرم....." فراز نے کہا۔

"آنا پسند کرو گے اندر...؟"

"جج جی ہاں کیوں نہیں۔" فراز ایک لمحے کے لئے بوکھلا گیا تھا۔

"آؤ۔"

"جی...." فراز جھجکتا ہوا آگے بڑھا' چھوٹی بچی مسکرا رہی تھی۔ فراز اندر داخل ہو گیا۔ بالکل ویسا ہی فلیٹ تھا جیسے ان کا اپنا۔ صاف ستھرا روشن اور بے مائیگی کا شکار فراز نے ایک نگاہ ماحول پر ڈالی اور پھر ڈرائنگ روم کے اندر داخل ہو گیا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے' یہ بتایئے؟"

"اللہ کا کرم ہے' ٹھیک ہوں۔" خاتون نے جواب دیا اور اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کے لئے کہا۔

"کہیں ملازمت کرتے ہو؟"

"جی...."

"وہیں جا رہے تھے؟"

"نہیں - آج کچھ کاہلی کا شکار ہو گیا ہوں۔ نہیں جا سکا۔"

"جاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"فرصت ہے؟"

"بالکل فرصت ہے۔"

"تو پھر تھوڑی دیر بیٹھو ہمارے ہاں ایک پیالی چائے پی لو۔ ہماری عزت ہو گی۔"

"یہ سب کچھ کہنا ضروری ہے۔" فراز نے کہا اور اس کے جواب میں معمر عورت خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے چھوٹی بچی سے کہا۔

"صاعقہ سے کہو اچھی سی چائے بنائے۔"

"جی۔" لڑکی باہر نکل گئی۔

فراز خاموشی سے عورت کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔

فراز خاموشی سے عورت کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔

"کل تم نے جس طرح انسان دوستی کا ثبوت دیا اس کے بدلے ہم تمہیں دعائیں دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی رسمی باتیں کروں....؟" فراز نے پوچھا۔

"نہیں بیٹے۔ تم نے جو کچھ کیا انسانیت کے رشتے سے وہی کرنا چاہئے۔ لیکن اس پر آشوب دور میں اس طرح کے رشتے دفن ہو چکے ہیں۔ ایسے میں بھی اگر کوئی ان رشتوں کو نباہ سکے تو وہ انوکھا لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ نے دعاؤں کی بات کی ہے۔"

"ہاں۔"

"مجھے دل سے اگر کوئی دعا مل جائے تو بے حد قیمتی ہوتی ہے۔ آپ مجھے بہت سی دعائیں دے دیجئے۔" فراز مسکرا کر بولا۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

"شکریہ۔"

"کچھ ایسی حالت بگڑ گئی کہ خود پر قابو نہ رہا۔ بچیاں گھبرا گئیں کچھ نہ سوجھا تو تمہارے پاس پہنچ گئیں۔"

"مجھے آپ کی خدمت کر کے دلی مسرت ہوئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی طبیعت بہتر ہو گئی۔"

"کیا نام ہے بیٹے؟"

"فراز۔"

"بلندی۔ نام بھی شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ خاتون نے کہا۔ پھر بولیں۔ میرا نام امینہ' امینہ بیگم۔"

"جی۔"

"دو بیٹیاں ہیں میری۔ چھوٹی انیلا ہے اور بڑی کا نام صاعقہ ہے۔"

"جی۔"

"والدین ہیں تمہارے؟"

"نہیں۔ بس ایک بھائی یا دوست ہے۔ میری طرح تنہا ہم دونوں ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا نام احتشام ہے۔ سب اسے شامی کہتے ہیں۔"

"بیٹے۔ کل تمہارے کافی اخراجات بھی ہو گئے۔"

"اتنی اچھی باتوں میں یہ باتیں کیوں داخل ہو گئیں۔" فراز نے کہا۔

"یہ حقیقت تو ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس حقیقت کا تذکرہ نہ کریں؟" فراز بولا اور عورت نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ فراز بولا۔ "جو کچھ میں کہوں گا آپ اسے سچ سمجھ لیں گی۔"

"کیوں نہیں۔"

"میں اتنا بد اخلاق نہیں ہوں کہ دوبارہ آپ سے آپ کی خیریت نہ معلوم کر سکتا۔ لیکن جانتی ہیں میں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"بتا دو۔"

"اس لئے کہ میرا آپ سے تعارف نہیں تھا۔ اس لئے کہ آپ کے گھر میں ایک جوان لڑکی ہے اس لئے کہ آپ کے شوہر.... معاف کیجئے گا تند مزاج ہیں۔"

خاتون کا منہ ایک لمحے کے لئے کھلا پھر بند ہو گیا۔ پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ایک بار پھر کہوں گی کہ خدا تمہیں خوش رکھے۔"

"شکریہ۔"

"فراز! میں نہیں جانتی تھی کہ تم کیسے نوجوان ہو۔ لیکن تم بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہو۔ بیٹے ہم مصیبت زدہ لوگ ہیں۔ طویل عرصہ سے انسانی ہمدردیوں سے محروم ہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری شرافت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔ میں ایک ایسا قیدی..... یا پھر ایسے قیدی جو طویل عرصہ سے قید تنہائی بھگت رہے ہوں اچانک برابر کی کوٹھڑی میں کسی اور کے آ جانے سے جس طرح خوش ہوتے ہیں.... میں اسی کیفیت کا شکار ہوں۔ خدا نخواستہ میں تمہیں قیدی نہیں کہہ رہی۔"

"خاتون! میں آپ کو کسی رشتے سے پکار سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں۔"

"چچی جان کہہ لوں...؟"

"یہ اعزاز دو گے ہمیں؟"

"یہ اعزاز میرے لئے ہو گا۔" فراز نے جواب دیا۔

"نہیں بیٹے' ہم وہ بے مایہ لوگ ہیں جو دنیا میں کسی کے کام نہیں آ سکتے اور دنیا ہم سے رابطہ کر کے خسارے ہی میں رہے گی۔"

"چچی جان! نفع نقصان ان کاروباری لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے جن کے پاس دنیا میں کچھ اور نہیں ہوتا' میں آپ سے یہ بات خود کہہ چکا ہوں کہ میں نے آپ سے دوبارہ آپ کی خیریت اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں لیکن اگر ایسی بات نہیں ہے تو کس دل میں یہ آرزو نہیں ہوتی کہ کچھ ایسے لوگوں سے قربت اختیار کرے جن سے اس کا کسی نہ کسی شکل میں واسطہ پڑ سکتا ہے' معاف کیجئے گا

صاعقہ میرے فلیٹ کے دروازے پر پہنچیں اس لئے کہ مجھ سے زیادہ قریب آپ کے اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنا فرض جس حد تک بھی سر انجام دیا وہ میرے لئے قابل قدر بات ہے انسان کو ایسے چھوٹے موٹے کام کر کے خوشی ہوتی ہے لیکن بعض اوقات کچھ غلط تصور بھی غلط فہمیوں کا باعث بن جاتے ہیں' بس دوبارہ میں اسی لئے آپ کے پاس نہیں آیا۔ چند روز قبل کی بات ہے' ایک دن شاید وہ آپ کے شوہر ہیں' چھوٹی بچی انیلا کو مار رہے تھے' ہم نے بس یونہی پڑوسی کے طور پر انہیں ان کے غصے سے باز رکھنا چاہا لیکن بے حد خشک رویہ تھا ان کا اس لئے ہمیں خاموش ہونا پڑا' تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اچھائیاں تو یہی ہیں کہ دوسرے کے معاملے میں اگر مقدور بھر شرکت کر سکو تو کر لو' یہ بھی نہ کر سکو تو اپنے آپ کو اس دنیا کا انسان کہتے ہوئے کم از کم شرم ہی محسوس کر لو۔"

"بہت اچھے خیالات ہیں تمہارے فراز یقیناً اچھے والدین کی اولاد ہو' اچھے خون سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بس چچی جان چلتا ہے سب اس دنیا میں' میں ملازمت کرتا ہوں' اللہ کے فضل و کرم سے' اچھی آمدنی ہے' شامی بھی ملازمت کرتے ہیں اور ہم دونوں بھائی خدا کا احسان ہے مطمئن زندگی گزر رہے ہیں۔"

"میں بھی تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں' جیسا کہ میں نے تم سے کہا تاکہ برابر کی کوٹھری میں کسی اور کے آجانے کا تصور میرے ذہن میں ہے۔"

"ضرور بتایئے چچی جان مجھے اس سے خوشی ہو گی' کیونکہ تجسس تو انسان کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔"

"اپنا نام تو میں بتا چکی ہوں' اوہو' چائے آگئی لو چائے پیو۔"

چائے صاعقہ ہی لائی تھی' اس وقت صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھی اور چونکہ پریشانی سے چہرہ نہیں بگڑا ہوا تھا اس لئے پہلے سے زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے فراز کو سلام کیا اور فراز نے ہنس کر کہا۔

"محترمہ آپ نے اپنا نام نہیں بتایا تھا مجھے لیکن آخر کار مجھے پتہ چل گیا اب تو ٹھیک ہیں نا آپ کی امی؟" صاعقہ نے ایک نگاہ اٹھا کر گھبرائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"ہم سب آپ کے شکرگزار ہیں۔" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑ گئی۔ امینہ بیگم نے فراز کو دیکھا اور بولیں۔

"بس اسے ہی ہماری طرف سے خاطر مدارت سمجھو اس سے زیادہ کچھ نہ کر پائیں گے۔"

"پھر وہ ہی تکلف کی باتیں۔"

"تم نے امینہ قدسی کا نام سنا ہے کبھی۔"

"امینہ قدسی؟"

"ہاں' میں کسی خاص وجہ سے یہ نہیں کہہ رہی اصل میں ایک دور میں' میں امینہ قدسی کے نام سے افسانہ نگاری کرتی رہی ہوں' یہ میرا مشغلہ تھا اور بعد میں اس سے تھوڑی بہت مالی منفعت بھی حاصل ہوئی لیکن پھر سلسلہ ترک ہو گیا۔"

"بدقسمتی سے میں افسانوں وغیرہ سے ذرا دور ہی رہا ہوں لیکن آپ کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ خاصی تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔"

"خاصی نہ کہو' گریجویشن کیا تھا میں نے' بس اس کے بعد تعلیم ختم ہو گئی' شادی ہو گئی اور اب چونکہ بات یہ شکل اختیار کر چکی ہے اسلئے اسے یہیں سے آگے بڑھا دیا جائے۔"

فراز نے چائے کی پیالی اٹھا لی اور اس کے چھوٹے چھوٹے دو تین گھونٹ لئے پھر بولا۔

"جی سلسلہ جاری رکھئے۔"

"متوسط گھرانے سے تعلق رہا۔ والد صاحب ایک پرائیویٹ فرم میں ساری زندگی ملازم رہے' کلرک ہی تھے۔ تین بہنیں تھیں' ہم دو بہنوں کی شادیاں ذرا بہتر جگہ ہو گئیں' اور آخر کار وہ اپنے شوہروں کے ساتھ بیرون ملک چلی گئیں' والدین کا انتقال ہو گیا میری شادی بھی ایک شریف انسان سے ہو گئی' یہ دونوں بچیاں میرے پہلے شوہر کی اولاد ہیں۔ خاصے عرصے تک انہوں نے میرا ساتھ دیا لیکن پھر تقدیر نے انہیں مجھ سے چھین لیا اور میں ان دونوں بچیوں کے ساتھ بے سہارا رہ گئی' جگہ جگہ کوششیں کرتی رہی ملازمتیں ملیں لیکن بدبختی یہ تھی کہ عمر بہت زیادہ نہیں ہو سکی تھی اور بے شمار لوگ دشمنی پر آمادہ تھے۔ عزت کی زندگی راس نہیں آ رہی تھی افسانہ نگاری بھی کی اور اس سلسلے میں کیا کیا تجربات ہوئے انہیں میرے افسانوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بہرحال دنیا کے بارے میں بہت اچھی رائے نہیں رہی تھی میری' جو شناسا تھے وہ یہی مشورے دیتے تھے کہ دوسری شادی کر لوں اپنے تعیش کے لئے نہ سہی' دو بچیوں کی پرورش کے لئے ہی سہی۔ بہت عرصے تک دنیا سے تنہا لڑتی رہی لیکن جب جیتنے کی کوئی امید نہ رہی تو آخر کار فیصلہ کر لیا کہ لوگ جو کہتے ہیں وہی مان لوں اور فرید احمد سے شادی کر لی۔ اب اس شادی کے بارے میں کیا بتاؤں میں تمہیں انسان بعض اوقات غلط سوچوں کا شکار ہو جاتا ہے چند ہمدردوں نے کہا تھا کہ کسی ایسی جگہ شادی کر لی جائے کہ گزارا ہو سکے لیکن نجانے کیوں ایسا نہ کیا۔ اخبار کے ایک اشتہار سے میں نے فرید احمد سے رجوع کیا تھا اور وہ جب آئے تو کچھ ایسے فرشتہ بن کر آئے کہ میرا تجربہ میرا ساتھ نہ دے سکا۔"

"بڑے سخت گیر انسان ہیں۔ تفصیل میں کیا جاؤں یوں سمجھ لو کہ خود پسند ہیں' اپنے لئے جیتے ہیں اپنے لئے سب کچھ کرتے ہیں۔ یہ فلیٹ انہی کا ہے' یہی تقدیر ہے ہماری کہ

انہوں نے ہمیں اس چھت کے نیچے پناہ دے دی ہے۔ ریس کے رسیا ہیں زندگی کے اور بھی بڑے لوازمات سے دلچسپی رکھتے ہیں اپنے طور پر خوش رہنے کے عادی' بس اس سے اندزہ لگا لو کہ کیا زندگی ہے ان کی نجانے کیسے کیسے مراحل سے گزر کر زندگی کے یہ ماہ و سال گھسیٹے ہیں اور اب بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔"

"فرید احمد اگر ریس میں جیت جاتے ہیں یا کسی بھی قسم کے جوئے میں جیت جاتے ہیں تو ان کا موڈ بہتر ہوتا ہے' کچھ کھانے پینے کو دے دیتے ہیں' ہمیں اور اگر ہار جاتے ہیں چند واقعات تمہاری نگاہوں کے سامنے آ چکے ہوں گے' وہی ظہور پذیر ہوتے ہیں' مجھ پر افسانہ نگاری کی پابندی لگا دی گئی ہے۔ بچیوں پر بھی سختیاں ہوتی ہیں' زندگی میں چند ہی لمحات ایسے آئے ہیں جب کبھی بچیوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا ورنہ وہی بے بسی وہی کسمپرسی۔ بس اسی عالم میں زندگی گزر رہی ہے ہماری میں نے صرف اپنی کاوشوں سے' اور موقع اور حالات سے فائدہ اٹھا کر صاعقہ کو انٹر تک تعلیم دلوا دی ہے' وہ بھی بس پرائیویٹ رجسٹریشن کروا کروا کر۔۔۔ بچی پڑھنے کی شوقین ہے لیکن فرید احمد نے منع کر دیا ہے کہ اب ان چکروں میں نہ پڑا جائے۔ یہی حالت بے چاری انیلا کی ہے۔ بہن نے جتنا کچھ پڑھا لکھا دیا ہے وہی اس کی تعلیم ہے' آگے ہمارے پاس وسائل نہیں کہ ہم اسے تعلیم دلا سکیں تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا فراز کہ دوا کے پیسے ہمارے پاس کیوں نہیں تھے اور یہ بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جو کچھ تم نے ہم پر خرچ کیا وہ ڈوب گیا۔" امینہ بیگم کی آواز آنسوؤں میں گندھ گئی۔

فراز خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

کتی دلگداز کہانی ہے' وہ سوچ رہا تھا لیکن اس کہانی کو تکلفات کی بھینٹ چڑھا کر مزید سوز و گداز میں غرق نہیں کیا جا سکتا تھا جرات مندی پہلا قدم ہوتی ہے فراز نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"آپ افسانہ نگار خاتون ہیں۔ آپ نے زندگی کے بے شمار مسائل اپنی تحریروں میں حل کئے ہوں گے' بے شمار مسائل آپ نے ان میں پیدا کئے ہوں گے اور لوگوں کو ان کے حل بتائے ہوں گے' چچی جان آپ نے اپنے مسئلے کے حل کے بارے میں نہیں سوچا۔"

جواب میں وہ پھیکے سے انداز میں ہنس پڑی اور اس نے کہا۔

"میرے خیال میں افسانہ نگار بہت مظلوم ہوتا ہے' وہ دنیا جہان کی باتیں اپنی تحریروں میں درج کر لیتا ہے' زندگی کے مشکل سے مشکل مسائل کا حل وہ ان تحریروں میں پیش کر دیتا ہے' اس کے نزدیک کچھ مشکل نہیں ہے کہ وہ کسی خوب صورت عمارت میں رہنے والے خوش حال لوگوں کی داستان لکھ دے یا کسی بے کس یا بے بسی میں گرفتار خاندان کی نقشہ کشی کر دے لیکن اس کی اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا' اس دنیا میں شاید وہ خوابوں میں ہی جیتا ہے اور خوابوں میں ہی مرجاتا ہے۔ میں ان لوگون کی بات نہیں کر رہی

ہوں جو اپنے وسائل سے مطمئن حسین زندگی گزار رہے ہیں بلکہ ان کی بات کر رہی ہوں جن کے پاس ان کا ذریعہ معاش ہی ان کا قلم ہوتا ہے۔ واقعی کسی بات کے بارے میں لکھ دینا الگ کام ہے اور عملی طور پر کر گزرنا بالکل ہی مختلف۔ میرا تجربہ یہی ہے فراز۔"

"اور آپ ایسے کردار بھی تخلیق کرتی ہوں گی جو شرافت اور انسانیت سے بھرپور ہوتے ہیں جن کے دلوں میں گداز ہوتا ہے جو دوسروں کے لئے زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں' محترمہ چچی جان کیا آپ کے اپنے ذہن میں وہ لوگ بے وقوف جذباتی اور احمق ہوتے ہیں۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"پھر کیا ہوتے ہیں۔" فراز نے پوچھا۔

"انسانیت کے وہ نشان جن کے حوالے دے کر تحریروں کی آبرو قائم رکھی جاتی ہے۔" امینہ بیگم نے کہا۔

"ایسے کردار ہوتے تو ہیں۔"

"ہاں۔ ہوتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو انسانی ذہن ان کے بارے میں لکھنا چھوڑ دے۔ تحریر نگار ان کی تخلیق سے گریز کریں۔"

"چچی جان۔ میں آپ کے سامنے والے گھر میں رہتا ہوں۔ رشتوں ناتوں کے حوالے سے شاہی کے سوا دنیا میں میرا کوئی اور نہیں ہے اگر ہمارے درمیان انسانیت کا رشتہ قائم ہو جائے تو کوئی جرم ہے۔"

"جرم ہوتا بیٹے تو۔۔۔ میں تمہیں اندر بلانے کی ہمت نہ کر پاتی' میں خوف زدہ ہو جاتی۔"

"صرف ایک عرض کروں گا۔ میری ذات کبھی آپ کے لئے کوئی حادثہ نہ بنے گی اپنی اس مشکل زندگی میں آٹے میں نمک کے برابر کچھ آسانیاں پیدا کرنے کی مجھے اجازت دے دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کبھی اس کا کوئی صلہ نہیں مانگوں گا۔"

"فراز۔۔۔" امینہ بیگم آہستہ سے بولیں۔

"آپ ایسے کرداروں کا وجود تسلیم کر چکی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ کہیں۔" امینہ بیگم گہری سانس لے کر بولیں۔

"فرید احمد۔۔۔؟" فراز نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔"

"مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"ان کی صحبت اچھی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"برے لوگوں سے تعلق ہے۔ شرابی جواری لوگوں سے۔"

"کیا ان لوگوں کی پہنچ گھر تک ہے؟"

"بالکل نہیں۔ ان کا کوئی دوست کبھی گھر نہیں آیا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔"

"ہاں بس یہی اچھی بات ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ آپ نے مجھے یہ مقام دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ میں نے خود یہ حاصل کر لیا ہے۔ بس ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"فراز یقین کرو۔" امینہ بیگم نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"کہ آپ نے مجھے اس لئے نہیں بلایا تھا۔ آپ نے تو بس میرے کل کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ کہ کہیں میں یہ نہ سوچوں کہ آپ مجھ سے مزید امداد چاہتی ہیں۔" فراز نے کہا۔

"ہاں۔ یہ سب کچھ ہے۔"

"تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے آپ پر پورا یقین ہے اور چچی جان میری آپ سے یہی درخواست ہے۔ کہ آپ بھی مجھ پر یقین کر لیں اور اس وقت تک میرے بارے میں کسی برے انداز میں مت سوچیں جب تک میری ذات میں کوئی برائی نہ دیکھ لیں اگر ایسی کوئی بات ہو تو آپ بہ آسانی اپنے شوہر سے کہہ سکتی ہیں کہ پڑوس میں دو اوباش لڑکے آ کر آباد ہو گئے ہیں اور ہمیں تنگ کرتے ہیں ان کا کوئی بندوبست کر دیں۔"

امینہ بیگم ہنس پڑیں۔ پھر بولیں۔ "کسی بے بس اور بے کس انسان کو اچانک کوئی سائبان مل جائے تو اس کی خوشیاں بے پایاں ہو جاتی ہیں یہ جملے لکھے تو بہت بار ہیں آج کے حقیقی احساس سے روشناس ہو رہی ہوں۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے فراز۔"

"شکریہ.... فرید صاحب کہاں گئے ہیں؟"

"اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک دوسرے شہر میں' وہاں ڈربی ہو رہی ہے۔"

"واپسی کب تک ہے؟"

"ابھی دو تین دن لگیں گے۔"

"آپ کو خرچ نہیں دے گئے؟" فراز نے کہا اور امینہ بیگم نے گردن جھکا لی۔ فراز نے کہا۔

"یہ کچھ پیسے رکھ لیجئے۔ آپ کے کام آئیں گے۔ قبول نہ کئے تو یہ فلیٹ چھوڑ دوں گا۔ آپ کا کچھ نہیں ہوں لیکن آپ کو اپنی قسم دے رہا ہوں کہ اس بارے میں کسی برے انداز میں نہ سوچیں۔ چلتا ہوں۔ مجھے جب دل چاہے آواز دے لیں خوشی ہو گی۔" فراز نے چند نوٹ نکال کر امینہ بیگم کے سامنے ڈالے اور پھر ہٹ کر دروازے سے باہر نکل آیا.... اس کے بعد وہ نیچے جانے والی سیڑھیوں سے اتر گیا تھا۔

جواد بازار سے گزر رہا تھا کہ عقب سے کسی نے اسے آواز دی اور وہ رک گیا۔ کالج کا ذوالفقار ... ذوالفقار اس کے قریب آ گیا۔ گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"کہاں آوارہ گردی ہو رہی ہے حضور۔"

"سڑکوں پر۔" جواد مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"آؤ کہیں چائے ہو جائے۔"

"نہیں یار۔ ابو کی دوائیں لینے نکلا تھا دیر ہو گئی ہے' پھر ملوں گا۔ کہیں بیٹھیں گے ...ت دن سے کوئی بیٹھک نہیں' وسیم اور شہباز کے کیا حال ہیں؟" جواد نے پوچھا۔

"پتا نہیں میں بھی پرسوں رات کو پہنچا ہوں کل دن میں کچھ مصروفیات تھیں کسی سے ...لاقات ہی نہیں ہوئی۔"

"کہیں گئے تھے؟"

"ہاں بس گھر والوں کا موڈ بن گیا تھا۔ پچھلے سال بھی ہم نہیں نکل پائے تھے اس بار ...ب لوگ پیچھے پڑ گئے کہ کم از کم پندرہ دن کے لئے ضرور چلا جائے' مگر تم نہیں گئے۔"

"پہاڑ پر۔" جواد نے کہا اور ہنس پڑا۔

"ہاں۔"

"ہم یہیں کوہ پیمائی کر رہے ہیں دوست بھلا ہمارا گزر وہاں کہاں۔"

"سجاد صاحب تو عیش کر رہے ہیں ان دنوں بھئی' دو دو خوبصورت لڑکیوں کے بازوؤں ...میں بازو ڈالے بلند و بالا پہاڑیوں کا سفر ہو رہا ہے۔"

"کیا؟" جواد تعجب سے بولا۔

"بخدا یار میں تو دنگ رہ گیا ایک وہ ہیں کہ ایک چھوڑ' دو دو اور وہ بھی ایسی کہ فیصلہ نہ ...ہو پائے کہ دونوں میں سے کون زیادہ حسین ہے اور ایک تم ہو کہ پتا نہیں کیا حلیہ بناتے جا ...رہے ہو اپنا اچھے خاصے ویل ڈریس رہا کرتے تھے۔"

"سجاد بھائی کے سلسلے میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے شاید۔" جواد نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"کیا بات کرتے ہو یار یہاں سب حسد کا شکار ہو گئے تھے اور تم کہہ رہے وہ غلط فہمی ...ہو گئی ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ وہ پہاڑ پر ہیں آج کل؟"

"نہیں مجھے تو یہ پتا چلا ہے کہ وہ اپنی کمپنی کے کسی کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"
"تب پھر ٹھیک ہے اس کا مقصد ہے کہ راوی نے عیش ہی عیش لکھ دیئے ہیں سچ بات ہے یار اپنی کمائی کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"
"مگر تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے زلفی۔"
"اماں اب مان بھی لو ہماری بات باقاعدہ تعارف نہیں رہا ہے کبھی ان سے ورنہ سلام تو کر ہی دیتے۔"
"اچھا کون سے مقام پر ان سے ملاقات ہوئی تھی؟" جواد نے پوچھا اور ذوالفقار اسے تفصیل بتانے لگا جواد اندر ہی اندر کھول اٹھا تھا' لیکن ظاہر ہے دوست پر کچھ ظاہر کرنا مناسب نہیں تھا نہ جانے کس طرح خود کو سنبھالا اور بولا۔
"ٹھیک ہے عمر بھی ہے ان کی اور وسائل بھی ہیں۔ اچھا یار پھر کسی دن سب لوگ جمع ہوں گے۔"
"جب چاہو' میرا فون نمبر تو تمہارے پاس ہے کہیں سے بھی فون کر دینا۔"
"او کے۔" جواد نے کہا اور ذوالفقار ہاتھ ملا کر چلا گیا۔
لیکن جواد کے پورے وجود میں آگ سلگ اٹھی تھی یہ زیادتی کی انتہا ہے یہاں بے کسی اور کسمپرسی کالی چادر کی مانند پورے گھر کو ڈھکے ہوئے ہے اور وہاں سجاد صاحب چین کی بنسی بجا رہے ہیں تو یہ ہے دفتر کا کام اور اس کام سے گئے ہوئے ہیں باہر دو دو لڑکیوں کے ساتھ اخراجات کا کیا ٹھکانہ ہو گا ماضی کی بہت سی باتیں پھر ذہن میں آئیں وہ شاندار سوٹ جو بے حد قیمتی تھی اور بہت سی ایسی باتیں جن سے اظہار ہوتا تھا کہ سجاد اپنے گھر کے لوگوں کے برعکس بہت پرکشش زندگی گزار رہا ہے اور ایک میں ہوں کہ گھر کے معاملات میں پسا جا رہا ہوں وہ گھر جہاں زندگی کی کوئی خوشی نہیں ہے معذور باپ جوان بہنیں گھر کے مسائل اور بس' سجاد اس زندگی سے بھاگ رہا ہے۔ "میں پاگل ہوں کیا؟" دفعتاً" دل میں خیال آیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا سجاد کے آفس ٹیلی فون کر کے سجاد کے بارے میں معلومات کی جا سکتی ہیں ذرا چالاکی سے کام لیا جائے آفس کا فون نمبر بھی معلوم تھا اور یہ بھی پتا تھا کہ بختیار صاحب اس فرم کے منیجر ہیں براہ راست بختیار صاحب ہی کو فون کیا اور دوسری طرف بختیار صاحب نے فون ریسیو کر لیا۔
"سر! بختیار صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"جی میں بول رہا ہوں۔"
"میرا نام شہریار علی ہے وہ ذرا سجاد صاحب کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں کہاں مل سکتے ہیں اس وقت؟"
"بھئی شہریار صاحب' سجاد بیگ تو چھٹی پر گئے ہوئے ہیں اور شاید ان کی واپسی کئی دن

تک نہ ہو۔"
"چھٹی پر؟"
"جی ہاں۔"
"سر' مگر میں نے تو یہ سنا ہے کہ وہ فرم کے کام سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ اب تک واپس آ چکے ہوں گے۔"
"نہیں شہریار صاحب فرم کا کوئی کام نہیں البتہ فرم کے مالکان کی صاحب زادیوں کے ساتھ وہ کسی پہاڑی مقام کی سیر کو گئے ہوئے ہیں آپ ایک ہفتے کے بعد رنگ کر لیجئے گا۔"
"جی بہت بہتر' بے حد شکریہ۔" جواد نے فون بند کر دیا اور اس کے بعد وہ غصے سے پھنکتا ہوا واپس گھر لوٹ آیا دوا خرید لی تھی سیدھا باپ کے کمرے میں پہنچا تھا۔ فیروزہ بیگم شوہر کی تیمار داری میں مصروف تھیں مرزا سخاوت بیگ بات بات پر چیخنے چلانے لگتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے بس ان کا احساس کچھ شدت اختیار کر گیا تھا ذرا بھی کسی کو دیر ہو جاتی تو چیخ چیخ کر کہتے کہ مجھ اپاہج سے اکتا گئے ہو تم لوگ زندگی سے بیزار ہو گئے ہو میری' موت چاہتے ہو میری وغیرہ۔ وغیرہ جواد کمرے میں داخل ہو گیا ماں کو دوائیں دیں اور پھر ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔
"بھائی صاحب کے بارے میں معلوم ہے کچھ آپ لوگوں کو کہ وہ کہاں گئے ہیں؟"
"جہنم میں' جس سے ہمیں کوئی فیض ہی نہیں حاصل اس کے بارے میں چھان بین کرنے سے کیا فائدہ۔" سخاوت بیگ نے کہا۔
"یہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ بچہ گھر سے باہر گیا ہوا ہے اور ایسی بری فال منہ سے نکالتے ہیں۔"
"باہر کہاں گیا ہوا ہے امی جان کچھ معلوم ہے اس بارے میں آپ کو؟"
"تمہیں نہیں معلوم ہمیشہ بے تکی ہی باتیں کرنے لگتے ہو آ کر۔"
"میں بھی جہنم میں جانا چاہتا ہوں سمجھیں آپ' اس جہنم میں روانہ کر دیجئے آپ' اس جنت سے ہزار درجے بہتر ہو گا جہاں نہ زندگی ہے نہ خوشیاں' ایک ہم ہیں جو جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ پہاڑوں پر حسیناؤں کو بغل میں لئے گھوم رہے ہیں۔"
"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا ادب و آداب بالکل بھول گیا کیا بکواس کر رہا ہے اور وہ بھی ماں باپ کے سامنے۔"
"حقیقتوں کو سننے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے امی جان' سجاد صاحب دفتر کے کسی کام سے نہیں گئے۔ میں ان کے منیجر بختیار صاحب سے معلوم کر چکا ہوں وہ پہاڑ پر خواتین کے ساتھ سیر کرنے کے لئے گئے ہیں اور سنا ہے فلمی ہیرو کی طرح دونوں کے بازو پکڑے ہوئے برف

پر طربیہ گیت گنگناتے ہوئے قلابازیاں بھی کھاتے ہیں ہنستے مسکراتے بھی ہیں لمبی لمبی چھلانگیں بھی لگاتے ہیں اور وہ حسینائیں قہقہے لگاتی ہیں۔"

"خدا تجھے سمجھے کہاں کی چھوڑ رہا ہے۔"

"ایک حقیقت عرض کر رہا ہوں محترمہ والدہ صاحبہ اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے کس کی مرضی سے اس دنیا میں لایا گیا۔"

"جواد۔ جواد' تو باہر جا۔"

"نہیں امی' باہر جانے سے کام بنے گا نہیں کچھ فیصلہ ہونا چاہئے' ہر شخص کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے یہاں باپ معذور پڑے ہوئے ہیں اور وہاں صاحب زادے رنگ رلیاں منا رہے ہیں آپ بتائیے کیا ان حالات میں یہ ذمہ داری صرف مجھ پر عائد ہوتی ہے کہ نہ راتوں کو سکون سے سو سکوں نہ دن کو اپنی مرضی سے کہیں جا سکوں' باپ کا خیال دل میں رہتا ہے بہنوں کا تصور بے چین رکھتا ہے۔"

"مگر تجھے یہ سب کچھ....." فیروزہ بیگم نے کہنا چاہا لیکن سخاوت بیگ نے غصیلے انداز میں روک دیا۔

"کیا میری موجودگی کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے مجھے کوئی سوال کرنے کا حق حاصل نہیں ہے؟"

"کیا سوال کرنا چاہتے ہیں ابو؟" جواد نے کہا۔

"تجھے اس بات کا علم کیسے ہوا؟"

"میرا ایک دوست ذوالفقار پہاڑ پر گیا ہوا تھا اور اس نے وہاں انہیں تمام معمولات میں مصروف دیکھا' پھر میں نے ان کے دفتر سے معلومات حاصل کیں تو بات کی تصدیق ہو گئی ان کے منیجر صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ چھٹی پر گئے ہوئے ہیں سیر و سیاحت کے لئے فرم کے کسی کام سے نہیں گئے ہوئے۔"

"جانا چاہئے تھا بیٹے' اسے جانا چاہئے تھا' عمر ہے اس کی اور پھر اس معذور گھرانے سے ویسے بھی وہ اپنا رشتہ توڑتا ہی جا رہا ہے' ہر قدم پر یہ احساس ہوتا ہے۔ ہر جنبش سے پتا چلتا ہے کہ ہم اسے گراں گزرنے لگے ہیں۔ ڈھکی چھپی بات تو نہیں رکھی ہے اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا مالک ہے۔"

"اپنی زندگی کے مالک بے شک ہیں لیکن ہماری زندگی کیوں عذاب کر رکھی ہے۔ جائیں اپنا ٹھکانہ بنائیں کہیں اس سے بہتر زندگی گزاریں ہم لوگ اپنی اس بے کسی میں ہی خوش ہیں۔ میں.... میں..... میں ابو' صاف صاف کہے دیتا ہوں کوئی فیصلہ ہونا چاہئے ان باتوں کا' برابر کا درجہ ملنا چاہئے ہم دونوں کو' میں قطعی طور پر اس گھر میں اور آپ کے مسائل میں پسنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ صاف صاف کہہ دیا ہے میں نے۔ کیا سمجھے آپ لوگ؟"

جواد نے کہا اور غصے میں بھرا ہوا باہر نکل گیا سخاوت بیگ بیوی کو گھورنے لگے تھے اور فیروزہ بیگم کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"مبارک ہو آپ کو' صاحب زادے بڑی برق رفتاری سے جوانی کی وہ منزلیں طے کر رہے ہیں جن کا تصور ہم نے خواب و خیال میں بھی نہیں کیا تھا۔ اب ساری دنیا ہی احمق ہے یہی کہنا چاہتی ہیں نا آپ سب اندھے ہیں اور آپ کے صاحب زادے کے دشمن ہیں۔"

"تو آخر میرا کیا قصور ہے اس میں مجھے بتائیے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"زہر دے سکتی ہیں آپ اسے۔ ایسی نافرمان' نامراد اولاد کو زہر تو دے سکتی ہیں آپ۔ ارے میں کہتا ہوں ہمارے سینے پر مونگ کیوں دل رہا ہے جہاں جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ ہم اس کے بل پر تو نہیں جی رہے۔"

اور اس کے بعد سخاوت بیگ صاحب نے وہ شور مچایا کہ گھر کا گھر کانپ کر رہ گیا۔ جواد تو گھر سے باہر ہی نکل گیا تھا۔ تینوں لڑکیاں تھیں فیروزہ بیگم تھیں سخاوت بیگ صاحب اس وقت تک شور مچاتے رہے جب تک آواز ساتھ دیتی رہی اور پھر پانی مانگنے لگے۔

❑

ڈاکٹر اعجاز بھی کمال شخصیت تھے پتا نہیں ذاتی طور پر انہیں میڈم سے کیا دلچسپی تھی کہ ہر طرح کے حالات میں سب کچھ بھول بھال کر پھر آ جاتے تھے۔

میڈم اس وقت کیاریوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں ایک ملازم بیگ صاحب کی کرسی کو دھکیلتا ہوا ان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ غالباً پھولوں پر کوئی تبصرہ ہو رہا تھا ڈاکٹر اعجاز کی کار دیکھ کر میڈم نے ایک گہری سانس لی اور پھر ملازم سے بولیں کہ وہ بیگ صاحب کو تھوڑی دیر تک سیر کرا دے اور پھر انہیں ان کے کمرے میں پہنچا دے' ملازم نے تعمیل حکم کی' بیگ صاحب نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا ڈاکٹر اعجاز مسکراتے ہوئے قریب پہنچ گئے۔

"شاید مجھے نکال کر پچھتا رہے ہوں آپ۔
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں۔"

"خوب' آج کل بسوں میں سفر شروع کر دیا ہے کیا؟"

"نہیں' بفضل تعالیٰ میری کار اسی سن کے ماڈل کی ہے۔"

"پھر یہ فرسودہ بے تکے اور بے موقع اشعار۔"

"حسب حال ہیں حضور۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

"مگر میں نے کب نکالا تھا آپ کو؟"

"اجی اتنا ہی یاد رہ جاتا آپ کو تو پھر بات ہی کیا ہوتی۔ اصل میں ہمارا تو وہ معاملہ ہے کہ سو جوتوں سے کم رتبہ عالی نہیں ہوتا۔"

"ڈاکٹر صاحب! ڈاکٹر صاحب کیوں مجھے رسوا کر رہے ہیں آپ' کچھ بھی تو نہیں کیا ہے میں نے آج تک آپ سے' اور یہ آپ صبح ہی صبح آخر گھر سے کیوں نکل پڑتے ہیں۔ یوں لگتا ہے مجھے جیسے مسز اعجاز دودھ کا ایک گلاس ہاتھ میں دے کر گھر سے نکال دیتی ہیں اور آپ سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں۔"

"آہ۔ دودھ کے گلاس کا تکلف آپ نے کیوں کیا؟ کاش ایسا ہوتا۔"

"یعنی آپ گھر سے نکلنا چاہتے ہیں؟"

"جی نہیں' دودھ کا ایک گلاس پینا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا اور میڈم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"بخدا نہ جانے یہ کس کا اعجاز مسیحائی ہے کہ اس قدر جاندار ہنسی سننے کو ملنے لگی ہے ورنہ اس گھر میں یہ قہقہے کہاں ہوا کرتے تھے۔"

"فضول باتیں کرنا آپ کی عادت ہے اور آپ ہی نے مجھے اتنا بے تکلف کر لیا ہے کہ میں آپ پر اپنی جھنجلاہٹوں کا اظہار بھی کر دیتی ہوں۔"

"سنائیے اپنے بیگ صاحب کا کیا حال ہے؟ موڈ کچھ خوشگوار نظر آتا ہے۔"

"ہاں۔ ابو ٹھیک ہیں آج کل بڑے نارمل جا رہے ہیں۔"

"یہی تو حیرانی کی بات ہے کہ پورا گھرانہ ہی صحت مند ہے اور ہم اس مسیحا کو جاننا چاہ رہے ہیں جس نے اس بیمار گھرانے کو شفا بخش دی ہے؟"

"یہ بتائیے کہ واقعی چائے کا ایک کپ آپ کو ملا ہے یا نہیں؟"

"بخدا وہ پوچھ لیتی ہیں آپ جو کوئی شریف آدمی بتانا پسند نہیں کرتا اب دیکھئے نا دوسروں کے گھر جا کر یہ رونا کتنا برا لگتا ہے کہ ناشتا کر کے نہیں نکلے۔"

"خدا آپ سے سمجھے' کسی دن مسز اعجاز مل گئیں تو آپ کی ساری باتیں انہیں سناؤں گی اور کہوں گی کہ دیکھئے یہ ڈاکٹر صاحب آپ کو کس طرح بدنام کرتے پھرتے ہیں۔"

"بات چونکہ حقیقت پر مبنی ہے اس لئے سن کر خاموش ہو جائیں گی یا پھر دو چار دن جلی کٹی آپ کے سامنے مجھے سنا دیں گی۔ اصل میں ہم سے وہی غلطی ہوئی ہے جو عموماً لوگوں سے ہو جایا کرتی ہے۔"

"یعنی؟"

"اب اگر اس پھلواری سے ناشتے کے کمرے تک کا سفر کیا جائے تو زبان کی رفتار تیز ہو جائے گی' کیونکہ ناشتا ملنے کی امید ہو گی۔"

"تو پھر آیئے آج آپ کو ناشتا ہی کرا دیا جائے۔"

"کک.... کیا مطلب؟"

"ناشتے کا مطلب صرف ناشتا ہی ہوتا ہے۔" میڈم نے ڈاکٹر کی اداکاری پر ہنستے ہوئے

کہا اور ڈاکٹر آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ ڈاکٹر کو لئے ہوئے ناشتے کے کمرے میں پہنچی تھی پھر رفعت فرزندی اور دوسرے تمام لوگوں کو بلا کر حکم دیا گیا کہ بہت عمدہ سا ناشتا تیار کر کے لایا جائے۔

"بھئی کمال ہے یاد کر رہے ہیں کس کا منہ دیکھا تھا صبح جاگنے کے بعد اوہو۔ ہاں یاد آیا سامنے آئینہ لگا ہوا تھا۔"

"چلئے ٹھیک ہے روز آئینہ دیکھ لیا کیجئے۔" وہ بولی۔

"اور منہ دھو کر ادھر آ جایا کریں۔ اجازت ہے نا؟"

"آ جایا کریں ڈاکٹر صاحب' ناشتا آپ سے زیادہ قیمتی ہے کیا' ویسے بہت اچھے انسان ہیں آپ۔ اکثر میں نے آپ کے بارے میں سوچا ہے۔"

"کیا؟" ڈاکٹر نے منہ کھول کر مسخرے انداز میں کہا۔

"یہی کہ آپ کے اندر واقعی بے پناہ قوت برداشت ہے۔ آپ سچ مچ ڈاکٹر ہیں برا نہیں مانتے ہیں کبھی میری بات کا' حالانکہ بعض اوقات آپ سے الٹی سیدھی باتیں کر کے بعد میں خود ہی شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"

"وہ میرے سالے کا رقیب روسیاہ کس حال میں ہے آج کل؟"

"سالے سے پوچھا ہوتا آپ نے۔"

"اجی نہیں' انہی شامی صاحب کی بات کر رہا ہوں وہ جو مارکیٹنگ منیجر کی سیٹ پر قبضہ جما چکے ہیں اور مجھے ہمیشہ طعنے سننے کو ملتے ہیں۔"

"ارے وہ۔ کمال کی شخصیت ہیں وہ ڈاکٹر صاحب' آپ یقین کیجئے ایک نوشگفتہ غنچہ ہے کھلا کھلایا' یا پھر بہت بڑا اداکار' یہ تو ہو نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں زندگی گزارے اور غموں کا شکار نہ ہو لیکن اس کا شگفتہ چہرہ اور شرارت آمیز گفتگو یہ احساس دلاتی ہے کہ اسے دنیا میں کسی چیز کا غم ہی نہیں ہے' مگر آپ کو کیسے یاد آ گیا وہ؟"

"بس ناشتے سے پہلے گفتگو میں ذرا احتیاط برتیں گے ورنہ نجانے کیا کیا بک بک کر ڈالتے' بھئی انسان کو اپنے رزق سے مخلص ہونا چاہئے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ آپ کے ملازم آپ کے تصور سے ناشتا لائیں گے یا میرا بھی خیال رکھیں گے؟"

"آپ ہی کے لئے کہا گیا ہے۔"

"گڈ گڈ' تو ہم تو یہ عرض کر رہے تھے کہ آپ کے بہی خواہوں میں سے ہیں اور آپ کی بہتری ہمیں عزیز ہے دعائیں کرتے ہیں کہ "خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے۔"

"آپ احمق ہیں۔" میڈم نے آہستہ سے کہا۔

"جی جی، قطعی قطعی، دیکھئے ہو گئی نا غلطی یہ خشک چہرہ بنا کر آپ برا بھلا نہ کہا
کریں۔ سارا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگتا ہے۔"

"گفتگو میں تھوڑی سی احتیاط کر لیا کریں ڈاکٹر' اگر آپ مجھے یہ بددعا دے رہے ہیں تو
خود غور کیجئے کیا اس سے بری بددعا اور کوئی ہو سکتی ہے آپ کہتے ہیں کہ "خدا تجھے کسی
طوفان سے آشنا کر دے۔" "اور بھی کوئی طوفان رہ گیا ہے میری زندگی میں؟"

"بس۔ بخدا نہایت بدذوق انسان ہیں ہم' ہمارے دوستوں کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ
ہم نے زندگی میں کوئی ڈھنگ کا شعر نہیں پڑھا' ہمیشہ بے محل اور بے موقع ہو جاتے ہیں
اب آپ دیکھئے گا ابتدائی شعر جو پڑھا تھا اسی پر آپ کو اعتراض ہو گیا تھا۔" ڈاکٹر نے کہا۔
اتنی دیر میں ملازم ناشتے کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر لے آئے تھے وہ کچھ سنجیدہ سی ہو گئی تھی
اور ڈاکٹر اعجاز کو افسوس ہو رہا تھا کہ واقعی ایسی بات اسے نہیں کہنی چاہئے تھی ناشتے کی
طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"یہ شاید ہماری تقدیر میں نہیں ہے۔" اس نے بھویں اٹھا کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے
بولی۔

"کیوں؟"

"بس جو غلطی ہو گئی اس کا خمیازہ بھگتیں گے۔ اب بھلا ناشتا کرنے کی پوزیشن میں
ہیں؟"

"آپ نہایت فضول آدمی ہیں۔ ناشتا کیجئے اور مجھے زیادہ بور نہ کیجئے۔" میڈم نے لہجہ
بدل کر کہا۔

"آپ یقین کیجئے میڈم' گھر میں بھی اسی لئے خوار رہتے ہیں۔ بس سوچے سمجھے بغیر بے
تکا بول جاتے ہیں۔ اس لئے کبھی ناشتا غائب' کبھی ڈنر' کلینک میں ہی پیٹ بھر کھا لیا کرتے
ہیں۔" ڈاکٹر نے ایسی مسمی شکل بنا کر کہا کہ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"چلئے۔ ناشتا کیجئے۔" اس نے کہا اور ڈاکٹر اعجاز ناشتا کرنے لگا۔ وہ اس کے سامنے ڈشیں
سرکاتی رہی اور ڈاکٹر پلیٹیں صاف کرتا رہا۔ وہ حیران ہو ہو کر ہنس رہی تھی' پھر اسے خود ہی
کہنا پڑا۔

"اب بس بھی کیجئے۔ پیٹ پھٹ جائے گا۔"

"ایں۔" ڈاکٹر اعجاز جیسے سوتے سے جاگ پڑا۔

"خدا کی پناہ۔ آپ نے پورے ہفتے کا ناشتا کر ڈالا ہے۔"

"اوہ واقعی' اب کیا ہو گا؟" ڈاکٹر پریشانی سے بولا۔

"کیوں؟"

"میں تو کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ بے خیالی میں کھاتا ہی چلا گیا۔ کلینک تو بالکل نہیں جا

سکوں گا۔ خدارا یہیں ایک مسہری کا بندوبست کر دیجئے۔"

وہ ہنستی رہی پھر بولی۔ "اب ٹھنڈے ٹھنڈے کھسک جایئے آپ کو دوپہر کا کھانا بالکل
نہیں ملے گا۔"

"ارے توبہ۔ آپ سمجھ گئیں۔"

"بہت کچھ سمجھتی ہوں میں۔ سمجھے آپ۔"

"م.... مثلاً۔"

"مثلاً یہ کہ آپ۔ آپ عظیم انسان ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں ڈاکٹر اعجاز۔ صرف ڈاکٹر
ہی نہیں ہیں آپ۔ ایک بہترین دوست اور غمگسار ہیں۔ آپ.... ڈاکٹر۔ آپ میرے لئے
اپنی سطح سے بہت نیچے آ جاتے ہیں۔ بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔ مجھے ہنسانے کی کوششیں
کرتے ہیں۔ میں بے وقوف نہیں ہوں ڈاکٹر۔"

"اچھا اب چلتے ہیں۔ خدا آپ کا یہ بھرم قائم رکھے اور ہمیں اس چکر میں ناشتا ملتا
رہے۔ او کے خدا حافظ۔" ڈاکٹر اعجاز مسکراتا ہوا اٹھ گیا تھا۔

❑

حسن' شہوار کے پاس پہنچ گیا۔ شہوار تابندہ کی دوست تھی اور کچھ دن قبل دوبارہ یہاں
آگئی تھی۔ چونکہ غیر ملکی سکونت ترک کر کے یہاں آئی تھی اور یہاں سیٹل ہو رہی تھی اس
لئے ابھی کسی کو اپنے آنے کی خبر نہیں کی تھی۔ حسن کو اس کے شوہر سے پتا مل گیا تھا'
بہرحال وہ شہوار کے پاس پہنچ گیا۔

"ارے تم؟" شہوار اسے دیکھ کر چونک پڑی۔

"نیا گھر مبارک۔" حسن نے کہا۔

"تم محکمہ پولیس میں چلے گئے ہو؟"

"کیوں؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔ ڈاکٹری کی بجائے جاسوسی شروع کر دی ہے ورنہ میرا پتا کیسے لگا لیا تم
نے؟"

"بس شہوار۔ دانش سے ملاقات ہو گئی تھی۔"

"سمجھوں گی دانش سے' حالانکہ میں نے انہیں منع کر دیا تھا کہ ابھی اپنی یہاں آمد کے
بارے میں کسی کو نہ بتائیں مگر دانش کو کہاں قرار آ سکتا تھا۔" شہوار نے شوہر کے بارے میں
کہا۔

"اپنی آمد کیوں چھپانا چاہتی تھیں؟"

"سرپرائز دینا چاہتی تھی دوستوں کو۔"

"تابندہ سے ملاقات ہوئی؟"

”کسی سے بھی نہیں۔ سوچ رہی تھی گھر سیٹ کر لوں ' پھر سب کو اچانک دعوت دوں گی۔“

”چلو پھر سوری۔“ حسن نے کہا۔

”سناؤ کیسے ہیں سب لوگ؟“ شہوار نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہیں۔ بس ہماری زندگی کی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی ہے۔“ حسن نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”کیوں خیریت' کیا بات ہے؟“ شہوار چونک پڑی۔

”بڑی مشکلات پیش آ گئی ہیں شہوار' تمہاری آمد سے ایک تھوڑی سی تقویت ہوئی ہے۔ شاید زندگی کی ڈگر سیدھی ہو جائے۔“

”واقعی حسن' اگر مذاق نہیں کر رہے ہو تو پلیز مجھے بتاؤ کیا ہو گیا۔ کیا بات ہے؟“

”اصل میں تابندہ کا معاملہ کچھ الجھ گیا ہے۔“

”کیوں' کیا وجہ ہوئی؟“

”مرزا سخاوت بیگ ویسے بھی ذرا سخت گیر اور روایت پسند آدمی ہیں۔ اصل میں شہوار' وقت بڑا عجیب ہو گیا ہے۔ ہم رشتوں کا معیار کھو بیٹھے ہیں۔ والدین اپنی انا کے لئے اولاد کی اہمیت تسلیم نہیں کرتے' حالانکہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ جوان اور سمجھدار ہونے کے بعد اولاد کو اپنے راستے خود منتخب کرنے کا حق دینا چاہئے۔ ساری زندگی کو اپنا انا کے رجسٹر میں درج نہیں کر دینا چاہئے۔ والدین بیٹے کے ہوں یا بیٹی کے۔ جب ہم ذہنی طور پر ایک دوسرے سے مطمئن ہیں تو پھر ہم پر ایسے بوجھ لاد دینا زیادتی کے مترادف ہے۔ ہمارے صبر کا امتحان نہ ہی لیا جائے تو بہتر ہے۔ بعد میں پھر کہا جاتا ہے کہ اولاد نافرمان نکل گئی۔ کچھ عجب سے الجھاوے ہیں۔“

”تم نے واقعی مجھے پریشان کردیا ہوا ہے؟“

”مرزا سخاوت بیگ نے تابندہ کے ساتھ میری شادی سے انکار کر دیا ہے۔“

”کیا؟“ شہوار بری طرح اچھل پڑی۔

”ہاں شہوار' کچھ ایسے عوامل ہو گئے ہیں جن کی تفصیل بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ مرزا سخاوت بیگ کی روایت پسندی مزید نقصانات پہنچا رہی ہے۔ ہمیں یکجا ہونے دو ہم اپنا مستقبل خود سنوار لیں گے۔ ادھر ہمارے قبلہ والد صاحب ہیں۔ وہ اپنی سوچوں کا شکار ہیں۔ مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر بھیجنا چاہتے ہیں' لیکن مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔ سوچتے ہیں کہ باہر بھیجنا میرے ذہن پر ناخوشگوار اثر ڈالے گا اور ہو سکتا ہے کسی سفید چمڑی والی کو ان کی بہو بنا کر لے آؤں' حالانکہ ایسا نہیں ہے شہوار۔ دل کے سودے تو ایک بار ہی ہوتے ہیں اور پھر کردار پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ خدشہ نہیں رہتا اور بھی بہت سے عوامل ہیں۔ میری ضد پر مرزا سخاوت بیگ کے ہاں گئے۔ وہ بیچارے محدود آمدنی کے مالک آدمی ہیں۔ کچھ ایسے جذباتی اقدامات کر بیٹھے جنہوں نے انہیں نہ صرف اپنے پراویڈنٹ فنڈ' گریجویٹی وغیرہ سے محروم کر دیا بلکہ وہ مفلوج بھی ہو گئے۔“

حسن نے آہستہ آہستہ ساری داستان شہوار کو سنا دی اور شہوار کے چہرے پر سخت تشویش کے آثار پھیل گئے۔ حسن کے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ دیر تک خاموش رہی' پھر اس نے کہا۔

”ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ تابندہ کے والد بڑی کھردری طبیعت کے آدمی ہیں' لیکن بیچاری تابندہ بے موت ماری جائے گی۔ حسن! کچھ کرنا ہو گا۔ ایسے تو نہیں چھوڑا جا سکتا ان معاملات کو اور اب تو مجھے افسوس ہے کہ میں سرپرائز دینے کے چکر میں تابندہ سے ملی بھی نہیں۔ وہ تو بڑی مشکلات کا شکار ہو گئی۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے؟“

”شہوار! ہم وہ نہیں کر سکتے جو عام طور سے جذباتی لوگ کیا کرتے ہیں۔ میں تو اب آخری حد تک اسی کوشش میں مصروف ہوں کہ اونٹ کسی صحیح جگہ بیٹھ جائے لیکن پھر بھی اب ایک خیال آیا ہے دل میں تمہارے آنے کے بعد۔“

”کیا؟“

”مجھے تابندہ سے ملا دو ایک بار' اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ زندگی بھر کا فیصلہ ہے اس سلسلے میں کسی کی مداخلت کم از کم میرے لئے تو ناقابل قبول ہے اور اس کا اظہار میں نے اپنے گھر میں کر دیا ہے' لیکن سخاوت بیگ صاحب کو مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے تابندہ کو ہمت کرنا ہو گی۔ بالغ ہے اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے' اگر یہاں بھی اس نے روایتی مشرقی لڑکی ہونے کا ثبوت دیا تو مجھے مستقبل مشکل نظر آتا ہے۔“

”ہوں۔“ شہوار سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے چند لمحات کے بعد کہا۔ ”میں تابندہ کو یہاں لے کر آؤں گی اور یہ کہہ کر لاؤں گی کہ تم اس سے ملنا چاہتے ہو۔ ایسے تو اس مسئلے کو نہیں چھوڑا جا سکتا حسن۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم مطمئن رہو تابندہ کو میں اپنے ساتھ لے کر آؤں گی۔ یہاں آنے کے بعد تمہیں فون کر دوں گی اور تمہیں بلا لوں گی۔“

”میری بھی یہی رائے ہے کہ اسے دھوکا دے کر نہ لانا۔ کم از کم اس طرح اس کے دل کی بات بھی معلوم ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے تم بے فکر رہو۔ دانش سے بھی اس بارے میں مشورہ کر لوں گی۔ ہم دونوں مل کر کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔“

”شکریہ شہوار' تابندہ اگر تیار ہو جائے تو ہم اس سلسلے میں آگے کے لئے مشورہ کر سکتے ہیں۔“

"بالکل ٹھیک ہے۔"

حسن کی موجودگی ہی میں دانش بھی آگیا اور شہوار نے یہ سارا معاملہ دانش کے سامنے رکھ دیا۔ دانش بھی تشویش کا شکار ہو گیا تھا اس نے کہا۔

"مرزا صاحب اگر قبول کریں تو ہم انہیں کچھ سرمایہ دے سکتے ہیں۔ جواد اور سجاد سے بھی بات کروں گا میں۔ حالانکہ وہ دونوں ہی کچھ عجیب سے ہیں اپنے آپ میں مگن رہنے والے۔ آج تک کبھی میری ان سے گفتگو نہیں ہوئی لیکن بہرطور بہنوں کے بھائی ہیں۔ انہیں سوچنا ہو گا اس مسئلے پر، بالکل سوچنا ہو گا۔"

حسن کے جانے کے بعد دانش اور شہوار اس سلسلے میں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

دوسرے دن دونوں مرزا سخاوت بیگ کے گھر پہنچ گئے۔ ان کی عیادت بھی کرنی تھی۔ طے یہ کیا تھا دانش نے کہ مرزا سخاوت بیگ کی عیادت کرنے کے بعد وہ اپنے کام سے چلا جائے اور شہوار تابندہ سے اس موضوع پر گفتگو کر لے گی۔ دونوں کی آمد سے تابندہ، فرخندہ اور رخشندہ بے حد خوش ہوئی تھیں۔ جواد اور سجاد موجود نہیں تھے۔ مرزا سخاوت بیگ دانش سے ملے اور دانش نے اپنی افسردگی کا اظہار کیا تو مرزا سخاوت بیگ کہنے لگے۔

"نہیں میاں سب ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے۔ اصل میں انسان کو زندگی کے تجربات اس وقت ہوتے ہیں جب خود اس پر بیتتی ہے۔ عزیزم بدلے ہوئے وقت کی مانگ تو پوری کرنا ہو گی، ادوار بغیر پوچھے ہی بدل جاتے ہیں۔ جب ہم اپنے باپ کے بیٹے تھے تو ہماری سوچ باپ کی سوچ سے کبھی مختلف نہ ہوئی۔ ہم سمجھتے تھے کہ والدین نے جو کچھ کہہ دیا وہی زندگی کا مقصد ہے، لیکن وقت بدل گیا ہے۔ ہم مشینی دور میں ہیں۔ سائنسی ایجادات کے دور میں ہیں اور یہ سائنسی ایجادات بہرحال انسان کے ذہن سے ہی ہوئی ہیں۔ دو بیٹوں کے باپ ہیں لیکن ہم سے زیادہ لاوارث اب اس روئے زمین پر اور کوئی نہ ہو گا شاید، ایک معذور شخص پر تین بیٹیوں کا بوجھ مسلسل ہے۔ بھائیوں نے اپنے لئے تو فیصلے کر لئے لیکن بہنوں کی ذمے داری کیوں قبول کریں وہ۔ اس کے لئے اپاہج باپ کو ہی جینا ہو گا۔"

"بے شک مرزا صاحب، لیکن آپ کا ذہن تو اپاہج نہیں ہے۔ وقت اپنے فیصلے خود بخود کر دیتا ہے آپ اپنا ذہن استعمال کریں وقت بہرحال آپ سے تعاون کرے گا۔"

"میاں یہ وقت بھی اس نوجوان نسل کے تابع ہے، بہرحال دیکھیں کیا فیصلے ہوتے ہیں۔ تم لوگ تو خیریت سے ہو؟"

"جی ہاں سب ٹھیک ہے۔" دانش نے کہا۔ چائے وغیرہ پی کر وہ چلا گیا۔ ابھی تک شہوار کو تابندہ کے ساتھ تنہائی نہیں نصیب ہوئی تھی، پھر وہ موقع پا کر تابندہ کو لے کر ایک

کمرے میں چلی گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تابندہ کے چہرے کی حزنیہ مسکراہٹ بتاتی تھی کہ زندگی کے کن لمحات سے گزر رہی ہے شہوار نے کہا۔

"تابندہ! میں تمہیں نہ بتاتی یہ بات اگر حسن مجھ سے اس کے لئے نہ کہہ دیتے۔"

"کیا، کیا بات ہے؟"

"یہی کہ میں تمہیں گھر لے جانا چاہتی ہوں آج ہی، کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لوں گی۔ کہہ دوں گی کہ گھر کی ترتیب کر رہی ہوں تابندہ کو دکھانا چاہتی ہوں تاکہ صحیح انداز میں گھر کی ڈیکوریشن ہو جائے۔ کوئی نہ کوئی ترکیب نکال ہی لوں گی تمہیں اپنے گھر لے جانے کی، لیکن ایسا میں حسن کی فرمائش پر کر رہی ہوں۔ حسن نے تم سے ملنے کی آرزو کی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کسی طرح لے آؤں۔"

تابندہ کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ چند لمحات سوچتی رہی پھر بولی۔

"تمہارے گھر جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن شہوار حسن سے میری ملاقات نہ ہو تو بہتر ہے۔"

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟ حسن بہت ملول ہیں۔"

"میں بھی ان سے کم افسردہ نہیں ہوں، لیکن شہوار اس وقت ابو بالکل بے سہارا ہو گئے ہیں، اگر انہیں بھنک بھی مل گئی کہ میں ان کی مرضی کے خلاف اپنے مستقبل کے لئے سازشیں کرتی پھر رہی ہوں تو خودکشی کر لیں گے وہ۔ انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کے تمام بچے ان سے باغی ہو چکے ہیں۔"

"لیکن انہیں بھنک کیسے ملے گی؟"

"میں انہیں خلوص دل سے چاہتی ہوں۔ میں انہیں دھوکا نہیں دینا چاہتی شہوار، میں انہیں دھوکا نہیں دینا چاہتی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا تابندہ۔"

"افسوس، میرے پاس ان کے لئے کوئی جواب ہے نہ حل۔ شہوار اس سلسلے میں مجھے معذور سمجھو، حسن سے ملاقات کر کے نہ میں ان کے ساتھ ابو کی مرضی کے خلاف کوئی سازش کر سکتی ہوں اور نہ ہی کوئی ایسا عمل جو میرے معذور باپ کو اور زیادہ دکھ دے۔"

"دیکھو تابندہ، مل تو لو ایک بار حسن سے، حسن خود بھی نیک نفیس نوجوان ہے، کوئی ایسی ویسی بات وہ بھی نہ چاہے گا جس سے تمہاری شخصیت داغدار ہو۔"

"میرا ان سے ملنے جانا ہی بہت بری بات ہو گی شہوار، حسن سے کہہ دینا کہ میں اس انداز میں ان سے نہیں ملنا چاہتی اور نہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھا سکتی ہوں۔"

شہوار نے تابندہ کو بہت سمجھایا، لیکن ایسے کسی کام کے لئے وہ اسے مجبور نہیں کر سکتی تھی جس میں اس کے باپ کی عزت داغدار ہوتی ہو، بہرحال تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔

شہوار نے واپس آ کر حسن کو فون کیا اور حسن جو بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔ فون پر پہنچ گیا۔

"ہاں شہوار بہن' خیریت بتایئے۔"

"حسن میں تابندہ کے پاس گئی تھی۔"

"کیا وہ آئی ہیں؟"

"نہیں' اس نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیا کہا؟" حسن نے ٹوٹی ہوئی آواز میں پوچھا' اور شہوار نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔ حسن ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

"اس کے باوجود حسن' میں اپنی کوششیں جاری رکھوں گی تم فکر نہ کرنا جب تک میں مایوس نہ ہو جاؤں۔ اپنے آپ کو بدل نہ لینا۔"

"شکریہ شہوار بہن۔" حسن نے کہا اور فون بند کر دیا۔

❑

گارمنٹ سٹی کی مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا کاروبار سب کی مشترکہ محنت سے ترقی کی جانب سفر کر رہا تھا۔ بڑے بڑے ممالک سے آرڈر موصول ہوتے تھے۔ میڈم کو کئی بار ملکوں سے دعوت نامہ مل چکا تھا' لیکن وہ اس سے گریز کیا کرتی تھی اور زیادہ تر اس کے نمائندے ہی ملک سے باہر چلے جاتے تھے تاکہ کاروباری امور طے کر لیں۔ اس وقت بھی ایک دعوت نامہ اسے دیا گیا تھا۔ ذکی صاحب خود ہی آئے تھے۔ میڈم کا موڈ خوشگوار دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"میری رائے تو یہ ہے میڈم کہ اس بار آپ ملک سے باہر کا دورہ کر ہی لیجئے۔"

"ذکی صاحب! کیا کروں گی میں' آپ مجھے بتایئے میں کیا کروں گی ملک سے باہر جا کر۔ میرا دل بالکل نہیں چاہتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بھی کہ ہم جو کاروبار کر رہے ہیں اس سے پوری طرح مطمئن ہیں' اگر ہم اس کاروبار کو مزید پھیلا دیں' کیا فائدہ حاصل ہو گا اس سے۔ ہم ٹھیک ٹھاک طریقے سے کام کر رہے ہیں اور آپ اس بات پر شاید یقین نہ [illegible] صرف ان لوگوں کے لئے اتنی محنت کر رہی ہوں جو گارمنٹ سٹی میں ملازمتیں کر رہے ہیں اگر میری کاوشوں سے ان کی زندگی کے مسائل' حل ہو جاتے ہیں تو مجھے اس کی خوشی ہے۔ واللہ میں اتنی زیادہ بھاگ دوڑ کر کے اور کیا کروں گی؟ کیا ضرورت ہے میری؟ ایک گھر ہے۔ میں ہوں اور بس باقی تمام وہی لوگ ہیں نا جو مجھ سے منسلک ہیں۔ آپ بھروسا کریں میری بات پر ذکی صاحب کہ میں یہ ساری کاوشیں ان کے لئے کرتی ہوں جو مجھ سے متعلق ہیں۔ ورنہ اگر میں کسی گوشے میں بھی جا پڑوں تو کھا پی تو سکتی ہوں نا۔"

ذکی صاحب گردن جھکا کر خاموش ہو گئے۔ بزرگ تھے لیکن میڈم نے ہر ایک کے

سامنے ایک حد رکھی تھی۔ ایک لکیر بنا دی تھی اور کسی کو اس لکیر سے آگے آنے کی اجازت کبھی نہیں دی تھی۔ کسی نے بہت زیادہ مشفق بننے کی کوشش کی تو اسے میڈم کے عتاب کا شکار ہونا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ تمام اخلاقیات تہہ کر کے رکھ دیا کرتی تھی اور اتنی ہی سخت ہو جاتی تھی کہ اس مخلص بننے والے کو خلوص کے نام سے چڑ ہونے لگتی تھی۔ ذکی صاحب اس سے آگے نہ بولے۔ دفعتاً" ہی میڈم نے ہنس کر کہا۔

"اس دعوت نامے کے جواب میں اگر ہم احتشام صاحب کو ملک سے باہر بھیج دیں تو کیا حرج ہے؟"

"احتشام؟"

"شامی کی بات کر رہی ہوں۔ بڑا شارپ نوجوان ہے اور میرا خیال ہے آسانی سے اس مسئلے کو ہینڈل کر لے گا۔"

"ذرا غیر متعلق شخصیت ہے اس کی۔ اس قسم کی کاروباری ڈیل میرا خیال ہے اس نے کبھی نہیں کی اور ہمیں غیر ملکیوں کے سامنے کسی نمائندے کو بھیجنا ہے۔ تاہم اگر آپ چاہیں تو شامی صاحب سے بات کر لیں۔"

"آپ ذرا بھیج دیجئے انہیں۔"

"جی بہتر ہے۔"

شامی نے ادب سے اندر آ کر سلام کیا تھا اور میڈم نے سنجیدگی سے اسے سامنے بیٹھنے کی پیشکش کر دی تھی۔

"شکریہ اور اب۔ آپ پوچھیں گی کہ کیا تم چائے پیو گے تو میڈم میرے خیال میں چائے ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے انسان کو اخلاقاً بھی انکار نہیں کرنا چاہئے۔"

"آپ نے کتنی دیر پہلے چائے پی تھی؟"

"ویسے.... ویسے تو ابھی تھوڑی دیر پہلے پی تھی۔"

"تو پھر بری عادتیں نہ ڈالئے۔ میں آپ سے چائے کا بالکل نہیں پوچھوں گی۔"

"جی جی بہت بہتر' بہت بہتر۔" شامی نے سنبھل کر کہا۔

"کیسا جا رہا ہے آپ کا کام؟"

"مارکیٹ ہماری مٹھی میں ہے پچھلے دنوں میں نے آپ کو جو اعداد و شمار بھیجے تھے اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ کس طرح لوٹ مار کی جا رہی تھی۔ ارے بھائی آپ گھر کا سودا لینے نکلتے ہیں آپ کو آلو کی قیمت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ آپ اس سے کہتے ہیں کہ بھائی کچھ کم کرو۔ کچھ رعایت دو تبھی حساب لگاؤ' اور روپے آٹھ آنے کم ہو جاتے ہیں۔ میڈم ہم جن لوگوں سے مال خریدتے ہیں وہ ہمارے رشتے دار تو نہیں لگتے نا۔ ہمیں ان سے سودے کاری کرنی چاہئے اور آپ دیکھ لیجئے میں نے چھتیس جگہ معلومات کر کے ان لوگوں

تک وہ معلومات پہنچائیں جن سے ہمارے ہاں مال آتا ہے' بلکہ آپ یقین کریں۔ میں تو ان دنوں وہ اعداد و شمار جمع کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوں جو ہم سے پچھلے سالوں میں مال کی زیادہ قیمت وصول کرنے میں وصول کئے گئے ہیں۔ ایسے اسٹورز جہاں سے ہمیں مستقل سپلائی ہوتی ہے اگر ہم سے آئندہ کاروبار جاری رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں وہ رقومات واپس کرنا ہوں گی جو وہ ہم سے زیادہ وصول کر چکے ہیں۔ میڈم لاکھوں تک بات پہنچتی ہے لاکھوں تک۔ بھئی ہم کیوں معاف کریں انہیں۔"

وہ ہنسنے لگی اس نے کہا۔ "شامی صاحب! جو ان کی تقدیر میں تھا انہیں مل گیا ہم نے بہرحال مکمل طور سے معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی ان سے خریداری کی ہے۔ پرانے اعداد و شمار تو میرا خیال ہے آپ جانے دیجئے اس سے بلاوجہ الجھنیں پیدا ہوں گی۔"

"اگر آپ کا حکم ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں تو تیاریاں کر رہا تھا اس سلسلے میں۔ آپ اگر چاہیں تو آپ کو وہ کاغذات دکھا سکتا ہوں۔"

"نہیں' آپ کا کیا خیال ہے۔ میں آپ کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتی؟"

"اسی اعتماد کا تو شکار ہوا ہوں میں میڈم۔ جب آپ نے مجھ پر یہ اعتماد کیا اور اتنی مراعات دی ہیں تو پھر کچھ فرض مجھ پر بھی بن جاتا ہے۔"

"شامی صاحب! ویسے آپ اپنے شعبے کے انچارج ہیں جو آپ کا دل چاہے کریں۔ لیکن میری رائے ہے کہ جو ہو چکا اسے جانے دیں بلکہ اگر چاہیں تو یہ اعداد و شمار انہیں پیش کر کے وارننگ کے طور پر استعمال کریں۔"

"چلئے ٹھیک ہے آپ کی سفارش مانے لیتے ہیں۔"

"میں نے آپ کے لئے ایک کام منتخب کیا ہے۔"

"جی حکم دیجئے۔" شامی بالکل سنجیدہ تھا۔

"میں چاہتی ہوں آپ کو چیکوسلواکیہ بھیج دیا جائے۔"

"کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے؟" شامی نے بے اختیار کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"کیوں؟"

"میرا مطلب ہے کہ کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں؟"

"ارے بھئی کیوں آخر؟"

"مجھے چیکو سلواکیہ جو بھیج رہی ہیں۔"

"نہیں' ایک کاروباری ڈیل کے سلسلے میں ایک دعوت نامہ آیا ہے نمائش بھی ہو رہی ہے وہاں اور ہماری فیلڈ سے متعلق لوگوں کی میٹنگ بھی ہے۔ میں نے سوچا اگر آپ جانا پسند کریں تو آپ کو بھیج دیا جائے۔"

"بات میری پسند کی ہے نا میڈم؟"

"بالکل' بالکل۔"

"میرا مطلب ہے۔ یہ میری ڈیوٹی اور ذمے داری تو نہیں ہے؟"

"نہیں' بالکل نہیں' آپ اپنی پسند سے وہاں جا سکتے ہیں۔"

"تو خدارا مجھ پر یہ ظلم نہ کیجئے گا۔"

"کمال ہے شامی صاحب آپ ملک سے باہر نہیں جانا چاہتے؟"

"بالکل نہیں۔"

"یہ تو سیر و تفریح کا معاملہ بھی ہے لوگ تو ایسی تفریحات کی تلاش میں رہتے ہیں۔"

"ہاں میڈم' لیکن وہ جو میرا اکلوتا ہے نا۔ وہ میرے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتا۔ آپ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں کر سکتا' لیکن اگر ضروری نہ ہو تو مجھ پر یہ عنایت کر دیں۔"

"کمال ہے' بہرحال ٹھیک ہے۔ تم فکر نہ کرو میں کسی اور کو روانہ کر دوں گی' یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے۔"

"آپ ہر روز مجھے شکریہ کے مواقع فراہم کرتی رہتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے صلے میں آپ کی کیا خدمت کروں؟"

"ارے ہاں وہ انعام احمد صاحب کا کیا رہا؟ تم خدمت کر تو رہے ہو میری' بلکہ تم نے تو میری بہت بڑی خدمت کر ڈالی ہے۔ احمق آدمی پچھلے دنوں جس طرح مجھے ذہنی طور پر زچ کر رہا تھا میں بتا نہیں سکتی کہ کتنی پریشان ہو گئی تھی اس کے ہاتھوں۔" میڈم نے کہا اور شامی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا' پھر احساس ادب سے ایک دم خاموش ہو گیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے ہنس رہی تھی پھر بولی۔

"ہوا کیا.... ویسے اس دن تم نے جو کیا تھا میں اسے بھول نہیں سکتی' تم انہیں لٹکا کر لے گئے تھے۔"

"وہ ایک مہذب طریقہ تھا میڈم۔ لیکن معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ' کیا مطلب.....؟"

"بس جناب انعام احمد صاحب میرے ذریعے تیر چلانا چاہتے ہیں۔"

"بھئی تفصیل بتاؤ۔" میڈم نے کہا اور شامی' انعام احمد کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ پھر بولا۔

"ان پر سے عشق کا بھوت ابھی اترا نہیں ہے' بس برابر آ کر بیٹھ گیا ہے۔ میں نے انہیں بڑے دلاسے دیئے ہیں۔ اور انہوں نے مجھے اس کے صلے میں بڑی پیش کشیں کر دی ہیں۔ آپ یقین کیجئے انہوں نے مجھے اپنی فرم کا منیجر بنانے کی پیش کش کی ہے' بس بقول ان کے یہ بیل منڈھے چڑھا دوں۔"

"احمق' جاہل کہیں کا' مگر تم نے کیا کیا؟"

"بڑی محنت کر رہا ہوں ان کے لئے۔ ایک پیر صاحب سے رابطہ قائم کر کے ان سے ایک وظیفہ حاصل کیا ہے' جو میرے خیال میں انعام احمد صاحب شروع کر چکے ہوں گے۔"

"وظیفہ...؟" وہ پھر ہنس پڑی۔

"جی میڈم۔یہ وظیفہ میرا اپنا ایجاد کردہ ہے۔ جو میں نے ایک پیر صاحب کی وساطت سے ان تک پہنچایا ہے اور جانتی ہیں وہ وظیفہ کہاں پڑھا جا رہا ہے۔"

"کہاں؟"

"شہر سے باہر۔ ایک صنعتی علاقے کے سامنے بنے ہوئے پراسرار کھنڈرات میں۔"

"توبہ توبہ' انعام احمد صاحب پڑھ رہے ہیں وہ وظیفہ۔"

"جی میڈم' اگر لگن سچی ہے تو یقیناً پڑھ رہے ہوں گے۔ میں نے ان سے رابطہ نہیں کیا ہے۔"

"کرو' میرا خیال ہے کرو' اس ٹیلی فون پر کرو میں بھی آواز سنوں گی۔" وہ دلچسپی سے بولی۔

"بہت بہتر' بہرحال انعام احمد صاحب اس سلسلے میں بڑے سنجیدہ ہیں۔"

"کہا نا میں نے احمق ہیں بالکل' مجھے تو تعجب ہے کہ ایک ایسا شخص اتنا بڑا کاروبار کیسے چلا رہا ہے؟"

"بعض چیزیں خود بخود چلتی ہیں میڈم' خود بخود۔"

"تم فون کرو۔" میڈم نے دلچسپی سے کہا اور شامی کارڈلیس پر انعام احمد صاحب کو کال کرنے لگا۔ تھوڑی سی کاوش کے بعد انعام احمد صاحب سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"آپ کا خادم بول رہا ہے جناب۔"

"کون ہے؟"

"احتشام احمد' عرف شامی۔"

"اوہو شامی صاحب' خیریت۔ بھئی کمال ہے دل کے تار اس طرح ملتے ہیں۔ دیکھو تو ایک لمحہ بھی نہیں گزرا ذہن میں' تمہارا خیال آیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ تم سے تمہارے دفتر میں بات کی جائے یا نہ کی جائے اصل میں یہ خدشہ بھی رہتا ہے نا کہ کہیں بات میڈم کے کانوں تک نہ پہنچ جائے اور وہ یہ غور کرنے لگیں کہ میرا تم سے رابطہ ہے۔"

"سر' اس سلسلے میں تو خاص طور سے خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں بھی اسی لئے آپ کو زیادہ ٹیلی فون نہیں کرتا کہ کہیں آپ کی آپریٹر کسی وقت میڈم کو یہ بات نہ بتا دے۔"

"اچھا کرتے ہو' کوئی اور نام منتخب کر لو بس سے کسی بھی ضرورت کے وقت تم مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

"وہ نام آپ تجویز کر لیجئے سر۔"

"میرا خیال ہے محمود علی زیادہ مناسب رہے گا۔"

"تو پھر آج سے میرا نام محمود علی ہے۔" شامی نے کہا۔

"ٹھیک ہے' اور سب خیریت ہے نا؟"

"جی سر' آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"بھئی میں نے وظیفہ شروع کر دیا ہے' مگر جگہ بڑی بے ڈھب ہے۔ اس وقت جب میں وہاں وظیفہ پڑھتا ہوں کسی کا وجود نہیں ہوتا وہاں پر' یہاں تک کہ پرندے تک نظر نہیں آتے بڑی وحشت چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ بے حد خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"سر محنت کا پھل ہی میٹھا ہوتا ہے۔"

"اصل میں وہاں تنہائی ہوتی ہے نا' یار ایسا نہیں ہو سکتا شامی کہ ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد تم میرے ساتھ وہاں چلا کرو۔"

"نہیں جناب' اصل مسئلہ تو یہی ہے' تنہائی لازمی ہے۔ کسی شناسا کا وجود یا دل پر کوئی ایسی تقویت نہیں ہونی چاہئے جس سے وظیفے میں خلل پڑے۔"

"یار مگر بہت ڈر لگتا ہے۔"

"یہ تو آپ کو برداشت کرنا ہو گا' میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ جوں جوں وظیفہ آگے بڑھے گا آپ کو ڈرانے کی کوشش بھی کی جائے گی۔ بس اسی خوف سے بچنا ہے آپ کو۔"

"ڈ ڈرانے کی کوشش؟" انعام احمد صاحب نے کہا۔

"جی ہاں' وظیفے کے موکل بھلا کب یہ چاہتے ہیں کہ وظیفہ مکمل ہو' اور وہ عامل کے جال میں پھنس جائیں۔ اس لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ویسے آپ کو ابھی تک کسی قسم کے خوف کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا؟"

"خوف تو وہاں بے پناہ ہے ایسی تنہائی اور ایسی تاریکی اور سناٹا ہوتا ہے کہ بس جان ہی نکل جائے۔ ایک ہلکی سی سرسراہٹ بھی ہوتی ہے تو بس یوں لگتا ہے جیسے کوئی عقب سے آ کر گردن دبوچ لے گا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بڑا کٹھن امتحان ہے۔"

"آپ سوچ لیجئے انعام احمد صاحب' اگر آپ خوفزدہ ہو گئے تو پھر آپ کا کام کبھی نہیں بنے گا۔"

"نہیں' اب تک تو ثابت قدم ہوں اور کوشش کروں گا کہ آئندہ بھی ثابت قدم ہی رہوں۔"

"جی وہ بہت ضروری ہے۔" شامی نے کہا۔

"کہاں سے فون کر رہے ہو؟"

"دفتر سے باہر نکلا تھا۔ ایک پبلک کال بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں انعام صاحب سب خیریت ہی ہے۔"

"سنو شاہی بھئی اب یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ تم نہایت نفیس انسان ہو۔ بغیر کسی لالچ کے میری ساتھ یہ تعاون کر رہے ہو' لیکن مجھے بتاؤ میرے دوست میں تمہیں کیا دوں؟"

"بس جناب آپ کے دل کی مراد پوری ہو جائے میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ باقی سب اللہ کا دیا موجود ہے۔"

"خیر پھر بھی میری طرف سے یہ بات دل میں رکھنا کہ میں دوستوں کو کبھی نظرانداز نہیں کرتا۔"

"جی سر آپ کی محبت درکار ہے بس۔ اچھا پھر خدا حافظ۔"

"او کے۔"

"وظیفہ باقاعدگی سے جاری ہے نا؟"

"ہاں۔ تم نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ کوئی تساہل نہ ہونے پائے' حالانکہ بڑی مشکل پیش آ رہی ہے۔ بے شمار پروگرام کینسل کرنے پڑتے ہیں' لیکن خیر اس کا پھل بہتر ملے تو ہر مشکل گوارہ ہے۔"

"اچھا خدا حافظ۔" انعام احمد صاحب نے فون بند کر دیا۔ میڈم نے منہ دبایا ہوا تھا اور بمشکل تمام ہنسی روکی ہوئی تھی۔ فون بند ہونے کے بعد وہ بے تحاشہ ہنستی رہی اور شاہی اسے دیکھ کر مسکراتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"خدا کی قسم' انسان کیا ہوتا ہے اور کیا بن جاتا ہے۔ ویسے شاہی ایک کام کر سکتے ہو؟" وہ شرارت سے بولی۔

"جی میڈم فرمایئے۔"

"دیکھنا چاہتی ہوں میں انعام احمد صاحب کو وظیفہ پڑھتے ہوئے میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کوئی ایسی تفریح کرو کہ مزا آ جائے۔ کیا لگتے ہوں گے۔ ارے کیوں نہ ہم انہیں ڈرانے کی کوشش کریں۔ موکل بن کر۔ کیا خیال ہے شاہی؟"

"ہو سکتا ہے میڈم لیکن وظیفہ کچھ تو گزر جانے دیجئے۔"

"نکال لو بے چارے کو مصیبت سے۔ کیا فائدہ کہیں کسی کو پتا چل گیا تو اٹھا کر لے جائے گا اغوا برائے تاوان کے لئے۔ دولت مند آدمی ہے۔ دس بیس لاکھ روپے سے نقصان اٹھا جائے گا۔ میرا خیال ہے اسے بھگا دیا جائے تاکہ اس کے سر سے یہ بھوت اتر جائے۔"

"جیسا آپ کا حکم۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟"

"میں نے عرض کیا نا جو آپ کا حکم ہو۔"

"کل چھٹی کا دن ہے کیوں نہ کل چلیں؟"

"زیادہ مناسب رہے گا۔"

"کس وقت چلنا ہو گا؟"

"شام کے وقت۔"

"ہوں' پھر ایسا کرنا کل مجھے فون کر لینا میں تمہیں کل کی مصروفیات بتا دوں گی اور ہاں تمہیں ذرا جلدی بلا لوں گی۔ جلدی آ جانا تاکہ ہم کوئی منصوبہ بنا لیں کوئی دلچسپ منصوبہ۔"

"جی بہت بہتر۔" شاہی نے کہا اور اس کے بعد میڈم سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔

❑

سجاد واپس آ گیا۔ عکسہ اور دونیا کو اس نے ان کے گھر کے دروازے پر خدا حافظ کہا تھا اس کے بعد اپنے گھر چل پڑا تھا۔ ان دونوں کا سحر اس پر طاری تھا کہ وہ خود کو نشے کی کیفیت کا شکار پاتا تھا۔ عکسہ اور دونیا کی معیت اور پہاڑ کا حسن' ایسی بے خودی طاری ہوئی تھی اس پر کہ دل کی کیفیت عجیب سی ہو گئی تھی اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو ایک اذیت کا سا احساس ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اندر ایک معذور شخص' تیمار دار بیوی' ایک زمانے سے برگشتہ نوجوان اور تین بے کس اور بے بس لڑکیاں ہیں۔ ماحول میں خوشی کا کوئی تاثر نہیں ہے۔ کوئی کھلے دل سے ہنسنا نہیں جانتا' حالانکہ اس کا اپنا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہی ڈکٹیٹر شپ جو عام طور سے گھروں کے سربراہ قائم کر لیتے ہیں اس گھر پر بھی مسلط تھی۔ مرزا صاحب اپنے آگے کسی کی چلنے نہیں دیتے۔ نہ کسی سے کوئی مشورہ نہ کسی کا کوئی تعاون جو فیصلہ خود کر لیا وہی حرف آخر۔ اسی سے مار کھا گئے تھے اور سب لوگوں کو عذاب میں گرفتار کر رکھا تھا۔

گھر میں داخل ہو گیا۔ بہنوں نے تو خوشیوں کا اظہار کیا کہ بھائی کئی دن کے بعد واپس آیا ہے باقی سب کچھ جوں کا توں۔ فیروزہ بیگم مرزا سخاوت بیگ کے کمرے سے باہر نہیں نکلیں۔ جواد گھر میں موجود نہیں تھا۔ بہرحال خود ہی یہ فرض پورا کرنے کے لئے جانا تھا۔ تھوڑی سی مٹھائی وغیرہ لے آیا تھا۔ ہاتھ میں مٹھائی کا بیگ لئے ہوئے اندر پہنچا۔ ماں باپ کو سلام کیا فیروزہ بیگم نے تو جواب دیا' لیکن سخاوت بیگ صاحب نگاہیں پھیرے لیٹے رہے۔

"ابو! مٹھائی لایا ہوں آپ کے لئے۔" سجاد نے بیگ مرزا صاحب کے برابر رکھتے ہوئے کہا اور مرزا صاحب نے زور سے ہاتھ مار کر بیگ کو دور پھینک دیا مٹھائی کا ڈبہ ٹوٹ گیا تھا۔ سجاد نے حیران نگاہوں سے باپ کی یہ حرکت دیکھی' پھر ماں کو دیکھا اور اس کے بعد آہستہ سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کوئی گستاخی ہو گئی ہے مجھ سے ابو؟"

"تو مجھے بے وقوف سمجھتا ہے۔" سخاوت بیگ صاحب کرخت لہجے میں بولے۔

"ابو! مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟"

"کہاں گیا تھا؟" مرزا سخاوت بیگ نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"جہاں بھی گیا تھا آپ سب کو بتا کر گیا تھا۔"

"بتا کر گیا تھا یا بے وقوف بنا کر گیا تھا۔"

"امی کیا کہہ رہے ہیں ابو؟"

"ان سے کیا بات کرتا ہے' مجھ سے بات کر۔ تو اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا ہے نا۔ یہ بھول گیا کہ میرے ہی بازو سے لگ کر' میری گود میں چڑھ کر یہ دنیا دیکھی ہے تو نے۔ بہت چالاک سمجھتا ہے اپنے آپ کو؟"

"آپ جو کہنا چاہتے ہیں اگر کہہ دیں تو میری سمجھ میں کچھ آئے۔ یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"صاحب زادے جو کھیل تم کھیل رہے ہو نا ہم شریف زادوں نے وہ کھیل کبھی نہیں کھیلا۔ جوانی سب پر آئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی خاندانی نجابت ہمراہ رہی اور قدم کبھی نہ بھٹکنے پائے' سمجھے' اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ بے وقوفوں کے درمیان وقت گزار رہے ہو' تو اپنے اس خیال کو دل سے نکال دو۔ جواب دو کہاں گئے تھے؟" بیگ صاحب غصے سے بولے۔

"میں نے عرض کیا نا کہ دفتر کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔"

"لڑکیاں بھی دفتر ہی کی طرف سے دی گئی تھیں تمہیں دو عدد۔" مرزا سخاوت بیگ نے کہا اور سجاد چونک پڑا۔

"جملہ بہت برا تھا' حالانکہ بات چونکا دینے والی تھی' لیکن اس جملے نے بات کا تاثر ختم کر دیا۔

"ابو! آپ میرے باپ ہیں۔ ہمارے درمیان بھی اخلاق اور تہذیب کا ایک رشتہ ہے۔"

"کاش میرا ہاتھ جوتے تک پہنچ سکتا۔ ایسی تہذیب' ایسا اخلاق سکھاتا کہ زندگی بھر یاد رہتا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو جوتے تک ہاتھ پہنچانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" سجاد کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ فیروزہ بیگم نے دہشت سے سجاد کو دیکھا تھا اور مرزا صاحب اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے اور جب انہوں نے اس کے الفاظ کو سمجھا تو اپنی جگہ اچھل کود مچانے لگے۔

"دیکھا تم نے' دیکھا تم نے' یہ میری بچوں کی آرزو تھی کہ میں معذور ہو جاؤں یہ چاہتے تھے یہ لوگ ارے اس قدر بے زار تھے یہ مجھ سے اندازہ ہو گیا تھا مجھے بیٹے' اندازہ ہو

تھا اور کیا عجب کہ میرا مال بھی تمہارے قبضے میں ہو اور وہ جس نے مجھے موٹر سے ٹکر دی تھی تمہارا ہی نمائندہ ہو۔"

"تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جواد کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا کر میرے خلاف رپورٹ درج کرا دیجئے گا' تفتیش ہو گی انکوائری ہو گی ثابت کر دیجئے گا کہ آپ کو معذور کرنے میں اور آپ کی رقم چھیننے میں میرا ہی ہاتھ ہے۔"

"آہ کاش ایسا ہو جاتا۔ آہ کاش یہ پتا چل جاتا۔ رقم تو میں جانتا ہوں کہ برآمد نہیں ہو گی کیونکہ تم اسے دو لڑکیوں کے ساتھ پہاڑ پر جا کر گنوا آئے ہو گے۔"

"دو لڑکیاں..... دو لڑکیاں.... پہاڑ پہاڑ میں کہتا ہوں یہ سب کچھ کیا ہے امی اور ابو مجھ سے کیا بات کر رہے ہیں. برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ یہ گھر جہنم بن چکا ہے میرے لئے' کیا ہے یہ سب کچھ؟"

"آپ بھی ذرا سوچ سمجھ کر بات کیجئے آپ بیٹے پر یہ الزام لگا رہے ہیں۔"

"جوتے مارو' مجھے جوتے مارو' اٹھاؤ جوتا' مارو مجھے' تم سب لوگ تو ہاتھ پاؤں والے ہو' میں معذور تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں' ارے میں تو اپنے آپ کو پٹنے سے بچا بھی نہیں سکتا۔"

"سجاد تم کہاں گئے تھے؟"

"پہاڑ پر گیا تھا امی۔"

"تمہارے ساتھ دو لڑکیاں تھیں؟"

"جی ہاں۔"

"کون تھیں وہ؟"

"جس فرم میں' میں ملازمت کرتا ہوں اس کے مالک سیٹھ ادریس کی بیٹیاں۔"

"مم مگر وہاں؟"

"امی ان لوگوں کو وہاں جانا تھا اور مجھے چھٹی دے کر ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا گیا تھا تاکہ ان کی نگرانی رہے۔"

"خوب۔ خوب۔ اچھی کہانی ہے۔ اچھی کہانی ہے۔ میاں واپس کیوں آ گئے؟"

"اس لئے ابو کہ واپس آنا تھا۔"

"اور کیا گل کھلا کر آئے ہو وہاں؟"

"کوئی گل نہیں کھلایا میں نے ابو۔ آپ مجھے بتایئے کہ اور کیا کرنا ہے مجھے آپ کے لئے۔ تاکہ اس فرض کی ادائیگی ہو سکے جو آپ کی آغوش میں پلنے کی وجہ سے میری مرضی کے خلاف مجھ پر چڑھ چکا ہے۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا امی' سمجھیں آپ۔ میری اپنی دنیا الگ ہے۔ میں آپ کے لئے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ میرا اپنا مقام ہے اس گھر میں آنے کے بعد مجھ سے میری شخصیت چھین لی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے اس

گھر میں میرا گزارا مشکل ہے۔" سجاد نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

فیروزہ بیگم ہانپتی کانپتی اس کے پیچھے لپکی تھیں۔ جوان بیٹا ہے کوئی قدم اٹھا بیٹھے گا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ سجاد اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

"بیٹا تو جانتا ہے ان کی کیا کیفیت ہو گئی ہے؟"

"جانتا ہوں امی' لیکن اس کیفیت کا ذمے دار میں تو نہیں ہوں آپ نے سنا۔ وہ مجھ پر ڈکیتی کا الزام لگا رہے ہیں۔ کیا میں یہ الزام خاموشی سے برداشت کر لوں؟"

"ارے دماغ خراب ہو گیا ہے ان کا۔ آؤٹ ہو گئے ہیں بالکل' تجھے تو مجھے اور بھی بہت کچھ بتانا ہے سجاد۔ سب کچھ چوپٹ ہو گیا ہے بیٹا۔ بڑے مشکل وقت سے گزر رہے ہیں ہم.... تباہی ہمارے گھر کے دروازے پر دستک دے چکی ہے خدا جانے یہ بیل کس طرح منڈھے چڑھے گی؟"

"دیکھئے امی' آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں میں۔ یہ آپ کی ذمے داری ہے کہ میرے راستے ہموار کریں ورنہ درحقیقت میں اب آپ لوگوں کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتا۔"

"چھوڑ دے گا ہمیں بیٹے؟"

"میں کیا کروں آپ مجھے بتائیے۔ امی میں ایک روشن دنیا کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ وہ لڑکیاں میرے ساتھ پہاڑ پر گئی تھیں ان میں سے ایک کا نام عکسہ ہے اور دوسری کا دونیا میرے مالک کی بیٹیاں ہیں اور میری فرم کے مالک چاہتے ہیں کہ میری شادی دونیا سے کر دی جائے۔ میں اس شادی کے لئے تیار ہوں امی۔ آپ لوگ اگر اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار پاتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ بحالت مجبوری مجھے تنہا ہی اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ میں اس گھر کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور مجھے جانا ہے لیکن اگر آپ ایک بہتر تعاون چاہتے ہیں مجھ سے تو آپ کی مالی مشکلات میں سنبھال لوں گا۔ باقی آپ لوگ جانئے اور آپ کا کام۔ میں نے یہ بات آپ کے کانوں میں ڈال دی ہے۔ فیصلہ آپ لوگ کر لیجئے گا میں اجازت چاہتا ہوں۔"

"کہیں جا رہا ہے؟"

"جی نہیں۔ آپ کے واپس جانے کے بعد یہ کمرہ بند کرنا چاہتا ہوں تا۔ اس [illegible] روشنی میں فیصلہ کر لوں کہ یہ اونٹ کس کل بیٹھے گا۔"

فیروزہ بیگم اسے دیکھتی رہیں۔ کئی بار ان کے ہونٹ ہلے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ عکسہ اور دونیا کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھیں' لیکن یہ احساس بھی تھا کہ کمرے میں اگر فوراً ہی واپس نہ پہنچیں تو مرزا صاحب قیامت ڈھا دیں گے۔ یہی کہیں گے کہ معذور شوہر کو چھوڑ کر بیٹے کی دلجوئی کرنا زیادہ منافع بخش ہے کیونکہ اب معذور شوہر سے کیا ملے گا۔ فیروزہ بیگم ڈبڈبائی آنکھوں سے سجاد کو دیکھتی ہوئی وہاں سے واپس پلٹ پڑیں اور سجاد نے زور دار آواز

کے ساتھ دروازہ بند کر لیا۔

□

دروازے پر دستک ہوئی اور فراز جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے پر پہنچ گیا۔ بیل لگی ہوئی تھی اور شامی ہمیشہ بیل ہی بجاتا تھا۔ اس لئے یہ شامی تو ہو نہیں سکتا' حالانکہ اس کے آنے کے وقت میں بھی بہت دیر نہیں رہ گئی تھی۔ دروازہ کھلا اور فراز' انیلا اور صاعقہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ انیلا آگے تھی اور صاعقہ اس کے پیچھے شرمائی شرمائی سی کھڑی ہوئی تھی۔

"ہیلو' آئیے آپ لوگ اگر مناسب سمجھیں تو۔ خیریت تو ہے نا چچی جان کیسی ہیں؟ آئیے نا پلیز۔" اس نے پیچھے ہٹ کر کہا اور دونوں لڑکیاں جھجکتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔

"آپ اجازت دیں تو دروازہ بند کر دوں؟"

"میں بند کئے دیتی ہوں بھائی جان۔" انیلا نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

"آئیے آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ ویسے چچی جان کی طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے نا۔ کیوں صاعقہ آپ بتائیے؟"

"جی بالکل ٹھیک ہیں اب وہ۔" صاعقہ نے مہین آواز میں کہا۔

"آئیے پھر۔ ہاں بھئی انیلا' آپ یہ بتائیے کوئی خاص کام تو نہیں ہے ہم سے؟"

"نہیں بھائی جان' بس امی نے بھیجا ہے ہم دونوں کو۔"

"اچھا اچھا تو پھر آئیے بیٹھئے آج ہم آپ لوگوں کو مردانہ چائے پلاتے ہیں۔ بس ابھی بنا کر لائے کچن سے۔"

"نہیں سنئے' پلیز' سن لیجئے اگر آپ کا چائے کو دل چاہ رہا ہے تو میں بنائے دیتی ہوں۔ اصل میں امی نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ لوگ تنہا رہتے ہیں' مرد ہیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی بہتر انداز میں نہ ہوتی ہو گی۔ ہم دونوں جا کر کچھ کام کر دیں آپ کے لئے اس وقت ہمیں بھی فرصت تھی۔ امی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں آپ سے کہہ دوں کہ تھوڑی سی گھر کی ذمے داری آپ ہمیں دے دیجئے گا۔ ابو جب گھر پر نہ ہوں گے تو یہ کام ہم کر دیا کریں گے اور یقین کر لیجئے اگر آپ ہمیں فلیٹ کی چابی دے دیں گے تو کوئی چیز ادھر سے ادھر نہیں ہو گی۔ ہم چور ہرگز نہیں ہیں۔"

"یہ ساری باتیں چچی جان نے کہی ہیں آپ سے؟" فراز نے افسردگی سے کہا اور صاعقہ [illegible] کر اسے دیکھنے لگی۔

"نن.... نہیں' ہمارا مطلب کوئی برا نہیں ہے اصل میں اگر آپ ہمیں گھر کی چابی دے دیں گے نا تو جیسے ہی ہمیں موقع ملا کرے گا ہم دونوں آ کر گھر کی ہر چیز صاف ستھری کر دیا کریں گے اور پھر چلے جایا کریں گے۔ دوسری چابی آپ کو ہمیں دینی پڑے گی۔" صاعقہ نے

گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اچھا! انیلا بیگم! اب آپ ایک کام کیجئے۔ برتن لیجئے فریج میں پھل رکھے ہوئے ہیں۔ وہ سارے پھل نکال کر لایئے۔ دیکھیں تو ذرا آپ گھر کے کام کیسے کرتی ہیں۔ آیئے صاعقہ بیٹھئے۔ کوئی خطرہ تو نہیں ہے فرید احمد صاحب کے آجانے کا۔"

"کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ ویسے اگر آ بھی گئے تو امی بات بنا دیں گی کہہ دیں گی کہ بازار بھیجا ہے۔"

"آپ لوگ بازار جاتی ہیں؟"

"گھر کے لئے اگر کچھ لانا ہوتا ہے تو ہمیں ہی جانا پڑتا ہے۔"

"تب پھر آرام سے بیٹھئے اور بھئی انیلا آپ تکلف کر رہی ہیں کیا؟"

"نہیں.... نہیں تو بھائی جان۔"

"تو پھر جایئے نا۔"

"رہنے دیجئے فراز صاحب۔"

"بھئی کچھ تو مان لیجئے ہماری۔ چائے پینے سے آپ نے انکار کر دیا ہے۔ باقی بھی کوئی خاطر مدارت قبول نہیں کر رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں آپ کے آنے سے مجھے کس قدر خوشی ہوئی ہے۔ انیلا اگر تیسری بار ہمیں آپ سے کہنا پڑا تو بیٹے پھر تو آپ ہماری دوست نہ ہوئیں۔"

"نہیں میں جا رہی ہوں۔" انیلا نے کہا اور کچن کی جانب چل پڑی۔ صاعقہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

"دیکھئے عام طور سے ایک ہی قسم کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ میں بھی وہی سب کچھ کہنے پر مجبور ہوا۔ آپ نے ہمیں ایک ایسی انوکھی کیفیت سے دوچار کیا ہے کہ ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔"

"سچی۔" فراز نے شرارت سے پوچھا اور صاعقہ نے پھر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر جھینپ سی گئی۔

"کم از کم میں اپنی بات کر سکتی ہوں۔ طویل عرصہ ہو گیا ہم سے کسی نے کبھی اپنائیت کی کوئی بات نہیں کی۔ یہاں پڑوس ہی عجیب ہے۔ اول تو یہ فلیٹ اس طرح سے بنے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے سے واسطہ ہی نہیں رہتا۔ صرف دو فلیٹوں کا آپس میں تعلق ہے۔ یہ فلیٹ تو طویل عرصے سے خالی پڑا تھا۔ تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ امی آپ کو سب کچھ بتا چکی ہیں۔ کوئی رشتے ناتے دار تو ہے نہیں ہمارا۔ آپ نے جس طرح اپنائیت سے ہم لوگوں ۔ ، اپنا رویہ رکھا ہے۔ ہم اس پر حیران ہیں اور دل سے آپ کے لئے لاکھوں دعائیں ہیں ورنہ کون کسی کو اس طرح سہارا دیتا ہے آج کل۔"

"چلئے آپ کی دعاؤں کا بے حد شکریہ۔ باقی بات یہ ہے کہ آپ لوگ خود بھی بے حد اچھے لوگ ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ فرید احمد صاحب سخت گیر انسان ہیں' لیکن سب ٹھیک ہو جائے گا صاعقہ۔ میں آپ سے کہوں۔ ہر دن کے بعد رات ہوتی ہے اور ہر رات کے بعد روشن صبح۔ میری پیش گوئی ہے کہ آپ لوگوں کی زندگی میں بھی بہت جلد ایک روشن صبح کا آغاز ہو جائے گا۔ اور اس پر مجھ سے زیادہ خوش ہونے والا کوئی دوسرا نہیں ہو گا۔"

صاعقہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آنسوؤں کے دو قطرے زمین پر ٹپک گئے تو فراز نے کہا۔

"اس کے علاوہ صاعقہ اگر آپ ہمیں دوسروں سے منفرد اور اپنا ہمدرد قبول کر چکی ہیں تو پھر آپ کو ہماری کچھ باتیں بھی ماننا ہوں گی۔ ہماری سے مراد میں اور میرا بھائی شامی ہے۔ شامی کو میں آپ لوگوں کے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ بہت ہی ہمدرد اور انسان دوست نوجوان ہے آپ کے لئے اتنا ہی افسردہ ہے۔ جتنا میں ہوں ہم لوگ کچھ نہ کچھ کوشش کر کے آپ کی ان مشکلات کا حل تلاش کریں گے۔ یہ قیمتی آنسو اس طرح بہانا چھوڑ دیجئے گا۔"

صاعقہ نے جلدی سے دوپٹے سے آنکھیں خشک کر لیں اور اتنی دیر میں انیلا پھلوں کو پلیٹ میں سجائے ہوئے اندر آگئی کافی پھل تھے صاعقہ اسے دیکھ کر بولی۔

"ارے یہ اتنے سارے پھل کیوں نکال لائیں؟"

"صاعقہ! آپ لیجئے پلیز میں آپ سے کہہ چکا ہوں مجھے خوشی ہو گی اور اگر آپ کے پاس وقت ہے تو پھر اپنے ہاتھوں سے چائے پلایئے اور ہاں ذرا ایک بات بتایئے مگر ایسے نہیں تھوڑی دیر کے بعد آپ سے یہ سوال کروں گا لیجئے پلیز لیجئے۔"

دونوں پہلے جھجکتی رہیں اور اس کے بعد پھل کھانے لگیں فراز خود بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا تھا وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا کہنے لگا۔

"تو انیلا صاحبہ آپ لوگوں کی آمد کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ہم اور امید کرتے ہیں کہ جب بھی موقع ملے آپ لوگ ضرور تشریف لے آیا کیجئے گا ہمیں دلی خوشی ہو گی۔"

"آپ ملازمت کرتے ہیں؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کس وقت سے کس وقت تک؟"

"عموماً نو بجے نکل جاتا ہوں۔ ساڑھے چار بجے چھٹی ہو جاتی ہے پانچ سوا پانچ بجے تک گھر آجاتا ہوں۔"

"کیا آپ یہ ذمہ داری ہمیں دے دیں گے؟"

"صاعقہ! گھر کی چابی آپ لوگ رکھ لیجئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر میرا احتجاج آپ نے نوٹ کر لیا ہو گا۔ آپ سب بہت اچھے ہیں لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا۔ ہاں ایک وعدہ کیا جا سکتا ہے آپ سے۔ وہ یہ کہ جب بھی کبھی آپ کو فرصت ہو اور مجھے آپ سے کوئی کام پیش آ جائے تو میں آپ سے ضرور درخواست کر لیا کروں گا۔"

"امی نے جو کچھ کہا ہے نا اس میں کوئی بناوٹ نہیں ہے۔ پہلے تو وہ جھجک رہی تھیں پھر انہوں نے کہا کہ آپ سے کہہ تو دیا جائے۔ نہ مانیں تو دوسری بات ہے۔"

"نہ ماننے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک عجیب سی ذمہ داری میں آپ کو کیسے دے سکتا ہوں؟ مجھے عجیب نہیں لگے گا اور ذرا آپ یہ پورے گھر کا ایک چکر لگا کر دیکھئے آپ کو خوشی ہو گی کہ ہم دونوں مل کر کس طرح فلیٹ کی صفائی کر لیا کرتے ہیں؟"

"وہ تو نظر آ رہا ہے لیکن ہمیں بھی تو کچھ کرنے دیجئے۔"

"خیر اس سلسلے میں' میں چچی جان کو بتا دوں گا آپ کو میں اس قدر قیمتی سمجھتا ہوں کہ سوچتا ہوں کیا کروں؟ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں میں؟"

"فراز صاحب! یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ اس عالم میں ہمیں دیکھنے کے باوجود آپ ہم سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ جیسے عزت داروں سے بات کی جاتی ہے۔ میں زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوں لیکن دنیا کو تھوڑا سا دیکھ لیا ہے میں نے' ہماری شخصیت جس طرح مسخ ہو چکی ہے اس کے بعد زندگی کے اقدار کے بارے میں ہمیں اپنے منہ سے ایک جملہ نہیں نکالنا چاہئے' جسے رات رات بھر گھر سے باہر نکال دیا جائے' جس کے ہر غلط زاویئے پر اس پر چپل پھینک ماری جائے' جو اس قدر کسمپرسی کا شکار ہو کہ اپنی مرضی سے صابن سے نہا بھی نہ سکے اس کی کوئی شخصیت ہوتی ہے اور اگر ایسی صورت میں کوئی اسے عزت سے پکارے تو اسے کائنات کی تمام دولت مل جاتی ہے۔ ہم اس دولت کے لائق نہیں فراز صاحب' ہم سے بس ثانوی سی بات کیجئے۔ ہمیں عزت کا کوئی مقام نہ دیجئے۔"

فراز نے اندرونی طور پر بڑی لرزشیں محسوس کی تھیں صاعقہ کے ان الفاظ میں جس قدر جذباتیت تھی اس کا اسے پورا اندازہ تھا اس نے ایک سیب اٹھایا اور اسے اپنے ہاتھوں سے تراشا اور صاعقہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ میری دی ہوئی وہ عزت قبول نہیں کرتیں تو یہ سیب تو قبول کر لیں گی صاعقہ۔"

صاعقہ نے چونک کر اسے دیکھا اور فراز مسکرا دیا اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر سیب کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ صاعقہ نے اس میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا تو فراز نے ہاتھ انیلا کی طرف بڑھا دیا اس نے بھی ہنستے ہوئے ایک ٹکڑا اٹھا لیا تھا۔ صاعقہ بولی۔

"بے حد شکریہ۔"

"اصل میں دنیا کا کوئی تجربہ نہیں ہے آپ کو صاعقہ' آپ اپنی دانست میں خود کو بہت بڑا تجربہ کار کہہ کر اپنے آپ کو عزت کے ناقابل قرار دے رہی ہیں۔ میں آپ سے کہوں کہ پھول اگر کیچڑ میں بھی کھلے ہوں تو پھول ہی ہوتے ہیں اور ان کی خوشبو کوئی نہیں چھین سکتا۔ آپ میری نگاہوں میں مکمل طور سے باعزت ہیں۔ بہت احترام کرتا ہوں میں آپ لوگوں کا براہ کرم ایسی کوئی بات کہہ کر میرا دل نہ دکھایئے گا۔"

صاعقہ خاموشی سے اپنے خوبصورت دانتوں سے سیب کترتی رہی اس کے بعد اس نے کہا۔

"تو میں امی سے کیا کہہ دوں؟"

"آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ فراز نے آپ کا بے حد شکریہ ادا کیا ہے اور کہا ہے کہ ضرورت پڑنے پر آپ کے سوا کسی اور کو تکلیف نہیں دے گا۔"

"تو پھر ہمیں اجازت دیجئے۔"

"بالکل نہیں روکوں گا آپ کو' لیکن شرط یہی ہے کہ اپنی ملازمت کے اوقات بتا چکا ہوں اس کے بعد جو بھی وقت آپ کو حاصل ہو مجھے بلا لیجئے۔ چچی جان اور آپ آیا کیجئے میرا آپ کے فلیٹ میں بہت زیادہ آنا جانا اس لحاظ سے مناسب نہیں ہے کہ دیواروں کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ کان تو خیر پرانی چیز ہو گئے۔"

صاعقہ مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ گئی۔ فراز انہیں دروازے تک چھوڑنے آیا تھا اور جب وہ اپنے دروازے سے اندر داخل ہو گئیں تو وہ بھی دروازہ بند کر کے مسکراتا ہوا واپس پلٹ آیا۔ دل و دماغ پر ایک پراسرار سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ اسے ان دونوں کا آنا بہت اچھا لگا تھا انیلا ایک خوش مزاج لڑکی تھی۔ اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار معلوم ہوتی تھی اور صاعقہ کے انداز میں ایک عجیب سا بانکپن تھا۔ بے بسی اور بے کسی میں پروان چڑھنے کے باوجود قدرت نے اس پر جو عنایتیں کی تھیں انہیں کوئی نہیں چھین سکتا تھا اور وہ قدرت کے دیئے ہوئے عطیات سے مالا مال تھی۔ ابھی زیادہ نہیں سوچ پایا تھا کہ دروازے کی بیل پھر بجی اور اس وقت چونکہ بے خیالی کا شکار تھا کسی اور خیال میں ڈوبا ہوا یہ نہ سوچ سکا کہ بیل شاہی بجاتا ہے۔ دونوں لڑکیوں نے دستک دی تھی وہ یہی سوچ کر واپس پلٹا تھا کہ شاید انہی میں سے کسی کو کچھ یاد آ گیا ہو گا۔ دروازہ کھولا تو شاہی کھڑا ہوا تھا کئی فریم اس کی بغل میں دبے ہوئے تھے۔ ایک بنڈل ہاتھ میں بھی تھا۔ فراز چونک سا پڑا شاہی دروازے سے اندر آیا تو فراز نے دروازہ بند کر دیا۔ شاہی اسے عجیب سے انداز میں گھور رہا تھا فراز بحقیقت چند لمحات کے لئے چور سا بن گیا۔ اندر گھس کر شاہی گہری گہری سانسیں بھرنے لگا فراز کچھ بول نہیں پایا تھا۔ وہ اسے دیکھنے لگا شاہی نے کہا۔

خوشبو چرا کے لائی ہے گیسوئے یار کی
چوری کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی

"برادرم یہ خوشبو بے شک کسی سینٹ وغیرہ کی نہیں ہے لیکن تمہارے علاوہ ایک اور خوشبو اس وقت یہاں پھیلی ہوئی ہے کس کی ہے؟"

"ابے لوگ تو کہتے تھے کہ بلی کی ناک سب سے تیز ہوتی ہے۔ یہاں نظریہ بدل گیا بلے کی ناک بلی سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔"

"تجھے خدا قسم بتا کوئی آیا تھا؟"

"اندر تو آؤ پیارے بھائی اور یہ کیا ساز و سامان اٹھائے ہوئے ہو؟"

"سنبھال یار بڑے وزنی فریم ہیں اور ذرا دیکھ کتنے خوبصورت ہیں۔"

"ہے کیا۔ کیسی تصویریں ہیں؟" فراز نے فریم سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو یہ بنڈل بھی ہے اور تصویروں کا دیکھو' دیکھو ذرا۔ ارے - ہائیں یہ فریج کے سارے پھل۔ اوہو۔ پہلے یہ بتا کون آیا تھا؟"

"بتا دوں گا یار ذرا منہ ہاتھ وغیرہ دھو لو۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ خوشبو کیا کہہ رہی ہے؟ کہاں سے آئی یہ خوشبو؟ جواب دو فراز جواب دو۔" شامی ڈرامائی انداز میں بولا اور فراز ہنس پڑا۔

"وہ صاعقہ اور انیلا آئی تھیں۔"

"اللہ توبہ۔ اللہ توبہ۔" شامی نے دونوں ہاتھوں پر انگلیاں مارتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"خواتین نکل کر گئی ہیں ابھی یہاں سے اور تم نے ان کے سامنے پھلوں کے انبار لگا دیئے اور یہ خوبانی کی گٹھلیاں' یہ آلو بخاروں کی گٹھلیاں' اور یہ سیبوں کے چھلکے مگر صاعقہ اور انیلا۔ اوہو سمجھ گیا یعنی سامنے والے فلیٹ کی معزز خواتین۔"

"اب ہر بات میں اتنا گہرا مذاق مت کیا کرو۔ میں تمہیں تو بتا چکا ہوں۔"

"اور حضور نے وہ نہیں بتایا جو اس وقت آپ کے چہرے پر جھلک رہا ہے۔"

"وہ بھی بتا دیا ہے برادرم اب یہ دوسری بات ہے کہ تم تجاہل عارفانہ سے کام لو۔"

"کیوں آئی تھیں؟ کیا کہہ رہی تھیں؟ ساری باتیں بتا دو اس کے بعد اٹھوں گا۔"

"شامی پلیز جاؤ کپڑے تبدیل کرو کہیں جانا تو نہیں ہے اب۔"

"یار کمال کرتے ہو۔ غسل خانے میں کیسے رک سکتا ہوں اس وقت کچھ پتا تو چلنا چاہیے۔"

"شامی۔"

"ٹھیک' ٹھیک ہے جا رہا ہوں۔" شامی نے کہا اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ فراز سکرانے لگا تھا پھر اس نے تصویروں کے فریم سیدھے کر لئے۔ ایک لمحے کے لئے حیران رہ گیا۔ گھوڑوں کی تصویریں تھیں۔ نہ جانے کہاں کہاں سے اکٹھی کی تھیں شامی نے۔ عام طور پر یہ تصویریں ریس کے گھوڑوں کی تھیں ان میں سے کچھ کو ایکشن میں دکھایا گیا تھا کچھ جیکیوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے' کچھ پر جیکی سوار تھے۔ کچھ گھوڑے تنہا تھے اور وہ الگ سے بنڈل جو لایا تھا شامی وہ بھی سب گھوڑوں کی تصویروں کے تھے۔ گھوڑوں کی ان تصویروں کو بڑی خوبصورتی سے فریم کرایا گیا تھا۔ اچانک ہی فراز کے ذہن میں ان تصویروں کی وجہ آ گئی شامی نے سرسری انداز میں ذکر کیا تھا لیکن وہ اس طرح اس چھوٹی سی بات کو یاد رکھے گا اس کا فراز کو اندازہ نہیں تھا۔ خیر یہ محبت تو دونوں کے دلوں میں موجود تھی یکطرفہ کوئی کام کبھی نہیں ہوتا۔ فراز جانتا تھا کہ شامی کے ذہن میں صاعقہ کے لئے کچھ نہیں ہے۔ یہ صرف ایک ہلکا سا اشارہ تھا جو فراز ہی نے اسے دیا تھا اور اس کے نتیجے میں شامی نے یہ سب کچھ کر ڈالا تھا۔ اس نے تصویریں سیدھی کر کے رکھیں اور انہیں بغور دیکھنے لگا۔

شامی تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا تھا اس نے تصویروں کے سجے ہوئے فریم دیکھے تو مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔ کیسے ہیں؟"

"بہت خوبصورت۔ تم نے واقعی کمال کر دکھایا ہے انہیں حاصل کرنے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔"

"گھوڑوں کی تصویریں تو بے پناہ مل گئی تھیں لیکن ہمارے لئے بیکار تھیں۔ یہ تصویریں میں نے خاص طور سے جمع کی ہیں دنیا کے مختلف ملکوں کے ریس کورسوں کی تصویریں ہیں۔ ابھی کچھ دیر کے بعد تمہاری تربیت شروع کر دوں گا ہاں اب مجھے بتاؤ کہ ان پھلوں پر ہاتھ مارنے آنے والوں کی آمد کا مقصد کیا تھا اور کیا گفتگو ہوئی ان سے؟"

جواب میں فراز نے ایک ایک لفظ شامی کو بتا دیا اور شامی بغور سنتا رہا پھر اس نے کہا۔

"رابطے کے لئے کیا حرج ہے چابی دے دی جائے۔ وہ لوگ جو کچھ کرنا چاہیں کریں۔ [illegible] کی بات ہے اور پھر اچھا ہے گھر کی ضروریات سے محترمہ ابھی سے واقف ہو [illegible]۔ مستقبل میں تو بالآخر اس کی ضرورت پیش آنی ہی ہے۔"

"یار شامی! ایسی باتیں کر کے مجھے خواب نہ دکھا۔"

"دیکھو بیٹا' خواب دیکھو۔ تمہارے ان خوابوں کی تعبیر کا بندوبست بھی شروع کر دیا ہے [illegible]نے۔" شامی کا اشارہ تصویروں کی طرف تھا۔

"ہاں تم نے کہا تھا کہ فرید احمد سے روابط بڑھانے کے لئے...."

"بالکل.... بالکل۔" شامی نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی پھر بولا۔

"اب مجھے، تمہیں ان گھوڑوں کے بارے میں تفصیلات بتانا پڑیں گی۔ یہ جو جیکی حضرات ان کے ساتھ موجود ہیں ان کے بارے میں تمہیں بتاؤں گا۔"

"مگر تمہیں یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟" جواب میں شامی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا۔

"عزیزم! یہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اس کے بارے میں تو شاید ہمارے پورے ملک میں ایک دو آدمی ہی بتا سکیں لیکن ان سب کے بارے میں کہانیاں تو گھڑی جا سکتی ہیں۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ۔"

"بالکل، بالکل۔ اب قبلہ فرید احمد صاحب کی جو اوقات ہے وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ بھلا خود انہیں اتنی معلومات کہاں سے حاصل ہوں گی کہ صحیح یا غلط کی تمیز کر سکیں لیکن جب تم انہیں دنیا بھر کے ریس کورسوں اور گھوڑوں کے بارے میں اپنی معلومات سے آگاہ کرو گے تو وہ تو تمہارے مرید ہو جائیں گے۔" فراز ہنسنے لگا پھر گردن جھٹک کر بولا۔

"بہت شاطر انسان ہو تم، راستہ اچھا منتخب کیا ہے۔"

"چلو اسی بات پر چائے بناؤ جا کر۔" شامی نے فراز سے کہا اور فراز جلدی سے اٹھ گیا۔ چائے کے دوران شامی اس سے صاعقہ اور انیلا کے بارے میں باتیں کرتا رہا تھا اس نے کہا۔

"بس بی شمسہ کی قسمت میں یہ سب کچھ نہیں تھا کیونکہ صاعقہ صاحبہ یہاں انتظار کر رہی تھیں۔"

"ابھی اس قدر ہوا میں گھوڑے نہ دوڑاؤ شامی، ہم نہیں جانتے کہ آگے کیا حالات ہوں گے؟"

"ویسے ایک بات کہوں جان من، شامی بڑے پائے کی چیز ہے۔ ورنہ میڈم جیسی خاتون شامی کا دم نہ بھرتیں۔"

"ارے ہاں۔ وہ تمہاری میڈم کا کیا حال ہے؟"

"بالکل خیریت سے ہیں۔ کل دن میں ذرا تیار ہو کر جانا ہے کچھ آؤٹنگ کا پروگرام ہے۔" شامی نے کہا اور فراز اسے گھورنے لگا۔ چند لمحات کڑی نگاہوں سے اسے [illegible] بولا۔

"بہرحال ایک بات بتا دی ہے میں نے کہ جب تک میں انہیں نہ دیکھ لوں اس وقت تک تم کوئی فیصلہ نہیں کرو گے۔"

"فیصلہ تو ہو چکا ہے جان عزیز لیکن بہرحال دیکھو گے تو بددل نہیں ہو گے میرا وعدہ ہے۔"

فراز پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

سیٹھ ادریس نے اپنے آفس میں ہی سجاد کو طلب کر لیا۔ پہاڑی مقام سے واپسی پر عکسہ اور دونیا سے اس سلسلے میں صاف گفتگو ہو گئی تھی۔ عکسہ دونیا کی نمائندگی کے لئے ہمیشہ ہی مستعد رہتی تھی۔ سیٹھ ادریس نے سوال کیا کہ ان دونوں کا آخری فیصلہ کیا ہے تو عکسہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"ڈیڈی۔ آپ ایک ایسے باپ ہیں جسے صرف باپ کی حیثیت سے ہی نہ دیکھا جائے بلکہ ایک عظیم انسان کی حیثیت دی جائے تو غلط نہیں ہو گی۔ آپ نے ہم لوگوں کو جو اعتماد دیا ہے وہ بہت کم باپ اپنی اولاد کو دیتے ہیں اور خاص طور سے بیٹیوں کو، بہرحال ہم اسی اعتماد کے حوالے سے آپ سے کہہ رہے ہیں کہ سجاد نہایت قابل اعتماد اور ایسی شخصیت کا مالک ہے جس پر ہر طرح سے بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ ڈیڈی یہ فیصلہ تو ہم نے پہلے ہی کر لیا تھا کہ ہم آپ کو کیا جواب دیں گے لیکن اب سجاد بھائی کے ساتھ یہ تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد ہم ان سے پوری طرح مطمئن ہو گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے سجاد سے آخری بات کئے لیتا ہوں۔" اور اس آخری بات کے لئے سیٹھ ادریس نے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا تھا چونکہ یہ بات سجاد ہی سے کرنا تھی۔ سجاد کو انہوں نے معمول کے مطابق ہی اپنے دفتر میں طلب کیا تھا لیکن اس کے بعد انٹرکام پر اپنی سیکرٹری سے کہہ دیا تھا کہ اس وقت نہ تو انہیں کوئی فون دیا جائے اور نہ ہی کسی ملاقاتی کو بھیجا جائے خواہ وہ کوئی بھی ہو اور باہر اس کا انتظام ہو گیا تھا۔ سیٹھ ادریس نے سجاد کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہو بھئی پہاڑی علاقے کی سیر و سیاحت نے ذہن پر کچھ خوشگوار تاثرات چھوڑے یا حسب معمول ہو؟"

"نہیں جناب ظاہر ہے بڑی خوشگوار کیفیت میں وقت گزرا۔"

"بھئی سجاد میں ڈرامے کرنے کا عادی نہیں ہوں نہ ہی بات گھما پھرا کر کرتا ہوں۔ تمہیں پہلے بھی اس قسم کے اشارے دے چکا ہوں کہ اپنی بچیوں کو میں نے مکمل اعتماد دیا ہے۔ ان کی رائے ہمیشہ مقدم رکھی ہے۔ ان کی خوشی کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو کمربستہ رکھا ہے۔ عکسہ نے دونیا کے رشتے کے لئے تمہاری نشان دہی کی اور میں تم سے اس سلسلے میں گفتگو کر چکا ہوں لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ بالکل آخری گفتگو کر لی جائے۔ میں اجازت دیتا

ہوں تمہیں کہ تم اس وقت میرے اور اپنے درمیان ہر اس حیثیت کو بھول جاؤ جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ ہم دو اچھے دوستوں اچھے ساتھیوں کے مانند گفتگو کریں گے۔ بولو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

"جی۔" سجاد نے آہستہ سے کہا۔

"سجاد ایک بار پھر کہوں گا کہ ماحول کے اس فرق کو مٹانے کے لئے تمہیں کچھ قربانیاں دینا ہوں گی۔ ہم لوگ جس حیثیت کے ہیں تمہیں اس کا اندازہ ہو گا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں خود میں شامل کر کے تمہیں بھی وہی حیثیت بخش دیں یہ ممکن نہیں ہو گا کہ ہم خود تم میں شامل ہو کر تمہاری سطح اپنا لیں۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے والدین سے گفتگو کی جائے تو مجھے اس میں کوئی مشکل پیش آ سکتی ہے؟"

"جی سر۔ آپ کو بدترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" سجاد نے جواب دیا اور سیٹھ ادریس چونک کر سنبھل گئے۔

"مطلب؟"

"اگر آپ باقاعدگی سے ان سے رجوع کرتے ہیں تو آپ کو وہ تلخیاں سننے کو ملیں گی جن سے آپ نہ صرف ان سے بلکہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ اس لئے میرے سلسلے میں کسی اور سے گفتگو کرنے کا خیال دل سے نکال دیجئے گا۔"

"بعد میں کیا ہو گا؟"

"سر میں جانتا ہوں وہاں سے مجھے دھتکار دیا جائے گا اور اس گھر سے میرا تعلق تقریباً ختم ہو جائے گا۔"

"تم ایسا کر سکو گے؟"

"جی سر۔"

"کیوں؟"

"اس لئے سر کہ وہ زندگی پسماندہ ہے' تاریک ہے' میں روشنیوں کا ہم سفر بننا چاہتا ہوں۔"

"کہیں یوں نہ ہو کہ بعد میں جذباتی ہو کر تم میرے لئے الجھن بن جاؤ۔"

"ایسا نہیں ہو گا سر۔"

"بہت اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دو۔"

"اس کے بعد اگر آپ صرف میرے ان ہی الفاظ پر اعتبار کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ بار بار کسی بات کا اظہار کر کے میں خود کو ہلکا محسوس کروں گا۔" سجاد نے جواب دیا اور سیٹھ ادریس گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے گردن ہلا کر کہا۔

"تمہاری طرف سے میں بالکل مطمئن ہو چکا ہوں اس کے باوجود میں تمہارے والدین

ے ضرور ملوں گا۔"

"جی۔"

"ہاں۔ ضروری سمجھتا ہوں۔ دستور دنیا بھی ہے اور پھر بعد میں کہنے کے لئے کوئی بات ی نہیں رہے گی۔ میں تمہیں ان سے چھپانا نہیں چاہتا لیکن اپنا معیار زندگی بھی قائم رکھنا ہتا ہوں۔ انہیں اتنا دے دیا جائے تاکہ وہ بھی مشکل میں نہ رہیں۔ میرے خیال میں یہ ئی ہے بشرطیکہ وہ قبول کریں۔"

"مشکل ہے سر۔"

"کیوں؟"

"وہ کچھ انتہا پسند ہیں۔ میری رائے تو یہ تھی کہ آپ یہ تکلف نہ کریں۔"

"نہیں سجاد میں ضروری سمجھتا ہوں۔" سیٹھ ادریس نے کہا اور سجاد خاموش ہو گیا۔

بعد میں سیٹھ ادریس نے اپنی اہلیہ کو سجاد سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتاتے ئے کہا۔ "یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ میں ان لوگوں کے خد و خال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"بھئی ان کے بارے میں اندازہ ہو جائے کتنا فاصلہ طے کر سکتے ہیں اس سلسلے میں۔ بیٹی کے پورے مستقبل کا سوال ہے۔" سیٹھ ادریس نے کہا۔

❑

شامی نے صبح ہی سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ فراز کی آنکھ بھی کھل گئی۔

"اوہ گدھے یہ کیا کھڑ بڑ لگا رکھی ہے' صبح ہی صبح۔"

"ناشتا تیار ہے حضور؟"

"دماغ خراب ہوا ہے۔ آج چھٹی کا دن ہے۔"

"اور بہت خوبصورت ہے۔"

"کیا؟"

"مجھے جانا ہے یار۔"

"کیا؟" فراز نے آنکھیں پھاڑ دیں۔ پھر اٹھ کر مسہری پر بیٹھ گیا اور شامی کو گھورنے لگا۔ شامی نے خوب عمدہ شیو بنائی تھی اور بڑا نکھرا نکھرا نظر آ رہا تھا۔

"کیا گھور رہے ہو؟"

"تو واقعی سنجیدہ لگ رہا ہے۔" فراز بڑبڑایا۔

"ناشتے کے سلسلے میں؟"

"نہیں میڈم کے سلسلے میں۔"

"ہاں یار میں واقعی سنجیدہ ہوں۔ کمال ہے' تم یقین کیوں نہیں کر پا رہے۔"

"بات کچھ سمجھ میں آتی نہیں ہے۔"

"آ جانی چاہئے کیوں کہ میرے مستقبل کا سوال ہے۔ گارمنٹ سٹی معمولی نوعیت کا ادارہ نہیں ہے تمہیں شاید اس کا علم نہ ہو کہ میڈم گارمنٹ سٹی صرف اس لئے چلا رہی ہیں کہ اس سے بہتوں کی روزی وابستہ ہے میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ وہ مجھے ایک نمائش کے سلسلے میں ملک سے باہر بھیجنا چاہتی تھیں لیکن منع کر دیا میں نے۔"

"یہ ساری باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں شامی لیکن بس ذرا شخصیتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"کمال کی شخصیت ہے۔ بہت اچھی انسان' الجھی الجھی سی' یقیناً ماضی کے حادثے کا شکار......"

"حادثہ کیا تھا' پتا چل سکا؟"

"اب اتنی جلدی تو ساری باتیں پتا نہیں چل جاتیں۔ ہو گا کوئی چکر۔"

"نہیں شامی چکر کا پتا چلنا ضروری ہے۔"

"چل جائے گا' چل جائے گا۔ اب اتنی زیادہ تشویش میں مبتلا نہ ہو۔" شامی نے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "چلو بھئی اٹھو ناشتا کر لو میں نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔"

"منہ ہاتھ دھو لوں ذرا۔" فراز نے کہا اور کچھ دیر کے بعد دونوں ناشتا کر رہے تھے۔ فراز مسلسل تشویش میں مبتلا تھا کہنے لگا۔

"ویسے تو خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ نہ ہمیں دولت چاہئے نہ بہت زیادہ عیش و عشرت۔ مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ بس ذرا میں ایک نگاہ انہیں دیکھ لوں۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ تجھے ان خاتون کے چکر میں پڑنا چاہئے یا نہیں' یار پچاس قسم کے واقعات ہوتے ہیں۔ بعض لوگ کسی کو اس طرح ٹریپ کر کے اپنے مقاصد کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ تو اپنے آپ کو لاکھ چالاک اور شاطر نوجوان کہہ لے مگر مجھے بچہ ہی لگتا ہے اور میں تجھے کسی الجھن میں نہیں پھنسنے دوں گا۔"

"ابھی تو ابتدائی سٹیج ہے۔ ابھی کیا رکھا ہوا ہے' تم بلاوجہ اس قدر تشویش کر رہے ہو۔"

کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر فراز نے کہا۔ "مگر اتنی جلدی نکل جانے کا ارادہ ہے؟"

"ہاں جلدی بلایا بھی ہے اور پھر میں ذرا انعام احمد صاحب سے بھی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھوں گا کس قدر ثابت قدمی سے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔"

"گھر جاؤ گے ان کے؟"

"ہاں وہیں جا کر ملاقات کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بھائی ٹھیک ہے۔"

"ویسے تمہاری بھی دل بستگی کا سامان موجود ہے۔ ذرا ان صاعقہ صاحبہ سے بھی تفصیلی ملاقات کرنی ہے۔ آج موقع تھا مگر خیر کچھ حرج نہیں ہے اور ہاں میں نے پنسل سے یہ نشان لگا دیئے ہیں۔ یہ تصویریں اپنی جگہوں پر لگا دو اور یہ باقی تصویریں فریم کرانی ہیں۔ کل پرسوں میں یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شامی لباس تبدیل کر کے نکل گیا تھا۔ ایک خوبصورت لباس پہنا تھا اس نے اور بلا شبہ دلکش نظر آ رہا تھا۔ انعام احمد صاحب کے گھر پہلی بار گیا تھا۔ حیثیت کا اندازہ تو خیر پہلے ہی ہو گیا تھا۔ کوٹھی بے حد خوبصورت تھی۔ اسے فوراً ہی اندر بلوا لیا گیا اور انعام احمد صاحب حیران حیران سے اس کے سامنے پہنچ گئے۔ اس نے بڑے ادب سے انعام صاحب کو سلام کیا تھا۔

"بھئی اچانک اور بغیر ٹیلی فون کے؟"

"دراصل میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ آپ کی کوٹھی نظر آ گئی سوچا اب ادھر سے جا رہا ہوں تو سلام کرتا چلوں۔"

"بھئی بڑی خوشی ہوئی ہے تمہارے آنے سے۔ اصل میں رات کو ایک گڑبڑ ہو گئی تھی۔"

"خیریت؟" شامی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ویسے تو سب خیریت ہے۔ وہ ڈرائیور کو تو ساتھ لے نہیں جاتا' رازداری کے خیال سے۔ وہاں پہنچا تھا کہ گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا۔ اندازہ ہی نہیں رہا تھا کہ پٹرول نہیں ہے۔ اصل میں ڈرائیور گاڑی لا کر کھڑی کر دیتا ہے صبح کو نکالتا ہے تو پٹرول وغیرہ کا حساب وہی رکھتا ہے۔ اس بے چارے کا بھی قصور نہیں تھا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اتنا پٹرول تو ہے کہ صبح کو جا کر پٹرول بھروا لے۔ میں تو بس خود ہی لے کر نکل گیا تھا۔ وہاں پٹرول ختم ہو گیا۔ واپسی میں بڑی مشکل پیش آئی۔ گاڑی وہیں چھوڑنی پڑی۔ راستے سے گزرتی ہوئی ایک بس میں بیٹھ کر آیا۔ اب صبح کو ڈرائیور کو بھیجا ہے کوئی انتظام کر کے لے جائے گا۔"

شامی نے بڑی مشکل سے قہقہہ ہضم کیا تھا بہرحال اس نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے اسے کہتے ہیں بعض کام کس قدر آسان ہوتے ہیں۔ انعام احمد صاحب لوگ زندگی کے مشکل مرحلوں میں آسانی سے کامیاب ہو جایا کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک ذرا سا کام کس قدر مشکل ہو جاتا ہے۔"

انعام احمد نے ایک گہری سانس لی اور بولے "بات اصل میں یہ ہے شامی اب تم سے

کیا چھپانا؟ اس قدر نزدیک آ گئے ہو کہ غیر لگتے ہی نہیں۔ گارمنٹ سٹی جس انداز میں ترقی کر رہا ہے میں اس کے بارے میں پیش گوئی کئے دیتا ہوں کہ آگے جائے گا۔ اصل میں اس نے ایک گڈول بنائی ہے۔ لوگ جب اس کے مال کی خریداری کی بات کرتے ہیں تو پورے اعتماد سے یہ بات کہتے ہیں کہ کوالٹی میں کبھی کوئی فرق نہیں ہو گا۔ قیمت کا معاملہ طے کر لیا جائے۔ میں اپنے کاروبار کو ایک ٹرن بھی دینا چاہتا ہوں۔ یہ تو اتفاقیہ بات ہے کہ میڈم سے اس طرح ملاقات ہو گئی' ورنہ میں خود بھی اس سلسلے میں کوشش کرتا اور انہیں دیکھ کر تو ذہن ایسا ڈانواں ڈول ہوا ہے کہ اب یہ لحات گزارنے مشکل ہو گئے ہیں۔ کاش کوئی ایسی ترکیب ہوتی کہ یہ لمبا وظیفہ لمحوں میں ختم ہو جاتا۔ چاہے اسے چوبیں گھنٹے پڑھنا پڑتا میں کر لیتا لیکن مجبوری ہے۔ ویسے احتشام احمد کامیابی کے امکانات تو ہیں۔"

"سر ہماری دعائیں بھی تو آپ کے ساتھ ہیں بس اس بات کا خیال رکھئے گا کہ ایک تو درمیان میں وقفہ نہ ہونے پائے۔ اصل میں وظیفہ کا مسلسل جاری رہنا ہی اس کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ ایک بھی دن درمیان سے نکل گیا تو سمجھ لیجئے کہ سب کیا دھرا مٹی میں مل جائے گا۔"

"نہیں' اس کے لئے تو میں نے سارے انتظامات کر لئے ہیں۔ شام کی تمام مصروفیات اس عرصے کے لئے ملتوی کر دی ہیں جس میں وظیفہ پڑھنا ہے۔ کوشش یہی کروں گا کہ اس عرصے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔"

"جی' یہ ازحد ضروری ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کو ہمت سے کام لینا پڑے گا اس قسم کے بہت سے حادثات پیش آ سکتے ہیں جیسے گاڑی کا پیڑول ختم ہو گیا۔ اصل چیز یہی ہے کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ کوئی بگاڑ کچھ نہیں پائے گا آپ کا۔ بس موکل اسی لئے ڈراتے ہیں کہ وظیفہ ختم کر دیا جائے۔"

"حالانکہ بڑی بھیانک جگہ ہے۔ اب رات کو کھنڈرات سے سڑک پر آتے ہوئے جو فاصلہ طے کرنا پڑا بخدا جان نکال لی تھی اس نے' لیکن ہم بھی ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ بہرحال دیکھیں کامیابی مقدر میں ہے بھی یا نہیں ہے۔"

"سلام کے لئے حاضر ہوا تھا اب اجازت چاہتا ہوں۔"

"ارے واہ اس کا کیا سوال ہے بھئی کچھ کھاؤ پیو۔"

"ناشتا کر کے نکلا تھا گھر سے۔"

"پھر بھی چائے کا ایک کپ تو ہو ہی جائے۔"

شامی نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ انعام احمد نے ملازم سے چائے کے لئے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر چلے گئے۔ واپس آئے تو ایک خوبصورت گھڑی ان کے ہاتھ میں تھی اسے شامی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ "یہ باہر سے خریدی تھی' شاید تمہارے ہی لئے

لو۔"

"نہیں انعام صاحب یہ میرے مسلک میں حرام ہے۔" شامی نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اصل میں ایک چھوٹا سا کام کر رہا تھا آپ کے لئے' اگر ایسی کوئی بات نہ ہوتی اور آپ کی یونہی مہربانیاں ہوتیں مجھ پر تو یہ تحفہ قبول کرنے میں مجھے عار نہ ہوتا' لیکن اب یوں سمجھ لیجئے کہ ہر تعلق اس کام سے منسلک ہو گیا ہے اور میں کسی بھی قیمت پر آپ سے کوئی صلہ لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس قسم کے معاملات کا تو تعلق دل سے ہوتا ہے بس آپ کی محبت دل میں گھر کر گئی ہے۔"

"بھئی وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں تو تمہیں دوستی کے طور پر دے رہا ہوں۔"

"نہیں انعام صاحب آپ چائے پلا رہے ہیں وہی میرے لئے ذرا گھمبیر ہے باقی یہ تمام چیزیں برداشت نہ کر پاؤں گا۔ براہ کرم زندگی باقی ہے بہت کچھ لیں گے آپ سے' تکلف میں نہ پڑیئے گا۔"

انعام صاحب کافی متاثر ہوئے تھے شامی نے بہرطور وہ گھڑی قبول نہیں کی کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گیا اب اس سے زیادہ انعام صاحب سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں تھا کیونکہ اسے بہرحال اندازہ ہو گیا تھا ک وہ باقاعدگی سے اپنا وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔

وقت بھی ہو گیا تھا نہ جانے میڈم نے اتنی جلدی آنے کے لئے کیوں کہا تھا؟ ہو سکتا ہے کچھ دفتری امور بھی ہوں۔ اس نے اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ٹیکسی کر کے آخر کار وہ میڈم کی کوٹھی پہنچ گیا۔ عام حالات میں شاید کوئی تکلف ہوتا لیکن اس وقت جو دلچسپ صورت حال تھی اس کے تحت خاصا لطف اندوز ہو رہا تھا وہ کیونکہ اس کا اپنا مزاج بھی اس قسم کا تھا۔

رفعت سے ملاقات ہوئی اور رفعت نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد میڈم ایک سادہ سے لباس میں ملبوس اس کے سامنے پہنچ گئی۔ شامی نے پرادب انداز میں کھڑے ہو کر اسے سلام کیا اور وہ ہنس پڑیں۔ بڑے خوش گوار موڈ میں نظر آ رہی تھی کہنے لگیں۔

"بیٹھو شامی کہو کیسے حال ہیں؟"

"ٹھیک ہوں میڈم۔"

"شامی نہ جانے کتنا عرصہ ہو گیا یہ شہر دیکھے ہوئے۔ اب تو اس کے گلی کوچے ہی بھول گئی' ساحل سمندر' پارک اور کوئی بھی ایسی جگہ یاد نہیں رہی۔ میں نے سوچا کہ آج ذرا ماضی کو دہرا لیا جائے' بس تمہارا ہی خیال دل میں آیا اور اس لئے میں نے تم سے جلدی آنے کے لئے کہا تھا۔ چھٹی کا دن ہے' کوئی خاص مصروفیت تو نہیں تھی؟"

"نہیں میڈم بھلا آپ کے حکم کی تعمیل سے زیادہ کوئی کام کیا حیثیت رکھتا ہے۔"

"پلیز شامی تکلف کا ایک جملہ نہ کہو۔ اس وقت اپنی حیثیت اپنی شخصیت بھلانے کی خواہش مند ہوں۔ نجانے کیوں دل چاہا آج کچھ چینج کر کے دیکھا جائے اس لئے ملازم مت بنو۔ ارے ہاں انعام احمد کی تازہ پوزیشن سے کوئی واقفیت ہے؟"

جواب میں شامی ہنس پڑا اور وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"جی ہاں ابھی انہی کے ہاں سے آ رہا ہوں۔"

"جی۔ ذرا تصدیق کرنا تھی کہ محترم ثابت قدمی سے اپنے مشن کی تکمیل کر رہے ہیں یا نہیں۔"

"اچھا... اچھا پھر کیا ہوا؟"

"وظیفے کے موکل انہیں پریشان کرنا شروع کر چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کل ان کے موکل ان کی گاڑی کا سارا پیٹرول پی گئے تھے۔"

"کیا....؟" وہ حیرت سے بولی اور شامی نے اسے پورا واقعہ سنایا وہ بے اختیار ہنستی رہی تھی اور شامی دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

عمر کی وہ منزل پیچھے چھوڑ آئی تھی جسے نوخیزیت اور نوجوانی کی منزل کہا جا سکتا ہے لیکن اس دور میں درحقیقت قیامت ہو گی۔ پتا نہیں کسی نے اس قیامت پر قابو پانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ یہ ایک گہرا راز تھا جو شامی کے ذہن میں چٹکیاں لیتا رہتا تھا۔ بہرحال ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ وہ راز معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

وہ بہت دیر تک ہنستی رہی اور اس نے کہا۔ "وظیفہ کیا بتا ڈالا ہے ان حضرت کو۔ ویسے شامی یقین کرو تم نے میرے ذہن میں یہ شیطانیت جگائی ہے تم نہ ہوتے تو شاید میں ایسی کسی حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتی۔ وہ مزا چکھاتی ان حضرت کو کہ اس کے بعد وہ دوبارہ کسی فضول بات کی جرات نہ کر پاتے لیکن تم نے اس وقت جس طرح ان کی پذیرائی کی تھی وہ بات مجھے بڑی بھائی۔ میں نے سوچا کہ کم از کم ایسے احمق آدمی کو سخت جواب کے بجائے کوئی اور سزا دینی چاہئے۔ خیر تو ہمارے انعام احمد صاحب بڑی باقاعدگی سے ہمیں پنجرے میں بند کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔"

"جی میڈم۔" شامی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو پھر آج کیا پروگرام ہے؟"

"وہ تو سات بجے کے بعد کھنڈرات جاتے ہیں میڈم۔ اس سے پہلے ان کے لئے کوئی کوشش بے مقصد ہی ہو گی۔"

"آؤ پھر ذرا آج شہر گردی کی جائے۔"

"جی بہتر۔"

"تھوڑی دیر اور رک جاتے ہیں کسی زمانے میں ایک ہوٹل ہوا کرتا تھا الفا کے نام سے۔ بڑے اچھے کھانے ہوتے تھے اس کے۔ اب وہ ہے؟"

"جی ہاں ہے۔"

"تو پھر دوپہر کا کھانا کیوں نہ الفا میں کھایا جائے؟"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"نہیں، نہیں بے تکلفی سے رائے دو کہہ چکی ہوں کہ کچھ وقت کے لئے تکلفات بھول جاؤ۔" میڈم نے سادگی سے کہا لیکن شامی کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی۔ وہ کہنا کیا چاہتی ہے؟ کیا یہ کہ اس کے ساتھ بے تکلفی کا انداز اختیار کیا جائے؟ اس بے تکلفی کو اور آگے بڑھایا جائے اور پھر.... ایک لمحے کے لئے سوچ ترک کرنی پڑی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

"تو پھر میں تیار ہو کر آتی ہوں تم گاڑی ڈرائیو کر لیتے ہو؟"

"جی۔" شامی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں ڈرائیور کو ساتھ نہیں لینا چاہتی تھی۔ ویسے میں خود بھی ڈرائیونگ کر لیتی ہوں لیکن اچھا نہیں لگتا کہ کوئی مرد ساتھ ہو اور عورت ڈرائیو کرے۔"

"نہیں میڈم آپ میری ڈرائیونگ سے غیر مطمئن نہ رہیں گی۔" شامی نے جواب دیا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ شامی پرخیال نگاہوں سے دروازے کو دیکھتا رہا۔ بہت سوچیں دل میں آ رہی تھیں لیکن بلاوجہ ذہن کو پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا اب جو کچھ ہے سامنے آ ہی جائے گا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آ گئی اور بولی۔

"چلیں۔"

"جی۔" تمام باتوں کے باوجود شامی ابھی بے تکلفی کی منازل نہیں طے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باہر نکلنے کے بعد کار کا عقبی دروازہ کھولا اور وہ اطمینان سے پیچھے بیٹھ گئی۔ شامی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ مجھے گائیڈ کریں گی کہ کہاں چلوں؟"

"بس کہا نا آوارہ گردی کریں گے۔ تم شہر کی سڑکوں پر چلو۔" شامی نے گردن ہلا دی اور اس کے بعد وہ آگے کھسک کر شامی سے باتیں کرتی رہی۔ اس نے کہا۔

"تم گاڑی بہت اچھی چلاتے ہو۔ ایک گاڑی خرید لو اپنے لئے۔"

"جی یقیناً۔"

"میں تمہیں کمپنی کے فنڈ سے گاڑی دلوا دوں گی۔ ٹیلی فون کا مسئلہ ہو گیا یا نہیں؟"

"جی میڈم۔ ایک آدھ دن میں ہو جائے گا۔"

"لگ جانا چاہئے تھا اتنی دیر کیسے ہو گئی؟"

"بس وہ محکمہ ٹیلی فون والے ذرا ایسے کاموں میں جلد بازی نہیں کرتے۔ وہ لوگ دیر آید' دیر آید کے قائل ہیں۔"

"دیر آید دیر آید!"

"جی یہاں درست آید تو خیر ممکن نہیں ہے۔" شامی نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شامی سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہو۔ ایک ایک بات یاد کر رہی تھی اور سڑکوں پر گھومتے ہوئے مختلف جگہوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتی جا رہی تھی۔

اس نے کہا۔ "زندگی اتنی قید ہو جاتی ہے کاروبار میں پھنسنے کے بعد کہ خود اپنے گلی کوچوں سے اجنبیت محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم یقین کرو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب مجھ سے شکایت کر رہے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ انسان کے اپنے احساسات ہوتے ہیں جو کچھ بھی سوچ لے اسے ویسا ہی لگنے لگتا ہے۔"

"تم بھی تو کچھ باتیں کرو بھئی ویسے تو بہت بولتے ہو۔ ارے ہاں وہ تم نے ایک قصہ سنایا تھا اپنے گھر کے سامنے والے فلیٹ کا۔"

"جی میڈم۔"

"ان لوگوں سے کچھ سلسلہ جنبانی ہوئی؟ پتا چلی صورت حال؟"

"جی ہاں وہ دونوں بچیاں سوتیلے باپ کے مظالم کا شکار ہیں۔ دوسری شادی کی تھی خاتون نے۔ پہلے شوہر کی موت کے بعد اپنے بچوں کی پرورش کے لئے۔ خود افسانہ نگار ہیں۔ امینہ قدسی کے نام سے شاید لکھتی رہی ہیں۔"

"اوہ مائی گاڈ امینہ قدسی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"جی۔"

"بھئی یہ تو بہت اچھی افسانہ نگار خاتون ہیں بلکہ تھیں اوہو تو یہ ان کا کیس ہے۔"

"جی۔"

"پھر تم لوگوں نے کیا کیا؟"

"میرا تو خیر ان لوگوں سے ابھی تک کوئی واسطہ ہی نہیں پڑا۔ البتہ فراز کچھ کرتا رہتا ہے۔ ابھی تھوڑے دن پہلے خاتون ایک حادثے کا شکار ہو گئی تھیں۔ شاید میں نے آپ کو بتایا تھا۔"

"یاد نہیں رہا مجھے کیا حادثہ ہوا تھا؟" اور جواب میں شامی اس کے بارے میں تفصیل بتاتا رہا۔ وہ سنتی رہی اس نے کہا۔ "دیکھو شامی ایسے لوگوں کے لئے تو کمربستہ رہنا چاہئے ان بچیوں کو بھی ہر طرح سے دلاسہ دیتے رہا کرو۔ میں کسی وقت خود آؤں گی تمہارے فلیٹ۔ ان لوگوں سے ملوں گی۔ ان کے حالات دیکھوں گی۔"

"اصل میں فرید احمد صاحب ریس کے رسیا ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ ایک دفعہ بچی کو مار کر گھر سے نکال دیا تھا انہوں نے۔ ہم لوگوں نے مداخلت کی تو ناراض ہو گئے۔ اور بدزبانی پر اتر آئے۔ اس کے بعد سے ہم نے ذرا احتیاط رکھی تھی لیکن اب ایک ٹپ مل گئی ہے اور اس ٹپ سے ہم فرید احمد صاحب کو چاروں شانے چت کر دیں گے۔"

"کیا ٹپ ہے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ ریس کے رسیا ہیں۔ سنا ہے ساری زندگی گھوڑوں کی شناخت میں گزار دی ہے۔ ریس وغیرہ کھیلتے ہیں اور شاید ہار ہی جاتے ہیں کیونکہ اگر جیتتے تو گھر کے حالات بہتر ہوتے۔"

"فی الحال اتنا کیا ہے کہ جہاں جہاں سے بھی ریس کے گھوڑوں کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو سکیں جمع کر لی ہیں۔ کچھ تصاویر بنوا کر ان کے فریم فلیٹ کی دیواروں پر آویزاں کر دیئے ہیں اور اب صرف اس کا انتظار ہے کہ ایک بار فرید احمد صاحب فلیٹ کا وزٹ کر لیں۔ گھوڑوں کو دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

"واہ اور آئیڈیا یہ کس کا تھا؟"

"خادم ہی کا تھا۔"

"میں جانتی تھی مجھے یقین تھا۔ بھئی اب تو ضرور آؤں گی کسی وقت۔ بڑی دلچسپ صورت حال ہے۔"

"آپ ضرور تشریف لائیے یہ ہماری خوش بختی ہو گی۔ فراز بھی کئی بار آپ کے بارے میں پوچھ چکا ہے۔"

"میں ضرور آؤں گی کسی دن بتا دوں گی تمہیں۔"

وہ ایک کھلنڈری بچی نظر آ رہی تھی۔ ہر بات سے خوش ہو رہی تھی۔ دوپہر کو الفا ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ ایک ایک چیز یاد کر کے منگواتی رہی پھر اس نے کہا۔ "میں بہت بار یہاں نہیں آئی۔ بس ایک دو بار ہی آئی تھی اور یقین کرو بہت پرانی بات ہے۔ مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ ریسٹورنٹ ابھی تک باقی ہے۔ جب میں آئی تھی اور یہاں کھانا کھایا تھا تو مجھے یہاں کا کھانا بے حد پسند آیا تھا لیکن پھر....." وہ خاموش ہو گئی۔

اس کے بعد ساحل سمندر کا رخ کیا گیا۔ آج وہ بالکل اجنبی اجنبی لگ رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زبردستی ہنسنا چاہتی ہو۔ پانی سے اسے ڈر لگتا تھا اس لئے لہروں کے کنارے کنارے دور تک چلتی رہی۔ شامی بہرطور ادب رکھ رہا تھا۔ اس نے فلمی ہیرو بننے کی کوشش نہیں کی تھی اور تہذیب سے اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

میڈم کے کسی انداز سے بھی ایسا محسوس نہیں ہوا تھا جیسے وہ اس سے کچھ زیادہ چاہتی ہو بس ہنسنا بولنا ہی مقصود ہو۔ شامی اس کی ہر خواہش کی پذیرائی کر رہا تھا۔

"آہ کتنا اچھا وقت گزر رہا ہے۔ شامی مجھے تو بہت مزا آ رہا ہے ویسے شامی کس وقت

چلو گے یہاں سے میرا مطلب ہے ان کھنڈرات کی جانب؟"

"میرا خیال ہے میڈم سات بجے کے بعد تو انعام احمد صاحب وہاں جاتے ہیں۔ اصولی طور پر تو ہمیں آٹھ بجے کے قریب وہاں پہنچنا چاہئے۔"

"نہیں گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"کیوں؟"

"جیسا کہ تم نے بتایا کہ وہ ایک ویران جگہ ہے۔ گاڑی کی آواز تو وہاں سن لی جائے گی نا کیونکہ بقول تمہارے سڑک سے اتر کر ان کھنڈرات تک جانا ہوتا ہے۔ ہمیں انعام احمد صاحب کے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچنا چاہئے۔ گاڑی بھی کسی ایسی جگہ چھپانا ہو گی جہاں سے انہیں اس کے بارے میں کوئی شبہ نہ ہو سکے۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"اور ایک بات کہوں؟"

"جی۔"

"ہم انہیں ڈرائیں گے۔" وہ بدستور کھلنڈرے موڈ میں بولی اور شامی مسکراتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔

"لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ڈر سے تو وظیفہ ختم یہ تو وظیفے کی شرط تھی۔"

"یہ تو اچھی بات ہے نا تمہارا بھرم بھی رہ جائے گا کہہ دینا کہ یہ تو پہلی شرط تھی اور ویسے بھی شامی اچھا ہے بے چارہ مصیبت سے بچ جائے گا۔ ورنہ کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے کیا فائدہ ہماری وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"مگر کیسے ڈراؤ گے۔"

"اس کے لئے کوئی انتظام تو کرنا پڑے گا۔" شامی نے کہا اور وہ سوچنے لگی پھر ایک دم ہنس پڑی کہنے لگی۔ "میرے پاس لمبے فر کے کوٹ پڑے ہوئے ہیں۔ باہر سے آئے تھے۔ برفانی علاقوں میں سفر کرنے والی ٹوپیاں بھی ہیں جو بڑے بڑے بالوں سے بنی ہوئی ہیں میرا خیال ہے بہت اچھی رہیں گی گھر سے ساتھ لے لیں گے۔"

"ٹھیک ہے ایسا کر لیں۔" وہ ہنستی رہی پھر تھوڑے فاصلے پر نمکین چنے بیچنے والا ایک شخص گزرا تو اس نے اسے آواز دی۔ گندے کاغذ میں چنے کی دو پڑیاں لیں اور ایک شامی کی جانب بڑھا دی۔ ساحل پر وہ گرم اور مرچوں والے چنے کھاتے پھرے۔ واپسی میں سڑک کے کنارے آلو چھولے بیچنے والا نظر آیا تو وہ اس کی جانب بڑھ گئی۔

"آلو چھولے کھائیں گے؟"

"گاڑی میں منگوا لئے جائیں؟"

"چھوڑو بھئی آلو چھولے کہیں ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں بیٹھ کر کھائے جاتے ہیں اور اگر کھائے بھی جاتے ہیں تو ان کا مزا ختم ہو جاتا ہے۔ وہ جو سامنے سرخ دیوار نظر آ رہی ہے اس پر پاؤں لٹکا کر بیٹھیں گے اور آلو چھولے کھائیں گے۔"

ایسا ہی کیا گیا۔ اس کی آنکھوں سے مرچوں کی وجہ سے پانی بہہ رہا تھا لیکن اس نے دو دفعہ آلو چھولے منگوا کر کھائے اور کہنے لگی۔ "بس دعا کرو مجھے ہیضہ نہ ہو جائے۔ دوپہر کا کھانا پیٹ بھر کر ہی کھا لیا تھا اور اب یہ سب کچھ، مگر ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔"

پونے پانچ بجے کے قریب ساحل سے واپس ہوئے۔ وہ کوٹھی واپس گئی۔ شامی سے اس نے کہا کہ وہ کار میں ہی بیٹھا رہے۔ شامی اندازہ لگا چکا تھا کہ کوٹھی اس کی دہشت اتنی ہی ہے جتنی گارمنٹ سٹی میں۔ ملازم اسے دیکھ کر بدحواس ہو جاتے ہیں اور بوکھلائے بوکھلائے سے بھاگے پھرتے ہیں اور لوگوں سے اس کی کوئی شناسائی نہیں تھی لیکن شامی دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں۔ ابھی اتنا ہی مناسب ہے۔ فر کے وہ بڑے بڑے کوٹ واقعی کارآمد تھے۔ ان میں سے ایک گہرے بھورے رنگ کا تھا۔ دوسرے سفید اور کالے دھبے پڑے ہوئے تھے۔

"ہم دونوں مل کر ڈرائیں گے۔ تمہارے یہ کوٹ بے شک ٹائٹ ہو گا لیکن تھوڑی دیر کی تو ضرورت ہو گی لطف آئے گا واقعی۔"

وہ سوچ سوچ کر ہنستی رہی پھر شامی ڈرائیو کرتا ہوا ایک لمبا سفر طے کر کے ان کھنڈرات کے پاس پہنچ گیا جو سڑک سے ہٹ کر دور تک وسعتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ خاموش ویران انسانی قدموں سے محروم، کوئی آہٹ نہیں تھی، کوئی آواز نہیں تھی، شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اتر آئے تھے لیکن اس وقت تو ہو کا عالم تھا کہ آدم نہ آدم زاد۔ ٹائروں کے نشانات البتہ یہاں نظر آ گئے تھے اور ٹائروں کے نشانات لازمی طور سے جناب انعام احمد صاحب کی کار کے ٹائروں ہی کے تھے۔

بہرحال انہوں نے ایک ایسی جگہ اپنی گاڑی محفوظ کر دی جہاں سے اسے دیکھا نہ جا سکے اور اس کے بعد فر کے کوٹ ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے کھنڈرات میں آگے بڑھنے لگے۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی تھی۔ پرسکون ماحول میں پتھر کی ایک سل منتخب کر لی گئی جو پہلے شاید کوئی دیوار ہو گی لیکن اب زمانے کی کہن سالی کا شکار ایک سمت پڑی ہوئی تھی۔ اس پر بیٹھنے کے بعد وہ آہستہ سے بولی۔ "شامی کتنا عجیب لگتا ہے یہ سب کچھ موت کے بعد کا منظر معلوم ہوتا ہے۔ کیا موت اتنی ہی خاموش ہے۔"

"جی۔"

"میرا مطلب ہے تم ایمانداری سے بتاؤ تمہیں ڈر نہیں لگ رہا۔"

"نہیں میڈم میں ڈرتا نہیں ہوں۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر شامی کو دیکھا۔ ایک لمحے

کے لئے دیکھتی رہی پھر گردن ہلا کر بولی۔

"ہاں تم واقعی نہیں ڈرتے ہو گے۔ میں بھی نہیں ڈرتی لیکن کبھی کبھی بس یہ احساس ہو جاتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جسے خوف نہیں کرنا چاہئے۔ خیر چھوڑو کیسا لگ رہا ہے یہاں؟"

"بہت پرسکون اور بہت ہی اجنبی۔"

"یہی تو میں کہنے والی تھی کہ ماحول کی یہ خاموشی ایک عجیب سا احساس دلاتی ہے۔ ویسے یقین کرو کم از کم میں اس شخص کو اس وحشت میں مبتلا نہ کرتی۔"

"آپ انعام احمد صاحب کے لئے نرم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"بالکل فضول بات ہے۔ ایسے کسی احمق شخص کے لئے میں دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتی لیکن بس میری فطرت میں نہیں ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو اذیت دوں۔ تم نے ایک دلچسپ شرارت کی ہے۔ مجھے پسند بھی ہے لیکن بس احساس ہو رہا ہے کہ یہ سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہئے۔ اچھا ہوا جو آج ہم یہاں آ گئے۔ دیکھیں وہ احمق آدمی ڈرتا بھی ہے یا نہیں۔ اصل میں حماقتیں بڑی اچھی چیز ہوتی ہیں۔ انسان کو بہت سے مصائب سے آزاد کر دیتی ہیں۔"

"جی میڈم۔" شامی نے مختصراً کہا۔ زبان میں نجانے کتنی بار کھجلی ہوئی تھی۔ نجانے کیا کہنا چاہا تھا لیکن پھر اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا پھر دور سے کسی گاڑی کی روشنیاں دکھائی دیں۔ سورج ڈوب چکا تھا لیکن ابھی تھوڑا تھوڑا شفق کا اجالا باقی تھا۔ تاہم انعام احمد صاحب نے ہیڈ لائٹس جلا رکھی تھیں اور بڑی احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کھنڈرات کی جانب آ رہے تھے۔ دونوں پتھر کی سل سے اتر کر اس کی آڑ میں ہو گئے لیکن جگہ ایسی منتخب کی تھی انہوں نے کہ انعام احمد صاحب پر پوری پوری نظر رکھی جا سکتی تھی۔ انعام احمد صاحب نے اپنی خوب صورت کار ایک جگہ روک دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے۔ اجالا اتنا نہیں تھا کہ ان کے چہرے کے نقش دیکھے جا سکتے لیکن چال بتا رہی تھی کہ ڈرے سہمے ہوئے ہیں۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہے تھے۔ ان کا رخ سامنے ہی پڑی ہوئی پتھر کی ایک سل کی جانب تھا جو کار سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ سل کے قریب پہنچ کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا پھر سل پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ آنکھیں بند کیں اور کچھ بدبدانے لگے۔

"اوہ میرے خدا یہ شخص کاروباری ہے۔ صنعتی دنیا میں ایک باعزت مقام رکھتا ہے اگر کوئی اسے اس عالم میں دیکھے تو یقین نہ کر پائے۔ انسان کتنا توہم پرست ہوتا ہے۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ اپنی سطح سے کتنا نیچے اتر آتا ہے؟"

"میڈم انعام احمد صاحب اس وقت بھی کاروبار ہی کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو یہ

نہیں بتایا تھا کہ محترم گارمنٹ سٹی کے بارے میں کیا نظریات رکھتے ہیں؟"

"کیا مطلب گارمنٹ سٹی سے کیا تعلق؟"

"ان کا کہنا ہے کہ گارمنٹ سٹی نے جو اپنی گڈ ول بنا رکھی ہے وہ مستقبل میں اسے بہت بڑا ادارہ بنا دے گی اور اگر آپ کے سلسلے میں ان کی دال گل جائے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

یہ سن کر میڈم کے چہرے پر ایک نمایاں تغیر رونما ہو گیا۔ چند لمحات وہ خاموشی سے خلاء میں گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔ "ہاں وہ گارمنٹ سٹی کے سلسلے میں مجھے اپنے سرمائے کی پیش کش بھی کر چکے ہیں اور اس میں پارٹنر شپ کی خواہش کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ اوہ کمال ہے حالانکہ ابھی ایک لمحے قبل میرے دل میں ان کے لئے ایک نرم گوشہ پیدا ہوا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ شخص بلا وجہ ہی مجھ سے اتنا متاثر ہو گیا ہے کہ میرے لئے اپنا عیش و آرام چھوڑ کر یہاں بیٹھا چلہ کشی کر رہا ہے لیکن.... لیکن آؤ موڈ کچھ خراب ہو گیا ہے۔ اپنا کام کر لیں تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو۔ اس کے بعد بھی اگر یہ شخص حماقتیں کرتا رہا ہے تو پھر مرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔"

شامی بھی تیار ہو گیا۔ دونوں نے فر کے وہ لباس پہن لئے جو بظاہر تو قیمتی اور خوب صورت لباس تھے لیکن ویران کھنڈر کے اس بھیانک ماحول میں انہوں نے ان کی ہیئت غیر انسانی بنا دی تھی۔ میڈم تو پیچھے ہی رہی براؤن رنگ کے لباس میں شامی نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اس کے بعد اچانک ہی اسکے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی کہ خود میڈم اچھل پڑی۔ شامی نے لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں اور انعام احمد صاحب کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے نہایت بے ہنگم اچھل کود شروع کر دی تھی۔ انعام احمد صاحب نے اسے دیکھا اور اچانک ہی پتھر کی سل سے چھلانگ لگا دی۔ دھڑام سے نیچے گرے۔ اور اس طرح کے پاؤں اوپر ہو گئے تھے اور سر نیچے۔ قلابازی کھا کر سیدھے ہوئے۔ شامی اچھل کر پتھر کی اس سل پر چڑھ گیا۔ کار پر ابھی انعام احمد صاحب موجود تھے۔ انعام احمد صاحب کے حلق سے کئی دلخراش چیخیں نکلیں۔ انہوں نے اس بار کار کے بونٹ پر چھلانگ لگائی تھی اور پھر چیخے تھے۔ وہاں سے پھسلے تو دوسری جانب جا گرے۔ کار کا دروازہ الٹی سمت سے کھولا اور نجانے کس طرح اندر جا گھسے میڈم خود کچھ کرنا بھول گئی تھی۔ پیٹ پکڑے ہوئے بے تحاشہ ہنسے جا رہی تھی۔ ادھر شامی پتھر کی سل پر جنگلی رقص پیش کر رہا تھا اور منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالے جا رہا تھا۔ انعام احمد صاحب نجانے کس طرح کار کے اسٹیئرنگ پر پہنچے۔ کار سٹارٹ کی اور فرسٹ گیئر میں ڈالنے کے بجائے ریورس گیئر ڈال دیا پھر ایکسلریٹر بھی چھوڑ دیا۔ کار ایک تیز جھٹکے کے ساتھ پیچھے کو چلی اور پتھروں کے ایک ڈھیر سے ٹکرا گئی پھر پچھلے شیشے وغیرہ ٹوٹنے کی آواز بکھری تھی لیکن انعام احمد صاحب کو ہوش آ گیا۔ بریک لگائے کلچ پر

پاؤں رکھا گیئر بدلا اور اس کے بعد فرسٹ گیئر میں ہی اتنی دور لے گئے کہ گاڑی کا انجن چیختا رہ گیا۔ اس کے بعد وہ بے تحاشہ سڑک کی سمت گاڑی بھگانے لگے تھے۔ میڈم ہنس ہنس کر بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ بہ مشکل تمام اس نے کہا۔

"ارے خدا کے لئے' خدا کے لئے اسے روکنے کی کوشش کرو اس عالم میں تو ضرور کہیں ایکسیڈنٹ کر دے گا۔ مر نہ جائے بے چارہ۔"

شامی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ رک گیا تھا اور وہ سب کچھ بے کار ہی تھا۔ انعام احمد صاحب کسی نہ کسی طرح سڑک پر پہنچ گئے تھے اور پھر چند لمحات کے بعد ان کی کار کی عقبی روشنی گم ہو گئی تھی۔ غالباً ٹیل لائٹ کے شیشے ٹوٹے تھے۔ بلب نہیں ٹوٹا تھا۔ میڈم وہیں پتھر پر بیٹھ کر ہنستی رہی پھر اس نے کہا۔ "شامی درحقیقت بہت شریر ہو تم' تمہارے بارے میں یہی اندازہ تھا میرا۔ خدا کی پناہ چلو بے چارے کو مشکل سے نجات مل گئی۔ بلاوجہ چالیس دن تک مصیبت میں گرفتار رہتا۔ توبہ ہے' واقعی بڑی عجیب بات ہے۔ آؤ اب چلتے ہیں۔ میں تو ہنستے ہنستے مضمحل ہو گئی۔ چلو شامی اور یہ لباس اتار لو سچ مچ بھالو لگ رہے ہو۔"

میڈم اپنا فرکوٹ اتارنے لگی۔ اسے تو کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ فر کے لبے کوٹ اتار کر تہ کئے گئے اور شامی نے میڈم کا کوٹ بھی سنبھال لیا۔

"چلیں میڈم؟"

"ہاں بھئی بڑا عجیب دن گزرا ہے آج اور خدا کرے اسے کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔"

پھر واپسی میں راستے بھر میڈم وقفے وقفے سے ہنستی رہی۔ شہر کے ابتدائی سرے پر پہنچ کر اس نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے راستے میں تو وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ خیریت سے نکل گیا لیکن پھر بھی شامی کل تم اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھے اطلاع دینا۔ اب ایسا کرتی ہوں تمہیں تمہارے فلیٹ پہ اتارے دیتی ہوں۔ اپنے فلیٹ ہی کی جانب چلو۔ وہاں سے میں گاڑی لے کر چلی جاؤں گی۔"

"بہتر ہے۔" شامی نے کہا اور کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے فلیٹ کی بلڈنگ کے سامنے گاڑی روک دی اور پھر جھجکتے ہوئے بولا۔

"یہاں تک تشریف لائی ہیں میڈم....."

"نہیں پلیز شامی ویسے جو وعدہ میں تم سے کر چکی ہوں وہ ضرور پورا کروں گی۔ آؤں گی کسی وقت اطمینان کے ساتھ اور پھر صاعقہ سے بھی ملاقات کروں گی او کے۔"

میڈم کھسک کر اسٹیرنگ پر جا بیٹھیں اور پھر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ جاتے ہوئے اس نے شامی کو ہاتھ ہلایا اور شامی مسکراتی نگاہوں سے اسے دور تک دیکھتا رہا۔

□

حسن بددل ہو گیا تھا۔ اسے تابندہ سے یہ امید نہیں تھی۔ حالات اس حد تک بگڑ گئے

تھے کہ اب انہیں سنبھالنا حسن کے بس کی بات بھی نہیں رہی تھی۔ تابندہ کو بھی اس بات کا احساس ہونا چاہئے اگر وہ ہمت کر کے شہوار کے ساتھ آ جاتی تو اور کچھ نہ سہی لیکن آئندہ کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کر لیا جاتا لیکن تابندہ نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا اور وہ حسن کی بددلی کا باعث بن گیا تھا۔ بہت وقت اس نے سوچوں میں گزارا۔ غزالہ کو کسی بھی شکل میں زندگی میں شامل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تابندہ اب زندگی کا جزو بن گئی تھی۔ اتنی آسانی سے تو اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھی درست تھا کہ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اس کے باوجود زندگی بھر کا معاملہ تھا۔ تھوڑی سی لچک پیدا کرنی چاہئے تھی اسے اپنے اندر۔

ادھر بیرسٹر محمود حسن بھی چراغ پا تھے۔ انہوں نے کھل کر اپنی بیگم سے کہا تھا کہ اور کوئی معاملہ ہوتا تو وہ اچھی طرح سنا کر آتے مرزا سخاوت بیگ کو لیکن حسن کی دلچسپی مدنگاہ تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اتنی فضول باتیں برداشت کیں۔ دوسری شام حسن سے ملاقات ہوئی تو محمود حسن صاحب نے نہ صرف اپنی بیگم فرزانہ بلکہ دونوں بیٹیوں ترنم اور عزیزہ کی موجودگی میں حسن سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں لڑکیوں کو بھی خاص طور سے بلایا گیا تھا۔ حسن مسکراتا ہوا سامنے پہنچا تھا۔

"میں نے اپنے تمام اہل خاندان کو اس لئے جمع کر لیا ہے حسن کے بعد میں کہیں مجھ پر زیادتی کا کوئی الزام عائد نہ ہو جائے لڑکیو! تمام صورت حال تمہاری والدہ کی زبانی تمہارے سامنے آ چکی ہے۔ تمہیں اس لئے نہیں لے گیا تھا میں کہ میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بہرحال حسن بھی موجود ہے تم لوگ بھی ہو۔ مرزا سخاوت بیگ کے ساتھ جو کچھ بھی حالات پیش آئے ہیں کم از کم ہمارا ان میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن جس طرح مرزا صاحب نے ہمارے ساتھ فضول گوئی کی ہے وہ سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔ میں انتہائی معذرت کے ساتھ اب یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس قسم کی زیادتی کرنے والے کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔ میں نے تابندہ کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔ حسن میاں تم بھی سن لو کم از کم اب یہ سب کچھ میری زندگی میں ممکن نہیں ہے۔ میرا اپنا بھی ایک اصول ہے' معیار زندگی ہے۔ اپنے لئے بھی جینا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے لئے بے مقصد بے عزتی نہیں برداشت کر سکتا۔ اس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور سنو خاموشی کسی مسئلے کا حل نہیں پیش کرتی۔ میں ایک مکمل اور جامع جواب چاہتا ہوں تاکہ اپنے ذہن میں بھی ایک فیصلہ کن اطمینان محسوس کروں۔"

"مجھے کیا کرنا چاہئے ڈیڈی؟" حسن نے سوال کیا۔

"اب جب کہ سارا سلسلہ یکسر ختم ہو چکا ہے تو میں اپنی رائے کے طور پر یہی کہوں گا کہ بیرسٹر ہاشم علی ہر طرح ہمارے لئے ایک معزز شخصیت ہیں اور غزالہ بہت اچھی لڑکی

ہے۔ ایسے جوڑے عموماً کامیاب زندگی گزارتے دیکھے گئے ہیں جن کا پروفیشن ایک ہی ہو، بیرسٹر ہاشم علی غزالہ کو امریکہ بھیج رہے ہیں۔ تمہارے لئے بھی انہوں نے پیش کش کی ہے خیر تعلیمی اخراجات کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ میں بھی قلاش آدمی نہیں ہوں لیکن اگر بیرسٹر ہاشم علی کی یہ خواہش ہے کہ وہ غزالہ کو تم سے منسلک کر کے تمہارے تعلیمی اخراجات بھی برداشت کر لے تو میں اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناؤں گا بلکہ میں خوش ہوں کہ میرا سرمایہ میری بیٹیوں کے مستقبل کے لئے محفوظ رہے گا۔ تم نے میری رائے پوچھی ہے نا حسن، تو میں خلوص دل سے یہ بات چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی غزالہ کے ساتھ ہو جائے اور اس کے بعد تم دونوں باہر چلے جاؤ۔"

"اور آپ کا حکم ہے ڈیڈی کہ زبان بند نہ رکھی جائے۔" حسن نے شفاف لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی لوگ فیصلے کرنے کے لئے وقت مانگتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ خود اعتمادی سے محروم ہوتے ہیں۔ آپ نے میرے اندر خود اعتمادی بیدار کی ہے اور آپ کے زیر سایہ میں نے ہمیشہ اعتماد سے اپنے لئے فیصلے کئے ہیں۔ ڈیڈی غزالہ مجھے بالکل ناپسند ہے اور میں کسی بھی قیمت پر اسے شریک زندگی بنانے کو تیار نہیں ہوں۔ میں اس کے ساتھ نباہ نہ کر سکوں گا۔ باقی یہ بات بھی میرے علم میں آئی ہے کہ آپ اپنا سرمایہ میری بہنوں کے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ڈیڈی اطمینان رکھئے گا میں خود بھی اپنی بہنوں کی شادی میں حصہ لوں گا آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس سلسلے میں اور اب آپ کے بخشے ہوئے حوصلے کے سہارے خود اپنے امریکہ جانے کی تیاریاں کروں گا۔ نہ کر سکا ڈیڈی تو آپ سے مدد طلب کروں گا لیکن اس وقت تک آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے جب تک کہ میں مایوس نہ ہو جاؤں، لیکن ڈیڈی امریکہ جا سکوں یا نہ جا سکوں بات کسی شکل میں آگے بڑھے یا نہ بڑھے غزالہ سے شادی میرے لئے کسی طور ممکن نہیں ہے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس بات کا آرزو مند ہوں کہ مجھ سے اس سلسلے میں باز پرس نہ کی جائے جواب بہتر نہ ہوں گے۔"

"گویا تم اپنے طور پر امریکہ جاؤ گے؟"

"عرض کیا ہے نا ڈیڈی کوشش کروں گا۔"

"لیکن اگر ناکام ہو گئے تو اس کے بعد میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"آپ کے اس فیصلے سے مجھے خوشی ہوئی ڈیڈی۔ آپ اطمینان رکھیں۔ اچھا ہوا آپ نے یہ بتا دیا میں اسی طرح اپنے ذہن کو تیار کروں گا۔ ہر شخص میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امریکہ ہی نہیں چلا جاتا کہیں ملازمت کر لوں گا۔ یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ واقعی آپ کے مسائل بہت زیادہ ہیں مجھے اس کا اندازہ ہے۔"

"لفظوں سے کھیلنے کی کوشش مت کرو حسن، تابندہ سے شادی کے بعد بھی تمہیں امریکہ جانا ہی تھا۔ بھلا مرزا سخاوت بیگ اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتے۔ میں نہ صرف تمہارا بلکہ تابندہ کے اخراجات بھی اٹھانا چاہتا تھا اور اٹھاتا اور اب بھی اٹھا سکتا ہوں لیکن ہر شخص کا ایک مطمح نگاہ ہوتا ہے۔ اول تو تمہارے تنہا امریکہ جانے کے حق میں ہی نہیں ہوں اور پھر غزالہ کے ساتھ شادی سے انکار کر کے تم نے ایک طرح سے مجھ سے بالکل عدم تعاون کا اظہار کر دیا ہے۔ جب عدم تعاون کی یہ فضاء پیدا ہو گئی ہے تو پھر مجھے اس قدر احمق بھی نہ سمجھو کہ صرف اس جرم میں تمہارے احکامات کی تعمیل کرتا رہوں گا کہ تمہارا باپ ہوں۔"

"بات وہی ہے ڈیڈی اگر میری تمام زندگی کا سوال نہ ہوتا تو میں آپ کے حکم پر سر جھکا دیتا لیکن ڈیڈی یہ مشکل ہے۔ بہت مشکل ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی تعاون نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے ہوتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے۔ تمام زندگی اگر کسی کے لئے محنت کی جائے اور یہ توقع رکھی جائے کہ اس محنت کا صلہ اور کچھ نہ سہی تو کم از کم سعادت مندی کی صورت میں ہی نکلے گا لیکن مجھے یہ سب نہیں حاصل ہوا۔ افسوس ہے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے حسن اس تمام گفتگو کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ میرے تمہارے درمیان وہ کوئی روابط نہیں ہیں جو لچک رکھتے ہیں تم اپنے طور پر جو کرنا چاہتے ہو کرو میرا اب اس سلسلے سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔"

"بہت بہتر ڈیڈی آپ کا جو بھی حکم ہو اس کے سوا میں غزالہ سے شادی کر لوں۔"

"نہ کرو، میاں نہ کرو اب تو یہ موضوع ہی ختم ہو گیا جا سکتے ہو۔"

"او کے ڈیڈی۔" حسن اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رات کو نو دس بجے کے قریب فرزانہ بیگم اس کے پاس آ گئیں اور کہنے لگیں۔ "حسن میں نے محمود صاحب کو بہت سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن بیٹے اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا سخاوت بیگ نے بہت برا سلوک کیا تھا ان کے ساتھ، تم اب بھی اگر اپنے اندر لچک پیدا کر لو تو......"

"ایک بات سنئے امی، یہ کمرہ میرا ہے۔ چشم تصور میں اس کمرے میں، میں نے تابندہ کو اپنے ساتھ دیکھا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اس کمرے کو اگر میرے لئے قائم رکھا گیا تو تابندہ کا تصور بھی اس سے وابستہ رکھا جائے۔ اگر یہ کمرہ تابندہ کے علاوہ کسی اور سے آباد ہوا تو پھر اس گھر سے میرا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا۔"

❑

سیٹھ ادریس کار سے اتر آئے ذہین آدمی تھے۔ صرف ڈرائیور کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے انہیں تفصیل سے پتہ سمجھا دیا تھا۔ اس وقت وہ گھر میں موجود تھا اور سخت پریشان

نظر آ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے سیٹھ ادریس کی کار دیکھی لی اور اسے پسینہ آنے لگا گھر میں ایسی افراتفری تھی کہ سب کے ایک دوسرے سے رابطے ختم ہو گئے تھے۔ نہ بھائیوں سے مفاہمت تھی نہ بہنوں سے تعلق رہا تھا۔ فیروزہ بیگم بے چاری شوہر کی چکی میں پس رہی تھیں۔ سجاد نے ہی دروازے پر سیٹھ ادریس کا استقبال کیا تھا۔

"میں اندر اطلاع کرتا ہوں آپ تشریف لایئے۔" اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا پھر باپ کے کمرے میں پہنچ گیا اور بولا۔ "وہ ابو۔ میری کمپنی کے مالک آئے ہیں۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"ابو وہ آپ کی عیادت کے لئے آئے ہیں۔"

"تعجب ہے اب اتنے بڑے بڑے لوگ ہم جیسے لوگوں کی عیادت کرنے لگے ہیں۔"

"آپ ان سے مل لیں ابو۔"

"فیروزہ کیا بات ہے؟" مرزا صاحب بولے۔

"کہاں؟"

"ماتھا ٹھنک رہا ہے میرا' دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔ کیا کروں مجھے ڈرائنگ روم میں لے جاؤ گے یا وہ یہاں آئیں گے؟"

"میں آپ کو سہارا دے کر ڈرائنگ روم میں لے جاتا ہوں ابو لیکن براہ کرم انسانیت کا لہجہ برقرار رکھئے گا۔" مرزا صاحب ان دنوں ادھار رکھنے کے قائل نہیں رہے تھے ذرا ذرا سی بات پر چراغ پا ہو جاتے تھے ایک دم بھڑک کر بولے۔ "نہیں میاں حیوان سے انسانیت کی توقع کیا رکھتے ہو ہم بھلا انسانیت کی زبان کیا جانیں ہم تو غیر مہذب اور گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ اصل میں تمہاری کمائی جو کھا رہے ہیں' بیکار ہے معزز اور مہذب لوگوں کے سامنے ہم جیسے گھٹیا لوگوں کو لے جا کر کیوں اپنی بے عزتی کرا رہے ہو۔ تمہاری فرم کے مالک ہیں معمولی شخصیت تو نہ ہو گی ان کی۔"

"ابو۔ ابو میں نے ایسی کوئی بات تو نہیں کہی آپ سے' خدا کے لئے کم از کم باہر سے آنے والے کسی شخص کا خیال تو کر لیجئے آپ کی عیادت کے لئے آئے ہیں وہ اور آپ چلیئے..... اٹھئے۔"

مرزا صاحب شاید کسی قیمت پر نہ مانتے لیکن تجسس خود بھی دل میں تھا کہ آخر اتنے بڑے آدمی کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ فیروزہ بیگم بھی ساتھ تھیں ڈرائنگ روم کے دروازے تک گئی تھیں اور پھر باہر ہی رک گئی تھیں سیٹھ ادریس نے آگے بڑھ کر خود بھی مرزا سخاوت بیگ کو سہارا دیا اور پھر انہیں احترام سے صوفے پر بٹھا دیا۔ مرزا صاحب بیٹھ کر بولے۔

"بڑی بات ہے صاحب بہت بڑی بات ہے لیکن یہ نہیں پتا کہ کیا بات ہے؟"

"میں سمجھا نہیں جناب۔" سیٹھ ادریس بولے۔

"بہت بڑی بات ہے کہ ایک نہایت دولت مند شخص ایک غریب معذور کی عیادت کے لئے آیا اور سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ کیوں آیا ہے؟" سیٹھ ادریس کو ایک جملے سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ مرزا سخاوت بھی خاصی ٹیڑھی کھیر ہیں لیکن وہ خود بھی ایک گھاگ اور کایاں آدمی تھا اور پھر بہت ہی زیادہ وقت بھی نہیں تھا اس کے پاس۔ چنانچہ اس نے کہا۔ "آپ جیسے جہاندیدہ آدمی کو داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا اصل میں عیادت کرنا تو دینی فرض ہے لیکن انسان اتنا خود غرض ہو گیا ہے کہ اپنے مطلب کے بغیر کوئی کام کرتا نہیں ہے۔ مجھے شدید افسوس ہے سجاد پورے حادثے کے بارے میں مجھے تفصیل بتا چکے ہیں واقعی بڑا دلدوز حادثہ ہے لیکن کیا کیا جائے تقدیر کا لکھا....."

"جی۔ جی' آپ کے مزاج کیسے ہیں؟" مرزا سخاوت بیگ نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہوں آپ کو علم ہو گا کہ سجاد میری فرم میں ملازمت کرتے ہیں۔"

"جی ہاں اور غالباً آپ نے اپنی دونوں صاحب زادیوں کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد کر دی ہے۔" مرزا سخاوت بیگ نے کہا اور سجاد کے سینے پر ایک گھونسا سا پڑا۔ مرزا صاحب شروع ہو گئے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ مرزا صاحب کے بارے میں سجاد انہیں سب کچھ بتا چکا تھا۔ سیٹھ ادریس نے یہ بھرپور وار آسانی سے سہ لیا اور مسکرا کر بولا۔ "جی نہیں' غلط اطلاع ملی ہے آپ کو۔ دونوں کی نہیں' میں ایک صاحب زادی کی ذمہ داری ان کے سپرد کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" مرزا سخاوت بیگ چونک کر بولے۔

"آپ کو اطلاع دینا ضروری تھا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ رسم دنیا ہے اور دستور بھی ہے۔ اصل میں میری بیٹی دونیا سجاد کو پسند کرتی ہے' ہم ماڈرن سوسائٹی کے لوگ اولاد کے سینے پر سانپ بن کر نہیں بیٹھتے بلکہ ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہوئے ان کی سنتے ہیں اور ان کا کوئی مسئلہ ہمارے ذریعے حل ہو جاتا ہے تو ہم اس سے گریز نہیں کرتے میری بیٹی نے مجھ سے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ سجاد بیگ کو پسند کرنے لگی ہے تو میں نے سجاد بیگ کا جائزہ لیا۔ ہونہار نوجوان ہے پسماندگی میں پروان چڑھا ہے لیکن اچھی تعلیم ہونے کی وجہ سے اور پھر خود اپنی ذہانت سے اس کے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں بخوبی اندازہ لگایا اور فیصلہ کیا کہ اس کی زندگی کا ایک پہلو میں سمیٹ لوں گا۔ یعنی غربت۔ ظاہر ہے میرا داماد بن جائے گا تو پھر غربت اس سے دور چلی جائے گی۔ میں نے اس بارے میں پوچھا تو اس نے اقرار کر لیا کہ بس اتنا ہی چاہئے تھا مجھے۔ چنانچہ اب آپ کے پاس اجازت لینے آ گیا ہوں۔"

مرزا سخاوت بیگ کے تو پتنگے ہی لگ گئے تھے بہرحال خود کو سنبھال کر بولے۔ "میاں

مسلمان ہو؟"

"جی اللہ کے فضل سے ادریس احمد نام ہے میرا۔"

"بڑا متبرک نام ہے لیکن کچھ سماجی اور مذہبی امور سے واقف ہو؟"

"شاید سمجھتا یہی ہوں۔ کہیں کچھ بھول رہا ہوں تو آپ بتا دیجئے گا۔"

"بیٹی کے باپ ہو کر رشتہ مانگنے آئے ہو؟"

"کیا مذہب اس کے لئے منع کرتا ہے؟" سیٹھ ادریس نے پوچھا۔

"سماج تو منع کرتا ہے۔ کچھ سماجی اور معاشرتی اقدار ہوتے ہیں۔"

"میں نے آپ سے پہلے کہہ دیا تھا مرزا صاحب کہ میں دقیانوسی انسان نہیں ہوں۔ جب میں نے بیٹی کو اس کی پسند کے لئے آزادی دے دی تو پھر بھلا ان احمقانہ سماجی رسموں کی میں کیا پرواہ کرتا۔ یہ تو صرف اس لئے آ گیا ہوں میں یہاں کے بہرحال سجاد آپ کا بیٹا ہے اور آپ کے کچھ حقوق ہیں اس پر۔ میں ان حقوق کو نہیں چھیننا چاہتا تھا۔ اصل میں سجاد دونیا سے شادی کرنے کے بعد میرے ساتھ ہی رہے گا لیکن میں نے سوچا ہے کہ آپ کو بھی اس پسماندگی میں نہ رہنے دیا جائے سجاد ہی کے حوالے سے سہی اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو کسی اچھی جگہ مکان بنا کر دے سکتا ہوں اور اس طرح سے مالی معاونت کر سکتا ہوں آپ کی کہ آپ کی مشکلیں دور ہو جائیں بلکہ اگر ممکن ہو سکا تو آپ کا علاج بھی کرا دوں گا میں اخراجات میرے ذمے ہوں گے آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ بیس سال میں سجاد آپ کو جتنا کما کر دے میں آپ کو پہلے ہی ادائیگی کر دوں تاکہ بعد میں آپ یہ نہ کہیں کہ بیٹے نے معذور باپ کو چھوڑ دیا۔"

"دیکھو سیٹھ ادریس میں ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا لیکن میری آرزو ہے کہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں۔ ہم نجیب الطرفین لوگ ہیں۔ صاحب عزت ہیں۔ نہ اپنی بیٹیوں کو یوں برسر عام لڑکوں کو رجھانے کے لئے چھوڑ دیا کرتے ہیں نہ لڑکوں کو ایسی اجازت دیتے ہیں کہ ہماری مرضی کے بغیر قدم اٹھائیں۔ اگر تم ذرا بھی عزت دار انسان ہو تو ایک لمحے میں میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ یہی سمجھو کہ تمہیں دھکے دیئے جا رہے ہیں کھڑے ہو جاؤ، نکل جاؤ یہاں سے۔"

"ابو کیا کر رہے ہیں آپ، آپ کو علم ہے۔"

"ہاں یہ کہنا چاہتے ہو نا کہ آپ کو علم ہے سیٹھ ادریس مجھے گھر داماد بنا رہے ہیں۔ چڑی کا غلام بنا کر رکھیں گے تمہیں۔"

"آپ نہایت زیادتی کرتے ہیں ابو، سخت زیادتی کرتے ہیں آپ، یہ تو سیٹھ ادریس صاحب ہی کی خواہش تھی بلکہ ان کی شرافت تھی کہ انہوں نے آپ کو نظر انداز نہیں کیا ورنہ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ جس شخص سے وہ ملنے جا رہے ہیں۔ وہ ایک تند خو

انسان ہے اور اس سے کسی بہتر بات کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔"

جواب میں مرزا سخاوت بیگ گندی گندی گالیاں بکنے لگے تھے۔ سیٹھ ادریس مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بہت ہی شاطر انسان تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کے بعد سجاد کہے کہ اسے اپنا گھر یاد آ رہا ہے یا وہ اپنے والدین کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ مرزا سخاوت بیگ جب تک ان میں جان رہی گالیاں بکتے رہے۔ سیٹھ ادریس کو اور سجاد کو برا بھلا کہتے رہے اور وہ خاموش ہوئے تو سجاد نے کہا۔

"ٹھیک ہے ابو میں جا رہا ہوں بہت اچھا ہوا کہ آپ نے اپنا اصل رنگ سیٹھ ادریس کو بھی دکھا دیا۔ سیٹھ صاحب اس جنم میں بھلا میں یا دونیا کیا رہ سکیں گے؟ ہم کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کریں گے اور میں بالکل بھی نہیں چاہتا کہ آپ ان لوگوں کی مالی مدد کریں جنہیں گالیاں بکنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔"

فیروزہ بیگم زار و قطار رونے لگی تھیں لیکن شوہر جو کہہ چکے تھے ان کے سامنے بھلا بولنے کی کیا مجال زندگی بھر کبھی نہیں بولی تھیں۔ بہنیں الگ رو رہی تھیں وہ تو شکر ہے کہ جواد گھر میں موجود نہیں تھا۔ ورنہ شاید ہاتھا پائی بھی ہو جاتی۔

سجاد سیٹھ ادریس کے ساتھ باہر نکل کر ان کی کار میں آ بیٹھا۔ سیٹھ ادریس نے اطمینان سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر کار کی چابی ڈرائیور کے حوالے کر دی پھر جب کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تو سجاد نے کہا۔

"میں سخت شرمندہ ہوں جناب۔"

"میاں کیسی باتیں کرتے ہو۔ اصل میں ہم تو جائزہ لینے آئے تھے یہاں کا۔ یہ بڑا اچھا ہوا کہ تم بھی دل جمعی کے ساتھ یہاں سے چل رہے ہو ہر کام تمہاری مرضی کے مطابق ہو گا اور مجھے اس کا اندازہ ہو گیا ہے کہ تم جیسے ذہین نوجوان کو اب اس ماحول میں رہنا ہی نہیں چاہئے بلکہ اس ماحول کو دیکھ کر تو میں نے کچھ اور فیصلے بھی کئے ہیں۔ سمجھے شادی کے بعد تم اور دونیا بیرون ملک نکل جاؤ گے۔ میں تمام بندوبست کر دوں گا یہاں رہو گے تو یہ لوگ فساد برپا کرتے رہیں گے۔ تمہاری غیر موجودگی میں ان لوگوں سے میں خود نمٹ لوں گا۔"

سجاد خاموش ہو کر سامنے سڑک پر دیکھنے لگا تھا۔

❑

شاہی فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ فراز اس کا انتظار کر رہا تھا اور خوش گوار موڈ میں تھا۔ شاہی نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب تمہارے ذہن پر ہر وقت صاعقہ ہی سوار رہنے لگی ہے۔"

"حضور تکلف کیوں فرما رہے ہیں، اپنے ذہن پر کہئے نا۔"

"کیا بات ہے بہت چہک رہے ہو؟"

"ابے یار' پوچھو مت کیا دن گزرا ہے۔ آج کمال کا دن گزرا ہے اور پھر جو کارنامہ ہم نے سرانجام دیا ہے بھئی واہ۔ مابدولت یہ اعلان کرتے ہیں کہ بہت مختصر وقت میں کروڑوں کی دولت ہمارے قدموں میں نثار ہونے کو تیار ہے۔"

"جا کپڑے بدل۔ کھا پی کر آیا ہے کچھ یا بھوکا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بعض اوقات بھوک میں بھی آدمی پر بحرانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔"

"کیا پکایا ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا خیال درست تھا۔"

"جی نہیں خوب کھا پی لیا ہے۔"

"تو پھر کیوں پوچھ رہے ہو پکانے کے بارے میں؟"

"سوچ رہا ہوں کہ تو نے کچھ کھایا یا نہیں۔"

"جی نہیں' میرے لئے سامنے والے فلیٹ سے کھانا آ گیا تھا کھا چکا ہوں۔"

"بس بکواس مت کر' میں بھوکا ہوں۔" شامی نے کہا اور فراز ہنس پڑا۔

"کمال ہے میڈم نے کھانا نہیں کھلایا تمہیں۔ دن بھر کی مشقت کے بعد بھی ایک وقت کی روٹی نہیں ملی اور خود کروڑ پتی بن رہے ہیں۔"

"بن جاؤں گا' بن جاؤں گا دیکھ لینا ایک دن لیکن کیا واقعی سامنے سے کھانا آیا تھا؟"

"دیکھ لے وہ برتن رکھے ہوئے ہیں۔"

"عیش ہو رہے ہیں یار کمال ہے۔" شامی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تمہارے لئے واقعی کھانا منگوا دوں۔"

"چلو رہنے دو ویسے دن بھر کھایا پیا ہے اور فراز یقین کر وہ مزا آیا ہے کہ بتا نہیں سکتا۔"

"بتا دو کیا حرج ہے؟"

"میرا مطلب ہے کہ میرا اندازہ سو فیصد درست ہے۔ وہ محترمہ جن کے آفس کے سامنے چالیس چالیس گز تک کوئی زور سے نہیں بولتا۔ وہ جنہیں مسکراتا دیکھ کر ان کے آفس کے لوگ حیرت زدہ ہو جاتے ہیں آج وہ میرے ساتھ ساحل سمندر پر گئی تھیں' بازاروں کے چکر لگائے تھے' چنے والے سے چنے خرید کر کھائے' فٹ پاتھ پر بیٹھ کر آلو چھولے کھائے تھے انہوں نے میرے ساتھ اور اس کے بعد.... اور اس کے بعد...." شامی ہنس پڑا فراز ہاتھ کو اس طرح جنبش دے رہا تھا جیسے دھاگا لپیٹ رہا ہو۔

"کیا مطلب ہے تیرا جھوٹ بول رہا ہوں کیا میں؟"

"بولتے رہو' بولتے رہو' لپیٹ رہا ہوں میں۔" فراز نے کہا۔

"دیکھو فراز سنجیدہ ہو جاؤ' ورنہ میں نے پیٹنا شروع کر دیا تو پھر آٹھ آٹھ آنسو بہاؤ گے۔ قسم خدا کی ایک لفظ جھوٹ نہیں کہہ رہا میں' بعد میں ہم نے انعام احمد صاحب کی وہ گت بنائی کہ انعام احمد صاحب یاد کریں گے۔ ابھی تو خیر پوچھنا مناسب نہیں ہے ان سے صبح کو ذرا ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔"

"وہ مجھے سنا ڈالو۔" فراز نے کہا اور شامی انعام احمد کے بارے میں سنانے لگا۔ فراز ہنستا رہا تھا۔ اس دوران شامی کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔ فراز نے آہستہ سے کہا۔

"وہ فرید احمد صاحب شاید کل واپس آ رہے ہیں۔ ان کا کوئی دوست آیا تھا۔ امینہ بیگم کو اطلاع دینے۔"

شامی اس اطلاع پر چونک پڑا۔ اس نے فراز کے چہرے کی طرف دیکھا' فراز کی آنکھوں میں پریشانی کے گہرے آثار تھے۔

شامی چند لمحات گہری نظروں سے فراز کو دیکھتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"یار پتا نہیں کیوں مجھ پر گھبراہٹ سوار ہو گئی ہے۔" فراز نے نروس لہجے میں کہا۔

"احمق ہو پورے۔ بالکل احمق۔۔ برخوردار کوچہ عشق میں قدم رکھا ہے۔ دلیری سے کام لینا ہو گا۔ کیا تصویریں آویزاں کر دیں؟"

"ہاں دیکھ لو آج دن بھر یہی کام کرتا رہا ہوں۔"

"گڈ ویری گڈ۔ ویسے محبت میں آدمی کام کا ہو جاتا ہے۔"

"دیکھو شامی میرا مذاق مت اڑا۔"

"ابے کمال کرتے ہو' یعنی ایک تو ہم پوری طرح تمہارے عشق میں منسلک ہو گئے ہیں اور تم کہتے ہو۔ مذاق نہ کرو۔ تم بے فکر رہو ڈارلنگ' ابھی تو تمہیں گھوڑوں سے متعلق تمام اسرار و رموز سے آگاہ کرنا ہے اور پھر دیکھنا فرید احمد صاحب شیشے میں نہ اترے تو شامی نام نہیں۔ اصل میں جان من تم نے شامی کی صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں کیا۔ ابے تمہیں کیا بتائیں کہ ہم آج کل کس طرح اژدھوں سے لڑ رہے ہیں۔"

"کون سے اژدہے؟"

"ایک اژدہا اور ایک اژدہی۔" شامی نے کہا۔

"کیا؟"

"جناب من' وہ اپنے انعام احمد صاحب کروڑپتی آدمی ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کیا کوئی بے وقوف آدمی کروڑوں کما سکتا ہے اور پھر میڈم' بخدا ناگ رانی ہے پوری ناگ رانی لیکن ہم نے بھی ایسی بین بجائی ہے کہ بس جھومے جا رہی ہے۔" شامی نے آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے کہا۔ فراز مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

"میں تو بس تیرے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

"وہ تو تمہیں کرنی چاہئے۔"

"عجیب چکر چلایا ہوا ہے تم نے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ۔"

"سبحان اللہ' سبحان اللہ' یعنی خود ایک معصوم سی بے بس لڑکی سے رجوع کرتے ہوئے

اسے کھٹک رہی ہے اور ہماری مشکلات کی فکر میں سرگرداں ہو۔"

"ہونا تو چاہئے مجھے' ظاہر ہے تیرا میرا رشتہ ان تمام باتوں سے زیادہ عظیم ہے۔"

"فکر نہ کرو بس تمہاری دعائیں شامل حال ہونی چاہئیں۔ یوں سمجھ بیڑا پار ہے اور تم تصور نہیں کر سکتے کہ کیا کارنامے سرانجام دے رہا ہوں آج کل میں۔ اصل میں یہ بہت بڑے بڑے لوگ جو اعلیٰ درجے کی عمارتوں میں رہتے ہیں' عالیشان کاروں میں گھومتے ہیں' بڑے بڑے ممالک کی سیر کرتے ہیں' سیکڑوں ملازم رکھتے ہیں' انہوں نے اپنا ایک مرکز بنا لیا ہے اور اس مرکز میں اپنی ہی سطح کے لوگوں کو دیکھنا پسند کرتے ہیں لیکن تم یقین کرو کہ اگر انہیں بہت قریب سے دیکھو تو بس اتنی سی تبدیلی پاؤ گے کہ ان میں کہ یہ دولت کے معاملے میں بے فکر ہیں۔ باقی سب اتنے ہی پیدل ہیں جتنے عام لوگ ہوا کرتے ہیں۔ ان کا انداز فکر بالکل مختلف نہیں ہے مگر یار کم از کم ان کی یہ انفرادیت میں تسلیم کرتا ہوں کہ دولت کے حصول میں انہوں نے ہم پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ اصل میں اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں' کچھ تو واقعی ایکسٹرا آرڈنری چالاک ہوتے ہیں اور دولت کمانے کے سلسلے میں ان کے اندر ایک خاص حس چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ باقی بہت سے ایسے ہیں جنہیں پشتینی دولت ملی اور ایک ایسا سیٹ اپ ہے ان کے پاس کہ اس دولت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے یعنی جو کام کر رہے ہیں اس میں بہرطور مہارت رکھتے ہیں۔ اب تم یقین نہیں کرو گے کہ انعام احمد صاحب کو دیکھو کہ بعض اوقات مجھے احساس ہوتا ہے کہ کہیں یہ خود مجھے بے وقوف تو نہیں سمجھ رہے۔"

"تمہیں۔" فراز ہنس پڑا۔

"ہاں ہاں۔ یعنی میرے ہاتھوں بے وقوف بن کر مگر لگتا نہیں ہے' مجھے بے وقوف بنا کے انہیں بھلا کیا حاصل؟ غالباً گارمنٹ سٹی کے چکر میں ہیں۔ میڈم سے رشتے استوار کر کے گارمنٹ سٹی کو اپنے سرمائے سے آگے بڑھانے کی خواہش رکھتے ہیں مگر غلط فیصلہ کیا انہوں نے۔ بھئی یہ تو شامی کا مستقبل ہے' بھلا کوئی اور اس پر کیسے قبضہ جما سکتا ہے؟"

"خدا کے بندے! کچھ عقل کے ناخن لے' عشق کر رہا ہے یا مستقبل کی فکر کر رہا ہے۔"

"کمال ہے بھئی ایک تیر سے دو شکار کرنا اسے کہتے ہیں۔ یعنی میڈم اور میڈم کی بیٹی۔ ہمارا نظریہ بھی انعام احمد صاحب سے مختلف نہیں ہے لیکن ذرا سلیقے سے کچھ محنت کر لی جائے پھر بعد میں دیکھیں گے کہ تقدیر کا فیصلہ کیا ہے؟"

"شامی! تو ایسا ہے نہیں۔" فراز نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پتا نہیں کیوں میرا دل اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ تیرے ذہن کی بات ابھی تک مجھ

سے پوشیدہ ہے۔"

"خیر' خیر اپنی کہو برخوردار۔ ہوائیاں اڑ رہی ہیں چہرے پر۔ میری بات چھوڑ دو۔ میں تو اپنے راستے کسی نہ کسی طرح بنا ہی لوں گا۔"

"میں نے کہا ناکہ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں لیکن کم از کم یہ فیصلہ تو کرلو کہ تمہارے لئے میڈم زیادہ قیمتی ہے یا اس کی دولت؟"

"چھوڑ یار جلدی کیا ہے؟ یہ فیصلہ بھی کرلیں گے لیکن میڈم بڑی خطرناک چیز ہیں۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ لوگ ان کے نام سے کس طرح کانپتے ہیں اور محترمہ میرے ساتھ۔ بس اپنے شامی کو اس عالم میں دیکھو گے تو سینہ فخر سے پھول جائے گا۔ میڈم ہیں کہ شامی شامی کر رہی ہیں اور شامی صاحب ان کی جانب سے بے نیاز ہیں اور اپنے بھائی انعام احمد صاحب....." شامی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اس نے ساری تفصیل فراز کو بتا دی اور پھر فراز کے بھی قہقہے فضا میں گونجتے رہے تھے۔

❑

بیرسٹر محمود حسن بیٹے کی نالائقی سے سخت دل برداشتہ تھے حالانکہ انہوں نے مخلصانہ طور پر حسن کو مرزا سخاوت بیگ کے گھرانے سے منسوب کیا تھا اور ان کی تمام تر حیثیت جاننے کے بعد بھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا تھا کہ وہ ان کے ہم پلہ نہیں ہیں لیکن ان کے اپنے مسائل بھی تھے۔ ایک بیٹا تھا جسے وہ ایک اعلیٰ مستقبل دینے کے خواہش مند تھے۔ در حقیقت اس وقت تک ان کے ذہن میں کوئی غلط تصور نہیں تھا جب تک مرزا سخاوت بیگ کی جانب سے گڑ بڑ نہیں شروع ہوئی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اس مسئلے کو حل کرنے کے خواہش مند تھے اور اگر سخاوت مرزا بیگ خوش دلی کے ساتھ اس رشتے کو سرانجام پہنچانے تک آمادہ ہو جاتے تو بیرسٹر محمود حسن باقی سب کچھ بھول جاتے۔ انہوں نے تو نہایت خلوص سے یہ پیش کش بھی کر دی تھی کہ دونوں طرف کے اخراجات وہ خود اٹھالیں گے لیکن اس کے باوجود مرزا صاحب کا دماغ ہی ٹھکانے نہیں آتا تھا بلکہ انہوں نے کچھ اس قسم کا اظہار کیا تھا جیسے ان کی اس حالت میں بیرسٹر صاحب ہی کا ہاتھ ہے اور اب محمود حسن ہتھے سے اکھڑ گئے تھے اور اپنے گھر میں مرزا سخاوت بیگ کا نام بھی سننے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ اس کے علاوہ انسانی فطرت بھی ان پر غالب آئی تھی۔ درحقیقت بیرسٹر ہاشم علی ان سے زیادہ صاحب حیثیت تھے اور حسن کی تعلیم کے تمام اخراجات اٹھانے کو بخوشی تیار تھے۔ یہ بات بھی بیرسٹر محمود حسن کے لئے دلکشی کا باعث تھی لیکن حسن صاحب اپنی ہٹ چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور ان کے ذہن میں وہی ... کچھ سوار تھا چنانچہ محمود حسن بھی بگڑ گئے اور جلتی پر تیل یہ پڑا کہ آج بھی بیرسٹر ہاشم علی نے کورٹ میں ان سے ملاقات کی تھی۔ حسب معمول پرخلوص انداز میں پیش آئے اور بولے۔

"کہئے جناب محمود حسن صاحب' آپ نے تو ہماری جانب رخ بھی نہیں کیا۔ بھئی اصل صورت حال ہی کچھ ایسی ہے۔ آج کل بیٹے والے بہت مغرور ہو گئے ہیں اور سمجھتے ہیں لڑکی والوں کی بھلا کیا اوقات؟ مگر بھائی ہم تو دوستی کے حوالے سے بات کر رہے تھے اور تھی کہ ہم نے الٹے بانس بریلی پہنچا دیئے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں بیرسٹر صاحب' ہمارے آپ کے تعلقات ان عام باتوں سے بے نیاز ہیں۔ آپ مجھے اتنا گھٹیا انسان سمجھتے ہیں کہ بیٹی کے نام پر میں آپ سے غرور کی بات کروں گا۔ میرا بیٹا ایک ہے اور بیٹیاں دو عدد ہیں۔ بخدا میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"ہاں آپ آدمی تو بہت نفیس ہیں لیکن پھر فرمایئے کیا فیصلہ کیا اس سلسلے میں؟ بھئی مل میں غزل کو میں اب زیادہ عرصے ملک میں رکھ کر وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ یہی عمر ہوتی ہے کہ بچے کچھ بن جائیں اور پھر یہ اتنا خوبصورت تصور ہے۔ دونوں کا ایک ہی پروفیشن' ایک ہی کام میں کمال حاصل کر کے آئیں گے یہ۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن حسن صاحب اپنے حقوق استعمال کرنے پر تل گئے ہیں۔"

"یعنی آپ کے صاحبزادے؟"

"جی۔"

"کیا مطلب؟ بات کچھ وضاحت طلب ہے۔"

"ان کا کہنا ہے کہ پہلے اپنا مستقبل تعمیر کریں گے' اس کے بعد شادی کے بارے میں سوچیں گے۔"

ہاشم علی چند لمحات کے لئے خاموش ہو گئے پھر بولے۔

"ناسمجھی اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ مستقبل خود تعمیر نہیں ہو جاتا۔ ماں باپ کے کندھے پر بیٹھ رہنا دانش مندی تو نہیں ہے۔ خود اپنی جد و جہد سے کچھ کیا جائے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ آپ سمجھاتے نہیں۔"

"بہت کچھ سمجھا چکا ہوں ہاشم علی صاحب۔"

"تب پھر یہی کہوں گا کہ اپنی تقدیر پر سیاہی پوت رہے ہیں۔"

"بے شک آپ سے اتفاق کرتا ہوں میں۔"

"تو گویا تم نے انکار کر دیا؟"

"تقریباً یہی سمجھئے۔" محمود صاحب نے لگی لپٹی کے بغیر کہا اور بیرسٹر ہاشم علی خاموش ہو گئے پھر بولے۔

"مجھے حیرت ہوئی ہے۔"

"اور مجھے شرمندگی۔" محمود صاحب نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ میں نے کہا ان باتوں سے ہمارے تعلقات بہت کم ہیں۔ ہم تو صرف

ان تعلقات کو مزید مستحکم کرنے کے لئے یہ رشتہ قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔" ہاشم علی نے کہا اور بات ختم ہو گئی۔

محمود حسن گھر واپس آئے تو موڈ بہت بگڑا ہوا تھا۔ ادھر حسن اپنی زندگی کے طوفانوں سے لڑ رہا تھا جو کچھ اس پر گزر رہی تھی وہی جانتا تھا۔ حالانکہ سب کچھ کر ڈالا تھا اس نے۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی سوائے مرزا سخاوت بیگ کے۔ بعض بزرگ بھی کس طرح عذاب جان ہو جاتے ہیں اور پھر تابندہ۔ کم از کم اس رشتے کا ہی خیال کیا ہوتا جس میں اتنے عرصے سے منسلک تھے دونوں۔ صاف منع کر دیا۔ اب ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی شہوار دوست تھی کیا فرق پڑتا تھا۔ کیا میری شرافت پر شک کرتی ہے وہ؟ بہرحال اب امید کی کوئی کرن باقی نہیں رہی تھی۔ سنجیدہ نوجوان تھا۔ ہر بات کو دل پر لے لینے کا عادی۔ باپ سے الگ ان بن ہو گئی تھی لیکن امریکہ جانا اس کے لئے کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ یہ بات اس نے کبھی محمود حسن صاحب کو نہیں بتائی تھی کہ یہاں کا ایک بہت بڑا ادارہ اسے سپانسر کرنے کے لئے تیار ہے۔ ان شرائط پر کہ بعد میں وہ اس ادارے کا میڈیکل ایڈوائزر کا عہدہ سنبھال لے گا۔ وہ آج بھی اپنی پیش کش برقرار رکھے ہوئے تھے اور حسن کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی۔ چنانچہ اس سمت سے مایوس ہونے کے بعد حسن نے اس ادارے سے رابطہ قائم کیا اور وہاں اس کی شاندار پذیرائی کی گئی۔ حسن محمود نے اپنے کوائف اس ادارے کو دے دیئے اور ایک ہفتے کے اندر اندر تمام تیاریاں مکمل ہو کر ٹکٹ تک آ گیا۔ تب اس نے گھر میں اس بات کا انکشاف کیا اور یہ وہی دن تھا جب بیرسٹر ہاشم علی اور حسن کی ملاقات ہوئی تھی۔

محمود حسن گھر آ کر فرزانہ بیگم پر بہت بگڑے تھے اور انہوں نے نجانے کیا کیا صلواتیں سنا دی تھیں۔ انہیں کہنے لگے۔ "بدقسمتی ہم لوگوں کی یہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو وہ مقام دینے کی کوشش کرتے ہیں جو ہمارے ذہن میں اعلیٰ ترین ہوتا ہے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ جوان ہونے کے بعد ہماری اولاد کے ذہن میں ہمارا کیا مقام ہے؟ کیا نہیں کیا میں نے اس لڑکے کے لئے۔ بہت سے ایسے مراحل آئے جہاں مجھے لاتعداد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے ان دشواریوں کو فیس کیا۔ انہیں ہر طرح سنبھالا اور آج صاحب زادے اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ وہ میری مرضی کے مطابق عمل کریں۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی پیدائش کا پہلا دن کیا تھا۔ یا ایک طویل عرصہ جو انہوں نے صرف ہماری انگلی پکڑ کر چلتے ہوئے گزارا۔ کیا ہم اس کے حقدار نہیں ہیں کہ ابھی ان کی زندگی کے فیصلے ہمارے ہی ہاتھوں میں رہیں۔ کم از کم اس وقت تک جب تک ہم زندہ ہیں اور پھر کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جو ان کے مزاج کے خلاف ہے۔"

"اب ضد کر رہا ہے تو آپ بھی نظرانداز کر دیجئے بہرحال اب ہمیں اس سے اتفاق کرنا ہی پڑے گا۔"

"اتفاق نہیں کرنا پڑے گا بلکہ یوں کہئے کہ ہماری اولاد نے ہمیں ہماری اوقات بتا دی۔ سمجھا دیا ہمیں کہ ہم اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔"

"آپ براہ کرم اتنے زیادہ نہ الجھیں۔"

"خاک نہ الجھوں۔ ہاشم علی کے سامنے کیسی نگاہیں نیچی کرنی پڑی ہیں۔ وہ بھی کیا سوچتا ہو گا کہ کیسے غلط لوگوں کے درمیان اپنے خلوص کو گنوا بیٹھا۔"

اتنی دیر میں حسن اندر داخل ہو گیا تھا۔ وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں ماں باپ بیٹھے ہوئے تھے۔ ترنم اور عزیزہ اندرونی حصے میں تھیں۔ حسن مسکراتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ محمود حسن بھڑک اٹھے۔

"دیکھا۔ صاحب زادے کے ہونٹوں پر یہ فاخرانہ مسکراہٹ دیکھی۔ یہ والدین کی شکست کی مسکراہٹ ہے۔"

حسن ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے محمود حسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی گستاخی ہو گئی ہے مجھ سے ابو۔"

"نہیں عزیزم' آپ نے تو ہمارا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے۔ بہت سربلند کیا ہے ہمیں آپ نے۔"

"امی کیا بات ہے؟"

"بس وہی قصہ۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" فرزانہ بیگم نے کہا اور حسن بیٹھ گیا۔

"دیکھو حسن' ابھی تمہارے ابو سخت ناراض ہو رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تمہاری پیدائش کے پہلے دن سے آج تک کے فیصلے ہم لوگ کرتے چلے آئے ہیں تو آج ہمارے فیصلوں کو ماننے سے تم کیوں انکار کر رہے ہو؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک باکردار نوجوان ہو اور تم نے کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس سے ہمیں شکایت پیدا ہوئی ہو۔ تم دونوں کی خواہش کے مطابق ہم نے بزرگوں کی حیثیت سے مرزا سخاوت بیگ کے گھر پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا۔ منگنی ہوئی' بعد کے معاملات چلتے رہے۔ ہم نے ان کے تمام مسائل سنبھالنے کی کوشش کی لیکن جب وہ اس پر آمادہ ہی نہیں ہیں تو حسن بتاؤ کیا ہمیں اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ پھر ہم اپنا فیصلہ اپنی پسند کے مطابق کریں۔"

حسن نے سنجیدہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"خلوص دل اور پوری سچائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں امی جان کہ آپ لوگوں کی اس پریشانی کا مجھے شدت سے احساس ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ نے ہمیشہ میرے لئے بہتر سے بہتر انداز میں سوچا' کہیں کسی بھی جگہ آپ نے نہ میری حق تلفی کی اور نہ میری خواہشوں سے انحراف کیا لیکن امی پہلی بات تو یہ کہ غزالہ بیوی کی حیثیت سے مجھے قطعی

پسند نہیں ہے۔ وہ ایک بے باک اور آزاد خیال لڑکی ہے۔ امریکہ ایک مختلف ملک ہے' میں دعویٰ کرتا ہوں کہ وہاں پہنچنے کے بعد اس کی آزاد خیالی اور بیرسٹر ہاشم علی کی جانب سے اس کی ہر فطرت کی پذیرائی آخر کار اسے ماحول سے بے حد مختلف کر دے گی۔ کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں ایک ایسی بیوی کا شوہر بن جاؤں جس کا مزاج میرے مزاج اور میرے خاندانی اقدار سے بالکل مختلف ہو اور جب وہ میری بیوی کی حیثیت سے امریکہ سے واپس آئے تو آپ لوگ اسے دیکھ دیکھ کر شرمندہ ہوں۔ کم از کم اتنا تو اعتماد کیجئے مجھ پر کہ انسان شناسی میں مجھے کچھ مقام حاصل ہو جائے۔ ابو! وہ کسی طور ایک اچھی بیوی نہیں ثابت ہو سکتی۔ دوسری بات مرزا سخاوت بیگ کی ہے۔ دیکھئے انہوں نے واقعی جو رویہ اختیار کیا وہ بڑا افسوس ناک ہے لیکن آپ کا کیا خیال ہے کیا تقدیروں کے فیصلے غلط یا درست کرنا والدین ہی کے ہاتھ میں ہے۔ تابندہ کا آخر اس میں کیا قصور ہے؟ اگر کل مرزا سخاوت بیگ اسے ایک سرخ جوڑا پہنا کر ہمارے گھر روانہ کر دیں تو کیا تابندہ انکار کر دے گی؟ ابو! لڑکیاں ہمارے معاشرے میں بہت مجبور ہوتی ہیں۔ تابندہ کو میں یہ سزا نہیں دے سکتا پھر جب آپ نے مجھے زندگی کی تمام خوشیاں فراہم کر دی ہیں تو میری یہ آخری خوشی بھی قائم رہنے دیجئے۔"

"یہاں مگر کیا کرو گے؟ لے جاؤ تابندہ کو' نکاح کر لو اس سے۔ میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہوں۔ بتاؤ اور کیا کر سکتا ہوں؟"

"نہیں ابو' ہر ایک کی عزت نفس ہوتی ہے۔ نہ تابندہ ایسے کبھی آئے گی اور نہ ہی میں اسے اس طرح لانا پسند کروں گا لیکن میں نے آپ لوگوں سے عرض کر دیا ہے کہ اس گھر میں تابندہ کے لئے ایک جگہ رہنی چاہئے۔ زندگی کے کسی بھی موڑ پر وہ ضرور یہاں پہنچے گی۔ مجھے یقین ہے۔"

"اور ہم کہاں ہوں گے اس وقت؟"

"خدا آپ لوگوں کو زندہ سلامت رکھے۔ ہو سکتا ہے یہ معاملہ زیادہ طوالت نہ اختیار کرے۔"

"ٹھیک ہے میاں' ٹھیک ہے لیکن ایک بات سمجھ لو' میں تمہیں امریکہ اس وقت تک نہیں بھیجوں گا جب تک تمہاری شادی نہ کر دوں۔"

"ابو میں جانا چاہتا ہوں۔" حسن نے کہا۔

"اس کے لئے میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ ہمت کرو میاں اپنے وسائل کو ٹٹولو۔ ہر کام والدین کے کندھوں پر ہی بیٹھ کر کرو گے اور ان سے انحراف کر کے۔ جاؤ جا سکتے ہو تو کل چلے جاؤ' میں بھی دیکھوں کیا امریکہ روانہ ہونا اتنا ہی آسان ہے۔"

حسن ہنس دیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "ابو! میں ہو سکا تو کل ہی روانہ ہونے کی کوشش کروں گا۔ میری امریکہ روانگی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔" حسن کے سنجیدہ

لہجے پر محمود نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر بولے۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"جی ابو' میں نے آپ سے عرض کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو خوشی ہو گی کہ آپ کا بیٹا جو کہتا ہے وہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کے اس تمام کئے دھرے کو بھول رہا ہوں جو آج آپ نے کیا ہے۔ آج تک تو میں آپ ہی کے قدموں پر چلتا رہا ہوں ابو' پہلی بار میں نے آپ کے دیئے ہوئے علم اور آپ کی دی ہوئی ہمت سے تھوڑی بہت کوشش کی ہے اور آپ سے زیادہ خوش اس سلسلے میں اور کون ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یہ تمام کاغذات موجود ہیں یہ ٹکٹ موجود ہے صرف فلائٹ کنفرم کرنی ہے۔ آپ کی اجازت سے۔" حسن نے تمام کاغذات وغیرہ نکال کر محمود حسن کے سامنے ڈال دیئے اور وہ ایک ایک چیز دیکھنے لگے۔ انہوں نے یہ کچھ دیکھا کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔

"گویا تم نے مجھے شکست دے دی؟"

"شکست؟" حسن نے حیرت سے کہا۔

"تم نے ثابت کر دیا ہے کہ اب تم میرے دست نگر نہیں رہے ہو۔"

ان الفاظ پر حسن کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار پھیل گئے۔ فرزانہ بیگم کافی پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"اگر میں تم سے کہوں کہ ابھی ایک سال تک ملک سے باہر نہیں جاؤ گے تو تمہارا کیا جواب ہو گا؟" حسن خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا آپ ایسا کہیں گے؟"

"ہاں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ابھی امریکہ جاؤ۔"

"تو میں آپ سے ضد کروں گا کہ مجھے جانے دیں۔ میں اپنا مستقبل بنانا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری ضد صرف ایک شرط پر پوری کی جا سکتی ہے۔ غزل سے نکاح کرو اور اسے ساتھ لے جاؤ۔ یوں سمجھو یہ میری ضد ہے۔"

"سوری۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میری ان کوششوں میں کامیابی آپ کی شکست نہیں ہے۔ ابھی تو میں زندگی میں بہت سی کامیابیاں حاصل کروں گا۔ میں بہت بڑا ڈاکٹر بنوں گا۔ بے حد دولت کماؤں گا اور میری شہرت ہو گی۔ کیا اس وقت میری اس ترقی کو آپ اپنی شکست سمجھیں گے؟"

"یہ سب اگر میرے ذریعہ' میری خواہش کے مطابق ہو گا تو نہیں دوسری صورت تھا....." بیرسٹر محمود حسن نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ حسن نے بے بسی سے ماں کو دیکھا پھر

بولا

"یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں امی۔ پلیز میرا ذہن بوجھل ہو گیا ہے۔"

"انہیں درمیان میں نہ ڈالو۔ مجھے جواب دو۔" محمود حسن نہ جانے کیوں شدت پسند ہو گئے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ میرا جواب ان کاغذات کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔" حسن نے کہا۔

"گویا....؟"

"جی ہاں مجھے جانا ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"تب پھر میرا تم سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تمہیں عاق کروں گا لیکن صورت ایسی ہی ہو گی۔ میں تم سے دوبارہ کبھی نہیں ملوں گا اور جو لوگ مجھ سے متعلق ہوں گے وہ بھی۔ اس پر غور کر لینا۔" محمود حسن نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" فرزانہ بیگم نے ہول کر کہا۔

"یہ میرا فیصلہ ہے۔" محمود حسن نے کہا اور جگہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ حسن گردن جھکائے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

❑

آج نجانے کتنے عرصے کے بعد اتنا ہنسی تھی۔ نجانے کتنے عرصے کے بعد اس نے اپنے آپ کو زندگی سے قریب محسوس کیا تھا ورنہ زندگی' وہ تو ایک مشین بن کر رہ گئی تھی۔ ملازم تھے' گھر بار تھا' گارمنٹ سٹی تھا' جس میں بے شمار افراد اس کے حکم پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے تھے۔ کاروبار تھا مختلف لوگوں سے چپقلش تھی' مقابلے تھے' ایک تناؤ تھا۔ زندگی میں سب کچھ تھا لیکن وہ یوں محسوس کرتی تھی جیسے وہ صرف دیدہ ور ہو' دیکھ رہی ہو' ایک اجنبی کی طرح اس ماحول سے خود اس کا کوئی تعلق نہ ہو بڑی عجیب سی کیفیت ہوتی تھی اس کی لیکن آج اچانک یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس خواب سے آنکھ کھل گئی ہو۔ بڑا عجیب دن گزرا تھا اور بڑا ہی پر لطف۔

بیڈ روم میں آ گئی۔ ان دنوں کوٹھی میں خوشیاں تھیں۔ سب ملازم تفریحات میں مشغول رہتے تھے۔ اپنے معمولات سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کوئی ایسی بات [illegible] ہونے پائے جو میڈم کی مرضی کے خلاف ہو۔ بس اس کے بعد عیش ہی عیش دلچسپ بات یہ تھی کہ بیگ صاحب بھی ان دنوں کسی کو تنگ نہیں کر رہے تھے۔ انہیں کوئی اور ایسی شکایت نہیں ہو سکی تھی جو میڈم کو ناگوار گزرے اور پھر میڈم بیگ صاحب کے سلسلے میں تو بہت ہی عجیب تھیں۔ کبھی نرم تو ایسی کہ ان پر زندگی قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور کبھی [illegible]ت تو پھر اس طرح کہ بیگ صاحب کا اس سے بڑا دشمن کوئی نظر نہ آئے۔ ہر طرح انہیں [illegible] دینے پر آمادہ' غرضیکہ یہ سب کچھ اب ذرا بدلے ہوئے انداز میں چل رہا تھا۔

رات کو وہ خوشی خوشی اپنے بیڈ روم میں پہنچی تھی۔ مدہم سی روشنی میں بیڈ روم کی ڈیکوریشن دیکھتی رہی تھی۔ انعام احمد صاحب کا تصور کر کے اس کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ یہ شامی بھی خوب نوجوان ہے' زندگی سے بھرپور شرارتوں سے بھرا ہوا' درحقیقت میں نے اس کا انتخاب کر کے بہت اچھا کیا۔ کم از کم اب خوش تو ہے۔ ایک شخص کو خوشیاں دے دینا جو یہ کہے کہ یہاں اولاد پر والدین کی اجارہ داری ہوتی ہے اور اس کے راستے متعین کرنے کا حق انہیں ہی حاصل ہے کیونکہ وہ اولاد کے مالک ہوتے ہیں۔ واقعی کتنے دلدوز الفاظ تھے یہ' لیکن ان الفاظ کو ذہن میں دہرا کر اس کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا' وہ تڑپ کر رہ گئی۔ یہ محسوس ہوا جیسے دماغ سے کوئی بجلی کا ننگا تار چھو گیا ہو۔ اس کا بدن کانپنے لگا اور وہ پسینے میں شرابور ہو گئی۔ نجانے اس کی کیفیت میں تغیر اچانک ہی کیوں رونما ہو گیا تھا حالانکہ چند لمحات قبل ہنسنے کو دل چاہ رہا تھا۔ شامی کی شرارتیں یاد آ رہی تھیں۔ گزرا ہوا دن کتنا خوب صورت لگ رہا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ آگے بڑھی اور کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ پردہ ہٹایا کھڑکی کے پٹ کھولے۔ باہر آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ شاید چودھویں کی رات تھی۔ چاند پورا تھا لیکن کتنا بے نور' کتنا مدھم' کیا عجیب سا چاند ہے' باہر فضاؤں میں سناٹے تھے۔ ہوا بے حد خشک ہو گئی تھی۔ اس کے ہونٹ پیاس کی شدت محسوس کرنے لگے پانی۔ پانی اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ بیڈ روم میں فریج موجود تھا۔ بدن پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جسم یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے منوں وزن تلے دبا ہوا ہو۔ قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی لیکن پیاس کی شدت نے مجبور کر دیا کہ فریج تک پہنچے۔ فریج سے خوب صورت بوتل نکالی۔ اسے ہونٹوں سے لگایا اور اس وقت تک لگائے رہی جب تک بوتل میں پانی رہا پھر اس نے خالی بوتل ایک جانب پھینک دی اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ سب کچھ توڑ پھوڑ دینے کو جی چاہ رہا تھا۔ ہر چیز فنا کر دینے کی خواہش مند تھی۔ بہت زیادہ آگے بڑھ گیا ہے یہ شخص بھلا اسے اس قدر قریب لانے کی کیا گنجائش تھی' نجانے کن غلط فہمیوں کا شکار ہو جائے۔ ایک حد' ایک فاصلہ رہنا چاہئے' وہ بعض باتیں کتنی بے تکلفی سے کہہ جاتا ہے' ہرگز نہیں۔ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے۔

دن کے گزرے ہوئے واقعات اسے ایک جرم محسوس ہو رہے تھے وہ جرم کرتی رہی تھی' یہ جرم نہیں کرنا چاہئے تھا مجھے۔ یہ سب غلط ہے بالکل غلط اور نجانے رات کا [illegible] سا پھر ان تمام سوچوں سے آزاد کرنے کا باعث بنا۔ وہ صوفے کے ہتھے پر سر رکھ [illegible] ئی تھی [illegible] صبح کو فرزندی نے ہی اسے جگایا تھا۔ ان دنوں حالات چونکہ نہایت ہی [illegible] تھے اس لئے ملازموں کے حوصلے بھی بڑھ گئے تھے۔ حالانکہ فرزندی کی یہ مجال نہیں تھی کہ سونے میں مداخلت کرے۔ چاہے وہ کسی عالم میں ہو لیکن اب [illegible] بہت عرصے سے [illegible] ہوا تھا۔ [illegible]ندی تو صرف یہ سوچ کر اس کے قریب [illegible] گئی تھی کہ نجانے بستر [illegible] تکلف ہوئی کہ [illegible]

صوفے پر سو گئی۔ اس نے سرخ آنکھوں سے فرزندی کو دیکھا تو فرزندی محبت سے بولی۔

"سر دکھ گیا ہو گا' گردن بالکل ٹیڑھی تھی۔ ایسے عالم میں اگر پسینہ آ جائے تو گردن میں شدید درد ہو جاتا ہے۔ آپ ابھی سوئیں گی میڈم؟ اگر سوئیں گی تو بستر پر چلیے۔"

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ خونی نگاہوں سے اس نے فرزندی کو دیکھا۔ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دانت پیستی ہوئی بولی۔

"تم میری ماں بننے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"جج....جی۔"

"میں پوچھتی ہوں کیوں نازل ہوئی ہو اس وقت بیڈ روم میں؟"

"بچ....بچ....چلی جاتی ہوں میڈم۔ وہ بس بیڈ ٹی لے کر آئی تھی۔ آپ کو سوتے ہوئے دیکھا تو؟"

"فرزندی! اگر میرے پاس پستول ہوتا تو تجھے گولی مار دیتی۔ فوراً اپنی منحوس صورت لے کر یہاں سے دفع ہو جا' اب دن بھر مجھے نظر آنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھائے گی میرے ہاتھوں۔"

"جج....جی....جی۔" فرزندی ایسی بھاگی کہ پلٹ کر نہ دیکھا۔

یہ کیا ہو گیا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ ماحول میں عجیب سا شور برپا تھا۔ دماغ درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ ایک بار پھر وہ بیڈ روم فریج کے پاس پہنچی پانی کی بوتل نکالی۔ ڈگمگا کر پانی پیا اور اس کے بعد کھڑکی کی جانب متوجہ ہو گئی جس سے سورج کی منحوس روشنی اندر آ رہی تھی اور اس قدر بری لگ رہی تھی کہ آنکھیں حلقوں سے نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے کھڑکی بند کی۔ پردہ ڈالا اور کراہتی ہوئی باتھ روم کی جانب چل پڑی۔ دروازے پر پہنچ کر رکی' واپس پلٹی۔ الماری سے ایک لباس نکالا اور دوبارہ باتھ روم کی جانب چلی گئی پھر ٹھنڈے پانی کے نیچے نجانے کتنا وقت گزر گیا' وہ پانی اپنے سر سے گزارتی رہی تھی لیکن وجود میں ٹھنڈک کا کوئی احساس نہیں تھا پھر بال سیدھے سیدھے باندھے۔ لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آئی قیمتی برتنوں میں چائے ابھی تک گرم تھی۔ ایک مدھم مدھم سی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آگے بڑھی' چائے کی ایک پیالی بنا کر پی اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر بے چین سی ہو کر باہر نکل آئی۔ بدقسمتی سے بیگ صاحب سامنے ہی وہیل چیئر پر موجود تھے اور رفعت انہیں دھکیلتا ہوا آگے لے جا رہا تھا۔ اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔ بیگ صاحب نے اسے دیکھ لیا۔ رفعت سے کہا کہ وہ انہیں اس کے پاس لے چلے اور رفعت آہستہ آہستہ قریب آ گیا۔ وہ ایک بالکونی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی جو اندر کی سمت تھی اور باہر کے مناظر اس سے نظر آتے تھے۔ بیگ صاحب نے کہا۔

"میں کئی دن سے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں۔ تم یا تو خود مجھے اپنے ساتھ لے کر کہیں باہر چلو یہاں ایک ہی ماحول کو دیکھتے دیکھتے طبیعت اکتا گئی ہے یا پھر کسی سے کچھ کہو کہ مجھے کار میں گھمانے لے جائے۔"

"میں ایک مشورہ دوں آپ کو۔" وہ پھنکارتی ہوئی بولی۔

"کیا؟" بیگ صاحب بولے۔

"میں نے آپ کے لئے قبرستان میں قبر کی جگہ بک کرائی ہوئی ہے۔ فی الحال اس پر سیمنٹ کرا دیا گیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو کسی کو ساتھ لے کر قبرستان چلے جائیں۔ قبر کھدوائیں اور اس میں لیٹ جائیں اس کے علاوہ آپ کا اور کیا مصرف ہے؟"

"کک... کیا کہہ رہی ہو۔ مجھے ایسے مذاق اچھے نہیں لگتے۔"

"مذاق؟" وہ دانت پیستی ہوئی بولی۔

"تو اور کیا' کیسی باتیں کئے جا رہی ہو تم؟"

"رفعت لے جاؤ انہیں۔ میں کہتی ہوں لے جاؤ ان کے کمرے میں جا کر چھوڑ آؤ اور دروازہ باہر سے بند کر دو۔"

"جج... جی میڈم۔" رفعت نے کہا۔ بیگ صاحب چیختے رہ گئے اور رفعت ان کی گاڑی دھکیلتا ہوا دور نکل گیا۔ فرزندی نے غالباً دوسرے لوگوں کو اطلاع دے دی تھی کہ آج موسم پھر بدل گیا ہے چنانچہ ملازم دور دور ہی نظر آ رہے تھے۔ وہ آگے بڑھی ناصر سامنے موجود تھا۔ اس نے انگلی کے اشارے سے ناصر کو بلایا اور ناصر کانپتا ہوا قریب آ گیا۔

"جی میڈم۔"

"گاڑی کی چابی۔" اس نے ہاتھ پھیلایا۔

"ابھی۔ ابھی لاتا ہوں۔ ابھی لاتا ہوں۔" ناصر دوڑ کر گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے گاڑی کی چابی لا کر اس کے حوالے کر دی۔ اس نے اپنا پرس نکال کر ساتھ رکھا۔ گاڑی میں جا کر بیٹھی اور اسے اسٹارٹ کر کے باہر نکل آئی۔ سڑکوں پر نجانے کب تک کار بے مقصد دوڑتی رہی تھی اور اس کے بعد اس کا رخ ساحل سمندر کی جانب ہو گیا تھا۔ پھر وہ سمندر پر اتنی دور تک چلی گئی جہاں تک گاڑی جا سکتی تھی اور جب آگے گاڑی جانے کا راستہ نہ رہا تو اس نے انجن بند کیا اور نیچے اتر آئی۔ سامنے ہی سیاہ بدنما چٹانیں موجود تھیں جن سے سمندر کی پرشور لہریں پوری قوت سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک چٹان پر جا بیٹھی۔ سمندر شباب پر تھا اور فضا میں بہت بلند ہو رہا تھا۔ وہ چٹان پر بیٹھی رہی اور پانی اسے بھگونے لگا۔ بڑی خطرناک جگہ تھی۔ سمندر کی کوئی شوریدہ سر لہر اس کے سر سے بھی گزر سکتی تھی لیکن اس وقت سمندر اسے اپنی فطرت سے ہم آہنگ محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک پراسرار مفاہمت چل رہی تھی۔ سمندر کی کوئی لہر اس قدر اونچی

نہ ہوئی کہ اسے اپنے آپ میں جذب کر لیتی اور وہ خاموشی سے بیٹھی اس بپھرے ہوئے سمندر کو دیکھتی رہی۔

❑

یہ بات پہلے ہی طے ہوگئی تھی کہ آج ڈیوٹی پر آنے سے پہلے شامی کو آؤٹ ڈور جانا تھا۔ کچھ اسٹورز سے معاملات کرنے تھے' مارکیٹ میں کچھ آئٹمز دیکھنے تھے' چنانچہ شامی گھر سے نکلنے کے بعد اپنے کاموں میں مصروف ہوگیا تھا۔ اسی دوران اس نے خاص طور سے محنت کر کے ریس کورس گائیڈ اور گھوڑوں سے متعلق معلومات کی جو کتابیں حاصل ہو سکتی تھیں وہ بھی خرید لی تھیں۔ فراز کا معاملہ اس کی نگاہوں میں بہت سنجیدہ تھا۔ فراز مختلف طبیعت کا نوجوان تھا اور شامی سے زیادہ یہ بات اور کون جان سکتا تھا کہ زندگی میں وہ کم ہی ایسے کسی معاملے میں ملوث ہوا ہے اور اب اگر ملوث ہوگیا ہے تو پھر یہ تصور اس کے ذہن سے نکالنا ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ کچھ شامی کے علم میں آیا تھا۔ اس نے شامی کو ذاتی طور پر بھی اس معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کے لئے ذریعہ وہی ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ پہلے فرید احمد صاحب تک رسائی حاصل کی جائے' اس کے بعد بات آگے بڑھ سکتی ہے اور فرید احمد صاحب صرف اپنے شوق کے ہاتھوں زیر ہو سکتے تھے چنانچہ شامی کے علاوہ بھلا اور کون تھا جو ان معاملات کو صحیح انداز میں ہینڈل کر سکتا۔ بے چارہ فراز تو ایسی کسی مسئلے میں بالکل معصوم تھا۔

بہرحال کوئی ساڑھے گیارہ بجے تک وہ ان کاموں میں مصروف رہا۔ اس کے بعد وہ واپس آفس پہنچا۔ لنچ ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تھی۔ کچھ ایسے معاملات تھے جو میڈم کے علم میں لانا ضروری تھے اور پھر ویسے بھی میڈم سے ملاقات تو کرنا ہی تھی۔ انٹرکام پر مس مینا سے بات ہوئی اور مس مینا نے بتایا کہ میڈم آج آفس نہیں آئی ہیں۔

"ارے کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"اب اس کیوں کے بارے میں تو میں اندازہ نہیں کر سکتی۔"

"مطلب یہ ہے کہ کوئی اطلاع ہے انکے بارے میں کہ آفس کیوں نہیں آئیں؟"

"نہیں' وہ کبھی اطلاع نہیں دیتیں۔"

"کمال ہے' پھر آفس کے معاملات صحیح انداز میں کیسے چل سکیں گے یعنی بغیر اطلاع غائب ہیں۔"

"آپ ذکی صاحب سے ملاقات کر لیجئے۔"

"جی ہاں!! اب یہی کرنا پڑے گا لیکن وہ آفس کیوں نہیں آئیں آخر؟ تعجب ہے۔" شامی نے فون بند کیا اپنی جگہ سے اٹھا اور ذکی صاحب کے دفتر پہنچ گیا' ذکی صاحب نے ایک مشفق مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا۔

"آیئے شامی صاحب۔"

"میڈم آج نہیں آئیں ذکی صاحب؟"

"جی ہاں۔ گھر سے فون آیا تھا کہ طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"میڈم کا فون آیا تھا؟"

"نہیں' ناصر صاحب کا فون آیا تھا' وہ ان کے ہاؤس سیکرٹری ہیں۔"

"بیمار ہوگئی ہیں؟" شامی تشویش سے بولا۔

"ہاں۔ اکثر ان کی طبیعت خراب رہتی ہے۔"

"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک نظر آتی ہیں' تندرست ہیں۔ چاق و چوبند ہیں' یہ طبیعت کیوں ناساز رہتی ہے؟" ذکی صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"آپ تشریف رکھئے' کوئی خاص کام ہے ان سے؟"

"جی ہاں' مارکیٹ کی کچھ رپورٹس لایا ہوں' دکھانی تھیں؟"

"مناسب سمجھیں تو مجھے دکھا دیجئے گا۔"

"یقیناً اس میں نامناسب ہونے کی کیا بات ہے؟" شامی انہیں اپنی کارروائی کی تفصیل سمجھاتا رہا۔ ذکی صاحب پوری سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہے تھے انہوں نے کہا۔

"واقعی شامی صاحب' یہ تو آپ نے بڑے انوکھے انکشافات کئے ہیں' یوں لگتا ہے کہ لوگوں نے ایمان داری سے کام کرنا چھوڑ دیا ہے' اب آپ دیکھئے جن اداروں پر ہم اتنا ٹرسٹ کرتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ اس قسم کی بدمعاملگی کر سکتے ہیں۔"

"ایک ایک کو فٹ کر دوں گا' اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ بے شمار لوگ اپنا کام نہایت دیانت داری اور ایمان داری سے کرتے ہیں۔ اصل میں ادارے کو خدا کے فضل و کرم سے کوئی خسارہ نہیں ہے' ہم لوگ ہر طرح سے اپنا کام چلا سکتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ سب کچھ ایمان داری سے کیوں نہ ہو' جہاں ادارے کے مفاد کا معاملہ آئے وہاں ہماری تھوڑی سی محنت ادارے کو فائدہ کیوں نہ پہنچائے۔"

"آپ بے حد نفیس انسان ہیں شامی صاحب' میڈم بھی اس بات کو بار بار تسلیم کر چکی ہیں اور میں ذاتی طور پر بھی آپ کی اس نیکی اور ایمانداری کا قائل ہوں۔"

"ذکی صاحب! ضرورتیں تو انسان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتیں وہ لکھ پتی سے کروڑ پتی اور کروڑ پتی سے ارب پتی بننا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بے مقصد جدوجہد کیوں کی جائے' زندگی اسی تردد میں گزر جاتی ہے کہ کیسے کروڑ پتی اور کیسے ارب پتی بنا جائے آدمی اپنی ضرورتوں کے درمیان کیوں نہ رہے اور جب ضرورتیں زیادہ پریشان کریں تو بہتر ہے ایمان داری سے ہی کام کیا جائے۔"

"اس نوجوانی کی عمر میں آپ کے خیالات واقعی بڑے نفیس ہیں۔"

"لیکن یہ میڈم! میں پوچھتا ہوں آخر یہ ہیں کیا؟ اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتاتی ہی نہیں ہیں، بھئی دیکھئے نا ہم لوگ ان سے اس قدر منسلک ہیں، ہمیں ان کی صحت بھی عزیز ہے، ان کی مشکلات بھی، کسی سے کچھ کہیں تو پتا چلے کہ کس تکلیف کا شکار ہیں۔" شاہی نے کہا اور ذکی صاحب چونک پڑے پھر وہ معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"شاہی صاحب ایک بزرگ کی حیثیت سے ایک مشورہ دوں آپ کو؟"

"جی۔"

"دیکھئے، میڈم ایک الجھی ہوئی کتاب ہیں آپ ان کا نام جانتے ہیں؟"

"نہیں؟"

"آپ یقین کیجئے میں بھی نہیں جانتا، وہ دستخط کرتی ہیں لیکن اتنے غیرواضح کہ ان کے نام کا پتا نہیں چلتا، ان کی شخصیت کا کوئی پہلو کسی کے سامنے نہیں ہے، ہمارے پاس کوئی ایسا کاغذ آج تک نہیں آیا جن میں ان کے نام کی وضاحت ہو سکے، بس زیادہ سے زیادہ بیگ صاحب کا نام علم میں آ جاتا ہے، نجانے انہوں نے اپنے آپ کو اس قدر چھپانے کی کوشش کیوں کی ہے، خیر یہ الگ بات ہے۔ آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ کبھی ان کے ذاتی معاملات کو مت کریدیئے گا نقصان پہنچ جائے گا آپ کو۔"

"آپ نے میرے ابھی کہے ہوئے الفاظ سنے ذکی صاحب، جب ایک آدمی کو اس بات کی پرواہ نہیں ہو سکتی کہ اس کے پاس زیادہ دولت آئے تو اسے اس بات کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ نوکری رہے گی یا چلی جائے گی، یہ میڈم اپنے آپ کو اس قدر چھپاتی ہیں، میں انہیں کتاب کی طرح کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں گا، یہ آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"ارے نہیں نہیں پلیز۔ ایسا کوئی عمل اپنی جانب سے نہ کیجئے گا۔"

"اچھا خیر ذکی صاحب! یہ جو کچھ میں نے آپ کو پیش کیا ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہے، ہو سکتا ہے وہ کل تشریف لائیں آپ ڈسکس کر لیجئے گا ان سے مجھے ملیں تو میں بھی بات کر لوں گا۔"

"آپ آرام کیجئے، میں ان سب کا جائزہ لے لوں گا۔" ذکی صاحب نے کہا اور شاہی اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کچھ دیر تک وہ میڈم کے بارے میں سوچتا رہا۔ واقعی ایک انوکھی شخصیت ہے لیکن گزرا ہوا دن جس انداز میں گزرا تھا، وہ تو بہت اچھا تھا، ذکی صاحب اپنی بات کر رہے ہیں میرا تو مسئلہ ہی کچھ اور ہے، کل وہ جس انداز میں خوش و خرم نظر آ رہی تھیں بچوں کی طرح ہنس بول رہی تھی اور جو مشاغل دن بھر کے رہے تھے اس کے بعد بھلا تکلف کی کیا گنجائش تھی اور پھر شاہی کے ذہن کی گہرائیوں میں یہ بات بیٹھتی چلی جا رہی تھی کہ میڈم کی خصوصی عنایات بے مقصد نہیں ہیں۔

شام کو اس نے سوچا کہ کم از کم عیادت کو تو جائے، ہو سکتا ہے کل دن میں اتنی زیادہ

معروفیت کی بنا پر تھک گئی ہو، دل میں خیال کرے گی کہ پوچھنے تک نہ آیا، جانا چاہئے، ضرور جانا چاہئے۔ چنانچہ شام کو آفس سے نکلنے کے بعد شاہی ٹیکسی میں بیٹھ کر میڈم کی کوٹھی کی جانب چل پڑا تھا۔ ذہن میں متعدد خیالات تھے۔ کوٹھی کے سامنے ٹیکسی سے اترا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے لان پر ڈاکٹر اعجاز بیٹھے ہوئے تھے ویسے میڈم کی کار نظر نہیں آ رہی تھی، ڈاکٹر اعجاز نے شاہی کو پہچان لیا۔ شاہی بھی انہیں میڈم کے آفس میں دیکھ چکا تھا۔ ڈاکٹر اعجاز نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور شاہی نے انہیں بڑے ادب سے سلام کیا۔ مصافحہ کیا ڈاکٹر اعجاز کہنے لگے۔

"آپ کا نام احتشام احمد ہے نا۔"

"جناب عالی۔"

"اندر جانا ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی خاص....؟"

"میڈم سے ملنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔"

"گڈ، پھر آیئے یہیں لان پر بیٹھتے ہیں، میڈم گھر میں موجود نہیں ہیں۔"

"اوہو کہیں گئی ہوئی ہیں۔"

"جی ہاں۔ صبح سے نکلی ہوئی ہیں۔"

"لیکن کہاں؟"

"یہ کسی کو نہیں معلوم۔"

"مگر آفس میں مجھے پتا چلا تھا کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔"

"جی ہاں یقیناً۔"

"اور وہ باہر نکل گئیں؟" شاہی نے عجیب سے لہجے میں کہا اور ڈاکٹر اعجاز اسے بغور دیکھنے لگے۔

"یہ الفاظ آپ ان کے سامنے کہہ سکتے ہیں؟"

"کون سے الفاظ؟"

"یہی کہ طبیعت خراب ہونے کے باوجود وہ باہر نکل گئیں، تشریف رکھئے۔" ڈاکٹر اعجاز خود بھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے شاہی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا ان الفاظ میں کوئی خاص بات ہے؟"

"احتشام احمد صاحب! خاصے دن ہو گئے آپ کو "گارمنٹ سٹی" میں ملازمت کرتے ہوئے آپ کو میڈم کی طبیعت کے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"بہت عجیب ہیں وہ، لیکن بہرحال انسان تو ہیں۔"

"انسان؟ ہاں ہیں تو انسان ہی لیکن۔ خیر، البتہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ آپ سے بڑی یگانگت رکھتی ہیں۔"

"جی ہاں' میں ان کی اس عنایت کا دل سے شکر گزار ہوں۔ میرے ساتھ ہمیشہ ہی انہوں نے بہتر رویہ اختیار کیا۔"

اب شامی اس قدر احمق بھی نہیں تھا کہ جو بات فراز سے کہہ سکے وہ ہر جگہ کہنا شروع کر دے' بہر حال وہ اس کی فرم کی مالک تھی اور وہ ملازم اور پھر اگر بات اس سے کچھ مختلف تھی بھی تو کم از کم اسے اس طرح منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹر اعجاز نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولے۔

"اصل میں شامی صاحب۔ معاف کیجئے گا مجھے علم ہے کہ آپ سے بے تکلف لوگ آپ کو شامی ہی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔"

"نہیں جناب کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔"

"تو شامی صاحب! پچھلے کافی دنوں سے میں نے محسوس کیا ہے کہ میڈم کی طبیعت میں ایک شگفتگی پیدا ہو گئی ہے اور لعلؔ کی وجہ میں آپ کو سمجھتا ہوں' اصل میں' میں ان کا خاندانی معالج ہوں اور پھر وہ کچھ اس طبیعت کی مالک ہیں کہ بات صرف کاروباری نہیں رہ گئی ہے' میری دلی آرزو ہے کہ وہ صحت مند اور تندرست رہیں۔ وہ کچھ ایسی الجھنوں کا شکار ہیں جو آج تک کسی کے علم میں نہیں آ سکیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ کچھ ہے ضرور' ان کی طبیعت میں یہ شگفتگی میرے اپنے اندازے کے مطابق آپ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو مجھ سے رابطہ رکھیں اور میرے مشوروں کے ساتھ میڈم سے ڈیلنگ کریں اس طرح ہم ان کو ایک بہتر اور خوش گوار زندگی کی جانب لا سکتے ہیں کیا آپ مجھ سے تعاون کریں گے؟"

"اگر میرے تعاون سے میڈم کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو مجھے یہ تعاون کرنا چاہئے۔"

"بے حد شکریہ' میں یہ بات کہتے ہوئے بڑا جھجک رہا تھا لیکن آپ فطرتاً بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں' مجھے یقین ہے کہ اگر ہم دونوں مل کر کوشش کریں تو میڈم کی شخصیت کے بارے میں بھی اندازہ لگا سکتے ہیں اور انہیں ہم دونوں کی ذات سے کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"ایسی کوئی بات ہے تو میں خلوص دل سے اس کے لئے تیار ہوں بات اصل میں یہ ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"ڈاکٹر اعجاز ہے میرا نام۔"

"جی ڈاکٹر اعجاز صاحب کہ جب ہم کسی کے نمک خوار ہیں اور پھر ہمیں فطرتاً ایک اتنی اچھی خاتون مل گئی ہیں تو یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ہم ان کے ذاتی مسائل سے بھی بالکل ہی لاتعلق نہ رہیں' کچھ ایسا مسئلہ ہو جو ان کا خالص گھریلو اور وہ اس کو ظاہر نہ کرنا چاہتی ہوں تو دوسری بات ہے ورنہ ہمیں اپنے فرائض تھوڑے بہت تو سرانجام دینے

چاہئیں۔"

"بالکل بالکل۔" شامی نے یہ الفاظ اس لئے کہے تھے کہ کہیں ڈاکٹر اعجاز اس کی خصوصی دلچسپیوں کو محسوس نہ کرے۔ یہ ایک غیر مناسب بات تھی کہ اس سے آگے بھی کوئی شخص کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائے پھر اچانک ہی گیٹ کھلا اور میڈم کی کار اندر داخل ہوئی۔ ڈاکٹر اعجاز کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"جل تو جلال تو۔" اور شامی ہنس پڑا پھر بولا۔

"آپ میڈم سے خوف زدہ ہیں۔"

"ارے بھائی بس نہ پوچھو' دعا گو ہیں تمہارے لئے کہ تمہیں میڈم کے اس موڈ سے سابقہ نہ پڑے جو اچھے اچھوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

میڈم کی کار پورچ میں جا کر رک گئی تھی' وہ کار سے باہر نکلی' گزرتے ہوئے ان دونوں پر نگاہ ڈال چکی تھی کار سے نیچے اترنے کے بعد وہ ایک لمحے وہیں کھڑی رہی اور پھر تیز تیز قدموں سے ان کی جانب چل پڑی' ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

"نہیں بھائی' حالات بہتر نہیں ہیں ڈیئر احتشام احمد چلو خیر اللہ مالک ہے۔"

وہ لان پر آ گئی اور اس نے تیکھی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"وہ مم..... میڈم میڈم اصل میں۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! گفتگو کرنے کے اس انداز کو احمقانہ کہا جاتا ہے آپ کیوں ہکلا رہے ہیں۔ میرے سامنے' کیسے تشریف لانا ہوا؟؟"

"وہ سس.... سنا تھا کہ طبیعت نن....ناساز ہے۔" ڈاکٹر اعجاز نے سچ مچ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کس سے پتا چلا تھا آپ کو؟" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"وہ بس یونہی شاید کسی نے فف.....فون کیا تھا۔"

"کس نے فون کیا تھا؟" اس نے کرخت آواز میں پوچھا۔

"یہ' یہ مجھے یاد نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہوں اور کوئی خدمت ہے میرے لئے؟؟"

"نن.... نہیں بب.... بالکل نہیں.....بب...بس خدا حافظ' خدا حافظ۔" ڈاکٹر اعجاز نے اپنا بیگ اٹھایا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ پھر شامی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اور آپ' آپ کیسے تشریف لائے؟؟"

"میں بھی یہی معلوم کرنے آیا تھا کہ آپ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے' دیکھئے نا عیادت کرنا تو انسانی فرض ہے۔"

"عیادت کرلی آپ نے؟"

"نہیں ابھی کہاں کی ہے؟ کیا طبیعت خراب ہو گئی۔ میرا خیال ہے کل تھک گئیں آپ؟"

"شامی صاحب! دیکھئے ہر جگہ کے کچھ آداب ہوتے ہیں آپ کا اور میرا تعلق دفتر سے ہے' آپ میرے ملازم ہیں' میرے دوست نہیں' دفتر کے معاملات دفتر تک ہی رہنے دیا کریں اور اس کے بعد آئندہ کبھی میری عیادت کو آنے کی جرات نہ کریں' یہ گھر ہے بھٹیار خانہ نہیں کہ جس کا منہ اٹھا اس نے ادھر قدم بڑھا دیئے۔ آپ جا سکتے ہیں اور آئندہ اس بات کا خیال رکھئے کہ ہر تعلق کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب تک میں آپ کو طلب نہ کروں اس کے بعد آئندہ گھر کی جانب رخ نہ کیجئے گا' آپ جا سکتے ہیں۔" وہ تند لہجے میں بولی اور تیز قدموں سے واپس چلی گئی' شامی احمقانہ انداز میں سر کھجاتا رہ گیا تھا۔

□

عکسہ نے سجاد کو فون کیا' سجاد سے رابطہ قائم ہوا اور جب اسے اس بات کا علم ہوا کہ فون عکسہ کا ہے تو وہ لرز کر رہ گیا' سیٹھ ادریس جیسی بڑی شخصیت کے ساتھ مرزا سخاوت بیگ نے جو سلوک کیا تھا وہ معمولی بات نہیں تھی۔ سجاد کو اس وقت سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں سیٹھ ادریس بددل نہ ہو گئے ہوں' پورا مستقبل تاریک ہو جائے گا' نہ صرف یہ بلکہ اب تو اسے دونیا سے سچ مچ عشق ہو گیا تھا' اس نے پہلے ہی سیٹھ ادریس کو منع کیا تھا لیکن وہ مرزا صاحب سے ملنے کے لئے بضد ہو گئے تھے اور نتیجہ وہی نکلا تھا جس کی سجاد کو توقع تھی' باپ سے کیا کہتا' خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گیا تھا' لیکن اب اسے اس گھر سے نفرت ہو گئی تھی' بیمار زندگی' بیمار ماحول اور زندگی کو مشکل ترین بنا دینے والی شخصیت مرزا سخاوت بیگ' جواد بھی مرزا صاحب ہی کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ ہر بات میں طنز و تشنہ' ہر چیز پر اعتراض یہ سب کچھ اب سجاد کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

عکسہ نے کہا۔ "ہیلو سجاد بھائی۔"

"ہاں عکسہ میں بول رہا ہوں۔"

"کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"بہت خراب ہیں عکسہ۔"

"ارے کیوں خیریت؟"

"میں جانتا ہوں تم حالات سے بے خبر نہیں ہو گی۔"

"کون سے حالات؟"

"عکسہ پلیز' تمہیں شاید یقین نہ آئے کہ اس وقت مجھے لو بلڈ پریشر ہو گیا ہے۔" جواب میں عکسہ خوب ہنسی پھر اس نے کہا۔

"وجہ تو بتا دیجئے جناب۔"

"میرے گھر میں جو کچھ ہوا....." سجاد جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"جی ہاں پھر؟"

"وہ سب میرے لئے غیر متوقع نہیں تھا اور اسی لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے گھر کا رخ کیا جائے۔"

"نہیں سجاد بھائی' اگر آپ اس سلسلے میں پریشان ہیں تو ہر پریشانی کو ذہن سے نکال دیجئے' میرے ڈیڈی بہت فراخ دل ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک ہمدرد انسان بھی' وہ نہیں چاہتے کہ بعد میں آپ کی شخصیت داغدار ہو اور آپ یہ سوچتے رہ جائیں کہ کاش آپ کے والدین سے رجوع کر لیا جاتا تو یہ سب کچھ مزید خوشی کے ساتھ ہو سکتا تھا اور آپ یقین کریں اگر وہاں ایسا ہو جاتا اور ہمیں تسلیم کر لیا جاتا تو سب کچھ بالکل ٹھیک ہوتا مگر وہ لوگ انتہا پسند ہیں۔"

"بس کیا کہوں عکسہ' وہیں آنکھ کھولی ہے' وہیں پلا بڑھا ہوں' کچھ نہیں کہہ سکتا ان کے بارے میں' میری زبان پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔"

"آپ بالکل فکر مند نہ ہوں' میرے خیال میں ڈیڈی آج آپ سے اہم گفتگو کریں گے۔"

"وہ ناراض تو نہیں ہیں؟"

"میں نے آپ سے کہا نا ہم لوگ بہت کشادہ دل اور کشادہ نگاہ ہیں۔ وہ آپ سے بالکل ناراض نہیں ہیں۔"

"تھینکس گاڈ' میں تو بالکل ادھ موا ہو رہا تھا۔"

"جی نہیں' اب آپ کو اپنی مرضی سے کچھ ہونے کی اجازت نہیں ہے' او کے' خدا حافظ موقع ملا تو شام کو آپ سے ملاقات کروں گی۔"

"خدا حافظ۔" سجاد نے فون رکھا ہی تھا کہ سیٹھ ادریس کا چپراسی اس کے پاس پہنچ گیا۔

"سر! بڑے سر بلا رہے ہیں۔" سجاد کا بدن ایک لمحے کے لئے کانپ گیا' لیکن عکسہ سے ہونے والی گفتگو نے اسے کافی سہارا دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سنبھال کر اٹھا اور سیٹھ ادریس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سیٹھ ادریس مطمئن انداز میں بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے انٹر کام پر سیکرٹری سے کہا۔

"ضروری میٹنگ میں ہوں' نہ کسی کو اندر آنے کی اجازت دی جائے او نہ ہی مجھے کوئی فون دیا جائے۔" یہ کہہ کر انہوں نے انٹر کام رکھ دیا' سجاد کو نرمی سے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سجاد کرسی پر بیٹھ گیا' سیٹھ ادریس مسکرائے۔ پھر بولے۔

"میں جو کچھ کہوں گا اس کا برا نہ ماننا سجاد' غریب یا پسماندہ ہونا کوئی بری بات نہیں ہے

لیکن اپنی ناکامیوں سے دوسروں پر جھلانا میں سمجھتا ہوں ایک اچھی فطرت کا مظاہرہ نہیں ہے۔"

"جی سر۔"

"کیا تمہارے والد ابتدا ہی سے اتنے سخت مزاج ہیں؟"

"جی ہاں سر۔"

"بات یہ ہے سجاد میاں کہ تم سے اتنا اہم رشتہ قائم ہو رہا ہے میرا کہ تم سے متعلق کسی بھی فرد کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا' تم نے آج تک تذکرہ نہیں کیا ورنہ تمہارے چھوٹے بھائی جواد کو بھی اس فرم میں ملازمت دے دی جاتی' یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی' بہرحال اب اس معاملے میں تم سے آخری گفتگو کر لینا چاہتا ہوں' کیا تم ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو؟"

"جی سر۔" سجاد نے مدہم لہجے میں کہا اور سیٹھ ادریس غالباً گفتگو کو شروع کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کرنے لگے پھر بولے۔

"اصل میں' یہ ملاقات اس لئے بھی ضروری تھی کہ خود میرا ضمیر مطمئن نہیں تھا' والدین کے بہت سے حقوق ہوتے ہیں' میں بھی باپ ہوں اور باپ کی حیثیت سمجھتا ہوں' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میرا نظریہ ہے کہ اولاد کے حقوق بھی خوش اسلوبی سے ادا کرنے چاہئیں' میں اپنے نظریئے کی تائید میں کوئی تقریر نہیں کروں گا' لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ بچپن کے بعد جوانی آتی ہے اور پھر گزر جاتی ہے۔ ماں باپ' بچپن اپنے کنٹرول میں رکھ سکتے ہیں وہ بھی اس لئے کہ اپنے بچوں کو صحیح راستہ دکھائیں لیکن جب وہ صاحب ہوش ہو جائیں تو میرے خیال میں انہیں اپنے مستقبل کے فیصلے کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ میں نے تو بیٹیوں تک کو یہ آزادی دے دی ہے تم نے خود اندازہ لگا لیا ہو گا' لیکن مرزا صاحب روایتی قسم کے انسان معلوم ہوتے ہیں۔"

"جی سر۔"

"خیر جو کچھ ہوا وہ ایک بالکل الگ مسئلہ ہے اور شاید تم اس بات پر یقین کر لو کہ خود میرے لئے بھی غیر متوقع نہیں تھا' ہوتا ہے' ہر ٹائپ کے لوگ ہوتے ہیں' ان کا انداز فکر بھی ایسا ہوتا ہے لیکن اب ہمیں جو فیصلہ کرنا ہے وہ بڑے اعتماد اور غور کے ساتھ کرنا ہے کیونکہ بہرحال میری بیٹی کے پورے مستقبل کا معاملہ ہے۔"

"جی سر۔"

"اور میں اس بات کا خواہش مند ہوں کہ یہاں تم تکلف سے کام نہیں لو گے اور جو کچھ ذہن میں آیا صاف صاف کہو گے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس میں جو کچھ بھی کہا جائے گا اس کا پوری محبت کے ساتھ جائزہ لوں گا اور اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔"

سجاد کا دل ممنونیت سے بھر گیا تھا' کتنا نفیس انسان ہے یہ شخص' بلاشبہ انتہائی اعلیٰ ظرف اور بڑی اچھی طبیعت کا مالک۔ سجاد بے حد متاثر ہو گیا تھا۔ سیٹھ ادریس نے چند لمحات خاموشی اختیار کی پھر بولے۔

"تم دونیا سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"جی۔" سجاد نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اپنے والدین کی مرضی کے خلاف؟"

"آپ نے ان کا رویہ دیکھ لیا۔"

"تمہیں ان سے دور ہونا پڑے گا۔"

"میں اس ماحول سے غیر مطمئن ہوں۔"

"یہ شادی لندن میں ہو گی۔" سیٹھ ادریس نے کہا اور سجاد چونک پڑا لیکن اس نے صرف سوالیہ نگاہوں سے سیٹھ ادریس کو دیکھا۔ سیٹھ ادریس پرخیال لہجے میں بولے۔

"بات کچھ نہیں ہے۔ اصل میں یہاں میرا وسیع حلقہ احباب ہے اور میں اپنی پہلی بیٹی کی شادی کر رہا ہوں' لوگوں کے ذہن میں تجسس ہوتا ہے' وہ یقیناً یہ جاننا چاہیں گے کہ سیٹھ ادریس اپنی بیٹی کی شادی کہاں کر رہے ہیں۔ میں بڑے اطمینان سے اس وقت تمہاری شادی یہیں کر سکتا تھا جب تمہارے والدین اس شادی کے لئے خوشی سے تیار ہو جاتے' یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا کہ تم کس سطح کے انسان ہو' یہ سارے معاملے میں سنبھال لیتا لیکن اب اگر میں یہاں اس طرح تمہاری شادی کرتا ہوں تو لوگوں کے ذہنوں میں لاتعداد سوالات پیدا ہو جائیں گے اور تم جانتے ہو کہ لوگ کس طرح ایک دوسرے کی کھوج میں رہتے ہیں۔ ذرا سبکی ہو گی میری اور پھر ویسے بھی اس شادی کے بعد تمہیں ایک طویل عرصہ کے لئے لندن بھیج دیتا تاکہ سکون کی زندگی گزارتے۔ اب تمہیں لندن لے جاؤں گا' وہاں شادی ہو گی اور یہاں میں لوگوں کو یہی بتاؤں گا کہ تم میرے لندن کے کاروبار کے پارٹنر تھے اور تمہارے لئے یہاں آ کر شادی کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھر ایک طویل وقفے کے بعد اگر تم یہاں واپس بھی آ جاؤ گے تو کوئی مشکل نہیں ہو گی کیونکہ لوگوں کے ذہنوں سے بات نکل جائے گی' میں اب بھی تم سے یہ سوال کروں گا کہ سجاد کہ اس بات پر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"نہیں جناب' اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میں خود بھی یہاں بہت محدود ہوں اور اس سلسلے میں جس طرح میرے والدین نے عدم تعاون کیا ہے۔ اس کے بعد مجھے ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔"

"گڈ' ویری گڈ۔ تو پھر اپنے طور پر ذہنی تیاریاں کر لو۔ باقی کسی معاملے میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی تیاریاں کرتا ہوں۔ ہم مناسب وقت پر لندن روانہ ہو جائیں گے۔ کیا سمجھے؟"

"جی سر۔"

"میں تم سے بہت مطمئن ہوں سجاد۔ تم ایک اچھے نوجوان ہو اور مجھے یقین ہے کہ دونیا تمہارے لئے ایک اچھی ساتھی ثابت ہو گی۔ وہ بے شک ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے لیکن تم سے ہر طرح کا تعاون کرے گی۔" سجاد نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

❑

شامی چند لمحات وہیں کھڑا رہا۔ پہلے تو کچھ دیر بوکھلایا رہا تھا۔ ڈاکٹر اعجاز چالاک آدمی تھا' کچھ سنے بغیر نکل گیا تھا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ شامی ڈاکٹر اعجاز کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا تھا' ڈاکٹر اعجاز کا تجربہ وسیع تھا جبکہ شامی اول تو ایک کھلنڈرا نوجوان تھا اور میڈم کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ بس نوجوانی کی غلط فہمیوں نے اسے نجانے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تھا۔ بہرحال اب اردگرد کوئی نہیں رہا تھا اور وہ اپنے آپ کو یہاں اس طرح کھڑے دیکھ کر بڑا احمق محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے وہی گھسا پٹا پرانا مصرع اس کے ذہن میں گونج رہا تھا کہ

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

لیکن طبیعت میں سرکشی اور شرارت تھی۔ اس بے عزتی کو ذہن و دل قبول نہیں کر رہے تھے۔ پیدل چلتے ہوئے بہت دیر تک سوچتا رہا کہ آخر یہ ہوا کیا؟ پچھلے دن تو اچھی خاصی اس کے ساتھ قہقہے لگا رہی تھی اور ہر قسم کی تفریح میں حصہ لے رہی تھی۔ فطرت ہی بدلی ہوئی تھی اور آج محترمہ ہوش و حواس ہی میں نظر نہیں آتیں۔ ارے ہوں گی اپنے گھر کی بڑی۔ ملازمت دی ہے' بھیک نہیں دے رہیں' جو مراعات دی ہیں واپس لے لیں' اپنے شیخ عظمت حسین کیا برے ہیں بس تھوڑی سی پریشانی ہی تو ہوتی ہے ان کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ بی شمسہ کی بھینگی آنکھیں برداشت کر لی جائیں۔ بس اس سے زیادہ اور کیا ہے' واپس لوٹ جائیں گے اپنی اس دنیا میں۔ جہنم میں جائے یہ اعلیٰ درجے کا فلیٹ۔

نجانے کیا کیا سوچتا رہا پھر ایک دم دل میں فراز کا خیال آیا۔ فراز بہت مذاق اڑائے گا۔ ویسے بھی ابھی تک مشکوک باتیں کرتا رہا ہے۔ ویسے یہ سچ ہے کہ فراز کا سوچنا زیادہ مناسب تھا۔ وہ عارضی طور پر لفٹ دے رہی تھی اور اس کے بعد جب کام نکل گیا تو آنکھیں بھی لیں' اب اگر فراز سے کہے گا کہ اس کا عشق پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو فراز ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جائے گا اور وہ اس مذاق کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ بہتر ہے کہ فراز سے اس سارے معاملے کو چھپایا ہی جائے۔ کیا ضرورت ہے اسے تفصیل بتانے کی مگر بڑی عجیب ہے یہ عورت' بڑی بے عزتی کر ڈالی اس نے۔

شامی نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر اپنے فلیٹ کی جانب چل پڑا لیکن راستے بھر ذہنی تکدر کا شکار رہا تھا۔ فراز کے لئے جو خریداری کی تھی وہ سب اس کے پاس موجود

تھا۔ بڑی ذہانت سے کام لینا پڑے گا۔ فراز کو اگر اس کی ذہنی الجھنوں تک کی بھنک بھی مل گئی تو پھر وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ جب فلیٹ میں داخل ہوا تو موڈ بہت خوشگوار کر لیا تھا' سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اوپر پہنچا' سامنے والے فلیٹ کے بند دروازے کو دیکھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ چلو ٹھیک ہے' اس کا عشق تو کارگر نہیں ہو سکا۔ لیکن فراز اس سے زیادہ حساس اور سنجیدہ ہے۔ میں تو ہر بات برداشت کر جاؤں گا لیکن فراز کے لئے کافی محنت کرنا ہے ابھی مجھے۔

فراز نے دروازہ کھول دیا اور مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ شامی نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"پردہ تو نہیں ہے اندر۔"

"کیا۔"

"میرا مطلب ہے کوئی ہے تو نہیں؟"

"جی۔" شامی نے آنکھیں نکالیں اور فراز مسکرایا۔

"حضور والا کیا بات ہے' آج طبیعت بہت جولانی پر ہے۔"

"جی ہاں۔ ظاہر ہے اپنے دوست کی محبت کو کامیاب بنانا چاہتا ہوں۔ طبیعت جولانی پر کیوں نہ ہو گی۔"

"جائیے پھر منہ ہاتھ دھوئیے خادم چائے لے کر آتا ہے۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔" شامی نے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ طبیعت کے تکدر کو چھپانے کے لئے کچھ زیادہ ہی اداکاری کرنی پڑ رہی تھی۔ ورنہ فراز اس کے چہرے کی ایک ایک شکن سے آشنا تھا۔ ذرا بھی چوک ہو جاتی تو اندازہ لگا لیتا کہ شامی کسی ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ دونوں اچھی طرح ایک دوسرے کو جانتے تھے اور ایک دوسرے کے چہرے کی ہر شکن سے واقف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فراز اس کے سامنے چائے لا کر بیٹھ گیا۔

"جناب عالی! سنائیے آپ کے معاملات کیسے چل رہے ہیں۔"

"جیسے چلنے چاہئیں۔" شامی نے جواب دیا۔

"دلنوازی کا کوئی اور دلدوز واقعہ۔" فراز بولا۔

"خوب۔ خوب۔ اصل میں طبیعت تو آپ کی جولانی پر ہے۔ فراز صاحب' کہئے دفتر بھی گئے تھے یا نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"ایسا ہی ہوتا ہے میرے بھائی' انسان دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے' ملازمتیں چھوڑ دیتا ہے' زمانہ قدیم میں بادشاہتیں چھوڑ دی جاتی تھیں' زمانہ جدید میں ملازمت کو بادشاہت کہا جاتا ہے۔" فراز ہنسنے لگا تھا۔

"وہ حضرت تشریف لائے ہیں۔"
"کون؟"
"فرید احمد صاحب۔"
"ارے باپ رے، واقعی کیسے پتا چلا۔"
"خود دیکھا تھا میں نے۔"
"سامنا ہوا تھا؟"
"ہاں، اتفاق سے میں آفس سے واپس آ رہا تھا وہ اتر کر نیچے جا رہے تھے۔"
"سلام دعا ہوئی۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"
"اور باہر سے، میرا مطلب ہے، یعنی اندر سے کوئی اطلاع موصول ہوئی؟"
"سناٹا چھایا ہوا ہے، کوئی آواز تک نہیں آ رہی۔"
"موجود ہیں۔"
"ہاں بے چارے کہاں جائیں گے۔"
"ہائے افسوس کیسا سخت مرحلہ ہے ورنہ اصولی طور پر تو تمہیں ان لوگوں کو یہیں لے آنا چاہئے تھا۔" فراز ہنسنے لگا پھر بولا۔
"دن کیسے گزرا ہے تمہارا۔ آج واقعی بہت زیادہ تفریحی موڈ میں نظر آ رہے ہو۔"
"ہم تو ہیں ہی تفریح پسند آدمی۔ یہ تمہارے لئے تمام چیزیں خرید لی ہیں، اب تو وہ حضرت بھی تشریف لے آئے ہیں بات کو آگے بڑھانے کے لئے، جلدی سے کام کا آغاز کر دو۔"
"کیا ہے ذرا دکھاؤ؟" فراز نے کہا اور شاہی اسے ریس کورس گائیڈ اور دوسری تمام چیزوں کے بارے میں تفصیلات سناتا رہا۔ فراز ان چیزوں پر غور کر رہا تھا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"یار واقعی دیکھو کیسی عجیب بات ہے، زندگی میں جن چیزوں سے واسطہ نہیں پڑتا ان کے لئے کتنا فاصلہ رہتا ہے۔ میرا خیال ہے ان کتابوں کو دیکھ کر ریس کے بارے میں تمام تفصیلات فراہم ہو جاتی ہیں۔"
فراز نے ہنستے ہوئے وہ تمام چیزیں لے لی تھیں اور اس کے بعد رات کو نجانے کب تک وہ ان کا جائزہ لیتا رہا۔

□

سجاد سحر زدہ تھا، راتوں کی نیندیں غائب ہو گئی تھیں۔ گھر کا ماحول ویسے ہی بوجھل ہوتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ مرزا سخاوت بیگ نے کبھی گھر میں ایسا کوئی خوشگوار ماحول پیدا ہی نہ

ہونے دیا جس سے گھر کے سب لوگ مل کر بیٹھتے ایک دوسرے سے تبادلہ خیال ہوتا۔ ہنسی خوشی کی باتیں ہوتیں، دفتر میں ہوتے تو پھر بھی کچھ زندگی نظر آتی تھی۔ جہاں دفتر سے واپس آئے، گھر میں سناٹا پھیل گیا۔ ہر شخص اپنے اپنے کاموں میں مصروف ان کے مزاج کا خیال رکھنے میں سرگرداں۔ کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو خلاف مزاج ہو اور اس کے بعد ہنگامہ کھڑا ہو جائے، رشتے ناتوں کو اس طرح ختم کر دیا تھا انہوں نے کہ اب نہ کوئی خاص طور سے ان کے گھر آتا تھا اور نہ ان کا کسی کے ہاں جانا ہوتا تھا۔ شدید پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں اور رشتے دار آہستہ آہستہ بھولتے چلے گئے تھے، کبھی کبھی شادی بیاہ میں شرکت کی دعوت آ جاتی تھی تو وہ بھی مرزا سخاوت بیگ کے موڈ پر منحصر ہوتا کہ جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ بے چاری فیروزہ بیگم نے آہستہ آہستہ من مار لیا تھا اور اگر کبھی کوئی رشتے دار شکایت بھی کرتا تو آنسو بھری آواز میں کہہ دیتیں کہ کیا کیا جائے ہمارے ہاں کے رسم و رواج ہی ایسے ہیں۔

بہرحال یہ تھا تمام مسئلہ۔ تابندہ کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ اصل میں گھر کی صورت حال اور فضا جو بن گئی تھی اس میں بھی یہی فطرت پیدا ہو گئی تھی کہ بھائی بہنوں سے لاتعلق ہے اور بہنیں بھی بس روایتی قسم کی بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے ساتھ کسی یگانگت کا موقع ہی نہیں ملا تھا، محسوس شاید سب ہی کرتے تھے اس بات کو لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟

بہرحال سجاد اپنی الگ دنیا بسانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ یہاں اس بھیانک ماحول میں زندگی کو گھن لگ جائے گی۔ تقدیر کیا خوب صورت موقع دے رہی ہے، لندن تو کیا کبھی وطن کے اندرونی شہروں میں بھی جانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پابندیاں..... پابندیاں.... پابندیاں.... روایتیں.... ذمہ داریاں اور پھر شہنشاہیت..... وہ تو بھلا ہو عکسہ اور دونیا کا کہ پہاڑ پر لے گئی تھیں اور سجاد کو زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا اور اب سیٹھ ادریس جو کچھ کہہ رہے تھے وہ خواب کی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ لندن میں قیام، وہاں پر شادی اور پھر وہیں پر رہنا، دونیا زندگی میں شامل۔ کیا حسین زندگی ہو گی، وہ بے چینی سے منتظر تھا کہ سیٹھ ادریس کی جانب سے سگنل ملے اور وہ پرواز کی تیاری کرے۔ اور پھر وہ دن بھی آ گیا سیٹھ ادریس نے کہا۔
"بھئی سجاد میاں تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں سب لوگوں کا خیال ہے کہ ہفتے کے مبارک دن یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ آج جمعرات ہے میرا خیال ہے تم بھی انتظامات کر لو۔"
"جی۔"
"کوئی دقت تو نہیں ہو گی تمہیں؟"
"جی نہیں۔" سجاد نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

بہرحال یہ رات اس کے لئے بڑی سنسنی خیز تھی۔ گھر کو چھوڑنے میں کوئی ایسا تردد نہیں تھا جو دل و دماغ کو پریشان کرے، بہنوں کی محبت، بھائی کا احساس اور پھر ماں باپ۔ ان میں صرف ایک ہی تصور ذہن میں رہ جاتا تھا۔ وہ فیروزہ بیگم کا تھا لیکن وہ بھی ایسی شوہر پرست تھیں کہ کبھی اولاد کے لئے زبان نہ کھول سکیں اور اب جب سے مرزا سخاوت بیگ معذور ہوئے تھے، فیروزہ بیگم بس ان کی پٹی سے لگی بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ خود تو اپنی عاقبت سنوار رہی تھیں، شوہر کی خدمت کر کے ان کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے گردن ہلا کے لیکن اولاد کا کیا قصور تھا ان کی دنیا کیوں برباد کر رہی ہیں، کچھ تو بولنا چاہئے ان کے سلسلے میں لیکن ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اظہار بھی کر دیا تو قیامت آ جاتی۔

سجاد نے اپنے دل کو مضبوط کر لیا۔ یہ لوگ ہیں ہی اس قابل کہ انکے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور چھوڑ دیا جائے ہاں کم از کم گھر سے باہر جانے کی اطلاع تو دینا ہی پڑے گی۔ لباس وغیرہ بھی تیار کرنے ہیں اور اس کے لئے سجاد نے مکاری سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا اس کے بعد ہی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا ہے، چھٹی کا دن تھا۔ چنانچہ اس نے صبح کو اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنا سامان درست کرنے بیٹھ گیا تھا۔ ایک سوٹ غائب تھا ان دونوں سوٹوں میں سے جو اسے "تحفتاً" دیئے گئے تھے اور یہ موقع اسے بہت غنیمت محسوس ہوا تھا کہ سوٹ کس نے لیا ہو گا۔ جواد کے علاوہ اور کسے اس سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس کو بنیاد بنا لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ غصیلے انداز میں باہر نکل آیا اور چیخ چیخ کر ماں کو آواز دینے لگا۔

فیروزہ بیگم مرزا سخاوت بیگ کا منہ ہاتھ دھلا رہی تھیں اور تولیہ سے خشک کر رہی تھیں۔ زور سے بولیں۔

"کیا ہے سجاد؟ کیا بات ہے؟ ادھر آ جاؤ؟ میں یہاں ہوں۔"

سجاد مرزا سخاوت بیگ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ فیروزہ بیگم بولیں۔

"کیا بات ہے کیوں آواز دے رہے تھے مجھے؟"

"اب اس گھر میں ڈاکہ زنی بھی ہونے لگی ہے۔" سجاد نے غرا کر کہا اور مرزا سخاوت بیگ نے منہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا بک رہا ہے؟"

"آپ سے نہیں عرض کر رہا، میں کہتا ہوں میرا سوٹ کہاں غائب ہو گیا؟ کیا یہ گھر اب اس قابل بھی نہیں رہ گیا کہ انسان یہاں اپنا سامان رکھ سکے۔"

"ارے غائب کہاں ہو گیا ہو گا۔ جواد نے پہن لیا ہو گا۔"

"کیوں؟ میری اجازت کے بغیر کیوں؟" سجاد نے کہا۔

"کیوں؟ یہ سب کچھ جو اس گھر میں ہے تمہارا بنایا ہوا ہے۔ ہر چیز میں تمہاری اجازت لینا ضروری ہے کیا؟"

"لیکن سوٹ میرا تھا اور مجھ سے اجازت کے بغیر جواد کو اسے استعمال نہیں کرنا چاہئے تھا اور پھر اسے واپس بھی نہیں رکھا گیا۔ کہاں ہے جواد... جواد....!"

گھر ہی کتنا بڑا تھا۔ جواد نے آواز سن لی اور خود ہی یہاں آ گیا۔

"جی - فرمایئے۔"

"تم نے میرا سوٹ لیا ہے، نیا سوٹ تھا میرا۔"

"جی ہاں ایک دوست کو ضرورت تھی، اسے دے دیا ہے۔" جواد نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"سن لیا آپ نے۔ خود بھی نہیں پہنا بلکہ دوست کو دے دیا ہے۔"

"تو پھر؟ اگر دے دیا ہے تو کون سی اتنی بڑی بات ہو گئی ہے آپ گھر والوں سے الگ ہیں کیا؟ ساری دنیا کے عیش آپ ہی کی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔ پہاڑی مقامات پر عیاشی کرنے کے لئے صرف آپ ہی جا سکتے ہیں اور ہم لوگوں کی تقدیر میں بس یہ جہنم ہی لکھا ہوا ہے۔"

"حد سے آگے بڑھ کر نہ بول جواد۔ میں گھونسہ مار کر تیرے دانت بھی توڑ سکتا ہوں۔"

"رہنے دیجئے بھائی جان رہنے دیجئے۔ جو کام نہیں کر سکتے اس کے بارے میں کہنا مذاق اڑوانے والی بات ہے۔ آپ گھونسہ مار کر میرا جبڑا تو کیا میرے سر کے بال بھی ٹیڑھے نہیں کر سکتے کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو آپ؟"

"آپ دیکھ رہی ہیں امی؟"

"سب دیکھ رہے ہیں۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ تیرا رویہ سجاد۔ اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھنے لگا ہے میں تو کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ کیا ہے، تو نے کیا طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے؟" مرزا سخاوت بیگ بولے۔

"دیکھئے ابو آپ بے جا حمایت کر رہے ہیں اول تو یہ کتنی بری حرکت ہے کہ میرے کمرے میں داخل ہو کر میرے صندوقوں کو ٹٹولا جائے اور پھر ہٹ دھرمی کے ساتھ یہ اظہار بھی کیا جائے کہ جو کیا گیا ہے وہ درست کیا گیا ہے۔"

"تو تو بڑا آدمی بھی بن چکا ہے، تیرے لئے سوٹوں کی کیا کمی ہے۔ بڑے دولت مندوں کے رشتے آنے لگے ہیں تیرے لئے۔ عیش کر، جا شادی رچا لے اور پھر گھر داماد بن کر رہنا شروع کر دے تیرے لئے کیا مشکل ہے۔ ایسے ایسے بے شمار سوٹ تجھے جہیز میں مل جائیں گے کیا ضروری ہے کہ اب اسی گھر میں زندگی گزاری جائے۔ دوسروں کو موقع دے بھائی، کیا

سمجھتا ہے تو' تیری تنخواہ سے پل رہے ہیں ہم' مرجائیں گے اگر تو نے کچھ نہ دیا۔"

"میں پھر عرض کر رہا ہوں ابو کہ آپ جواد کی بے جا حمایت لے رہے ہیں۔"

"ہاں لے رہا ہوں حمایت' سب کچھ تجھ پر خرچ کردیا۔ اس بیچارے کے لئے کیا رہ گیا ہے اس گھر میں۔ تعلیم تک مکمل نہیں کر سکا وہ۔ نہ فیسیں ملتی ہیں اسے نہ دوسرے اخراجات پورے ہوتے ہیں اس کے۔ میں کہتا ہوں تو نے اپنے پیسوں سے تعلیم حاصل کی ہے کیا' آج جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ میری وجہ سے ہے۔ میری وجہ سے۔"

"یہ ساری باتیں تو میں مانتا ہوں ابو آپ ہی کی وجہ سے ہے یہ سب کچھ لیکن اس کے بعد آپ اس کا کیا صلہ چاہتے ہیں مجھ سے؟"

"اب تو کیا صلہ دے گا ہمیں۔ دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتا۔ نخرے کر کر کے زندگی برباد کر دی ہے۔ میں کہتا ہوں چھوڑ دے تو یہ گھر۔ نکل جا اس گھر سے۔"

"سن رہی ہیں آپ امی۔"

"تو خود بھی تو بہت زیادہ بدزبانی کر رہا ہے سجاد۔ بھائی نے اگر ایک سوٹ لے لیا تو کیا ہو گیا کون سی مصیبت آ گئی؟"

"گویا آپ بھی انہی کی ہمنوا ہیں۔"

"بس میں کیا کہوں تم لوگوں کو۔ ناک میں دم کر رکھا ہے تم نے تو میرا۔ صحیح کہتے ہیں اگر تم یہاں نہیں رہ سکتے تو بھائی تم چلے جاؤ یہاں سے' سب اپنا اپنا الگ الگ ٹھکانہ کر لو' ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو دنیا کے رحم و کرم پر جی لیں گے' یہ روز روز کی چخ چخ تو ختم ہو جائے گی۔ جواد الگ ہر وقت تمہارے لئے کہانیاں سناتا رہتا ہے اور تم اب لڑنے کھڑے ہو گئے۔ لڑو دونوں بھائی۔ ہاتھا پائی کرو ایک دوسرے سے۔ جنازہ نکال دو ہماری عزت کا۔"

فیروزہ بیگم رونے لگیں۔

سجاد نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر آپ لوگوں کی یہی خواہش ہے تو چلا جاتا ہوں اس گھر سے' سمجھے آپ لوگ چلا جاتا ہوں اس گھر سے۔" سجاد غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایک سوٹ کا نقصان تو ہوا تھا لیکن کام بن گیا تھا۔ اس نے اپنے چند جوڑے رکھے باقی چیزوں کی تو ضرورت بھی نہیں تھی۔ اہم کاغذات لے لئے۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ تابندہ' فرخندہ اور رخشندہ بھی اس لڑائی سے خوف زدہ ہو کر اپنے کمرے میں بند تھیں۔ ایسا ہی ہوتا تھا تینوں بہنیں گھر کے ماحول سے اتنی خوف زدہ تھیں کہ کس معاملے میں بولتی ہی نہیں تھیں بلکہ جب گھر میں معرکہ کارزار ہوتا تھا تو اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتی تھیں۔ سجاد کو روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ بہت ذہانت کے ساتھ اس نے اپنا تمام سامان سوٹ کیس میں بند کیا۔ سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکایا اور باہر نکل گیا۔

گھر کے دروازے سے باہر نکل کر ایک لمحے کے لئے دل دھڑکا' قدم رکے' شاید محبت کا کوئی جذبہ جاگا تھا لیکن اندر کے ماحول کو یاد کر کے اس نے جلدی جلدی آگے قدم بڑھا دیئے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے ایک ہوٹل میں قیام کرنا تھا جس میں کمرہ حاصل کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا بس کمرے کے حصول کے بعد عکسہ کو اس بارے میں اطلاع دینی تھی اور باقی سارا کام ختم۔

چنانچہ آگے بڑھنے کے بعد ایک ٹیکسی روکی اور اسے ہوٹل کا پتا بتا دیا۔ ہوٹل میں پہنچنے کے بعد کمرہ حاصل کرنے میں سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی' تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں منتقل ہو گیا۔ ذہن و دل پر ایک بوجھ سا طاری تھا۔ بدن میں سنسنی ہو رہی تھی ایک طرف خوشگوار مستقبل کا خیال' تو دوسری طرف جو کچھ پیچھے چھوڑ آیا تھا' اس کی ہلکی ہلکی سی محبت کی آنچ۔ یہ تمام چیزیں کش مکش کا باعث بن گئی تھیں اور اس کش مکش کو دور کرنے کے لئے اس نے آپریٹر سے سیٹھ ادریس کے گھر کا نمبر مانگا اور چند لمحات کے بعد عکسہ سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہیلو عکسہ۔"

"جناب عالی کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"ہوٹل سے۔"

"کمرہ نمبر؟"

"تین سو آٹھ۔"

"کیسا لگ رہا ہے؟"

"سب ٹھیک ہے۔"

"میں آ جاؤں؟"

"آ جاؤ اور دونیا کو بھی ساتھ لے آؤ۔"

"منہ دھو رکھئے۔ وہ اب اس وقت تک آپ سے نہیں ملے گی جب تک آپ دونوں کا نکاح نہ ہو جائے۔"

"بہت شریر ہو تم آ جاؤ' سخت بور ہو رہا ہوں۔"

"او کے میں آ رہی ہوں۔" عکسہ نے کہا اور سجاد نے ٹیلی فون بند کر دیا۔ پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

گارمنٹ سٹی میں داخل ہوا تو سب کچھ یاد آگیا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا غصہ تھا اسے میڈم پر ابھی آئی نہیں تھی۔ آ جائے گی مجھے کیا' شامی اپنے دفتر میں جا کر بیٹھ گیا اور کاموں میں مصروف ہو گیا گھوم پھر کر آئی تھی۔ ہٹی کٹی نظر آ رہی تھی کوئی بیمار نہیں تھی بلاوجہ عیادت کو پہنچ گیا جھاڑ کھانی پڑی بہرحال دل اور دماغ کو مطمئن کر کے اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا کوئی ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا انٹر کام پر اشارہ موصول ہوا تو وہ کام میں الجھا ہوا تھا بے خیالی کے انداز میں انٹر کام کا ریسیور اٹھا لیا اور بولا۔

"جی۔"

"شامی صاحب ذکی صاحب کہاں گئے ہیں آپ کو کچھ بتایا ہے انہوں نے۔" آواز میڈم کی تھی وہ چونک پڑا اور پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"نہیں۔"

"آپ ذرا میرے پاس آ جائیے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور انٹر کام بند کر دیا گیا وہ انٹر کام کا ریسیور رکھ کر اسے گھورتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا میڈم کے کمرے کے دروازے پر پہنچا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ پوری طرح سنجیدہ تھی اور چشمہ لگائے ہوئے ایک فائل پر جھکی ہوئی تھی شامی قریب پہنچا تو اس نے فائل پر جھکے جھکے کہا۔

"آرگونا اینڈ سنز کے یہ بل آئے ہوئے ہیں۔ ذکی صاحب کے پاس ان کی انٹری تھی۔ آپ کے علم میں ہے؟ مجھے یہ بل درست نہیں معلوم ہو رہے' دیکھئے ذرا۔" اس نے فائل شامی کی جانب بڑھا دی اور شامی فائل اپنی طرف گھسیٹ کر بلوں پر جھک گیا۔ چند لمحات بلوں کو دیکھتا رہا' پھر بولا۔

"نہیں۔ میرے پاس ان کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ان کے بارے میں ذکی صاحب ہی بہتر طور پر جانتے ہوں گے۔"

"ذکی صاحب کچھ بتائے بغیر چلے گئے' آئے تھے آفس اور پھر چلے گئے۔"

"اس میں بھی میرا قصور ہے۔" شامی تیکھے لہجے میں بولا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ چشمہ اتار کر نیچے رکھا اور سرد لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"چھوڑیئے' چھوڑیئے.... میں مطلبی آدمی نہیں ہوں جو میرا کوئی مطلب ہو۔" شامی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"شامی صاحب۔" وہ کرخت لہجے میں بولی' اور شامی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بولا۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ کس طرح گفتگو کر رہے ہیں؟"

"جس طرح انسان' انسانوں سے گفتگو کرتے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"عرض کر دیا نا کہ کوئی مطلب نہیں ہے میرا۔" شامی بھرے ہوئے انداز میں بولا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں' میں آپ سے سیدھی سیدھی باتیں کر رہی ہوں اور آپ مجھے ٹیڑھے جواب دے رہے ہیں۔"

"تو پھر نکال دیجئے نوکری سے' پرائیویٹ نوکری ہے کوئی گورنمنٹ کی ملازمت تو نہیں ہے' مالکان کو حق حاصل ہوتا ہے کہ جب چاہیں ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیں' آپ کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ بھلا اس سلسلے میں کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

"میں پوچھتی ہوں آپ کو ہوا کیا ہے؟"

"مجھے کچھ ہوا ہے' ارے میں صورت نہیں دیکھنا چاہتا آپ کی' کیا کروں مجبوری ہے نوکری کر رہا ہوں لیکن سوچ لیجئے آپ' میں ایسا ہی ٹیڑھا آدمی ہوں ایک لمحہ نہیں لگے گا مجھے استعفیٰ دیتے ہوئے کیا سمجھا ہے آپ نے اپنے آپ کو' ارے مجھے کوٹھیوں میں آنے کا کوئی شوق نہیں ہے مالکان سے قریب ہونے کا بھی کوئی شوق نہیں ہے مجھے۔ تنخواہ میں ایک پیسے کے اضافے کی بات کروں تو گولی مار دیجئے گا مجھے۔ لالچی آدمی نہیں ہوں اور وہ گھر' وہ فلیٹ جو آپ نے مجھے دیا ہے نا' خدا کی قسم ابھی ایک گھنٹے کے اندر سامان گاڑی میں لدوا کر واپس شیخ عظمت حسین کے یہاں جا سکتا ہوں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ وہ ہمیں نکال کر پچھتا ہی رہے ہوں گے ہم جیسا کرایہ دار نہیں ملے گا انہیں۔ میں زیادہ پرواہ نہیں کرتا سر چھپانے کے لئے ٹھکانہ ہی تو چاہئے ہوتا ہے نا۔ فراز الگ دفتر میں چلا جاتا ہے میں یہاں آ جاتا ہوں اور یہاں نہیں آؤں گا تو کہیں بھی نوکری کروں گا پورا دن گھر سے باہر رہ کر رات کو بسیرا کرنے کے لئے جگہ درکار ہوتی ہے ہمیں' ہم نہیں پرواہ کرتے عالیشان فلیٹوں کی اور اعلیٰ درجے کی ملازمتوں کی کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے ہمیں؟"

"ارے۔ ارے۔ ارے۔ گرم ہوئے جا رہے ہو میں کہتی ہوں ہوا کیا ہے آخر نہیں؟" وہ ایک دم سے نرم پڑ گئی۔

"مجھے کچھ ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہوا ہے یہ بتائیے مطلب نکل گیا نا انعام احمد صاحب

سے جان چھوٹ گئی انعام احمد صاحب جان کو پڑے ہوئے تھے تو شامی یاد آیا تھا' شامی کچھ کرو بلا وجہ اس شریف آدمی کو پریشان کیا لیکن آپ کیا سمجھتی ہیں میڈم میں نے اسے ڈرا دیا ہے کہہ دوں گا کہ کوئی پرواہ کی بات نہیں ہے اپنا کام جاری رکھے وظیفہ الٹا ہو گیا تو کیا ہوا دوسرے طریقہ کار تو ہیں پھر آ جائے گا اور آتا رہے گا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں شامی کو بیوقوف بنالیں گی آپ۔"

"خدا تمہیں سمجھے۔ کیسی باتیں کر رہے ہو کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟" وہ ایک دم خوشگوار موڈ میں آ گئی۔ شامی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا' آنکھیں چمک رہی تھیں اتنا پیارا لگ رہا تھا وہ اسے اس وقت کہ اس کی آنکھوں میں محبت اتر آئی تھی سارا موڈ بہتر ہوگیا تھا پتا نہیں کس قماش کی عورت تھی کس بات سے ناراض ہوتی تھی اور کس بات سے خوش ہو جاتی تھی اسے اس طرح کھری کھری سنانے والا اب اس کائنات میں کوئی نہیں تھا لیکن یہ جوان چھوکرا جو اس کا ایک ادنیٰ درجے کا ملازم ہے کہتا ہے کہ صورت نہیں دیکھنا چاہتا اس کی' کیا مزے کی بات ہے اور کیا بپھرا ہوا ہے وہ اسے بے حد لطف آنے لگا اس نے کہا۔

"دیکھو' یہ دفتر ہے تم بہرحال یہاں کے ملازم ہو' دفتروں کا ایک ڈسپلن ہوتا ہے اور یہاں ان باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔"

"انسانوں سے کتنا واسطہ رہا ہے آپ کا بتانا پسند کریں گی۔" شامی اسی انداز میں بولا۔

"تم مسلسل بدتمیزی کر رہے ہو شامی۔"

"جی نہیں' میں نہیں کر رہا کل مجھے علم ہوا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے بس عیادت کے لئے پہنچا تھا آپ کے پاس' ورنہ اعلیٰ درجے کی کوٹھیوں میں جانے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے کس طرح پیش آئی تھیں آپ میرے ساتھ یاد ہے آپ کو' کیا تصور رکھتے ہیں لوگ آپ کے بارے میں وہ ڈاکٹر اعجاز صاحب' ٹھیک ہے اپنا مزاج ہے آپ کے لئے وہاں رکے ہوئے تھے آپ کو دیکھ کر کھسک گئے میں باقی رہ گیا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ آپ عیادت کے لئے گھر آئے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہیں۔" شامی نے کہا اور وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"ڈاکٹر اعجاز کو تو میں بس کیا ہی کہوں۔"

"کیسے کیسے کہیں گی میڈم اپنے آپ پر ایک خول چڑھائے رکھنا اپنی شخصیت کو دوسروں سے منفرد ظاہر کرنے کی کوشش آپ کو پتا ہے کہ صرف اور صرف احساس کمتری کی نشان دہی کرتی ہے حالانکہ آپ کو احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے آپ ہر لحاظ سے ایک برتر خاتون ہیں واقعی کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا میں کیا اور میری اوقات کیا۔ اس وقت میں آپ کا ملازم بھی ہوں اور آپ کی دی ہوئی مراعات کا شکار بھی کل یہ سب کچھ جب چھوڑ

کر چلا جاؤں گا نا تو آپ کے لئے میرے دل میں کوئی اچھا جذبہ نہیں رہے گا میں آپ کو خود غرض اور بدمزاج خاتون کی حیثیت سے یاد رکھوں گا۔"

"اور لوگوں کو میرے بارے میں بتاؤ گے کیوں۔" وہ نرم لہجے میں بولی۔

"جی نہیں مجھے اس کا بھی کوئی شوق نہیں ہے اس لئے کہ میرا ضمیر مطمئن ہو گا' میں نے اپنی توہین اور بے عزتی برداشت نہ کرتے ہوئے ایک بہت اچھی ملازمت کو ٹھوکر مار دی کم از کم یہ بات تو میرے دل میں ہو گی نا۔"

"یہ ملازمت کا کیا مسئلہ درمیان میں آ گیا۔"

"پھر کیا مسئلہ ہے ' میرا اور آپ کا واسطہ ہی کیا ہے اور کیا واسطہ ہے میرا اور آپ کا' آپ نے ایک ملازم ہی کی طرح انعام احمد کے سلسلے میں میری ڈیوٹی لگائی تھی حالانکہ اس وقت میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک شخص کو دھوکا دے دیا اور آپ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ میڈم ملازمتیں بہت مل جائیں گی خدا کے فضل سے فراز آپ کے یہاں نوکری نہیں کرتا پہلے بھی وہ کما رہا تھا اور میں کھا رہا تھا کچھ دن کے لئے پھر ایسا ہی ہو جائے گا لیکن' لیکن آپ یہ سوچ لیجئے میں آپ کی طرف سے بہت زیادہ بددل ہوگیا ہوں اور' اور آپ نے یہ سب کچھ بہتر نہیں کیا ہے۔ بالکل اچھا نہیں کیا ہے آپ نے' اور کوئی حکم میرے لئے۔" وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو شامی بیٹھو۔" وہ کرخت لہجے میں بولی۔

"جی نہیں' بالکل نہیں بیٹھوں گا آپ کو اپنے رویئے پر غور کرنا چاہئے اور غور کر لیں تو انٹرکام پر ہی مجھے بتا دیجئے بلکہ میں انتظار کروں گا آپ کی طرف سے ملنے والی اطلاع کا' آپ خود مجھے یہ اطلاع دینا چاہیں تو کسی ملازم کے ہاتھ مجھے ٹرمینیٹ لیٹر بھجوا دیجئے گا یا اگر حکم دیں تو استعفٰی لکھ کر پیش کر دوں۔ کیا سمجھیں آپ وہ تنتناتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور میڈم پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو دیکھنے لگی جس سے شامی نکل کر باہر گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک سبک سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور وہ عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آ رہی تھی۔ ادھر شامی اپنے کمرے میں جا کر اپنی میز پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کا موڈ پہلے اتنا خراب نہیں تھا جتنا اب ہو گیا تھا۔ غور کرتا رہا' سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ بہت سے پلان بنا ڈالے ذہن میں میڈم اگر نوکری سے نکال دے گی تو سیدھا انعام احمد کے پاس جائے گا وہ پہلے ہی پیش کش کر چکے ہیں' انہیں الٹے سیدھے گر بتائے گا بہرحال اب یہ سب کچھ اس کے لئے مشکل نہیں رہا ہے دیکھ لوں گا ان میڈم کو بھی انعام احمد کے ہاتھوں ناک میں دم نہ کرا دیا تو میرا نام نہیں ہے۔ بہت دیر تک وہ انہی سوچوں میں گم رہا اور انتظار کرتا رہا کہ میڈم کی طرف سے کوئی عتاب نامہ موصول ہو دل کی ساری بھڑاس نکال آیا تھا اتنا کچھ کہہ آیا تھا اسے کہ اس کے بعد کہنے کے لئے اور کچھ نہیں رہا تھا بہرحال دل میں طے کر بیٹھا تھا

کہ اب یہاں نوکری ممکن نہیں رہی اس کے بعد بھی اگر میڈم اسے نوکری سے نہ نکالیں تو پھر تعجب کی بات ہو گی لیکن یہ انتظار طویل ہوتا چلا گیا اور کافی وقت گزر گیا۔ تقریباً پونے دو بجے تھے جب ذکی صاحب نے اسے کال کیا اور کہنے لگے۔"

"شامی صاحب کسی اہم کام میں مصروف ہیں؟"

"نہیں ذکی صاحب فرمائیے۔"

"وہ ایک کام سے بھیجنا چاہتا ہوں آپ کو میڈم ہدایت کر کے گئی ہیں۔"

"کیا کام ہے فرمائیے۔"

"آپ ہوٹل نبراسکا چلے جائیے۔ ہوٹل نبراسکا دیکھا ہے آپ نے؟"

"جی نہیں پتا بتا دیجئے گا۔"

"الگن روڈ پر چوراہے کے بائیں ہاتھ گھومتے ہی آپ کو ہوٹل نبراسکا کا بورڈ نظر آ جائے گا ریستوارن بھی ہے۔ ریستوران میں آپ کو کیبن نمبر چھ میں پہنچنا ہے یہاں ہمارا ایک کلائنٹ آپ کا انتظار کرے گا اصل میں اس کلائنٹ کو فوراً ہی واپس جانا ہے آپ اس سے آرڈر وصول کر لیجئے گا۔ یاد رہے چھ نمبر اس ریستوران میں قدیم طرز کے کیبن بنے ہوئے ہیں آپ پلیز جلدی چلے جائیے کیونکہ اس کی فلائٹ ڈھائی بجے ہے۔"

"ٹھیک ہے چلا جاتا ہوں۔" شامی نے جواب دیا اور ذکی صاحب نے انٹر کام بند کر دیا وہ تو سوچ رہا تھا کہ شاید اسے ذکی صاحب کی طرف سے بلاوا موصول ہوا اور ذکی صاحب افسوس بھرے انداز میں اس سے کہیں کہ میاں شامی ہم نے آپ سے کہا تھا کہ ذرا حدود کا تعین کرتے رہیں لیکن شاید آپ نے کوئی ایسا عمل کر ڈالا جس سے آپ اپنی یہ نوکری کھو بیٹھے اور اس نے جواب بھی سوچ لیا تھا اس کے لئے لیکن ابھی تک ایسا نہیں ہوا تھا اور میڈم آفس سے چلی بھی گئی تھیں ذکی صاحب نے یہی بتایا تھا کہ وہ ہدایت دے کر گئی ہے۔ بہرحال نوکری بری نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ اب میڈم سے کوئی واسطہ نہیں رکھے گا ویسے بھی بھلا میرا اور اس کا کیا جوڑ" وہ تو بس نہ جانے کیوں ذہن پر یہ تصور سوار ہو گیا تھا کہ وہ مجھ سے متاثر ہو گئی ہے۔ ہونہہ جب تک چلتی ہے یہ نوکری چلتی رہے جب نکالے گی کچھ اور کر لوں گا اللہ مالک ہے۔ بہرحال جانا ضروری تھا اس قسم کے کام اکثر اسے سونپے گئے تھے اور کئی بار اس نے غیر ملکی کلائنٹ سے ڈیل کی تھی چنانچہ تیاریاں کرنے کے بعد وہ باہر نکل آیا اور ایک ٹیکسی لے کر ہوٹل نبراسکا چل پڑا جس جگہ کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا اس کی تلاش میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی چوراہے سے بائیں سمت گھومے تو نبراسکا کا بورڈ نظر آ گیا چھوٹے سے پلاٹ پر بنا ہوا انتہائی خوبصورت ہوٹل تھا۔ گراؤنڈ فلور پر ریستوران تھا وہ ریستوران میں داخل ہو گیا بڑے سے ہال میں سلیقے سے میزیں لگی ہوئی تھیں اور ان میزوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے سامنے کیبنز کی قطار تھی جو ہال کے دونوں

سمت تھی داہنی سمت کیبن نمبر چھ نظر آ گیا اور وہ اپنے آپ کو سنبھال کر کیبن نمبر چھ کے پاس پہنچ گیا پھر اس نے مودبانہ انداز میں اندر آنے کی اجازت طلب کی اور پردہ کھسکا کر اندر پہنچ گیا۔ اچھا خوبصورت کیبن تھا اور درمیان میں میز پڑی ہوئی تھی چار کرسیاں ہر کیبن میں تھیں اور ان میں سے ایک کرسی پر میڈم پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ میڈم کو دیکھ کر اچھل پڑا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر باہر نکل کر کیبن نمبر پڑھا اس کے بعد اندر داخل ہو گیا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ذکی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے کسی کلائنٹ سے ملاقات کرنی ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"بیٹھو بھئی بور مت کرو' بیٹھو پلیز بیٹھ جاؤ۔" شامی الجھے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا وہ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی' بیٹھنے کے بعد وہ بولا۔

"گویا آپ نے مجھے دھوکے سے بلایا تھا۔"

"ہاں۔" وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"وجہ۔"

"وجہ نہیں بتائی جا سکتی۔"

"کیا یہ سب کچھ آپ کے شایان شان ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"کبھی تو آپ ایک سخت گیر مالکہ بن جاتی ہیں اور کبھی ایسے گفتگو کرتی ہیں جیسے دوستوں سے بات کی جاتی ہے۔"

"دوستوں کے ساتھ ہر قسم کی بات کرنے کا حق ہوتا ہے۔"

"مگر دوست ہے کون؟"

"تم۔"

"کس کا دوست ہوں؟"

"میرے۔"

"واہ خوب گھر سے نکال دیا بے عزتی کر کے اور اب دوستی بگھاری جا رہی ہے۔ نہیں میڈم میں آدمی ذرا مختلف قسم کا ہوں' آپ یقین کیجئے فاقہ کشی گوارا ہے مجھے لیکن یہ سب کچھ نہیں' آپ کو غور کرنا پڑے گا' آپ ہر طرح سے صاحب اختیار ہیں بے شک بہت اچھی ملازمت ہے یہ میرے لئے' بہت خوش ہوا ہوں میں اس ملازمت کو حاصل کر کے لیکن دو چیزیں ہیں' آپ مجھے میرا کام کرنے دیجئے آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا اور اگر کوئی غلط حرکت نہ کروں تو ذہن نشین کر لیجئے کہ آپ کی ایک بھی تلخ بات برداشت نہیں کر سکوں گا۔ ہاں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو آپ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جو دل چاہے

کہیں' میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آج مجھے ٹرمینیشن لیٹر مل جائے گا لیکن تعجب ہے۔"

"ویٹر کو بلاؤ' مینو منگواؤ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"عجیب ہیں آپ' واقعی بہت عجیب۔"

"بھئی ویٹر کو بلاؤ میں نے کہا نا میں بھوکی ہوں۔" وہ ناز بھرے انداز میں بولی اور شاہی نے داہنے ہاتھ پر لگا ہوا کال بٹن دبا دیا ویٹر نے مینو لا کر ان کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

"سلیکشن کرو۔"

"آپ کے لئے۔"

"دونوں کے لئے۔" شاہی نے ایک نگاہ اسے دیکھا اب یہ اس کی فطرت کا الڑپن تھا کہ اس نے چند چیزیں منتخب کیں اور ویٹر کو مینو واپس کر دیئے۔ ویٹر باہر نکل گیا تھا پھر اس نے میڈم کی طرف دیکھا۔

"جو چیزیں میں نے منتخب کی ہیں آپ کو پسند ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم تم نے کیا منتخب کیا ہے۔"

"خدا کرے وہ آپ کو پسند نہ ہوں۔" شاہی بولا اور وہ ہنس پڑی۔

"اگر میں تمہیں ہری مرچ کہوں تو؟"

"آپ مجھے سب کچھ کہہ سکتی ہیں لیکن مجھے صرف اس بات کا جواب دے دیجئے کہ میں تو گیا تھا آپ کی عیادت کو' پریشان ہو کر گیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ پتا نہیں کیسی طبیعت ہے آپ کی' آپ آئیں اور آپ نے مجھے دو کوڑی کا کر کے باہر نکال دیا' مجھے صرف اس کی وجہ بتا دیجئے؟"

اس نے نگاہیں اٹھا کر شاہی کو دیکھا چند لمحات اس پر نظریں جمائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"شاہی! میں بیمار ہوں' میں سچ مچ بیمار ہوں۔"

"یہ جواب ہوا میری بات کا؟"

"بس بعض اوقات مجھے اپنے ذہن پر خود قابو نہیں رہتا۔ نہ جانے کیا کیا کچھ کر جاتی ہوں۔ اس بیماری کے عالم میں تم پلیز میری باتوں کا برا ماننا چھوڑ دو تم بہت اچھے انسان ہو۔ مجھے تمہارے اندر سچائیاں نظر آتی ہیں۔ بہت اچھی فطرت ہے تمہاری' زندگی سے لڑ رہے ہو سینہ تان کر' مصلحت پسندی ہر جگہ نظر آتی ہے لوگ اپنی فطرت کے خلاف بولتے ہیں اندر سے کچھ باہر سے کچھ بس یوں سمجھ لو تمہاری فطرت کی یہ سچائی مجھے بے حد پسند ہے۔ میں اسی ناتے تم سے کئے جانے والے سلوک پر افسوس کرتی ہوں' بہرحال ہو سکتا ہے اس کے بعد بھی کوئی ایسی ویسی بات سرزد ہو جائے مجھ سے' مجھے ایک بیمار وجود سمجھ کر نظر انداز کر دینا جہاں تک تم ملازمت چھوڑنے کی بات کرتے ہو اور یہ تصور کرتے ہو کہ میری

خوشنودی سے تمہاری ملازمت کا تعلق ہے تو آئندہ یہ بھی نہ سوچنا جو کوئی جو کچھ کر رہا ہے وہ اس کا حق ہے' اس کا منصب ہے' بس اور زیادہ مجھ سے سوچنے کے لئے کہو اور نہ مجھ سے اظہار ناراضگی کرو۔"

"یہ کرو' وہ کرو۔ یہ نہ کرو' وہ نہ کرو' اپنی ہی کہے جائیں گی آپ' آپ کیا بیمار ہیں مجھے بتایئے' کیا بیماری ہے آپ کو' کیا ذہنی تکلیف ہے؟ بتایئے مجھے کیا آپ سمجھتی ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے کام نہیں آ سکتا' آپ اپنی الجھنیں مجھے بتایئے۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک پراسرار شخصیت بنا کر رکھا ہوا ہے' میں کہتا ہوں یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے' ہر انسان اپنی زندگی میں کچھ دوست چاہتا ہے' کچھ راز دار چاہتا ہے' وعدہ کرتا ہوں اس دوستی کی رشتے سے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گا' کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گا' آپ کی مشکل کے حل کے لئے زندگی کی بازی لگا دوں گا' سینے پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرتا ہوں آپ سے اور جو کہا ہے وہ کر کے دکھاؤں گا۔ آپ مجھے بتایئے تو سہی کہ کیا مشکل ہے؟"

وہ تھکے تھکے انداز میں ہنسنے لگی پھر اس نے کہا۔

"نہیں شاہی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک بار گزرنے کے بعد دوبارہ کبھی زبان پر نہیں لانی چاہئیں' بس میری زندگی میں کچھ الجھنیں تھیں۔ ختم ہو گئی ہیں' ان کے اثرات باقی رہ گئے ہیں جو کبھی کبھی مجھے ذہنی طور پر بیمار کر دیتے ہیں۔ میں ان واقعات کو ان لمحات کو دہرانا چاہتی ہوں شاہی ایک اچھے انسان کی حیثیت سے میری باتوں کا خیال رکھنا اور اس بات پر بھی یقین رکھنا کہ میں تمہاری سچائیوں کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں' بس پلیز بات کو یہیں ختم کر دو۔"

"او کے۔ احکامات تو سارے آپ ہی کے چلتے ہیں لیکن ایک پیش کش ضرور کر رہا ہوں آپ کو بہت مخلص انسان ہوں میں' اگر کبھی کسی کو راز دار بنانے کو جی چاہے تو میرا ہی انتخاب کیجئے گا دھوکا نہیں کھائیں گی۔"

"ٹھیک ہے شاہی وعدہ۔" اس نے نرم لہجے میں کہا' ویٹر پردہ ہٹا کر اندر آ گیا تھا۔ اس نے کھانا لگا دیا۔ دونوں خاموش ہو گئے تھے۔ ویٹر اپنا کام مکمل کر کے چلا گیا تو وہ کھانا سرو کرنے لگی۔ شاہی بھی ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے اچانک اس نے کہا۔

"ایک درخواست کروں میڈم؟"

"کہو کیا بات ہے؟"

"میری گستاخی پر مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

"ارے' کون سی گستاخی پر؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"میں واقعی اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہوں جو منہ میں آتا ہے بک جاتا ہوں آپ کے لئے۔"

"نہیں شامی۔ اس بات پر کبھی معافی نہ مانگنا۔"

"جی!"

"یہی تمہاری انفرادیت ہے۔ یہی تمہاری شخصیت کی خوبی ہے ورنہ ساری دنیا مصلحت پسند ہے۔ ڈبل رول کرتی ہے اگر میں ایک بھی شخص کو اس کے وجود میں زندہ رکھ سکوں تو۔ ایک زندگی بچانے کا ثواب حاصل کر لوں گی۔ میں یہ ثواب حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

"ذرا کچھ وقت دیجئے۔ میں اس منطق کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" شامی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"کیوں؟" وہ اپنی پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے بولی۔

"ڈاکٹر اعجاز یاد آ گئے تھے۔" شامی نے کہا اور وہ بھی ہنس پڑی۔ "ان کا کیا کیس ہے؟"

"ہمارے خاندانی معالج ہیں۔ علاج کرتے ہیں۔ ہر ایک ان کے علاج سے فائدہ حاصل [illegible] ہے۔ کبھی ایک پیسا قبول نہیں کرتے۔ کوئی لالچ نہیں ہے انہیں مجھ سے لیکن میرے لئے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتے ہیں جو میری ضرورت ہو۔ میں تمہیں بتاؤں شامی۔ میں انہیں سگے بھائیوں کی طرح عزیز رکھتی ہوں اور وہ بھی ایک مشفق بھائی کی طرح میری ناز برداری کرتے ہیں نہ جانے کتنی بدتمیزیاں کر چکی ہوں ان سے۔"

"میں ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا لیکن آپ سے بری طرح خوف زدہ رہتے ہیں۔"

"نہیں۔ وہ بھی اسی جذبے کا شکار ہیں۔"

"یعنی؟"

"وہ۔ مجھے ہر قیمت پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

کافی دیر خاموشی سے گزر گئی۔ کھانے کے بعد کافی منگوائی گئی کافی پیتے ہوئے شامی نے کہا۔ "ذکی صاحب مجھ سے اس نئے کلائنٹ کے بارے میں سوال کریں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"انہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"اوہ۔ تمہارا مطلب ہے کہ..... کہ......" وہ رک کر سوچنے لگی تھی پھر بولی۔ "بہتر ہے ہر ایک کی جواب دہی نہ کی جائے۔ میں خود ذکی صاحب سے کچھ کہہ دوں گی۔ میرے خیال میں اس کے وہ تم سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔"

"او کے۔" شامی نے گردن ہلا دی۔

□

گھر کا ماحول ویسے ہی کون سا خوشگوار تھا۔ سجاد کے چلے جانے سے اور ویرانی چھا گئی تھی۔ مرزا صاحب مزید چڑچڑے ہو گئے تھے۔ انہیں ہر ایک سے شکایت تھی۔ لڑکیاں خیال

نہیں رکھتیں معذور باپ بوجھ بن گیا ہے ان پر۔ سوچتی ہیں اب اس سے کیا حاصل ہو گا۔ بیگم صاحبہ اٹھتے بیٹھتے کراہنے لگی ہیں معذور شوہر کے بوجھ کو کہاں تک گھسیٹیں۔ سب کے لئے عذاب بن گیا ہوں۔ فیروزہ بیگم چپکے چپکے آنسو بہاتی ہیں۔ سجاد سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ماں کے دل کو تو نہیں روک سکتی تھیں۔ نہ جانے کہاں رہ رہا ہو گا۔ نہ جانے کن تکلیفوں سے گزر رہا ہو گا۔ گھر کے حالات پہلے ہی تنگ تھے۔ مزید خراب ہوتے جا رہے تھے۔ مرزا صاحب ہر وقت کھانے کو مانگتے رہتے تھے۔ کبھی مرغی کی یخنی' کبھی میٹھا۔

"ساری عمر کما کر کھلایا ہے۔ اب مجبور ہو گیا ہوں تو گراں گزرتا ہوں تم لوگوں کو۔"

ہر ایک پریشان تھا۔ لڑکیاں، الگ ہراساں رہتی تھیں۔ تابندہ بے وقوف نہیں تھی سب کچھ سمجھتی تھی یہ بھی معلوم تھا اسے کہ محمود حسن کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ حسن کا پیغام ملا تھا مگر ہمت نہیں کر پائی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔

فیروزہ بیگم نے جواد سے کہا۔ "دن بھر کہاں غائب رہتے ہو بیٹا؟"

"مرنے کے لئے جگہ تلاش کرتا رہتا ہوں۔ سوچتا ہوں کیسے خود کشی کروں۔"

"خود کشی کریں تمہارے دشمن۔ کیسی باتیں کرتے ہو؟"

"اس کے سوا چارہ کار بھی کیا رہ گیا ہے۔ امتحان کی فیس بھی نہیں بھر سکا۔ ڈیٹ نکل گئی۔ تعلیم ختم۔"

"کتنے پیسے دینے تھے؟"

"کوئی بیس بار تو بتایا تھا آپ کو۔ اب پوچھنے سے کیا فائدہ۔" جواد نے کہا۔

"لیٹ فیس نہیں بھری جا سکتی؟"

"وہ وقت بھی کبھی کا نکل گیا اور اب آپ یہ سوال کیوں کر رہی ہیں؟"

"گھر کی کوئی چیز بیچ دی جائے۔"

"بہت دیر کے بعد آپ کو اس کا خیال آیا۔"

"میں کیا کروں جواد۔ میں کیا کر سکتی ہوں؟" فیروزہ بیگم رونے لگیں۔

"میرے ساتھ اس گھر میں سخت ناانصافی ہوئی ہے۔ سب کچھ بڑے پر خرچ کر دیا گیا۔ ساری توجہ اسے دی گئی۔ میرا وقت آیا تو سب کچھ ختم ہو گیا۔"

"جواد ایک کام کر دو بیٹے۔" ماں نے لجاجت سے کہا۔

"جی فرمایئے۔"

"سجاد کے دفتر سے اس کے بارے میں معلوم کر لو۔ کہاں رہ رہا ہے' کیسے رہ رہا ہے؟"

"ارے کمال کر رہی ہیں آپ۔ آپ کو خود اندازہ نہیں ہے۔" جواد طنزیہ بولا۔

"کیا؟"

"فرم کے مالکان کی بیٹی سے رومانس لڑا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ پہاڑوں پر گھوم رہے ہیں اور حالات پوری طرح ان کے حق میں ہیں' بیٹی کے ابا جان خود رشتہ لے کر آ گئے تھے۔ انہیں کیا پریشانی ہے شادی کر کے گھر بسالیں گے اور گھر داماد بن کر عیش کریں گے۔ وہ بھی ایک فرم کے مالک کے گھر کے داماد' پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں۔"

"تم معلومات تو کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ معلومات حاصل کر کے آپ کو خوش خبری سنا دوں گا کہ بیٹے کے سہرے کے پھول کھل گئے ہیں۔" جواد نے کہا۔

جواد سرکش طبیعت کا مالک تھا۔ پہلے بھی بختیار صاحب سے سجاد کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا تھا۔ سیٹھ ادریس چور نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی فرم میں اس بات کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ سجاد کے ساتھ ان کا کیا رشتہ قائم ہو رہا ہے۔ بختیار صاحب سے صاف صاف کہہ کر گئے تھے کہ بیٹی کی شادی کرنے کے لئے لندن جا رہے ہیں۔ کچھ ایسے عوامل ہیں جن کی بنیاد پر شادی وہاں کرنا ضروری ہو گی اس سے زیادہ بختیار صاحب کو اور معلومات فراہم نہیں کی گئی تھیں' مالکان کے معاملے بہرطور اسی قدر جانے جا سکتے ہیں جتنے وہ خود بتانا پسند کریں۔ جواد' بختیار صاحب کے پاس براہ راست پہنچ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"آپ کی فرم میں ایک صاحب مرزا سجاد بیگ کام کرتے ہیں' میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں آپ سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" بختیار صاحب چونک پڑے۔ یہ معاملہ ذرا الجھن کا باعث تھا اور یہ الفاظ بھی بڑے عجیب تھے۔ ایک لمحے الجھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں؟"

"وہ ان دنوں کہاں ہیں' کیا کر رہے ہیں۔ اصل میں گھر سے انہوں نے سارے رابطے توڑ دیئے ہیں اور پچھلے کئی دنوں سے گھر سے غائب ہیں۔" بختیار صاحب پریشان ہو گئے' کیا جواب دیں کیا جواب نہ دیں۔ چند لمحات سوچ میں ڈوبے رہے۔ حیرت بھی ہوئی تھی اور صورت حال کا کسی حد تک اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ کہنے لگے۔

"جواد صاحب! اس سلسلے میں بہتر یہ ہو گا کہ آپ کہیں اور سے معلومات حاصل کریں۔"

"کیا مطلب؟ کیا اب وہ اس فرم میں ملازمت نہیں کرتے؟"

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اب وہ اس فرم کے ملازم نہیں رہے۔ آپ کے ذاتی معاملات ہیں میں نہیں جانتا لیکن آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا' بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ سجاد صاحب لندن چلے گئے ہیں؟"

"کہاں؟" جواد حیرت سے اچھل پڑا۔

"سجاد صاحب لندن چلے گئے ہیں اور سیٹھ ادریس صاحب کی بڑی صاحب زادی سے ان کی شادی ہو جائے گی اور شاید اس کے بعد ان دونوں کا قیام وہیں پر رہے گا۔"

جواد سکتے میں رہ گیا تھا ایک لمحے تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے بختیار صاحب کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا یہ مذاق ہے؟"

"جی نہیں' نہ میں آپ سے مذاق کرنا چاہتا ہوں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو حقیقت ہے میں نے گوش گزار کر دی۔"

"لیکن بختیار صاحب یہ کیسے ممکن ہو گیا؟"

"کیا یہ تفصیل بتانا میرا فرض ہے۔ میں نے صرف اس لئے آپ سے جھوٹ نہیں بولا کہ آپ سجاد صاحب کے بھائی ہیں اور بہرطور سجاد صاحب کو اس فرم میں مالکان کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ براہ کرم اب اس کے بعد نہ مجھ سے کوئی سوال کیجئے گا اور نہ آپ یہاں زیادہ دیر رکیں۔ یہ دفتر ہے اور میں مصروف آدمی ہوں۔"

جواد چونکا' سنبھلا' پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"معافی چاہتا ہوں' واقعی آپ کو ڈسٹرب کیا سوری۔ اس اطلاع کا شکریہ خدا حافظ۔"

باہر نکلا تو تن بدن سلگ رہا تھا۔ کیا ہی اچھی بات ہے سجاد مجھ سے کہیں زیادہ عقل مند ہے۔ میری طرح احمق نہیں ہے۔ میں بلاوجہ اس عقوبت خانے میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ وہ سمجھدار آدمی ہے ہر طرح سے اس نے اس گھر سے فائدے حاصل کئے یہاں تک کہ اپنے لئے ایک منزل پالی اور میں احمق اس گھر کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہوں جہاں رات دن روتے بلکتے چہرے دیکھنے کو ملتے ہیں اور اس کے ساتھ' ساتھ ہی ماں باپ کی ناز برداریاں کرنی پڑتی ہیں' کیا ملا ہے مجھے اس گھر سے اور مستقبل میں کیا ملے گا' بہرحال غصے اور حسد میں پھنکتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا اور سیدھا سخاوت بیگ کے کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ فیروزہ بیگم وہیں موجود تھیں۔ بات اگر سخاوت بیگ کے کانوں تک نہ پہنچے تو پھر مزا ہی کیا آئے گا۔ وہی صحیح طور سے بڑے بیٹے کی کاوشوں کی داد دے سکیں گے۔ ویسے یہ بات تو اس کے علم میں تھی کہ سیٹھ ادریس اپنی بیٹی کو سجاد سے منسوب کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سب کچھ اس انداز میں ہو گیا اور پھر اس شان سے ہوا یہ ناقابل یقین تھا۔

فیروزہ بیگم نے جواد کو دیکھا' جواد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں حضرات میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجئے۔ میں نے کہا تھا نا آپ سے کہ بہت جلد واپس آ کر آپ کو آپ کے بیٹے کے سہرے کے پھولوں کی خوشخبری دوں گا۔ آہ کاش! اس وقت میں زبان سے کوئی ایسی بات نکال لیتا جو میرے لئے فائدہ مند ہوتی آپ کو مبارک ہو محترم والدین کہ آپ کے صاحب زادے کی شادی ہو گئی ہے۔"

"کیا؟" فیروزہ بیگم ہول کر بولیں۔ آنکھ سے جواد کو اشارے کئے کہ کم بخت خاموش ہو جا' باپ کے سامنے یہ باتیں نہ کر لیکن جواد اس وقت کسی اشارے کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ بدستور مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولا۔

"دلہا' دلہن لندن روانہ ہو گئے ہیں معہ اپنے پورے سسرال کے ساتھ' سسرال والے تو واپس آ جائیں گے لیکن دلہا' دلہن وہیں قیام کریں گے۔ ہو سکتا ہے لندن سے سوئٹزر لینڈ وغیرہ چلے جائیں۔ میرا خیال ہے اب وطن واپسی مشکل ہے' بہت بڑا گھرانہ ہے' دنیا کے مختلف حصوں میں کاروبار پھیلے ہوئے ہیں چلئے ہمارے بھائی جان تو ٹھکانے لگے۔"

"ابے کیا بک رہا ہے؟" مرزا سخاوت بیگ نے حسب عادت گالیاں بکتے ہوئے کہا اور جواد سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا بولا۔

"بڑے انصاف پسند ہیں آپ والد صاحب' درحقیقت بڑے انصاف پسند ہیں آپ' آپ نے اپنی نوجوانی کی ساری توجہ اپنے بڑے بیٹے پر صرف کر دی اور اس کی تعلیم بھی مکمل کرا دی۔ یہاں تک کہ اسے ایک اعلیٰ مستقبل فراہم کر دیا۔ میرے لئے آپ کے پاس گالیوں کے سوا اور کیا رہ گیا ہے' بہرحال میرے سپرد جو خدمت کی گئی تھی میں نے یہ اطلاع آ کر آپ کو دے دی اور اس میں سر مو جھوٹ نہیں ہے۔ آپ لوگوں کے پاس اگر اپنے وسائل ہیں تو معلوم کر لیجئے گا۔ میں نے سچ کہا ہے۔"

جواد کمرے سے باہر نکل گیا اور مرزا سخاوت بیگ شروع ہو گئے۔ اتنا چیخے اتنا چلائے کہ سارا گھر سہم کر رہ گیا۔ جواد باہر نکل گیا تھا۔ سب کو علم ہو گیا کہ کیا ہوا ہے' تابندہ' رخشندہ اور فرخندہ اپنے کمرے میں جا گھسی تھیں۔ یہ چیخیں اور یہ شور شرابہ انہیں ہمیشہ نروس کر دیتا تھا۔ تینوں سجاد کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ فرخندہ نے سسکی لیتے ہوئے کہا۔

"ہم نے تو کبھی سجاد بھائی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ ہمیں بھی بھول گئے۔ گھروں میں شادیاں ہوتی ہیں۔ بھائیوں کی بیویاں آتی ہیں۔ بھاوجوں کے ساتھ نندوں کا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ ہم سے تو سجاد بھائی نے سارے ہی رشتے چھین لئے۔"

تینوں بہنیں رونے لگیں اور گھر میں ایک ماتم سا برپا ہو گیا اس رات کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ مرزا سخاوت بیگ کا شکار فیروزہ بیگم تھیں کسی اور پر آنچ نہیں آنے دیتی تھیں۔ سب کچھ خود ہی بھگت لیا کرتی تھیں چنانچہ آدھی رات تک مرزا سخاوت بیگ کی گالیاں گفتاریاں اور تیکھی باتیں سنتی اور خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھیں۔ واقعی سجاد نے بڑی بے رحمی کا ثبوت دیا تھا۔ ایسے تو ماں باپ کو منجدھار میں نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ ایک ایک لمحہ ماں' باپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور ان لمحات میں وہ لمحات بھی ہوتے ہیں جن کا اولاد کو پتا بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہوش مند نہیں ہوتی۔ ناہوشی کے اس دور میں ماں باپ اگر اولاد سے بے پرواہی برت جائیں تو بھلا اس اولاد کی زندگی کس کے سہارے ہو۔

بچپن سے لے کر ہوش تک کی حفاظت کے فرائض والدین سنبھالتے ہیں اور اصولی طور پر اس کے بعد کے معاملات اس مضبوط اولاد کے شانوں پر ہوتے ہیں جس کی مضبوطی میں اس کے والدین کے خون کا ایک ایک ذرہ شامل ہوتا ہے اور اگر ان لمحات کو فراموش کر کے صرف اپنے بارے میں سوچا جائے تو اسے بے رحمی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ ماں باپ کے دل سے تو کبھی بددعا نہیں نکل سکتی لیکن محاسب اعلیٰ ہر حساب رکھتا ہے اور اس کے حساب کتاب میں کبھی کھوٹ نہیں ہوتی۔

دوسرا دن ہو گیا۔ جواد صبح ہی صبح نکل گیا تھا۔ اچانک ہی شہوار آ گئی اور گھر میں سب چور بن گئے۔ اس گھر میں اب کسی کی آمد بھی سب کے لئے باعث شرمندگی ہوتی تھی۔ گھر کا ماحول ہی ایسا تھا۔ مرزا صاحب کی چیخم دھاڑ ہر شخص کی پریشانی' شہوار' تابندہ کی گہری دوست تھی۔ تابندہ موقع کی نزاکت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ شہوار نے تابندہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیریت تو ہے تابندہ' یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" تابندہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی پھر بولی۔

"بس ایسے ہی گھر کے کام کاج کر کے فراغت ہوئی تھی۔"

شہوار عجیب سی نگاہوں سے تابندہ کو دیکھنے لگی' پھر بولی۔ "تابندہ مجھے تمہارے دکھ کا پورا پورا احساس ہے میں بعض اوقات تمہارے بارے میں سوچ کر بہت افسردہ ہو جاتی ہوں۔ کیا ہو گیا یہ سب کچھ؟"

"میں کچھ نہیں جانتی؟" تابندہ نے ایک سسکی لے کر کہا۔

"تمہیں جاننا چاہئے تابندہ۔"

"کیسے؟" تابندہ نے سوال کر دیا۔

"بچی نہیں ہو تم۔ پرانے لوگ اپنے طور پر زندگی گزار گئے۔ آنے والا وقت گزرے دور سے مختلف ہے۔"

"تو پھر؟"

"گھر کے ہر معاملے میں ہر فرد ذمے دار ہوتا ہے۔ ہر شخص کو یہ ذمہ داری پوری کرنی پڑتی ہے۔ بھائیوں کا معاملہ کچھ نہیں ہے۔ لڑکے سرکش ہوتے ہیں کہیں بھی اپنا ٹھکانہ بنا سکتے ہیں' لیکن لڑکیوں کو بہرحال مشکلات پیش آتی ہیں۔ تم ہو۔ تمہارے بعد دو بہنیں ہیں۔ تم آگے بڑھیں تو وہ "کیو" میں آئیں۔"

"میں کیا کرتی؟"

"اور کچھ نہیں تو تمہیں حسن سے مل لینا چاہئے تھا۔"

"اس سے کیا ہوتا؟"

"عجیب باتیں کر رہی ہو۔ حسن کو ڈھارس ہوتی۔ اب نہ سہی کچھ عرصہ کے بعد وہ تم سے رابطہ کر لیتا۔"

"کچھ نہ ہوتا شہوار۔ یقین کرو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ہم ایک عجیب معاشرے کے لوگ ہیں۔ والدین غصہ ہوتے ہیں کہ اولاد کے مستقبل کا اچھا یا برا فیصلہ وہی کریں گے۔ اولاد کی پرورش کی ہے انہوں نے' اولاد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر کوئی فیصلہ کر سکے۔ وہی جابرانہ ذہنیت ہوتی ہے والدین کی۔ جو ایک روایتی حکمران کی ہوتی ہے جو اپنی رعایا کے ساتھ صرف اپنی مرضی کا سلوک کرنا چاہتا ہے اولاد کے مستقبل کا فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم اس معاشرے کے لوگ ہیں شہوار بھلا ہم سرکشی کیسے کر سکتے ہیں چاہے ہماری زندگی ناسور ہی کیوں نہ بن جائے' وہ چلے جاتے ہیں' یہ ناسور ہمارے وجود میں چھوڑ کر اور اس کے بعد اس کے درد کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا' کیا کیا جائے شہوار یہ تقدیر ہے ہماری۔ تقدیریں لکھ دی جاتی ہیں تو بدلی نہیں جا سکتیں۔ حسن بعد میں بھی اگر مجھ سے رجوع کرتے تو وہی اخلاقی' معاشرتی اور سماجی زنجیریں دامن گیر ہوتیں اور اس وقت بھی ہم کچھ نہ کر پاتے تم نے خاص طور سے لڑکیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ میں بھی خاص طور سے لڑکیوں کی ہی بات کرتی ہوں۔ کون جانے ہمارا مستقبل کیا ہو۔ بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر فیصلے کر لئے۔ جانتی ہو سجاد بھائی لندن چلے گئے۔"

"سجاد بھائی۔" شہوار حیرت سے بولی۔

"ہاں۔"

"لندن؟"

"ہاں۔"

"مم مطلب یہ ہے کہ۔ کک۔ کسی دفتری کام سے؟"

"نہیں ذاتی کام سے۔"

"بھئی کچھ سمجھاؤ' میں سمجھی نہیں؟"

"جس فرم میں کام کرتے تھے اس فرم کے مالک کی لڑکی کو پسند آ گئے' حالانکہ ایک بات میں کہوں گی۔ فرم کے مالک ہمارے گھر آئے تھے۔ انہوں نے ابو کو پیش کش کی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی سجاد سے کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں اس بات کے خواہش مند ہیں کہ سجاد کے والد بھی اس کی سرپرستی کریں' لیکن ابو نہیں مانے' بے عزت کر کے انہیں گھر سے نکال دیا۔ آخر کار سجاد بھائی نے یہ فیصلہ کر لیا کہ گھر چھوڑ دیں گے۔ کون اپنے مستقبل کو اپنے ہاتھوں تباہ کرتا ہے۔ ہماری بات اور ہے' ہمارے ابو زندہ ہیں اور ہمارا مستقبل بھی انہی کے ہاتھ میں اس گھوڑے کی لگام کی طرح سے ہے جس کی پشت پر اس کا

مالک سوار ہو۔ بھلا اس کی کیا مجال کہ سرکشی کر سکے۔"

"تو سجاد بھائی لندن چلے گئے؟"

"ہاں۔ وہاں ان کی شادی ہو جائے گی اس وقت گھر میں یہی طوفان برپا ہے۔ ابو اپاہج ہو چکے ہیں لیکن زبان بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور زبان سے وہ تمام معرکے سرانجام دے رہے ہیں جو ہاتھوں سے دے سکتے ہیں۔" تابندہ رونے لگی۔ شہوار کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

"یہ تو زیادتی ہے تابندہ۔ یہ تو واقعی زیادتی ہے۔"

"والدین کو اس کا حق حاصل ہوتا ہے۔" تابندہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

شہوار کش مکش میں مبتلا ہو گئی تھی کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن تابندہ' حقیقت یہ ہے کہ تم نے میری بات نہ مان کر بڑی نادانی کی ہے' کم از کم مستقبل میں سہارے کی امید تو رہتی' افسوس میں تمہیں ایک بری خبر سنانے آئی ہوں۔ اصولی طور پر مجھے اس غم ناک ماحول میں تمہیں یہ خبر نہیں دینی چاہئے تھی لیکن کئی دن سے کش مکش کا شکار تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا کروں کیا نہ کروں' آخر کار کسی کی امانت تھی تم تک پہنچانا ضروری تھا۔"

"نہ جانے کیا باتیں کر رہی ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ حسن امریکہ چلے گئے۔" شہوار نے کہا اور تابندہ پر بجلی سی گری۔ ایک لمحے کے لئے کپکپا کر رہ گئی۔ خود کو سنبھالا' چہرے پر شدید غم واندوہ کے آثار ابھر آئے تھے لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں مجھے کیا معلوم؟"

"ظاہر ہے ملنے بھی آتے تو کیا کہہ کر' کیا سوچ کر کس حساب میں۔ مجھے ساری تفصیلات بتا دی تھی انہوں نے۔ محمود حسن صاحب نے آخری حد تک کوششیں کی تھیں کہ تمہاری اور حسن کی نسبت طے ہو جائے اور تم حسن کے ساتھ امریکہ چلی جاؤ۔ حالانکہ تابندہ دنیا خود غرض ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر سوچتا ہے۔ حسن نے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارے لئے شدید قربانیاں دی ہیں۔ بڑے دل برداشتہ تھے' جانے سے قبل میرے پاس آئے تھے اور مجھے دل کا سارا حال سنا گئے تھے۔ محمو حسن صاحب کے ایک دوست ہیں بیرسٹر ہاشم علی۔ ان کی بیٹی غزالہ ہے جو غزل کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ حسن ہی کے ہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہی تھی۔ حسن سے متاثر ہو گئی اور اس نے اپنے والدین سے تذکرہ کر دیا۔ بیرسٹر ہاشم علی اس بات پر رضامند ہو گئے کہ حسن اور غزالہ کی شادی کر کے دونوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیج دیں اس کے لئے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور غزل کو مسترد کر کے یہاں آئے۔ شادی کے تمام اخراجات اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس

لئے کہ وہ اپنے بیٹے کو ہر قیمت پر بہت جلد امریکہ بھیجنا چاہتے تھے، لیکن یہاں جو کچھ ہوا تمہارے علم میں بھی ہو گا۔ حسن نے اپنے طور پر بھی بہت کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم محمود حسن صاحب نے حسن کو سامنے بٹھا کر ان سے یہ سوال کیا کہ اب کیا کرنا ہے تو حسن نے کہا کہ جو کچھ بھی ہے لیکن وہ غزل سے شادی نہیں کریں گے۔ شادی کا تصور انہوں نے تابندہ کے ساتھ ہی منسلک کیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو وہ شادی کریں گے ہی نہیں۔ اس بات پر گھر میں کافی لے دے ہوئی۔ محمود حسن صاحب نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر حسن ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے تو پھر وہ ان پر زیادہ اخراجات نہیں کر سکتے۔ وہ امریکہ جانا چاہتے ہیں تو اپنے طور پر کوشش کریں اور حسن نے یہ سب کچھ بھی کر لیا۔ وہ امریکہ جانے سے پہلے تم سے ملنا چاہتے تھے۔ تمہیں کچھ بتانا کچھ سمجھانا چاہتے تھے لیکن تابندہ تم ہمت نہ کر پائیں بہرحال وہ چلے گئے ہیں۔ جو کچھ کیا ہے انہوں نے اپنے طور پر ہی کیا ہے اور گھر والوں سے ایک طرح کی ناراضگی مول لینے کے بعد امریکہ گئے ہیں۔ تمہارے لئے ایک خط دے گئے ہیں وہ۔"

تابندہ کچھ نہ بولی اس کے رخساروں پر آنسو بہتے رہے۔ نہ جانے کیا کیا احساسات اس کے دل میں پروان چڑھ رہے تھے حسن کی تصویر نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ وہ لمحات یاد آ رہے تھے جب حسن سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔ کیسے عجیب کیسے انوکھے انسان تھے وہ۔ وہ آنسو بہاتی رہی۔ شہوار نے ایک لفافہ کھول کر تابندہ کی گود میں ڈال دیا۔ کہنے لگی۔

"تمہاری امانت کو میں نے بطور امانت ہی رکھا ہے، میں نہیں جانتی کہ اس خط میں کیا لکھا ہے بہرحال یہ تم تک پہنچانے کے لئے آئی تھی۔ اس وقت چونکہ حالات بہتر نہیں ہیں۔ کسی کے گھریلو معاملات میں بہت زیادہ مداخلت کرنا بھی ایک ناجائز عمل ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دو، دوبارہ آؤں گی تمہارے پاس۔"

تابندہ اسے بھلا کیا روکتی۔ شہوار رخصت ہو گئی اور وہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کم از کم حسن کا خط پڑھنے کی حقدار تو تھی۔ خط کھولا۔ بڑے سادہ سے الفاظ میں لکھا تھا۔

"تمہیں کسی نام سے مخاطب کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا اس لئے صرف تابندہ کہہ کر مخاطب کر رہا ہوں۔

تابندہ! زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ جو کچھ گزری ہے وہ تمہیں شہوار کی زبانی معلوم ہو جائے گی۔ اپنے طور پر امریکہ جا رہا ہوں۔ ہاں ایک دکھ ضرور ہے دل میں - وہ یہ کہ لوگ سخت ہو گئے تھے۔ زمانہ دشمن ہو گیا تھا، تم سے امیدیں وابستہ تھیں کہ شاید تم تھوڑی سی جرات کا ثبوت ے کر کم از کم مجھ سے ملاقات کر لو گی۔

مستقبل کے لئے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن ناکام رہا اس میں اور اب ان ناکامیوں کو لے کر امریکہ جا رہا ہوں اور صرف اتنا کہہ کر جا رہا ہوں کہ جو کچھ تمہارے لئے مخصوص کیا تھا۔ وہ ہمیشہ تمہاری ملکیت رہے گا۔ ہو سکتا ہے امریکہ سے کبھی واپس نہ آؤں لیکن ان لوگوں کو شکست دے رہا ہوں جو تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتے تھے۔ تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گی تابندہ، بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں اور تمہیں تمہارے اس مستقبل پر پیشگی مبارکباد دے رہا ہوں جو آئندہ تمہاری زندگی بنے گا۔ بس اس سے زیادہ میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے کیونکہ میں تم پر اپنا وہ اعتماد قائم نہیں کر سکا جو قائم کرنا چاہتا تھا۔" (حسن)

تابندہ کو چکر آ گیا اس کے حلق سے بھنچی بھنچی کئی چیخیں نکلیں اور خط کو اس نے اپنی دونوں مٹھیوں میں بھینچ لیا۔ یہ زیادتی ہو گئی تھی خود اس کے ساتھ، حسن کے ساتھ نہیں خود اس کے ساتھ، وہ تو مرد ہے سب کچھ سہہ جائے گا لیکن میں، میں کیا کروں گی۔ گھر کا ماحول واقعی اتنا خوف ناک تھا کہ اس خط کا تصور اس خط کی بھنک بہنوں کے کانوں تک میں نہیں پہنچنی چاہئے تھی چنانچہ اپنے آپ کو سنبھالا۔ سب سے پہلے خط کو پرزے پرزے کر کے ایسی جگہ ضائع کر دیا جہاں سے کسی کو اس کا نشان بھی نہ ملے اور اس کے بعد دروازہ اندر سے کھول کر پلنگ پر دراز ہو گئی۔ جسم میں سکت نہیں رہی تھی کہ اب اٹھے چلے پھرے۔ جہنم میں جائے یہ سب کچھ۔ میری کائنات لٹ گئی۔ اب۔ اب میرے پاس کیا رہ گیا۔ حسن کے خط میں امید کا ایک لفظ بھی نہیں تھا بلکہ یہ الفاظ ایک بھیانک سیاہ غار کی طرح منہ کھولے کھڑے ہوئے تھے کہ اب میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔

□

ریس کا دن تھا۔ شامی نے خود بھی چھٹی کی تھی اور فراز کو بھی چھٹی کرا دی تھی۔ دونوں ریس کورس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ حالانکہ زندگی میں کبھی ریس کورس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی لیکن شامی شامی ہی تھا۔ ساری معلومات حاصل کر کے آیا تھا اور اب اس طرح تیار ہو رہا تھا جیسے کسی اہم مشن پر جا رہا ہو۔ فراز کو بھی اس نے خود ہی تیار کرایا تھا اور فراز جھینپے ہوئے انداز میں ہنستا رہا تھا۔

"ابے کمال کرتے ہو۔ تقریباً سسرال ہی سمجھ لو اسے، بر دکھاوے کے لئے جا رہے ہو، کچھ تو تیاریاں کرنا ہی ہوں گی۔"

"دیکھ بکواس مت کر، میں سچ مچ نہیں جاؤں گا۔" فراز جھینپ کر بولا۔

"ہائے ہائے ہائے۔ لڑکے ایسے تو نہیں کرتے بلکہ آج کل تو باقاعدہ حجام کی دکانوں پر بر

دکھاوے کا الگ پیکج ہوتا ہے اور تم گھر میں ہی میک اپ کرتے ہوئے شرما رہے ہو۔"

"تو دعوے سے کہتا ہے کہ فرید احمد صاحب وہاں موجود ہوں گے؟"

"راستے میں کسی طوطے سے فال نکلوا لیں گے کیا خیال ہے؟" شامی پورے موڈ میں تھا۔ فراز آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکنے لگا پھر بولا۔

"اس سے زیادہ عجیب اور کوئی بات نہیں ہو گی۔ ہم ریس کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں اور ریس کھیلنے جا رہے ہیں۔"

"کون نامعقول ریس کھیلنے جا رہا ہے۔ ہم تو فرید احمد صاحب کو کھیلنے جا رہے ہیں۔ ہمارے اصل گھوڑے تو وہ ہیں۔" شامی نے کہا اور فراز ہنس پڑا۔ شامی بولا۔

"اور پانچ ہزار روپے اس کار بد کے لئے مخصوص کر لئے گئے ہیں بیٹے اس سے زیادہ ایک روپیہ ہارنے کی کوشش مت کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سسر محترم کی باتوں میں آ جاؤ اور گھر بار ہی بیچ بیٹھو۔"

"لعنت ہے ریس کھیلنے والے پر' جو کچھ کرنا ہے تم خود ہی کرنا سمجھے۔"

"یار فضول باتیں مت کرو' ساری محنت اکارت کر دو گے۔ جب تک خود دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرو گے بات آگے نہیں بڑھے گی۔"

"مگر میرے بھائی' سن تو سہی۔"

"بالکل نہیں سنوں گا' جو کچھ سکھایا' پڑھایا ہے اتنے دنوں تک' وہ ابھی تک اثر انداز نہیں ہوا۔"

"نہیں' ایسی بات نہیں ہے بس میں ذرا نروس ہوں۔"

"بس بس بس۔ فضول باتوں سے گریز کرو۔ محترمہ صاعقہ جب سامنے آئیں گی تو ہم سے کہہ دو گے کہ میاں ذرا باہر ہی رکو' کچھ پرائیویٹ گفتگو ہو رہی ہے۔" شامی نے کہا اور فراز پھر ہنس پڑا۔

"خدا تجھے سمجھے۔"

"چلو پیارے بھائی بس اب وقت آ گیا ہے' گیارہ بجے کے بعد سے ریس شروع ہو جاتی ہے۔"

دونوں ریس کورس چل پڑے۔ ٹیکسی سے اترنے کے بعد شامی نے ٹکٹ خریدے اور اس عجیب و غریب جگہ پہنچ گئے جہاں انسانی شکل و صورت بالکل ہی بدل جاتی ہے۔

وسیع و عریض میدان میں کاروں کے انبار تھے اور ان سے ہٹ کر ریس کورس میں شرکاء کے لئے وہ تمام انتظامات کئے گئے تھے جو ضروری تھے' بڑی بڑی اعلیٰ شخصیتیں نظر آ رہی تھیں۔ بہت پائے کے لوگ یہاں موجود تھے۔ میک اپ میں لتھڑی ہوئی خواتین کی تعداد بھی بے پناہ تھی۔ بہت سی ایسی شخصیتیں نظر آ رہی تھیں جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہو

جاتا تھا کہ اعلیٰ نسل کے لوگ ہیں۔ سب پریشان حال مارے مارے پھر رہے تھے۔ جیسے یوم حساب میں اپنے اعمال نامے کی فکر میں سرگرداں ہوں۔ کیبن بنے ہوئے تھے جہاں دولت کی بے قدری دیکھنے میں آ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر جوکی اپنے اپنے گھوڑوں کی نمائش کر رہے تھے۔ ان کی شان دیکھنے کے قابل تھی۔

شامی ریس کورس کے بارے میں تمام تفصیلات فراز کو بتانے لگا۔ ان کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ انسانوں کے ہجوم میں کسی ایک شخص کو تلاش کر لینا انتہائی مشکل کام تھا۔ وہ لوگ ٹہلتے ہوئے گھوڑوں کی نمائش گاہ کے پاس آ گئے۔ ہر طرح کے گھوڑے نظر آ رہے تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت' ایک سے ایک شاندار۔ ان کے نمبروں کے ساتھ ان کے نام منسلک تھے۔ ریس کورس گائیڈ ان کے پاس موجود تھی۔ ریس نمبر ایک کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بہت سے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ ایک گھوڑے پر نظر پڑی۔ چھوٹے قد و قامت کا مالک گھوڑا تھا اور کسی تانگے سے نکالا ہوا معلوم ہوتا تھا' نام تھا "شاٹ سلیم" شامی نے مسکرا کر اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس مظلوم گھوڑے کو یہ لوگ بلاوجہ ہی ان شاندار گھوڑوں کے درمیان لے آئے ہیں کیا خیال ہے۔ ہم اس سے ہمدردی کا اظہار کریں۔"

"کیا مطلب؟"

"اس پر ایک ہزار روپے لگائیں گے۔"

"ہاں ہاں ڈبو دو' مگر فائدہ۔ کم از کم فرید احمد صاحب تو نظر آئیں۔"

"ان کے سامنے لگائے تو یوں سمجھ لو کہ اس محلے سے نکلوا دیں گے۔" شامی نے ہنس کر کہا اور فراز بھی ہنسنے لگا' بہرحال جو چیز شامی کے ذہن پر سوار ہو جائے اس سے گریز کیسے ممکن ہو۔ ایک بک پر پہنچے' یہاں گھوڑوں پر داؤ لگائے جا رہے تھے۔ نہ جانے کیا بھید بھاؤ کھل رہے تھے۔ دس کے بھاؤ میں' پندرہ کے بھاؤ میں' دو کے بھاؤ میں شاید شامی واحد آدمی تھا جس نے ایک ہزار روپے بکی کو دیتے ہوئے "شاٹ سلیم" کا نام لیا تھا اور یہ بھی ایک دلچسپ اتفاق تھا کہ جب "شاٹ سلیم" کا ٹکٹ وصول کر کے وہ واپس پلٹا تو فرید احمد صاحب عقب میں کھڑے ہوئے تھے انہوں نے شاٹ سلیم کا نام سن لیا تھا اور تمسخرانہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ اتفاق سے شامی یا فراز کی نظر فرید احمد صاحب پر نہیں پڑی تھی۔ وہ ٹکٹ لینے کے بعد وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ پتا نہیں فرید احمد صاحب نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا یا نہیں۔ تاہم وہ اپنے پسندیدہ گھوڑے "شہنشاہ" پر رقم لگانے کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گئے تھے۔ فراز اور شامی ریس کورس کے ماحول کو دیکھنے لگے۔ شامی نے کہا۔

"خواتین بھی ریس کھیلتی ہیں۔"

"یار میں تو یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہوں اس کا مطلب ہے کہ ہم تو دنیا سے بہت

پیچھے ہیں۔"

"دولت کی بے قدری دیکھ رہے ہو۔ نوٹوں کو کس طرح ڈرم میں ڈال ڈال کر دبایا جا رہا ہے۔"

"ہاں ان میں سے ایک نوٹ بھی غریب اور محنت کش کی دن بھر کی محنت کا معاوضہ نہیں ہوتا' لیکن یہاں دیکھو' گڈیوں کی گڈیاں کس طرح لٹائی جا رہی ہیں۔"

شامی نے ٹھنڈی سانس لی پھر بولا۔ "غالباً ریس میں گھوڑیاں بھی دوڑتی ہیں۔"

"گھوڑیاں؟"

"میرا مطلب ہے گھوڑوں کے ساتھ گھوڑیاں بھی تو ہوتی ہوں گی۔"

"ہاں شاید بک میں ایسے بھی کئی نام موجود ہیں جو گھوڑیوں کے ہو سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے خواتین گھوڑیوں پر ہی داؤ لگاتی ہوں گی۔" شامی نے کہا اور فراز ہنسنے لگا۔

نمائش گاہ سے گھوڑے "اسٹارٹنگ پوائنٹ" کی جانب چل پڑے تھے' بہرحال یہ سب کچھ نہایت دلچسپ تھا۔ ریس کا چونکہ آغاز ہونے جا رہا تھا اس لئے بے قرار افراد اپنی اپنی جگہوں پر فروکش ہو گئے تھے۔ البتہ بکیز کے پاس اب بھی مجمع لگا ہوا تھا اور لوگ ٹپ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے تاکہ عین وقت پر رقمیں لگائیں۔ گھوڑے اسٹارٹنگ پوسٹ پر پہنچ گئے ان کے ساتھ ساتھ دوڑنے والی گاڑیاں اپنے ٹریک پر آ گئیں۔ اس کے بعد فائر ہوا اور گھوڑے بندوق سے نکلی ہوئی گولیوں کی مانند چل پڑے۔ "شاٹ سلیم" بھی مقدور بھر زور لگا رہا تھا اس کی پشت پر ذرا وزن دار جوکی سوار تھا چونکہ گھوڑے بے چارے کا وزن غیر مناسب تھا پھر ٹرننگ پوائنٹ آیا اور لوگوں نے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔

نتھنے پھولے ہوئے تھے آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ گریبان پھیلے ہوئے تھے منہ سے پان کی پیک کپڑوں پر گر رہی تھی اور وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر اپنے گھوڑوں کو بک اپ کر رہے تھے۔ ہر ایک کی حالت خراب تھی۔ شامی دہشت زدہ انداز میں ان چیخنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ گالیاں بکی جا رہی تھیں جوکیوں کو برا بھلا کہا جا رہا تھا۔ گھوڑوں کو ان کی نسلوں کا واسطہ دیا جا رہا تھا۔ کارنر سے نکلنے کے بعد شاٹ سلیم نے ایک انوکھا کارنامہ سرانجام دیا۔ کئی گھوڑوں کو کراس کرتا ہوا وہ آگے بڑھا اس پر داؤ لگانے والے نہ ہونے کی برابر تھے' یا پھر اگر تھے بھی تو وہ جنہیں آج کی ریس کے خفیہ راز معلوم تھے لیکن وہ خاموش کھڑے ہوئے تھے اس کے بعد برابر کھڑے ہوئے ایک قوی ہیکل صاحب نے شاٹ سلیم کو ماں بہن کی گالیاں دینا شروع کر دیں اور اپنے گھوڑوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ شامی اور فراز حیرت سے اس ننھے گھوڑے کو زقندیں بھرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور جب فنشنگ پوائنٹ آیا تو "شاٹ

سلیم" دوسرے گھوڑوں سے کافی آگے تھا۔ وہ جیت گیا تھا۔ ہنگامہ مچ گیا شور شرابہ ہونے لگا شامی نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً انہیں پتہ چل گیا ہے کہ ہم پہلی بار ریس کھیلنے آئے ہیں۔"

"کیا وہ ننھا سا گھوڑا جیت گیا۔"

"ابے کمال کرتے ہو تم کسے دیکھ رہے تھے؟"

"یار کیا وہ واقعی جیت گیا؟"

"وہ کیا جیت گیا ہم جیت گئے۔"

"ناممکن ہے؟"

"ممکن ہے۔ میں کہہ رہا ہوں تم سے ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ ہم پہلی بار ریس کھیلنے آئے ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہی لالچ دیا کرتے ہیں اور اس کے بعد گھربار لوٹ لیا کرتے ہیں۔"

"اب کیا کریں گے؟"

"رقم وصول کریں گے' باقی ریس بھی کھیلنی ہے مگر وہ اپنے فرید احمد صاحب نظر نہیں آئے۔"

"اب یہ لوگ بک کی طرف کیوں بھاگ رہے ہیں؟"

"غالباً نئے ٹکٹ خریدنے' آؤ ہم بھی اپنی جیتی ہوئی رقم وصول کریں۔"

دونوں اپنے بک کے پاس پہنچ گئے اور ٹکٹ پچھلی سائڈ سے بکی کو دیئے گئے ایک ہزار کے سولہ ہزار ملے تھے۔ شاید پندرہ کے بھاؤ میں گھوڑا چل رہا تھا۔ شامی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پندرہ ہزار وصول کر کے واپس پلٹا اس نے فراز سے کہا۔

"یار فراز' بڑے احمق ہیں ہم لوگ تو۔"

"کیوں؟"

"پہلے کبھی اس بارے میں معلوم ہی نہیں کیا تھا' بلاوجہ نوکریوں کے چکر میں پھرتے رہے۔" شامی ہنسنے لگا تھا اور اسی وقت عقب سے کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا شامی نے پلٹ کر دیکھا تو فرید احمد صاحب تھے۔ انہیں دیکھتے ہی فوراً سلام داغ دیا۔ شامی حیران رہ گیا تھا لیکن اس نے خود کو فوراً سنبھال لیا اور اجنبی سے انداز میں وعلیکم السلام کہا تو فرید احمد صاحب بولے۔

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں' آپ کا پڑوسی ہوں' بالکل آپ کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا ہوں فرید احمد ہے میرا نام۔"

"اوہو اچھا۔ کہئے فرید احمد صاحب' کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" شامی نے بڑے تپاک سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے لیکن آج آپ نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ میں حیران ہو

گیا ہوں۔"

"ان سے ملئے یہ فراز ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" فرید احمد نے فراز سے بھی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کون سے کارنامے کا تذکرہ کر رہے تھے؟"

"عزیزی یہاں نہیں دوسری ریس میں تو ابھی کافی وقت ہے۔ آیئے ایک ایک کپ ہو جائے ہماری طرف سے آیئے' پلیز۔ ہمارا آپ کا تو ایک گہرا رشتہ ہے آپ کو علم ہے کہ پڑوسیوں سے زیادہ قریبی شخص اور کوئی نہیں ہوتا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ آؤ فراز۔" شاہی نے کہا اور فرید احمد صاحب انہیں لئے ہوئے کینٹین کی جانب بڑھ گئے راستے میں انہوں نے کہا۔

"یقیناً آپ کو کہیں سے ٹپ ملی تھی۔"

"ٹپ؟"

"بھلا شاٹ سلیم۔ خدا کی پناہ اس کی پوری تاریخ میرے علم میں ہے۔ اس کے سارے حسب و نسب کو جانتا ہوں اس کے خاندان بھر میں کوئی گھوڑا کبھی نہیں جیتا اور آج اس نے سب کی ایسی کی تیسی کر دی۔ میاں معاف کرنا کیا نام بتایا تھا آپ نے؟"

"احتشام احمد' شاہی کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہوں۔"

"معاف کرنا شاہی' کوئی لمبا گھپلا ہوا ہے۔ خیر ہم یہ نہیں پوچھیں گے خلاف آداب اور خلاف اصول ہے لیکن ایمانداری سے بتا دیجئے ٹپ ملی تھی آپ کو؟"

"میں کیا عرض کروں یہ فراز جو ہیں نا انہیں روحانیت سے بھی کچھ دلچسپی ہے' میں تو خود گھوڑوں کی نمائش گاہ میں اس گھوڑی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ شاید یہ لوگ اسے تانگے سے نکال لائے ہیں لیکن فراز نے کہا کہ اگر پیسے لگانے ہیں تو "شاٹ سلیم" پر لگا دو۔ بس یوں سمجھ لیجئے فراز احمد صاحب' میں نے اس کے سر پر سے نچھاور کر کے یہ ہزار روپے لگا دیئے تھے۔"

"آہ کاش۔ آہ کاش ایسی ٹپ ایک بار زندگی میں صرف ایک بار مجھے بھی مل جائے' میں بھی فراز میاں پر سے کچھ نچھاور کر دوں۔"

"آپ کو ٹپ مل جائے گی فرید احمد صاحب لیکن شرط یہی ہے کہ آپ کو کوئی قیمتی شے فراز پر سے نچھاور کرنی پڑے گی۔" فراز نے سہمی ہوئی نگاہوں سے شاہی کو دیکھا کم بخت باتوں ہی باتوں میں کتنی بڑی بات کہہ جاتا تھا کہ دوسرے کے بتھے سے اکھڑ جانے کا خدشہ پیدا ہو جائے لیکن فرید احمد صاحب کچھ نہ سمجھے تھے کینٹین پہنچ گئے ایک میز پر بیٹھ کر چائے منگوائی چائے پیتے ہوئے کہنے لگے۔

"اندازہ ہی نہیں تھا بھئی کہ آپ لوگ بھی یہ شوق رکھتے ہیں ورنہ آپ سے وہیں ملاقات کی جاتی؟"

"اتفاق ہے فرید احمد صاحب کہ کبھی آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی پھر ویسے بھی ہم لوگ ملازمت پیشہ ہیں صبح کو نکلے رات کو گھر پہنچے' ملاقاتوں کا وقت ہی نہیں ملتا۔"

"ریس میں تو باقاعدگی سے آتے ہوں گے؟"

"کہاں فرید احمد صاحب' مہینوں میں کہیں جا کر موقع ملتا ہے۔"

"بھئی کمال ہے بلا کی تقدیر پائی ہے مگر یہ بات تو میں نہیں تسلیم کروں گا کہ "شاٹ سلیم" کے جیتنے کا آپ کو علم نہیں تھا۔"

"ارے نہیں' آپ یقین کیجئے گا بس لگا دیئے تھے تھوڑے سے پیسے۔"

"دوسری ریس میں کسے کھیل رہے ہیں۔" فرید احمد نے ریس گائیڈ نکال کر سامنے رکھتے ہوئے کہا اور شاہی بھی ریس گائیڈ پر جھک گیا۔ پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا وہ فراز کو بھی اس نے آنکھ سے اشارہ کر دیا تھا پھر فرید احمد صاحب نے کہا۔

"بھئی کیا بتائیں آپ کو ہم لوگ ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ میرا تو یوں سمجھ لیجئے بس ذریعہ معاش ہی یہ ہے۔ ابھی لاہور گیا تھا ڈربی کھیلنے کے لئے تقدیر ساتھ نہیں دیتی۔ سولہ سترہ ہزار روپے ہار کر آ گیا۔ اخراجات الگ ہوئے اس وقت بھی شہنشاہ پر لگایا تھا حالانکہ کچھ بھی بھاؤ نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ کچھ تو بات بنے لیکن بس تقدیر۔ ویسے آپ لوگوں کو اگر کوئی ٹپ ہے تو میری بھی مدد کیجئے۔"

"آپ یقین کیجئے فرید احمد صاحب کوئی ٹپ نہیں ہے۔ ہمارے پاس' میرا خیال ہے گھوڑوں کو دیکھتے ہیں اس کے بعد فیصلہ کریں گے۔"

"ساتھ ہی رہئے گا۔"

"ہاں۔ ہاں زندگی بھر۔" شاہی نے کہا اور فرید احمد صاحب نے قہقہہ لگایا۔

"کینٹین سے اٹھے دوسری ریس کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں گھوڑے نمائش گاہ میں پہنچ گئے تھے شاہی گھوڑوں کا جائزہ لیتا رہا' پھر اس نے "کنگ جارج" پر رقم لگانے کا فیصلہ کیا۔ فرید احمد صاحب نے بھی "کنگ جارج" ہی کھیلا تھا درمیانے درجے کا گھوڑا تھا۔ بڑے اطمینان سے ہار گیا۔ شاہی کے دو ہزار اور فرید احمد صاحب کے چھ سو روپے چلے گئے فرید احمد صاحب نے بددلی سے کہا۔

"یہاں آپ کی استادی کام نہیں آئی' اب میرے پاس تو بہت تھوڑے پیسے رہ گئے ہیں ویسے مجھے اپنی تقدیر کو آپ کی تقدیر سے منسلک نہیں کرنا چاہئے آپ کا بھی نقصان ہو جائے گا۔"

"ارے فرید احمد صاحب' کیسی باتیں کرتے ہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ چکے

ہیں کہ پڑوسی سے اچھا عزیز اور کوئی نہیں ہوتا۔ لیجئے یہ سنبھالئے دو ہزار روپے جس پر دل چاہے کھیلئے یہ برائے واپسی نہیں ہیں۔"

"ارے نہیں میاں یہ کیا بات ہوئی؟"

"ہماری طرف سے کھیلئے' ہار جائیں تو فکر نہیں۔"

فرید احمد صاحب نے ہنستے ہوئے پیسے قبول کر لئے تھے اور شامی نے فراز کو آنکھ ماری تھی پھر تیسری ریس میں ایک اور بے تکے گھوڑے کا انتخاب کیا اور تیسری ریس میں بے تکا گھوڑا جیت گیا۔ فرید احمد صاحب تو کئی فٹ اوپر اچھل رہے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی دو ہزار روپے شامی کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"میاں بس اتنا کافی ہے۔ ادھار ادھار ہوتا ہے کمال ہے۔ بھئی واقعی کمال ہے۔ تمہیں شاید یقین نہ آئے کہ اتنی رقم میں کئی سالوں کے بعد جیتا ہوں۔ بھئی مرید کر لیا تم لوگوں نے اپنا۔" پھر یہ پیری مریدی آخری ریس تک جاری رہی سارا دن خوار ہو گیا تھا فرید احمد صاحب کی جیب میں اچھی خاصی رقم آ گئی تھی۔ وہ گرویدہ کیوں نہ ہوتے ویسے یہ واقعی تعجب کی بات تھی۔ واپسی میں بھی وہ ساتھ ہی لگے رہے ٹیکسی حاصل کی گئی' شامی اپنی اس پہلے ہی دن کی کامیابی پر نازاں تھا اور فراز کے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے۔ شامی نے جو ڈراما کیا تھا اس میں قدرت کی رہنمائی بھی شامل تھی۔ ایسے ایسے بے تکے گھوڑوں پر رقمیں لگائی گئی تھیں اس نے اور واپسی میں اس کے پاس پینتیس ہزار روپے جمع ہو گئے تھے۔ پانچ ہزار روپے الگ کر لئے گئے تھے اور شامی نے تلاش کر کے وہ نوٹ الگ کئے تھے جو ان کی حلال کی کمائی کے نوٹ تھے کچھ تو بکیز کے پاس چلے گئے تھے لیکن بعد میں انہی نوٹوں کو داؤ پر لگایا گیا تھا جو جیتی ہوئی رقم کے نوٹ تھے۔ فرید احمد صاحب کا سینہ بھی پھولا ہوا تھا ان کی جیبوں میں اچھی خاصی رقم آ گئی تھی۔

وہ فلیٹ پر پہنچ گئے۔ فرید احمد صاحب نے کہا۔

"ذرا کپڑے وغیرہ بدل کر ابھی آتا ہوں آپ کے پاس' واللہ جی کتنا خوش ہوا ہے بیان نہیں کر سکتا ارے کمال ہے آپ جیسے پیروں کو نظرانداز کئے رہا۔ آتا ہوں ابھی آتا ہوں۔"

اور فراز اور شامی اپنے فلیٹ میں آ گئے' فراز اپنے کمرے میں داخل ہو کر لمبا لمبا فرش پر لیٹ گیا اور شامی اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا بھائی۔ کہیں تم پر شادی مرگ تو نہیں طاری ہو رہا ہے؟"

"خدا تجھے سمجھے شامی' تیری شرارتیں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ لوگ ان پر یقین نہ کرنا چاہیں' ابے یہ تو چاروں شانے چت ہو گئے۔"

"بیٹا! سچ مچ مرشد مان لو ہم نے تو تمہارا کام کر دیا لیکن اب ایک بات ذہن میں رکھنا۔"

"کیا؟"

"سسر معظم زندگی بھر کان کھاتے رہیں گے' اور تمہیں باقاعدہ ریس کھیلنی پڑے گی۔"

"یار واقعی باقی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرید احمد صاحب ریس پر بور کرتے رہا کریں گے اور پیچھے بھی پڑیں گے کہ ریس کھیلنے جایا جائے۔"

"میاں اس وقت تک کی بات ہے جبکہ بات آگے نہیں بڑھ جاتی پھر دیکھ لیا جائے گا۔ شامی تمہارے ساتھ ہے۔"

فراز چونک کر اٹھ گیا اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے شامی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں اب کیا فکر لاحق ہو گئی؟"

"شامی! ہم نے بعد کے مسائل پر تو غور ہی نہیں کیا' یہ مذاق کہاں تک پہنچے گا؟"

"مذاق۔" شامی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ مذاق نہیں ہے یار ہم کیا کر سکتے ہیں' زیادہ سے زیادہ' فرض کرو ان لوگوں سے ہمارے روابط ہو گئے' فرض کرو اس خاندان کی مشکلات ہماری ہی کوششوں سے حل ہو گئیں۔ تو اس کے بعد کیا کریں گے؟"

"محترمہ صاعقہ کو بھابی بنا کر اپنے گھر لے آئیں گے۔ میرا مطلب ہے میں لے آؤں گا۔"

فراز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے اس نے کہا۔ کیا زندگی میں یہ تبدیلی ممکن ہے؟"

"کمال ہے' اس کا مطلب ہے کہ تم تو میرا بھی چانس چھین رہے ہو۔" دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں ایک دم خاموش ہو گئے شامی نے کہا۔

"لیجئے تشریف آ گئی۔"

"جاؤ دروازہ کھولو۔" فراز نے شامی سے کہا اور شامی دروازے کی جانب بڑھ گیا لیکن دروازہ کھول کر اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ فرید احمد صاحب نہیں تھے بلکہ صاعقہ دروازے پر کھڑی تھی۔

اس کے بعد

"انمول"

کے دوسرے حصے کا مطالعہ کریں۔

انمول
2
ایم اے راحت

صاعقہ شامی کو دیکھ کر خجل سی ہو گئی ادھر شامی بھی بوکھلا سا گیا تھا۔ صاعقہ کی مدھم آواز ابھری۔

"یہ.....یہ.....کچھ!"

شامی کی نگاہ اس کے ہاتھوں پر پڑی جن میں ایک ٹرے پکڑی ہوئی تھی اور اس پر سرپوش ڈھکا ہوا تھا۔ شامی نے سکون کا سانس لیا پھر پیچھے ہٹ کر بولا۔

"آیئے۔"

"نہیں۔ یہ آپ لے لیجئے۔" صاعقہ شرمگیں آواز میں بولی۔

"میرے لئے لائی ہیں؟"

"ج۔ جی۔"

"سوچ لیجئے۔ اس میں جو کچھ ہے اس میں سے کچھ بھی فراز کو نہیں دوں گا بعد میں شکایت نہ کیجئے گا۔" صاعقہ مسکرا دی پھر بولی۔

"پلیز لے لیجئے گا۔ مجھے جلدی جانا ہے۔ ابو گھر میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے لایئے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی۔" شامی نے خوان اس کے ہاتھ سے لے کر کہا اور صاعقہ جلدی سے واپس مڑ گئی۔ شامی بھی پاؤں سے دروازہ بند کر کے پلٹا۔ اسی وقت فراز کی آواز ابھری۔

"کون ہے شامی؟"

"خوان نعمت۔" شامی نے جواب دیا اور فراز بھی باہر نکل آیا۔

"سبحان اللہ۔ سامنے سے آیا ہے؟"

"جی ہاں اور سامنے والی لائی ہیں؟"

"کون؟"

"مس صاعقہ؟"

"بکواس....؟" فراز بے اعتمادی سے بولا۔

"نہیں۔ اچھی خاصی ہیں۔ مجھے پسند ہیں۔" شامی نے حسب عادت کہا۔

"میرا مطلب ہے تم بکواس کر رہے ہو؟"

"تم اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟"

"ایمانداری سے بتاؤ کون تھا؟" فراز بولا اور شامی نے خوان میز پر رکھ دیا پھر سرپوش ہٹایا۔ اس میں قاب رکھی ہوئی تھی اور گرم گرم نانیں تھیں' قاب کا ڈھکن ہٹایا تو بکری کے پائے نظر آئے۔

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اسے کہتے ہیں نیک اعمال کا فوری صلہ۔ چلو ہاتھ دھو آؤ۔"

"یار تم بتاؤ گے نہیں۔"

"ابے او گھامڑ۔ عشق کرنے کا سلیقہ سیکھ۔ موجودہ دور میں اسلوب عشق بدل گئے ہیں۔ اب محبوبہ کی آمد پر اس قدر بدحواس نہیں ہوا جاتا۔ وہی تھیں۔"

"مجھے کیوں نہ بلا لیا؟"

"انہیں دوبارہ بلائے لاتا ہوں۔" شامی نے کہا اور باہر نکل گیا۔ فراز پہلے تو نہ سمجھ پایا پھر بات سمجھ میں آئی تو اس نے خوف زدہ انداز میں باہر چھلانگ لگا دی۔ شامی سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ واقعی سامنے جا کر دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا۔ باہر نکل کر اس نے شامی کو دیکھا وہ بیسن پر ہاتھ دھو رہا تھا۔

"خدا تجھے سمجھے۔"

نان پائے کھاتے ہوئے دونوں تبصرہ کرتے جا رہے تھے۔ "مگر یہ ہوا کیسے؟ جبکہ فرید احمد صاحب گھر میں ہیں۔" فراز نے کہا۔

"گھوڑوں کا کمال ہے۔"

"میں دوسری بات سوچ رہا ہوں۔ انیلا بھی گھر میں ہو گی پھر صاعقہ کو کیوں بھیجا گیا۔"

"تمہاری دل جوئی کے لئے۔" شامی چلبلا کر بولا۔

"جل رہا ہے تو۔" فراز ہنس پڑا۔

"گدھے پن کی باتیں جو کر رہے ہو۔ فرید احمد کا ٹائپ سمجھ کر بھی یہ بات کہہ رہے ہو!"

"کیا مطلب؟"

"انہوں نے غور بھی نہیں کیا ہو گا کہ صاعقہ ان کی بیٹی ہے اور پھر۔" شامی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں۔ یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ بڑے نازک حالات کا شکار ہیں یہ بے چارے۔ فرید احمد کی ذرا سی دیوانگی ان سب کے لئے بھیانک حادثہ بن سکتی ہے۔"

شامی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے خاموشی سے کھانا ختم کر لیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد فراز نے کہا۔

"ہمیں ہر قیمت پر ان کا تحفظ کرنا ہے۔"

"بیشک' بیشک۔" شامی نے کہا پھر ہنس پڑا۔

"کیوں۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"یار انسان کتنا خود غرض ہے۔ صرف اپنی پسند پر انحصار کرتا ہے۔ ایک شمسہ بھابی تھیں۔ کیا نہیں کرتی تھیں وہ۔ جو کے ستو۔ دودھ شکرقندی' کھیر' بریانی مگر کبھی رغبت سے نہ کھایا اور اب ان بکری کی لاتوں کو کس قدر سراہا جا رہا ہے۔" اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور شامی نے اشارہ کیا۔ "جائیے۔ آئی ہیں۔ برتن لینے۔"

فراز نے اس کو دیکھا اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ دروازہ کھولا تو فرید احمد کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" فرید احمد صاحب بولے۔

"وعلیکم السلام۔ تشریف لایئے۔" فراز بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور فرید احمد صاحب اندر تشریف لے آئے۔

"بھئی مصروف تو نہیں تھے۔"

"جی بالکل نہیں۔ آپ کے تحفے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔" شامی بھی کوئی اجنبی آواز سن کر باہر نکل آیا تھا۔ باہر فراز کے ساتھ فرید احمد کو دیکھ کر اس نے بہ مشکل قہقہہ ہضم رکھا تھا کیونکہ فراز تو صاعقہ کے چکر میں گیا تھا۔

فرید احمد نے اس سے بھی سلام دعا کی پھر رک کر گھوڑوں کی تصویریں دیکھنے لگے پھر بولے۔

"ماشاء اللہ۔ صاحب ذوق لگتے ہو۔ مجھے افسوس ہے اب تک تم سے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔" پھر وہ ایک تصویر کے پاس پہنچ کر بولے۔ "یہ الیگزینڈر ہے۔"

"نہیں سر' یہ ہیلن آف ٹرائے ہے۔" شامی نے ادب سے گردن جھکا کر کہا۔

"نقلی ہے۔" فرید احمد بولے پھر دوسری تصویر کی طرف بڑھ گئے۔ "اور یہ "ڈاکٹر" ہے۔"

"گھوڑوں کا؟" شامی نے حیرت سے پوچھا اور فراز نے ملتجی نگاہوں سے شامی کو دیکھا۔ اسے خوف تھا کہ شامی کے مذاق پر کہیں فرید احمد بھڑک نہ اٹھے۔ اس کے بعد شامی نے احتیاط برتی اور فرید احمد صاحب خوب گپیں ہانکتے رہے۔ وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کے اجداد گھوڑے تھے اور وہ گھوڑوں کی بو سونگھ کر ان کی نسل کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

ان کے جانے کے بعد شامی نے کہا۔ "جناب' اب کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں؟"

"سلسلہ عشق جاری رہے گا یا تجزیہ کر کے تائب ہو گئے۔"

"یار کیا کہنا چاہتے ہو؟" فراز پریشانی سے بولا۔

"جہیز میں یہ ماہر گھوڑیات ملیں گے اور سلامی میں گھوڑوں پر لیکچر۔ کیوں میاں بنے تمہیں بھی قبول؟"

"میرے ساتھ شامی جو ہے۔" فراز نے محبت سے کہا۔

"مکھن؟" شامی ہنس کر بولا۔

"یہ مکھن ہو سکتا ہے۔"

"او کے۔ پھر شامی کے کارنامے دیکھو۔ فرید احمد صاحب کو ریس کورس میں گھوڑوں کے ساتھ نہ دوڑا دوں تو شامی نام نہیں۔"

□

لندن۔ ایک ناقابل یقین خواب کی مانند تھا۔ سجاد تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی وہ لندن میں ہو گا۔ کہرمیں ڈوبا ماحول اور پھر سیٹھ ادریس کی شاندار رہائش گاہ سجاد کے لئے وہ شاہی محل سے کم نہیں تھی۔ سیٹھ ادریس کا رویہ بھی سجاد کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ یہاں پہنچنے کے دوسرے دن سیٹھ ادریس نے سجاد سے کہا۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں سجاد؟"

"جی سر۔ میں حاضر ہوں۔" سجاد بولا۔

"سر نہیں۔ اب میں تمہارا انکل ہوں۔ انکل کہا کرو مجھے۔ سجاد میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں' حقیقت یہ ہے کہ میرا خاندانی پس منظر نسل کے لحاظ سے تو بہت اچھا ہے لیکن ہم پشتینی دولت مند نہیں ہیں۔ میرے دل میں بھی امنگیں تھیں کہ ایک دولت مند انسان بنوں اور اس کے لئے میں نے راستے تلاش کئے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ میری بیوی جو ایک دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ میرے لئے زینہ بنی اور اس راستے سے میں ترقی کی منزلوں پہ گامزن ہوا لیکن میں نے خود بھی شدید محنت کی اور یہی وجہ ہے کہ سجاد میں نے تمہارے اندر صرف وہ چیزیں پرکھیں جو مجھے میرے تجربے کی بنیاد پر مطمئن کر سکتی تھیں اور جبکہ میں نے تم پر اعتماد کیا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم سے کچھ اور باتیں بھی کروں۔ دیکھو سجاد' والدین زندگی میں بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں لیکن بہرحال یہ ایک چین ہے۔ ہم سے پہلے ہمارے بزرگ اور ان سے پہلے ان کے بزرگ ہمارے پرورش کنندہ ہیں لیکن اس کے بعد وہ زندگی کے دوسرے ادوار میں ہمارا ساتھ نہ دے سکے میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا لیکن بہرطور یہ ضرور کہتا ہوں کہ اپنے روشن مستقبل کی راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کر دینا بہت مناسب ہے۔ معاف کرنا میں نے تمہارے گھر کے ماحول کا تجزیہ کیا۔ وہ ذہنی طور پر پسماندہ لوگ ہیں اور اپنی پہنچ سے زیادہ بلندیوں کو قبول نہیں کر سکتے ایسی صورت میں اگر ان کی قربت اختیار کر بھی لی جائے تو ذہنی کوفت کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ زندگی میں جب چاہو ان کی مالی مدد کر سکتے ہو لیکن اب انہیں'

اپنے آپ پر مسلط نہ کرنا کیونکہ وہ ان تمام قصے کہانیوں کی مانند ہوں گے جن میں کچھ ایسے لوگ جو ذہنی طور پر شکست خوردہ ہوتے ہیں دوسروں کی خوشیوں کو بھی برباد کرنا چاہتے ہیں تمہیں بھی ان جیسے والدین ہی ملے ہیں' میں تمہیں پہلے سے اس کے لئے انتباہ کر دینا چاہتا ہوں۔"

سجاد نے بھی وثوق سے کہا۔ "سر کیا اب بھی آپ کے دل میں میرے لئے کوئی شک ہے؟"

"بخدا بالکل نہیں' شک نہیں ہے' بلکہ جتنے اچھے تم ہو' اس کے لحاظ سے میں تمہیں صرف دنیا سے روشناس کرانا چاہتا ہوں۔"

"آپ مطمئن رہیں انکل۔ میں نے وہ دنیا چھوڑ دی ہے' ان لوگوں نے میری محبت کو قبول نہیں کیا' میرے رشتے کو قبول نہیں کیا اور اب تو یہ آپ کے سامنے کی بات ہے آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ قصور میرا ہے' ان حالات میں اپنی زندگی کو دوزخ بنانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"جیتے رہو بیٹے' میری دنیا بھی اپنی انہی دو بچیوں تک محدود ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے دونیا کی پسند کو اولیت دی اور اسے مدنگاہ رکھا۔ اب یہ بتاؤ کیا پروگرام بنانا چاہئے' اصل میں زیادہ وقت میں بھی یہاں نہیں دے سکتا۔ یہ رہائش گاہ تمہارے شایان شان ہے۔ یوں سمجھ لو اب یہ تمہاری ملکیت ہے اس کے علاوہ یہاں لندن میں بھی میرا کاروبار ہے۔ میں تمام لوگوں سے تمہارا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ کام شادی سے پہلے کر لیا جائے' کیونکہ شادی کے بعد تقریباً دو ماہ تمہیں دونیا کے ساتھ زندگی کی ان مصروفیات میں گزارنے ہوں گے جو جوان دلوں کی آرزو ہوتی ہے' علیمہ بضد ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گی لیکن وہ تمہیں ناپسند ہو تو میں اسے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

سجاد کے ہونٹوں پر محبت بھری مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"وہ مجھے چھوٹی بہنوں کی مانند عزیز ہے اسے میرے ساتھ رہنے دیجئے گا۔"

"بس تو ٹھیک ہے' تم سے یہ آخری گفتگو تھی اب میں تمہاری طرف سے بالکل مطمئن ہوں۔"

پھر سیٹھ ادریس نے سجاد کو اپنے لندن آفس کے پورے اسٹاف سے روشناس کرایا اور انہیں بتایا کہ یہ اب اس فرم کے نئے مالک ہوں گے اور چیئرمین کی حیثیت سے پورا اسٹاف کاروباری معاملات میں اب ان سے رجوع کرے۔ سارے اسٹاف نے پورے پورے تعاون کا یقین دلایا اور سجاد نے تین دن تک وہاں کے معاملات کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کرنا چاہتا تھا۔ شاندار دفتر میں بیٹھ کر اس کے جسم کو پر لگنے لگے تھے۔ ذہن تھا کہ ہوا میں اڑا جا رہا تھا' کسی اتنی بڑی فرم کا چیئرمین ہونا سب کچھ خواب کی باتیں

معلوم ہوتی تھیں اور نجانے کیوں اسے لگتا تھا کہ آخرکار صبح ہو جائے گی۔ اپنے آپ کو یقین دلانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

ادھر سیٹھ ادریس شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے' تمام دوستوں کو دعوت نامے جاری ہو چکے تھے۔ وطن سے کسی کو مدعو نہیں کیا گیا تھا پھر نہایت جدید طریقے سے عدالت میں دونوں کی شادی ہوئی اور اس کے بعد ایک شاندار ڈنر کا اہتمام کیا گیا جو ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں تھا۔ سجاد کو اپنی شخصیت ہی بدلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس دوران اس نے اپنے ذہن سے اس پسماندہ اور بوسیدہ مکان کو دور رکھا تھا جس میں ایک اپاہج بوڑھا اور ایک سرکش بھائی' ایک بے حقیقت ماں اور تین بہنیں موجود تھیں' بس مرزا سخاوت بیگ کے حکم کے تابع' جس نے اپنی آمرانہ ذہنیت سے سب کو زچ کر رکھا تھا۔

دونیا کے ساتھ ایک نئی حیثیت سے تنہائی سجاد کے لئے اپنی زندگی کا انوکھا تجربہ ثابت ہوئی۔ اس نے حجلہ عروسی میں دونیا سے کہا۔

"بس ایک بار مجھے یقین دلا دو دونیا کہ یہ سب کچھ خواب نہیں ہے۔" دونیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! آپ مجھے چھو کر دیکھئے' خواب نہیں حقیقت ہوں۔ آپ کو تصورات میں زندگی بسر نہیں کرنی بلکہ حقیقتوں کا مقابلہ کرنا ہے۔"

"یعنی تمہارا۔" سجاد ہنس کر بولا۔

"خیر میں آپ کو اپنے مقابلے پر کبھی نہیں لاؤں گی' بے شک میں ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہوں' لیکن خوش قسمتی سے مشرقی ہوں۔ شوہر کی عزت کرنا بھی جانتی ہوں اور اس کا مقام بھی پہچانتی ہوں' مجھے وہ لوگ بالکل پسند نہیں' جو دولت کے دباؤ میں آکر بیوی کے سامنے اپنی آواز کھو بیٹھتے ہیں' سجاد میں آپ کو اجازت دیتی ہوں کہ میرے معاملے میں جو چیز آپ کو ناپسند ہو اس کا مکمل اظہار کیجئے۔ میرا انداز' میرا رہن سہن' میری فطرت میں نے یہ سب کچھ آپ کو بطور تحفہ دے دیا ہے اور اب اس کے بعد مجھ میں کاٹ چھانٹ کر کے اپنی پسند کے مطابق بنا لیجئے' مجھے خوشی ہو گی۔"

سجاد سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یقین نہیں آتا یاد نہیں آتا دونیا کہ زندگی میں کب کوئی نیکی کی تھی جس کا صلہ مجھے اس انداز میں ملا ہے بہرحال تمہارے اس تحفے کا شکریہ۔ میں سجاد کو بھی تحفے میں تمہیں دیتا ہوں' مجھ سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اسے میری ذہنی پستی نہ سمجھنا بلکہ اس سے غلطی کو دور کر لینا۔"

عہد و پیمان ہوئے اور اس کے بعد ایک خوشگوار صبح جہاں ناشتے پر سب لوگ موجود تھے۔ نکسہ کی شریر نگاہیں کچھ ایسی تیکھی تھیں کہ دونیا تو دونیا سجاد بھی شرمائے بغیر نہ رہ سکا

پھر اس کے بعد سیٹھ ادریس نے وعدے کے مطابق سجاد کو آزادی دے دی اور منصوبے بننے لگے کہ مستقبل میں کیا کرنا ہے نکسہ نے کہا۔

"اور جناب سجاد بھائی آپ کو اس بات کا علم ہے کہ جہیز میں آپ کو ایک سالی بھی ملی ہے۔ اس کی ناز برداری بھی آپ پر فرض ہے۔"

"درحقیقت سالی ایسا دلکش تصور ہے کہ اس تصور سے دل خوش ہو جاتا ہے اور پھر اس قدر خوبصورت سالی کاش ایسی دو تین اور ہوتیں۔"

"دہانہ کھل گیا' خدا کا شکر ہے آپ کو بولنا آ گیا دونیا۔ حضرت کے جوہر اب کھل رہے ہیں۔" نکسہ نے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہ مخاطب کرو بھئی۔" دونیا ہنس کر بولی۔

"وہ کیوں؟"

"سالی بہنوئی کے معاملات وہی جانیں۔"

"خود غرض لڑکی۔ بلکہ عورت۔" نکسہ دانت پیس کر بولی۔

"یار سالی۔ اب پروگرام بناؤ۔ فضول باتوں میں کیا رکھا ہے۔" سجاد نے کہا۔

"پروگرام چارٹ کل صبح آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔" نکسہ نے جواب دیا اور سجاد مسکرانے لگا۔

❑

مرزا سخاوت بیگ کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ سجاد کے جانے کے بعد ایک بار بھی اس کا نام نہیں لیا تھا۔ فیروزہ بیگم چپکے چپکے رو لیا کرتی تھیں۔ تابندہ عالم سکوت میں تھی۔ گھر کا شیرازہ جس طرح منتشر ہوا تھا اسے پوری طرح اندازہ تھا۔ اس کی اپنی دنیا لٹ گئی تھی مگر کیا کرتی۔ کس سے کہتی۔ البتہ ماں کے لئے کڑھتی تھی۔ رخشندہ نے ایک دن بہن سے کہا۔

"باجی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"ایں۔" وہ چونک کر بولی۔

"آپ دیکھ رہی ہیں سب کچھ۔ ہم تو مسکرانے کو ترس گئے ہیں۔" رخشندہ نے کہا۔

"ہاں' دیکھ رہی ہوں۔"

"اب کیا ہو گا باجی؟"

"اللہ جانے۔" تابندہ نے کہا۔

"ہم کس سے کہیں باجی؟ کوئی تو ہماری سنے۔" رخشندہ نے سسکتے ہوئے کہا اور تابندہ بھی رونے لگی۔

فیروزہ بیگم نے جواد سے کہا۔ "جواد بیٹے! ایک مہینہ ہو گیا سجاد کو گئے ہوئے۔ بیٹے کچھ

معلوم تو کرو۔"

"کیا معلوم کروں؟" جواد نے زہرخند سے پوچھا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"ماں باپ اولاد کو کیا دعا دیتے ہیں امی' یہی نا کہ جہاں بھی رہے خوش رہے اور پھر سجاد صاحب کی خوشیاں تو ویسے بھی مشکوک نہیں ہیں۔ حالات ان کے حق میں ہیں کروڑ پتی باپ کی بیٹی سے عشق۔ سارے راستے ہموار۔ کوئی رکاوٹ نہیں۔ آپ کو خود بھی اندازہ ہے۔"

"پھر بھی جواد۔" فیروزہ بیگم نے عاجزی سے کہا۔

"حکم فرمایئے۔ کیا کروں؟"

"اس کے آفس سے ہی معلوم کرو۔"

"بہتر ہے۔" جواد نے کہا۔

پھر ایک دن وہ سجاد کے آفس پہنچ گیا۔ سیٹھ ادریس' بختیار صاحب کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ بختیار صاحب نے جواد کو پہچان لیا۔

"یہ سجاد صاحب کے بھائی ہیں۔"

"فرمایئے۔" سیٹھ ادریس بولا۔

"سجاد صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔"

"آیئے۔ میرے آفس آ جایئے۔" سیٹھ ادریس نے کہا اور جواد کو لے کر اپنے آفس میں آ گئے۔ "تشریف رکھئے۔"

"شکریہ۔"

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں آپ سجاد کے بارے میں؟"

"کہاں ہے وہ؟"

"سجاد میرا خیال ہے اس وقت سوئٹزرلینڈ میں ہو گا' وہاں سے اس کا جزیرہ ہوائی جانے کا پروگرام ہے' فی الحال وہ سوئٹزرلینڈ میں ہو گا۔"

"کمپنی کے کسی کام سے بھیجا گیا ہے اس کو؟"

"نہیں' اس نے لندن میں میری بیٹی سے شادی کر لی ہے اب وہ میرا داماد ہے اور ان دنوں ہنی مون پر ہے۔" سیٹھ ادریس نے سپاٹ لہجے میں کہا' جواد کے پورے وجود میں چنگاریاں دوڑ گئی تھیں' شدت حسد سے اس کا رواں رواں جل اٹھا تھا' چند لمحات اپنے آپ پر قابو پائے رہا پھر بولا۔

"سیٹھ صاحب! آپ کی ایک اور بھی تو بیٹی ہے' مجھے معلوم ہوا تھا۔"

"ہاں ہے۔"

"اگر آپ اسی طرح شکار کے شوقین ہیں' تو میں بھی شکار بننے کے لئے تیار ہوں' سجاد

کا بھائی ہوں' وہی خون میری رگوں میں بھی دوڑ رہا ہے' لوگوں کا کہنا ہے کہ شکل و صورت میں بھی اس سے برا نہیں ہوں' میرے لئے بھی موقع نکل سکتا ہے۔"

سیٹھ ادریس اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا' لیکن متحمل مزاج اور بردبار آدمی تھا' نہایت تحمل سے جواد کی اس بکواس کو برداشت کیا اور نرم لہجے میں بولا۔

"تمہارے گھر گیا تھا میں اور تمہارے والد سے گفتگو کی تھی اس شادی کے بارے میں' نہایت بدتمیزی سے پیش آئے وہ میرے ساتھ' لیکن کیا کرتا سجاد نے میرے دل میں ایسا گھر بنایا تھا کہ میں اس کی وجہ سے کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتا تھا' اصل میں صاحب زادے' جہاں تک میرا تجزیہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ خون اور نسل' خاندانی پس منظر بڑی حیثیت رکھتا ہے' لیکن موجودہ دور میں صورت حال ذرا مختلف ہو گئی ہے اور اب صرف اس بات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک شخص اگر اچھے خاندان سے ہے تو خود بھی اچھا ہو گا یا پھر برے خاندان کا کوئی فرد اچھا نہیں ہو سکتا' جہاں تک میرے تجربے کی بات کرتے ہو' تو تمہارے گھر جا کر دیکھ لیا۔ تمہارے خاندانی پس منظر اور موجودہ حالات کا تجزیہ تمہارے والد صاحب کے رویئے سے ہی ہوتا ہے' کوئی شریف آدمی کسی مہمان کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آتا جس طرح وہ میرے ساتھ آئے تھے' سجاد سے رشتہ ہونے کے بعد اس کے بھائی کے بارے میں بھی سوچا جا سکتا تھا' لیکن یہ بہت اچھا ہوا کہ تم بعد میں ہی سہی میرے سامنے آ گئے جو پیش کش تم نے مجھے کی ہے' سجاد منہ کھول کر یہ پیش کش کبھی نہ کرتا' ایک برے نیچ اور گھٹیا خاندان میں ایک اچھے لڑکے نے جنم لیا ہے تو صرف اس تصور کے ساتھ کہ وہ ایک نیچ خاندان کا لڑکا ہے اس کی اپنی شخصیت کو نظرانداز کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا' باقی اس بکواس کا تعلق ہے جو تم نے مجھ سے کی ہے تو یہ گھنٹی دیکھ رہے ہو نا' اس پر انگلی رکھوں گا' میرا چپراسی اندر آئے گا' میں اس سے کہوں گا کہ چار آدمیوں کو بلا کر تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ لے جائیں' اس کے بعد میں پولیس کو ٹیلی فون کروں گا' تھوڑی سی رقم کسی بھی پولیس آفیسر کے ہاتھ میں رکھوں گا اور اس سے کہوں گا کہ تمہیں کوئی بھی چارج لگا کر ایک طویل عرصے کے لئے جیل میں ڈال دے۔ بہت آسان کام ہے' لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا اور وجہ تم جانتے ہو' میرے داماد کو اس بات کا دکھ ہو گا' وہ شاید مجھ سے کبھی نہ کہے' لیکن میں جانتا ہوں اس کے دل میں میرے لئے ایک شکایت بیدار ہو جائے گی اور وہ سوچے گا کہ میں نے اس کا خیال نہیں کیا اس لئے عزیزم میں تمہیں کچھ نہیں کہتا' سجاد ملک سے باہر ہے اور اب باہر ہی رہے گا' کیونکہ میں تم جیسے گھٹیا لوگوں کے درمیان اسے واپس نہیں لانا چاہتا' میں اس کی شخصیت بدل دینا چاہتا ہوں' بات تمہیں اب سمجھ میں آ گئی ہو گی اور سنو اس کے بعد اگر تم نے اس عمارت میں قدم رکھا یا میری کوٹھی کے آس پاس نظر آئے تو کم از کم مجھے سجاد سے یہ کہنے کی گنجائش ہو گی کہ ایک بار تمہاری بدتمیزی پر

میں نے تمہیں خاموش سے واپس جانے دیا تھا' میرے لائق اور کوئی خدمت۔"

جواد ان زہریلے الفاظ کو سینے میں اتار رہا تھا' حقیقت پسند تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اتنا بڑا آدمی جو کچھ کہہ رہا ہے اسے سرانجام دینے میں کوئی دقت نہیں ہو گی' اپنی جگہ سے اٹھا سیٹھ ادریس کو گھورا اور وہاں سے واپس چل پڑا لیکن آتش بنا ہوا تھا' سجاد دنیا بھر کی سیر کر رہا ہے شادی کر لی ہے اس نے آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے اور یہاں گھر میں فاقے شروع ہونے والے ہیں' کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے خود جواد کا مستقبل تاریک ہو چکا ہے اور دور دور تک روشنی کی کوئی ایسی کرن نظر نہیں آتی' جس سے کوئی اندازہ لگایا جا سکے۔

بہت دیر تک سڑکوں پر گھوم پھر کر اپنے آپ کو معقول کرنے کی کوشش کرتا رہا' دل میں درجنوں خیالات آ رہے تھے' وجود آتش فشاں کی طرح کھول رہا تھا' پھر اس نے فیصلہ کیا ایک ایسا فیصلہ جس نے اسے ذہنی طور پر تھوڑا سا معتدل کر دیا تھا' ماں کو بھی جواب دینا تھا۔

رات کو گھر میں داخل ہوا' وہی ماحول وہی ویرانی' روشنیاں مدھم مدھم بجلی کا بل کہاں سے دیا جائے گا' بہنیں اپنے کمرے میں گھسی ہوئی' ماں اپاہج شوہر کی خدمت گاری میں مصروف' فیروزہ بیگم کو جیسے ہی موقع ملا جواد کے پاس آ گئیں اور لجاجت بھرے لہجے میں بولیں۔

"کچھ پتا چلا جواد؟"

"ہاں' میرا دل آپ کو مبارک باد دینے کو تڑپ رہا تھا' سوچ رہا تھا کہ کب آپ کو جناب مرزا سخاوت صاحب سے نجات ملے اور میں کب آپ کو صورت حال بتاؤں!"

"کیسے بولتا ہے جواد' کیسی باتیں کرتا ہے بیٹا' باپ سے اتنا اکتا گیا ہے؟"

"ارے نہیں نہیں امی جان' آپ لوگوں سے تو مجھے اتنی محبت ہے کہ میں اپنا سینہ چیر کر نہیں دکھا سکتا۔ آپ جیسے ماں باپ اللہ اللہ۔" فیروزہ بیگم نے سر جھکا لیا' بیٹے کے لہجے کا طنز رگوں میں زہر انڈیل رہا تھا' جواد خود ہی بولا۔

"ہاں' تو مبارک باد وصول کیجئے۔ آپ ساس بن گئیں' میں دیور بن گیا' والد صاحب قبلہ سسر بن گئے' بہنیں نندیں بن گئیں آپ کے بیٹے کی شادی ہو گئی اور اس وقت وہ ہنی مون منانے دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں گیا ہوا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے؟"

"اب اس بات پر مجھے غصہ آ جائے گا جو کچھ آپ نے حکم دیا تھا اس کی تعمیل کر کے آیا ہوں' میری محنت کو آپ بکواس کہہ رہی ہیں؟"

"کیا کہہ رہا ہے جواد؟" فیروزہ بیگم رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

"کمال ہے خوشی نہیں ہو رہی آپ کو' بیٹے کا مستقبل سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے' سیٹھ ادریس سے ملاقات کی ہے میں نے کسی اور سے نہیں' ان کی بڑی بیٹی کے ساتھ

جناب سجاد صاحب کی شادی غالباً لندن میں ہوئی ہے اور اب وہ ہنی مون منانے سوئٹزر لینڈ وغیرہ گئے ہوئے ہیں' وہاں سے امریکہ جائیں گے اور پھر نجانے کہاں کہاں' ایک کروڑ پتی کے داماد ہیں' محنت کی ہے پھل پا رہے ہیں اور آپ لوگ ہونہہ' آپ کو تو سجاد جیسے عظیم بیٹے کے ماں باپ ہونے پر شرم آنی چاہئے' نچ نسل کے لوگ ہیں آپ' یہ میرے نہیں جناب سیٹھ ادریس کے الفاظ ہیں' حالانکہ میں ان کا منہ توڑ سکتا تھا اسی جگہ' لیکن انہوں نے مجھ سے کہا کہ دس بیس ہزار خرچ کر کے وہ مجھے جیل بھجوا دیں گے' میں نے سوچا بات تو درست ہے' میرے بھائی کو جب یہ بات معلوم ہو گی تو وہ بھی اپنی جیب سے دس بیس ہزار خرچ کر کے میری سزا میں اتنا ہی اضافہ کرا دے گا' میں کوئی بے وقوف ہوں' جان بچا کر نکل آیا۔"

"سچ کہہ رہا ہے تو یہ سب کچھ؟"

"خدا کی قسم' اس کے بعد آپ مجھے جھوٹا نہ کہیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" جواد غرا کر بولا اور فیروزہ بیگم کی گردن جھک گئی۔ آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں کو البتہ وہ نہیں روک سکی تھیں' دیر تک خاموش بیٹھی رہیں' اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس لے کر جواد کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ دل میں غم و اندوہ کے طوفان کے سوا اور کچھ نہیں تھا' در حقیقت بیٹے نے بے وفائی کی تھی یہ سب کچھ الگ بات تھی' لیکن اس نے اس بے کس گھرانے کو چھوڑ کر اپنی دنیا آباد کر لی تھی' یقین نہیں آتا تھا' کیسی عجیب بات ہے کتنی عمر ہو گئی تھی' سجاد کی' لیکن ماں باپ کو تو اس کی نمود کا پہلا دن یاد تھا' کس طرح بیمار ہوتا تھا' ماں باپ کی کیا حالت ہو جاتی تھی' سخاوت بیگ بے شک ایک سخت گیر باپ تھے' لیکن زندگی کے وہ لمحات جب کسی مشکل کا شکار نہیں ہوئے تھے' اپنے بچوں پر پوری توجہ دیتے ہوئے گزرے تھے اور انہوں نے مقدور بھر کبھی بچوں کی پرورش کے لئے کوتاہی نہیں کی تھی۔ ہاں کچھ اصول بے شک تراشے تھے جن کی بنیاد پر جوان ہونے کے بعد بچے ان سے کچھ منحرف ہو گئے تھے' لیکن بچپن میں تو انہوں نے ان اصولوں کی پوری پوری پابندی کی تھی' قصور پتا نہیں کس کا ہوتا ہے ماں باپ کا یا اولاد کا' بچپن میں ہر قسم کی ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے پھر آگے چل کر وہ بھول جاتے ہیں۔ لاڈ کئے جاتے ہیں اور ہوش سنبھالنے کے بعد وہ باتیں ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں' کسے اپنی اصلاح کرنی چاہئے' ماں باپ کو یا اب وہ خود مختار ہیں' انہیں والدین کی انگلی کا سہارا درکار نہیں ہے چنانچہ اب انہیں وہ سب کچھ کرنے کا حق دیا جائے جو ان کے دل میں آئے' یہ تضاد بڑی مشکل سے برداشت ہوتا ہے یا تو والدین صبر کے عادی ہوں یا پھر بچے یہ سوچیں کہ ایک دن ایسا آتا ہے جب انہیں بھی جوان ہونے والی اولادوں کے سامنے اسی بے بسی اور بے کسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہرحال یہ مشکل مسئلہ ہے جس کا حل شاید ہی کبھی دریافت ہو سکے۔

فیروزہ بیگم کی سوچوں میں جو کچھ تھا وہ الگ تھا' لیکن جواد زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہا تھا۔ یہ تصور اس کے سینے پر آگ روشن کئے ہوئے تھا کہ بھائی نے زندگی میں سب کچھ پا لیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے' میں اس جہنم میں کیوں زندگی گزاروں' میرا بھی تو مستقبل ہے۔ مجھے کیا غرض ہے کہ ان معذوروں کو پالوں جو خود کچھ نہیں کر سکتے۔ کچھ سوچنا چاہئے۔ کوئی فیصلہ ضروری ہے۔

❑

معمولات جوں کے توں تھے' میڈم پھر معتدل ہو گئی تھی' لیکن شامی اب کچھ سنبھل گیا تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ میڈم مینٹل کیس ہے اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ سنبھلنا پڑے گا۔ رفتار کم کرنی پڑے گی۔ ورنہ شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ فراز سے بڑی بڑی باتیں کر چکا تھا۔ بلاوجہ وہ مذاق بنا دے گا۔ لیکن ہے عجیب معاملہ۔ وہ ایسی کیوں ہے؟

وہ دفتر میں تھا۔ انعام احمد کا فون موصول ہوا۔ "دیکھئے شامی صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی میں بول رہا ہوں۔"

"بھئی بڑے بے مروت انسان ہو۔ یعنی ہم نے تو دوستی کا سفر طے کر لیا اور تم خبر بھی نہیں لیتے۔"

"سر آپ کو وجہ معلوم ہے۔"

"کیا وجہ ہے؟"

"ملازم آدمی ہوں۔ دن بھر نوکری کرتا ہوں۔ شام کو اتنا تھک جاتا ہوں کہ کچھ اور کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

"یار جوان آدمی ہو۔"

"جوان بوڑھا کہیں۔"

"تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"حکم فرمایئے!" شامی نے کہا۔

"تمہیں میری حالت پتا ہے؟"

"کیوں' خیریت؟"

"ہاں خیریت کی بات کرتے ہو' یہاں زندگی بچ گئی بڑی بات ہے۔"

"ارے' ارے انعام احمد صاحب کیا ہو گیا؟" شامی نے لہجے کو تشویش زدہ بنا کر کہا۔

"ٹیلی فون پر بتانے کی بات نہیں ہے۔ میں آ جاؤں تمہارے پاس؟"

"تشریف لے آیئے' کتنی دیر میں آ رہے ہیں؟"

"بس یہی کوئی ایک گھنٹہ۔"

"میرا خیال ہے آپ دو گھنٹے کے بعد آیئے' لنچ کا وقت ہو گا آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"لنچ نہیں کرو گے؟"

"کچھ اسنیکس وغیرہ منگوا لوں گا آپ کے لئے بھی منگوا لوں۔"

"ارے نہیں بھائی' شدید بخار میں مبتلا تھا' اب ذرا طبیعت کچھ بہتر ہوئی ہے' کھانے پینے کا سخت پرہیز کر رہا ہوں۔"

"اوہ بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"ایسا کیوں نہ کریں کہ میں تمہیں کسی ہوٹل میں لنچ کرا دوں۔"

"ڈیوٹی پر ہوں مناسب نہیں ہو گا' چارج شیٹ مل جائے گی۔" شامی نے کہا اور انعام احمد کچھ سوچنے لگے پھر چند لمحات کے بعد بولے۔

"اچھا ٹھیک ہے یہی کر لیتے ہیں۔ میں دو گھنٹے کے بعد تمہارے آفس آ جاتا ہوں' میرے لئے کچھ منگوانے کی ضرورت نہیں۔ بس بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"بہت بہتر۔" شامی نے جواب دیا اور انعام احمد صاحب نے فون بند کر دیا۔

ایسا کوئی مسئلہ ہو اور شامی کے دل میں گدگدیاں نہ ہوں بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ جانتا تھا کہ انعام احمد صاحب سے ہونے والی گفتگو بہت دلچسپ ہو گی اور اس گفتگو میں کسی بھی طرح میڈم کو شریک نہیں کیا جا سکتا لیکن میڈم کو اس سے محروم بھی نہیں رہنا چاہئے' کچھ ہونا چاہئے۔ دو گھنٹے کا وقت اس نے اس لئے لے لیا تھا۔ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور ذکی صاحب کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"ذکی صاحب! یہاں ٹیپ ریکارڈر مل سکتا ہے؟" ذکی صاحب نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور بولے۔

"کیوں عزیزم کیا موسیقی سننے کا موڈ بن رہا ہے؟"

"نہیں کچھ اور ضرورت ہے' اچھا خیر ٹھیک ہے میں ذرا جا رہا ہوں۔ گاڑی لے جاؤں گا۔"

"بھلا اس سلسلے میں ہم سے اجازت کی ضرورت ہے۔" ذکی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شامی بھاگم بھاگ فلیٹ پہنچا ایک بہت ہی عمدہ ٹیپ ریکارڈر خریدا ہوا تھا اس نے' اسے اور فراز دونوں کو ہی موسیقی سے دلچسپی تھی اور جب بھی فرصت ہوتی تھی اس سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے' ٹیپ ریکارڈر گاڑی میں رکھ کر واپس پلٹا' کیسٹوں کی ایک دکان سے بلینک کیسٹ خریدے اور اس کے بعد دفتر آ گیا۔ اپنے کمرے کی سیٹنگ کا اسے اچھی طرح علم تھا' چنانچہ میز کے نیچے دیوار میں لگے ہوئے سرکٹ میں ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ لگایا اور

اسے اپنی میز کے نیچے ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے وہ باآسانی کمرے میں ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر سکے‘ پھر کرسی کی اس طرح سیٹنگ کی کہ انعام احمد صاحب اسی کرسی پر آ کر بیٹھیں‘ جو ٹیپ ریکارڈر کے قریب ہو‘ یہ تمام انتظامات کرنے کے بعد اس نے دوسری کرسی میز کے پاس سے ہٹا دی اور پھر خود اس کرسی پر بیٹھ کر ٹیپ ریکارڈر پلے کیا اور اپنی آواز ریکارڈ کرنے لگے۔ یہ تمام انتظامات اس نے نہایت پھرتی سے کر لئے تھے۔ ٹیپ ریکارڈر پر اس کی آواز نہایت صاف ریکارڈ ہوئی تھی۔ شامی دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا انعام احمد صاحب جو گفتگو کرنے والے تھے وہ یقیناً میڈم کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہو گی۔ ٹیپ ریکارڈر کو نہایت صحیح انداز میں سیٹ کرنے کے بعد وہ اپنی میز پر آ بیٹھا‘ باقی معاملات کسی بھی طرح الجھن کا باعث نہیں تھے۔

پھر لنچ کا وقت ہوا اور اسی وقت انعام احمد صاحب اندر داخل ہو گئے‘ چہرہ واقعی اترا ہوا تھا آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے‘ سوٹ بھی ملگجا سا تھا۔ شامی نے کہہ دیا تھا کہ اس کے مہمان آنے والے ہیں۔ انہیں احترام کے ساتھ اندر پہنچا دیا جائے‘ حالانکہ میڈم نے انعام احمد کے سلسلے میں بڑی سختی برت لی تھی‘ لیکن بہرطور شامی کی اپنی شخصیت تھی۔ انعام احمد صاحب نے شامی سے ہاتھ ملایا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ شامی نے اپنا کام باآسانی سرانجام دے لیا تھا۔ انعام احمد صاحب چند لمحے خاموش رہے‘ شامی نے کہا۔

”کہئے کیسے مزاج ہیں؟“

”بس کیا بتائیں یوں سمجھ لو۔ عشق نے غالب گدھا بنا دیا۔“ انعام احمد صاحب نے کہا۔

”ارے ارے نہیں‘ اچھے خاصے تو ہیں آپ۔“

”ارے میاں خاک اچھے خاصے ہیں۔ لٹیا ہی ڈوب گئی اپنی تو۔“

”کچھ بتائیں تو سمجھ میں آئے۔“

”خاک بتائیں کم از کم ٹیلی فون کر کے ہی ہماری خیریت معلوم کر لیتے‘ چلہ بتانے کے بعد ایسے غائب ہوئے کہ پلٹ کر خبر ہی نہ لی۔“

”اپنی معذوری کا اظہار آپ سے کر چکا ہوں۔ ملازمت پیشہ آدمی اپنی زندگی کب گزارتا ہے اس کی زندگی تو تنخواہ کے عوض مالکان کی ملکیت بن چکی ہوتی ہے۔“

”اماں ایسا بھی کیا۔ یہ محترمہ تو کافی سخت معلوم ہوتی ہیں۔ یار بہت سی باتیں سوچی تھیں۔ ویسے تو تمہارے لئے آج بھی آفر ہے۔ میری فرم میں آ جاؤ‘ منیجر کا عہدہ سنبھال لو تنخواہ اپنے ہاتھ سے مقرر کر لو۔ میں بھی کوئی قلاش آدمی نہیں ہوں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس گارمنٹ سٹی میں تمہیں مکمل اختیارات حاصل ہو جائیں۔ ایم ڈی بنا دوں گا یہاں کا بس میرا کام ہو جائے۔“

”گارمنٹ سٹی میں؟“

”ہاں اسی گارمنٹ سٹی میں۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ وہ سبز پری میری بوتل میں اتر آئے۔ اگر وہ میرے قبضے میں آ گئی تو گارمنٹ سٹی میری مٹھی سے کب دور رہے گا۔ میں نے تو اسے پارٹنرشپ کی بھی پیش کش کی تھی مگر یہاں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک کاروباری ادارہ نہ ہو عبادت گاہ ہو۔ کسی کے ننگے پاؤں برداشت نہیں کئے جائیں گے‘ کیا حماقت کی بات ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ میری تو درگت بن کر رہ گئی۔“

”کچھ پتا تو چلے انعام صاحب۔ ہوا کیا؟“

”بس میاں چلہ کاٹنے گئے‘ کچھ موکل آ گئے اور وہ دہشت پھیلائی کہ ہم برداشت نہ کر سکے اور بھاگ لئے وہاں سے۔ بس اس کے بعد سے جو حالت خراب ہوئی ہے تو رہے نام اللہ کا ایسا بخار۔ میاں ایسا بخار کہ توبہ توبہ۔ آج کچھ حالت سنبھلی تو سب سے پہلے تمہیں یاد کیا۔“

”افوہ! انعام احمد صاحب‘ یہ تو بنیادی شرط ہوتی ہے۔ موکل تو ڈراتے ہی ہیں۔ آدمی ان سے خوف زدہ ہو جائے تو وہیں سے کام بگڑ جاتا ہے ورنہ باقی سب ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے۔“

”نہیں میاں یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے‘ اماں توبہ توبہ کیا کہیں تم سے اور کیا نہ کہیں‘ ایسا طوفان مچایا انہوں نے تو کہ ہم کیا کوئی پتھر کا انسان بھی ہوتا تو جی چھوڑ کر بھاگ بیٹھتا۔“

”تو پھر اب کیا کرنا ہے انعام صاحب؟“

”دیکھو میاں تم سے سیدھی سیدھی بات کرتے ہیں۔ دھن دولت کی اپنے پاس کمی نہیں ہے مگر وہ ظالم مٹھی میں بھی تو آئے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائے تو یہ سب کچھ دو آتشہ ہو جائے اور وہ سب مل جائے ہمیں جس کے ہم خواہش مند ہیں۔ چھوڑیں گے نہیں اسے یہ فیصلہ کر لیا ہے ہم نے لیکن شرط یہ ہے کہ تم بھی تو ہماری مدد کرو۔ دیکھو عزیزم لاکھ دو لاکھ روپے تک ہم تمہارے قدموں پر نثار کرنے کے لئے تیار ہیں بس ہمارا یہ کام بنوا دو۔“

”سمجھ میں نہیں آتا انعام صاحب‘ آپ مجھ سے کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”میاں تم سے اتنی قربت ہے اس کی‘ ہماری محبت اس کے دل میں ڈالو۔ کوئی ایسی ترکیب لڑاؤ کہ وہ ہمارے جال میں پھنس جائے۔ دونوں ہی کا فائدہ ہے۔“

شامی چند لمحات انعام احمد صاحب کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

”جو کام آپ مجھ سے لینا چاہتے ہیں انعام احمد صاحب‘ ایسا کام کرنے والوں کو آپ جانتے ہیں کیا کہا جاتا ہے؟“

”کک کیا مطلب؟“

"انہیں اچھے نام سے نہیں پکارا جاتا۔ بڑی عجیب سی شخصیت ہوتی ہے ان کی اور لوگ انہیں اسی قسم کا آدمی سمجھتے ہیں۔"

"دیکھو میاں دولت کے حصول کے لئے دنیا میں سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور پھر کوئی کچھ کہتا ہے تو کہنے دو' جیبوں میں جب رقم آئے گی تو ہر شخص عزت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ نام قبول کر کے میں آپ کے لئے کام کروں؟"

"کون نام دے گا یار اور کوئی دیتا ہے تو دینے دو۔ میں جو کچھ تمہیں دے رہا ہوں اس پر بھی تو غور کرو۔ پورا مستقبل بنا دوں گا۔"

"اور اس کے لئے میڈم کو آپ کے چنگل میں پھنسانا پڑے گا۔"

"ہاں۔ یہی تو کام ہے۔"

"انعام احمد صاحب شرافت سے اٹھ جایئے۔ کھڑے ہو جایئے کرسی سے۔ ورنہ ان موکلوں نے آپ کا حلیہ اتنا نہ بگاڑا ہو گا جتنا حلیہ میں خراب کر دوں گا آپ کا۔"

"کیا مطلب۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"آپ کے یہ کپڑے اتار لوں گا۔ انڈ ویئر تو پہنا ہی ہو گا آپ نے؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟"

"اور پھر یہ نیلی سیاہی آپ کے چہرے پر ملوں گا ذرا غور فرمایئے۔ آپ کے بدن پر انڈرویئر' چہرہ نیلا اور پھر ایک لات پڑے گی آپ کے تو آپ اس دروازے سے باہر جا کر گریں گے۔ سارا اسٹاف کھڑا ہو جائے گا پھر میں آپ کو اٹھاؤں گا اور دوسری لات ماروں گا اور آپ دوڑے چلے جائیں گے۔ کہئے کیا خیال ہے؟"

شامی اپنی کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا اور انعام احمد صاحب خود بھی اپنی کرسی سے جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

"بے عزتی کر رہے ہو میری۔ جانتے نہیں ہو مجھے۔"

"ایک منٹ ایک منٹ۔ ابھی انتظار فرمایئے۔" شامی کرسی کے پیچھے سے نکلا تو انعام احمد صاحب نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی پھر دروازے پر رک کر بولے۔

"دیکھ لوں گا' ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" شامی نے اس طرح گردن جھکائی جیسے ان کی طرف دوڑ لگانا چاہتا ہو اور انعام احمد صاحب دروازہ کھول کر نکل بھاگے۔

باہر سارا اسٹاف حیرانی سے ایک شریف آدمی کو دوڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ شامی نے دروازے تک رک کر انعام احمد صاحب کو دیکھا۔ وہ بری طرح دوڑتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اس کے بعد شامی نے اطمینان سے دروازہ بند کیا اور واپس آ گیا۔ باہر موجود اسٹاف ہر چند کہ لنچ پر تھا لیکن تقریباً تمام ہی لوگ اپنی جگہ موجود تھے اور حیران حیران سے شامی کے

کمرے کے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے پھر کہیں سے میڈم کو بھی اس بارے میں اطلاع مل گئی۔ ذکی صاحب بھی باہر نکل آئے۔ لوگ انعام احمد صاحب کو جانتے تھے۔ ذکی صاحب کو بتایا گیا کہ انعام احمد تھوڑی دیر پہلے شامی کے کمرے میں آئے تھے اور اس کے بعد اس طرح بدحواسی کے عالم میں بھاگے ہیں تو ذکی صاحب شامی کے کمرے میں پہنچ گئے۔ دروازہ کھولا۔ شامی اس دوران ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ بند کر چکا تھا' ذکی صاحب کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"خیریت شامی کیا ہوا؟"

"کہاں؟" شامی نے سوال کیا۔

"وہ ابھی ابھی انعام احمد صاحب تمہارے کمرے سے نکل کر بھاگے ہیں۔"

"جی ہاں بے چارے کچھ بیمار ہیں۔ میرا خیال ہے آپ خود سمجھ دار ہیں مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ واش روم کہاں ہے۔ میں بتانے ہی والا تھا کہ اٹھ کر دوڑ لگا دی۔" شامی نے کہا اور ذکی صاحب بے اختیار ہنس پڑے پھر بولے۔

"تو واش روم کیوں نہ چلے گئے؟"

"سر انہوں نے مجھے سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا شاید کچھ زیادہ ہی خراب کیفیت میں تھے۔" شامی نے ادب سے جواب دیا اور ذکی صاحب ہنسی نہ روک سکے لاحول ولا قوۃ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

میڈم کو بھی علم ہو گیا اور چند لمحات کے بعد شامی کو انٹر کام موصول ہوا اور میڈم کی آواز سنائی دی۔

"شامی میرے پاس آؤ ذرا۔"

"جی میڈم آپ تنہا ہیں۔"

"ہاں تنہا ہوں۔ آؤ۔" میڈم نے کہا۔ شامی نے اطمینان سے ٹیپ ریکارڈر اٹھایا اور باہر نکل گیا پھر وہ میڈم کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

میڈم نے اس کی بغل میں دبے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کو حیرت سے دیکھا اور بولی۔

"یہ کیا ہے۔ کیا گانے سن رہے تھے؟"

"نہیں میڈم۔ دفتر میں بھلا گانے سنے جا سکتے ہیں۔" شامی نے ٹیپ ریکارڈر میز پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو بھئی بیٹھو۔ ابھی ابھی کچھ عجیب سی خبریں سننے کو ملی ہیں کیا انعام احمد صاحب آئے تھے؟"

"جی میڈم' ابھی چند لمحات قبل ہی تو گئے ہیں۔ ذکی صاحب بھی پوچھنے آئے تھے کہ کیا ہوا۔ میں نے انہیں بتا دیا۔"

"دوڑتے ہوئے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ سنجیدہ آدمی ہیں۔"

"جی ہاں' آپ ذکی صاحب سے معلومات کیجئے۔ پیٹ کی کسی گڑبڑ کا شکار تھے شاید۔"

"کیا بکواس ہے بھئی۔ کیا واقعی ایسی کوئی بات تھی؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر کیا بات تھی؟"

"اصل بات اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کو سناؤں۔" شامی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اجازت دیجئے پہلے؟"

"ہاں بھئی بتاؤ تو سہی کیا بات ہے؟" میڈم بولی اور شامی دیوار پر سوئچ بورڈ تلاش کرنے لگا پھر اس نے پلگ ساکٹ میں لگایا اور ٹیپ ریکارڈر میں لگا ہوا کیسٹ ریوائنڈ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ میڈم حیران نگاہوں سے اس کی صورت دیکھ رہی تھی' شامی نے ٹیپ ریکارڈر آن کر کے آواز تیز کر دی اور کمرے میں وہ آوازیں گونجنے لگیں' جو انعام احمد اور شامی کی آوازیں تھیں۔ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ میڈم نے سنا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں' پھر وہ بے اختیار ہنس پڑی اور اس کے بعد قہقہے لگانے لگی' ساری صورت حال اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ٹیپ ریکارڈر میں لگا ہوا کیسٹ ختم ہوا تو شامی نے سوئچ آف کیا اور بولا۔

"دوبارہ سننا چاہتی ہیں؟"

"تم سے خدا سمجھے شامی تمہیں خدا سمجھے۔ وہ تم سے جان بچا کر بھاگے تھے؟"

"اچھا ہی ہوا بھاگ گئے میڈم۔ ورنہ دفتر میں ایک بے قاعدگی کا مظاہرہ ہو جاتا۔"

"توبہ توبہ تم ایسا کرتے ان کے ساتھ؟"

"ہاں میڈم۔ آخری فیصلہ کر چکا تھا۔"

میڈم پھر ہنس پڑی اس کے بعد بہت دیر تک ہنسی رہی پھر چونک کر بولی۔

"لیکن یہ انتظام تم نے کہاں سے کیا؟"

"دو گھنٹے کا وقت دے دیا تھا انہیں اور اس دوران ذکی صاحب کی گاڑی لے کر نکل گیا تھا' گھر سے ٹیپ ریکارڈر اٹھا لایا اور بازار سے دوسرا ضروری سامان۔"

"گویا تم فیصلہ کر چکے تھے؟"

"جی میڈم۔ یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ انعام احمد صاحب سے بری طرح الرجک ہیں۔ اب ہم زیادہ دیر تک اس کھیل کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ انعام احمد صاحب کی چھٹی کر دی جائے ورنہ خواہ مخواہ چکر لگاتے رہیں گے جس ٹائپ کے آدمی ہیں اس کا اندازہ آپ کو بھی ہو چکا ہے اور مجھے بھی۔ شرافت سے

باز آنے والوں میں سے نہیں تھے۔"

میڈم نے تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔ "تھینک یو۔ تھینک یو ویری مچ شامی۔ واقعی تم نے بہت اچھا کیا دل خوش کر دیا میرا' کیا انعام مانگتے ہو؟ انعام دوں گی۔"

"میڈم واقعی انعام دیں گی مجھے؟"

"بہ خدا۔ تم۔ تم بہت شاندار آدمی ہو' بہت ہی اچھے آدمی ہو۔ میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گی۔"

"تو بس ایک چٹ پر مجھے یہ لکھ کر دے دیجئے کہ اگر میں کبھی آپ سے کچھ مانگوں گا تو آپ ضرور دے دیں گی۔"

"یہ بادشاہوں والی بات رہنے دو۔ میں ایک عام عورت ہوں' سچ کہو اور سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"تو پھر اپنے الفاظ کو ذرا سا ذہن میں ہی رکھ لیجئے ابھی تو کسی شے کی حاجت نہیں ہے ہو سکتا ہے کسی شے کی ضرورت پیش آ جائے۔ اس وقت آپ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں تمہیں بہت عزیز رکھتی ہوں شامی۔ بہت جلدی تم نے میرے ذہن میں اپنا گھر بنا لیا ہے۔" میڈم نے پرخلوص لہجے میں کہا اور شامی شرارت آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

□

فرید احمد صاحب ضرورت سے زیادہ بے تکلف آدمی تھے۔ کسی بھی وقت دروازہ بجا دیتے تھے اور ان لوگوں کو ان کی پذیرائی کرنی پڑتی تھی' دونوں ہی ان کا تجزیہ کر رہے تھے' بلاشبہ نہایت گھٹیا انسان تھے' شبہ تو اس سے پہلے بھی نہیں تھا کیونکہ لڑکیوں اور بیوی کے ساتھ ان کا جو سلوک تھا وہ اب چھپا نہیں رہ سکا تھا' لیکن عام حالات میں بھی وہ نہایت ہی نامعقول انسان تھے۔ آج ریس کا دن تھا' صبح ہی صبح نازل ہو گئے' شامی اور فراز جاگ اٹھے تھے لیکن ابھی کھولت کا شکار تھے' فراز ہی نے جا کر دروازہ کھولا اور فرید احمد صاحب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اماں یہ کیا' یعنی ایسا لگتا ہے جیسے ابھی تم سو کر نہ اٹھے ہو؟"

"جی ہاں بس اٹھنے ہی والے تھے۔" فراز نے کہا اور فرید احمد صاحب اندر گھس آئے۔

"شامی کہاں ہے؟"

"وہ بھی بستر پر ہی ہے۔"

"کمال ہے بھئی' میاں پتا ہے آج کیا دن ہے' ریس میں نہیں چلو گے؟"

"نہیں فرید احمد صاحب' ہم اتنے باقاعدہ نہیں ہیں' اصل میں ملازمت پیشہ ہیں اور

نوکری نوکری ہوتی ہے، پہلے وہاں جانا ہوتا ہے اس کے بعد کچھ اور دیکھا جاتا ہے، بس ایک آدھ مہینے میں ایک آدھ بار دفتر سے چھٹی کرلی تو چلے گئے۔"

"لاحول ولا قوۃ، یعنی ریس کے رسیا اور ریس میں نہیں جاتے میاں اس کے لئے تو دنیا چھوڑی جا سکتی ہے، نوکری کیا چیز ہے؟"

"بس جناب ہمارے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔"

"لعنت بھیجو اس نوکری ووکری پر، گھوڑوں کی معلومات حاصل کرو اور اتنا کماؤ کہ گزارا ہوتا رہے، نوکری سے جو تنخواہ ملتی ہے، ہفتے میں دو ریس کھیل لو اور اس طرح کھیلو کہ زیادہ نہیں کچھ ہاتھ لگ جائے پھر خواہ مخواہ کسی کی غلامی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بس جناب پرانی نوکریاں ہیں نہیں چھوڑ سکتے۔" فراز نے کہا۔

"گویا آج تم نہیں چلو گے ہمارے ساتھ؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا فرید احمد صاحب، ہماری نوکریاں بہت سخت ہیں۔"

"بھئی بڑی مایوسی ہوئی، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ چلو گھر سے دو افراد کا اور اضافہ ہوا لیکن تم نے یہ بتا کر مزا کرکرا کر دیا۔"

"جیسے ہی موقع ملا فرید احمد صاحب آپ کا ساتھ ضرور حاصل کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے ظاہر ہے مجبور نہیں کیا جا سکتا کسی کو، اچھا پھر ہم چلتے ہیں۔"

"ابھی سے۔"

"میاں فل ٹائم جاب ہے، ابھی ذرا کچھ لوگوں کی ناز برداریاں کریں گے، یہ وہ ہیں جو تقدیر ساز ہوتے ہیں اور ریس کورس کے میدان پر ان کی حکومت ہوتی ہے، کہیں سے کوئی ٹپ مل گئی تو وارے نیارے، ریس کورس تو وقت پر ہی جاتے ہیں، سوچ رہے تھے آج ذرا تمہیں کچھ کام کے لوگوں سے ملائیں۔"

"پھر کسی دن سہی فرید احمد صاحب۔"

کچھ دیر کے بعد فرید احمد چلے گئے۔ شامی نے منہ بنا کر کہا۔

"یار اس شخص کو برداشت کرنا واقعی ایک مشکل کام ہے۔" فراز نے ملتجی نگاہوں سے شامی کو دیکھا تو شامی نے کہا۔

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے یار، دیکھو یار کیسا انسان ہے، اسے انسان کہا جا سکتا ہے؟"

"اب کیا کیا جائے اونٹ کسی کل بیٹھنے دے شامی، ان کا بندوبست کر لیں گے۔"

"نہیں یار اب ایسی بھی بات نہیں ہے، ویسے ایک مشورہ دوں۔" شامی نے کہا اور شرارت سے ایک آنکھ دبا دی۔ فراز سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا تو شامی بولا۔

"آج تم چھٹی کر لو۔"

"کیوں؟"

"ملاقات ہو جائے گی، شیطان بند ہے مطلب ہے ریس کورس میں۔" فراز عجیب سی نگاہوں سے شامی کو دیکھنے لگا تو شامی نے کہا۔

"ہاں میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"واقعی آئیڈیا بہت اچھا ہے، ویسے بھی ان فرید احمد صاحب کے آ جانے کے بعد۔" فراز بولا اور شامی ہنس پڑا پھر اس نے کہا۔

"ویسے ایمانداری سے بتاؤ فراز، کیا تجھے واقعی صاعقہ سے محبت ہو گئی ہے؟" فراز اس وقت سچ مچ سنجیدہ ہو گیا، حالانکہ شامی کے سامنے یہ اعتراف کرنا اتنا مشکل تھا کہ فراز کبھی اس کی ہمت نہیں کر سکتا تھا لیکن اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ایسا ہے شامی وہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگتی ہے اور میرے دل میں اس کے لئے بہت جگہ بن گئی ہے۔"

"ادھر کا کیا حال ہے؟" شامی نے پوچھا اور فراز نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر آہستہ سے بولا۔

"وہ تو ابھی زندگی ہی کا تعین نہیں کر پائی ہے، میں اس کی ذہنی کیفیت اچھی طرح سمجھتا ہوں، ایک لمحے میں اس کی بے عزتی کر دی جاتی ہے، انسانوں کے حقوق بھی حاصل نہیں ہیں اسے تو بھلا وہ عشق کی منزل کی جانب کیسے بڑھ سکتی ہے؟"

"یار تجربہ تو نہیں ہے زیادہ، لیکن یہ عشق و محبت کے معاملات مختلف ہوتے ہیں، ویسے میرا اندازہ ہے کہ وہ تم سے مانوس ہو گئی ہے۔"

"اسے کوئی بھی ہمدرد ملتا تو ایسا ہو سکتا تھا۔" فراز نے جواب دیا۔ پھر ناشتے کے سلسلے میں کارروائی ہونے لگی اور اسی وقت فلیٹ کے دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

"جل تو جلال تو۔ شاید کچھ سوچ کر واپس آ گئے۔" شامی نے کہا اور اس بار خود اس نے دروازہ کھولا تھا، سامنے انیلا کھڑی ہوئی تھی، اس نے شامی کو سلام کیا اور بولی۔

"امی نے پوچھا ہے آپ لوگوں نے ناشتا تو نہیں کیا ابھی؟"

"نہیں، کیوں پوچھا ہے امی نے؟"

"بس پوچھا ہے انہیں جا کر بتا دوں۔" انیلا بولی اور اسی وقت سامنے کا دروازہ کھل گیا، امینہ بیگم کی صورت دکھائی دی مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔

"بیٹا، میں نے بڑا اچھا قیمہ پکایا ہے، پراٹھے بھی ہیں تم دونوں کے لئے الگ پکایا تھا، بس ذرا وقت ٹل جانے کا انتظار کر رہی تھی۔"

"ارے چچی جان آپ نے واقعی تکلف کر ڈالا۔"

"ایسی باتیں مت کیا کرو۔ یہ بتاؤ یہاں بھیج دوں یا آؤ گے؟"

“بھیج دیں تو اچھا ہے ہم لوگ ذرا دفتر جانے کی تیاریاں بھی کر رہے ہیں۔”

“ٹھیک ہے ابھی بھیجتی ہوں۔”

کچھ دیر کے بعد گرم گرم پراٹھے اور تازہ پکا ہوا قیمہ آ گیا' شامی نے فراز سے کہا۔

“اس سلسلے میں ہماری قسمت ہمیشہ ہی اچھی رہی ہے وہاں جناب شیخ صاحب تھے' بی شمسہ تھیں اور یہاں۔”

“یار' ان لوگوں کو ان سے نہ ملاؤ۔”

“کیا بات ہے بھئی کیا بات ہے۔ چلو تم خوش رہو ہمارا کیا ہے' فقیر منش ہیں' چلتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آج کی کارروائی کی رپورٹ ملنی چاہئے۔” فراز ہنس پڑا۔

شامی چلا گیا اور اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد دروازے پر پھر دستک ہوئی اور یہ دیکھ کہ فراز نہایت خوش ہوا کہ دستک دینے والی صاعقہ تھی۔

“برتن لینے آئی ہوں' برتن دھونے ہیں۔”

“آیئے صاعقہ' اندر آ جایئے۔” فراز نے کہا اور صاعقہ اندر آ گئی۔

“کہاں ہیں برتن؟”

“لے لیجئے' اب اتنی جلدی بھی کیا' بیٹھئے نا آج تو آپ کو فرصت ہے' چچی جان کیا کر رہی ہیں؟”

“سودا سلف لینے بازار گئی ہیں۔”

“اور انیلا؟”

“کمروں کی صفائی کر رہی ہے۔”

“بیٹھئے نا تھوڑی دیر۔” فراز نے کہا اور صاعقہ بیٹھ گئی' فراز نے اسے روک تو لیا تھا لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کرے ہونق سا بن کر رہ گیا تھا۔ صاعقہ بھی خاموش بیٹھی تھی۔ بہت دیر کے بعد فراز نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

“ارے کچھ باتیں کیجئے اتنی چپ ہو گئیں آپ؟”

“کیا باتیں کروں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا؟”

“فرید احمد صاحب کا رویہ کچھ بہتر ہوا ہے آپ کے ساتھ؟”

“بہتر تو خیر نہیں ہوا' بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ نے انہیں مصروف کر لیا ہے اب وہ ضرور اتنا خیال کرنے لگے ہیں کہ غصہ آتا ہے تو گالیاں ذرا مدھم آواز میں دے لیتے ہیں تا کہ آپ کے کانوں تک نہ پہنچیں۔” اس نے کہا اور مسکرا دی۔

“ہم لوگ آپ کے ذاتی معاملات میں کس قدر مداخلت کرنے لگے ہیں۔ آپ کو برا تو نہیں لگتا۔”

“کیا کہوں اس بات کے جواب میں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ کو ہماری کوئی بات اچھی

لگ گئی جس کے صلے میں ہمیں بھی آپ جیسے ہمدرد مل گئے۔ ورنہ......”

“ورنہ!”

“ویرانے کے درخت تھے ہم۔ بے آسرا۔ لاوارث' صرف آسمان کی مہربانی پر چلنے والے۔”

“آپ بہت خوبصورت جملے بولتی ہیں۔”

“آج انسان سمجھ رہی ہوں خود کو۔ کسی ہمدرد سے اپنی مرضی سے باتیں کر رہی ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔”

“میں آپ کے لئے بہت دکھی ہوں۔”

“آپ نہ جانے کیوں اتنے اچھے انسان ہیں مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اچھا اب چلتی ہوں۔ آپ کے پاس بہت دیر بیٹھنے کو دل چاہتا ہے مگر آپ خود سب کچھ جانتے ہیں۔”

“ہاں ٹھیک ہے۔” فراز نے اس سے اتفاق کیا اور وہ برتن اٹھا کر چلی گئی لیکن فراز کے لئے وہ لمحہ فکریہ چھوڑ گئی تھی۔ فراز کو اس کی باتوں سے احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس قدر بے وقوف یا سیدھی نہیں ہے۔ چند باتیں کی تھیں اس نے لیکن نہایت سلجھی ہوئی اور ذہانت آمیز تھیں۔ ان سے احساس ہوتا تھا کہ صاعقہ کے دل میں بہت کچھ ہے۔

تقریباً پورا دن گھر میں اینڈتے گزر گیا۔ شام کو اچانک فرید احمد پھر نازل ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے۔ موٹے بھدے بدن کے مالک' عمر پینتالیس سال کے قریب۔ آگے کے دو دانتوں پر سونا چڑھا ہوا' چہرے سے نہایت شاطر لگتے تھے۔

“ریس کورس سے سیدھا تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ ان سے ملو یہ فیض شاہ ہیں۔”

“ہیلو۔” فراز نے کہا۔

“ملتے جلتے تو ہم ہیں نہیں بھائی میاں' ہم سے تو ہاتھ ملاؤ۔” فیض شاہ نے کہا۔

“آیئے۔ تشریف رکھئے۔”

“ایک ایک پیالی گرما گرم چائے ہو جائے مگر تم کہاں بناؤ گے ہمارا دروازہ بجا کر بول دو۔ صاعقہ سے کہنا کہ کچھ پاپڑ وغیرہ بھی تل لائے۔”

“میں چائے بنا لیتا ہوں۔ بسکٹ وغیرہ موجود ہیں۔” فراز نے کہا۔

“اماں یہی تکلف برا لگتا ہے۔ اب یہ گھر اور وہ گھر الگ تو نہیں ہے۔ جاؤ - اچھا ٹھہرو میں خود چلا جاتا ہوں۔ تم باتیں کرو فیض شاہ سے۔” فرید احمد خود اٹھ گئے۔

فراز گہری سانس لے کر رہ گیا۔ فیض شاہ نے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ “پڑھتے ہو؟”

“جی نہیں۔”

“شکل سے تو مدرسے کے لونڈے لگتے ہو پھر کیا کرتے ہو؟”

"بس چھوٹی موٹی نوکری کرتا ہوں۔"

"باؤلے ہو پورے۔ ابے کوئی دھندہ کرو۔ نوکری میں کیا ملتا ہو گا۔"

"جی ہاں۔ بس گزارہ ہو جاتا ہے۔"

"بھینس پال لو پہلوان۔" فیض شاہ نے ایک آنکھ دبا کر فراز کی طرف ملانے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن فراز نے ان سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔

"بیس بھینسیں تھیں میری۔ اب ساٹھ ہیں۔ ایک پیسہ نہیں لگایا پلے سے' سب دودھ کی کمائی ہے کیا سمجھے؟"

"جی!" فراز ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"انٹی میں کتنا مال ہے؟"

"نوکری کرنے والے کی انٹی میں مال کیا ہوتا ہے شاہ صاحب۔" فراز بولا۔

"کہہ دی نا دل کی بات یہی تو ہم کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے شاہ صاحب؟" فرید احمد نے اندر آتے ہوئے کہا۔ شاید دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے۔

"باتیں کر رہے تھے بھائی میاں سے۔ چار آٹھ جماعت پڑھ کر نوکری کرنے سے کیا مل جاتا ہے۔ پہلی تاریخ کو ان کی عید ہوتی ہے باقی دنوں میں محرم۔"

فرید احمد صاحب نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولے۔ "باتیں بڑے مزے کی ہوتی ہیں فیض شاہ کی۔" فراز شکر کر رہا تھا کہ شاہی اس وقت موجود نہیں ہے ورنہ اس سے خاموش نہ رہا جاتا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر باہر آہٹ سنائی دی۔ فراز اٹھنے لگا تو فرید احمد نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو بیٹھو۔ صاعقہ ہو گی۔ میں دروازہ کھلا چھوڑ آیا تھا۔" فراز منہ کھول کر رہ گیا۔ آنے والی صاعقہ ہی تھی۔ ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے ہوئے اس پر چائے کے برتن اور پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ فراز نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور سن رہ گیا۔ صاعقہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور اس کا داہنا رخسار گہرا سرخ ہو رہا تھا۔

صاعقہ نے برتن رکھے تو فیض شاہ نے کہا۔ "اے بی کیسی ہو' سب ٹھیک ہے نا۔" صاعقہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برتن رکھ کر وہ واپس پلٹی تو فرید احمد نے کڑک کر کہا۔

"منہ میں زبان نہیں ہے کیا۔ فیض شاہ نے کچھ پوچھا ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔" صاعقہ بولی اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔ فیض شاہ نے پھر قہقہہ لگایا۔

"ہمارے ہاں کی لونڈیوں میں بس یہی خوبی ہوتی ہے۔ بھینس ہوتی ہیں۔ میرا مطلب ہے گائیں۔ بلکہ بچھیا۔ کیسی رہی؟" فیض شاہ نے ہنستے ہوئے فرید احمد کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے فرید احمد نے بھی ہنستے ہوئے تھام لیا۔

لیکن فراز کے اعصاب کشیدہ ہو گئے تھے۔ اسے صاعقہ کا سرخ رخسار یاد آ رہا تھا۔ صرف ایک رخسار سرخ کیوں تھا۔ دوسری طرف فیض شاہ پلیٹیں صاف کر رہا تھا۔

"ابے بھائی میاں تمہیں کیا ہو گیا؟" فیض شاہ نے اچانک فراز سے کہا۔

"ہیں۔" فراز چونک پڑا۔

"ابے بھائی کہیں گم ہو گئے۔" فیض شاہ بولا۔

"کھاؤ فراز۔ بڑے بڑھیا پاپڑ ہیں۔"

"جی ہاں۔" فراز نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"فیض شاہ کو میں نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ بھئی فیض شاہ بڑا جی خوش ہوتا ہے ان لڑکوں سے مل کر۔"

"ریس کے شوقین لگتے ہیں۔"

"ہاں۔ مگر بے چارے نوکری پیشہ ہیں۔ کبھی کبھی جاتے ہیں' مگر اچھی کھیلتے ہیں۔"

"ہماری شاگردی میں دے دو۔ ٹمبکٹو بنا دیں گے۔" فیض شاہ نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے فراز۔ اپنا شاہ بھی سچ مچ گھوڑوں کا بادشاہ ہے۔"

"بادشاہ۔ اماں شہنشاہ کہو۔ مجال ہے کوئی اپنی مرضی کے بغیر جیت جائے۔"

"بھینسوں کا باڑہ ہے ان کا۔"

"زمینیں بھی ہیں۔" فیض شاہ نے ٹکڑا لگایا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "اماں ہاں' بھائی فرید۔ کیوں نہ آج اپنے دین محمد سے بھی مل لیں۔"

"آج؟"

"ہاں یار بہت دن ہو گئے ہیں۔ بڑی شکایتیں کرتا ہے۔ آج مل ہی لیتے ہیں اسے۔"

"آج تو بڑی تھکن ہو گئی ہے شاہ۔"

"اماں تو ہمیں کون سی بھینس دوہنی ہے۔ رات اسی کے ہاں رت جگا کھائیں گے۔ یار وہ بادشاہ آدمی ہے اماں ہمت کر جاؤ۔" فراز ہنسنے لگا۔

"تمہاری مرضی ہے۔" فرید احمد نے آمادگی سے کہا اور فیض شاہ خوش ہو گیا۔

"ہوئی نا مردوں والی بات۔ اماں شہزادے تمہارا دل چاہے تو تم بھی چلو۔ بڑا جی دار ہے اپنا دین محمد۔ ٹرک چلتے ہیں اس کے' فیض شاہ نے فراز کو دعوت دی۔"

"نہیں شاہ صاحب۔ ہم نوکر ذات۔" فراز ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تو پھر اٹھیں۔" فیض شاہ فرید احمد سے بولا۔

"تم چلو۔ میں تیار ہو کر آتا ہوں۔" فرید احمد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

❑

جواد پوری طرح باغی ہو گیا تھا۔ گھر والوں کی شکل سے نفرت ہو گئی تھی اسے' بہت کم

گھر میں رہتا تھا۔ دوستوں کی صحبت تھی۔ سب سے مشورے کر رہا تھا کچھ لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ مڈل ایسٹ چلا جائے۔ اسی کے سلسلے میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پروگرام ترتیب پا رہا تھا جواد کے پاس پیسے نہیں تھے لیکن اب اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ اس نے منصوبہ بنا لیا تھا اور اس دن اس منصوبے کی تکمیل ہو گئی۔ ابتدا مرزا صاحب سے کی تھی۔ کسی کام سے ماں کو آواز دیتا ہوا باپ کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

"آیئے ولی عہد۔ سنا ہے گھر میں آنا جانا کم کر دیا ہے کہاں رہتے ہو؟" مرزا صاحب نے حسب عادت طنز کرتے ہوئے کہا۔

"عالم پناہ کی جاگیر کی سیاحت کرتا رہتا ہوں۔" جواد نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"سبحان اللہ۔ بذلہ سنج ہو گئے ہو۔"

"جواب عرض کر رہا ہوں۔ آپ نے ولی عہد کا خطاب عطا فرمایا میں نے آپ کو عالم پناہ کہہ کر مخاطب کیا۔"

"کیا مطلب؟" مرزا صاحب چکرائے پھر بات سمجھ میں آگئی تو بپھر گئے۔ "مجھ پر طنز کر رہا ہے مردود۔"

"جواب عرض کیا ہے محترم۔"

"نکمے۔ ناکارہ۔ جاگیر کا طعنہ دیتا ہے مجھے۔ تم لوگوں کو اپنی جاگیر بنایا تھا میں نے جو کمایا تھا تم پر خرچ کر دیا۔ آج جو چھ فٹ کے جوان نظر آتے ہو یہ میری کمائی سے ہو۔"

"شاید۔ اس کی ادائیگی کس طرح کروں؟"

"تم۔ تم ادائیگی کرو گے۔ ایک تو ادائیگی کر کے چلا گیا۔ تم بھی اپنا حق ادا کر دو۔"

"یعنی چلا جاؤں۔"

"مجھ سے پوچھ کر جاؤ گے۔ وہ بھی تو مجھ سے پوچھ کر گیا ہے۔"

"اب سوچتا ہوں کہ سجاد مجھ سے زیادہ ذہین تھا۔ اس نے بہتر فیصلہ کر لیا۔"

"تجھے کس نے روکا ہے۔ دفعان ہو جا۔ ابھی اسی وقت۔" مرزا صاحب پلنگ پر اچھلنے لگے۔

"کیوں زبان لڑا رہا ہے باپ سے؟" فیروزہ بیگم نے ہراساں لہجے میں کہا۔

"میں کہاں زبان لڑا رہا ہوں والدہ۔ والد صاحب ہی میرے بارے میں فیصلے کر رہے ہیں۔"

"نکل جا۔ میں کہتا ہوں نکل جا گھر سے۔"

"اب ایسی جلدی بھی کیا۔ دیکھوں گا۔ سوچوں گا۔" جواد نے کہا اور کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

لیکن اس نے دیکھ بھی لیا، سوچ بھی لیا پھر انتظامات کرنے لگا۔ دوستوں نے مدد کی

تھی۔ رات کو گھر واپس آیا تو جیب میں کلوروفارم کی شیشی موجود تھی۔ آدھی رات کے قریب جاگا۔ پہلے ہلکا ہلکا کلوروفارم بہنوں کو سنگھایا پھر ماں باپ کے کمرے میں آ گیا۔ سب کو اتنا غافل کرنے کے بعد اس کمرے میں آیا جہاں قیمتی اشیاء محفوظ تھیں۔ قیمتی اشیاء کیا تھیں۔ فیروزہ بیگم نے یہی بیٹیوں کے خیال سے کچھ جمع جتھا کیا تھا۔ تابندہ کے لئے سونے کا ایک سیٹ، ایک ہلکا سیٹ، دو چوڑیاں، دوسری چھوٹی بہنوں کی سونے کی بالیاں بندے، فیروزہ بیگم کا قدیم چاندی کا زیور۔ تھوڑی سی نقد رقم، جو مڑے تڑے نوٹوں کی شکل میں تھی۔ باقی سب بیکار تھا۔ اب برتن اور کپڑے تو لاد کر نہیں لے جا سکتا تھا۔ بہرحال اومان کے سفر کے لئے یہ سب بہت کافی تھا۔ دوستوں نے جو خرچہ بتایا تھا وہ اس سے پورا ہو سکتا تھا۔ سامان سمیٹ کر اس نے تحویل میں لیا - یہ سب کچھ اس طرح چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا اور پرچہ لکھا۔

"پیارے والدین۔ السلام علیکم۔

بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے آپ جیسے لوگوں کے گھر پیدا ہونے کی خواہش نہیں کی تھی۔ اگر پیدائش سے قبل مجھ سے پوچھ لیا جاتا کہ میاں تمہیں مرزا سخاوت بیگ کے گھر پیدا ہونے کی سزا دی جا رہی ہے تو گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا اور پیدا ہونے سے انکار کر دیتا لیکن افسوس۔ خیر، بڑے بھائی نے آپ سے ہر طرح کی مراعات حاصل کیں، تعلیم مکمل کی اور پھر زندگی بھی مکمل کر لی۔ مجھے کیا ملا! اب جو کچھ ملا ہے لے کر جا رہا ہوں میری بھی اپنی زندگی ہے۔ میں اپنا اچھا مستقبل تلاش کروں گا۔ شاید مل ہی جائے۔ میری واپسی کی توقع نہ رکھیں۔

"آپ کا فرمانبردار بیٹا، جواد بیگ۔"

پرچہ مکمل کر کے اس نے پھر پڑھا۔ پھر مسکرا کر اسے تکئے پر رکھا۔ سامان احتیاط سے سنبھالا اور پھر رات کی تاریکی میں گھر سے باہر نکل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

ادھر مرزا صاحب کے اہل خاندان میں کسی کو گمان نہیں تھا کہ ان کی زندگی میں ابھی اور بھی بہت سے طوفان آئے ہوئے ہیں۔ صبح کو ایک ایک کر کے سب جاگ گئے۔ کلوروفارم بھی شاید اصل نہیں تھا ورنہ اس کے اثرات اتنے معمولی نہ ہوتے۔ یہاں سر سب کے چکرا رہے تھے۔

سب سے پہلے تابندہ نے کمرے کی حالت دیکھی اور اس کا سانس بند ہو گیا۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں فرخندہ اور رخشندہ کو بھی جھنجھوڑ دیا۔

"ہائے۔ رخشندہ اٹھو۔ ہمارے گھر میں چوری ہو گئی۔"

"چوری؟" دونوں بہنیں سہم گئیں۔

"دیکھو ذرا' سارے صندوق کھلے پڑے ہیں۔ الماریاں بھی کھلی ہوئی ہیں۔"

فرخندہ اور رخشندہ سکتے میں رہ گئی تھیں۔ "امی۔ امی کو بلاؤ۔" تابندہ رندھی ہوئی آواز میں بولی اور فرخندہ دوڑ گئی۔

فیروزہ بیگم نے سنا تو دونوں ہاتھ سینے پر دھر لئے۔ مرزا صاحب گہری نیند سو رہے تھے۔ فیروزہ بیگم کپکپاتے قدموں سے باہر نکلیں اور بھنچی بھنچی آواز میں بولیں۔

"اے بچی کیا کہہ رہی ہے؟"

"صندوق اور الماریاں کھلی پڑی ہیں۔"

"کیا کیا چلا گیا؟"

"پتا نہیں۔ آپ آیئے۔"

"مجھے سہارا دو گر پڑوں گی۔ سہارا دے کر لے چلو مجھے۔" فیروزہ بیگم بولیں اور پھر گرتی پڑتی کمرے میں پہنچیں۔ سب کچھ دیکھا۔ تابندہ اور رخشندہ رو رہی تھیں۔ "کیا کیا گیا۔ ارے دیکھا۔ زیور دیکھو۔ پیسے دیکھو۔"

"دیکھ لئے امی۔" تابندہ نے روتے ہوئے کہا۔

"ہائے۔"

"وہاں کچھ بھی نہیں ہے بس زیور اور پیسے ہی گئے ہیں۔" تابندہ نے کہا۔

"خدایا!" فیروزہ بیگم بیٹھ گئیں۔ "خدایا۔ یہ بھی ہونا تھا۔ ارے سانپ سونگھ گیا تھا کیا۔ ارے ذرا جواد کو بلا کر لاؤ۔ وہ بھی سانڈ سوتا رہا۔ آہستہ جانا تابندہ ابا نہ جاگ اٹھیں۔"

"جی امی۔" تابندہ نے کہا اور جواد کے کمرے کی طرف چل پڑی جواد نہیں تھا لیکن اس کے تکیے پر ایک پرچہ رکھا ہوا تھا۔ جس انداز میں پرچہ رکھا تھا اسے دیکھ کر تابندہ کا ماتھا ٹھنکا۔ پرچہ اٹھایا اسے پڑھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ دیر تک وہیں کھڑی رہی پھر پرچہ لئے واپس ماں کے پاس آ گئی۔

"آیا نہیں وہ۔ جاگا یا نہیں۔" فیروزہ بیگم نے پوچھا اور تابندہ نے پرچہ آگے بڑھایا۔

"کیا ہے یا۔ کیا ہے یہ؟" فیروزہ بیگم کراہتے ہوئے بولیں۔ تابندہ کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ اس نے پرچہ رخشندہ کو دے کر کہا۔

"امی کو سنا دو!" رخشندہ پرچہ پڑھنے لگی۔ جوں جوں وہ یہ تحریر پڑھ رہی تھی فیروزہ بیگم کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے منہ سے آہستہ آہستہ نکل رہا تھا۔

"خدایا۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ جن کے لئے راتوں کو جاگتے ہیں جن کے لئے دعائیں مانگتے مانگتے زبان نہیں تھکتی وہ اتنے بیگانے بھی ہوتے ہیں۔ اپنے بدن کے

حصے بھی اتنے اجنبی ہوتے ہیں خدایا۔"

دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی رہیں پھر گردن اٹھا کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ "میرے معبود۔ میں نے دونوں کو معاف کیا جو کچھ انہوں نے کیا ہے میں نے صدق دل سے انہیں معاف کیا۔ میرے اللہ انہیں کوئی سزا نہ دینا۔ الٰہی انہیں ہر آفت سے' ہر بلا سے محفوظ رکھنا الٰہی وہ جہاں بھی رہیں خوش رہیں۔ زندہ سلامت رہیں۔ تندرست رہیں۔ میں نے انہیں معاف کیا۔" پھر وہ کھڑی ہو گئیں۔ اب وہ بالکل ٹھیک تھیں انہوں نے تینوں بیٹیوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "سنو۔ اپنے باپ کو کچھ مت بتانا۔ سمجھیں ایک لفظ بھی کسی کے منہ سے نہ نکلے۔"

□

فراز اور شامی باتیں کر رہے تھے۔ موضوع میڈم ہی تھی اور شامی اس کے بارے میں فراز سے وہی لسانیاں اڑا رہا تھا کہ اچانک فراز کے کان کھڑے ہو گئے۔ شامی آگے کچھ بولنا چاہتا تھا کہ فراز نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔ شامی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر ہلکی ہلکی آوازیں اس کے کانوں میں ابھرنے لگیں اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ شور ہے؟"

"ہاں۔" فراز بولا اور مسہری سے نیچے کود گیا۔ شامی بھی اس کے پیچھے پیچھے فلیٹ کے دروازے تک پہنچا تھا۔ دروازے تک پہنچنے کے بعد یہ آوازیں کچھ زیادہ ہو گئی تھیں۔ فرید احمد صاحب ہی چیخ رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی اندر سے دھوں دھوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ان کی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ فراز کا دل خون ہو گیا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر شامی کی جانب دیکھا اور شامی تیزی سے دروازہ کھول کر فرید احمد صاحب کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ فراز بھی اس کے قریب ہی آ گیا تھا لیکن اس دستک کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ فرید احمد صاحب کی دھوں دھوں جاری تھی اور اندر سے اب مدھم مدھم رونے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ شامی نے اچانک پوری قوت سے دروازہ پیٹ ڈالا اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ لیکن اندر کا منظر بڑا دلدوز تھا۔

دروازے کے سامنے والے پیسج میں امینہ بیگم برے احوال میں کھڑی ہوئی تھیں۔ فرید احمد صاحب نے صاعقہ کے خوب صورت بال مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے بال جکڑ کر دوسرے ہاتھ سے انہوں نے دروازہ کھولا تھا اور خون خوار نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے تھے۔

"ارے ارے فرید صاحب یہ کیا ہو رہا ہے؟" شامی نے دروازے میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ جایئے' آپ جایئے۔ یہ کیا بدتمیزی ہے۔ دروازے سے اندر کیوں گھس آئے۔ میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے۔"

"جج جی فرید احمد صاحب۔ وہ میں آپ کے سامنے والے فلیٹ میں۔ مم..... میں..... شامی شامی۔"

"میں کہتا ہوں اس وقت چلے جاؤ۔" انہوں نے غرا کر کہا اور فراز بے قابو ہو گیا۔ وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور اس نے فرید احمد صاحب کے اس ہاتھ کو پکڑ لیا جس سے انہوں نے صاعقہ کے بال پکڑے ہوئے تھے۔

"یہ کیا درندگی ہے۔ چھوڑو اسے۔ میں کہتا ہوں اسے چھوڑو۔" فراز نے جھٹکا دیا اور فرید احمد بے قابو ہو گیا۔

"تم کون ہوتے ہو میرے گھر کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے والے۔ دیکھو میاں یہ سب کچھ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ میرے ذاتی معاملات ہیں۔ باہر نکل جاؤ۔"

"یہ ذاتی معاملہ نہیں درندگی ہے۔ وحشت ہے' کمینگی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے بال چھوڑ دو' ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" فرید احمد نے صاعقہ کے بال چھوڑ دیئے اور فراز کی طرف دیکھ کر غرا کر بولا۔

"کیا برا ہو گا۔ اپنی بیٹی کو مار رہا ہوں میں' تو کون ہوتا ہے مداخلت کرنے والا۔"

"میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔ گردن دبا کر یہیں دفن کر دوں گا' سمجھے۔ تم دوبارہ اسے ہاتھ لگا کر دیکھو۔" فراز نے کہا۔

"جان سے مار دوں گا تجھے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا تیرے۔ تو سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔ مجھے جانتا ہے میرا نام کیا ہے۔ ابے میں کہتا ہوں کہ تو میرے گھر میں گھسا ہی کیوں؟" فرید احمد صاحب کوئی شریف آدمی تو تھے نہیں جو تعلقات کا پاس کرتے اور اس وقت ان پر دیوانگی سوار تھی' چنانچہ وہ فراز کی جانب پلٹے لیکن فوراً ہی شامی درمیان میں آ گیا اور اس نے دونوں ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہیں فرید احمد صاحب' تم کون ہوتے ہو ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے والے' یہ بالکل غلط ہے' تم چلے جاؤ یہاں سے' فراز تم فوراً نکل جاؤ' میں تم سے یہ امید نہیں رکھتا تھا کہ تم میرے دوست کے گھریلو معاملات میں مداخلت کرو گے۔" شامی نے کہا۔

"میں دیکھتا ہوں انہیں۔ یہ دوبارہ ہاتھ لگا کر دیکھیں اسے۔"

"ابے تم کیا دیکھو گے' چلو باہر نکلو۔" شامی نے فراز کو دھکا دیتے ہوئے کہا اور فراز باہر نکل گیا۔ تب شامی فرید احمد کی طرف رخ کر کے بولا۔

"پتا نہیں اس بے وقوف کو کیا ہو گیا تھا۔ آپ کی تو اتنی عزت کرتا ہے فرید احمد

صاحب کہ میں بتا نہیں سکتا۔ تعریفیں کرتے کرتے زبان نہیں تھکتی۔ کہتا ہے اچھے پڑوسی بھی خدا کی نعمت ہوتے ہیں لیکن اس وقت کھوپڑی شاید کچھ زیادہ ہی گھوم گئی تھی۔"

"تم بھی باہر نکل جاؤ۔ میں اپنے گھریلو معاملات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ اس کی تو میں کھال اتار دوں گا۔" دوسرا جملہ صاعقہ کی طرف رخ کر کے ادا کیا گیا تھا۔ شامی نے جلدی سے پھر فرید احمد صاحب کو پکڑ لیا۔

"غصہ حرام ہوتا ہے فرید احمد صاحب۔ بچی ہے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معاف کر دیجئے۔ آپ تو بڑے دل والے ہیں۔"

"میاں میں کہتا ہوں جاؤ۔"

"آپ کے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ آیئے میرے ساتھ۔"

"میں کہتا ہوں تم نکل جاؤ۔"

"نہیں فرید احمد صاحب آپ کے بغیر نہیں نکلوں گا۔" شامی نے فرید احمد صاحب کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر ان کی گردن پر قینچی جما دی۔ طاقتور نوجوان تھا۔ فرید احمد صاحب اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔ شامی محبت بھرے انداز میں بولا۔

"آپ جیسا انسان صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ فرید احمد صاحب' آپ سے میں اس بات کی امید نہیں رکھتا۔ آیئے میرے ساتھ چلئے۔"

فرید احمد اپنے آپ کو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن شامی کی گرفت ایسی نہیں تھی کہ وہ اس سے اپنے آپ کو چھڑا سکتے' شامی انہیں دھکیلتا ہوا دروازے کی طرف لا رہا تھا۔

"دیکھو چھوڑ دو۔ خون خرابا ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں چھوڑ دو مجھے۔"

"آپ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالئے مجھے پرواہ نہیں ہو گی لیکن آپ جیسے پیارے دوست کو میں ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔" شامی نے فرید احمد صاحب کی گردن پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا اور فرید احمد صاحب شدت تکلیف سے بل کھانے لگے۔

"مم..... مم میں دیکھو میں کہہ رہا ہوں چھوڑ دو مجھے۔" انہوں نے آخری زور لگایا لیکن اس دوران شامی انہیں قینچی ڈالے ہوئے باہر لے آیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شامی' فرید احمد صاحب کو اسی طرح دھکیلتے ہوئے اپنے فلیٹ میں لے گیا اور پھر پاؤں سے دروازہ بند کر دیا۔ فراز قریب ہی موجود تھا۔

"دروازہ بند کر دو فراز۔" شامی نے کہا اور فراز نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ درحقیقت

شدید غصے کے عالم میں تھا۔ شامی نے اسے گھور کر دیکھا گویا کہنا چاہتا ہو کہ کیوں حماقت کر رہا ہے۔ فرید احمد صاحب کو البتہ اس نے ابھی تک نہیں چھوڑا تھا۔ فرید احمد صاحب خود ہی بولے۔

"چھوڑو مجھے۔ میں کہتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔"

"آپ کو چھوڑ دیا تو اس دنیا میں رہے گا ہی کیا۔ آپ آیئے بیٹھئے۔ فراز چائے بناؤ بھئی۔"

"نہیں پیوں گا۔"

"پینا پڑے گی۔" شامی نے ان کی گردن پر پھر دباؤ ڈالا اور فرید احمد صاحب دہرے ہونے لگے۔

"اماں گردن توڑ دو گے کیا میری؟"

"ارے نہیں خدا نہ کرے' آپ کی گردن توڑنے سے پہلے اپنی گردن توڑ لینا پسند کروں گا۔" شامی انہیں دھکیلتا ہوا کمرے میں لے آیا۔ فرید احمد صاحب بری طرح مچل رہے تھے۔ کمرے میں لانے کے بعد شامی نے ان کی گردن چھوڑ دی اور بغلوں سے ہاتھ نکال لئے۔

"یہ سب کیا تماشا ہے؟"

"چھوڑیئے فرید احمد صاحب' آپ جیسے سنجیدہ برد بار اور نیک نفس انسان سے میں ایسی کسی حماقت کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ نجانے کیا ہو گیا آپ سب لوگوں کو۔ ادھر یہ فراز جذباتی ہو گیا۔"

"سارے جذبات میں دو منٹ میں ٹھیک کر دوں گا۔ میں کہتا ہوں کسی پڑوسی کو پڑوسی کے گھر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا کیا حق ہے؟"

"بالکل نہیں ہے۔ لیکن یہ حق آپ نے ہمیں دیا ہے۔ بیٹھئے بیٹھئے۔" شامی نے کہا اور دروازے پر کھڑے ہوئے فراز سے بولا۔

"یار چائے بنا کر لاؤ تم کیسے آدمی ہو؟" فراز واپس چلا گیا تھا۔ اس کی اندرونی کیفیت نجانے کیا تھی لیکن بہرحال یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ شامی نے فرید احمد صاحب کو کس طرح قابو میں کر لیا ہے۔ بمشکل تمام فرید احمد صاحب کو بٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"آخر ہوا کیا۔ کیا بات ہو گئی؟ بچیوں نے کوئی شرارت کی ہو گی؟"

"وہ بچیاں ہیں؟"

"میرا خیال ہے بچیاں ہیں۔"

"اماں چھوڑو کیسی باتیں کرتے ہو۔ آفت کی پر کالہ ہیں دونوں کی دونوں لیکن میں بھی۔ میں بھی ان کو ٹھیک کر دوں گا یار۔ اس وقت مجھے جانے دو۔"

"فرید صاحب بیٹھئے۔ آپ سے اتنی اہم گفتگو کرنی تھی مجھے۔ میں نے سوچا تھا کہ ذرا فرصت سے بات کروں گا۔ اس وقت شور شرابے کی آواز سنی تو دوڑ گئے' ہم دونوں۔ بہرحال چھوڑیئے ان باتوں کو۔ چائے پی لیجئے' اس کے بعد ہم دونوں باتیں کریں گے۔" فرید احمد صاحب ننگے پاؤں یہاں تک آئے تھے کہنے لگے۔ "میری چپلیں وہیں رہ گئی ہیں۔"

"لیجئے یہ پہن لیجئے۔" شامی نے اپنے سلیپر فرید احمد صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور فرید احمد صاحب خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئے۔ شامی ان کے سامنے بیٹھ گیا پھر بولا۔

"آپ کو اس قدر غصہ آ سکتا ہے میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ چلئے کوئی بات نہیں' آج آپ کو یہیں رکھوں گا آپ کا غصہ ٹھنڈا کروں گا۔"

"تم بات کو سمجھا کرو یار۔ بڑا اہم مسئلہ ہے میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ بس میں چلتا ہوں۔"

"آپ کو بیٹھنا پڑے گا فرید احمد صاحب۔ دوستی اسی کو کہتے ہیں۔ اگر آج آپ نے میری بات کو نظر انداز کر دیا تو دل اس طرح ٹوٹ جائے گا کہ پھر دنیا کا کوئی ڈاکٹر اسے جوڑ نہیں سکے گا۔"

"مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں گھر میں؟"

"آج نہیں جناب۔ ضروری باتیں تو آج مجھے آپ سے کرنی ہیں۔ کمال ہے۔ اتنا عظیم الشان منصوبہ بنایا ہے میں نے آپ کے لئے اور آپ ہیں کہ سننے تک پہ تیار نہیں ہیں۔"

یہاں تک کہہ کر شامی فرید احمد صاحب کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فراز چائے بنا کر لے آیا۔ فرید احمد صاحب غصیلے لہجے میں بولے۔

"چائے تو میں بالکل نہیں پیوں گا۔"

"ارے واہ کیوں نہیں' کمال ہے' چائے تو آپ کو پینی پڑے گی۔"

"ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیوں گا۔"

"اتنے اچھے دوستوں میں کبھی کبھی ایسی جذباتی باتیں ہو ہی جاتی ہیں اور پھر آپ دیکھ لیجئے۔ معاملہ ہمارا تو نہیں تھا۔ آپ کے گھر کا تھا۔ آپ غصے میں نجانے کیا کر بیٹھتے' بچی کے چوٹ بھی لگ سکتی تھی' زخمی ہو جاتی' آپ کے علاوہ کس کو افسوس ہو سکتا تھا۔ ایک دوست کی حیثیت سے ہمارا فرض تھا کہ آپ کو ہر طرح کے حادثوں سے بچائیں۔"

شامی نجانے کیا کیا کہتا رہا بہرحال شامی' شامی تھا۔ فرید احمد صاحب کو چائے پلائی گئی اور اس کے بعد انہیں آہستہ آہستہ نارمل کیا جانے لگا۔ حقیقت حال ابھی معلوم نہیں ہو سکی

تھی لیکن شامی نے نوبت یہاں تک پہنچا دی تھی کہ اگر اس کے بعد فرید احمد صاحب واپس بھی جائیں تو صاعقہ کے لئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

□

جواد کی واپسی کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ بھلا اب وہ کیا واپس آئے گا۔ گھر کے حالات بدتر ہو چکے تھے اور اب تو یہ حالت تھی کہ گھر میں کھانے تک کے لئے کچھ نہ رہا تھا۔ ہر ایک کو احساس تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کوئی احساس اگر نہیں تھا تو مرزا سخاوت بیگ صاحب کو' ذہنی رو بحال تھی۔ بس ایک جگہ پڑے پڑے اور اپنی معذوری کے احساس سے شدید چڑچڑے ہو گئے تھے۔ ہر وقت مغلظات بکتے رہتے تھے۔ فیروزہ بیگم کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور بچیوں کو یہ احساس تھا کہ ماں اگر انہی حالات سے گزرتی رہی تو آخر کار ایک دن شوہر کا شکار ہو جائے گی۔

آج بھی سخاوت بیگ صاحب سخت غصے میں تھے کہنے لگے۔

"دنیا بڑی عجیب جگہ ہے فیروزہ بیگم۔ کوئی بھی شخص اپنے مفادات سے روگردانی نہیں کرتا۔ ایک دور وہ تھا جب آپ کو یہ احساس رہتا تھا کہ میرے لئے گھر میں اچھی سے اچھی چیز پکائی جائے۔ بچے بے شک دال کھا لیں لیکن میرے لئے اچھا کھانا ہو لیکن آج جب میں معذور ہو گیا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گھر میں سب سے بے کار چیز میں ہی ہوں۔"

فیروزہ بیگم نے تھکی تھکی آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور بولیں۔

"کیا بات ہے کیا شکایت ہو گئی ہے آپ کو؟"

"دیکھ رہی ہو تین دن سے کھانس رہا ہوں۔ تیس بار کہہ چکا ہوں کہ میرے لئے مرغ کی یخنی بنا دی جائے۔ کیا اب اس گھر میں میرے لئے اتنی بھی گنجائش نہیں رہی ہے کہ تھوڑا سا مرغ کا گوشت منگوا کر اس کی یخنی مجھے نکال دی جائے۔"

فیروزہ بیگم نے افسردہ نگاہوں سے مرزا صاحب کو دیکھا اور بولیں۔

"میرے سر کا تاج تو آپ ہی ہیں مرزا صاحب۔ کیا میں زندگی میں ایسی ہی بے وفا رہی ہوں آپ کے لئے کہ آپ کو مجھ سے یہ شکایت پیدا ہو جائے۔ میں نے تو کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دیا جس کا اعتراف آپ بارہا کر چکے ہیں۔"

"پرانی بات تھی بیگم صاحبہ۔ اس وقت میں سونے کے انڈے دینے والی مرغی تھا اور اب میں خالی انڈے بھی نہیں دے سکتا۔ اب میری کیا اوقات رہ گئی ہے۔"

"یہ بات نہیں مرزا صاحب' آپ خود دیکھئے اب تو گھر میں کہیں سے ایک پیسے کی آمدنی بھی نہیں ہے۔ آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں کہ اب کھانے پینے کی کوئی چیز بھی باقی نہیں بچی ہے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"یہ سجاد تو خیر جہنم واصل ہوا' جواد کہاں مر گیا۔ نظر نہیں آیا کئی دن سے۔"

"نہیں نہیں مرزا صاحب' خدا کے لئے بچوں کو کبھی کوسئے نہیں جیسے بھی ہیں برے یا بھلے ہماری اولاد ہیں۔ اور کچھ تو ہم انہیں نہیں دے سکتے لیکن ہماری دعائیں تو ان کے لئے ہونی ہی چاہئیں۔"

"بی بی تم فرشتہ بنو' مجھے انسان ہی رہنے دو۔ مجھے فرشتہ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں بھلا کیسے بھول سکتا ہوں یہ بات کہ اس بدبخت کو جس کے لئے میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو تیار رکھا۔ تعلیمی معاملہ ہو یا کوئی اور لباس کے مسئلے میں بھی تمہیں یاد ہو گا کہ بعض اوقات دفتر سے قرض لے کر اسے اس کی پسند کا لباس بنا کر پہنایا کہ کہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائے' نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا جو ہوا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں آپ سے پورا اتفاق کرتی ہوں لیکن اب صورت حال کافی خراب ہو گئی ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا' میں نے جو کچھ جمع جتھا کیا ہے اب اسے بیچو۔ میری ضرورت پر میری چیزیں کام نہیں آئیں گی تو کب کام آئیں گی۔ ارے میرا ہی ہے نا ابھی اس گھر میں سب کچھ۔ تابندہ کے لئے جو کچھ جمع کیا ہے میں نے' اب اس میں سے نکالو۔ جب کوئی نہیں ساتھ دیتا تو لڑکیاں بھی کیا ساتھ دیں گی۔ مجھے اب کسی کا بھروسہ نہیں رہا۔ ان کی تقدیر کا معاملہ ہے۔ تقدیر میں ہو گا تو شادی بیاہ بھی ہو جائے گا۔ میں کیا کروں۔ کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے میں نے' جو غلطی زندگی بھر کرتا رہا اب میں اسے نہیں دوہرانا چاہتا بس سامان بیچو گھر کا اور میری ضروریات پوری کرو۔"

"کیا بیچوں گھر کا سامان؟ کچھ نہیں رہا اب اس گھر میں۔" فیروزہ بیگم کو بھی طیش آ گیا اور مرزا صاحب اپنی جگہ اچھلنے کودنے لگے۔

"زبان لڑاتی ہے مجھ سے' بدتمیزی کرتی ہے' یہ سمجھتی ہے کہ میں اٹھ نہیں سکتا اپنی جگہ سے۔ قیامت ڈھا دوں گا ایک ایک کو ختم کر دوں گا۔ فنا کر دوں گا سب کو۔"

مرزا صاحب کی چیخ و پکار باہر تک پہنچی اور تینوں بچیاں سہم کر صحن میں آ کھڑی ہوئیں۔ تابندہ خاموش نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ مرزا صاحب پر جب زیادہ شدت طاری ہو جاتی تھی تو فیروزہ بیگم کمرے سے باہر نکل آتی تھیں۔ اس وقت بھی انہوں نے یہی کیا کہ باہر آ گئیں اور تینوں لڑکیوں کو صحن میں دیکھ کر کچھ شرمندہ سی ہو گئیں۔ تابندہ آگے بڑھی اور اس نے فیروزہ بیگم کے قریب پہنچ کر کہا۔

"آیئے ادھر لان میں آ جایئے۔" تابندہ کے لہجے میں شدید سنگینی محسوس ہو رہی تھی۔ نرم مزاج' نازک طبع تابندہ کا یہ لہجہ نجانے کیوں انہیں کچھ خوفناک سا محسوس ہوا بہرحال وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دالان کی چارپائی پر جا بیٹھیں۔ تابندہ ان کے قریب آ گئی تھی اس نے کہا۔

"حالات سے اگر نگاہیں چرا لی جائیں' آنکھوں پر اگر پٹی باندھ لی جائے تو اس سے بڑی بیوقوفی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

"کیا آپ ہمیں انسان تصور نہیں کر سکتیں۔ کیا ہم پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے دل میں کوئی احساس کوئی جذبہ نہیں ہے؟ جواب دیجئے امی؟"

"سب کچھ ہے تابندہ مگر جو کہنا چاہتی ہو خدا کے لئے کہہ دو۔ شاید میرے دماغ میں اب یہ ہمت نہیں رہی ہے کہ میں سوچوں اور پھر سمجھوں۔"

"امی! کوئی خاص بات نہیں ہے گھر کے حالات میری نگاہوں میں بھی ہیں۔ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔ ہم.... ہم اب خاموش نہیں رہ سکتے۔ سجاد بھائی گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ جواد بھائی نے بھی جو کچھ کیا اللہ انہیں خوش رکھے لیکن یہاں پانچ افراد زندہ ہیں اور سانس لیتے ہیں۔ آنے والے وقت میں کیا ہمیں فاقہ کشی کی زندگی مرنا ہے۔ کچھ کرنا تو ہو گا امی' اب میں ان تینوں میں سے بڑی ہوں اب میرا فرض ہے کہ میں ان حالات پر نگاہیں دوڑا کر کچھ کروں۔"

"کیا کرو گی بیٹی بتاؤ۔ کیا کر سکتی ہو تم؟"

"کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہو گا امی' میں.... میں پڑوس میں نکلتی ہوں۔ لوگوں کے کپڑے سیوں گی۔ یہ سینا پرونا جو میں نے سیکھا ہے اگر اس وقت کام آ جائے تو کیا یہ بہتر نہیں ہو گا۔"

فیروزہ بیگم تشویش زدہ نگاہوں سے تابندہ کو دیکھنے لگیں پھر آہستہ سے بولیں۔

"یہ.... یہ سب کچھ تمہارے ابا برداشت کر لیں گے؟"

تابندہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"ہمارے ابو ہماری موت تو خاموشی سے برداشت کر سکتے ہیں۔ ہماری محنت برداشت نہیں کریں گے۔ وہ برداشت کریں یا نہ کریں مجھے اب کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"اری بیٹا تم سرکشی کی باتیں کر رہی ہو؟"

"سرکشی نہیں امی' یہ ضرورت ہے۔ میں نہیں جانتی کہ کس نے کہاں غلط اقدامات کئے ہیں لیکن اس گھر کا جو اصول بگڑا ہے' یہاں جو یہ سب کچھ غلط ہوا ہے اس کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہو گا امی' کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے اب ہمیں غور کر کے ان غلطیوں کو سنوارنا ہو گا۔"

فیروزہ بیگم خاموشی سے تابندہ کی صورت دیکھتی رہیں۔ سوچتی رہیں اور کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

"تب تم یوں کرو تابندہ کہ یہ کام تم نہ کرو۔ میں نکلتی ہوں' میں بات کرتی ہوں لوگوں

سے' اور اس کے بعد جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو وہ شروع کر دیں گے۔"

"نہیں امی' میں نہیں جانتی آپ اس مزاج کی خاتون نہیں ہیں۔ آپ وہ نہیں کر سکیں گی جو ہمیں کرنا ہو گا۔ آپ یہ ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دیجئے ابا تو کمرے میں رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے جواد بھائی نے سلائی مشین چھوڑ دی ہے اگر وہ اسے بھی بیچ دیتے تب واقعی صورت حال کافی خراب ہو جاتی۔ اس سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔ ابو کو بتانے کی ضرورت نہیں۔"

فیروزہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ تابندہ نے اسی دن سے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ پابندیوں میں پلی تھی۔ پڑوسیوں سے ملنے کی اجازت نہیں تھی لیکن پھر بھی شناسائی تو سب سے تھی۔ سب جانتے تھے کہ مرزا صاحب کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ ملنا جلنا بھی کبھی کبھی ہوتا ہی رہتا تھا۔ پڑوس میں لڑکیاں بھی تھیں جن سے تابندہ' رخشندہ اور فرخندہ کی سلام دعا بھی تھی لیکن بس مرزا صاحب نے کچھ اصول بنا رکھے تھے۔ بچیاں گھر سے باہر نہ نکلیں۔ زیادہ میل جول نہ کیا جائے۔ کسی رشتے ناتے داروں میں تو خیر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کبھی اگر موقع مل جاتا تو گویا عید ہو جاتی تھی بہرحال تابندہ باہر نکلی۔ سامنے ہی الٰہی بخش صاحب کی بیگم ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ تابندہ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"آؤ تابندہ بیٹی خیریت کیسے آنا ہوا؟"

"چچی جان کام سے آئی ہوں آپ کے پاس۔"

"ہاں ہاں بیٹھو' بتاؤ کیا بات ہے؟"

"چچی جان! آپ کو ہمارے گھر کے حالات کا تھوڑا بہت علم تو ہو گا۔ بات اگر اچھی ہو تو گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا اور اگر اپنی بدنصیبی کی داستان ہو تو پھر جگہ جگہ کہتے پھرنا اچھا نہیں لگتا۔ دونوں بھائی گھر سے چلے گئے ہیں۔ ہمیں تنہا چھوڑ کر' اور اب حالات پریشان کن ہو گئے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے چچی جان کہ میں پڑوسیوں کے کپڑے سی کر گھر کے حالات کو سنواروں گی اور اس معاملے میں پہلا گھر آپ ہی کا ہے۔ میں کپڑے وغیرہ سی کر گھر کے حالات کو بہتر بنانا چاہتی ہوں۔"

بیگم الٰہی بخش شریف خاتون تھیں۔ بے حد متاثر ہوئیں کہنے لگیں۔

"لو کمال ہے بھئی اتفاق کی بات یہ ہے کہ آج ہی کافی کپڑے درزی کے یہاں بھیجنے والی تھی' بہت دن سے پڑے ہوئے ہیں اور بچیاں اس سلسلے میں شور مچا رہی ہیں۔ تم یوں کرو کہ ناپ وغیرہ لے لو اور کپڑے لے جاؤ۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ انسان کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔ تم بے فکر رہو۔ میں دوسری جگہوں سے بھی تمہیں سلائی کے کپڑے دلوا دوں گی اور سنو تابندہ یہ لو۔ یہ دو سو روپے رکھ لو۔ انہیں کسی قسم کی مذمت سمجھنا' تم جیسی بچیاں اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتی

ہیں۔ بس یہ سلائی کا ایڈوانس سمجھ لو' ویسے بھی کافی پیسے بنیں گے۔ جتنے کپڑے میں تمہیں دے رہی ہوں' چنانچہ حساب ہو جائے گا۔ وقتی طور پر کام چلاؤ اس سے اور اگر چچی جان کہتی ہو تو پھر جو ضرورت ہو مجھے بتا دینا۔"

تابندہ نے خاموشی سے دو سو روپے لے کے رکھ لئے۔ بچیوں کے کپڑوں کے ناپ لئے اور ڈھیر سمیٹے گھر واپس آ گئی۔ فرخندہ اور رخشندہ کو بھی اپنے ساتھ کاموں میں لگا لیا اور پوری ہمت کے ساتھ کام کرنے لگی۔ بہترین سلائی اور کڑھائی وغیرہ جانتی تھی اور اس کی تعریفیں نجانے کہاں کہاں ہو چکی تھیں۔ اس وقت بھی اپنے فن کے نمونے دکھائے اور اتنی جلدی یہ سارے کپڑے تیار کر دیئے کہ بیگم الٰہی بخش بھی حیران رہ گئیں۔ انہوں نے بھرپور معاوضہ دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی جس کام کا انہوں نے وعدہ کیا تھا وہ بھی کر دکھایا۔ چنانچہ یہ ہوا کہ تابندہ کو محلے بھر کی سلائی ملنے لگی۔ لوگوں نے پذیرائی بھی کی' مرزا صاحب کو مرغ کی یخنی مل گئی تو انہیں اور کیا چاہئے تھا۔ کچھ بھی تو نہیں پوچھا کہ پیسے اچانک ہی کہاں سے آ گئے۔ انہیں اب کسی بات کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ دیوانے نہیں ہوئے تھے۔ بے حس ہوئے جا رہے تھے۔

تابندہ کی کاوشوں نے حالات کسی حد تک سنبھال لئے لیکن ضروریات زندگی اتنی محدود نہیں ہوتیں۔ سب کو اندازہ تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے قابل بھروسہ نہیں ہے۔ پڑوس میں کتنے کپڑے سلوائے جائیں گے۔ ان سے کام نہیں چل سکتا۔ تابندہ ان سوچوں میں گھلی رہتی تھی۔

پھر ایک دن ایک نیک دل پڑوسی امتیاز احمد نے کہا۔

"تابندہ بٹیا! میں نے تمہارا تذکرہ اپنی مالکہ مسز عالمگیر سے کیا تھا۔ مسز عالمگیر کا ایک بہت بڑا بوتیک ہے اور میں وہاں اکاؤنٹس کا کام کرتا ہوں۔ تم اگر چاہو تو میں تمہاری ملاقات مسز عالمگیر سے کرا دوں' انہیں ڈیزائنر کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں معقول معاوضہ دے دیں گی۔ ویسے بھی وہاں صرف خواتین کام کرتی ہیں۔"

"مجھے وہاں نوکری مل سکتی ہے ماموں جان؟" پڑوسی ہونے کے رشتے سے محلے کے لوگ اور خود تابندہ وغیرہ امتیاز احمد کو ماموں کہا کرتی تھیں۔

"انشاء اللہ امید تو ہے۔ کام دیکھیں گی وہ تمہارا۔ اس کے بعد فیصلہ ہو گا۔"

"ماموں جان! آپ تو ابو کی عادت جانتے ہیں' میں تو خوشی سے تیار ہوں بس ذرا انہی کا خطرہ ہے۔"

"ہاں مجھے بھی انہی کی طرف سے تشویش ہے لیکن کوشش کر کے دیکھ لو' ہو سکتا ہے مرزا صاحب تیار ہو جائیں۔"

"میں پوری پوری کوشش کروں گی۔"

"اگر تمہیں اجازت مل جائے تو کل میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ دس بجے کے قریب نکلنا ہو گا۔"

"جی بہتر ہے۔" تابندہ نے کہا اور پھر گھر واپس آ کر سوچ میں گم ہو گئی۔ بہت خوفناک بات تھی۔ باپ کو ابھی تک یہ نہیں پتا چل سکا تھا کہ بیٹی پڑوس کے گھروں میں جا کر سلائی کے کپڑے لاتی ہے۔ مرزا صاحب بے حد تیکھے تھے۔ خود تو معذور ہونے کے بعد کوئی انتظام کرنا ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی لیکن تابندہ کو اندازہ تھا کہ پتا چل جائے تو زمین آسمان ایک کر دیں گے لیکن اب اس مشکل کا کوئی اور حل بھی تو نہیں تھا جو کچھ بھی ہو' بات آگے بڑھانی ہے' جس طرح اس تھوڑی سی محنت نے گھر کے حالات کو سنبھالا دیا تھا۔ اسی طرح ممکن ہے اگر نوکری مل جائے تو گھر کے حالات میں مزید بہتری پیدا ہو سکے گی کیونکہ آگے تاریکیاں نظر آتی تھیں۔

بہت غور و خوض کیا۔ پھر ماں سے اس بارے میں تذکرہ کر ڈالا۔ صورت حال بتائی تو فیروزہ بیگم منہ دیکھتی رہ گئیں۔ ان کے چہرے پر خوف کے گہرے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"تمہارے باوا اجازت دے دیں گے تمہیں باہر جانے کی اور نوکری کرنے کی؟"

تابندہ کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ اس نے کہا۔ "باوا باہر جانے کی اور نوکری کرنے کی اجازت تو نہیں دیں گے امی۔ روٹی بھی تو نہیں دے سکتے وہ' کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا اور پھر میں پرامید ہوں جو کام کروں گی' غور کر کے کروں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ لوگوں نے ہمیں گھروں تک محدود کر رکھا ہے۔ ہمیں اس پر اعتراض بھی نہیں تھا لیکن اب وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ جو سہارے تھے وہ کنارہ کشی کر گئے۔ اب اس طرح فاقہ کشی سے مرنا تو ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں آپ کو بتائے دیتی ہوں امی کہ آج نہیں تو کل ہم سب کو سرکشی پر مجبور ہونا پڑے گا۔ بہتر ہے کہ ان حالات کو آپ خود ہی سنبھالیں اور نوبت یہاں تک نہ پہنچنے دیں۔"

فیروزہ بیگم کو بیٹیوں کی بات سے پورا پورا اتفاق تھا کہنے لگیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے مم مگر۔ باوا سے کچھ تو کہنا ہو گا۔"

"یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔"

"اری کم بختو! کب تک یہ ذمہ داریاں میرے شانوں پر ڈالے رہو گی۔ ہر ذمہ داری تو قبول کی ہے میں نے۔ بتاؤ کیا کروں؟"

"کچھ نہیں امی ہمت سے کام لیجئے۔ ابھی جلدی نہیں ہے ابو کو بتانے کی۔ ویسے ہی وہ کون سے کمرے سے باہر نکلتے ہیں۔"

"شور مچاتے رہتے ہیں کمرے سے باہر نکلنے کے لئے اور تو اور سنا ہے اب کیا کہہ رہے تھے؟"

"کیا؟"

"یہی کہ ان کے باقاعدہ باہر آنے جانے کا انتظام کیا جائے۔"

تابندہ کے منہ میں الفاظ تو بہت سے آئے تھے مگر بہرطور مرزا سخاوت بیگ باپ تھے کوئی برا لفظ منہ سے نہ نکال سکی۔ جانتی تھی کہ فیروزہ بیگم کو بھی اس کا دکھ ہو گا۔ چنانچہ خاموش ہی رہی۔ البتہ دوسرے دن صبح نو بجے سے اس نے تیاریاں شروع کر دیں۔ فرخندہ اور رخشندہ کو بھی صورت حال معلوم ہو چکی تھی۔ ان بے چاریوں کا اپنا کوئی نقطہ نظر نہیں تھا۔ دنیا سے ناواقف معصوم سی لڑکیاں بہن کو کیا مشورہ دیتیں۔ مرزا صاحب اپنے کمرے میں ہی تھے اور صبح کو خوب شور مچا چکے تھے۔ تابندہ چپکے سے باہر نکل گئی اور ماموں امتیاز کے گھر پہنچ گئی۔ امتیاز احمد صاحب بھی تیار ہو چکے تھے۔ چنانچہ تابندہ کو ساتھ لے کر چل پڑے۔

تابندہ کو بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ پردے کے لئے اب کوئی چیز نہیں پہنی تھی اس نے۔ جب گھر سے باہر نکلنا ہی ہے، دنیا کے سامنے آنا ہی ہے تو پھر کھل کر سامنے آنا چاہئے۔ اب وہ ساری باتیں نظر انداز کرنا ہوں گی جن کی ذمہ داری لاد دی گئی ہے۔ دنیا کو دنیا کے انداز میں دیکھنا ہو گا۔

راستے میں امتیاز احمد صاحب پورا پورا خیال رکھ رہے تھے۔ مطلوبہ جگہ انہوں نے تابندہ کو اتارا اور اس کے بعد مسز عالمگیر کی بوتیک کی شاندار عمارت میں داخل ہو گئے۔ سامنے کی سمت بڑا سا شو روم تھا۔ عقب میں عظیم الشان سلائی خانہ جہاں در حقیقت بہت سی خواتین کام کر رہی تھیں۔ مسز عالمگیر ایک خوش اخلاق اور اچھی شخصیت کی خاتون تھیں۔ امتیاز احمد صاحب نے سلام کر کے تابندہ کا تعارف کرایا اور بتایا کہ جس بچی کا تذکرہ انہوں نے کیا تھا یہی ہے۔

مسز عالمگیر بہت اچھی طرح تابندہ سے ملیں اور اس سے اس کے کام کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ انہوں نے امتیاز احمد سے کہا کہ تابندہ کو ان کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ شام کو وہ جہاں چاہے گی وہ خود اسے پہنچا دیں گی۔

امتیاز احمد صاحب نے تابندہ سے پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی۔ چنانچہ وہ تو چلے گئے اور مسز عالمگیر تابندہ کا امتحان لینے لگیں۔

حیران کن طریقے سے تابندہ نے جو ڈیزائننگ کر کے دکھائی، اس نے مسز عالمگیر کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"بس یوں سمجھ لو تابندہ، تمہاری ملازمت پکی ہو گئی۔ اب میرے آفس میں آؤ دوسری باتیں کئے لیتے ہیں۔" آفس میں داخل ہونے کے بعد مسز عالمگیر نے تابندہ سے کہا۔

"تابندہ! میں تمہارے بارے میں کچھ تفصیل جاننا چاہتی ہوں۔"

"جی پوچھئے۔" تابندہ بولی۔

"کتنے بہن بھائی ہو؟ گھر کے کتنے افراد ہیں؟ باقی کوائف کیا ہیں؟ یہ اس لئے ضروری ہے کہ تابندہ کہ مستقبل کے بارے میں کچھ فیصلے کر سکوں۔"

"جی بیگم صاحبہ۔ تین بہنیں ہیں، دو بھائی، والدین ہیں۔ والد معذور ہو چکے ہیں۔ گھر کے حالات یوں سمجھ لیجئے اتنے مشکل ہیں کہ شاید میں ان کی صحیح تفصیل نہ بتا سکوں لیکن یہ تمام باتیں بتا کر میں آپ سے کوئی خاص رعایت یا خصوصی مراعات نہیں مانگتی۔ ہاں چند مسائل جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کو بتا دینا ضروری ہیں۔ اصل میں والد صاحب نے زندگی کا ایک نظریہ ترتیب دیا تھا اور گھر میں کچھ اس قسم کے حالات رکھے تھے کہ ہم لوگ باہر کی دنیا سے ناواقف رہے، والد صاحب ذرا سخت گیر انسان ہیں۔ دونوں بھائی والد صاحب کی سختیوں سے دل برداشتہ ہو کر گھر سے نکل گئے اور انہوں نے اپنی دنیا الگ بسالی۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں رہا۔ تین بہنیں، بیمار والد اور والدہ ان کی کفالت اب فی الحال میری ذمہ داری ہے، بس یہ مختصر سی داستان ہے۔"

"ہوں، تمہارے ذہن میں تنخواہ کا گراف کیا ہے؟ میرا مطلب ہے کم از کم تمہاری تنخواہ کتنی ہونی چاہئے؟"

"بیگم صاحبہ! میں نے کبھی ملازمت نہیں کی، مجھے صحیح اندازہ نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر صرف اتنی آمدنی ہو جائے کہ ضروریات زندگی پوری ہو جائیں تو مجھے دلی مسرت ہو گی۔ ہاں ایک خاص بات اور آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔ ظاہر ہے ماموں امتیاز صاحب مجھے روزانہ گھر سے لا اور لے جا نہیں سکتے ان کی اپنی ذمہ داریاں ہیں اور ویسے بھی وہ ہمارے پڑوسی ہیں، کوئی قریبی عزیز نہیں اس لئے اگر مجھے گھر سے لینے اور واپس چھوڑنے کا انتظام ہو جائے تو.....؟"

"انتظام تم پر کوئی احسان نہیں ہو گا، کیونکہ میرے پاس زیادہ تر خواتین کام کرتی ہیں اور ان میں سے بہت سی بے چاریاں ایسی ہیں جو خاصے فاصلے سے آتی ہیں چنانچہ میں نے گاڑی کا انتظام رکھا ہے۔ وہی گاڑی تمہیں لانے اور واپس چھوڑنے کے لئے جائے گی۔"

"بے حد شکریہ بیگم صاحبہ۔"

"تم نے تنخواہ کے بارے میں نہیں پوچھا؟"

"میں پوچھنا بھی نہیں چاہتی کیونکہ مجھے ہر قیمت پر یہ ملازمت کرنی ہے۔"

بیگم عالمگیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی انہوں نے کہا۔

"میں تمہارا رجسٹریشن کرائے لیتی ہوں، کل سے تم اپنی ڈیوٹی پر آنا شروع کر دو!"

اور اس کے بعد بیگم عالمگیر نے ڈرائیور کو بلا کر حکم دیا کہ انہیں ان کے گھر چھوڑ آؤ اور کل سے معمول کے مطابق انہیں بھی ساتھ ہی لینا ہے، تابندہ نے اپنا پتا بتا دیا تھا۔

لمبی سی گاڑی ڈرائیور کے ساتھ آتے ہوئے وہ یہ سوچ رہی تھی ہ یہاں سے تو خوشی کی خبر ملی ہے لیکن اب گھر جانے کی بعد خاص طور سے اس وقت جب مرزا سخاوت بیگ صاحب کو اس بارے میں پتا چلے گا تو کیا ہو گا؟ لیکن اب جو بھی ہو گھر کی ذمے داریاں اسے ہی سنبھالنی ہیں۔

❑

شامی کی فنکاری پر کوئی اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا تھا حالات کو قابو میں کرنے کا فن اس طرح سے اسے آتا تھا کہ فراز بھی حیران رہ جاتا تھا حالانکہ فراز سے فرید احمد صاحب کی شدید جھڑپ ہوئی تھی اور فرید احمد صاحب بری طرح بپھرے ہوئے تھے' لیکن شامی نے اس طرح ان کو شیشے میں اتارا کہ رفتہ رفتہ ان کا تمام غصہ ختم ہوگیا۔ حالانکہ جس طرح وہ فرید احمد صاحب کو یہاں تک لایا تھا اگر فرید احمد صاحب عقل سے کام لیتے تو انہیں صاف اندازہ ہو جاتا کہ انہیں اغوا کر کے لایا گیا ہے' لیکن شامی نے بعد میں حالات نہ صرف ہموار کر لئے بلکہ فراز کی طرف سے بھی فرید احمد صاحب کا دل صاف کر دیا اور اس نے فراز کے بارے میں ایک ایسی کہانی سنائی جو نہایت موثر تھی۔ اس نے انہیں یہی بتایا تھا کہ فراز ایک المیہ کا شکار ہوا ہے اور وہ المیہ کچھ ایسا ہی ہے کہ کسی کے ہاتھوں اس کی بہن کی زندگی تلف ہو گئی ہے اس کے بعد وہ ایسے مناظر پر برافروختہ ہو جاتا ہے' بہرحال کسی نہ کسی طرح اس نے فرید احمد صاحب کو ٹھنڈا کر لیا تھا اور بعد میں اس نے فرید احمد صاحب کو واپس جانے نہیں دیا تھا بلکہ کچھ ایسے قصوں میں الجھا لیا تھا کہ آدھی سے زیادہ رات تک وہ شامی سے باتیں کرتے رہے تھے اور پھر سو گئے تھے۔

دوسری صبح ہی وہ اٹھ کر وہاں سے گئے تھے' حالانکہ ان کے سونے کے بعد شامی نے فراز کو دیکھا تھا' لیکن فراز بھی دوسرے کمرے میں جا سویا تھا اور رات کو اس کی فراز سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔ البتہ صبح کو فراز بڑا اداس سا نظر آیا تھا۔ شامی نے اسے دیکھ کر قہقہہ لگایا لیکن فراز نے اس کے قہقہے میں اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔

"یار فراز' یہ خدا زندگی کے ایسے ایسے تجربات سے روشناس ہونا پڑ رہا ہے کہ شاید عام حالات میں ایسے تجربات کا ہونا ممکن نہ ہوتا۔" فراز نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

"یہ شخص درندہ ہے' خدا کی قسم دل چاہتا ہے کہ اس کی گردن شانوں سے اتار کر پھینک دوں۔"

"واہ' بڑا وحشیانہ اور درندگی سے بھرپور جملہ کہا ہے میرے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں' گردن اتار کر شانوں سے پھینک دوں' کیا عجیب و غریب منظر ہو گا' خون اگلتے ہوئے شانے' پورا بدن سرخ' کمال ہے' مگر فراز گردن کی کیا کیفیت ہو گی؟"

"سچ شامی' بڑا دل دکھ رہا ہے کیا تذلیل کرتا ہے یہ شخص اس لڑکی کی؟"

"جانور ہے' لیکن فراز اس طرح کام تو نہیں چل سکتا؟"

"یار میرا مذاق مت اڑانا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاید میں یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکوں' اگر تم میرا مذاق اڑانے کے لئے مواد چاہتے ہو تو میں تمہیں یہ مواد ان الفاظ میں مہیا کئے دیتا ہوں کہ واقعی میں صاعقہ سے محبت کرنے لگا ہوں' میں اسے اتنا چاہنے لگا ہوں کہ اب شاید اس کے خلاف فرید احمد کی کوئی سختی برداشت نہیں کر سکتا' یہ شخص قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں' میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ شخص میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

شامی نجانے کیوں سنجیدہ ہوگیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

"احمقانہ بات نہیں ہے فراز یہ' بجائے اسے قتل کرنے کے اور سارا کھیل خراب کر دینے کے ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ صاعقہ کو اس سے نجات مل جائے۔"

"ایسا ہونا چاہئے ورنہ اچھا نہیں ہو گا شامی....."

"بیٹھو بیٹھو یار' آؤ ذرا آج تھوڑے سے سنجیدہ ہی ہو جائیں۔" شامی نے فراز کو ہمدردی سے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔ فراز کی ذہنی کیفیت پر وہ سنجیدہ ہوگیا تھا' اب ہر وقت ہر حالت میں مذاق تو نہیں کیا جا سکتا تھا' اس کا دوست ایک جذباتی حادثے کا شکار ہوگیا تھا تو کم از کم اسے فراز کی مدد کرنی تھی' ایسے وقت میں اگر مذاق کیا جاتا تو شاید خود اسے بھی برداشت نہ ہوتا۔ فراز واقعی سنجیدہ اور الجھا الجھا نظر آ رہا تھا' شامی نے کہا۔

"فراز! میں انتہائی سنجیدگی سے تم سے بات کر رہا ہوں درحقیقت صاعقہ انیلا اور امینہ بیگم کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ انتہائی قابل نفرت ہے اور یہ شخص بے حد گھٹیا' بات کہیں سے شروع ہوئی اور کہیں پہنچی ہو ہم اس پر کوئی گفتگو نہیں کریں گے' لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اس لڑکی کو کسی بھی قیمت پر اس درندے کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"شادی کرو گے اس سے؟" شامی نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا اور فراز' شامی کی صورت دیکھنے لگا۔

"دیکھو گولڈن چانس ہے' غلطی سے اس وقت سنجیدہ ہوگیا ہوں دوبارہ شاید تمہیں اس کا موقع نہ مل سکے۔"

"ہاں شادی کروں گا۔"

"پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں شامی' میں اس سے محبت کرتا ہوں' شدید محبت کرنے لگا ہوں ورنہ تم جانتے ہو کہ میں کبھی کسی کے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑاتا' لیکن یار اسے تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا' کسی قیمت پر اسے ویران نہیں کیا جا سکتا۔"

"بس پھر ٹھیک ہے، ہم ہر طرح سے کوشش کریں گے کہ بات شرافت کے دائرے میں طے ہو جائے، ایسا نہ ہوا تو پھر یوں سمجھ لو کہ شامی اپنا کھیل شروع کر دے گا، شرط یہ ہے کہ تم اس کھیل میں ٹانگ نہیں اڑاؤ گے۔"

"نہیں اڑاؤں گا۔ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔"

"سنجیدگی ختم، بس اب اس کے بعد اور کچھ نہ کہنا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر اب تیاریاں کرو، آفس نہیں جاؤ گے؟"

"کیوں؟"

"دیکھو رات کو جو کچھ ہوا ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد کیا ہو، لیکن اگر مزید کچھ ہوا تو پھر مداخلت تو ضروری ہے نا۔"

"سنو، مداخلت کر لینا، لیکن اس طرح نہیں جیسے تم نے پہلے کی تھی، اس سے کھیل بگڑ جائے گا، ویسے میں نے اس بے غیرت انسان کو کافی ہموار کر لیا ہے، پھر بھی اگر ایسی کوئی سخت بات ہو جائے تو تم کنٹرول میں رہ کر بات کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" فراز نے جواب دیا۔

"اگر تم چاہو تو میں بھی رک جاؤں۔"

"نہیں، تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم بے فکر ہو جاؤ۔" فراز نے کہا۔

وقت مقررہ پر شامی تیار ہو کر نکل گیا، جاتے ہوئے اس نے فراز کو بہت سی ہدایات دی تھیں اور کہہ کر گیا تھا کہ ٹیلی فون کر کے خیریت معلوم کر لے گا۔ فراز نے گردن ہلا دی تھی۔

اس کے بعد فراز اس ٹوہ میں لگ گیا کہ سامنے کے فلیٹ میں کیا ہو رہا ہے۔ چوروں کی طرح دروازہ کھول کر باہر نکلا، ٹہلتا ہوا گیلری کے آخری سرے تک گیا، پھر وہاں سے واپس مڑ کر دوسرے سرے تک، اندر امن و سکون تھا۔ البتہ دن کو دس بجے کے قریب اس نے فرید احمد کو تیار ہو کر باہر نکلتے ہوئے دیکھا وہ برق رفتاری سے اوپر جانے والی سیڑھیوں پر چڑھ گیا تھا کیونکہ واپس فلیٹ کے دروازے پر نہیں آ سکتا تھا ورنہ فرید احمد اسے دیکھ لیتا، فرید احمد ظاہر ہے اوپر جانے کے لئے نہیں بلکہ نیچے جانے کے لئے باہر نکلا تھا پھر وہ راہداری عبور کر کے نیچے جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ فراز اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ کافی دور نکل کر ایک بس میں سوار نہ ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ کہیں دور جا رہا ہے۔ فراز نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرے؟ کیا براہ راست سامنے کے فلیٹ کا دروازہ کھٹکھٹا دے؟ یہ کسی کے ذاتی معاملات میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کا عمل نہیں ہو گا؟ وہ اپنے فلیٹ میں آ کر اس مخمصے میں گرفتار ہو گیا لیکن زیادہ دیر

نہیں گزری تھی کہ فلیٹ کی بیل بجی۔ فراز اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر دروازے پر پہنچ گیا۔ باہر انیلا ہی تھی۔

"آپ گھر پر ہیں فراز بھائی؟" انیلا نے معصومیت سے پوچھا اور فراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا خیال ہے ہوں۔"

"آپ کو امی بلا رہی ہیں۔"

"چلو!" فراز نے کہا اور دروازہ بند کر کے انیلا کے ساتھ سامنے والے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ امینہ بیگم سامنے ہی موجود تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی سختی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے نگاہیں اٹھا کر فراز کو دیکھا اور بولیں۔

"بیٹھو فراز۔"

"جی چچی جان۔" فراز بیٹھ گیا۔

"عاجز تو نہیں آ گئے ہم سے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہیں چچی جان؟"

"کیا کریں؟ ہر طرف چھائی ہوئی اندھیرے میں روشنی کی کوئی بھی کرن نظر آ جائے تو آنکھیں اسے اپنا مرکز بنا لیتی ہیں حالانکہ اس روشنی پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔"

فراز نے نگاہیں اٹھا کر امینہ بیگم کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ کہتی رہیں چچی جان۔"

"کش مکش زندگی اب اس مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں تنگ ہو جانے کا لفظ ہیچ ہو جاتا ہے۔ تم سے صرف ایک بات کہنے کے لئے تمہیں تکلیف دی ہے۔"

"جی آپ جو کچھ کہنا چاہیں بے دھڑک کہیں۔"

"مجبوری اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں جینا شرمناک ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ بزدل نہیں ہیں لیکن بس اتنا احساس ہے کہ خودکشی حرام ہوتی ہے، صاعقہ کو میں نے بہ مشکل تمام روکا ہے، ورنہ وہ مرجانا چاہتی ہے، وہ خودکشی کر لینا چاہتی ہے اور اپنے طور پر تقریباً آخری فیصلہ کر چکی ہے۔ میں ماں ہوں اس کی۔ میرے حق کو نہ چھینتے ہوئے اس نے میری درخواست پر یہ فیصلہ کچھ وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔ اصل میں گناہ میرا ہے اسے گناہ کہہ لو یا غلطی، لالچ کہہ لو یا مجبوری، یہ سب کچھ مسلط تو میں نے کیا ہے ان دونوں بچیوں پر، غلط فیصلہ تو میرا ہے، اگر صاعقہ نے خودکشی کی تو یہ اس کا قتل ہو گا میرے ہاتھوں، وہ اکیلی ہی اس دنیا سے نہیں جا سکتی، سزا اصل قصوروار کو بھی ملنی چاہئے۔ اصل قصوروار میں ہوں، صرف میں، میں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ اجتماعی خودکشی کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں فراز۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اب ہم فرید احمد کے مظالم سے

تنگ آ چکے ہیں - ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جو ہم ان مظالم سے آزادی حاصل کر سکیں۔ موت کے علاوہ اب ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تم گواہ ہو' ہم مرنا نہیں چاہتے تھے۔ ہم خودکشی کا گناہ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن جینا ہمارے لئے موت سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے اور ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ موت اب زندگی سے بہتر ہے' میں فراز تمہیں یہی بتانا چاہتی تھی بس اتنا ہی کہنا چاہتی تھی میں۔" امینہ بیگم کی آواز میں کوئی لرزش نہیں تھی' بس یوں لگ رہا تھا جیسے یہ آواز کسی پتھر کے مجسمے سے نکل رہی ہو' بے جان بے تاثر' لیکن فراز کے وجود میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا' اس کے بدن میں تھرتھری پھیل گئی تھی' اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے امینہ بیگم کو دیکھ رہا تھا۔ نجانے کیسے کیسے لمحات اس پر بیت گئے پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آہستہ سے بولا۔

"صاعقہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے۔"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں چچی جان۔"

"شرمندہ ہے' غم زدہ ہے' ذہنی طور پر منتشر ہے شاید نہ آئے' جاؤ انیلا' باجی سے کہو فراز بلا رہے ہیں۔"

انیلا اندر چلی گئی' خلاف توقع صاعقہ انیلا کے ساتھ آ گئی تھی۔ آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں لیکن چہرے پر وہی پتھریلا پن تھا' جو امینہ بیگم کے چہرے پر نظر آ رہا تھا' خاموشی سے قریب آ کر بیٹھ گئی' امینہ بیگم نے کہا۔

"صاعقہ! فراز نے تمہیں بلایا ہے۔"

صاعقہ نے نگاہیں اٹھا کر فراز کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "جی میں حاضر ہوں۔"

"میں تم سے تنہائی میں بات کرتا صاعقہ' لیکن اب وقت اس منزل پر لے آیا ہے اب جو بات بھی میں کروں گا امینہ بیگم کے سامنے کروں گا۔ مجھے معاف کیجئے گا چچی جان کہ جذبات پر قابو نہ رکھ پانے کی بنا پر شاید میں تہذیب کے دائرے سے نکل جاؤں۔ شاید میں روایات کے بندھن توڑ دوں' مجھے اس کے لئے معاف کر دیجئے گا چچی جان۔ آپ نے ابھی فرمایا کہ تاریک اندھیروں میں نظر آنے والی روشنی کی کرن باعث امید ہوتی ہے حالانکہ وہ اپنی نہیں ہوتی۔ اس کے جواب میں' میں آپ سے خوبصورت جملہ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ رشتے صرف خون کی بنیاد پر نہیں بنتے۔ اصلی چیز انسان کے دل میں موجود جذبات ہیں۔ اگر یہ جذبات مردہ نہیں ہوئے ہیں تو انسان کو انسان سے پیار ہوتا ہے اور اس پیار میں وہ کبھی کبھی اپنی زندگی برباد بھی کر دیتا ہے۔ صاعقہ آپ لوگوں نے فرید احمد کے مظالم سے تنگ آ کر خودکشی کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا آپ تھوڑا بہت بھروسہ مجھ پر کر سکتی ہیں؟ بس اتنا جتنا رات کی اندھیروں میں روشنی کی ایک اجنبی کرن پر۔ اگر اتنا بھی بھروسہ

آپ مجھ پر کر سکتی ہیں تو خدارا مجھے بتایئے میں جواب چاہتا ہوں۔"

امینہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں فراز' چند ہی روز کی ملاقاتوں میں تم نے جس انسان دوستی کا ثبوت دیا ہے ہم اسے کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ تم ہمارے لئے مکمل طور پر قابل اعتماد ہو۔ ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں۔"

"شکریہ چچی جان' تب پھر میں آپ سے اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے لئے وہ تمام کارروائیاں کرنے کی اجازت دے دیں جن سے میں آپ کو ایک انسانی تحفظ مہیا کر سکوں۔ میں کیا کروں گا؟ کیسے کروں گا؟ یہ ساری باتیں آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے گا' بس ایک اعتماد درکار ہے مجھے آپ کا اور یہی اعتماد مجھے حوصلہ بخشے گا۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ لوگوں نے خودکشی کر لی۔ اب اگر اس کے بعد میری کاوشیں آپ لوگوں کو زندگی دے سکیں تو وہ میرا منافع ہو گا۔ چچی جان میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے درخواست کرتا ہوں یہ کوئی جذباتی بات نہیں ہے کوئی لمحاتی فیصلہ نہیں ہے میں آپ سے اعتماد کی بھیک مانگتا ہوں' ملے گی یہ بھیک مجھے؟" فراز کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ امینہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔

"فراز میری زندگی میری بچیوں پر سو بار قربان ہو جائے لیکن میں ان کی زندگی چاہتی ہوں نا۔ آہ کاش روشنی کی یہ کرن میری ارد گرد پھیل جائے۔ کوئی مجھ سے یہ کہہ دے کہ ان بچیوں کو جینے کا حق ہے' انہیں جینا چاہئے' ہم ان کی زندگی کے لئے تمہارے معاون ہیں امینہ بیگم۔"

"تو میں نے یہ الفاظ آپ سے کہہ دیئے ہیں چچی جان' کہہ دیئے ہیں میں نے آپ سے یہ الفاظ' بس اتنا آرزو مند ہوں کہ آپ ان الفاظ پر بھروسہ کر لیں۔"

"ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں؟ کیا کریں ہم؟ جانتے ہو کیا ہوا ہے؟ جانتے ہو کیا قیامت توڑی جا رہی ہے ہم پر؟"

"مجھے بتایئے چچی جان' مجھے بتایئے؟"

"تم نے اس شخص سے ملاقات کی ہے جس کا نام فیض شاہ ہے - مجھے علم ہے کہ تم اس سے مل چکے ہو؟"

"جی ہاں...."

"فرید احمد کا اوباش دوست ہے' کم بخت کئی بار ہمارے گھر آ چکا ہے' اس نے صاعقہ کو بھی دیکھا ہے اور پھر ایک بار اس نے فرید احمد سے کھل کر کہا کہ وہ صاعقہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ صاعقہ پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ فرید احمد جیسے کمینہ صفت انسان کے لئے اس سے بڑی خوش خبری اور کون سی ہو سکتی تھی اس نے فوراً ہی یہ رشتہ منظور کر لیا اور وہ کم بخت صاعقہ کو اپنی ملکیت تصور کرنے لگا۔ فرید احمد صاعقہ کے نام پر اس سے نجانے کیا کیا وصول کرتا رہتا ہے۔ وہ بے غیرت انسان صاعقہ کو فیض شاہ کے نکاح میں دے کر فیض شاہ کا

مستقل غلام بننا چاہتا ہے۔ فیض شاہ ایک دولت مند آدمی ہے' اس کے لئے فرید احمد جیسے شخص کو پالنا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا لیکن فراز تم نے اگر دیکھا ہے تو تم خود اندازہ لگا لو کہ کیا میری معصوم بچی اتنا ہی بوجھ بن سکتی ہے اس دنیا پر.....؟"

"جی چچی جان پہلے مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا لیکن اب واقعات پر ذرا غور کرتا ہوں تو ساری بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔"

"بتاؤ ہم کیا کریں؟ فیض شاہ اب اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہے اور فرید احمد کو اس نے کوئی ایسا لالچ دیا ہے جس سے فرید احمد بھی اب اس تعطل کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یہی باتیں ہوئی تھیں' یہی سارا قصہ تھا' صاعقہ نے فرید احمد سے کھل کر کہہ دیا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ممکن نہیں ہو گا اور فرید احمد تشدد پر اتر آیا اس بد بخت نے کہا کہ نکاح ہونا ہے اور چند دن کے اندر اندر ہو جائے گا۔ ہم نے بہت غور و خوض کیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ اب یہ دنیا ہمارے لئے ختم ہو چکی ہے' ہمیں جینا نہیں چاہئے۔ فراز بتاؤ بیٹے ہم کیا کریں' مر جائیں' کیا کریں ہم....؟"

فراز خاموشی سے ان کی صورت دیکھتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ لوگ جئیں' بھرپور زندگی کے ساتھ جئیں اور ایک بات ذہن میں بٹھا لیں۔ اگر آپ کو میری لاش نظر آ جائے تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا یہ سہارا بھی ختم ہو گیا اور میں اگر زندہ حالت میں آپ کو چلتا پھرتا نظر آؤں تو چچی جان آپ اس بارے میں بالکل نہ سوچئے۔ صاعقہ آپ زندہ رہیں گی اور اس بات پر آپ مجھے معاف کر دیجئے گا آپ کی والدہ موجود ہیں۔ یہ چھوٹی سی بہن بھی یہاں موجود ہے لیکن حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ اس وقت بھی میں نے اخلاقی جرات سے کام نہ لیا تو بات شاید دوسرا رخ اختیار کر جائے گی۔ چچی جان نہایت شرمندگی کے ساتھ آپ سے عرض کر رہا ہوں۔ دل کی وہ باتیں کہنا چاہتا ہوں آپ سے جو میرے دل میں ہیں۔ کہنا ضروری ہے' خدارا آپ برا نہ مانئے گا۔ میں صاعقہ سے بہت محبت کرنے لگا ہوں۔ میں صاعقہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں اور آپ یہ تصور کر لیجئے۔ یقین نہ آئے تو شامی سے معلوم کر لیجئے۔ میں شامی سے کہہ چکا ہوں کہ اگر زندگی میں' میں نے کبھی اپنے گھر میں روشنی کی تو میری کوشش یہی ہو گی کہ وہ صاعقہ کے وجود کی روشنی ہو۔ چچی جان میں صاعقہ کو اپنی زندگی سمجھتا ہوں اور اگر میں اسے حاصل نہ کر سکا تو سمجھ لیجئے موت کے سوا اور کوئی چارہ کار میرے پاس نہیں رہے گا۔ صاعقہ آپ لوگوں کے پاس میری امانت ہے میں ایک معقول تنخواہ حاصل کرتا ہوں۔ چچی جان میرے اندر کوئی عیب نہیں ہے' یہ ریس کا چکر جو ہم نے چلایا ہے یہ صرف فرید احمد صاحب سے تعلقات قائم کرنے کی وجہ سے ہم نے چلایا ہے' تاکہ ان کی توجہ حاصل کر کے ہم آپ لوگوں کا ساتھ حاصل کر لیں۔ چچی جان ایسا کبھی نہیں ہوا ہو گا' کسی نے اتنی بے باکی

سے اپنے مقصد کا اظہار نہیں کیا ہو گا لیکن یہاں یہ مجبوری آ گئی تھی آپ مجھے میری اس کمینگی پر معاف کر دیجئے گا۔ صاعقہ آپ بھی سن لیں۔ میں نہیں جانتا کہ کبھی آپ کی آنکھوں میں میرا تصور ابھرا ہو۔ لیکن میں صاعقہ میں۔" فراز جملہ پورا نہ کر سکا۔ صاعقہ خاموش بیٹھی رہی تھی پتھروں جیسا چہرہ لئے ہوئے۔ فراز نے پھر کہا۔

"اور اس بات سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں بھی آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھا رہا ہوں اور میں نے بے دھڑک اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا ہے۔ چچی جان جب کسی کے ہاتھ سے سب کچھ لٹنے والا ہوتا ہے تو پھر وہ اقدار کو اپنا مرکز نہیں بناتا' بچانا ضروری ہوتا ہے' میں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر کے اپنی لٹتی ہوئی دنیا کو بچانے کی کوشش کی ہے' چچی جان اور کیا کہوں آپ سے۔ باقی رہا جہاں تک معاملہ فرید احمد کا تو یہ ذمہ داری آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ فیض شاہ کیا اس جیسے ہزار انسان بھی آ جائیں تو صاعقہ کو مجھ سے نہیں چھین سکتے۔ وہ میری زندگی کی پہلی اور آخری آرزو ہے۔ چچی جان میں چلتا ہوں' جتنا کچھ میں کہہ گیا ہوں اس پر ایک بار پھر آپ سے معذرت چاہتا ہوں لیکن یہ میری مجبوری تھی۔ صاعقہ اگر آپ کو میرے یہ الفاظ ناگوار گزرے ہوں تو میری ایک درخواست ہے آپ سے کہ صرف ایک گھنٹہ' صرف ایک گھنٹہ سوچ لیجئے اور اس کے بعد مجھے یہ جواب دیجئے کہ کیا میں اپنی منزل کو کبھی پا سکتا ہوں' بہ خدا اگر آپ نے انکار کر دیا تو میں نہایت سکون کے ساتھ آپ کا یہ انکار سنوں گا لیکن اس کے بعد آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہو گا۔ آپ لوگوں کو فرید احمد کے چنگل سے بچانا۔ بس شاید میں بہت سی الٹی سیدھی باتیں کر گیا ہوں۔ آپ انہیں میری دلی کیفیات کا ہیجان سمجھ کر معاف کر دیجئے گا۔ صاعقہ خود کشی نہ کیجئے گا' میں آپ کو حاصل کر سکوں یا نہ کر سکوں لیکن فیض شاہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ فرید احمد آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

فراز تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اپنے فلیٹ میں داخل ہو کر وہ اپنے کمرے میں گھسا اور بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ ذہن ہیجانی کیفیت سے چیخ رہا تھا۔ سخت پریشانی کی حالت میں تھا جو کچھ ان لوگوں سے کہہ آیا تھا اب اس پر ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ کئی بار اپنی جگہ سے اٹھا' سوچا کہ شامی کو فون کرے اسے بتائے کہ کیا ہو گیا ہے لیکن پھر نجانے کیوں رک گیا شدت سے انتظار کر رہا تھا کہ صاعقہ کوئی جواب دے۔ ویسے جو کچھ پیش آیا تھا اس نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے تھے بڑی عجیب سی کیفیت تھی' لیکن وہ زیادہ دیر اس کیفیت کا شکار نہ رہ سکا' کوئی بیس منٹ کے بعد ہی دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی' حالانکہ دروازہ کھلا ہوا تھا پھر شاید دروازے کو دبایا گیا اور جب دروازے کو کھلا پایا گیا تو آنے والا اندر آ گیا۔ فراز کی منتظر نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ آنے والی صاعقہ ہی تھی اور اب اس کے چہرے کے

نقوش میں نمایاں تبدیلی نظر آ رہی تھی ایک لمحے میں اس کے رخساروں کا رنگ واپس آ گیا تھا انسان اتنا ہی کمزور ہوتا ہے اتنا ہی بے بس ہوتا ہے وہ.... فراز اسے وحشت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ صاعقہ ایک لمحہ اپنی جگہ کھڑی رہی پھر لرزتے قدموں سے آگے بڑھی۔ فراز سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ کرنا کیا چاہتی ہے' برق رفتاری سے وہ نیچے جھکی اور اس نے فراز کے دونوں پاؤں پکڑ لئے اور فراز بے اختیار چونک پڑا۔

"ارے' ارے..... صاعقہ..... صاعقہ۔" صاعقہ نے ایک پرچہ اس کے قدموں میں رکھا اور تیزی سے اٹھی اور باہر نکل گئی فراز ہکا بکا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ صاعقہ کیا کرنا چاہتی ہے' فراز کے پاؤں پکڑ کر اس کے سامنے سر جھکانا اور اس کے بعد تیزی سے اس طرح تیزی سے دوڑ جانا۔ چند لمحات تک تو فراز کی سمجھ میں کچھ آ ہی نہیں سکا تھا' پھر اس نے پرچہ اٹھایا اور اسے کھولنے لگا آنکھوں میں دھندلاہٹ سی ابھر آئی تھی لفظ آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے۔ لکھا تھا۔

"آسمان نے زمین کی طرف ہاتھ بڑھائے ہیں۔ اپنی خوش نصیبی کو کیسے ٹھکرا سکتی ہوں۔ آپ کے ہر حکم کی غلام..... صاعقہ!"

□

میڈم نے مس مینا کو طلب کر لیا اس کے سامنے بہت سے ڈیزائن رکھے ہوئے تھے اور وہ ان کا جائزہ لے رہی تھی مس مینا طلبی پر فوراً میڈم کے سامنے پہنچ گئی اور میڈم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی مس مینا یہ کچھ نئے ڈیزائن آپ نے بھجوائے ہیں میرے پاس جہاں تک میرا اندازہ ہے پچھلے دنوں ہمارے پاس یہ میٹریل شارٹ تھا آپ نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا اور ہم نے اس آرڈر کی تکمیل سے معذرت کے خط لکھوائے تھے۔"

"جی میڈم.....!"

"لیکن اب آپ کیا کریں گی' آپ نے تو اسی میٹریل کے یہ نمونے تیار کئے ہیں۔"

"وہ میڈم شاید ذکی صاحب آپ کے علم میں یہ بات نہیں لائے کہ ہم نے اس فرم کو معذرت کا خط نہیں لکھا تھا کیونکہ آرڈر کافی بڑا تھا اور اس فرم سے ہمارے بڑے اچھے روابط تھے شامی صاحب نے ذکی صاحب سے میٹنگ کر کے یہ فیصلہ کیا تھا کہ پورے شہر کے ہر چھوٹے بڑے فینسی اسٹور کو کھنگال لیا جائے اگر عارضی طور پر ہمیں اتنا میٹریل مل جائے کہ ہم اس سلسلے میں ٹوینٹی پرسنٹ کام کر لیں تو پھر یہ آرڈر کینسل نہیں ہونا چاہئے حالانکہ ذکی صاحب نے کہا تھا شامی صاحب سے کہ تمام اسٹورز میں یہ میٹریل موجود نہیں ہے لیکن شامی صاحب شاید خود نکل گئے تھے وہ واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں اگر آپ کو تفصیل نہیں معلوم ہو سکی تو میں عرض کئے دیتی ہوں شامی صاحب نے غالباً پورے شہر کی چھوٹی بڑی گلیاں

چھان ماری تھیں اور اتنا میٹریل خرید لائے تھے کہ ہم نے تقریباً ففٹی پرسنٹ کام تیار کر لیا تھا اور اس کے بعد شامی صاحب نے اس میٹریل کے لئے آرڈر بک کرا دیئے تھے چنانچہ اس کام کے دوران وہ میٹریل بھی ہمیں مل گیا اب یوں سمجھ لیجئے کہ یہ نمونے آپ کے آخری معائنے کے لئے ہیں ہم پندرہ دن کے اندر اندر اس فرم کو پوری سپلائی دے دیں گے۔"

"کیا....؟" وہ حیرت سے اچھل پڑی اور مس مینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے ذکی صاحب بھی آپ کو سرپرائز دینا چاہتے تھے کام خفیہ طریقے سے ہی ہوا ہے لیکن میڈم معافی چاہتی ہوں میرے خیال میں یہ بہت اچھا ہوا کیونکہ اس سے گارمنٹ سٹی کی ساکھ متاثر ہو سکتی تھی ہم لوگ پہلی بار اس حادثے سے دوچار ہوئی ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ اب ہمارے پاس اس سلسلے میں اتنا میٹریل آ گیا ہے کہ اگر ہمیں اتنا ہی بڑا آرڈر تین بار مل جائے تو ہم اسے پورا کر سکتے ہیں ویسے میڈم میں آپ سے عرض کروں یہ شامی صاحب جو ہیں نا انہیں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم گارمنٹ سٹی کا ستون کہہ سکتے ہیں حالانکہ ہمارے پہلے پرچیزر بھی اچھے آدمی تھے لیکن ذاتی طور پر وہ اتنا خیال نہیں رکھتے تھے جتنا شامی صاحب رکھتے ہیں یوں سمجھ لیجئے کہ تقریباً روزانہ ہی سٹورز کی رپورٹ لی جاتی ہے سوئی دھاگے تک پر نظر رکھی جاتی ہے اور ہر چیز اتنی وافر مقدار میں مہیا کر دی جاتی ہے کہ ورکرز بھی خوش ہیں ورنہ کبھی کبھی کسی چھوٹی سی چیز کے لئے بھی پریشانی ہو جاتی تھی۔"

"ہاں شامی بہت ذمہ دار شخص ہے میں بھی یہ بات محسوس کرتی ہوں کہ وہ بڑی ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض پورے کرتا ہے لیکن واقعی اس وقت تم لوگوں نے مجھے سخت حیران کر دیا یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہمیں یہ شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی' بہرحال میں نے یہ نمونے دیکھ لئے ہیں بلکہ میں تو پریشان ہو گئی تھی یہ سوچ کر کہ یہ تم لوگوں نے کیا کیا' میٹریل ہے نہیں اور نمونے تیار کر دیئے' مجھے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ معذرت کا وہ لیٹر پوسٹ نہیں کیا گیا بڑی خوشی کی بات ہے مس مینا اور سیمپل ہمارے دیئے ہوئے سیمپل کے مطابق ہیں' کام جاری رکھو۔"

"تھینک یو میڈم میں پروڈکشن کو ہدایت دے دیتی ہوں۔" مس مینا اٹھ کر چلی گئی ہونٹوں پر مدھم مدھم سی مسکراہٹ تھی شامی واقعی بڑی ذمہ داری کا ثبوت دے رہا تھا وہ جہاں تک اس کے بارے میں غور کر رہی تھی اسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ شامی نمبر بنانے کے چکر میں نہیں ہے بلکہ درحقیقت اپنی فطرت کے مطابق کام کر رہا ہے۔ بہت دیر تک وہ انہی سوچوں میں گم رہی اس کے بعد دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی لنچ کے بعد اسے پھر شامی کا خیال آیا اور اس نے انٹر کام اٹھا کر شامی کو کال کیا' شامی سیٹ پر موجود تھا۔

"یس میڈم....!" اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"شام کو کس وقت اٹھ جاتے ہو شامی۔"

"شامی شام کو ہی اٹھتا ہے میڈم' مم۔ میرا مطلب ہے ٹھیک پانچ بجے۔"

"پانچ بجنے میں جب دو منٹ رہ جائیں تو میرے پاس آ جانا ویسے شام کی کوئی مصروفیت تو نہیں ہے۔"

"نہیں میڈم!" شامی کی آواز سنائی دی۔

"اوہو.... کیا کہیں جانا ہے۔"

"جی ہاں۔ پانچ بجنے میں جب دو منٹ رہ جائیں گے تو مجھے اپنی فرم کی مالکہ کی خدمت میں حاضری دینی ہے۔" شامی نے جواب دیا اور میڈم ہنس پڑی۔

"میں انتظار کروں گی' او کے۔" اس نے انٹر کام بند کر دیا اور پھر دیر تک مسکراتی رہی شامی کا تصور ہی اس کا موڈ خوشگوار کر دیا کرتا تھا پھر وہ دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی' پانچ بجنے میں دو منٹ باقی تھے کہ شامی نے دروازے پر رک کر اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور وہ چونک پڑی۔ کام میں منہمک ہو کر اسے نہ وقت کا خیال رہا تھا نہ شامی کو دی گئی دعوت کا' اجازت ملنے پر شامی اندر آ گیا او اس نے سنجیدہ نگاہوں سے شامی کو دیکھا پھر گردن کے اشارے سے اسے سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ شامی خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل پر نگاہ ڈالی اور اس کے بعد فائل بند کر دی پھر شامی کی جانب متوجہ ہو کر بولی۔

"جی شامی صاحب فرمایئے کیسے تکلیف کی آپ نے؟"

"جی...!" شامی نے حیرت سے اس کی صورت دیکھی اور وہ سوالیہ نگاہوں سے شامی کی جانب دیکھنے لگی تب شامی کا منہ بن گیا۔

"آپ نے مجھے حکم دیا تھا میڈم کہ پانچ بجنے میں جب دو منٹ رہ جائیں تو آپ کی خدمت میں حاضری دوں۔" وہ چونک پڑی ایک لمحے تک کھوئی کھوئی نگاہوں سے شامی کو دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"ہاں۔ پانچ بج گئے ہیں۔"

"تیس سیکنڈ باقی ہیں۔"

"آؤ پھر اٹھیں۔" اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا وہ اپنا پرس اٹھا کر کھڑی ہو گئی شامی بھی خاموشی سے کھڑا ہو گیا تھا وہ باہر نکل آئی ڈرائیور با ادب منتظر کھڑا ہوا تھا اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا تو وہ اندر بیٹھ گئی پھر ڈرائیور سے بولی۔

"تم جاؤ شامی صاحب ڈرائیو کریں گے میں شاید دیر سے گھر پہنچوں۔" ڈرائیور پیچھے ہٹ گیا اور اس نے شامی سے کہا۔

"سوری شامی چلو۔" شامی خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ ہو کر گارمنٹ سٹی کی عمارت سے باہر نکل آئی لیکن کوئی بیس گز دور چلنے کے بعد شامی نے اس کا

انجن بند کر دیا اور وہ چونک پڑی۔

"خیریت' کیا ہوا؟"

"میڈم میں گارمنٹ سٹی میں پرچیز آفیسر کی حیثیت سے ملازم ہوا ہوں آپ کے ڈرائیور کی حیثیت سے نہیں۔" وہ حیرت سے شامی کو دیکھنے لگی گستاخی سے بھرپور الفاظ تھے لیکن اسے غصہ نہیں آیا' وہ بولی۔

"تو اس وقت کیوں نہ کہہ دیا ڈرائیور کو ساتھ لے لیتے۔"

"اگر آپ مجھے ڈرائیور کی حیثیت سے استعمال کر رہی ہیں تو آپ کی غلط فہمی ہے اور اگر صرف شامی کی حیثیت سے اس وقت آپ نے مجھ سے ڈرائیو کرنے کے لئے کہا ہے تو آگے میرے ساتھ بیٹھئے ورنہ میں گاڑی نہیں چلاؤں گا۔"

اس نے ایک لمحے کے لئے حیرانی سے شامی کو دیکھا پھر ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کے بعد دروازہ کھول کر نیچے اتری اور اگلا دروازہ کھول کر اس کے برابر آ بیٹھی۔

"چلو۔"

"او کے میڈم۔" شامی نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی' وہ کسی قدر جزبز سی نظر آ رہی تھی شامی سیدھی سڑک پر چلتا رہا پھر بولا۔

"کہاں تشریف لے جایئے گا؟"

"میں نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا اس وقت کسی ہوٹل میں کوئی ہلکی پھلکی چیز لینا چاہتی ہوں۔"

"ساحل سمندر پر آلو چنے کیسے رہیں گے؟" شامی نے کہا اور وہ چونک کر شامی کو دیکھنے لگی پھر ایک دم مسکرا پڑی اور بولی۔

"چلو۔" شامی نے گردن ہلا کر گاڑی کی رفتار تیز کر دی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کچھ درست ہے یا نہیں' شامی کے انداز میں کبھی کبھی خاصی گستاخی آ جاتی ہے حالانکہ بہت بار اس موضوع پر شامی سے بات چیت ہو چکی ہے اسے ہدایت کی گئی ہے کہ وہ حد ادب رکھا کرے لیکن ایک طرح سے اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے دفتر میں دفتر کے ملازم کی حیثیت سے وہ اسے احکامات دے سکتی ہے لیکن اصولی طور پر دفتر سے باہر اور ڈیوٹی کے ختم ہونے کے بعد وہ اس کے احکامات کا پابند نہیں ہے اور پھر شامی جیسا سرکش وہ بارہا آزما چکی تھی مس مینا کی بتائی ہوئی بات پر اسے شامی کی کارکردگی بہت بھلی محسوس ہوئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ شامی کو کہیں ہوٹل وغیرہ میں بٹھا کر اس کے کام کی تعریف کرے گی اس طرح ورکرز کی ہمت افزائی ہوتی ہے لیکن یہاں کھیل ہی الٹا ہو رہا تھا۔ شامی اپنی فطرت کے مطابق اس وقت سرکش نظر آ رہا تھا اور بہرحال یہ بات بے چینی کا باعث تھی کیونکہ وہ ہر شخص کی ایک حد چاہتی تھی اس نے ساحل سمندر پر چلنے کی اجازت تو دے دی تھی شامی کو

لیکن اب سوچ رہی تھی کہ کیا یہ مناسب ہے' شامی کا منہ بدستور پھولا ہوا تھا اپنی سوچوں کے باوجود اسے اس پھولے ہوئے منہ پر ہنسی آ گئی اور وہ شامی سے اس کی وجہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"شامی تم بے حد عجیب آدمی ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

"پستول ہوتا ہے آپ کے پرس میں؟" شامی نے سوال کیا۔

"کیا مطلب ہے۔"

"گولی مار دیجئے پچیس پچاس ہزار کسی کو رشوت دے دیجئے گا کیس بھی نہیں بنے گا اس کے علاوہ اور کیا سلوک کرنا چاہتی ہیں آپ میرے ساتھ۔"

"ارے بابا میں نے تو کوئی ایسی ویسی بات بھی نہیں کی تم سے کیوں بگڑ رہے ہو۔"

"مجھے ٹیلی فون کس نے کیا تھا؟" شامی نے تند لہجے میں پوچھا۔

"کب؟"

"اس وقت جب میں اپنے آفس میں بیٹھا کام کر رہا تھا اور مجھ سے یہ کہا گیا تھا کہ پانچ بجنے میں دو منٹ باقی رہیں تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں۔"

"میں نے کیا تھا؟"

"اور اس کے بعد جب میں پانچ بجنے میں دو منٹ پر آپ کے آفس میں پہنچا تو آپ نے جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا' کیا آپ مجھے اس کی وجہ بتا سکتی ہیں؟"

"خدا کی قسم بھول گئی تھی یاد نہیں رہا تھا کام میں کھو کر کہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔"

"بس میں اسی لئے ناراض ہوں' ہر شخص کی اپنی ایک عزت نفس ہوتی ہے اس کی اپنی حیثیت ہوتی ہے' بھئی میں آپ کے حکم پر ہزار بار سر جھکانے کے لئے تیار ہوں لیکن بے اعتنائی کے اس مظاہرے کے ساتھ تو نہیں۔ مالک کی حیثیت سے آپ مجھے احکامات دیجئے آپ کے ہر حکم کی تعمیل میرا فرض ہے لیکن اس کے بعد میڈم آپ مجھے خود بتایئے کہ میں ہر لمحہ آپ کی نگاہوں کے زیر اثر کیوں رہوں۔"

"توبہ توبہ شامی تم سچ مچ کٹ کھنی بلی ہو؟" وہ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"اور اگر آپ اس وقت میرے آلو چنے کی دعوت قبول نہ کرتیں تو جانتی ہیں میں کیا کرتا۔"

"چلو وہ بھی بتا دو۔"

"کار سڑک کے کنارے کر کے اسے بند کرتا اور سامنے سے رکشہ لے کر اپنے گھر روانہ ہو جاتا بعد میں جو ہوتا دیکھا جاتا۔"

"اب کیا کہوں میں تم سے۔"

"ویسے آج آپ کی باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔" شامی بولا۔

"گڈ۔ بھلا کون سی بات اچھی لگی ہے ہر بات پر تو بگڑ رہے ہو۔"

"آپ نے مجھے کٹ کھنی بلی کہا ہے' کافی بے تکلفی سے پیش آئی ہیں اور پھر مجھے ہوٹل میں چائے کی دعوت دی تھی اور اب میرے ساتھ ساحل پر جا رہی ہیں' یہ ساری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے' میری کوئی بات تو تمہیں اچھی لگی۔"

"ارے کیا بات کرتی ہیں میڈم! آپ کی ساری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن بس اس وقت آپ مجھے بہت بری لگتی ہیں جب آپ ڈراما کرنے لگتی ہیں۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی' شامی کی صورت دیکھتی رہی پھر سامنے ونڈ اسکرین پر نگاہیں جما دیں۔

"لفظ ڈراما برا لگا ہے شاید۔" شامی نے کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ساحل پر آ گئے۔ شامی نے آلو چنے منگوائے دونوں نے کھائے۔ لیکن میڈم کے انداز میں وہ ایک بددلی اور اداسی محسوس کر رہا تھا اس نے پیش کش کی۔

"آیئے پانی میں پاؤں بھگوئیں۔" وہ خاموشی سے جوتے اتار کر شامی کے ساتھ چل پڑی شامی نے لہروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"اور جب آپ سنجیدہ ہو گئیں تھیں تو میں نے سوچا کہ گاڑی پھر پٹڑی سے اتر گئی' آپ سنجیدہ کیوں ہو گئیں؟"

"شامی! تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچنا پڑ رہا ہے مجھے اور میں تمہاری طرف سے پریشان ہوں۔"

"اچھا۔ ذرا مجھے تفصیل بتا دیجئے کیا سوچنا پڑ رہا ہے میرے بارے میں آپ کو اور اس پریشانی کا کیا پہلو ہے۔" شامی نے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش رہی۔ اس کے چہرے پر کش مکش کے آثار تھے اچانک وہ چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے شامی کو گھورنا شروع کر دیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی وحشت ناچنے لگی تھی۔ شامی اس کے رکنے پر چونکا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا' پھر بولا۔

"خیریت۔"

"واپس چلو۔" اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"ارے باپ رے' کہاں؟" شامی بوکھلا کر بولا۔

"سنا نہیں تم نے'۔ واپس چلو' میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" وہ اسی طرح بھرے ہوئے لہجے میں بولی اور اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ شامی اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا تھا۔ چند قدم آگے بڑھ کر وہ رکی اور اس نے چیخ کر کہا۔

"بہرے ہو تم میرے ساتھ آؤ۔ آؤ۔" اور شامی نے آہستہ آہستہ قدم بڑھا دیئے پھر

اس کے قریب پہنچ کر شامی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور طاقت سے اسے روک لیا اس کی آوا
میڈم کے کانوں میں ابھری۔
"آج تم ہی رک جاؤ تو بہتر ہے میڈم۔"

وہ بپھر کر پلٹی اور خونخوار لہجے میں بولی۔
"کیا بدتمیزی ہے۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔"
"صرف تم ہی بدتمیزی کرنا جانتی ہو۔ کھلونا سمجھا ہوا ہے مجھے۔ جب دل چاہا اٹھا لیا جب دل چاہا پھینک دیا۔ انسان ہوں میں' ممکن ہے کچھ خوشامدی مردوں نے تمہاری ناز برداریاں کر کے تمہیں پاگل کر دیا ہو لیکن تمہیں انسانوں کی شناخت ہونی چاہئے سمجھیں' انسانوں اور کھلونوں میں فرق ہوتا ہے۔" شامی کا لہجہ بھی بپھرا ہوا تھا۔
"میں کہتی ہوں میرا ہاتھ چھوڑ دو۔" اس نے اپنے بازو کو کئی جھٹکے دیئے لیکن شامی کی گرفت کمزور نہیں تھی۔
"تم نے مجھے بہرہ کہا ہے' خراب لہجے میں بات کی ہے۔ سوری کہو مجھ سے۔" شامی غرا کر بولا۔
"مردانہ قوت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔" وہ تلخی سے بولی۔
"انسانیت سکھا رہا ہوں تمہیں۔"
"تم۔" اس نے نفرت سے کہا۔
"ہاں میں۔ ہر ایک کو ایک جیسا سمجھ رکھا ہے تم نے میڈم۔ میڈم' میڈم' میڈم.... میڈم کا موڈ خراب ہے' ان کے سامنے سہمے ہوئے رہو ورنہ..... جانتی ہو اس ورنہ سے آگے کیا ہے؟ صرف نوکری' مستقبل کا خیال' پیٹ کا مسئلہ ورنہ کوئی تھوکے بھی نہ تم پر۔ کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں تم میں۔ کسی کو نوکری سے نکال دو پھر دیکھو وہ تمہارے موڈ سے کتنا خوف زدہ ہوتا ہے۔"
"تم میرا ہاتھ نہیں چھوڑو گے؟" وہ سرد لہجے میں بولی۔
"چھوڑ دیا ہاتھ۔ یہ لو لیکن خیال رکھنا میڈم۔ کسی کی عزت نفس سے نہ کھیلنا ہر شخص ذہنی طور پر غلام نہیں ہوتا۔ میں گھروں پر کام کرنے والا ملازم نہیں ہوں اور نہ اس وقت تمہارے ساتھ ملازم کی حیثیت سے آیا ہوں۔ انسان ہی ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں دوست سمجھا تھا میڈم۔ بے شک میں تمہاری فرم میں ملازمت کرتا ہوں لیکن پوری دیانت داری سے اور میرا فرض صرف وہی ہے۔ تمہاری دلجوئی اور ناز برداری نہیں۔" شامی نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ دیا پھر جیب سے کار کی چابی نکالی

اور اس کے منہ پر دے ماری۔ اس نے چوٹ سے بچنے کے لئے بے اختیار دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے کر لئے تھے۔ چابی نیچے گر گئی اور شامی تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

وہ کھڑی لرزتی رہی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد شامی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ اس کے بعد بھی سکتے کے عالم میں کھڑی رہی تھی پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور ویران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کچھ فاصلے پر کار کھڑی ہوئی تھی چابی اس کے قریب پڑی تھی۔ اس نے چابی اٹھائی اور وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ بہت فاصلے پر ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ٹیکسی کے پاس رک گئی۔ ڈرائیور سے بات کی اور چل پڑی۔ کچھ دیر کے بعد وہ ٹیکسی سے اتری اور بل ادا کر کے کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ ڈرائیور سامنے ہی نظر آیا تھا۔ اسے پیدل دیکھ کر ڈرائیور کے چہرے پر حیرت کے نقوش نمودار ہو گئے۔ اس نے اشارے سے ڈرائیور کو بلایا۔

"یہ چابی لو۔ ٹیکسی سے ساحل پر چلے جاؤ۔ وہاں گاڑی تلاش کر لینا۔ اسے لے آؤ۔"

"خراب ہو گئی ہے میڈم۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بولی اور وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ کمرے میں جا کر اس نے لباس تبدیل کیا پھر بستر میں جا لیٹی۔ فرزندی آئی تو اس نے کہا۔ "فرزندی میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ کسی بھی شخص کو' سمجھ رہی ہو' کسی بھی شخص کو میرے پاس نہ آنے دیا جائے' نہ میں کوئی فون ریسیو کروں گی۔ سب کو بتا دینا۔"

"جی میڈم۔"

"جاؤ۔" اس نے کہا اور فرزندی چلی گئی۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

دوسری صبح وہ دس بجے جاگی تھی۔ فرزندی کو بلا کر چائے مانگی اور چائے آنے کے بعد چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی ہوئی کچھ سوچتی رہی۔ بہت دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی پھر شاید دفتر جانے کے لئے تیاری کرنے لگی۔ لباس وغیرہ تبدیل کیا' ملازمین معمول کے مطابق اس کے ساتھ مصروف تھے۔ پرس لے کر باہر نکلی۔ ڈرائیور گاڑی کے ساتھ تیار تھا۔ تھوڑے فاصلے پر پھلوں کے ایک کنج کے نزدیک بیگ صاحب تنہا وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی اداس نگاہیں اس کی جانب اٹھیں اور اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ فاصلہ اچھا خاصا تھا لیکن وہ بیگ صاحب کو دیکھتی رہی اور پھر پرس جھلا کر مسکراتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔ بیگ صاحب کے انداز میں تبدیلی رونما ہوئی۔ انہوں نے کرسی پر پہلو بدلا اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔

"ہیلو ابو۔"

"دفتر جا رہی ہو۔" بیگ صاحب بولے۔

"جی کہئے کوئی بات ہے؟"

"نہیں۔"

"بڑے چپ بیٹھے ہوئے ہیں آپ' یہ رفعت کمینہ کہاں ہے؟"

"پتا نہیں' بس میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے یہاں چھوڑ دے اور خود چلا جائے' چلا گیا۔"

"اکیلے بیٹھنے کو دل چاہ رہا ہے؟" اس کے لہجے میں محبت پیدا ہو گئی اور بیگ صاحب نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولے۔

"اکیلا ہی تو ہوں جی کے چاہنے نہ چاہنے کی کیا بات ہے؟"

"کیوں ابو' میں نہیں ہوں آپ کے ساتھ؟"

"تم۔" بیگ صاحب اسے شاکی نگاہوں سے دیکھنے لگے پھر آہستہ سے بولے۔ "نہیں تم ہو میرے ساتھ۔"

"کیوں ابو؟"

"بس' تمہیں میرے ساتھ ہونا بھی نہیں چاہئے۔" بیگ صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"ارے کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟"

"نہیں مجھے معلوم ہے تم بہت مصروف رہتی ہو۔ بس کبھی کبھی تم سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن....." بیگ صاحب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جب آپ کا دل مجھ سے باتیں کرنے کو چاہا کرے نا ابو تو آپ مجھے بتا دیا کریں' بلا لیا کریں مجھے۔ اب اتنی مصروف بھی نہیں ہوں کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں نہ کر سکوں۔"

بیگ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی پھر ان کے قریب اکڑوں بیٹھ گئی۔

"باتیں کیجئے مجھ سے۔"

بیگ صاحب پھیکے سے انداز میں مسکرا دیئے پھر بولے۔ "ایک بات بتاؤں تمہیں' میں پاگل نہیں ہوا ہوں بس بڑھاپا بچپن بن جاتا ہے۔ کبھی کبھی خود بھی میں اپنے آپ پر غور کرتا ہوں۔ بس کچھ کہوں گا نہیں تم سے اپنے احساسات کے بارے میں۔"

"ارے ابو' آج تو آپ بڑے سنجیدہ نظر آ رہے ہیں۔"

"ہاں غور کرتا ہوں خود پر' کتنا لالچی ہوتا ہے انسان جیئے جانا چاہتا ہے' بے مقصد' بے کار' جینے کا کوئی مقصد تو ہونا چاہئے آخر' لیکن افسوس اس پر اختیار نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کبھی کبھی کوئی سنجیدگی سے مرجانے کے بارے میں سوچتا ہو لیکن مرنا بہت مشکل کام ہے۔ پتا نہیں میری زندگی نے اتنی طوالت کیوں اختیار کر لی ہے؟"

"آپ ہزاروں برس جئیں ابو' کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ' آپ کے سوا دنیا میں اور

کون ہے میرا؟"

بیگ صاحب نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ دیکھتے رہے پھر خاموش ہو کر گردن جھکا لی۔ عجیب سے تاثرات تھے ان کے چہرے پر۔ اس نے بیگ صاحب کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا اور آہستہ سے بولی۔

"کبھی' کبھی میں آپ کی طرف سے غافل ہو جاتی ہوں۔ ابو آئی ایم سوری مجھے افسوس ہے۔"

"ارے نہیں بیٹا' بس ہم بوڑھے لوگ بیکار بیٹھے' بیٹھے ایسی ہی بیکار باتیں سوچنے لگتے ہیں۔ تمہاری اپنی مصروفیات ہیں۔ ظاہر ہے ان میں سے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مجھے کیا اندازہ نہیں ہے۔"

"نہیں' نہیں ابو۔ اب ایسی بھی کیا مصروفیت' اچھا ٹھیک ہے آج کا دن میں آپ کے ساتھ گزاروں گی۔"

"ارے نہیں' تم دفتر جا رہی تھیں۔"

"جا رہی تھی' اب نہیں جا رہی۔" اس نے کہا اور پھر اپنا پرس بیگ صاحب کی گود میں ڈال کر ان کے پیچھے پہنچی اور وہیل چیئر سنبھال لی۔ ملازمین خاموش نگاہوں سے اس کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وہ بیگ صاحب کو گھمانے لگی۔ ایک' ایک کیاری کے پاس لے گئی۔ پھولوں پر تبصرہ کیا۔ ان کی رائے لی۔ ملازموں کو احکامات دیئے۔ بیگ صاحب کے چہرے پر خوشی رقصاں ہو گئی تھی۔ وہ ان سے باتیں کرتی رہی تھی۔

پھر کوئی بارہ بجے کے قریب اس نے کہا۔

"آیئے آج آپ کو باہر گھما کر لاتی ہوں۔"

"پر کھانا کہاں کھائیں گے؟"

"کھانا۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر بولی۔

"ایک ہوٹل میں۔"

"میں بھی۔" بیگ صاحب مسرور لہجے میں بولے۔

"لیجئے آپ کے ساتھ ہی تو کھاؤں گی۔"

"ارے نہیں بھئی' میں بھلا ہوٹل میں کیسے جاؤں گا؟"

"میں لے جاؤں گی آپ کو' آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ چلئے میں آپ کو لباس تبدیل کراؤں۔ رفعت' فرزندی آؤ بھئی میری مدد کرو۔" وہ بیگ صاحب کی وہیل چیئر کو خود ہی دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور پھر اس نے بیگ صاحب کے کمرے میں داخل ہو کر خود ہی ان کے لئے لباس منتخب کیا۔ رفعت اور فرزندی کی ذمے داری لگائی کہ بیگ صاحب کو لباس تبدیل کرائیں۔ ان لوگوں نے ہدایت پر عمل کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بیگ صاحب کو لے کر

پھر باہر نکل آئی۔ وہیل چیئر سے انہیں کار میں منتقل کیا گیا۔ ڈرائیور کو ہدایت کی گئی کہ آج ذرا لمبی سیر کرنی ہے اور اس کے بعد خود بیگ صاحب کے ساتھ بیٹھ گئی اور کار کوٹھی سے باہر نکل آئی۔ بہت وقت اسی طرح گزرا۔ کوئی دو بج گئے تھے۔ بیگ صاحب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ ہر چیز کو حیرت و مسرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس پر تبصرے کرتے جا رہے تھے۔ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے سامنے کار رک گئی۔ ملازم کو ہدایت دے کر اس نے اندر بھیجا۔ ہوٹل میں غالباً معذوروں کے لئے انتظام تھا۔ دو ویٹر ایک وہیل چیئر دھکیل کر لے آئے۔ بیگ صاحب کو اس پر منتقل کیا گیا اور اندر ڈائننگ ہال میں پہنچا دیا گیا۔ بیگ صاحب عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آ رہے تھے پھر اس نے مینو بیگ صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"بتایئے کیا کھائیں گے؟"

"بھئی میں تو بڑا شرمندہ ہو رہا ہوں۔ یہ سب کچھ' کچھ زیادہ نہیں ہے میرا مطلب ہے دوسرے لوگوں کو میری وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے؟"

"انہیں اتنا ٹپ دوں گی میں ابو کہ یہ خوش ہو جائیں گے اور بار بار تمنا کریں گے کہ میں آپ کو یہاں لے کر آؤں۔"

"اور تم مجھے یہاں لے کر آؤ گی؟" بیگ صاحب نے سوال کیا۔

"آپ کو شک ہے؟" وہ بولی اور بیگ صاحب نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مبادا ابھی کرسی پر ٹھوکر پڑے اور وہ زمین پر لڑھک جائیں۔ بیٹی کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بہرحال بہت عمدہ قسم کا کھانا کھایا گیا جو لوگ بیگ صاحب کو واپس گاڑی تک چھوڑنے گئے تھے انہیں مٹھیاں بھر بھر کر نوٹ دیئے گئے اور وہ ششدر رہ گئے۔ ڈرائیور گاڑی لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ بیگ صاحب بولے۔

"اب گھر چلو گی۔"

"ابھی سے تھک گئے ہیں کیا؟"

"نہیں بس بہت دن سے دنیا کو اس طرح نہیں دیکھا۔ کیسے اجنبی' اجنبی لگ رہے ہیں یہ گلیاں' کوچے' بازار۔"

"ہاں ابو' غلطی میری ہی ہے اور اس غلطی کے لئے آپ سے معافی مانگ چکی ہوں۔ آئندہ ہفتے میں ایک بار پروگرام رکھا کریں گے۔"

گاڑی ایک خوبصورت بازار سے گزر رہی تھی۔ بڑی قیمتی' قیمتی اشیاء کے اسٹورز تھے اور ان میں کھلونے وغیرہ بھی نظر آ رہے تھے۔ بیگ صاحب کھڑکی سے گردن نکالے باہر دیکھ رہے تھے پھر وہ عجیب سے لہجے میں بولے۔

"ایک بات بتاؤ؟"

"جی ابو۔"

"انسان کتنی عمر تک بچہ رہتا ہے؟" بیگ صاحب کے اس سوال پر اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ کچھ دیر سوچا اور پھر بولی۔

"شاید عمر کی آخری سانس تک۔"

"بالکل ٹھیک کہتی ہو، میں ان کھلونوں کو دیکھ رہا ہوں۔ کبھی، کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میرے ارد گرد بہت سے کھلونے ہوں۔ چابی سے چلنے والے ہنسنے بولنے والے، خوبصورت شکلوں کے مالک، اور میں ان سے کھیلوں، بچپن میں تو کھلونوں سے کھیل ایک مشغلہ ہوتا ہے لیکن شاید طبیعت بڑھاپے میں بھی نہیں بھرتی۔"

"اس نے ایک نگاہ بیگ صاحب کے چہرے پر ڈالی اور پھر ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی کھلونوں کی کسی بڑی سی دکان کے سامنے روک لے۔ بیگ صاحب جھینپتے ہوئے لہجے میں بولے۔"

"ارے نہیں، نہیں، آج تم نہ جانے کیوں اتنی سنجیدہ ہو رہی ہو؟"

"کوئی بات نہیں ابو۔" وہ کھلونوں کی بڑی سی دکان کے سامنے نیچے اتری۔ بیگ صاحب کو وہیں بیٹھے رہنے دیا۔ بیگ صاحب بار بار اسے منع کر رہے تھے لیکن وہ کھلونوں کی دکان میں داخل ہو گئی اور پھر دکاندار بھی حیران رہ گئے۔ انتہائی قیمتی کھلونے اور پھر اتنی بڑی تعداد میں خریدے گئے کہ ان کا گاڑی میں سمانا مشکل ہو گیا۔ بیگ صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ڈکی میں کھلونے بھر گئے، پچھلی سیٹ پر، ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر اور پھر وہ واپس آ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور بتایئے ابو اور کچھ لیں گے؟"

"تمہیں ہو کیا گیا ہے آخر؟"

"کچھ نہیں ابو، میں آپ کی ہر وہ خواہش پوری کر دینا چاہتی ہوں جو آپ کے دل میں ہو۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" بیگ صاحب نے سنجیدہ سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اچانک ہی اس کے چہرے پر سنگینی پھیل گئی۔ ایک دم اس کا موڈ بدل گیا۔ بیگ صاحب سہم گئے۔ وہ برابر بیٹھ گئی اور ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"تت.... تم، تم میری بات پر کچھ ناراض ہو گئیں۔" بیگ صاحب نے ڈری، ڈری آواز میں پوچھا لیکن اس نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ بیگ صاحب کی آنکھوں کا مفہوم اس کے دماغ کے ایسے پردوں سے ٹکرایا تھا جن پر اس نے نہ جانے کتنے غلاف چڑھائے تھے لیکن کبھی کبھی یہ غلاف سرک جایا کرتے تھے اور یہی وہ لمحات ہوتے تھے جب وہ ہتھے سے اکھڑ جاتی تھی۔ بیگ صاحب اس کے بعد کچھ نہ بولے۔ ایک چوراہے سے تھوڑا آگے

بڑھنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا حکم دیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ٹیکسی اسٹینڈ نظر آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی تو اس نے کہا۔

"ابو کو گھر لے جاؤ میں یہیں اتروں گی۔"

"جی میڈم۔"

بیگ صاحب کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ اس سے یہاں اترنے کے بارے میں کوئی سوال کرتے۔ ظاہر ہے جس طرح میڈم انہیں پہچانتی تھی، اسی طرح وہ بھی اپنی بیٹی سے بخوبی واقف تھے۔ گاڑی آگے بڑھ گئی اور وہ اپنی جگہ کھڑی اس کے عقبی حصے کو دیکھتی رہی جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو وہ تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھی اور ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب پہنچ گئی۔ ایک ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر اس نے اندر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔

"کینیڈین ہاسپٹل چلو۔" ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

❑

گھر پر ایک ویرانی طاری ہو گئی تھی۔ خود محمود احمد بھی حسن کے جانے کے بعد ایک بار بھی نہیں مسکرائے تھے۔ فرزانہ بیگم نڈھال رہنے لگی تھیں۔ ترنم اور عزیزہ بھی گھر کے اس ماحول میں اداس رہنے لگی تھیں۔ محمود احمد بول ہی پڑے۔

"مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میں آپ لوگوں کا مجرم بن گیا ہوں۔ کچھ عجیب سا رویہ ہے سب کا میرے ساتھ۔"

"کوئی غلطی ہو گئی محمود؟" فرزانہ بیگم نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"کیا کہوں؟ ہو سکتا ہے صرف اپنے احساس کا شکار ہوں۔ آپ لوگوں کا رویہ کچھ بدلا، بدلا سا ہے۔"

"نہیں ابو۔ یہ صرف آپ کا خیال ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عزیزہ نے کہا۔

"کیا یہ سچ ہے؟" محمود احمد نے کہا۔

"جی ابو۔ بالکل سچ۔ بس ہم لوگ بھائی کے چلے جانے سے اداس ہیں۔ تعلیم کے لئے تو انہیں جانا ہی تھا لیکن جس طرح وہ گئے ہیں وہ تکلیف دہ ہے۔" ترنم نے کہا۔

"میں اسی سلسلے میں تم لوگوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ابو۔"

"فرزانہ خاص طور پر تم سے۔"

"جی۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"مجھ سے کہاں غلطی ہوئی؟"

"نہیں یہ کون کہہ سکتا ہے؟"

"اسی پر مجھے اختلاف ہے جو آپ لوگوں کے دل میں ہے وہ زبان پر نہیں لاتے۔ مجھے

بتاؤ' مجھ سے کہو' میں تم لوگوں کے وجود سے منحرف نہیں ہوں۔ میرے گھر کی دنیا الگ ہے' میں سننا اور سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ امی سے بات کر رہے ہیں ابو۔ ورنہ آپ کو بتاتی کہ آپ سے کہاں غلطی ہوئی ہے۔" ترنم نے کہا۔ وہ سب سے چھوٹی اور باپ کی سب سے چہیتی تھی اسی لئے بے باک بھی تھی۔

"کوئی بھی بتاؤ۔ میں جاننا چاہتاہوں۔"

"ابو! غزل کے سلسلے میں آپ کو بھائی جان کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ہو سکتا ہے مرزا سخاوت بیگ کے حالات بہتر ہو جاتے' ہو سکتا ہے تعلیم سے واپسی کے بعد بھائی جان کا مزاج بدل جاتا۔"

"گویا میرا کوئی مقام نہیں ہے۔"

"آپ کے مقام کو کون چھین سکتا ہے لیکن ایک ناپسندیدہ شخصیت کو ساری زندگی کے لئے تو نہیں مسلط کیا جا سکتا۔"

"میں نے کب چاہا تھا۔ میں نے کیا کوشش نہیں کی تھی لیکن مرزا سخاوت بیگ صرف غریب نہیں ایک گھٹیا انسان ہے۔ ذہنی طور پر سخت پسماندہ میں نے تو خلوص سے سب کچھ کہا تھا۔"

"ساری باتیں اپنی جگہ۔ آپ نے حسن پر شرط تو لگا دی تھی۔"

"میں اسے تنہا نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔"

"وہ صاحب کردار ہے۔ آپ شروع سے ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

"بڑا بول نہ بولو فرزانہ بیگم۔ تم اس وقت بڑے نازک امتحان میں گرفتار ہو جاؤ گی۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ عمر بڑی مشکل ہوتی ہے اور وہ جن لوگوں کے درمیان گیا ہے وہ بہت مختلف ہیں۔"

"تب آپ حسن کو نہیں جانتے۔ شاید عدم واقفیت نے ہی یہ لمحات پیدا کئے ہیں۔"

"اتنا اعتماد ہے بیٹے پر۔"

"اس سے کہیں زیادہ۔ میں ایک پڑھی لکھی ماں ہوں۔ میں نے باہر کی دنیا پر نظر رکھنے کے بجائے اپنی اولاد ہی کو پڑھا ہے اور مجھے ان تینوں سے پوری واقفیت ہے۔"

"ویسے کچھ بھی ہے لیکن آپ کے اس اعتماد پر خوشی ہوئی ہے اگر وہ اس قدر صاحب کردار ہے تو مجھ سے زیادہ اور کون خوش ہو سکتا ہے لیکن ممکن ہے یہ سچ نہ ہو۔"

"یہ ایک ناقابل تردید سچ ہے۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"ہوں۔" محمود احمد سوچ میں ڈوب گئے۔ "لیکن آپ لوگ یہ سوچنے کہ ہم سخاوت بیگ کو کیسے مجبور کر سکتے تھے؟"

"انتظار تو کر سکتے تھے۔"

"کتنا انتظار؟ کوئی حد تو ہوتی اس کی۔"

"کم از کم اس کی تعلیم کے مکمل ہونے تک۔" فرزانہ بیگم نے سسکی لے کر کہا۔ اس بار محمود احمد بہت دیر تک خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔ "تم لوگ اسے خط لکھو۔ اپنی طرف سے لکھو۔"

"پتا ہے ابو؟" ترنم نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں وہ تعلیم حاصل کرنے گیا ہے۔ جہاں گیا ہے مجھے معلوم ہے۔ میں پتا دے دوں گا۔"

"کیا لکھیں ابو؟" ترنم نے شوق سے پوچھا۔

"ابھی تک کوئی خط و کتابت تو نہیں ہوئی اس سے؟"

"کیا آپ سارے گھر سے بے اعتمادی کا شکار ہو گئے ہیں؟" فرزانہ بیگم نے شکایت بھرے انداز میں کہا۔

"اوہو نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ بہرحال اسے خیریت لکھو' پوچھو کب آئے گا۔ وغیرہ' وغیرہ ایسی ہی باتیں لکھ دو۔"

"آپ کی طرف سے؟"

"نہیں۔ اپنی طرف سے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس سے رابطہ ٹوٹ جائے۔"

"ٹھیک ہے ابو۔"

ترنم نے بھائی کو لکھا۔

"پیارے بھائی جان!

آپ کیسے ہیں۔ ہم لوگ تو آپ کے جانے کے بعد بڑے اداس ہو گئے ہیں۔ گھر میں کوئی رونق نہیں ہے۔ سب خاموش رہتے ہیں۔ آپ کو تعلیم تو بیشک مکمل کرنی تھی لیکن جس طرح آپ گئے ہیں وہ تکلیف دہ بات ہے۔ اب غصہ تھوک دیجئے۔ ہمارے خط کا جواب دیجئے۔ یہ بتایئے پڑھائی کیسی ہو رہی ہے۔ آپ کو پہلی چھٹی کب ملے گی۔ ان چھٹیوں میں آپ گھر ضرور آیئے اور ہاں آپ جس کمرے کو ہماری بھابی کے لئے مخصوص کر گئے ہیں وہ خالی ہے اور جب تک آپ کہیں اسے خالی رکھا جائے گا۔ البتہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے صاف کر دیا کروں۔ امی دعا کہتی ہیں ہم سب کا سلام۔

آپ کی بہن، ترنم

کچھ عرصہ بعد حسن کا جواب موصول ہوا

"ترنم!

خوش رہو۔ رشتے ٹوٹتے نہیں جو آنکھوں سے دور ہوتے ہیں وہ دل میں رہتے ہیں۔ تم سب لوگ میرے دل میں ہو اور ہمیشہ رہو گے۔ رشتے نہیں ٹوٹتے لیکن مان ٹوٹ جاتا ہے انا کے زخم بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ یہ زخم کبھی نہیں بھرتے اور ناسور بن جاتے ہیں۔ میں ان کا زخم لے کر یہاں آیا ہوں۔ ابو نے مجھ پر تلوار سے زیادہ مہلک وار کیا ہے۔ یہ گھاؤ ایک ہی شکل میں بھر سکتا ہے۔ میں وہ بن جاؤں جس کے لئے ابو نے میری مدد نہیں کی اور مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میں انہیں ایک سبق دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اولاد ان کے طفیل بیشک ہوتی ہے لیکن وہ تازندگی اسے طفیلی بنائے رکھنے کے خواب نہ دیکھیں۔ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

مجھے یہاں بہت مشکلات پیش آئی ہیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے لئے مجھے ایک بانڈ بھرنا پڑا ہے جس کے تحت میں طویل عرصہ تک ایک میڈیکل سنٹر میں نوکری کروں گا۔ اسی میڈیکل سنٹر نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مجھے سپانسر کیا ہے۔ چنانچہ اب میں دوسروں کی ملکیت ہوں۔ نہ جانے کب یہ حساب پورا ہو۔ تم لوگ زندگی کا سفر جاری رکھو اور میرے بغیر سوچنے کی عادت ڈالو اور ہاں جس کمرہ کو میں نے تابندہ کے لئے محفوظ رکھنے کی بات کی تھی اسے استعمال کرو وہ ایک احمقانہ بات تھی اگر اس میں میرا کوئی نشان قائم رکھنا ضروری ہو تو بازار سے تاج محل کا ایک ماڈل خرید کر اس کے کسی گوشے میں سجا دینا۔ یہ عمارت حرماں نصیبوں کی صحیح نمائندگی کرتی ہے۔"

تم سب کی زندگی اور سلامتی کی دعا۔

حسن

بہنیں رو پڑیں، ماں سسک اٹھی۔ محمود احمد نے بھی خط پڑھا۔ غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ "احمق، گدھا مجھے سبق دے گا۔ خدا کی قسم کچھ نہیں ہے میرے سامنے۔ ابھی میرا پاسنگ بھی نہیں ہے۔ کچھ کرنے پر آ جاؤں تو، تو ٹھیک ہے۔ دیکھوں گا، سوچوں گا۔"

❑

مرزا صاحب نے غضیلی نظروں سے پلیٹ میں رکھے توس دیکھے پھر پلیٹ اٹھا کر زور سے

فیروزہ بیگم پر پھینک ماری۔ تقدیر اچھی تھی نشانہ چوک گیا۔ پلیٹ دیوار سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اس کے بعد چائے کا پیالہ بھی اسی دیوار سے ٹکرایا مگر اب فیروزہ بیگم چوکنی ہو گئی تھیں۔ البتہ گرم چائے کی چھینٹیں بدن کے کچھ کھلے حصوں پر ضرور پڑی تھیں اور ان کے منہ سے "سی" کی آوازیں نکل گئی تھیں۔ مرزا صاحب کے پاس پھینکنے کے لئے اور کچھ نہیں تھا۔

"ہاں خیر۔ کیا ہو گیا؟" انہوں نے پوچھا اور زمین سے ڈبل روٹی کے توس اٹھائے۔

"فقیر سمجھا ہے مجھے، لاوارث سمجھا ہے، کتا سمجھا ہے آخر کیا سمجھا ہے مجھے؟" مرزا صاحب بولے۔

"کچھ منہ سے بھی تو کہیں۔" فیروزہ بیگم نے کہا۔

"میرے قریب آ جو کچھ کہوں گا قریب سے کہوں گا۔" مرزا صاحب بولے۔

"ماریں گے مجھے۔"

"آہ کاش، آہ کاش۔"

"یہ خوشی بھی پوری کر دوں گی آپ کی لیکن اس سے پہلے بتا دیجئے کہ کیا ہو گیا۔ چائے بھی تو ٹھنڈی نہیں تھی۔"

"یہ باسی توس کب کے رکھے تھے؟"

"رات کو ڈبل روٹی منگائی تھی۔ دکاندار ہی نے غلط دے دی میں کیا کروں۔"

"کیا بازار سے مکھن غائب ہو گیا ہے۔ اس کی فروخت بند ہو گئی ہے۔ کتنے دن سے یہ سوکھے توس کھا رہا ہوں، کتنے دن سے کہہ رہا ہوں کہ ان پر مکھن لگا دیا کرو۔"

"مکھن کے لئے پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔"

"گھر میں سب بھوکے مر رہے ہیں۔ بولو، کون کون فاقہ کشی سے مر چکا ہے۔"

"ابھی تک تو نہیں مرا لیکن یہ وقت بھی آنے ہی والا ہے۔"

"ابتدا مجھ سے کر رہی ہو کیا۔" مرزا صاحب کا دماغ اس سلسلے میں خوب چلتا تھا الفاظ کی ادائیگی بہت جامع تھی۔

"جہاں سے بھی ہو، کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"آ گئی نا دل کی بات زبان پر، لیکن بے فکر رہو۔ بھوکا رہوں گا لیکن مروں گا نہیں آسانی سے۔"

"آپ یقین کریں میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

"زندگی کے اس موڑ پر میرے ساتھ یہ سلوک کرو گی فیروزہ امید نہیں تھی۔ وقت کس طرح بدل جاتا ہے۔ کاش انسان وقت سے پہلے یہ سوچ لے۔"

"اور کیا کہہ سکتی ہوں اس بارے میں۔"

"سب مجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ جواد نے کتنے دن سے صورت نہیں دکھائی۔ تابندہ، رخشندہ، فرخندہ کوئی نہیں آتا میرے پاس۔ دولت کا رشتہ تھا۔ ضرورت کا رشتہ تھا۔ ٹوٹ گئے سارے رشتے بوجھ بن گیا ہوں تم لوگوں پر۔"

"مرزا صاحب خدا سے ڈریں۔ بے گناہوں کا صبر نہ سمیٹیں سب عزت بچانے میں سرگرداں ہیں۔"

"سبحان اللہ، بڑی محنت ہو رہی ہے، کیا کر رہے ہیں آپ کے لواحقین، مجھے بھی تو پتا چلے۔"

"برداشت کرلیں گے آپ سب کچھ؟"

"لو کمال کرتی ہو۔ اب برداشت کرنے کے سوا اور کیا کر رہا ہوں۔ سب کچھ برداشت کر رہا ہوں۔"

"تو پھر سنئے آپ کے دوسرے صاحب زادے گھر کا صفایا کر کے تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ جو فرماتے ہیں تا کہ گھر کا سامان بیچنا شروع کر دوں تو آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ جواد گھر کی ساری قیمتی چیزیں لے کر اور اس گھر پر تھوک کر جا چکا ہے۔ سمجھ رہے ہیں آپ۔" فیروزہ بیگم کا بھی صبر ختم ہو گیا تھا۔ مرزا صاحب اچھل پڑے۔

"جواد بھاگ گیا؟"

"جی۔"

"کہاں بھاگ گیا؟"

"بتا کر گیا ہے کیا۔"

"کب بھاگ گیا؟" مرزا صاحب اسی طرح بولے۔

"آج کئی دن ہو گئے۔"

"پولیس میں رپورٹ درج کروائی؟" مرزا صاحب بولے۔

"پولیس میں رپورٹ درج کروانی چاہیے تھی ہمیں؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا یہ ناخلف لڑکے، یہ کمینے، بے غیرت، ذلیل یہ ہم لوگوں کو برباد کر کے چلے گئے اور ہم ان کے ساتھ مسلسل بہتر سلوک کرتے رہے۔ میں کہتا ہوں۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ پولیس میں رپورٹ درج کراؤ۔ فوراً درج کراؤ۔ پرچہ کٹوا دو۔ صاف صاف بتا دو ارے لو میرے علم میں بھی نہیں ہے اور یہاں یہ سارے کام ہو رہے ہیں۔ جواد بھاگ گیا، مجھے یقین نہیں آتا۔" مرزا صاحب واویلا کرنے لگے۔

"نہیں آتا تو اب یقین کر لیجئے آپ، بڑے بھائی کے بھاگ جانے کے بعد، اس نے سوچا کہ وہ اس گھر کا بوجھ کیوں اٹھائے۔ چنانچہ اس نے اپنا حق وصول کیا اور بہن کے زیورات اور دوسری چیزیں لے کر بھاگ گیا۔"

"قتل کر دوں گا، زندہ نہیں چھوڑوں گا، جان سے مار دوں گا میں کہتا ہوں فوراً مجھے پولیس اسٹیشن لے چلو۔ میں خود اس کے خلاف رپورٹ درج کراؤں گا۔ پکڑا جائے گا تو کہوں گا کہ پھانسی دو اس کم بخت کو۔ ان دونوں کو پھانسی دے دو۔ دونوں کو مر جانا چاہیے۔ ایسی اولاد کے زندہ رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں کہتا ہوں۔ تم سن رہی ہو یا نہیں فیروزہ بیگم۔"

"جی ہاں سن رہی ہوں، لیکن پولیس اسٹیشن کون لے جائے گا آپ کو؟" فیروزہ بیگم نے کہا۔

"تم اور کون؟"

"ہوں تو اب مجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔ مرزا صاحب، تھوڑی سی تو عقل سے کام لیجئے، تھوڑا سا تو انسان بن کر سوچئے۔ کیا زندگی بھر میں نے پولیس اسٹیشنوں کے چکر کاٹے ہیں۔ کہاں گئی ہوں، کہاں آئی ہوں، آپ کو علم ہے ان ساری باتوں کا، دنیا سے کٹ کر صرف آپ کے احکامات کی پابندی کرتی رہی ہوں اور آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں اس قسم کے کارنامے سرانجام دوں گی۔"

"کارنامے، کارنامے تو تمہارے بیٹوں نے سرانجام دیئے ہیں۔ لو خدا کی پناہ ایک نے دولت مند گھرانے میں شادی کر کے ہمارے چہروں پر تھوک دیا اور دوسرا چوری کر کے بھاگ گیا۔ میں کہتا ہوں وہ گیا کہاں ہے آخر پتا لگا کچھ اس کا؟"

"جی کچھ پتا نہیں لگا اس کا کون پتا لگاتا؟ اور آپ ہیں کہ مکھن کے لئے برتن توڑ رہے ہیں، رزق پھینک رہے ہیں ارے رزق کہاں کہاں سے آ رہا ہے، کچھ خدا سے ڈر کر سوچیں، کون سا بینک بیلنس چھوڑا ہے آپ نے ہمارے لئے، سب کچھ تباہ ہو گیا، کچھ آپ کے ذریعے، کچھ آپ کے بیٹوں کے ذریعے۔"

"صرف میرے ہی بیٹے ہیں نا وہ، میں کہتا ہوں کہ مجھے اس بات پر بھی شک ہے کہ وہ.... کہ وہ....."

"مرزا صاحب گالیاں تو اب تک مجھے بہت سی دیتے رہے ہیں لیکن خدارا یہ گالی نہ دیجئے، خدارا یہ گالی نہ دیجئے۔" فیروزہ بیگم کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"تو پھر، تو پھر میرا خون اتنا خراب کیسے ہو گیا۔ میں کہتا ہوں میرا خون اتنا خراب کیسے ہو گیا؟"

"آہ کاش میں آپ کو بتا سکتی۔"

"کون بتائے گا پھر؟"

"میں، میں کیا بتاؤں۔"

"جواد بھاگ گیا، بڑا، بڑا ہی ذلیل نکلا وہ، اس نے بڑے بھائی سے زیادہ برا قدم اٹھایا۔

ارے ہمیں ان حالات میں تنہا چھوڑ گیا۔ ہم نے تو اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں
تھا۔ یہ تو برے وقتوں کی بات ہے۔ میں' میں کہتا ہوں آہ تابندہ کو بلاؤ' تابندہ کہاں ہے۔
دل ڈوب رہا ہے' طبیعت خراب ہو رہی ہے میری۔"

"تابندہ نوکری پر گئی ہے۔" فیروزہ بیگم آج سب کچھ بتانے پر تل گئی تھیں۔ م
صاحب پھر اچھل پڑے۔

"کیا' نوکری پر گئی ہے۔ تابندہ؟ کیا کہہ رہی ہو تم وہ نوکری پر گئی ہے۔ کون سی نوکر
پر؟"

"جی ہاں وہ نوکری کرتی ہے اب' نوکری کرنا شروع کر دی ہے اس نے گھر میں فاقہ
کی نوبت آ گئی ہے۔ کوئی چیز کھانے پینے کو نہیں ہے' کوئی خرچ نہیں ہے ہمارے پاس'
اس کے بعد بچیاں نہ آگے بڑھیں گی تو کیا کریں گی۔"

"میری اولاد' میری عزت میری آبرو جسے میں نے ہمیشہ دنیا کی نگاہوں سے سنبھال
رکھا' نوکری پر گئی ہے وہ' وہ نوکری پر گئی ہے۔"

"جی ہاں' اس لئے گئی ہے کہ آپ اب اپنی اولاد' اپنی عزت' اپنی آبرو سنبھال کر نہ
رکھ سکتے۔ آپ مکھن کھانے کے لئے لڑتے ہیں' آپ کو مرغی کی یخنی چاہئے' کیا کر
بچیاں' بتایئے کیا کریں؟"

"اور سب کچھ مل رہا ہے نا مجھے۔" مرزا صاحب کلکلا کر بولے۔

"ملے گا' ملے گا' بیٹی کی کمائی آ جانے دیجئے ملے گا۔" فیروزہ بیگم بھی بری طرح بگڑ
تھیں۔

"اف میرے خدا' آہ میرے خدا' میں یہ کیا سن رہا ہوں۔ ارے میں کہتا ہوں ا
قتل کر دو' تینوں بچیوں کو زہر دے دو' مجھے بھی زہر دے دو' خود بھی زہر کھا لو مگر خدا را
سب کچھ مت کرو' میں اب اپنی بچیوں کی کمائی کھاؤں گا' ان بچیوں کی کمائی جن کو میں
ہوا سے بھی پوشیدہ رکھا ہے۔ اب وہ دوسروں کی غلامی کیا کریں گی اور' اور دنیا کی نگاہ
بری ہے جانتی ہو فیروزہ بیگم۔"

"سب کچھ جانتی ہوں۔ مجھے حل بتا دیجئے اس کا صرف حل بتا دیجئے جو کچھ آپ ک
گے میں مان لوں گی۔"

"ارے میرے ہاتھ میں پیالہ دے دو' میرے ہاتھ میں پیالہ دے دو' ایک معذوروں
گاڑی بنوا دو میرے لئے سڑک پر بیٹھ جاؤں گا' بھیک مانگ لوں گا۔ بچیوں سے کام نہ کر
فیروزہ بیگم' بچیوں سے کام نہ کراؤ۔"

"مرزا صاحب یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ بھیک بھی نہیں مانگ سکتے۔"

"مانگ سکتا ہوں' سڑکوں پر بیٹھ سکتا ہوں۔"

"نہیں مانگ سکتے آپ اگر آپ تھوڑا سا صبر کر لیتے' تھوڑا سا سنجیدگی سے کام لیتے تو
کم از کم ایک بیٹی اپنے گھر چلی جاتی۔ تابندہ کا گھر بس جاتا' ایک ہمدرد مل جاتا ہمیں' حسن
ہمارے لئے کوئی راستہ تلاش کرتا۔ آپ نے سب کچھ ملیا میٹ کر دیا سب ختم کر دیا' آپ
نے مرزا صاحب۔"

"میں ہی دیوانہ ہوں' میں ہی پاگل ہوں' میں ہی کمینہ ہوں' میں ہی ذلیل ہوں' میں وہ
باپ ہوں جو اپنی عزت کی حفاظت نہیں کر سکا۔" مرزا صاحب اپنا سر پیٹنے لگے' رونے لگے
چیخ چیخ کر اور اس کے بعد ایک' ایک کو گالیاں دینے لگے اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے
تھے۔

□

شاہی کا موڈ سچ مچ آف ہو گیا تھا۔ کیا سمجھتی ہے خود کو۔ گارمنٹ سٹی کی مالک ہے۔
میری مالک تو نہیں ہے۔ کام کرتا ہوں' تنخواہ دیتی ہے۔ اب تو تجربہ بھی ہو چکا ہے کہیں بھی
نوکری کر سکتا ہوں۔ ایک فلیٹ کا معاملہ ہے تو اسی بلڈنگ میں کئی فلیٹ خالی پڑے ہیں۔ خدا
کا شکر ہے کرایہ دیا جا سکتا ہے اب حالات اتنے خراب نہیں رہے۔

میڈم کو ساحل پر چھوڑ کر وہ سیدھا اس جگہ پہنچا جہاں ٹیکسیاں کھڑی ہوتی تھیں۔ ایک
ٹیکسی کی اور فلیٹ چل پڑا۔ راستے بھر وہ سوچتا رہا تھا۔ فراز کو اب صورت حال بتا دینی
چاہئے۔ خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ اسے ساری کہانی سنانی ہو گی اور اب اس نوکری
کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ استعفیٰ دے دوں گا۔ ویسے تو انعام احمد کے ہاں نوکری مل سکتی
ہے لیکن وہاں نوکری نہیں کروں گا۔ کوئی بات نہیں بھلا یہ کیا مشکل ہے۔ ہونہہ۔ ایب
نارمل ہے تو میں کیا کروں۔ زیادہ ہی اداکاری کرتی ہے۔

فلیٹ پر پہنچ گیا۔ ذہن الجھا ہوا تھا مگر فراز کے سامنے سبکی نہیں چاہتا تھا۔ سیڑھیاں عبور
کرتے ہوئے گزری رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ فراز تو آج دفتر ہی نہیں گیا تھا۔ بہرحال بیل
بجانے سے پہلے خود کو سنبھال لیا۔

فراز تو جیسے اس کے انتظار میں دروازے پر ہی کھڑا تھا۔ بیل بجاتے ہی دروازہ کھل
گیا۔

"کہیں جا رہے تھے؟" شاہی نے پوچھا۔

"نہیں کہیں نہیں۔ کیوں؟"

"دروازے کے پاس تھے۔"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

"دروازے پر کھڑے ہو کر؟"

"ہاں۔ یہ تمہارے آنے کا وقت ہے۔"

"اللہ اکبر۔ تم تو ایک باوفا بیوی کا رول ادا کرنے لگے ہو۔" شامی نے کرسی پر بی
جوتے اتارتے ہوئے کہا۔

"تیرے سوا دنیا میں اور میرا کون ہے یار۔"

"سامنے والے گھر کا کیا حال ہے؟" بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کیس لمبا ہو گیا ہے۔"

"پھر تو نہیں گھس آئے تھے فرید احمد؟"

"نہیں یار شامی۔ بڑے جذباتی سین ہو گئے ہیں۔ تجھے تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔"

"بسم اللہ۔"

"نہیں۔ پہلے ضروریات سے فارغ ہو جاؤ۔ کہانی بہت لمبی ہے۔"

"کچھ زیادہ ہی اہم بات ہو گئی ہے۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔"

"تو پھر میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔" شامی نے کہا اور فراز ہنسنے لگا پھر بولا۔

"تجھے شیشے میں اتارنے کے لئے تھوڑا سا مکھن تو لگانا ضروری ہے۔ چل میں تی
لئے چائے وغیرہ بنا کر لاتا ہوں۔" چائے پیتے ہوئے فراز نے آہستہ آہستہ شامی کو پ
داستان سنا دی۔ شامی حیرت سے منہ پھاڑے یہ کہانی سن رہا تھا۔ آخر میں فراز نے صا
دیا ہوا پرچہ شامی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

شامی نے مسخرے انداز میں پرچہ پڑھا اور فراز کو گھورنے لگا۔ فراز نے عاجزی
دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "خدا کی قسم شامی ذہنی طور پر اتنا منتشر ہوں کہ بیان نہیں کر
اس وقت میرا مذاق نہ اڑا۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ کیا کروں گا' کیسے ک
گا۔ دعویٰ تو بہت کیا ہے دلاسے بھی دیئے ہیں لیکن کیا یہ سب نبھا سکوں گا۔"

"او نبھائیں گے یار۔ فکر کیوں کرتا ہے۔ ابے' ابے' ابے بھابی ملے گی ہمیں۔ ہ
عزت دار ہو جائیں گے۔ جان کی بازی لگا دوں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تو فکر
کر۔"

"کوئی منصوبہ بنانا پڑے گا شامی۔"

"بنائیں گے' ضرور بنائیں گے۔ ہوں' واقعی فراز میرے دوست کیا خوبصورت
آئے گی زندگی میں۔"

"مگر کیسے؟"

"پہلے یہ سوچنا ہے کہ مسائل کیا پیدا ہوں گے؟"

"میرے خیال میں سب سے اہم مسئلہ صرف ایک ہے۔"

"یعنی؟"

"فرید احمد۔ بدقماش آدمی ہے۔ اس فیض شاہ کو ہی دیکھا ہے تم نے۔ ایسے دوسرے
بھی ہوں گے۔ ہمیں ان سب سے نمٹنا ہو گا۔"

"وقت ہے ہمارے پاس؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ خاص طور سے وہ فیض شاہ کا معاملہ۔ پتا نہیں کب فرید احمد اپنے
منصوبے کو [illegible]لی جامہ پہنانے پر مصر ہو جائے۔"

"ہوں۔" شامی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بہت دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ "
مینہ بیگم پڑھی لکھی خاتون ہیں۔ جب وہ خودکشی تک کے بارے میں سوچتی ہیں تو پھر شوہر
سے خلع کیوں نہیں لے لیتیں۔"

"ہمت کہاں سے لائیں۔ یہ کام بھی آسان تو نہیں ہے۔ تمہیں خود اندازہ ہو گا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں یہ مسئلہ جلد از جلد نمٹانا ہو گا۔"

"بالکل۔"

"ہوں تب پھر مجھے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی ہو گی۔" شامی نے پرخیال
نداز میں کہا۔

"مثلاً؟" فراز نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ دوسرا پروگرام تھا۔"

"کیا؟"

"یار تجھے بتانا تو تھا لیکن تو پریشان ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے ساتھ بھی ایک لمبی کہانی ہو گئی ہے۔ یوں سمجھ لے کہ میں نے گارمنٹ سٹی
سے نوکری چھوڑ دی ہے۔"

"کیا؟" فراز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں۔ وہ پراسرار محبوبہ بالکل ہی الٹی کھوپڑی کی ہے یار۔ بلکہ پاگل۔ آئندہ کیسے نباہ ہو
گا۔ بس یہ سمجھ کے آج اسے طلاق دے آیا ہوں۔"

"بکواس مت کر۔ مجھے بتا کیا سلسلہ ہے؟"

"سلسلہ ذرا دور سے شروع ہوتا ہے لیکن بہرحال بتانا ضروری ہے۔" شامی نے کہا پھر
ں نے میڈم کے بارے میں اسے مکمل کہانی سنا دی۔ ڈاکٹر اعجاز وغیرہ کی پوری تفصیل'
نعام احمد کا قصہ ساری باتیں بتا کر آج تک کی کہانی سنا دی۔ اب فراز کے حیران ہونے کی
ری تھی۔ بہت دیر کے بعد اس نے کہا۔

"یہ سب کچھ سچ ہے؟"

"فراز۔" شامی نے اسے گھور کر کہا۔

"تو انسان ہے یار۔"

"کیوں؟"

"اسے گاڑی چلانی آتی ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"تجھے اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہئے تھا اور پھر اس قدر بدتمیزی' چابی منہ پر مار دی نے۔"

"کہاں تک برداشت کرتا۔"

"نوکری تو گئی بیٹا۔" فراز بولا۔

"سو فیصد گئی مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اب مجھے کافی تجربہ ہو گیا ہے۔ نوکری جائے گی۔"

"فلیٹ؟"

"اصل معاملہ یہی ہے۔ اسی عمارت میں کوئی دوسرا فلیٹ دیکھتے ہیں۔ میں دو چار لوگ سے بات کرتا ہوں۔"

"بہت سے مسائل ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔"

"صاعقہ کے بارے میں سب سے پہلے کام کرنا ہے اگر زیادہ مشکل پیش آئی تو میں ا بار مصلحتاً اس سے معافی مانگ لوں گا۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"خیر۔ میں تیری انا کو کبھی نہیں کچلنے دوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے اور پھر کچھ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اب دوسرے فلیٹ میں منتقل ہونے کے قابل ہیں اور اگر صاعقہ والا مسئلہ بھی آگے بڑھا تو ہمیں کچھ لمبے چوڑے اقدامات نہیں کرنے ہوں گے اصل مسئلہ بس فرید احمد صاحب کا ہے لیکن شامی اس عورت کا کیا قصہ ہے؟"

"کون سی عورت کا؟"

"میرا مطلب ہے وہی میڈم۔ تم تو مجھے کچھ اور ہی تفصیلات بتا رہے تھے اس بارے میں۔"

"مینٹل کیس ہے' میں کہہ چکا ہوں نا کہ بڑی نارمل ہوتی ہے بہت اچھا انداز اختیار لیتی ہے اور پھر اس کے بعد ایک دم پٹڑی سے اتر جاتی ہے۔ مجھ سے معذرتیں بھی کر ہے۔ ادھر اس کا معالج ڈاکٹر اعجاز بھی اس کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ صورت حال طور پر اس کے علم میں بھی نہیں ہے۔ بس وہ کسی ایسے حادثے کا شکار ہوئی ہے جس اسے منتشر کر دیا ہے مگر تم خود سوچو۔ گھڑی میں تولہ' گھڑی میں ماشہ' بھئی اگر موڈی ہے اپنے لئے۔ اول تو میں اس لفظ سے ہی چڑتا ہوں۔ موڈ کیا چیز ہوتی ہے یار۔ انسان پیاسا بھوکا ہو اور اس کے پاس پیٹ بھرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو پھر دیکھتا ہوں کس طرح اپنے

پر قائم رہتا ہے۔ یہ سب چونچلے بازی ہے کہ میڈم موڈی ہیں۔ جہنم میں جائیں' ہوں گی موڈی ہمیں کیا۔ دوسروں کا بھی تو موڈ ہوتا ہے نا' کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو' بس یار مجھے غصہ آ رہا ہے اس پر' واقعی میں تجھ سے مشورے ایک ساتھ کرتا لیکن تیرا کیس مجھ سے بالکل مختلف ہو گیا ہے۔ ویسے استاد چیز اونچی ہے تو ہم تو قسم خدا کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کبھی لڑکی کی اماں کو اپنا رشتہ دے ڈالیں گے۔ بہرحال یہ ساری چیزیں ہیں۔ میڈم کا مسئلہ اپنی جگہ رہا دیکھ لیں گے اس کو بھی۔ کون سا ایک گھنٹے کے نوٹس پر مکان خالی کرنا پڑے گا۔ ہم نے کون سی رعایت مانگی تھی اس سے' ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ غلطی ہو گئی۔ شروع ہی سے اس سلسلے میں ذرا سوچنا سمجھنا چاہئے تھا۔"

"اب بیٹا ایسا کرو سامان کی پیکنگ شروع کر دو۔ تھوڑی' تھوڑی پیکنگ کر لیتے ہیں تا کہ ایمرجنسی میں بھی کہیں جانا ہوا تو دقت نہ ہو۔"

"پتا نہیں اس کا رد عمل کیا ہو گا۔ ویسے مزہ تو آ گیا ہو گا۔ سارا موڈ نکل گیا ہو گا۔"

شامی اور فراز بہت دیر تک یہی باتیں کرتے رہے۔ موضوع پھر فرید احمد صاحب کا آ گیا تو شامی نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"دیکھو فراز' اب تم ایک ایسی مظلوم عورت کے معاملات کی ذمے داری سنبھال چکے ہو جس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے اور وہ مظلومیت کا شکار ہے۔ ہمارے لئے سب سے اہم موضوع یہی ہے۔"

"ہوں۔" فراز پرخیال لہجے میں بولا پھر کہنے لگا۔ "کوئی ایسی ترکیب سوچو جس سے فرید احمد اس کم بخت فیض شاہ کا خیال دل سے نکال دے۔"

"سوچنی ہے' سوچنی ہے پریشان نہ ہو۔ میں تو بس ایک بات جانتا ہوں فراز۔ اب جب تم نے ان لوگوں سے یہ سب کچھ کہہ دیا ہے تو پھر بات کو نبھانا ہمارا فرض ہے۔" دونوں پرخیال انداز میں ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے۔ دونوں ہی کے ذہنوں میں مختلف خیالات آ رہے تھے پھر شامی نے گردن ہلا کر کہا۔

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ مجھے کچھ دن کے لئے فرصت تو مل گئی تم تو اکھڑ آدمی ہو اگر فرید احمد صاحب نے کوئی گڑ بڑ کی تو انہیں مجھ سے ہی نمٹنے دینا۔ خود آگے مت آنا۔ جذباتی ہو جاتے ہو' میں تو انہیں مرغا بنا دوں گا۔ اس دن نہیں دیکھا تھا گردن میں قینچی ڈالی تھی میں نے اور ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ اب اگر گڑبڑ کی تو ٹخنے ہی اتار دوں گا اور اپاہج کر کے ڈال دوں گا اور وہ بھی اس پیار محبت سے کہ ان کے فرشتے بھی حقیقت کو نہ سمجھنے پائیں گے۔" فراز ہنس پڑا تھا شامی نے کہا۔

"نہیں واقعی فراز انہیں اب کسی قسم کی جارحیت نہیں کرنے دوں گا میں اور یار میں تو گھر پر ہوں ہی۔ ذرا کم ہی نکلوں گا۔ میڈم کو البتہ کل استعفیٰ پیش کر دیا جائے گا پھر دیکھوں

گا کہ کیا کرنا ہے۔ اب ہم اتنے قلاش بھی نہیں ہیں کہ۔"

"نہیں یار پیسے تو اچھے خاصے ہیں اور پھر خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس کافی رقم موجود ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ملازمت آہستہ آہستہ تلاش کر لینا۔"

"ہاں یہی سوچ رہا ہوں۔ ویسے میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کیا ردعمل ہو گا۔ تھوڑا انتظار کر لیں کیا خیال ہے؟"

"اب اس چیز کو بالکل ذہن سے نکال دو۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے اس دوران ہم فرید احمد صاحب کے سلسلے میں بھی کوئی نہ کوئی حل سوچ ہی لیں گے اور تم یہ سارا حساب کتاب میرے کھاتے میں ڈال دو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ہماری صاعقہ اس مگرمچھ کے جبڑوں میں چلی جائے۔" شامی نے اکڑ کر کہا اور فراز ہنسنے لگا۔

□

مسز عالمگیر کے ہاں ملازمت کرنے کا تجربہ تابندہ کے لئے برا نہ ثابت ہوا۔ بڑا اچھا ماحول تھا اور مسز عالمگیر انتہائی ہمدرد خاتون تھیں۔ ہر ایک سے محبت سے پیش آنا ان کا خاص رویہ تھا اور شاید ہی کوئی ایسا ہو ان کی فیکٹری میں جسے ان سے کوئی شکایت ہو۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ کام کرتے کرتے تابندہ کو ان کے بارے میں تھوڑی تھوڑی معلومات حاصل ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا تحفظ' دوپہر کا کھانا فیکٹری ہی میں پکتا تھا اور ورکروں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے لئے مسز عالمگیر نے علیحدہ سٹاف رکھا تھا اور پھر ہر خاتون کارکن کو گھر پر چھوڑنے اور گھر سے لینے کا مناسب انتظام تھا۔ کئی دن گزر گئے تھے۔ تابندہ کو سب سے زیادہ خوف اپنے والد صاحب سے تھا۔ مرزا صاحب کو جب حقیقت حال کا پتا چلے گا تو صورت حال کافی مشکل ہو جائے گی لیکن تابندہ نے سوچ لیا تھا کہ گھر کے حالات بہتر بنانے کے لئے چاہے کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے وہ ہر طرح کی مشکلات برداشت کرے گی۔ دو' دو جوان بہنیں تھیں۔ بے بس اور بے کس ماں تھی اور جو کچھ بھی تھا کم از کم باپ کا سایہ سر پر تھا۔ بھائیوں نے جس طرح ساتھ چھوڑ دیا تھا وہ ایک الگ کہانی تھی لیکن تابندہ نے اس کہانی کو کبھی اپنی زبان پر لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جانتی تھی کہ فیروزہ بیگم آنسو بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتیں۔ ویسے اس دنیا میں اس طرح کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جہاں تک حسن کا معاملہ تھا تابندہ نے اپنے دل کے دروازے بند کر لئے تھے جو چیز تقدیر میں نہ ہو اس کے حصول کے لئے مضطرب رہنا عقل مندی نہیں ہے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب ذمے داریاں آ پڑی ہوں۔

بعض اوقات وہ یہ بھی سوچتی تھی کہ یہ ذمے داریاں اٹھانا اس کا منصب نہیں ہے لیکن انسانی نکتہ نگاہ بھی کوئی چیز ہوتی ہے اگر یہ سوچ لیا جائے تو پھر جواد اور سجاد کو حق بجانب کہا

جائے گا۔ دوسروں کی ذمے داریاں اپنی زندگی پر کیوں مسلط کی جائیں۔ البتہ عقل یہ تسلیم نہیں کرتی تھی۔ دنیا میں رہنے والوں کے کچھ اصول بھی تو ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنی' اپنی ذمے داریوں کے لئے پیدا ہوتا ہے اگر وہ ان سے گریز کر کے فرار حاصل کر لے تو پھر اپنے دنیا میں آنے کا مقصد تو وہ پورا نہیں کر سکتا اور اس طرح وہ سماج' معاشرے اور صحیح معنوں میں اللہ کی نگاہوں میں مطعون ہو جاتا ہے۔

بہرحال تابندہ کا معاملہ چل رہا تھا۔ خوف ہوتا تھا تو بس یہی کہ مرزا صاحب کو جب پتا چلے گا تو وہ حشر برپا کر دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

مرزا صاحب نے درحقیقت اس دن ایک نیا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ تابندہ گھر واپس آ گئی تھی اور معمول کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔ مرزا صاحب عموماً اپنے کمرے میں ہی رہا کرتے تھے اور فیروزہ بیگم کو ہر لمحہ ان کی چاکری کرنا ہوتی تھی۔ اس سے پہلے مرزا صاحب کبھی کمرے سے باہر نہیں آئے تھے۔ کچھ ایسے نازک اندام ہو گئے تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر اپنی تکلیفوں کا اظہار کرنے لگتے تھے۔ اس دن نہ جانے کیسے پلنگ سے نیچے اترے۔ گھسٹ گھسٹ کر دروازے کے قریب آئے۔ دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے۔ تابندہ' رخشندہ' فرخندہ اور فیروزہ بیگم ایک ساتھ ہی موجود تھیں۔ مرزا صاحب دروازے سے برآمد ہوئے تو سب کی سب دھک سے رہ گئیں۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں تابندہ کو تلاش کر رہی تھیں پھر انہوں نے آگے گھسٹنا شروع کیا۔ تابندہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ باپ کو اس عالم میں گھسٹتے دیکھ کر وہ جلدی سے آگے بڑھی اور ان کے قریب پہنچ گئی۔

"ارے ابو' یہ کیا کوئی ضرورت تھی تو ہمیں آواز دے لی ہوتی۔ آپ کے چوٹ لگ جائے گی۔"

"پیچھے ہٹ۔" مرزا صاحب غرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"ابو آیئے ہم آپ کو پلنگ پر بٹھا دیں۔ دل گھبرا گیا ہو گا آپ کا۔"

"بیٹا اگر یہ سمجھتی ہو کہ اس دنیا سے میرا دل گھبرا گیا ہو گا تو اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو۔ جیوں گا اور اتنی عمر جیوں گا کہ تم لوگ بوڑھی ہو جاؤ گی کیا سمجھیں۔ تمہاری یہ اماں مر جائے گی۔ میرے دونوں بیٹے' میرے دونوں ناخلف بیٹے اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے اور میں جیتا رہوں گا سمجھ گئیں تم۔"

"اللہ آپ کو ہزاروں برس کی عمر دے ابو آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ کون چاہتا ہے کہ آپ خدانخواستہ اس دنیا میں نہ رہیں۔"

"خوب چاپلوسی آ گئی ہے۔ ظاہر ہے اب باہر کی دنیا کی ہوا لگی ہے اماں جان نے کمائی کرانے کے لئے گھر سے باہر بھیج دیا ہے۔ خوب' خوب' خوب اپنی دونوں بہنوں کو اپنے

راستے پر کب لگا رہی ہو؟"

"ابو کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" تابندہ ہراساں ہو کر بولی۔

"جیسی باتیں کر رہا ہوں تم اچھی طرح سمجھتی ہو میں کہتا ہوں کہاں نوکری کی ہے تم نے؟"

"ابو ایک سلائی کی فیکٹری ہے۔ وہاں عورتیں ہی عورتیں کام کرتی ہیں۔ ان عورتوں کے ساتھ کام کرتی ہوں۔"

"جھوٹ بکواس۔ عورت میں کبھی اتنی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ کوئی کام تنہا کر سکے۔"

"ابو! کچھ مرد کارکن بھی ہیں لیکن وہ باہر کے امور دیکھتے ہیں ہم لوگوں کو وہاں مکمل تحفظ حاصل ہے۔"

"اس دروازے کے باہر دنیا میں جتنا تحفظ حاصل ہے تم سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ مجھے تو بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ تمہاری اماں جان نے آج ہی یہ انکشاف کیا ہے تمہارے بارے میں۔"

"ابو! میں نے سوچا آپ کو دکھ ہو گا۔"

"کیا مطلب تھا تمہارا۔ تم گھر سے باہر نکلو اور مجھے دکھ نہ ہو۔ ارے میں نے تمہیں باہر کی ہواؤں سے ہمیشہ بچائے رکھا۔"

"اس بات سے کون انکار کرتا ہے ابو لیکن اب صورت حال جو کچھ بھی ہے آپ کے علم میں ہے۔ سب پریشان ہیں۔ سب کے لئے مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اگر میں باہر نکل کر تھوڑی سی محنت مزدوری کر لیتی ہوں تو اس میں کیا حرج ہے؟"

"یہ بات تو زیادہ بہتر سمجھتی ہے یا میں؟"

"نہیں ابو آپ ہی زیادہ بہتر سمجھتے ہیں لیکن آپ ہی بتایئے مسائل کا کوئی حل ہے ہمارے پاس۔"

"جہنم میں جائیں مسائل اور جہنم میں جائے حل، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس کل سے گھر سے باہر قدم نکالا تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

"نہیں ابو، خیر آپ میری ٹانگیں کیا توڑیں گے اور میں آپ کی کیا بات مانوں گی۔ اب صورت حال بہت مختلف ہو گئی ہے ابو۔ مشکل ہے یہ سب کچھ، بہت مشکل ہے۔"

"مشکل کو آسان بنانا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔ تم لوگوں کی سرکشی اور بغاوت حد سے آگے بڑھ چکی ہے۔ تم میری اولاد ہو، میری عزت، میری آبرو ہو ارے ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے سامنے خدا کے لئے میری بنائی آبرو کو نیلام نہ کرو۔ تم لوگوں نے کبھی زندگی میں گھر سے باہر قدم نہیں رکھا اور اب اور اب تم، اب تم نوکریاں کرو گی۔"

"ابو اب آپ اپنی گوشہ نشینی اختیار کر لیجئے یہ مجبوری ہے ورنہ ہم گھر سے باہر نہ نکلتے۔"

"بھوکی مر جاؤ، خودکشی کر لو ایک ایک کر کے سمجھیں لیکن گھر سے باہر نہیں نکلو گی تم۔ میں نے کہہ دیا ہے میں نے تم سے کہہ دیا ہے اگر ایسا ہوا تو، تو اچھا نہیں ہو گا۔"

"اچھا: خیر ہو ہی نہیں رہا ابو۔ جو کچھ ہوا ہے برا ہی ہوا ہے۔ آپ براہ کرم اس سلسلے میں ضد نہ کریں۔ ہم میں سے کوئی آپ کی ضد نہیں مانے گا۔"

"اس لئے کہ میں اپاہج ہو چکا ہوں؟"

"جی ابو اسی لئے، یہی بات ہے۔ آپ اپاہج ہو چکے ہیں اور، اور ذہنی طور پر ناکارہ بھی۔"

"میرے قریب آ، زبان لڑا رہی ہے مجھ سے۔ اس لئے نا کہ اب میں آگے بڑھ کر تیری چوٹی نہیں پکڑ سکتا۔"

"میں اپنی چوٹی آپ کو پیش کئے دیتی ہوں ابو۔ آپ اسے پکڑیئے، ماریئے مجھے جتنا مار سکتے ہیں لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیجئے گا کہ وہ نہیں ہو گا جو اب آپ چاہتے ہیں۔ آپ، آپ نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔ ہم خودکشی نہیں کریں گے۔ ہم کیوں خودکشی کریں، خودکشی ہمارے دشمن کریں۔ ہم اپنے ہاتھ پاؤں کی مدد سے اپنی زندگی بنائیں گے میرے سامنے میری دونوں بہنوں کا مستقبل ہے آپ اپنے بیٹوں کو تو کنٹرول نہیں کر سکے ہم پر زور چلا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے کر لو جو تم سے کیا جائے کر لو۔ ایک دن دنیا اس گھر کی جانب انگلی اٹھا، اٹھا کر ہنسے گی۔"

"ہم اس دنیا کا بھی سامنا کر لیں گے ابو۔ آپ بے فکر رہیں۔" تابندہ نے کہا اور واپس پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مرزا صاحب جب تک شور مچا سکتے تھے مچایا اس کے بعد وہ بھی چلے گئے اور فیروزہ بیگم آنسو بہانے لگیں۔ رخشندہ اور فرخندہ نے کہا۔

"آپ حد سے زیادہ مظلوم بننے کی کوشش کیوں کرتی ہیں امی وہ آپ کا سہاگ ہیں۔ ہم ان کی زندگی کی دعائیں کر سکتے ہیں لیکن جہاں تک باجی کا کہنا ہے وہ بھی تو سچ ہے۔ میں خود بھی اس سلسلے میں باجی سے درخواست کروں گی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ مصروف کریں۔ ارے واہ خود بھی کچھ کرتے نہیں ہیں۔ کوئی کچھ کرنے والا نہیں ہے اور مشورے دیئے جا رہے ہیں خودکشی کے ہمیں۔ ہم کیوں خودکشی کریں بھئی۔ کمال ہے کیا خودکشی کرنے کے لئے اس دنیا میں آئے تھے۔" فیروزہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر دونوں بیٹیوں کو دیکھا۔ دونوں کے چہرے تمتما رہے تھے۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

بہرحال مرزا صاحب کی نہ چلنا تھی نہ چلی۔ تابندہ معمول کے مطابق تیار ہو کر دوسرے

دن پھر بوتیک چل پڑی۔ مسز عالمگیر سے آج خصوصی طور پر ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کچھ ڈیزائننگ کر رہی تھی اور کاغذ پر پنسل سے نشان بنا بنا کر بچوں کی فراکوں کے نئے ڈیزائن تیار کر رہی تھی۔ مسز عالمگیر کب پیچھے آکر کھڑی ہو گئیں یہ اس نے نہیں دیکھا تھا لیکن مسز عالمگیر پیچھے سے کاغذ پر اس کے بنائے ہوئے ڈیزائن دیکھ رہی تھیں اور پھر اچانک ہی وہ اسے ٹوک بیٹھیں۔

”یہ جو تم نے جوڑ ملایا ہے اس کا کیا طریقہ کار ہو گا۔“ اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور مسز عالمگیر کو دیکھ کر مودب ہو گئی۔

”میڈم! یہ پچھلی سمت سے ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا اور اس کے اوپر ایک پتلی بیل آجائے گی جس سے یہ جوڑ چھپ جائے گا لیکن یہ ڈیزائن ذرا منفرد ہو جاتا ہے۔“

”ہوں۔ تم میرے کمرے میں آؤ۔“ مسز عالمگیر نے کہا اور وہ ایک لمحے کے لئے چونک سی پڑی۔ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ مسز عالمگیر اسے اپنے آفس میں لے گئیں پھر انہوں نے اسے کرسی پر بٹھایا اور بولیں۔

”تم نے ڈیزائننگ کہاں سے سیکھی ہے؟“

”میڈم! کہیں سے نہیں۔ اصل میں مجھے بچپن ہی سے اس کا شوق تھا جو کچھ الٹا سیدھا کرتی رہی ہوں گھر میں بیٹھے بیٹھے ہی کرتی رہی ہوں۔“

”ذرا وہ ڈیزائن منگوا لو جو تم نے کاغذ پر بنائے تھے۔“

”جی یہ میرے پاس موجود ہیں۔“

”کسی خاص وجہ سے بنا رہی تھیں تم؟“

”جی نہیں بس ایسے ہی۔ ابھی چونکہ کٹر نے کٹنگ نہیں کی تھی اس لئے کچھ وقت تھا میرے پاس۔“

”تم اس قسم کی ڈیزائننگ کر سکتی ہو؟“

”جی میڈم کوشش تو کر سکتی ہوں۔“

”صرف بچگانہ لباس میں، یا بڑی ڈریسنگ بھی کر سکتی ہو؟“

”کوشش تو ہر چیز میں کر سکتی ہوں۔“

”اچھا تو پھر تم یوں کرو، تابندہ ہے نا تمہارا نام؟“

”جی میڈم۔“

”تابندہ تم اس ٹیبل کو سنبھال لو جو کونے میں رکھی ہے اور سلائی نہ کرو بلکہ اس ٹیبل پر کچھ نئے کپڑے ڈیزائن کرو۔ ویسے لکھنا پڑھنا تو جانتی ہو نا اچھی طرح۔“

”جی میڈم۔“

”تو پھر یوں کرو کہ تم تھوڑی سی ڈیزائننگ کر کے مجھے دو۔ میں تمہیں ایک کتاب دیتی

ہوں۔ باہر سے منگوائی ہے میں نے لیکن تم ان میں سے دو چار ہی پیس منتخب کرو اور صرف یہ ڈیزائننگ کرو کہ ان کو کس طرح جوڑا جائے۔ ان کی کلر میچنگ کس طرح کی جائے اور سلائی کیسے ہو۔ اس کے بارے میں پوری تفصیل تم تحریری طور پر لکھ کر رکھنا اور سنو جلدی نہیں ہے ایک ایک پیس کو آرام آرام سے کرو چاہے اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے۔“

”بہتر ہے میڈم میں کوشش کرتی ہوں۔“

بالکل سا کہنا تھا۔ تابندہ نے اپنے طور پر کوشش شروع کر دی۔ ڈیزائن ٹیبل پر اس نے کاغذات وغیرہ منگوائے۔ مسز عالمگیر نے اسے کتاب دے دی تھی اور اس نے کتاب میں سے دو ڈیزائن منتخب کئے تھے جو واقعی دیکھنے میں بہت اچھے لگ رہے تھے پھر وہ ان میں کھو گئی اور اس نے ایک ایک چیز کو اچھی طرح نوٹ کر کے آخر کار اس کے بارے میں تفصیلات لکھنی شروع کر دیں۔ اس نے ایک بڑا کاغذ منگا کر ان کا پیٹرن بھی کاٹا اور اس کام سے اسے لنچ کے وقت تک فراغت حاصل ہو گئی۔ مسز عالمگیر اٹھ کر چلی گئی تھیں وہ وہیں کام کرتی رہی پھر اسے لنچ کے لئے بلایا گیا اور وہ تمام سامان سمیٹ کر باہر نکل گئی۔ لنچ ایک ساتھ ہی کیا جاتا تھا اور اس کے لئے مسز عالمگیر نے ایک بڑا ہال نما کمرہ بنا رکھا تھا۔ اس کی ساتھی لڑکیوں نے پوچھا بھی کہ مسز عالمگیر کے کمرے میں وہ کیا کر رہی ہے۔ اس نے صاف گوئی سے بتا دیا کہ مسز عالمگیر نے اسے کچھ ڈیزائن دیئے ہیں جو اسے ڈیزائن کرنے ہیں۔

بہر حال شام کو تقریباً تین بجے مسز عالمگیر آئیں اس وقت وہ تیسرا ڈیزائن تیار کر چکی تھی۔ مسز عالمگیر نے اسے مصروف دیکھا اور مسکرا کر بولیں۔

”ارے بھئی تم ابھی تک اسی میز پر مصروف ہو۔“

”جی میڈم آپ کا حکم تھا لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں اپنا بقیہ کام مکمل کر لوں گی۔“

”ارے نہیں بھئی۔ یہ بھی تو آخر کام ہی ہے۔“

”جی میڈم۔“

”اچھا خیر یہ بتاؤ کیا کیا تم نے؟“

”میڈم! میں نے یہ تین ڈیزائن منتخب کئے تھے۔ میں نہیں جانتی کہ یہ آپ کو پسند ہیں یا نہیں لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے ان پر کام کیا ہے۔“

”بیٹھو، میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور ذرا مجھے ان کے بارے میں سمجھاؤ۔“ وہ مسز عالمگیر کے ساتھ مصروف رہی اور اس نے مسز عالمگیر کو تمام تفصیلات بتائیں۔ مسز عالمگیر خود بھی باقاعدہ یہ کورس کر چکی تھیں اور اس کام کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ وہ اس کی تحریر کو پڑھ رہی تھیں اور اس کے مطابق پیٹرن دیکھتی جا رہی تھیں پھر انہوں نے تعریفی انداز میں کہا۔

”بھئی زندہ باد، میرا خیال ہے کل تم یہ کپڑے خود تیار کرو۔ میرا مقصد ہے یہ تینوں ڈیزائن سیمپل کے طور پر تم تیار کر کے مجھے دو۔“

"جی بہتر ہے۔ مجھے کپڑا مل جائے گا نا۔"

"ہاں، تم اپنی ضروریات لکھ کر اسٹور بھجوا دو جو چیز نہ ملے اس کے بارے میں محسن صاحب سے کہہ دینا وہ تمہیں مہیا کر دیں گے میں انہیں ہدایت کئے دیتے ہوں۔" مسز عالمگیر نے فون اٹھا کر اسٹور انچارج کو ہدایات دے دیں۔

تابندہ نے اپنا کام اطمینان اور تسلی بخش طور سے سرانجام دیا تھا۔ دوسرے دن اس نے تمام سامان اپنی ٹیبل پر دیکھا اور ذرا الگ تھلگ ہٹ کے یہ ڈیزائن تیار کرنے لگی۔ مسز عالمگیر آج ابھی تک نہیں آئی تھیں، اس دن بھی وہ تقریباً ساڑھے نو بجے آئیں، اس وقت تک تابندہ تینوں ڈیزائن تیار کر چکی تھی، ان ڈیزائنوں کو اس کی ساتھی لڑکیوں نے بھی دیکھا اور ایک ایک نے اتنی تعریف کی کہ تابندہ شرمندہ ہو گئی۔ بہرحال اس نے یہ تینوں سوٹ استری کرنے کے بعد ہینگر کر لئے تھے اور مسز عالمگیر کا انتظار کر رہی تھی، مسز عالمگیر نے خود اسے طلب نہیں کیا، لیکن وہ ان سے اجازت لے کر اندر داخل ہو گئی۔

"میڈم اگر آپ کو کوئی مصروفیت نہ ہو تو میں۔"

"ہاں ہاں آؤ آؤ کہو کام شروع کیا تم نے؟"

"جی میڈم یہ تینوں ڈیزائن تیار کر لئے ہیں۔"

"کیا؟" مسز عالمگیر چونک پڑیں۔

"جی ملاحظہ فرما لیجئے۔" اس نے ڈیزائن ڈسپلے بورڈ پر ٹانگ دیئے اور مسز عالمگیر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں وہ انتہائی مسرور نگاہوں سے ان ڈیزائنوں کو دیکھ رہی تھیں، کیا ہی خوبصورت سوٹ تھے، تینوں کے تینوں اس طرح مکمل۔ انہوں نے تابندہ کو دیکھا اس کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور اسے ہونٹوں سے لگا کر کہا۔

"تمہارا ہاتھ ہے کہ قیامت، بھئی تابندہ سچی بات یہ ہے کہ تم میرے دل میں اتر گئی ہو، اصل میں انسان کو ہمیشہ کام پیارا ہوتا ہے اور پھر اتنی پھرتی، نفاست اور مناسبت کے ساتھ تم نے یہ سب کچھ کیا ہے کہ میرا دل خوش ہو گیا ہے۔ تابندہ اب ایک کام کرو، تم سلائی کا چکر چھوڑو، میں تمہیں الگ روم دے دیتی ہوں، ہمارے ڈیزائنر صاحب وہاں موجود ہیں، میں ان کی نوکری نہیں چھینوں گی، ان کو میں جینٹس پر لگا دیتی ہوں، لیڈیز ڈیزائننگ تم ہی کرو، میں تمہیں بے شمار کتابیں دے دوں گی، ہفتے میں تمہیں دو ڈیزائن تیار کرنا ہوں گے، بھئی اس طرح تو تم نے میری شہرت میں چار چاند لگانے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔"

"میڈم! میں جو کچھ بھی حاصل کروں گی حلال کر کے حاصل کروں گی آپ سے یہ میرا نظریہ حیات ہے۔" مسز عالمگیر نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی تھی۔ بہرحال اس دن سے وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

پھر جب پہلی تاریخ کو اسے تنخواہ کا لفافہ موصول ہوا تو اس کے پورے بدن میں

تھرتھری سی پیدا ہو گئی، چھ ہزار روپے تنخواہ لگائی گئی تھی، چھ ہزار کا تصور اس نے زندگی بھر نہیں کیا تھا۔ وہ تو ہزار بارہ سو روپے کی امید میں تھی، اگر مسز عالمگیر نے اسے ڈریس ڈیزائننگ پر لگا دیا ہے تو زیادہ سے زیادہ پندرہ سو روپے تنخواہ مل جائے گی، لیکن چھ ہزار اس کی توقعات سے چار گنا زیادہ، وہ لفافے پر لکھی ہوئی رقم کو دیکھ کر ششدر رہ گئی، اس کا دل مچل رہا تھا۔ بہرحال اس وقت کسی سے کوئی سوال تو نہیں کیا جا سکتا تھا اس نے لفافہ احتیاط سے پرس میں رکھا اور اس دن اس کی حالت واقعی بری طرح خراب ہو گئی تھی۔ دل نجانے کیا کیا چاہ رہا تھا، اتنی ہمت نہیں تھی کہ بازار میں اتر کر سب کے لئے خریداری کرتی، لیکن گھر پہنچ گئی ماں کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور چھ ہزار روپے کے نوٹ ان کے سامنے رکھ دیئے۔ فیروزہ بیگم شدت حیرت سے لرز کر رہ گئی تھیں۔

"یہ یہ تو بہت سے پیسے ہیں۔" انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جی امی۔"

"لل.... لیکن اتنے پیسے؟"

"میرا خیال ہے امی میری یہی تنخواہ لگائی گئی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو تابندہ؟"

"جی امی ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" تابندہ نے جواب دیا۔ فیروزہ بیگم کی آنکھیں خوف و دہشت میں ڈوب رہی تھیں انہوں نے کہا۔

"تابندہ یہ تمہارے لئے کوئی لالچ تو نہیں ہے۔"

"کیسا لالچ امی؟"

"مم.... میرا مطلب ہے تمہاری مالکہ تو عورت ہی ہیں نا۔"

"جی امی آپ پوچھ سکتی ہیں اس شخص سے جس نے مجھے وہاں لگایا ہے، مگر آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟"

"نہیں بیٹی، دنیا واقعی بڑی خوفناک جگہ ہے، اگر کوئی کسی کو اتنی بھرپور رقم دے دیتا ہے تو اس کے پیچھے پتا نہیں کیا مقاصد کار فرما ہوتے ہیں۔"

"مسز عالمگیر بہت اچھی خاتون ہیں، میں تو خود اتنی تنخواہ کی توقع نہیں رکھتی تھی، لیکن انہوں نے مجھے سلائی سے ہٹا کر کپڑے ڈیزائن کرنے پر لگا دیا ہے اور میرا خیال ہے انہوں نے مجھے ایک ڈریس ڈیزائنر کی تنخواہ دی ہے۔"

"بیٹی اپنے اطراف سے ہوشیار رہنا۔"

"آپ فکر نہ کریں امی، ابو نے ہمیں خودکشی کا مشورہ دیا تھا نا میں خودکشی اس شکل میں کروں گی، جب میری عزت و آبرو پر کوئی بات بن آئی۔"

"اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔"

"امی ایک کام کرنا چاہتی ہوں میں۔"

"ہاں کہو....."

"ابو نے بہت سی چیزوں کی فرمائشیں کی ہوئی ہیں آپ سے' آپ کو پتا ہے نا؟"

"ہاں۔" فیروزہ بیگم نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں آپ کی اجازت کے بغیر تو بازار میں نہیں اتر سکتی تھی' لیکن اب میرے ساتھ چلئے اور کچھ خریداری کر لیجئے۔"

فیروزہ بیگم تیار ہو گئی تھیں۔ تابندہ اپنی ماں کے ساتھ بازار میں نکل آئی اور خاصے وقت تک وہ بازاروں میں مختلف خریداریاں کرتی رہی۔ مرزا سخاوت بیگ بہت دن سے ایک حقّے کی بات کر رہے تھے۔ ویسے تھوڑی بہت تمباکو نوشی کر لیا کرتے تھے' لیکن زندگی میں کبھی تین ساڑھے تین سو روپے کا حقہ نہیں خرید سکے تھے' آج تابندہ نے ان کے لئے حقہ خریدا اس کے دوسرے لوازمات بھی خریدے اس کے علاوہ کھانے پینے کا بہت سامان' ماں کے لئے کچھ چیزیں' بہنوں کے لئے بھی اس نے کافی خریداری کی تھی۔ فیروزہ بیگم کے ہونٹ کئی بار کھلے پھر بند ہو گئے۔

مرزا صاحب کو کچھ پتا نہیں تھا لیکن رات کو جب ان کے سامنے کھانا پہنچا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے۔ "یہ۔ یہ مرغی کا قورمہ ہے اور یہ۔ شش شاہی ٹکڑے کیا محلے میں کسی کے ہاں کوئی تقریب تھی؟"

"نہیں ابو۔ میں نے سب کچھ اپنے ہاتھ سے پکایا ہے آپ کے لئے۔" تابندہ نے محبت سے کہا۔

"تم تو مجھ سے بات ہی نہ کیا کرو۔ مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"وہ اپنی جگہ ابو۔ آپ یہ بریانی کھا کر دیکھئے۔" تابندہ نے کہا اور مرزا صاحب نے بریانی کھا کر دیکھی۔ شاید بریانی کی لذت نے ان کی نفرت میں کچھ کمی کر دی تھی پھر ان کے نتھنوں میں خمیرہ ملے تمباکو کی خوشبو ابھری تو وہ دیوانے ہو گئے اور جب دہکتا ہوا حقہ ان کے سامنے پہنچا تو وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔

"ارے۔ یہ حقہ کہاں سے آیا ہے؟"

"میں نے خریدا ہے آپ کے لئے ابو۔ میری تنخواہ ملی تھی۔"

"لاجواب تمباکو ہے کتنا لیا ہے؟"

"پورے مہینے کے لئے کافی ہو گا ابو۔"

"اور اس کے بعد؟"

"اور آ جائے گا۔" تابندہ نے کہا۔

"جس دکاندار سے خریدا ہے اسے اس کا نمبر نوٹ کرا لیا ہے ورنہ دوسری بار اوزان غلط ہو جاتا ہے۔" مرزا صاحب نے مطمئن لہجے میں کہا۔

□

بیگ صاحب کے اس شوق کو گھر کے ملازموں نے بڑی حیرت سے دیکھا' اس کے علاوہ انہیں اس بات پر بھی بڑی حیرت تھی کہ میڈم نے بیگ صاحب کی یہ بچگانہ خواہش پوری کر دی تھی' بہرحال بیگ صاحب کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا وہ ذہنی طور پر معطل انسان نہیں تھے عمر کتنی بھی ہو لیکن بہرحال پوری طرح ہوشیار تھے البتہ عادات و اطوار بچوں جیسے ہو گئے تھے' کھانے پینے کے رسیا تھے' الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہتے تھے' لیکن اب جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو ان کھلونوں میں سمو لیا تھا' وہ بڑی حیرت ناک بات تھی' اس دن تو وہ رات تک اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے تھے اور ان کھلونوں میں اس طرح گم رہے تھے کہ رات کا کھانا بھی طلب نہیں کیا تھا۔

دوسری صبح بھی سب سے پہلے جاگنے کے بعد انہوں نے کھلونوں میں ہی اپنے آپ کو مصروف کر لیا تھا۔ میڈم بھی ان کے کمرے میں آئی اور مسکراتی نگاہوں سے ان کے مشاغل دیکھتی رہی' چابی والے قیمتی کھلونے ڈھول بجاتے ہوئے کرتب دکھاتے ہوئے' وہ خود بھی بیگ صاحب کے ساتھ بیٹھ گئی اور ان سے کھلونوں کے بارے میں سوالات کرتی رہی' بیگ صاحب نے جھینپی ہوئی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"شاید تم مجھے پاگل سمجھ رہی ہو' لیکن میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں مجھے یہ بتاؤ یہ سب جاندار محسوس ہوتے ہیں' مجھے یوں لگتا ہے جیسے اچانک مجھے بہت سے دوست مل گئے ہوں' یہ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہیں اور میں ان سے باتیں کرنے لگتا ہوں' اصل میں انسان کے اندر ایک بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے' میں خود بھی یہ کہتا ہوں کہ یہ کسی سمجھدار آدمی کا کام نہیں لیکن بہرحال میں اس دلچسپ مشغلے سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہوں۔"

"گڈ' ویسے کھلونے واقعی خوبصورت ہیں ابو۔ میں نے کبھی کھلونوں پر غور نہیں کیا' لیکن یہ تو بڑا دلچسپ مشغلہ ہے کم از کم یہ ایسی بے جان چیزیں ہیں جن سے ہم اپنا مقصد بھی پورا کر سکتے ہیں' دیکھئے چابی بھر کر اگر ان میں سے کسی کا رخ کسی سمت کر دیا جائے تو وہ انحراف نہیں کرتا۔ چاہے سامنے دیوار ہی کیوں نہ ہو ٹکرا جاتا ہے' رک جاتا ہے لیکن دیوار کے پاس سے ہٹتا نہیں ہے' یہ انسان' یہ ڈھول بجانے والا' یہ گاڑی چلانے والا اور یہ سب' یہ سب ہمارے حکم کے تابع ہیں۔ اگر ہم ان کی چابی ختم کر دیں گے تو یہ نہیں چلیں گے' بس بے بسی سے کھڑے ہمیں دیکھتے رہیں گے۔ ابو ان پر با آسانی حکومت کی جا سکتی ہے۔"

بیگ صاحب سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے انہوں نے منہ سے کوئی جواب نہیں دیا' بہت دیر گزر گئی وہ خود بھی ان چابی کے کھلونوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی ایک ایک

کو دیکھ رہی تھی۔ بیگ صاحب سے بات کر رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد بیگ صاحب بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے تھے وہ آج بھی آفس نہیں گئی اور شام تک بیگ صاحب کے ساتھ رہی۔ انہی کے ساتھ کھانا کھایا' انہی کے ساتھ ان کے کھلونوں سے کھیلتی رہی پھر رات ہو گئی۔

"اب آپ بھی تھک گئے ہوں گے ابو سو جایئے۔"

"مجھے بڑی اچھی نیند آئے گی' نہ جانے کتنے عرصے کے بعد تم نے پورا دن میرے ساتھ گزارا ہے۔"

"ہاں ابو' آج آپ کے ساتھ رہ کر مجھے بہت کچھ یاد آ رہا ہے' خیر ٹھیک ہے' اچھا آپ آرام کریں۔"

وہ خود بھی پرسکون نیند سوئی' شامی ایک بار بھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا' اس وقت جب اسے شامی چھوڑ کر چلا گیا تو وہ نہ جانے کیسی کیسی کیفیات کا شکار رہی تھی' بہرحال اس کا کوئی بڑا ری ایکشن نظر نہیں آیا تھا' دو دن سے آفس نہیں گئی تھی' تیسرے دن صبح اس نے سب سے پہلے آفس جانے کی تیاریاں کیں اسے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا گارمنٹ سٹی کی جانب سے ایسی بے پرواہی ایک دن بھی نہیں برتی تھی اس نے' اب دو دن وہاں نہ جا کر نہ جانے اسے کیسا لگ رہا تھا' بہرحال آج بیگ صاحب کی جانب رخ نہیں کیا تھا کیونکہ دو دن سے انہی کے چکر میں لگی رہی تھی اور انہی کی وجہ سے گارمنٹ سٹی نہیں جا سکی تھی' وقت مقررہ پر' اپنے دفتر پہنچ گئی' دفتر میں بھی اس کی غیرحاضری کو محسوس کیا جا رہا تھا' مس مینا فوراً ہی پہنچ گئیں' ذکی صاحب بھی وہاں آ گئے۔

"آپ کو گھر ٹیلی فون کرنے کی جرات نہیں ہوئی اور ویسے بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لئے آپ کو پریشان کیا جاتا' طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ذکی صاحب نے پوچھا۔

"ہاں ذکی صاحب بالکل ٹھیک ہوں' اگر کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو میں خود ہی آپ کو ٹیلی فون کر دیتی' بس دو دن سے ذرا ابو کے ساتھ مصروف تھی۔"

"خدا کا شکر ہے۔"

"کوئی اور خاص بات؟"

"نہیں۔ پتا نہیں کیوں' شامی صاحب بھی دو دن سے دفتر نہیں آ رہے۔"

"دفتر نہیں آ رہے؟" وہ چونک کر بولی۔

"جی ہاں آج تیسرا دن ہے پتا نہیں کیا ہو گیا کوئی اطلاع بھی نہیں ہے۔"

"ٹیلی فون کیا تھا انہیں؟"

"وہاں ٹیلی فون کسی نے ریسیو نہیں کیا غالباً گھر پر کوئی تھا نہیں۔"

"دو دن سے دفتر نہیں آ رہے' کوئی اطلاع بھی نہیں ہے ایسا تو پہلے انہوں نے

نہیں کیا تھا۔" وہ حیران لہجے میں بولی اور پھر مس مینا سے کہا۔ "ہاں مس مینا کوئی ایسی اہم بات جس کا تعلق مجھ سے ہو؟"

"نہیں میڈم کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔"

"ذکی صاحب آپ آرام کیجئے میں آپ سے کنٹیکٹ کروں گی۔" اس نے کہا اور ذکی صاحب سلام کر کے چلے گئے' پھر وہ مس مینا سے پروڈکشن کے بارے میں سوالات کرتی رہی اس کا ذہن کسی الجھن میں پھنس گیا تھا' مس مینا سے تمام باتیں کرنے کے بعد اس نے اسے بھی جانے کی اجازت دے دی تھی اور آرام کرسی سے پشت ٹکا کر سوچ میں ڈوب گئی' شامی نہیں آیا اس شام کی باتیں اسے یاد تھیں لیکن کئی بار ایسا ہو چکا تھا' شامی نے اس سے سخت بدتمیزی کر ڈالی تھی اور وہ عارضی طور پر اس سے روٹھ بھی جاتا تھا لیکن دفتر آنے کا مسئلہ اس نے کبھی نہیں کھڑا کیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ شامی کو ٹیلی فون کرے' ٹیلی فون لگ گیا تھا فلیٹ پر اور نمبر بھی اس کے پاس موجود تھا' لیکن نہ جانے کیوں اس کے ہاتھ رک گئے' پھر وہ اپنا ذہن ہٹانے کے لئے سامنے رکھی ہوئی ڈاک کو دیکھنے لگی اسی میں ایک نیا لفافہ بھی نظر آیا تھا' دوسری ڈاک کو دیکھنے کے بعد اس نے اس لفافے کو بھی اٹھا لیا کھولا اندر سے ایک سفید کاغذ نکلا اور اس کاغذ پر جو کچھ تحریر تھا اس نے اسے چونکا دیا یہ شامی کا استعفیٰ تھا' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ استعفیٰ دیکھتی رہی لکھا تھا۔

"میڈم چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر اب میں آپ کے دفتر میں ملازمت کرنے کے قابل نہیں رہا ہوں' چنانچہ میری جانب سے میرا استعفیٰ قبول فرمایا جائے۔ مجھے احساس ہے کہ آپ کو نئے پرچیز آفیسر کی تلاش کے لئے تھوڑی سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا' لیکن صورت حال ایسی ہی ہے کہ میں اب ایک گھنٹہ کے لئے بھی گارمنٹ سٹی نہیں آ سکتا۔ میری معذرت قبول فرمایئے۔ میرے اوپر جو واجبات ہیں انہیں دیکھ لیجئے گا اگر میں آپ کا کچھ دیندار ہوں تو ادائیگی کا پابند ہوں۔

احتشام احمد۔"

وہ اس کاغذ کو پڑھتی رہی اور اس کے چہرے پر عجیب سی ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی' بار بار ہاتھ ٹیلی فون کی جانب بڑھ جاتا تھا لیکن نہ جانے کیوں ٹیلی فون کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ بہرحال اس دن شام کو پانچ بجے کے بجائے چار بجے اٹھی' گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور سے کہا۔

"فلیٹ چلو' اس فلیٹ پر جہاں شامی صاحب رہتے ہیں پتا جانتے ہو نا؟"

"جی میڈم دو تین بار جا چکا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد گاڑی اس بلڈنگ کے سامنے رک گئی جس میں شامی کا فلیٹ
ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی' وہ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی اوپر پہنچی اور شامی
فلیٹ کی بیل کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھلا' دروازے میں ایک اجنبی صور
نظر آئی' یہ فراز تھا جو خود بھی میڈم کو دیکھ کر حیران سا تھا۔ اس نے نہایت باادب لہجے
کہا تھا۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ شاید فراز ہیں۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"میں گارمنٹ سٹی سے آئی ہوں' گارمنٹ سٹی کی مالک' ہوں شامی صاحب موجود ہیں؟"

"اوہو میڈم' آیئے نا آپ تشریف لایئے' پلیز آیئے۔" فراز نے انتہائی خوش اخلاقی
کہا۔ فراز نے بھی پہلی بار میڈم کو دیکھا تھا' انتہائی پروقار شخصیت کی مالک' حسین خد و خال
شکل و صورت سے بہت ہی نوخیز اور نوجوان نظر آنے والی لیکن اندازہ یہ ہوتا تھا کہ عمر
اس منزل سے نکل گئی ہے جسے نوخیزیت کی منزل کہا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی اتنی دلکش
کہ انسان دیکھ کر مسحور ہو جائے' اس نے مسکراتی نگاہیں فلیٹ پر ڈالیں اور بولی۔

"آپ نے فلیٹ تو بڑی نفاست سے ڈیکوریٹ کیا ہے اس سے آپ کے ذوق طبع کا
چلتا ہے۔"

"تھینک یو۔"

"شامی صاحب کہاں ہیں؟"

"نکلا ہوا ہے کہیں' دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد نکل گیا تھا۔"

"سوری' مجھے فون کر کے آنا چاہئے تھا۔"

"نہیں میڈم' آپ تشریف لے آئیں' بہت اچھا ہوا۔"

"یہ جگہ جگہ سامان کے پیکٹ کیسے رکھے ہیں؟" اس نے کہا اور فراز کے چہرے
عجیب سی الجھن کے آثار پھیل گئے وہ بے تکلفی سے ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئی تھ
اس نے پھر وہی سوال کیا۔

"جی وہ شاید' شامی فلیٹ خالی کر رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ پھر چونک پڑی۔

"جی ہاں' شاید وہ گارمنٹ سٹی سے ملازمت چھوڑ چکا ہے۔"

وہ خاموشی سے فراز کو دیکھتی رہی' فراز خود بھی کچھ نروس تھا۔ کافی دیر تک خامو
رہی' پھر اس نے کہا۔

"فراز صاحب! آپ اس سے بڑے ہیں یا چھوٹے ہیں؟ معاف کیجئے گا' میں نے ذرا

تکلفی کا لفظ استعمال کر لیا ہے لیکن وہ بھی آپ کے انداز تخاطب کی وجہ سے۔"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے' ویسے میرا خیال ہے کہ میں اس سے کچھ بڑا ہوں۔"

"کیسا شخص ہے یہ شامی؟" میڈم نے سوال کیا۔

"جی؟"

"میں آپ سے پھر معافی چاہتی ہوں' لیکن ہو سکتا ہے شامی نے آپ کو میرے بارے
میں بتایا ہو میں گارمنٹ سٹی کی مالک ہوں۔ شامی اتنا اچھا نوجوان ہے کہ اس کی تعریفیں کرنے
کے لئے صحیح الفاظ نہیں ملتے' بس ذرا دماغ کا کچھ تیز ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کو
تیار اور پھر احترام تو ذرا بھی نہیں کرتا وہ میرا' پتا نہیں کیوں اس کے اندر اتنی سرکشی ہے؟
اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک ہمدرد' ایک دوست کی حیثیت سے میں اس کے بارے میں آپ
سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے؟"

"ضرور میڈم' آپ یہ فرمایئے کہ میں آپ کے لئے کیا پیش کروں' چائے یا کافی؟"

"آپ نے تو میرا خیال ہے باورچی خانے کے برتن بھی پیک کر لئے ہوں گے۔"

"نہیں ابھی کچھ برتن ایسے موجود ہیں جنہیں ہم استعمال کر رہے ہیں۔"

"نہیں رہنے دیجئے خواہ مخواہ پلیز آپ کو تکلیف ہو گی۔"

"بالکل نہیں آپ پلیز مجھے بتا دیجئے۔"

"تو پھر کافی بنایئے میں معذرت خواہ ہوں کہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکوں گی۔"

"نہیں نہیں میں لاتا ہوں بنا کر۔" فراز نے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔ اسے یہ
عورت بے حد پسند آئی تھی۔ مہذب' خوبصورت اور انتہائی پروقار شخصیت کی مالک۔ ویسے
اسے شامی کی سوچ سے مایوسی ہوئی تھی' شامی اس سے عشق کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور
اس کے رویئے سے اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ میڈم اسے چاہنے لگی ہے۔ اس عورت
کے اندر ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی' شامی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اس کے
انداز میں ایسی کسی کیفیت کا احساس نہیں ہوتا تھا' بہرطور اس نے کافی بنائی اور احترام سے
اس کے سامنے پیش کر دی۔

"شامی کے بارے میں کچھ پتا ہے کب تک آ جائیں گے؟"

"کچھ نہیں' مست مولا آدمی ہے پتا نہیں کہاں نکل گیا ہو گا۔"

"آپ بھی تو ملازمت کرتے ہیں۔"

"جی ہاں' ایک فرم میں نوکری کرتا ہوں۔"

"ہاں' شامی نے کئی بار گھر کے بارے میں تذکرہ کیا تھا۔ آپ کا ذکر بھی کیا تھا۔"

"ہم دونوں طویل عرصے سے ساتھی ہیں۔"

"مجھے بتایا تھا انہوں نے۔ تو فراز صاحب میں یہ کہہ رہی تھی کہ شامی کی زندگی کے وہ

ایسے کون سے پہلو ہیں جن کی بنا پر وہ اپنی فطرت میں اتنے سرکش ہیں؟"

"اصل میں میڈم ہم لوگ طویل عرصے سے تنہا زندگی گزار رہے ہیں' ہم نے ا
ادھر بہت سی باتیں مشہور کر رکھی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اور شامی بہت گہر
دوست ہیں۔ ہمارے درمیان کوئی رشتہ بھی ہے' لیکن آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ ہم
اپنے درمیان کا صحیح رشتہ یاد نہیں' بچپن سے مشترک مصائب کا شکار ہوئے' تھوڑے
والدین کے دباؤ میں رہے یوں سمجھیں کہ اپنی فطرت ہی کھو بیٹھے' تعلیم میں نے بھی حا
کی اور شامی نے بھی اور اس کے بعد کچھ ایسے حالات ہوئے کہ ہمیں ہمارے والدین
چھوڑ دیا' پھر شامی کے والد کا بھی انتقال ہو گیا اور میرے بھی کوئی ایسے ہمدرد نہ رہے'
دونوں ایک طرح سے ایک دوسرے کے سب کچھ ہیں اور طویل عرصے سے ساتھ سا
زندگی گزار رہے ہیں۔"

"کچھ ایسے لوگ آپ سے منسلک نہیں ہیں جو میرا مطلب ہے آپ کے بہت قر
ہوں۔"

"یہی تو بدقسمتی ہے کہ ہم صرف ایک دوسرے کے عزیز ہیں' ہمدرد ہیں' محبت کر
والے ہیں' رشتہ دار ہیں سب کچھ ہم ایک دوسرے کے ہی ہیں۔"

"ہوں' شامی صاحب کے ساتھ بچپن میں کچھ زیادتیاں ہوئی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں کچھ ایسی ہی بات تھی۔"

"خیر چھوڑیئے' ظاہر ہے میں گھریلو معاملات کو کریدنا نہیں چاہتی' میں تو بس یہ معلوم
رہی تھی کہ شامی صاحب کی فطرت میں یہ کیفیت کیسے پیدا ہوئی معاف کیجئے گا ہو سکتا ہے
آپ کو میرے خیالات سے اتفاق نہ ہو' بس یونہی میں اس موضوع پر بات کر رہی تھی۔"

"جی' جی کوئی حرج نہیں ہے اس سلسلے میں کچھ کہنے میں؟" فراز جلدی سے بولا۔

"جی ہاں میں کسی بھی طرح شامی صاحب کی توہین نہیں کرنا چاہتی' اصل میں بس
میرے ہاں ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اور ہم لوگ ان کے عادی ہو
ہیں۔ فراز صاحب یہ بات میں ان کے سامنے نہیں کہوں گی' لیکن آپ کے سامنے کر
سے گریز نہیں کرتی' آج کل ہر جگہ ہر قسم کے لوگ مل جایا کرتے ہیں اور انہی میں
کچھ کام کے بھی نکل جاتے ہیں' لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو بار بار اپنے
تبدیلیاں پیدا کرتے ہوں۔ شامی صاحب کی شخصیت تو کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ ایک طرح
میں انہیں اپنے دوستوں ہی میں شمار کرنے لگی ہوں' لیکن بعض اوقات مجھے دورے پڑ جا
ہیں' ایک عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے میری' دنیا سے بے زار بیزار سی ہو جاتی ہوں' ا
وقت میرے شناسا مجھ سے شدید نفرت کرنے لگتے ہیں۔ شامی صاحب کے ساتھ بھی ایک
ہی واقعہ ہو گیا ہے اور وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں حالانکہ انہوں نے میرے ساتھ

زیادتی کر ڈالی تھی' لیکن قصور تھوڑا سا میرا بھی تھا' البتہ مجھے اس بات کی امید بھی نہیں تھی
کہ وہ اس زیادتی کے بعد گارمنٹ سٹی کا ساتھ بھی چھوڑ دیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ ایسا
نہ کریں' انہوں نے اپنا استعفیٰ مجھے بھیج دیا ہے وہ استعفیٰ منظور نہیں ہوا اور معاف کیجئے گا
آپ لوگوں کا مجھ سے بہت تعارف نہیں ہے یہ فلیٹ میں نے شامی صاحب کو رہنے کے لئے
دیا ہے' اگر وہ اس بار بھی ملازمت چھوڑ دیں تو کبھی میرے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں
آئے گا کہ فلیٹ ان سے واپس لوں' ویسے ابھی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور شامی
صاحب سے تھوڑا سا میرا دوستی کا رشتہ بھی رہا ہے' میری سب سے بڑی توہین آپ لوگوں
نے اپنا یہ سامان باندھ کر فلیٹ چھوڑنے کا فیصلہ کر کے کی ہے' اس کا مطلب ہے کہ میں
ابھی تک شامی صاحب کی نگاہوں میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکی جو کسی دوست کا ہوتا ہے
اور وہ مجھے ایک گھٹیا قسم کی سرمایہ دار ہی سمجھتے ہیں۔"

"اول تو شامی ایسا سمجھتا نہیں ہے۔ جہاں تک اس کی سرکشی کا تعلق ہے بس یوں سمجھ
لیجئے میڈم کہ انسان کی ایک فطرت ہوتی ہے۔ آپ یقین کریں مجھ سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے
لیکن بہرحال اگر آپ کو اس فیصلے سے' میرا مطلب ہے ہمارے رویئے سے افسوس ہوا ہے تو
میں آپ سے انتہائی دست بستہ ہو کر معذرت کرتا ہوں' آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

"نہیں آپ معافی نہ مانگئے' لیکن اس تصور کو آپ ذہن سے نکال دیجئے۔ آخر اور بھی
تو رشتے ہوتے ہیں' شامی صاحب گارمنٹ سٹی جوئن کریں یا نہ کریں' لیکن خدارا آپ فلیٹ
سے نکلنے کی بات کبھی خواب میں بھی نہ سوچئے۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو میں اس کے
کاغذات آپ کے پاس بھجوا کر اسے آپ کے نام ٹرانسفر کئے دیتی ہوں۔"

"ارے نہیں نہیں' خدا کی قسم آپ شرمندہ نہ کریں بس میں اس کمینے کو سمجھا دوں
گا۔"

"اس کے علاوہ فراز صاحب' آپ ان سے میری وکالت بھی کیجئے۔ آپ ان سے کہئے
کہ اگر کوئی دوست بیمار ہو تو کیا اس سے رشتہ توڑ لیا جاتا ہے۔ اس سے علیحدگی اختیار کر لی
جاتی ہے۔ یہ تو ظلم اور ناانصافی ہے۔ ان سے یہ بھی کہئے کہ انہوں نے تو گارمنٹ سٹی کو
ایک عبادت گاہ کہا تھا' اب اتنی بے رخی کیوں؟"

"وہ پاگل ہے' آپ جیسے لوگوں کا ساتھ چھوڑنے کا تصور بھی دیوانگی ہے۔" فراز نے
کہا۔

"نہیں' ہر انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ میں مانتی ہوں میرے اندر لاتعداد
کمزوریاں ہیں لیکن۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

فراز نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے تصورات ڈانواں ڈول ہونے لگے۔ وہ
فرم کی مالکہ ہے اور شامی صرف ملازم۔ کیا یہ صرف ایک مالک کا ملازم سے رابطہ ہے۔ یا پھر

شاہی ہی کا کہنا درست ہے لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ میڈم نے کافی کی پیالی خالی ک
پھر اٹھتی ہوئی بولی۔

"اب مجھے اجازت دیجئے۔ آپ میرا موقف سمجھ گئے ہیں نا؟"

"جی بالکل۔"

"شکریہ۔" وہ دروازے کی طرف مڑ گئی۔ فراز اسے دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔

□

زیادہ پیسے نہیں خرچ ہوئے تھے' چھ ہزار بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کے
دور میں بھی اتنی بڑی تنخواہ کبھی نہیں آئی تھی۔ بہرحال بچے ہوئے پیسے تابندہ نے فیروزہ بیگ
کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"میں - میں کیا کروں؟"

"تو پھر؟" تابندہ حیرت سے بولی۔

"میرا مطلب ہے۔" فیروزہ بیگم جھجک کر بولیں۔

"بھئی مجھے جو عیاشی کرنی تھی کر لی۔ اب مجھے پیسوں کی کیا ضرورت ہے۔ فیکٹری ک
گاڑی لاتی اور لے جاتی ہے۔ چائے' دوپہر کا کھانا فیکٹری سے ملتا ہے' میرا تو کوئی خرچ نہیں
ہے آپ گھر کی ضروریات نبھایئے۔"

فیروزہ بیگم نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ تمہاری ذمہ داری تو نہیں تھی تابندہ؟"

"کیوں امی' میرے خیال میں بہت سے پرانے خیالات غلط ہیں' جنس اور ذمہ داری ک
جو مفروضات تراشے گئے ہیں وہ بے معنی ہیں۔ دنیا میں آنے والے اللہ کی مرضی سے آ
ہیں۔ ماں باپ صرف لڑکے لڑکیاں نہیں پیدا کر سکتے یہ صرف اللہ کے کام ہیں۔ وہ اپنی اولا
کو پورے خلوص سے پالتے ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت' دونوں پر فرض بنتا ہے کہ بڑے ہ
کر ماں باپ کی خدمت کریں۔"

"لڑکیوں پر یہ ذمہ داری نہیں ہوتی بیٹی۔"

"اسی بات کو تو غلط کہہ رہی ہوں میں۔ ذمہ داریوں کا تعین حالات پر ہوتا ہے۔ کسی
اللہ نے اگر صرف بیٹیاں دے دی ہیں تو یہ اس کا جرم تو نہیں ہوتا۔ آخر اس نے اسی محن
سے بیٹیوں کو جوان کیا ہے۔ بیٹیوں پر بھی حالات کے تحت وہی فرائض عائد ہوتے ہیں۔"

"اب میں کیا کہوں؟" فیروزہ بیگم بولیں۔

"کچھ نہ کہیں' محبت کے ساتھ گھر کے معاملات سنبھالیں۔ میری ذمہ داری بس ی
دیکھیں کہ میں محنت سے کام کرتی رہوں۔" تابندہ نے کہا اور فیروزہ بیگم ٹھنڈی سانس ل
کر خاموش ہو گئیں۔

تابندہ مطمئن ہو گئی۔ اتنی بڑی تنخواہ اس کے تصور میں بھی نہیں تھی لیکن اسے اند

تھا کہ مسز عالمگیر اس سے بہت خوش ہیں۔ ان کا پہلے سے موجود ڈیزائنر بھی تابندہ کی کام سے
بہت متاثر تھا۔ اس نے کہا۔

"بیگم صاحبہ! تابندہ مجھ سے بہت اچھا کام کرتی ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اب
چیف ڈیزائنر کا عہدہ انہیں دیا جائے۔" مسز عالمگیر نے مسکرا کر ڈیزائنر کو دیکھا پھر بولی۔

"ہمیں صرف ڈیزائنر کی ہی ضرورت نہیں بلکہ ایک بڑا انسان بھی درکار ہے۔"

"میں سمجھا نہیں بیگم صاحبہ۔"

"یہ آپ کی بڑائی ہے کہ آپ نے تابندہ کے کام کو اپنے کام سے اچھا تسلیم کیا۔ ہمیں
اتنے بڑے انسان کی ضرورت ہے۔" چیف ڈیزائنر نے سر جھکا لیا تھا۔ مسز عالمگیر نے تابندہ
سے کہا۔

"تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟"

"میں تو ابھی اسٹوڈنٹ ہوں میڈم۔"

"گڈ۔ مجھے اتنے ہی اچھے انسانوں کی ضرورت ہے۔"

مسز عالمگیر تابندہ سے بہت خوش تھیں۔ ایک صبح وہ آفس پہنچیں تو تابندہ سیٹ پر موجود
نہیں تھی۔ چپراسی سے انہوں نے تابندہ کے بارے میں پوچھا۔

"فیکٹری میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" مسز عالمگیر نے کہا اور سلائی سیکشن میں داخل ہو گئی۔ تابندہ مشین پر
بیٹھی سلائی کر رہی تھی۔

"کوئی سیمپل تیار کر رہی ہو؟"

"نہیں میڈم۔ میرے پاس اب کوئی سیمپل نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"وہ بس میں نے سوچا بے کار کیوں بیٹھوں۔"

"ہوں' کتنی رہ گئی ہے یہ شرٹ؟"

"جی بس دس منٹ کا کام ہے۔"

"اسے مکمل کرنے کے بعد میرے پاس آ جاؤ۔"

"جی بہتر۔" تابندہ نے کہا اور مسز عالمگیر آگے بڑھ گئیں۔ دس منٹ کے بعد وہ مسز
عالمگیر کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"بیٹھو!" انہوں نے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔ مسز عالمگیر کچھ سوچنے لگی تھیں پھر انہوں نے
کہا۔ "یہاں سے جانے کے بعد تمہارے مشاغل کیا رہتے ہیں؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"پھر بھی؟"

"بس گھر کے کام کاج دیکھتی ہوں۔"

"اگر میں تم سے تمہارے گھر کے بارے میں کچھ معلومات کروں تو تمہیں اعتراض گا؟"

"جی۔ کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" وہ سادگی سے بولی۔

"شکریہ، کتنے افراد ہیں تمہارے گھر میں؟"

"اب مجھ سمیت پانچ۔"

"اب سے کیا مراد ہے؟"

"پہلے سات فراد تھے۔ دو ماں باپ، دو بھائی، دو بہنیں اور میں۔"

"اور اب؟"

"دونوں بھائی اب ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ سب سے بڑے بھائی شادی کر کے بیرا ملک چلے گئے۔ دوسرے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے۔ والد صاحب ایک حادثے میں معذا ہو گئے۔ اب بہنوں میں، سب سے بڑی میں ہوں۔"

"اوہ۔ گھر کے اخراجات کی ذمہ دار اب صرف تم ہو۔ میرا مطلب ہے جو بڑے بھا شادی شدہ ہیں وہ گھر کو سپورٹ کرتے ہیں یا نہیں۔"

"ہمیں تو اب ان کا پتا بھی نہیں معلوم۔"

"اور چھوٹے۔"

"وہ۔ وہ۔" تابندہ کی آواز رندھ گئی۔ مسز عالمگیر کے چہرے پر تاسف کے آثار نمو ہو گئے تھے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"تابندہ۔ ایک بات کہوں۔ برا مت ماننا، گھر کی ضروریات کے سلسلے میں اگر میری مد ضرورت ہو تو کبھی کوئی تکلف نہ کرنا۔"

"ایک بات میں بھی کہوں میڈم۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو۔" تابندہ نے عجیب سے میں کہا۔

"ضرور۔"

"آپ نے جس حیثیت سے بھی مجھ سے میرے بارے میں معلوم کیا۔ میں نے م آپ کے حکم کا احترام کرتے ہوئے سچائی سے سب کچھ بتا دیا۔ آپ مجھے اتنی اچھی لگی کہ میں آپ سے مجبوراً بھی جھوٹ نہیں بول سکتی لیکن میں آپ سے ایک سوال بھی چاہتی ہوں۔"

"وہ بھی کرو!"

"آپ نے میری تنخواہ چھ ہزار کیوں لگائی ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ میری اوقات سے زیادہ ہے۔"

"نہیں تابندہ۔ اگر تمہارے ذہن میں ایسا کوئی خیال ہے تو اسے دل سے نکال دو۔ تمہاری کارکردگی کا معاوضہ اتنا ہی بنتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ آپ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے جیسی آپ کی درجنوں ورکرز ہیں۔ اب میری ایک عرض داشت اور سن لیجئے۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ ہمیں کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مجھے تمہاری خود داری پر فخر ہے تابندہ۔ عورت، بیٹی اپنا ایک مضبوط مقام رکھتی ہے۔ اسے اس مقام سے گرنا نہیں چاہئے۔ آؤ یہاں سے اٹھیں۔ تم نے آج مجھے میرا موڈ بدل دیا ہے۔"

"جی؟"

"بھئی تم کسوٹی پر ہو۔ میں اس فرم کی مالک، تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔ تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ آؤ میں ایک شریف عورت ہوں۔ کیا تمہیں اس پر یقین نہیں ہے۔"

"سوری میڈم۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے شرمندہ ہو کر کہا۔

میڈم اسے اپنے ساتھ لے کر چل پڑی۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہی تھی اور اسے اپنے قریب جگہ دی تھی۔ وہ اسے اپنے خوبصورت کوٹھی لے گئی۔ اندر داخل ہوکر اس نے ملازم سے کہا۔ "رحیم بابا۔ ہم دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھائیں گے۔"

"جی بیگم صاحبہ۔" رحیم بابا نے کہا۔

"ہمارے لئے چائے بھجوا دو۔" مسز عالمگیر نے کہا اور پھر اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ "اطمینان سے بیٹھو اور تھوڑی دیر کے لئے میری دوست بن جاؤ۔"

تابندہ ہنس دی تھی۔ مسز عالمگیر نے کہا۔ "میں بھی تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ یہ انسانی کمزوری ہے اور بہرحال میں انسان تو ہوں۔"

"کیوں نہیں میڈم؟"

"کچھ تصویریں دکھاؤں تمہیں۔" مسز عالمگیر نے کہا اور ایک الماری سے ایک البم نکال لائی۔ البم گود میں رکھ کر وہ تابندہ کے سامنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "میرا تعلق بھی ایک غریب گھرانے سے ہے۔ ہم دو بہنیں تھیں ایک بھائی۔ بھائی سب سے بڑے اور بے حد شریف انسان تھے۔ ماں باپ، ذرا مختلف خیالات کے حامل تھے۔ خاص طور سے والدہ مرحومہ۔ شاید اس لئے کہ وہ قدرے بہتر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد صاحب کی آمدنی معمولی تھی وہ کبھی خوش نہ رہیں۔ بچے جوان ہوئے تو وہ ایسے رشتوں کا انتظار کرتی رہیں جو اعلیٰ حیثیت کے حامل ہوں۔ بہت سے رشتوں کا الٹ پھیر ہوا مگر والدہ صاحبہ کو نہ

بھائی کے لئے کوئی معیاری رشتہ ملا نہ بڑی بہن کے لئے۔ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ بھائی بوڑھے ہو گئے بہن کے بال سفید ہونے لگے۔ بس میرا مقدر کھل گیا۔ مسٹر عالمگیر ایک دولت مند انسان تھے۔ شادی شدہ تھے۔ بے اولاد تھے اور اولاد کے لئے دوسری شادی کے خواہش مند تھے۔ والدہ نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور مجھے مسز عالمگیر بنا دیا گیا۔ میرے شوہر سخت مزاج انسان تھے اور پھر عمر میں مجھ سے بہت بڑے بھی تھے۔ میں ان سے بہت خوف زدہ رہتی تھی۔ چنانچہ میری ان سے کبھی ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکی' پھر تقدیر نے کچھ اور اہم فیصلے کئے۔ مسٹر عالمگیر کی پہلی بیگم کے ہاں اولاد پیدا ہو گئی۔ وہ بیٹے کے باپ بن گئے اور ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ میرا گراف ایک دم گر گیا وہ اپنے کئے پر پچھتانے لگے۔ بڑی بیگم سے ان کا اتفاق بے پناہ بڑھ گیا۔ قدرت انہیں نوازنے پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے وہ تین بیٹوں کے باپ بن گئے اور یہ تینوں بیٹے ان کی پہلی بیگم کے ہاں ہوئے۔ چوتھا بیٹا میرا تھا لیکن اب میرے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اسے وہ عزت وہ مقام نہیں ملا جو پہلے پیدا ہونے والے بیٹوں کو حاصل تھا۔ بڑی بیگم کا مقام ہی کچھ اور تھا۔ مجھے اپنی ہر تذلیل گوارہ تھی لیکن میرے بچے سے جو بے اعتنائی برتی جا رہی تھی وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ میں بری طرح مغموم رہنے لگی۔ کرنے والے اپنا کام کر کے چلے گئے۔ میری بڑی بہن فوت ہوئیں۔ پھر والدہ' اور پھر بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب میں اپنے بچے کے ساتھ تنہا تھی اور میرا کوئی معیار نہیں تھا لیکن میں اپنے بیٹے کے لئے جینا چاہتی تھی۔ مجھے اس کے مستقبل کے بارے میں سوچنا تھا۔ چنانچہ میں نے مسٹر عالمگیر سے طلاق طلب کر لی۔ وہ تو جیسے اس کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ بڑی بیگم کی طرف سے بھی ان پر دباؤ تھا۔ چنانچہ مجھے طلاق مل گئی۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ میں کیا کروں گی البتہ انہوں نے مجھ پر ایک احسان ضرور کیا وہ یہ کہ مجھے مہر کی رقم ادا کر دی۔ اس کے علاوہ میرے بچے کے لئے بھی کچھ ماہانہ مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے کہا کہ وہ ماہانہ مقرر کرنے کی بجائے ایک مناسب رقم ادا کر دیں تاکہ میں مستقبل کے لئے کوئی ذریعہ معاش تلاش کر لوں۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے اور انہوں نے مجھے ایک معقول رقم ادا کر دی۔ میں نے پوری ہوشیاری سے ایک کمرشل پلاٹ خریدا۔ نیچے ایک دکان بنوائی اوپر رہائش گاہ پھر کچھ سلائی مشینیں خریدیں۔ بچے کی دیکھ بھال کے لئے ایک ملازمہ رکھی اور ایک ٹیلرنگ ہاؤس کھول لیا۔ اللہ نے میری مدد کی میرا ٹیلرنگ ہاؤس ترقی کرتا چلا گیا اور آج یہاں میری فیکٹری ہے یہی وہ پلاٹ ہے۔ میں نے بعد میں اس کے آس پاس بہت سے پلاٹ خرید لئے تھے۔"

تابندہ پوری دلچسپی سے یہ داستان سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"اور پھر آپ کا بیٹا؟"

"ڈاکٹر بن چکا ہے۔ ہارٹ اسپیشلسٹ بن کر آنے والا ہے۔" مسز عالمگیر نے کہا اور

تابندہ کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ اسے ایک اور ڈاکٹر یاد آ گیا تھا پھر بھی اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"اتنا بڑا ہو گیا ہے وہ؟"

"ہاں۔" مسز عالمگیر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر البم کھول کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"یہ نعمان عالمگیر ہے۔" انہوں نے ایک خوبصورت نوجوان کی تصویر دکھائی اور وہ حیران رہ گئی۔ بھرپور نوجوان تھا جبکہ مسز عالمگیر اتنی عمر کے کسی نوجوان کی ماں نہیں لگتی تھیں۔ وہ ایک صحت مند خاتون تھیں تاہم یہ کوئی کہنے کی بات نہیں تھی۔

اس کے بعد وہ اسے دوسری تصاویر دکھاتی رہیں اپنے والدین وغیرہ کے بارے میں بتاتی رہیں۔ تب تک ملازم نے لنچ کی اطلاع دی۔ تابندہ نے ان کے ساتھ لنچ کیا۔ اس کے بعد بھی وہ بہت دیر تک ان کے ساتھ رہی پھر وہ بولیں۔ "اب کیا پروگرام ہے؟"

"جی۔ وہ فیکٹری۔"

"ہاں۔ وہیں چلتے ہیں۔ تمہارے پروگرام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔"

دونوں فیکٹری آ گئیں اور تابندہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی لیکن اسی رات وہ بہت دیر تک مسز عالمگیر کے بارے میں سوچتی رہی۔ آہنی عزم رکھنے والی عورت تھی۔ ورنہ اس طرح ماحول کو قابو میں نہ کر لیتی۔ اس کا مطلب ہے کہ اصل چیز محنت ہے۔ اگر محنت سے کام لیا جائے تو سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ وہ سوچتے سوچتے سو گئی۔

❑

محمود صاحب چڑ گئے تھے۔ بیٹے کو تعلیم تو ضرور دلانا چاہتے تھے لیکن اپنے نظریات کے مطابق۔ اکیلا بیٹا تھا نہ جانے کیا کیا سوچا تھا اس کے بارے میں' لیکن اس نے سب کچھ ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ بہت اعتماد تھا اسے خود پر۔ محمود صاحب پر پہلی ضرب تو اس وقت پڑی تھی جب حسن نے اپنے طور پر امریکہ روانگی کا بندوبست کر لیا تھا۔ آسان کام نہیں تھا اور انہیں اس کی امید بھی نہیں تھی لیکن حسن امریکہ چلا گیا تھا۔

اس کے امریکہ جانے کے بعد انہوں نے سوچا تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد حواس ٹھکانے آ جائیں گے۔ امریکہ میں رہنا اور رہائش اور تعلیمی اخراجات برداشت کرنا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑے ہی دن میں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا اور وہ گھر سے رجوع کرے گا لیکن کسی میڈیکل سینٹر سے اسپانسر شپ لے کر تعلیم پوری کرنے میں کامیابی نے ان پر ایک اور تازیانہ لگایا تھا اور اب وہ تلملا رہے تھے۔ اسے نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ بارہا۔ انہوں نے دل میں بیٹے کے لئے تڑپ بھی محسوس کی تھی۔ آخر باپ تھے لیکن اب انہیں اس پر شدید غصہ تھا۔ اس نے محمود صاحب کو بالکل ہی نیچا دکھا دیا تھا۔

عدالت میں ہاشم علی سے ملے۔ ہاشم علی اس بارے میں فراخ چشم انسان تھے' اسی

یگانگت سے محمود احمد سے ملے۔

"سناؤ محمود کیا حال ہے؟"

"شکر ہے۔ آپ سنائیے۔"

"یہاں بھی شکر ہے۔ بچے کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہیں۔"

"حسن کا فون وغیرہ آیا تھا؟"

"ہاں۔ خط آیا تھا۔"

"وہ تم سے ناراض ہو کر گیا ہے؟"

"ہاں ہاشم علی، مجھے بیٹے کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے۔" محمود احمد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور بیرسٹر ہاشم علی گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم آزردہ ہو؟"

"شکست سے کوئی خوشی نہیں ہوتی ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ اس نے میری بات نہیں مانی اور امریکہ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ کاش وہ ہمارے درمیان گہری دوستی کا باعث بن جاتا۔"

"میں اب بھی تمہارا گہرا دوست ہوں محمود احمد۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے یہ نئی نسل۔ کیا کہا جا سکتا ہے اس کے بارے میں۔"

"تم عظیم انسان ہو ہاشم علی، غزل کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ میں اور میری بیوی پندرہ دن کے لئے اس کے پاس جا رہے ہیں۔"

"اوہو کب؟"

"پروگرام بنا رہے ہیں۔ فائنل نہیں ہوا۔"

"ویسے یہ دونوں تو ایک ہی جگہ ہوں گے۔"

"میرے خیال میں کچھ فاصلہ ہے۔ الگ الگ جگہیں ہیں۔"

"غزل نے کبھی حسن کے بارے میں کچھ لکھا تو نہیں؟"

"خوب یاد آیا۔ اس نے امریکہ میں حسن کا پتا مانگا تھا۔ بات میرے ذہن سے اتر گئی۔" ہاشم علی نے کہا اور محمود احمد عجیب سی نظروں سے ہاشم علی کو دیکھنے لگے۔ ہاشم علی نے بھی محسوس کر لیا اور بولا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"کہہ نہیں سکتا ہاشم علی۔ ناراض ہو جاؤ گے؟"

"نہیں کہو کیا بات ہے؟ میں تم سے دوستی کا دعویٰ رکھتا ہوں۔ بولو کیا بات ہے؟"

"کیا میری یہ شکست فتح میں بدل سکتی ہے ہاشم علی؟"

"کیسے؟ بتاؤ۔"

"وعدہ کرو پھر انہیں مانو گے۔"

"چلو وعدہ کرتا ہوں۔"

"حسن کو غزل کے ذریعہ شکست دی جا سکتی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"غزل ایک باصلاحیت لڑکی ہے اور حسن۔ وہ زیادہ گہری شخصیت کا مالک نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں اسے وہاں کی ہوا سے بچایا جائے اور غزل اسے اپنی جانب رجوع کر لے۔ تم مجھ سے ناراض نہ ہونے کا وعدہ کر چکے ہو ہاشم علی۔"

"نہیں محمود۔ میں بھی غزل کے لئے ایک بہتر مستقبل چاہتا ہوں اور حسن مجھے ایک بہترین لڑکا نظر آیا تھا۔ میری خود دلی خواہش تھی غزل خود بھی حسن کو پسند کرتی ہے۔ ہم دقیانوسی لوگ نہیں ہیں بچے اگر دیانت سے اپنے بہتر مستقبل کا فیصلہ کر لیں تو ہمیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم میرے قابل فخر دوست ہو ہاشم علی۔ میں تمہاری اعلیٰ ظرفی کو کبھی نہ بھول سکوں گا۔"

"حسن پر یہ ضد کیوں سوار ہوئی؟"

"بس۔ کیا کہا جا سکتا ہے؟" محمود احمد نے اصل بات خوبصورتی سے چھپالی۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم کہتے ہو تو میں صرف اس زبان میں جس میں باپ اپنی بیٹی سے اس موضوع پر بات کر سکتا ہے اس سے بات کر لوں گا۔ ہاں تم مجھے اس کا پتا بتاؤ۔"

محمود احمد نے حسن کا پتا پوری تفصیل کے ساتھ ہاشم علی کو بتا دیا۔

□

شاہی واپس آ گیا۔ اس نے بیل بجائی تو فراز نے دروازہ کھول دیا۔ "ہیلو شیر دل عاشق کہو سب خیریت ہے؟"

"ہاں۔"

"ظالم جادوگر کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"غائب معلوم ہوتا ہے۔"

"گڈ، صندل پری سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں۔"

"کر لینی چاہئے تھی۔ اب تو انہیں ہمارے پورے سہارے کی ضرورت ہے اور پھر اس ایجاب و قبول کے بعد تو ان کا ہم پر پورا حق ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فراز نے جھینپ کر کہا۔

"دیکھیں؟ اب تو میرا بھی رشتہ ہے ان سے۔"

"ابھی مناسب نہیں ہے۔ ویسے میں واقعی پریشان ہوں کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا"

"فوری حل تو ایک ہی ہے۔" شامی نے کہا۔

"کیا؟"

"فرید احمد صاحب کو ہسپتال پہنچا دیا جائے کچھ عرصے وہ وہاں رہیں گے اس کے بعد دیکھا جائے گا ویسے ہو سکتا ہے اس دوران کوئی حل سمجھ میں آ جائے۔"

"ہسپتال کیسے پہنچاؤ گے؟"

"سر پھاڑ کر۔"

"فضول باتوں کے تو تم ماہر ہو۔"

"نہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ کوئی ایسی ترکیب جس سے انہیں ہسپتال پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ کوئی حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"دماغ خراب ہے۔" فراز حیرت سے بولا۔

"کیوں؟"

"ہم جیل نہیں پہنچ جائیں گے۔"

"دماغ تمہارا خراب ہے۔ وہ اس طرح زخمی نہیں ہوں گے کہ بات ہمارے او[پر] آئے۔"

"نہیں شامی یہ جرم ہے۔"

"وہ بھی تو مجرم ہیں۔ تین جیتے جاگتے انسانوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دینے کے مجرم۔"

"پھر بھی ہم اپنے ضمیر پر بوجھ نہیں لیں گے۔"

"دیکھا جائے گا یار۔ میں تم سے مشورہ نہیں مانگ رہا۔" شامی نے کہا اور فراز اسے گھورنے لگا۔ "میڈم آئی تھیں۔"

"کون میڈم؟"

"گارمنٹ سٹی کی مالک۔"

"اب تم بکواس پر اتر آئے ہو۔" شامی نے کہا۔

"خدا کی قسم سچ کہہ رہا ہوں۔ بہت عمدہ خاتون ہیں اور تم سے بہت مخلص۔"

"تفصیل بتاؤ۔" شامی نے کہا اور فراز نے اسے پوری تفصیل سنا دی۔ شامی سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"پتا نہیں کیا قصہ ہے اس کی دیوانگی کا۔ کوئی نفسیاتی کیس معلوم ہوتا ہے مگر یار یہ نہیں پتا چلتا کہ کس بات سے اس کی یہ حس جاگ پڑتی ہے۔"

"تم اتنے بے وقوف تو نہیں۔ کوشش کر کے پتا چلا سکتے ہو۔"

"ایک بات بتاؤ۔ کیا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے؟"

"شامی! برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔ وہ ان خیالات کی حامل عورت نہیں ہے۔ وہ اپنے کسی غم میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور پھر ویسے بھی وہ عمر میں تم سے بڑی ہو گی۔ اگر اس کے اندر یہ عورت نہیں ہوتی تو تمہارا کیا خیال ہے عشق کرنے کے لئے تم ہی رہ گئے تھے۔ اس کی جو شکل و صورت ہے' جو معیار ہے اس کے تحت اسے بہترین لوگ مل سکتے ہیں نتیجتہً وہ ایک نفیس عورت ضرور ہے اور تم سے مخلص ہے۔ میں تمہیں اس کے الفاظ تو بتا ہی چکا ہوں۔"

"ہاں کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔" شامی آہستہ سے بولا پھر کہنے لگا..... "لیکن کبھی کبھی وہ میری جانب ضرورت سے زیادہ ملتفت نظر آتی ہے۔ مجھے اس سے دھوکہ ہوا تھا۔"

"کیا تم اسے چاہنے لگے ہو؟"

"ہے تو چاہی جانے کے قابل۔"

"میری جان محبت کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ دوستی بھی تو محبت ہی کا ایک نام ہے۔"

"زبردست۔ عظیم ماہر عشق ہوتے جا رہے ہو۔"

"خدا کی قسم میں اس عورت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ بہت ہی نفیس عورت ہے' شامی اسے چھوڑنا مناسب نہیں ہے بلکہ میں تو ایک اور مشورہ دینا چاہتا ہوں تمہیں۔"

"ارشاد؟" شامی نے کہا۔

"اپنے تصورات چھوڑو۔ اس بات کے تم بھی قائل ہو گے کہ اسے دوسرے پرچیز افسر مل سکتے ہیں مگر وہ تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتی وہ اس بات سے دکھی ہو گئی کہ ہم لوگ فلیٹ چھوڑنے کا خیال رکھتے ہیں وہ تمہیں یگانگت کی نگاہ سی دیکھتی ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے دوستی چاہتی ہے۔ وہ تمہاری تلاش میں اپنی انا توڑ کر یہاں آ گئی۔ شامی صرف ایک اچھے ملازم کے لئے مالک یہ سب کچھ نہیں کرتے۔ میں بھی ملازمت کرتا ہوں۔"

"ہاں۔ مجھے اس کی امید نہیں تھی۔"

"ممکن ہے اسے تمہارے اندر ایک دوست نظر آیا ہو۔ ممکن ہے یہ بند کتاب تمہارے سامنے کھلنا چاہتی ہو۔ میرے خیال میں تمہیں اسے سہارا دینا چاہئے۔"

"بس یار۔ اپنی کھوپڑی بھی الٹی ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر اعجاز مجھے اس کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا ہے۔"

"کیا بتا چکا ہے؟"

"یہی کہ وہ دماغی مریضہ ہے۔ اس کے اندر کوئی گہرا راز پوشیدہ ہے۔"

"پھر کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"اس وقت تو میں صاعقہ بھابی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ سچ یہ سوچتا رہا تھا فلیٹ بدلنا اس لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں سے دور ہو جائیں گے۔"

"اس کے علاوہ بھی شامی۔ ذرا سوچو۔ میرے خیال میں اپنا رویہ بدل دو۔"

"او کے' ٹرائی کرتا ہوں۔"

"کل جاؤ گے؟"

"ہاں چونکہ وہ خود یہاں آ چکی ہے اس لئے اب میرے جانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

"گڈ۔ مجھے خوشی ہوئی۔"

"لیکن اس ظالم جادوگر کے بارے میں تو کچھ سوچو۔"

"سوچ رہا ہوں یار۔ اب تو قول ہار چکا ہوں۔ کچھ کر کے ہی رہیں گے۔"

دوسرے دن شامی دفتر پہنچ گیا۔ ذکی صاحب کو جیسے ہی اس کی آمد کی طلاع ملی اس کے پاس آ گئے۔

"خیریت شامی صاحب؟ طبیعت تو ٹھیک تھی؟" شامی نے ذکی صاحب کو دیکھا۔ اسے احساس ہوا گیا کہ ذکی صاحب کو استعفیٰ کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ "میڈم بھی دو دن آفس نہیں آئیں۔ کل آئیں تو آپ کے بارے میں پوچھا۔ وہ خود بھی حیران ہو رہی تھیں کہ آپ آفس نہیں آئے۔"

"اماں کچھ ایمرجنسی ہو گئی تھی ذکی صاحب۔"

"آپ فون کر دیتے کہیں سے۔"

"نہیں کر سکا۔"

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں۔"

"چلئے تشویش ختم ہو گئی۔ میڈم سے ملاقات ہو گئی؟"

"ابھی نہیں۔"

"مل لیجئے ان سے۔ میں انہیں آپ کے آنے کے بارے میں اطلاع ..." ذکی صاحب چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میڈم نے شامی سے رابطہ کیا۔

"شامی صاحب۔ میرے پاس آ جایئے۔"

"جی بہتر!" شامی نے کہا۔ میڈم کے سامنے جاتے ہوئے اسے ایک سبکی کا احساس ہو رہا تھا۔ بہرحال وہ اجازت لے کر اندر داخل ہو گیا۔ مس مینا موجود تھی۔ میڈم نے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی پھر بولی۔

"بیٹھئے شامی صاحب' ذرا یہ ڈیزائن دیکھئے۔ مس مینا اس سے متعلق کچھ چیزوں

کی خواہش مند ہیں براہ کرم آپ نظر ڈال لیجئے۔ یہ ان کے کہنے کے مطابق ہمارے اسٹور میں تو موجود نہیں ہیں' بالکل نئی چیزیں ہیں' خریداری کرنا ہو گی اگر آپ کو معلومات حاصل ہوں تو ان کے بارے میں کہ کہاں سے مل سکیں گی تو ذرا دیکھ لیجئے۔" اس نے مس مینا کے ڈیزائن کئے ہوئے سوٹ اس کے سامنے رکھ دیئے اور شامی دل ہی دل میں مسکراتا ہوا ان کا جائزہ لینے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ میڈم نے اس طرح سے بات شروع کی ہے جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ البتہ یہ یقین اس کے دل میں پختہ ہو گیا کہ استعفیٰ کا لفافہ اسے موصول ہو چکا ہے۔ یہ تمام چیزیں دیکھنے کے بعد اس نے کہا۔

"جی یہ سب فراہم ہو جائیں گی۔ مس مینا یہ بتا دیں مجھے کہ کتنی کتنی تعداد میں انہیں یہ اشیاء درکار ہوں گی؟"

"سر! ویسے تو ہم اس ڈیزائن کے بارے میں بڑے پرامید ہیں' ہمیں اس کے بہت سے آرڈر ملیں گے' لیکن فی الحال آپ پانچ پانچ ہزار چیزوں کا بندوبست کر لیجئے۔ ہم پانچ ہزار سے ان کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"آپ اس کی فہرست بنا کر مجھے دے دیں مس مینا۔" اس نے کہا۔

"جی بہت بہتر' میں پہنچا دوں گی۔"

"ٹھیک ہے مینا اور کوئی بات؟"

"جی نہیں میڈم۔"

"تو پھر بس اب تم جاؤ' یہ ڈیزائن اپنے ساتھ لے جاؤ۔" اس نے کہا اور مس مینا نے سوٹ سنبھالے اور وہاں سے باہر نکل گئی۔ میڈم گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ چند لمحات وہ اسی طرح سے خاموش رہی' شامی بھی بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا پھر اس نے نگاہیں اٹھائیں اور بولی۔

"ناراضگی دور ہو گئی؟"

بہرحال اب اتنی دیوانگی بھی نہیں تھی شامی کے اندر کہ مفاہمت کے ان الفاظ کو بھی برے انداز میں وصول کرتا۔ آہستہ سے بولا۔

"ناراض تو آپ کو ہونا چاہئے تھا میڈم۔"

"میں تو ناراض ہوں۔" اس نے کہا اور شامی نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا' پھر آہستہ سے بولا۔

"مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"نہیں' یہ نہیں کہوں گی کہ مجھ سے معافی مانگو۔ ظاہر ہے معافی کی کوئی بات نہیں ہے' بس تم مجھے وہاں چھوڑ آئے تھے۔ میں بہت پریشان ہوئی لیکن ہر پریشانی کا حل ہوتا ہے البتہ تم نے یہ استعفیٰ وغیرہ کا جو کام کیا تھا وہ میرے لئے زیادہ ناخوشگوار تھا۔ وہ بات دفتری

معاملات سے تو متعلق تھی ہی نہیں شامی.... میں تو تم سے خود کہہ چکی ہوں کہ میں
ہوں اور ایک پاگل اگر کبھی دیوانگی کی کوئی بات کر ڈالے تو وہ تو قابل معافی ہوتا ہے' تم
چاہو تو میرا دماغی تجزیہ کرا ڈالو۔ یقین کرو میری دیوانگی کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔"

"آئی ایم سوری میڈم۔ آپ کے ان الفاظ کے بعد مجھے اپنی شدت پسندی کا افسوس
رہا ہے۔"

"چلو چھوڑو' بس یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آئندہ بھی میرے لئے معافی کے دروازے
رکھنا۔"

شامی شرمندہ ہو گیا تھا' خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر اس خاموشی کے دوران گزر
پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"میرے خیال میں اب آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟"

"ہاں نہیں ہوں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"شکریہ' میرے لئے اور کوئی حکم؟"

"چائے پیو گے؟"

"اس وقت بالکل انکار نہیں کروں گا' آپ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھنا چاہتا ہوں۔"
نے انٹر کام بیل بجائی اور چائے کے لئے کہہ کر انٹر کام رکھ دیا۔ دونوں کی سمجھ میں نہیں
رہا تھا کہ کیا باتیں کریں۔ شامی اسے ضرورت سے زیادہ نرم پا رہا تھا' کچھ دیر کے بعد
بولی۔

"ان دو دنوں میں غالباً تم ملازمت ہی تلاش کرتے رہے ہو گے؟"

"میڈم! آپ یقین کریں' ساری باتیں اپنی جگہ' میں نے صرف آوارہ گردی کی ہے
کچھ نہیں کیا۔"

"سامان تو بندھا ہوا تھا تمہارے فلیٹ کا؟"

"جی ہاں۔ اب تو وہ کھل گیا ہے۔" شامی نے کہا اور وہ آہستہ سے مسکرا دی پھر بولی

"ویسے یہ ایک اچھا لطیفہ ہے' یعنی وہ جو کہتے ہیں ناں کہ ٹھیک ہے ہم تو چلے۔"

"ایک اور واقعہ سناؤں آپ کو اگر آپ کی اجازت ہو تو۔ ویسے بھی ہمیں چائے کا
انتظار کرنا ہے اور میں آپ کا اتنا وقت ضرور برباد کروں گا۔"

"ہاں سناؤ۔"

"فراز سے ملاقات ہوئی تھی' آپ کی؟"

"ارے ہاں' فراز کے بارے میں تو تم سے بات کرنا ہی بھول گئی۔ کئی بار تذکرہ ہوا
اس کا۔ بھئی تمہارا ہم عمر ہی معلوم ہوتا ہے لیکن بہت سنجیدہ ہے اور بہت ہی نفیس طبع
کا مالک معلوم ہوتا ہے۔"

"جی ہاں' اور تھوڑا سا تذکرہ میں نے سامنے والے فلیٹ کا بھی کیا تھا؟"

"ہاں کچھ کیا تو تھا یاد نہیں رہا۔ براہ کرم بتاؤ' میں بھی اس وقت فرصت سے بیٹھی ہوئی
ہوں۔"

"میرا خیال ہے پھر شروع ہی سے مجھے آپ کو وہ واقعہ سنانا پڑے گا۔"

"شروع سے سناؤ۔" شامی نے سامنے والے فلیٹ سے تعارف کی تفصیل بتانا شروع کر
دی پھر اس نے امینہ بیگم' صاعقہ اور چھوٹی بچی انیلا کے بارے میں تفصیل بتائی' اس کے بعد
فرید احمد کا ذکر نکل آیا اور بات خاصی آگے تک ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے میڈم کو
آخر تک کی تفصیل بتا دی' اس پرچے کے بارے میں بھی بتایا۔ میڈم بڑی دلچسپی سے یہ
ساری کہانی سن رہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"تو گویا صاعقہ کی طرف سے جواب موصول ہو گیا؟"

"جی میڈم۔"

"ویری گڈ بھئی' یہ تو بڑا خوبصورت چیلنج ہے اور فراز نے مجھے بتایا تک نہیں۔ خیر اس
بے چارے سے میری ملاقات ہی کہاں ہوئی تھی اور ویسے بھی میں اپنی ہی مشکل میں اس
کے پاس پہنچی تھی۔ نجانے کیا سوچا ہو گا اس نے میرے بارے میں مگر شامی یہ واقعات بڑے
دلچسپ ہیں۔ تم نے مجھے اتنی تفصیل سے تو کبھی نہیں بتائے تھے؟"

"جی ہاں' بتائے تو تھے آپ کو تھوڑے بہت' لیکن اتنی تفصیل سے کبھی نہیں بتائے
اور پھر یہ تو تازہ واردات ہے جس کے بارے میں بہرحال آپ سے کچھ نہ کچھ مشورہ تو کرنا
تھا مجھے۔"

"اگر تم تفصیل پہلے ہی بتا دیتے تو شاید میں تمہیں اس وقت کوئی مناسب مشورہ دیتی'
بڑا کمینہ صفت ہے یہ شخص اور تم' تم نے اس سے تعارف حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر
کو باقاعدہ ریس کورس بنا دیا ویسے اتفاق کی بات ہے کہ میں نے تمہارے فلیٹ میں گھوڑوں
کی تصویریں نہیں دیکھی تھیں۔"

"اتار لی گئی ہیں۔ اب ان کی ضرورت نہیں تھی نا؟"

"اور وہ فیض شاہ کیا چیز ہے؟"

"بس جی آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ایک جاہل قسم کا' دولت مند آدمی ہے' لیکن میڈم بڑی
مشکلات سے گزر رہے ہیں ہم لوگ' اصل میں کوئی مناسب بات سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ بے
چاری امینہ بیگم ایک کچلی ہوئی خاتون ہیں اور انہیں ہر وقت ان سے خطرہ لگا رہتا ہے اور
اب تو وہ بے چاری زندگی سے اتنی عاجز آ گئی تھیں کہ واقعی اگر ان کی سننے کے لئے ہم
لوگ نہ ہوتے تو وہ خودکشی کر لیتیں۔"

میڈم کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شامی! تمہارے لئے بلکہ یہ تو ایک انسانی مسئلہ ہے' وہ بے چاری کچھ اس طرح ہو کر رہ گئی ہوں گی کہ ان کی جرات نہ پڑی کچھ کرنے کے لئے۔"

"کوئی سہارا ہی نہیں تھا' بے سہارا ہونے کی وجہ سے تو انہوں نے اس کم بخت کا حاصل کیا۔"

"خیر اب تو بات ہمارے علم میں آ گئی ہے اور شکر ہے خدانخواستہ اگر تم اپنے ... مسئلہ مول لئے ہوتے اور گھر میں بیٹھ جاتے تو نجانے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا۔"

"جی میں سمجھا نہیں۔"

"ٹھہرو میں تمہیں ابھی سمجھائے دیتی ہوں۔" اس نے کہا اور ٹیلی فون اٹھا کر ایک ڈائل کرنے لگی۔ شامی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لیا اور انتظار کرنے لگی۔ چند ہی لمحات کے بعد اسے ڈائریکٹ لائن پر جواب موصول ہوا بولی۔

"زلفی صاحب ہیں' زلفی صاحب آپ بول رہے ہیں؟"

"جی۔ جی میں میڈم بول رہی ہوں گارمنٹ سٹی سے۔"

"جی زلفی صاحب' مصروفیت کیا ہے' آفس میں ہیں؟"

"جی..... جی..... بہت بہتر۔"

"ہاں زلفی صاحب مجھے آپ کی اشد ضرورت ہے۔ جی نہیں آپ کو پتا ہے کہ انتظار کرنے کی قائل نہیں ہوں' آپ اپنے آفس سے زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کے اندر یہاں پہنچ سکتے ہیں ابھی آپ اپنی جگہ سے اٹھ جائیے اور پندرہ منٹ کے بعد م... پاس آ جائیے۔ بہت شکریہ زلفی صاحب۔ ہاں معاملہ ایسا ہی ہے اہم مشورہ کرنا ہے۔ بہتر بہت شکریہ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور شامی کی جانب دیکھنے لگی۔ شامی سوالیہ نگ... سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"زلفی صاحب کا نام شاید تم نے سنا ہو؟ بیرسٹر الیاس زلفی۔"

"اتفاق سے نہیں سنا ہے میں نے؟"

"میرے بہت اچھے کرم فرما ہیں۔ بیرسٹر ہیں۔ بس سمجھ لو' ویسے بڑی عجیب بات کیسے کیسے لوگ اس دنیا میں ہوتے ہیں شامی۔ خیر تم فکر مت کرنا بات ختم ہو گئی۔ فرید... کی ایسی کی تیسی۔ اصولی طور پر امینہ بیگم کو اس سے خلع لے لینا چاہئے تھا لیکن تم صورت حال بتا چکے ہو کہ اس بے چاری کے پاس اس کے ذرائع ہی نہیں تھے' سچی بات کہ جب انسان کے پاس ذرائع نہیں ہوتے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال بیرسٹر صا... بالکل صحیح مشورہ دے سکیں گے۔"

"یہ بھی خطرہ ہے میڈم کہ اگر فوری طور پر وہ بدبخت کچھ کرنے پر آمادہ ہو گیا

مطلب ہے کہ اگر فیض شاہ کا سہارا لے کر ہی اس نے کوئی عمل کر ڈالا تو وہ لوگ کہاں جائیں گے؟"

"اب تو تم اس مسئلے کو بالکل بھول ہی جاؤ' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خلع کے بارے میں ساری تفصیلات طے کرنے کے دوران ان حالات میں کہ امینہ بیگم یہ بھی کہہ دیں کہ انہیں اپنے شوہر سے اپنی زندگی اور اپنے بچوں کی زندگی کا خطرہ ہے تو پھر تو دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو فرید احمد کو گرفتار کیا جا سکتا ہے یا پھر امینہ بیگم کو پولیس کا تحفظ حاصل ہو سکتا ہے۔ دوسری ایک صورت یہ بھی ہے کہ انہیں وہ فلیٹ بدل دینا پڑے لیکن اس کے لئے بھی میرے پاس انتظام ہے۔ میں اس خاندان کو ایک الگ جگہ منتقل کر دوں گی۔"

شامی کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ درحقیقت یہ ایک ایسا قانونی طریقہ تھا جس میں نہ تو فرید احمد صاحب کا سر پھاڑنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ ہی انہیں ذاتی طور پر کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ خلع لینا امینہ بیگم کا حق تھا اور امینہ بیگم جب خود کشی کرنے پر آمادہ ہو گئی تھیں تو پھر بھلا یہ سہارا ملنے پر انہیں خلع لینے سے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میڈم کے ذہن میں بھی غالباً یہی سوال تھا۔ جلدی سے بولیں۔

"ہاں ایک بات البتہ تم مجھے بتا دو۔ خود امینہ بیگم کو تو اس سے طلاق لینے میں کوئی عار نہیں ہو گی؟"

"میرا خیال ہے بالکل نہیں ہو گی۔ تاہم پھر بھی میں بات کر لوں گا امینہ بیگم سے۔"

"یہ ذرا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ خود اس کے لئے تیار نہ ہوئیں تو پھر بے چارہ وکیل کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔"

"جی۔"

اتنی دیر میں چائے آ گئی۔ تو اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے اگر ہم مزید کچھ دیر انتظار کر لیں تو زلفی صاحب بھی ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہو جائیں گے۔"

"جی ضرور۔" شامی نے جواب دیا۔ اس کا دل خوشی سے کانپ رہا تھا' یہ مسئلہ تو بڑی خوبصورتی سے حل ہو رہا تھا۔ حالانکہ اس دوران اس نے نجانے کیا کیا حماقتیں سوچ ڈالی تھیں' یہ سوچا تھا کہ کسی طرح فرید احمد صاحب کو دھرے پر لگا دے اور انہیں گھوڑے کی سواری کرا ڈالے گھوڑا انہیں پھینک دے اور ان کی ہڈی پسلیاں ٹوٹ جائیں۔ اس قسم کے نجانے کتنے احمقانہ خیالات اس کے دل میں آئے تھے' لیکن میڈم نے جو ترکیب بتائی تھی وہ ان سب سے کہیں زیادہ شاندار تھی۔ اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا تانے بانے بننے لگے۔

پھر زلفی صاحب آ گئے باہر سے ان کی آمد کی اطلاع موصول ہوئی تھی' ایک عمدہ شخصیت کا معمر آدمی اندر آ گیا۔ بہت سنجیدہ شخصیت معلوم ہوتی تھی۔ میڈم نے ایک پروقار مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے بیٹھنے کی پیش کش کی پھر بولی۔

"چائے آ گئی ہے زلفی صاحب، ہم نے سوچا کہ آپ کے ساتھ ہی پی جائے، اس لئے ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"

"تھینک یو میڈم۔ تھینک یو ویری مچ۔"

"تو پھر پہلے چائے پیتے ہیں، اس کے بعد بات کریں گے ہم۔ ہاں یہ ہمارے پرچیز آفیسر احتشام احمد صاحب ہیں، شامی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔"

"ہیلو۔" زلفی صاحب نے کہا۔

چائے کی پیالیاں سب کے سامنے پہنچ گئیں اور چائے پی جانے لگی۔ اس دوران میڈم نے زلفی صاحب سے ان کی خیریت معلوم کی تھی اور رسمی گفتگو ہوتی رہی تھی پھر چائے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میڈم نے کہا۔

"زلفی صاحب ایک اہم مسئلہ ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی فرمائیے۔"

"ایک خاتون ہیں نام ہے امینہ بیگم، بلکہ یوں سمجھ لیں کہ پورا نام ہے امینہ فرید احمد۔ فرید احمد ان کے شوہر ہیں، دو بیٹیاں ہیں، جو ان خاتون کے پہلے شوہر کی اولاد ہیں۔"

"جی۔"

"آپ براہ کرم اہم نکات نوٹ کرتے جائیے۔ آپ کو ایک کیس کرنا ہے۔"

"ایک منٹ۔" زلفی صاحب نے کہا اور ساتھ لائے ہوئے بریف کیس سے ایک ڈائری نکال کر پین سنبھال لیا۔

"جی، خاتون کا نام امینہ زوجہ فرید احمد ہے، دو بیٹیوں کی ماں ہیں اور یہ دونوں بیٹیاں ان کے پہلے شوہر سے ہیں جو اب فرید احمد صاحب کی تحویل میں ہیں۔"

"جی بالکل۔"

"بچیوں کی عمریں کیا ہیں؟"

"ایک لڑکی جوان ہے اور دوسری چھوٹی عمر کی ہے، نو دس یا گیارہ سال کی ہو گی۔"

"جی۔"

"خاتون نے بچیوں کی پرورش کے لئے بحالت مجبوری فرید احمد صاحب سے شادی کرلی تھی، لیکن شادی کے بعد انہیں علم ہوا کہ فرید احمد آوارہ، شرابی اور جواری ہے، اس کی زندگی ریس کورس میں گزرتی ہے، فرید احمد نے انہیں ایک فلیٹ رہنے کے لئے دیا لیکن بس اس کے بعد ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ فاقہ کشی کی زندگی گزارتی رہی ہیں، فرید احمد ان پر بے پناہ مظالم کرتا ہے۔ بڑی بیٹی کی شادی وہ ایک ایسے عمر رسیدہ شخص سے کرنا چاہتا ہے جس کی عمر ہی بہت زیادہ ہے اور پھر وہ بالکل جاہل آدمی ہے، گویا مظالم کا ایک طویل سلسلہ ہے جو بہت عرصے سے چل رہا ہے اور اب امینہ بیگم اس بات پر تل گئی ہیں کہ اپنی بیٹیوں

کے ساتھ اجتماعی خودکشی کر لیں، چنانچہ ہم انہیں خودکشی سے روکنا چاہتے ہیں، کیونکہ امینہ بیگم لاوارث اور بے سہارا خاتون ہیں اور ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے وہ اس سے پہلے کبھی فرید احمد سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکیں۔ فرید احمد بہت ہی منہ زور اور بدتمیز آدمی ہے فوراً ہی مار پیٹ پر اتر آتا ہے اور بڑے برے حالات کا شکار ہیں وہ بے چاری عورتیں۔"

"قیام کہاں ہے ان کا؟" الیاس زلفی نے سوال کیا۔

"میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔" شامی نے کہا اور الیاس زلفی صاحب کو پوری تفصیل سے پتا نوٹ کرا دیا۔

"ٹھیک، تو اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"زلفی صاحب! دو باتیں ہیں، جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ وہ شخص شرابی اور جواری ہے، ظاہر ہے اس کے تعلقات برے لوگوں سے بھی ہوں گے، امینہ بیگم کی جانب سے اگر خلع کی درخواست پیش کی جاتی ہے تو ممکن ہے وہ اس کے ساتھ جارحیت پر اتر آئے، ایسی صورت میں اس بے چاری کے لئے تحفظ کا کوئی بندوبست نہیں ہے، لیکن چونکہ میں اس مسئلے میں شامل ہو رہی ہوں اس لئے میں اسے اس کے فلیٹ سے ہٹا کر کسی بہتر جگہ منتقل کر دوں گی تاکہ اسے کوئی دقت نہ ہو، سمجھ رہے ہیں نا آپ، اس لئے مجھ سے رابطہ رکھنا ہو گا آپ کو۔"

"یہ مزید اچھی بات ہے ہم اس کا کیس بہتر طور پر لڑ سکیں گے۔"

"بالکل بالکل یہی میرا مقصد ہے۔"

"ٹھیک ہے، تو پھر میں یوں کئے لیتا ہوں کہ مجھے آج کی مہلت دے دیجئے، کل میں وہ درخواست آپ کے پاس پہنچا دوں گا جو خلع کے لئے ہو گی، وکالت نامے میں میرا نام ہو گا اور ہم اس کیس کو آگے بڑھا دیں گے، اس دوران آپ امینہ بیگم کو جہاں بھی منتقل کرنا چاہیں کر دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے زلفی صاحب، کیوں احتشام صاحب، کیا آپ اس کارروائی سے مطمئن ہیں؟"

"جی بالکل۔"

"تو پھر مجھے اجازت۔" زلفی نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ زلفی صاحب۔" میڈم نے گردن خم کر کے کہا اور زلفی صاحب اپنا بریف کیس سنبھال کر اٹھے اور سلام کر کے باہر نکل گئے، شامی شکرگزار نگاہوں سے میڈم کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں ملیں تو مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"بہرحال میں آپ سے معذرت بھی کر چکا ہوں اور معافی بھی مانگ چکا ہوں۔"

"کس سلسلے میں بھئی؟" وہ بولی۔
"اب ذرا مجھے تفصیل میں نہ لے جایئے گا۔"
"تم اس کارروائی سے مطمئن ہو؟"
"جی ہاں میں بالکل مطمئن ہوں' میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اچانک ہی ایز
بیگم کے لئے اتنی بڑی کارروائی کا آغاز ہو جائے گا' ویسے میرا خیال ہے کہ جب وہ خاتون
خودکشی پر آمادہ ہیں تو پھر فرید احمد صاحب سے چھٹکارہ حاصل کرنے پر انہیں کوئی اعتراض
نہیں ہو گا' بے سہارا تھیں اس لئے مصیبت میں پڑی رہیں۔"
"ہاں یہ آپ دیکھ لیجئے گا' ظاہر ہے ان سے بات کرنا بھی ضروری ہو گا اور پھر جو
معاملات آپ کے علم میں آئیں گے شاہی صاحب ان پر تو ہمیں عمل کرنا ہی ہو گا۔"
"جی یقیناً' تو پھر مجھے بھی اجازت۔" شاہی نے زلفی صاحب کے سے انداز میں کہا اور و
ہنس پڑی۔
"ذرا دماغ کو قابو میں رکھا کرو میرے لئے' میں تو تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں شاہ
اپنے بارے میں۔"
"نہیں میڈم' آپ نے مجھے اپنے بارے میں کہاں بتایا ہے کچھ' ویسے اب میں آپ
سے یہ سوال کبھی نہیں کروں گا' البتہ ایک بات ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں' میں بڑی وفادا
شخصیت کا مالک ہوں' آپ کو اگر کبھی کسی ذہنی الجھن میں میرے تعاون کی ضرورت پیش
آئے تو یہ میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ مجھ سے اچھا تعاون کرنے والا آپ کو دوسرا کوئی
نہیں ملے گا' اجازت دیجئے گا۔" شاہی نے کہا اور وہ سپاٹ سے نگاہوں سے اسے دیکھنے لگ
شاہی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

□

غزل امریکہ پہنچ گئی تھی' ایک دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ زندگی کی تمام آسائش
اسے حاصل تھیں' فطرت میں تھوڑا سا لاابالی پن بے شک تھا' لیکن حسن نے اس کے ذ
پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ عموماً اس نے اپنی چاہتوں کو پا لیا تھا' جس چیز کی بھی زندگی میں طلب
ہوئی تھی وہ اسے مہیا ہو گئی تھی ضرورت سے آگے کبھی نہیں سوچا تھا' ضرورتیں پور
کرنے کے لئے بیرسٹر ہاشم علی نے ہمیشہ تعاون کیا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس کا خیال تھا
حسن کو تلاش کر لے گی' لیکن دو تین بار کوششیں کر چکی تھی' حسن کا پتا اسے کہیں
مل پا رہا تھا' ویسے بھی واشنگٹن میں یہ کام اتنا آسان نہیں تھا' سیکڑوں ادارے تھے' مختلف
کے اسپیشلائزیشن ہوا کرتے تھے اور اس کے لئے یہ طے نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کس نے ک
سے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا ہے' لیکن بہرطور یہاں پہنچنے کے بعد بھی اس کے ذ
سے حسن کا خیال نہیں نکل پایا تھا۔ اس کی انا بھی مجروح ہوئی تھی لیکن دیوانگی نہیں طا

ہوئی تھی اس پر کبھی' یہ اس کی فطرت کا ایک مضبوط پہلو تھا۔
یہاں آنے کے بعد بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی' ہاسٹل میں رہتی تھی جس
کے اخراجات بے پناہ تھے' ہاشم علی سے ٹیلی فون اور خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رہتا تھا'
ہاشم علی نے اسے پیش کش کی تھی کہ اگر ممکن ہو سکا تو وہ اس کے لئے پرائیویٹ رہائش کا
بندوبست کر دیں گے' پھر بات یہ طے ہوئی تھی کہ وہ خود امریکہ آ کر اس صورت حال کا
جائزہ لیں گے۔ اپنے انسٹی ٹیوٹ میں اس کی ملاقات چند ایسے لوگوں سے ہوئی تھی جو اسی
کے وطن سے تعلق رکھتے تھے' ان میں دو لڑکیاں اور کئی نوجوان تھے' سب سے اس کا
تعارف تھا' لیکن یہاں کے آزادانہ ماحول میں وہ ان لوگوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی بس
ایک بار اپنے ہم وطنوں کی پیش کش پر وہ ایک تفریحی پروگرام میں گئی تھی' لیکن اس تفریحی
پروگرام کی جو نوعیت تھی اسے دیکھنے کے بعد اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسے کسی پروگرام
میں شمولیت سے توبہ کر لی تھی' اس کے ساتھی لڑکے اور لڑکیاں کئی بار اسے آفر کر چکے تھے'
لیکن اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بے شک امریکہ بہت ماڈرن ہے' لیکن وہ شاید
اس جدیدیت کا ساتھ نہیں دے پائے گی' لوگوں نے اسے طرح طرح کے نام دیئے تھے'
ویسے تو اور بھی کئی ممالک کی لڑکیاں یہاں تھیں اور ان میں سے کچھ ایسی بھی تھیں جو ذہنی
طور پر غزل سے مطابقت رکھتی تھیں ان میں سے خاص طور سے ایک لڑکی سیتا بھی تھی
جس کا تعلق ہندوستان سے تھا' بہت ہی پاکیزہ فطرت کی مالک اور ذہین لڑکی تھی' سیتا سے
اس کی زیادہ بنتی تھی' حالانکہ ہاسٹل میں سیتا کافی فاصلے پر ایک کمرے میں اپنی ساتھیوں کے
ساتھ رہا کرتی تھی' لیکن پھر بھی تنہائی کا وقت ہمیشہ ساتھ ہی گزرتا تھا۔
پھر ایک دن بیرسٹر ہاشم علی اپنی بیگم کے ساتھ امریکہ پہنچ گئے' انہوں نے ایک اعلیٰ
درجے کے ہوٹل میں قیام کیا تھا اور وہیں سے غزل کو ٹیلی فون کیا تھا۔ غزل خوشی سے دیوانی
ہو گئی' ہاشم علی نے اسے سرپرائز دیا تھا۔ حالانکہ طے ہوا تھا کہ جب وہ آئیں گے تو غزل کو
اپنی آمد سے مطلع کر دیں گے' لیکن وہ اچانک ہی پہنچ گئے تھے۔ بہرحال باپ بیٹی کی ملاقات
ہوئی اور ہاشم علی نے غزل سے اس کی مشکلات کے بارے میں پوچھا۔
"میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا ڈیڈی کہ ہاسٹل کے قیام میں مجھے کوئی دقت
نہیں ہوئی' میرے ہم وطن لڑکے لڑکیاں بھی وہاں ہیں' مقامی اور غیر مقامی لوگ بھی ہیں' ہم
سب بڑی عمدگی سے اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں' میرے خیال میں میرے لئے ہاسٹل ہی
بہترین جگہ ہے' اپنا فلیٹ کتنا ہی قیمتی ہو آپ کتنے ہی لوگوں کو میرے اردگرد پھیلا دیں'
لیکن جو آزادی میں ہاسٹل میں محسوس کرتی ہوں وہ اپنے کسی گھر میں محسوس نہیں کر سکوں
گی' ہاں اگر آپ لوگ یہاں ہوتے تو پھر ظاہر ہے بات ہی الگ تھی۔"
"ہاسٹل میں کسی قسم کی کوئی ایسی بات جو تمہیں ذہنی طور پر پریشان کرتی ہو۔"

"بالکل نہیں ڈیڈی۔" غزل کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد ایک مناسب وقت دیکھ کر بیرسٹر ہاشم علی نے حسن کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"ہاں غزل' یہاں حسن سے تمہاری ملاقات ہوئی؟"

"نہیں ڈیڈی' حالانکہ میں نے اسے کافی تلاش کیا' لیکن اصل میں یہاں اتنے انسٹی ٹیوٹ اور ادارے ہیں کہ کسی ایک آدمی کا پتا لگانا مشکل کام ہوتا ہے' اتفاقیہ طور پر ہی وہ کہیں مل جائے تو دیگر بات ہے۔"

"غزل تم اس سے ملنا چاہتی ہو؟" بیرسٹر ہاشم علی نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا اور غزل چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں ڈیڈی۔"

"تمہارے دل میں اس کے لئے نفرت تو نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں نہیں۔"

"حالانکہ اس نے ہماری پیش کش کو قبول نہیں کیا تھا۔"

"بڑی عجیب بات ہے ڈیڈی۔ اس کا یہ انکار نفرت کا باعث تو نہیں بننا چاہئے۔ ہر شخص کے اپنے افکار و خیالات ہوتے ہیں ممکن ہے وہ اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد اس کے بارے میں سوچے۔"

"ہاں' ایسا ہو سکتا ہے لیکن کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے بعد صرف تمہارے بارے میں سوچے۔"

"یہ تو اس پر منحصر ہے۔"

"تم ایسا نہیں چاہتیں؟"

"چاہتی ہوں ڈیڈی۔"

"تو پھر تمہیں اسے آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یہاں کی فضا مسموم ہے وہ بھٹک سکتا ہے۔"

"شاید۔"

"اگر میں کہوں کہ اسے تمہارے سوا کسی سے منسوب نہیں ہونا چاہئے تو؟"

"ارے ڈیڈی یہ زبردستی تو نہیں ہے۔" غزل ہنس کر بولی۔

"زبردستی بے شک نہیں ہے' لیکن انسان کی اپنی ایک انا ہوتی ہے بیٹی' اگر تمہارے ذہن میں اس کا کوئی تصور موجود ہے تو پھر اسے کسی دوسرے سے رجوع نہیں ہونا چاہئے۔ دو باتیں ہیں۔ اگر وہ تم سے اتنا ہی متاثر ہو جاتا جتنا ہم لوگ چاہتے تھے تو اسے اس رشتے سے انکار نہیں کرنا چاہئے تھا' انکار کر کے اس نے تمہاری توہین کی ہے اور میری بیٹی کی توہین میری توہین ہے' میں اس توہین کا کوئی انتقام نہیں چاہتا بلکہ میرے دل میں بس یہ خیال

پیدا ہو گیا ہے کہ اب اسے تمہارے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے۔"

غزل سوچ میں ڈوب گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ حسن کو بہت پسند کرتی تھی اور اس کی قربت کی خواہش مند تھی لیکن جب حسن کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملا تو اس نے اسے حسن کی کوئی مجبوری سمجھا اور خاموش ہو گئی' لیکن اب باپ کے احساس دلانے سے اسے بھی یہ احساس ہوا کہ حسن نے اس کی توہین کی ہے۔ واقعی اپنی پسندیدہ شے کا حصول ہی تو انسانی فطرت کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے' تعلیم کی تکمیل کے بعد ممکن ہے اس کے ذہن میں پھر حسن کا تصور ابھرتا۔ یہاں آ کر تو وہ اپنی تعلیم میں مصروف ہو گئی تھی' لیکن اب ہاشم علی کے احساس دلانے پر اسے یہ اندازہ ہوا کہ واقعی ایک اہم مسئلہ ہے اور اگر حسن نے اسے کسی اور تصور کے تحت ٹھکرایا ہے تو یہ واقعی اس کی توہین ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن ڈیڈی مجھے یہاں اس کے بارے میں کچھ معلوم بھی تو نہیں ہے۔"

"میں بتا سکتا ہوں۔"

"اوہو کیسے؟"

"میرے پاس اس کا پتا موجود ہے۔"

"مجھے دیجئے۔" غزل نے کہا اور بیرسٹر ہاشم علی نے غزل کو اس کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی پھر بولے۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ رکھتے ہوئے اس کا تعاقب کرو' اس کے رجحانات کا اندازہ لگاؤ اور اسے جکڑ لو' کیا سمجھیں؟"

"جی ڈیڈی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" غزل پرخیال لہجے میں بولی اور بیرسٹر ہاشم علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

□

تابندہ بہت مطمئن تھی' مسز عالمگیر کا رویہ اس کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا اور اسے ذہنی سکون حاصل ہوا تھا۔ ادھر گھر کے حالات میں نمایاں تبدیلی رونما ہونے لگی تھی فیروزہ بیگم بے حد سگھڑ خاتون تھیں۔ شوہر کی زبان بند رکھنے کے لئے انہوں نے ایسے بندوبست کر لئے تھے کہ مرزا صاحب کو شکایت کا موقع نہ ملے' البتہ مرزا صاحب اپنی فطرت کے تحت کچھ نہ کچھ بکتے جھکتے ہی رہتے تھے۔ تاہم اب اس بک جھک میں کمی ہو گئی تھی۔ تابندہ سے تو وہ بہت ہی خوش ہو گئے تھے۔ تابندہ بھی ان کے لئے کچھ نہ کچھ لاتی ہی رہتی تھی۔ حالات نے بڑی عمدگی سے سنبھالا لیا تھا۔ فیروزہ بیگم خود بھی کئی بار تابندہ سے کہہ چکی تھیں کہ ممکن ہو سکے تو فرخندہ اور رخشندہ کے لئے بھی کچھ دیکھے لیکن تابندہ نے منع کر دیا تھا' اس نے کہا تھا۔

"نہیں امی' اب اتنا سہارا تو ہوا ہے کہ ہم عزت کی روٹی کھا سکتے ہیں اگر ہمارے
حالات بہتر ہوتے تو میں تو خود بھی باہر نہ نکلتی لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ زندگی کو سنبھا
دینے کے لئے اگر عزت کے ساتھ اللہ نے ایک ذریعہ پیدا کر دیا ہے تو ہمیں اس پر قناعت
کرنی چاہئے۔ میں اپنی بہنوں کو وہی تحفظ دینا چاہتی ہوں' جو بھائیوں کے ذریعے حاصل ہو
ہے۔ آپ ابھی رہنے دیجئے۔ ہم پر ایسی مشکلات نہیں پڑی ہیں۔"

فیروزہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

سلسلہ جاری رہا' مسز عالمگیر نے اس کے بعد کوئی اور ایسی پیش کش نہیں کی تھی جس
سے یہ احساس ہو کہ وہ بھی ہر قیمت پر تابندہ کے ساتھ کوئی رحم آمیز سلوک کرنا چاہتی ہیں۔
البتہ ایک دن انہوں نے تابندہ کو بلوایا اور معمول کے مطابق اس سے باتیں کرنے لگیں۔
انہوں نے کہا۔

"تابندہ کچھ دنوں سے ایک خیال میرے ذہن میں سر ابھار رہا ہے۔ اس بارے میں
مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی فرمائیے۔"

"خاصی پرانی بات ہے میرے کام شروع کرنے کے کافی دن بعد کی۔ یہاں کے کچھ
لوکل دکانداروں نے جن کے بڑے بڑے اسٹورز ہیں' مجھ سے فرمائش کی تھی کہ جو
ایکسپورٹ کا مال میں باہر بھیجتی ہوں' ان میں سے کچھ ڈیزائن ان کے لئے بھی تیار کر دیا
کریں تو وہ انہیں اپنے اسٹورز پر ایکسپورٹ کوالٹی مال کی حیثیت سے ڈس پلے کریں گے۔
انہوں نے مجھے یہ بھی پیشکش کی تھی کہ وہ مجھ سے نقد خریداری کریں گے اور ایک محدود
انداز میں یہ مال بھیجا جائے گا' اصل میں میرے تمام ڈیزائن رجسٹرڈ ہو جاتے ہیں اور ان کی
نقل تیار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ تو اس وقت تو میں نے منع کر دیا تھا' کیونکہ میں زیادہ پھیلا
نہیں چاہتی تھی' لیکن اب میرا خیال ہے کہ اگر ہم تھوڑا تھوڑا سا لوکل کام بھی کریں تو کیا
حرج ہے اگر بڑے شو روم ہمیں ہماری طلب کے مطابق ادائیگیاں کرتے ہیں تو ہمیں اس
سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔"

"اچھا خیال ہے میڈم۔ ویسے بھی کبھی کبھی ایکسپورٹ کے کام میں تھوڑا سا وقفہ آ جا
ہے اور ہمیں اپنے تمام کاریگروں کو اسی طرح تنخواہیں دینا ہوتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ
آپ دور رس نگاہ رکھتی ہیں اور باہر کے لئے مال تیار کراتی رہتی ہیں لیکن اگر وہ رقم بلاک
ہونے کی بجائے مقامی طور پر استعمال میں رہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"ویری گڈ اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے معاملات سے ہٹ کر بھی سوچتی ہو' مجھے اس
بات سے خوشی ہوئی۔ میں نے تمہارے اندر اسی ذہانت کو محسوس کر کے تمہارے بارے میں
بہت سی باتیں سوچی ہیں دیکھو یوں کرتے ہیں کہ فیکٹری کا وہ جو عقبی حصہ ہے' وہ جہاں

گھاس اگی ہوئی ہے' تقریباً بے کار پڑا ہوا ہے۔ اس کا کوئی استعمال ہمارے ذہن میں نہیں
ہے۔ اگر وہاں ہم ایک لمبا سا بیرک نما ہال بنوا دیں اور اس میں کچھ نئی مشینیں پہنچوا دیں
اور کچھ نئے کاریگروں کو وہاں رکھ دیں تو ہمارے لوکل کام کا آغاز ہو سکتا ہے۔"

"جی میڈم۔ اچھا آئیڈیا ہے۔"

"لیکن اس پورشن کو مکمل طور پر تمہیں سنبھالنا ہو گا۔ ابتدا میں تو ہم زیادہ ہاتھ پاؤں
نہیں پھیلائیں گے لیکن بعد میں' میں تمہیں مکمل طور پر سپورٹ کروں گی۔ اسٹاف ہو گا'
الگ حساب کتاب ہو گا اس کا' اور اس سلسلے میں تابندہ میں تمہیں اپنا پارٹنر بناؤں گی۔"

"جی۔" تابندہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔ تمہاری محنت' تمہاری ذمہ داریاں' سرمایہ میرا۔ بعد میں ہم یوں کریں گے کہ
جب یہ سرمایہ ہمارے پاس اتنا ہو جائے گا کہ میں اس میں سے اپنا حصہ نکال سکوں تو پھر تم
چاہو تو اپنے طور پر اس کو جاری رکھنا' لیکن فی الحال یوں کرتے ہیں کہ میں اس میں ضرورت
کے مطابق رقم لگائے دیتی ہوں' اور تم اسے چلاؤ' لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میری نگاہ اس پر سے
ہٹ جائے گی۔ میں تمہیں مکمل طور پر ایک پارٹنر کی حیثیت سے مشورے بھی دوں گی' عملی
طور پر بھی حصہ لوں گی۔"

تابندہ خاموش نگاہوں سے مسز عالمگیر کو دیکھنے لگی تو مسز عالمگیر نے کہا۔

"اور اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ بھی تمہارے اوپر احسان ہے اور میں تمہیں آگے بڑھانا
چاہتی ہوں تو بے شک تم سمجھ لو لیکن اس مثال کو نظر انداز مت کرنا کہ چراغ سے چراغ
جلتا ہے' اگر ہم سب اتنے ہی خودغرض ہو جائیں کہ صرف اپنے بارے میں سوچیں تو دنیا کی
ترقی رک جائے گی اور پھر سرمایہ دار ہی بڑے سے بڑے ہوتے چلے جائیں گے کوئی دوسرا
منظر عام پر کبھی نہیں آئے گا اور تابندہ مزید ایک بات کہوں کہ اگر تم نے میری اس پیش
کش کو ٹھکرا دیا تو یقین کرو تمہاری جانب سے بددل ہو جاؤں گی' انا ایک اچھی چیز ہوتی ہے
اور تم نے آج تک میرا کوئی احسان قبول نہیں کیا لیکن اگر اس پیش کش کو بھی تم نے ٹھکرا
دیا تو یقین کرو مجھے دکھ ہو گا۔"

"صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں میڈم؟" تابندہ سرد لہجے میں بولی۔

"ہاں پوچھو؟"

"دیکھئے آپ کو علم ہے کہ مجھے آپ کے ہاں سے تنخواہ ملتی ہے اور وہ تنخواہ میرے گھر
کی کفالت کرتی ہے۔ ایک پارٹنر کی حیثیت سے جب تک ہمیں باہر سے آمدنی حاصل نہیں
ہو گی تو ہم اپنا گزارہ کیسے کر سکیں گے چاہے کام میں سرمایہ آپ کا ہی لگا ہو۔"

"بھئی تمہارا کیا خیال ہے تم میرے لئے ایکسپورٹ ڈیزائن تیار کرنا بند کر دو گی۔ کیا۔
میں تو تمہاری محنت کو ڈبل کرنا چاہتی ہوں۔ یعنی ایک طرف تم میرے لئے کام کرتی رہو گی

اور دوسری طرف اپنے لئے۔"

"گویا یہ تنخواہ جاری رہے گی۔"

"سو فیصد! اس کا ادھر کے کام سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔"

"آپ براہ کرم مجھے صرف ایک رات سوچنے کا موقع دیں۔"

"منظور ہے۔" مسز عالمگیر نے کہا اور مسکرانے لگیں' تابندہ کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے پس پردہ کیا راز ہے۔

سامنے والے فلیٹ کا دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ شامی اور فراز دونوں ہی چونک پڑے۔ "دیکھنا۔" فراز کے حلق سے نکلا اور شامی جوتے پہنے بغیر ہی دوڑ پڑا۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول کر دیکھا۔ امینہ بیگم کے فلیٹ کا دروازہ بند تھا اور فیض شاہ غصے میں بھرا کھڑا تھا۔ ان کا دروازہ کھلتے دیکھ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"لو جی۔ بد اخلاقی اور بد تمیزی کی حد ہو گئی ہے۔" اس نے شامی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پیچھے سے فراز بھی آ کھڑا ہوا تھا۔

"اخاہ۔ فیض شاہ صاحب۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" شامی منہ پھاڑ کر بولا۔

"تیل لینے گئے مزاج' میں تو ان کا حلیہ خراب کر دوں گا' سمجھتی کیا ہیں یہ لوگ خود کو' یعنی وہ جو کہتے ہیں نا کہ صورت چڑیلوں کی سی اور نخرے پریوں کے سے' ہمارا کھا رہی ہیں' ہمارا پہن رہی ہیں آپ کو پتا ہے پورے پچانوے ہزار دے چکا ہوں میں فرید احمد کو اس سلسلے میں اور یہ ہیں کہ ان کے نخرے ہی نہیں ملتے۔"

"ارے ارے کیا ہوا فیض شاہ صاحب' کیا بات ہو گئی؟ آپ تو اچھے خاصے مہذب آدمی ہیں آیئے آیئے ادھر آیئے ذرا بتایئے تو سہی بات کیا ہوئی ہے؟"

"میاں دروازہ کھلوا کے رہوں گا ان سے' فیصلہ ہو جانا چاہئے کیا سمجھ رکھا ہے ہونے والا داماد ہوں اس گھر کا' اور ان لوگوں کا رویہ یہ ہے میرے ساتھ' آگے گاڑی کیسے چلے گی؟"

"فیض شاہ صاحب! آپ جیسے شریف آدمی کو کسی گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر یوں شور مچانا زیب نہیں دیتا' آپ آیئے تو سہی' ہمیں بتایئے آخر ہم محلے دار ہیں' آپ کا مسئلہ ضرور حل کرائیں گے آیئے۔" شامی نے کہا اور فیض شاہ غصے سے پھنکارتا ہوا ان کے فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ فراز نے ان پر آنکھیں نکالی تھیں جس کے نتھنے پھولنے لگے تھے' فراز خاموش رہا' شامی نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور فیض شاہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔

"میاں کوئی فیصلہ تو ہو یا تو وہ آدمی مجھے بیوقوف بنا رہا ہے یا پھر' یا پھر...."

"آیئے آیئے آپ اندر تو آیئے بیٹھئے۔" شامی نے فیض شاہ کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "فراز ایک گلاس ٹھنڈا پانی لاؤ فیض شاہ صاحب کے لئے۔"

”نہیں میاں، میں بڑا مضبوط آدمی ہوں، پانی وانی نہیں پیوں گا۔“

”تو پھر چائے بنواتا ہوں آپ کے لئے۔“

”بھئی تکلف رہنے دو مجھے بڑے زور کا غصہ آ رہا ہے، اتنے پیسوں میں تو
بھینسیں خرید لیتا، میں کہتا ہوں فرید احمد کو اپنے گھر میں پہلے سے میری حیثیت بتا دینی
تھی، یہ کیا بات ہوئی، یعنی ہم تو موڈ بنا کر آئے اور یہاں نخرے ہی نہیں ملتے۔“

”پوری بات تو بتائیں آپ ہوا کیا ہے؟“

”اماں ایسی تیسی ہو گئی ہے، ڈیڑھ سال سے چکر دے رہا ہے یہ فرید احمد مجھے۔
ہوں آخر نکاح کیوں نہیں پڑھوا دیتا میرا، کچھ اور گھسیٹنے کے چکر میں ہے تو وہ بھی بتا د
بھی ادا کر دوں گا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ جب دل آ گیا گدھی پر تو پری کیا چیز، میں کہتا ہوں
فیصلہ تو ہونا چاہئے۔“

”بالکل ہونا چاہئے لیکن کس بات کا فیصلہ، آخر ہم محلے دار ہیں آپ کے دوست
پھر کہہ دیجئے کہ دشمن ہیں۔“ شامی فیض شاہ کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میاں بات سنو تم بھلے لوگ ہو، بہت پہلے کی بات ہے ہم نے فرید احمد کی بیٹی کا
مانگا، جی جان سے تیار ہو گیا، بس جب رشتے کی بات ہوئی تو پھر لین دین کا جھگڑا ہی
گیا، پانچ ہزار، دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار رقم دیتے رہے اسے۔ کبھی کہتا تھا کہ
کے کپڑے بنانے ہیں، کبھی کسی کام کے لئے ضرورت ہوتی تھی کبھی کسی کام کے لئے
بھی یہ سوچ کر دیتے رہے کہ چلو رشتہ ہونا ہے اس گھر کی عزت ہماری عزت اور اگلا
ٹالتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اب ایک پھوٹی کوڑی نہیں دینے کا، قسم اللہ کی میں اسے، پہلے
کر دے اس کے بعد بیس پچیس ہزار لے لے مجھ سے، میں کب منع کرتا ہوں؟“

”کس سے نکاح ہو رہا ہے آپ کا؟“

”اماں وہی فرید احمد کی بڑی لونڈیا سے، صاعقہ نام ہے اس کا اب سب کچھ تو
ہے تمہیں۔“

”نہیں، ہمیں کیا معلوم، کسی بھی گھر کی باتیں بھلا کسی محلے دار کو کیسے معلوم ہو
ہیں؟“

”بس تو اب تو پتا چل گیا؟“

”ہاں، اب پتا چلا ہے اتفاق سے اور بڑا تعجب ہوا ہے یہ سب کچھ سن کر، لیکن
وقت کیا ہوا؟“

”اس وقت یہ ہوا میاں کہ ہم آئے، دروازے پر دستک دی، ہم نے، وہ بڑی بی
دروازہ کھولا، کہنے لگیں فرید احمد گھر پر نہیں ہیں، ہم نے کہا وہ تو ہمیں بھی معلوم ہے
فرید احمد سے پوچھ کر آئے ہیں وہ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ذرا صا

تھما لائیں۔ وہ نکاح کا جوڑا بھی خریدنا ہے۔ اگر لڑکی کی مرضی سے خریداری ہو جائے تو کیا
حرج ہے۔ انٹی میں رقم رکھ کر لائے تھے کہ لونڈیا کو کسی طرح اس کی مرضی کے مطابق کپڑا
اور زیور دلوا دیں گے۔ ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے، مگر بڑی بی کا منہ ہی سیدھا
نہیں ہوا۔ ہم نے انہیں بتایا کہ فرید احمد نے ہمیں اجازت دی ہے کہ ہم صاعقہ کو اپنے
ساتھ لے جائیں اور خریداری کرا دیں مگر بڑی بی کہتی ہیں کہ ہمارے لئے دروازہ نہیں کھل
سکتا، صاعقہ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی، کیسے ہو سکتا ہے بھئی کیسے ہو سکتا ہے۔“

شامی سوچ میں ڈوب گیا، فراز کی آنکھوں میں بار بار خون اتر رہا تھا لیکن شامی کی وجہ
سے خاموش تھا۔ فیض شاہ کہنے لگا۔

”اور اب تو فیصلہ ہو کر ہی رہے گا۔“

”اصل میں فیض شاہ صاحب، آپ بہت سیدھے سادے معصوم آدمی ہیں، ہم کسی کی
لگائی بجھائی کر کے دوسروں کے گھر کا جھگڑا اپنے گھر میں نہیں لانا چاہتے، لیکن آپ جیسے
شریف آدمی کو دیکھ کر باز بھی نہیں رہا جا سکتا حقیقت بتانے سے۔“

”حقیقت؟“

”جی ہاں حقیقت۔“

”کیا حقیقت ہو گی، سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارا پچانوے ہزار کا مقروض
ہے۔“

”یہی تو سب سے بڑی خوفناک حقیقت ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”نہیں فیض شاہ صاحب، یہ مسئلہ آپ خود ہی حل کریں گے خوامخواہ ہم کسی سے
دشمنی مول نہیں لینا چاہتے۔“

”بات سنو، اپنے گھر میں لائے ہو، دوست سمجھ کر یا دشمن سمجھ کر۔“

”آپ خود سوچ لیجئے فیض شاہ صاحب اگر آپ دروازے پر کھڑے بھونکتے رہتے
م..... میرا مطلب ہے کہ آپ چیختے رہتے تو ہمارا کیا بگڑتا، دوسرے محلے کے لوگ جمع ہوتے
ہم بھی وہیں کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہتے، لیکن بات تو صرف آپ کی ہے، آپ کی
شخصیت اتنی پیاری ہے، ایک دفعہ ہی آپ سے ملاقات کر کے بار بار ملاقات کرنے کو جی
چاہتا تھا مگر کیا کریں۔ نوکری پیشہ لوگ ہیں، آپ کو پتا ہی ہے اس دن بھی آپ کے ساتھ
ریس کورس نہیں جا سکے تھے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے میرے بھائی، مگر کم از کم مجھے یہ تو بتا دو کہ مسئلہ کیا ہے؟“

”معاف کر دیجئے فیض شاہ صاحب زبان نہیں کھلتی، آپ فرید احمد سے تذکرہ کریں گے
اور وہ ذرا ٹیڑھا آدمی ہے، خوامخواہ ہماری جان کا دشمن ہو جائے گا۔“

"دیکھو مجھے سچ بتا دو' میں اپنی اماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فرید احمد سے نہیں گا۔"

"اگر یہ بات ہے فیض شاہ صاحب تو ملایئے مردوں والا ہاتھ۔"

"لو۔" فیض شاہ نے اپنا ہاتھ شامی کے ہاتھ میں دے دیا اور شامی نے گرم جوشی اسے دباتے ہوئے کہا۔

"آج سے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں گہرے دوست بن گئے اور ہمار دوسرے کے پاس رہیں گے۔"

"بالکل' بالکل۔"

"آپ اکیلے آدمی تو نہیں ہیں فیض شاہ صاحب۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ پچانوے ہزار روپے فرید احمد صاحب نے آپ سے کتنے عرصے میں لئے ہیں؟"

"میاں یہی کوئی ڈیڑھ سال میں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے' کیا صرف پچانوے ہزار روپے میں اتنی شاندار زندگی گزاری سکتی ہے' میں تو کہتا ہوں فرید احمد کا خرچہ ہی بیس پچیس ہزار روپے مہینہ کا ہو گا۔"

"تو پھر اس سے مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ جیسے دو چار بیوقوف اور بھی یہاں آتے رہتے ہیں۔"

"کک.... کیا مطلب؟"

"جنہیں فرید احمد اپنی بیٹیوں کی شادی کا جھانسہ دیتا ہے اور ان سے رقم بٹورتا ہے۔"

"ایں۔" فیض شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ فراز کے چہرے پر اب اطمینان کے آثا نظر آئے تھے۔

"سو فیصد فیض شاہ صاحب۔ سو فیصد' ہم تو یہ تماشا دیکھتے رہتے ہیں اور یہ لڑکیاں کہ بے چاری اللہ میاں کی گائے۔ باپ کے سامنے تو بول ہی نہیں سکتیں اور امینہ بیگم بھی ایک شریف عورت ہیں۔ اب آپ خود سوچئے کہ ہر ایرے غیرے کے لئے کیسے درواز کھول دیں۔ یہاں تو دروازہ کھلوانے والے بہت سے آتے ہیں۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"لعنت ہے جھوٹوں پر۔" شامی نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور فیض شاہ کی آنکھوں م خوفناک تاثرات نظر آنے لگے پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"آدمی تو مجھے بڑا چالو لگتا تھا وہ اس کا مطلب ہے یار بن کر بیوقوف بناتا رہا ہے۔"

"میں نے کہا نا ایسے تین چار آدمی یہاں آتے رہتے ہیں' جنہیں فرید احمد نے اپنی ب سے شادی کا چکر دیا ہوا ہے۔ [illegible] پتہ [illegible] ہے کوئی کچھ' ہم تو صرف یہ تماشا دیکھتے رہ

ہیں۔ میاں شریف محلے دار ہیں بس زبان بند کئے ہوئے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ لڑکی یا اس کی اماں کا تو کوئی قصور نہیں ہے' برا تو صرف ایک ہی آدمی ہے۔"

"مجھ سے برا نہیں پہلوان۔" فیض شاہ نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ کوئی صحیح آدمی نہیں ملا ہے فرید احمد کو ورنہ ٹھیک کر کے رکھ دیتا۔"

"ہم ٹھیک کریں گے ہم سمجھے' ہم ٹھیک کریں گے اسے ہم دیکھیں گے کتنا چالو ہے' ابے ہم نے لاکھوں چرا دیئے اور وہ ہمیں ہی چرا رہا ہے' تو یہ بات تھی ٹال مٹول کی' اب سمجھ گئے۔"

"فیض شاہ صاحب! خدا کے لئے ہماری زندگی برباد نہ کر دیجئے گا۔"

"کیا بات کر رہے ہو' مردوں والا ہاتھ ملایا ہے' مرد کی اولاد ہیں مرد بن کر دکھا دیں گے' بھلا تمہارا ان باتوں سے کیا واسطہ؟"

"بالکل ٹھیک ہے فیض شاہ صاحب۔"

"مگر ان بڑی بی سے دروازہ تو کھلواؤ۔ ہم ذرا ان سے بھی بات کریں۔"

"دیکھئے ایک بات بتاؤں آپ کو' ان کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں کسی شریف آدمی نے ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگا وہ بے چاری گردن جھکا دیں گی۔ اصل مسئلہ فرید احمد کا ہے' اب یہی بتا دیجئے آپ کہ اگر آپ کو گھر میں گھسنے دیتیں تو وہ باقی لوگوں کا کیا ہوتا اس کا مقصد ہے کہ ہر آدمی ان کے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہو جاتا۔ یہ تو فرید احمد کا کام ہے کہ وہ خود اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ لے جا کر آپ لوگوں کو شاپنگ کرائے۔"

"مگر میاں ایک بات سنو۔ یہ کام تو ہو کر رہے گا۔"

"کیوں نہیں ہو گا؟"

"اور فرید احمد تو کئی دن کے بعد واپس آئے گا ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"غور کرنا چاہئے۔"

"کیا غور کریں؟"

"میرا مطلب ہے ہم سب کو مل کر غور کرنا چاہئے۔"

"تو پھر کرو۔"

"آپ ایک کام کریں فیض شاہ صاحب۔" شامی پرخیال لہجے میں بولا۔

"ہاں بتاؤ۔"

"آج کا دن رہنے دیں کل ایسا کریں بارہ بجے آپ آ جائیں۔"

"اچھا پھر؟"

"بارہ بجے آپ آ کر دروازے پر دستک دیں۔"

"دی۔"

"اس کے بعد دروازہ کھلے تو اندر گھس جائیں۔"

"ہوں' پھر؟"

"اور اس کے بعد صاعقہ کو تیار کر کے اپنے ساتھ لے جائیں کیا سمجھے آپ؟"

"اور اگر وہ نہ تیار ہوئی تو؟"

"جب آپ کا اتنا حق ہے اس پر تو ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لے جائیں اس سے کیا فرق ہے؟"

"ہاں ہمیں اتنا حق ہے' یہ حق ہمیں اس کے باپ نے دیا ہے اور مجال ہے کہ وہ بات سے انکار کر جائے۔"

"بس تو پھر اپنا حق استعمال کریں۔ البتہ اگر آپ کہیں تو ایک کام میں کر دوں؟"

"ہاں بولو۔"

"سمجھا دوں ان ماں بیٹیوں کو کہ فیض شاہ صاحب کی حقیقت کیا ہے؟" فیض شاہ رام ہو گیا تھا۔ چند لمحات سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں کل دن کو بارہ بجے آ رہا ہوں' مگر سمجھا دینا یہ بات سمجھ جانی چاہئے ان لوگوں کے' یہ کام ہونا ہے اور ضرور ہونا ہے' بعد میں فرید احمد کو دیکھ لوں گا اگر بیٹا کوچک گھنی کی طرح نہ گھما دیا تو اپنا نام بھی فیض شاہ نہیں ہے۔"

"فیض شاہ صاحب! آپ یہ کام بآسانی کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے کل بارہ بجے آ رہا ہوں میں اور تم مجھے مل جانا پہلوان۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں' ہم گھر پر ہی ہوں گے' آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اب میں چلتا ہوں یار' بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں۔ کھوپڑی کر رہ گئی ہے ان لوگوں کی حرکت سے' دیکھو نا' دروازہ کھولا پھر بند کر لیا اور اب ہم! دروازہ پیٹے جا رہے ہیں اور وہ ہیں کہ دروازہ کھولتی ہی نہیں۔"

"آپ سمجھا کریں بات کو وہ بے چاریاں تو مجبور ہیں دونوں طرف سے ہی جوتے کھانے پڑتے ہیں انہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہم کل بارہ بجے آئیں گے' پھر دیکھ لیں گے سارا تماشہ۔"

"آپ آیئے' گاڑی وغیرہ ہے آپ کے پاس؟"

"میاں جیپ ہے' جیپ۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے' آپ جیپ نیچے کھڑی کیجئے اور یہاں آ کر صاعقہ کو نکال کے جایئے' کون روکے گا آپ کا راستہ؟"

"کوئی روک کر دکھا دے بیٹا' ہمارا نام بھی فیض شاہ ہے۔"

"کہئے اب آپ کو کیا پلواؤں۔"

"چھوڑو میاں سارا موڈ چوپٹ ہو گیا ہے۔ اب کچھ نہیں پئیں گے' کل پھر تم سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"اچھا پھر خدا حافظ۔" شامی فیض شاہ کو دروازے تک چھوڑنے آیا اور فیض شاہ اس سے ہاتھ ملا کر سامنے والے دروازے کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتا ہوا زینوں کی جانب بڑھ گیا۔ شامی ایک ٹھنڈی سانس لے کر مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔ فراز دروازے پر ہی کھڑا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ اس نے کہا۔

"یہ کیا چکر چلا دیا ہے تم نے؟"

"شٹ اپ۔" شامی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیکھ رہے ہو کیا تحقیر ہو رہی ہے ان لوگوں کی؟"

"بس بس اب تو پلکوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں' کیوں فکر کرتے ہو سب ٹھیک کر لوں گا' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خاک ٹھیک کر لو گے یار' میں تو ان کی بے عزتی پر عجیب سے احساسات کا شکار ہو گیا ہوں' وعدہ تو کر لیا ہے اتنا بڑا اور کوئی مدد نہیں کر سکا ان کی۔"

"کل بارہ بجے تک' ویسے میرا خیال ہے اب ان لوگوں سے ملنا بھی درست نہیں ہے۔"

"یار کچھ کر نہ بیٹھیں وہ لوگ۔"

"اتنی جلدی نہیں کریں گی' کرنے میں کم از کم تمہارا انتظار تو کریں گی۔" شامی نے کہا۔

"کیا خیال ہے بات کروں؟"

"بالکل نہیں' میرا خیال ہے خاموشی اختیار کر جاؤ۔" شامی بولا اور فراز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر چونک کر کہنے لگا۔

"لیکن کل بارہ بجے۔"

"جب یہ پروجیکٹ تم نے میرے حوالے کر دیا ہے تو زیادہ گڑ بڑ مت کرو۔" شامی نے جواب دیا۔ فراز منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔ شامی نے اسے دیکھا اور ہنس پڑا۔

"تم ہنس رہے ہو؟" فراز نے کہا۔

"یار عجیب عاشق ہو۔ محبت سے کوئی بات ہی نہیں کرتے۔"

"محبت سے صرف ایک کام کر سکتا ہوں۔" فراز نتھنے پھلا کر بولا۔

"ارشاد....!"

"فرید احمد اور فیض شاہ کو قتل کر دوں۔"

"پھر تمہیں چودہ سال کی سزا ہو جائے گی اور تمہاری محبوبہ رخصت کرتے ہوئے
گی۔ وے ویرا' تینوں رب رکھے۔ وے میں تیرا انتظار کراں گی۔ میریاں اکھاں تیری را
رہاں گی۔ فر توں واپس آ کر میرا جھریاں بھرا چہرہ ہتھ وچ لے کر کہیں گا۔ "نی اڑیئے
تینوں کی ہویا؟"

"مت مذاق کر یار۔ میرا دل رو رہا ہے۔ شاہی وہ اتنی بے حس نہیں ہے... نہ
اس پر کیا بیت رہی ہو گی۔"

"میں نے کہا نا اب تو پلکوں کی رہ گئی ہیں۔ ویسے اگر اتنا پریشان ہے تو.... تو انہیں
دینا۔"

"میں کیا سمجھا دوں؟"

"یہی کہ وہ فکر نہ کریں۔"

"تو پھر کیا کریں؟"

"انتظار۔"

"یہ کوئی بات ہے۔ صرف میرے زبان ہلا دینے سے وہ مطمئن ہو جائیں گی۔ ان
ساتھ جو ہو رہا ہے۔ ان کی جو تحقیر ہو رہی ہے۔ اسے وہ کب تک برداشت کریں گی؟"

"کل دوپہر تک۔" شاہی نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"شاہی پلیز۔ کچھ کرنا ہے؟"

"کروں گا میری جان۔ بے فکر رہ کر لوں گا اور اگر کچھ نہ کر سکا تو تیری بجائے
پہلے فیض شاہ پھر' فرید کو قتل کر دوں گا۔ اس سے زیادہ کیا کہوں؟"

"تو کیوں قتل کرے گا۔ یہ کام میں کروں گا۔"

"اس لئے قتل کروں گا کہ اس کے بعد میرا یار گھر تو بسا سکے۔" شاہی نے کہا او فراز
آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

□

بیرسٹر ہاشم علی واپس چلے گئے' غزل حسن کے خیال میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اس نے ا
دن حسن سے ملنے کا پروگرام بنا لیا۔ بیرسٹر ہاشم علی اسے حسن کا مکمل پتا دے گئے
فاریسٹ ہاسٹل روم نمبر دو سو ستر۔ یہ حسن کا پتا تھا۔ غزل نے ہاسٹل کے بارے میں معلو
حاصل کیں اور پھر ایک شام وہ ہاسٹل چل پڑی' کچھ دیر کے بعد ہاسٹل کے ری سیپشن
اس نے حسن کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور روم نمبر دو سو ستر پر پہنچ گئی لیکن ا
کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور کسی کے موجود نہ ہونے کی اطلاع تھی۔ غزل
بے حد مایوسی ہوئی' حسن شاید اس وقت موجود نہیں تھا' ابھی وہ دروازے پر کھڑی ہی ہو
تھی کہ سامنے والے کمرے کے دروازے سے ایک نوجوان برآمد ہوا' انتہائی قیمتی سوٹ م

ملبوس اچھے خد و خال کا بھرے جسم والا نوجوان تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بھی
ایشیائی ہی تھا' برصغیر سے تعلق رکھنے والا اس نے چونک کر غزل کو دیکھا اور پھر حیران لہجے
میں بولا۔

"اوہو..... مس ثمینہ آپ یہاں۔" غزل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اردو زبان
نے ایک ... میں اسے متاثر کیا تھا دیار غیر میں کسی اپنے کی صورت نظر آ جانے سے بلا وجہ
ہی ایک خوشی کا احساس ہوتا ہے یہی کیفیت، اس وقت غزل کی تھی اس نے مسکراتے ہوئے
کہا۔

"معاف کیجئے گا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میرا نام ثمینہ نہیں غزل ہے...."

"ارے کیا واقعی خدا کی پناہ ایسی مماثلت آپ یقین کیجئے تصور بھی نہیں کر سکتا آپ
جانتی ہیں ثمینہ کون ہے...؟"

"افسوس نہیں جانتی....." غزل مسکرا کر بولی۔

"میری کزن ہے' پچھلے کافی دنوں سے امریکہ آنے کے بارے میں لکھ رہی تھی کچھ
ایسی طبیعت کی لڑکی ہے کہہ رہی تھی کہ مجھے سرپرائز دے گی' آپ یقین کیجئے آپ کو دیکھ کر
ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی ہے مجھ پر میں یہی سمجھا کہ وہ اچانک آ گئی ہے اور یہاں
مجھے تلاش کر رہی ہے آپ یہ اندازہ خود لگا لیجئے گا کہ ایک کزن کی صورت ایسی نہیں ہو
سکتی جسے ایک لمحے میں بھلایا جا سکے اور اگر میں آپ کی صورت سے آپ کو ثمینہ سمجھ بیٹھا
تو اندازہ لگا لیجئے کہ آپ اس سے کس قدر مماثل ہیں....."

"واقعی حیرت کی بات ہے' میں نے اپنی کسی ہم شکل کا تصور تک نہیں کیا....."

"کاش میرے پاس اس کی کوئی تصویر ہوتی تو میں آپ کو دکھاتا لیکن معاف کیجئے گا مس
غزل اتنی ساری باتیں ہو گئیں مگر مجھے یہ پتہ نہیں چلا کہ آپ یہاں کیسے تشریف لائیں...."

"جی یہ سامنے والے کمرے میں مسٹر حسن رہتے ہیں....."

"حسن محمود...."

"جی جی.....وہی....."

"وہ ابھی آپ کو نہیں ملیں گے بلکہ رات کو ساڑھے بارہ بجے تک نہیں ملیں گے'
ساڑھے بارہ بجے کے بعد واپس آتے ہیں...."

"ساڑھے بارہ بجے کے بعد.......؟"

"معاف کیجئے گا آپ میری ہم وطن ہیں اس طرح کھڑے ہو کر بات کرنا ہماری ثقافت
میں داخل نہیں ہے' یہاں نیچے ایک نہایت خوبصورت کینٹین ہے اگر آپ میرے ساتھ ایک
کپ چائے پی لیں تو مجھے مسرت ہو گی...."

"نہیں پھر کبھی سہی' اوہو..... میں نے تو آپ کا نام تک نہیں پوچھا...."

"مجھے بھی اس کا دکھ ہے....." وہ بولا۔
"تو بتا دیجئے گا...."
"میرا نام گلزار احمد ہے' گل و گلزار قسم کا آدمی ہوں' بس یوں سمجھ لیجئے کہ اپنی ز
میں لاتعداد پھولوں کی شگفتگی قائم رکھنے کا خواہش مند اور یہ پھول وہ محبت کرنے وال
ہوتے ہیں جو میرے ارد گرد بکھرے ہوئے ہیں....."
"آپ خاصی نستعلیق اردو بول لیتے ہیں....."
"اردو ہماری زندگی ہے اور دیار غیر میں اپنی چیزوں کی جو قدر ہوتی ہے کاش اس کا
تجزیہ کیا جا سکے تو مس غزل آپ نے میری چائے کی پیش کش ٹھکرا دی....."
"نہیں نہیں' میرا مطلب ہے گلزار صاحب اس وقت میں حسن کی تلاش میں آئی
میں دوبارہ کبھی حاضر ہوں گی تو آپ کے ساتھ ایک کپ چائے بھی پی لوں گی....."
"افسوس ہو گا' آپ یقین کیجئے بے پناہ افسوس ہو گا حالانکہ یہ پیش کش پوری ط
خلوص پر مبنی تھی...."
غزل نے سوچا کہ حسن کے معمولات کے بارے میں کچھ تفصیلات معلوم ہو جائیں
بہتر ہے یہ شخص حسن کو جانتا ہے چنانچہ اس نے تھوڑے سے توقف کے بعد آمادگی ظاہ
دی اور گلزار اسے لئے ہوئے نیچے آ گیا' کینٹین واقعی خوبصورت تھی۔ نہایت پر سکون
شگفتہ ماحول' دونوں ایک گوشے کی میز پر جا بیٹھے گلزار نے کہا۔
"چائے کی پیش کش تو میں نے کی تھی لیکن اگر آپ کی پسند سے کچھ اور ہو جا
میری خوش بختی ہو گی...."
"نہیں گلزار صاحب صرف چائے....."
"بہتر ہے....." اس نے کہا اور ویٹر کو بلا کر چائے کے لئے کہہ دیا پھر بولا۔
"آپ یقین کیجئے کچھ سمجھ میں نہیں آتا لیکن بہرحال یہ روایت تو عام ہے کہ ہر ا
کے سات چہرے ہوتے ہیں اور سات ہم شکل کہیں نہ کہیں موجود ہوا کرتے ہیں'
نجانے آپ ثمینہ کی ہم شکل ہیں یا ثمینہ آپ کی' یہ فیصلہ کیسے ہوتا ہو گا.....؟"
"مشکل ہی سے ہوتا ہو گا ورنہ عام طور سے یکساں چہروں والے اجنبی یکجا
ہوتے...."
"ہاں آپ نے درست کہا' دوسرے ہی اس بارے میں بتا سکتے ہیں ویسے مس
تعارف کچھ اور زیادہ ہو جائے تو کچھ حرج نہیں....."
"میں یہاں تعلیم حاصل کرتی ہوں۔"
"میڈیکل کی؟"
"جی ہاں۔"

"چلئے آپ سے دوسرا رشتہ قائم ہوا' حسن صاحب کون ہیں آپ کے؟"
"میرے شناسا ہیں' ہم شہر ہیں اور ہمارے والدین آپس میں گہرے دوست ہیں۔"
"اور آپ؟"
"ہم بھی دوست ہیں' حسن نے ہاؤس جاب میرے ساتھ ہی کیا تھا۔"
"ویری گڈ' ویسے خوبصورت آدمی ہے' بدقسمتی یہ ہے کہ مالی مشکلات کا شکار ہے'
اصل میں مس غزل معذرت چاہتا ہوں آپ سے معلومات حاصل کئے بغیر بول دیتا ہوں پتا
نہیں حسن کے لئے آپ کے دل میں کیا جذبات ہوں لیکن میری ایک رائے ہے انسان اگر
کسی مسئلے میں قدم اٹھائے تو پھر اس کا ان اور آؤٹ اچھی طرح سوچ لے' مالی مشکلات میں
گھرے ہونے کے باوجود اپنی حیثیت سے آگے بڑھ کر کوئی قدم اٹھانا میرے خیال میں دانش
مندی نہیں ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"حسن کو دیکھئے ملازمت کرتا ہے بے چارہ' ایک ادارے نے غالباً اسے اسپانسر کیا ہوا
ہے لیکن اسپانسر شپ میں اتنے زیادہ پیسے نہیں ملتے کہ زندگی اطمینان بخش طریقے سے
گزاری جائے' اب وہ بے چارہ گھر کا رہے گا نہ گھاٹ کا' ادھر انسٹی ٹیوٹ میں اسے خاصا
کام کرنا پڑتا ہے' یوں سمجھ لیجئے ساڑھے بارہ بجے تک وہ وہاں مصروف رہتا ہے' دن میں
تعلیم حاصل کرتا ہے کیا اس کے دونوں کام مکمل ہو جائیں گے؟"
"میں آپ سے اتفاق نہیں رکھتی گلزار صاحب' جدوجہد انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے
اور جو کام نامساعد حالات میں گھر کر کیا جاتا ہے وہ پائدار ہوتا ہے' دیکھئے نا اس کی منطقی دلیل
یہ ہے کہ ہم اس سے مخلص ہوتے ہیں اگر غیر مخلصانہ طور پر والدین کی چھوڑی ہوئی جائداد
یا دولت کے بل پر اپنے کسی مقصد کو پورا کیا جائے تو اس میں وہ شوق شامل نہیں ہوتا جو
آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوتا ہے' میں تو اس بات کی بڑی قدر کرتی ہوں کہ انسان
اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنا مستقبل تعمیر کرے۔"
"ہو سکتا ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔ اصل میں اس کی وجہ یہ ہے میرے والد
وہاں کئی انڈسٹریز اور ٹیکسٹائلز کے مالک ہیں ہمارے لئے امریکہ گھر آنگن کی حیثیت رکھتا
ہے۔ جب دل چاہا فلائی کیا وطن واپس پہنچ گئے' جب دل چاہا یہاں آ گئے اور سچی بات یہ ہے
کہ زندگی کا یہی دور تو سنہری دور ہوتا ہے' اگر اس دور کو ایسی احمقانہ جدوجہد میں گزار دیا
جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ اسے دانش مندی کہا جا سکتا ہے۔"
"نظریات ہیں اپنے اپنے' آپ کو ایک مطمئن اور مسرور زندگی گزار رہے ہیں آپ کی
بے شک اپنی سوچ ہو گی۔"
"آپ کے والد وہاں کیا کرتے ہیں؟"

"خدا کا شکر ہے میں مالی مسائل کا شکار نہیں ہوں' میرے ڈیڈی بیرسٹر ہیں اور میں ا
کی اکلوتی بیٹی ہوں۔"

"واہ۔ یہ اکلوتی بیٹی کا تصور بھی انسان کی زندگی میں کتنا پرکشش ہوتا ہے' ویسے غز
صاحبہ ہم امریکہ میں اگر کوئی بات اپنی ثقافت سے الگ اور اپنے ماحول سے مختلف کہہ جاؤ
تو آپ اسے امریکہ کی دین سمجھ کر نظر انداز کر دیجئے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"حسن سے آپ کا کوئی ذہنی رشتہ ہے؟" غزل ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گ
پھر ہنس کر بولی۔

"ذہنی رشتے ہی کسی کی تلاش میں نکال لاتے ہیں۔"

"مثلاً کیا آپ اس سے محبت کرتی ہیں؟" گلزار نے سوال کیا اور غزل چونک سی پڑ
لیکن گلزار جو الفاظ پہلے کہہ چکا تھا اس کے بعد اس کا یہ سوال ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا تھا
غزل نے آہستہ سے کہا۔

"جی یہی سمجھ لیجئے۔"

"اوہو مس غزل کیا یہ فیصلہ آپ نے اپنے وطن میں کیا تھا؟"

"مطلب؟"

"دیکھئے نا انسان ایک محدود فضا میں پرورش پاتا ہے' اس کی سوچ محدود ہوتی ہے اور اگر
اس محدود سوچ میں وہ کوئی ایسا فیصلہ کر لے جو اس کے مستقبل میں معاون ثابت ہو تو کیا
کوئی مناسب بات ہے؟"

"آپ کی بات ذرا انوکھی لگی ہے مجھے۔"

"یقیناً لگی ہو گی' میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے یہاں بھی تو رواج ہے کہ بچپن ہی میں
والدین اولاد کے لئے رشتے منتخب کر لیتے ہیں بلکہ منگنیاں تک کر دی جاتی ہیں اور پھر جوا
میں یہ رشتے اولاد پر ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی ہے آپ اس سے متفق ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر میرا سوال حق بجانب ہے کہ کیا فیصلہ وہیں اپنے وطن میں کیا گیا تھا' اگر ایک
بات ہے تو وطن کی محدود فضاؤں سے نکل کر امریکہ جیسے ملک میں آنے کے بعد ان فیصلوں
پر نظر ثانی کی جا سکتی ہے۔"

"لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے مسٹر گلزار۔"

"ضرورت وقت کی پیداوار ہوتی ہے اور وقت ضرورتیں پورا کر دیتا ہے' معاف کیجئے
مس غزل' آپ نے اپنی شخصیت کو غالباً کبھی پرکھا نہیں ہے یا آپ کو ایسے غاصب لوگ ملے
ہیں جنہوں نے آپ کو آپ کی حقیقت سے واقف نہیں کیا' آپ کے اندر ایک ایسی انوکھی

کشش ہے کہ انسان کا دل خود بخود اس کی جانب مائل ہو جائے اب جیسے مجھے دیکھئے آپ
یقین کیجئے نجانے کس کام سے نکلا تھا اور اب یہ یاد بھی نہیں ہے کہ وہ کام کیا تھا آپ کو دیکھ
کر سب کچھ بھول گیا ہوں۔"

"آپ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"اگر آپ کو میرے اندر کوئی دلچسپی محسوس ہوئی ہے تو اس کا مطلب ہے میں ایک
سہرے مستقبل غور کر سکتا ہوں۔"

"جی' میں سمجھی نہیں۔"

"مس غزل میں آپ کی جانب مائل ہو گیا ہوں' کم از کم ان روایتوں کا دل سے قائل
ہوں کہ محبت صرف ایک نگاہ میں ہوتی ہے اور وہ نگاہ کبھی اور کسی بھی وقت اٹھ جائے۔"

"سوری۔ میں آ کو بتا چکی ہوں کہ میں حسن کو چاہتی ہوں۔"

"فیصلے بدلے بھی تو جا سکتے ہیں۔"

"ایک پیالی چائے پی کر اگر فیصلے بدل جائیں تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ نہایت ناپائیدار
ہوں گے آپ براہ کرم مجھے اجازت دیجئے گا میرا خیال ہے یہ ایک پیالی چائے بھی مجھے مہنگی
پڑ جائے گی۔"

"نہیں' بالکل نہیں' آپ مجھے اتنا برا انسان نہ سمجھیں' میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا
ہوں کہ ماحول اور فضا انسان کا مزاج بدل دیتے ہیں میرے دل میں جو آیا میں نے آپ سے
کہہ دیا قبول کرنا نہ کرنا آپ کی مرضی ہے لیکن ایک بات سن لیجئے مس غزل میں آپ کو
تلاش کرتا رہوں گا میں...... میں آپ کو شاید آسانی سے بھول نہیں سکتا' جو تاثر آپ مجھ پر
چھوڑے جا رہی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔"

"گلزار صاحب! عجیب سی بات ہے آپ جیسے مہذب آدمی سے ایسی احمقانہ باتوں کی
توقع نہیں کر سکتی تھی' ورنہ شاید میں آپ کے ساتھ یہاں آنا قبول ہی نہ کرتی۔"

"اب آ ہی گئی ہیں تو کچھ دیر بیٹھئے وہ ویٹر چائے لے آیا۔"

"جی۔" غزل نے کہا۔ ویٹر نے چائے لگا دی غزل نے خود چائے بنا کر گلزار کو دی اور
گلزار نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"اس چائے کی مٹھاس شاید زندگی کے آخری لمحات تک فراموش نہ کی جا سکے۔ ویسے
آپ مجھے اپنا پتا دے سکتی ہیں۔"

"جی نہیں' معافی چاہتی ہوں۔"

"حسن کے لئے کوئی پیغام؟" وہ بولا۔

"جی میں خود کسی وقت اس سے مل لوں گی۔"

"ٹھیک ہے آپ کی مرضی لیکن اب ہماری جانب سے آپ کے لئے جدوجہد شروع ہو

چکی ہے جو کام آپ نہیں کریں گی وہ ہمیں سرانجام دینا ہو گا۔"

غزل نے گرم گرم چائے ہی حلق میں انڈیل لی' عجیب سا آدمی تھا اچھی خاصی گفتگو کرتے کرتے پٹڑی سے اتر گیا۔ بہرحال غزل کو اس کی ذات میں کوئی کشش نہیں محسو ہوئی تھی' لیکن جب وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے ہاسٹل کی جانب جا رہی تھی تو اس نے یہ نہ دیکھا تھا کہ ایک سفید رنگ کی خوبصورت کار اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے جسے گلزار ڈرائی کر رہا ہے۔ وہ مسلسل سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں اب اس کے دل میں خوف کا ایک احساس جاگ رہا تھا۔ کہیں یہ شخص مصیبت نہ بن جائے۔ وہ تحفظ تو حاص نہیں ہے جو اپنے گھر میں ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔

"جو کام آپ نہیں کریں گی وہ ہمیں سرانجام دینا ہو گا۔ ہماری جانب سے آپ کے لئے جدوجہد شروع ہو چکی ہے۔"

دولت مند باپ کا بگڑا ہوا بیٹا ہے۔ کہیں واقعی کوئی مشکل نہ پیدا کر دے۔ یہ حسن بھ اسی ہوسٹل میں رہتا ہے۔ اس سے ملنے کے لئے دوبارہ بھی وہاں جانا پڑے گا۔ کیا کر چاہئے؟

ہاسٹل آ گیا۔ پریشان تھی۔ سیتا نے بھانپ لیا۔ "خیریت' کیا بات ہے؟ کہاں گئی تھی؟"

پہلے تو دل میں آیا کہ خاموش ہو جائے پھر سیتا کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا اور کہا

"سیتا ایک مشکل میں پھنس گئی ہوں۔"

"لگ رہا ہے۔ کیا مشکل ہے؟"

"تمہیں معلوم ہے ممی ڈیڈی چلے گئے۔ وہ مجھے ایک پتا دے گئے تھے جس شخص کا پتا دے گئے ہیں وہ میرے وطن میں میرے ساتھ ہاؤس جاب کر چکا ہے۔ بہت اچھا انسا ہے۔" غزل نے سیتا کو صرف اپنے ذہنی معاملے کے سوا سب کچھ بتا دیا۔

"یہ دوسرا لڑکا بھی تیرے ہی دیس کا ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا خطرناک لگتا ہے؟"

"ہاں۔ لگتا ہے۔" غزل نے کہا۔

"تو پھر تو دوبارہ حسن کے ہاسٹل نہ جانا۔"

"حسن سے کیسے ملوں؟"

"ملنا بھی ضروری ہے؟"

"بہت ضروری۔"

"ارے تو تجھے اپنے ڈیڈی سے اس انسٹی ٹیوٹ کا پتا بھی معلوم کرنا چاہئے تھا جہاں کام کرتا ہے۔"

"وہ تو شاید ڈیڈی کو بھی نہیں معلوم تھا۔"

"خیر یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ باقی کوئی ہمارا کیا بگاڑے گا۔ میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے۔"

"کیا....؟" غزل نے پوچھا اور سیتا سوچ میں ڈوب گئی۔

□

شامی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہو گیا۔ میڈم نے خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"بیٹھو شامی' خیریت؟"

"خیریت نہیں ہے میڈم۔"

"خدا خیر کرے۔ کیا بات ہے؟"

"وہی مسائل زندگی جن میں انسان اپنے محور کی طرف دوڑتا ہے۔"

"سمجھی نہیں۔"

"سمجھاتا ہوں' آپ میرا محور بن گئی ہیں میڈم' میں کیا کروں؟"

"خدا ایک بار پھر خیر کرے۔" میڈم نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

"کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ آپ یقین کریں میں نے بہت غور کیا ہے۔ خود پر۔ آپ پر؟"

"اللہ اکبر۔ کوئی خاص نتیجہ نکلا ہے؟"

"وہی تو بتا رہا ہوں۔ امید نہیں تھی۔ ناتجربے کار ہوتے ہوئے بھی نوکری دے دی' بدتمیزی کرتا ہوں' نظر انداز کر دیتی ہیں۔ روٹھ جاتا ہوں منا لیتی ہیں۔ کوئی دوسرا ہو تو کھڑے کھڑے نکال دے۔"

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ مسکراہٹ سکڑ گئی اور شامی سہم گیا۔ وہ جلدی سے بولا۔

"ارے باپ رے۔ خ' خدا کی قسم کوئی غلط بات منہ سے نکل گئی ہے تو فوراً معاف کر دیں۔ میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کہا ہے۔"

شامی کے انداز پر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ "عجیب آدمی ہو۔"

"بالکل عجیب نہیں ہوں۔ یوں سمجھ لیں۔" شامی سوچنے لگا پھر بولا۔ "یوں سمجھ لیں آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے اس وقت پریشان ہو جاتا ہوں۔"

"شامی! کیا بات ہے کہتے کیوں نہیں؟" میڈم نے زچ ہو کر کہا۔

"وہی فراز اور صاعقہ کا معاملہ ہے۔"

"ہوں' کیا ہوا؟" میڈم نے دلچسپی لے کر کہا۔

"فیض شاہ کے بارے میں بتایا تھا نا۔ بس وہ آ گیا اور خوب ہنگامہ کیا۔" شامی نے پوری

بات میڈم کو سنائی اور وہ افسوس بھرے لہجے میں بولی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ بعض لوگ کس قدر کریہہ شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ دنیا میں کیا کیا کہانیاں بکھری پڑیں ہیں۔ دل لرز جاتا ہے۔ ویسے میں فراز کو مبارک باد دیتی ہوں گریٹ فیصلہ کیا ہے اس نے۔"

"اس کے فیصلے کرنے سے بات بن نہیں رہی میڈم۔ میں اس وقت آپ کے پاس اِک کام سے آیا ہوں۔"

"یہ تمہارا ہی تو کام نہیں ہے شاہی۔ میں بھی اس میں پوری طرح ملوث ہوں۔ تین انسانی زندگیاں سولی پر لٹکی ہوئی ہیں۔ ان کی مدد سب پر فرض ہے وہ مظلوم اور بے بس ہیں اور....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ان کی طرف سے غافل ہو گئی تھی۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے۔"

"اچھا یہ بتاؤ تم نے فیض شاہ کو کل بارہ بجے کا وقت کیوں دیا؟"

"میرے ذہن میں ایک پروگرام تھا۔"

"کیا؟"

"کل بارہ بجے تک مجھے اس سلسلے میں کوئی انتظام کرنا ہے۔ اصل میں فیض شاہ جاہل آدمی ہے' اپنے اس اقدام کی قانونی نوعیت کو نہیں سمجھتا ہے۔ میں....."

میڈم نے مسکرا کر ہاتھ اٹھایا اور شاہی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں یہی جاننا چاہتی تھی کہ جو تم نے سوچا وہی میں بھی سوچ رہی ہوں یا نہیں۔"

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ زلفی صاحب کو بلاتے ہیں۔" میڈم نے ٹیلی فون آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

"زلفی صاحب کورٹ میں نہیں ہوں گے۔"

"معلوم ہو جائے گا۔"

"وہ نمبر ڈائل کرتی ہوئی بولی۔ زلفی صاحب آفس میں ہی مل گئے تھے۔"

"میڈم بول رہی ہوں گارمنٹ سٹی سے۔ آپ کورٹ نہیں گئے۔ بہت اچھا ہوا۔ اس کیس کے سلسلے میں آپ نے کیا کیا؟ جی۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔ آ سکتے ہیں اس وقت۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ نوعیت تو آپ کو معلوم ہے۔ کچھ نئے معاملات ہوئے ہیں ان کے لئے آپ کو کام کرنا ہے۔ چلئے فون پر سہی مگر زلفی صاحب پورے اعتماد سے بتایئے آپ یہ کام کر سکتے ہیں یا نہیں۔ نہیں ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ اب غور سے سنئے اور پوائنٹ نوٹ کیجئے۔ بیت... آپ کے علم میں ہے۔ نئی بات یہ ہوئی ہے کہ....." میڈم نے شاہی کی بتائی ہوئی کہانی زلفی صاحب کو سنا دی پھر بولی۔ "آپ بیرسٹر ہیں۔ قانونی نکات آپ بہت جانتے ہیں۔ میرے ذہن

میں ایک منصوبہ ہے۔ وہ یہ کہ کل بارہ بجے وہ آئے گا۔ ان لوگوں کے ساتھ زیادتی کرے گا۔ عین اسی وقت پولیس مداخلت کرے گی۔ اس کوشش پر فیض شاہ کو گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ کیا خیال ہے۔" میڈم سنتی رہی پھر بولی۔ "بالکل وہ خاتون اور لڑکی بیان دیں گی۔ فیض شاہ اپنا بیان دے گا۔ ان دونوں بیانوں کی روشنی میں خلع کا کیس موثر ہو جائے گا اور انہیں پولیس کا تعاون حاصل ہو جائے گا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر میں انہیں وہاں سے منتقل کر دوں گی۔ جی ہاں میں نے انتظام کر لیا ہے لیکن زلفی صاحب..... ایک بات کا خیال رکھئے۔ کل بارہ بجے پولیس کو مستعد ہونا چاہئے۔ اگر آپ یہ ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے صاف بتا دیں۔ میں کچھ اور بندوبست بھی کر سکتی ہوں۔ نہیں میں کیا کروں معاملے کی نوعیت ہی ایسی ہے۔ باقی کام آپ خود کر لیں۔ اوہ آپ جانتے ہیں میں کاغذ کے ٹکڑوں کو بے حقیقت سمجھتی ہوں۔ جی بہتر ہے۔ او کے - خدا حافظ۔" اس نے فون بند کر دیا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دیر تک خاموش بیٹھی رہی پھر بولی۔ "خدا کی پناہ۔ یہ انسان.... انسان کی سانسوں پہ کس طرح مسلط ہو جاتے ہیں۔ سوری شاہی میں جذباتی ہو گئی تھی۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔"

"جی میڈم۔" شاہی عقیدت سے بولا۔

"تم میرے اقدام سے مطمئن ہو؟"

"بے حد۔"

"یہی سوچا تھا نا تم نے؟"

"خدا کی قسم بالکل یہی لیکن میرے پاس اتنے وسائل نہیں تھے۔"

"زلفی صاحب ہمارے قانونی مشیر ہیں۔ پندرہ ہزار روپے ماہانہ ادا کرتی ہوں میں انہیں' جبکہ اس عرصہ میں انہیں میرے لئے کچھ نہیں کرنا پڑا ہے۔"

"آپ نے مسئلہ حل کر دیا ہے۔"

"میرے لئے اور کوئی حکم جناب شاہی صاحب؟"

"حکم۔" شاہی بولا۔

"آپ کے تو حکم ماننے پڑتے ہیں۔ ارے ہاں۔ میں نے پرنس اسکوائر پر ان ماں بیٹیوں کے لئے ایک فلیٹ تیار کرا لیا ہے۔ ایک ملازمہ بھی مہیا کر دی ہے۔ چھوٹے موٹے کام کر دیا کرے گی۔ میرے ہاں اس کا بیٹا کام کرتا ہے۔ اس نے فلیٹ صاف ستھرا کر دیا ہو گا اور وہاں ہر شے موجود ہے۔"

"دیکھئے آپ کو اپنے اس نالائق ملازم کے لئے کتنے فلیٹ مہیا کرنے پڑتے ہیں۔" شاہی مسکرا کر بولا۔

"سنو شاہی - خلوص دل سے کہہ رہی ہوں اس سارے کام کو تم خود پر کوئی احسان نہ

سمجھنا۔ اس میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر رہی میں اگر یہ سب کچھ میرے علم میں آتا بھی میں یہ ضرور کرتی۔ یہ تو اتفاقیہ طور پر ایک مثلث بن گیا ہے۔"

"مثلث؟"

"ہاں، تم.... جو مجھ تک یہ معلومات پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ فراز جس نے یہ ایثار کیا اور صاعقہ جیسی بے سہارا لڑکی کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور میں جسے کچھ مظلوم عو کی مدد کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔"

"آپ عظیم ہیں میڈم۔" شامی نے کہا۔

❑

گھر کا نقشہ بدلنے لگا۔ تابندہ کو گھر سجانے کا بہت شوق تھا' چھ ہزار تو اس وقت نہیں آئے تھے جب سخاوت بیگ نوکری کرتے تھے۔ سجاد گھر کا خرچ دیتا تھا۔ کفایت شعا سے چلنے والے لوگ تھے اب بھی وہی عادت اپنائی ہوئی تھی۔ درمیانہ درجے کا کھایا جاتا درمیانے درجے کا پہنا جاتا تھا۔ البتہ مرزا صاحب کی پانچوں انگلیاں گھی میں ڈوب گئی تھ خوب کھاتے تھے۔ تابندہ نے ان کی ساری خواہشیں پوری کر دی تھیں۔ وہیل چیئر خر گئی تھی' جس کی وجہ سے اہل خاندان کو کافی پریشانی ہو گئی تھی لیکن ایک فائدہ بھی ہوا اب مرزا صاحب وہیل چیئر پر سامنے ابراہیم خان کی دکان پر بھی چلے جاتے تھے۔ بس گل کرنی پڑتی تھی۔ گھر والوں کی پریشانی مرزا صاحب کا اطمینان سے کمرے سے نکل آنا تھی ہر مسئلے میں مداخلت کرتے تھے۔ فائدہ یہ ہوا تھا کہ کئی کئی گھنٹے ابراہیم خان کی دکان پر گ دیتے تھے اور فیروزہ بیگم کو کچھ وقت آرام کے لئے مل جاتا تھا۔ جو کام بیٹوں نے نہ کیا وہ بیٹی نے کر دکھایا تھا اور تو اور.... تابندہ مرزا صاحب کی چہیتی ہو گئی تھی۔ ساری فرمائ اسی سے کی جاتی تھیں اور وہ ہر فرمائش پوری کرتی تھی۔ اب انہیں اس کا صبح تیار ہو کر جانا برا نہیں لگتا تھا بلکہ گھر پر دیر ہو جاتی تو وہ خود یاد دلا دیتے تھے۔

ادھر مسز عالمگیر ان ٹوٹے دلوں کا سہارا بن گئی تھیں۔ خدا نے ان کے دل میں نا کے لئے وہ محبت ڈال دی تھی جو بس اللہ کا عطیہ ہی ہوتی ہے آن کی آن میں انہو تابندہ کے لئے شیڈ ڈلوا دیئے۔ مشینیں لگوا دیں اور پھر لوکل کام کا آغاز ہو گیا۔ تابندہ بھی وہ کام دکھایا کہ مسز عالمگیر عش عش کر اٹھیں۔ ایک طرف وہ ایکسپورٹ کوالٹی ڈیزا کرتی تو دوسری طرف سستے کپڑوں سے اس سے اچھے ڈیزائن تیار کر دیتی برسوں سے پڑ ہوئے ویسٹ سے اس نے ایسے ڈیزائن تیار کئے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے۔

مسز عالمگیر نے ایک دن کہا۔ "تابندہ.... اب تو میں سوچنے لگی ہوں کہ ایکسپورٹ چ کر لوکل پر اتر آؤں۔"

"کیوں میڈم؟"

"لوکل سے جو فائدہ ہو رہا ہے وہ تو ایکسپورٹ سے بھی نہیں ہو رہا۔ تم تو کترنوں کی تقدیر بدل دیتی ہو۔"

"میں بھی تو کترن ہی تھی میڈم۔ آپ نے میری حالت بدل دی۔"

"خدا کی قسم۔ باکمال لڑکی ہو۔ یہ تم نے ویسٹ جو استعمال کیا اس کا جواب نہیں۔"

"سستے داموں خوبصورت کپڑے عام لوگوں کو بھی مل جائیں گے۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے۔"

"میں کام کو اپنی وسعت سے زیادہ نہیں پھیلانا چاہتی۔ ورنہ تمہارے اس کام کو دیکھ کر بڑے بڑے آئیڈیئے ذہن میں آتے ہیں۔"

"کیا میڈم؟"

"سستے گارمنٹس اسٹور کھولنے کے' پورے شہر میں اپنی پروڈکٹ پھیلانے کے مگر انہیں کنٹرول کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"ہاں میڈم مشکل ہے اور پھر ہمیں اپنے ہی خواہوں کی ناراضگی مول لینی پڑے گی۔"

"ہاں اچھا خاصا محاذ کھل جائے گا۔ اچھا خیر۔ اپنا حساب کتاب رکھ رہی ہو؟"

"حساب کتاب؟"

"ہاں جو آمدنی لوکل گارمنٹس سے شروع ہوئی ہے۔"

"ابھی آمدنی کہاں شروع ہوئی ہے میڈم۔"

"کیوں؟"

"ہم نے اس کے لئے اخراجات بھی تو کئے ہیں۔"

"اس کی پرسن میج تو میں الگ نکالتی جا رہی ہوں۔ کیشیئر صاحب اسی انداز میں اکاؤنٹس بنا رہے ہیں۔ آمدنی کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ اس قرض کے لئے نکال دیا جاتا ہے جو ادارے کی تکمیل کے لئے لیا گیا پھر باقی رقم میں سے تنخواہوں اور دوسرے اخراجات کا خرچ نکالا جاتا ہے۔ اس کے بعد بچے ہوئے سرمائے کے دو حصے ہوتے ہیں جن میں سے ایک میرا اور ایک تمہارا۔ ابھی تو تمہارا حصہ بھی میں رکھ رہی ہوں لیکن اب تم اپنا اکاؤنٹ کھول لو۔"

"اوہ میڈم۔"

"نہیں ڈیئر۔ یہ کام تو اسی بنیاد پر شروع ہوا تھا۔ نہ میں کوئی ایثار کر رہی ہوں نہ احسان۔"

وہ خاموش ہو گئی' پھر ایک دن میڈم نے اس کا اکاؤنٹ کھلوا دیا ایک دن وہ بولیں۔ "بھئی تم بڑی کنجوس لڑکی ہو۔"

"کیوں میڈم۔"

"کبھی جھوٹے منہ سے بھی نہیں کہا کہ میڈم کسی دن ہمارے ساتھ چلیں ایک دن ہمارے ساتھ کھانا کھالیں۔"

"نہیں میڈم۔ میں کنجوس نہیں ہوں۔"

"پھر؟"

"اپنا بھرم رکھنا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"سب کچھ بتا چکی ہوں آپ کو۔ اس گھر میں چند شکستہ دل لوگ رہتے ہیں۔ وقت کے جھنجلائے ہوئے اور پھر ہم درمیانہ درجے کے لوگ ہیں۔ وہ آداب نہیں جانتے جو بڑے گھرانوں میں ہوتے ہیں۔"

"میرے بارے میں جان کر بھی ابھی تک یہی سوچ رکھتی ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ اس وقت بھی ہم سے بہت بہتر ہوں گی۔"

"میں نہ مفکر بن رہی ہوں تابندہ نہ درویش۔ وہ بات کہہ رہی ہوں جو ہزاروں بار کہی جا چکی ہے۔ انسان کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ کسی جگہ پلتا ہے کوئی سوسائٹی موو کرتا ہے اس کا رنگ اپنا لیتا ہے۔ ورنہ وہ صرف ایک عام انسان ہے اگر اسے عقل ہے تو وہ خود کو پہچان لیتا ہے اور انسان ہی رہتا ہے کہ سوچے تو بھٹکتا رہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تمہارے گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور میڈم۔ آج ہی چلیں۔"

"آج نہیں کل۔ تم سب کو بتا دینا کہ میں آ رہی ہوں۔"

بہت عظیم عورت ہے۔ تابندہ نے دل میں سوچا پھر اس نے سب سے پہلے گھر میں مرزا سخاوت بیگ سے کہا۔

"ابو! میں نے آپ کو اپنی میڈم کے بارے میں بتایا تھا۔"

"کون میڈم؟"

"وہی جو ہماری فیکٹری کی مالک ہیں۔"

"ہاں ہاں، خدا اسے خوش رکھے۔"

"آپ اجازت دیں تو میں کل انہیں کھانے پر بلا لوں۔"

"ضرور، لیکن پکاؤ گی کیا؟"

"جو آپ کہیں۔"

"یعنی دعوت ان کی اور کھانے میری پسند کے۔"

"جی ابو؟"

"تو پھر بناؤ فہرست۔" مرزا صاحب خوشی سے بولے اور ایک بڑی فہرست بن گئی۔

"ابو ایک بات کہوں۔ میں نے میڈم سے آپ کی بہت تعریف کر دی ہے۔ میری لاج رکھ لیں۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ میرے ابو بے حد محبت کرنے والے ہیں۔ مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے وغیرہ وغیرہ، تو ابو آپ کو ان کے ساتھ ایسا ہی رویہ رکھنا ہو گا۔"

"تو کیا میں پاگل ہوں جو بلا وجہ کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑوں گا۔" مرزا صاحب نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں ابو، بس میں نے اس لئے آپ سے کہہ دیا کہ اگر گھر آنے والے مہمان کی کوئی بات بری بھی لگ جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہئے۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے، تم فکر مت کرو۔" مرزا صاحب نے یقین دلایا۔

مسز عالمگیر تو خود بھی نہایت نفیس خاتون تھیں دوسرے دن وہ بڑے اہتمام سے آئیں، سب ہی کے لئے کچھ نہ کچھ تحائف لے کر آئی تھیں، جس کا پتا انہوں نے تابندہ کو بھی نہیں چلنے دیا تھا۔ گاڑی کی ڈگی میں بے شمار ڈبے رکھے ہوئے تھے اور گاڑی سے اترنے کے بعد انہوں نے ڈرائیور سے وہ ڈبے اٹھا کر ساتھ لانے کے لئے کہا۔ مرزا صاحب نے وہیل چیئر پر ان کا استقبال کیا۔ فیروزہ بیگم، رخشندہ اور فرخندہ بھی صاف ستھرے لباسوں میں منتظر کھڑی تھیں مسز عالمگیر سب سے مل کر بہت خوش ہوئیں، مرزا صاحب کہنے لگے۔

"بیٹے معافی چاہتا ہوں کہ کھڑے ہو کر تمہارا استقبال نہیں کر سکتا۔ اس لئے میری معذرت قبول کرو۔"

مسز عالمگیر نے مرزا صاحب کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "نہیں چچا جان بھلا اس میں معذرت کی کیا بات ہے میں آپ کے لئے دکھی ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔"

ماحول حیرت انگیز طور پر سدھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور پھر جب مسز عالمگیر نے مرزا صاحب کو ان کے تحائف پیش کئے تو بات اور بھی زیادہ خوشگوار ہو گئی، تابندہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی حالانکہ اس گھر کے بقیہ افراد بہترین تھے، بس خوف مرزا صاحب ہی سے تھا لیکن وہ اپنے پرانے موڈ میں واپس آ گئے تھے۔ بے شمار باتیں ہوئیں۔ مرزا صاحب نے حیرت ناک طریقے سے اپنے دونوں بیٹوں کا تذکرہ بھی ذرا نارمل انداز میں ہی کیا اور دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"بیٹی! بس انسان کی زندگی متعدد تجربات کا مجموعہ ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم نوجوان تھے، یقین کرو جس حد تک بھی ممکن ہو سکا اور جب تک والدین زندہ رہے ان سے دور رہنے کا تصور بھی ذہن میں نہیں آیا۔ ان کے حقوق کو پہچانتے تھے لیکن بس تقدیر کا معاملہ کبھی کبھی اس مثال پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آنے کو دل چاہتا ہے کہ ایک باپ دس اولادوں کو بڑی خندہ پیشانی سے پرورش کرتا ہے اور اپنی بساط کے مطابق ان کی ہر خوشی

پوری کرنے میں کوشاں رہتا ہے لیکن اپنے منصب سے معزول ہونے کے بعد دس اولا
مل کر ایک باپ کی پرورش نہیں کر پاتیں اور اپنے طور پر یہ سوچتی ہیں کہ یہ بوجھ ہمار
لئے ناخوشگوار ہے۔"

"بس چچا جان' انسانی سوچ ہے اور سوچیں بھی مختلف ہوتی ہیں' بعض اولادیں ایسا نہ
سوچتیں اور اپنا فرض پورا کرتی ہیں' جیسے آپ اپنی مثال لے لیجئے۔"

مرزا صاحب ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے پھر کھانے کا وقت آیا اور م
عالمگیر حیرت سے بولی۔

"ارے تم تو میرے ساتھ تھیں اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری وجہ سے گھر والو
کو خاصی مشکل کا شکار کر دیا؟؟"

"نہیں بیٹے! آپ پہلی بار آئی ہیں اور پھر لاکھ لٹا ہوا گھرانہ ہے یہ..... لیکن کچھ روایا
تو ہوتی ہی ہیں نا۔ ہم تمہارے شایان شان کچھ نہیں کر سکے۔"

مرزا صاحب تو آج قیامت ڈھا رہے تھے۔ تابندہ کی بہت سی شکایتیں ایک دم دور
گئیں' رخشندہ اور فرخندہ کو بھی مسز عالمگیر نے بہت پسند کیا تھا اور پھر ان کی ایک بات
مرزا صاحب کے دل کو ایسی بھائی کہ وہ مسز عالمگیر پر نثار ہو گئے۔ فیروزہ بیگم نے کہا تھا۔

"میں نے تو ان لڑکیوں کے بارے میں بھی تابندہ سے کہا تھا کہ یہ بھی کسی چھو
موٹے کام کاج سے لگ جائیں اور کچھ نہیں تو اپنا جہیز جمع کرنے میں ہی انہیں مدد ملے گ
لیکن تابندہ نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔"

"معاف کیجئے گا چچی جان' ٹھیک ہی کیا تابندہ نے بچیوں کو کچھ نہ کچھ بے شک کرتے
رہنا چاہئے لیکن اگر اللہ تعالیٰ موقع دے تو پھر وہ گھر کی زینت ہی اچھی لگتی ہیں۔ ماشاء اللہ
بڑی بہن نے صورت حال سنبھال لی ہے تو آپ انہیں بس گھریلو امور ہی میں ماہر کیجئے۔ ہا
اگر کوئی مشکل ہوتی تو الگ بات تھی اور آپ لوگ اب تو بالکل ہی فکر نہ کریں' اب آپ
کی تابندہ ہی نہیں بلکہ ایک دوسری بیٹی بھی آپ کے لئے حاضر ہے یعنی میں اپنے آپ
کہہ رہی ہوں۔"

مرزا صاحب نے آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے کہا۔ "بیٹی کسی بہت شریف ماں باپ
کا خون معلوم ہوتی ہو ورنہ کون کسی کی غربت میں ساتھ دیتا ہے۔ روشن زندگی کے خواہش
مند تو سب ہی ہوتے ہیں اور روشنی والے روشنی والوں کو ہی پسند کرتے ہیں۔ تاریکی میں
کون بھٹکتا پھرے اور اگر اس دور میں بھی کوئی تاریکیوں کو اپنانا پسند کرے تو اس کا مقصد
ہے کہ اس کی عظمت کے تار بہت دور تک چلے گئے ہیں۔"

مسز عالمگیر بہت خوشی خوشی رخصت ہوئی تھیں اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ اکثر
یہاں آتی جاتی رہیں گی۔

بہرحال وقت گزرتا رہا۔ ماحول میں بڑی خوبصورت تبدیلی آ چکی تھی۔ گو ابھی تابندہ
نے اپنا وہ کمیشن وصول نہیں کیا تھا جو بقول مسز عالمگیر کے اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہا تھا
لیکن گھر کے حالات بے حد سدھر گئے تھے اور ہر شخص کی ضرورتیں پوری ہو رہی تھیں۔
تابندہ کو بھی خاصا ذہنی سکون نصیب ہو گیا تھا۔

پھر ایک اور تبدیلی رونما ہوئی مسز عالمگیر نے پر مسرت لہجے میں تابندہ کو بتایا۔

"تابندہ! تمہارا ... آ رہا ہے' اس کا فون آیا تھا پرسوں رات ساڑھے آٹھ بجے وہ یہاں پہنچ
جائے گا۔ تابندہ میں خود گھر جا کر کہہ دوں گی۔ تمہیں میرے ساتھ اسے خوش آمدید کہنے
کے لئے ائرپورٹ چلنا ہو گا' مرزا صاحب سے خود اجازت لے لوں گی۔"

"جی میرے لئے تو انتہائی باعث مسرت بات ہے بس ابو ہی سے ڈر لگتا ہے۔"

"بات کر کے دیکھ لیں گے' کوئی حرج نہیں ہے۔" مسز عالمگیر نے کہا۔

پھر جب اس نے مرزا صاحب سے یہ بات کی تو مرزا صاحب نے انتہائی فراخ دلی سے
اسے اجازت دے دی۔

"ہاں ہاں بیٹے کوئی بات نہیں ہے' مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔"

مسز عالمگیر آفس سے سیدھی تابندہ کے ساتھ اس کے گھر آئی تھیں۔ یہاں سے وہ
اسے اپنے ساتھ ہی لے گئیں۔ تابندہ بہت خوش تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسا نجانے کتنے عرصے کے بعد ہوا ہے کہ میں گھر سے الگ کوئی اور رات گزار رہی
ہوں۔"

"تم اطمینان رکھو تابندہ اب تمہاری زندگی میں بہت سے ایسے موڑ آئیں گے جن سے
تم خوشی محسوس کرو گی۔" رات کو تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد مسز عالمگیر تابندہ کے
ساتھ ایئرپورٹ چل پڑیں۔

❑

فیض شاہ ٹھیک بارہ بجے بلڈنگ کا زینہ طے کر کے اوپر پہنچ گیا۔ پہلے اس نے فراز اور
شاہی کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی تھی لیکن دو تین بار دستک دینے کے باوجود دروازہ
نہ کھلا تو اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"دونوں دفتر چلے گئے' کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ جعل ساز کہیں کے' مجھے تو پہلے ہی
یہ دھوکے باز معلوم ہوتے تھے اپنا کام انسان کو خود ہی کرنا ہوتا ہے بلاوجہ بیچ میں آ رہے تھے
یہ لوگ....." پھر وہ امینہ بیگم کے فلیٹ کے دروازے کی جانب متوجہ ہوا اور اس نے اس
طرح دروازہ بجایا جس طرح فرید احمد بجاتا تھا' آج اس نے دروازے پر زور سے دستک نہیں
دی تھی تاکہ دروازہ کھل جائے اس کا اندازہ درست نکلا۔ امینہ بیگم نے دروازہ کھولا تو فیض
شاہ نے کھلے دروازے سے اندر ٹانگ اڑا دی۔

"پیچھے ہٹ جاؤ امینہ بیگم' محلے میں نہ خود تماشا بنو' نہ دوسرے کو تماشا بناؤ' چلو پیچھے۔" فیض شاہ نے امینہ بیگم کو زور سے دھکا دیا اور وہ بے چاری گرتے گرتے بچی۔ عقب سے صاعقہ آ گئی تھی اس کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہے امی؟"

"ہم ہیں صاعقہ جی۔ آپ کو پتا چل ہی چکا ہو گا کہ کل ہمارے ساتھ ان لوگوں نے سلوک کیا تھا' دیکھو شرافت سے ہم سے بات کرو' ہم تم لوگوں سے بات کرنا چاہتے ہیں' اے بڑی بی چلو' دروازہ بند کر لو۔ چلو سنا نہیں تم نے؟"

"تم... تم باہر نکل جاؤ۔ میں کہتی ہوں تم فوراً باہر نکل جاؤ' ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" امینہ بیگم بپھرے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"دیکھو بڑی بی' کیوں اپنا بڑھاپا خراب کر رہی ہو تم تو مر کھپ جاؤ گی لیکن تمہاری بیٹیاں رل جائیں گی' کیسی ماں ہو تم' اپنی بیٹیوں کے اچھے مستقبل کے بارے میں نہیں سوچتیں۔"

"میں کہتی ہوں' تم یہاں سے نکل جاؤ فیض شاہ' تم کون ہوتے ہو ہمارے مستقبل کے بارے میں سوچنے والے؟"

"یہ اپنے میاں سے نہیں پوچھا تم نے کہ ہم کون ہوتے ہیں ارے تم لوگوں کو جو یہ پیٹ بھر کے روٹی مل رہی ہے نا ہماری بدولت مل رہی ہے ہم دے رہے ہیں یہ سب کچھ۔ وہ نکما گدھا کیا کمائے گا۔ بس آ جاتا ہے ہاتھ پھیلائے ہوئے۔ لاکھ میں پانچ ہزار کم رہ گئے ہیں۔ جو ہم اسے دے چکے ہیں اور جانتی ہو کس وعدے پہ؟ اس نے وعدہ کیا ہے کہ صاعقہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دے دے گا۔"

"فیض شاہ! تجھے شرم نہیں آتی۔ تیرا تو کوئی نہیں ہے اس دنیا میں کبھی نہ کبھی تو ہو گا کسی نہ کسی ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہو گا تو نے۔ نہ کوئی ماں ہے تیری نہ کوئی بہن ہے تجھے اپنی عمر کا احساس ہے' اپنی شکل و صورت اور حیثیت کا احساس ہے' میری بچی کا رشتہ مانگ رہا ہے تو' جو تیری اولاد کے برابر ہے۔"

"بڑی بی! یہ صرف تمہاری پھوٹی آنکھوں کا قصور ہے ورنہ اتنی عمر بھی نہیں ہے میری اور تم خود سوچو۔ تم سب کو پالوں گا' چھوٹی کی شادی بھی اپنے ہاتھ سے کروں گا۔ عیش کرے گی میرے پاس تمہاری بیٹی۔ کیا سمجھیں۔"

"ہمیں یہ عیش نہیں چاہئیں' جس نے تجھ سے جو کچھ لیا ہے اسی سے بات کر۔"

"اسی سے بات کر کے تو یہاں آیا ہوں' صاعقہ کو لے جا رہا ہوں اپنے ساتھ' کوئی اڑچن نہیں ڈالنا مجھے اس کا۔ بیوی تو یہ میری ہی بنے گی۔ بس میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ اسے اس کی پسند کا زیور وغیرہ دلوا دوں۔ چار چھ جوڑی کپڑے جس میں اسے بیاہ کر لے جاؤں۔ بعد

میں تو اس کا خرچ مجھے ہی اٹھانا ہے۔"

"تجھ پر لعنت ہی فیض شاہ' کس طرح کھلے دل سے تو یہ بات کہہ رہا ہے' میں کہتی ہوں دیکھ نکل جا یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ ہم تیری صورت پر تھوکتے بھی نہیں ہیں' میری بیٹی تجھ پر لعنت بھیجتی ہے۔ کیوں ہم لوگوں کی زندگی کا گاہک بن گیا ہے فیض شاہ؟"

"اب اگر تم نے یہ باتیں کیں بڑی بی تو مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنی ہی پڑیں گی۔ صاعقہ چلو میرے ساتھ تیار ہو جاؤ۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" صاعقہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہوں۔ تو یہ بات ہے' تیرے باپ کو بھی جانا پڑے گا' تو کیا سمجھتی ہے مجھے' فیض شاہ ہے میرا نام' چل...." فیض شاہ نے آگے بڑھ کر صاعقہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور صاعقہ کی دلدوز چیخیں ابھرنے لگیں' فیض شاہ اسے دروازے کی جانب دھکیلنے لگا اور وہ ایک ایک چیز کو پکڑ کر رونے لگی۔

"نہیں جاؤں گی امی' نہیں جاؤں گی مر جاؤں گی' کچھ بھی ہو جائے نہیں جاؤں گی۔ ارے کوئی ہے ہمارا پرسان حال' ارے کوئی ہے ہمارا مددگار' میں نہیں جاؤں گی' کہے دیتی ہوں نہیں جاؤں گی چاہے مجھے جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔"

امینہ بیگم بھی چیخنے لگیں' انیلا بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اسی وقت دروازے سے ایک پولیس افسر چند پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ دھڑدھڑاتا ہوا اندر گھس آیا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں' کیا ہو رہا ہے یہ کیوں چیخ و پکار ہو رہی ہے؟" اس نے غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

فیض شاہ اس وقت صاعقہ کو پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا اور اس کا چہرہ خونخوار نظر آ رہا تھا لیکن پولیس کو دیکھ کر اس کی سٹی تھوڑی سی گم ہوئی اور اس نے صاعقہ کو چھوڑ دیا۔

"بچائیے ہمیں' بچائیے ہماری عزت بچائیے' ہماری آبرو بچائیے۔ یہ شخص میری بیٹی کو اغوا کر کے لے جا رہا ہے۔ خدا کے لئے ہمیں بچائیے۔" امینہ بیگم نے کہا اور پولیس آفیسر نے فیض شاہ پر پستول تان لیا۔

"بات تو سنو' بب... بھائی صاحب' پستول' گولی.... گولی مت چلا دینا' مم.... میری بات تو سن لو' اغوا.... اغوا نہیں کر رہا ہوں میں' یہ تو' یہ تو میری ہونے والی بیوی ہے' بھائی صاحب یہ تو.... یہ تو۔" لیکن پولیس آفیسر نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور کانسٹیبلوں نے فیض شاہ کو جکڑ لیا اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ فیض شاہ کے ہوش اڑ گئے تھے۔

"مم.... میری بات تو سنو پولیس آفیسر صاحب' تصدیق کر لینا' معلوم کر لینا' دو.... دیکھو' مم.... میں ایک' میں ایک باعزت آدمی ہوں۔ میں.... میں پولیس آفیسر صاحب میری بات

سنو' عیش کرا دوں گا تمہارے جو مانگو کے دوں گا' مم..... میں کوئی غریب آدمی نہیں ہوں مم.... مگر دیکھو' دیکھو۔" لیکن پولیس کانسٹیبل فیض شاہ کو دھکے دیتے ہوئے باہر نکال لائے آس پاس کے فلیٹوں میں سے لوگ جھانکنے لگے تھے' لیکن شامی اور فراز کے فلیٹ کا دروازہ بدستور بند تھا' فیض شاہ کو باہر نکال لایا گیا اور انسپکٹر نے امینہ بیگم سے کہا۔

"بڑی اماں معافی چاہتا ہوں آپ کو بھی ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا' اغوا کی رپورٹ لکھوانی ہو گی آپ کو' لیکن آپ مطمئن رہیں' آپ کو عزت کے ساتھ بھیج دیا جائے گا' آپ بالکل پرواہ نہ کریں۔ میں آپ کے بیٹے کے برابر ہوں اور پھر ایک ذمہ دار پولیس آفیسر بھی ہوں۔" امینہ بیگم بری طرح کانپ رہی تھیں کانپتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا' اگر ضروری ہے تو مم.... میں' میں چلتی ہوں۔"

"دونوں بہنوں کو بھی ساتھ لے جانا ہو گا۔ سب سے ضروری بیان تو ان کا ہے' آپ لوگوں کی گواہی ہو گی' بڑی اماں آپ بالکل فکر نہ کریں' میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کے بیٹے کی طرح ہوں اور یہ دونوں میری بہنیں ہیں' جس طرح میں اپنی ماں اور بہنوں کی عزت کر سکتا ہوں' اسی طرح آپ کی عزت بھی کروں گا آپ بالکل فکر نہ کریں گھر کے دروازے کو تالا لگا دیں اور آپ لوگ ادھر آیئے' آپ میں سے دو آدمیوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔" پولیس آفیسر نے پڑوسیوں سے کہا اور دو پڑوسی خوشی سے تیار ہو گئے۔

"چلئے صاحب' یہ سارا کھیل بہت عرصے سے ہو رہا ہے یہاں' یہ بے چاری مظلوم عورتیں ہیں' ان کا شوہر طرح طرح سے ان پر ظلم کرتا ہے ہم گواہی دینے کے لئے تیار ہیں۔"

"آپ بہت نیک لوگ ہیں' ہر شریف آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

"بس جناب' اس آدمی نے غنڈہ گردی مچا رکھی ہے محلے میں' ہم سب بھی بہو بیٹیوں والے ہیں' کم بخت چار چوٹ کی مار مارتا ہے اور یہ آدمی تو شکل ہی سے بدمعاش لگا ہے۔ سب فرید احمد کا کیا دھرا ہے۔"

دونوں آدمیوں کے تیار ہو جانے سے امینہ بیگم کی بھی ہمت بندھی' لیکن ان کی نگاہیں بار بار شامی اور فراز کے فلیٹ کا جائزہ لے رہی تھیں' یہ دونوں موجود ہوتے تو بڑا سہارا ہوتا انہیں' لیکن ان کا دروازہ بند تھا' تاہم انہیں نیچے لا کر بڑے احترام سے ایک پرائیویٹ کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا' اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ نوجوان انسپکٹر خود بیٹھا' جبکہ فیض شاہ کو وہ لوگ گھسیٹتے ہوئے پولیس کی جیپ میں لے گئے تھے اور محلے کے دو بزرگ آدمی بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ امینہ بیگم' صاعقہ اور انیلا بری طرح کانپ رہی تھیں۔ ان کی زندگی میں خوفناک واقعہ ہوا تھا اور زندگی میں پہلی بار پولیس اسٹیشن کا رخ کیا تھا۔

ادھر فیض شاہ کی بھی حالت خراب تھی اور اس کے ہوش و حواس گم ہو کر رہ گئے

تھے' اسے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ ایسی کوئی صورت حال پیش آ جائے گی۔ پولیس کے بارے میں تو اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا' بس فرید احمد نے کہہ دیا تھا کہ اس کا جو جی چاہے کرے اور اس کا جو دل چاہا تھا وہ کرنے کے لئے آ گیا تھا' لیکن اب جو کچھ ہوا تھا اس نے اس کے حواس بھی چھین لئے تھے' کانسٹیبلوں سے بھی وہ گڑگڑا..... گڑگڑا کر کہہ رہا تھا۔

"دیکھو بھائیو' عزت دار آدمی ہوں' عزت بچانے کے لئے ہزاروں خرچ کر سکتا ہوں' تم لوگ مم.... میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کرو' میں تمہیں خوش کر دوں گا۔"

محلے کے دونوں آدمیوں میں سے ایک نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"بیٹا! اب تجھے پولیس خوش کرے گی' اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے' ہم تو غنڈہ گردی کی وجہ سے خاموش تھے لیکن کب تک خاموش رہتے' اب اللہ نے تم لوگوں پر وقت ڈالا ہے۔ اسی کو تو کہتے ہیں اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔" وہ لوگ بھی فرید احمد کی حرکتوں سے نالاں تھے لیکن فرید احمد نے اپنی غنڈہ گردی کا رعب بٹھا رکھا تھا۔

بہرطور پولیس پارٹی تھانے پہنچ گئی۔ انسپکٹر نے یہاں بھی بڑے احترام سے ان لوگوں کو نیچے اتارا تھا اور انہیں دلاسے دیتا ہوا ایک کمرے میں لے گیا تھا۔ یہاں بیرسٹر زلفی بھی موجود تھے اور انہوں نے مطمئن انداز میں انسپکٹر کو دیکھ کر گردن ہلائی تھی خواتین کو بٹھا دیا گیا تھا' بیرسٹر زلفی نے کہا۔

"بہن آپ کا نام امینہ بیگم ہے؟"

"ہاں۔" امینہ بیگم نے آنسو بھری آواز میں کہا۔

"میرا نام زلفی ہے اور میں آپ کا وکیل ہوں' دیکھئے آپ کو پوری طرح اطمینان دلایا جاتا ہے کہ آپ ذرہ برابر پریشان نہ ہوں' میں آپ کو بس اتنا بتاؤں گا کہ آپ کے کچھ ہمدردوں نے باقاعدہ آپ کی نگہداشت کی ہے اور آپ کو کسی بات سے کوئی خطرہ نہیں ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

امینہ بیگم کی تو عقل نے ہی کام کرنا چھوڑ دیا تھا انہیں اپنے ہمدرد یاد نہیں آئے' بھلا اس روئے زمین پر ان بے سہاروں کا بھی کوئی ہمدرد ہو سکتا ہے۔

فیض شاہ کو کہیں اور رکھا گیا تھا اور اس کے بعد تقریباً پندرہ منٹ انہیں انتظار کرنا پڑا پھر پولیس آفیسر فیض شاہ کو ساتھ لئے ہوئے اسی کمرے میں آ گیا۔

"جی زلفی صاحب' آپ کی موجودگی میں ان لوگوں کا بیان لیا جائے گا' اس آدمی فیض شاہ سے ہم نے اس کے بارے میں پوچھا ہے اس کا بیان بھی لکھ لیا گیا ہے' آپ براہ کرم یہ بیان پڑھ لیجئے۔"

انسپکٹر نے ایک رجسٹر زلفی صاحب کی طرف بڑھا دیا' جس پر فیض شاہ نے اپنا بیان

لکھوایا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ امینہ بیگم کے شوہر فرید احمد کا دوست ہے' فرید احمد
اس سے کہا تھا کہ اس کی شادی اپنی بیٹی کے ساتھ کر دے گا اور اس کے لئے وہ تھوڑے
تھوڑے کر کے اس سے پچانوے ہزار روپے وصول کر چکا ہے۔ اب فیض شاہ اس لئے
تھا کہ صاعقہ کو اپنے ساتھ لے جائے مگر صاعقہ اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں
تو وہ اسے گھسیٹ کر لے جانے لگا۔

"یہ اس کا بیان ہے۔" بیرسٹر نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔ "...
آپ نے اپنی ایف آئی آر میں کیا لکھا ہے؟

"ایف آئی آر میں لکھا گیا ہے کہ میں انسپکٹر سعید خان گشت پر تھا کہ مجھے ایک بلڈنگ
کے ایک فلیٹ سے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی' آوازیں عورتوں کی تھیں اور مجھے
احساس ہوا کہ کہیں زیادتی کی جا رہی ہے۔ میں تیزی سے کانسٹیبلوں کے ہمراہ پتا لگاتا ہوا
بلڈنگ میں داخل ہوا تو ایک فلیٹ کے اندر مجھے گڑبڑ نظر آئی۔ میں فلیٹ کے دروازے
سے دھڑدھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ فیض شاہ نامی یہ آدمی ایک نوجوان لڑکی
کو بری اپنے بازوؤں میں دبوچے ہوئے باہر کی جانب گھسیٹ رہا ہے' لڑکی' اس کی ماں
چھوٹی بہن چیخ چلا رہی ہیں میں نے مجرم کو للکارا اور اس کے بعد اسے گرفتار کر لیا۔"

"گڈ بالکل ٹھیک' اچھا امینہ بیگم' اب آپ اپنا بیان لکھوا دیجئے۔"

"انسپکٹر صاحب کا بیان جو ہے وہی میرا بھی بیان ہے۔ فرید احمد میرا دوسرا شوہر ہے
یہ دونوں لڑکیاں میری پہلے شوہر کی ہیں۔ پہلے شوہر کے انتقال کے کچھ عرصے کے بعد
میرے پاس ان بچیوں کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہ رہا تو بحالت مجبوری میں نے فرید احمد سے
شادی کر لی' لیکن یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ فرید احمد شرابی اور جواری آدمی ہے
ریس کھیلتا ہے اور اوباش دوستوں میں رہتا ہے' مجھے سخت خطرہ محسوس ہوا' لیکن بحالت
مجبوری میں سر جھکائے زندگی گزارتی رہی فرید احمد عیاش طبع تھا اور میری بیٹی کے ذریعے
روپیہ کمانا چاہتا تھا' اس نے فیض شاہ نامی اس آدمی کو دو چار بار گھر لا کر میری بیٹیوں کو
دکھایا' میں بے شک ڈرتی تھی' لیکن مجھے یہ امید نہیں تھی کہ فرید احمد ان کا سودا کر دے
گا۔ فیض شاہ ایک دن پہلے میرے پاس آیا۔ دروازہ بجا کر اس نے صاعقہ کو اپنے ساتھ
جانے کے لئے کہا مگر میں نے جلدی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور وہ دروازے پر
چیختا چلاتا رہا پھر دوسرے دن بھی وہ اچانک آیا اور اس نے فرید احمد کی طرح دروازے کو
جس سے میں سمجھی کہ میرا شوہر فرید احمد آیا ہے۔ دروازہ کھولا تو وہ مجھے دھکا دے کر اندر
گیا اور اس کے بعد زبردستی صاعقہ کو اٹھا کر لے جانے لگا۔"

امینہ بیگم کا بیان لکھا گیا' محلے والوں کے دستخط لے کر ان کا شکریہ ادا کیا گیا اور
کے بعد پولیس آفیسر نے فیض شاہ کو لاک اپ میں دھکیل دیا اب وہ رو رہا تھا' گڑگڑا رہا

امینہ بیگم سے بھی معافی مانگ رہا تھا' لیکن امینہ بیگم کیا کر سکتی تھیں' معاملہ پولیس کا تھا'
البتہ ان کے ہوش و حواس خراب ہوئے جا رہے تھے' وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ اب جب
فرید احمد واپس آئے گا تو ان کے ساتھ جو سلوک ہو گا اس کو دیکھنے والا کوئی بھی نہیں ہو گا۔
پولیس سے اگر اس سلسلے میں کہتیں تو کیا کہتیں' خوف و دہشت سے کانپ رہی تھیں' یہاں
کا کام ختم ہو گیا تھا۔ بیرسٹر زلفی نے اس وقت کہا۔

"آیئے امینہ بہن تشریف لایئے۔" امینہ بیگم کو ذرا سی ڈھارس ہوئی اور اس نے سوچا
کہ بیرسٹر زلفی ہی سے اس بارے میں بات کرے' لیکن جب وہ تھانے کے باہر نکلیں اور دو
قدم آگے بڑھیں تو فراز اور شامی ان کے سامنے پہنچ گئے' ایک شاندار کار کھڑی ہوئی تھی'
فراز نے آگے بڑھ کر کہا۔

"آیئے آنٹی گاڑی میں بیٹھ جایئے۔"

"تت....تت.... تم تم... تم پہنچ گئے بیٹے۔"

"آیئے آیئے آپ فکر نہ کیجئے۔" فراز نے پیچھے کا دروازہ کھولا۔ صاعقہ اور انیلا' فراز
اور شامی کو دیکھ کر کافی مطمئن ہو گئی تھیں اور ان کے خوف میں کچھ کمی آ گئی تھی۔ شامی
خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ فراز اس کے برابر بیٹھ گیا۔ بیرسٹر زلفی صاحب اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے
اور دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چل پڑیں۔ امینہ بیگم کی آواز نہیں نکل رہی تھی وہ بری طرح
دہشت زدہ تھیں' حالانکہ وہ فراز سے یہ کہنا چاہتی تھیں کہ اب ان کے لئے خطرہ مزید بڑھ
گیا ہے' لیکن جب یہ گاڑی ایک چھوٹے سے خوشنما علاقے میں داخل ہونے کے بعد ایک
بلڈنگ کے سامنے رکی تو امینہ بیگم تھوڑی دیر میں چونکیں۔ شامی نے گاڑی ایک طرف
پارک کر دی اور فراز نیچے اترتا ہوا بولا۔

"آیئے آنٹی۔"

امینہ بیگم بادل نخواستہ نیچے اتر آئی تھیں' لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی
کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ بہرحال فراز پر اب انہیں اتنا اطمینان ضرور ہو گیا تھا کہ انہوں نے
اس سے کوئی سوال نہیں کیا' بیرسٹر زلفی صاحب بھی پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے پھر ایک
نہایت خوش نما فلیٹ کے دروازے پر دستک دی گئی تو ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا
اور یہ سب اندر داخل ہو گئے۔ فراز اور شامی انہیں ایک سجے سجائے ڈرائنگ روم میں لے
گئے تھے۔ زلفی صاحب بھی ساتھ ہی تھے۔ "بیٹھئے آنٹی۔" شامی نے کہا۔ "بیٹھو انیلا۔ آپ
بھی۔" اس نے صاعقہ سے کہا۔ بے چاریوں کی حالت خراب تھی۔ بیٹھ گئیں شامی نے کہا۔

"سب سے پہلے آپ اپنے دل سے ہر طرح کا خوف نکال دیں۔ فرید احمد صاحب نے
فیض شاہ سے مل کر جو بھی کارروائی کی ہو گی اپنی دانست میں انہوں نے بڑا زبردست کام کیا
ہو گا آنٹی' لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے احسان مند ہیں کہ ہمیں آپ کی خدمت کرنے کا کچھ موقع

ملا۔ ہم نے آپ کو مشکل سے نکالنے کے لئے سارے بندوبست کئے ہیں۔ آنٹی
بوجھ کر اس وقت فلیٹ میں موجود نہیں تھے جب فیض شاہ آپ کے فلیٹ میں گھسا
نے پورا پورا انتظام کر لیا تھا اور پولیس کو اس سلسلے میں ہوشیار کر دیا گیا تھا۔ اگر
ہوتے تو معاملہ اس بہتری سے نہیں طے ہو سکتا تھا لیکن ہم ہر لمحے آپ کے ساتھ
اب آپ کو اس منحوس فلیٹ میں نہیں جانا پڑے گا جہاں آپ لوگوں کی زندگی تنگ
گئی تھی۔"

شامی کے الفاظ پر امینہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔ صاعقہ نے بھی دوپٹے
منہ چھپا لیا تھا اور چپکے چپکے رو رہی تھی۔ انیلا آنسو بھری آنکھوں سے ماں اور بہن
رہی تھی۔ امینہ بیگم کو رونے سے نہ روکا گیا۔ دل کی بھڑاس نکل جائے تو اچھا ہے
ان پر بیتی تھی اور جن حالات میں مبتلا ہو گئی تھیں' ان سے نکلنے کا یقین بھی ذرا مشکل
سے آتا تھا پھر خود ہی ان کی سسکیاں اور ہچکیاں رکیں تو شامی نے دوبارہ کہا۔

"یہ سب کچھ ضروری تھا آنٹی' آپ کو زندگی کے مستقبل عذاب سے نکالنے کے
یہ سب کچھ ضروری تھا۔ یہ ہمارے معزز کرم فرما بیرسٹر زلفی صاحب ہیں' آپ براہ کرم
سے پورے اعتماد کے ساتھ گفتگو کیجئے گا۔ اتفاق سے اس وقت کی صورت حال تفصیل
بتانے کی ذمہ داری مجھ پر ہی عائد کی گئی ہے اس لئے میں کچھ ناخوشگوار الفاظ اپنی بساط
بڑھ کر ادا کروں گا ان کے لئے مجھے معاف کر دیجئے گا۔ آنٹی ہم لوگ آپ سے بے پناہ
کرتے ہیں اور یوں سمجھ لیجئے کہ اب ہم آپ کے بیٹوں کی مانند ہیں آنٹی' آپ بے شک
سوچیں گی کہ اجنبی اور غیر لوگ اپنے کیسے ہو سکتے ہیں لیکن آپ ایک رائٹر ہیں جیسا کہ
فراز کی زبانی معلوم ہوا ہے' خون کے رشتے بے شک اہمیت کے حامل ہوتے ہیں لیکن
کبھی محبت کے رشتے ان پر بھی سبقت لے جاتے ہیں اور کسی کے لئے بھی کسی کی
کسی کے بھی دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی ایسی انوکھی اور غیر یقینی بات نہیں ہے
سے پہلے آپ اس بات پر یقین کر لیجئے گا کہ یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے اس میں ذرہ برابر
کوئی احسان نہیں ہے۔ یہ تو ہمارے اندر کی آواز ہے۔ جس پر ہم کام کر رہے ہیں اور
کا شکر ہے کہ ہم آپ کی کچھ خدمت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر آپ کے دل میں
احمد صاحب اور فیض شاہ کا کچھ خوف باقی رہ گیا ہے تو میری درخواست ہے کہ اب اسے
سے نکال دیجئے گا۔ وہ لوگ اب آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ فیض شاہ پولیس کے قبضے میں
چکا ہے اور یہاں یہ سب کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی دولت سے کام لے کر اس قبضے سے
جائے گا اور آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ
کہ اب اس کے فرشتوں کو بھی یہ پتا نہیں چلے گا کہ آپ کہاں موجود ہیں۔ آپ کے
کی تمام کارروائی ہم لوگ کریں گے۔ بیرسٹر صاحب آپ سے جو گفتگو کرنا چاہتے ہیں

کرم اس موضوع پر کھل کر گفتگو کر لیجئے گا۔"

امینہ بیگم نے آنسو خشک کئے۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا
جیسے اب وہ بیرسٹر زلفی صاحب سے باتیں کرنے کے لئے بخوشی آمادہ ہیں۔ صورت حال بہتر پا
کر بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"بہن امینہ بیگم! مجھے آپ کے بارے میں تفصیلات بتا دی گئی ہے' آپ نے جن
حالات میں بھی فرید احمد جیسے شخص سے شادی کی ظاہر ہے وہ آپ کی مجبوری ہو گی اور آپ
صحیح طور پر معلومات حاصل نہیں کر سکی ہوں گی کہ وہ شخص کس قسم کا انسان ہے۔ بعد میں
تمام صورت حال کا آپ کو اندازہ ہوا ہو گا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میرے علم میں آ
چکا ہے' یہاں تک کہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ لوگ خودکشی پر آمادہ ہو گئی تھیں'
امینہ بیگم' میں اس بارے میں آپ سے کوئی خاص سوال نہیں کروں گا۔ پہلی بات کا جواب
دے دیجئے کہ کیا یہ درست ہے کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ خودکشی کا فیصلہ کیا تھا؟"

"جی...!" امینہ بیگم نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ حالات سے اس قدر دلبرداشتہ ہو گئی تھیں کہ آپ کو
موت کی آغوش میں پناہ لینے کا فیصلہ کرنا پڑا اور وہ بھی اپنی بچیوں کے ساتھ' جبکہ انسان اپنے
بچوں کے لئے ہی جیتا ہے۔ اگر حالات اتنے ہی خوفناک ہو جائیں کہ وہ بچیوں کی زندگی سے
بھی پرامید نہ رہے تب وہ اس قسم کے فیصلے کرتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں بھائی صاحب۔"

"اگر یہ سچ ہے تو آپ مجھے پہلی بات بتائیے کہ آپ نے فرید احمد سے طلاق کیوں نہ
طلب کی؟"

امینہ بیگم نے گلا صاف کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"اصل میں ہم لوگ اس قدر بے سہارا تھے کہ اس کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ میں
جانتی تھی کہ اگر میں نے طلاق کا مطالبہ اس شخص سے کیا تو وہ خاموشی سے ہم تینوں ماں
بیٹیوں کو لے جا کر کسی جگہ ذبح کر دے گا وہ یہ کام کر سکتا تھا' وہ بہت خونخوار آدمی ہے'
اس لئے میں یہ جرات کبھی نہیں کر سکی۔"

"کیا آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش آپ اس سے طلاق حاصل کر سکتیں۔"

"ہزار بار' لیکن اپنے لئے نہیں اپنی بچیوں کے لئے میں نے بارہا یہ سوچا کہ اگر میں اس
سے یہ مطالبہ کروں گی تو وہ میری دونوں بچیوں کو فروخت کر دے گا اور مجھے ان سے محروم
کر دے گا اس خوف سے میں نے کبھی یہ بات نہیں کی۔"

"ویری گڈ" اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ کو یہ موقع مل جاتا کہ آپ اس سے طلاق
لیتیں تو آپ یہ کام کر سکتی تھیں؟"

"کاش ایسا ممکن ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ خیر یہ تو رہا طلاق کا مسئلہ' طلاق مرد خود دیتا ہے لیکن عورت خلع لیتی ہے۔ اگر آپ کو یہ مشورہ دیا جائے کہ آپ فرید احمد صاحب سے خلع لے لیجئے تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہو جائیں گی؟"

"اب تیار ہو جاؤں گی۔" امینہ بیگم کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے شامی اور فراز کی طرف اٹھیں اور انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ فراز اور شامی نے ان کے لہجے کی مضبوطی کا احساس کیا تھا۔ ان کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"ویری گڈ' ویری گڈ' میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ اب آپ کو کچھ سہارے حاصل ہیں؟"

"جی ہاں۔ دعائیں نہیں دوں گی۔ دعائیں تو اکثر لوگ دے ہی دیا کرتے ہیں' حالانکہ پہلی اور آخری چیز دعا ہی ہوتی ہے۔ بس میں کچھ کہوں گی نہیں ان کے بارے میں سوائے اس کے کہ اللہ نے ہم بے سہارا عورتوں کو جو سہارا عطا کیا ہے' خدا اسے تاحیات قائم دائم رکھے۔"

"جی امینہ بیگم' آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنے مافی الضمیر سے مجھے آگاہ کر دیا۔ میں آپ سے یہی کہنا چاہتا تھا۔ خلع کی درخواست میں نے تیار کر لی ہے۔ آج' اصل میں سارا کام ہی کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگ۔ شامی صاحب نے اس سلسلے میں معلومات مجھے فراہم کی تھیں ان کے مطابق ہی عمل کیا گیا تھا۔ پولیس فرید احمد کو بھی گرفتار کرے گی اگر انہوں نے آپ کے سلسلے میں کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی۔ آپ کی خلع کی درخواست عدالت کو دے دی جائے گی اور وکیل کے ذریعے اس فلیٹ تک پہنچا دی جائے گی۔ باقی تمام مسئلوں کی طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں' شامی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ گھر اب آپ کی قیام گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے گا اور آپ سے یہیں رجوع کیا جائے گا۔ میں آپ کو اپنا ٹیلی فون نمبر بھی دے دوں گا' آپ اطمینان سے کسی بھی وقت کسی بھی لمحے ہم سے رجوع کر سکتی ہیں۔"

"جی بہت بہتر۔" امینہ بیگم نے کہا۔

زلفی صاحب نے اپنے بریف کیس سے درخواست وغیرہ نکالی۔ تمام کارروائی مکمل کر لی گئی۔ امینہ بیگم کا بیان پہلے ہی لکھا جا چکا تھا۔ یہاں بھی اس پر دستخط لئے گئے۔ بیرسٹر صاحب نے ساری تیاری بڑی عمدگی سے مکمل کی تھی اور اس کے بعد جب تمام دستخط وغیرہ ہو گئے تو انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی شامی صاحب' اب کیا حکم ہے ہمارے لئے؟"

"سر! میرا خیال ہے چائے آ رہی ہے۔"

"بس تو پھر ذرا جلدی کر دیجئے تاکہ ہم فرصت پالیں۔"

چائے کے لئے شامی نے شاید اس ملازمہ سے کہہ دیا تھا جو یہاں موجود تھی۔ اس نے باہر جا کر دیکھا تو ملازمہ چائے لا رہی تھی' شامی نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد چائے کا دور چلا۔ امینہ بیگم' صاعقہ اور انیلا کو بھی چائے پیش کی گئی تھی اس کے ساتھ کچھ ہلکی پھلکی چیزیں بھی تھیں۔ جو بازار سے لائی گئی تھیں۔ ان لوگوں نے تو خیر کچھ بھی نہیں کھایا۔ بیرسٹر زلفی صاحب نے ایک دو بسکٹ لئے' چائے پی اور اس کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شامی اور فراز انہیں دروازے تک چھوڑنے گئے تھے۔ بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"ویسے تو کوئی ایسی بات نہیں ہے کسی کو بھی پتا نہیں ہے کہ یہ لوگ کہاں ہیں لیکن پھر بھی آپ لوگ ان کی نگرانی کرتے رہئے گا۔ یہ اچھا ہو گا۔ فرید احمد کو بہت جلد کسی نہ کسی چکر میں پھنسا کر ٹریپ کر لیا جائے گا۔ آپ اس سلسلے میں بالکل مطمئن رہیں۔ اگر اس نے ضرورت سے زیادہ جدوجہد کی تو ہم اس کے خلاف اور بھی کارروائی کر سکتے ہیں۔"

شامی نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ بیرسٹر صاحب اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ تب شامی اور فراز واپس آ گئے۔ امینہ بیگم' صاعقہ اور انیلا اسی طرح بیٹھی ہوئی تھیں۔ شامی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"محترمہ آنٹی صاحبہ! بلکہ چچی جان اب آپ یہ اپنا نیا گھر دیکھ لیجئے۔"

امینہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر شامی اور فراز کو دیکھا پھر آہستہ سے بولیں۔

"یہ نیا گھر کس کا ہے؟"

"فی الحال تو آپ اسے اپنا ہی سمجھئے۔ بعد میں دیکھیں گے کیا صورت حال پیش آتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکی کہ اس احسان کا صلہ میں کیسے دے سکوں گی؟"

"ابھی دینا ضروری ہے چچی جان۔" شامی نے آنٹی سے چچی جان کہنا شروع کر دیا تھا۔

"میں.... میں کیا کہوں' کیا بتاؤں۔"

"آپ نہ کچھ کہئے نہ کچھ بتایئے' بس میرے ساتھ آیئے.... آیئے محترمہ۔" شامی نے صاعقہ کو دیکھا اور صاعقہ کے چہرے پر نجانے کیوں شرم کی سرخی پھیل گئی البتہ انیلا کھڑی ہو گئی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شامی انکل! کیا اب ہم اسی فلیٹ میں رہیں گے؟"

"ہاں بیٹے.... کہئے آپ کو کیسا لگا یہ فلیٹ؟"

"یہ ہمارے فلیٹ سے بہت اچھا ہے انکل' ہمارے فلیٹ میں تو کچھ بھی نہیں تھا' یہاں تو سب کچھ ہی موجود ہے۔"

"بس تو پھر آیئے ذرا اس کا معائنہ کر لیجئے اور بتایئے کس کس چیز کی کمی ہے' آپ
جان آپ تو اس قدر تکلف کر رہی ہیں کہ اب ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ آپ
ابھی تک ہمیں اپنے دل کے ان گوشوں تک نہیں پہنچنے دیا ہے جہاں ہم پہنچنا چاہتے ہیں۔"
"کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹے؟"
"تو پھر آیئے نا۔"
فراز بھی خوش تھا۔ امینہ بیگم نے فلیٹ کے کمرے دیکھے۔ پانچ کمروں کا بڑا خوبصو
اور شاندار فلیٹ تھا۔ تین کمرے بیڈ روم تھے' ایک ڈرائنگ روم اور ایک کمرہ سٹنگ
کے طور پر تھا۔ بہرحال ہر چیز موجود تھی۔ ملازمہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ شامی نے اس
بھی امینہ بیگم کا تعارف کرایا اور بولا۔
"یہ خاتون آپ کے ساتھ ہر طرح کی معاونت کرنے کے لئے موجود رہیں گی۔ ہا
خاص آدمی ہیں بلکہ ہماری خاص خاتون ہیں' یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری راز دار ہوں گی ہر
میں۔ باہر کے کام یہ خود ہی کر لیا کریں گی انہیں سب کچھ معلوم ہے' آپ لوگ آرام
یہاں قیام کریں اور ہاں محترمہ ہاؤس کیپر صاحبہ یہ بتایئے کچن کی کیا پوزیشن ہے؟" شامی
ملازمہ سے کہا۔
"کون کیپر؟" ملازمہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔
"اجی آپ سے کہہ رہا ہوں۔"
"میرا اصل نام حمیدہ ہے۔" ملازمہ نے جواب دیا اور سب لوگ بے اختیار ہ
پڑے۔
"چلیں ٹھیک ہے اچھا ہوا آپ نے اپنا اصلی نام بتا دیا۔ تو حمیدہ بیگم باورچی خانے
ضرورت کی کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟"
"صاحب جی' فریج بھرا ہوا ہے' مہینے بھر کا راشن پہنچا دیا ہے بیگم صاحبہ نے اور وہ
چیزیں' جن کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی صاحب جی یہ مجھے دس ہ
روپے بھی دیئے ہیں انہوں نے یہ خرچہ کرنے کے لئے۔" ملازمہ نے دس ہزار روپے نک
کر امینہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"ارے ارے یہ میں..... میں کیا کروں گی ان کا؟"
شامی کا رواں رواں میڈم کا احسان مند ہو گیا تھا۔ کتنی عظیم عورت ہے' کیسے عجیب
غریب کردار کی مالک۔ وہ درحقیقت اس وقت بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا۔ حمیدہ نے کہا۔
"بی بی جی دیکھو پیسوں کا معاملہ جو ہے وہ ذرا ٹیڑھا ہوتا ہے۔ آپ ہمیں اپنے ہاتھ
خرچہ دیا کرو' تنخواہ تو ہمیں دفتر سے ملے گی۔ بس آپ ضررت کے لئے ہمیں خرچہ د
کرو۔ بیگم صاحبہ نے یہی کہا ہے ہم سے۔"

امینہ بیگم نے سوالیہ نگاہوں سے شامی اور فراز کی طرف دیکھا تو شامی نے کہا۔
"یہ حمیدہ بیگم جن خاتون کا تذکرہ کر رہی ہیں ان کے بارے میں آپ کو بعد میں
تفصیل سے بتا دوں گا۔"
"مگر یہ پیسے؟"
"بھئی رکھ لیجئے اب۔ آپ پھر وہی غیروں کی سی باتیں کر رہی ہیں۔"
"نہیں ٹھیک ہے۔ اب بھلا میں کیا غیروں کی سی باتیں کروں گی۔ میرا سر تمہارے
سامنے جھکا ہے تو اب یہ کیسے اٹھے گا؟"
"محترمہ چچی جان اپنے بچوں کے سامنے سر نہیں جھکائے جاتے اور کیا کہوں کیسے کہوں
آپ سے۔"
"نہیں ٹھیک ہے۔"
فلیٹ درحقیقت بہت زیادہ خوبصورت تھا۔ امینہ بیگم نے تحسین آمیز نگاہوں سے اسے
دیکھا اور کہنے لگیں۔
"ہماری اوقات سے کہیں زیادہ اچھی جگہ ہے۔"
"اپنی اوقات کا تعین انسان خود نہیں کر سکتا' بس وہ جس کے دل میں رہتا ہے بس وہی
اس کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ آیئے اب آپ سے کچھ اور باتیں ہو جائیں۔
صاعقہ اگر آپ چاہیں تو انیلا کو لے کر دوسرے کمرے میں بیٹھ جائیں۔ ہم ذرا چچی جان سے
باتیں کر لیں۔" شامی نے کہا اور صاعقہ فوراً ہی تیار ہو گئی۔ وہ انیلا کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے
کمرے میں چلی گئی اور امینہ بیگم دوسرے کمرے میں آ گئیں۔
"چچی جان کچھ کام آپ کی مرضی کے بغیر کر لئے گئے ہیں لیکن نجانے کیوں دل کو یہ
اعتماد تھا کہ آپ ہم سے انحراف نہیں کریں گی۔ ان کے بارے میں آپ سے معلوم کرنا
چاہتے ہیں۔"
"جی بیٹے کیا؟" امینہ بیگم نے پوچھا۔
"مثلاً جیسے یہ ساری کارروائی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ فیض شاہ نے پچھلے دن جو
کچھ کیا تھا وہ ہمارے علم میں تھا' ہم چاہتے تو اس وقت مداخلت کر سکتے تھے' جھگڑا ہوتا'
خوامخواہ نقصانات ہوتے اس کے بجائے ہم نے کوئی موثر کام کرنے کا فیصلہ کیا جیسا کہ زلفی
صاحب کی موجودگی میں گفتگو ہو چکی ہے کہ آپ اس سلسلے میں حد سے زیادہ پریشانیوں کا
شکار ہو گئی تھیں اور میرے خیال میں یہی مناسب ہے کہ آپ فرید احمد سے خلع لے لیں۔
خلع کی درخواست عدالت میں پہنچ چکی ہو گی یا پہنچ جائے گی۔ آپ کو دو تین پیشیاں بھگتنی
پڑیں گی اور بس اس کے بعد فیصلہ ہو جائے گا۔ بعد کے سلسلے میں چچی جان آپ سے صرف
اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ بالکل اطمینان رکھیں جب ہم نے اپنے آپ کو آپ کی فرزندی

میں دے دیا ہے تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام معاملات ہماری ذمہ داری بن گئے ہیں۔ فرید احمد صاحب کو یہ بالکل معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ سب کیا ہوا ہے اور آپ کہاں ہیں۔ مطمئن رہئے وہ آپ کو کبھی تلاش نہیں کر سکیں گے۔ ہم بعد میں بھی انہیں بیوقوف بنائے رہیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کا اور ان کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ پیشیوں کے درمیان ہم لوگ آپ کے ساتھ نہیں رہیں گے بلکہ ہم نے اس سلسلے میں کچھ اور لوگوں کا انتظام کیا ہے، جو آپ کے ساتھ رہیں گے۔ آپ ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں گی۔ بعد میں البتہ زندگی کے لئے بہتر راستے تلاش کریں گے۔ کیا سمجھیں آپ؟"

"بس کچھ نہیں۔ اب مجھے کچھ اور مت بتاؤ میں ایک آخری بات کہہ رہی ہوں جس بے بسی کے عالم میں تم نے مجھے سہارا دیا ہے میں اسے مرتے وقت تک فراموش نہیں کر سکوں گی، میری طرف سے تمہیں مکمل اختیارات ہیں شامی اور فراز، جس طرح دل چاہے کرو، میں اپنی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں دے چکی ہوں۔ اللہ تمہیں زندہ سلامت رکھے۔"

"بے حد شکریہ۔ یہ دعائیں ہماری ساری کاوشوں کا صلہ ہیں تو پھر اب اجازت اور اس امید کے ساتھ کہ آپ یہاں پورے اعتماد کے ساتھ رہیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

امینہ بیگم خود بھی صاف ستھری خاتون تھیں، شامی نے فراز کی طرف دیکھا اور فراز نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ واپس نکلتے ہوئے انہوں نے صاعقہ اور انیلا سے ملاقات کی۔ شامی نے کہا۔

"بھابی جان امید ہے کہ آپ پورے اعتماد کے ساتھ یہاں رہیں گی اور سارے حالات سنبھالیں گی۔" یہ الفاظ اس نے اتنی سرگوشی میں کہے تھے کہ صرف صاعقہ ہی سن سکے۔ صاعقہ کا سر سینے سے جا لگا اور شامی سب کو سلام کر کے فراز کا ہاتھ پکڑے ہوئے فلیٹ کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے کہا۔

"جان من، ویسے تو معلوم ہے کہ آپ کا دل یہاں سے جانے کے لئے نہیں چاہ رہا ہو گا لیکن سرکار چھپتے چھپاتے یہاں آ جایا کریں گے۔ ظاہر ہے چچی جان کا خیال تو رکھنا ہی ہو گا۔ آپ مجھے یہاں نہ لانا چاہیں گے تو نہیں آؤں گا۔ آپ کو یہاں رہنے کی اجازت بھی دی جا سکتی ہے۔ اب چلئے۔ ہو سکتا ہے فرید احمد صاحب تشریف لے آئیں۔ ذرا ان کی بھی نگہداشت کرنی ہے۔ ویسے یار ایمانداری سے بتانا کیسا منصوبہ رہا؟"

"یار شامی تو نے میرے لئے کیا ہے نا؟"

"بس بس بس... کافی ہے، میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے لئے جان من، ابھی تو تمہیں میرے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔"

"تیرے لئے زندگی کی بازی لگا دوں گا۔"

"اب مجھے کوئی تجھ سے نکاح تھوڑی کرنا ہے، میڈم کا اور میرا مسئلہ ذرا ہموار کرا دے، میری زندگی بھی بہتر گزر جائے گی۔"

فراز مدھم انداز میں مسکرانے لگا تھا۔

□

حسن کے شب و روز مصروف گزر رہے تھے، دل پر گھاؤ لے کر آیا تھا لیکن وقت سے ہار جانے والوں میں سے نہیں تھا۔ بہت سوچا تھا، بہت غور کیا تھا، جس شعبے میں اسپشلائزیشن کر رہا تھا، اس کے لئے اس نے اپنے آپ کو بیچ دیا تھا۔ انسٹی ٹیوٹ میں نوکری کرتا تھا اور وہاں بھی اس نے اپنی شخصیت کو منوا لیا تھا، معزز اور پروقار شخصیت کا مالک تصور کیا جاتا تھا وہ۔ اصل میں زندگی کے لئے اس نے جو چیلنج قبول کیا تھا۔ اپنے آپ کو اس میں ضم کر دینا چاہتا تھا۔ کیا ہوا اگر محبت نہ ملی، زندگی کے اور بھی مقاصد ہیں اور وہ انہیں کے لئے کام کر رہا تھا۔ بے شمار افراد جن کا تعلق اس کے وطن سے تھا، امریکہ آنے کے بعد یہ سوچ بیٹھے تھے کہ آخر کار یہاں سے واپس جانا ہے۔ کم از کم امریکہ کی یادیں تو دل میں لے جائیں۔ عیش کرتے تھے، وہ ذرائع کسی کے پاس تھے کسی کے پاس نہیں تھے لیکن جس کے اپنے ذرائع نہیں تھے، اس نے بھی اپنے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ نکال لیا تھا چاہے کسی کے حاشیہ بردار ہی بن کر سہی۔ حسن ان سب سے الگ تھلگ انسان تھا۔ ہاسٹل میں رہتا تھا، یہ مجبوری تھی کیونکہ یہاں قیام کچھ سستا پڑ جاتا تھا۔ جبکہ کوئی الگ جگہ کرائے پر حاصل کرنا مشکل کام تھا۔ حالانکہ چند ایسے دوست بھی تھے جنہوں نے اپنے لئے جگہ منتخب کر لی تھی، لیکن بات وہی مشاغل کی تھی۔ کم از کم ہاسٹل میں تھوڑی سی پابندیاں قبول کرنا پڑتی تھیں، جن کی وجہ سے یہاں کا ماحول بہتر تھا۔

اس وقت بھی اپنے کمرے میں تنہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو ایک سکھ نوجوان کو سامنے کھڑے ہوئے پایا۔ سکھ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ساڈا ناں ہربنس اے جی۔"

"آیئے مسٹر ہربنس، کہئے خیریت، کون ہیں آپ اور کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"او جی، حسن محمود صاحب نامی ایک بندہ رہندا اے اودے نال کم اے۔"

"آیئے آیئے میں ہی حسن محمود ہوں۔"

سکھ نوجوان نے گرمجوشی سے حسن محمود سے ہاتھ ملایا۔ سیدھا سادا نوجوان معلوم ہوتا تھا بیٹھتے ہوئے بولا۔

"او حسن صاحب جی تسی کسی غزل بی بی نوں جاندے او؟"

"غزل؟"

"ہاں جی' آپ کے دیس کی ہیں پاکستان کی ہیں۔"

"ہاں ہاں جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں' خیریت؟"

"بس جی ان کا ایک میسج لے کر آئے تھے آپ کے پاس۔"

"اوہو اچھا' کہاں ہے غزل؟" حسن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اسے غزل یاد آ گئی تھی۔

"وہ بھی ایک ہاسٹل میں ہی رہتی ہے جی' ہماری ایک بہن بنی ہوئی ہے' سیتا ہے اس کا نام۔ اس نے غزل جی کا میسج آپ کے پاس بھجوایا تھا۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"اوہو۔ کب؟"

"وہ جی۔ جی آپ ٹائم دیں۔" ہربنس نے جواب دیا۔ اب وہ اردو میں بات کر رہا تھا۔

حسن سوچ میں ڈوب گیا۔ بہرحال اپنے دیس کی لڑکی تھی' ہسپتال میں اچھا خاصا ساتھ رہ چکا تھا' حسن کو معلوم تھا کہ وہ یہاں امریکہ میں ہے لیکن اپنے طور پر اس نے کبھی اس سے ملنے کی بارے میں نہیں سوچا تھا وہ تو ایک بہت بڑا مسئلہ تھا تو اس سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ ویسے بھی کچھ پرانی یادیں اس سے وابستہ تھیں۔ وہ اس کا کیا بگاڑ لے گی' مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے' حسن نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"اب یہ پتا نہیں ہربنس جی کہ غزل کو کب فرصت ہو گی؟"

"وہ جی اسے تو فرصت ہی فرصت ہے آپ ٹائم بتا دو بلکہ ہو سکے تو اپنا ٹیلی فون نمبر بھی دے دو۔"

"یہ زیادہ بہتر ہے۔ میں اسے اپنا ٹیلی فون نمبر دیئے دیتا ہوں۔ یہ انسٹی ٹیوٹ کا ٹیلی فون نمبر ہے اس سے کہنا کل شام کو پانچ بجے کے بعد مجھے رنگ کر لے۔"

"او جی بہت بہت شکریہ آپ کا۔" ہربنس نے کہا اور ٹیلی فون نمبر نوٹ کرنے کے بعد اٹھنے لگا۔

"بیٹھیے ہربنس جی' کچھ چائے وغیرہ تو پی لیجیے۔"

"او جی لسی پلاؤ تو بات ہے' چائے تو امریکہ والے پیتے ہیں' ہم نہیں۔"

"سوری' میرا خیال ہے یہاں لسی کا رواج نہیں ہے۔"

"نا جی نا ایسی کوئی بات نہیں ہے' اگر کبھی آپ کا لسی پینے کو جی چاہے تو ہمیں بتانا۔ ہم آپ کو ایسی جگہ لے چلیں گے جہاں اپنا پٹیالے سے بھی اچھی لسی مل جائے گی آپ کو۔"

"ٹھیک ہے پھر' کبھی نہ کبھی میں آپ کو ضرور تکلیف دوں گا۔" حسن نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

ہربنس چلا گیا اور حسن غزل کے بارے میں سوچنے لگا۔ غزل کے تصور کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں وابستہ تھیں جن میں پریشانی کا عنصر شامل تھا۔ اونہہ دیکھا جائے گا۔ غزل نے

اگر اس سے رابطہ قائم کیا تو اس سے ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔

دوسرے دن ٹھیک سوا پانچ بجے اسے غزل کا فون موصول ہوا۔ حسن کو امید تھی کہ وہ اسے فون ضرور کرے گی۔ دوسری طرف سے غزل کی آواز سنائی دی۔

"مسٹر حسن محمود سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی بول رہا ہوں غزل' کیسی ہیں آپ؟"

"ارے حسن صاحب' میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن جناب! انتہا ہے آپ کی طرف سے یہ بے اعتنائی اور بے مروتی کوئی اچھی چیز تو نہیں ہے۔ ہم دونوں کا خمیر ایک ہی زمین سے اٹھا ہے کم از کم اس کا تو کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور ہو گا۔"

"کیوں نہیں غزل' بے شک اس کا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ آپ یہ بتایئے کیا ہو رہا ہے؟ کیا کر رہی ہیں؟"

"بس آپ کو یاد کر رہے تھے اور پڑھ رہے تھے۔"

"خوب' خاصی برجستہ ہو گئی ہیں آپ؟"

"چھوڑیئے ان باتوں کو' یہ بتایئے کہاں مل رہے ہیں؟"

"آپ کو کب فرصت ہوتی ہے؟"

"آپ کے لئے ہر وقت فرصت ہے۔"

"تو پھر کہیں بھی مل لیجئے گا کوئی حرج نہیں ہے۔"

"اچھا۔ تو پھر ایلا پارک ہوٹل کیسا رہے گا۔ بڑا اچھا ریستوران ہے ایلا پارک کے علاقے میں سب سے مشہور اوپن ایئر ہے وہاں پہنچ جایئے۔"

"کب' کس وقت؟"

"بس یہاں سے سیدھے آپ وہیں جایئے' ادھر میں چل رہی ہوں۔" حسن نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے' میں پہنچ رہا ہوں۔"

"تھینک یو' تھینک یو ویری مچ۔" غزل نے کہا اور حسن نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

حسن فارغ ہو چکا تھا۔ ذہن میں بے شمار خیالات تھے۔ وہ ایلا پارک پہنچ گیا۔ غزل اس سے پہلے وہاں موجود تھی۔ اس نے دور سے حسن کو دیکھ لیا تھا۔ حسن نے اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا اور اس کی طرف بڑھ گیا۔ غزل کے ساتھ ایک اور خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ وہ قریب پہنچا تو دونوں لڑکیاں کھڑی ہو گئیں۔

"ہیلو حسن۔" غزل نے ہاتھ بڑھایا تو حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو غزل۔" اس نے غزل سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ غزل جھینپ گئی اور اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو حسن مجھ سے بہت ناراض ہو؟"

"ناراض؟" حسن نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ بھی نہیں ملایا مجھ سے۔"

"ہاں غزل۔ ہم شاید اپنے وطن میں بھی ہاتھ نہیں ملاتے تھے۔ یاد کرو وہاں ایسا ہوا؟ ہو تو یہاں نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیوں؟"

"یہ یہاں والوں کی ثقافت ہے اور ہم اس سے متاثر نہیں ہوئے۔"

"گھٹیا خیال ہے۔" غزل نے کہا۔

"بتاؤ کیوں؟" حسن نے اس کے الفاظ کا برا مانے بغیر کہا۔

"ہم یہاں سے علم حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں خود سے برتر سمجھ کر ان سے کچھ رہے ہیں پھر ان کی ثقافت سے اتنا گریز کیوں؟"

"اس لئے جو کچھ ہم یہاں سیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک ضرورت ایک مجبوری ہے ہمارے پاس ہے اسے کیوں نظر انداز کریں۔"

"کیا ہے ہمارے پاس؟"

"ہماری اپنی ثقافت جو ان سے بہتر ہے۔"

"اگر ہم اتنے ہی دولت مند ہیں تو پھر ان کا سہارا کیوں لیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہی کیوں رہے ہیں۔ حکیم کیوں نہیں بن جاتے۔ حکمت بھی تو ہماری ثقافت کا ایک حصہ ہے۔"

"بحث دور تک نکل جائے گی غزل حکمت کے بارے میں حقارت آمیز رکھائی اختیار کرو۔ اس کا تعلق روحانیت سے ہے اور جب سے ہم روحانیت کے فقدان کا شکار ہو حکمت سے بھی دور ہو گئے۔ تم تو میڈیکل کی سٹوڈنٹ ہو غزل۔ تمہیں معلوم ہے میڈ سائنس کیا ہے۔" حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام سیتا ہے مسٹر حسن۔" دوسری لڑکی نے مسکراتے ہوئے ان کی گفتگو مداخلت کی اور حسن نے چونک کر دیکھا۔ سیتا نے مسکرا کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

حسن بے اختیار مسکرا پڑا۔ اس نے بھی جواب میں دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ غ بھی پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ ہماری ثقافت تو نہیں ہے حسن؟"

"ہاں۔ بس یہ اس کی پاکیزگی کا خراج ہے جو اس تعارف میں محسوس ہوتی ہے۔" نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے آ گیا غزل جی۔"

"ارے نہیں مس سیتا۔ ہم لڑ نہیں رہے۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔"

"ہمارے درمیان پہلے ہی طے تھا کہ آپ آ جائیں گے تو میں چلی جاؤں گی۔ دوبارہ آپ سے ضرور ملوں گی۔"

"ضرور ملئے سیتا بہن۔ میں غزل سے کہوں گا کہ آپ سے ضرور ملاقات کرائے۔" سیتا چلی گئی تو غزل ہنس پڑی۔

"آپ نے اسے بہن بھی کہہ دیا۔" وہ بولی۔

"تم پر اپنی نیت واضح کرنے کے لئے۔ ورنہ مجھے معلوم تھا کہ اس کے جانے کے بعد تم مجھ پر نہ جانے کیسے کیسے الزامات لگاؤ گی۔" غزل اور زور سے ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔

"گویا میرا اتنا خوف ہے۔ مجھے خوشی ہوئی۔"

"لوگوں کو خوف زدہ کر کے تمہیں خوشی ہوتی ہے؟"

"کیسے ہو؟" غزل نے موڈ بدل کر کہا۔

"غور سے دیکھو۔ ٹھیک ہوں۔"

"خاک ٹھیک ہو۔ کمزور ہو گئے ہو۔" غزل نے اپنائیت سے کہا۔

"خوب' انوکھی اختراع ہے۔"

"ہماری ملاقات عجیب سی نہیں ہو گئی؟"

"وہ کیسے؟"

"مجھ سے ہاتھ ملا لیتے تو کیا ہوتا۔ اس کے سامنے بے عزتی کر دی اور اس کی پذیرائی کی۔"

"اصل میں وطن سے آنے کے بعد وطن بہت یاد آتا ہے اور اس کا احترام دل میں بڑھ گیا ہے۔ خدا کی قسم میں یہاں کی لڑکیوں سے بھی ہاتھ نہیں ملاتا۔"

"مجھ میں اور ان میں فرق نہیں ہے۔"

"زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ غیر ہیں۔ تم اپنی۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔ ڈیڈی کی بات کیوں نہیں مانی تھی؟"

"کون سی بات؟"

"مجھ سے شادی کی۔" غزل نے بے باکی سے کہا اور حسن ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ غزل نے ویٹر کو اشارہ کر کے آرڈر دیا۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتی رہی پھر بولی۔ "جواب نہیں دیا۔"

"اس لئے کہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"وجہ؟"

"بتانا نہیں چاہتا۔"

"اب کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟" حسن حیرت سے بولا اور غزل ویٹر کی طرف متوجہ ہو گئی جس نے وغیرہ لا کر رکھ دیئے تھے۔ غزل نے اسے جوس سرو کیا اور اپنا گلاس اٹھا کر بولی۔

"ایک پیش کش کرنا چاہتی ہوں۔"

"کہو؟"

"ہم دوران تعلیم ایک فلیٹ کرائے پر لے لیتے ہیں۔ ساتھ رہیں گے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"آخر کیوں؟"

"میں ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ سکون سے رہتا ہوں اور پھر میری مصروفیات اتنی ہیں اچھی طرح ایڈ جسٹ ہوں۔"

"نوکری بھی کرتے ہو؟"

"ہاں، مگر اپنی پسند کے ادارے میں یہاں مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔"

"زندگی مشکل نہیں ہو گئی؟"

"بالکل نہیں۔"

"میں نہیں مانتی۔ یقین کرو تمہاری صحت متاثر ہوئی ہے۔"

"غزل! یقین کرو مجھے میرا گھر۔ یعنی ماں بہنیں اتنے ہی عزیز ہیں جتنے تم، میرے وا ایک نظریہ تھا جس سے میں نے اتفاق نہیں کیا۔ انہیں بھی ضد ہو گئی۔ میں نے ان کی قبول نہیں کی۔ مجھے یقین ہے تمہیں حالات ضرور معلوم ہوں گے۔ جب میں نے ان کی قبول نہیں کی تو کسی اور کو میں کیا خاطر میں لا سکتا ہوں۔"

"یعنی میں کسی طور تمہارے لئے قابل قبول نہیں ہوں۔"

"بیوی کی حیثیت سے نہیں۔"

"پھر؟"

"ہم اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔"

"گرل فرینڈ؟" غزل بولی۔

"نہیں صرف فرینڈ۔"

"حسن میں بھی بہت ضدی ہوں۔ خدا کی قسم اس وقت مجھے کوئی خاص احساس ہوا تھا جب تم نے میرے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا۔ تھوڑا سا افسوس ضرور کیونکہ تم مجھے پسند ہو، لیکن کوئی پاگل پن نہیں سوار ہوا تھا۔ پھر میرے ماں باپ آئے۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ انہوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں بھی پوچھا۔ بہت

باتیں ہوئیں ان سے۔ انہوں نے مجھے میری پسند کے مستقبل کا حق دیا اور میرے ذہن میں پھر تم آ گئے لیکن جس طرح تم نے میری نسوانیت کو ٹھکرا دیا ہے اس نے اچانک میرے دل میں ضد پیدا کر دی ہے۔ حسن مجھے بھٹکنے سے بچاؤ۔"

"غزل! میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تم سے ہاتھ نہ ملا کر میں نے تمہاری توہین کی ہے تو یہ غلط خیال ہے۔ میں تمہارا وقار قائم رکھنا چاہتا تھا اور ہمیشہ چاہتا رہوں گا، کسی بھی قسم کی ضد دل میں نہ لاؤ غزل، بعض مرحلے ایسے ہوتے ہیں جن میں ضد کی گنجائش نہیں ہوتی، ملتی رہو مجھ سے، میں تم سے ہمیشہ عزت سے ملوں گا، اپنے آپ کو میرا حریف نہ سمجھو کسی بھی صورت میں، میں تو خود اپنی مشکلات سے گزر رہا ہوں، میرے لئے کوئی اور ایسی مشکل نہ پیدا کرو جس سے میں بددل ہو جاؤں۔ غزل میرے لئے بڑے امتحان کا وقت ہے، ایک اچھے دوست، اچھے ساتھی کی حیثیت سے مجھے اس امتحان سے گزرنے دو، ایسی کوئی مشکل نہ ہو جس کا کوئی حل میرے پاس نہ ہو، کاش میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔"

"یہ سب بناوٹی باتیں ہیں حسن، کیا مشکل ہے؟ ہر شخص زندگی میں کسی نہ کسی ساتھی کا انتخاب کرتا ہے، مجھے وہ کمی بتا دو جو میرے اندر ہے، میں تمہارے موقف کو تسلیم کر لوں گی اور اگر یہ سب کچھ نہیں ہے تو پھر کھل کر اعتراف کرو کہ تم صرف میری توہین کرنا چاہتے ہو۔"

"نہیں غزل، میں تمہاری بالکل توہین نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی میرا رویہ ایسا ہے کہ مجھے تم سے معذرت کرنی پڑے، یہ تو ایک اچھے جذبے کے تحت میں نے تم سے گفتگو کی ہے، بہرحال اب یہ تم پر منحصر ہے جیسا مناسب سمجھو۔"

غزل خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر کی بعد حسن نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا۔

"آئی ایم سوری غزل، بس اس سے زیادہ میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا، اگر پسند کرو تو آؤ میں تمہیں کسی ایسی جگہ چھوڑ دوں جہاں تم جانا چاہتی ہو، تنہا جانا پسند کرو تو پھر مجھے اجازت دو۔"

"نہیں حسن شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔" غزل نے اپنے پرس سے نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ایک روایت ہے کہ ہمارے ہاں بلوں کی ادائیگی مرد ہی کیا کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ تم اس میں میرا راستہ نہیں روکو گی۔" حسن نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر میز پر ڈالے اور ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ غزل نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں حسن، میں نے تمہیں مدعو کیا تھا۔ براہ کرم یہ رقم جیب میں رکھ لو۔"

"اچھا غزل خدا حافظ۔" حسن نے کہا اور تیز تیز قدموں سے واپس چل پڑا۔ غزل ایک لمحے خاموش کھڑی رہی تھی پر اس نے ویٹر کو اشارہ کیا اور اس کے بعد خود بھی وہاں سے چل پڑی۔

❑

نعمان پہنچ گیا۔ مسز عالمگیر نے دور ہی سے تابندہ کو بتایا کہ وہ نعمان ہے۔ بلند و بالا دراز قامت کا مالک' چھریرے کسرتی بدن والا خوبصورت نوجوان' خوبصورت رنگ و روپ کا مالک' کچھ دیر کے بعد وہ کسٹمز وغیرہ کے قوانین سے فراغت حاصل کر کے باہر آگیا۔ اس نے بھی دور ہی سے ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ باہر پہنچا تو مسز عالمگیر وارفتگی کے عالم میں اس سے لپٹ گئی۔ نعمان نے بھی ماں کی گردن میں بانہیں ڈال کر' اپنا رخسار اس کے چہرے سے لگا دیا۔ مسز عالمگیر جذبات میں ڈوبی کھڑی رہی اور تابندہ ان دونوں کا ملاپ دیکھ کر مسکراتی رہی۔ نعمان نے ماں کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور پھر تابندہ کی طرف رخ کر کے بولا۔

"ہیلو"

"ہیلو نعمان' آپ ٹھیک ہیں؟"

"جی ہاں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟"

"فائن آیئے۔" تابندہ نے خوشگوار لہجے میں کہا اور وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے' نعمان راستے میں بولا۔

"گو کہ ممی نے آپ کا تعارف نہیں کرایا' لیکن ممی کے ساتھ آپ کی موجودگی ایک مکمل تعارف ہے۔ آپ یقیناً ہمارے لئے ایسی ہی شخصیت کی مالک ہوں گی کہ ممی آپ کو اپنے ساتھ لائیں۔ میرا نام نعمان ہے اور آپ کو ضرور میرا نام پتا ہو گا آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں تابندہ ہوں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ ممی آپ سنایئے کیسی گزری میرے بغیر؟"

"بہت بری۔" مسز عالمگیر نے کہا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں۔"

"تو پھر کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"بس کیا کروں' اخلاقیات بعض اوقات بڑی بدنما لگتی ہیں۔ ہم وہ سوال کرتے ہیں جن کا جواب ہمارے پاس موجود ہوتا ہے۔"

"باتیں کچھ زیادہ نہیں بنانے لگے۔"

"ہاں ممی' کچھ زیادہ باتیں بنانے لگا ہوں بلکہ کچھ کم بول رہا ہوں' ورنہ لوگ میری اس عادت سے عاجز آگئے ہیں۔"

"نجانے کون لوگ ہوں گے وہ' میں تو تیری آواز سننے کو ترس گئی تھی۔"

"اب سنئے گا خوب میری آوازیں۔" نعمان نے کہا سب کار میں بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔

کچھ دیر کے بعد مسز عالمگیر کی کوٹھی آگئی اور سب نیچے اتر آئے۔ سامان کی ذمہ داری ڈرائیور کو سونپ دی گئی۔ تابندہ بھی مسز عالمگیر کے ساتھ تھی' نعمان نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"بس ممی بیٹھئے آرام سے' یہ نہ کہئے کہ سفر میں تھکن ہو گئی ہو گی جاؤ منہ ہاتھ دھو لو' آپ یقین کیجئے میں نے ہر طرح سے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا' بس اگر آپ اجازت دیں تو جوتے اتار لوں' اور ہاں میرے لئے کوئی سلیپر وغیرہ مل جائیں تو نوازش ہو گی۔"

"منگواتی ہوں۔" مسز عالمگیر نے کہا اور ملازموں کو بلا کر سلیپر لانے کے لئے کہہ دیا' نعمان آرام سے بیٹھ گیا تھا۔

"کپڑے اتار لو' گھریلو لباس پہن لو' باتھ روم میں سب کچھ تیار ہے۔"

"چھوڑیں ممی' میں بڑا پاکستانی قسم کا آدمی ہوں' آپ یقین کریں' کبھی کبھی تو پتلون شرٹ پہن کر سو بھی جاتا ہوں' جوتے پہن کر البتہ سویا نہیں جاتا کیونکہ رات کو کروٹ بدلتے ہوئے جوتے کی ایڑیاں دوسرے پاؤں میں لگتی ہیں تو آنکھ کھل جاتی ہے اس لئے اب جوتے ضرور اتار لیتا ہوں۔"

"واقعی کچھ زیادہ بولنے لگے تم؟"

"کہا نا ممی جھوٹ تھوڑی بول رہا ہوں' اچھا اب ذرا تابندہ کا تعارف ہو جائے' کیا کہوں بھئی آپ کو مس تابندہ۔"

"ہاں ہاں مس مس' یہ تمہیں صورت سے مسز لگتی ہیں؟"

"دیکھئے نا' مکمل معلومات حاصل کر لینا ضروری ہوتا ہے مس تابندہ آپ ہماری کون ہیں؟"

"یہ ہماری بہت کچھ ہیں' رشتوں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

"واہ' یہ ساری باتیں آپ یقین کریں میں سننا چاہتا تھا' ویسے میں پاکستان کا لٹریچر بڑی باقاعدگی سے پڑھتا رہا ہوں تاکہ میری اردو اچھی رہے' ممی آپ یقین کیجئے کہ میں نے اپنے آپ پر مغرب کو کبھی مسلط نہیں ہونے دیا۔"

"یقین نہ دلاؤ مجھے انداز ہے' ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔"

"گڈ' گویا میری ممی کو میرے اوپر مکمل اعتماد ہے تو دیکھئے مس تابندہ' کیا خیال ہے آپ کا' ارے وہ بات رہ گئی' بھئی آپ خود ہی کوئی رشتہ بتا دیجئے۔"

"نعمان صاحب' میں آپ کی ملازمہ ہوں۔"

"جی۔" نعمان نے کان کے پاس ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ملازمت کرتی ہوں مسز عالمگیر کے پاس۔"

"ممی آواز نہیں آ رہی' ذرا میرے کان میں جھانکئے کیا میں بہرہ ہو گیا ہوں۔؟"

"یہ ملازمہ نہیں ہے' میرے لئے یہ میری بیٹیوں کا درجہ رکھتی ہے نعمان۔"

"ویری گڈ' ویری گڈ' بھئی ممی کی بیٹی' آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی ہے۔" نعمان نے کہا اور تابندہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"آنٹی' میرا خیال ہے کھانا لگوایا جائے۔"

"ہاں بھئی بالکل' میں نے جہاز میں کھانا اس لئے نہیں کھایا کہ گھر جا کر کھاؤں گا' مگر تابندہ پلیز مجھے واقعی بھوک لگ رہی ہے۔"

"بس ابھی میں آپ کو کال کرتی ہوں نعمان صاحب۔" تابندہ نے کہا اور باہر نکل گئی۔ مسز عالمگیر نعمان کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ انہوں نے کہا۔

"سناؤ تعلیمی معاملات کیسے رہے؟"

"آپ کو مسلسل آگاہ کرتا رہا ہوں۔ آپ کا بیٹا اگر نہ پڑھتا تو پھر آپ کا بیٹا ہی کیسے ہوتا' سب کچھ ٹھیک ہے' آپ کو اپنی ساری ڈگریاں دکھاؤں گا اور آپ یہ اعتماد کر لیں گی کہ میں نے وہاں صرف محنت کی ہے۔"

"نہیں نعمان' مجھے تم پر اعتماد ہے۔" مسز عالمگیر نے کہا۔ نعمان نے تابندہ کے بارے میں اور کوئی سوال نہیں کیا تھا' کھانے کی میز پر تابندہ موجود تھی۔ مسز عالمگیر نے اس سے اپنے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے لئے کہا تھا' نعمان چٹکلے چھوڑتا رہا اور کافی وقت اسی طرح مغرب کی کہانیاں سناتے سناتے گزر گیا۔

نعمان انتہائی دلچسپ نوجوان تھا پھر مسز عالمگیر نے کہا۔

"تابندہ! تمہیں واپس تو نہیں جانا ہے ابھی' میرا خیال ہے ہم نے مرزا صاحب سے بات کر لی تھی۔"

"جی میڈم انہوں نے منع نہیں کیا تھا۔"

"ارے ارے ایک بار غلطی سے آنٹی کہہ دیا' میں خوش ہو گئی تھی۔ یہ پھر میڈم کہنا شروع ہو گئی میں' سنو آنٹی کہا کرو مجھے سمجھ گئیں۔ آج سے تم پر یہ حکم لاگو کر دیا گیا ہے۔"

"جی۔"

"تو پھر تم یوں کرو کہ اب آرام سے سو جاؤ' رات بہت گزر چکی ہے چلو میں تمہارا بیڈ روم دکھا دوں' صبح کو ناشتے پر بھی تمہیں میری مدد کرنی ہے اور اس کے بعد آفس جانا ہے میں تو کل آفس نہیں جاؤں گی۔ ذرا نومی کے ساتھ وقت گزاروں گی۔ تم میرے سارے معاملات سنبھال لینا۔"

"جی بہت بہتر۔"

اپنی اس خواب گاہ میں بستر پر لیٹ کر تابندہ کی آنکھوں میں آنسو کی نمی آ گئی۔ اسے پہلے بھی نعمان کے تذکرے پر اپنا ڈاکٹر یاد آیا تھا۔ حسن' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا اور آنکھوں کی پوروں سے موتی ٹپک ٹپک کر تکئے میں جذب ہوتے رہے۔

صبح کو بہت جلدی جاگ گئی تھی' مسز عالمگیر اور نعمان ابھی تک نہیں جاگے تھے اس نے ضروری انتظامات کرائے' مسز عالمگیر کی اجازت کے بغیر یہاں سے نکل بھی نہیں سکتی تھی' نجانے کتنے عرصے کے بعد گھر سے الگ رہ کر کوئی رات گزاری تھی وہ بھی تنہا' نجانے کیسے کیسے احساسات دل میں جاگزیں ہو گئے تھے اپنے بھائی یاد آئے تھے کچھ بھی تھا بہرطور بھائی تھے اور بہنیں بھائیوں کے سہاروں کو بڑا مضبوط سمجھتی ہیں لیکن دو دو بھائیوں نے بہنوں' معذور باپ اور ماں کو بے سہارا چھوڑ دیا تھا اور اب کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو یہ سوچتا کہ بہن گھر سے باہر نہ رہے۔ یہ تو خیر بات ہی الگ تھی لیکن ویسے بھی کون تھا یہ بات پوچھنے والا۔ بہرحال انتظار کرتی رہی ناشتا وغیرہ اپنی نگرانی میں تیار کرایا تھا پھر نعمان اور مسز عالمگیر جاگ گئے انہیں صبح بخیر کیا' مسز عالمگیر اس سے پوچھنے لگیں کہ وہ کس وقت جاگی تھی اس نے سب کچھ بتا دیا ناشتا کیا گیا اور اس کے بعد وہ بولی۔

"میڈم میں چلتی ہوں۔"

"آنٹی۔" مسز عالمگیر نے کہا۔

"سوری آنٹی میں فیکٹری جا رہی ہوں۔"

"ہاں بھئی ذرا صورت حال دیکھ لینا' ہو سکتا ہے ہم لوگ بالکل نہ پہنچ پائیں' ذرا نکلیں گے نعمان سے کچھ پروگرام بنے ہیں تم مقررہ وقت پر گھر چلی جانا اور سوری دو تین دن تک تمہیں میرے بغیر فیکٹری سنبھالنا ہو گی۔"

"جی آپ فکر نہ کیجئے۔"

"آنٹی....." مسز عالمگیر نے کہا اور ہنس پڑیں۔ وہ بھی ہنس دی اور پھر مسز عالمگیر نے ضد کر کے اسے اپنی کار میں فیکٹری بھجوا دیا تھا حالانکہ اس نے کہا تھا کہ وہ چلی جائے گی' اب وہ سڑکوں سے اس قدر اجنبی نہیں رہی ہے' غرضیکہ وہ فیکٹری چلی گئی اور پھر فیکٹری کے کاموں میں مصروف ہو کر ساری باتیں ہی بھول گئی' شام کو معمول کے مطابق چونکی اور گزرا ہوا دن یاد آیا۔ گھر سے نکلے ہوئے کافی گھنٹے ہو گئے تھے' گھر چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد عجیب سے احساسات لئے ہوئے گھر میں داخل ہوئی۔ رخشندہ' فرخندہ اور فیروزہ بیگم اس کی منتظر تھیں' رخشندہ اور فرخندہ ہنس دیں۔ فرخندہ نے کہا۔

"باجی! اب تو تم بہت مصروف خاتون ہو گئی ہو' کیا عیش ہیں بھئی یعنی گھر سے باہر بھی وقت گزارا جانے لگا اور کوئی باز پرس بھی نہیں ہے۔"

مرزا صاحب بھی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ تابندہ نے نجانے کس
کے تحت سہمی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن مرزا صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
رہی تھی۔

"ابھی آئی ہو؟"

"جی ابو' ابھی ابھی تو گھر میں داخل ہوئی ہوں۔"

"اور خالی ہاتھ۔"

"جی.... میں سمجھی نہیں۔"

"میرا مطلب ہے امریکہ وغیرہ سے تمہارے لئے کوئی تحفہ نہیں آیا۔"

"جی....." وہ حیرانی سے بولی۔

"بھئی بڑے آدمی بہت کچھ لیتے دیتے ہیں' کیا تم ان کے سامنے کوئی باظرف خاتون
رہتی ہو' دیکھو بیٹا موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے مسز عالمگیر بعد میں تمہیں
دیں اچھی خاتون معلوم ہوتی ہیں لینے سے انکار نہ کرنا' کیا سمجھیں؟"

وہ مرزا صاحب کو دیکھتی رہ گئی۔ کیا ہو گیا ہے اس شخص کو جو انا پرستی میں اپنا
نہیں رکھتا' جو لڑکیوں کو گھر کے دروازے سے قدم نکالتے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا' سا
رات گزرنے کے بعد تحفے کے بارے میں پوچھ رہا ہے جو اس کے لئے امریکہ سے آیا
تابندہ اپنے باپ کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

❑

ساری کارروائی کے بعد یہ لوگ فلیٹ واپس آ گئے' بڑا اچھا طریقہ کار اختیار کیا
پڑوس کے لوگ اب بھی اس بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اکا دکا افراد کھڑے
تھے ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"عزیزی آپ لوگوں کو معلوم ہی نہیں آپ کے گھر کے سامنے کیا واقعہ رونما ہو گیا"

"ارے خیریت کیا ہو گیا؟"

"میاں' بس یہ ہونا ہی تھا۔ جن لوگوں کے پاس یہ فلیٹ تھا وہ کوئی نہ کوئی گل کھلا
رہتے ہیں۔ ہمیں تو پہلے ہی اس بات کی امید تھی۔" دوسرے صاحب نے کہا۔

"میاں ان ماں بیٹیوں کا کیا قصور' وہ آدمی ہی لفنگا ہے' تم کیا اسے کوئی شریف آ
سمجھتے ہو' عورتیں شریف تھیں بیچاری مصیبت میں پھنس گئیں' پولیس کے چنگل میں
نکلنا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا۔"

پھر لوگوں نے انہیں صاعقہ کے اغوا اور پولیس کے اچانک آ جانے کی کہانی سنائی اور
ساری کہانی سن کر وہ حیران ہوتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ شامی نے کہا۔

"یار واقعی یہ کہنے میں کوئی عار نہیں لگتی مجھے کہ اپنی کھوپڑی نے جو پروگرام بنایا تھا

دنیا کا بے مثال پروگرام ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں' ویسے تو جو کچھ بھی ہوا لیکن طریقہ کار بہت شاندار رہا'
چاروں شانے چت ہو گئے دونوں بدمعاش۔"

فرید احمد آج رات بھی واپس نہیں آیا تھا۔ دوسری صبح بھی شامی نے خاصی دیر تک
انتظار کیا' فراز بھی دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا پھر جب فرید احمد اس وقت بھی نہیں آیا تو
شامی اور فراز اپنے اپنے دفتروں کو چل پڑے۔ یہ طے کر لیا تھا کہ فلیٹ پر ہی واپس آئیں
گے اور اس کے بعد سوچیں گے کہ اب کیا کرنا ہے۔ شامی بہت خوش تھا سیدھا آفس پہنچنے
کے بعد میڈم کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا' اندر آنے کی اجازت طلب کی' میڈم کی
کار باہر دیکھ چکا تھا۔ اجازت لے کر اندر داخل ہو گیا اور بڑے ادب سے میڈم کو سلام کیا۔
میڈم نے بھی پرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا۔

"بیٹھو شامی خیریت تو ہے نا سب؟"

"جی میڈم۔"

"کل وہ کیس نمٹا لیا تم نے؟"

"جی۔ بڑی خوش اسلوبی سے۔"

"ذرا سناؤ کیا صورت حال رہی۔" میڈم نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا اور شامی مزے لے
کر گزرے ہوئے دن کی کہانی سنانے لگا۔ میڈم بھی خوشگوار انداز میں مسکراتی رہی تھی' شامی
نے اس کے بعد کہا۔

"حقیقت یہ ہے میڈم کہ آپ نے اس سلسلے میں جو کردار ادا کیا ہے' میرے پاس اس
کے شکریئے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔"

"جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کے سلسلے میں مجھے تمہاری کیا مدد کرنی چاہئے۔"
میڈم نے کہا اور ہنس پڑی۔

"نہیں واقعی بہت بڑا سہارا دیا ہے آپ نے ہمیں۔"

"آپ اپنے آپ کو تیس مار خان ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو کیجئے' ہم بھی آپ کو تیس مار
خان سمجھ لیں گے لیکن ہم نے یہ بات پہلے ہی کہہ دی تھی کہ اب یہ معاملہ آپ کا
نہیں رہا ہے۔ ایک انسانی بنیاد پر ہماری بھی کچھ ذمہ داریاں تھیں جو بہرطور ہم نے پوری
کیں۔"

"آپ نے بہت کچھ کیا۔"

"ارے بابا تو اب اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہئے' یعنی اگر تمہارے خیال میں' میں
نے بہت کچھ کیا ہے تو میرا کوئی خاص قصور ہو گیا۔"

"نہیں میڈم بالکل نہیں۔"

"ویسے اب یہ بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔ میرا خیال ہے زلفی صاحب بڑے آرام سے امینہ بیگم کے لئے خلع لے لیں گے۔"

"جی ان بیچاریوں کی زندگی سدھر جائے گی۔"

"اگر ان کے لئے مزید کچھ کرنا چاہتے ہو تو براہ کرم مجھے بتا دینا شامی۔"

"مثلاً...؟"

"بھئی ان کا کوئی مستقل ذریعہ آمدنی ہو' مکان کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ فلیٹ بھی میری اپنی ہی ملکیت ہے' جب تک ان کا دل چاہے وہاں رہتی رہیں۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اس فلیٹ کی' ویسے شامی ایک بات بتاؤ' جیسا کہ تم نے کہا کہ فراز صاعقہ سے شادی کے لئے تیار ہو چکا ہے تو پھر یہ شادی کب تک کرو گے تم؟"

"بخدا....مم.... میں تو شادی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا' میرا مطلب ہے کہ صاعقہ سے شادی فراز کو کرنی ہے۔"

"شرارت نہیں' میں فراز ہی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"میرا خیال ہے یہ بالکل ہی ایک الگ موضوع ہے' پہلے بے چاری امینہ بیگم فرید احمد کے عذاب سے تو نکل جائیں اس کے بعد اس سلسلے میں آگے قدم بڑھائیں گے۔ ابھی اگر جلدی بازی کرتے ہیں تو وہ یہی سمجھیں گی کہ ہم نے صرف اپنے مطلب کے لئے یہ ساری کارروائی کی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے' ویسے ٹھیک ہے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تھوڑا عرصہ گزر جائے اس کے بعد دیکھ لینا۔"

"ہاں..... بالکل میڈم۔"

"ویسے ایک بات اور پوچھوں؟"

"آپ کوئی بات پوچھنے کے لئے مجھ سے پوچھتی کیوں ہیں' میں خادم ہوں آپ کا۔"

"اے مسٹر' میں خادموں کو پسند نہیں کرتی' یہ بات آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔" شامی کے منہ میں ایک جملہ مچلنے لگا لیکن یہ حد سے آگے بڑھ جانے والی بات تھی' اس لئے خاموش ہو گیا۔ میڈم نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے اپنی شادی کے بارے میں؟"

"آپ میرے ضبط کا امتحان لے رہی ہیں۔" شامی نے کہا۔

"اوہو۔ کیا بہت پہلے شادی کر لینا چاہتے تھے تم؟"

"جواب نہیں دوں گا میڈم' بات بہت بڑی ہو جائے گی۔"

"خیر' جس بات کا تم جواب نہیں دینا چاہو گے میں اس کے لئے تمہیں کبھی مجبور نہیں کروں گی لیکن سچ کہہ رہی ہوں جب بھی کبھی شادی کرنے کو دل چاہے اور کوئی لڑکی پسند

آئے تو مجھے ضرور بتا دینا۔ بڑی محبت سے یہ فرمائش کر رہی ہوں' کیا سمجھے۔ بار بار ایسی بات کبھی نہیں کہوں گی۔"

"بہتر ہے۔" شامی اسے دیکھ کر مسکرایا اور نجانے کیوں میڈم کی آنکھیں جھک گئیں۔ شامی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"میرے لئے کوئی اور حکم؟"

"نہیں بھئی بالکل نہیں' بس یہی کہہ رہی ہوں کہ ان لوگوں کی باقاعدہ خبر گیری کیا کرو اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔ میں خود بھی کسی وقت ان سے ملوں گی۔"

"ضرور میڈم۔ میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔"

"ہاں بنا لیں گے کسی دن پروگرام۔"

اس کے بعد شامی وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ باقی دن معمول کے مطابق گزرا' شام کو وہ فلیٹ پہنچ گیا۔ فراز آ چکا تھا اور بے چینی سے شامی کا منتظر تھا۔

"خیریت' فرید احمد صاحب آئے؟"

"نہیں ابھی تک تو نہیں آئے۔"

"کہیں لمبے ہی نکل گئے ہیں شاید۔"

"ممکن ہے۔"

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟"

"چل رہے ہیں بھائی۔" شامی نے کہا اور فراز اسے گھورنے لگا۔ شامی مسکرا دیا تھا۔

"کیوں۔ اس میں دانت نکالنے کی کیا بات ہے؟" فراز چڑ کر بولا۔

"ارے ارے' زبردستی گلے پڑ رہے ہو۔ میں منع کب کر رہا ہوں؟"

"میں چلنے کے لئے کب کہہ رہا ہوں۔"

"خدا کی پناہ' اب جھوٹ بھی شروع ہو گیا۔ بس ایک منٹ کپڑے بدل لوں۔" شامی شرارتیں کرتا رہا' پھر دونوں باہر نکل آئے۔ شامی بازار پہنچا' اس نے کافی پھل' چاکلیٹ' بسکٹوں کے ڈبے وغیرہ خریدے اور پھر دونوں امینہ بیگم کے فلیٹ پہنچ گئے۔

حمیدہ نے دروازہ کھولا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ راستے سے ہٹ گئی۔ شامی نے سرگوشی میں کہا۔

"حمیدہ بیگم کے تیور دیکھے تھے فراز' اچھی محافظ ہیں۔ سارے کاموں کے علاوہ نگرانی بھی خوب رکھ سکتی ہیں۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ امینہ بیگم غالباً خود باہر نکل آئی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کی کیفیت کہیں بہتر نظر آ رہی تھی' صاف ستھری اور چہرے سے کافی حد تک مطمئن۔ اب ان کی شخصیت کا اصل روپ سامنے آ رہا تھا۔ پڑھی لکھی خاتون تھیں اپنی

چھوٹی سی نادانی سے زندگی کے عذاب میں گرفتار ہو گئی تھیں اور اب اس عذاب
چھٹکارے کے تصور نے ان کے چہرے کو بشاش کر دیا تھا۔ بڑی محبت سے ان کا
استقبال کیا گیا۔ ساتھ لائے ہوئے ساز و سامان کو دیکھ کر انہوں نے سر پکڑ لیا۔

"خدا کی پناہ، یہ تم لوگوں نے کیا کیا خرید ڈالا۔ ارے بابا کیا ضرورت تھی ان چیزوں
کی۔"

"بس چچی جان کچھ نہ کچھ تو لانا ہی تھا، آپ کو پتا ہے ایسے گھروں میں ...
تو خالی ہاتھ نہیں آتے۔" شامی کی زبان بھلا کہاں رک سکتی تھی، لیکن امینہ بیگم
نہیں سمجھی تھیں۔

"کیا مطلب....؟"

"ارے، ارے ہر کام مطلب سے تھوڑی کیا جاتا ہے۔" شامی نے کہا اور ایـ
مسکرانے لگیں۔

"تم کافی شریر معلوم ہوتے ہو لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہم تو ہنسنے مسکرانے کو
گئے۔"

"یہ صاعقہ بیگم کہاں ہیں؟" شامی نے کہا۔

"یہاں ہوں آ تو گئی۔" صاعقہ دوسرے کمرے سے باہر نکل آئی۔ بال وغیرہ سنوا
تھے، چہرے کی وہ پژمردگی اب کافی کم ہو گئی تھی اس لئے وہ بھی بہت حسین نظر آ رہی

"سبحان اللہ، بھئی آپ لوگوں کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں۔ آج ذرا
کو غور سے دیکھ لیا جائے۔ چلیں انیلا بیگم، پہلے آپ کا معائنہ ہو جائے۔" انیلا شرما
فراز ہنس رہا تھا۔ امینہ بیگم بولیں۔

"معائنہ اندر آ کر کرو تو زیادہ اچھا ہے۔ صاعقہ چائے کے بارے میں کیا خیال
بیٹا؟"

"بناتی ہوں۔"

"ارے ارے، یہ حمیدہ بیگم کی توہین کیوں کی جا رہی ہے، کیوں حمیدہ بیگم کیا
اچھی چائے بنانا نہیں آتی؟" شامی بولا۔

"کیوں نہیں میاں، آپ نے اس وقت بھی پی تھی، اب بھی پی کر دیکھ لیں۔ بتا
خرابی ہے میری چائے میں۔"

"ارے توبہ خرابی ورابی کچھ نہیں ہے بھئی۔ بس حمیدہ باجی سے ہر وقت کام
ہوئے اچھا نہیں لگتا۔"

"نہیں بی بی جی۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ ہمارا تو کام ہی یہ ہے
وہی چراغ والے جن ہیں، کہ عالی جاہ کام بتائیے، بس کام کرتے رہتے ہیں تو خوش رہتے

"آپ ہم سے تکلف نہ کیا کریں۔"

سب لوگ کمرے میں آ بیٹھے۔ حمیدہ بیگم چائے بنانے چلی گئی تھیں۔ صاعقہ کو بھی
بلا لیا گیا تھا۔ امینہ بیگم نے کہا۔

"بڑی اچھی جگہ ہے، زندگی سے بھرپور، بے حد پر رونق۔ بس اب اور کیا کہوں سوائے
... اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

"اور یہ کہہ کر یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیجئے چچی جان۔ آپ کی دعاؤں سے اللہ
ہمیں یقیناً خوش رکھے گا، بس اب مزید دعائیں دیجئے۔"

"مزید دعائیں؟" امینہ بیگم نے مسکراتی نگاہوں سے شامی کو دیکھا۔

"جی ہاں، یعنی سہرے کے پھول وغیرہ کھلنے کی دعائیں۔ اب دیکھئے نا انسان ایک ہی
... پر چلتا ہے یعنی بچپن میں ماں باپ زبردستی اسکول میں بھیج دیا کرتے ہیں۔ بہرحال اس
... ماں باپ کی زبردستی چلتی ہے، جانا پڑتا ہے بچوں کو اسکول۔ اور اس کے بعد اسکول سے
...گنے کا دور آتا ہے۔ پھر کالج۔ پسند کی جگہ ہوئی تو ٹھیک ورنہ بہانہ بازی۔ پھر اس کے فوراً
... انسان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ ذرا پھولوں کا یہ جھول باندھ کر تو دیکھئے
... کیا ہوتا ہے۔"

"اچھا بھی ہوتا ہے، برا بھی ہوتا ہے۔" امینہ بیگم نے کہا۔

"دعائیں تو اچھی ہی کرنی چاہئیں، ہے نا؟" شامی بولا۔ صاعقہ ہنس رہی تھی۔ امینہ بیگم
...نے لگیں۔

"خدا کی قسم یوں لگتا ہے جیسے دوبارہ اس دنیا میں آئے ہیں ورنہ ہم تو تاریک ہی ہو
...ے تھے۔"

"چچی جان! میرے خیال میں اب آپ افسانہ نگاری شروع کر دیجئے۔"

"کیا افسانہ نگاری شروع کریں گے، اب تو اپنے ہی افسانے بن گئے ہیں۔"

"وہ بھی ایک موضوع ہے آپ کے پاس۔"

"فرید احمد صاحب آئے تھے؟" امینہ بیگم نے ایک دم سے موضوع بدل کر کہا۔

"نہیں آئے۔ اور آئیں گے تو بڑا لطف آئے گا۔"

"وہ آدمی بہت خطرناک ہے اس بات کا خیال رکھنا۔" امینہ بیگم بولیں۔

"اب اپنے منہ سے اپنی تعریف کیا کریں، خطرناک تو ہم دونوں بھی بہت زیادہ ہیں۔
...لیکن بہرحال، آپ کے سامنے شریف چہرہ بنا کر آئے ہیں۔"

"انکل آپ بھی ہمارے ساتھ رہ جائیں پلیز، کتنا اچھا لگے، آپ سے باتیں کر کے بڑا
...اچھا لگتا ہے۔" انیلا نے کہا۔

"ہاں بیٹے رہ جائیں گے، رہ جائیں گے۔ ابھی ذرا تم اس گھر کے ماحول سے تو واقفیت

حاصل کر لو اور ہاں سنو، پڑھنے لکھنے کا کیا پروگرام ہے اب تمہارا؟؟"

"جی انکل؟" انیلا کے لہجے میں ایک حسرت سی نمودار ہو گئی۔

"ہاں انیلا، غور کر لیجئے آپ۔ اب پڑھائی شروع کرنی ہے آپ کو، جتنا وقت ضائع ہوا سو ہو گیا لیکن اب اس کے بعد چچی جان کوئی آس پاس اسکول دیکھ کر انیلا کے بندوبست کرنا ہے۔ آپ لوگ بالکل بے فکر رہیں اس سلسلے میں۔ یہ کام آ... چھوڑ دیں۔"

کافی دیر تک یہاں نشست رہی۔ ان لوگوں کی خیریت معلوم کی گئی، صاعقہ وغیرہ نہیں گئی تھیں۔ واپسی میں شامی نے کہا۔

"اب ذرا طریقہ کار بدل لینا ہو گا مثلاً یہ کہ ہم لوگ الگ الگ آئیں گے اور تم پر منحصر ہے کہ کس طرح تم صاعقہ کے ساتھ تنہائی حاصل کر لیتے ہو۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"ارے ارے یہ بھی بکواس ہے، اچھا بھائی آئندہ آپ ادھر کبھی نہ آیئے گا، گھر چلئے، گھر چل کر آرام کریں۔ ہو سکتا ہے فرید احمد صاحب آ گئے ہوں۔" شامی بنا کر کہا اور فراز ہنسنے لگا۔

❏

حسن نے غزل کے بارے میں بہت کچھ سوچا۔ وہ اسے بری لڑکی نہیں سمجھتا ایسے ہی مزاج کی تھی۔ پتا نہیں حقیقت معلوم ہونے کے بعد کیا کرے۔ دل تو چاہا اسے بتا دے کہ میرے دل کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اب ان دریچوں سے کبھی کی ہوا کے جھونکے نہیں آئیں گے لیکن اس میں خطرہ تھا۔ کہیں وہ تابندہ کی دشمن جائے، کیا کہا جا سکتا ہے۔ غزل جیسی دولت مند لڑکی کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ اس کے دیس کی لڑکی ہے، اس سے نفرت نہیں کی جا سکتی۔

وہ سوچتا ہی رہا۔ غزل بڑے موقع سے آ گئی۔ اتوار کا دن تھا اور وہ ہاسٹل میں دستک ہوئی تو اس نے کھولت کے انداز میں کہا۔ "آ جاؤ۔" غزل کو دیکھ کر وہ چونک

"ہیلو حسن۔" غزل عجیب سے انداز میں مسکرا کر بولی۔ وہ اس احساس کا شکار نہیں حسن اس کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان تاثرات نے ایک دم حسن کا دیا۔ انسان کی اس طرح تحقیر تو نہیں ہونی چاہئے۔ محبت کے جذبوں کو اس طرح نہیں کیا جانا چاہئے۔ انہیں بدلنے کا کوئی اور ہی انداز ہو تو بہتر ہے۔ وہ خود مسکراتا ہوا گیا۔

"ہیلو غزل۔"

"تمہارے تصور میں بھی نہ ہو گا کہ میں اس طرح نازل ہو جاؤں گی۔" غزل

میں بولی۔

"ہاں۔ مجھے امید نہیں تھی۔"

"میں کچھ ڈھیٹ اور بے غیرت سی لڑکی ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو غزل، آؤ بیٹھو۔ تم میری اچھی دوست ہو۔" حسن نے اپنائیت سے کہا اور غزل صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں دوست ہوں، یا...." وہ بولی۔

"چلو تم خود بتا دو۔" حسن سکڑ کر بولا۔

"میں بتاؤں؟"

"اگر تمہیں شبہ ہے اس بات میں تو ضرور بتاؤ، اپنا مافی الضمیر تو میں بتا چکا ہوں۔"

غزل کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی۔ "کیا کر رہے ہو آج؟"

"کچھ نہیں۔ چھٹی کے دن صرف چھٹی کرتا ہوں۔"

"آج میرے ساتھ سیر کرو۔"

"ایک شرط پر۔" حسن بولا۔

"منظور ہے۔" غزل نے کہا۔

"بغیر سنے....؟"

"ہاں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کہاں چلیں گے؟"

"کہیں بھی۔ کوئی تعین نہیں ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں ڈریس چینج کر لوں؟" حسن نے پوچھا اور غزل نے گردن ہلا دی۔ وہ کچھ حیران سی نظر آ رہی تھی۔ اسے حسن کے اس رویئے کی امید نہیں تھی۔ حسن تیار ہو کر نکل آیا اور پھر دونوں ہاسٹل سے باہر آ گئے۔ حسن نے ایک ٹیکسی روکی اور غزل کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ "کہاں چلیں؟"

غزل نے اپنی پسند کی جگہ بتا دی۔ حسن بہت مطمئن تھا۔ وہ لوگ خوب گھومتے پھرتے رہے، مختلف چیزوں اور ماحول پر بے لاگ تبصرے ہوتے رہے، دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ شام سات بجے تک یہ آوارہ گردی جاری رہی۔ اس وقت بھی وہ ایک خوب صورت پارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن نے کہا۔

"اب فرمایئے مس غزل۔"

"جو کچھ میں فرماؤں گی وہ تمہیں پسند نہیں آئے گا۔"

"کیوں؟"

"میں تو یہ کہتی ہوں کہ اب میرا کہیں جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔"

"تو پھر کیا کریں؟"

"ایک وعدہ۔"

"کہو۔"

"ہم کوئی فلیٹ لے لیتے ہیں' ساتھ رہیں گے۔"

"یہ بے عقلی اور معصومیت کی بات ہے۔"

"نہیں حسن۔ یہ ہمارا دقیانوسی ملک نہیں ہے جہاں ایسی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

"مجھے اس کی دقیانوسیت سے عشق ہے۔"

"مجھے بھی نفرت نہیں ہے لیکن جیسا دیس ویسا بھیس ہونا چاہئے۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم کہیں بھی ہوں' اپنی شناخت سے دور نہیں ہونا چاہئے۔"

"افوہ۔ بڑی فضول باتیں ہیں یہ۔ اچھا۔ وہ شرط ابھی تک نہیں بتائی تم نے جس بارے میں کہا تھا۔"

"بس وہ پوری ہو گئی۔ اصل میں میرے ساتھ کہیں نکلو تو اپنے پرس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ اس سے میری مردانگی مجروح ہوتی ہے۔"

"تم بہت محنت سے کماتے ہو حسن جبکہ میرے پاس میرا جیب خرچ کافی بچ جاتا ہے۔

"سوری۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"آخری بات اور بتا دو۔ تمہارے اس دن کے رویئے اور آج کے رویئے میں یہ فرق کیوں پیدا ہوا ہے؟"

حسن چند لمحات خاموش رہا' پھر اس نے کہا۔

"غزل! ہم ہمیشہ اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں' کرتا رہوں گا۔ کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں انسان کی زندگی میں جن کے بارے میں وہ خود جانتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم ایک ہی انداز سے سوچتے رہیں۔ اور بھی بہت سے انداز ہوتے ہیں۔"

غزل پھر بجھ گئی۔ حسن نے اسے اس کے ہاسٹل چھوڑا تھا لیکن آخر میں غزل پھر غیر مطمئن ہو گئی تھی۔ حسن قابو میں نہیں آ رہا۔ کیوں؟ آخر کیوں؟ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟

پھر حسن سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ غزل کوششیں کرتی رہی۔ حسن اس سے بہت اچھی طرح ملتا لیکن غزل جب بھی اپنے موضوع پر آتی' وہ کنی کترا جاتا۔ غزل اندر ہی اندر سلگنے لگی تھی۔ سیتا اس کی راز دار تھی۔ ایک دن سیتا نے کہا۔

"تم اس کا خیال چھوڑ دو۔ وہ تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گا۔ وہ مہان پرش ہے۔"

"ہے نا۔ میں اس مہان پرش کی مالک بننا چاہتی ہوں۔ میں اندر ہی اندر سلگ رہی

ہوں سیتا۔ میرے والد بیرسٹر ہیں۔ ہم بہت دولت مند لوگ ہیں' میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ زندگی میں میری ہر خوشی اور خواہش پوری کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ میرے والدین نے میرے لئے حسن کا انتخاب کر لیا۔ انہوں نے حسن کو میری زندگی میں شامل کرنے کے لئے اس کی زندگی بنانے کی پیش کش بھی کر دی۔ انہوں نے میری ہر وہ خواہش پوری کی جو میں نے چاہا۔ لیکن یہ خواہش جس میں میری ضرورت تھی وہ پوری نہ کر سکے۔ ان عظیم لوگوں نے مجھے اس کی اجازت بھی دے دی کہ اپنی پسند کی تکمیل کے لئے حسن سے یہاں بھی پینگیں بڑھا سکتی ہیں لیکن وہ...."

"مشکل ہے غزل۔"

"اس مشکل کو آسان بنانا ہے سیتا۔ ہر قیمت پر اسے آسان بنانا ہے۔ وہ میرے اندر سلگنے والی آگ پر غور نہیں کر رہا۔ اس آگ میں جل کر خاکستر بھی ہو جائے گا وہ۔"

"کوئی ایسی حرکت نہ کرنا غزل۔ یہ ہمارا دیس بھی نہیں ہے۔" سیتا نے کہا لیکن غزل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس دن بھی وہ ہاسٹل پہنچی تھی۔ حسن تو نہیں تھا البتہ گلزار نظر آ گیا۔

"ہیلو۔" وہ مسکرا کر بولا اور غزل بھٹک گئی۔ برق کی سی سرعت سے ایک خیال اس کے دل میں آیا تھا۔ حسن کو رقابت کی آگ میں کیوں نہ جلایا جائے۔ اسے ایک نئے دکھ سے آشنا کیوں نہ کیا جائے۔ یہ خیال اس پر محیط ہو گیا اور اس نے فوراً اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ دوسرے لمحے وہ بھی مسکرائی۔

"ہیلو۔ مجھے آپ کا نام یاد ہے ۔ گلزار.... یہی نام ہے نا آپ کا؟"

"زہے نصیب۔ بڑی بات ہے۔ ہمیں تو کبھی اپنی خوش بختی سے کوئی توقع نہ رہی۔"

"کیا مطلب؟"

"حسن سے ملنے آئی تھیں نا آپ؟" گلزار بولا۔

"ہاں۔ آج چھٹی کے دن بھی غائب ہے۔"

"من موجی انسان ہے۔ آپ کے آنے کا علم تھا اسے؟" گلزار نے پوچھا۔

"نہیں' علم تو نہیں تھا لیکن عموماً وہ چھٹی والے دن مل جاتا ہے۔"

"ہم اس کی جگہ تو نہیں لے سکتے' لیکن اگر ہمیں بھی انسان سمجھا جائے تو ہمیں خوشی ہو گی۔"

"میں سمجھی نہیں؟"

"یہ سامنے غریب خانہ ہے' آیئے۔" گلزار نے کہا اور غزل نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ گلزار بڑے احترام سے اسے اندر لے گیا۔

"آپ تنہا رہتے ہیں؟"

"لفظ تنہا بڑا موزوں ہے ہمارے لئے۔"

"کیوں؟"

"ایک کمرے میں تنہا رہنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا' ذات کی تنہائی بڑی اذیت ہوتی ہے۔"

"آپ کے دوست نہیں ہیں؟"

"ہیں۔' لیکن۔ دل کے دریچے کوئی نہیں کھول سکا' حسن پر رشک آتا ہے۔ آپ
چاہت سے اس سے ملنے آتی ہیں۔ وہ کتنی بے اعتنائی سے آپ سے ملتا ہے۔"

"آپ کو علم ہے؟"

"اسی دن سے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔"

"حسن آپ کا دوست ہے؟"

"شناسا۔ اسے مغرور ہونا چاہئے۔ آپ جیسی دوست جو ملی ہیں اسے۔ ویسے وہ آپ
عزیز ہے؟"

"ہم وطن ہے۔"

"بہت خوش نصیب ہے۔"

"ارے نہیں۔ ایسی بھی بات نہیں ہے۔"

"ہے مس غزل۔ میں بھی تو آپ کا ہم وطن ہوں' لیکن...."

"میں آپ کی دشمن تو نہیں ہوں۔"

"دوستی کی درخواست کر سکتا ہوں؟" گلزار نے عجیب سے لہجے میں کہا اور غزل مسکرا
دی۔ پھر اس نے کہا۔

"ان تمام حدود کے دائرے میں جو ہمارے وطن کی روایات میں شامل ہیں۔"

"پلیز مجھے گالی نہ دیں۔ میری رگوں میں شریف والدین کا خون ہے۔" گلزار نے عاجزی
سے کہا۔

"لیکن گلزار صاحب' مائنڈ نہ کریں۔ میں صاف گو ہوں۔ دوستی بری چیز نہیں ہے اگر
اس میں برائیاں شامل نہ کی جائیں۔"

"کسی کو جانے بغیر اس کے بارے میں فیصلہ کر لینا کیا مناسب ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں نے آپ کے بارے میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا' مگر اپنے بارے
میں بتانا ضروری ہے۔"

"جس وقت بھی آپ مجھے اپنے معیار سے گرا ہوا پائیں' میرے چہرے پر تھوک دیجئے
گا۔"

"تب پھر دوستی۔" غزل نے کہا اور ہنس پڑی۔

"پھر آج کا دن اسی دوستی کے نام۔ آیئے یہ شہر بہت خوبصورت ہے اگر دو اجنبی

دوست ساتھ ہوں تو۔ آپ کو کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟"

"نہیں' بس چھٹی والے دن حسن کے پاس آ جاتی ہوں۔ کہاں چلیں گے؟"

"جہاں ہماری روایات زخمی نہ ہوں۔"

گلزار کے پاس ایک خوب صورت کار تھی۔ وہ خود بھی خوش شکل انسان تھا۔ غزل کو
اس کے پہلے دن کی باتیں یاد تھیں لیکن پورے دن کی رفاقت میں اس نے اندازہ لگایا کہ وہ
برا نوجوان نہیں ہے البتہ اس کی نگاہیں ان سیرگاہوں میں حسن کو تلاش کرتی رہیں۔ کاش وہ
نظر آ جائے۔ کاش وہ اسے گلزار کے ساتھ دیکھ لے۔ لیکن یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ گلزار
ہر طرح سے اطمینان بخش ثابت ہوا تھا بلکہ وہ ایک اچھا گائیڈ بھی تھا اور بہت سے علاقوں کی
تاریخ اس نے بڑی تفصیل سے بتائی تھی۔ غزل نے محسوس کیا کہ گلزار کی اپنی کچھ کوالٹی
بھی ہے۔

شام کو گلزار نے کہا۔ "اب آپ کو اصولی طور پر اپنے ہاسٹل پہنچ جانا چاہئے۔"

"آپ کے ہاسٹل جانا چاہتی ہوں' ممکن ہے حسن آ گیا ہو؟" غزل نے آخری کوشش
کرنا چاہی۔

"تب پھر یوں کریں' پہلے آپ اسے دیکھ لیں۔ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ میں آپ کو
ہاسٹل چھوڑ دوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" غزل نے ہنس کر کہا لیکن فاریسٹ ہاسٹل پہنچ کر بھی اس کی یہ
خوشی پوری نہ ہوئی۔ حسن موجود نہیں تھا۔ غزل مایوس ہو گئی۔ لیکن کیا حرج ہے' پھر
سہی۔

البتہ جب گلزار نے اسے اس کے ہاسٹل پر چھوڑا تو وہ بولی۔ "حسن آپ کو نظر آ
جائے تو اس سے کہہ دیجئے گا کہ میں دو بار اس کی تلاش میں آئی تھی۔"

"او کے...." گلزار نے کہا اور گاڑی واپس موڑ دی۔

فیض شاہ کو لاک اپ میں چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ سب کچھ تھا۔ اس کی صحبت
خراب تھی لچے لفنگوں سے رابطہ تھا۔ بری عادتوں میں مبتلا تھا' لیکن پولیس سے کبھی واسطہ
نہیں پڑا تھا۔ اس کے آوارہ مزاج اور جرائم پیشہ دوست کئی بار گرفتار ہوئے تھے اس نے
اپنی دولت کے بل پر ان کی ضمانت بھی دی تھی' لیکن خود پر کبھی یہ نوبت نہیں آئی تھی
پولیس کے نام سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا۔ دو چار بار پولیس اسٹیشن آنے کی نوبت بھی آئی
تھی لیکن دوستوں کے سلسلے میں' اپنا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہوا تھا جس میں اسے خود پولیس
کے چنگل میں پھنسنا پڑتا' لیکن پولیس کی تحویل میں آنے والوں کی درگت کے بارے میں
اس نے بہت کچھ سنا تھا اور کم از کم تنہائیوں میں اسے ان باتوں سے کافی خوف محسوس ہوتا
تھا اور اس نے یہی آرزو کی تھی کہ وہ خود کبھی پولیس کے چنگل میں نہ پھنسے لیکن یہ آرزو
پوری نہیں ہوئی تھی' مصیبت کچھ اس طرح اور اچانک آئی تھی کہ فیض شاہ کے ہوش
حواس جواب دے گئے تھے پورا کیس بنا تھا اس کے خلاف اور جب سارے مراحل طے ہو
گئے تھے تو لاک اپ میں تنہائی میں بیٹھ کر اس نے اپنی اس کارروائی کے بارے میں سوچا تو
تھوڑی ہی دیر میں اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہ تو بالکل اندھے پن کی بات تھی کہ کسی کے
گھر میں گھس کر کسی لڑکی کو زبردستی لے جانے کی کوشش کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہی ہوا تھا
لیکن یہ مجھے ہو کیا گیا تھا۔ ارے عقل ہی کھو گئی تھی میری' میں نے یہ کیا کر ڈالا' بدمعاشی
اس کم بخت فرید احمد کی تھی جس نے دھوکہ دے کر میری عقل ہی چھین لی تھی۔ سوچا تھا
کہ گھر بسا لوں گا ایک خوبصورت بیوی کا شوہر بن جاؤں گا' لڑکی کو دنیا کی ہر وہ چیز دوں گا
اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی اور اس کے بعد عزت دار آدمی بن جاؤں گا' لیکن یہ
لینے کے دینے پڑ گئے تھے' فرید احمد واقعی لمبی رقمیں کھا گیا تھا۔ پچانوے ہزار تو اسے دیے
تھے جو اس نے اپنے حساب سے رجسٹر میں درج کئے تھے۔ اس رجسٹر میں جس میں
خرید کے لے جانے والے بیوپاریوں کا حساب ہوتا تھا' لیکن اس کے علاوہ نجانے وہ کیا کیا
دے چکا تھا۔ فرید احمد کو اس سلسلے میں' مگر اب کیا ہو گا' اب تھوڑی دیر کے بعد دھنائی
شروع ہو گی۔ ارے باپ رے کھال ہی اتار لیں گے یہ کم بخت کے بچے۔ اس نے سہمی
ہوئی نگاہوں سے لاک اپ کے باہر ٹہلتے ہوئے سنتریوں کو دیکھا اور اس کی روح فنا ہونے
لگی' کسی ایک کے چہرے پر ہمدردی کے آثار نظر نہیں آئے۔ یہ کیوں کسی سے ہمدردی

کریں گے انہیں کیا پڑی ہے' مم.... مگر اب کیا کیا جائے' فرید احمد مل جائے تو تکا بوٹی ہی کر
دیں گے کمینے کی' مجھے مصیبت میں پھنسا کر خود نجانے کہاں جا مرا ہے' اس کا تو منصوبہ ہی یہی
ہو گا' لاکھ کی رقم خاک ہوئی اور اس کے بعد تھانے میں آ پڑے' بدن پسینہ چھوڑنے لگا تھا
اور اس کے ہوش و حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ بہ مشکل تمام سلاخوں والے دروازے
کے پاس آ کر سنتری کو آواز دی اور اتنی عزت و احترام سے آواز دی کہ سنتری بھی اس کی
جانب متوجہ ہو گیا۔

"جناب انسپکٹر صاحب۔" اس نے سنتری کو پکارا اور سنتری رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"انسپکٹر صاحب نہیں ہیں۔"

"ہمارے لئے تو سرکار آپ ہی بڑے افسر ہیں اور ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو بڑا افسر
بنائے۔" سنتری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' پاس آ گیا اور بولا۔

"کوئی کام ہے؟"

"ہاں جی' کام ہی ہے آپ سے' مصیبت کے مارے ہیں' دوسروں کی آگ میں جل
رہے ہیں سازش کر کے پھنسا دیا ہے ہمیں۔ بھائی تمہاری بڑی مہربانی ہو گی' ہمیں کچھ بتاؤ ہم
کیا کریں۔ ارے ہم نے تو ہمیشہ مخمل کے گدوں پر زندگی گزاری ہے۔ یہ جگہ تو ہماری جان
نکالے دے رہی ہے' کچھ بتا دو بھائی بھلا کرو گے بھلا ہو گا اور آخرت ہی میں نہیں دنیا میں
ہی ہو گا' اپنے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ اس میں سے اگر کچھ تمہاری جیب میں چلا جائے
تو بھلا' ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

سنتری مطلب سمجھ رہا تھا۔ مسکرا کر بولا۔

"کیا چاہتے ہو بولو۔ کوئی چیز چاہئے؟"

"ہاں بھئی۔"

"بولو بولو۔ سگریٹ پیو گے؟"

"ارے نہیں بھیا ہمیں رہائی چاہئے۔" فیض شاہ بولا اور سنتری ہنس پڑا۔

"یہی تو یہاں آنے کے بعد سب سے مشکل چیز ہے۔" سنتری نے کہا اور فیض شاہ کی
خوف سے گھگھی بندھ گئی۔

"کک.... کیا مطلب' اب ہمیں کبھی رہائی نہیں ملے گی؟"

"نہیں کبھی نہ کبھی تو مل ہی جائے گی۔"

"ارے بھائی کیسی باتیں کرتے ہو۔ کچھ کرو جو مانگو گے دیں گے۔"

"کچھ کر سکتے ہوتے تو ضرور کرتے مگر ایسے عالم میں کیا کیا جائے؟"

"اچھا ایک بات ہی بتا دو؟" فیض شاہ نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں پوچھو۔"

"کیا کیا ہماری مرمت ہو گی؟" فیض شاہ نے ایسے لہجے میں کہا کہ سنتری حلق پھاڑ
ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔

"یہ فیصلہ بھی انچارج صاحب ہی کریں گے۔ البتہ اگر رہا ہونے کے بعد ہزار روپے
دینے کا وعدہ کرو تو تمہیں ایک ترکیب بتا سکتے ہیں۔"

"ابے دو ہزار دیں گے ہزار کی کیا بات ہے۔ ترکیب بتاؤ پیارے بھائی۔"

"انچارج صاحب جو کچھ پوچھیں سچ سچ اور صاف صاف بتا دینا ہیر پھیر کی بات مت
کرنا۔ کچھ بات بن گئی تو کم از کم مرمت نہیں ہو گی تمہاری۔"

"ہیں اچھا اور کوئی ترکیب نہیں ہے؟" فیض شاہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

"اور کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔ تالا کھول کر تمہیں بھگا تو نہیں سکتا۔"

"ہاں۔ بھاگنا بھی تو ٹھیک نہیں ہو گا' پھر پکڑ لئے جائیں گے اور اشتہاری ملزم کہلائیں
گے مگر کچھ تو کرنے دو ہمیں' اچھا ایک کام کرو۔"

"بولو بولو۔" سنتری نے کہا۔

"ہم تمہیں ایک ٹیلی فون نمبر دیتے ہیں اس نمبر پر ہمارے ایک آدمی کو فون کر دینا۔
ضمانت کے لئے آ جائے گا۔ بتا دینا اسے کہ تمہارا یار فیض شاہ تھانے میں بند پڑا ہوا ہے۔"

"اس کے ایک ہزار روپے الگ ہوں گے۔"

"ابے پیسوں کی پرواہ کیوں کرتے ہو' ذرا نکال تو دو پیارے بھائی یہاں سے' ہمارا پتا لکھ
لو' ہم دغا کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ اگر دغا کرنے والوں میں سے ہوتے نا' تو اس کے
جال ہی میں کیوں پھنستے؟" فیض شاہ نے فرید احمد کو کئی موٹی موٹی گالیاں دیں۔ سنتری نے
جیب سے قلم کاغذ نکال کر وہ نمبر نوٹ کر لیا تھا جو فیض شاہ نے اسے دیا تھا۔ فیض شاہ کی باقی
رات کیسے گزری اس کا تو دل ہی جانتا ہے۔ ہر لمحہ یہ دھڑکا لگا رہا تھا کہ اب سنتری آئے گا
اسے نکالے گا' ڈرائنگ روم میں لے جایا جائے گا اور پھر ڈرائنگ روم میں جو ہو گا' وہ نہ
کسی کو بتایا جا سکتا ہے اور نہ اسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ساری رات اسی خوف و دہشت
کے عالم میں گزر گئی۔ البتہ سنتری نے اپنا کام بخیر و خوبی سر انجام دے دیا تھا۔ چنانچہ الیاس
خاں تھانے پہنچ گیا اور اس نے تھانہ انچارج سعید خاں سے ساری معلومات حاصل کیں۔ اغوا
کی کوشش کی گئی تھی' روزنامچہ تیار ہو چکا تھا۔ ایف آئی آر کٹ گئی تھی۔ سعید خاں اس
سے زیادہ ملزم کو اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ بیرسٹر زلفی صاحب کی طرف سے بھی اس
کے سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں تھی کیس درج ہو چکا تھا اور قابل ضمانت تھا۔ چنانچہ الیاس
خاں نے اس سلسلے میں انچارج سے بات کی اور سعید خاں اس بات پر تیار ہو گیا کہ تھانے
ہی سے ضمانت کر لی جائے۔ یہ قانون کی حد میں تھا۔ الیاس خاں انچارج کی اجازت سے لاک
اپ کے دروازے پر پہنچا تو فیض شاہ اسے دیکھ کر رو پڑا۔

"دوستی میں مار کھا گئے الیاس خاں' دغا ہو گیا ہمارے ساتھ' بس کیا بتائیں کچھ کرو بھائی'
باہر نکلنے کے بعد سب کچھ ٹھیک کر لیں گے مگر یہاں سے باہر تو نکالو۔"

"لاکھ کی نقد ضمانت مانگی ہے تھانہ انچارج نے' ضمانت کے بعد ہی تمہیں یہاں سے نکالا
جا سکتا ہے۔"

"پیارے بھائی لاکھ کے دس لاکھ دے دیں گے ہم' مگر جلدی کرو ہمارا تو دم ہی نکلا جا
رہا ہے۔ کیا پتا ان سسروں کی کھوپڑی ہی بدل جائے۔"

"تم فکر مت کرو میں انتظام کر کے آتا ہوں' آج رات تک تمہاری ضمانت کا بندوبست
کر لیا جائے گا۔" الیاس خاں نے کہا اور اس کے بعد چار چھ باتیں کر کے الیاس خاں رخصت
ہو گیا۔ کم از کم اور کچھ تھا یا نہیں' الیاس خاں یار وفادار نکلا۔ شام کو چار بجے کے قریب
فیض شاہ کی ضمانت ہو گئی' لیکن سعید خاں نے اسے کچھ ہدایات دی تھیں۔

"اگر تم نے کسی کو کبھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ضمانت ضبط ہو جائے گی اور
اس کے بعد تمہیں دوبارہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس لئے جو کچھ بھی کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔"

"نہیں صاحب' اب اتنے پاگل بھی نہیں ہیں کہ کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش
کریں' آپ فکر مت کرو۔" فیض شاہ کے لئے یہی غنیمت تھا کہ مار کھائے بغیر لاک اپ
سے باہر نکل آیا تھا۔ الیاس خاں کو لے کر اپنے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ الیاس خاں سے
درخواست کی کہ کسی بھی دوست کو اس بارے میں کچھ نہ بتائے' الیاس خاں نے مان لیا۔
لاکھ روپے کی جو نقد ضمانت پیش کی گئی تھی۔ وہ نقد ہی فیض شاہ نے الیاس خاں کو پیش کر
دیئے اور پھر بولا۔

"اب تم ہمارے اکیلے دوست ہو الیاس خاں یہ بتاؤ کریں کیا؟"

"میری رائے ہے کسی وکیل صاحب کو تلاش کرتے ہیں' پہلے تو فرید احمد کے خلاف
کیس درج کراؤ' اس کے خلاف پرچا کٹاؤ اس کے بعد تمہارا کیس وکیل ہی لڑے گا۔"

"پیارے بھائی' ہم نے تو کبھی ایسا کوئی جھگڑا کیا نہیں' تم ہماری مدد کرو۔"

"مگر تمہیں سوجھ کیا گئی تھی' لڑکی کو اغوا کرنے چلے تھے؟"

"ابے سوچا تھوڑی تھا کہ اغوا کا کیس بن جائے گا' ہمیں تو یہ معلوم تھا کہ اس سے
ہمارا نکاح آج ہونا ہے کل ہونا ہے' بس سوچا تھا اسے خریداری کرا دیں نکاح کے لئے یہ
تھوڑی پتا تھا کہ فرید احمد نے کیا چکر چلا رکھا ہے۔"

"میں تو ایک بات بتاؤں تمہیں' میرا تو یہ خیال ہے فرید احمد نے یہ چکر خود چلایا ہو
گا۔"

"وہ کیسے؟"

"ابے بڑا چالاک آدمی ہے' وہ خود کہاں غائب ہو گیا آخر' پولیس کو لگا دیا ہو گا پیچھے۔

اب تم سے جان چھڑانا چاہتا ہو گا۔"

"قسم اللہ کی۔ دل تو چاہتا ہے پیارے کہ فرید احمد کو قتل ہی کر دیں پر قتل کی سزا پھانسی ہے' ایک رات تھانے میں رہ کر پتا چل گیا ہے کہ تھانہ کیا چیز ہوتی ہے۔ ابے ہم کہتے ہیں کہ ہماری جان چھوٹ جائے' سیکڑوں شادیاں کر لیں گے۔"

"شادی کا کرنا اتنا مشکل تو نہیں ہوتا فیض شاہ' اصل میں تم پھنس گئے فرید احمد کے جال میں' ورنہ کسی شادی کے دفتر میں جاتے' بیس فوٹو دکھاتا تمہیں شادی والا' ایک [illegible] کرتے اور شادی کر لیتے۔"

"بس پیارے بھیا عقل جب سات چھوڑ جاتی ہے نا تو انسان ایسا ہی کچھ نہ کچھ کر بیٹھتا ہے۔ ابے مارے گئے یاری میں۔ اور فرید احمد خدا تیرا بیڑہ غرق کرے۔" فیض شاہ فرید احمد کو کوسنے لگا تو الیاس خاں نے ہنس کر کہا۔

"یہ کیا عورتوں کی طرح کوسنے پیٹنے لے کر بیٹھ گئے' ابے عمل کرو عمل' یہ مت سمجھنا کیس ختم ہو گیا' مقدمہ چلے گا۔ اغوا کا کیس ہے وہ تو یوں کہو کہ بے چارے تھانیدار نے ضمانت ہی لے لی۔ ورنہ نجانے کب تک پڑے لاک اپ میں پڑے سڑ رہے ہوتے اور اس کے بعد اب بھی کیا کہا جا سکتا ہے۔ اغوا کے الزام میں لمبی سزا بھی ہو سکتی ہے۔"

"ارے بب.... باپ رے بھاگ جائیں کیا یہاں سے' ارے بب.... بیچو ان ساری بھینسوں کو' کون کم بخت ساتھ دیتا ہے کسی کا' ابے مار دیا فرید احمد مار دیا۔ بغل میں چھری ماری ہے قسم اللہ کی۔ ہائے اور وہ دونوں' ابے ہاں' ہمارے دو ہمدرد اور بھی ہیں۔ پر یار کیا بتائیں ترکیب تو ان دونوں ہی نے بتائی تھی۔"

"کون ہیں؟؟"

"ابے چھوڑو' دنیا کے سامنے بات کو گھمانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے جسے پتا نہیں ہے بس اسی سے بچو' اب اس بلڈنگ میں گئے تو بلڈنگ والے تو ہاتھ پیر ہی توڑ دیں گے۔ سسرے گواہی دینے پہنچ گئے تھے' مگر فرید احمد آج نہ سہی بیٹا کچھ عرصے کے بعد سہی دل میں رکھیں گے' اچھی طرح دل میں رکھیں گے تیری باتوں کو' ہمیں تو مار گیا تو' مگر بیٹا تجھے نہ مارا تو ہمارا نام ہی کیا۔"

"اب ان باتوں کو چھوڑو۔ چلو نکلتے ہیں وقت ویسے بھی نہیں رہا' رات ہونے والی ہے مگر کسی نہ کسی سے کسی اچھے وکیل کا پتا معلوم کر لیں گے۔ آؤ چلو نکلتے ہیں' وقت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔ الیاس خاں نے کہا اور فیض شاہ اس کے ساتھ کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے باہر نکل آیا۔ راستے میں الیاس خاں سے کہا۔"

"دوست وہ ہوتا ہے بھیا جو وقت پر ساتھ دے' تیرا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے الیاس خاں' ذرا ہمارا خیال رکھیو بھیا' کہیں رات بہ رات پولیس نہ پکڑ کے لے جائے' اپنی تو جان سولی پر لٹک گئی مارے گئے اس شادی کے چکر میں۔" فیض شاہ نے کہا اور الیاس خاں کے ساتھ چل پڑا۔

□

فرید احمد ان تمام باتوں سے بے نیاز کئی دن تک گھر سے غیر حاضر رہنے کے بعد اپنے فلیٹ پر پہنچا تھا' بلڈنگ میں داخل ہوا تو اسے محسوس ہوا کہ لوگ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ محلے [illegible] میں رہ کر اس نے کبھی اہل محلہ کی پرواہ نہیں کی تھی۔ نہ کسی سے تعلقات نہ کسی سے سلام دعا۔ مطلب کے لوگ ہی نہیں تھے' وہ تو بس یہ سامنے والے دونوں لڑکے ذرا ریس وغیرہ سے دلچسپی رکھتے تھے اس لئے فرید احمد کی ان سے یاد اللہ ہو گئی تھی لیکن وہ بھی بس واجبی حد تک' وہ بہت زیادہ کسی سے گھلنے ملنے کا قائل نہیں تھا۔ ہاں ایسے لوگ اس کے لئے ضرور قابل اعتنا ہوتے تھے جو اس کے مطلب کے ہوں اور جن سے صحیح معنوں میں چار پیسے کا فائدہ ہو' بس سلام دعا والی حد تک بات الگ تھی اور یہی سلسلہ ان لوگوں سے بھی تھا لیکن بلڈنگ والوں کو کبھی اس انداز سے نفرت سے منہ سکوڑتے ہوئے اور رک رک کر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس بات پر ذرا سا حیران ہوا لیکن کسی سے کچھ پوچھا نہیں۔ فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گیا اور دستک دی لیکن پھر فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ امینہ بیگم یا لڑکیاں گھر پر نہیں ہیں۔ فلیٹ خالی ہے' غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ یہ لوگ گئے کہاں' اس کا مطلب ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں امینہ بیگم نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے ہیں۔ پہلے تو کبھی مجال نہیں ہوئی تھی کہ گھر سے باہر اس طرح نکل جائیں۔ سودا سلف لانے کی بات الگ تھی اور اس کے لئے فرید احمد نے اجازت دے رکھی تھی کیونکہ خود ایسے جھگڑوں میں نہیں پڑتا تھا لیکن سب لوگ کہیں چلے جائیں' یہ بات اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اتفاق سے سامنے سے ایک پڑوس کے آدمی کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے فرید احمد کے خلاف گواہی بھی دی تھی۔ وہ کنی کترا کر جانے لگا تو فرید احمد نے اسے آواز دی۔

"میاں سنو بات سنو' بھینس نہیں چرائی ہے کسی کی آخر اس طرح مجھے دیکھ کر منہ کیوں بناتے ہو؟"

"معاف کرنا فرید احمد صاحب' محلے میں تم نے جو کچھ کر رکھا ہے وہ کوئی بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ میں ہی کیا؟"

"ابے کیا کر رکھا ہے بھائی میں نے محلے میں؟ ہیں۔ زبردستی گلے پڑ رہے ہو' میں تو بس یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ میری یہ گھر والیاں کہاں گئیں' کچھ معلوم ہے؟"

"ہمیں تو سب کچھ معلوم ہے' مگر لگتا ہے تمہیں کچھ نہیں معلوم۔"

"کیوں خیریت' کیا ہو گیا؟"

"تھانے میں جا کر پوچھو۔ علاقے کے تھانے میں' تم لوگوں کی رنگ رلیاں بہت تھیں۔"

"تھت.... تھت.... تھانے؟"

"ہاں پولیس آئی تھی سب کو پکڑ کر لے گئی اس کے بعد سے واپس نہیں آئی۔ اس بات کو تو چار پانچ دن بھی ہو گئے۔"

"ہیں۔ اب نہیں۔" فرید احمد پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ وہ شخص منہ بنا کر گیا تھا' لیکن فرید احمد صاحب جلدی سے پلٹے اور شامی اور فراز کا دروازہ بجانے لگے۔ وہ ہی گھر کے اندر موجود تھے اور دروازہ فراز نے کھولا تھا۔ فرید احمد صاحب گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"ففف فراز میاں۔ کک کیا ہو گیا۔ کیا ہو گیا یہاں۔ یہ سب کیا ہو گیا؟"

عقب سے شامی بھی آ گیا تھا۔ وہ افسوس زدہ صورت بنا کر بولا۔

"اندر آیئے فرید احمد صاحب' اندر تو آیئے' آپ کے پیچھے آپ کی دنیا لٹ گئی۔ فراز' فرید احمد صاحب کو سہارا دے کر اندر لے آؤ۔" شامی جیسے مکار سے ہی اس طرح کی توقع کی جا سکتی تھی' فرید احمد اندر آ گئے۔ فراز نے اپنی مسکراہٹ روک کر دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ شامی کے چہرے پر بڑے غم کے آثار نظر آ رہے تھے۔ فرید احمد صاحب بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"گھر پر کوئی نہیں ہے اور پڑوسی عجیب سی کہانیاں سنا رہے ہیں۔"

"آپ چلے کہاں گئے تھے فرید احمد صاحب؟ گھر کی تو آپ کو جیسے کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ نہ کسی کو بتا کر گئے' کم از کم ہم سے ہی کہہ جاتے کہ میاں! ذرا گھر کا خیال رکھنا۔"

"ہوا کیا ہے۔ میرا تو دماغ گھوم رہا ہے' عقل نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔"

"بدقسمتی سے ہم بھی اس وقت یہاں موجود نہیں تھے' جب یہ واقعہ پیش آیا۔ ان دنوں میں میرے دفتر میں آڈٹ چل رہا ہے اور فراز بھی اپنے دفتر میں بہت زیادہ مصروف ہے۔ آپ کو تو پتا ہی ہو گا کہ یہ دن حساب کتاب کے ہوتے ہیں۔ ہم لوگ بھی راتوں کو بارہ بارہ ایک ایک بجے تک آ رہے ہیں آج کل۔"

"واقعہ معلوم ہو گیا تمہیں؟"

"جی ہاں' سارے محلے کو معلوم ہے۔"

"کیا ہوا۔ میری بیوی اور بچے کہاں چلے گئے؟"

"یہ تو پتا نہیں چل سکا شاید تھانے میں بند ہوں گے۔"

"اور تم لوگوں نے انہیں بچانے کی کوشش بھی نہیں کی کچھ؟"

"لیجئے ہم کیا کوشش کرتے اور ہماری کسی بات کو مانتا بھی کون' ہوا یہ کہ آپ کا دوست فیض شاہ آپ کے گھر میں گھس گیا اور شاید آپ کی بیٹی کو اغوا کر کے لے جانے لگا۔ ان کی چیخ و پکار پر قریب سے گزرتی ہوئی ایک پولیس موبائل متوجہ ہو گئی۔ انسپکٹر سپاہیوں کے ساتھ دروازے پر پہنچ گیا اور اس نے فیض شاہ کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا۔ اب سنا ہے فیض شاہ بھی لاک اپ میں ہے' آپ کی بیوی اور بچیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ ہم نے اہل محلہ سے بات کی تھی تو وہ کہنے لگے کہ میاں کسی کے پھڈے میں ٹانگ اڑاؤ گے تو بیٹھے بٹھائے پھنس جاؤ گے۔ پتا نہیں کیا چکر ہے فرید احمد صاحب خود یہ بات پسند کریں یا نہ کریں کہ ان کے ذاتی معاملات میں کوئی دخل دے۔"

شامی تو حرفوں کا بنا ہوا تھا جبکہ فراز اتنی صفائی سے یہ باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ فرید احمد صاحب گم صم بیٹھے دونوں کی صورت دیکھتے رہے' ان پر جو بیت رہی تھی یہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے' خود بھی مجرم تھے اور نجانے فیض شاہ کے بارے میں کیا سوچ رہے تھے' کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

"تھانہ کس طرف ہے؟ مجھے تو ادھر کے تھانے کا راستہ بھی نہیں معلوم۔"

"وہ تو زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔"

"چلو گے میرے ساتھ؟"

"میں؟" شامی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں تم دونوں ہی میرے ساتھ چلو' میرا ساتھ دو' جو کچھ ہوا ہے' میری سمجھ میں آ رہا ہے' لیکن چل کر دیکھنا تو ہے۔ معلوم تو کرنا ہے۔"

"معاف کیجئے گا فرید احمد صاحب' مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں کسی کی بھی گردن پھنس سکتی ہے' محلے والوں کی بھی یہی رائے ہے کہ اس معاملے میں ٹانگ نہ اڑائی جائے اس لئے ہم اس سلسلے میں معذرت چاہتے ہیں۔"

"اسے کہتے ہیں وقت پر ساتھ چھوڑ دینا۔"

"اگر کوئی ایسی مشکل پیش آئی ہوتی' جو شریفانہ قسم کی ہوتی تو ہم آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے۔"

"اب رہنے دو' اس دنیا کو اچھی طرح جانتا ہوں' ٹھیک ہے چلتا ہوں' برا وقت آ پڑا ہے' اللہ مالک ہے' دیکھوں گا۔" فرید احمد صاحب غصے میں ڈوبے ہوئے باہر نکل آئے۔ سیڑھیاں طے کر کے نیچے پہنچے۔ ایک رکشہ والے کو روکا اور اس میں بیٹھ کر تھانے چل پڑے۔ دل میں تھوڑا سا خوف بھی تھا۔ تردد بھی تھا۔ فیض شاہ کو تو انہوں نے خود ہی ہر طرح کی اجازت دی ہوئی تھی' جو دل چاہے کرے۔ وہ تو امینہ بیگم ایک شریف خاتون تھیں۔ ورنہ اس گھر میں نجانے کیا کیا شروع ہو چکا ہوتا۔ بہرطور امینہ بیگم جو کچھ بھی تھیں فرید احمد کا ان سے تعلق تو تھا ہی۔ فرید احمد تھانے پہنچ گئے۔ رکشہ کا بل ادا کر کے اندر

داخل ہوئے ایک کانسٹیبل سے تھانہ انچارج کے بارے میں پوچھا۔ سعید خاں موجود تھا۔ فرید احمد نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام فرید احمد ہے، شہر سے باہر گیا ہوا تھا چند روز کے لئے۔ ایک کاروباری دورے پر میں۔ میرے پیچھے میری بیوی اور دو لڑکیوں کو گرفتار کر کے تھانے لے آیا گیا ہے۔" سعید خاں ایک لمحے میں پہچان گیا تھا کہ یہی وہ شخص فرید احمد ہے جس کے بارے میں رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"آیئے آیئے فرید احمد صاحب، کون سے کاروباری دورے پر گئے ہوئے تھے آپ؟ کاروبار کرتے ہیں، بڑے اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں آپ۔ ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ چلو خیر اچھا ہوا آپ خود ہی یہاں آ گئے۔ بہرحال تکلیف نہ دینے کا شکریہ۔" آخر سعید خاں کا لہجہ کرخت ہو گیا اور فرید احمد کی ہمت جواب دینے لگی لیکن اپنے آپ کو سنبھال اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"جی تو آپ کہاں گئے تھے؟ ذرا اس کی تفصیل بتایئے مجھے۔" سعید خاں بولا۔

"وہ۔ وہ دراصل کچھ دوستوں کے ساتھ تھا۔ یہ دوست ہیں جن کے کبھی کبھی کاروبار منافع بھی ہونے لگتا ہے۔"

"کیا کاروبار کرتے ہیں آپ؟"

"کک کاروبار؟" فرید احمد ہکلا گیا۔

"جی ہاں میں نے پوچھا ہے کہ کیا کاروبار کرتے ہیں آپ؟"

"ابھی۔ ابھی تو کچھ نہیں کرتا۔ لل.... لیکن منصوبہ بنا رہا ہوں کہ ایک پولٹری فارم کھولا جائے، دوست اس سلسلے میں میری مدد کریں گے میں فارم سنبھالوں گا اور وہ سرمایہ کاری کریں گے، میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔"

"اچھا اچھا۔ خیر مجھے ان دوستوں کے پتے بھی درکار ہوں گے لیکن آپ یہ بتایئے فیض شاہ نامی شخص سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟"

"بہت اچھے ہیں جناب، بڑا اچھا انسان ہے اور.... اور مجھ سے بڑی محبت کرتا ہے۔"

"وہ تو خیر ہمیں پتا چل گیا، اس نے خود ہی بتا دیا ہے، لیکن آپ کی بیٹی صاعقہ سے کا کیا تعلق ہے؟"

"کک کوئی۔ کوئی تعلق نہیں۔"

"کیا وہ آپ کے گھر آپ کی غیر موجودگی میں بھی آتا جاتا ہے؟"

"نن نہیں۔ بالکل نہیں۔ بھلا اس کا میرے گھر سے کیا تعلق؟"

"آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ آپ اپنی بیٹی صاعقہ کی شادی اس کے ساتھ کریں گے؟"

"ہاں دراصل وہ۔ وہ۔ میں کیا بتاؤں آپ کو۔ وہ بڑا نیک آدمی ہے، یاروں کا یار ہے اور میں نے اس سے کہا تھا کہ میری بیٹی کو قبول کر لے۔"

"گڈ اس کے بدلے میں آپ نے اس سے کتنے پیسے لئے تھے؟"

"پپ پیسے۔"

"جی ہاں۔"

"کک کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ انسپکٹر صاحب؟ بھلا شریف ماں باپ لڑکیوں کے پیسے لیا کرتے ہیں؟"

"صاعقہ آپ کی سگی بیٹی ہے؟"

"جی۔ جی وہ دراصل میری بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹی ہے، میری بیوی کی دو لڑکیاں ہیں مگر۔ میں انہیں اپنی بیٹیوں کی طرح ہی چاہتا ہوں۔"

"فیض شاہ نے آپ کے خلاف رپورٹ لکھوائی ہے فرید احمد صاحب کہ آپ نے اپنی بیٹی سے شادی کا لالچ دے کر اس سے تقریباً پچانوے ہزار روپے وصول کر لئے ہیں اور اس کے بعد آپ اس سے دھوکا دہی کر رہے تھے، اس نے آپ کی بیٹی کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی اور زبردستی کی جس کے نتیجے میں پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے تو خیر اپنی ضمانت کرا لی ہے، آپ اپنی ضمانت کا کوئی بندوبست رکھتے ہیں؟"

"کک.... کیا مطلب انسپکٹر صاحب۔ میں سمجھا نہیں؟"

"فیض شاہ نے، کسی وکیل کے ذریعے آپ کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے اور ہم آپ کی تلاش میں تھے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ خود ہی آ گئے۔"

"کک کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ مم میں شریف آدمی ہوں، اہل محلہ سے پوچھ لیجئے۔ میں گواہی میں بہت سے لوگوں کو پیش کر سکتا ہوں۔"

"اہل محلہ آپ کے بارے میں مناسب گواہی دے گئے ہیں اب آپ یوں کریں کہ اپنی ضمانت کے لئے اگر کسی کو فون کرنا چاہیں تو کر لیں، یہ آسانی میں آپ کو دے رہا ہوں باقی جہاں تک معاملہ آپ کی بیوی اور بیٹیوں کا ہے تو انہیں ایک مناسب شخص نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے، ہم اس شخص کا نام ظاہر نہیں کر سکتے، کیونکہ آپ کی بیوی نے بھی آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے اور اس نے بھی یہی کہا ہے کہ اس کے بارے میں آپ کو کچھ نہ بتایا جائے۔"

فرید احمد صاحب کے ہوش و حواس رخصت ہو گئے، کچھ دیر کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس وقت آپ مجھے جانے دیں۔ بعد میں تھانے میں حاضری دوں گا۔"

"نہیں فرید احمد صاحب' اصل میں آپ کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی جا
ہے' آپ کو گرفتار کرنا ضروری تھا۔ آپ فون پر بات کر کے ضمانت کا بندوبست کر لیں
آپ کو اس کی اجازت دے رہے ہیں۔ باقی اس کے بعد آپ پر کیس چلے گا اور جب تک
عدالت کوئی فیصلہ نہیں کرتی آپ کو پولیس کی تحویل میں رہنا ہو گا۔"

فرید احمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے' بہرحال سعید خاں نے دو چار بار ان سے
ضمانتی کے بارے میں پوچھا' لیکن فرید احمد کو کسی کا نام یاد نہیں آ سکا۔ چنانچہ انہیں
بڑے اطمینان سے لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔

❑

مسز عالمگیر کا ایک حلقہ تھا جو ان کے لئے اہمیت رکھتا تھا۔ بیٹا ڈاکٹر بن کر ملک واپس
تھا۔ بہت سے لوگوں نے دعوتوں وغیرہ کی پیش کش کی' جو خاص اہمیت کے حامل تھے ان
دعوتیں قبول کر لی گئیں اور مسز عالمگیر بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے بیٹے کے ہمراہ ا
دعوتوں اور پارٹیوں کو اٹینڈ کرنے لگیں۔ انہی پارٹیوں میں نعمان کی ملاقات سبحانہ سے ہو
تھی۔ سبحانہ امداد علی ایک بڑے دولت مند کاروباری شخص کی بیٹی تھی۔ امداد علی سے مس
عالمگیر کے بہت اچھے تعلقات تھے اور امداد علی صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان لوگو
کو ڈنر پر بلایا تھا۔ سبحانہ ایک خوبصورت لباس میں ان کے استقبال کے لئے موجود تھی ا
درحقیقت اس وقت شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ نعمان کو اس نے نہایت پسندیدگی کی نگاہو
سے دیکھا تھا۔ خوبصورت جسامت کا مالک یہ پرکشش نوجوان باہر کی دنیا سے واپس آیا تھا
اپنے اندر ایک انوکھی تمکنت ایک انوکھا وقار رکھتا تھا۔ امداد علی صاحب کو بھی یہ نوجوان پ
آیا انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں یہ محسوس کر لیا کہ ان کی بیٹی سبحانہ' نعمان عالمگیر کی جا
متوجہ ہے' مسز عالمگیر کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ نعمان کا مستقبل بھی ان
سامنے تھے اور لمحوں میں انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اس سطح کے لوگ زندگی میں بہت
و طرار ہوتے ہیں اور اپنے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے میں انہیں کبھی دقت نہیں ہوتی۔

امداد علی صاحب مسز عالمگیر کے پاس پہنچ گئے اور مسز عالمگیر نے مسکراتی نگاہوں
انہیں دیکھا اور بولیں۔

"کہئے امداد علی صاحب! کیسا کاروبار جا رہا ہے آپ کا؟"

"بس مسز عالمگیر' زندگی میں جو ٹارگٹ بنایا تھا اس کے حصول میں دقت نہیں ہوئی
خدا کے فضل سے اور پھر ہمارے تو مسائل ہی مختلف ہیں' چنانچہ کسی الجھن کے بغیر ہی
ہیں اور چند چھوٹے موٹے کام باقی رہ گئے ہیں جن کی تکمیل کے بعد زندگی مزید پرسکون
جائے گی۔"

"بے شک آپ نے بڑی محنت اور دیانت سے اپنے راستوں کو آسان بنایا ہے'

ہوتا رہتا ہے شناسا حلقوں میں آپ کا۔"

"اچھا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ یعنی وہی کہا جا سکتا ہے کہ۔

مجھ سے میرا ذکر بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

آپ لوگوں کی مہربانی ہے کہ مجھے اس طرح یاد رکھتے ہیں' ورنہ میں ناچیز۔"

مسز عالمگیر ہنسنے لگیں پھر بولیں۔ "تہذیب نے ایسے جملے تراش دیئے ہیں جن کا نعم
البدل نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ انکساری کا اظہار بھی ہماری تہذیب اور ثقافت کا ایک حصہ ہے
اور میرا خیال ہے کہ آپ اپنے حق کو بڑی خوبصورتی سے استعمال کر رہے ہیں۔"

"ارے نہیں مسز عالمگیر واقعی یہ سچائی ہے' ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ سے؟"

"ہاں ہاں ضرور۔"

"ذرا اس طرف دیکھئے۔" امدادا علی صاحب نے اشارہ کیا اور مسز عالمگیر ان کے اشارے
کی جانب دیکھنے لگیں پھر بولیں۔

"میں کچھ سمجھی نہیں' کدھر متوجہ کر رہے ہیں آپ؟"

"آپ کے بیٹے اور اپنی بیٹی کی طرف۔" امداد علی صاحب نے بے تکلفی سے کہا اور
مسز عالمگیر ہنس پڑیں۔

"ارے ہاں دیکھ رہی ہوں ان دونوں کو۔ اصل میں نعمان تو بہت عرصے سے وطن سے
باہر ہیں' وطن والوں کو بہت پسند کرتے ہیں اور وہ اور ان کے ساتھ گھلنا ملنا چاہتے ہیں میرا
خیال ہے آپ کی بیٹی نے انہیں متاثر کیا ہے۔"

"یہ تو مزید خوشی کی بات ہے اصل میں ان دونوں کو یکجا دیکھ کر اچانک ہی ایک خیال
میرے دل میں پیدا ہوا اور میں نے سوچا کہ اس تیز تر زندگی میں ہر کام میں تیزی اختیار کرنی
چاہئے۔"

"کیا مطلب؟" مسز عالمگیر بولیں۔

"یہ دونوں کچھ اس طرح سج رہے ہیں کہ میرے دل میں بے اختیار ایک جذبہ بیدار ہوا
اور میں نے سوچا کہ آپ سے ان بچوں کے مستقبل کے بارے میں بات کر لی جائے۔ کیا یہ
ہو سکتا ہے مسز عالمگیر کہ ہم اس جوڑی کو ایک دوسرے کے لئے مخصوص کر دیں۔"

"جی۔" مسز عالمگیر متحیرانہ انداز میں بولیں۔

"بھئی سوچنے میں کیا حرج ہے۔ بات دل میں گھوٹنی نہیں چاہئے' مجھے یہ سب کچھ اچھا
لگا اور میں نے آپ سے کھل کر کہہ دیا۔ ذرا غور کیجئے اور اگر یہ عمل ممکن ہو تو اس پر مزید
گفتگو کریں۔"

"اوہو اچھا۔ یہ تو میری عزت افزائی ہے امداد علی صاحب کہ آپ کے دل میں جو بات
آئی آپ نے کھل کر کہہ دی ظاہر ہے آپ ایک معزز انسان ہیں اور کسی بھی طرح آپ

میں کوئی کمی نہیں ہے اگر ایسا ہے تو بچوں سے بات کئے لیتے ہیں۔ دیکھئے نا ہم تو
ہیں جن کا معاملہ ہے ان سے پوچھ لینا زیادہ بہتر ہے۔ آپ بھی اپنی بیٹی سے پوچھ
بھی معلوم کرتی ہوں، لیکن بہرحال آپ کی اس فراخ چشمی کی دل سے قدر کرتی ہوں
حد شکریہ۔"

پھر واپسی کے بعد بیگم عالمگیر نے رات کو بیٹے سے کہا۔ "کیسی لگی تقریب
"ممی یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی نہیں ہے، ظاہر ہے ہوش یہیں سنبھالا ہے اور
سے دور جا کر وطن کو یاد رکھا ہے۔ احمقوں کی طرح وطن کو بھول جانے کی کوشش نہ
اور دوسروں کے دیس کے بھیس کو اپنانے کی ضرورت نہیں محسوس کی کیونکہ میرا وطن
روایتی اقدار سے مالا مال ہے اور یہ اقدار ہر حالت میں باہر کی دنیا سے بہتر ہیں، لیکن چو
چونکہ ایک طویل عرصہ ان حسین لمحات سے محرومیوں کا شکار رہا ہوں، اس لئے اب ان
شامل ہو کر بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ویری گڈ۔ سجانہ کیسی لڑکی ہے؟"

"بہت اچھی لڑکی ہے۔ اچھی باتیں کرتی ہے لیکن ذرا آزاد خیال ہے اور وطن م
کر وطن کی روایات کو بے زاری کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ باہر کی دنیا کے بارے میں مجھ
سوالات کر رہی تھی، لیکن اسے میرے خیالات معلوم کرکے مایوسی ہوئی۔ بات اصل میں
ہے ممی کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ اس کے خیال میں یورپ کا طرز معا
ہمارے ہاں سے اچھا ہے لیکن ممی مجھے تو شدید اختلاف ہے اس بات سے، پہلی بات
ہے کہ یورپ میں معاشرے کا ذکر ہی نہیں ہے، وہ لوگ اپنی ہی ثقافتوں کے دشمن
حالانکہ کسی زمانے میں ان کی اقدار بھی مختلف تھیں اور ان کے ہاں بھی ایسی روایات
جو معیاری کہی جا سکتی ہیں، لیکن اب ان روایات کو توڑنا ان کی معاشرت بن چکا ہے، جو
نہیں جاتا اسے ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں، میں تو انہیں قریب سے دیکھ
ہوں۔"

"گویا اس مسئلے میں سجانہ سے تمہارا اختلاف رہا؟"

"نہیں ممی، بس میں نے ان صاحبہ کے افکار و خیالات سنے ان سے اتفاق نہیں کیا
اپنی علمیت بھی جھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔"

"ایک بات بتاؤ نعمان، کیا ہم سجانہ کو تمہاری زندگی میں شامل کرنے کا سوچ
ہیں؟"

"ذرا وضاحت کیجئے ممی۔" نعمان سنجیدگی سے بولا۔

"بھئی، میرا مطلب یہ ہے اچھا یوں سنو کہ اچانک ہی امداد علی صاحب میرے پاس
بیٹھے، مختلف باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے تم لوگوں کی طرف اشارہ کرکے کہا

دیکھ رہی ہیں نگ رہی ہے اور اس کے بعد صاف الفاظ میں انہوں نے پیش کش کی کہ اگر
پسند کریں تو سجانہ کو نعمان کی زندگی میں شامل کر دیا جائے، میں نے بھی انہیں صاف
جواب دیا کہ بچوں سے پوچھ لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، تو یونہی میں
نے سوچا کہ جس برق رفتاری سے یہ بات علم میں آئی ہے اسے برقرار رکھتے ہوئے، تم سے

"نہیں ممی۔ سجانہ کے اندر دو خرابیاں ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دولت مند باپ کی
بیٹی ہے دوسری بات یہ ہے کہ آزاد زندگی کی حامی ہے، دولت مند باپ کی بیٹی ہونا، کوئی گناہ
نہیں، لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے ہے جو اپنی دولت کے سہارے ہر چیز کو اپنی پسند کے
مطابق ڈھال لینے اور حاصل کر لینے کی خواہاں ہوتی ہیں، یعنی اگر انہیں سمجھایا بھی جائے کہ
کون سی چیز بری ہے اور کون سی چیز اچھی ہے تو وہ سمجھنے کے بجائے دوسرے کو ذہنی طور پر
پسماندہ قرار دیتی ہیں اور اپنی بات منوانے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپ خود سوچئے اگر ہمیں
کسی سے کوئی لالچ نہیں ہے، تو اپنے مزاج کے خلاف ہم کسی شے کو اپنے اوپر مسلط کیوں
کریں۔"

مسز عالمگیر نے بڑی خوشگوار حیرت کے ساتھ بیٹے کی یہ صاف ستھری بات سنی اور اس
سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل درست کہا تم نے واقعی بہت بڑی مجبوری نہ ہو تو مزاج کے خلاف کسی شے کو
قبول کرنا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔"

"سجانہ میرے لئے، قطعی ناموزوں ہے ممی۔"

"بات ختم ہو جاتی ہے ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں، ویسے نعمان یہ تذکرہ نکل آیا ہے تو
پھر کیوں نہ اس بات کو آگے بڑھایا جائے۔"

"بڑھایئے ممی۔"

"بھئی تم اپنے آپ کو قدامت پرست کہتے ہو تو تمہیں روایت سے دلچسپی بھی ہو گی۔
والدین اپنی اولاد میں اپنے آپ کو سمو دیتے ہیں، اور پھر ایک ایسا دور آتا ہے، جب وہ اپنی
آنکھ سے اپنی اولاد کو اپنے روپ میں دیکھتے ہیں۔ میں بھی اب اسی منزل میں آ گئی ہوں اور
فطری روایت سے مختلف نہیں ہوں۔ ظاہر ہے اب میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ تمہیں
تمہاری زندگی کے دوسری دور میں دیکھوں، تمہاری شادی کروں، اور گھر میں ایک فرد کا اضافہ
کرکے اپنی خوشیوں کو دوبالا کروں۔ اس سلسلے میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"جس قابل بھی ہوں۔ حاضر ہوں ممی۔" نعمان نے ظرافت سے کہا اور قہقہہ لگایا۔ مسز
عالمگیر بھی اس کے جواب پر خوب ہنسی تھیں۔ پھر اس نے کہا۔

"واقعی نعمان اب دیکھو نا، ہم زندگی کے ایک مرحلے سے بخیر و خوبی گزر گئے ہیں تو اس

پر قناعت تو نہیں کی جاسکتی۔"

"سچ بتاؤں ممی' عورت میری منزل کبھی نہیں رہی ہے۔ میرا مطلب ہے' میں نے
کو ماں کے روپ میں دیکھا ہے اور یہ مقدس روپ میرے لئے باعث فخر ہے باقی
کو کھل کر بتاؤں کہ یورپ کی اور امریکہ کی رومان پرور فضا میں' میں نے ان احمقانہ
سے گزرنے کی کوشش نہیں کی ہے جس سے نوجوان گزرتے ہیں لیکن اس کا مقصد یہ
ہے کہ میں زندگی کی روایت سے دور ہٹنا چاہتا ہوں۔ بس جب کبھی ایسے مراحل آئے تو
نے انہیں زندگی کا حاصل نہیں سمجھا' ہاں اس انداز میں ضرور سوچا کہ آخرکار ایک نہ ایک
دن اس مرحلے سے بھی گزرنا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں نے خصوصاً اس معاملے
میں اپنے تصورات کو اولیت دی اور جب کوئی ایسا مرحلہ آیا تو میں نے اس سے سو فیصد
گریز کیا۔ صرف اس احساس کے تحت کہ یہ میری ممی کا حق ہے اور بھلا میں ممی کے حق
چھین سکتا ہوں' مطلب سمجھ رہی ہیں نا آپ میرے لئے فیصلہ آپ کریں گی اور آپ کا
فیصلہ مجھے سچے دل سے قبول ہوگا۔ کیونکہ اس میں میرا اپنا کوئی نظریہ نہیں ہے اور میں نے
آپ کے حق کو اس کی جگہ رہنے دیا ہے۔"

"بے حد شکریہ نعمان' میں یقیناً تم پر بہت فخر کرتی ہوں بہت ہی نفیس نوجوان ہو'
تمہارا یہ خیال ہے کہ کوئی ایسی لڑکی تمہاری بیوی کی حیثیت سے' تمہاری زندگی میں شامل ہو
جو مشرقی روایات کی حامل ہو اور مشرقی رنگ رکھتی ہو۔"

"ہاں ممی' سو فیصد۔ سو فیصد یہی۔" نعمان نے جواب دیا اور مسز عالمگیر پرخیال انداز
میں گردن ہلانے لگیں۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور ایک صورت اس کی نگاہوں میں آئی اور
ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر حیرانی کے بہت سے رنگ آ گئے' یہ سوچ بڑی انوکھی اور
بڑی دلچسپ تھی۔ یہ چہرہ تابندہ کا چہرہ تھا' جو اس کی آنکھوں میں ابھر آیا تھا۔

❏

حسن اپنی آگ میں سلگ رہا تھا۔ تعلیم کا حصول اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا
لیکن اس کی تنہائیاں بھی غموں سے خالی نہیں تھیں۔ ماضی کا ایک ایک نقش جینے کا سہارا
تھا۔ تابندہ سے ملاقات اس کے بعد راستوں کا ہموار ہونا' پھر تقدیر کی گردش اور اس کے بعد
محمود حسن صاحب کی بے اعتنائی یہاں تک آنا اور اپنی زندگی کو مصروف کر دینا' یہ سارے
چیزیں تنہائیوں کا سرمایہ تھیں اور وہ فرصت کے لمحات انہی کے درمیان گزارتا تھا' غزل یہاں
بھی پہنچ گئی تھی' لیکن غزل کسی طور اس کی منزل نہیں بن سکتی تھی' بلکہ سچ بات تو یہ
کہ اس نے غزل کی رکاوٹ کو اپنی انا بنا لیا تھا' ورنہ ماں باپ سے دوری کسے پسند ہوتی
البتہ جو کچھ محمود صاحب چاہتے تھے وہ اس کے حساب سے قطعی غیر مناسب تھا' جب دل

کسی کو قبول نہ کریں تو پھر زندگی بھر کا ساتھ کیسے نبھایا جا سکتا ہے' غزل نے یہاں
کوششوں میں کوئی کمی نہیں کی تھی' لیکن حسن کے دل میں اس کے لئے صرف
ہم وطن اور ایک شناسا ہونے کا جذبہ تھا ان جذبوں کے تحت وہ غزل کے لئے سب کچھ
کرنے کے لئے تیار تھا' لیکن جو کچھ غزل چاہتی تھی اس کا تو اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا
میرا نظریہ اس کے لئے حاصل زندگی تھا' اس وقت بھی اپنے کمرے میں موجود تھا اور
ایک ضروری کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک پڑا'
دروازہ بند نہیں تھا اس نے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دے دی اور گلزار
اندر داخل ہو گیا' حسن سے اس کی بس رسمی سی شناسائی تھی' ہاسٹل میں رہتا تھا' کیا کرتا ہے'
کیا نہیں کرتا' حسن نے یہ کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اپنے مزاج اور فطرت کی بنا پر
تھوڑا سا اوباش معلوم ہوتا تھا' لیکن حسن کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی' کوئی کیا ہے' یہ
اس کا ذاتی فعل ہے' جو چیز اپنے مقاصد میں حارج نہ ہو اس کے بارے میں جاننا بے کار ہوتا
ہے' تاہم اس نے گلزار کی پذیرائی کی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ "اوہو آیئے جناب۔"

"میرا نام گلزار ہے۔"

"جی' تشریف لایئے' کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں حسن صاحب۔"

"خوب' آپ نے مجھے اپنا تعارف کرانے کی نوبت ہی نہ آنے دی۔"

"جی ہاں' ہمارے درمیان ایک رابطہ قائم ہو گیا ہے۔" گلزار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔"

"شکریہ۔" گلزار بیٹھ گیا۔

"اس رابطے کے بارے میں کچھ فرمایئے' میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"اس رابطے کا نام غزل ہے۔"

"جی۔" حسن چونک پڑا۔

"جی ہاں' غزل بلکہ مس غزل آپ اس نام سے آشنا ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ میری ہم وطن ہیں۔"

"ہم وطن تو وہ میری بھی ہیں' لیکن کیا آپ کی بھی وہ ہم وطن ہی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"میرا مطلب ہے کوئی رشتہ ناتا وغیرہ؟"

"وطن کا رشتہ خصوصاً کسی غیر ملک میں بڑا پائدار ہوتا ہے۔"

"جی ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے' بہرحال غزل ہمارے درمیان رابطہ بن گئی
ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"مجھ سے دوستی ہو گئی ہے' آپ کی تلاش میں آتی تھی لیکن آپ تو ملتے ہی نہ
سے دوستی ہو گئی' بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

"جی ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" حسن آہستہ سے بولا۔

"دیکھئے مسٹر حسن' اصل میں ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ بڑا فارور
ایسی باتیں جو پہلے کبھی نہیں کی جاتی تھیں اور اقدار کے خلاف سمجھی جاتی تھیں اب زند
میں اس طرح شامل ہو گئی ہیں کہ ان سے گریز نہیں کیا جا سکتا' سمجھ رہے ہیں نا آپ؟"

"کوشش کر رہا ہوں۔" حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو ایک سوال کر لوں۔"

"ضرور کیجئے۔"

"آپ نے کہا ہے کہ غزل سے آپ کا کوئی رشتہ ہرگز نہیں ہے۔"

"نہیں' تھوڑا بہت ہے مثلاً یہ کہ وہ میرے والد کے دوست کی بیٹی ہے۔"

"اور؟"

"بس اتنا ہی ہے۔"

"غزل آپ سے کیوں ملنے آتی ہے؟"

"ذرا اس سوال کی نوعیت پر غور کیجئے' مناسب ہے؟"

"اوہو نہیں' اس میں کوئی ایسا نکتہ نہیں ہے' میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کی رشتہ دار
نہیں ہے' کچھ شناسا ہے' یا زیادہ سے زیادہ آپ کے والد کے دوست کی بیٹی ہیں' آپ کا ان
سے کوئی دلی معاملہ تو نہیں ہے؟"

"عجیب سوال ہے' جواب دینا میرے لئے مشکل ہو گا۔"

"ہم کچھ زیادہ ہی تکلف میں الجھ گئے ہیں' اصل میں وہ آئی تھیں آپ کی تلاش میں
میری کیوں کہ ان سے شناسائی ہے میرے ساتھ گھومنے پھرنے نکل گئیں' بور ہو رہی تھیں
میں جتنا انہیں انٹرٹین کر سکتا تھا کیا واپسی میں پیغام دے گئی ہیں آپ کے لئے کہ آپ آئیں
تو میں آپ سے کہہ دوں کہ وہ آپ سے ملنے آئی تھیں۔"

"جی۔" حسن آہستہ سے بولا۔

"ویسے حسن صاحب آپ کی گرل فرینڈ بھی نہیں ہیں وہ۔"

"عجیب سوال ہے مسٹر گلزار' آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں' میرا خیال ہے یہ سوال ذرا
گھٹیا ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں نے ان کا پیغام آپ کو دے دیا' یہ بھی بتا دیا کہ اب وہ میری دوست
بھی ہیں' اس کے بعد ہمارے درمیان مزید گفتگو کی گنجائش نہیں رہتی۔"

"جی۔" حسن آہستہ سے بولا۔

"تو پھر میں چلتا ہوں' خدا حافظ۔"

"جی خدا حافظ۔" حسن نے کہا اور گلزار اپنی جگہ سے اٹھ گیا' پھر وہ باہر نکل گیا' حسن
... تشویش کے آثار ابھر آئے تھے یہ تو بہتر بات نہیں ہے غزل نے دوستی کے
... ہے' لیکن کیا کہا جا سکتا ہے' اور کیا کیا جا سکتا ہے وہ اپنی مرضی کی مالک
... سے بھی دوستی کرے' کسی سے بھی ملے' میں تو ویسے بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا
... ہے وہ جو کچھ چاہتی ہے وہ میرے لئے ممکن نہیں ہے' بہرحال یہ بیرسٹر ہاشم علی کا معاملہ
ہے' بیٹی کو انہوں نے جس قدر آزادی دے دی ہے' اب ان کے حق میں فائدہ مند ہے یا
نقصان دہ' کیا کیا جائے۔ چنانچہ بند دروازے پر ایک نگاہ ڈال کر وہ پھر کتاب کی ورق گردانی
میں مصروف ہو گیا' لیکن بار بار کتاب کے صفحات پر غزل کی تصویر ابھر آتی تھی۔ اس کے
الفاظ ذہن کو چبھ رہے تھے بہت دیر تک وہ ان خیالات میں الجھا رہا پھر کتاب بند کر کے رکھ
دی۔ غزل کے اس پیغام کو ذہن میں دہرایا' محسوس کرنے لگا اسے یہ احساس ہوا کہ غزل کسی
ذہنی پریشانی کا شکار ہے اور اس ذہنی پریشانی کی وجہ اس کے علم میں تھی۔ اگر غزل نے
صرف اسے جلانے کے لئے گلزار سے رابطہ قائم کیا ہے تو کہیں نقصان نہ اٹھا جائے' دھوکہ
نہ کھا جائے' یہ بہتر نہیں ہو گا' جب تک نگاہوں کے سامنے نہیں آتی تھی ایسی کوئی اخلاقی
ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی لیکن اب مجھے سب کچھ معلوم ہے اور اگر میری وجہ سے
غزل کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ افسوس ناک عمل ہو گا۔ غزل تو بے وقوف ہے کہ اس
نے یہ طریقہ کار اختیار کیا' لیکن اسے سنبھالنے کے لئے میں کیا کروں اور حسن نے فیصلہ کر
لیا کہ غزل کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

دن گزر گیا۔ دوسرا دن معمول کی مصروفیات کا تھا اور شام تک اسے یاد بھی نہیں رہا کہ
اس نے اس سلسلے میں کیا فیصلہ کیا تھا پھر دو تین دن گزر گئے کوئی اور بات سامنے نہیں آئی
تھی لیکن چھٹی کے دن راہی اسے ملا' راہی بھی اسی ہوسٹل میں رہتا تھا اور تعلیم حاصل کرتا
تھا' فطرتاً خوش مزاج اور لطیفہ گو نوجوان تھا' حسن سے اس کی تھوڑی سے بے تکلفی ہو گئی
تھی لیکن آج وہ کسی قدر الجھا ہوا سا حسن کے سامنے آیا تھا حسن نے معمول کے مطابق
اس کا استقبال کیا اور بولا۔ "کہو بھئی' آج کوئی نئی فکر ذہن پر مسلط ہے۔ معمول کے خلاف
تم سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہے ہو؟"

"یار حسن کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے' الجھا ہوا ہوں مائنڈ تو نہیں کرو گے؟"

"نہیں یار بالکل نہیں' کیا بات ہے؟" حسن نے تعجب سے پوچھا۔

"غزل نامی کسی لڑکی کو جانتے ہو؟" راہی نے کہا اور حسن چونک پڑا' پھر بولا۔

"ہاں جانتا ہوں۔ کیوں خیریت؟"

"کیا تعلق ہے اس سے تمہارا؟"

"تعجب ہے' یہی سوال چند روز پہلے گلزار نے مجھ سے کیا تھا۔ مسٹر گلزار سامنے کمرے میں رہتے ہیں' کیوں کیا معاملہ ہے؟"

"بس گلزار کے بارے میں اگر جانتے ہو تو پھر یہ بھی علم ہو گا تمہیں کہ وہ تعلیم کرنے نہیں بلکہ امریکہ کی رنگین زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے یہاں آیا ہے' ہم کے کردار پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے' لیکن یہاں وہ سب کچھ موجود ہے جس کے کے نوجوان خواہش مند ہوتے ہیں۔ معاملہ اگر اپنے وطن کا ہو تو پھر دل ذرا کڑھنے لگتا کم از کم اہل وطن کے ساتھ سوچ اور رویہ مختلف ہونا چاہئے۔"

"آگے کہو راہی؟"

"گلزار سے میری بھی شناسائی ہے اور وہ اس قسم کا نوجوان ہے جو اپنے رازوں پر بھی نہیں رکھتے' ان کا بہترین موضوع عورت ہوتی ہے اور گلزار نے مجھ سے غزل بارے میں کچھ ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ تفص بتاتے ہوئے اس نے تمہارا بھی نام لیا اور کہا کہ غزل اصل میں تمہاری شناسا ہے تمہارے نام کے ساتھ اس تک پہنچی ہے۔ میرا خیال ہے حسن میں اس موضوع پر ز گفتگو نہیں کروں گا' بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر غزل سے تمہارا ذرہ برابر بھی ذہنی ت ہے تو کم از کم گلزار جیسے شخص سے دور رکھنے کی کوشش کرو اگر وہ بری لڑکی نہیں ہے نقصان اٹھا جائے گی۔"

حسن سن ہو کر رہ گیا تھا۔ راہی کی باتوں میں وزن تھا۔ جو کچھ وہ بھول گیا تھا راہی اسے دوبارہ یاد دلا دیا تھا' وہ خاموشی سے راہی کی صورت دیکھتا رہ گیا تھا اب اس سلسلے کوئی اور سوال باقی نہیں رہا تھا۔ راہی نے تمام صورت حال واضح کر دی تھی اور اسے کرنا تھا کہ اب کیا کیاجائے۔ راہی سے اس نے صرف ایک ہی سوال کیا۔ "کیا وہ گلزار ساتھ دیکھی جا رہی ہے؟"

"میں نے تو کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا لیکن گلزار کے بتانے پر مجھے وہ لڑکی یاد آ ہے' تین چار بار میں اسے گلزار کے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔ وہ یہیں ہاسٹل آتی ہے اور گلزار کے ساتھ باہر نکل جاتی ہے۔"

حسن خاموش ہو گیا تھا لیکن اسی شام اس نے غزل کو تلاش کیا اور آخر کار اس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ غزل نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"اوہ مسٹر حسن محمود' کمال ہے بھئی' یعنی ہم بھی اس قابل ہیں کہ آپ کو ہماری ضرورت پیش آ جائے اور آپ ہمیں طلب کریں۔"

"میں سمجھ نہیں سکا مس غزل کہ آپ کے لہجے میں یہ طنز کیوں ہے' بہرحال یہی

لیجئے کہ مجھے آپ سے ملنے کی ضرورت پیش آ گئی اب آپ فرمایئے کہ آپ مجھ سے ملنا پسند کریں گی یا نہیں؟"

"ہماری پسند ناپسند کا کیا سوال ہے' بعض لوگ اپنے آپ کو کچھ اس طرح وی آئی پی سمجھ لیتے ہیں کہ ان سے الجھن ہونے لگتی ہے' خیر کیا حکم ہے ہمارے لئے؟"

"کچھ وقت دے دیں گی؟"

"جی ہاں دے دیں گے۔"

"تو آیئے چلئے میرے ساتھ۔"

"ارے ارے' کچھ زیادہ بے تکلفی نہیں ہے یہ؟" غزل نے کہا۔

"مس غزل! اگر بغیر کسی پریشانی کے آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں تو چلیں۔ ورنہ مجھے اجازت۔"

"نہیں' ٹھیک ہے آپ انتظار کیجئے۔ میں کپڑے چینج کر کے آپ کے پاس پہنچتی ہوں۔" غزل نے کہا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں ایک اوپن ائر ریستوران میں جا بیٹھے۔ غزل کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نظر آ رہی تھی نجانے وہ کن غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی تھی۔ حسن گہری سوچ میں تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"مس غزل۔ آپ سے میرے بہت سے تعلق ہیں۔ میرے والد کے دوست کی بیٹی ہیں آپ بیرسٹر صاحب بے حد شریف انسان ہیں۔ آپ خود بھی ایک قابل عزت لڑکی ہیں۔"

"خوب۔ ان انکشافات کا شکریہ۔" غزل بیچ میں بول پڑی۔

"ہاں میں۔ مجھے وہ لمحات بتا دیجئے جب میں نے آپ کو ہلکی نگاہ سے دیکھا ہو۔"

"ہائے۔ یہی تو افسوس ہے۔" غزل نے کہا۔

"نہیں مس غزل۔ بہت اچھی ہیں آپ۔ یقین کریں بالکل بری نہیں ہیں آپ' کوئی اگر آپ کو برا کہے تو میں اس کی زبان نکال لوں' میری ہم وطن ہیں اور ہم پیشہ بھی۔ مس غزل ہم لوگ یہاں حصول تعلیم کے لئے آئے ہیں۔ ہماری زندگی کا ایک مقصد ہے' ہم اپنے پیشے میں مہارت حاصل کریں اور اس کے بعد اپنے وطن والوں کی خدمت کریں۔ مس غزل یہ ایک مقدس پیشہ ہے' یہ معیار ایک ضد کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہئے۔ میں بڑی جرات کر کے آپ سے یہ الفاظ کہہ رہا ہوں' میرے سلسلے میں ضد نہ کیجئے گا' مس غزل جن راستوں کی جانب آپ نے قدم بڑھا دیئے ہیں ان میں ممکن ہے لمحاتی طور پر آپ کی انا کی تسکین ہو جائے لیکن یہ ایک بھیانک حادثہ ہے' ہم سامنے والے کو تو نہیں جانتے۔ ہمارا تو اپنا ایک معیار ہے اگر وہ شخص غیر معیاری نکلا تو دیار غیر میں آپ کے پاس کف افسوس ملنے کے سوا اور کیا رہ جائے گا' خدا کے لئے میری ان باتوں کو برا نہ سمجھیں۔ ایک درد مند

دوست' ایک اچھے ساتھی کی حیثیت سے میں آپ سے یہ باتیں کر رہا ہوں۔"
غزل ہنس پڑی۔ دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔
"کیا ہی دلچسپ بات ہے۔ یعنی وہ جو شعر ہے کہ۔
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
ایسا تو نہیں ہے مسٹر حسن کہ اس کے بعد آپ یہ شعر پڑھ کر اپنی اس انتہا تو بند کر دیں۔"
"نہیں مس غزل' خدا کے لئے اتنے سخت انداز میں نہ سوچئے مس غزل میرے ... کے گداز کو محسوس کیجئے۔ میں جو کہنا چاہتا ہوں شاید اس سے زیادہ کھلے الفاظ میں نہ کہہ سکوں - آپ خدا کے لئے اپنے راستے بدل لیجئے' مس غزل! میں آپ کی منت کرتا ہوں دیوانگی کا شکار نہ ہوں۔"
"آپ حد سے نہیں بڑھ رہے مسٹر حسن؟"
"نہیں' میں حد سے نہیں بڑھ رہا۔ سنئے جس شخص سے آپ پینگیں بڑھا رہی ہیں اچھا انسان نہیں ہے' بدنام آدمی ہے وہ لوگ اس کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے لوگوں نے مجھ سے کہنا شروع کر دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو سمجھاؤں' مس غزل درحقیقت گلزار اچھا انسان نہیں ہے۔"
"اچھا تعجب ہے' آپ مجھے احمق سمجھتے ہیں؟"
"نہیں' میں آپ کو بالکل احمق نہیں سمجھتا' ناتجربے کار ضرور سمجھتا ہوں۔"
"تو سنئے جناب' اپنے تجربے کا صندوق اپنے سر پر اٹھا کر یہاں سے چلے جایئے وہ اگر اچھا انسان نہیں ہے تو آپ کی نگاہوں میں' میں تو اسے اچھا انسان سمجھتی ہوں' میرا دوست ہے وہ' ہم لوگ ساتھ گھومتے پھرتے ہیں' مجھے اس کے اندر کوئی ایسی بداخلاقیت نہیں نظر آتی اور اگر آپ یہ بات کہنے پر بضد ہیں تو میں اس سے پوچھوں گی کہ وہ کتنا برا آدمی ہے آپ کا نام بھی بتا دوں گی اسے' میرا خیال ہے اس سلسلے میں آپ کی تسلی وہ خود کر دے گا۔"
"صرف ایک سوال کرتا ہوں آپ سے' ایک آخری سوال اس کے بعد میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گا۔"
"چلئے وہ بھی کر لیجئے۔"
"کیا آپ نے کسی جنونی جذبے کے تحت اس کا ساتھ قبول کیا ہے یا وہ آپ کو پسند ہے اور آپ سوچ سمجھ کر اس کی جانب بڑھ رہی ہیں۔"
"یہ سوال آپ کس حیثیت سے کر رہے ہیں مسٹر حسن؟"

"خدا کے لئے مس غزل' حیثیت کا تعین اس وقت نہ کیجئے گا' مجھے میرے سوال کا جواب درکار ہے۔"
"... کیجئے گا کسی ذاتی مسئلے میں آپ کو مداخلت کی اجازت نہیں دی جا سکتی' آپ ... کون ہیں میرے بارے میں یہ سوال کرنے والے اور میرا خیال ہے کہ آپ کے الفاظ ... ہیں' ہم تعلیم یافتہ لوگ ہیں مسٹر حسن' ایک معزز پیشے سے تعلق رکھتے ہیں' ... گفتگو میں بھی تھوڑی سی شرافت ہونی چاہئے' آپ مجھے بتایئے میرے دل ... اگر کوئی بات ہے تو میں کس حیثیت سے آپ کو وہ بات بتاؤں' نہ آپ میرے دوست ... نہ میرا آپ سے کوئی اور تعلق ہے' بزرگوں میں اگر آپس میں دوستی ہے تو اس میں میرا قصور ہے نہ آپ کا' ہاں میں نے جس شکل میں آپ کی جانب قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی اگر وہ آپ کو منظور ہوتی تو ہمارے درمیان بہتر روابط پیدا ہو سکتے تھے' ایا کوشش نہیں کر لی میں نے آپ سے آپ کی قربت حاصل کرنے کے لئے' لیکن آپ اپنے آپ کو آسمان سمجھتے ہیں' معاف کیجئے گا حسن صاحب' دلوں میں گھر ہو تو ہر شخصیت آسمان ہو جاتی ہے ورنہ کیا ہے ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے۔"
"آپ گلزار کو پسند کرتی ہیں؟"
"ممکن ہے۔"
"آپ اس سے محبت کرتی ہیں؟"
"ممکن ہے۔"
"تب تو خیر ٹھیک ہے' اگر وہ آپ کو پسند ہے اور آپ شرافت کے دائرے میں اس سے تعلق قائم کر رہی ہیں تو واقعی پھر مجھے اس درمیان میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے' ورنہ دوسری شکل میں ایک بار پھر آپ سے یہی عرض کروں گا کہ آپ براہ کرم اس سے تعلق ختم کر لیجئے گا۔ ورنہ پچھتانا پڑے گا آپ کو' پچھتائیں گی آپ۔"
"میرے پچھتاوے کا تردد آپ کو نہیں ہونا چاہئے مسٹر حسن' اور سنئے یہ طریقہ کار بھی مناسب نہیں ہے' کیا اس کے بعد بھی آپ مجھ تک اس طرح پہنچنے کی کوشش کریں گے؟"
حسن شکست خوردہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اب اتنا ذہانت کا مظاہرہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' ممکن ہے یہ قربتوں کے معاملے ہوں' گلزار اگر بدنام اور خراب آدمی ہے اور بیرسٹر ہاشم علی اسے اپنا داماد بنانے کے لئے پسند کر لیتے ہیں تو اس سے زیادہ احمقانہ بات اور کوئی نہیں ہو گی کہ درمیان میں کوئی مداخلت کرے' بہرحال یہ ایک ذاتی مسئلہ ہے۔ حسن نے آہستہ سے کہا۔
"خدا آپ کو ہر مشکل سے بچائے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا مس غزل' آیئے میں آپ کو چھوڑ دوں۔"

"آپ تو مجھے چھوڑ چکے ہیں مزید تکلیف نہ کیجئے گا۔ جائیے نجانے کیوں آپ نے
احمق سمجھ لیا ہے۔ میں ایک خود مختار لڑکی ہوں۔ اپنا اچھا برا جانتی ہوں اور آئندہ بھی
طرح سے اپنی بہتری کے لئے قدم اٹھا سکتی ہوں' تھینک یو' اگر آپ نے خلوص دل سے
سب کچھ کہا ہے اور اگر جذبات رقابت آپ کے دل میں بیدار ہو چکا ہے تو افسوس ہے
اور کیا کر سکتی ہوں۔" حسن خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

❑

غزل کے قہقہے فضا میں بلند ہو رہے تھے اور سیتا اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔ سیتا نے کہا۔ "لیکن غزل نجانے کیوں میرا من ڈرتا ہے۔"

"تم بہت ڈرپوک لڑکی ہو سیتا' وہ جو کہتے ہیں ناکہ انسان کو قدم اٹھانا چاہئے' نتیجہ
وقت سامنے آتا ہے جب عمل کر کے دیکھ لیا جائے بغیر عمل کے کچھ نہیں ہوتا۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تیر ایسا نشانے پر بیٹھا ہے کہ بسمل کی کیفیت دیکھنے کے قابل ہے۔"

"یعنی' تمہارا خیال ہے کہ حسن جذبہ رقابت سے بھن رہا ہے۔"

"اس سے پہلے تو محترم ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے اور اب منتیں کر رہے
ہیں۔"

"تو اس نے اعتراف کر لیا ہو گا اپنی محبت کا؟"

"پاگل آدمی ہے' پتا ہے میرے ڈیڈی میری اس سے شادی کر کے اسے اپنے خرچ پر
یہاں تعلیم کے لئے بھیجنا چاہتے تھے لیکن نہ مانا' ضد میں رہا اپنے باپ سے بھی تعلق ختم کر
لیا' اب یہاں آ کر شدید محنت کرتا ہے اور تعلیم بھی حاصل کر رہا ہے' شرافت سے ...
بات مان لیتا تو اس مشکل کا شکار نہ ہوتا' ہو سکتا ہے اسے عقل آ گئی ہو اور ہو سکتا ہے
نہ آئی ہو' لیکن حالات امید افزا ہیں' تم دیکھنا بہت جلد وہ میرے قدموں میں گرا ہو گا'
تک اپنے آپ سے مدافعت کرے گا' طریقہ کار کی داد دو سیتا' ایک تھوڑی سی کوشش
میں نے ہاری ہوئی بازی جیت لی ہے۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" سیتا نے پر تشویش لہجے میں کہا اور غزل پھر ہنسنے لگی۔
اس نے فیصلہ کیا تھا کہ لوہا گرم ہے ضرب پر ضرب لگائی جائے تو بہتر ہو گا۔

چنانچہ اس دن بھی وہ بڑے اہتمام کے ساتھ گلزار کے پاس گئی تھی اور گلزار نے
معمول کے مطابق خوش آمدید کہا تھا۔ گلزار درحقیقت اتنا برا نہیں ثابت ہوا تھا' جتنا ...
اس نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی' اسے دیکھ کر بولا۔

"وہ جو کہتے ہیں ناکہ بن مانگے ملیں موتی' مانگے ملے نہ بھیک آپ یقین کریں
... ' ایک عجیب سا احساس تھا میرے دل میں سوچ رہا تھا کہ کہیں میری حد سے بڑھی

بے تکلفی آپ کے مزاج کو مجھ سے کبیدہ خاطر نہ کر دے' بس یوں سمجھ لیجئے کشمکش کا شکار
تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کروں؟"

"خیریت؟"

"خیریت تو ہے' اصل میں کچھ دوستوں نے سیر کا پروگرام بنایا ہے مجھے بھی دعوت دی
ہے لیکن سب کے سب اپنی دوستوں کے ساتھ آئیں گے۔ مجھے طعنہ دیا گیا تھا کہ میں یہاں
اپنی ایک بھی دوست نہیں بنا سکا' غیر معیاری لڑکیاں تو بے شمار مل جاتی ہیں' میرے ساتھ
کوئی معیاری دوست نہیں ہے' دل میں آپ کا خیال آیا تھا' لیکن پھر یہ سوچا کہ آپ نے
بے شک مجھے عزت دی ہے ایک مقام دیا ہے لیکن اس کا یہ مقصد تو نہیں ہے کہ دل میں
آنے والی ہر فرمائش آپ سے کر دوں۔"

"ہمارے حسن صاحب کا کیا حال ہے؟"

"وہی رفتار بے ڈھنگی' جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔"

"وہ نہیں جا رہے آپ کے ساتھ؟"

"نہیں وہ ذرا مولانا قسم کے آدمی ہیں۔"

"دعوت دی تھی آپ نے؟"

"نہیں دعوت بھی نہیں دی' اصل میں میرا ان سے ایسا کوئی تعلق بن ہی نہیں سکا بس
آپ ہی کے حوالے سے تھوڑا سا تعارف ہو گیا تھا بعد میں نہ انہوں نے مجھ سے ملنا پسند کیا
اور سچی بات یہ ہے کہ جب کوئی خود ملنا نہ پسند کرے تو انسان کو خود بھی نہیں گرنا چاہئے۔"

"وہ ساتھ ہوتے تو لطف آ جاتا مگر خیر کوئی بات نہیں ہے کہاں جا رہے ہیں ہم لوگ؟"

"آپ' آپ چلیں گی میرے ساتھ؟"

"آپ کے ساتھ کئی بار آ جا چکی ہوں۔"

"نہیں آج ذرا فاصلے کا پروگرام ہے۔"

"واپسی کب تک ہو جائے گی؟"

"جب آپ حکم دیں گی' کوئی آئے یا نہ آئے' میں واپس آ جاؤں گا۔"

"ہاں اس شرط پر تو میں تیار ہوں۔ ہاسٹل میں رات ہونے سے پہلے واپس چلے جانا ہوتا
ہے اور میں نے اپنا ریکارڈ ہمیشہ صاف ستھرا رکھا ہے۔"

"تو آپ اطمینان رکھئے گا' آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو ایک منٹ بھی نہیں روکا
جائے گا' چلیں ہم لوگ پھر۔"

"اسی طرح۔"

"کمال کر رہی ہیں آپ' آئینہ دیکھئے ذرا' جتنا خوبصورت لباس پہنا ہے آپ نے' بس
میں تعریف نہیں کر سکتا اس کی' آپ سوچیں گی کہ مکھن لگا رہا ہوں۔"

"ارے نہیں گلزار صاحب' آپ مطمئن ہیں تو ٹھیک ہے۔" غزل نے ار
دروازے پر آہٹیں پیدا کیں کہ حسن متوجہ ہو جائے اور یہی ہوا بھی حسن اپنے کمرے
باہر نکل آیا تھا اور اسی وقت گلزار بھی باہر نکلا تھا' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا
طنز سے مسکرا دیا۔ "ہیلو حسن صاحب خیریت کہاں چل پڑے آپ؟"

"کہیں نہیں مسٹر گلزار آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟"

"جی ذرا گھومنے جا رہے ہیں اچھا خدا حافظ۔" گلزار نے کہا اور غزل کو ساتھ لئے
چل پڑا۔ حسن ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔ غزل نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ حسن خاموش
انہیں دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں غزل کو خوشی کا احساس ہوا تھا۔

□

شامی اور فراز فرید احمد کے جانے کے بعد بہت متجسس رہے تھے۔ خاصی رات
تک فرید احمد کی واپسی کا انتظار کیا جاتا رہا' لیکن سامنے والے فلیٹ کا دروازہ بند ہی رہا
فرید احمد کی واپسی نہیں ہوئی۔ دونوں اس سلسلے میں تبصرہ کرتے رہے تھے شامی نے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس شخص پر رحم نہیں آتا' حالانکہ معاملہ جو کچھ بھی ہے
انسانی نکتہ نظر سے یہ بڑا گرا ہوا انسان ہے بہرحال فراز اگر تم صاعقہ میں ملوث نہ ہوتے
بھی ہمیں انسانی نکتہ نگاہ سے ان لوگوں کی مدد تو کرنی ہی ہوتی۔"

شامی کی سنجیدگی کو محسوس کر کے فراز نے بھی سنجیدگی سے کہا۔ "تم یقین کرو شامی
خود بھی سمجھدار آدمی ہو لیکن یہ تینوں ماں بیٹیاں جس طرح اپنے معیار سے گر گئی تھیں
زندگی گزار رہی تھیں وہ اتنا دردناک تھا کہ شاید ہی کوئی صاحب دل اس مسئلے کو برداشت
سکتا یا تو انسان ناآگہی کا شکار ہو اور اپنی حالت پر غور ہی نہ کر سکے اور اگر غور کرنے والا
ہو اور اس کے بعد اس کی اتنی تذلیل ہو تو ذہنی کیفیت کیا ہو سکتی ہے اس کا اندازہ کر
کانپ جاؤ۔ چھوٹی بچی انیلا تو خیر چھوٹی ہے لیکن میں اس کے احساسات پر بھی غور کرتا
ہوں۔ صاعقہ پوری طرح سمجھ دار بھی ہے اور جذباتی اور حساس بھی ہے' لیکن ایک ا
خاصی شخصیت' جسے سر کے بالوں سے پکڑ کر گھر کے دروازے سے باہر دھکیل دیا جائے
اس کے پاس اتنا راستہ بھی نہ ہو کہ کسی دوسرے گھر میں بھی گھس جائے تو اس کی اپنی
کیفیت ہو سکتی ہے اندازہ کرو' میں تو غور کرتا ہوں اور کانپ جاتا ہوں کہ امینہ بیگم
ادیب جس کا کام ہی احساسات کی ترجمانی کرنا ہے' ایسی وحشیانہ زندگی گزارے۔ توبہ توبہ

"ان کی تمام مشکلات کا ازالہ کر دینا۔" شامی نے بدستور سنجیدگی سے کہا اور پھر بولا
فرید احمد صاحب کا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔ ویسے ہم سے تو اب وہ پوری طرح بدل
گئے ہوں گے؟"

"جہنم میں جائے یار' ہمیں اس ذلیل آدمی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے تم نے کی؛

سے میری ہاتھوں سے بچا لیا۔ ورنہ قسم خدا کی خون خرابہ کر دیتا۔"

"ہاں ہاں ہاں۔ بس پٹڑی سے اتر رہے ہو جان من خون خرابے کے جواب میں
مول لینا پڑتی ہیں۔ ٹھیک ہے انسان عشق میں جذباتی ہو جاتا ہے' لیکن اگر اس کا
ساتھی شامی جیسا ذہین اور زیرک نوجوان ہو' تو عیش ہی عیش ہیں۔"

مسکرا کر ... ۔ "خیر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری ذہانت اور فراست کے
نئے نمونے سامنے آئے ہیں۔"

"مگر یار میری ساری ذہانت اور فراست ایک نکتے پر آ کر فیل ہو جاتی ہے۔"

"میڈم۔" فراز نے کہا۔

"سو فیصد۔ اگر میں اس کتاب کو کھول لوں تو درحقیقت بقراط کا ہم عصر کہلاؤں۔"

فراز گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بہرحال اس کے بعد یہ لوگ سو گئے تھے۔ صبح سب سے
پہلے جاگ کر دروازہ کھولا اور فرید احمد صاحب کے فلیٹ کا جائزہ لیا لیکن فلیٹ بند تھا
دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

شامی تیار ہو کر فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ فراز بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی نیچے اترا تھا۔
دونوں اپنی اپنی ملازمتوں کی جانب چل پڑے۔ شامی آفس میں آ گیا ساری باتیں اپنی جگہ
لیکن دفتری معاملات کو ذمہ داری سے نبھانا شامی کا ایمان تھا۔ ایک ایک چیز کا تجزیہ کیا' جائزہ
لیا۔ مس مینا سے بات چیت کی' ذکی صاحب کو رپورٹیں پیش کیں۔ میڈم گیارہ بجے کے
قریب پہنچی تھیں اور شامی کو پتہ چل گیا تھا کہ میڈم آ گئی ہے پھر میڈم ہی نے انٹر کام پر
اسے طلب کیا تھا۔ شامی میڈم کے کمرے میں پہنچا تو زلفی صاحب موجود تھے۔ شامی نے
ادب سے دونوں کو سلام کیا اور میڈم نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ زلفی صاحب نے اپنے
سامنے ایک فائل کھول کر رکھا ہوا تھا۔ شامی کو دیکھ کر انہوں نے یہ فائل بند کر دیا۔ میڈم
مسکرا کر بولی۔

"زلفی صاحب بطور خاص اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"اصل میں بات یہ ہے شامی صاحب' میں وکالت کرتا ہوں لیکن انسان بھی ہوں۔
بعض اوقات ایسے کیس میرے پاس آ جاتے ہیں جن میں کمائی کا نظریہ مسترد کرنا پڑتا ہے اور
اندر سے انسانی ہمدردیاں ابھر آتی ہیں چنانچہ ان کی نوعیت مختلف ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی سچی
بات یہ ہے کہ ہر انسان جو ہم تک پہنچتا ہے کسی نہ کسی مشکل کا شکار ہوتا ہے لیکن ایک اور
مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم بھی تو مشکل کے شکار ہوتے ہیں اس سے ہم اپنی مشکلات دور کرتے
ہیں اور اپنے علم اپنی معلومات سے اس کی مشکلات دور کی جاتی ہے۔ خیر اس مسئلے میں یوں
سمجھ لو کہ میں جذباتی ہو گیا ہوں اور کافی دلچسپی سے کام کر رہا ہوں۔ سعید خاں میرا بہت اچھا
دوست ہے تمام رپورٹیں لے رہا ہوں اس سے کیونکہ معاملہ بالکل تازہ تازہ ہے۔ اب ایک

خاص مسئلے میں آپ سے مشورہ کرنا ہے۔"

"جی سر؟"

"تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ فیض شاہ نے اپنی ضمانت کرا لی ہے اور اس کے ... اس نے فرید احمد کے خلاف ایف آئی آر درج کرا دی ہے جس میں اس نے کہا ہے ... احمد نامی شخص نے اپنی بیٹی سے شادی کا لالچ دے کر اس سے پچانوے ہزار روپے ... ہیں یہ ایف آئی آر ایک وکیل صاحب کی مدد سے ہی درج کرائی گئی ہے اور سعید خاں ... فرید احمد کو گرفتار کر لیا ہے۔ فرید احمد اپنی بیوی اور بیٹیوں کے بارے میں معلومات ... کرنے تھانے گئے تھے۔ وہاں سعید خاں نے انہیں گرفتار کر کے لاک اپ میں ڈال دیا ... فیض شاہ تو ضمانت پر رہا ہو گیا ہے فرید احمد صاحب تھانے میں ہی ہیں اور ایس ایچ او ... ہے کہ وہ اپنی ضمانت کا بندوبست کر لیں لیکن ابھی تک کی رپورٹ یہ ہے کہ فرید احمد ... ضمانت کا بندوبست نہیں کر سکا ہے ایس ایچ او کی پیش کش کے باوجود اس نے فون پر ... سے رابطہ نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے مسٹر شامی بلکہ میڈم کو یہی بتا رہا تھا کہ فرید احمد ... سے ایسے رابطے نہیں ہیں' جن کے ذریعے وہ اپنی ضمانت کرا سکے۔"

"جی۔"

"اصل میں ہمیں فرید احمد کی پہنچ کو بھی دیکھنا تھا ورنہ صرف ایک زبانی رپورٹ پر فرید احمد کی گرفتاری ممکن نہیں ہو سکتی تھی اور جب تک کوئی مناسب ثبوت نہ ملے' فیض شاہ بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوا ہے کہ اگر خلع کا مقدمہ فرید احمد پر قائم کیا جاتا ہے تو فرید احمد کی طرف سے اس کے خلاف کیا مدافعت ہو گی۔ بہرحال یہ ایک اندازہ لگایا تھا ہم نے' معاملہ بعد میں فرید احمد اور فیض شاہ کے درمیان ہی رہ جائے گا۔ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ اگر فرید احمد کی ضمانت کرا لی جائے تو زیادہ بہتر ہے اور میں یہ بھی ... دوں آپ کو کہ ضمانت باقاعدہ نہیں ہو گی۔ سعید خاں نے فرید احمد کو بھی گرفتار تو کر لیا ہے لیکن وہ ایف آئی آر باقاعدہ درج نہیں کی گئی کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ مسٹر شامی۔"

"بالکل سر۔ سمجھ رہا ہوں۔"

"میں اصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہاں بھی آپ ہی لوگ آگے بڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ آپ بہرحال فرید احمد صاحب کے پڑوسی ہیں آپ تھانے جائیں فرید احمد کی ضمانت لے لیں۔ ابتدا میں اس کے افکار و خیالات کا اندازہ بھی ہو جائے گا کہ وہ کس حد تک جا سکتا ہے بعد میں یہ سوچ رہے تھے ہم لوگ کہ اگر کیس درج کرنے کی بجائے فرید احمد خود خوشی سے امینہ بیگم کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے تو جھگڑے سے بچ جائیں گے ورنہ دوسری صورت میں امینہ بیگم کو خلع لینے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"جی۔ بس اس میں ایک پیچ ہے۔ میڈم اگر آپ بتانا پسند کریں تو۔" شامی نے میڈم کو ... اور میڈم نے مسکرا کر کہا۔

"شامی کے دل کی بات اگر میری زبان سے نکلے تو آپ کو کیسا لگے گا وکیل صاحب۔"

"انڈر سٹینڈنگ کی بات ہوتی ہے۔" زلفی صاحب نے صاف ستھرے لہجے میں کہا اور مسکرا دیے۔

"شامی کا مقصد یہ ہے کہ بعد میں چونکہ فراز کا سلسلہ امینہ بیگم کی بیٹی صاعقہ سے ہو گا اس لئے کہیں فرید احمد صاحب یہ نہ سمجھیں کہ اس میں ان لوگوں کی سازش ہے۔"

"فرید احمد کو تو ہم اس نوبت تک پہنچا دیں گے کہ اس کے بعد وہ امینہ بیگم سے گلو خلاصی ہی بہتر سمجھے اور یہاں سے فرار ہو جائے اور اگر ایسی صورت حال پیش آتی بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعد کے معاملات بعد میں دیکھ لیں گے۔ جب فرید احمد کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رہے گا تو پھر کیا فرق پڑتا ہے اور خاص طور سے اس لئے بھی کہ دونوں لڑکیوں میں سے ایک بھی فرید احمد کی اولاد نہیں ہے تعلقات تو خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں' ان کے لئے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' اب آپ یہ فرمایئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"آپ مناسب سمجھیں تو ٹیلی فون کر کے سعید خاں کے پاس پہنچ جائیں اور فرید احمد کی ضمانت کرا لیں۔"

"بہت بہتر۔"

"یہ ضمانت صرف ایک فرضی کارروائی ہو گی اور اس سلسلے میں آپ کو کوئی خاص الجھن نہیں پیش آئے گی۔"

"ٹھیک ہے میں حاضر ہوں۔"

"تو پھر آپ ایسا کیجئے شامی صاحب کہ لنچ کے بعد تھانے پہنچ جایئے اور فرید احمد کو ذرا ... کیجئے گا۔"

"جیسا آپ کا حکم میڈم۔"

"اور کوئی خاص بات زلفی صاحب۔"

"نہیں' دیکھئے ہم لوگ جو کوشش کر رہے ہیں اس کے نتائج جس شکل میں بھی برآمد ہوں ... ہوئیں۔ ویسے شامی ذہین نوجوان ہیں' مجھے یقین ہے کہ وہ بڑی عمدگی سے فرید احمد کو اندر ... سنبھال سکیں گے۔ فیض شاہ بھی فرید احمد کا کچھ خاص بگاڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ جو رقم اس ... ہے وہ کسی ایگریمنٹ پر نہیں ہو گی ایسے معاملات میں زبانی ہی جمع خرچ ہوتا ...

"... مناسب بات ہے۔"

"تو میڈم مجھے اجازت ہے۔" [illegible] صاحب نے اپنے کاغذات سمیٹتے ہوئے کہا۔

"جی زلفی صاحب آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ ہمارے ایک مسئلے میں اتنی [illegible] رہے ہیں۔"

زلفی صاحب مسکرا کر بولے۔ "اگر صرف [illegible] لفظ پر غور کر لیا جائے تو یہ بات [illegible] جاتی ہے، میری مراد ہمارے مسئلے سے ہے میڈم، میں تو آپ کا قانونی مشیر [illegible] گارمنٹ سٹی کا ہو یا آپ کی ذات سے متعلق کسی چیز کا۔ میری ذمہ داریاں تو شروع ہو [illegible] ہیں ناں۔"

"بے حد شکریہ۔" میڈم نے کہا اور زلفی صاحب سلام کر کے باہر نکل گئے۔ [illegible] مسکراتی نگاہوں سے شامی کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ "مطمئن ہو؟"

"مطمئن نہیں آپ کا شکرگزار ہوں۔"

"بھئی میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں میں بھی تو انسان ہوں معاملہ تمہارے ذریعے [illegible] آیا تو میری ذمہ داریاں شروع ہو گئیں اگر براہ راست مجھے ان واقعات کا علم ہو جاتا تو [illegible] کیا خیال ہے شامی کوئی بھی اپنے آپ کو امینہ بیگم کے دکھوں سے لاتعلق رکھ سکتا تھا۔"

"آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔"

"اور تم ڈفر ہو۔" میڈم نے نہایت بے تکلفی سے کہا۔

"جی؟"

"جی ہاں۔"

"آپ کا تجزیہ ہے، میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

"شامی بھئی نہیں، اب میں اتنی پاگل بھی نہیں ہوں کہ تم سے تمہاری شخصیت [illegible] لوں۔"

"خدارا ذرا تفصیلات بتاتی جایئے۔"

"ہنستے بولتے رہا کرو، تم اس رنگ میں اچھے لگتے ہو۔"

"اور اس کے بعد ڈانٹ کھا کر بھگایا جاتا رہوں۔ استعفیٰ دوں، کبھی نہ کبھی یہ [illegible] ضرور آ جائے گی کہ آپ بھی میرے لئے سنجیدہ ہو جائیں گی اور اس کے بعد مجھے [illegible] تلاش کرنی پڑے گی۔"

"دیکھو ایک بات کہوں تم سے، اس وقت جب تم ملازمت کے لئے آئے تھے [illegible] یقین کرو بہت سے لوگ تھے بلکہ ڈاکٹر اعجاز نے اپنے سالے کے لئے مجھ سے سفارش [illegible] اور اتنے پرامید تھے کہ مجھے ان سے شرمندگی ہے، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں [illegible] سفارش کو مسترد کر دوں گی لیکن شامی بس تمہارا شرارت بھرا انداز تھا جو مجھے اچھا لگا [illegible] نے تمہیں رکھ لیا۔"

"لیکن اس کے بعد؟"

"اس کے بعد۔ اب بار بار تم سے کہوں گی تو مجھے خود بھی غصہ آ جائے گا۔" میڈم نے کہا۔

"جی کیا؟" شامی نے سوال کیا۔

"اگر تم سے [illegible] ہو جائے تو میں کیا اسے نہیں سنبھال سکتی یا میرا فرض نہیں ہے یا اگر کوئی بیمار ہے تو اس کی بیماری سے چڑنا تو نہیں چاہئے۔ بار بار یہ درخواست کروں گی تم سے کہ میری کیفیت کو نظرانداز کر دیا کرو۔ تو غصہ نہیں آئے گا۔ ایک بار کہہ دینا کافی نہیں ہوتا۔"

شامی عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "لیکن جب کسی پر اتنا اعتبار کیا جا سکتا ہے میڈم تو اسے اپنے دل کی کہانی نہیں سنائی جا سکتی، کیا اسے یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اس بیماری کا پس منظر کیا ہے؟ آپ مجھے بتایئے رشتے کس طرح بنتے ہیں؟ انسان ایک دوسرے سے محبت کس طرح کرتا ہے؟ لوگ ایک دوسرے کے معاملات میں کس طرح ملوث ہوتے ہیں؟ آپ نے امینہ بیگم کی کہانی سنی اور اس کہانی میں داخل ہو گئیں۔ آپ بتایئے اگر میں بھی آپ سے اتنی ہی دلچسپی رکھتا ہوں کہ آپ کی ہر تکلیف کو دور کرنے کا خواہش مند ہوں، تو کیا مجھے آپ کی تکلیف معلوم نہیں ہونی چاہئے؟"

میڈم سوچ میں ڈوب گئی، دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"چائے پیو گے؟ میں نے لنچ تک کا وقت اسی لئے لے لیا ہے کہ تم سے کچھ باتیں کروں۔ اچھا ہاں یہ بتاؤ کہ گارمنٹ سٹی کے معاملات کیسے چل رہے ہیں، کبھی کبھی تو یقین کرو شامی بہت بہت دن ہو جاتے ہیں کہ میں یہ معلوم ہی نہیں کرتی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے، حالانکہ گارمنٹ سٹی میرے لئے جو حیثیت رکھتا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، یہ سمجھ لو کہ یہ میری ساری زندگی کا حاصل ہے، دولت کی پرواہ بالکل نہیں کروں گی، بہت دولت ہے میرے پاس، ساری آرزوئیں، ساری امنگیں پوری کر چکی ہوں لیکن گارمنٹ سٹی ایک عمارت ہے جہاں میرے لئے سکون ہی سکون ہوتا ہے اسے دیکھ کر مجھے زندگی اچھی لگنے لگتی ہے کیونکہ یہ میری بے پناہ کاوشوں کا نچوڑ ہے۔"

"کیوں نہیں میڈم؟"

"تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں بہت بہت دن تک گارمنٹ سٹی پر توجہ ہی نہیں دیتی، حالانکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا، میری ذہنی کیفیت کچھ بھی ہوتی گارمنٹ سٹی کے معاملات بہت عمدگی سے چل رہے تھے۔ ویسے خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ اب ان میں کوئی فرق آ گیا ہے، زکی صاحب بہت اچھے انسان ہیں، تم، مس مینا اور میرے اردگرد پھیلے ہوئے جتنے لوگ ہیں، نجانے کیوں وہ مجھے اتنا چاہتے ہیں۔ یقین کرو یہ معاوضے کا بدل نہیں ہے، معاوضہ تو انہیں ہر

جگہ سے مل سکتا ہے' لیکن میرے تمام ساتھی میرے لئے دل و جان سے کام کرتے ہیں
میں ان کی شکرگزار ہوں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' آپ چالاکی کر لیجئے۔ میں اب آپ سے تھوڑی پوچھوں گی"

"کیا مطلب؟"

"گارمنٹ سٹی کے سارے معاملات ٹھیک چل رہے ہیں' آپ جب چاہیں باہر سے
آئے ہوئے آرڈر نئے کام اور وہ تمام چیزیں چیک کر سکتی ہیں جن کا تعلق آپ سے
سے ہے۔ میں صرف پرچیز آفیسر ہی کا کام نہیں کر رہا بلکہ ذکی صاحب جب بھی کبھی کہہ
دیتے ہیں' میں ان کے ساتھ بھی شامل ہو جاتا ہوں۔ بہرحال بزرگ آدمی ہیں اور پھر اپنی
عمارت کو قائم رکھنے کی ذمہ داری ہر اس شخص پر ہے جو اس کی چھت کے نیچے رہتا
ہے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے شامی' بڑے اچھے لوگ ملے ہیں مجھے' مگر تم کیا کہہ رہے
تھے؟"

"یہ کہہ رہا تھا کہ آپ نے کتنی چالاکی سے میرے سوال کا رخ بدل دیا ہے۔"

"شامی! مجھے مہلت دو' مجھے وقت دو' کوئی ایسا جذباتی لمحہ آ جائے' جب میں تمہیں سب
کچھ بتانے پر مجبور ہو جاؤں۔ وہ وقت آنے دو شامی۔ خدارا میری رسوائی کی کہانی کسی جذباتی
لمحے کے آنے سے قبل نہ سنو تو بہتر ہے' یہ بھی تمہارا ایک احسان ہو گا مجھ پر۔"

"رسوائی کی کہانی؟" شامی نے کہا' لیکن میڈم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے
چہرے پر افسردگی پھیل گئی تھی اور شامی کو اس کا یہ موڈ بہرحال خوف زدہ کر دیتا تھا کیونکہ
اس کے بعد وہ ذہنی طور پر قطعی معطل ہو جاتی تھی۔ شامی چند لمحات کے بعد بولا۔ "آپ
چائے کے لئے کہنا بھول گئیں اجازت ہو تو میں کہہ دوں۔"

میڈم نے آنکھ کے اشارے سے انٹر کام کی طرف توجہ دلا دی تھی۔ شامی نے انٹرکام
اٹھایا اور میڈم کی سیکرٹری سے چائے بھیجنے کے لئے کہا پھر اس کے بعد اس نے میڈم کو اس
موضوع پر نہیں چھیڑا تھا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب صورت حال خراب ہو جائے گی۔

پھر بہت دیر تک خاموشی ہی طاری رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے کرسی سے سر ٹکائے
نجانے کون سے لمحات کا سفر کر رہی تھی اور شامی اس کی صورت دیکھ رہا تھا بالوں میں کہیں
کہیں سفیدی نمودار ہو چکی تھی لیکن چہرہ بے داغ اور شفاف تھا' عمر کا تعین اگر بالوں کی
اس سفیدی سے کیا جائے تب بھی اتنا نہیں ہوتا تھا کہ اسے معمر عورتوں میں تصور کیا
جائے' حسن و جوانی اور دلکشی' بدن کے نقوش' چہرے کا انداز' آنکھوں کی سادگی' ہاتھوں کی
بناوٹ' ہر چیز چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ زندگی کی ان لطافتوں سے دور رہی ہے جو زندگی کا
خاصا ہوتی ہیں۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی ہے' دکھوں اور رسوائی کی کہانی کی

بات کرتی ہے' پتا نہیں کیا کیا دکھ اور کیسی کیسی رسوائیوں سے گزر کر اس منزل تک آئی
ہے' خدا ہی جانے' خدا جانے' یہ کب کھلے گی؟"

چائے آ گئی۔ شامی نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنائی اور جب اسے متوجہ کیا تو وہ چونک
پڑی۔ کھوئی کھوئی سرخ نگاہوں سے چائے کی پیالی کو دیکھتی رہی' پھر شامی کو دیکھا اور پھر ایک
مسکراہٹ آ گئی۔

"ٹھیک ہے شامی۔ بعض اوقات تم اتنی محبت کا سلوک کرتے ہو کہ مجھے شرمندگی
ہونے لگتی ہے۔" اس نے چائے کی پیالی اٹھائی اور شدید گرم چائے کے بڑے بڑے گھونٹ
لینے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے آپ کو جلا رہی ہو۔ شامی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا'
جب اس نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھرے تو شامی نے آہستہ سے اس کی پیالی پر ہاتھ
رکھ دیا اور وہ چونک کر شامی کو دیکھنے لگی۔ "کیوں' کیا بات ہے؟"

"بہت گرم ہے۔ اتنی گرم چائے پینے سے السر ہو جاتا ہے۔"

وہ خاموشی سے شامی کو دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے چائے کی پیالی نہ اٹھائی' پھر
اس وقت تک انتظار کرتی رہی جب تک شامی نے اپنی چائے اٹھا کر چند گھونٹ نہ لئے' پھر
مسکرا کر بولی۔

"اب پی لوں؟" شامی نے مسکراتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔ چند
لمحات خاموشی سے گزر گئے پھر اچانک ہی وہ بولی۔

"لنچ کے بعد ذرا فرید احمد کی خبر لے لو' ویسے سوچو گا تو سہی کہ کیسے شاطر لوگ ہیں۔
یہی خود ہی سب کچھ کرتے رہے اور خود ہی اس کے مسیحا بھی بن رہے ہیں لیکن شامی' زلفی
صاحب کا یہ نظریہ بالکل درست ہے ذرا فرید احمد کی گنجائش کا بھی اندازہ ہو جائے گا تمہیں
کہ وہ کہاں تک بھاگ دوڑ کر سکتا ہے' تمہارے سامنے یقیناً زبان کھولے گا اور خاص طور
سے ضمانت کے اس ڈرامے کے بعد تو بالکل ہی وہ تمہارے سامنے کھل جائے گا اس کے
بارے میں اندازہ لگا لو اگر وہ خود ہی امینہ بیگم کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اچھی بات
ہے کہ معاملہ عدالت تک نہ پہنچے۔ اب اگر جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔"

"شکریہ۔" شامی نے کہا اور میڈم کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اپنے آفس میں آ کر
بیٹھ گیا' کاموں میں مصروف ہو گیا اور اس کے بعد اسے کچھ یاد نہ رہا' پھر لنچ پر میڈم ہی نے
انٹرکام پر اس سے رابطہ کیا تھا۔

"ہاں بھئی لنچ کا کیا پروگرام ہے؟"

"اوہو ٹائم ہو گیا؟"

"کیا مطلب' اٹھے نہیں ابھی؟"

"جی بس اٹھ رہا ہوں۔"

"کہاں لنچ کرو گے؟"
"کہیں نہ کہیں کر لوں گا۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔"
"یوں کرو نکل جاؤ' گاڑی لے جاؤ' پہلے کہیں لنچ کرو اس کے بعد تھانے چلے جاؤ۔"
"دلچسپ مشورہ ہے۔"
"ٹھیک نہیں ہے؟" میڈم بولی۔
"نہیں' بالکل درست ہے۔"
"او کے۔"

شامی جانتا تھا کہ وہ بہت کم لنچ کرتی ہے اور پھر ویسے بھی ضرورت سے زیادہ کسی مسلط نہیں ہوا جا سکتا۔ چنانچہ وہ گارمنٹ سٹی سے باہر نکل آیا۔ میڈم نے گاڑی لے جانے کے لئے کہا تھا۔ باہر شاید ڈرائیور کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی۔ اس نے گاڑی کی چابی شامی کے حوالے کر دی اور شامی گاڑی اسٹارٹ کر کے باہر نکل آیا اور اپنے ایک پسندیدہ ریستوران کی طرف چل پڑا۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ ان واقعات پر غور کرنے لگا۔ صورت حال بے حد دلچسپ تھی۔ میڈم کی بھرپور مدد حاصل تھی۔ زلفی صاحب بہترین مددگار چنانچہ کسی کام میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ انسپکٹر سعید خاں بھی تعاون کر رہا تھا۔ وہ کھانے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گیا' پھر کچھ دیر کے بعد تھانے کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے اسی وقت انسپکٹر سعید خاں بھی کہیں سے آیا تھا۔ دونوں کی ملاقات آفس سے باہر ہی ہو گئی۔

"اخاہ' احتشام احمد صاحب۔ آپ تشریف لے آئے۔ زلفی صاحب سے بات ہو گئی ہے میری۔"
"آپ کیسے ہیں انسپکٹر صاحب؟"
"بہت برے۔" سعید خاں نے ہنس کر کہا۔
"کیوں؟" شامی بھی مسکرا کر بولا۔
"اس لئے کہ پولیس والے ہیں اور زبان خلق نقارہ خدا ہوتی ہے۔" سعید خاں کافی حاضر جواب معلوم ہوتا تھا۔
"آیئے۔" اس نے کہا اور شامی کو لے کر آفس میں داخل ہو گیا۔
"زلفی صاحب سے کہاں ملاقات ہو گئی؟"
"کورٹ میں۔"
"اوہ یہ اچھا ہو گیا۔ آپ کو ہمارا سارا پروگرام تو معلوم ہو گیا ہو گا؟"
"ہاں۔"
"کوئی پیچ ہے اس میں۔"
"بالکل پیچ نہیں ہے بلکہ یہ بہتر ہو رہا ہے۔ فیض شاہ نے بے شک اس سلسلے میں

رپورٹ دی ہے لیکن ایف آئی آر درج نہیں کی گئی ہے کیونکہ فیض شاہ نے بغیر کسی ثبوت کے یہ رپورٹ لکھوائی ہے ایسی صورت میں ہم فرید احمد کو زیادہ دیر لاک اپ میں نہیں رکھ سکتے تھے اور اسے چھوڑنا پڑتا۔"
"اب کیا کرنا ہے؟"
"فرضی ضمانت کا پورا ڈرامہ کرنا پڑے گا' لیکن یہ بہتر رہے گا۔ وہ انڈر پریشر بھی رہے گا۔"
"گڈ۔ گویا آپ اس کارروائی سے مطمئن ہیں۔"
"ہاں۔ یقیناً جبکہ فیض شاہ پر باقاعدہ کیس قائم ہو گیا ہے اور اس پر مقدمہ چلے گا۔"
"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"
"ڈرامہ شروع کر دیں۔ آپ یوں کریں کہ پہلے ایک سنتری کے ساتھ جا کر لاک اپ میں فرید سے مل لیں۔ اس سے بات کر کے میرے پاس آ جائیں۔ میں باقی انتظامات کئے لیتا ہوں۔"
"بہتر۔" شامی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

□

مسز عالمگیر کو تابندہ پر اس قدر اعتماد ہو گیا تھا کہ سات دن تک اس نے فیکٹری کی جانب رخ ہی نہیں کیا' شناساؤں کی تعداد بھی کافی تھی' اور پھر نعمان کے ساتھ بہت عرصے کے بعد وقت گزارنے کا موقع ملا تھا۔ ماں کی تمام آرزوؤں کا محور نعمان ہی تھا' اس سے زیادہ کوئی شے اسے عزیز نہیں تھی' چنانچہ پورے سات دن ہو گئے تھے اور ان سات دنوں میں تابندہ سے صرف تین بار ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی تھی اور اس نے سب ٹھیک ہے کی اطلاع دی تھی' مسز عالمگیر کو مکمل اعتماد تھا اس پر۔

اس دن صبح ہی صبح مسز عالمگیر اور نعمان بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سجانہ امداد علی کی آمد کی اطلاع ملی اور دونوں چونک پڑے' سجانہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی تھی' مسز عالمگیر نے حیرت اور دلچسپی سے سجانہ کو دیکھا' اس کے سلام کا جواب دیا اور محبت سے اسے بٹھایا۔

"کہئے آنٹی آپ لوگ خیریت سے تو ہیں؟"
"ہاں بیٹے بالکل' کہو بغیر کسی اطلاع کے' خیریت تو ہے نا؟"
"جی آنٹی' اس دوران یہی سوچتی رہی کہ ممکن ہے آپ لوگ خود مجھے لفٹ دیں اور کبھی فون کر کے خیریت ہی معلوم کر لیں' لیکن پھر تحقیقات کی تو پتا چلا کہ غلطی ڈیڈی کی ہے۔"
"غلطی؟" مسز عالمگیر نے نہ سمجھنے والے انداز میں سجانہ کو دیکھا۔

"جی آنٹی' اصل میں اچھے لوگ ملتے کہاں ہیں' تعلقات اور شناسائیاں تو ہزاروں
جاتی ہیں' لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں' جن سے زیادہ گہرے تعلقات ہونے چاہئیں
یہ کاروباری لوگ ہر چیز کو کاروباری انداز ہی میں دیکھتے ہیں' لیکن ہم تو کاروباری نہیں

"اوہو بیٹا' ایسی کوئی بات نہیں تھی' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امداد علی
سے زیادہ گہرے روابط نہیں رہے' لیکن بہرحال وہ ہمارے دوست ہیں۔"

"ڈیڈی کا اور آپ کا معاملہ کو کچھ بھی ہو آنٹی میں کچھ نہیں جانتی لیکن میں آپ
تعلقات بڑھانا چاہتی ہوں۔"

"ارے بیٹا! ایسی کیا بات ہے' تم آئیں تمہارا شکریہ' تم نے اس خواہش کا اظہار
مزید شکریہ' ضرور آیا جایا کرو۔ ہمیں بھی بلاؤ گی ضرور حاضری دیں گے۔"

"نعمان صاحب امریکہ سے آئے ہیں ان کی تو یہاں بہت زیادہ مصروفیات ہوں گی؟"

"نہیں' مس سبحانہ' اصل میں اتنے عرصے وطن سے دور رہا ہوں کہ وطن والوں
ہی دور ہو گیا' میری یہاں زیادہ شناسائیاں نہیں ہیں' بس ممی کے ساتھ ہی وقت گزرتا ہے۔"

"لیکن جناب اور بھی کچھ طلب گار ہوتے ہیں' انہیں بھی تو کچھ وقت دینا چاہئے۔"

"جی۔" نعمان نے آہستہ سے کہا' مسز عالمگیر فوراً ہی بولیں۔

"ہاں ہاں' کیوں نہیں۔"

"تو پھر آنٹی آج کے دن نعمان صاحب کو ہمیں دے دیجئے گا۔"

"اوہو' مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" مسز عالمگیر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ
نعمان بولا۔

"مگر میرے تو سارے پروگرام ممی کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔" سبحانہ ہنس پڑی' اس
نے کہا۔

"جناب آپ امریکہ سے آئے ہیں' بے شک آنٹی آپ کے لئے بہت بڑی حیثیت
رکھتی ہیں' لیکن اب یہ بھی اچھی بات نہیں ہے کہ آپ آنٹی ہی کی انگلی پکڑ کر گھومیں اصل
میں' میں نے لنچ ارینج کیا ہے' اپنی کچھ دوستوں کو بھی بلا رہی ہوں' ایک ہوٹل میں ارینج
ہے اور بات صرف دوستوں تک ہے' ان کے والدین تک نہیں' چنانچہ آج تو آپ کو
زحمت کرنی ہو گی میں آنٹی سے اجازت لئے لیتی ہوں۔"

"ہاں نعمان کیا حرج ہے چلے جاؤ' تھوڑی سی شناسائیاں ضروری ہیں۔" مسز عالمگیر
کہا' نعمان کسی قدر الجھن کا شکار ہو گیا تھا' لیکن مسز عالمگیر نے اسے غیر محسوس انداز
اشارہ کیا اور نعمان گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے' مس سبحانہ مجھے کب اور کس جگہ آپ کے پاس پہنچنا ہو گا؟"

"کب اور کس جگہ نہیں جناب آپ ابھی میرے ساتھ چلیں گے اور مختلف امور

کرنے کے بعد ہم لوگ ہوٹل جائیں گے۔ یہ لنچ آپ ہی کے اعزاز میں ہے' اصل میں ڈنر
پروگرام تھا میرا' لیکن کچھ ایسی مصروفیات آ گئیں کہ ڈنر ارینج نہ کر سکی۔ چنانچہ لنچ کر لیا
گیا' البتہ آپ کو میں رات ہی کو چھوڑوں گی۔ آنٹی آپ اجازت دے دیجئے نا' نعمان
صاحب کو۔"

"بیٹی میری طرف سے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"لیکن میڈم ایسا کوئی پروگرام تھا تو آپ ایک آدھ دن پہلے مجھے بتا دیتیں' میرے اپنے
کچھ معاملات ہیں' جن کی وجہ سے اس وقت تو میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا' البتہ چونکہ
ممی نے اجازت دے دی ہے اس لئے دوپہر کو آپ جہاں بھی فرمائیں پہنچ جاؤں گا۔"

"بہت ضروری کام ہے۔" سبحانہ نے مایوسی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی آپ یقین کیجئے ایسی ہی مصروفیات ہیں۔"

"تو پھر میں ایک کام کئے دیتی ہوں' جو کام مجھے نمٹانے ہیں انہیں نمٹا کر پونے ایک بجے
آپ کے پاس پہنچ جاتی ہوں' آپ کو وہاں سے ساتھ لے لوں گی۔"

"جی بہتر ہے۔" نعمان نے جواب دیا۔ سبحانہ کو چائے وغیرہ پلائی گئی اور اس کے بعد وہ
تیار رہنے کے لئے کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گئی۔ نعمان نے منہ پھاڑ کر ماں کو دیکھتے
ہوئے کہا۔ "ممی یہ کیا ہے' یعنی زبردستی۔"

مسز عالمگیر ہنس پڑیں پھر بولیں۔ "اصل میں بیٹے' غور کرو گے تو تمہیں اس کا پس منظر
نظر آ جائے گا۔ اصل میں یہاں کا معاشرہ امریکہ سے بہت مختلف ہے۔ وہاں کے معاملات جو
کچھ بھی ہوں لیکن یہاں زندگی میں ایک ٹھہراؤ ہے۔ بہت زیاہ ہنگامہ آرائیاں نہیں ہیں۔
دولت مزاج بناتی ہے۔ یہ بچے وہ ہیں جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے ہیں' اپنے
طور پر سوچتے ہیں اور اپنے اندر ہی اندر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ بگڑی ہوئی رئیس زادیاں اور
رئیس زادے یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات ان کے تابع ہے اور جو کچھ وہ سوچ رہے ہیں۔
دوسرے بھی ہر قیمت پر وہ ہی سب کچھ سوچیں گے۔ بس یہ ان کی سوچ ہے' اب یہ مس
سبحانہ بھی ظاہر ہے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہیں' بھلا یہ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ اگر وہ کسی کی
جانب مائل ہوں اور وہ ان کی جانب مائل نہ ہو سکے۔"

"تب تو ممی اصولی طور پر مجھے اس لڑکی کو ریفیوز کر دینا چاہئے تھا۔"

"ارے نہیں بیٹے' بھلا نکو بننے سے کیا فائدہ' ری فیوز کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ
صحیح الفاظ میں اور صحیح انداز میں ری فیوز کیا جائے' ابھی چونکہ انہوں نے کسی خاص جذبے کا
اظہار نہیں کیا' لیکن میرا اندازہ ہے کہ یہ اظہار بہت جلد ہو جائے گا اس وقت کیا یہ بہتر
نہیں ہو گا کہ تم نہایت سادگی اور صاف گوئی سے انہیں ان کی اصلیت سے آگاہ کرو۔"

نعمان سوچ میں ڈوب گیا' پھر ہنس کر بولا۔ "کمال ہے ایسا تو واقعی یورپ میں بھی نہیں

ہوتا۔"

مسز عالمگیر بھی ہنسنے لگیں، نعمان نے آہستہ سے کہا۔

"ویسے ممی میں آپ کو ایک بات بتا دوں، ذہنی طور پر قطعی میں اس لڑکی سے ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں، اب اگر اس ملاقات سے کوئی الجھن پیدا ہو تو اس کی ذ... آپ ہوں گی۔ میں تو صاف منع کرنا چاہتا تھا، لیکن آپ نے مجھے اشارہ کیا تو میں خاموش گیا۔"

"ہاں اس کی وجہ تھی، تم جب تک اسے صحیح راستہ نہیں دکھاؤ گے، وہ غلط فہمی ... رہے گی، کسی کو اس طرح نظرانداز کر دینے سے ذرا سی برائی دل میں پیدا ہو جاتی ہے، یہ برائی نہیں لینا چاہتی تھی۔"

"ٹھیک ہے آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن میں آج ہی یہ سلسلہ ختم کروں گا۔"

"گویا تم کسی بھی قیمت پر ایک لمحے کے لئے اس سے رجوع ہونے کو تیار نہیں ہو۔"

"میں آپ کو اپنا نکتہ نظر بتا چکا ہوں، اس کے بعد بھلا اس کی گنجائش کیا رہ جا ہے۔"

"او کے ڈیئر تم فکر مند کیوں ہوتے ہو، کس کی مجال ہے تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے د جائے۔" مسز عالمگیر نے کہا اور ایک گھن گرج قہقہہ لگایا، نعمان کھسیائی ہوئی ہنسی ہنستا ہوا ا کو دیکھنے لگا۔

"اصل میں، میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ایسے مشکل حالات لڑکیوں کو تو پیش آ سکتے ہ لیکن لڑکوں کو ذرا کم آتے ہیں، بہرحال مجھے تم پر ناز ہے کہ تم لڑکیوں کی ہی طرح شر اور ایسے معاملات سے الجھنے والے ہو یہ شرافت کی دلیل ہے۔"

دوپہر کو ٹھیک ایک بجے مس سبحانہ امداد علی پہنچ گئی، بڑے شاندار لباس میں تھی، ب قیمتی کار میں آئی تھی، خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی، پرس جھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور نعما کو تیار پایا، تو خوش ہو کر بولی۔

"تھینک یو ڈیئر نعمان، اچھا آنٹی اجازت، آؤ نعمان وہاں سب لوگ پہنچ گئے ہیں، م ہوٹل ہی سے آ رہی ہوں۔"

نعمان اس کے ساتھ باہر نکل آیا، مسز عالمگیر فخریہ نگاہوں سے اپنے خوبصورت بیٹے دیکھ رہی تھیں، نعمان کار کے قریب پہنچا اور سبحانہ نے اس کے لئے ڈرائیونگ سائڈ قریب کا دروازہ کھول دیا اور پھر خود اسٹیئرنگ سنبھال کر کار آگے بڑھا دی۔ کار کوٹھی سے با نکل آئی، اور سڑکوں پر دوڑنے لگی، سبحانہ نے کہا۔ "تم نے اس وقت مجھے ری فیوز کر بددل کر دیا تھا وجہ۔"

"وجہ میں نے آپ کو بتا دی تھی مس سبحانہ۔"

"میرے لئے اپنے کام ترک نہیں کر سکتے تھے؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔" نعمان نے صاف گوئی سے کہا اور سبحانہ نے تیکھی نگاہوں سے گھورا کر اسے دیکھا، اور سامنے سڑک پر دیکھنے لگی پھر بولی۔

"دیکھئے جناب نعمان صاحب، میں ان لڑکیوں میں سے ہوں جو کسی کو چاہتی ہیں تو ٹوٹ کر چاہتی ہیں اور کسی سے نفرت کرتی ہیں تو بے پناہ، میں تعاون کی خواہش مند ہوں اور کسی ایسی بات کی فرمائش نہیں کروں گی، جو کسی کے لئے ناقابل قبول ہو۔"

"اصل میں مس سبحانہ میں تو خود حیران ہو گیا ہوں، مجھے یاد نہیں آتا کہ اس ایک ملاقات کے علاوہ میری اور آپ کی ملاقات کہاں ہوئی ہے، کیونکہ بے تکلفی کے راستے تو بے شمار ملاقاتوں کے بعد ہی کھلتے ہیں۔"

"ہوں تو یہ بات ہے، چلئے مجھے کیا فرق پڑتا ہے، کل سے روزانہ آپ پر مسلط ہو جاؤں گی۔ بس آنٹی ہی کو اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"لیکن مس سبحانہ، یہ کیسے ممکن ہے، میں اپنی ممی کے پاس آیا ہوں۔"

"اب کب تک ممی کی آغوش میں بیٹھے رہیں گے، کمال ہے، آپ امریکہ میں رہے ہیں یا یوگنڈا میں۔"

"یوگنڈا کے بارے میں آپ کیا جانتی ہیں، مس سبحانہ؟"

"بھئی، میں یوگنڈا کے بارے میں صرف عیدی امین تک جانتی ہوں اس سے آگے میں نے کچھ نہیں دیکھا۔"

"تو آپ امریکہ اور یوگنڈا میں زیادہ فرق نہ سمجھیں دونوں نہایت ماڈرن ملک ہیں۔"

"لیکن انہوں نے آپ کو تو ماڈرن نہیں بنایا۔"

"ہاں یہ تو اپنی صلاحیت کی بات ہے یا پھر یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے اپنا کلچر، اپنا ماحول امریکہ کے کلچر اور امریکہ کے ماحول سے زیادہ پسند ہے اور میں نے وہاں بھی اسے اپنائے رکھا۔"

"جی ہاں، نظر آ رہا ہے۔" سبحانہ نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا۔

فائیو اسٹار ہوٹل کے ایک خوبصورت ہال میں تقریب کا بندوبست کیا گیا تھا، تقریب میں تقریباً دس بارہ لڑکے اور اتنی ہی لڑکیاں تھیں، سبحانہ نعمان کے ساتھ اس طرح اندر داخل ہوئی، جیسے نعمان کو جیت کر آ رہی ہو، نعمان البتہ سادگی سے ان تمام لوگوں سے ملا، ان سے تعارف ہوا، ایک لڑکے نے نعمان کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔

"نعمان صاحب! آپ نے ایک ایسی ہستی کو رام کیا ہے جس کے لئے نہ جانے کتنے لوگ حسرتوں کا شکار رہے ہیں، مس سبحانہ کوئی عام شخصیت نہیں ہیں۔"

"اتفاق یہ ہے کہ مجھے اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا مس سبحانہ سے ایک بار

ملاقات ان کے گھر پر ہوئی تھی۔ دوسری آج ہو رہی ہے' بلکہ آج کی ملاقات دوبارہ
ہے' اتفاق سے درمیان میں میری ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"بعض اوقات صدیوں کے فاصلے لمحوں میں طے ہو جاتے ہیں' جیسے آپ لوگوں
کئے۔"

نعمان نے کوئی جواب نہیں دیا' یقینی طور پر سبحانہ نے اپنے دوستوں کو
میں کچھ ایسی باتیں بتا دی تھیں جس کی وجہ سے وہ بڑی بے تکلفی سے سبحانہ اور نعمان
قربت کا اظہار کر رہے تھے' لنچ بڑا پر تکلف تھا' سبحانہ نے بھرپور طور پر اپنی دولت کا
کیا تھا اور پھر لنچ کے خاتمہ کے بعد ایک شریر سی لڑکی نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اس دعوت میں اور تو جو کچھ تھا وہ تھا ہی' لیکن ایک بات ہم سب نے نہایت
سے محسوس کی' وہ یہ کہ مسٹر نعمان اور مس سبحانہ کی ازدواجی زندگی شروع ہونے سے
ان کی یہ قربت بڑی خوبصورت نظر آ رہی ہے' ہم اس جوڑی کو مبارک باد دیتے ہیں۔"

نعمان کا چہرہ ایک لمحے کے لئے سرخ ہو گیا۔ وہ چند ساعت سوچتا رہا' پھر دو تین لڑ
لڑکیوں نے شرارت بھرے انداز میں اس کے قریب آ کر اس سے ہاتھ ملایا اور اس
مبارک باد دی' جب یہ سلسلہ ختم ہوا' تو نعمان نے کھڑے ہو کر کہا۔

"خواتین و حضرات کیا ہی دلچسپ بات ہے' میں اپنے وطن سے کافی عرصے دور رہا
لیکن اس کے کلچر سے ناواقف نہیں رہا' یہ ایک دلچسپ اور عجیب و غریب انکشاف
میرے لئے کہ آپ لوگ میرے اور مس سبحانہ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں سوچ رہے
ہیں' جہاں تک اردو سے میرا تعلق ہے' میں یہ بات پورے اعتماد اور دعوے سے کہہ
ہوں کہ امریکہ میں بھی رہنے کے بعد میں نے اردو سے محبت کی ہے' ازدواجی زندگی
معنی مجھے معلوم ہیں لیکن میں آپ لوگوں سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو کس
میری اور سبحانہ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار کیا؟" بہت سے چہرے
حیرت میں رہ گئے' سبحانہ ہکا بکا رہ گئی' نعمان نے آگے کہا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے' نہ تو میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور ہے
مجھے یقین ہے کہ مس سبحانہ نے بھی اس انداز میں کبھی نہیں سوچا ہو گا' میں نے مس
سے ایک سرسری سی ملاقات کی ہے اور آج ان کی محبت بھری دعوت کو صرف اس
قبول کر لیا ہے کہ میری ممی کی ان کے والد سے کاروباری شناسائی ہے' بس اس سے
مس سبحانہ کو نہیں جانتا' جہاں تک میری ازدواجی زندگی کا تعلق ہے تو اس کے لئے میری
میری ممی راستہ منتخب کر چکی ہیں اور یہ راستہ کہیں سے بھی مس سبحانہ کی طرف نہیں
آتا۔"

لوگوں کے منہ سے حیرت زدہ آوازیں نکل گئی تھیں' سبحانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور

پھٹی پھٹی نگاہوں سے نعمان کو دیکھ رہی تھی' ایک لڑکی نے کہا۔ "سبحانہ کیا تم نے ہم سے
مذاق کیا تھا؟"

سبحانہ مضمحل ہو گئی' اس نے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا' لڑکے اور لڑکیاں بھی عجیب
کیفیت کا شکار ہو گئے تھے' نعمان نے پھر کہا۔

"آپ میں سے کسی کو یہ راز معلوم ہو کہ میرے اور سبحانہ کے بارے میں یہ غلط فہمی
کس نے پھیلائی ہے تو براہ کرم کم از کم مجھے ضرور آگاہ کر دیجئے گا' میں آپ کا شکر گزار ہوں
گا۔"

"یہ بات تو سبحانہ ہی نے ہم سے کہی تھی کہ آپ اس کی زندگی کے ساتھی بننے والے
ہیں اور آج اسی لئے وہ آپ کو ہم سے متعارف کرانے لائی تھیں۔"

"مس سبحانہ بہت اعلیٰ شخصیت کی مالک ہیں اور یقینی طور پر جو بھی ان کی زندگی میں
ان کا ساتھی بنے گا وہ ایک خوش نصیب آدمی ہو گا' لیکن وہ خوش نصیب میں نہیں ہوں'
کیونکہ میں نے اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کر لیا ہے اور میرے لئے کوئی حکم مس سبحانہ۔"

سبحانہ کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی' نعمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ مس سبحانہ نے یہ فرمایا تھا کہ آج رات تک وہ مجھے اپنے ساتھ رکھیں گی اور
جانے کی اجازت نہیں دیں گی' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس غلط فہمی کے دور ہونے کے بعد
اب اس بات کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ خواتین و حضرات' مس سبحانہ اور آپ لوگوں کی
اس محبت اور اس لنچ کا بے حد شکریہ مجھے اجازت' خدا حافظ۔" نعمان نے رخ بدلا اور ہال
کے دروازے کی جانب چل پڑا۔

☐

غزل مسرور تھی گلزار کے ساتھ گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اس کی نگاہوں میں حسن کا
چہرہ گھوم رہا تھا۔ کم از کم حسن رقابت کا شکار تو ہوا' نجانے کس قسم کا آدمی ہے' اپنے آپ
پر اتنے خول کیوں چڑھا رکھے ہیں' واضح کیوں نہیں ہوتا' اگر میرے لئے اس کے دل میں
گنجائش نہ ہوتی تو مجھے فضول باتیں سمجھانے کی کوشش کیوں کرتا' اور اس وقت اس کے
چہرے سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ شدید رقابت کا شکار ہو گیا ہے' دل میں وہ یہ سوچ رہی
تھی کہ بعض معاملات میں سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا' البتہ انگلیاں ٹیڑھی کرنے سے
گھی کا کام بن ہی جاتا ہے' لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن کو دوبارہ رام کیسے کرے
کہ کہیں وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔ سنجیدہ مزاج آدمی ہے' اگر اس کے دل میں
میرے لئے محبت جاگی بھی ہے تو اب وہ اسے تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش نہ کرے۔ یہ
سوچ کر کہ میں ایک بے کردار لڑکی ہوں' نئی سوچ نے اندر تشویش بیدار کر دی' حسن کو
جلانا ہی مقصود نہیں تھا اسے اپنے راستے پر لانا بھی تھا۔ گلزار کا اور اس کا کیا مقابلہ' ایک گھٹیا

سا بے تکا سا انسان' وہ تو بس سہارا بن گیا ہے' لیکن واقعی حسن کو یہ باور کرانے میں
مشکل پیش آئے گی کہ یہ سب کچھ میں نے اس کے لئے کیا تھا۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا
کم ایک قدم تو آگے بڑھا تھا' اب اس کے بعد دیکھوں گی کہ مسٹر حسن کا رویہ کیا ہوتا ہے
اگر وہ پشیمان ہوئے تو پھر انہیں یقین دلانے کے لئے اپنی پاکیزگی کا سہارا لوں گی۔ یہ اتنا مشکل
کام نہیں ہو گا۔ گلزار بھی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ رفتار خوب تیز تھی اور وہ بھی
کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بولے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ مسلسل خاموشی کسی خاص احساس کا پیش خیمہ ہے؟"

"جی۔"

"کچھ باتیں کیجئے آپ تو ایک دم خاموش ہو گئیں۔"

"نہیں' بس ایسے ہی کچھ سوچیں دامن گیر ہو گئی تھیں۔"

"زیادہ سوچنا ہمیشہ صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے' زندگی تو بڑی آزاد اور بڑی مختصر
چیز ہے مس غزل' زندگی کو زندگی کی نگاہوں سے دیکھنا چاہئے' خواہ مخواہ اسے سوچ کے دائروں
میں پھنسا دینا عقلمندی تو نہیں ہے۔"

"نہیں مسٹر گلزار' سوچ بھی تو زندگی ہی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ ہم اپنے فیصلے اپنی
سوچوں کی بنیاد پر کرتے ہیں۔"

"ہاں' لیکن ایک عظیم شاعر کا یہ شعر بھی تو قابل غور ہے کہ۔

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"

"نہیں میں اس سے اختلاف رکھتی ہوں' پاسبان عقل تو زندگی کی ہر راہ متعین کرتا
ہے' بہرحال ہم کس بحث میں پڑ گئے۔ ارے ہاں یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہاں جا رہے ہیں وہاں پہنچ کر آپ اتنی خوش ہوں گی کہ بس تصور سے باہر ہے۔"

"کیوں وہاں کیا خاص بات ہے؟"

"اس شہر کے عظیم الشان در و دیوار' گلیاں' بازار' مارکیٹیں' ہوٹل اپنے آپ میں ایک
ایسی انوکھی جاذبیت رکھتے ہیں کہ انسان انہیں دیکھے اور بس دیکھتا رہے' لیکن قدرت نے اپنی
صناعی میں یہاں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور قدرت کی تخلیق بہرطور انسانی تخلیق سے
کروڑوں گنا حسین ہوتی ہے' میں آپ کو اک ایسے قدرتی مقام پر لے جا رہا ہوں جہاں جا
کر آپ صحیح معنوں میں زندگی کا حسن دیکھیں گی۔"

"جناب عالی! شرط یہ ہے کہ مجھے مقررہ وقت پر ہوسٹل واپس پہنچ جانا چاہئے۔"

"یہ تو آپ کے تعاون پر مبنی ہے مس غزل۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ آپ ہماری اس محفل میں جو لمحات دیں گی وہ مکمل ہونے چاہئیں'
بس اس کے بعد محفل برخاست۔"

"ان کی تکمیل کیسے ہو گی؟"

"یہ تو منزل پر پہنچ کر ہی معلوم ہو گا۔" گلزار نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور
نجانے کیوں اس کے لہجے پر غزل کو ایک الجھن کا سا احساس ہوا' وہ خاموش ہی رہی۔ رفتار
بتانے والی سوئی بہت آگے بڑھی ہوئی تھی۔ مناظر اس طرح بھاگ رہے تھے کہ غزل کو
خوف محسوس ہونے لگا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "کار کو ذرا آہستہ چلائیے' بہت تیز رفتاری
سے دوڑ رہے ہیں آپ۔"

"زندگی اتنی مختصر ہے مس غزل کہ اس میں تیز رفتاری اختیار کرنی ہی پڑتی ہے' ورنہ
بہت کچھ پیچھے رہ جاتا ہے۔ لاتعداد حسرتوں کے ساتھ۔"

"آپ ہر بات میں منطق بگھار رہے ہیں۔" غزل کو کسی قدر چڑ سی ہونے لگی اور
گلزار نے قہقہہ لگایا' لمبی اور طویل سڑک نجانے کہاں سے کہاں تک گئی تھی۔ شہری آبادی
اب پیچھے رہ گئی تھی۔ خال خال سی عمارتیں نظر آ رہی تھیں جو رہائش گاہیں نہیں تھیں'
البتہ علاقہ واقعی شاداب تھا' پھر گلزار نے کار کی رفتار سست کی اور تھوڑی دیر کے بعد اسے
ایک ذیلی سڑک پر موڑ دیا جس کے دونوں سمت سرسبز و شاداب کھیت اور باغیچے پھیلے ہوئے
تھے' کافی فاصلہ طے کر لیا گیا تھا اور غزل کو اس کی امید نہیں تھی' وہ تو سوچ رہی تھی کہ شہر
ہی کی کسی عمارت میں تقریب کا بندوبست کیا گیا ہو گا' ذیلی سڑک کا افتتاح کافی دور جا کر
ایک فارم ہاؤس کی عمارت پر ہوا تھا جس کے سامنے لکڑی کا گیٹ لگا ہوا تھا۔ جس کا ایک
پٹ ٹوٹا ہوا تھا۔ کار اسی عمارت سے اندر داخل ہوئی تھی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے
بعد ایک قدیم طرز کے کاٹیج کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی' چاروں طرف خاموشی اور سناٹے کا
راج تھا۔ غزل نے راستہ بھی دیکھا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ دور تک انسانی وجود نہیں
ہے' اب وہ کسی قدر متوحش ہو گئی تھی۔ گلزار نے نیچے اترنے کے بعد دروازہ کھولا۔ "
آیئے مس غزل' آپ ایک دم کچھ الجھ سی گئی ہیں۔"

"ہاں مسٹر گلزار' اصل میں آپ نے مجھے صحیح صورت حال نہیں بتائی تھی' اتنا فاصلہ
طے کر کے تنہا یہاں آنا بڑا عجیب لگ رہا ہے مجھے۔"

"تنہا کیا میں نہیں ہوں آپ کے ساتھ؟ کیا وہ اعتماد نہیں ہے جس کا آپ نے مجھے
اہل قرار دیا ہے۔"

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر آیئے نا۔" گلزار نے کہا اور کاٹیج کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے
دروازہ کھولا اور غزل کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ایک بڑے ہال میں یہ دروازہ کھلتا

تھا' کچھ خوبصورت فرنیچر اور آرائش کی اشیاء سے مزین تھا' لیکن یہاں کوئی آواز نہیں
دی تھی۔ غزل کے بدن پر کپکپی سی طاری ہو گئی' اس نے کہا۔ "آپ کے وہ دوسرے ساتھی
جن کے بارے میں آپ نے کہا تھا۔"

"کمال کرتی ہیں مس غزل' یعنی ہم آپ کو اپنی ذات میں انجمن نہیں نظر آ رہے
جہاں ہم ہوں وہاں کسی دوسرے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا مسٹر گلزار۔"

"شاید اسے جھوٹ ہی کہتے ہیں' لیکن یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں
ہوتی ہے' اگر ہم نے آپ سے کچھ غلط الفاظ کہہ دیئے تو یہ ایک ضرورت تھی۔"

"آپ بے حد فضول باتیں کر رہے ہیں۔ راستے بھر آپ اعتبار اعتماد کی باتیں کرتے
چلے آئے ہیں اور یہاں آ کر ثابت ہوا کہ آپ نے جھوٹ بولا۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں
مسٹر گلزار۔"

"ارے ارے' اعتماد اور اعتبار کی جو باتیں میں نے آپ سے کہی ہیں وہ غلط نہیں
ہیں' آپ ہم پر یہ اعتماد کر سکتی ہیں کہ جب تک آپ امریکہ میں ہیں ہم آپ کے ساتھ
ہیں۔ کوئی مسئلہ ہو کوئی مشکل ہو' مالی ہو یا ذہنی گلزار آپ کے لئے گل و گلزار ثابت ہو گا
کیا سمجھیں آپ؟"

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ؟"

"اوہو یہاں تو کچھ فلمی سین شروع ہو گئے۔ یعنی اب آپ ہم سے انحراف کریں گی'
ہمیں گالیاں دیں گی اور یہ کہیں گی کہ مجھے واپس چھوڑ دو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ مدافعت
کریں گی' بھاگ دوڑ ہو گی' ہمارے درمیان' چھوڑیئے ان فلمی باتوں کو مس غزل زندگی کے
بارے میں ہم آپ کو اپنے نظریات بتا ہی چکے ہیں کہ کیا ہیں۔ بس ہمارے اور آپ کے
درمیان یہ ربط ہمیشہ قائم رہے گا۔ ہفتے میں ایک بار یہاں آیا کریں گے اور زندگی کا لطف
اٹھایا کریں گے۔ آپ اس حسن کو نظر انداز کیوں کر رہی ہیں؟"

"گویا گویا' گویا تم کمینگی پر آمادہ ہو' کیا مجھ سے غلطی ہو گئی' واقعی کیا مجھ سے غلطی ہو
گئی؟"

"نہیں' اب ان بیکار باتوں کو جانے دیجئے' آیئے ذرا دیکھئے یہ عمارت بہت خوب
صورت ہے۔ اس وسیع و عریض ڈرائنگ روم کے بعد یہ تین کمرے ہیں اور یہ درمیان والا
کمرہ جو ہے' یہ بیڈ روم ہے اور اتنی خوبصورتی سے آراستہ ہے مس غزل کہ آپ دیکھیں گی
تو آپ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ آپ نے کبھی اتنا حسین کمرہ نہیں
دیکھا ہو گا اور زندگی کا یہ حسن انسانی فطرت سے الگ نہیں ہے مس غزل' سوچنے کا انداز
بدلئے' آپ امریکہ میں ہیں کہیں اور نہیں ہیں۔"

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے دھوکہ دے کر یہاں لانے میں
کامیاب ہو گئے ہو تو اپنی ناپاک خواہشوں میں بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ میں زندگی کی قیمت
پر دفاع کروں گی سمجھے۔ اگر تمہیں قتل نہ کر سکی تو خودکشی کر لوں گی' کیا سمجھا ہے تم
نے مجھے؟"

"وہی شروع ہو گیا جس کا خدشہ تھا اور میں سمجھتا ہوں یہ سب فلم والوں نے کیا ہے
فلمیں نمایاں دکھاتے ہیں لڑکیوں کو کہ وہ انہی کی نقل کرنے لگتی ہیں۔ آپ نے مجھے
دیکھا ہے۔ ایک وقت میں دو سو بیٹھکیں لگاتا ہوں۔ میرا پورا جسم ورزشی اور کسرتی ہے۔ میں
وہ موٹا سیٹھ نہیں ہوں جسے ہیروئن زور سے دھکا دیتی ہے۔ پھر اس کے سر پر گلدان مارتی
ہے اور اس کے بعد وہاں سے بھاگ آتی ہے' آپ یہ کوشش کر کے دیکھیں تو آپ کو کچھ
حاصل نہیں ہو گا۔ آیئے اس عمارت کا جائزہ لیں کیوں موڈ خراب کر رہی ہیں۔"

"دیکھو شرافت سے یہاں سے چلو۔ ہم اپنے وطن میں بھی نہیں ہیں۔ غیروں کے
ہاتھوں ذلیل ہونے سے کیا فائدہ' جو کچھ ہمارے درمیان ہو گا اس کے نتائج اچھے نہیں نکلیں
گے۔"

"یعنی یہ فیصلہ آپ نے کیسے کر لیا جو کچھ ہمارے درمیان ہو گا اس کے نتائج دیکھئے تو
سہی کیسے اچھے نکلتے ہیں۔ اب آیئے پلیز' خوامخواہ ذہنی طور پر پریشان نہ کیجئے۔"

"م.... میں میں جانا چاہتی ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے پھر شروع ہو جاتا ہے وہ ناٹک ہم بھی تیار ہیں۔" گلزار دروازے کی
سمت آ گیا اور غزل کے ہوش و حواس جواب دینے لگے۔ آنکھوں کے آگے تاریکی پھیل
گئی۔ دل میں یہ احساس ابھرا کہ دیوانگی میں کیا کر بیٹھی ہے' حسن نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ یہ
کیا ہوا زندگی اس طرح کسی ایک حماقت کی بھینٹ چڑھ جائے گی یہ تو کبھی سوچا بھی نہیں
تھا۔ بیرسٹر ہاشم علی نے نجانے کیوں اتنی امنگوں اور آرزوؤں کے بعد یہاں بھیجا تھا اور یہاں
سے نجانے کیا بن کر جانا چاہتی تھی وہ لیکن اب کچھ دیر کے بعد اس کی بے گور و کفن لاش
یہاں پڑی ہو گی۔ درحقیقت گلزار پر قابو پانا تو ایک ناممکن سی بات نظر آتی تھی وہ انتہائی توانا
نوجوان تھا اور غزل اس کے سامنے خود کو بے بس پا رہی تھی تو پھر کیا ہو گا' یہ کیا ہو گیا' آہ
یہ کیا ہو گیا؟ گلزار مسکرا رہا تھا۔

ایک بار پھر اس نے سر جھکا کر ہاتھ سے سامنے والے دروازے کی جانب اشارہ کیا اور
غزل کے حلق سے دبی دبی چیخیں نکل گئیں۔

"خدا کے لئے' خدا کے لئے گلزار انسان بنو' جو کچھ ہو گا بہت برا ہو گا۔"

"نہیں میں نہیں مان سکتا' آپ کی یہ بات۔ آپ کا تجربہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں
ہے' میرے تجربات سے فائدہ اٹھایئے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مسٹر گلزار' غزل کا تجربہ واقعی اس سلسلے میں کچھ نہیں ہے مجھے اس سلسلے میں کچھ تجربہ ہے۔"

عقب سے حسن کی آواز سنائی دی اور غزل کے بدن میں جیسے زندگی دوڑ گئی۔ ان میں چند لمحات قبل جو تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ ہٹ گئی تھی اور اس کی نگاہیں عقب میں اٹھ گئی تھیں جہاں حسن کھڑا ہوا تھا۔

□

شامی لاک اپ کے سامنے پہنچ گیا۔ فرید احمد صاحب لاک اپ میں تنہا ہی تھے۔ دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حلیہ انتہائی خراب بال بکھرے ہوئے' ملگجا' پریشان حال' شامی کو گردن اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اپنی دھن میں بیٹھے ہوئے تھے اس عالم میں بھی اس شخص پر ترس نہیں کھایا جا سکتا تھا جس فطرت کا انسان تھا۔ اس بارے میں یہ سوچ کر بھی کراہت پیدا ہوتی تھی۔ شامی اپنی آنکھوں سے اس کے مظالم دیکھ چکا تھا۔ یہ تو وقت کی دین تھی کہ اسے اس عالم سے گزرنا پڑ رہا تھا بہرحال یہاں تو منظر دوسرا تھا۔ سنتری کو ہدایت مل گئی تھی سعید خان کی طرف سے چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گیا تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ شامی نے لاک اپ کی سلاخوں کے پاس کھڑے ہو کر فرید احمد کو آواز دی۔

"فرید احمد صاحب۔"

فرید احمد چونک پڑا۔ شامی کو دیکھا اور آنکھیں پھاڑ کر پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ پہچان لیا اور بے اختیار شامی کی جانب دوڑا اور سلاخوں کے پاس پہنچ گیا۔

"شامی صاحب' شامی صاحب' بچا لو۔ خدا کے لئے مجھے بچا لو۔ آہ میں مر جاؤں گا' یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ مروا دیا ہے مجھے فیض شاہ نے' بچا لو مجھے شامی بچا لو مجھے"

شامی نے اداکاری کرتے ہوئے غمگسار نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولا۔ "یہ سب کیا ہو گیا ہے فرید احمد صاحب؟"

"اللہ کے لئے میری مدد کرو' میرا کوئی مددگار نہیں ہے' کوئی ایسا نہیں ہے جس سے اپنی ضمانت کے لئے کہہ سکوں۔ یہاں پڑے پڑے سڑ جاؤں گا۔ شدید بو پھیلی ہوئی ہے یہاں۔ مچھروں اور کھٹملوں نے کاٹ کاٹ کر ختم کر دیا ہے۔ بس دو چار دن اگر اور رہا تو میرا جنازہ ہی نکلے گا اس کوٹھڑی سے ارے کوئی اللہ کا بندہ ہے جو مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دے۔"

"مگر فرید احمد صاحب ہو کیا گیا' آپ کو کیوں بند کر دیا ہے؟"

"ارے بھائی یہاں سے زندگی بچے تو کچھ کہوں' کچھ سنوں کیا کروں کیا نہ کروں' لکھ بیٹھے بیٹھے تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بس یوں لگتا ہے جیسے اس بے بسی میں موت

کوئی پرسان حال ہی نہیں ہے۔"

"پولیس انسپکٹر کیا کہتا ہے؟" شامی نے پوچھا۔

"کہتا ہے ضمانت لے آؤ' فون کر کے بلا لو کسی کو اگر کوئی ضامن ہو تو۔ میاں مجھ کا ضامن کون ہے' کوئی میری ساتھ تھانے کی عمارت تک تو آیا نہیں۔ ارے بھائی تم ... تم نے بھی تو صاف انکار کر دیا تھا۔"

"یہ تو ایک حقیقت ہے فرید احمد صاحب کہ ہر انسان اپنی عزت سے ڈرتا ہے یہ کوئی اچھی جگہ تو نہیں ہے مگر کیا کروں اتنے دن آپ کا ساتھ رہا ہے' ساتھ بیٹھ کر کھایا پیا ہے فراز بھی آپ کے لئے بہت پریشان تھا کہہ رہا تھا کہ شاید فرید احمد صاحب کسی مصیبت میں پھنس گئے ورنہ واپس تو آتے' مجھ سے کہنے لگا کہ شامی کم از کم خیر خبر تو لے لو۔ بہرحال محلے پڑوس کا معاملہ ہے انسانیت کے نکتہ نظر سے اتنا کچھ تو کرنا ہی چاہئے۔ آپ یقین کریں فرید احمد صاحب بڑی ہمت کر کے یہاں تک آیا ہوں اور یہاں آتے ہوئے دل کانپ رہا تھا یہ جگہ ہی ایسی ہے ارے ان پولیس افسروں کے ہاتھ میں تو سب کچھ ہوتا ہے بات کو کہیں پہنچا دیں گے پھانسی دلوا دینا ان کے لئے معمولی سی بات ہوتی ہے آپ تو بری طرح پھنس گئے فرید احمد صاحب۔"

"ارے بھائی کچھ کر لو۔ غریب آدمی ہوں۔ پتا نہیں وہ کم بخت ماریاں کہاں مر گئیں۔ خدا انہیں غارت کرے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے سارا کیا دھرا انہی کا ہے۔"

"انہی کا کیا دھرا کیسے ہو سکتا ہے فرید احمد صاحب آپ خود غور کریں۔ فیض شاہ کی بات تو آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔"

"ارے بابا عقل نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ کچھ سمجھ میں آئے تو کہوں' کیا کہوں کیا نہ کہوں' ارے کچھ کر سکتے ہو بھائی تو کرو میرے لئے۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ کچھ تو کرو۔ ضمانت ہی لے لو میری۔ میرا تو کوئی ضامن بھی نہیں ہے۔"

شامی نے چہرے پر گہری سوچ کے آثار پیدا کئے پھر آہستہ سے بولا۔ "اچھا ٹھیک ہے' کوشش کرتا ہوں فرید احمد صاحب' دعا کیجئے' کامیابی حاصل ہو جائے۔"

"میاں بات سنو' دیکھو بات سنو صرف کوشش کرنے کی بات مت کرو۔ ایک انسانی زندگی چلی جائے تمہیں گوارہ ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔" شامی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"تو پھر لکھ لو میری بات' مر جاؤں گا' میں قسم اللہ کی جینا مشکل ہو جائے گا میرے لئے' بڑا مشکل ہے میرا جینا' بس سمجھ لو مر گیا۔ اب تو لاش ہی نکلے گی یہاں سے۔ ارے بھائی زندگی میں کبھی کوئی ایسا واسطہ نہیں پڑا۔ یہاں تو میری روح فنا ہوئی جا رہی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں تھانہ انچارج کے پاس کوشش کرتا ہوں دیکھو
نتیجہ نکلتا ہے۔"

"میاں ہاتھ جوڑتا ہوں میں تمہارے سامنے بھائی شامی۔ واپس جانے سے پہلے مجھ
مل کر ضرور جانا۔ مجھے بتاتے تو جانا کہ میری تقدیر نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ احسان مانوں گا
تمہارا' بتاتے ہوئے چلے جانا بس' جو بھی بات ہو اور بھیا ٹال کر مت جانا کچھ کر کے
تمہارے اس احسان کا بدلہ تو خیر میں کبھی بھی نہیں دے سکتا۔ دعائیں دوں گا میں تمہیں"

"ٹھیک ہے۔" شامی نے کہا اور وہاں سے پلٹ پڑا۔ عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو
تھا۔ مصیبت پڑی تھی تو اس شخص کے چہرے پر انسانیت نظر آ رہی تھی ورنہ کم بخت
انسانیت سے رشتہ ہی توڑ چکا تھا۔ مظلوم عورتیں شامی کی نگاہوں میں آ رہی تھیں تو اسے
خوشی کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ اب اس شخص پر مصیبت پڑ گئی ہے جس نے دوسروں
زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ یہاں تک مجبور ہو گئی تھیں وہ بے چاریاں کہ خودکشی کرنے
رہی تھیں بہرحال اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔

سعید خان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ سعید خان اپنے کسی کام میں مصروف تھا۔ اسے د
کر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ایک منٹ کی مہلت لے کر اپنے کام کی تکمیل کرنے لگا۔ اس۔
کچھ کاغذات پر دستخط وغیرہ کئے۔ ہیڈ محرر کو بلا کر وہ کاغذات اس کے حوالے کئے پھر اطمینا
سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "جی احتشام صاحب' کچھ چائے وغیرہ؟"

"نہیں جناب بے حد شکریہ۔ مل لیا ہوں حضرت سے۔"

"کیا حال ہے؟"

"کچھ ٹھکائی وغیرہ کی ہے؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں تھی اور میں تو آپ کو معاملہ ہی بتا چکا ہوں ہم بلاوجہ
ہر ایک کو نہیں مارتے۔"

"جی جی۔ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"خوشامدیں کر رہا ہے۔ رو پیٹ رہا ہے کہ اس کے لئے کچھ کیا جائے۔ میرا خیال ہے
باقی کارروائی کر لیں۔"

"ٹھیک ہے' چند لمحات توقف کیجئے بلکہ میرا خیال ہے ایک ایک پیالی چائے ہو
جائے۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" اسے اتنا وقفہ دیا گیا تھا کہ فرید احمد صاحب کو پولیس آفیسر
شامی کی گفتگو کے بارے میں اندازہ ہو جائے۔ چائے ختم ہوئی برتن ہٹا دیئے گئے
کاغذات نکالے گئے جو بے مصرف ہی تھے لیکن جن پر مزید فرید احمد کے سامنے بٹھا

کارروائی کی جاتی تھی اور فرید احمد کو یہ احساس دلانا تھا کہ ضمانت کی تکمیل ہو رہی ہے اس
کے بعد سعید خان نے سنتری کو بلایا اور فرید احمد کو لاک اپ سے نکال کر لانے کے لئے کہا۔
اسے تھوڑے فاصلے پر بنچ پر بٹھا دیا گیا۔ وہ امید بھری نگاہوں سے شامی کو دیکھ رہا تھا اور
سعید خان سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر الٹی سیدھی تحریر لکھ رہا تھا پھر اس نے وہ کاغذ شامی کی
جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے شامی صاحب' آپ معزز آدمی ہیں اور پھر آپ نے جن
لوگوں کے حوالے دیئے ہیں وہ بھی میرے لئے احترام کا درجہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کی طرف
سے اس شخص کی ضمانت لئے لے رہا ہوں لیکن ایک بات کان کھول کر سن لیجئے۔ اگر اس
شخص نے کسی کو نقصان پہنچایا کسی کو دھمکی دی یا اس کے خلاف کوئی غلط کارروائی کی تو پھر
آپ کی گردن بھی پھنسنے سے نہیں بچ سکے گی۔ اسے تو خیر ہم گرفتار کر کے ٹھیک کر ہی لیں
گے لیکن آپ کو بھی گرفتار ہونا پڑے گا۔"

"یہ اتنے برے آدمی نہیں ہیں انسپکٹر صاحب۔ بہت عرصے سے ہم جانتے ہیں انہیں۔
بس کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ وہ آدمی بری صحبتیں رکھتا ہے پھنسا دیا ہے اس نے بے چارے
فرید احمد صاحب کو' ورنہ یہ ایسے آدمی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے یہاں دستخط کیجئے۔" سعید خان نے کاغذ شامی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا
اور شامی قلم لے کر دستخط کرنے لگا۔ سعید خان نے تین جگہ شامی سے دستخط لئے اور اس
کے بعد رجسٹر پیچھے کرتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے آپ انہیں لے جایئے۔" شامی نے شکریہ ادا کیا۔ فرید احمد کا چہرہ کھل اٹھا
تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا شامی کے ساتھ تھانے
کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ عمارت کے احاطے کے گیٹ سے باہر تک اس کے منہ سے
کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ شامی نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور پھر فلیٹ ہی کی جانب چل
پڑا۔ میڈم نے اجازت دے دی تھی کہ تمام کارروائی کی اطمینان سے تکمیل کرے۔ چنانچہ
اس کے بعد فلیٹ پر جا کر باقی معاملات بھی ہموار کرنے تھے۔ فراز کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں
تھا کہ شامی کیا کرتا پھر رہا ہے' کچھ دیر کے بعد شامی فلیٹ پر پہنچ گیا۔ پڑوس کے لوگوں نے
حیرت اور دلچسپی کی نگاہوں سے شامی اور فرید احمد کو دیکھا تھا۔ سب ہی متجسس تھے کہ
دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ فلیٹ کے دروازے سے اندر داخل ہو کر شامی نے فرید
احمد سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ فرید احمد بیٹھ گئے تو شامی بولا۔

"آپ کے لئے کچھ کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔" فرید احمد نے کوئی جواب نہیں دیا
اور شامی کچن کی جانب بڑھ گیا۔ کھانے پینے کے لئے بہت کچھ موجود تھا۔ چائے بنائی اور ایک
ٹرے سجا کر فرید احمد صاحب کے سامنے پہنچ گیا فرید احمد اس طرح ساکت و جامد بیٹھا ہوا تھا
کچھ دیر خاموشی رہی۔ شامی نے کہا۔ "جایئے ذرا منہ ہاتھ وغیرہ دھو لیجئے۔ آپ تو اسی طرح

بیٹھے ہوئے ہیں۔"

فرید احمد اپنی جگہ سے اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ دس منٹ کے بعد وہ باہر واپس آیا تھا۔ شامی نے اس کے سامنے ٹرے سرکا دی تو فرید احمد بولا۔ "میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں شامی صاحب' درحقیقت اس وقت تم نے میرا ایسا ساتھ دیا ہے کہ کوئی اپنا بھی ساتھ نہیں دے سکتا تھا کیا بتاؤں تقدیر نے کیسا دھکا دیا ہے۔ ارے اپنوں نے برباد کر دیا۔"

"کھائیے' کھائیے فرید احمد صاحب باقی باتیں بعد میں کریں گے۔" شامی نے کہا اور فرید احمد کھانے میں مصروف ہو گیا۔ شدید بھوکا معلوم ہوتا تھا جو کچھ شامی لایا تھا سب صاف کر دیا۔ شامی خود بھی چائے کی پیالی لے کر بیٹھ گیا تھا اور مسکراتی نگاہوں سے فرید احمد کو گھور رہا تھا۔ فرید احمد نے چائے کی دو تین پیالیاں پیں اور کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہو گیا یہ؟"

"اب جبکہ میں نے اپنی گردن پھنسا لی ہے فرید احمد صاحب تو براہ کرم مجھے ساری صورت حال بتائیے آپ۔ یہ سارا واقعہ ہے کیا؟"

"میاں کوئی قصہ ہو تو بتاؤں۔ بیوی تھی میری سوتیلی بیٹیاں تھیں ان کے مستقبل کا خیال تو مجھے تھا۔ ہونا بھی چاہئے۔ سوتیلا باپ سہی' ہوں تو سہی۔ فیض شاہ کھاتا پیتا آدمی ہے۔ میں نے سوچا چلو لڑکی آرام سے رہے گی۔ خود بھی شادی کا خواہش مند تھا۔ میں نے اس سے حامی بھر لی اور وعدہ کر لیا کہ شادی کر دوں گا۔ اب دیکھو نا کون سے رشتے آرہے ہیں آسمان سے کہیں چپک جاتی تو اچھا تھا نا۔"

"ہوں۔ کیا آپ کی بیگم اس بات کے لئے تیار تھیں؟"

"اماں عورت میں کہیں عقل ہوتی ہے کیا۔ میں عورت کی بات مانتا بھی نہیں ہوں۔ وہی پرانے دھندے کہ عمر دیکھو شکل دیکھو۔ اماں عمر اور شکل کیا چاٹنی ہوتی ہے۔ زندگی آرام اور فراغت سے گزر جائے تو کیا اچھا نہیں ہوتا؟"

"جی جی مگر ایک بات بتائیے۔ فیض شاہ کو کیا سوجھی تھی کہ صاعقہ کو اغوا کر کے لے جا رہا تھا جبکہ آپ نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔"

"باؤلے کا بچہ ہے اغوا نہیں کر رہا ہو گا۔ یہ میں جانتا ہوں بس زبردستی کر بیٹھا ہو گا شامت آ گئی۔ خود بھی پھنس گیا اور مجھے بھی پھنسا دیا مگر میں کہتا ہوں کہ کم بخت ماریاں کہاں چلی گئیں۔ اے بھائی شامی صاحب کوئی ہے ان کے پیچھے ضرور ہے ان کے پیچھے' کون ہے کیا ہے یہ مجھے بالکل نہیں معلوم پر اکیلی ان کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی کہ گھر سے اس طرح نکل کر کسی اور کی تحویل میں چلی جاتیں۔"

"مگر انہیں تو پولیس لے گئی تھی۔"

"پولیس نے کوئی انہیں گورنر ہاؤس میں تھوڑی رکھا ہو گا؟"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھا ایک بات بتائیے کیا آپ نے فیض شاہ سے واقعی کچھ رقم لی تھی؟"

"میاں لین دین تو چلتا ہی رہتا ہے۔ رقم تو دوستی میں لی تھی۔ مگر اس کمینے نے بھی دوستی نہیں نبھائی۔ انتظار تو کر لیتا میرا۔ خوامخواہ پھڈا کر بیٹھا اور اب میرے ہی خلاف ہو گیا۔"

"کیسا آدمی ہے؟"

"اے چھوڑو۔ دیکھ لوں گا کم بخت کو۔ جیسا بھی ہے میرا نام بھی فرید احمد ہے۔"

"ایک بات کہوں آپ سے فرید احمد صاحب برا نہ مانئے گا۔"

"اماں اب تمہاری بات کا برا کون مانے گا' سب سے بڑے محسن تو تم ہی بن گئے ہو۔ کہو اب۔"

"آپ نے کوئی غلط قدم اٹھایا فرید احمد صاحب تو وہ آپ کی لئے مصیبت بن جائے گا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ کسی سے الجھنے کی کوشش نہ کریں اور کوئی ایسا درمیانی حل نکالیں جس سے آپ کی جان بھی بچ جائے۔"

"درمیانی حل کیا ہو سکتا ہے؟"

"ہوں' ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اب جب آپ نے مجھے اس مسئلے میں ملوث کر ہی لیا ہے تو میری بات بھی مانئے گا۔ فراز آ جائے تو اس سے بھی مشورہ کریں گے چند دماغ مل کر زیادہ کار آمد سوچ سکتے ہیں۔"

"بھائی کچھ کرو۔ میری تو عقل نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے آپ فکر نہ کریں۔ شام کو فراز سے مشورہ کر کے کوئی چکر چلاتے ہیں۔"

"تمہارا اتنا احسان ہے مجھ پر کہ بس میں اسے ادا نہیں کر سکتا۔"

"اب آپ ایسا کریں کہ اپنے فلیٹ میں جائیں۔ آرام کریں اور بہتر ہے کوئی بھاگ دوڑ کرنے کی کوشش نہ کریں ورنہ سارا کیا دھرا چوپٹ ہو جائے گا۔"

"اماں کیا بھاگ دوڑ کروں گا۔ میں تو بس زندگی سے عاجز ہوں۔ اب تو ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہو ہی جائے گا۔"

"حوصلہ رکھیں' حوصلہ رکھیں۔"

بمشکل تمام فرید احمد صاحب اپنے فلیٹ میں گئے اور شامی فراز کا انتظار کرتا رہا تھا۔ فراز آ گیا اور تھوڑی دیر کے اندر اندر شامی نے اسے ساری کہانی سنا دی۔ فراز دل کھول کر ہنسا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اب کیا کرو گے؟"

"سارا منصوبہ مکمل ہے فراز' فرید احمد صاحب کو زلفی صاحب سے ملا دیتے ہیں۔ باقی

معاملہ زلفی صاحب طے کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر کب؟"

"بس یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو جائے اچھا ہے۔ تمہارا گھر بسے، ہم بھی بھابی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں۔ کھانے پینے کی یار بڑی تکلیف ہے۔" فراز مسکرانے لگا تھا۔

□

نعمان گھر واپس پہنچ گیا تھا۔ مسز عالمگیر نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور نعمان ہنس پڑا اور مسز عالمگیر بھی ہنسنے لگی تھی پھر اس نے کہا۔ "ہاں بیٹے کیا تجربہ رہا؟"

"ممی لطف آگیا۔" نعمان بولا اور پھر مزے لے کر سبحانہ اینڈ فرینڈز کی کہانی سنانے لگا۔

مسز عالمگیر خوب ہنسی تھی پھر اس نے کہا۔ "ویری گڈ۔ تم نے مجھ پر اپنا اعتماد قائم کر لیا ہے۔ اصل میں والدین عجیب فطرت کے مالک ہوتے ہیں۔ اولاد بوڑھی بھی ہو جائے تو اسے بچہ سمجھتے رہتے ہیں اور اس خوف کا شکار رہتے ہیں کہ کہیں کوئی ان بچوں کو اپنے جال میں نہ پھانس لے۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ تم نے بڑی جرات اور خوبصورتی کے ساتھ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ سبحانہ کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ اصل میں پھر میں یہی کہوں گی کہ وہ جس ماحول کی پروردہ ہے اس میں یہی بات اس کے ذہن میں آسکتی تھی کہ جو کچھ وہ سوچ لے گی اس کی تکمیل ہو گی لیکن ضروری تو نہیں ہوتا۔ بہرحال ویری گڈ اور شاباش کیا پروگرام ہے اب؟"

"کوئی خاص نہیں ممی۔" نعمان نے کہا۔

"میرے ساتھ فیکٹری چلنا پسند کرو گے کافی دن ہو گئے۔ بالکل غائب ہیں ہم لوگ فیکٹری سے۔ کیا خیال ہے چلیں؟"

"جیسا آپ پسند کریں ممی۔" نعمان نے کہا اور دونوں فیکٹری کے ایک ایک شعبے میں گئے اور آخر میں تابندہ کے پاس پہنچے جو تندہی سے کام میں مصروف تھی اس نے خوشگوار حیرت کے ساتھ مسز عالمگیر کو دیکھا اور بولی۔ "ہیلو میڈم۔"

"ہیلو تابندہ۔ بہت دیر سے فیکٹری میں گھوم رہی ہوں۔ ایک ایک شعبہ دیکھ لیا ہے اب کیا کہوں تم سے۔ صحیح معنوں میں تم نے تو میری جگہ لی ہے۔"

"خدا نہ کرے میڈم، اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے آپ کی جگہ ہمیشہ آپ کی ہے۔"

"لیکن تم نے جس طرح محنت کی ہے میرے پیچھے اب اس کا تقاضا ہے کہ تم کچھ وقت آرام کر لو۔ میرا خیال ہے دو چار دن کی چھٹی کرو اور گھر پر وقت گزارو۔" تابندہ نے چونک کر مسز عالمگیر کو دیکھا اور ایک لمحے سوچتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

"نہیں میڈم میں آپ کی کسی بات پر نہیں کہنا نہیں چاہتی۔ لیکن کم از کم اس بات پر یہ کہنے کے لئے مجبور ہوں کہ میں بالکل مطمئن اور ٹھیک ہوں۔ ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی

ہے اور نہ میں چھٹی کی ضرورت محسوس کرتی ہوں۔ ویسے بھی آپ جانتی ہیں میڈم کہ میرے لئے یہ مصروفیت کتنی ضروری ہے۔ یہی میری زندگی ہے اور میں اس کو پسند کرتی ہوں۔ آپ براہ کرم نعمان کے ساتھ مکمل آرام کریں۔ بس مجھے ہدایات دیتی رہا کریں۔"

"تمہاری مرضی ہے ورنہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ چند روز تمہیں آرام دوں اور میں سنبھالوں یہاں کے معاملات کو۔"

"نہیں میڈم، آپ یقین کیجئے میں بالکل مطمئن ہوں اور سکون سے اپنا کام کر رہی ہوں آپ اس سلسلے میں ذرا بھی فکر مند نہ ہوں۔"

"او کے اور شکریہ۔"

مسز عالمگیر کافی دیر فیکٹری میں رہیں اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑیں۔ اس رات ڈنر کے بعد انہوں نے نعمان سے کہا۔ "نعمان ایک بات کہوں۔ ذرا غور کر کے مجھے جواب دینا۔"

"جی ممی۔"

"تابندہ کیسی لڑکی ہے؟"

"جی۔" نعمان تعجب سے بولا۔

"میرے اس سوال کا مقصد تم سمجھ گئے ہو گے اور اگر تمہارے ذہن میں طبقاتی فرق آتا ہے تو نعمان ہمیں اپنا ماضی معلوم ہے اور پھر یہ احمقانہ روایت ہے فرسودہ اور بے مقصد بلکہ قابل نفرت، انسان جہاں ہے اور جیسا بھی ہے ہر طرح انسان ہی ہوتا ہے اور ہم کسی بھی طرح اس میں تفریق نہیں کر سکتے۔"

نعمان ہنس پڑا پھر بولا۔ "جو الفاظ آپ کہہ رہی ہیں نا ممی آپ یقین کریں کہ میں نے کبھی اس پر غور بھی نہیں کیا۔ ممی یہ تو واقعی دنیا کا سب سے قابل نفرت پہلو ہے کہ ہم مالی حیثیت کی بنیاد پر کسی کا تعین کریں۔ باقی معاملات الگ ہیں۔ طرز معاشرت، طرز زندگی، انداز فکر یہ ساری چیزیں بے شک قابل غور ہوتی ہیں اور اگر ہم ایسے کسی مسئلے میں کبھی الجھ بھی جاتے ہیں تو یہ ہماری صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ اس مسئلے کا حل کس انداز میں تلاش کریں لیکن حل ہوتا ہے ممی آپ نے تابندہ کے بارے میں مجھ سے سوال کیا۔ جتنا میں نے دیکھا اس پر کبھی غور نہیں کیا۔ ایک ایسی شخصیت آپ کے ساتھ ہے جسے آپ پسند کرتی ہیں جس پر اعتماد کرتی ہیں۔ آپ اگر اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانا چاہتی ہیں تو آپ یقین کیجئے یہ شعبہ صرف آپ کا ہے۔ وہ ایک لڑکی ہے مشرقی روایات کی حامل اگر آپ اسے اس طرح میری زندگی میں شامل کرنے کے بارے میں سوچیں گی تو اس کے لئے بھی میں اتنی ہی خوشی سے تیار ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں دل میں کوئی ایسا چور نہیں رکھتا جس کے بارے میں آپ سے کہہ نہ سکوں۔ اگر آپ تابندہ کے بارے میں مجھ سے یہ سوال کر رہی ہیں کہ

کیا میں اسے بیوی کی حیثیت سے قبول کر لوں گا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ بلکہ
میں اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لوں گا اور ایک بار پھر کہوں کہ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو
آپ یہ بالکل نہ سوچیں کہ میں اس بارے میں غور کروں گا۔ ممی جس طرح آپ مجھے
خوبصورت سوٹ سلوا کر دیتی ہیں اور اسے پہننے کے بعد اسے مسترد کر دیا جاتا ہے اسی طرح
اگر آپ ایک بیوی میرے سپرد کر دیں گی تو میں اسے اس کے مقام کے مطابق قبول کر لوں
گا۔ وہ آپ کو پسند نہیں آئے گی تو میں بھی اس سے ذہن ہٹا لوں گا۔ سمجھ رہی ہیں
آپ؟"

"گڈ لارڈ۔ تم تو واقعی قیامت بن چکے ہو بہرحال دیکھتے ہیں' مجھے تو واقعی وہ لڑکی بہت
پسند ہے۔" مسز عالمگیر نے کہا۔

"جو چیز آپ کو پسند ہے ممی' میں اسے دل و جان سے قبول کر لوں گا۔"

"مجھے تم پر ناز ہے بیٹے۔" مسز عالمگیر نے کہا۔ اس رات بستر پر لیٹ کر انہوں نے اس
بارے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ تابندہ نے اسے اپنے گھر کے سارے حالات بتا دیئے تھے
اسے تابندہ کے بھائیوں کے بارے میں' باپ کی عادت کے بارے میں سب معلوم تھا۔ اگر
بیل منڈھے چڑھ جائے تو برا نہیں رہے گا۔ اس گھر کے حالات سدھر جائیں گے۔ دو بچیاں
اور بھی گھر میں ہیں۔ جوان ہو گئی ہیں وہ بھی کسی اچھے گھر چلی جائیں گی۔ ثواب ملے گا
ان بے چاریوں کا مستقبل کیا ہے۔

دوسرے دن انہوں نے فیکٹری میں تابندہ سے کہا۔ "بھئی تابندہ ایک بات کہنا چاہتی
ہوں۔ میں تمہاری طرف سے انتظار کر رہی تھی مگر یار تم نے لفٹ ہی نہیں دی۔"

"سوری میڈم۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"نعمان باہر سے آیا ہے کچھ عرصہ کے بعد ممکن ہے واپس بھی چلا جائے۔"

"جی۔"

"اسے ایک بار بھی اپنے گھر نہیں بلاؤ گی۔ تمہارے سوا سب ہی بلا چکے ہیں۔"

تابندہ سکتے میں رہ گئی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ "آپ ہمیں جانتی ہیں میڈم
نعمان مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میرا یہ امیج ٹوٹ جائے گا جب وہ میرا گھر دیکھیں
گے۔"

"اور کچھ؟"

"نہیں۔"

"وہ میرا بیٹا ہے تابندہ۔ قابل فخر بیٹا۔ دنیا کو محبت کی نگاہ سے دیکھنے کا عادی۔ تم نے
شاید اس پر غور نہیں کیا۔ میں تمہارے گھر گئی تھی۔ مجھ میں کوئی فرق پایا۔"

"نہیں۔"

"اگر میں اچھی ہوں تو میرا بیٹا بھی اتنا ہی اچھا ہے۔ یقین کرو بہت اچھا ہے وہ۔ خیر
چھوڑو ان باتوں کو۔ کل شام کو ہم لوگ تمہارے گھر چائے پر آ رہے ہیں۔ انتظام کر لینا۔
اور سنو کل فیکٹری مت آنا۔"

تابندہ نے مشینی انداز میں سرہلا دیا۔

□

گلزار خود بھی ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی عقل نے چند لمحات کے لئے کام کرنا چھوڑ دیا۔
حسن کے یہاں پہنچ جانے کا تصور خواب میں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چراغ کے جن کی طرح
آ موجود ہوا تھا اور اس بات نے چند لمحات کے لئے گلزار کو چکرا کر رکھ دیا تھا لیکن آوارہ
فطرت نوجوان تھا۔ فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور خونی نگاہوں سے حسن کو دیکھ کر بولا۔ "تم
یہاں کیسے آ مرے؟"

"اصل میں گلزار ہو تو تم بھی اسی پاک وطن کے نوجوان جس کی روایت تمہارے اس
عمل سے بالکل مختلف ہے۔ ہم تو عزتوں کے رکھوالے ہوتے ہیں۔ عزتوں کو لوٹنے والے
نہیں' لیکن ہر جگہ اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں' اصولی طور پر تم سوچو اور غور کرو' تو یہ
امریکہ ہے اور یہاں یہ ساری غلاظتیں قدم قدم پر بکھری ہوئی ہیں۔ ہم باہر سے آئے ہوئے
لوگ ہیں گلزار۔ بے شک ہمیں ہر طرح سے اپنے وطن کی پاسبانی کے فرائض یہاں سرانجام
دینے چاہئیں۔ حقیقت میں ہماری شناخت تو یہ ہونی چاہئے کہ لوگ کہیں کہ یہ پاکستانی ہیں۔
اعلیٰ اقدار اور اعلیٰ معیار کے مالک اس کے باوجود اگر برائی فطرت میں رچی ہوئی ہے تو اس
برائی کی تکمیل کے لئے یہاں تو اتنا کچھ ہے گلزار کہ انسان کو اس کی جستجو بھی نہ کرنی پڑے۔
وطن کی بیٹی تو یہاں ہمارے شانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے یہ بے چاری لڑکی یہاں کی
برائیوں کے حصول کے لئے نہیں آئی بلکہ تعلیم کے حصول کے لئے آئی ہے۔ وطن واپس جا
کر یہ اہل وطن کی خدمت کرے گی۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یہاں اس کا تحفظ ہم پر فرض
ہے نہ کہ ہم اسے پامال کرنے کے بارے میں سوچیں۔ تمہیں غور کرنا چاہئے تھا گلزار اور
کوئی رشتہ نہ سہی وطن کے رشتہ سے اس کے بارے میں سوچتے اور کم از کم اس کے ساتھ
یہ سلوک نہ کرتے۔"

"دیکھو پیارے بھائی' ان نصیحتوں سے تو بچ کر ہم اتنی دور آ کر پڑے ہوئے ہیں۔ اگر
یہاں بھی تم جیسے ناصح آ مریں تو ہمارے لئے بڑی مشکل پیش آ جائے گی اور پھر تم خود کہہ
چکے ہو کہ ان خاتون سے تمہارا کوئی ذہنی رشتہ نہیں ہے۔"

"بڑے احمق ہو تم' ذہنی رشتہ تو ہے میرا ان سے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ
میری اہل وطن ہیں۔ اس کے علاوہ میرے والد کے دوست کی بیٹی بھی ہیں اور پھر ایک
عورت ہیں' مجھ پر ان کا تحفظ فرض ہے گلزار۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"واپس لے جانے آیا ہوں انہیں اور تم جس دیوانگی کا شکار ہوئے ہو۔ اس کے لئے ان سے معافی مانگو' انہیں ایک بہن' ایک بیٹی کا درجہ دو جس کی یہ حق دار ہیں۔"

"دیکھو بھائی' یہاں ہیرو اور ولن کا کھیل مت کھیل' کیا فائدہ تجھے بھی نقصان پہنچے مجھے بھی۔ ہمارا مسئلہ ذرا مختلف ہے جو فیصلہ کر لیتے ہیں کر لیتے ہیں۔ اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ ایسا کرو ہم سے تعاون کرو۔ ہم تم سے تعاون کریں گے۔"

"گلزار اگر بات تمہاری عقل میں نہیں آتی تو مجبوری ہے چلو غزل آ جاؤ میرے ساتھ۔ یہ انسان کمینہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچاؤں۔ آؤ چلتے ہیں اور گلزار ہو سکے تو تم اپنی اصلاح کرنا میں پھر کہتا ہوں کہ برائیوں کے لئے امریکی شہروں میں بڑی وسعتیں ہیں۔"

"تو یہ معاملہ ہے یعنی پورا فلمی منظر دہرانا پڑے گا۔ اس کے بعد بات بنے گی۔ ا... نہیں ہو گا میرے اور تمہارے درمیان جھگڑا' بات بہت بڑھ جائے گی' اس مسئلے میں نہ پڑ... اچھا ہے۔"

"آؤ پھر شوٹنگ کر لیتے ہیں۔" حسن بھی بڑے اچھے موڈ میں تھا۔

"آخری بار' آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اس مسئلے میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔ اکیلے آئے ہو تو اور دس' بیس کو لائے ہو تو یہ کچھ گھنٹوں کے لئے میری ملکیت ہے بعد میں اگر چاہو گے تو اسے' تمہارے سپرد کر دوں گا۔"

حسن کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا تھا۔ زور دار آواز ابھری تھی۔ گلزار کا منہ ایک لمحے کے لئے ٹیڑھا ہو گیا تھا لیکن پھر اس نے اپنے پورے کسرتی جسم کو سنبھال کر حسن پر حملہ کیا۔ حسن نے اس کا وار خالی دے کر ایک گھونسا اس کے پیٹ پر اور دوسرا جبڑے پر رسید کر دیا لیکن اس کے بعد وہ پیچھے نہیں ہٹا تھا بلکہ اس نے آگے بڑھ کر گلزار کے بال پکڑ اور انہیں اوپر کو کھینچ کر اس کے پیٹ پر گھٹنا رسید کر دیا پھر اس کا سر اپنی بغل میں دبایا اور اسے لئے ہوئے نیچے آ رہا۔ غزل کانپنے لگی تھی۔ نرم و نازک فطرت شاعرانہ مزاج کا ایک حسن نہ جانے اس وقت اتنا مختلف کیوں ہو گیا تھا۔ اس نے گلزار کو ہاتھ اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ جب کہ گلزار خود بھی ایک طاقت ور اور ورزشی بدن کا مالک ایک نوجوان تھا لیکن نہ جانے حسن کے جسم میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ گلزار کی ہر کوشش ناکام بنا رہا تھا۔ غزل پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دیوار سے چپکی ہوئی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ حسن نے مار مار کر گلزار کو زمین بوس کر دیا اور گلزار بری طرح ہانپنے لگا۔ تب حسن نے اسے اٹھا کر ایک طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ میں بالکل نہیں چاہتا تھا گلزار لیکن کیا کروں تم نے مجھ سے تعاون نہیں

کیا۔ بہرحال دیکھو اگر چاہو تو بات اسی جگہ ختم ہو سکتی ہے نہ میں اور غزل اس کا تذکرہ کسی سے کریں گے۔ میری اور تمہاری جب بھی کہیں ملاقات ہو گی میں تم سے ہاتھ بھی ملاؤں گا۔ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم بھی میرے ہم وطن ہی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ پرائے دیس میں ہمارے وطن کی رسوائی ہو۔ اس کے باوجود اگر تمہارا دل یہ سب کچھ قبول نہ کرے تو پھر تم یہ سمجھ لو کہ غزل بھی کسی معمولی باپ کی بیٹی نہیں ہے۔ میں تمہاری اس حرکت کی اطلاع غزل کے والد کو دوں گا۔ وہ یہاں آ جائیں گے اور اس سے پہلے میں بھی اتنا بے بس نہیں ہوں کہ پولیس سے رابطہ نہ کر سکوں۔ تم جس مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس سے نکلنا شاید تمہارے بس میں نہ رہے۔ میری طرف سے یہ پیشکش ہے تمہارے لئے۔ دل چاہے تو قبول کر لینا اور مجھ پر اس کا اظہار کر دینا۔ باقی اگر دشمنی کی بنیاد رکھنا چاہتے ہو تو میں صرف انسانیت کے نام پر تمہاری اس دشمنی کو قبول کر لوں گا اور تم سے ہر طرح کی جنگ کروں گا۔ آیئے مس غزل اگر آپ آنا پسند کریں تو۔" حسن نے تلخ لہجے میں کہا اور غزل ایک جھرجھری سی لے کر سیدھی ہو گئی۔ شرمندگی' غیرت اور پشیمانی کا ایک ملا جلا احساس اس پر حملہ آور ہوا تھا اور وہ بری طرح جھجک رہی تھی لیکن اس خوفناک ماحول سے نکل جانا بھی از حد ضروری تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے حسن کے ساتھ باہر کی جانب چل پڑی۔

حسن اسے ایک صاف ستھرے ریستوران میں لے آیا۔ غزل شدید
اس کی ذہنی حالت بے حد خراب تھی' حسن نے اس کے لئے کرسی گھسیٹی۔ اس کے بعد خود بھی بیٹھ گیا پھر ویٹر کو اس نے ایک مشروب لانے کے لئے کہا اور دونوں
میز پر ٹکا کر غزل کو دیکھنے لگا۔

غزل کے چہرے پر شدید بحرانی کیفیت نظر آ رہی تھی' اس نے بھی دونوں ہاتھ رکھ دیئے تھے' حسن نے تھوڑی دیر تک اس کا چہرہ دیکھا پھر نجانے کیوں اسے غزل
محبت کا سا احساس ہوا' بے وقوف لڑکی دیوانگی میں زندگی ہی گنوانے پر تل بیٹھی تھی
ایک لمحے تک اسے دیکھتا رہا اچانک ہی اسے یہ احساس ہوا تھا کہ غزل نے جو کچھ بھی
اس کے جنون میں کیا ہے' بس پڑھ لکھ گئی ہے تو کیا ہوا' ذہنیت وہی عورتوں والی ہے
بھی کئی بار غزل کے بارے میں سوچا تھا لڑکی بری نہیں لگتی تھی' لیکن اپنے دل کا
جہاں ایک ایسی مضبوط تصویر قائم تھی جس کے رنگ شاید مرتے دم تک کوئی نہیں
تھا۔ اسے سنبھالنا ہو گا' غصہ اور ناراضگی بے کار ہے۔ کم عقل نہ ہوتی تو ایسا اندھا قدم
اٹھا بیٹھتی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا ہاتھ غزل کے میز
ہوئے سفید ہاتھ پر رکھ دیا۔ غزل نے چونک کر اسے دیکھا' دیکھتی رہی پھر آہستہ سے
پیچھے ہٹا لیا۔

"ناراض ہو غزل؟" حسن نے آہستہ سے کہا۔ غزل کے ہونٹ کپکپائے لیکن
بول نہیں سکی تو حسن نے پھر کہا۔

"نجانے کیوں میرے دل میں یہ خیال تھا غزل کہ تم خوش دلی سے گلزار کے
نہیں جا رہیں اور کوئی ایسی بات ہے جس کی بنا پر تم نے یہ فیصلہ کیا ہے اور پھر غزل
کے بارے میں میری رائے اچھی نہیں تھی۔ اس لئے میں نے تمہارا تعاقب کیا اور
سوچ کر تمہارے درمیان مداخلت کی کہ کہیں گلزار تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے اگر
میری یہ مداخلت ناگوار گزری ہے تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں اور اگر تم چاہو تو
گلزار سے بھی معافی مانگ لوں گا۔ سوری غزل تمہارا رویہ بتاتا ہے کہ میرے اس
تمہیں خوشی نہیں ہوئی بلکہ شاید تم نے اسے ناپسند کیا ہے؟"
غزل چونک پڑی اس نے حیران نگاہوں سے حسن کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو حسن کہ مجھے اپنی عزت لٹانا گوارہ تھا؟"
"نہیں غزل' تم اس فطرت کی مالک نہیں ہو لیکن بس انسان کے احساسات ہی تو
ہوتے ہیں' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کہنا چاہئے' ظاہر ہے وہ تمہیں تمہاری
مرضی کے خلاف نہیں لے گیا تھا۔ تم خوش دلی سے اس کے ساتھ گئی تھیں۔"
"میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کمینہ اتنا ذلیل اور..... اور۔" غزل کی آواز کپکپا گئی۔
"تو پھر یہ کون جانتا تھا غزل کون جانتا تھا مجھے بتاؤ۔ وہاں پہنچ کر اس نے تمہارے ساتھ
جس بے رحمی کا سلوک کیا' کیا تم اس کی مدافعت کر سکتی تھیں' بتاؤ غزل کوئی ذریعہ ایسا ہو
سکتا تھا۔ کیا ہوتا' کیا بنتا تمہارا' مجھے جواب دو گی؟"
"میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں ایک بے آبرو لڑکی بن چکی ہوں' اب نہ میرا
کوئی معیار ہے اور نہ ہی میری کوئی شخصیت ہے۔ تم نے مجھے اس کے پنجے سے بچا لیا ہے'
یہ تو تمہاری بڑائی ہے حسن مگر میں تو ختم ہو گئی ہوں۔"
"نہیں غزل' بے وقوفی کی باتیں مت کرو' ہمیشہ غلط انداز میں سوچتی رہی ہو۔"
ویٹر نے خوبصورت برتنوں میں مشروب کے گلاس لا کر رکھ دیئے اور حسن نے اپنے
ہاتھ سے ایک گلاس غزل کو پیش کیا۔ دوسرا خود لے لیا اور پھر آہستہ سے بولا۔
"لو پیو تمہیں ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔"
"ہاں مجھے ذہنی سکون کی ضرورت ہے لیکن یہ مشروب مجھے ذہنی سکون نہیں دے سکے
گا۔"

"اگر میں تم سے کہوں کہ اسے پیو تو....؟" حسن نے کہا اور غزل نے گلاس اٹھا کر
ہونٹوں سے لگا لیا اور پھر انتہائی جذباتی انداز میں پورا گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ حسن
اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے چٹکی بجا کر ویٹر کو اشارہ کیا اور ویٹر قریب آ گیا۔
"اور لے آؤ۔" حسن نے کہا اور ویٹر سر جھکا کر چلا گیا۔ غزل نے حسن کی بات پر توجہ
نہیں دی تھی۔

"ہاں غزل' پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ گلزار کو اتنی جرات کیسے ہوئی؟"
"مجھے گلزار کی صورت سے نفرت تھی' نفرت ہے اور ہمیشہ رہے گی بلکہ اب تو اس
نفرت میں لاکھوں گنا اضافہ ہو گیا ہے' مجھے نفرت تھی گلزار سے اور چونکہ تم بھی اسے نفرت
کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میں نے حسن صرف تمہیں جلانے کے لئے اس کی قربت اختیار کی
تھی بس دیوانی ہو گئی تھی میں تمہارے لئے۔ ویری سوری حسن' میں اس وقت عورت
ہوں ہی نہیں' سچی بات یہ ہے کہ یہ احساس میرے دل سے کبھی نہیں نکلے گا کہ میں تو ایک
شیطان کے پنجے میں آ گئی تھی۔ بس بچا لیا تم نے مجھے۔ ورنہ میں ختم ہو چکی ہوں۔ اب یہ
احساس میرے دل سے کبھی فنا نہیں ہو گا۔"

”میں نے کہا اگر تمہاری سوچوں میں یہ حماقت نہ ہوتی غزل تو تم اتنا بڑا قدم اٹھاتیں
نہیں۔“

”ہاں جو کچھ بھی سمجھ لو جو کچھ بھی میں ہوں، جیسی بھی ہوں، لیکن..... لیکن پلیز
اور گالیاں مت دو۔“

”اپنا حلیہ سنبھالو غزل، کیوں فضول باتیں کر رہی ہو۔ دیکھو میں تم سے
ہوں۔ آج میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا۔ مجھ سے بات کرو، ان تمام فضول باتوں
ذہن سے نکال دو۔ میں جانتا تھا کہ وہ برا نوجوان ہے۔ بہت برا ہے، وہ یقینی طور پر تمہیں
نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ بات میرے علم میں آ گئی اور
نے تمہیں تنہا نہیں چھوڑا۔ یہ میرا فرض تھا غزل۔“

”تمہارا فرض؟“

”ہاں۔“

”کیوں؟“

”میرا تم سے ایک رابطہ رہ چکا ہے۔ ہمارے والد ایک دوسرے کے دوست ہیں۔
بیرسٹر ہاشم علی صاحب یہاں آ کر مجھ سے کہتے کہ حسن، غزل کا خیال رکھنا تو تمہارا کیا
ہے، میں تمہیں نظر انداز کر دیتا؟ اگر وہ نہ کہتے تب بھی کوئی ایسی ویسی بات میرے علم
آتی تو میں زندگی کی بازی لگا کر تمہارا تحفظ کرتا۔ ہمارے درمیان ایک گہرا ربط رہ چکا ہے
بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں، یہ بات تو نجانے کیوں ذہنوں میں آ گئی اور میں نہیں
کہ اس کی ابتدا ہمارے ذہنوں میں ہوئی یا ہمارے والدین کے..... لیکن غزل ہم پڑھے
لوگ ہیں۔ ہم جاہل نہیں ہیں، ہمیں اپنے مسائل آپس میں ڈسکس کر لینے چاہئے تھے
کبھی بھی کسی وقت ایک دوسرے سے بیٹھ کر یہ تمام باتیں کر لیتے کہ جو کچھ ہمارے والد
سوچ رہے ہیں وہ ہمارے لئے موزوں ہو گا یا نہیں تو بات بہت صاف ہو جاتی۔ تم کیا
ہو غزل، میں..... میں تم سے نفرت کرتا ہوں؟ نہیں غزل ایسی کوئی بات نہیں ہے بس
سمجھ لو میری بھی ایک مجبوری ہے میں آج تمہیں اپنے دل کی ساری کہانی صاف صاف
دینا چاہتا ہوں۔ میرے سینے میں ایک اور شخصیت پوشیدہ ہے، غزل میرے دل میں ایک
شخصیت کا راج ہے، تمہارے علم میں ہو گا غزل، کہ میری منگنی ہو چکی ہے۔ وہ لڑکی
سے میری منگنی ہوئی ہے، میرے دل و دماغ میں بسی ہوئی ہے۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں
لیکن ہمارے درمیان دیواریں کھڑی ہو گئیں، ہمارے راستے روک دیئے گئے۔ میرا
والدین سے اختلاف ہو گیا۔ اس بنیاد پر، میں چاہتا ہوں غزل کہ اس کی مجبوریوں کو اپنے
سے لگا لوں، لیکن میرے والد نے مجھے وہ نہ کرنے دیا..... اور..... اور تمہیں یہ بھی
کہ میں ان کی مرضی کے بغیر، ان کی کفالت کے بغیر یہاں آیا ہوں اور تعلیم حاصل

کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو جب میری زندگی کے دھارے اتنے شدید راستوں پر مڑ گئے ہیں تو پھر
میں اس اسٹیج پر آ کر اس لڑکی کو اپنے ذہن سے کیسے نکال سکتا تھا، میں اپنے ذہن میں تمہیں
اس کی جگہ کیسے دے سکتا تھا۔ تم تعلیم یافتہ ہو، پڑھی لکھی ہو، سمجھدار ہو، دل کے معاملات
کو جانتی ہو تو خود غور کرو، خود احساس کرو۔“

غزل کانپ کر رہ گئی۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار نظر آئے۔
اس نے تعجب بھری نگاہوں سے حسن کو دیکھا، دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی اس کے چہرے
پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

”حسن.....؟“

”ہاں غزل، میں جھوٹا انسان نہیں ہوں، میں نے جھوٹ نہیں بولا ہے تم سے۔ میں
کوشش کرتا ہوں کہ بالکل جھوٹ نہ بولوں۔ یہی سچائی ہے، اور اگر یہ سچائی نہ ہوتی تو تم
یقین کرو، تمہارے اندر ایسی کوئی کمی نہیں ہے، تم اتنی اچھی لڑکی ہو کہ کوئی بھی تمہیں
خلوص دل سے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لئے قبول کر سکتا ہے، وہ میں بھی ہو سکتا تھا
لیکن میری مجبوری، میں تمہیں اپنی مجبوری بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“

غزل کے ہونٹ لرزنے لگے پھر اس نے ہاتھ اٹھایا اور حسن کا ہاتھ پکڑ لیا پھر دوسرا
ہاتھ اس پر رکھتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

”سوری حسن، ویری سوری، رئیلی ویری سوری لیکن تم مجھے بھی بے قصور سمجھو، مجھے
تو یہ سب کچھ معلوم نہیں تھا۔ تم..... تم ذرا غور کر لو اب۔ کیا مجھے یہ سب کچھ معلوم تھا؟“

”نہیں غزل، تمہیں نہیں معلوم تھا۔“

”ایک بار اگر مجھے وطن میں ہی بتا دیتے حسن تو ظاہر ہے یہ دل کے سودے دل کے
راستے ہوتے ہیں۔ میں تو یہی سمجھتی رہی کہ تم میری توہین کرنا چاہتے ہو۔ حسن یہ تو کوئی
بات نہ ہوئی، بے قصور تو میں ہی ہوں، مجھے ہی سارا قصور وار نہ سمجھو۔“

”نہیں غزل، میں تمہیں بالکل قصور وار نہیں سمجھتا۔“

”تو پھر۔ تو پھر مجھے یہ بتاؤ، مجھے معاف کر دو گے، بڑی غلطی ہو گئی یہ تو حسن، آئی ایم
سوری حسن، ویری سوری۔ واقعی مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ غزل شدید شرمندہ نظر آ رہی
تھی۔ حسن آہستہ سے ہنس پڑا۔

”بس بات ختم ہو گئی، اب یہ سوری ووری چھوڑو۔ ہم لوگ اب دوسری باتیں کریں
گے۔“

”وہ ویٹر اور جوس نہیں لایا۔ مجھے زیادہ جوس کی ضرورت ہے، ایک جگ منگوا دو میرے
لئے۔“ غزل نے کہا اور حسن پھر ہنس پڑا۔ غزل خود بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئی
تھی۔ اچانک ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

مشروب کے دوسرے گلاس کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"خیر حسن، یہ سب کچھ تو بعد میں بات کریں گے کہ وہ خوش نصیب لڑکی کون ہے؟ میری اس وقت کی باتوں کو سچ سمجھو گے؟"

"کیوں نہیں غزل۔ میں نے تمہیں ایک بری لڑکی کبھی نہیں سمجھا ہے۔"

"حسن سچ مچ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ میں تو بس تمہاری بے اعتنائی ... سمجھتی رہی اور پھر حسن مجھے میرے گھر والوں سے بھی سپورٹ ملی تھی، مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں تم سے رابطے رکھوں، بس مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی، تم یقین کرو میں اس وقت بہت شرمندہ ہوں۔"

"جانے دو غزل۔ ویسے میں تم سے ایک بات کہتا ہوں محبت کی وسعتوں پر غور کرو، ذرا سوچو محبت کے لاکھوں نام ہیں، تم نے اپنے آپ کو ایک نام میں کیوں محدود کر لیا۔ محبت صرف یہی تو نہیں ہوتی کہ ہم کسی اجنبی کو مرد یا عورت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کے حصول کے لئے کوشاں ہو جائیں محبت بھائی بہنوں سے بھی تو کی جاتی ہے غزل۔ تم مجھے بھائی بھی تو کہہ سکتی ہو۔ میں.... میں بڑے خلوص سے تمہیں اپنی بہن کہنا پسند کروں گا۔"

غزل نے حسن کو دیکھا، دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"ہاں حسن، شاید محبت کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے لاکھوں ناموں کو تو میں تو نہیں دیکھ سکی تھی لیکن میں نے تمہاری عظمت پر بھی غور نہیں کیا تھا، میں نے تمہاری بلندی پر بھی غور نہیں کیا تھا حسن، لیکن مجھے ایک کمزور لڑکی سمجھو بس اب میری ذہنی کیفیت بالکل درست ہو گئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ تم میرے محسن ہو۔ تم نے مجھے وہ سب کچھ دے دیا جس کے بارے میں شاید میں نے غلط انداز میں سوچا تھا۔"

"صرف ایک بات کا جواب دو غزل؟"

"جی۔"

"تم مجھے یہ نام دے سکتی ہو، یہ انداز دے سکتی ہو۔"

"حسن، محبت کے لاکھوں نام ہوتے ہیں۔ یہ ابھی تم نے ہی مجھے بتایا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ کسی ایک نام پر ہی قناعت کر لی جائے اگر میں اس وقت اس بات پر ہاں کہہ دیتی ہوں تو مجھے خود اپنے آپ سے شرمندگی ہو گی، لیکن ہم.... ہم..... میں اپنے بارے میں کہہ رہی ہوں۔ میں نے خود کو ایک دم سنبھال لیا ہے۔ تمہاری طرف سے مجھے جو کچھ ملا ہے وہ کسی بھی طور اس سے کم نہیں ہے جو میں چاہتی تھی۔"

"گڈ، گڈ گرل۔" حسن نے مطمئن انداز میں کہا، پھر بولا۔ "اب ان واقعات کو بھول جاؤ۔"

"حسن ایک بات بتاؤ۔" غزل نے کہا۔

"ہاں۔"

"یہ گلزار تمہارے خلاف کارروائی کرے گا۔"

"مزہ آئے گا مجھے اس میں غزل۔"

"نہیں جذباتی انداز میں مت سوچو۔ برے آدمی سے اپنا بچاؤ کرنا ضروری ہے۔"

"تم فکر مت کرو۔ بس مجھے دعائیں دیتی رہنا، میں اپنا تحفظ خود کر لوں گا۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"حسن! بہت سے فیصلے کرنے ہیں ہمیں۔"

"سارے فیصلے بعد میں کر لیں گے، آخری بار مجھے یہ بتا دو کہ اب تم مطمئن ہو؟"

"صرف مطمئن کہہ کر میرے ان جذبات کو ختم نہ کرو، جو میرے سینے میں موجزن ہو گئے ہیں۔"

"گڈ، تو پھر سنو غزل۔ یہ بات گلزار کو معلوم ہے، مجھے معلوم ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ کیا ہوا ہے اس کے علاوہ کسی کو ذرہ برابر یہ بات معلوم نہیں ہونی چاہئے۔ فی الحال میری طرف سے یہ پہلی ہدایت قبول کرو۔"

"بھلا میں کسی کو یہ بتانے جاؤں گی۔ آہ کتنی بڑی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔"

"نہیں، کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ بہت اچھا ہوا ہے، سچ بات کہوں ایک طرح سے گلزار نے ہم پر احسان کیا ہے نہ یہاں تک بات پہنچتی اور نہ ہمارے دلوں میں یہ جذبے پیدا ہوتے۔"

"ہاں شاید۔"

"چلو اب میں تمہیں تمہارے ہوسٹل چھوڑ دوں۔"

"حسن! مجھ سے ملتے رہو گے نا؟"

"جب چاہو، جیسے چاہو۔"

"تو پھر ایک دن درمیان میں رکھ کر دوسرے دن مجھ سے ضرور رابطہ کیا کرو، ہم بیٹھ کر سوچیں گے کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا چاہئے؟"

"اٹھو۔" حسن نے کہا اور دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

❑

فرید احمد صاحب شاید کافی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ رات کو پھر وہ ان کے فلیٹ میں آ گئے۔ فراز اور شامی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے، دستک پر فراز نے دروازہ کھولا اور فرید احمد صاحب حیران پریشان اندر آ گئے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا تھا۔

"خیریت فرید احمد صاحب کوئی خاص بات؟" فرید احمد صاحب بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگے پھر بولے۔

"بھئی کیا بتائیں شرمندہ بھی ہیں کہ بلاوجہ ہی تم لوگوں کو تکلیف دے رہے ہیں مگر اب احساس ہوا ہے کہ دنیا میں انسان کا کوئی نہ کوئی تو ضرور ہونا چاہئے ہمارا تو کوئی بھی نہیں ہے' بس ایسے ہی زندگی گزاری ہے تم یقین کرو' آج فلیٹ میں مجھے ڈر لگ رہا ہے' خوف زدہ ہو کر تمہارے پاس آگیا ہوں۔"

ایک لمحے کے لئے ان دونوں کے دل میں ہمدردی کا جذبہ ابھرا تھا۔ فراز نے کہا۔

"فرید احمد صاحب اگر میں کچھ کہوں تو برا تو نہیں مانیں گے؟"

"تم لوگوں نے اتنے احسانات کر ڈالے ہیں مجھ پر کہ اب گالیاں بھی دو گے تو برا نہیں مانوں گا۔" فرید احمد صاحب بولے۔

"آپ نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ بڑا سخت رویہ رکھا تھا۔"

"ان کی بات مت کرو۔ وہ عورت جس کا نام امینہ ہے نا۔ بڑی تیز اور چالاک عورت ہے' یقین کرو اگر میں اسے اس طرح جوتے کے نیچے نہ رکھتا تو پھر مجھے خود جوتے کھانے پڑتے۔"

"اور بچیاں؟"

"سانپ کے بچے سانپ ہی ہوتے ہیں اور پھر سچ بات کہوں۔ نجانے کیوں مجھے ان لوگوں سے ہمیشہ نفرت محسوس ہوئی۔ نہ انہوں نے کبھی مجھے باپ کی نظر سے دیکھا اور نہ میرے دل میں ان کے لئے کبھی یہ جذبے پیدا ہوئے۔ وہ بہت بری عورتیں تھیں اور میں نے ان کے ساتھ جو کچھ بھی کیا بالکل ٹھیک کیا۔ بلکہ میرے دل میں تو اب یہ خواہش ہے کہ کسی طرح امینہ بیگم کی ناک کاٹ لوں اس طرح اسے میری مرضی کے بغیر فلیٹ سے باہر قدم نہیں نکالنا چاہئے تھا۔ کچھ بھی ہو جاتا مرجاتی یہاں پر اسے کسی قیمت پر گھر نہیں چھوڑنا چاہئے تھا' میری اجازت کے بغیر اور وہ دونوں ناگنیں' ارے میرے دل میں ایک ہی ارمان ہے بس' وہ یہ کہ انہیں کوئی ایسی سزا دوں کہ زندگی بھر یاد رکھیں۔ تیزاب ڈال دوں ان کے چہرے پر اور دیکھ لینا میاں بدلہ میں ضرور لوں گا ان سے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"لیکن فرید احمد صاحب کیا قصور ہے ان کا؟"

"اب میری مرضی کے خلاف کسی اور کے چکر میں کیوں آئیں؟ فیض شاہ کے ساتھ چلی جاتیں تو کیا ہو جاتا۔ سب کی زندگی بن جاتی۔ اتنا مال ہے اس کے پاس کہ ہم سب مل کر عیش کرتے ایک ٹھکانے لگ جاتی تو دوسری کو بھی کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگا ہی دیتا۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے اس نے۔ بدلہ ملے گا اسے ضرور بدلہ ملے گا۔"

ہمدردی کا جو احساس شامی اور فراز کے دل میں پیدا ہوا تھا' وہ ایک لمحے میں فنا ہو گیا فرید احمد کتے کی دم تھا' جو ٹیڑھی ہی رہ سکتی ہے' اور کسی بھی شکل میں سیدھی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات تو یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ امینہ بیگم کتنی بری عورت ہے' وہ اپنی

حماقت کا شکار ہو گئی تھی۔ بہرحال وہ جذبہ جو ایک لمحے کے لئے دل میں پیدا ہوا تھا' اب ختم ہو گیا تھا۔ فرید احمد کسی ہمدردی کا مستحق نہیں تھا۔ ایسے لوگ قابل رحم نہیں ہوتے۔ اس نے اپنی تنہائی کا رونا رویا تھا تو ایک لمحے کے لئے یہ خیال ان لوگوں کے دل میں پیدا ہوا تھا کہ کوئی ایسی صورت حال اگر نکل آئے کہ فرید احمد اپنی برائیوں سے تائب ہو جائے تو ان دونوں کے معاملات ہموار بھی کئے جا سکتے تھے لیکن اب فرید احمد کے دل کی بات اچانک ہی معلوم ہو گئی تھی چنانچہ ان لوگوں کا عزم تازہ ہو گیا۔ شامی نے کہا۔

"لیکن آپ کو اپنے فلیٹ پر ڈر کیوں لگ رہا ہے کیا تنہائی سے؟"

"میاں تم سمجھتے نہیں ہو۔ فیض شاہ بہت تیز آدمی ہے اگر وہ دشمن بن گیا ہے میرا تو اس کی دشمنی بھی بڑی خطرناک چیز ہو گی۔"

"یہ تو ہے۔"

"اصل میں اس وقت تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔" فرید احمد لجاجت سے بولا۔

"جی فرمائیے۔"

"یہاں ایک کمرے میں زمین پر چادر بچھا کر مجھے تھوڑی سی جگہ دے دو تو تمہارا احسان مانوں گا۔ رات کو میں تنہا فلیٹ میں نہیں سو سکتا' نیند نہیں آئے گی مجھے۔ دہشت زدہ رہوں گا۔"

شامی نے فراز کی طرف دیکھا اور فراز نے کہا۔ "ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں ہے فرید احمد صاحب۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"کچھ کھایا پیا ہے آپ نے؟"

"کہاں سے کھاتا' بس زندگی سے بیزار ہوں اپنی۔"

"ویسے فرید احمد صاحب بیوی بچوں سے کم از کم اتنا تو فائدہ ہوتا ہے انسان کو کہ گھر' گھر لگتا ہے۔"

"چھوڑو میاں ان جیسے بیوی بچے' بھئی سچی بات یہ ہے کہ میں تو خود امینہ بیگم سے شادی کر کے پچھتایا' بہت سپر سمجھتی ہے اپنے آپ کو' کہتی ہے مصنفہ ہے' ذہنی طور پر مجھ سے برتر ہے کیا برتری ہے آخر اس کے اندر میں نے اس کی ساری برتری نکال کر رکھ دی ہے اور اب بھی..... اب بھی میرا دل اس کے لئے نجانے کیا چاہتا ہے؟"

شامی اور فراز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے۔ بلاوجہ انہوں نے دوسری بار ایک بات کی تھی۔ دوسری صبح ناشتے پر فرید احمد صاحب بھی شامل تھے فراز نے شامی سے کہا

"شامی اب کیا پروگرام ہے؟"

"تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔ میں میڈم سے دیر سے آنے کے لئے کہے دیتا ہوں۔ فرید احمد صاحب کو زلفی صاحب کے پاس لے جانا ہے۔ میڈم سے فون پر بات کر لوں گا۔"

"میری ضرورت تو نہیں ہے؟"

"ضرورت تو نہیں ہے لیکن اگر تم ہمارا ساتھ دینا چاہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"نہیں تم معاملے کو نمٹا لو اگر میری ضرورت پیش آئے تو مجھے میرے آفس فون کر دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

فرید احمد صاحب نے اپنے فلیٹ میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ فراز شامی سے رخصت ہو کر چلا گیا تھا اور شامی ٹیلی فون پر میڈم سے رابطہ کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میڈم ابھی گھر پر ہی ہو گی۔ چنانچہ اس نے گھر پر ہی فون کیا اور میڈم کے ہاؤس کیپر رفعت نے فون ریسیو کیا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"میڈم سے بات کرا دیجئے۔"

"آپ کون صاحب ہیں؟"

"احتشام ہے میرا نام۔"

"جی بہتر۔ ہولڈ کیجئے۔ میں اطلاع دیئے دیتا ہوں۔"

چند لمحات کے بعد میڈم فون پر آ گئی تھی۔

"ہاں شامی خیریت کیسے فون کیا؟"

"دہشت سے کانپ رہا تھا اس وقت کہ کہیں فون پر برا بھلا سننے کو نہ ملے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ حالات بہتر ہیں۔ وہ اس سلسلے میں فون کیا تھا۔ فرید احمد صاحب بضد ہیں کہ انہیں مدد دی جائے اور میں انہیں زلفی صاحب سے ملانے لے جا رہا ہوں۔ دفتر دیر سے پہنچنے کے لئے معذرت چاہتا تھا۔"

دوسری طرف سے میڈم کی ہنسی کی آواز سنائی دی اور اس نے کہا۔

"بھئی اس منصوبے میں تو میں خود بھی شریک ہوں یہ کام کر لو، ضروری ہے، فکر مت کرو۔ دفتر کے کوئی ایسے معاملات اول تو ہیں نہیں اور ہوئے بھی تو ذکی صاحب سنبھال لیں گے تم اس کام کو جاری رکھو۔"

"تھینک یو میڈم۔"

"ویسے دفتر آ ضرور جانا، تاکہ مجھے اس سلسلے میں صورت حال کا علم ہو جائے۔"

"جی بہت بہتر۔" شامی نے جواب دیا اور پھر رسمی سلام دعا کے بعد سلسلہ گفتگو منقطع

ہو گیا، شامی لباس تبدیل کرنے لگا تھا۔ فرید احمد صاحب بھی آ گئے شرمندہ.... شرمندہ سے تھے، کہنے لگے۔

"وہ شامی، میرے پاس زیادہ پیسے نہیں ہیں وکیل صاحب کو جو ادائیگیاں کرنا ہوں گی ان کے لئے کیا کریں گے ہم؟"

"کر لیں گے فرید احمد صاحب کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔" شامی نے جواب دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو گے تم بھی کہ کس مصیبت میں پھنس گئے لیکن میاں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ میں تمہاری پائی پائی چکانے کی کوشش کروں گا۔ فی سبیل اللہ یہ کام کر دو۔"

"ارے آپ بالکل فکر نہ کریں سب ہو جائے گا۔"

کچھ دیر کے بعد شامی فرید احمد صاحب کو لے کر زلفی صاحب کے پاس چل پڑا۔ زلفی صاحب کو ٹیلی فون کر کے یہ معلوم کر لیا گیا تھا کہ وہ کورٹ میں ملیں گے یا اپنے آفس میں۔ زلفی صاحب نے بتایا تھا کہ آج وہ کورٹ نہیں جائیں گے بلکہ آفس ہی میں کام کریں گے۔ یہ لوگ آفس آ سکتے ہیں۔ شامی نے تمام صورت حال زلفی صاحب کو بتا دی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ زلفی صاحب کے آفس میں داخل ہو گئے۔ زلفی صاحب نے اپنا رویہ خاصا سخت رکھا تھا۔ سرد مہری سے ان دونوں سے ملے اور شامی فرید احمد صاحب کو لے کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"جی فرمائیے۔" زلفی صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

"سر ان کا نام فرید احمد ہے اور مجھے شامی کہتے ہیں۔"

"جی۔"

"وہ سر ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ امینہ بیگم نامی ایک خاتون نے اپنا کوئی کیس آپ کو دیا ہے؟"

"اوہو اچھا اچھا۔ تو آپ لوگ وہ ہیں اور فرید احمد صاحب وہ ظالم آدمی ہیں جنہوں نے ایک عورت اور دو بچیوں کی زندگی تلخ کر دی تھی، جی ہاں امینہ بیگم کا کیس میرے پاس ہے اور وہ تینوں خواتین میری تحویل میں ہیں، میں فرید احمد صاحب کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں اور فرید احمد صاحب میرا نام یاد رکھئے گا آپ کم از کم دس سال کی سزا نہ کرائی آپ کو تو میرا نام زلفی نہیں ہے۔ تین انسانوں کی زندگی تلخ کر دینے کا نتیجہ جانتے ہیں آپ؟ وہ عورتیں آپ کی ملکیت نہیں تھیں، وہ انسان ہیں اور اگر میں نے انسانی حقوق کی کمیٹیوں کو یہ کیس دے دیا اور انہوں نے اس کیس کو لڑنے کا پروگرام بنایا تو آپ جانتے ہیں آپ کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ یہ سمجھ لیجئے آپ کہ آپ کی بدبختی کا دور شروع ہو گیا ہے اور اب۔ آپ کوشش کر لیجئے جو آپ سے ہو سکتی ہے۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ آپ ان کا کیا بگاڑ لیتے

ہیں؟"

زلفی صاحب نے زبردست اداکاری کی تھی' فرید احمد صاحب کے تو ہوش اڑ گئے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے شامی کو دیکھنے لگے۔ شامی نے بھی اپنے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا کر لئے تھے۔ زلفی صاحب کہتے رہے اور وہ دونوں سنتے رہے پھر شامی نے کہا۔

"سر! ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے؟"

"جی فرمایئے' آپ ان کے کون ہیں؟"

"بس دوست ہوں ان کا۔"

"برے آدمی کے دوست بھی برے ہوتے ہیں آپ بھی کوئی اچھے انسان تو نہیں ہوں گے؟"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کچھ ہوا ہے آپ کے انداز فکر کے مطابق غلط ہے لیکن کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غلطی انسان سے ہی ہو جاتی ہے۔"

"اور مسلسل ہوتی رہتی ہے۔"

"نہیں جناب' فرید احمد صاحب کو اپنے کئے پر پشیمانی ہے وہ جس مشکل میں پھنس گئے ہیں اس کے لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ انہیں اس مشکل سے نکال لیجئے۔"

"یہ انسان نما بھیڑیئے ہیں۔ معاف کیجئے گا فرید احمد صاحب۔ بات صرف موکل وکیل ہی کی نہیں ہے ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بھی میں آپ سے کہہ سکتا ہوں آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت برا ہے آپ کو انسانوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔" فرید احمد صاحب تو کچھ بول ہی نہیں پا رہے تھے۔ شامی ہی بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا اس نے کہا۔

"زلفی صاحب! ہم آپ سے مدد چاہتے ہیں۔"

"ہوں' لیکن ایک بات سن لو میاں۔ میں بہت الٹے دماغ کا آدمی ہوں۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ کم از کم انہیں دس سال کی سزا دلواؤں گا اس سے کم پر تو بات ہی نہیں لیکن تم جو کہنا چاہتے ہو کہو' لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اگر تم نے اپنے کہے کے خلاف عمل کیا تو میں تمہیں بھی اس سلسلے میں گھسیٹ لوں گا۔"

"نہیں جناب جو گفتگو ہو گی آپ کے سامنے سیدھی سچی ہو گی اور ہم اس میں کوئی فریب نہیں کریں گے۔" شامی مکاری سے بولا۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کیجئے گا۔"

"صرف ایک ہی کام ہو سکتا ہے وہ یہ کہ یہ امینہ بیگم کو طلاق دے دیں۔ اسی وقت میرے سامنے یہ طلاق لکھیں اور کل عدالت میں پیش ہو کر اس کی تصدیق کر

جائے' سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ اگر یہ اس بات پر آمادہ ہوں تو میں امینہ بیگم کو مجبور کر سکتا ہوں کہ وہ اپنا کیس واپس لے لیں' ورنہ پھر آ جایئے' ہو جائے بسم اللہ۔"

شامی نے فرید احمد صاحب کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "کیا کہتے ہیں آپ فرید احمد صاحب؟"

"میں.... میں کیا کہوں' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"زلفی صاحب نے جو تجویز پیش کی ہے اس پر غور کریں گے آپ؟"

"اماں ایسی تیسی غور کرنے کی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں آپ سے بھیک مانگ رہا ہوں' میں نے تو ایک کنڈیشن لگائی ہے ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہو گا' اس کے بعد نہیں' سمجھ رہے ہیں آپ؟" زلفی صاحب نے کرخت لہجے میں کہا۔

"جی جی۔ سمجھ رہے ہیں یہ۔" شامی نے کہا اور بولا۔

"فرید احمد صاحب براہ کرم جلدی بتایئے۔ میں آپ کو صورت حال سے آگاہ کر دوں کہ اس کے بعد آپ کو فیض شاہ سے نمٹنا ہو گا آپ نے درجنوں دشمن پال لئے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے فرید احمد صاحب کہ وکیل صاحب کی بات مان لیجئے ابھی اور اسی وقت یہ قصہ ختم کیجئے ویسے بھی آپ کو ان لوگوں سے رغبت تو نہیں ہے اور پھر اس کے بعد فرید احمد صاحب آپ اپنا فلیٹ بیچئے۔ پیسے لیجئے اور یہاں سے کہیں نکل جایئے۔ ورنہ پھر فیض شاہ آپ کا پیچھا کرے گا۔"

فرید احمد صاحب کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ زلفی صاحب نے جو کچھ کہا تھا اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور وہ سوچ رہے تھے کہ اگر دس سال کے لئے جیل ہو گئی تو باقی زندگی کا کیا ہو گا۔ شامی نے مناسب موقع پر فیض شاہ کا ڈر اور بھی کیا تھا اور فرید احمد صاحب خود بھی جانتے تھے کہ فیض شاہ اتنا ہی خطرناک آدمی ہے۔ فلیٹ بیچنے کی تجویز بھی بہت شاندار تھی۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ "میں تیار ہوں مگر امینہ بیگم کے مہر کا کیا ہو گا؟"

"مہر میں ان سے معاف کرا لوں گا۔"

"کیوں معاف کرا لیں گے صاحب' فلیٹ بیچنے کی بات کر رہے ہیں آپ' آدھی رقم فرید احمد صاحب کو اپنی بیوی کو دینا ہو گی سمجھ رہے ہیں آپ فرید احمد صاحب' اس سے انحراف آپ کے لئے کسی طور ممکن نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" فرید احمد نے کہا اور زلفی صاحب نے اپنے ٹائپسٹ کو طلاق نامہ ٹائپ کرنے کے لئے کہا۔ طلاق نامہ ٹائپ ہوا اور فرید احمد نے اس پر دستخط کر دیئے۔ ضابطے کی چند کارروائیاں ہوئیں' گواہی کے طور پر شامی اور خود زلفی صاحب نے اپنے دستخط کئے اور پھر زلفی صاحب نے فرید احمد صاحب کو دوسرے دن گیارہ بجے کورٹ

میں آنے کے لئے کہہ دیا تاکہ عدالت کے سامنے اس طلاق کی تصدیق ہو جائے۔ اس کے
بعد فرید احمد صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ شامی نے کہا۔
”زلفی صاحب! آپ کے معاوضے کی جو ادائیگی ہو گی وہ میں آپ کو کر دوں گا آپ
فکر رہیں۔“
”ٹھیک ہے۔“ زلفی صاحب بولے اور شامی فرید احمد صاحب کے ساتھ زلفی صاحب
کے آفس سے باہر نکل آیا۔ وہ خود بھی عجیب سا اداس چہرہ بنائے ہوئے تھا اس نے
”فرید احمد صاحب میں نے جو کچھ کہا ہے آپ سے وہ ایک مناسب مشورہ ہے آپ
کے لئے۔ آپ پہلی فرصت میں یہ کام کیجئے اس سے پہلے کہ فیض شاہ آپ کی گردن
لے۔ باقی جہاں تک رہا مسئلہ اس طلاق کا تو خیر یہ تو اب ہو چکی ہے اور آپ خود بھی
لوگوں سے دل برداشتہ تھے بلاوجہ کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی اور آپ کو پھانسی کے پھندے
تک پہنچنا پڑتا۔“
”ٹھیک کہتے ہو۔ رات کو میں تمہارے پاس آؤں گا' آج دن میں مختلف لوگوں سے
ہوں۔ فلیٹ بک جائے دیکھ لینا بھائی جو کچھ کرنا ہے کر لینا۔ میں بھی اب ان ساری
سے اکتا چکا ہوں۔ خدا مجھ پر رحم کرے۔“
”تو پھر اب آپ جائیے۔ مجھے بھی اپنے آفس جانا ہے۔ رات کو فلیٹ پر ملاقات
گی۔“
”خدا حافظ۔“ فرید احمد صاحب نے کہا اور شامی گارمنٹ سٹی کی جانب چل پڑا
کے حلق میں قہقہے مچل رہے تھے' یہ جو کچھ ہوا تھا' بہت اچھا ہوا تھا حالانکہ اس میں
خودغرضی بھی شامل تھی۔ فراز صاعقہ کو چاہتا تھا اور فراز کے راستے ہموار کرنے کے لئے
سارے کھیل کھیلے گئے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ مسئلہ نہ بھی ہوتا اور امینہ
جیسی مظلوم عورت اور اس کی بچیاں ان لوگوں کے سامنے آتیں تو یہ لوگ اپنے
جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے اور یقینی طور پر اس وقت بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوتا
اب اس سلسلے میں اپنی غرض بھی شامل ہو گئی تھی۔ شامی فراز کے بارے میں سوچتا
طویل عرصہ گزر گیا تھا ان لوگوں کی زندگی بالکل تنہا تھی۔ ایک دوسرے میں گم
دوسرے کی ذات میں کھوئے ہوئے۔ زندگی میں کہیں دلکشی کا نام و نشان نہیں تھا۔
حقائق سے گزرے تھے۔ بڑے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اب زندگی میں نئی
کونپل نے جھانکا تھا۔ شامی فراز کے لئے دل میں جو جذبات رکھتا تھا۔ شاید فراز خود
سے اتنا واقف نہیں ہو گا فراز کی زندگی میں بہار کا آغاز ہو جائے تو شامی کے لئے
خوبصورت لمحات اور کون سے ہوتے۔
بہرحال وہ بے انتہا خوش تھا اور انہی خوشیوں میں ڈوبا ہوا وہ آفس میں داخل

ہوا اور چلتا ہوا میڈم کے کمرے تک پہنچ گیا۔ دروازے پر موجود چپراسی نے دروازہ کھول
دیا اور وہ اندر داخل ہو گیا تھا۔ میڈم کرسی سے پشت لگائے بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔
شامی نے اسے سلام کیا تو اس نے اداس نگاہیں اٹھا کر شامی کو دیکھا اور شامی ایک دم چونک
پڑا۔ صبح کو جس موڈ میں اس نے گفتگو کی تھی۔ اس وقت یہ موڈ قائم نہیں تھا۔ اچانک ہی
شامی کو احساس ہوا کہ وہ پھر اپنی پہلی جیسی کیفیت میں ہے اور اس وقت اس سے کوئی ایسی
بات کہنا مناسب نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس نے نہایت نرم لہجے میں کہا۔
”معذرت چاہتا ہوں میڈم' بغیر اطلاع کے آ گیا اگر آپ مصروف ہوں تو دوبارہ حاضر ہو
جاؤں گا۔“
اس کے چہرے پر تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ ”نہیں۔
آؤ شامی بیٹھو۔“
شامی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا موڈ ایک دم تبدیل کر لیا تھا۔ میڈم اپنے
آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ قریب رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا' ہونٹوں سے لگایا اور
پھر رومال سے ہونٹ خشک کر کے جبری طور پر مسکرانے کی کوشش کی پھر بولی۔ ”کیا معرکہ
سر کر آئے؟“
شامی اپنے طور پر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ کوئی ایسا جملہ نہیں کہے گا جو اس کے جذبات کو
ٹھیس پہنچائے وہ بھی تو ایک اچھی عورت تھی۔ اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود کہ
گارمنٹ سٹی کے بڑے بڑے اس سے کانپتے تھے۔ اس نے شامی کو بہت بڑا مقام دے دیا
تھا۔ ہمیشہ اس کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آتی تھی۔ امینہ بیگم کے سلسلے میں بچوں ہی
کی طرح اس کھیل میں شامل ہو گئی تھی تو اس وقت اس رویئے میں اس کا احترام ضروری
تھا۔ اس نے کہا۔
”آپ بھی کیا سوچتی ہوں گی میڈم کہ گارمنٹ سٹی کا پرچیز آفیسر اپنے ذاتی جھگڑے میں
آپ کو لپیٹ بیٹھا ہے۔“
”نہیں شامی' پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں میری زندگی بھی بڑی سست ہے ایک مشینی
زندگی ہے میری جس میں نجانے کیا کیا الجھنیں لپٹی ہوئی ہیں اور پھر یہ تو ایک عام کام تھا۔
انسان خود کتنے ہی عذاب میں گرفتار ہو اگر کسی کے عذاب میں شریک ہو جائے اور اس کی
تھوڑی سی مدد کر دے تو اچھا لگتا ہے برا نہیں لگتا۔ جہاں تک تمہاری گارمنٹ سٹی کی
مصروفیات کا تعلق ہے تو یقین کرو اگر اس کے علاوہ بھی تمہیں اور کوئی کام ہوتا کوئی ذاتی کام
ہوتا تمہارا تو اتنی لچک تو ہوتی ہے ملازمتوں میں کہ انسان کو اس کام کا موقع دیا جائے۔ تم یہ
بالکل نہ سوچو کہ تم اپنا کوئی کام کر رہے ہو۔ یہ تو ہمارا مشترکہ کام ہے۔ چلو چھوڑو کن
تکلفات میں پڑ گئے۔ بتاؤ کیا صورت حال رہی؟“ میڈم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"غیر متوقع میڈم۔"

"گڈ' بتاؤ؟"

"فرید احمد نے زلفی صاحب کے سامنے ان کے لیٹر پیڈ پر امینہ بیگم کو طلا[ق] دی۔"

"اوہ گڈ' ویری گڈ' مگر یہ کارنامہ کیسے ہوا؟"

"بس زلفی صاحب کی ماہرانہ اداکاری کارنامہ بن گئی۔ انہوں نے فرید احمد صا[حب کو] زبردست دھمکیاں دیں اور انہیں دس سال قید بامشقت کی خوش خبری سنائی تو [...] صاحب تیر کی طرح سیدھے ہو گئے ہم نے سارے معاملات فرید احمد صاحب کے سا[منے رکھ] دیئے اور اس طلاق کے ساتھ ساتھ ہی فیض شاہ کی دھمکی بھی ان تک پہنچا دی۔ طے [...] ہے کہ فرید احمد صاحب کل عدالت میں طلاق کی توثیق کر دیں گے اور اس طرح ا[...] کی جان فرید احمد صاحب سے چھوٹ جائے گی' بعد کے لئے بھی میڈم ہم نے [...] بندوبست کر لیا ہے۔ یعنی فیض شاہ کی دھمکی اس شکل میں سامنے لائی گئی ہے کہ امینہ [...] تو خیر چھٹکارہ مل جائے گا لیکن فیض شاہ خطرناک آدمی ہے' وہ فرید احمد صاحب کا پیچھا [نہیں] چھوڑے گا اور اس کا حل بھی فرید احمد صاحب کو پیش کر دیا گیا ہے۔ حل یہ ہے کہ فر[ید احمد] صاحب فوری طور پر اپنا یہ فلیٹ بیچ کر آدھی رقم امینہ بیگم کو دیں گے اور رفوچکر ہو [جائیں] گے۔ اس طرح میڈم بعد میں بھی فرید احمد صاحب کا کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ باقی رہا [فیض] شاہ کا معاملہ تو ظاہر ہے اس کا ہم لوگوں سے کیا تعلق؟"

میڈم مسکرانے لگی اس نے کہا۔ "ویسے شاہی سچ کہوں اگر تم تخریب کاری پر از[...] لوگوں کو کافی نقصان پہنچا سکتے ہو۔ تمہارا ذہن اس سلسلے میں بہت شارپ ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے میڈم کہ میں تخریب کار نہیں ہوں' میری تو آرزو ہے کہ [...] زندگی کسی ایسی شخصیت کے کام آ جائے جو دکھی ہو' کوئی مجھے اپنا دکھ بتائے مجھے اپ[نے دکھ] میں شریک کرے اور اس کے بعد مجھ سے کہے کہ شاہی میرے لئے زندگی دے دو۔ یقین کریں کہ میری زندگی کا اس سے بہترین مصرف اور کوئی نہیں ہو گا۔"

میڈم اسے دیکھنے لگی۔ وہ ایک دم پھر سنجیدہ ہو گئی تھی کچھ دیر بالکل خاموش ر[ہی] اس کے بعد اس نے کہا۔

"شاہی! جاؤ اپنا کام کرو۔ ویسے امینہ بیگم کی گلو خلاصی سے مجھے خوشی ہوئی ہے [...] کیا کیا الجھنیں برقرار رہتیں' بے چاری مشکلات سے بچ گئی ہے۔"

"نہیں یہ زیادتی ہے میڈم۔ آپ مجھے چائے پلائے بغیر جانے کے لئے کہہ رہی ہیں" شاہی نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"شاہی میں اداس ہوں پلیز۔"

"آپ یقین کریں میں اس اداسی کی وجہ بالکل نہیں پوچھوں گا۔ نہ ضد کروں گا میرا وعدہ ہے۔ ویسے ابھی آپ نے کہا ہے کہ امینہ بیگم کی گلوخلاصی سے آپ کو خوشی ہوئی ہے۔"

"ہاں' بے چاری عذاب میں مبتلا تھی۔ کیا ہے انسان کی زندگی بھی۔" میڈم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہاں' کم بخت کو ایک کپ چائے بھی نہیں ملتی۔" شاہی نے اسی لہجے میں کہا کہ میڈم ہنس پڑی۔

"شاہی پلیز۔ اپنے کمرے میں جا کر چائے پی لو۔ میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"بہتر ہے جا رہا ہوں لیکن دل پر بوجھ لے کر جا رہا ہوں کسی کی ضد پوری کرنا بھی عبادت ہے جب کہ وہ ضد صرف چائے کی ایک پیالی ہو۔" شاہی نے اٹھتے ہوئے کہا اور وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرا دی' پھر بولی۔ "بیٹھ جاؤ۔ میں چائے منگاتی ہوں۔"

"دو پیالی۔ ایک اپنے لئے۔" شاہی نے کہا اور میڈم نے انٹر کام پر چائے کے لئے کہہ دیا' پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی' پھر نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے شاہی کو دیکھا اور پھر دیر تک اسی پر نگاہ جمائے رہی۔ اس انداز میں اس سے پہلے شاہی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شاہی اس وقت اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے واقعی بوکھلا گیا تھا۔

□

مسز عالمگیر تابندہ کے گھر پہنچ گئیں۔ نعمان بھی ساتھ تھا' تابندہ گھر والوں کو اس سلسلے میں بتا چکی تھی۔ مرزا صاحب کا رویہ اب کافی بہتر ہو چکا تھا اور وہ خوش و خرم رہنے لگے تھے۔ وہیل چیئر نے انہیں بہت مسرور کر دیا تھا۔ گھر کے حالات بھی نہایت بہتر ہو گئے تھے اور کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئی تھیں جن پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ تابندہ نے اپنے ہاتھوں سے باپ کو صاف ستھرا کیا تھا اور اس وقت مرزا سخاوت بیگ گھٹنوں پر ایک شاندار شال ڈالے ہوئے مہمانوں کے استقبال کے لئے تیار تھے۔ گھر کے دوسرے افراد بھی موجود تھے۔ مسز عالمگیر اور نعمان کو خوش آمدید کہا گیا اور مرزا سخاوت بیگ نے نعمان سے مصافحہ کیا۔

"ممی مجھے آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں مرزا صاحب' بڑی اچھی زندگی گزاری ہے آپ نے' آپ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے پر میں افسردہ ہوں۔" نعمان نے رسمی طور پر کہا۔

فیروزہ بیگم کو بھی اس نے سلام کیا تھا' بہت خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھا اور انتہائی دلکش نظر آ رہا تھا۔ رخشندہ اور فرخندہ بھی سامنے آئی تھیں اور انہوں نے بھی سب کو

سلام کیا تھا پھر ایک مشترکہ نشست گاہ بنائی گئی تھی' وہاں سب لوگ بیٹھ گئے' مرزا
اب موم کی ناک بن چکے تھے اور بڑی فرمانبرداری سے بیٹی کی خواہشات کی تکمیل کر رہے
تھے۔

بیگم عالمگیر بھی ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہیں انہوں نے نعمان کے بارے میں
تفصیلات بتائیں اور سب لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا' عمدہ قسم کا ناشتہ تیار کیا گیا تھا
خوشی سے نہال تھی' مسز عالمگیر اس کے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتی تھیں اور
تابندہ کی اپنی نگاہوں میں اس کا وقار بڑھا دیا تھا۔ بھلا ان سے زیادہ تابندہ کے لئے اور
سکتا تھا۔ مسز عالمگیر اتنی نیک طبیعت خاتون تھیں کہ انہوں نے کبھی اس گھرانے کی
دھیان نہیں دیا تھا۔ ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد نعمان مرزا سخاوت بیگ
باتیں کرنے لگا۔ تابندہ اور رخشندہ وغیرہ مسز عالمگیر کے ساتھ تھیں۔ مسز عالمگیر نے کہا۔

"بھئی تابندہ' ہمیں اپنی والدہ کے ساتھ کچھ وقت تو دو ذرا بوڑھے بوڑھے لوگ
باتیں کریں۔ کیا خیال ہے موقع دیا جائے گا؟"

"آنٹی آپ کھانا کھا کر جائیے اب۔ ہم لوگ کھانا تیار کرتے ہیں۔"

"دیکھو بھئی' کھانا یقیناً کھایا جاتا اور اس گھر میں مجھے کھانا کھانے میں کوئی تکلف
نہیں ہے' لیکن چونکہ یہ بات پروگرام کے خلاف ہے۔ گھر میں بھی باورچی کھانا تیار کرے
گا اس لئے تم کھانے کی فکر مت کرو' بس ہم کچھ دیر باتیں کریں گے اور اس کے بعد
رخصت ہو جائیں گے' تم اگر چاہو تو نعمان کو کمپنی دے دو۔"

"جی ٹھیک ہے۔" تابندہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی وہ
عالمگیر اس کی والدہ سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہیں۔ بہرحال مسز عالمگیر فیروزہ بیگم کو لے
کے کمرے میں پہنچ گئیں اور بے تکلفی سے ان کے ساتھ بیٹھ کر بولیں۔

"بات اصل میں یہ ہے باجی انسان جب کسی سے مانوس ہو جاتا ہے اور دل ملے
پھر کوئی تکلف باقی نہیں رہتا' میرے دل میں ایک خیال آیا تھا۔ میں نے سوچا
مشورہ کر لوں گی سو میں چلی آئی' آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ میری بات کو اچھی طرح
سوچیں اور جو بھی فیصلہ آپ کا دل چاہے کریں۔"

"کیا بات ہے بہن؟" فیروزہ بیگم نے کہا۔

"باجی! تابندہ میرے پاس کام کرنے آئی تھی' اس لڑکی میں وہ صلاحیتیں ہیں
آپ لوگ بھی نہ سمجھ پائے ہوں' اتنی ذہین اتنی جاں نثار کہ انسان خود اس پر جان
تیار ہو جائے۔ بہت عرصے سے میں اسے دیکھ رہی ہوں اور میرے دل میں اس
ایک ایسا مقام پیدا ہو گیا ہے کہ شاید آپ میری بات پر یقین نہ کریں۔ مجھے یہ اپنی
مانند محسوس ہونے لگی ہے۔ نعمان کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھے' میرے اپنے حالات

طرح کے رہے ہیں کہ میری زندگی میں نعمان کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ وہی میرا تخت
و تاج کا وارث ہے حالانکہ میرے پاس کوئی تخت و تاج نہیں ہے' بس اللہ کا دیا جو کچھ بھی
ہے اس سے مطمئن وقت گزار رہی ہوں' میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ نعمان ڈاکٹری کی تعلیم
مکمل کر چکا ہے اور اب میں اس کی شادی کر دینا چاہتی ہوں۔ باجی میں خود بھی ایک
چھوٹے سے تعلق رکھتی ہوں اور میرا دماغ بڑے آدمیوں کی طرح خراب نہیں ہے
خدا کا شکر ہے کہ میرا بیٹا بھی' میری ہی مانند ہے۔ تابندہ سے میری کافی گہری محبت ہے
یہ لڑکی مجھے ہر طرح سے پسند ہے۔ پچھلی بار بھی جب میں آئی تھی تو میں نے آپ کی
بچیوں کو دیکھا تھا۔ ماشاء اللہ تینوں کی تینوں اپنی مثال آپ ہیں' باجی میرے دل میں یہ خیال
ہے کہ اگر آپ پسند کریں تو میں نعمان کے لئے آپ کو تابندہ کا رشتہ دوں' ہم آپ کے
لئے بہت اچھے لوگ ثابت ہوں گے۔ محبت کرنے والے تعاون کرنے والے' بڑی بیٹی سے
فارغ ہوں تو پھر دوسری بچیوں کے لئے ہم سب مل کر رشتے تلاش کریں گے' نعمان
اچھا لڑکا ہے باجی' میری اولاد ہے اس لئے میں نہیں کہہ رہی وہ واقعی بہت اچھا ہے'
آپ لوگوں کے لئے ایک ہمدرد بیٹا ثابت ہو گا اور بعد میں آپ کی دوسری بچیوں کے لئے
بھی ایک اچھا ماحول ہو جائے گا' دیکھئے میں آپ سے قسم کھا کر کہہ رہی ہوں کہ میں نے
ابھی تک تابندہ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی
نہیں ہو گا کہ میں ایسی کوئی بات آپ سے کر سکتی ہوں' لیکن چونکہ ہم لوگوں کی روایات
ہیں لڑکیوں سے براہ راست رشتے نہیں طے کئے جاتے بلکہ ان کے والدین سے رجوع کیا جاتا
ہے۔ میں نے اسی بنیاد پر آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ لوگ آپس میں میرا
مطلب ہے' مرزا سخاوت صاحب سے باقاعدہ مشورہ کر لیں اور اگر آپ لوگوں کی مرضی ہو تو
اپنی بیٹیوں کے ذریعے نعمان کے بارے میں تابندہ کے خیالات بھی معلوم کر لیں اور پھر
مجھے بتا دیں' میں بخوشی حاضر ہوں کسی قسم کی کوئی فکر' کوئی تردد کوئی پریشانی آپ اپنے دلوں
میں نہ لائیں' میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے اور آپ نے مجھے' بس سمجھ لیجئے یہ رشتہ..... رشتہ
ہو گا کسی قسم کی سودے بازی نہیں ہو گی' کوئی طبقاتی فرق درمیان میں نہ لایا جائے مجھے
تابندہ ہر طرح سے قبول ہے' بس مجھے اس کی شخصیت سے پیار ہے اور میں اسے اپنی بہو بنانا
چاہتی ہوں۔"

فیروزہ بیگم حیرت اور دلچسپی سے مسز عالمگیر کی باتیں سن رہی تھیں۔ نعمان تو آسمان سے
اترا ہوا لگتا تھا اور پھر تابندہ کئی بار انہیں مسز عالمگیر کی دولت وغیرہ کی داستان سنا چکی تھی۔
ان کی شخصیت' ان کا گھر' ان کی شاندار کار' ان کا رکھ رکھاؤ' سب کچھ فیروزہ بیگم کے علم
میں تھا۔ نعمان جیسے خوبصورت نوجوان کے لئے تابندہ کا رشتہ اور وہ بھی اب ان حالات میں
جبکہ ان کی اپنی حالت کافی بہتر ہو چکی تھی' نجانے کیوں فیروزہ بیگم کے دل میں ایک

ہوک سی اٹھی' حسن یاد آ گیا تھا۔ وہ بھی تو کسی طرح نعمان سے کم نہیں تھا' لیکن
صاحب نے سب کچھ ڈبو دیا تھا اور اب ایک بار پھر تابندہ کی قسمت جاگ رہی تھی
فوراً ہی کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں اور پھر مرزا صاحب نے لاکھ کینچلی بدل لی تھی لیکن اس کے
باوجود ان کی شخصیت کے بھیانک پہلو نظرانداز نہیں کئے جا سکتے تھے' وہ اب بھی
تھے یہ تو بس حالات کی کروٹ تھی جس نے انہیں اس طرح مجبور کر دیا تھا' پھر
بولیں۔

"آپ نے ذرے کو آفتاب بنا دیا ہے' بہن کیا کہوں کیا نہ کہوں' خوابوں میں بھی نہ
سوچ سکتی تھی کہ آپ یوں ہماری گندگی کو مخمل میں لپیٹ لیں گی' آپ درحقیقت بہت
ہیں بہت ہی اعلیٰ خیالات کی مالک ہیں۔ یہ میری خوش بختی ہو گی کہ میری جھونپڑی میں
طرح آپ کے قدم داخل ہوں' تھوڑی سی مہلت دے دیجئے۔ مرزا صاحب سے اس بار
میں بات کر لوں' آپ کو ضرور جواب دے دوں گی' جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے
آپ یقین کیجئے یہ تصور ہی میرے لئے خواب ہے کہ میری بیٹی آپ کے گھر جائے۔ نعمان
جیسے نوجوان سے منسوب ہو۔"

"یقیناً مرزا صاحب سے مشورہ تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ میں ان سے خود بات کر
لیتی' لیکن تھوڑی سی جھجک ہوتی ہے' آپ ان سے بات کر لیجئے' میری نمائندگی کیجئے اور جو
بھی آپ مناسب سمجھیں ویسے بات کر لیں' مجھے آپ کی ہر بات منظور ہو گی۔"

بہرحال مسز عالمگیر اور فیروزہ بیگم باہر نکل آئیں' تابندہ کے دل میں نجانے کیوں ایک
کرید سی بیدار ہو گئی تھی۔ یہ کون سی گفتگو ہے جو تنہائی میں کی جائے یہ کون سا راز ہے
قصہ ہے جسے مسز عالمگیر تنہائی میں بیان کرنا چاہتی ہیں۔ نجانے کیا بات ہے کچھ سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا۔ مسز عالمگیر کے ہونٹوں پر بھی ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی اور فیروزہ بیگم
عجیب سی کیفیات کا شکار نظر آ رہی تھیں اور یہ کافی دیر تک مسز عالمگیر یہاں رہیں۔ نعمان
اور مرزا صاحب بھی بڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے پھر مسز عالمگیر نے واپسی کی اجازت
مانگی اور سب نے انہیں بڑی خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔ مرزا صاحب بولے۔

"لاجواب لوگ ہیں' تعجب ہوتا ہے' اس دور میں بھی ایسے نیک سیرت لوگ پائے
جاتے ہیں' یہ لڑکا امریکہ سے آیا ہے' لیکن اخلاق دیکھو' خیالات دیکھو' بھئی سچی بات ہے
کہ بڑا متاثر کیا ہے اس لڑکے نے مجھے۔ معلومات ہیں کہ قیامت کی' دنیا اس کے دماغ میں
سمٹی ہوئی ہے۔ میں نے تو کہا ہے کہ میاں کبھی کبھی موقع مل جایا کرے تو آ جایا کرو ہمارے
پاس تم سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے' اور واقعی وہ اس قابل ہے اس دور کے نوجوانوں کو
دیکھتا ہوں میں الف کے نام لٹھ نہیں جانتے۔ نہ مذہب کے بارے میں معلومات ہیں نہ دنیا
کے بارے میں لیکن وہ تو علم کا سمندر ہے ایک موضوع چھڑ گیا تھا کیا فصاحت و بلاغت

کے بارے میں گفتگو کی۔ حالانکہ میڈیکل کا طالب علم رہا ہے' اس موضوع سے اس کا
تعلق نہیں تھا جس پر اس نے بے تکان اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جی خوش ہو
گیا بڑے اچھے لوگ ہیں بھئی' بڑے اچھے لوگ ہیں۔" مرزا صاحب تعریفوں کی قلابے
ملا رہے تھے۔ تابندہ کو بھی بڑی خوشی ہوئی' لیکن وہ کرید وہ خلش اس کے ذہن کو مسلسل بے
چین کئے ہوئے تھی آخر ایسی کون سی بات ہے جو مسز عالمگیر نے تنہائی میں فیروزہ بیگم سے
کی ہے' فیروزہ بیگم سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا' کیونکہ سبھی ساتھ تھے اور مرزا
صاحب کی عادت کو وہ جانتی تھی' اگر انہیں کسی بات کی کرید پڑ جائے تو جب تک ساری بات
معلوم نہ کر لیں انہیں سکون نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ تابندہ کو رات تک موقع نہیں مل سکا
تھا۔

پھر فیروزہ بیگم' مرزا صاحب کے پاس پہنچ گئیں' کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کر چکے
تھے اور یہ وہ لمحات ہوتے تھے جب عام طور سے فیروزہ بیگم اور وہ آپس میں باتیں کرتے
رہتے تھے۔ تابندہ اسی جستجو کا شکار تھی۔ دونوں بہنیں بھی آرام کرنے اپنے کمرے میں چلی
گئی تھیں۔ تابندہ مرزا صاحب کے کمرے کی جانب چل پڑی اور اس کھڑکی سے کان لگا کر
کھڑی ہو گئی جس سے اندر کی باتیں سنی جا سکتی تھیں' چنانچہ اس نے اندر کی گفتگو سنی'
فیروزہ بیگم اسی موضوع پر بات کر رہی تھیں' کہنے لگیں۔

"وہ ایک بات کرنا چاہتی ہوں آپ سے؟"

"ہاں ہاں کہو۔"

"آپ نعمان کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے؟"

"بخدا بے حد قابل تعریف نوجوان ہے اصل میں آپ کو پتا نہیں فیروزہ بیگم' امریکہ یا
یورپ جا کر واپس آنے والے کیا سے کیا بن جاتے ہیں' آدمی کو سوچ کر شرم آتی ہے اور
پھر اس کے برعکس کوئی نوجوان اس قدر صاف ستھرا ہو کہ اس سے گفتگو کر کے لطف آئے
تو انسان تعریف کرنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے۔"

"وہ مسز عالمگیر مجھے کمرے میں لے گئی تھیں' علیحدگی میں باتیں کرنے کے لئے۔"

"ہاں تو پھر؟"

"جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ بے حد عجیب ہے۔"

"کیا؟" مرزا صاحب تعجب سے بولے۔

"اپنے بیٹے کا رشتہ دینا چاہتی ہیں وہ ہمارے ہاں۔"

"ایں۔"

"جی ہاں' اسی موضوع پر بات کر رہی تھیں۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں فیروزہ بیگم؟"

"آپ سے جھوٹ بولوں گی۔"

"مگر بھئی، یہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کیسے لگ سکتا ہے؟"

"وہ لگانا چاہتی ہیں۔"

"مگر کیوں؟"

"بس کہتی ہیں انہیں ہمارا گھرانہ بہت پسند آیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ خاندان ہی بہت اچھا ہے، فیروزہ بیگم اس دور میں شرافت کی شناخت ناممکن ہو گئی ہے، شرافت کا تعین مالی حیثیت سے کیا جاتا ہے، لوگ اپنی پچھلی زندگی کو بھول چکے ہیں اور اس کا ایک پس منظر ہے، پس منظر یہ ہے کہ نچلا طبقہ اوپر آگیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں زیادہ کمائی ہے اور تعلیم عام ہو گئی ہے۔ میں تعلیم کے عام ہو جانے کو برا نہیں سمجھتا لیکن اس ذہنیت کا کیا کیا جائے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ عہدے حاصل کر کے اپنا اظہار کرتی ہے اس ذہنیت نے معاشرہ بے حد بگاڑ دیا ہے، لوگوں کا انداز فکر بدل گیا ہے۔ سوچیں بدل گئی ہیں، طریقہ زندگی بدل گیا ہے، اس بدلے ہوئے دور میں اگر کوئی صرف شرافت کو اہمیت دیتا ہے تو پھر سمجھ لو کہ وہ آسمانی فرشتوں کی مانند۔ تعجب کی بات ہے کہ مسز عالمگیر جیسی بڑی خاتون نے یہ بات سوچی کس کے لئے رشتہ چاہتی ہیں وہ؟"

"اپنی تابندہ کے لئے۔"

"اس۔" مرزا صاحب چونک پڑے۔

"جی ہاں تابندہ انہیں بے حد پسند ہے۔"

"یہ بات ذرا پریشانی کا باعث ہے۔" مرزا صاحب نے پھٹ سے کہا۔

"کیوں؟"

"بھئی تابندہ کے رشتے کو تو ہم ٹھکرا چکے ہیں ایک بار اور پھر اب جو صورت حال ہے اس کا آپ کو اندازہ ہے دونوں بیٹے ناخلف نکل گئے، نانجاروں نے بوڑھے ماں باپ اور جوان بہنوں کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا او ہم سب کو ... کر اپنی دنیا آباد کر لی۔ خیر اگر اسے آباد ہونا کہتے ہیں تو آپ لکھ لیجئے فیروزہ بیگم کہ آباد ... ہوں گے وہ۔ بربادی ان کا مقدر ہے، ایک دن اپنی بربادیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آئیں گے یہ میرا ایمان ہے۔"

"خدا کے لئے بددعائیں نہ دیجئے۔"

"تو پھر کیا دعائیں دوں۔ ارے کس حال کو پہنچ گیا میں، آپ نے دیکھا، کیا ہو گئی میری شخصیت، بیٹی کو گھر سے نکلنا پڑا، نوکری کرانی پڑی، مجھے اپنی تابندہ کو، کیا سمجھتی ہیں دل سے بھیجا میں نے، لیکن کیا کرتا، معذور تھا برے حالات ہو گئے تھے صبر

برداشت کرنا پڑا، لیکن فیروزہ بیگم اب صورتحال بڑی نمایاں طور پر تبدیل ہوئی ہے، تابندہ تو نا... گھر کا مرد بن چکی ہے اگر اس کی شادی کر دی ہم نے تو پھر ہمارے گھر کو کون سنبھالے گا ... گے؟ میں اپاہج بوڑھا میں کیا کر سکوں گا؟ دو دو جوان بیٹیاں کون سنبھالے گا؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ تو کیا بیٹی کی کمائی ہی کھاتے رہیں گے زندگی بھر؟"

"دیکھو فیروزہ بیگم، بات کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو، تول لیا کرو بات کو، کیا میں چاہتا تھا ... بیٹی کی کمائی کھاؤں، کیا میں یہ چاہتا تھا کہ تابندہ ملازمت کرے، کیا میں ایسا ہی انسان تھا، آپ کو علم ہے فیروزہ بیگم کہ میں نے ہمیشہ آپ کو ایک حد میں رکھا، ہو سکتا ہے آپ لوگ اسے میرا ظلم سمجھتے ہوں لیکن میں ظالم نہیں تھا، زندگی کے کچھ اصول ہوتے ہیں، انسان نے کچھ اصول بناتا ہے، ہمارا خاندانی پس منظر ایسا ہی تھا، ہمارے ہاں عورتیں پردہ کرتی تھیں، کیا بتاؤں میں آپ کو، میرے رشتے کی ایک خالہ تھیں انتقال ہو گیا ان کا بہت عرصہ ہوا جس گھر میں ہمارے نانا رہا کرتے تھے اس گھر کے سامنے پرچون کی ایک دکان تھی اور وہ دکاندار بھی یوں سمجھ لیجئے کہ وہیں جوان ہوا اور وہیں بوڑھا ہو گیا۔ جب میری خالہ کی شادی ہوئی تو دکاندار نے حیرت سے پوچھا کہ کیا اس گھر میں کوئی لڑکی بھی ہے، مجھے تو یہاں پوری زندگی گزر گئی، میں نے کبھی کسی لڑکی کو نہیں دیکھا، یہ کون لڑکی ہے، تو پردے کا یہ عالم تھا ہمارے ہاں، میں نے وہ سب کچھ تو نہیں کیا، لیکن پھر بھی کچھ خاندانی روایات کو قائم رکھنا تو ضروری تھا ناں لیکن اس کے بعد تقدیر نے کروٹ لی۔ وقت نے مجھے یہ دن دکھا دیا کہ میں ... بے غیرت باپ بن کر بیٹی کی کمائی پر آپڑا۔ بڑی مشکل سے صبر کیا میں نے فیروزہ بیگم۔ بڑی مشکل سے خود کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کیا اور اب جب کہ میں ایک قدم آگے بڑھ چکا ہوں تو آپ کہتی ہیں کہ میں تابندہ کی شادی کر دوں، ارے قربانی دی ہے میں نے۔ ... بڑی قربانی دی ہے اور اب مسخرہ نہیں بننا چاہتا۔ ایک بار پھر اپنے گھر کو اسی کسمپرسی کا شکار نہیں کرنا چاہتا۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"سیدھی سیدھی سی بات ہے فیروزہ بیگم! تابندہ کی شادی کر کے ہم اپنے آپ کو پھر ... نہیں لے جا سکتے جہاں سے ہم نے آغاز کیا تھا۔ ہاں ایک اور حل ہے میرے ... وہ حل یہ ہے کہ اگر مسز عالمگیر تیار ہوں تو رخشندہ کی شادی کر دیجئے۔ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ تابندہ کے لئے یہ رشتہ ممکن نہیں ہے۔ ہم رخشندہ کی شادی نعمان ... سکتے ہیں۔"

فیروزہ بیگم سوچ میں ڈوب گئیں پھر آہستہ سے بولیں۔ "بہت اچھا گھرانہ ہے وہ بہت ... ہے اور اب تو ہمارے حالات بھی سدھر گئے ہیں۔ صورت حال وہ نہیں رہی ... کے بعد رخشندہ اور فرخندہ کو بھی بیاہ سکتے ہیں اور پھر یہ لوگ اتنے شریف ہیں

کہ بعد میں بھی ہمارا ساتھ دیں گے۔"

"گویا بیٹی کے سسرال والوں سے امداد حاصل کروں۔ ارے یہی کرنا ہوتا اگر مجھے حسن کو کیوں منع کرتا۔ دیکھو فیروزہ بیگم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر غور کرو بارے میں سوچو اور اس پر عمل کرو تو زیادہ مناسب ہو گا۔ اگر مسز عالمگیر رخشندہ کے رشتے کے لئے تیار ہوں تو پھر یوں سمجھ لو کہ میں بھی تیار ہوں' تابندہ کے لئے مشکل ہو گا کیونکہ وہ اس گھر کو سنبھالے ہوئے ہے۔"

فیروزہ بیگم پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھیں۔

لیکن تابندہ کے دل کو ایک دھکا سا لگا تھا۔ ایک عجیب سا احساس' ایک عجیب سی پیدا ہو گئی تھی' حسن اس کے روئیں روئیں میں بسا ہوا تھا' حسن کی جگہ کوئی اور اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا اس نے اپنی ایک دنیا بسا لی تھی جس میں حسن اور وہ اس دنیا کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی اس کے تصور میں کوئی اور شخص نہیں آ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مرزا سخاوت بیگ نے جو کچھ کہا تھا اس نے اسے بہت دکھ تھا۔ مرزا صاحب اس انداز میں سوچنے لگے ہیں۔ وہ اس گھر میں کمانے کی مشین بن چکی اب اس کا کام اس زندگی میں صرف اتنا ہی ہے کہ اس گھر کو سہارا دے۔ باپ اس میں بھی سوچ سکتا ہے ایک غیور باپ جو اپنی خاندانی روایات بھی بتا رہا ہے اور اس اپنے اس عمل کو مجبوری بھی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ..... یہ کتنی بڑی خودغرضی ہے کتنی بات ہے یہ' کتنے دکھ کی بات ہی یہ۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ آئی۔ دل میں متضاد خیال رہے تھے مسز عالمگیر اس کے مشورے کے بغیر یہ بات زبان سے نکال سکتی ہیں انہیں سے پوچھ لینا چاہئے تھا' دنیا کی ہر بات تو وہ اس سے کر لیتی ہیں اس سلسلے میں بھی فراخدلی سے کام لے کر پہلے اس سے مشورہ لے لیتیں تو شاید وہ بھی انہیں یہی مشورہ ابو نے اپنی زبان سے کہا ہے' لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اس کی وجہ بھی تابندہ میں آ گئی' واقعی تابندہ سے یہ موضوع چھیڑنا' تابندہ کی شخصیت کو داغ دار کرنا تھا بات اس کے لئے تھی اس سے تو اس کی بہن کے لئے بات کی جا سکتی تھی خود اس نہیں۔

مسز عالمگیر کو اس نے بے قصور قرار دے دیا لیکن باپ نے جس جذبے کا اظہار وہ بڑا دلخراش تھا اس سے دل ٹوٹتا تھا اور یہ احساس ہوتا تھا کہ اب وہ صرف کمانے کی ہے اس کے علاوہ اس کی ہر حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ تابندہ اپنے بستر پر آ کر لیٹ نجانے کیوں اس کی آنکھوں کی کوریں بھیگ گئیں۔ بہت دیر تک اس کیفیت میں تھی پھر اسے ایک دم احساس ہوا کہ یہ کیا حماقت ہے۔ کیوں رو رہی ہوں میں خودغرضی سے سوچ رہا ہے لیکن میں نہ تو حسن کے تصور کو ذہن سے نکال سکتی ہوں

کی جگہ کسی کو دے سکتی ہوں ہاں اگر مسز عالمگیر واقعی اتنی ہی ایثار پسندی پر آمادہ ہیں تو ندہ رخشندہ ٹھکانے لگ جائے تو اس سے اچھی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ایک ایسا اعزاز ہے جو اگر مل جائے تو زندگی میں اس سے بڑی خوشی شاید ہی کوئی اور ملے۔

وہ ب تک اپنے دل میں منصوبے بناتی رہی اور آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ سز عالمگیر سے اس فیصلے پر بات کرے گی۔ ماں کمزور دماغ کی عورت تھی اور باپ..... باپ کے بارے میں آج پہلی بار اس کے دل میں وہ شدید بال پڑا تھا جو شاید کبھی درست نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو نے بس مجھے اس قابل سمجھا ہے' یہ ایک باپ کی شان تو نہیں ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ میں خود ہی اپنی جگہ رخشندہ کے بارے میں سوچتی' لیکن وہ جس انداز میں سوچ رہے ہیں۔ وہ انداز..... وہ انداز..... اسے مرزا صاحب پر شدید غصہ آیا تھا۔ ایک عجیب سی نفرت کا احساس اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا تھا۔

□

شامی اور فراز' فرید احمد صاحب کو تیار کرا کے اپنے ساتھ ہی عدالت لے گئے تھے۔ زلفی صاحب پہلے ہی سے عدالت میں موجود تھے اور ضابطے کی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے طلاق نامے کے ساتھ تمام کاغذات مکمل کر لئے تھے پیش کار سے گفتگو کر لی تھی۔ امینہ بیگم کے لئے انہوں نے اپنے ڈرائیور کو مخصوص کر دیا تھا کہ وہ مقررہ وقت پر امینہ بیگم کو لے کر عدالت پہنچ جائے اور اب وہ اطمینان سے بار میں بیٹھے ہوئے اپنے دوستوں سے گپیں لڑا رہے تھے۔ شامی فرید احمد کے ساتھ انہیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور تینوں ان کے سامنے جا بیٹھے زلفی صاحب نے اپنا سابقہ رویہ برقرار رکھا تھا انہوں نے خشک لہجے میں فرید احمد سے کہا۔

"آپ نے غور کر لیا ہو گا فرید احمد صاحب کوئی پیچ تو نہیں ہے اب آپ کے دل میں؟"

"نہیں صاحب' جیسا آپ لوگ کہہ رہے ہیں ویسا ہی کر رہا ہوں اور اب پیچ کیا ہو سکتا ہے' طلاق نامے پر دستخط کر ہی چکا ہوں' لیکن مہر معاف کروا دیجئے میرا' جہاں تک فلیٹ کی آدھی رقم کا معاملہ ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے میں نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کروں گا۔"

"ٹھیک ہے آپ اطمینان سے بیٹھئے۔ عدالت کا وقت شروع ہونے والا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اپنا کیس دوسرے نمبر پر پیش کرا دوں' تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا آپ کو۔"

"کوئی بات نہیں ہے وکیل صاحب' آپ اپنا کام کیجئے ہم انتظار کر رہے ہیں۔" شامی نے کہا اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ آئے۔ ٹھیک گیارہ بجے امینہ بیگم چادر لپیٹے ہوئے زلفی

صاحب کے ڈرائیور کے ساتھ پہنچ گئیں فرید احمد صاحب نے راہداری میں دور ہی سے انہیں دیکھ لیا تھا۔ شامی سے کہنے لگے۔

"دیکھو دیکھو وہ آ رہی ہے، کس غیر مرد کے ساتھ آ رہی ہے۔"

"اب تو وہ آپ کے بغیر غیر ہی ہو گئی ہیں فرید احمد صاحب۔" شامی نے کہا۔

"اچھا ہی ہوا۔ جان چھوٹی۔ خوامخواہ میری زندگی عذاب میں تھی۔ بیوی کے ساتھ ساتھ دو اور عورتوں کو پالنا پڑ رہا تھا۔ لعنت بھیجتا ہوں میں بس جو وقت برباد ہو گیا سو ہو گیا۔"

شامی کو ہنسی آ گئی تھی لیکن فراز کو شدید غصہ آ رہا تھا چھوٹی سی بچی نائلہ کو بھی یہ کم بخت عورت کہہ رہا تھا اور پھر جیسے وہ ان لوگوں کو پال رہا تھا وہ بھی دیکھ لیا تھا انہوں نے۔

امینہ بیگم کو کمرہ عدالت میں بٹھا دیا گیا اور زلفی صاحب بھی پہنچ کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ مجسٹریٹ کے سامنے اس وقت دوسرا کیس تھا اور اس کی سماعت ہو رہی تھی پھر یہ سماعت ختم ہو گئی تو پیش کار نے ان کا فائل مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کر دیا اور مجسٹریٹ صاحب طلاق نامے وغیرہ پر نگاہ ڈالنے لگے پھر ان کی اجازت سے امینہ بیگم کو آواز لگائی گئی اور امینہ بیگم کٹہرے میں جا کھڑی ہوئیں۔ اس کے بعد فرید احمد کو پکارا گیا اور فرید احمد صاحب بھی کٹہرے میں آ گئے اور ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ خونخوار نگاہوں سے امینہ بیگم کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی خاص کیس تو تھا نہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے دونوں کے بیانات لئے اور اس کے بعد طلاق کی توثیق کر دی گئی۔ بات ختم ہو گئی امینہ بیگم کو زلفی صاحب کا ڈرائیور گاڑی میں بٹھا کر لے گیا اور فرید احمد صاحب شامی اور فراز کے ساتھ باہر نکل آئے۔ کچھ بجھے بجھے سے تھے، کہنے لگے۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس مکار عورت کو سہارا کس نے دیا؟ کون لوگ ہیں یہ جو اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں؟"

"اب چھوڑیئے آپ کو اس سے کیا غرض فرید احمد صاحب بقول آپ کے آپ کی جان چھوٹ گئی اور بہتر ہی ہوا۔"

"پتا نہیں بہتر ہوا یا نہیں دل تو چاہتا ہے کہ معلومات کروں پتا لگاؤں کہ یہ سب ہے کیا؟ لیکن کیا کروں وہی وہاں بات آ جاتی ہے کہ اپنی کہیں سے پشت پناہی نہیں ہے اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اب تو آپ کے سامنے ایک ہی کام رہ گیا ہے فلیٹ بیچیں اور اس کے بعد کنارہ کشی اختیار کریں کیا فائدہ زندگی کو عذاب میں ڈالنے سے، نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

"ویسے میرا خیال ہے مجھے فلیٹ پر نہیں جانا چاہئے۔ رات کو بھی فیض شاہ سے خطرہ رہا تھا۔ اب بھی کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ غنڈوں کو لے کر مجھ پر آ پڑے۔ محلے میں ویسے ہی بدنامی ہو چکی ہے۔ تم لوگوں کو مجھ سے کوئی کام تو نہیں ہے؟"

"نہیں فرید احمد صاحب، بس وہ ضمانت لی ہے ہم نے آپ کی؟"

"ایک بات بتاؤ مقدمہ چلے گا مجھ پر؟"

"وہ تو چلے گا۔"

"ہوں - خیر دیکھا جائے گا اب جو کچھ بھی ہو گا۔ میں چلتا ہوں۔" فرید احمد صاحب نے کہا اور اس کے بعد وہ ان لوگوں سے رخصت لے کر چلے گئے۔ فراز مسکراتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے اب یہ سامنے نہیں آئیں گے، ویسے شامی فلیٹ کی آدھی رقم واقعی امینہ بیگم کو ملنی چاہئے۔"

"او میاں فراز سسرال کے سلسلے میں اب اتنے سنگ دل نہ بنو اور پھر فرید احمد صاحب اب جو کچھ بھی کریں گے اتنی خاموشی سے کریں گے کہ ہمارے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا اللہ مالک ہے یار مل جل کر بھابی کو پالیں گے۔" فراز ہنسنے لگا تھا، بہت خوش نظر آ رہا تھا وہ امینہ بیگم کی بھرپور مدد ہو گئی تھی۔ حالانکہ طلاق ایک بدنما فعل ہوتا ہے لیکن جن حالات میں امینہ بیگم زندگی گزار رہی تھیں اس کے بعد ان کی گلوخلاصی ان کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ شامی نے فراز سے کہا۔

"میرا خیال ہے دوپہر کا کھانا ہمیں امینہ بیگم کے گھر پر ہی کھانا چاہئے۔"

"اب آج کا دن تو میرا بھی ضائع ہو گیا ہے اور تمہارا بھی۔ وہیں چلتے ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں اس فلیٹ پر پہنچ گئے جہاں امینہ بیگم کا قیام تھا، ڈرائیور انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ بیل بجائی تو حمیدہ نے دروازہ کھولا اور ان دونوں کو دیکھ کر اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ صاعقہ انیلہ اور امینہ بیگم تینوں ہی دیکھنے کے لئے باہر نکل آئی تھیں کہ کون آیا ہے۔ انہیں دیکھ کر سب کے چہرے کھل اٹھے۔ امینہ بیگم آگے بڑھ کر بولیں۔

"میرے پاس دعائیں نہیں ہیں بچو، جو میں تمہیں دے سکوں، حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑا کام ہوا ہے لیکن یہ غلط کام میرے لئے اور میری بچیوں کے لئے جس قدر بہتر ہے اس کا شاید کوئی تصور بھی نہ کر سکے۔ درحقیقت قید میں زندگی گزار رہے تھے ہم تینوں آج یوں لگتا ہے جیسے اس قید سے رہائی ملی ہے۔"

"اس رہائی کی مبارکباد قبول فرمایئے اور حمیدہ بیگم کو دوپہر کے کھانے کی ہدایت کیجئے۔ اب ہم یہاں سے آسانی سے ٹلنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

"بڑائی ہے بیٹے تم لوگوں کی، ورنہ حقیقتوں سے کون منہ موڑ سکتا ہے جو کچھ ہے تمہارا ہی ہے۔ میں تمہیں کیا کھلاؤں گی؟"

"بس یہیں سے اختلاف شروع ہو جاتا ہے محترمہ چچی جان۔ ہمارا کیا ہے، کیا کیا ہے ہم نے آپ کے لئے؟"

"کاش میں بتا سکتی کہ تم لوگوں نے میرے لئے کیا کیا ہے؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ ہم انہیں کھلے دل سے خوشی کے لمحات بھی نہیں کہہ سکتے، لیکن بہرحال بہتر یہ ہو گا کہ وقت خوشی سے گزارا جائے۔" اور اس کے بعد شامی کی شرارتیں جاری ہو گئیں۔ وہ جملے کس رہا تھا' امینہ بیگم بھی ان جملوں کو محسوس کر رہی تھیں کیونکہ بات ابھی ڈھکی چھپی نہیں تھی' ایک کھلی کھلی بات ہو چکی تھی کہ صاعقہ آخر فراز کی زندگی میں شامل ہو جائے گی اور امینہ بیگم اس تصور سے بھی مسرور تھیں۔ انیلا اور صاعقہ کے چہروں سے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کتنی مسرور ہیں۔ دونوں بھاگ بھاگ کر حمیدہ کے ساتھ کھانے کی تیاریاں کر رہی تھیں اور پھر دوپہر کا کھانا لگا دیا گیا سب نے ساتھ مل کر کھایا۔ امینہ بیگم کے چہرے پر بار بار اداسی چھا جاتی تھی۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شامی نے اجازت طلب کر لی تو امینہ بیگم نے کہا۔

"میں تم دونوں سے کچھ بات کہنا چاہتی ہوں۔"

"جی چچی جان تو پھر اس قدر تکلف کی کیا ضرورت ہے؟" لڑکیاں باہر چلی گئی تھیں۔ امینہ بیگم نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

"تقدیر میں جو کچھ لکھا تھا وہ ہو گیا۔ میں یقین کرو اپنے پر غور کرتی ہوں تو خود کو قصور وار نہیں پاتی۔ میں نے اپنے مرحوم شوہر سے ہمیشہ تعاون کیا تھا۔ میرے اور ان کے درمیان کبھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا لیکن تقدیر مجھے یہ برے دن دکھانے والی تھی ان کی عمر ساتھ نہ دے سکی اور ہم جدا ہو گئے پھر اس کے بعد میں نے زندگی گزارنے کے لئے نہ جانے کیسے کیسے جتن کئے۔ میں تمہیں ان کی تفصیل کیا بتاؤں۔ عزت کی زندگی گزارنا اتنا مشکل ہو گیا تھا کہ گھبرا گئی' بوکھلا گئی' صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہی اور پھر اس جال میں پھنس گئی۔ تقدیر کو مجھے یہ سب کچھ دکھانا تھا اور پھر تقدیر ہی درد کی دوا بن گئی۔ تم مسیحا بن کر ملے اور تم نے ایک بار پھر ہماری بدنما زندگی کو روشنی سے ہمکنار کر دیا لیکن بچو حقائق تسلیم کرنا پڑتے ہیں' اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آپ صرف پریشانی بتایئے چچی جان' اب کیا مشکل درپیش ہے آپ کو' میرا خیال ہے فرید احمد صاحب اب خواب میں بھی کبھی آپ کو نہیں دیکھیں گے انہوں نے فلیٹ بیچ کر آدھی رقم آپ کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میرا خیال ہے آدھی رقم تو کیا وہ آپ کا نام بھی بھول جانے کی کوشش کریں گے۔ ہم خود بھی جان بوجھ کر انہیں ڈھیل دیں گے تاکہ وہ جس قدر جلد ہو سکے' یہاں سے دفع ہو جائیں۔ باقی کیا پریشانی ہے آپ کو؟"

"سمجھداری سے سوچو بیٹے' میرے سامنے ان دونوں بچیوں کا مستقبل ہے' ایک لمبی زندگی ہے جب تک قدرت نے مجھے عطا فرمائی میری زندگی گزارنے کا ذریعہ کیا ہو گا۔"

"چچی جان! آپ نے یہ سوال کیا ہے تو اب بات بالکل کھل جانی چاہئے۔ میں بڑا منہ پھٹ آدمی ہوں اور کچھ کہنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ ہم نے یہ جو

کچھ کیا ہے اس میں ہمارے سامنے ایک نکتہ نظر ہے۔ چچی جان معذرت خواہ ہوں کیا کروں؟ اور بڑے نہیں ہیں۔ میں خود ہی فراز کا بڑا ہوں۔ فراز کے لئے میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں اور آپ نے بھی ہماری ہمت افزائی کی ہے چچی جان ہم ایک رشتہ قائم کر رہے ہیں ہے' صاعقہ کو میں اپنی بھابی بنانا چاہتا ہوں اور بہت جلد کوئی مناسب وقت دیکھ کر ہم اس رشتے کی تکمیل کر ڈالیں گے۔ یہ سارے درد کے رشتے ہیں جو ہمارے درمیان قائم ہوئے ہیں۔ ان میں ایک دوسرے کا پیار' ایک دوسرے کی محبت ہی سب کچھ ہے آپ اور انیلا باقی رہ جاتی ہیں تو چچی جان میں آپ کو بتا دوں کہ ہمارا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے ہم نے ایک گھر بسایا ہے جس میں آپ میری اور فراز کی چچی جان ہیں اگر ہمارا اپنا کوئی گھر ہوتا ہماری ایک ماں اور ایک بہن ہوتی تو کیا ان کے لئے یہ سوال اٹھتا کہ ان کا مستقبل کیا ہو گا؟ وہ کہاں رہیں گی؟ کیا کریں گی؟ چچی جان ہمارے دل میں تو آپ کا یہی مقام ہے اگر آپ اس میں کچھ فرق محسوس کرتی ہیں تو خدا کی قسم آپ کو اختیار ہے کہ اس کا اظہار کر دیجئے گا ہم اس وقت بھی برا نہیں مانیں گے بلکہ آپ کی مشکل کا حل سوچیں گے۔" شامی کا لہجہ اس وقت نہایت سنجیدہ ہو گیا تھا اور امینہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے۔ شامی نے کہا۔

"نہیں چچی جان' یہ آنسو اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ کو میرے خلوص پر یقین نہیں ہے' میں اسے اپنا گھر قرار دیتا ہوں چچی جان۔ دنیا سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے' وہ اس لئے کہ دنیا میں ہمارے اپنے ہیں ہی نہیں جو ہم پر کسی طرح کا اعتراض کریں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے آپ بھی اب کسی ایسے دباؤ میں نہیں ہیں جس کے لئے آپ کو دنیاداری کرنا پڑے آپ مجھے اپنے بیٹے کی حیثیت سے قبول کر لیں چچی جان ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد آپ کو کوئی تردد نہیں رہنا چاہئے' بے شک میرا رشتہ پہلے فراز سے ہے اس کے بعد آپ سے کیونکہ میں کوئی جھوٹ نہیں بولوں گا لیکن چچی جان میں پورے خلوص کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ جس طرح اپنے کسی بیٹے پر بھروسا کر سکتی تھیں اسی طرح سے مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔ میں آپ کو کبھی اپنے کردار سے مایوس نہیں کروں گا۔"

امینہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔ فراز اور شامی خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے تھے بہت دیر تک وہ روتی رہیں اور پھر خود ہی خاموش ہو گئیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ کے دل کی تمام بھڑاس نکل جائے اور اس کے بعد میرے اور آپ کے درمیان خلوص کا ایک رشتہ قائم ہو جائے جس میں پھر کچھ سوچنے کی گنجائش نہ رہے۔"

"اللہ تمہیں دنیا کی تمام خوشیاں عطا کر دے' ٹھیک ہے بیٹے اللہ ہی سہارے بناتا ہے'

اولاد بھی اللہ ہی کی دین ہے اور اللہ نے مجھے اس عمر میں دو بیٹے بھی عطا کر دیئے ہیں تو
کی مہربانی سے روگردانی تو نہیں کر سکتی۔"
"تو پھر وعدہ کیجئے کہ اس کے بعد آپ کسی قسم کی فکر نہیں کریں گی اب سارے
معاملات ہماری ذمہ داری ہیں۔" اور امینہ بیگم نے گردن ہلا دی تھی' شاہی نے ان سے
اجازت لی اور دونوں وہاں سے باہر نکل آئے۔

□

غزل حسن کے لئے پریشان تھی اس واقعہ کے بعد سے اس کے اندر بڑی ذہنی تبدیلی
ہو گئی تھیں اور تنہائیوں میں اس کے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ اس واقعہ کی خبر اس
حسن کی خواہش کے مطابق گیتا کو نہیں دی تھی اور گیتا اکثر اس سے حسن کے بارے میں
پوچھتی رہتی تھی۔ غزل کو یہ خیال رہتا تھا کہ نہ جانے گلزار' حسن کے خلاف کیا کارروائی
کرے' حسن سے ٹیلی فون پر گفتگو بھی ہوتی رہتی تھی اور غزل روزانہ ہی اس سے اس کی
خیریت معلوم کرتی تھی۔ حسن خود بھی الجھا ہوا تھا۔ کیونکہ گلزار اس دن کے بعد ہوسٹل
نہیں آیا تھا' نہ جانے کہاں چھپا ہوا تھا وہ' حسن نے خود بھی کسی سے اس بات کا تذکرہ نہیں
کیا تھا البتہ راہی سے وہ گلزار کے بارے میں کئی بار پوچھ چکا تھا۔
"یار پتا نہیں کہاں مرگیا یہ کم بخت' ویسے ایک بات بتا دوں حسن' بدکردار لڑکا ہے کسی
مصیبت میں پھنس گیا ہو گا۔ پتا نہیں کم بخت کا کیا ہوا؟ ہوسٹل نہیں آ رہا' نہ جانے کہاں
رہا ہے۔"
حسن خاموش ہو گیا تھا۔ غزل نے حسن سے پوچھا تھا تو اس نے یہ بات غزل کو بھی بتا
دی تھی۔ بہرحال ان دنوں ذرا الجھنوں میں گرفتار تھی کہ اچانک ہی بیرسٹر ہاشم علی پہنچ گئے
کسی دوسرے ملک کا دورہ کرنے گئے تھے' بیٹی کا خیال آیا تو بیٹی کی جانب چل پڑے اور سوچا
کہ کچھ دن اس کے ساتھ گزار کر واپس وطن آ جائیں گے۔ غزل اچانک ہی باپ کو دیکھ کر
بے حد خوش ہو گئی تھی۔ بیرسٹر ہاشم علی نے کہا۔
"بھئی بڑا مشکل کام ہے اپنے بچوں سے دور رہنا میں تو غزل کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا
ہوں کہ تمہیں واپس اپنے ساتھ گھر لے جاؤں۔"
"نہیں ڈیڈی' بھلا یہ کیسے ممکن ہے اب تو میں اپنی تعلیم کو کسی طور ادھورا نہیں چھوڑ
سکتی۔"
"تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ یہاں آ جائیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو
سکتا۔"
"سر آنکھوں پر اس سے اچھی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔"
"لیکن یہ بھی تو کوئی آسان کام نہیں ہے غزل۔"

"تو پھر درمیانی راستہ بھی آپ ہی سوچئے ڈیڈی میرا تو ابھی وطن واپس جانے کا کوئی
ارادہ نہیں ہے۔ میں اپنی تعلیم مکمل کر کے ہی وطن واپس آؤں گی بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ
آپ یہاں مستقل قیام کی بات کر رہے ہیں' مجھے امریکہ بالکل پسند نہیں۔ نہ اپنا ماحول' نہ
اپنی زندگی' یہ تو ان لوگوں کی آبادی ہے جن کا زندگی کے مسائل سے نہ تو واسطہ ہے اور نہ
ہی دلچسپی' ہمارا ان لوگوں کے درمیان کیا کام۔ یہاں ہم صرف دولت اکٹھی کرتے رہیں گے
اور ڈیڈی دولت کے ڈھیر میں دب کر مرجائیں گے۔ اپنوں سے دور رہ کر دولت کے یہ انبار
بے معنی ہوتے ہیں جبکہ میرے وطن کے لوگوں کو ہماری ضرورت ہے' ہم جو کچھ بھی کریں
گے انہی کے لئے کریں گے ڈیڈی آپ یہاں قیام کی بات نہ سوچیں۔"
بیرسٹر ہاشم علی ہنسنے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "یہ تو میں نے خود غرضی کی بات کی
تھی بیٹے' بس تم سے دور نہیں رہا جاتا۔"
"وقت پر لگا کر اڑ جائے گا ڈیڈی۔ تھوڑا سا انتظار کر لیجئے گا۔"
"ہاں یہ تو سچ کہہ رہی ہو۔ اچھا ہاں سناؤ حسن کے کیا حال ہیں؟"
"بتاؤں گی ڈیڈی آپ کو اس کے بارے میں۔"
"کبوتر پنجرے میں آیا یا نہیں؟" بیرسٹر ہاشم علی نے کہا اور غزل کے چہرے پر عجیب
سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ چند لمحے خاموش رہی اور پھر اس نے کہا۔
"ڈیڈی پلیز' اس کے بارے میں ذرہ برابر بے احترامی کا لفظ نہ کہئے گا' وہ تو ایک
درویش ہے' نیکیوں کے درمیان پلنے والا۔ چٹانوں سے زیادہ سخت' پہاڑوں سے زیادہ عظیم'
ڈیڈی میں اس کا اتنا احترام کرتی ہوں کہ شاید اس کے بعد احترام کا تصور ختم ہو جائے۔"
بیرسٹر ہاشم علی متعجب نگاہوں سے غزل کو دیکھنے لگے پھر بولے۔
"میں سمجھا نہیں بیٹے؟"
"میں سمجھاتی ہوں ڈیڈی' بات اصل میں یہ ہے کہ اس نے مجھے منع کر دیا تھا کہ یہ
مسئلہ میں کسی کو نہ بتاؤں لیکن آپ کو بتانا ضروری ہے کیونکہ ہمیں بہت سے فیصلے خود کرنے
ہوں گے ڈیڈی! بہت اعلیٰ کردار کی مالک نہیں ہوں میں لیکن ایسی بھی نہیں ہوں کہ اپنا قومی
[illegible] خاندان کی عزت کو ارزاں سمجھ لوں اور اسے مٹانے پر تل جاؤں۔ حسن مجھے بہت
پسند تھا۔ وہاں پر ہی پسند تھا ڈیڈی' اس نے وہ سب کچھ قبول نہیں کیا جس کی پیش کش
میں نے اسے کی تھی۔ اس کا بھی ایک پس منظر ہے جس کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہے
وطن میں پاگل نہیں ہوئی تھی اس کے لئے' نہ ہی یہاں آ کر میں نے اس کے بارے میں
کوئی غور کیا تھا۔ آپ نے میرے اندر یہ تحریک بیدار کی اور میں اس کے راستے پر چل
پڑی۔ میں نے اپنی شخصیت کو ہلکا کر کے اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی' اس
نے ایک مشفق بھائی کی طرح مجھے سمجھایا کہ وہ میری بے پناہ عزت کرتا ہے' وہ مجھے ایک

بھائی کی طرح چاہتا ہے' رشتے ان تصورات کے ساتھ ہی ممکن نہیں ہوتے بلکہ ان کے اور بھی بہت سے پہلو ہوتے ہیں۔ میں نہ سمجھی اور میں نے اپنی کم عقلی کی بناء پر اسے جلانے کے لئے اس کے ہاسٹل کے ایک اور لڑکے سے روابط بڑھائے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ اعتراف ایک بیٹی کو اپنے باپ کے سامنے نہیں کرنا چاہئے لیکن میں اپنے جذبات کو چھپا بھی نہیں سکتی' میں بہت ہی گر گئی تھی اور صرف اسے جھلسانے کے لئے ایک دن میں اس لڑکے کے ساتھ پکنک پر چلی گئی لیکن وہ پکنک ایک بہانہ تھی وہ مجھے ورغلا کر ایک ایسی جگہ لے گیا' جہاں اس کے اور میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ڈیڈی اس نے مجھے بے بس کر دیا اور خودکشی کی منزل تک پہنچا دیا۔ یقیناً ڈیڈی' میں بے دست و پا ہو گئی تھی۔ ایسے وقت میں حسن نے ایک فرشتے کی طرح نازل ہو کر میری آبرو بچائی اور اس کے لئے اس نے اپنی زندگی کی پرواہ بھی نہیں کی' دشمنی مول لے بیٹھا وہ اس بدمعاش سے لیکن اس نے مجھے بچا لیا اور پھر اس نے نہایت محبت کے ساتھ مجھے پیش کش کی کہ میں اس کی ہم وطن بھی ہوں اس کے والد کی دوست کی بیٹی بھی اگر میں صرف ان جذبوں کو تبدیل کر لوں جن کے تحت میں اس کی جانب بڑھ رہی ہوں تو وہ ایک مشفق بھائی کی طرح مجھے خوش آمدید کہے گا۔ ڈیڈی میں انسان ہوں بس یوں سمجھ لیجئے اب وہ میرے لئے ایک سگے بھائی جیسا درجہ رکھتا ہے اور سگے بھائیوں کے لئے دل میں سفلہ خیالات نہیں آتے۔"

بیرسٹر ہاشم علی تھرا گئے تھے۔ اس پہلو پر انہوں نے کبھی غور بھی نہیں کیا تھا۔ چند لمحات سکتے کے عالم میں غزل کو دیکھتے رہے پھر ان کے اندر جنون ابھر آیا۔

"کون ہے وہ بدمعاش؟ کہاں ہے؟ امریکہ میں بھی میرے وسائل محدود نہیں ہیں۔ میں اسے زندہ درگور کر دوں گا۔ موت کی منزل تک پہنچا سکتا ہوں میں اسے' تم مجھے اس کا نام پتا بتاؤ؟"

"ڈیڈی! یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ حسن یہ نہیں چاہتا۔"

"بیٹے وہ تم لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"اللہ پر بھروسا رکھئے ڈیڈی' وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"دیکھو اس سلسلے میں بحث مت کرو' میں حسن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"سچ کہوں ڈیڈی' حسن کے سامنے یہ اظہار نہیں کرنا چاہتی کہ جس بات کے لئے اس نے مجھے منع کیا تھا۔ میں اس کی اطلاع آپ کو دے چکی ہوں' اسے یہ پتا چل جائے تو مجھے شرمندگی ہو گی۔ بس میں حسن کو اس مسئلے میں چھپا نہیں سکی ہوں اس لئے میں نے آپ سے یہ بات کہہ دی ہے۔"

"تم نے مجھے تشویش کا شکار کر دیا ہے۔"

"نہیں ڈیڈی' آپ تشویش نہ کریں مجھے اللہ کی ذات پر بھی بھروسہ ہے اور اس

بھی' ہم دونوں اطمینان سے اپنی تعلیم پوری کریں گے اور وطن واپس آئیں گے' سمجھ لیجئے اب مجھے ایک بھائی کا تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔"

"تم نے میرے دل میں اس کی عظمت بڑھا دی ہے غزل' بڑا غلط طریقہ کار اختیار کیا ہے لیکن اس سلسلے میں بھی محمود حسن نے مجھے آمادہ کیا تھا۔ سارے واقعات تم جانتی ہو محمود حسن سے برگشتہ ہو کر آیا ہے اور اس نے ان کی کفالت بھی قبول نہیں کی۔"

"ڈیڈی وہ یہاں نوکری بھی کر رہا ہے اور تعلیم بھی حاصل کر رہا ہے۔ اس کے وقار کو عظمت کو کسی بھی طرح داغ دار نہیں ہونا چاہئے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ بہت عظیم وہ ایک بلند مینار ہے جس کی بلندیاں ناقابل تسخیر ہیں۔"

"اس نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے غزل مجھے اس سے ملا تو دو۔"

"نہیں ڈیڈی' مناسب نہیں ہو گا۔ پلیز آپ میری بات مان لیجئے آپ اس پر احسان کا اظہار کریں گے۔ مجھے اس سے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ آپ بالکل اطمینان رکھئے۔ آپ سے رابطہ تو ہے ہی نا۔"

بیرسٹر ہاشم علی خاموش ہو گئے لیکن درحقیقت ان کے ذہن میں حسن کے لئے بہت بڑا مقام پیدا ہو گیا تھا۔ بہرحال پھر وہ مطمئن ہو گئے اور غزل کو بہت سی ہدایتیں کرنے کے بعد واپس چلے گئے لیکن اپنے دل میں وہ حسن کے لئے بڑے متاثر کن جذبات لے کر وطن لوٹے تھے۔

❑

تابندہ اپنے دفتر پہنچ گئی' گزرے ہوئے دن کے واقعات اس کے ذہن پر ایک عجیب سا تاثر چھوڑ گئے ہوئے تھے۔ مرزا سخاوت بیگ نے خود غرضی کا جو ثبوت دیا تھا ایسے ثبوت بہت کم ملتے ہیں اور تابندہ اب ان سوچوں میں گھر گئی تھی کہ واقعی اس کے بھائیوں کا اقدام درست تھا۔ جب مرزا صاحب اس طبیعت کے مالک ہیں تو پھر وہ بیٹوں کے مستقبل کے لئے کیا کچھ نہ ہونے دیتے ایک عجیب سا پریشان کن احساس اس کے دل میں جاگزیں تھا لیکن ساتھ ہی وہ مسز عالمگیر کی شکر گزار بھی تھی۔ کیا نہیں دیا تھا انہوں نے اسے' عزت' احترام اور محبت اور اس کے بعد یہاں تک کہ ایک ایسا عظیم مقام دے ڈالا تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اور جسے بس ایک کہانی ہی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ کہانی تخلیق کی تھی مسز عالمگیر نے اور یہ بھی ایک سچ ہے کہ اگر حقیقتیں نہ ہوں تو کہانیاں جنم نہیں لیتیں' حالانکہ مسز عالمگیر ان دنوں زیادہ تر اپنے بیٹے کے ساتھ ہی وقت گزارتی تھیں انہوں نے بوتیک آنا چھوڑ دیا تھا اس کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں تابندہ پر مکمل اعتماد تھا۔

لیکن آج وہ بھی وقت مقررہ پر ہی فیکٹری آ گئی تھیں اور تابندہ کو ان کی آمد کی اطلاع

مل گئی تھی۔ تابندہ کے ذہن میں اس وقت نہ جانے کیا کیا خیالات سرگرداں تھے
مسز عالمگیر کی طلبی پر وہ ان کے آفس پہنچ گئی۔ نعمان ساتھ نہیں تھا۔ مسز عالمگیر
محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر اس سے بو تیک کے
پوچھنے لگیں' انہوں نے کہا۔

"بھئی تابندہ دیکھو۔ میں تو ان دنوں جس مصروفیت میں ہوں وہ تمہارے علم
ہے لیکن میں نے اس کا ایک حل بھی نکالا ہے۔ بہرحال وہ اپنی جگہ ان دنوں میر
موجودگی کو تم محسوس نہ کرنا' سارے معاملات تمہیں ہی ڈیل کرنے پڑ رہے ہیں لیکن
سے غیر مطمئن نہیں ہوں۔"

"آپ اطمینان رکھئے چچی جان' کہیں بھی کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی آپ کو۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں نا اگر مشکل کا مسئلہ ہوتا تو مجھے تشویش ہوتی نا' اچھا
وقت سچ بتاؤں' میں آفس نہ آتی لیکن بس خاص طور سے آئی ہوں' کچھ بات کر
ہوں تم سے' ایک ذرا سی غلطی کا احساس ہوا ہے مجھے' اپنے ایک جذباتی فیصلے میں۔
چوکنی ہو کر بیٹھ گئی' سمجھ گئی تھی کہ مسز عالمگیر کیا باتیں کرنا چاہتی ہیں' وہ خود بھی اس
خواہش مند تھی کہ اس کے سامنے تذکرہ ہو' مسز عالمگیر نے کہا۔

"مجھے پچانوے فیصد یقین ہے کہ فیروزہ بیگم نے تمہیں وہ بات بتائی ہو گی جو
ان سے تنہائی میں کی تھی۔ پانچ فیصد بس یہ خیال ہے کہ ممکن ہے انہوں نے تذکر
ہو' تم مجھے بتاؤ کیا میرے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو کا تذکرہ انہوں نے تم
ہے؟"

"جی چچی جان۔" تابندہ نے صاف لہجے میں کہا۔

"ویری گڈ' اس کا مطلب یہ ہے کہ بات تمہارے کانوں تک پہنچ چکی ہے
حماقت کا احساس ہوا ہے تابندہ وہ یہ ہے کہ جب میں تم سے دنیا کی ہر بات کر سکتی
اپنے دل کی بات تمہاری امی سے کرنے کے بجائے پہلے مجھے تم سے کرنی چاہئے
ہے کیا خیال تھا میرے دل میں اس وقت بھی' میں یہ سوچ رہی تھی کہ جو جذبہ
میں تمہارے لئے جاگا ہے اگر میں براہ راست تم سے اس بارے میں بات
کھوٹ کا سا احساس ہو گا' جیسے میں صرف تم سے رجوع کرنا چاہتی ہوں۔ تابندہ
نہیں ہے جب رشتے قائم کئے جاتے ہیں تو دو گھرانوں میں آپس میں انڈر سٹینڈنگ
میں کسی بھی طرح تمہارے اہل خاندان کو نظر انداز نہیں کر سکتی اور پھر خاص طور
صورت میں جبکہ مجھے اس گھرانے کے بارے میں اتنا معلوم ہے جتنا اپنے گھر کے
معلوم ہے اصولی طور پر ایسے کسی مسئلے میں بزرگوں ہی سی بات کی جا سکتی
احساس بھی تھا میرے دل میں مگر بعد میں بس یوں کہو رات کو نعمان نے مجھے

می آپ نے یہ بات اپنی زبان سے باہر نکال دی۔ مس تابندہ سے بھی تو آپ کو
چاہئے تھا کہ وہ اس سلسلے میں کیا خیالات رکھتی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس
سے اتفاق نہ کریں۔ تب مجھے احساس ہوا کہ واقعی یہ ایک اصولی بات ہے اور مجھے یہ
چاہئے تھا۔ بس آج بھاگی ہوئی چلی آئی حالانکہ تیر کمان سے نکل چکا ہے اور نہ جانے
سلسلے میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن ہماری تو دوستی بھی ہے نا' رشتہ محبت
اپنی جگہ یہ بتاؤ کیا تم مجھے دوست سمجھتی ہو نا۔"

"آپ میری محسن ہیں چچی جان اگر احسانات کو کوئی اور نام دیا جائے اور اس میں آپ
کی خواہش ہو تو ظاہر ہے دوست وہی ہوتا ہے جو محسن ہو' محسن اور محبت کرنے والا۔"

"شکریہ تابندہ' تو اب اگر میں تم سے سوال کروں کہ جو بات میں نے تمہاری والدہ سے
کی ہے' کیا تمہیں اس سے اختلاف ہے؟"

"جی ہاں۔" تابندہ نے کہا اور مسز عالمگیر کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ انہیں اپنے
اندر میں شدید جھنجھلاہٹ محسوس ہوئی تھی اور انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے کان سن
رہے ہوں۔ وہ چاہتی تھیں کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے وہ غلط ہو ان کا چہرہ ایک لمحے میں
اتر گیا تھا اور وہ مسلسل سکتے کے سے عالم میں تابندہ کو گھور رہی تھیں پھر بہ مشکل انہوں
نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہیں اس پر اعتراض ہے؟"

"جی ہاں چچی جان۔" تابندہ نے پھر اسی انداز میں جواب دیا۔ مسز عالمگیر کچھ دیر فکر و
تردد میں ڈوبی رہیں پھر انہوں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"کیوں بیٹے کیوں' اس کی وجہ بتاؤ گی؟"

"جی ہاں چچی جان' کیوں نہیں۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ؟"

"چچی جان بنیادی وجہ یہ ہے کہ میرا ایک رشتہ ایک اور جگہ طے کر دیا گیا تھا۔ میں بھی
اس رشتے سے اتفاق رکھتی تھی اور اپنی تقدیر کو وہیں منسلک کرنا چاہتی تھی لیکن وقت نے
ساتھ نہ دیا۔ وہ رشتہ مسترد ہو گیا لیکن شاید آج بھی میرے ذہن میں وہی تمام یادیں تازہ
ہیں اور میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو کسی اور سے منسوب کرنے کے لئے نہیں سوچ سکتی'
اور اب اس کا بالکل امکان نہیں ہے کہ آنے والے وقت میں مجھے میری منزل ملے گی
اس کے باوجود میں یہ تہیہ کر چکی ہوں کہ میں اب شادی نہیں کروں گی۔ چچی جان
آپ نے مجھے جو احترام اور اعزاز دیا ہے کاش میں اپنے احساسات آپ کو ان صحیح الفاظ میں
آپ کو میں بتانا چاہتی ہوں۔ بہت بڑی عزت دی ہے آپ نے ہمیں اور خاص طور سے
اس کا اظہار کر کے۔ آپ نے مجھے نعمان کے قابل قرار دے کر بہت اونچا کر دیا ہے
تابندہ لیکن میں آپ کو بتاؤں میرے لئے یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔ چچی جان آپ

نے جو اعزاز میری طرف بڑھایا ہے اسے مسترد کرتے ہوئے مجھے زندگی میں سب سے نقصان کا احساس ہو گا۔ میں اسے ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتی۔ ایک آرزو دل میں آپ کو اتنا بڑا سمجھتی ہوں کہ دل کی بات آپ سے کہتے ہوئے مجھے کوئی پشیمانی نہیں کہنا چاہتی ہوں آپ سے چچی جان' آپ مجھے اس کی اجازت دے دیجئے گا۔" تابندہ کے چہرے پر ایسی لجاجت ایسی عاجزی پھیل گئی تھی کہ مسز عالمگیر بے اختیار ہو گئیں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر تابندہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور گلوگیر لہجے میں بولیں۔

"بیٹی! بہت بڑا مقام بنا لیا ہے تم نے میرے دل میں بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔ مانگو جو تابندہ مانگو جو بھی مانگنا چاہتی ہو۔ تم تم جس قدر غیور ہو میں جانتی ہوں کہ تم کبھی کچھ نہیں مانگ سکتیں کہو تابندہ دیر نہ کرو۔"

"چچی جان نعمان کی اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے' اتنا پیارا لڑکا ہے وہ کہ اسے دیکھ میں محبت کا سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔ چچی جان آپ نے یہ موقع دیا ہے مجھے۔ یہ اعزاز دیا ہے آپ نے تو ہم اسے اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے' چچی جان میری رخشندہ ہے' فرخندہ ہے' میں ایک معذور باپ کی بیٹی ہوں' دو مفرور بھائیوں کی بہن ہوں اپنی ذمے داری چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ ماں ہے میری' دونوں بہنیں ہیں' صحیح معنوں میں میرے دل میں ان کے لئے ماں کا جذبہ ہے' مجھے ہی ان کا مستقبل سنوارنا ہو گا چچی جان آپ اگر پسند کریں تو رخشندہ' اگر نعمان پسند کریں تو تو....." تابندہ کے حلق سے نکل گئیں۔

مسز عالمگیر اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہ گئی تھیں۔ چند لمحات وہ سوچتی رہیں انہوں نے کہا۔

"تابندہ! بہت اچھی بات کہی ہے تم نے' یقین کرو نعمان عجیب فطرت کا نوجوان ہے میں نے جب اس سے اس سلسلے میں بات چیت کی تو اس نے کہا کہ ممی یہ آپ کا مسئلہ ہے آپ جو بہتر سمجھتی ہیں کریں۔ مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ تابندہ اگر نعمان کے دل میں تمہارے لئے محبت کا کوئی ایسا تاثر نہیں پیدا ہوا ہے اور اس نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے وہ اپنے وعدے میں سچا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ مجھے خوشی ہو گی کہ تمہاری مشکلات میں شیئر کر لوں۔ تابندہ مجھے آج کا دن دے دو' کل میں تمہیں بتاؤں گی' کسی سے کوئی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کسی سے کوئی بات تابندہ بولو وعدہ کرتی ہو؟"

"وعدہ کرتی ہوں چچی جان۔"

"اور سنو تابندہ' اگر کسی طور نعمان اس کے لئے تیار نہ ہو' تو پھر تو پھر تابندہ میں تمہیں صاف صاف بتا دوں گی' وعدہ کرتی ہوں اگر معاملہ میری ذات

میں ایک لمحے میں تم سے یہ کہہ سکتی تھی کہ ٹھیک ہے تابندہ تم بالکل فکر مت کرو میں وہی کروں گی جو تم چاہتی ہو۔"

"چچی جان میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ اگر نعمان رخشندہ یا فرخندہ کے لئے تیار ہوئے تو میں ذرہ برابر برا نہیں مانوں گی۔ یہ تو بس ایک احساس تھا جو دل میں ایک دم ابھرا تھا۔ اپنا مسئلہ میں نے آپ کو اس لئے بتا دیا ہے کہ شاید دنیا میں کسی اور کو کبھی نہیں بتاتی۔ میں نے آپ کو اتنا ہی بڑا سمجھا ہے چچی جان کہ اپنے دل کے اس راز سے آگاہ کر دیا جسے لے کر میں قبر میں جانا چاہتی تھی۔"

"تم اطمینان رکھو' یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا' کبھی میری زبان پر دوبارہ نہیں آئے گا۔"

"تھینک یو چچی جان' تھینک یو ویری مچ اور سنئے' نعمان بہت اچھے انسان ہیں اگر وہ رخشندہ کے لئے منع کر دیتے ہیں تو مجھے دکھ نہیں ہو گا بلکہ میں ان کے مزاج کا ساتھ دوں گی بس میرا مسئلہ جو ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے تابندہ' بے فکر رہو۔" مسز عالمگیر نے کہا اور پھر تابندہ سے وہ دوسری باتیں کرنے لگیں۔ تابندہ بے حد شرمندہ نظر آ رہی تھی اسے رخصت کرتے ہوئے مسز عالمگیر نے کہا۔

"اگر تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ ہے تابندہ تو یہ میرے ساتھ زیادتی ہو گی' ہم لوگوں نے جس دوستانہ انداز میں اور جس اچھے طریقے سے اس گفتگو کو شروع کر کے ختم کیا ہے ہم اپنا یہ دوستی کا انداز قائم رکھیں گے۔"

"جی' مجھے یقین ہے۔" تابندہ نے جواب دیا اور اس کے بعد باہر نکل آئی' اس کے جانے کے بعد مسز عالمگیر گہری سوچوں میں ڈوبی رہی تھیں۔ کبھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ سی آ جاتی تھی اور کبھی تشویش زدہ ہو جاتی تھیں۔

اور پھر اس رات انہوں نے نعمان کو ڈنر کے بعد اپنے سامنے بٹھایا اور بولیں۔

"نعمان! ویسے تو مجھے تمہارے اوپر پورا پورا اعتماد ہے لیکن نعمان انسان بڑی عجیب چیز ہوتا ہے۔ ماں اور بیٹے کا رشتہ اور وہ بھی ایک ایسے ماں بیٹے کا جن کے درمیان کچھ ایسے ذاتیات مشترک ہیں جن سے دونوں ہی متاثر ہوئے ہیں۔ ماں تو ایک ایسا رشتہ ہوتا ہے نعمان کہ اگر غور کیا جائے تو وہ ماں ہی کے وجود کا ایک حصہ ہوتا ہے یا پھر ماں اس کے وجود کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟" نعمان ہنس پڑا پھر بولا۔

"مجھے آپ کی یہ ادا بڑی پسند ہے ممی' آپ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے اس طرح گفتگو کا آغاز کرتی ہیں جیسے اپنے آپ کو کٹہرے میں کھڑا کر کے بات کر رہی ہوں۔ جب آپ اتنی بڑی بات کہہ رہی ہیں کہ ماں اور بیٹے ایک دوسرے کے وجود کا حصہ ہوتے ہیں تو

ممی صرف اس بات کو کہنے کے لئے کوئی تمہید ضروری تو نہیں ہوتی۔"

"ہاں میرے بیٹے سچ کہتے ہو مگر کیا کیا جائے' انسان کے دل میں خوف ایک ایسا جذبہ ہے جو میرا خیال ہے اس کی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ وہ ہر بات سے ڈرتا رہتا ہے۔"

"آپ دنیا سے ڈریں ممی۔ مجھ سے کبھی نہ ڈرا کریں۔" نعمان نے محبت بھرے انداز میں ماں کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"تھینک یو بیٹے' اچھا ایک بات اب اسی سچائی کے ساتھ بتا دو۔"

"جی ممی۔"

"کیا تم تابندہ سے محبت کرتے ہو؟"

"جی ہاں۔" نعمان نے کہا۔

"نہیں نہیں' دیکھو اس وقت کوئی ایسا جملہ نہ کہو جس پر مجھے الجھنا پڑے۔"

"آپ کہئے کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"صرف ایک لڑکی کی حیثیت سے اسے چاہتے ہو' میرا مطلب ہے رشتے کو ٹھکرانے کے بعد تمہارے دل میں تابندہ کے لئے تو کوئی مقام نہیں پیدا ہو گیا۔"

"مس تابندہ کا ایک مقام ہے میرے دل میں اور ممی اور وہ مقام یہ ہے کہ وہ میری ممی کی بہت اچھی دوست' بہت اچھی ساتھی ہیں اور میری ممی اور ان کے درمیان بہترین تعلقات ہیں۔"

"اس کے علاوہ۔"

"اس کے علاوہ کچھ نہیں ممی' بخدا اس کے علاوہ کچھ نہیں اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں مس تابندہ سے عشق کرنے لگا ہوں یا میں نے ان کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے تو آپ اس خیال کو ایک ذرہ برابر بھی اپنے دل میں جگہ نہ دیجئے گا۔ آپ نے تابندہ کے لئے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں انہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا پسند کروں گا تو میں نے اقرار کر لیا اور آپ کے انداز فکر کو اپنا لیا۔ بس ممی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے میں کہہ چکا ہوں ممی میری زندگی کا محور ایک عورت نہیں ہے۔ بے شک یہ کارخانہ حیات ہے اور اس میں بیوی کی حیثیت سے ایک شخص کو ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے' ممی میں چاہتا ہوں میری بیوی کے ذریعے میری اولاد اس دنیا میں آئے گی لیکن اس کے لئے بیوی کا کوئی اہم تصور میرے ذہن میں نہیں ہے۔ یہ حق میں نے آپ کو دے دیا ہے ممی اور آپ یقین کیجئے' پورے خلوص کے ساتھ یہ حق میں نے آپ کو دے دیا ہے۔ میں اس پر ذرہ برابر اعتراض نہیں کرتا۔"

"میں کتنا ناز کروں تم پر' نظر نہ لگ جائے میرے بچے تجھے' کیا چیز ہے تو' میں سمجھتی ہوں قدرت نے تیری شکل میں مجھے میری تمام محرومیوں کا انعام دے دیا ہے' ازالہ کر دیا

ہے' میں بہت فخر کرتی ہوں تجھ پر نعمان' بہت ہی فخر کرتی ہوں' نعمان سنو۔ تابندہ نے آج ایک بات کہی ہے۔ وہ اپنے گھر کی کفیل ہے اور کسی طور وہ یہ نہیں چاہتی کہ شادی کرے لیکن اس نے ایک آرزو کا اظہار کیا ہے۔ پہلی بار اس نے زندگی میں مجھ سے کچھ مانگا ہے۔ نعمان وہ چاہتی ہے کہ اپنی چھوٹی بہن رخشندہ سے تمہاری شادی کر دے' نعمان وہ اتنی اچھی لڑکی ہے کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اس کی یہ آرزو ٹھکرا دوں لیکن میں نے اس سے وعدہ نہیں کیا۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ میں اسے کل بتاؤں گی اپنے بیٹے سے معلوم کرنے کے بعد۔"

نعمان ہنس پڑا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے ممی اگر آپ یہ زیادتی کرنا ہی چاہتی ہیں تو کر لیجئے۔"

"کیا مطلب؟" مسز عالمگیر دہشت زدہ ہو کر بولیں۔

"حالانکہ میں نے آپ کو تمام تر سچائیوں کے ساتھ یہ حق دے دیا تھا کہ اگر بیوی کی حیثیت سے کوئی لڑکی مجھے دینا ہی چاہتی ہیں تو اپنی پسند کی کوئی بھی لڑکی دے دیجئے لیکن آپ نے مس تابندہ سے وعدہ کرنے کے بجائے معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیا اب جب آپ ان سے جا کر یہ کہیں گی کہ نعمان تیار ہو گیا ہے تو پھر بھلا اس کا کریڈٹ مجھے کیا ملے گا کہ میں نے اپنی ماں کے ساتھ پوری سچائی سے یہ وعدہ کیا تھا۔ بات تو مجھ پر ہی رہ جائے گی نا۔"

"کیا مطلب؟"

"افوہ ممی۔ آپ نے مس تابندہ سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ٹھیک ہے تابندہ' یہ فیصلہ میں کر رہی ہوں اور مجھے منظور ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ' اوہ میرے خدا' گویا گویا تم مجھے یہ حق دے رہے ہو' تم نے تم نے' تمہارا مطلب ہے تم تیار ہو۔"

"ممی! آپ مجھ پر پورا پورا بھروسا کر لیجئے' کوئی بات آپ سے کبھی جھوٹ نہیں کہوں گا میں کہہ چکا ہوں کہ عورت میری زندگی کا مقصد نہیں ہے' میں ڈاکٹر بن چکا ہوں' دکھی انسانیت کی خدمت میری زندگی کا اصل مقصد ہے' میں لوگوں کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس فن میں بھی کمال حاصل کرنا چاہتا ہوں اور بس۔ بیوی میری ایک اچھی ساتھی ہو گی۔ میرا گھر سنبھالے گی' میری زندگی میں خوشیاں لائے گی اور ممی اس بات کا بھی آپ یقین کر لیں جو عورت میری زندگی میں شامل ہو گی وہ ناخوش نہیں رہے گی چاہے وہ رخشندہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور' میں اسے اس کا مقام دوں گا جو اس کا حق ہوتا ہے اور یہ حقوق آپ کو دیتا ہوں کہ میرے لئے بھی جو چاہیں فیصلہ کریں' ممی میں آپ کو وہ دینا چاہتا ہوں جس سے آپ محروم رہی ہیں' میں آپ کا بیٹا ہوں' آپ کی کسی بات سے انحراف نہیں کروں گا۔ پوری سچائی کے ساتھ مس تابندہ سے کہہ دیجئے گا کہ آپ کو یہ رشتہ منظور ہے اور آپ ۔

سلسلے میں ممی جو کارروائی کرنا چاہیں کریں۔ میں آپ کے شانہ بشانہ ہوں۔" مسز عالمگیر نے وفور مسرت سے نعمان کو اپنے سینے سے لپٹا لیا تھا۔

"خدا کی قسم، نعمان۔ تم نے مجھے وہ سب کچھ دے دیا ہے جو تمہارے باپ نے مجھ سے چھین لیا تھا۔"

"یہ قرض بھی تو ہے مجھ پر ممی۔"

"قرض؟"

"سو فیصد قرض۔ میرے باپ نے آپ سے آپ کے حقوق چھین لئے تھے مجھے پورا علم ہے لیکن میں ممی۔ میں آپ کو اتنا اعتماد دینا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے سارے پرانے غم بھول جائیں۔" نعمان نے کہا اور مسز عالمگیر آبدیدہ ہو گئیں۔

"تم میرے بارے میں اتنا سوچتے ہو نعمان۔"

"اس سے بھی زیادہ ممی۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ ویسے نعمان۔ ایک بات تمہیں اور بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتا دیجئے ممی۔"

"تابندہ غیر معمولی لڑکی ہے، خوبصورت بھی ہے، ذہین بھی۔ اس میں جو خصوصیات ہیں۔ ممکن ہے رخشندہ میں نہ ہوں۔"

"تو پھر؟"

"تمہیں مایوسی تو نہ ہو گی؟"

"میرا بھی ایک سوال ہے ممی؟"

"ہاں ضرور کرو۔"

"رخشندہ مجھے خوشی سے قبول کرے گی؟"

"میرا دعویٰ ہے ایسا ہو گا۔"

"تب ممی۔ انسان تو انسان ہوتے ہیں، کوئی خوب صورت، کوئی بد شکل، کوئی ذہین کوئی سادہ لوح لیکن بہرحال وہ سب انسان ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھی ایک دوسرے کے خلوص کے مستحق۔ رخشندہ میں جو کمی ہو گی ہم دور کریں گے۔"

"نعمان مجھے اتنی خوشیاں نہ دے کہ میں سنبھال نہ سکوں۔" مسز عالمگیر نے وفور مسرت سے کہا۔

"میں آپ کو اتنی خوشیاں دینا چاہتا ہوں ممی کہ آپ کے ذہن کی یہ سیاہی دھل جائے۔"

"ٹھیک ہے نعمان۔ میں تابندہ سے کہہ دوں گی کہ میں اس کی یہ خواہش پوری کر رہی ہوں۔"

"ضرور کہہ دیجئے۔" نعمان مسکرا کر بولا۔

"اور ہم اس شادی میں زیادہ وقت بھی نہیں لگائیں گے۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" نعمان نے جواب دیا اور مسز عالمگیر خوشیوں میں ڈوب گئیں۔

❑

بیرسٹر ہاشم علی اپنے دورے سے واپس آ گئے تھے۔ محمود حسن کے اچھے دوستوں میں تھے اور پھر ایک مشترکہ مفاد ہو گیا تھا اس لئے محمود حسن سے رابطہ بھی کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ محمود حسن صاحب کے درد کو بھی جانتے تھے۔ حسن ضدی نوجوان تھا اور اب محمود حسن کو یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ بیٹے کو کھو کر اچھا نہیں کیا اس نے سارے رابطے توڑ لئے تھے اور اپنا ایک موقف بنا لیا تھا ہر چند کہ یہ ایک انسانی مسئلہ تھا ایک شخص اپنی زندگی میں اپنے مستقبل کے لئے کچھ فیصلے کر چکا ہے تو ان فیصلوں میں رخنہ اندازی مناسب تو نہیں تھی لیکن بس ایک مان ہوتا ہے ماں باپ کو اپنی اولاد پر، پیدائش کے پہلے دن کے بعد سے اس وقت تک جب تک زندہ رہتے ہیں اولاد کے لئے دل میں یہ درد رکھتے ہیں کہ اگر اس کے پاؤں کے ناخن میں تکلیف ہو تو اسے دور کرنے کے لئے زندگی کی بازی لگا دی جائے چاہے اولاد خود کس قدر طاقتور کیوں نہ ہو چکی ہو یہ ماں باپ کی اپنے دل کی بات ہوتی ہے جب کہ اولاد یہ سمجھتی ہے کہ اب اس کے ذاتی معاملات میں والدین کی مداخلت، مداخلت بیجا کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ احساسات شدید ہو جاتے ہیں اور ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے کہ پھر بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں محمود حسن بھی اسی مشکل کا شکار ہو گئے تھے لیکن انہیں یہ اندازہ بخوبی ہو گیا تھا کہ حسن کے مسئلے میں ایک طرف وہ تنہا ہیں اور دوسری طرف ان کے تمام اہل خاندان جو ان کے راستے روکنے کی اہلیت نہیں رکھتے لیکن ان کے موقف سے اتفاق بھی نہیں کرتے۔

بہرحال ہمت پست ہوتی جا رہی تھی کہ بیرسٹر ہاشم علی کا سہارا ملا اور بیرسٹر ہاشم علی نے یہ بیڑا اپنے ذمہ لے لیا کہ امریکہ میں ایک بار پھر حسن کو غزل کے ذریعے متاثر کرنے کی کوشش کی جائے گی اس سلسلے میں بیرسٹر ہاشم علی کی دوستی بھی قابل قدر تھی کیونکہ بہرحال وہ ایسے انسان نہیں تھے جنہیں اپنی بیٹی کے لئے مناسب رشتہ تلاش کرنے میں کوئی دقت ہو لیکن اس کے باوجود انہوں نے حسن کے سلسلے میں محمود حسن سے تعاون کیا تھا۔ خود امریکہ گئے تھے بیٹی کو ہدایات دی تھیں اور واپس آ کر محمود حسن کو بتایا تھا کہ تمام صورت حال ہموار کر آئے ہیں بہرحال ابھی تک کوئی صحیح خبر نہیں ملی تھی لیکن اب جب کہ بیرسٹر ہاشم علی نے ان سے رابطہ قائم کیا تو وہ فوراً ہی بیرسٹر ہاشم علی کے پاس پہنچ گئے یہ بات ان کے علم میں تھی کہ ہاشم علی غیر ملکی دورے پر گئے ہوئے ہیں اور واپسی میں امریکہ سے ہوتے ہوئے آئیں گے۔ دل میں یہی خیال گزرا تھا کہ ہاشم علی یقیناً کوئی اچھی خبر لے کر آئے

ہیں۔ بیرسٹر ہاشم علی نے پرتپاک استقبال کیا تھا اور محمود حسن کو دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"کمزور ہو گئے ہو؟"

"ہاں۔ بس۔" محمود حسن پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"وجہ؟"

"کوئی خاص نہیں ہے۔"

"کچھ نہ کچھ تو ہو گی۔" بیرسٹر ہاشم علی نے کہا اور محمود حسن کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ بیرسٹر ہاشم علی تاسف بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے پھر آہستہ سے بولے۔ "حسن۔"

"بدقسمتی ہے کہ تنہا بیٹا ہے۔"

"اصل میں محمود وہ ہماری توقع کے بہت برعکس ہے۔"

"ہاں۔ اتنا سخت گیر نکلے گا مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"میرا خیال ہے سخت گیری کی بات نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"محمود! دیکھو میری بات کو کسی طور برا نہیں سمجھنا لیکن میرا یہ اندازہ ہے کہ اس جیسے نوجوان کم ہی ہوا کرتے ہیں۔"

"مجھے سمجھاؤ بیرسٹر کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"حسن بہت اعلیٰ کردار کا نوجوان ہے اتنا اعلیٰ کردار کا نوجوان کہ شاید اس دور میں ایسے اعلیٰ کرداروں کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم میرے بیٹے کی تعریف کر رہے ہو۔"

"غلط تعریف نہیں کر رہا ایک سچائی بیان کر رہا ہوں معاملہ بڑے عجیب انداز میں الٹا ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب کچھ عجیب سی باتیں کر رہے ہو تم جو میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔" محمود حسن نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ میں امریکہ گیا تھا؟"

"ہاں مجھے علم تھا اور میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

"غزل سے بھی ملاقات ہوئی میری۔"

"ضرور ہوئی ہو گی ظاہر ہے امریکہ گئے تو کیا بیٹی سے نہ ملتے۔"

"[illegible]ر غزل نے مجھے ایک ایسی عجیب کہانی سنائی ہے جسے سن کر میں دنگ رہ گیا ہوں۔"

"خدا کے لئے مجھے بتاؤ تو [illegible] کیا بات کیا کہانی سنائی ہے اس نے، حسن کیسا ہے؟"

"حسن بالکل ٹھیک ہے۔"

"خدا کا شکر ہے اب آگے بتاؤ؟"

"آگے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے موقف میں چٹانوں سے زیادہ سخت ہے اتنا سخت کہ ہم میں سے کوئی اس کے عزائم میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتا۔"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ وہ غزل سے شادی کبھی نہیں کرے گا۔"

"اور کیا غزل نے اس سلسلے میں کوشش کی تھی؟"

"ہاں اور ہم دونوں باپ بیٹی ایسی حماقتوں کا شکار ہو گئے تھے کہ اگر حسن ہماری عزت کی حفاظت نہ کرتا تو ہم کتے کی موت مارے جاتے۔ ایسا بھیانک المیہ ہو جاتا ہماری زندگی میں کہ پھر ہم اسے کبھی نہیں ٹال سکتے تھے۔"

"کیا ہوا؟" محمود حسن نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا اور بیرسٹر ہاشم علی نے اسے غزل کی سنائی ہوئی پوری داستان سنا دی۔ محمود حسن سکتے میں رہ گئے تھے کافی دیر تک وہ بیرسٹر ہاشم علی کے خاموش ہونے کے بعد خاموشی سے گردن جھکائے سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"میں اس داستان سے ایک عجیب سی بات محسوس کر رہا ہوں ہاشم علی۔"

"کیا؟"

"اصل میں بس کچھ ایسے ہی تاثرات تھے میرے ذہن میں، میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ اسے تنہا امریکہ نہیں بھیجوں گا کیونکہ امریکہ سے جو داستانیں وطن پہنچتی ہیں وہ بڑی الم ناک ہوتی ہیں نوجوان تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں اور واپس آتے ہیں تو ایک مقامی لڑکی بیوی کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہوتی ہے یا پھر وہ وہاں کی برائیوں میں اس طرح بھٹک جاتے ہیں کہ پھر کبھی وطن واپس نہیں آتے تمہارے اس انکشاف نے یہ احساس دلایا ہے کہ حسن ان دونوں میں سے کسی مسئلہ میں نہیں الجھا۔"

"کمال کی بات کرتے ہو محمود، بات ہر شخص کی تو نہیں ہوتی اور پھر حسن بھئی اب تو تم یقین کرو کہ میں اس کا اتنا گرویدہ ہو گیا ہوں کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ تو ایک [illegible] نوجوان ہے اس جیسے آئیڈیل نوجوان تو دوسروں کے محافظ بن جاتے ہیں اور اپنی زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں۔ حسن نے ایسا ہی کیا ہے وہ بھٹکنے والوں میں سے نہیں بلکہ بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھانے والوں میں سے ہے۔"

"تمہارے ان الفاظ نے میرا کلیجہ بڑھا دیا ہے لیکن اب مجھے بتاؤ ہاشم علی کہ میں کیا کروں؟"

"[illegible] ساتھ ساتھ ہی میں ایک اور انکشاف بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"[illegible] کیا؟" محمود حسن [illegible]

"غزل نے بڑے خلوص کے ساتھ حسن کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا ہے اور میں اس کی تصدیق کر آیا ہوں۔"

"کیا؟"

"ہاں۔" بیرسٹر ہاشم علی نے پرسکون لہجے میں کہا اور محمود اسے دیر تک دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ باب بند؟"

"ہاں۔ لیکن محمود حسن میں تم سے ایک درخواست کر رہا ہوں۔ وہ یہ کہ حسن کو اس طرح نہ گنواؤ۔ اس بات کو تسلیم کرو کہ ہم اسے سمجھ نہیں سکے تھے۔ اس کے لئے کچھ کرو۔"

محمود حسن نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی۔

❑

محمود حسن گھر میں داخل ہو گئے' گھر کا ماحول ہرچند کہ بظاہر بہتر تھا لیکن حسن کے چلے جانے سے جو کمی پیدا ہو گئی تھی اسے پر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سب کچھ ہوتا تھا' ترنم اور عزیزہ خوش رہنے کی کوشش کیا کرتی تھیں لیکن ان کی مسکراہٹوں میں ایک دکھ نمایاں ہوتا تھا جسے محمود صاحب نے بہت بار محسوس کیا تھا۔ آج وہ بھی کچھ ست ست سے نظر آئے کھانا کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں ایک نشست ہوا کرتی تھی' اس کا آغاز ہو گیا' فرزانہ بیگم نے شوہر کی کیفیت کو محسوس کر لیا' ہمدردی سے بولیں۔ "کیا بات ہے خیریت' طبیعت کچھ خراب ہے؟"

"نہیں ٹھیک ہوں۔" محمود حسن آہستہ سے بولے۔

"کوئی بات ہے ضرور' کیا بات ہے' بتائیں گے نہیں آپ؟"

"حسن یاد آ رہا ہے۔" محمود حسن نے کہا اور سب چونک پڑے یہ تو سبھی کا غم تھا' دونوں بہنیں بھی بھائی کے لئے تڑپتی اور ترستی تھیں' فرزانہ بیگم دکھ بھرے انداز میں خاموش ہو گئیں اس سلسلے میں شوہر سے کبھی کسی سختی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا' لیکن چہروں پر دکھ تو نمایاں ہو ہی جاتا ہے' محمود حسن نے سب کو خاموش دیکھا تو بولے۔

"ایک اور کوشش کی تھی میں نے لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"کیسی کوشش ابو؟" ترنم بولی۔

"اس دن تم سے گفتگو کرنے کے بعد اتفاق سے بیرسٹر ہاشم علی مل گئے ان سے بات چیت ہوئی' بہت اچھے انسان ہیں ہماری مشکل کو اپنی مشکل سمجھتے ہیں' امریکہ جا رہے تھے کہنے لگے اب وہ اس سلسلے میں کوشش کریں گے' امریکہ جا کر غزل سے ملے' غزل کو اجازت دی کہ حسن سے رابطہ کرے اور ایک بار پھر کوشش کرے کہ حسن اس کی جانب رجوع ہو جائے سارا مسئلہ حل ہو جاتا۔"

"پھر کیا ہوا؟" فرزانہ بیگم بے اختیار بولیں۔

"غزل نے کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی اور کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ غزل جذباتی ہو گئی۔ حسن نے اسے بہن کا مقام دے دیا اور غزل خلوص دل سے اسے اپنا بھائی تسلیم کرنے پر تیار ہو گئی۔ واقعہ کچھ ایسا ہی تھا کہ حسن نے غزل کی آبرو بچا لی تھی۔ خیر فرزانہ بیگم اس کی جانب سے کبھی کسی ایسی بات کا احساس تو مجھے کبھی نہیں ہوا کہ خدانخواستہ اس کا کردار خراب ہو جائے گا لیکن بس مجھے ایک خوف تھا' جس سے یہ چاہا کہ اس کی شادی ہو جائے تب میں اسے امریکہ بھیجوں' منع تو نہیں کیا تھا میں نے اسے' ایک بار پھر وہی الفاظ دہراؤں گا' مجھے بتاؤ' میں نے مرزا سخاوت بیگ سے کیا کچھ نہیں کہہ دیا تھا' ہر طرح کی پیش کش کر دی تھی میں نے' ارے کہیں تو تعاون کرتا وہ' جاہل قسم کا آدمی' جہالت کی گفتگو کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا اس نے' میں بھی انسان ہوں مجھے غصہ آ گیا' حالانکہ میں نے سب خلوص کے ساتھ کہا تھا' وہ بچی بہت اچھی ہے مگر ہم زبردستی تو نہیں لا سکتے تھے۔ اپنے گھر حسن بھی مان لیتا پھر وہ مان لیتی' انتظار کر لیتے' کوئی ایسی بات نہیں تھی اور پھر یہ دیکھو کہ اب ان کے گھر بہتری کی کیا امید ہے' کیا کریں گے وہ' دونوں بیٹے چھوڑ کر چلے گئے' مرزا سخاوت بیگ اپاہج ہو گئے اب کیا آسمان سے دولت برسے گی' جو بیٹی کے لئے وہ اپنی آرزوؤں کو پورا کریں گے' کچھ تو تعاون کیا ہوتا انہوں نے میرا ہی کیا قصور تھا۔"

عزیزہ باپ کے پاس آ بیٹھی اور کہا۔ "ڈیڈی اب آپ دوبارہ کوشش نہیں کر سکتے؟"

"کیا مطلب؟"

"ایک بار پھر اگر ہم مرزا سخاوت بیگ کے ہاں جا کر یہ کوشش کر لیں تو کیا حرج ہے' اب جبکہ آپ کے دل میں گنجائش پیدا ہوئی ہے ڈیڈی ایک دفعہ پھر بات کر لیں ان سے' ان سے پوچھیں کہ وہ خود بتا دیں کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں' جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں ہم مان لیں گے۔ کسی طرح تو حسن بھائی گھر واپس آئیں۔"

"بڑا عجیب سا معاملہ ہے' میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ خود امریکہ جا کر حسن سے ملوں' اس سے بات کروں لیکن اب صورت حال سنگین ہو گئی ہے' وہ تعلیم حاصل کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اپنی تعلیم مکمل کر لے گا' وہ میری مدد کے بغیر' حالانکہ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا اس کا اور مجھے بھی اس پر فخر ہو گا لیکن یہ بتاؤ کیا اس کے بعد وہ ہمیشہ یہ نہیں سوچے گا کہ اس نے مجھے گھٹنے ٹکانے پر مجبور کر دیا۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ڈیڈی آخر وہ آپ ہی کا خون ہے' سوچ بھی لیتے ہیں تو ایسی کون سی مشکل پیش آ جائے گی رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"بھئی اب میں تم لوگوں کا راستہ روکنا نہیں چاہتا' جو کچھ مناسب سمجھتی ہو ضرور کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں [illegible] میں کیا کروں؟"

"ڈیڈی آپ ہمارے ساتھ چلئے' سب چلتے ہیں' ہم سب اس سلسلے میں بات کریں گے ان لوگوں سے۔"

"عجیب سا لگے گا وہ بدتمیز آدمی الٹی سیدھی باتیں کرے گا اور حالات پھر بگڑ جائیں گے۔"

"نہیں ہم حالات بگڑنے نہیں دیں گے۔ ایسی ہی باتیں کریں گے۔"

"کر لو تم لوگ کوشش کر لو' میں تو اب ہر طرح سے شکست تسلیم کر چکا ہوں۔"

سب خوش ہو گئے بھلا دیر کس بات کی تھی سب نے تیاریاں کیں اور اس کے بعد سب مرزا سخاوت بیگ کی جانب چل پڑے' سب کے دلوں میں عجیب سے احساسات تھے۔

مرزا سخاوت بیگ کے دروازے پر فرزانہ بیگم نے دستک دی تھی اور فرخندہ نے دروازہ کھولا تھا۔ ان سب کو دیکھ کر بھونچکی رہ گئی اور پھر خوشی خوشی اندر جا کر محمود حسن صاحب کے آنے کی اطلاع دی' مرزا صاحب وہیل چیئر پر صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ محمود حسن کا نام سن کر ناک چڑھائی' فیروزہ بیگم نے خوش دلی سے ان لوگوں کا استقبال کیا تھا' محمود حسن صاحب اپنے اہل خانہ کے ساتھ اندر داخل ہو گئے' گھر کا ماحول دیکھا' حیرت ہوئی کافی بہتر حالات نظر آ رہے تھے۔ مرزا صاحب وہیل چیئر پر تھے جو کافی قیمتی تھی' گھر کی شکل و صورت نمایاں طور پر بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ خوش ہوئے' مرزا صاحب کو سلام کیا' جس کا انہوں نے جواب دیا۔ وہیں کرسیاں ڈال دی گئیں اور وہ لوگ بیٹھ گئے۔ تابندہ بھی موجود تھی۔ خوشی سے ترنم اور عزیزہ سے ملی' فرزانہ بیگم کو سلام کیا' فیروزہ بیگم وغیرہ بھی خوش ہو گئی تھیں لیکن ان لوگوں کی آمد سے تابندہ کے اندر جو ہلچل پیدا ہوئی ہو گی اس کا کسی کو اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ فرزانہ بیگم' فیروزہ بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کے پاس آ بیٹھیں اور مرزا صاحب بولے۔

"کہئے فرزانہ بیگم آج اس غربت کدے کی یاد کیسے آ گئی' میرا خیال ہے ہم لوگ ایک دوسرے کو بھول چکے تھے۔"

"نہیں بھائی صاحب' آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں' ہم نے تو ہر لمحہ آپ کو یاد رکھا۔"

"اچھا اس دنیا میں' اس دور میں یہ بھی ہوتا ہے۔"

"کیوں نہیں بھائی صاحب' انسان اپنوں کو اتنی آسانی سے تو نہیں بھول جاتا۔"

"اچھا اچھا' چلو ہمیں یہ پتا چل گیا کہ ہم اپنوں میں شمار ہوتے ہیں۔"

"بھائی صاحب ایک سوال کرنا چاہتی ہوں میں آپ سے؟"

"کر لو آئی ہو تو جواب دینا ہی پڑے گا۔"

"یہ بتائیے آپ نے ہم سے رشتے کیوں توڑ لئے؟"

"بس اپنے حالات ہوتے ہیں' جس انداز میں آپ لوگ ان رشتوں کو قائم رکھنا چاہتے

تھے مجھے وہ پسند نہیں آیا' بات ختم ہو گئی۔"

"بات اتنی آسانی سے ختم نہیں ہو جاتی بھائی صاحب' رشتے بڑی مشکل سے ذہنوں میں بنتے ہیں' انہیں ذہنوں سے نکالنا اتنا آسان کام تو نہیں ہوتا۔"

"یعنی اب باسی کڑھی میں پھر کوئی ابال آ رہا ہے؟"

"کڑھی باسی نہیں ہوئی ہے بھائی صاحب وہ تو تازہ ہے ابھی بالکل۔"

"بھئی کیا کہنا چاہتے ہو' میں ذرا جاہل قسم کا آدمی ہوں باتیں دیر سے سمجھ میں آتی ہیں' کیا کہنا چاہتے ہو' مجھے بتاؤ؟"

"بھائی صاحب وہ رشتہ ٹوٹا نہیں گیا۔"

"بڑی احمقانہ بات ہے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"نہیں' احمقانہ بات نہیں ہے' ہمیں اس سلسلے میں سنجیدگی سے سوچنا ہو گا۔"

"تم سوچنے کے شوقین ہو تو ضرور سوچو۔ مجھے تو یہی تعجب ہے کہ اس موضوع کو لے کر دوبارہ یہاں آنے کی ہمت ہی کیسے کی تم نے؟" مرزا صاحب بولے۔

"اب تو یہ ہمت کر ہی ڈالی ہے مرزا صاحب۔" محمود حسن عاجزی سے بولے۔

فرزانہ بیگم نے آنسو بھری آواز میں کہا۔

"بھائی صاحب' کچھ سوچئے' خدا کے لئے سوچئے' میں آپ کی منت کرتی ہوں۔"

"ایک تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ لوگ کس ڈھٹائی سے دوسروں کے گھر میں مشکلات لے کر آ جاتے ہیں۔ میاں محمود تم بہت بڑے آدمی ہو لیکن ہم چھوٹوں میں ایک بات ضرور ہوتی ہے وہ یہ کہ ہم زبان کے پکے ہوتے ہیں۔ جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ اب کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"گنجائش تو نکالی جاتی ہے۔ مرزا صاحب۔"

"بے وقوف نہ بناؤ مجھے۔ میں نے جو کہہ دیا ہے۔ وہ پتھر کی لکیر ہے۔"

"پتھر کی لکیر تو نہیں ہے مرزا صاحب۔ آپ نے بیٹی کی منگنی کس منہ سے کی تھی' کیا لوگ اس طرح رشتے توڑ دیتے ہیں' بتائیے' میں نے کیا کیا تھا' میں نے تو عزت سے مانگی تھی۔ کیا میں نے اس کے لئے کوئی غلط طریقہ استعمال کیا تھا؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ تو کہہ رہا ہوں۔ کون سا غلط کام کیا تھا میں نے۔ آخر یہ کام مکمل تو کرنا تھا۔ ہمارے حالات نہیں تھے۔"

"میں نے تو آپ کو ایک مخلصانہ پیش کش کی تھی۔"

"مرزا صاحب! بیٹیوں پر پیسہ آپ کے ہاں لیا جاتا ہو گا ہم لوگ ایسا نہیں کرتے۔"

محمود حسن تلملا کر رہ گئے پھر بولے۔ "میں جانتا ہوں آپ جاہل آدمی ہیں' اس

بد تمیزی کے سوا آپ کیا کر سکتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو منع کیا تھا مگر یہ نہ مانے۔"

"اصل بات کیوں نہیں کہتے محمود حسن؟"

"اصل بات' وہ۔"

"تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ اب سونے کی چڑیا سونے کے انڈے دینے لگی ہے' تم نے سوچا کہ ارے' اس چڑیا کو ہاتھ سے کیسے چھوڑا جائے۔"

"مطلب؟ میں سمجھا نہیں' تابندہ کوئی نوکری کرنے لگی ہے؟"

"بننے کی کوشش مت کرو۔ ساری معلومات کر کے آئے ہوں گے۔"

"اوہو تو یہ قصہ ہے۔ ہاں کچھ شبہ تو ہوا تھا مجھے۔ آپ کے اس منحوس گھر میں کہ رونق نظر آئی تھی مجھے۔ اس کی وجہ تابندہ ہے مجھے معلوم نہیں تھا۔ اٹھئے فرزانہ بیگم ل معاملہ صاف ہو گیا ہے۔ مرزا صاحب جسے سونے کی چڑیا کہہ رہے ہیں اسے وہ اپنے ہاتھ کیسے اڑائیں گے۔ وہ ان کے مستقبل کا سہارا بن چکی ہے اب' اب آپ لاکھ سر پٹخ لیں نہیں ہو گا۔ اٹھئے۔"

"اٹھ ہی جایئے تو زیادہ بہتر ہے' ورنہ پڑوسیوں کو آواز دے کر اٹھوانا پڑے گا۔" م صاحب بولے اور محمود حسن تلخی سے مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔ لڑکیاں آنسو بہاتی ہوئی ا نکل آئی تھیں۔

□

تین دن گزر گئے تھے۔ میڈم گارمنٹ سٹی نہیں آئی تھی۔ شامی کو حیرت تھی۔ صاحب نے بتایا تھا کہ اس نے فون کیا تھا اور بتایا تھا کہ وہ خیریت سے ہے اور کسی کام مصروف ہے۔ اس کے بارے میں تردد نہ کیا جائے۔ اس لئے یہ تشویش بھی نہیں تھی کسی مشکل کا شکار نہ ہو گئی ہو۔

بہرحال شامی کی الجھن برقرار تھی۔ میڈم اس سے بہت بے تکلف ہو گئی تھی مگر بھی وہ شامی کے لئے ایک پراسرار عورت تھی۔ وہ کہاں ہے شامی کو کچھ معلوم نہیں تھا اس وقت بھی وہ اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ ڈاکٹر اعجاز آ گئے۔ سلام کر کے اندر تھے۔ شامی نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

"آیئے ڈاکٹر صاحب کہئے مزاج کیسے ہیں؟"

"ہم تو ٹھیک ہیں' آپ سنایئے؟"

"ٹھیک ہوں' چائے پئیں گے؟"

"پلوا دیجئے۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا اور شامی نے انٹر کام پر چائے کے لئے کہہ دیا

"کہئے۔ آپ کا جہاد کیسا چل رہا ہے؟" ڈاکٹر اعجاز نے مسکرا کر کہا۔

"جہاد؟"

"یہ ہم سے زیادہ اور کون جانتا ہے۔ ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ باکمال شخصیت بنجر میں جونک لگانا آسان کام نہیں ہوتا۔"

"کچھ وضاحت کریں گے؟" شامی نے ڈاکٹر اعجاز کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ وہی پرانی بات جس پر ہماری گفتگو ہو چکی ہے۔ سنا ہے ں گئی ہوئی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں؟"

"آپ ضرور مجھے نوکری سے نکلوائیں گے ڈاکٹر صاحب۔" شامی مسکرا کر بولا۔

"ایں' کیوں؟"

"اب اتنی کھوج میں تو نہیں رہ سکتا۔"

"گویا آپ کو بھی نہیں معلوم؟"

"قطعی نہیں۔ تین دن ہو گئے' کسی کو بھی نہیں معلوم۔ ویسے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ موڈ کیسا چل رہا ہے آج کل؟"

"ٹھیک تھا' کوئی خاص بات نہیں تھی۔"

"پہلے خاص بات ہر دوسرے تیسرے دن ہوتی رہتی تھی۔ اب کافی افاقہ ہے اور اس جہ آپ ہیں شامی صاحب۔"

"میں خود نہیں سمجھ سکا کہ میں کیسے ہو سکتا ہوں۔ بس وہ میرے ساتھ مہربانی کا سلوک ا ہیں۔"

"خیر وہ صرف اوپر سے سخت ہیں۔ گارمنٹ سٹی میں کسی کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا نے۔"

ڈاکٹر اعجاز چائے پی کر رخصت ہو گئے لیکن شامی کے ذہن میں شدید کرید پیدا ہو گئی ہ اتنی اہم بات بھی نہیں تھی۔ اس کے تمام مشاغل تو نہیں معلوم ہو سکتے تھے اسے ر بھی کوئی پتا تو چلتا' کچھ تو معلوم ہوتا۔

ن شام چھٹی کر کے جا رہا تھا۔ فراز سے طے ہو چکا تھا کہ وہ امینہ بیگم کے ہاں چلا گا اور شامی وہیں آ جائے گا۔ راستے میں انعام احمد نظر آ گئے۔ اسے ہاتھ کا اشارہ کر لیا۔ سامنے ہی ایک ریسٹوران نظر آ رہا تھا۔

"عورت کی تو فطرت میں ہی بے وفائی ہے مگر مرد بھی اتنے بے وفا ہوتے ہیں تمہیں اندازہ ہوتا ہے۔"

"یہ انعام احمد صاحب۔"

"آؤ ایک پیالی چائے ہمارے ساتھ بھی پی لو۔ رسم دنیا بھی ہے اور ریستوران بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے، جو حکم۔" شامی نے کہا اور انعام احمد کے ساتھ ریستوران میں جا بیٹھا۔ انعام احمد نے ویٹر سے چائے کے لئے کہا پھر بولے۔

"سناؤ تمہاری میڈم کے کیا حال ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ ویسے آپ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

"بھئی میدان تو کیا چھوڑتے، بس یہ احساس ہو گیا کہ ان کوششوں میں اپنی عمر میلی کر بیٹھے۔ ایک منصوبہ تھا ذہن میں جس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ گارمنٹ سٹی کو پورے میں روشناس کرانا چاہتے تھے لیکن اس کی تقدیر میں نہیں تھا ہم کیا کرتے۔"

"آپ نے چلہ ہی پورا نہ کیا۔"

"اماں لاحول بھیجو۔ جان بچ گئی یہ کیا کم ہے۔"

"ویسے انعام احمد صاحب۔ ایک بات پورے خلوص سے بتایئے آپ گارمنٹ سٹی حاصل کرنا چاہتے تھے یا میڈم کو؟"

"دونوں کو۔"

"آپ کا مطلب کیا تھا؟"

"اپنا مفاد" انعام احمد نے کہا۔ "سمجھ رہے ہو نا میری باتیں۔ ایک پنتھ دو کاج چھوڑو، اب کچھ اور سوچ رہا ہوں میں۔"

"کیا؟"

"میری فیکٹری جوائن کر سکتے ہو، جو تنخواہ یہاں سے ملتی ہے اس کو دو سے ضرب دے لو۔ تمام سہولتیں جو یہاں ملتی ہیں دوں گا۔ سوچ لو جب دل چاہے آ جاؤ۔"

"بہت بہت شکریہ، ضرور سوچوں گا۔"

چائے پیتے ہوئے انعام صاحب بولے۔ "ویسے موصوفہ کچھ بیمار ہیں کیا؟"

"میڈم؟"

"ہاں۔ کل کینیڈین اسپتال میں دیکھا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے بجائے نے ورنہ ہیلو تو کر ہی لیتا۔"

شامی چونک پڑا۔ اس نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ "میڈم کو دیکھا تھا اسپتال میں؟"

"ہاں۔ وہی تھیں۔ ہاتھ میں باسکٹ پکڑے اسپتال میں داخل ہو رہی تھیں۔ بڑی گریس فل عورت ہے۔"

"کل دیکھا تھا؟"

"ہاں ہاں کل، کوئی حیرت کی بات ہے؟"

"نہیں یونہی پوچھ لیا تھا۔ ممکن ہے کسی عزیز کو دیکھنے گئی ہوں۔"

"ہاں ممکن ہے۔ خیر میاں چھوڑو، جب آم نہیں کھانے تو پیڑ گننے سے کیا فائدہ، تو پھر کیا سوچ رہے ہو؟"

"کہاں؟"

"بھئی میرے پاس۔" انعام احمد نے کہا۔

"سوچ کر بتاؤں گا۔" شامی نے کہا اور اپنی چائے حلق میں انڈیل کر کھڑا ہو گیا۔ "چائے کا شکریہ۔ خدا حافظ۔" اس نے کہا اور انعام احمد کو ہکا بکا چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ میڈم کو اسپتال جانے کی کیا ضرورت ہے؟ تین دن سے وہ بغیر اطلاع غائب ہے، کوئی نہیں جانتا کہ کہاں ہے اور اب پتا چلا تھا کہ اسے کینیڈین اسپتال میں دیکھا گیا ہے، اوہ ایک غلطی ہو گئی انعام احمد صاحب سے یہ نہ پوچھا کہ کینیڈین اسپتال کہاں ہے؟ پوچھ لیتا تو آسانی ہو جاتی لیکن کرنا کیا چاہئے اگر اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے تو کیا اس کے پاس وہاں جانا مناسب ہے؟ ابھی تو ایک حد تو قائم ہے۔ خالص ذاتی معاملات میں ابھی تک اس نے شامی کو مقام نہیں دیا۔ برا نہ مان جائے کہ اس کی کھوج میں وہاں تک کیوں پہنچا پھر دل میں سوچا کہ جانا ضروری ہے۔ دیکھا تو جائے کہ معاملہ کیا ہے لیکن کینیڈین اسپتال؟ بہرحال یہ مشکل کام بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دیا اور ٹیلی فون کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ پہلے امینہ بیگم کے ہاں ٹیلی فون کر کے فراز کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں اور اس کے بعد کینیڈین اسپتال کے بارے میں۔

میڈیکل اسٹور کے مالک نے خوش اخلاقی سے ٹیلی فون اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس نے امینہ بیگم کے فلیٹ کے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف سے انیلا نے فون اٹھایا تھا۔

"انیلا بول رہی ہیں شاید؟" شامی نے کہا اور دوسری طرف خاموشی سی چھا گئی پھر آواز آئی۔

"ہیلو"

"ہاں۔ مس انیلا بول رہی ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"میں شامی بول رہے ہیں۔"

"اوہو۔ شامی بھائی۔ کہاں سے بول رہے ہیں آپ؟"

"ٹیلی فون سے۔" شامی نے جواب دیا اور انیلا کی ہنسی سنائی دی پھر اس نے کہا۔

"ٹیلی فون سے تو میں بھی بول رہی ہوں۔"

"بڑی اچھی بات ہے کہ ہم دونوں ٹیلی فون سے بول رہے ہیں۔ فراز آ گئے؟"

"نہیں ابھی تک نہیں آئے۔ امی کو بلاؤں؟"

"نہیں بیٹا' بس آپ امی سے اتنا کہہ دیجئے کہ ہمیں آنے میں کچھ دیر ہو جائے گی فراز آئیں تو ان سے بھی یہ کہہ دیجئے گا کہ شامی بھائی دیر سے آئیں گے' کچھ کام پڑ گیا ہے جسے کرنا ضروری ہے۔"

"جی اچھا۔"

"بس اب کیا خیال ہے ٹیلی فون بند کر دیں؟"

"آپ کی مرضی ہے۔" انیلا نے جواب دیا اور شامی نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا پھر جیب سے پیسے نکال کر میڈیکل اسٹور کے مالک کو دینے لگا تو وہ ہنس کر بولا۔

"نہیں جناب' یہ پی سی او نہیں ہے لیکن کسی شریف آدمی کا کام نکل جائے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"بے حد شکریہ۔ آپ نے جب اتنی عنایت کی ہے تو ایک بات اور بتا دیجئے گا۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"چونکہ آپ کا تعلق بھی اس سے ہے اس لئے میں آپ سے سوال کر رہا ہوں' آپ کینیڈین اسپتال کے بارے میں جانتے ہیں؟"

"مشہور اسپتال ہے آپ کینیڈین مینٹل ہاسپٹل کی بات کر رہے ہیں ناں؟"

"شاید۔ میں تو اسے کینیڈین اسپتال کی حیثیت سے ہی جانتا ہوں۔"

"ایک ہی ہے پورے شہر میں' حکومت کینیڈا نے قائم کیا ہے رائٹ روڈ پر رائٹ روڈ پہنچنے کے بعد بائیں سمت سڑک پر مڑ جایئے کارنر سے کینیڈین اسپتال شروع ہو جاتا ہے' خاصا بڑا اسپتال ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" شامی نے جواب دیا اور پھر وہ میڈیکل اسٹور سے باہر نکل آیا ایک نیا انکشاف تھا کہ کینیڈین اسپتال' مینٹل اسپتال ہے' میڈم کا اس اسپتال سے کیا تعلق کہاں غائب ہے وہ تین دن سے؟ ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اچانک ہی وہ غائب ہو گئی تھی اور اس سے پہلے شامی نے کبھی اس کے منہ سے کینیڈین اسپتال کا نام نہیں سنا کیا وہ اپنا دماغی علاج کرا رہی ہے' ویسے نفسیاتی مریضہ تو وہ تھی یقین کیا اسے خود احساس ہے' نہ جانے کیا کیا سوچیں دامن گیر ہو گئیں اور انہی سوچوں میں یہ سوچ بھی تھی کہ کس الجھن میں پڑ گیا ہوں' ایک اچھی ملازمت ہے' اچھی تنخواہ ملتی ہے' ماحول بہترین ہے۔ اب اگر اس میں دوسرے معاملات شامل کر لئے جائیں تو یہ مناسب نہیں ہے۔ کوئی بھی لمحہ مشکل کا لمحہ ہو سکتا ہے۔ وہ برا بھی مان سکتی ہے اس بات بے شک اس کا رویہ بعض اوقات بڑا عجیب ہوتا ہے اور یہ سوچ ذہن تک پہنچ جاتی بھی مجھ سے متاثر ہے لیکن اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو کہیں نہ کہیں سے تو جھلکتی

نہیں جانا چاہئے؟

ان تمام سوچوں کے ساتھ وہ رائٹ روڈ پہنچ ہی گیا اور پھر دور ہی سے اسے کینیڈین اسپتال کے سائن نظر آ گئے اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر بائیں سمت والی گلی سے آگے بڑھتا چلا گیا تھوڑے فاصلے پر ایک شاپنگ آرکیڈ تھا۔ اس کے پارکنگ پر گاڑی کھڑی کی گاڑی لاک کر کے نیچے اتر آیا پھر تھوڑا سا فاصلہ پیدل طے کر کے وہ کینیڈین اسپتال میں داخل ہو گیا۔ بہت ہی صاف ستھرا اور قیمتی اسپتال تھا۔ اس نے اسپتال کے پارکنگ لاٹ پر میڈم کی گاڑی تلاش کی اور چند لمحات کے بعد اسے گاڑی نظر آ گئی۔ شامی ایک بار پھر سوچ میں کھو گیا تھا۔ میڈم کی گمشدگی کا معمہ حل ہو گیا تھا۔ کسی کو بتائے بغیر وہ ایک دماغی اسپتال میں داخل ہو گئی تھی لیکن اسپتال بہت بڑا تھا' اسے کہاں تلاش کیا جائے۔ بات وہی آ جاتی تھی اگر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے تو یہ بھی نہیں دیکھ سکتا اسپتال کے رجسٹر میں کہ وہ کس نام سے یہاں داخل ہے۔ بڑی عجیب بات تھی کہ کسی کو میڈم کا نام ہی نہیں پتا تھا۔ یہ نام اس نے اس طرح صیغہ راز میں رکھا ہوا تھا کہ تعجب ہوتا تھا بے شک کاغذات پر اس کے سائن ہوا کرتے تھے لیکن سائن اس انداز میں الجھے ہوئے ہوتے تھے کہ غیب ہوتا تھا شامی نے ایک بار پھر سوچا بھی تھا کہ اس کے اکاؤنٹ سے یہ بات معلوم کرے کہ یہ اکاؤنٹ کس نام سے کھلا ہوا ہے لیکن پھر اس بات پر عمل درآمد نہیں کر سکا تھا' ویسے باہر سے جتنے بھی چیک آتے تھے وہ سب گارمنٹ سٹی کے نام سے ہوا کرتے تھے۔

شامی نے دل ہی دل میں تسلیم کیا کہ وہ ایک پراسرار عورت ہے۔

وہ اسپتال کی راہداری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ سامنے سیڑھیاں بھی نظر آ رہی تھیں جو سنگ مرمر سے بنی ہوئی تھیں ان سیڑھیوں کے بائیں سمت دو لفٹیں نظر آ رہی تھیں۔ شامی سیڑھیوں سے اوپر چڑھنے لگا۔ اس طرح بغیر کسی معلومات کے کسی کے بارے میں کچھ پتا کہاں چلایا جا سکتا تھا۔ بہت مشکل کام تھا' بس اگر وہ کہیں نظر ہی آ جائے تو دوسری بات ہے شامی کو احساس ہوا کہ وہ صرف متجسس ہی نہیں بے چین بھی ہے۔ اس وقت میڈم کی تلاش میں صرف کچھ جان لینے کا جذبہ نہیں بلکہ دل کی بے قراری بھی ہے۔ کیوں؟ آخر کیوں

حالانکہ ساری زندگی اپنے آپ سے مذاق کیا تھا۔ کبھی ان فضولیات میں سنجیدہ نہیں ہوا لیکن میڈم؟! مذاق ہی مذاق میں کہیں یہ عورت وبال جان نہ بن جائے۔ اس وقت کی کیفیت تو یہی ظاہر کر رہی تھی۔

سیڑھیوں نے اسے پہلی منزل پر پہنچا دیا۔ وہ اوپر بھی گئی تھیں لیکن شامی راہداری میں پہنچ گیا اور کمروں کی قطار کے سامنے سست روی سے گزرتا چلا گیا۔ لوگ آ جا رہے تھے بے شک یہ اسے تلاش کرنے کا کوئی موثر ذریعہ نہیں تھا لیکن بس ایک موہوم سی

امید تھی شاید وہ نظر آ جائے۔

راہداری بہت وسیع تھی اور ایک جگہ جا کر گھوم گئی تھی۔ وہ اس کے آخری سرے تک پہنچ گیا پھر بالکل آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے اسپتال کا عقبی پارک نظر آتا تھا جہاں خوب صورت پھول کھلے ہوئے تھے' گھاس لگی ہوئی تھی' بینچیں پڑی ہوئی تھیں اور ان بینچوں میں سے ایک پر' اس نے میڈم کو دیکھا لیکن وہ تنہا نہیں تھی۔ ایک خوب صورت لڑکی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ میڈم پیار سے اس کی پیشانی کے بال سنوار رہی تھی۔ شامی دیکھتا رہ گیا۔ لڑکی بالکل اجنبی تھی۔ "کون ہے یہ؟" شامی نے سوچا۔

بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کبھی کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ ویسے دیوانی عورت تھی۔ کوئی بھی سنک سوار ہو سکتی تھی اس پر' کسی کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔ دولت کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ امینہ بیگم کے لئے ہی اتنا کچھ کر ڈالا تھا حالانکہ اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی کردار ہو سکتا ہے جو جی کو لگ گیا ہو' اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے مصروف کر ڈالا۔

بہرحال جو کچھ بھی تھا میڈم کا کردار بے حد عجیب تھا' شامی تجسس میں ڈوبا رہا' اس طرح وہ اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میڈم سے ایک ذہنی رابطہ بھی تھا' چنانچہ وہ وہیں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ وہ دونوں بہت دیر تک وہیں بیٹھی رہیں اور پھر اس کے بعد اٹھ گئیں۔ شامی محتاط ہو گیا۔ بڑی احتیاط سے ان لوگوں کو نگاہ میں رکھنا تھا۔ وہ اوپر آئیں اور اس کے بعد شامی اس وقت تک ان کا تعاقب کرتا رہا جب تک کہ وہ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے نہ رک گئیں' دروازے پر نمبر تین سو پندرہ لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہو گئی تھیں۔ شامی نے نمبر دیکھنے کے بعد ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد وہاں سے ہٹ آیا۔ یقیناً ان کا قیام اسی کمرے میں تھا۔ بعد میں وہ وہاں سے اتر کر ری سیپشن پر پہنچ گیا جہاں ری سیپشنسٹ خاتون ایک رجسٹر سامنے رکھے ہوئے کاموں میں مصروف تھیں' پھر اس نے آہستہ سے کاؤنٹر بجایا تو خاتون نے گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں کمرہ نمبر تین سو پندرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"تیسری منزل پر چلے جایئے۔ یہ کمرہ وہیں ہے۔"

"...' کچھ ذرا سی مس انڈر سٹینڈنگ ہو گئی ہے۔ مجھے اسی کمرے کا پتا بتایا گیا ہے ... جو خاتون اس کمرے میں مقیم ہیں ان کے بارے میں تفصیل نہیں بتائی گئی براہ کرم ... ذرا سی زحمت کیجئے گا۔"

"کیا کروں بھئی آپ بتایئے؟" ری سیپشنسٹ خاتون نے ناز بھرے انداز میں کہا۔ لگتا ... کافی عرصے سے ملازمت کر رہی ہیں اور اپنے کام میں پرفیکٹ ہو گئی ہیں۔

"خاتون! اس کمرے میں جو خاتون مقیم ہیں ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"ایک منٹ۔" ری سیپشنسٹ خاتون نے کہا اور اس کے بعد ایک اور رجسٹر نکال کر

کھول لیا' پھر کمرہ نمبر 315 دیکھا اور آہستہ سے بولیں۔

"اس کمرے میں جو خاتون زیر علاج ہیں ان کا نام مسز ایف بیگ ہے۔"

"مسز ایف بیگ؟"

"جی۔"

"ایکسکیوز می آپ بتا سکتی ہیں کہ یہ خاتون کب سے یہاں ہیں؟"

ریسپشنسٹ خاتون نے نگاہیں اٹھا کر شامی کو دیکھا پھر تیکھے لہجے میں بولی۔ "اس کے بعد آپ مجھ سے یہ سوال کریں گے کہ انہیں کیا تکلیف ہے؟"

"جی۔ کمال ہے آپ کو کیسے معلوم ہوئی یہ بات؟"

"دیکھئے مسٹر' یہ اسپتال ہے اور یہاں تفریح کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں' آپ ایسا کیجئے کہ اگر آپ تفریح کے موڈ میں ہیں تو کہیں اور چلے جایئے۔"

شامی کو غصہ آ گیا' ریسپشنسٹ خاتون شروع ہی سے عدم تعاون کا اظہار کرتی رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"جی۔"

"میرا مطلب ہے اگر مجھے ان خاتون کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہوں تو میں کہاں جاؤں؟"

"ڈیوٹی ڈاکٹر کے پاس چلے جایئے۔"

"ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"ڈیوٹی روم میں۔"

"ڈیوٹی روم کہاں ہے؟" شامی نے سوال کیا۔

"وہ سامنے ہے۔" ریسپشنسٹ خاتون انگلی اٹھا کر بولی۔

"بہت بہت شکریہ' بڑی مہربانی۔"

اور اس کے بعد شامی درحقیقت ڈیوٹی روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ ڈیوٹی روم میں ڈاکٹر موجود ہی نہیں تھا' بڑی دیر تک وہ اس کا انتظار کرتا رہا اور اس کے بعد جب ڈاکٹر واپس ہی نہیں آیا تو شامی نے خود واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ اب اس سے زیادہ سر کیا کھپا سکتا تھا' ویسے بھی سوچا تھا اس نے کہ ایسے ہی چہل قدمی کرتا ہوا روم نمبر 315 میں پہنچ جائے' کوئی بہانہ کرے کہ کسی شناسا کی تلاش میں آیا تھا' لیکن پھر نجانے کیوں اس نے اپنے اس فیصلے پر عمل در آمد نہیں کیا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا' لیکن اس کے دل میں تجسس کا دریا موجزن تھا' کون ہے وہ؟ اور میڈم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ بے شک میڈم ایک شریف عورت تھی اور اس طرح اتنی لگن' اتنی لگاوٹ کے ساتھ کسی سے رابطہ رکھے کہ گارمنٹ سٹی ہی چھوڑ دے۔ یہ ذرا کچھ زیادہ تھا۔

بہرحال پھر بھی اس نے اس بات کو اپنے ذہن میں رکھ لیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ میڈم کے بارے میں نہیں پوچھے گا' لیکن اس کے سلسلے میں معلومات ضرور حاصل کرے گا اور اگر ممکن ہو سکا تو میڈم کی مدد بھی کرے گا' جب وہ اس قدر نفیس اور نرم عورت ہے تو پھر اس کے لئے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔

□

گلزار' حسن کے ہاتھوں اچھی طرح پٹ گیا تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ حسن ایک مضبوط اور طاقتور نوجوان ہے اور اگر گلزار نے اس سے زیادہ مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو مزید مار کھا جائے گا۔ بہرحال حسن' غزل کو لے کر چلا گیا تھا اور گلزار کافی دیر تک وہیں پڑا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور اپنا حلیہ درست کرنے لگا۔ اسے اس سنگین صورت حال کا احساس تھا جو پیدا ہو گئی تھی اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس تمام کارروائی کا رد عمل کیا ہو گا۔ بظاہر حسن نے کچھ مختلف گفتگو کی تھی اور یہ احساس ہوتا تھا کہ اس حد تک کارروائی کرنے کے بعد شاید وہ مزید کوئی کارروائی نہ کرے لیکن اس کے باوجود امریکی قوانین سخت تھے اور اگر یہ کیس باقاعدہ پولیس کے پاس پہنچ جائے تو صورت حال سنگین ہو سکتی ہے۔ ایک طرف اس کے دل میں تشویش تھی تو دوسری طرف غصے کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

بہت دیر تک وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا اور یہ فیصلہ کرتا رہا کہ اسے اپنا بچاؤ کس طرح کرنا چاہئے' پھر ایک فیصلہ کرنے کے بعد وہ وہاں سے واپس پلٹا اور کچھ دیر کے بعد وہ ایک درمیانہ درجے کے ہوٹل کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ فوراً ہی ہاسٹل جانا مناسب نہیں تھا بلکہ یہ مناسب تھا کہ وہاں سے دور رہ کر مستقبل کے لئے مناسب فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے لئے ایک کمرہ حاصل کیا اور چابی لے کر کمرے کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں مقیم ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لئے ویٹر سے کچھ مشروب منگائے' ذہن کو پرسکون کرنے کے لئے مشروب کا سہارا ضروری تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اس کا آرڈر سرو ہو گیا اور وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر مشروب سے شغل کرنے لگا۔ ذہن میں جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے۔ خون کھول رہا تھا لیکن تنہا جذبات میں آ کر کوئی قدم اٹھانے سے بہتر ہے کہ سوچ سمجھ لیا جائے۔ یہاں اس کے ہم مسلک ایسے کئی دوست تھے جو اس کی دولت پر رنگ رلیاں مناتے تھے اور کئی مواقع پر اس کا ساتھ بھی دے چکے تھے۔ ان میں شہریار سرفہرست تھا۔ یہ بھی ایک نوجوان تھا' تعلیم کی غرض سے آیا تھا لیکن اس کے بعد امریکہ کی رنگ رلیوں میں کھو کر گھربار بھول گیا تھا۔ امریکی شہریت حاصل کرنے کے لئے اس نے کئی گھناؤنے چکر چلائے تھے اور آخر کار اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا تھا' بس یونہی موالی ٹائپ کا آدمی تھا دوسروں کی جیبوں پر عیش کرتا تھا۔ اس وقت شہریار کی یاد گلزار کے لئے بڑا سہارا ثابت

ہوئی تھی۔ سامنے رکھے ہوئے ٹیلی فون کے قریب پہنچ کر اس نے شہریار کا نمبر ملایا اور ریسیور
کان سے لگا لیا۔ چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔
"ہیلو۔" نسوانی آواز تھی، گلزار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"ہیلو۔"
"جی فرمایئے۔"
"کون ہیں آپ؟"
"جی۔"
"آپ کون ہیں اور آپ کی آواز اس قدر خوبصورت کیوں ہے؟"
"سر اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، لیکن آپ بتایئے کہ آپ کون ہیں؟"
"اور اگر میں آپ سے ضد کروں تو.....؟"
"میں آپ کی ضد مان لوں گی۔ میرا نام مونا گراہم ہے۔"
"اوہو آپ کا نام تو میں نے سنا ہوا ہے مس مونا گراہم آپ میرے دوست شہریار کی
دوست ہیں۔"
"جی، لیکن مجھے تعجب ہے۔"
"وہ کیوں....؟"
"شہریار میرا نام کسی اور کو بھی بتا سکتے ہیں۔"
"تو مس اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"
"بس شہریار ذرا مختلف قسم کے آدمی ہیں۔ اپنے دوستوں کو میرا نام کبھی نہیں بتاتے اور
نہ مجھے ان سے ملاتے ہیں۔"
"لیکن مس مونا کیا آپ شہریار کے فلیٹ پر ہی رہتی ہیں؟"
"جی عرصہ ہوا۔"
"گڈ، تب شہریار بہت کمینہ انسان ہے۔ واقعی اس نے مجھے کبھی اپنے فلیٹ پر مدعو نہیں
کیا۔ اب اس کی وجہ میری سمجھ میں آئی ہے۔"
جواب میں مونا ہنسنے لگی، پھر اس نے کہا۔ "فرمایئے۔"
"مس مونا شہریار موجود ہے؟"
"نہیں، وہ تو نہیں ہے۔"
"کہاں گیا ہوا ہے۔"
"کبھی بتا کر نہیں جاتے۔"
"آپ مستقل یہیں رہتی ہیں؟"
"جی ہاں، میں رہتی یہیں ہوں، لیکن ایک جنرل اسٹور میں سیلز گرل بھی ہوں اور

وہاں ڈیوٹی سرانجام دیتی ہوں۔"
"جنرل اسٹور کا نام نہیں بتایا آپ نے؟"
"پیکس جنرل اسٹور۔ یہ برائٹ سٹریٹ پر ہے۔"
"ویری گڈ، ویری گڈ، اگر میں آپ کو وہاں دیکھنا چاہوں تو....؟"
"بے کار ہے جناب۔"
"کیوں؟"
"بس آپ دونوں کی درمیان رقابت چل جائے گی، اصل میں آپ ایشیائی لوگ اس
سلسلے میں بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں۔"
"ہوں، بات تو صحیح ہے، خیر چلئے ٹھیک ہے، پھر کبھی سہی۔ شہریار کے ذریعے ہی آپ
سے ملاقات کریں گے۔ ویسے مس مونا اس سے پہلے بھی کئی بار میں نے شہریار کو فون کیا ہے
لیکن آپ سے کبھی بات چیت نہیں ہوئی۔"
"میں کیا کہہ سکتی ہوں سوائے اس کے کہ اس وقت میں وہاں موجود نہیں ہوں گی۔"
"چلئے ٹھیک ہے ایک میسیج تو دے دیں گی آپ میرا شہریار کو....؟"
"جی جی فرمایئے۔"
"کب رابطہ ہو گا اس سے آپ کا؟"
"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے ابھی واپس آ جائے اور ہو سکتا ہے وقت زیادہ گزر
جائے، لیکن میسیج دے دوں گی میں آپ کا۔"
"تب اس سے کہہ دیجئے کہ وہ ہوٹل گرین آرک میں کمرہ نمبر ایک سو آٹھ میں مجھ
سے ملاقات کرے۔"
"بہت بہتر ہوٹل گرین آرک کمرہ نمبر108۔"
"جی۔"
"ٹھیک ہے سر میں میسیج دے دوں گی۔"
"او کے مس مونا۔ ویسے واقعی آپ کی آواز بے حد خوبصورت ہے۔ دل تو چاہتا ہے
کہ آپ سے بہت دیر تک باتیں کی جائیں۔"
"اگر آپ کا دل چاہتا ہے تو آپ باتیں کیجئے۔"
"نہیں مس مونا، اس طرح آپ کی طلب دل میں بڑھ جائے گی، صرف باتیں کرنے ہی
سے تو کام نہیں چلے گا اور پھر شہریار میرا رقیب بن جائے گا۔" جواب میں مونا کی ہنسی سنائی
دی تھی اور گلزار نے ٹیلی فون بند کر دیا تھا۔
سامنے رکھے ہوئے مشروب کا ایک بڑا سا گھونٹ لے کر اس نے سوچا کہ اس سے تو بہتر
شہریار ہے، دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والا اور امریکہ جیسے ملک میں عیش کی زندگی بسر کرنے

والا۔

بہرحال وہ کھولتا رہا۔ حسن اس کے ذہن میں گردش کرتا رہا۔ چشم تصور سے اس نے حسن کے کئی قتل کئے اور اس کے بعد صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا' پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے حیرت سے فون کو دیکھا۔ اسے فون کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ ریسیور اٹھایا تو ری سیپشنسٹ کی آواز سنائی دی۔

"کمرہ نمبر108۔"

"یس۔"

"مسٹر گلزار....؟"

"بول رہا ہوں۔"

"بات کیجئے۔" پھر دوسری طرف سے شہریار کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہیلو گلزار۔"

"کون شہریار....؟"

"ہاں یار میں ہی بول رہا ہوں۔"

"کہاں مر گئے تھے؟"

"بس ایک جگہ مر گیا تھا۔"

"زندہ ہو......؟"

"ظاہر ہے زندہ نہ ہوتا تو بولتا کیسے؟"

"کہاں سے بول رہے ہو؟"

"اپنے فلیٹ سے۔"

"میرے پاس آ سکتے ہو؟"

"کہاں....؟"

"میرے ہوٹل۔"

"کمال کی بات ہے یار' یہ تم ہوسٹل سے ہوٹل میں کیسے منتقل ہو گئے؟"

"فون پر ہی معلوم کر لو گے۔"

"نہیں بولو۔"

"بس آ جاؤ میرے پاس۔"

"مجھے مونا نے بتایا ہے کہ کمرہ نمبر ایک سو آٹھ میں...."

"مونا کے بچے' تو آ تو سہی میں تجھ سے نمٹوں گا۔"

"ارے باپ رے' پہلے سے ڈرائے دے رہے ہو۔"

"یہ مونا کون ہے؟" گلزار نے پوچھا۔

"ساتھ لیتا آؤں۔"

"نہیں اس وقت نہیں۔"

"بہرحال جیسا تمہارا حکم' میں آ رہا ہوں۔"

"آ جاؤ۔"

"ویسے خیریت تو ہے نا....؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے تم آ جاؤ۔" گلزار نے کہا۔

"او کے پہنچ رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فون بند ہو گیا۔ گلزار نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

شہریار تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس کے پاس پہنچا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"آ جاؤ۔" اور شہریار اندر داخل ہو گیا۔ سینٹر ٹیبل پر برتن رکھے دیکھ کر اس نے کہا۔

"تو یہ عیش ہو رہے ہیں۔"

"بکواس مت کرو' بیٹھ جاؤ۔"

"او کے سر۔" شہریار اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ "یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی؟" وہ بولا۔

"میں نے تمہیں ایک خاص مشورے کے لئے بلایا ہے۔"

"زہے نصیب' ہمیں اس قابل سمجھا گیا۔ ویسے یار یہ سب کچھ سامنے ہے اور ہمیں اجازت نہیں دی گئی۔"

"مرو۔" گلزار بولا اور شہریار نے ہنستے ہوئے گلاس اٹھا لیا' پھر اپنے لئے مشروب انڈیل کر وہ اس کے سپ لیتا ہوا بولا۔

"ہاں تو سرکار عالی' مشورے کی بات' بلکہ اس سے پہلے آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ ہوسٹل سے ہوٹل منتقل ہونے کی کہانی کیا ہے؟"

"ایک بہت بری کہانی ہے۔"

"یقیناً ہو گی۔ میں اس سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر بری کہانی نہ ہوتی تو حضور والا اس قیام پذیر کیوں ہوتے۔"

"مذاق بالکل نہیں چلے گا' سنجیدہ گفتگو ہے سنجیدہ ہی ہو گی تم سے بعد میں نمٹوں گا"

"ارے باپ رے' دھمکی کے ساتھ۔"

"اصل میں شہریار ایک نامعقول انسان نے مجھے چیلنج کر دیا ہے۔"

"واقعی نامعقول انسان ہو گا۔ کوئی معقول انسان تمہیں چیلنج کرنے کی ہمت کیسے کر سکتا خیر کون ہے وہ بدبخت؟"

"حسن ہے اس کا نام۔"

"نوٹ کیا۔" شہریار بولا۔

"اصل قصہ یہ ہے کہ حسن ہوسٹل میں میرے سامنے والے کمرے میں ہی رہتا ہے۔"

"یہ بھی نوٹ کیا۔"

"ایک لڑکی اس سے اکثر ملنے آتی رہتی تھی' اس کا نام غزل ہے۔"

"غزل' خوب مرصع ہے۔"

"ایسی ویسی۔" گلزار بولا۔ "غزل پہلی بار حسن کو پوچھتی ہوئی میرے سامنے آئی تو پسند آ گئی مجھے۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی' لیکن خاصی تیکھی تھی۔ واپس چلی گئی دوبارہ آئی' تیسری بار آئی اور پھر مجھے اس کے بارے میں اچھی طرح اندازہ ہو گیا۔"

"کیا؟"

"اچھی خاصی لڑکی ہے' وہ بھی ہوسٹل ہی میں رہتی ہے اور یہاں پڑھنے کے لئے آئی ہوئی ہے' میرے ہی ملک اور میرے ہی شہر سے اس کا تعلق ہے۔"

"ویری گڈ' بلکہ ویری ویری گڈ۔"

"لیکن حسن شاید اسے لفٹ نہیں دیتا تھا۔"

"نہایت نامعقول تھا وہ۔"

"ہاں۔ بہرحال میں نے محسوس کیا کہ غزل صرف رقابت کی آگ میں جل کر' میرا مطلب ہے غصے کی آگ میں جل کر میرے قریب آ گئی ہے۔"

"آہ کتنے قریب؟" شہریار نے سوال کیا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس وقت مذاق بالکل نہیں چلے گا۔"

"سوری سوری' بلکہ ویری سوری۔" شہریار سنبھل کر بولا۔

"تو غزل نے میرے ساتھ یگانگت کا برتاؤ شروع کر دیا۔ وہ حسن کو اس طرح جلانا چاہتی تھی۔"

"حسن جلا....؟"

"نہیں جلا کم بخت۔"

"تو پھر....؟"

"لیکن میں نے اپنا کام جاری رکھا اور پھر میں غزل کو لے کر اپنے اسی پوائنٹ پر پہنچ گیا جہاں ہم لوگ اکثر جایا کرتے ہیں۔"

"وہ تیار ہو گئی؟" شہریار نے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"ہاں صرف حسن کو جلانے کے لئے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"وہ وہاں پہنچی اور اس کے بعد اپنی پارسائی کا اظہار کرنے لگی۔ تم جانتے ہو شہریار کہ مجھے پارسا لڑکیوں سے سخت نفرت ہے۔"

"ہونی ہی چاہئے۔" شہریار نے کہا۔

"لیکن کم بخت حسن بھی وہاں پہنچ گیا۔"

"کلائمکس' ایکشن۔" شہریار اچھل کر بولا۔

"میں نے حسن سے کہا کہ وہ واپس چلا جائے' لیکن وہ واپس نہیں گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد میری اس سے فائٹ ہو گئی۔"

"ویری گڈ' ویری گڈ' گویا ایکشن۔"

"ہاں' لیکن وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نکلا۔"

"اوہ۔" شہریار کا منہ لٹک گیا اور اس نے جلدی سے اپنے گلاس میں دوبارہ مشروب انڈیل لیا۔

"دیکھو شہریار' حسن' غزل کو نکال کر لے گیا ہے' سنا ہے وہ بھی ایک کھاتے پیتے دولت مند گھرانے کی بیٹی ہے۔ حسن کے بارے میں بھی میری معلومات زیادہ نہیں ہیں' لیکن ظاہر ہے وہ تعلیم حاصل کرنے آیا ہے تو بڑے باپ کا ہی بیٹا ہو گا اور پھر سب سے بری بات یہ ہے کہ حالات ان کی موافقت میں ہیں۔ میری فطرت تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا' میں غصے کی آگ میں جل رہا ہوں' کچھ کرنا چاہتا ہوں میں اور اس کے لئے مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔"

شہریار نے جلدی سے شربت حلق میں انڈیل لیا اور گلاس نیچے رکھ کر ہونٹ خشک کرتا ہوا بولا۔

"میں۔ میں تو تمہاری ہر مدد کے لئے حاضر ہوں۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ پہلا خوف تو مجھے یہ ہے کہ یہ لوگ پولیس کو اطلاع نہ دے دیں۔"

"کیا حسن یہ بات کہہ کر گیا ہے؟" شہریار نے پوچھا۔

"نہیں' کہہ کر تو نہیں گیا' لیکن بہت زیادہ تیس مار خان بن کر گیا ہے وہ گویا اپنی دانست میں مجھے خاطر میں نہیں لانا چاہتا' لیکن کیا عجب ہے کہ یہ لوگ پولیس کو اطلاع دے دیں۔"

"بغیر کسی ثبوت کے کوئی کام ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔" شہریار سوچ میں ڈوب گیا۔ شہریار تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا' پھر اس نے گلزار سے کہا۔

"یار یہ بتاؤ کہ تم کیا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔"

"ہوں' اگر میں تمہیں کوئی مناسب مشورہ دوں تو مجھے اس کا کیا معاوضہ ملے گا؟" شہریار نے پوچھا اور گلزار بھنویں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا' پھر بولا۔

"اپنی قیمت بتاؤ۔" اس کی آواز میں نفرت محسوس کر کے شہریار ایک دم سنبھل گیا' پھر آہستہ سے بولا۔

"میں اپنی قیمت بتاؤں۔ میری قیمت تمہاری دوستی تمہارا پیار ہے' سمجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"پھر فضول باتیں کیوں کرتے ہو؟"

"دیکھو گلزار' میری عقل جو کچھ کہہ رہی ہے اگر تم اس سے اتفاق کرو تو بہتر ہے' لیکن اگر تم اس سے کوئی جسمانی انتقام لینا چاہتے ہو تو میرے پاس اس کا بھی انتظام ہے۔"

"کیا؟"

"گریسی کو بھول گئے۔" شہریار نے کہا۔

"گریسی.....؟"

"ہاں۔ کام کی چیز ہے اور ہر طرح سے کام آ سکتا ہے' تم اگر چاہو تو میں گریسی کو تم سے ملا دوں۔ بعد میں جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ گریسی حسن کے ہاتھ پاؤں توڑ دے گا اور ہمارا کام بن جائے گا' لیکن اس میں ایک خطرہ بھی ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"ظاہر ہے حسن سے تمہاری چل گئی ہے اگر اس وقت حسن کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو سیدھی سیدھی سی بات ہے کہ الزام تم پر ہی آئے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم حسن سے جھگڑا مول لے بیٹھے ہو۔ دوسری بات یہ کہ بقول تمہارے وہ لڑکی حسن سے محبت کرتی ہے اور اس کی توجہ نہ پا کر اسے جلانے کے لئے تمہاری جانب متوجہ ہوئی ہے۔ جہاں تک میرا تجربہ ہے ایسی لڑکیاں اپنی محبت کو فراموش نہیں کر سکتیں اور اب تو حسن نے ہیرو بن کر اس کی عزت بھی بچائی ہے۔ چنانچہ وہ حسن کی اور زیادہ گرویدہ ہو گئی ہو گی۔ دوسری بات یہ کہ حسن زندگی کی بازی لگا کر اگر اس لڑکی کو بچانے کی کوشش کر سکتا ہے تو میرا مطلب ہے کہ حسن کے دل میں بھی اس کا کوئی مقام ضرور موجود ہے۔ اب ساری باتیں تو میں نہیں جانتا کہ ایسا سب کچھ کیوں ہے لیکن جہاں تک میرا ننھا منا سا تجربہ کام کرتا ہے وہ یہی ہے کہ حسن کسی نہ کسی طرح اس سے منسلک ہے اور اب لڑکی کے دل میں اس کے لئے اور مقام پیدا ہو گیا ہو گا۔ چنانچہ تم پھنس جاؤ گے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"سب سمجھ رہا ہوں' تو پھر اس کا حل کیا ہونا چاہئے؟"

"ہوٹل میں کب تک قیام ہے تمہارا؟"

"یہ تو میں بحالت مجبوری یہاں آیا ہوں۔"

"لیکن میرا خیال ہے تمہیں کچھ وقت یہاں گزارنا چاہئے۔"

"ہوں' پھر....؟"

"پھر یہ کہ چھ سات دن تک تم یہاں رہو اور وقت گزارتے رہو اور اسی دوران یہ ذمہ داری میرے سپرد کر دو کہ میں ہوسٹل میں حالات کا جائزہ لیتا رہوں اور یہ معلومات حاصل کروں کہ حسن اور کیا نام بتایا تھا تم نے اس لڑکی کا....؟"

"غزل۔"

"ہاں غزل نے تمہارے خلاف کوئی رپورٹ درج کرائی ہے یا نہیں۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی آگے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔"

"یار شہریار' اگر ان لوگوں نے میرے خلاف کوئی رپورٹ درج کرا دی تو کیا ہو گا؟"

"ہاں واقعی پھر تمہارے لئے مشکل پیش آ جائے گی' حالانکہ جمال شاہ ایسا آدمی ہے جو اس سلسلے میں بھی کچھ کام کر سکتا ہے۔"

"جمال شاہ کون؟"

"میرا ایک دوست ہے۔"

"کیا کرتا ہے؟"

"وکالت کر رہا ہے یہاں۔"

"اوہ۔" گلزار آہستہ سے بولا۔

"وہ تمہارے لئے کوئی نہ کوئی بہتر نکتہ تلاش کر سکتا ہے' لیکن میری رائے یہی ہے کہ اس وقت تک جمال شاہ کو اس مسئلے میں شامل نہیں کریں گے جب تک کہ ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حسن نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے یا نہیں؟"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ شہریار کہ تمہیں اس سلسلے میں مصروف ہونا پڑے گا۔"

"یار تم جانتے ہو کہ ہم تو یاروں کے یار بلکہ شہریار ہیں۔ شہر کے یار کی ذمہ داری اور تمہارے لئے بھی کام شروع کر دیں گے۔"

"اخراجات کی تم پروا نہ کرنا بس ساری صورت حال کو اپنے کنٹرول میں رکھنا۔"

"بس یہیں سے تو مار کھا جاتا ہے یہ شہر کا یار' پیسے اپنی جیب میں نہیں ہوتے گلزار ورنہ جانے کیا کیا کام کر دکھائیں تمہیں۔"

"کہا نا تم پیسوں کی پروا نہ کرو۔ لو یہ رکھ لو اور ان سے کام چلاؤ۔ میں تمہیں مزید رقم دوں گا۔" گلزار نے جیب سے اچھے خاصے نوٹ نکال کر شہریار کو دیئے' شہریار نے دونوں ہاتھوں میں نوٹ تھام کر عقیدت سے انہیں چوما اور پھر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا' پھر

بولا۔

"اس کے بعد تم ہر فکر سے بے نیاز ہو جاؤ' اور ہاں مونا تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی۔"

"یہ مونا کون ہے؟"

"میری دوست ہے یار۔ ایک جنرل اسٹور میں سیلز گرل ہے' بس یوں سمجھ لو کہ بڑے کام آتی ہے میرے۔ اکثر خریداری وہیں سے کرتا ہوں' لیکن جو اشیاء وہاں سے خریدتا ہوں ان کا بل ان کی اصل قیمت سے دس پرسنٹ بھی نہیں بنتا اور میرا کام بھی اس طرح سے چل جاتا ہے اس کے علاوہ میرے ذریعے مونا کا کام بھی چل رہا ہے بہت عرصے سے میرے فلیٹ پر رہ رہی ہے۔"

"کیا مطلب اس کا اور کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں ہو گا یار۔ تب ہی تو اس نے مجھ سے یہ آسانیاں حاصل کی ہیں۔"

"اور تم نے کبھی اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا مجھ سے۔"

"کس کس کا تذکرہ کروں۔ اپنے ایسے کئی جنرل اسٹور کھلے ہوئے ہیں۔" شہریار نے کہا۔

"خوش نصیب ہو شہریار' قلاش ہونے کے باوجود تم صحیح معنوں میں امریکہ میں عیش کر رہے ہو۔" شہریار ہنسنے لگا تھا' پھر بولا۔

"اگر تم مناسب سمجھو تو تمہاری تنہائی دور کرنے کے لئے مونا یہاں آ سکتی ہے۔"

"بھیج دینا اسے۔" گلزار بولا۔

"آ جائے گی آ جائے گی' بس ذرا شوقین مزاج ہے تھوڑی بہت شاپنگ کرا دینا بھی۔"

"کرا دوں گا یار' مگر تم محنت سے اپنا کام سرانجام دو۔"

"جب تمہاری یہ ذمہ داری ہم نے قبول کر لی دوست تو پھر سمجھو کہ قبول کر لی اب کیا مجال ہے کہ کوئی الٹی سیدھی بات ہو جائے۔ ہم اس کام کا ٹھیکہ لے چکے ہیں تو یوں کرتے ہیں' چھ سات دن تک میں ذرا یہ جائزہ لیتا ہوں کہ جناب حسن اور [illegible] نے تمہارے خلاف کیا کارروائی کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مشورہ بھی دے سکتا ہوں۔"

"کیا....؟"

"مان لیتا دوست' ہم ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہیں۔"

"بس اب زیادہ اداکاری مت کرو' بتاؤ کیا مشورہ ہے؟"

"اگر وہ دونوں تمہارے خلاف کوئی رپورٹ درج نہیں کراتے ہیں اور وطن دوست ہونے کا ثبوت دیتے ہیں تو پھر تمہیں ایک اور کام کرنا ہو گا۔"

"وہ کیا؟"

"ان کے پاس جا کر معافی مانگنی ہو گی۔"

"کیا مطلب؟" گلزار غرا کر بولا۔

"میری جان شکر کی مار بڑی خراب ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"کڑواہٹ تو منہ کو ایک لمحے میں کڑوا کر دیتی ہے' لیکن شکر آہستہ آہستہ اگر بدن میں اتر جائے تو لذت بھی دیتی ہے اور اس کے بعد موت بھی۔"

گلزار خاموش نگاہوں سے شہریار کو دیکھتا رہا تھا' شہریار نے چند لمحات خاموش رہ کر کہا۔

"تم اس بات پر ان کے شکرگزار ہو گے کہ انہوں نے تمہارے خلاف اس مذموم حرکت کی کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس کے بعد تم ان سے معافی مانگو گے اور تمہارا سلسلہ چالو ہو جائے گا۔ یعنی وہ لوگ تمہیں معاف کر دیں گے اور تم ان میں گھل مل جاؤ گے اور پھر دلوں میں اترنے کے بعد جب چھری چلائی جائے گی تو اس کا وار ہمیشہ کارگر ہوتا ہے۔"

گلزار کی آنکھیں شہریار کی آنکھوں میں گڑے ہوئی تھیں اور وہ شہریار کی آنکھوں سے اس کے ذہن کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا' پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"انعام کے طور پر....؟" اس نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ اور نوٹ نکالے اور شہریار کو دیئے۔ شہریار نے جھک کر درباریوں کی طرح آداب بجایا اور بولا۔

"عزت افزائی ہے مہابلی کی ورنہ یہ حقیر کس قابل ہے۔"

"یار واقعی تم نے بہت عمدہ بات کہی ہے' میرے ذہن کو سو فیصد لگتی ہے۔"

"یعنی یعنی' کمال ہے بھئی' ہم بھی اس قدر قابل ہو گئے؟"

"تم تو واقعی قابل نکلے شہریار اس سے اچھی ترکیب کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ پہلے تم یہ معلومات حاصل کرو کہ ان دونوں نے میرے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے یا نہیں اور اس کے بعد اگر ایسا نہ ہوا تو میں آہستہ آہستہ ان سے رجوع کروں گا' تم دیکھنا میں کیسی شاندار اداکاری کرتا ہوں' لیکن شہریار اگر انہوں نے رپورٹ درج کرا دی تو....؟"

"تو بھی شہریار ہی پر بھروسا کرو۔"

"مطلب؟"

"جمال شاہ کا نام لے چکا ہوں' کوئی ایسی کارروائی کریں گے جس سے ان دونوں کی اس رپورٹ کو فیل کیا جا سکے۔"

"تو گویا یہ ٹھیکہ تم نے لے لیا ہے؟"

شہریار نے کہا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگا۔

کافی دیر تک اس کے ساتھ بیٹھنے کے بعد جب شہریار اٹھا تو گلزار نے کہا۔

"اور وہ موٹا نیزا؟"

"تمہاری۔" شہریار مسکرا کر بولا' پھر وہ اجازت لے کر اٹھ گیا۔

❑

تابندہ کرچی کرچی ہو گئی تھی' امید کی یہ آخری کرن بھی بجھ گئی تھی' لیکن ایک احساس نے اسے اس طرح گھائل کیا تھا کہ اس کا وجود ہی ریزہ ریزہ ہو گیا تھا' وہ احساس یہ تھا کہ مرزا سخاوت بیگ اب ایک اور کیفیت میں مبتلا ہو گئے تھے کیسی عجیب بات ہے' کیسی عجیب کہانی ہے والدین اولاد کی آرزو بے شک کرتے ہیں لیکن وہ اس وقت ان کے اپنے شوق کی تکمیل ہوتی ہے' یعنی زندگی کے دوسرے مرحلے کو اپنی پسند کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں' صاحب اولاد ہو جائیں اور دنیا داروں میں مقام حاصل کریں۔

مرزا سخاوت بیگ نے بھی ساری زندگی یہی کیا تھا۔ انہوں نے ایک ایک لائن آف ایکشن بنا دی تھی اور ہر شخص کو یہی ہدایت تھی کہ اسی کے مطابق عمل کرے' بیٹوں پر بھی انہوں نے اسی طرح اپنا تسلط قائم رکھا تھا' بیٹیوں کی تو خیر بات ہی کیا تھی' خود فیروزہ بیگم نے ہمیشہ شوہر کا منہ دیکھ کر زندگی گزاری۔ اچھے خاصے رشتے ناتے تھے لیکن رشتہ داروں میں جو مرزا سخاوت بیگ کو پسند تھا وہ ملنے کے قابل تھا اور جو انہیں ناپسند رہا اس سے ہر قسم کے رشتے توڑ لئے گئے۔ لوگوں کو بھی کہاں فرصت کہ خاندانی معاملات میں اپنا وقت ضائع کریں یا تو پھر اتنے ہی قریب کے ہوں کہ ان کی اپنی محبت انہیں اپنوں سے جدا نہ ہونے دے۔ دور کے ہیں تو وہ بھی یہ سوچتے ہیں کہ جاؤ جہنم میں' تم نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی ہے تو ہماری بھی مسجد الگ ہی ہے' یہی ہوا تھا اور باقی بھی جو تھے ان سے مرزا سخاوت کا بس ایسا ہی ملنا جلنا تھا کہ شادی بیاہ ہوئی غمی خوشی ہوئی اور مرزا صاحب کا موڈ درست ہوا تو سب کچھ ہو گیا ورنہ بچے دل مسوس کر رہ جاتے تھے رفتہ رفتہ اسی زندگی کے عادی ہو گئے۔

لیکن پھر سجاد بیگ اس حصار سے باہر نکلا اس نے جو کچھ بھی کیا بلاشبہ وہ ایک بغاوت تھی۔ ایک سرکشی تھی۔ خودغرضی تھی کہ باپ کے مسئلے میں الجھ کر ماں بہنوں اور بھائی کو بھی چھوڑ دیا اور سب سے دور ہو گیا۔ جواد کی گھٹن اپنی جگہ درست تھی۔ صحیح معنوں میں اس کا مستقبل بالکل ہی تاریک ہو گیا تھا چنانچہ اس نے اپنی فطرت کے مطابق کام کیا۔ ان دونوں بھائیوں کی بے اعتنائی تک ہوتی تو کوئی اتنا بڑا حرج نہیں تھا' ایسا ہو جاتا ہے' تابندہ نے تو یہ سوچ کر صورت حال کو سنبھالا تھا کہ اب جب کہ گھر کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے' عزت خاک میں مل رہی ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے حالانکہ مرزا صاحب نے اس کی بڑے لے دے کی تھی' لیکن اس کے بعد مرزا صاحب تابندہ کی کمائی کے عادی ہو گئے

اور اب وہ اس سونے کی چڑیا کو ہاتھ سے نہیں نکالنا چاہتے تھے۔ کتنے خود غرض تھے یہ کیا ماں اور باپ کے رشتے میں بھی ایسی خود غرضی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

تابندہ کی امیدوں کے چراغ ایک ایک کر کے سب بجھا دیئے گئے تھے۔ محمود حسن نے کوششیں نہیں کی تھیں۔ تابندہ اصولی طور پر محمود حسن کے موقف سے اختلاف نہیں رکھتی تھی' مرزا صاحب نے جب یہ رشتہ طے کیا تھا تو ان کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہئے تھی کہ انہیں کیا کرنا ہے' اس وقت تو اپنی انا میں نجانے کیا کیا کر گئے۔ سب کچھ کھو دیا اور ہونے کے بعد پھر جو رویہ اختیار کیا وہ یقینی طور پر جائز نہیں تھا۔ وہی اپنی فطرت کا مظاہرہ تھے' چڑچڑے تھے' بدمزاج تھے' سخت گیر تھے اور اپاہج ہونے کے بعد مزید سخت ہو گئے تھے۔ حالانکہ انہیں حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے تھا' ان کی اپنی سوچ تھی کوئی اور تو ذمہ دار نہیں تھا لیکن وہی آمرانہ رویہ کہ اپنی سوچ دوسروں پر بھی مسلط کر دی گئی تھی اور اب اس کے بعد مسز عالمگیر کی طرف سے دیا گیا نعمان کا رشتہ انہوں نے ٹھکرا دیا تھا۔ خیر یہاں تک تو کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ مسز عالمگیر سے تابندہ نے جو گفتگو کی تھی وہ ایک ایسی ہمدردانہ اور مخلصانہ گفتگو تھی جس میں اپنی بہن کا مستقبل بھی پوشیدہ تھا۔ ایک انوکھی خواہش اس آرزو میں چھپی ہوئی تھی' لیکن محمود حسن کو دوسری بار جس طرح مرزا سخاوت بیگ نے ٹھکرا دیا تھا اس نے تابندہ کے دل پر گہرے گھاؤ لگا دیئے تھے باپ اس کی زندگی تباہ کرنے پر تل گیا ہے یہ تو سوکھے دھانوں میں پڑنے والی بات تھی' نجانے محمود حسن کو کیا خیال آیا تھا۔ نہ جانے کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا تھا؟ ایک بار پھر اس کی زندگی روشنی کی جانب گامزن ہوئی تھی' اگر مرزا صاحب مان جاتے تو کیا حرج تھا۔ مسز عالمگیر رخشندہ کو اپنانے کے لئے شاید تیار ہو جائیں اس طرح رخشندہ کا مستقبل روشن ہو جائے گا اور خود اس نے اتنا کچھ کر لیا ہے کہ مرزا سخاوت بیگ تیار ہو جائے تو یقینی طور پر حسن اس قسم کے انسان نہیں تھے کہ بعد میں تابندہ کو اپنے والدین کی کفالت کرنے سے روکتے۔

حسن کے بارے میں تابندہ کے خیالات بہت ہی اچھے تھے اور حسن نے جس طرح ان سے کنارہ کشی اختیار کی تھی وہ اسے حسن کا حق سمجھتی تھی لیکن مرزا صاحب نے اب جو وار [illegible] کے دل پر کیا تھا اس نے اسے بالکل ہی توڑ دیا تھا۔ ساری رات وہ بستر پر [illegible] روتی رہی۔ آج حسن بری طرح یاد آیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا' اور کیا ہے لیکن والدین کی عزت کو کسی بھی طرح زخمی نہیں کر سکتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ محمود حسن کے گھر پہنچ جائے اور اپنے طور پر ان سے کہے کہ اس کا کوئی [illegible] ہے یا پھر شہوار سے رابطہ قائم کرے اسے کہے کہ حسن سے اس کی ملاقات کرا دے اگر وہ یہاں موجود ہوں۔ وہ حسن کو سب کچھ بتا دے گی اور اس سے کہے گی کہ اسے حسن کی مدد کی ضرورت ہے' ابو جارحیت پر آمادہ ہو گئے ہیں اور یہ جارحیت اسے

زندہ درگور کر دے گی لیکن' لیکن یہ ساری باتیں سوچنے کی تھیں۔
دوسرے دن وہ دفتر تک نہ جا سکی' بدن اس طرح ٹوٹا ٹوٹا ہو رہا تھا کہ اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا۔ فیروزہ بیگم نے اس سے کہا۔
"کیا بات ہے تابندہ آج دفتر نہیں جاؤ گی۔" تابندہ نے نگاہیں اٹھا کر فیروزہ بیگم کو دیکھا اور فیروزہ بیگم کی نظریں جھک گئیں' انہوں نے ایک بار پھر کہا۔
"بتاؤ تابندہ۔ دفتر جاؤ گی یا نہیں؟"
"جاؤں۔" اس نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا' اور فیروزہ بیگم اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکیں۔ تابندہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"بتایئے جاؤں؟"
"مجھ سے' مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو؟"
"نہیں آپ حکم دیجئے مجھے۔ والدین ہیں آپ میرے' ماں ہیں آپ میری۔"
"تابندہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟"
"اس میں میں نے کون سی ایسی غلط بات کہہ دی۔ میرے اوپر آپ کے ہر حکم کی تعمیل فرض ہے۔"
"مجھ سے کہہ رہی ہو؟"
"تو اور پھر کس سے کہوں۔ ایک نام ایسا بتا دیجئے امی جس سے میں اپنے دل کی بات کہہ سکوں ایک نام ایسا بتا دیجئے جس کے سامنے میں اپنے دل کے آبلے پھوڑ سکوں۔"
فیروزہ بیگم بھی رونے لگی تھیں' انہوں نے کہا۔ "کیا کہوں؟ منہ سے کوئی بری بات نہیں نکل سکتی دنیا تو خراب ہے ہی عاقبت بھی خراب ہو جائے گی۔"
"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟"
"دیکھو تابندہ۔ میرے دل پر جتنے چرکے لگے ہیں تم ان سے واقف ہو لیکن کیا کروں بغاوت کر دوں میں بولو' مجھے جواب دو۔"
"امی۔ آپ..... آپ.... بس میں کیا کہوں آپ سے؟"
"نہیں تابندہ۔ کہہ دو.... دل کی بات کہہ دو۔ جہاں اتنے زخم ہیں میرے دل پر اور زخم لگ جائیں گے کیا فرق پڑتا ہے۔"
تابندہ نے نگاہیں اٹھا کر ماں کو دیکھا دیکھتی رہی ایک مظلوم عورت کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ماں پر اس نے بار بار غور کیا تھا۔ باپ نے ہمیشہ ماں کو چکی میں پیس رکھا تھا اور کبھی اس کو اس کی مرضی کے مطابق جینے نہیں دیا تھا' لیکن وہ سب عادی ہو چکے تھے۔ ایک ایک شخص عادی ہو چکا تھا اور جب باپ کے ظلم و ستم کی داستانیں منظر عام پر ہوئیں تو سجاد اور جواد نے گھر چھوڑ دیا' لیکن لڑکیاں۔ مظلوم لڑکیاں گھر چھوڑ کر کہاں

جاتیں کہ وہ عورت ہیں' وہی ایک عورت تابندہ کے سامنے کھڑی تھی' اور تابندہ کو اس عورت پر بے پناہ رحم آ گیا۔ بے بس لاچار عورت اگر اس کے دل پر کچھ اور زخم لگا دیئے جائیں تو اس سے فائدہ کیا ہو گا۔ عورت عورت ہی کے زخم لگا سکتی ہے' اس کے علاوہ اور وہ کر بھی کیا سکتی ہے چنانچہ تابندہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔
"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے امی۔ آج نہیں جاؤں گی۔"
"ٹھیک ہے۔ یہ بتاؤ تمہارے لئے کچھ بنا کر لے آؤں؟"
"نہیں' کوئی بات نہیں ہے چائے پی لوں گی۔ رخشندہ سے کہہ دیجئے مجھے چائے بھجوا دے۔"
فیروزہ بیگم چلی گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد رخشندہ چائے لے کر آ گئی۔ رخشندہ کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات تھے' بہرطور بہنیں صورت حال سے ناواقف نہیں تھیں' معصوم بھی نہیں تھیں' جوان ہو چکی تھیں۔ ساری صورت حال کو سمجھتی تھی تابندہ نے رخشندہ کی صورت دیکھی اور بولی۔
"بیٹھو رخشندہ۔ کیا کر رہی ہو؟"
"کچھ نہیں باجی۔"
"تو بیٹھو۔"
"جی۔" رخشندہ بیٹھ گئی تابندہ اس کی صورت دیکھتی رہی۔ رخشندہ خاموشی سے کچھ کہنے کی منتظر رہی لیکن تابندہ کی ہمت نہ ہو سکی کہ بہن سے دل کی کوئی بات کہے' چائے پیتی رہی رخشندہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولی۔
"کہئے باجی' کچھ بولئے؟"
"ابھی نہیں سوری رخشندہ۔ جاؤ تم جاؤ۔ گھر کے کام کاج کرنے ہوں گے۔"
"کوئی خاص کام نہیں ہے۔"
"پھر بھی دیکھو۔ کیا کیا کرنا ہے باہر؟"
"جاؤں؟"
"ہاں بھئی ظاہر ہے جاؤ۔" تابندہ بولی اور رخشندہ خاموشی سے باہر نکل گئی' تابندہ چائے کے گھونٹ لیتی رہی' بہت دیر تک وہ اپنی اس آگ میں سلگتی رہی پھر اچانک ہی اسے بحران کا ایک احساس ہوا' کیا کروں؟ یہاں کیا کروں؟ اس کمرے میں بند رہوں' گھٹی رہوں' کیا زندگی؟ اس سے بہتر ہے کہ بوتیک ہی چلتی ہوں۔ اس نے لباس تبدیل کیا باہر نکلی تو فیروزہ نظر آ گئیں' انہیں پتا نہیں تھا کہ تابندہ لباس تبدیل کر رہی ہے چونک کر بولیں۔
"تابندہ...."
"جی امی۔"

"کہاں جا رہی ہو؟"

"آفس۔"

"کیوں؟"

"بس کیا کروں یہاں؟"

"آرام کر لو آج۔"

"نہیں امی۔"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"بس ٹھیک ہوں۔"

"پھر بھی بہتر ہوتا کہ آرام کر لیتیں۔"

"نہیں امی' اب کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی' میں چلتی ہوں۔" تابندہ نے کہا اور پھر گھر سے باہر نکل آئی۔ کچھ دیر کے بعد بوتیک پہنچ گئی' مسز عالمگیر موجود نہیں تھیں وہ بوتیک کے کاموں میں مصروف ہو گئی' نہ جانے کیوں دل میں عجیب سے جذبے ابھر رہے تھے۔ گھر واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بیشتر یہ سوچا کہ سجاد جواد نے جو کچھ کیا اس میں ان کی غلطی نہیں تھی وہ گھر ہے ہی اتنا منحوس کہ وہاں جانے کو کس کا دل چاہے گا پھر اس کو فوراً ہی فیروزہ بیگم کا چہرہ یاد آیا' رخشندہ اور فرخندہ یاد آئیں اور مرزا صاحب یاد آئے اور اس کے ذہن میں نرم گوشے پیدا ہو گئے' مسائل میں گھری ہوئی یہ دنیا آخر کرے تو کیا کرے؟ کس طرح لوگ اپنی زندگی کو سہارا دیں جینا تو سبھی چاہتے ہیں اور جب ان کی زندگی پر بن آتی ہے تو پھر رشتے ناتے کچھ نہیں رہتے۔ آخر کار مسز عالمگیر اچانک ہی آ گئیں۔ اس وقت دن کے کوئی ساڑھے تین بجے تھے' مسکراتی ہوئی اس کے پاس پہنچیں اور تابندہ نے انہیں دیکھ کر حسب عادت سلام کیا۔

"میں نے فون کیا تھا یہاں' تمہارے بارے میں پوچھا تھا پتا چلا کہ تم نہیں آئی ہو؟"

"جی ہاں آج کچھ دیر ہو گئی تھی۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"نہیں' کوئی خاص وجہ نہیں۔"

"کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی ہو۔"

"جی ہاں' طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لئے دیر سے گھر سے نکلی...."

"ارے تو پھر کیوں آئیں؟"

"بس یونہی' گھر میں بھی پڑی پڑی کیا کرتی؟"

"حالانکہ آج مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی تھی۔"

"جی فرمایئے۔"

"آؤ آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" مسز عالمگیر اسے دفتر میں لے گئیں پھر بولیں۔

"تابندہ کیا بات ہے آخر' تم مجھے کچھ بتاؤ تو سہی؟"

"کچھ بات نہیں ہے' واقعی کوئی بات نہیں ہے۔" تابندہ نے آخری فیصلہ کر لیا کہ اس دل کی واردات سے وہ کسی کو آگاہ نہیں کرے گی۔

"تم اتنی مضمحل پہلے کبھی نظر نہیں آئیں۔"

"بس کبھی کبھی طبیعت پر ایک عجیب سی کیفیت سوار ہو جاتی ہے۔ آج بھی کچھ ایسا ہی احساس دل پر سوار تھا۔"

"اس کی وجہ کہیں وہ تو نہیں ہے؟"

"کیا؟"

"وہ گفتگو جو ہمارے درمیان ہوئی تھی۔"

"نہیں' وہ ایک سیدھی سچی بات تھی اور چونکہ آپ نے ایک ذرے کو آفتاب بنانے کی کوشش کی تھی۔ ذرہ آفتاب نہیں بن سکتا یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"ارے ارے بھئی کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"نہیں آپ یقین کیجئے میں نے خود بھی اس بارے میں سوچا اور پھر مجھے یہ احساس ہوا کہ اپنی اوقات سے بڑھ کر بات کر دی ہے' آپ نے میرے بارے میں سوچا یہ آپ کی بڑائی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اس جگہ سمجھ لیا یہ میری کم ظرفی ہے۔"

"مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی کیا بھئی' میرے رویئے میں کوئی فرق محسوس کیا تم نے؟"

"نہیں' آپ یقین کیجئے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کچھ عجیب سی باتیں کر رہی ہو تم جو مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔"

"معافی چاہتی ہوں۔"

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں تابندہ؟"

"جی فرمایئے۔"

"تم نے جو ایک تجویز میرے سامنے پیش کی تھی اور میں نے اس سلسلے میں تم سے خوش دل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں نعمان سے بات کروں گی۔"

"جی ہاں۔"

"نعمان تیار ہے۔"

"جی؟" تابندہ کے پورے بدن میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی' اس کے دماغ میں ایک زور دار چھناکا ہوا تھا۔

"ہاں تابندہ' میں نے تم سے کہا تھا نا کہ نعمان بہت ہی نفیس انسان ہے' میں نے اس کے سامنے تمہارے بارے میں تجویز پیش کی تو وہ یہ کہہ کر تیار ہو گیا کہ یہ حق میری ماں کو

حاصل ہے کہ وہ میرے لئے جو کچھ چاہے کرے‘ پھر میں نے اسے یہ بتایا کہ تابندہ کی کیا خواہش ہے تو اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ ای میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے آپ چاہیں تابندہ کے بارے میں فیصلہ کریں چاہے رخشندہ کے بارے میں‘ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"لیکن آنٹی یہ.... یہ سب کچھ۔"

"ہاں‘ وہ بڑا عجیب نوجوان ہے‘ اس نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنایا ہے اور وہ مقصد ہے اپنے فن میں مہارت حاصل کر کے انسانیت کی خدمت کرنا‘ اس کا کہنا ہے تابندہ کہ انسانیت کی خدمت کا اصل مرحلہ بعد میں شروع ہو گا اگر کہیں کسی جگہ سے آغاز ہو رہا ہے تو وہ اس سے گریز کیوں کرے۔ کیا صرف اپنی ذات کے لئے‘ وہ کہتا ہے کہ اسے ہر شخص سے محبت ہے‘ ہر شخص سے پیار ہے‘ اس کا یہ بھی کہنا ہے تابندہ کہ بیوی زندگی بھر کی ساتھی ہوتی ہے بے شک‘ لیکن وہ اس سلسلے میں والدین پر ہی بھروسا کرنا چاہتا ہے اور اسے مجھ پر پورا پورا بھروسہ ہے۔"

"لیکن آنٹی‘ کیا وہ میرا مطلب ہے‘ معافی چاہتی ہوں آپ سے رخشندہ کو وہ توجہ دے سکیں گے۔"

"ہاں‘ اس کا اس نے وعدہ کیا ہے کہ بیوی کی حیثیت سے جو عورت اس کی زندگی میں شامل ہو گی‘ اس کے تمام حقوق اسے ادا کرے گا اور کبھی اس کی محبت سے گریزاں نہیں ہو گا۔"

"آنٹی! آپ کیا کہہ رہی ہیں‘ آپ یقین نہیں کر سکتیں کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

"کیوں تابندہ‘ کیوں آخر....؟"

"خوشی کے مارے آنٹی‘ خوشی کے مارے۔"

"ہاں خوشی کا مقام ہے جتنی خوش تم ہو اتنی خوش میں ہوں اور پھر تابندہ تم نے تو ان بچیوں کے لئے ماں اور باپ دونوں ہی کا درجہ سنبھال رکھا ہے۔"

"آپ سمجھتی نہیں ہیں آنٹی‘ آپ بالکل نہیں سمجھ سکیں گی۔" تابندہ بے اختیار رو پڑی۔ مسز عالمگیر نے آگے بڑھ کر تابندہ کا سر اپنے سینے ، لگا لیا۔

"نہیں تابندہ نہیں‘ تم تو فولاد ہو‘ فولاد کو اتنا نرم نہیں ہونا چاہئے تابندہ‘ تم نے تو زندگی کے بہت سے بوجھ خود پر سنبھالے ہیں‘ خود پر نجانے کیسے کیسے مشکل حالات برداشت کئے ہیں تابندہ روتے نہیں‘ اگر آنسو آنکھوں سے نکل جائیں تو پھر اندر کچھ باقی نہیں رہتا‘ نہیں تابندہ روتے نہیں ہیں‘ پلیز‘ تابندہ نہیں‘ میری بیٹی روتے نہیں‘ پلیز‘ دیکھو میں بھی رو پڑوں گی۔" تابندہ نے خود کو سنبھالا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"بہت ناپائیدار مستقبل کی مالک ہیں یہ لڑکیاں‘ آنٹی بہت ناپائیدار مستقبل ہے ان کا‘ نہ

کوئی سرپرست‘ نہ کوئی رکھوالا‘ نجانے ان کا کیا بنتا‘ آنٹی اگر تقدیر ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کر رہی ہے تو میں میں آنٹی‘ میں میں بس کس کس کا شکریہ ادا کروں؟" تابندہ کے ہونٹ کپکپا رہے تھے‘ آواز رندھی ہوئی تھی اور مسز عالمگیر اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"تم شاید یقین نہ کرو تابندہ تم لوگوں کے لئے میرے دل میں انوکھے جذبات پیدا ہو گئے ہیں‘ لگتا ہی نہیں ہے کہ تم کوئی الگ شخصیت ہو مجھ سے‘ بس تابندہ اپنے جذبات کا اظہار زیادہ گہرے الفاظ میں کروں گی تو مجھے خود بھی مصنوعی محسوس ہوں گے‘ کیا کیا جائے انسان جذبات کا پتلا ہے کبھی کبھی اس پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے‘ دیکھو تابندہ اپنے آپ کو سنبھالو یہ تو خوشی کا موقع ہے‘ بھئی مجھے تو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں‘ سنبھالو اپنے آپ کو۔"

"جی میں ٹھیک ہوں آنٹی۔"

"تابندہ! نعمان‘ رخشندہ سے شادی کے لئے تیار ہے اور میرا خیال ہے تمہارے گھر میں بھی اس کی مخالفت نہیں ہو گی‘ پھر ہم اس نیک کام میں دیر کیوں کریں‘ میری بھی خوشیاں عروج کو پہنچ جائیں گی‘ زندگی کا جو وقت میں نے گزارا ہے تابندہ تمہیں اس کے بارے میں بتا چکی ہوں‘ اب تبدیلیوں کا دور ہے‘ میری زندگی کی یہ ایک اور خوشی ہے جس کی تکمیل تمہارے ذریعے ہو رہی ہے۔"

"آنٹی یہ آپ کا ظرف ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"بھئی چلو‘ اب تم جو بھی الزام لگا دو مجھ پر‘ مجھے منظور ہے‘ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم اس سلسلے کا آغاز کیسے کریں؟ میرے تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں اور تم جانتی ہو کہ اب میں تمہاری اتنی عادی ہو گئی ہوں کہ تمہارے بغیر کوئی کام کر ہی نہیں سکتی‘ اس سلسلے میں بھی تمہیں دونوں طرف سے کام کرنا ہے۔"

"جی آنٹی۔"

"تو پھر اب یہ بتاؤ کہ ہمارا پہلا قدم کیا ہونا چاہئے؟"

"آنٹی! ویسے تو سب کچھ ٹھیک ہے‘ لیکن بس آپ کو بھی سب کچھ معلوم ہے‘ میں اپنی زبان سے کچھ ادا کروں گی تو اچھا نہیں لگے گا‘ اصل میں ابو....."

"ہاں ہاں میں سمجھتی ہوں بالکل سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"جی آنٹی۔"

"تمہارا یہی مقصد ہے نا کہ اب میں باقاعدہ رشتہ لے کر مرزا صاحب کے پاس جاؤں‘ ان سے درخواست کروں اور‘ اور اس کے بعد ان کی منظوری حاصل کروں‘ یہ تو مجھے کرنا ہے‘ لیکن ہم شادی کے لئے کتنا وقت لے سکتے ہیں؟"

"آنٹی بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا' میں ایک مہینے میں اپنا کام مکمل کر لوں گی۔"
"نہیں بھئی ایک مہینہ زیادہ ہے' میرا خیال ہے ہم پندرہ دن کا وقفہ رکھتے ہیں۔"
"پندرہ دن؟"
"ہاں۔"
"آپ سوچ لیجئے۔"
"بھئی دیکھو کوئی خاص کام نہیں کرنا ہے مجھے' زیورات ہیں' کپڑے ہیں' بازار میں کیا کچھ نہیں مل جاتا اور میرا خیال ہے تم بھی ایسا ہی کرو' تابندہ ایک بات میں تمہیں کھل کر بتا دوں' تمہاری لوکل کام کی جو آمدنی ہے وہ بینک میں محفوظ ہے اور اب اس کے سلسلے میں تم نے اگر کوئی تعرض کیا تو ظاہری بات ہے کہ مجھے عجیب لگے گا۔"
"جی آنٹی۔"
"تم اپنی رقم نکالو' باپ کے ہاتھ میں جا کر رکھو اور کاموں کا آغاز کرو۔"
"جی۔"
"مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی تکلف نہیں کرو گی تم؟"
"نہیں آنٹی کر بھی نہیں سکتی کیونکہ...... کیونکہ۔"
"ہاں کیونکہ۔"
"نہیں بس میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں اور کیا کر سکوں گی؟" اصل میں تابندہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی زندگی اسی طرح تباہی کے غار میں گھٹی ہے' پیسہ ہی تو درمیان میں آ گیا تھا جس نے اس سے اس کا مستقبل چھین لیا' اس کا محبوب چھین لیا' اس کی زندگی کا ایک ہی ساتھی تھا' اسے چھین لیا گیا۔
بہرحال مسز عالمگیر اس سے اپنے دل کی باتیں کرتی رہیں اور تابندہ گہری سوچوں میں ڈوبی رہی۔
"تو پھر جمعے کا دن ہے پرسوں' میرا خیال ہے پرسوں میں آ جاؤں تم اپنے طور پر گھر میں تذکرہ کر دو۔"
"جی بہت بہتر۔" تابندہ نے جواب دیا۔

□

محمود حسن غصے سے کھولتے ہوئے گھر واپس گئے تھے' فرزانہ بیگم اور بیٹیاں بھی مرزا صاحب کی باتوں سے سخت بددل ہو گئی تھیں' انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اب یہ باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ بہرحال باپ کے ساتھ جو سخت گفتگو مرزا سخاوت بیگ نے کی تھی وہ انہیں بھی بری لگی تھی۔ گھر پہنچ کر محمود حسن ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور بولے۔
"جی اب آپ فرمائیے' مشورہ دیجئے مجھے کہ میں کیا کروں؟"

"مرزا سخاوت بیگ کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔"
"مجھے بس ایک بات کا افسوس ہے فرزانہ' وہ یہ کہ مجھے ذلیل کرایا تو میرے بیٹے نے۔"
"اس کا کیا قصور ہے آپ مجھے بتائیے' کم از کم اپنے دل کی بات تو کیجئے مجھ سے۔"
فرزانہ بیگم کو بیٹا یاد آ گیا تھا۔
"دو منٹ میں ٹھیک کر سکتا ہوں اسے صرف دو منٹ میں' ساری خود سری ساری سرکشی نکال سکتا ہوں میں اس کی' لیکن لیکن کرنا نہیں جانتا' آخر اولاد ہے میری۔"
"پھر وہی بات' میں آپ سے یہ بات پوچھتی ہوں کہ سرکشی اور خود سری کیا کی ہے اس نے؟"
"کمال کرتی ہیں آپ' وہ ملک چھوڑ کر چلا گیا' اپنے بل پر جی رہا ہے' محنت مزدوری کر رہا ہے' پڑھ رہا ہے میرے پاس جو کچھ ہے کیا اس کے کام نہیں آ سکتا؟"
"اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ آپ نے ہی تو اس سے یہ بات کہی تھی۔"
"تو اسے یہ خیال نہیں آیا کہ میری بات مان لے۔"
"آپ نے خود دیکھ لیا' آپ خود کہہ رہے ہیں کہ وہ کس مزاج کا لڑکا ہے' غزل کو وہ اس حیثیت سے تسلیم نہیں کر سکتا تھا' اس نے نہیں کیا' آپ نے بھی تو کنڈیشن لگا دی تھی کہ اگر غزل سے یہ رشتہ طے نہیں کیا گیا تو آپ اسے اس کے مستقبل کے راستے سے روک دیں گے۔"
"تو کیا حرج تھا آخر مجھے بتاؤ' کیا بری لڑکی ہے؟"
"عجیب بات کہہ رہے ہیں آپ' ایک شخص کسی کو وہ درجہ نہیں دیتا تو اسے مجبور کیوں کرتے ہیں آپ اور پھر ویسے بھی حسن نے آپ کی کفالت قبول نہیں کی تو سسرال والوں کی کفالت کیسے قبول کر لیتا' آپ خود بتائیے' بیرسٹر ہاشم علی صاحب نے آپ سے جو کچھ کہا ہے آپ کو اس پر افسوس ہوا ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن آپ اس احمق آدمی کو دیکھئے آخر یہ اپنی بچیوں کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچے بیٹھا ہے اور' اور اب تو شاید تابندہ کہیں نوکری وغیرہ بھی کرنے لگی ہے' ہونہہ سونے کی چڑیا' میرے لئے بھلا وہ سونے کی چڑیا کیا ہو سکتی ہے' کیا کمائی کر رہی ہو گی وہ کیا دے سکتی ہے مجھے؟"
"یہ اس شخص کی ذہنی کمزوری ہے ویسے بھی سچی بات یہ ہے کہ اس سطح کا انسان نہیں نکلا وہ' ہمارا عزیز ہے تو کیا ہوا لیکن اس نے اپنی بیٹیوں کے لئے گہرے غار بنائے ہوئے ہیں۔" فرزانہ بیگم بولیں۔
"انتظار تو کر لیجئے ابو' انتظار کر لیجئے' آخر کار وقت آئے گا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے

گا۔" عزیزہ نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ سخاوت بیگ کتنے عرصے زندہ رہیں گے معاف کیجئے گا ابو بہت بڑی بات کر رہی ہوں میں، لیکن ایسے لوگوں کے لئے تو یہی کہا جا سکتا ہے۔"

"اور اس دوران میں میں اسے چھوڑے رکھوں۔"

"نہ چھوڑیئے آپ، ان سے تعاون کر لیجئے۔"

"کیا تعاون کر لوں، بتاؤ کیا تعاون کر لوں؟"

"مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی بات مان لیجئے۔"

"یعنی یعنی اسے اسی طرح خالی چھوڑے رکھوں۔"

"ابو اور کچھ کر بھی تو نہیں سکتے ہم، آپ دیکھئے نا کہ سخاوت بیگ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک لڑکی کو نوکری پر لگا دیا ہے او اب اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں بے چاری تابندہ کا کیا ہو گا؟"

"سب فضول ہے۔ وہ کمینہ مجھے بہت یاد آ رہا ہے، میں مانتا ہوں کہ اس نے ایک نیک دل اور شریف نوجوان ہونے کا ثبوت دیا ہے وہ صاحب کردار بھی ہے، غزل سے وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے نہیں کی اور اب غزل اسے اپنا بھائی سمجھتی ہے، بھائی کہتی ہے، وہاں اس نے غزل کی آبرو بھی بچائی ہے، کہیں کسی مشکل میں نہ پڑ جائے۔"

"خیال رکھئے گا اس کا، کوئی ایسی ویسی بات نہ ہونے پائے کہ اسے کوئی نقصان پہنچ جائے، آخر آپ اس کے باپ ہیں۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"گویا جھک جاؤں اس کے سامنے۔"

"سوچ لیجئے آپ، آپ کا دل جو اندر سے کہے وہ کریں میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

"عجیب مشکل میں پھنسا دیا ہے آپ نے مجھے، میں کہتا ہوں اگر میں زبردستی کرنے پر اتر آؤں تو مرزا سخاوت بیگ پر عذاب بن کر نازل ہو سکتا ہوں، وہ سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو، جاہل گنوار کہیں کا، اس انداز میں بات کر رہا تھا مجھ سے آپ نے، کہا، ویسے فرزانہ ایک بات میں آپ سے کہے دیتا ہوں، مرزا سخاوت بیگ کا نام اب اس گھر میں بالکل نہ لیا جائے، باقی جہاں تک رہا مسئلہ تابندہ کا تو سچی بات یہ ہے کہ میں ایسے آدمی کی بیٹی کو اپنی بہو بنا کر لا بھی نہیں سکتا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ حسن چاہے تو مجھ سے رابطہ کرے، میں سب کچھ برداشت کر لوں گا، اس کی جدائی بھی برداشت کر لوں گا لیکن اب... اب....." بیرسٹر محمود حسن کو رہ رہ کر مرزا سخاوت بیگ کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور وہ غصے سے کھولتے جا رہے تھے، عزیزہ نے کہا۔

"ابو! آپ آرام کریں اپنے ذہن کو زیادہ خراب نہ کریں، دیکھتے ہیں وقت کا انتظار کرتے ہیں، وقت جو کچھ کہے گا وہی کیا جائے گا، آخر بھائی جان ہمارے اپنے ہیں، ہمارا خون کب تک ہم سے جدا رہیں گے۔"

"ہونہہ ہمارا خون۔" محمود حسن صاحب نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور خاموش ہو گئے۔

□

شاہی فلیٹ پر واپس پہنچ گیا۔ کافی دیر ہو گئی تھی اور فراز اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہی کو دیکھ کر اس نے کہا۔

"خیریت ہے نا۔ کوئی خاص بات۔" شاہی نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے باتھ روم کی جانب چلا گیا۔ فراز چائے بنانے چلا گیا تھا، پھر شاہی واپس آیا تو اسے چائے تیار ملی۔ اس نے شکرگزار نگاہوں سے فراز کو دیکھا، اور آہستہ سے بولا۔

"شکریہ فراز۔"

فراز نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے شاہی، خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب خیریت ہے، کوئی خاص بات نہیں۔ سوری یار آج دیر ہو گئی، چائے پی کر چلیں۔"

"چلیں گے یار جلدی نہیں ہے، مجھے کچھ بدلے بدلے نظر آ رہے ہو، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں کچھ عجیب سے واقعات ہیں، تم سے اس بارے میں مشورہ کرنا ہے۔"

"کیا بات ہے خیریت؟"

"میڈم کی زندگی تو ویسے خود ایک سربستہ راز ہے فراز، لیکن آج کچھ عجیب سے انکشافات ہوئے ہیں۔"

"خیریت؟"

"ہاں، اتنی زیادہ مشکوک بات نہیں ہے لیکن نجانے کیوں میرے ذہن میں ایک تجسس ابھر آیا ہے۔" شاہی نے کہا اور پھر شروع سے آخر تک فراز کو ساری کہانی سنا دی، فراز خاموشی سے یہ تمام داستان سن رہا تھا۔ شاہی کے خاموش ہو جانے کے بعد وہ بولا۔

"میں نے پہلے بھی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ میڈم کی زندگی سربستہ رازوں کا مسکن ہے، ان کا ماضی ضرور کسی ایسی داستان سے وابستہ ہے جسے وہ کسی کے علم میں لانا نہیں چاہتی۔ خیر میں تم سے ایک سوال آج پوری سنجیدگی سے کرنا چاہتا ہوں شاہی۔ تم ملازمت کر رہے ہو، بہت اچھی ملازمت ہے عزت ہے تمہاری اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہاری میڈم تمہیں بالکل اپنائیت کا درجہ دیتی ہے۔ اس کے ثبوت بیشتر مل چکے ہیں لیکن میں پوری

سنجیدگی سے تم سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ کیا ہے شامی؟"

"یار کیا بتاؤں؟ میں' میں خود کچھ نہیں سمجھ پا رہا' سچ مچ فراز میں خود بے حد پریشان ہوں میڈم کا رویہ میرے لئے ناقابل فہم ہے۔"

"دیکھو' اگر مناسب سمجھو تو اس وقت مذاق وغیرہ بالائے طاق رکھ کر مجھ سے سنجیدگی سے بات کرو۔ ظاہر ہے تمہارے کسی مسئلے میں اگر کوئی الجھن پیدا ہوتی ہے تو میرے لئے ناقابل برداشت ہو گی۔ میں تمہیں کسی الجھن میں نہیں پڑنے دیتا شامی' مجھے بتاؤ تجسس اپنی جگہ' میڈم کی محبت اور اس کا تعاون اپنی جگہ اس کے علاوہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"بس یار مجھے وہ عورت بہت اچھی لگتی ہے۔"

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں شامی کہ اچھا لگنا اور بات ہے لیکن دوسری صورتیں بڑی پریشان کن ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"پہلی بات تو یہ کہ وہ تم سے عمر میں بہت بڑی ہے۔"

"بہت بڑا نہ کہو فراز' بس اتنی بڑی ہے کہ میں اگر اس سے محبت کرنے لگوں تو یہ کوئی عجوبہ نہیں ہو گا اور اگر وہ میری زندگی میں شامل ہو جائے تو بھی کوئی ایسی تعجب خیز بات نہیں ہو گی کہ لوگ ہمیں حیرت سے دیکھیں۔"

"بس ہاں اس بات پر میں تم سے اتفاق کرتا ہوں' لیکن جہاں تک میرا تجربہ ہے شامی میڈم۔ بے شک ایک بہت اچھی عورت ہے' بڑی ہمدرد بڑی غمگسار' لیکن اس کے دل میں تمہارا وہ مقام نہیں ہے جس کے بارے میں تم سوچ رہے ہو' وہ ایک بہت پروقار اور با کردار عورت ہے' اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا شامی کہ کوئی کسی سے محبت ہی کرنے لگے اصل میں ہمارے ہاں یہی ایک بہت بڑا تصور ہے جنس مخالف کا کسی کی جانب متوجہ ہونا سے محبت دلچسپی اور دوستی کے انداز میں بات کرنا ایک الگ جذبے کا حامل سمجھ لیا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ان دونوں صنفوں میں اتنا تناؤ ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہ ہے دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے دوستوں کی طرح' باقی رشتے تو چلو ٹھیک ہیں ہوتے ہی ہیں' شامی میری ایک بات مانو دوست۔"

"کیا؟" شامی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اگر تم واقعی اسے اپنے دل میں جگہ دے چکے ہو تو یار یہ مناسب نہیں ہو گا راستوں کو چھوڑ دو یا پھر ایک اور کام کرو۔"

"وہ کیا؟" شامی نے سوال کیا۔

"اسے سُنو تو' سوال کر لو اس سے' زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا ناراض ہو جائے گی

چھوٹ جائے گی تمہاری' میرا خیال ہے ایسا نہیں ہو گا' لیکن کم از کم تمہارا ذہن صاف ہو جائے گا۔"

"اور اگر اس نے انکار کر دیا تو؟"

"تو تمہیں سنبھل جانا چاہئے شامی۔"

"فراز' بات کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گئی ہے' یقین کرو مجھے اس تصور سے دکھ ہوتا ہے کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب میں اسے صرف ایک مالکہ کی نگاہوں سے دیکھوں گا یا پھر علیحدہ ہو جاؤں گا۔"

"نہیں شامی' میرے دوست تم نے میرا مسئلہ جس خوش اسلوبی سے حل کر دیا ہے۔ میں کیا کہوں اس کے بارے میں تم سے لیکن تم جیسی شخصیت کو میں کسی ایسی الجھن میں گرفتار نہیں دیکھنا چاہتا جو تمہارا مزاج ہی بدل دے۔"

شامی بہت دیر تک سوچتا رہا اور پھر ایک دم ہنس پڑا اور پھر بولا۔

"اب تم درحقیقت میرے والد صاحب بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تم مجھ سے محبت کے رشتے چھیننا چاہتے ہو؟"

"ارے نہیں فراز' ایسی کوئی بات نہیں ہے' بہرحال تمہاری اس بات سے میں اتفاق کرتا ہوں کہ ایک بار اس سے سوال کر لیا جائے' پوچھ لیا جائے' زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا برا مان جائے گی۔ اس کے بعد کا ردعمل دیکھ لیں گے لیکن کم از کم ذہن تو صاف ہو جائے گا۔ میں ایسا کروں گا۔"

"نہ صرف ذہن صاف ہو جائے گا بلکہ اس کے بعد تم اپنی سوچ کا انداز بدل دو گے۔"

"یعنی؟"

"یہ سوچنا چھوڑ دو گے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔" شامی ہنس دیا پھر بولا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"کچھ کرنا ضروری ہے کیا؟"

"یار تجسس تو میرے دل میں شدید بیدار ہو گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے یہ بھی ایک مشکل بات ہے۔"

"ہر ایک کے کچھ راز ہوتے ہیں اور وہ رازوں کو چھپانا چاہتا ہے' وہ نہیں چاہتا کہ ان رازوں کی کھوج کی جائے اگر میڈم کو پتا چل گیا کہ تم اس کے لئے اتنا تجسس کا شکار ہو تو اس پہ کتنا برا اثر پڑے گا' وہ تو ہمارے لئے اتنا کچھ کر رہی ہے کہ اس دور کا انسان تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا' کیا کچھ نہیں دے دیا ہے اس نے ہمیں اور پھر کس طرح اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود ہمارے ایک چھوٹے سے مسئلے میں الجھ گئی' نہ صرف الجھ گئی بلکہ

سچی بات یہ ہے کہ اسے سلجھانے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اپنے اس راز کو
ہونے دینا چاہتی کیونکہ اس نے آج تک اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا' پہلی تم
تمہیں بھی تو پھر ممکن ہے اس بات سے اسے دکھ ہو' تکلیف ہو' اس طرح ہم ایک
کھو دیں گے۔"

"ایک بات آپ سے کہوں مسٹر فراز' شامی صاحب اس مسئلے کو ایسے نہیں چھوڑیں
گے' باقی ساری باتیں اپنی جگہ۔" شامی نے ضدی لہجے میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے میں منع نہیں کرتا تم کھوج لگاؤ اس کی اور ہو سکتا ہے تمہیں
معلوم بھی ہو جائے لیکن اس کے بعد اس کا اظہار مت کرنا' یہ مت بتانا کہ تم کسی بات کی
حقیقت جان چکے ہو۔"

"او کے' ٹھیک ہے لیکن بہرحال کچھ کریں گے' آؤ اب اٹھیں' چچی جان انتظار کر رہی
ہوں گی۔"

رات کا کھانا وہ لوگ اب امینہ بیگم کے ساتھ ہی کھایا کرتے تھے' چنانچہ تھوڑی دیر
بعد تیار ہو کر وہ امینہ بیگم کے فلیٹ کی جانب چل پڑے' وہاں سب انتظار کر رہے تھے۔
فراز کی گاڑی فلیٹ کے نیچے فٹ پاتھ پر رکی تو انہوں نے صاعقہ' انیلا اور امینہ بیگم کو بالکنی
میں کھڑے ہوئے پایا' صاعقہ مسکرا دی تھی' انیلا نے خوشی سے آواز لگائی تھی اور وہ
کے بعد گاڑی سے اتر کر اندر چلے گئے تھے' دروازے پر پہنچے تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور امینہ
بیگم کھڑی مسکرا رہی تھیں سلام کیا اور پھر امینہ بیگم کہنے لگیں۔

"آج کچھ دیر ہو گئی بچو؟"

"جی چچی جان کچھ مصروفیت تھی سوری۔" فراز نے کہا اور سب اندر داخل ہوئے
گھر کے لوگ نہ جانے کیوں بہت خوش نظر آ رہے تھے' امینہ بیگم کی شکل بھی بدل گئی
صاعقہ اور انیلا بھی خوب صاف ستھری اور اچھے حال میں نظر آ رہی تھیں۔ صاعقہ جو
کم بولتی تھی' پر مسرت لہجے میں بولی۔

"جانتے ہیں شامی امی نے ایک ناول لکھنا شروع کر دیا ہے' بہت عرصے کے بعد
نے امی کو اسی انداز میں دیکھا ہے جس انداز میں وہ کبھی نظر آتی تھیں۔"

"ویری گڈ' موضوع کیا ہے چچی جان؟"

"ارے بھئی بس تم لوگوں نے نئی زندگی سے روشناس کرا دیا ہے تو پھر واپس
ہوں اصل میں تخلیق ایسا مرض ہے جو دمے سے زیادہ مہلک ہوتا ہے' دمے کے بارے میں
کہا جاتا ہے کہ دمہ دم کے ساتھ ہے' تو یہ بیماری بھی ایسی ہوتی ہے بس شرط یہ ہے کہ
انسان کو اس کا موقع مل سکے نہ جانے کیوں طبیعت پر پھر امنگ طاری ہوئی اور میں نے
آغاز کیا ہے۔"

"نہیں چچی جان' بہت اچھی بات ہے' آپ ماضی کو بھلا دیں اور ایک بار پھر اپنی اسی
دنیا میں واپس آ جائیں۔"

ماضی بھلانے کی چیز نہیں ہوتی بلکہ ماضی کے نقش تو تجربہ سے منسلک ہوتے ہیں اور
کو امر بنا دیتے ہیں' میں نے اس ناول کا نام "ہم" رکھا ہے اور اس میں اپنا کردار بھی
کر دیا ہے انشاء اللہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی کار آمد چیز ہو گی' اس میں میں
ماؤں کو محتاط رہنے کی ہدایت کی ہے جن کے شوہر زندگی میں ان کا ساتھ چھوڑ دیں
بیٹیوں کی ماں ہوں' انہیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے ذرا سے غلط فیصلے سے ان
کی زندگی دوزخ بن جاتی ہے' میں نے اسی دوزخ کا تذکرہ کیا ہے۔"

"یقیناً یہ ایک شاہکار ہو گا۔"

"اور اس کے بعد امینہ کی واپسی کو لوگ حیرت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔" امینہ بیگم

"آپ فکر نہ کریں چچی جان یہ ناول ہم بہت خوبصورت چھپوائیں گے۔" شامی نے

"نہیں میرے پبلشر بعد میں مجھ سے بڑے مطالبے کرتے رہے ہیں وہ خود بھی اچھے
چاہتے ہیں ہم کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھائیں گے' ہم ناول چھاپ کر کہاں بیچتے پھریں

خیر اس سلسلے میں آپ کے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی تو جناب حمیدہ بیگم
یا پکایا ہے آج آپ نے؟"

"صاحب جی آج بیگم صاحبہ نے مجھے باورچی خانے میں کوئی کام نہیں کرنے دیا' آج
منع کر دی گئی تھی سارے کھانے بیگم صاحبہ نے خود پکائے ہیں۔"

"ہاں' بس آج میرا دل چاہا کہ میں تم لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے کچھ پکا کر کھلاؤں اور
کچھ کیا ہے۔"

"تب تو پھر یقینی طور پر آج کچھ زبردست چیزیں ہوں گی دسترخوان پر۔"

پسند آ جائیں تب کی بات ہے' کس وقت کھاؤ گے کھانا؟"

"ابھی نہیں چچی جان آج آپ نے خوش ہو کر ہمارا دل بھی خوش کر دیا ہے' گئیں
گے آج۔"

میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی تم لوگ اپنا انتظام خود کر لو' میں ذرا بازار جا رہی

آپ نے بازار جانا بھی شروع کر دیا۔"

کو نیا رنگ دینا چاہتی ہوں' وہ رنگ جو مجھ سے کھو گئے تھے' حمیدہ کو ساتھ لئے

جاتی ہوں' آگے بڑھنا چاہئے' دیکھنا چاہئے' دنیا کیسی ہو گئی اور سچ جانو یہ لڑکیاں بڑی حیران
رہی تھیں۔ آج جب میں بازار گئی تھی۔ کہنے لگیں' امی آپ کے دل سے خوف تو بالکل
نکل گیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں خود کو بھول گئی تھی' حالات کا شکار ہو کر اب اگر
فرید احمد یا کوئی اور میرے سامنے آ جائے تو مجھے اس سے بالکل ڈر نہیں لگے گا۔"

"چچی جان زندہ باد۔" شامی نے کہا۔

"تو پھر تم لوگ مجھے اجازت دو تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی کہ تم آ جاؤ گے تو نکلوں گی
کیوں حمیدہ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"جی بیگم صاحبہ میں تو تیار ہوں۔"

"او کے پھر چلتے ہیں ہم لوگ آؤ حمیدہ۔" شامی اور فراز نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اب
بیگم کہاں جانا چاہتی ہیں۔ بہرحال وہ چلی گئیں' تو شامی نے کہا۔

"بھئی انیلا تم لوگ بالکونی میں کیوں کھڑے تھے؟"

"آپ کا انتظار کر رہے تھے شامی انکل۔"

"بڑا اچھا لگ رہا ہو گا تمہیں۔"

"شامی انکل بڑا ہی اچھا لگتا ہے بالکونی میں کھڑے ہو کر مجھے تو ایسے گھر بہت ہی
ہیں جہاں سے باہر سڑک نظر آئے چلتی پھرتی گاڑیاں نظر آئیں' کتنا اچھا لگتا ہے۔"

"پھر یار ہمیں بھی دکھاؤ نا اپنی بالکونی۔"

"آیئے۔" انیلا نے کہا اور شامی انیلا کا ہاتھ پکڑ کر بالکونی کی جانب چل پڑا۔ بالکونی
کھڑے ہو کر اس نے انیلا سے سوالات شروع کر دیئے۔ انیلا کے بارے میں اسے پہلے
اندازہ ہو گیا تھا کہ بہت ہی اچھی بچی ہے' سمجھدار اور وقت سے پہلے ماحول سے آشنا
جانے والی کیونکہ اسے ماحول ہی ایسا ملا تھا۔ شامی نے اس کی باتوں میں اس کی عمر سے
پختگی پائی تھی لیکن معصومیت اپنی جگہ تھی اور یہ امتزاج شامی کو بہت ہی زیادہ پسند تھا
دوڑتی ہوئی کاریں دیکھ کر اس نے انیلا سے کہا۔

"انیلا! یہ گاڑیاں کیسی لگتی ہیں؟"

"بہت ہی اچھی لگتی ہیں شامی انکل اور کبھی کبھی یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ان گاڑیوں
زندگی گزارنے والے کیا اپنی مرضی سے اپنی تقدیر لکھواتے ہیں۔"

شامی کا منہ حیرت سے کھل گیا اس نے انیلا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہ باتیں کیسے
ہو انیلا؟"

"کیوں انکل۔ نہیں سوچنا چاہئے۔"

"نہیں نہیں بیٹا۔ تمہارے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ تم ایسی گاڑیوں میں
کرو؟" شامی نے سوال کیا اور انیلا سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔

"نہیں انکل۔ اصل میں اللہ میاں سب کی تقدیریں الگ الگ لکھتے ہیں اور جو اللہ
میاں کرتے ہیں وہ سب سے اچھا ہوتا ہے' ہم ہمیشہ اپنی تقدیر کے مطابق ہی حاصل کر سکتے
ہیں' جب اللہ میاں نے ہماری تقدیر میں ایسی چیزیں لکھی ہی نہ ہوں تو ہمیں ان کی بات مان
لینی چاہئے' وہ ہمارے اللہ میاں ہیں نا۔"

شامی ایک عجیب سے تاثر میں ڈوب گیا تھا اس وقت اس نے صاعقہ اور فراز کو تنہائی کا
موقع دیا تھا اور یہ بات فراز اور صاعقہ دونوں ہی سمجھ چکے تھے' صاعقہ کے چہرے پر ایک
عجیب سی شرم نظر آ رہی تھی' فراز بھی خاموش خاموش سا تھا' صاعقہ نے کہا۔

"آپ۔ کچھ بات کیجئے۔"

"سوچ رہا ہوں صاعقہ۔ یہ نہ سمجھ لو کہ تنہائی ملتے ہی میں نے موقع سے فائدہ اٹھانا
شروع کر دیا۔"

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ تو ہمارے نجات دہندہ ہیں' ہم تو یہ محسوس کرتے
تھے کہ ہم ایک کنویں میں گر پڑے تھے۔ کنویں میں دلدل تھی اور ہم اس میں لت پت ہو
گئے۔ دیواریں سپاٹ اور اتنی بلند تھیں کہ ہم کسی بھی طرح ان دیواروں پر چڑھ کر کنویں
سے باہر نہیں آ سکتے تھے پھر ہماری یہ سزا ختم ہو گئی۔ قدرت نے ہمیں زمین ہی سے دو
فرشتے مہیا کئے اور انہوں نے ہمیں یہ دیواریں عبور کرا دیں۔ فراز صاحب آپ یقین کیجئے
میں اتنا کبھی نہ بولتی' لیکن اگر آپ کے لئے میرے دل میں جو جذبات ہیں ان کا اظہار نہ
کروں تو میرا سینہ پھٹ جائے گا۔ میں عقیدت کے ان جذبات کا اظہار کرنا چاہتی ہوں فراز
صاحب جو میرے ہی نہیں میری ماں کے دل میں بھی ہیں فراز صاحب۔ کس زبان سے آپ
کا شکریہ ادا کروں۔"

فراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے کہا۔ "شکریہ تو آپ ادا کر چکی ہیں
صاعقہ۔"

"کیسے.....؟"

"وہ پرچا' جو آپ نے مجھے دیا تھا۔" فراز نے کہا اور صاعقہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا
اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

"میرے بال پکڑ کر مجھے مارا جاتا تھا' مجھ سے کبھی تمیز سے بات نہیں کی جاتی تھی' جب
مجھے دروازے سے باہر نکال دیتے تھے تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرا جسم بے لباس
ہو اور اس بے لباسی کو ہی چھپانے کے لئے میں نجانے کیا کیا جتن سوچتی تھی۔ کبھی راہ
میں ٹہلنے لگتی تھی کہ کوئی بس یہ سمجھے کہ چہل قدمی کر رہی ہوں' چہرے کو بار بار
صاف کرتی تھی کہ کہیں اس پر آنسوؤں کی لکیریں نہ دیکھ لی جائیں' پڑوسی سب کچھ سمجھتے
تھے بھی اچھے لوگ تھے کہ کسی بے کس اور بے سہارا کو رسوا نہ کرتے تھے' عزت کا نام

بھول گئی تھی میں' آج میرے کانوں میں نجانے کیسی جھنجھناہٹ ہوتی ہے جب کوئی مجھے صاعقہ صاحبہ کہہ کر پکارتا ہے کیا میں بھی اس قابل تھی فراز صاحب؟"

"صاعقہ۔ میں ایسی گفتگو نہیں کرنا چاہتا جن میں جذبات کے اظہار کو خوبصورت الفاظ دیئے جا سکیں لیکن بس اتنا کہوں گا میں آپ سے محبت کرتا ہوں صاعقہ۔ آپ کو حاصل کر کے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہو گی۔" صاعقہ اپنی جگہ بیٹھی لرزتی رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تو فراز نے بے قراری سے کہا۔ "کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے صاعقہ۔"

"نہیں بس۔"

"آنسو کیوں نکل آئے؟"

"بس ایسے ہی۔ سوچ رہی تھی' میں نے زندگی میں کون سی نیکی کی تھی جو اللہ کو پسند آ گئی۔ آپ فراز صاحب۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ نے میری عزت نفس کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی کوشش کی۔"

"زندگی کبھی کبھی بھیانک لمحات سے گزرتی ہے صاعقہ۔ ہمت اور پامردی سے حالات کا مقابلہ کر کے وقت بدلنے کا انتظار کرنا چاہئے۔"

"ہم تو ہمت ہار بیٹھے تھے اور آخری فیصلہ کر چکے تھے کہ ہم مر جائیں گے۔ بس آپ یقین کریں۔ مجھے مر جانے کی خوشی تھی لیکن بس جب انیلا کی موت کا خیال آتا تھا میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا۔ وہ مرتے ہوئے کیا سوچے گی؟" صاعقہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور فراز بوکھلا گیا۔

"صاعقہ۔ پلیز۔ پلیز۔ سنئے روتے نہیں۔ اب تو سب ٹھیک ہے۔ ارے باپ رے۔ ارے چپ ہو جائیے آپ کو خدا کا واسطہ۔ ارے وہ آ جائے گا۔"

"کون؟" صاعقہ روتے روتے ایک دم بول پڑی۔

"شامی۔" فراز نے جواب دیا اور صاعقہ روتے روتے ہنس پڑی۔ ایک عجیب مزا دے رہی تھی یہ آنسو بھری ہنسی۔

"کیا کریں گے شامی صاحب؟" اس نے پوچھا۔

"یہی تو کسی کو نہیں پتا۔"

"کیا مطلب؟"

"جان عذاب میں کر دے گا میری۔ میرا مذاق اڑا اڑا کر آپ نہیں سمجھتی ہیں۔"

"آپ نے ہم دونوں کے لئے وہ کیا ہے جو کوئی کسی کے لئے نہیں کرتا۔"

"سچ جانئے صاعقہ۔ ہم نے سب کچھ اپنے لئے کیا ہے۔ آپ۔ آپ میری زندگی بھر کی ساتھی جو ہیں۔"

"ہم آ رہے ہیں۔" بالکنی والے کمرے سے شامی کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں بھول گئے۔ انیلا اور شامی اندر آ گئے تھے۔

"کیا پکایا آپ دونوں نے مل کر' ارے لگتا ہے آپ سب کچھ پکا چکے ہیں۔"

"کھانا تو امی نے پہلے ہی پکا لیا ہے شامی بھائی۔"

"کسی دن ہم بھی آپ کو کچھ پکا کر کھلائیں گے۔"

"آپ کو کھانا پکانا آتا ہے شامی انکل؟" انیلا نے پوچھا۔

"ایسا ویسا۔ اصل میں ہماری استاد ایک ایسی خاتون تھیں جو بیک وقت ایک چولہے پر دو ہنڈیاں پکا لیا کرتی تھیں۔"

"ایک چولہے پر دو ہانڈیاں۔" صاعقہ تعجب سے بولی۔

"جی بالکل۔ فراز سے پوچھ لیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"میں شمسہ بھا...... کی بات کر رہا ہوں۔" شامی نے کہا اور فراز کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا۔ صاعقہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔

"کیا یہ سچ ہے۔" اس سے قبل کہ فراز جواب دیتا دروازے کی بیل بج اٹھی تھی۔ شاید ...بہ بیگم آ گئی تھیں۔ صاعقہ دروازہ کھولنے چلی گئی تھی۔

□

شہریار نے گلزار کو گرین سگنل دے دیا' حسن یا غزل کی جانب سے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی بظاہر ایسا لگتا تھا دونوں اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہیں۔ گلزار نے شہریار سے مشورہ کیا۔

"تو پھر اب بتاؤ دوست مجھے اب کیا کرنا چاہئے' ویسے بھی یار گھر سے رابطہ ختم ہو گیا ہے گھر والے بھی پریشان ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ میں کہاں غائب ہو گیا' کہیں ایسا نہ ہو کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ والد صاحب کہیں پولیس کے ذریعہ تلاش کرنا نہ شروع کر دیں' یار اپنا ایک مقام ہے' ایک عزت ہے' وہ کم بخت حسن نے صورت حال خراب کر دی ورنہ ...یا بھی نہیں تھا کہ ہمیں اس طرح چھپنا پڑتا۔"

"بہرحال یہ میں تم سے پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یہ دونوں تمہارے خلاف کارروائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔"

"ہوں۔ ہمت ہی نہیں پڑی ہو گی' کم از کم حسن اتنا بے وقوف نہیں ہے جو کچھ کر سکے وہ اپنی جگہ لیکن اتنا تو اسے ضرور معلوم ہو گا کہ ہم بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے

ہوئے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

"سرپرست اعلیٰ تو تم ہی بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔"

"فیس بتاؤ ابھی ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" گلزار نے کہا اور شہریار ہنسنے لگا' پھر بولا

"یار تم ہی لوگوں سے اپنا کام چلتا ہے' تکلف نہیں کریں گے بیچ بچ تھوڑی سی رقم درکار ہے ان دنوں بڑا قلاش ہو رہا ہوں۔"

"کہاں کی باتیں لے بیٹھے میں تمہیں چیک دے دوں گا فکر مت کرو جتنے پیسوں کی ضرورت ہو لے لینا اب کام کی بات کرو۔"

"نہیں یوں ہی بس تذکرہ نکل آیا تھا پریشان تھا کچھ دنوں سے سوچ رہا تھا کس سے قرض مانگوں اب جب صورت حال اس حد تک خراب ہو گئی تو تم سے کہے بغیر نہ رہ سکا۔"

"خیر اس کی فکر مت کرو مجھے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"مشورہ یہ ہے کہ آپ ہاسٹل واپس جایئے' چہرے پر بھک منگوں کے جیسے تاثرات ہونے چاہئیں' حسن سے سامنا بھی ہو تو نظریں جھکا لینا اور اگر وہ خود ظرف کا ثبوت دے جائے تو خلوص دل سے اس سے معافی مانگ لینا اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور اسے اپنا مرشد بنا لینا۔"

"لیکن میرے دل میں جو آگ سلگ رہی ہے۔"

"چھپا لو اسے میرے دوست اس آگ کو ظاہر نہ کرو' ہم جو موجود ہیں تمہارے لئے بلکہ میرے ذہن میں تو ایک اور ہی پروگرام ہے۔"

"کیا؟" گلزار نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک طرف تم حسن کے ساتھ ایک نیک انسان کی حیثیت سے وقت گزارتے رہو دوسری طرف یہ کہ غزل کی ذمہ داری میرے اور گریسی کے سپرد کر دو' گریسی کو تھوڑی بہت رقم ادا کرنی پڑے گی ہم کوئی مناسب بندوبست کئے لیتے ہیں' حسن کو شکست دینے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ غزل کو ایک بار پھر تمہارے چنگل میں آنا چاہئے۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔" گلزار نے کہا۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے بلکہ جب غزل غائب ہو جائے تو تم حسن کے ساتھ مل کر اسے تلاش کرنا' باقی معاملات ہم سنبھال لیں گے' اس کی پروا مت کرنا لیکن میں تمہیں کھل کر بتائے دیتا ہوں گلزار ابھی اس فیصلے کو ملتوی کر سکتے ہو اور کوئی نیا پروگرام ترتیب دے لو' اگر کام اسی انداز میں کرنا ہے تو یوں سمجھ لو کہ کم از کم پندرہ سے بیس ہزار ڈالر کا خرچہ ہو جائے گا۔"

"میرے پاس یہاں میرے اکاؤنٹ میں تقریباً پینتیس ہزار ڈالر جمع ہیں اس لئے مجھے فکر

نہیں ہے' میں تمہیں یہ رقم پیشگی بھی ادا کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میرے دوست دیکھنا شہریار تمہارے لئے کیا کرتا ہے۔ ہمیں نئی جگہ کا انتظام بھی کرنا ہو گا اس کے بعد غزل کو لانا ہو گا۔ گریسی کو بھی اچھی خاصی رقم ادا کرنی پڑ جائے گی۔ تم جانتے ہو وہ کاروباری آدمی ہے۔"

"او کے' او کے۔ یہ رقم میں تمہیں ادا کر دوں گا' ہمیں کرنا ہی کیا ہے' زندگی پڑی ہے کھانے کمانے کے لئے۔"

"تو بس پھر شروع ہو جاؤ' کل پہنچ جاؤ اپنے ہاسٹل۔"

شہریار نے کہا اور گلزار نے گردن ہلا دی۔ دوسرے دن گیارہ بجے وہ ہاسٹل میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حسن کے کمرے کا دروازہ لاک تھا' گلزار کو علم تھا کہ وہ شام سے پہلے واپس نہیں آئے گا اور شام کو حسن آ گیا' گلزار نے اس کا کمرہ کھلنے کی آواز سنی تھی اور اس کے بعد وہ ان ترکیبوں میں لگ گیا تھا کہ کس طرح حسن کا سامنا ہو' پھر شام کے سات بجے کے قریب حسن اپنے کمرے سے باہر نکلا تو گلزار بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ حسن اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کی لہر آ گئی تھی۔ گلزار نے اسے دیکھا اور گردن جھکا لی پھر وہ مرے مرے قدموں سے آگے بڑھا تو حسن نے اسے آواز دی اور گلزار رک گیا۔ حسن اسے گھور رہا تھا لیکن گلزار بھی بہترین اداکاری کر رہا تھا' وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا حسن کے پاس پہنچ گیا لیکن نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔

"کہاں چلے گئے تھے گلزار؟" حسن نے سوال کیا لیکن گلزار نے کوئی جواب نہیں دیا بس گردن جھکائے پشیمانی کے انداز میں کھڑا رہا' حسن چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"کہیں جا رہے ہو؟"

"نہیں۔" گلزار نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے تھوڑا سا وقت دو گے۔"

"جی۔"

"آؤ۔" حسن نے کہا اور واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا' گلزار اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا' حسن نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بولا۔

"بیٹھو گلزار۔" گلزار ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کہاں تھے اتنے دنوں سے؟"

"چھپتا پھر رہا تھا۔" گلزار نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"تم جانتے ہو حسن۔"

"نہیں جانتا، تم بتاؤ۔"

"مجھے خوف تھا کہ کہیں تم پولیس کو میرے بارے میں رپورٹ نہ دے دو۔"

"یہ خوف تمہیں ہم سے چھپنے پر مجبور کرتا رہا، کبھی خدا کا خوف کیا ہے گلزار؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا حسن۔"

"کیوں؟"

"کہنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے گلزار، اگر مناسب سمجھو تو مجھے جواب دے دو ورنہ میں تمہیں مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ گلزار نے پہلی بار نگاہیں اٹھائیں حسن کو دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔"

"کیا میں قابل معافی ہوں حسن بھائی؟"

"کس بات پر.....؟"

"میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر سخت شرمندہ ہوں اور یہ سوچ کر واپس آیا ہوں یہاں کہ اگر تمہارا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا ہو تو اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کر دوں، میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس پر پشیمان ہوں لیکن یہ بات جانتا ہوں کہ یہ پشیمانی بعد از وقت ہے پھر بھی حسن بھائی میں آپ کی طرف سے کئے جانے والے ہر اقدام کے لئے تیار ہوں اور سر جھکا کر آپ کے عتاب کا سامنا کروں گا میرا سر تو ویسے بھی کبھی آپ کے سامنے نہیں اٹھ سکتا۔"

"کیا تم خلوص دل سے یہ بات کہہ رہے ہو گلزار؟"

"ہاں حسن بھائی، ہاسٹل سے دور رہ کر ہوٹل کے ایک کمرے میں قیام کرتے ہوئے میرا ذہن نجانے کیسے کیسے خیالات میں ڈوبا رہا ہے، میں نے اپنا اور آپ کا موازنہ کیا ہے ایک ہی وطن، ایک ہی زمین سے تعلق رکھتے ہیں، ہم دونوں، تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آئے ہیں، آپ محنت مزدوری کر رہے ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور میں باپ کی دولت پر جو کچھ کر رہا ہوں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ عمر کا تقاضا ہے لیکن کمینگی بھی ہے، اچھی بات نہیں ہے، میں نے اپنی ایک ہم وطن لڑکی کو بے عزت کرنے کی کوشش کی تھی، آپ نے اس کی آبرو بچائی اور اپنی بلند ظرفی کا ثبوت دیا حسن بھائی آپ دونوں میرے خلاف پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"یقین کر لو گے میری بات پر....."

"آپ کی ہر بات پر میں آنکھیں بند کر کے یقین کر لوں گا اب....."

"تو یہ سمجھ لو اپنے وطن کی رسوائی کے خوف سے آخر کار یہی پتہ چلے گا کہ تم میرے ہم وطن تھے، ہم نے یہ خاموشی اختیار کی ہے حالانکہ غزل کے والد بیرسٹر ہاشم علی بھی آئے ہوئے تھے اور وہ اس بات پر غزل کو شدید طریقے سے مجبور کر رہے تھے کہ غزل تمہارے

بارے میں تفصیلات انہیں بتا دے لیکن غزل نے کچھ نہیں بتایا، ہم لوگ صبر کر کے خاموش ہو گئے گلزار یہ بھی ایک سچ ہے کہ وہ ہماری ہم وطن ہے، میرا اس سے گلزار کوئی خونی رشتہ نہیں ہے، صرف ہم دونوں نے ساتھ ہاؤس جاب کی ہے اس کے والد میرے والد کے دوست ہیں اور وہ میرے لئے بہن کا درجہ رکھتی ہے۔"

گلزار بری طرح چونک پڑا، اس نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"بہن.....؟"

"ہاں....."

"لیکن غزل تو آپ کو چاہتی ہے حسن بھائی۔"

"ایک بہن کی طرح....."

"نہیں، یہاں آپ غلط سوچ رہے ہیں۔"

"نہیں گلزار یہاں تم غلط سوچ رہے ہو۔"

"حسن بھائی! آپ کیا بات کرتے ہیں میں بھی بے وقوف تو نہیں ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن غزل خود اس رشتے کا تعین نہیں کر پائی تھی جو اس کے اور میرے درمیان تھا، تعین ہو گیا بات ختم ہو گئی۔"

"یہ تعین بعد میں ہوا۔"

"ہاں۔"

"اور اس سے پہلے وہ آپ سے عشق کرتی تھی۔"

"وہ اب بھی مجھ سے عشق کرتی ہے ایک بھائی کی حیثیت سے، اصل میں وہ اپنے ذہن میں یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اس کے دل میں میری محبت کا کیا مقام ہے، ناتجربے کاری کی بنا پر وہ خود کو مجھ سے اسی طرح منسلک کئے ہوئے تھے لیکن جب اسے یہ احساس ہو گیا تو وہ شرمندہ ہو گئی اور اب وہ میرے لئے بہن کا مقام رکھتی ہے۔"

"آپ بہت عظیم ہیں حسن بھائی، حقیقت یہ ہے کہ عمر کے اس دور میں انسان کا اس قدر پاکیزہ خیالات کا مالک ہونا معمولی بات نہیں ہے۔"

"تم بھی برے انسان نہیں ہو گلزار، ہم لوگ اپنے دیس سے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں اور یہاں سے بدنامیوں کے لاتعداد داغ لے کر اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں، ہمارے ماں باپ ہمیں یہاں عیاشی کرنے کے لئے تو نہیں بھیجتے، بڑا بھروسا کرتے ہیں وہ ہم پر اور اگر ہم ان کے بھروسے کو اس طرح نقصان پہنچائیں گلزار تو تھوڑا سا سوچو ان کے دلوں پر کیا بیتتی ہو گی، وہ تو اپنی محبت پر شرمندہ ہوتے ہوں گے کہ انہوں نے ہمارا مستقبل بنانے کے بارے میں کیوں سوچا؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں حسن بھائی۔"

"یہ دیارِ غیر ہے میرے دوست یہاں ہمارا کردار ہمارے وطن کا نمائندہ ہوتا ہے' وطن میں اگر ہم سے کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اسے چھپانے والے اپنے ہوں گے لیکن یہاں ہم جب نمایاں ہوتے ہیں تو ہمارے وطن کا نام بدنام ہوتا ہے' گلزار میں فرشتہ صفت نہیں ہوں لیکن میری جان اگر تم اپنے کئے پر تائب ہو تو میرے بہترین دوست ہو تم۔"

"حسن بھائی! آپ نے' آپ نے مجھے خرید لیا' میں غلام ہوں آپ کا' آپ یقین کیجئے یہی سوچ کر آیا تھا کہ آپ کے سامنے آؤں گا معافی نہیں مانگوں گا اس وقت تک آپ سے جب تک آپ کے دل میں میرے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں پیدا ہوگا اگر آپ مجھے سزا دلوانے پر تل جاتے ہیں تو میں سزا قبول کر لوں گا اور اگر آپ نے معاف کر دیا تو بقیہ زندگی آپ کی صحبت میں گزاروں گا۔"

"نہیں گلزار میرے دوست ہو تم۔" حسن نے اٹھ کر گلزار کو گلے سے لگا لیا' گلزار مسمسی سی شکل بنائے کھڑا رہا' حسن نے کہا۔

"بھول جاؤ جو کچھ ہوا' میں نے بھی ذہن سے نکال دیا ہے اور میں غزل سے بھی یہی درخواست کروں گا تم بالکل فکر نہ کرو۔"

"حسن بھائی! میں غزل سے بھی معافی مانگنا چاہتا تھا۔"

"وقت گزرنے دو' وقت بڑے بڑے زخموں کا مرہم بن جاتا ہے' تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حسن نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا پھر دونوں نے ساتھ بیٹھ کر چائے پی اور اس کے بعد گلزار اپنے کمرے میں واپس آ گیا دل ہی دل میں وہ ہنس رہا تھا پھر وقت گزرتا رہا آٹھ دس پندرہ دن ہو گئے گلزار اور حسن کے درمیان خاصی گاڑھی چھن رہی تھی۔ شہریار کو وہ رقم ادا کر دی گئی تھی جو اس نے طلب کی تھی اور یہ معمولی رقم نہیں تھی۔ بہرحال شہریار کو بھی یہیں رہنا تھا اس رقم کی ادائیگی ضروری تھی' ادھر حسن نے غزل کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا اور غزل بھی مطمئن ہو گئی تھی اسے بس یہ خیال تھا کہ گلزار کی جانب سے حسن کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ ہو اس نے کہا تھا کہ اگر گلزار سامنے آ گیا ہے اور اپنی حرکت پر تائب ہو گیا ہے تو یہ زیادہ اچھا ہوا لیکن اس نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ گلزار کو کبھی اس کے سامنے نہ آنے دے اور بات اپنے طور پر ہی ٹال دے۔

بہرحال یہ ساری باتیں چلتی رہی تھیں۔ غزل صرف گلزار کی وجہ سے اب ہاسٹل نہیں آتی تھی' ٹیلی فون پر دونوں کا رابطہ ہوتا تھا اور پھر کوئی جگہ منتخب کر لی جاتی تھی گلزار اس بات کا خاص طور سے جائزہ لے رہا تھا کہ ان کا طریقہ کار کیا ہوتا ہے' پھر ایک دن راہی حسن کو اس کے انسٹی ٹیوٹ میں ملا اور حسن نے مسکراتے ہوئے راہی کا استقبال کیا' راہی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے' کہنے لگا۔

"یار حسن' بات بہت بری ہے انسان کو کسی کی غیبت نہیں کرنی چاہئے اور کسی کے خلاف اس وقت تک نہیں کہنا چاہئے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے کچھ نہ دیکھ لیا جائے لیکن میں اس کے باوجود تم سے کچھ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"کیا بات ہے راہی؟"

"گلزار ہی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں خیریت؟"

"گلزار سے آج کل تمہاری بڑی دوستی چل رہی ہے۔"

"ہاں بس ہم وطن ہے ایک واقعہ ایسا ہوا تھا جس نے اس کے خلاف میرے دل میں نفرت پیدا کر دی تھی وہ اس سے تائب ہو گیا ہے اب میرا اس کا اور کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"حسن' سانپ کی یا بچھو کی فطرت کے بارے میں جانتے ہو ڈنک ضرور مارتا ہے' خدا کی قسم تم سے یہ سب کچھ کہنے سے پہلے میں نے بہت کچھ سوچا تھا' یہ سوچا تھا میں نے کہ کہیں تم کوئی غلط بات نہ سوچ بیٹھو۔ یہ نہ سمجھو کہ مجھے تمہاری اور گلزار کی دوستی بری لگتی ہے۔"

"یار کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ گلزار تم سے کوئی کھیل کھیل رہا ہو۔"

"کیسا کھیل....؟"

"ہو سکتا ہے وہ کینہ پرور انسان ہو اور تمہاری دوستی کا ڈھونگ رچا کر تم سے انتقام لینا چاہتا ہو۔"

"تمہیں اس بات کا شبہ کیسے ہوا؟"

"کچھ ایسے لوگوں کو آج کل گلزار کے ساتھ خفیہ میٹنگیں کرتے دیکھ رہا ہوں جن کا کردار اچھا نہیں ہے' یقیناً تم ان میں سے کسی کو نہیں جانتے ہو گے' ایک کا نام شہریار ہے اور دوسرا یہاں کا ایک اچھا خاصا غلط آدمی گرسکی ہے' دونوں ہی ایسے بدکردار لوگوں میں سے ہیں جو اچھے نہیں سمجھے جاتے پھر ان کی خفیہ میٹنگیں ایک بار میں نے ان کے قریب ہو کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کی ہے اور حسن ان کی گفتگو میں تمہارا نام شامل ہے۔"

حسن کے چہرے پر تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ دیر تک وہ خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا' ماضی پر غور کرتا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دوران گلزار جن کیفیات کا مظاہرہ کرتا رہا ہے' ان میں کہاں تک سچائیاں تھیں اور کہاں ان میں مکاری کا عنصر تھا لیکن کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"کیا یہ ممکن ہے راہی؟"

"خدا کرے غلط ہو اور خدا کی قسم بڑی کشمکش کا شکار رہا ہوں اس کے لئے کہ تمہیں

بتاؤں یا نہ بتاؤں۔"

"اگر ایسا ہوا راہی' تو خدا کی قسم کھاتا ہوں' اس بار گلزار کو وہ مزا چکھاؤں گا کہ یاد کرے گا۔ میری دعا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ بہرحال تمہارا شکریہ کہ تم نے ایک بار پھر میری مدد کی ہے۔" حسن کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

❑

رخشندہ نے محبت سے چائے کی پیالی سامنے رکھی' پھر جھک کر اس کے جوتے اٹھائے اور واپس چلی گئی۔ تابندہ اسے دیکھ رہی تھی۔ فرخندہ اور رخشندہ سارے دن گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ فیروزہ بیگم کو وہ کسی کام میں ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں۔ گھر جگمگ کرتا رہتا تھا' پھر جب تابندہ آ جاتی تو وہ اتنی خوشی سے اس کے سارے کام کرتی تھیں کہ کبھی کبھی تابندہ شرمندہ ہو جاتی تھی۔

"میں گھر کے سارے کام بھول جاؤں گی۔"

"بھول جائیں۔"

"اور جب تم یہاں سے چلی جاؤ گی تو۔" اس سوال پر وہ خاموش ہو جاتی تھیں' لیکن ان کے چہرے ان کے جذبات کے آئینہ دار ہوتے تھے۔ زبان حال سے وہ کہتیں' ہمیں کہاں جانا ہے باجی۔

اور وہ تڑپ جاتی۔ عورت کی ایک زندگی ہوتی ہے وہ زندگی اسے نہ ملے تو وہ کیا ہوتی ہے؟

اس وقت بھی دفتر سے آئی تھی۔ معمول کے مطابق رخشندہ نے چائے لا کر دی تھی۔ اس کے جوتے اٹھا کر لے گئی تھی۔ بڑی محبت ہوتی تھی اس کے انداز میں۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آئی اور گھر میں پہننے والی جوتیاں لا کر رکھ دیں۔ تابندہ خاموشی سے یہ سب دیکھتی رہی۔ یہ لڑکیاں لاوارث رہ گئی ہیں۔ ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ کون انہیں پوچھے گا۔ اگر انہیں ایک سنہری مستقبل مل جائے تو۔ میں دوں گی انہیں ان کا حسین مستقبل۔ میں دوں گی۔

اس کی ساری کوفت دور ہو گئی۔ واقعی اور کون ہے ان کا۔ اس گھر کا۔ ابو بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ وہ قصور وار ہیں بھائیوں نے دغا کی ہے۔ میں بھی اپنی دنیا بسا لوں تو۔ کیا ہو گا اس گھر کا۔ میں بھی خود غرضی سے آنکھیں بند کر لوں۔ ابو پہلے تو ایسے نہ تھے۔ ان کی بھی تو مجبوری ہے۔ ورنہ ہمیں ہر طرح ان کا تحفظ حاصل تھا۔ آخر انہوں نے ہی ہماری پرورش کی ہے۔

دل پژمردہ کو کچھ ہریالی حاصل ہوئی اور اس کا موڈ بحال ہو گیا۔ سب سے ساری شکایتیں دور کر لیں اس نے۔ رات کے کھانے پر اس نے کہا۔

"ابو! آپ لوگوں کے لئے ایک خوش خبری ہے۔"

"کیا؟"

"مسز عالمگیر کل ہمارے ہاں آ رہی ہیں۔"

"سر آنکھوں پر۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"جانتے ہیں کس لئے آ رہی ہیں وہ؟"

"کیا مطلب؟"

"رخشندہ کے لئے رشتہ۔ لے کر۔" تابندہ نے کہا اور مرزا صاحب اچھل پڑے۔

"واقعی؟"

"ہاں ابو۔ آپ کو مبارک ہو۔"

"گڈ۔ وہ جلدی کریں گی۔ ہم۔ بندوبست کیسے کریں گے۔" مرزا صاحب فکرمندی سے بولے۔

"ابو۔ میں جو دن رات محنت کر رہی ہوں۔ وہ کس کے لئے ہے۔"

"کیا مطلب؟" مرزا صاحب بولے۔

"سارا انتظام ہے ہمارے پاس۔ کل انشاء اللہ بات چیت طے ہو جائے تو ساری تفصیل آپ کے سامنے پیش کر دوں گی۔"

"مگر کیسے؟ شادی بیاہ بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔ اتنا روپیہ کہاں سے آئے گا؟"

"ہم عزت و احترام کے ساتھ اپنے بل پر سارے کام کریں گے۔ ابو میں نے مسز عالمگیر کے تعاون سے انہی کی فیکٹری میں اپنا کام بھی شروع کیا تھا۔ وہ چونکہ ایکسپورٹ کا کام کرتی ہیں۔ میں نے لوکل کام ان کی پارٹنر شپ میں کیا اور اچھے خاصے پیسے کمائے۔"

"اوہ میرے خدا' کیا یہ سچ ہے؟"

"آپ کی قسم ابو۔ اللہ کی قسم۔ آپ سے جھوٹ نہیں بول رہی۔" تابندہ نے کہا۔

اور مرزا صاحب آبدیدہ ہو گئے۔

"جو کام ان بدبختوں کو کرنا چاہئے تھا وہ تجھے کرنا پڑ رہا ہے تابندہ۔"

"ٹھیک ہے ابو۔ فرض کوئی بھی پورا کر لے۔"

"یہ تجھ پر فرض تو نہ تھا۔"

"فرض کو فرض سمجھا جائے تو فرض ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بہنیں ٹھکانے لگ جائیں گی۔ ابو آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں کہو؟"

"مسز عالمگیر کی ہر بات مان لیجئے۔ وہ یقیناً جلدی کریں گی ہم کہیں بھی اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔"

"کیسی کمزوری؟"

"یہی کہ ہم کوئی گرے پڑے لوگ نہیں ہیں کہ انتظام نہیں کر سکتے۔" تابندہ نے مرزا صاحب کو ان کے مزاج کے مطابق چڑھا دیا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے' پھر بولے۔

"عزت رہ جائے گی۔"

"انشاء اللہ۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

مرزا صاحب کے سو جانے کے بعد فیروزہ بیگم نے تابندہ سے کہا۔

"وہ خوشی سے تیار ہیں؟"

"ہاں امی' ہم کسی کو مجبور کیوں کریں گے۔"

"اور کوئی بات ہوئی؟"

"مثلاً؟"

"کتنا وقت دیں گی وہ ہمیں؟"

"میرا خیال ہے پندرہ دن۔"

"صرف؟"

"آپ صرف میرے زیر ہدایت کام کریں۔ میں سب سنبھال لوں گی۔" تابندہ نے کہا۔

"اللہ تجھے اور ہمت دے۔" فیروزہ بیگم نے کہا۔

دوسرے دن مسز عالمگیر آ گئیں۔ بڑی خوش دلی سے ان کا استقبال ہوا تھا۔ مٹھائی کے ٹوکرے لائی تھیں اور انہیں مرزا صاحب کے قدموں میں رکھا گیا تھا پھر مسز عالمگیر نے ان سے درخواست کی۔

"آپ کے گھرانے ہی سے نعمان کے لئے بہو چاہتی ہوں مرزا صاحب مجھے مایوس نہ کیجئے۔"

"سب کچھ آپ کا ہے بہن۔ حکم دیجئے۔"

"میں اپنے بیٹے نعمان کے لئے آپ کی بیٹی رخشندہ کا رشتہ چاہتی ہوں۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر' رخشندہ آپ کی ہے۔"

"آپ کو یہ رشتہ منظور ہے؟"

"ہاں۔"

مسز عالمگیر نے مرزا صاحب کو مٹھائی کھلائی۔ فیروزہ بیگم اور مسز عالمگیر میں وقت کا [illegible] ہوا اور رخشندہ کی تقدیر نے ساتھ دیا۔

مسز عالمگیر نے ایک گاڑی ڈرائیور کے ساتھ مکمل طور پر تابندہ کو دے دی اور [illegible] تیاریوں میں لگ گئی' لیکن زیورات کے سیٹ' جہیز کے برتن اور دوسری تمام چیزیں وہ

بڑی لائی تھی۔ پہلے زیورات خریدے گئے تو فیروزہ بیگم اور لڑکیاں ایک ہی طرح کے دو دو سیٹ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"ان کے تو ڈیزائن بھی ایک ہیں اور پھر اتنے زیورات۔"

"دونوں کے ہیں امی۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک رخشندہ کا اور دوسرا فرخندہ کا۔"

"فرخندہ کا کیوں؟"

"امی۔ اللہ کا شکر ہے کر سکتی ہوں۔ لگے ہاتھوں اس کے لئے بھی سب کچھ آ جائے تو اچھا ہے۔ کل کے لئے کیا کہہ سکتے ہیں۔ فرخندہ کے لئے کوئی اچھا رشتہ آیا تو ہمارے پاس سب کچھ ہو گا۔"

"اللہ تجھے اس کا اجر دے بیٹی۔"

بارات آئی نکاح ہوا۔ شاندار ہوٹلوں میں بندوبست کیا گیا تھا۔ مرزا سخاوت نے پورا پورا انصاف کیا تھا۔ تابندہ نے بہن رخصت کر دی۔ خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی وہ لگتا تھا جیسے زندگی کا کوئی مقام مل گیا ہو' جس کی وہ نجانے کب سے آرزو مند ہو' فیروزہ بیگم بھی خوش تھیں۔ فرخندہ بھی مسرور تھی' نعمان ایسا سجیلا جوان تھا کہ جو دیکھتا دیکھتا رہ جاتا' اتنا اچھا بہنوئی پا کر بڑی اور چھوٹی سالی کو نعمان بھی بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ ویسے اس کا کردار بھی بے حد عجیب تھا۔ اصل میں اس نے اپنی ماں کو جو حق دیا تھا وہ اس حق کی پوری پوری ادائیگی کرنا چاہتا تھا تاکہ ماں کی زندگی میں جو کمی رہ گئی ہے اسے پورا کر دے اور مسز عالمگیر کو بھی درحقیقت بڑا اعتماد ملا تھا۔ ویسے تو بیٹے نے زندگی میں کبھی کوئی ایسا انحراف نہیں کیا تھا' جو ماں کے لئے باعث تکلیف ہوتا' لیکن اب اس نے صحیح معنوں میں اپنے سارے حق کی ادائیگی کر دی تھی۔

غرض یہ کہ یہ سارا کام خوش اسلوبی سے مکمل ہو گیا' لیکن رات کی تنہائیاں ذرا مختلف نوعیت کی حامل تھیں ان تنہائیوں میں اسے حسن کی شاکی نگاہیں نظر آئی تھیں بس شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں نجانے کیا کیا شکوے کر رہا [illegible] تھی کہ تابندہ کے آنکھیں بند کر لینے سے بھی یہ چہرہ آنکھوں سے محو نہیں [illegible] شکر تھا کہ تنہائیاں تھیں اور اس کے دل کی آواز کوئی نہیں سن سکتا تھا اور یہ آواز [illegible] کسی کو سنانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

رخشندہ سسرال سے آئی۔ مسز عالمگیر اسے خود پہنچانے آئی تھیں سب نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ وہ ہنس کر بولیں۔

"آپ لوگ مجھے معاف کر دیں۔ مجھے زیادہ رسم و رواج نہیں معلوم۔ عورت سے زیادہ مرد بن کر زندگی گزاری ہے۔ لیکن اس سلسلے میں میری جس طرح رہنمائی کی جائے گی میں اسی طرح کروں گی۔"

"ارے سب بے کار ڈھکوسلے ہیں۔ بس سب سے بڑی رسم پوری ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ اب جیسے دل چاہے آئیں جائیں' یہ گھر بھی آپ کا ہے۔" سخاوت بیگ نے کہا۔

"یقیناً کیوں نہیں شام کو نعمان رخشندہ کو لینے آ جائیں گے اور....."

"صرف نعمان ہی نہیں آپ بھی شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گی۔ اب اس غربت کدے کو اپنا ہی لیا ہے آپ نے تو رشتے نبھایئے۔" فیرزوہ بیگم نے کہا اور تابندہ حیرت سے ماں کو دیکھنے لگی۔ بڑی اچھی بات کر گئی تھیں۔ مسز عالمگیر نے محبت سے کہا۔

"یہ غربت کدہ اب میرے بیٹے کی نسلوں کا امین ہے ہزار بار آؤں گی یہاں۔"

"شکریہ۔"

مسز عالمگیر چلی گئیں۔ رخشندہ بہت خوش نظر آ رہی تھی زیورات میں لدی ہوئی تھی چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ فرخندہ اسے لے کر کمرے میں چلی گئی۔ معاً اس کا دل چاہا کہ وہ بھی کمرے میں جا گھسے۔ رخشندہ نعمان کی باتیں کرے لیکن..... پھر وہ دل مسوس کر رہ گئی میں..... لڑکی کہاں ہوں۔ میں تو عورت بھی نہیں ہوں۔ مجھے ایسی باتوں میں دلچسپی نہیں لینی چاہئے۔ اس نے سوچا۔

پھر شام کے لئے اہتمام ہونے لگا۔ وہ خود بھی مصروف ہو گئی۔ بہترین کھانے پکائے جا رہے تھے اور مرزا صاحب کے مشورے اس میں شامل تھے۔ رخشندہ خود بھی لباس تبدیل کر کے آ گئی اور کچن میں جب گھسی تو اس نے چونک کر رخشندہ کو دیکھا۔

"ارے یہ کیا پہن لیا تم نے؟"

"گھر کے کپڑے ہیں باجی۔"

"کیا فضول حرکت ہے بھئی کیوں بدل لئے یہ کپڑے؟"

"آپ کے ساتھ کام کروں گی۔" رخشندہ نے کہا اور وہ محبت سے مسکرا دی۔

"اس کی اجازت آپ نے کس سے لی ہے محترمہ رخشندہ بلکہ مسز نعمان۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"نہیں باجی دیکھ رہی ہوں نا کہ آپ سب لوگ کس طرح لگے ہوئے ہیں' مجھ میں کوئی سرخاب کے پر لگ گئے کہ میں گھر کا کام نہ کروں' کتنا کام ہے۔"

"آپ میں سرخاب کے پر نہیں لگ گئے بلکہ آپ سرخاب ہو گئی ہیں جایئے لباس تبدیل کیجئے' ارے واہ ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہے اور میڈم کام کریں گی۔"

"باجی کرنے دیجئے نا کام۔ واقعی میں اور کروں بھی کیا؟"

"بیٹھ جایئے یہاں اسٹول ڈال کر' اگر اتنا ہی شوق ہے چولہے کے پاس بیٹھنے کا تو ویسے تمہیں واقعی کچن میں نہیں جانے دیا جائے گا۔ ویسے بڑی بوریت ہو گی تمہیں۔"

"باجی۔" رخشندہ شرما کر بولی۔ ایک بار پھر اس کے دل میں ہوک سی اٹھی کہ لڑکیوں کی باتیں کرے بہن ہے تو کیا ہوا' لڑکی تو ہے لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا' البتہ نجانے کیوں رخشندہ ہی بولی۔

"وہ سب بہت اچھے ہیں باجی۔"

اس کے ہاتھ رک گئے اس نے نگاہیں اٹھا کر رخشندہ کو دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں اور کہنے لگی۔ "مجھے آپ سے شرم آتی ہے باجی' مگر بولنے سے باز نہیں آؤں گی باجی' انہوں نے تو آپ کے لئے رشتہ دیا تھا نا؟"

"ہاں تو پھر....."

"آپ نے میرے لئے ان سے کہا؟"

"کون کہہ رہا تھا یہ تم سے؟"

"نعمان ہی کہہ رہے تھے۔"

"اور کیا کہہ رہے تھے نعمان؟"

"کہہ رہے تھے کہ تمہاری باجی فرشتہ صفت ہیں' ذرا مجھے پوچھ کر بتانا کہ وہ آسمان سے اتری ہیں یا اسی زمین پر پیدا ہوئی ہیں۔"

"مذاق اڑا رہے تھے نعمان میرا؟"

"خدا باجی بالکل نہیں' بالکل مذاق نہیں اڑا رہے تھے بلکہ بہت متاثر تھے۔ بڑی بڑی باتیں کر رہے تھے۔"

"ہوں..... رخشندہ تو خوش ہے نا؟"

"باجی! آپ نے مجھے میری حیثیت سے بڑھ کر بہت کچھ دیا ہے باجی آپ کیا سمجھتی ہیں میں صورت حال کو جانتی نہیں ہوں۔ میں صورت حال کو سمجھتی نہیں ہوں۔ باجی ہم میں سے کوئی بے وقوف نہیں ہے نہ میں نہ فرخندہ' سب کچھ دیکھا ہے ہم نے۔ سب کچھ

دیکھ رہے ہیں۔ باجی میں بھی خاموش نہیں رہوں گی، بہت کچھ کروں گی میں، بس یوں کہئے کہ بے دست و پا تھے ہم لوگ، کچھ کر نہیں سکتے تھے۔"

تابندہ لرز گئی آہستہ سے بولی۔ "کیا کرو گی تم؟"

"یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"رخشندہ! ایک بات کہوں؟"

"جی باجی۔"

"دیکھو میں تم سے ایک درخواست کرتی ہوں، درخواست نہ ماننا چاہو تو ایک حکم دیتی ہوں کہ میرے سلسلے میں کان آنکھیں اور زبان بالکل بند رکھنا۔ بلکہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس پر مجبور ہو کر میں خودکشی کر لوں۔ مجھے میری دنیا میں اسی طرح رہنے دو اور اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی جس سے میری اور توہین ہوئی تو رخشندہ دنیا چھوڑ دوں گی میں، یہ بالکل آخری فیصلہ ہے میرا اور بروقت ہے اس لئے کہ نعمان بھی بہت اچھے آدمی ہیں اور مسز عالمگیر بھی۔ دونوں تمہارا ساتھ بھی دیں گے لیکن رخشندہ اس گھر کے مسائل ان تک نہ پہنچانا۔ بس اتنی ہی محبت کافی ہے ان کی کہ ہم سے پیار سے مل لیں خیال رکھنا رخشندہ میں نے کہا ہے تم سے کہ اسے درخواست بھی سمجھ سکتی ہو اور حکم بھی۔"

رخشندہ خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے لرزتی آواز میں آہستہ سے کہا۔

"اچھا باجی۔"

"تھینک یو رخشندہ۔" وہ بولی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی، سارا دن خوشی خوشی گزرا تھا۔ رخشندہ کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے سسرال میں جا کر بے حد خوش ہے۔ شام کو نعمان اور مسز عالمگیر پہنچ گئے مسز عالمگیر مٹھائی لائی تھیں جو بہت زیادہ مقدار میں تھی۔ فیروزہ بیگم بولیں۔

"ارے یہ اتنا تکلف آپ نے کیوں کر لیا۔ آپ اتنا تکلف نہ کیا کریں۔ ویسے ہمارے بہت زیادہ ملنے جلنے والے نہیں ہیں اتنی ساری مٹھائی....."

مرزا صاحب نے گھور کر فیروزہ بیگم کو دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولے۔ کھانا کھایا گیا تو مسز عالمگیر کہنے لگیں۔

"توبہ بھئی توبہ یہ سب کچھ آپ نے تیار کیا ہے، نعمان ہم لوگ کتنے پسماندہ ہیں اب دیکھو نا یہ کیسی کیسی نایاب چیزیں ہیں ہم تو باورچیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ پکا کر دے دیا ہم نے کھا لیا اور بس اسی کو اپنی کائنات سمجھ لیا۔ بھئی واقعی کمال ہے رخشندہ کو یہ سب کچھ آتا ہے؟"

"کیوں نہیں۔" فیروزہ بیگم محبت سے بولیں۔

"تو پھر کبھی کبھی رخشندہ کو ہم اپنے باورچی کے سر پر بٹھا دیں گے اور رخشندہ اس سے کھانے تیار کرایا کریں گی۔ اچھا ہاں اب یہ بھی تو بتائیے نا کہ آپ لوگ ہمارے گھر کب آ رہے ہیں۔ دیکھئے ہماری طرف سے تو روزانہ دعوت ہے لیکن اگر رسمیں ہیں تو پھر کل آپ ہمارے ہاں تشریف لائیے۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں سر کے بل آئیں گے۔" مرزا صاحب باز نہیں آتے تھے۔ اس وقت تک تو کسی نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی لیکن فیروزہ بیگم کو یہ بات بہت بری لگی تھی دل میں سوچا تھا کہ اس سلسلے میں ان سے بات کریں گی مگر مرزا صاحب بھلا کہاں باز آنے والے۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا، کہنے لگے۔

"بھئی سمدھن صاحبہ، سمدھن کہتے ہوئے آپ کو عجیب سا لگتا ہے دل چاہتا ہے بیٹی کہیں یا بہن کہیں۔"

"میں آپ کی بہن ہی ہوں، بیٹی کہیں یا بہن کہیں کیا فرق پڑتا ہے جو دل چاہے کہیں۔"

"چلو ایک مشکل تم نے خود حل کر دی۔ بہن اور بیٹی سے دل کی ہر بات کہی جا سکتی ہے۔ اصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں میں کہ اللہ نے میری رخشندہ کو تو ایسے فرشتے دے دیئے جن کی میں نے ہمیشہ آرزو کی تھی اب فرخندہ رہ گئی ہے اگر کوئی اچھا لڑکا نعمان جیسا تمہاری نگاہ میں ہو تو میری فرخندہ کو بھی ٹھکانے لگا دو تاکہ میں اپنے فرض سے فارغ ہو جاؤں۔"

فیروزہ بیگم خود بھی ہکا بکا رہ گئی تھیں، چور نگاہوں سے پہلے مسز عالمگیر اور پھر تابندہ کو دیکھا جس کا چہرہ ایک لمحے کے لئے پتھرا گیا تھا۔ مرزا صاحب کی بات کا جواب دینا ضروری تھا چنانچہ آہستہ سے بولیں۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں، بھائی صاحب یہ تو ہم سب ہی کا فرض ہے کہ بچیوں کے لئے ٹھکانے تلاش کریں۔" مسز عالمگیر نے اب بھی لفظ بچیاں ہی استعمال کیا تھا لیکن سب ہی کو یہ احساس تھا کہ پہلے تو یہ کہ مرزا صاحب کو ایسی کمینے پن کی بات کہنی ہی نہیں چاہئے تھی یہ تو بعد کے مراحل ہوتے ہیں اور ان میں اچھی خاصی توہین کا پہلو جھلکتا ہے لیکن مرزا صاحب انسان تھے اور وقت اور موقع کا انہیں کوئی خیال نہیں ہوتا تھا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ فیروزہ بیگم شدید غصے میں تھے اور تابندہ.... اس نے اپنے چہرے سے کوئی اظہار نہیں ہونے دیا تھا لیکن جب مسز عالمگیر، رخشندہ اور نعمان کے ساتھ چلی گئیں تو فیروزہ بیگم نے لرزتی آواز میں کہا۔

"آپ انسانوں کی کون سی قسم میں سے ہیں آخر؟"

"کس سے کہہ رہی ہو؟" مرزا صاحب حیرانی سے بولے۔

"آپ سے۔"

"ہوش میں ہو۔ اب اس عمر میں آ کر مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو کہ میں انسانوں کی کون سی قسم میں سے ہوں مگر ہوا کیا ہے یہ بھی تو بکو؟"

"اس وقت آپ مٹھائی کی بات پر کیوں گھور رہے تھے مجھے؟"

"اس لئے کہ تم بہت زیادہ فراخ دل بن رہی تھیں' اتنی مٹھائی لائی ہیں تو ساری کی ساری ضائع کر دینے کی کیا ضرورت ہے' ہفتے بھر تک کھائیں گے مجھے تو مٹھائی سے بڑی ہی رغبت ہے کھانے کے بعد اگر تھوڑی سی مٹھائی مل جائے تو کھانے کا لطف آ جاتا ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی اور کچھ سوچا ہے آپ نے؟"

"سوچنے کے لئے تم جو ہو؟"

"بڑے افسوس کی بات ہے بلکہ اب مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کسی بھی دور میں آپ کے اندر یہ لالچ نہیں ابھرا تھا جو اب اس عمر میں جا کر ابھر آیا ہے۔"

"بکنا کیا چاہتی ہو آخر تم؟"

"یہ کہنا چاہتی ہوں کہ بیٹی کو رخصت کئے ہوئے ابھی دو دن نہیں گزرے کہ آپ نے بیٹی کے سسرال سے فرمائش شروع کر دی۔"

"کیسی فرمائش؟"

"کیا کہہ رہے تھے آپ فرخندہ کے لئے؟"

"رشتے کی بات؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں اس میں کیا قیامت پڑی ہے تم پر' ارے دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا بالکل ارے بھئی ہمارے اپنے ہیں وہ اور بھئی مسز عالمگیر بہت اچھی عورت ہے' فرخندہ کا رشتہ اچھی جگہ ہی کرائے گی۔"

"اور تابندہ کو بھول گئے آپ؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"اس کی گردن پر کیوں چھری چلا رہے ہیں آپ؟"

"اس کی گردن پر تو چھری نہیں چلا رہا میں لیکن اگر میرے ہاتھ میں چھری آ جائے تو تمہاری گردن پر ضرور چلا دوں گا۔ کیا سمجھ کر یہ گفتگو کر رہی ہو تم مجھ سے۔ اندھی ہو یا پاگل ہو۔ حالات کو سمجھتی ہو یا نہیں۔ ارے کیا بھیک مانگنے کے لئے مجھے سڑک پر کھڑا کرو گی کہ دے دو بابا محتاج کو کچھ' تابندہ اس گھر کو چلا رہی ہے وہ میری بیٹی نہیں بیٹا ہے۔ بیٹوں نے ہی تو داغ دیئے ہیں ان داغوں کو تابندہ ہی نے تو دھویا ہے ورنہ آج جو اس گھر کی کیفیت ہوتی تمہاری عقل میں نہیں آتی۔"

"بیٹیوں کی کمائی کھاتے ہوئے شرم نہیں آتی آپ کو؟"

"ذرا جوتا اٹھا کر دے دو مجھے اس کے بعد جواب دوں گا۔" مرزا صاحب نے کہا اور چیئر دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے۔

"جایئے جایئے جوتے مارنے کا حق بے شک آپ کو ہے لیکن ایسی باتوں پر نہیں' سمجھ ہیں آپ ہوش کی دوا کیجئے۔"

"ارے تیری ہوش کی دوا میں دیتا ہوں تجھے' ابھی۔" مرزا صاحب نے وہیل چیئر آگے کر فیروزہ بیگم پر حملہ کرنے کی کوشش کی' لیکن فیروزہ بیگم کو بھی اس وقت طیش ہی آ تھا انہوں نے وہیل چیئر کا رخ موڑ دیا اور مرزا صاحب کا چہرہ دوسری جانب ہو گیا تو وہ ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں اور مرزا صاحب وہیل چیئر کو صحن میں نچانے لگے۔

ندہ اور تابندہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

□

میڈم آج آفس آئی تھی' کئی دن کے بعد آئی تھی' لیکن خوش و خرم تھی' ساری ی کا جائزہ لیا گیا' مس مینا سے ایک گھنٹے تک ملاقات کی گئی' ذکی صاحب کو بھی طلب کر یا شاہی کا کوئی کام نہیں تھا لیکن ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے شاہی کو بلایا اور شاہی پہنچ گیا۔ میڈم اسے دیکھ کر بچوں کے سے انداز میں کھلکھلا پڑی تھی باادب کھڑا رہا۔ تو وہ بولی۔

"تشریف رکھئے شاہی صاحب' آپ کو اس طرح کھڑے ہونا زیب نہیں دیتا۔"

"شکریہ۔" شاہی نے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ تعجب سے شاہی کو دیکھنے لگی تھی۔

"خیریت؟ کیا غذا میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا کر لی گئی ہے؟"

"جی۔" شاہی آہستہ سے بولا۔

"یا پھر شاہی صاحب کے میک اپ میں کوئی اور صاحب میرے سامنے تشریف رکھتے

"میں سمجھ ہی نہیں رہا کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ارے بیٹا اس قدر سنجیدہ کیوں ہو؟"

"نہیں غیر سنجیدگی کی کوئی بات نہیں ہے آپ بتایئے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں تمہیں ٹھیک نظر نہیں آ رہی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔"

"یعنی کیا گڑبڑ کر رہے ہو' کیا ہو گیا ہے ناراض ہو مجھ سے؟"

"ارے نہیں میڈم اب اتنا بھی منہ نہ لگائیں ہم ملازموں کو کہ سر پر چڑھنے لگیں۔"

ملازموں کو۔" وہ شاہی کو گھورتی ہوئی بولی۔

"حقیقت تو حقیقت ہی ہوتی ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں اس سنجیدگی میں بھی کوئی شرارت ہے۔ ٹھیک ہو جاؤ شامی بری بات ہے‘ میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کہیئے۔"

"کوئی خاص بات ہے شامی‘ سچ بتا دو۔ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے ناراض ہو مجھ سے؟"

"نہیں میڈم‘ خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے‘ بس یونہی سنجیدہ ہوں۔"

"فراز ٹھیک ہیں؟"

"ہاں بالکل۔"

"...نہ بیگم اور ان کی بچیوں کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔"

"تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں‘ آپ یہ بتائیے کہاں تھیں آپ اتنے دن سے؟" شامی نے سوال کیا اور میڈم اسے دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے آہستہ سے بولی۔

"بس شامی کچھ عجیب سی ذمہ داریاں ہیں میری‘ کیا بتاؤں یوں سمجھ لو کہ دنیا کے ہر ... سے جھگڑوں سے دور بھی ہوں لیکن بہت سے جھگڑوں میں پھنسی بھی ہوئی ہوں‘ البتہ انہیں جھگڑا کہنا ذرا غلط ہو جاتا ہے۔ وہ میرے ذاتی مسائل ہیں جنہیں حل کرنا میرے لئے ضروری ہے کبھی کبھی کچھ ایسی مصروفیات آ جاتی ہیں جو غیر متوقع ہوتی ہیں بس ان میں پھنس جاتی ہوں ان دنوں بھی کچھ ایسا ہی چکر تھا۔"

"جی‘ بہرحال میڈم‘ آپ میرے اور فراز کے ذاتی معاملات میں الجھی ہیں۔ ہماری پیشکش ہے کہ اگر کبھی کسی ذاتی معاملے میں ہماری ضرورت پیش آ جائے تو آپ ہمیں ا... آپ سے دور مت سمجھئے گا۔"

"تم مجھ سے دور کہاں رہے ہو شامی‘ میری زندگی میں بہت دور تک شامل ہو گئے ہو کبھی محسوس بھی نہ کرنا ہاں کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں جن کا اظہار اپنی رسوائی ہوتا ہے بس یوں سمجھ لو اگر کوئی معاملہ تم سے کبھی چھپانا چاہوں تو اسے میری رسوائی تصور کرنا دل نہیں چاہتا کہ اپنے آپ کو ہلکا کروں‘ تم خود سوچو کہ کوئی بھی اپنے آپ کو ہلکا کر کے خوش نہیں ہوتا۔" شامی گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"بدقسمتی تو یہی ہے میڈم کہ ہم اپنے آپ کو آپ سے اتنا قریب محسوس کرتے ہیں کہ اب اگر کوئی ایسا مسئلہ رہ جاتا ہے جو ہمارے علم میں نہ ہو اور اس کے لئے ہم

پریشان دیکھیں تو دکھ ہونے لگتا ہے۔"

"ہاں شامی لیکن مجھے معاف کرنا کچھ باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جنہیں انسان اگر بتانا بھی چاہے تو نہ بتا سکے بس اس کی ہمت نہیں پڑتی۔ پلیز اس مسئلے کو ذہن سے نکال دو۔ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے اب سب کچھ ٹھیک ہے‘ اچھا چلو یہ بتاؤ وہ سنگاپور سے جو نئے آرڈر آئے ہیں ان کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے‘ ذکی صاحب سے تو میں نے بات کی تھی ان کا کہنا ہے کہ ہم مقررہ وقت میں یہ آرڈر آسانی سے سپلائی کر دیں گے۔"

"جی میڈم‘ ذکی صاحب سے میری بات ہوئی تھی اس موضوع پر ورکرز کو میٹریل فراہم کر دیا گیا ہے‘ کام جاری ہو چکا ہے۔"

"ہاں مس مینا بتا رہی تھیں لیکن آرڈر ذرا بڑا ہے مقررہ وقت میں ہم اسے تیار کر لیں گے؟"

"پروڈکشن کنٹرولر کیا کہتی ہیں؟"

"وہ تو اطمینان دلا رہی ہیں کہ ہم مقررہ وقت میں یہ کام تیار کرا لیں گے‘ کچھ اوور ٹائم بھی لگا دیئے گئے ہیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ورکرز کو ڈبل ہی نہیں بلکہ ڈبل سے بھی زیادہ اوور ٹائم دیا جائے‘ اب دیکھ لیں گے جو بھی صورت حال ہو گی۔"

"جی۔"

"ویسے شامی کبھی کبھی پروڈکشن بھی دیکھ لیا کرو۔"

"جو آپ کا حکم‘ آپ اطمینان رکھئے‘ کم از کم سنگاپور والے اس آرڈر کو میں خود کنٹرول کروں گا اور آپ اطمینان رکھیں کام ہو جائے گا۔" میڈم کے چہرے پہ خوشی کی لہریں نظر آنے لگیں چند لمحات اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"چائے پیو گے؟"

شامی مسکرا دیا۔

"میں کہتی ہوں۔" اس نے انٹرکام اٹھا کر چائے کے لئے کہا اور پھر شامی کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ "یوں لگتا ہے شامی جیسے ان چند دنوں میں‘ میں نہیں آئی تو تم مجھ سے اپنا ٹریٹ منٹ بھول گئے۔"

"نہیں میڈم‘ آپ بہت اچھی خاتون ہیں‘ اتنی اچھی ہیں آپ کہ آپ سے اگر کوئی بدتمیزی کبھی کر لی جاتی ہے تو اس کا شدید افسوس رہتا ہے۔"

"اچھا بھئی یہ بتاؤ‘ چھوڑو ان باتوں کو‘ امینہ بیگم خوش ہیں نا؟"

"بہت خوش ہیں‘ ان کا خیال ہے کہ آخر کار ان کا یہ خواب ٹوٹ جائے گا۔"

"گویا‘ وہ خواب دیکھ رہی ہیں۔"

"ہاں میڈم‘ ایسا ہی ہوتا ہے‘ کوئی نصیبوں کا مارا جب اتنی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے

کہ ابھرنے کا تصور ہی اس کے ذہن سے ختم ہو جائے اور پھر اسے ساحل نظر آ جائے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔"

"ساحل۔" وہ آہستہ سے بولی اور اس کے بعد کافی دیر تک خاموش رہی۔ اتنی دیر میں اردلی چائے لے کر آ گیا۔ اس نے اردلی سے کہا۔

"چائے بنا کر ہم دونوں کو دے، دو۔" اردلی نے ہدایت پر عمل کیا اور اس کے بعد باہر نکل گیا۔ شامی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔

"لیکن اب' اب کیا پروگرام ہے شامی؟"

"کچھ نہیں میڈم' بس اپنے آفس میں جاؤں گا' کام کروں گا اور سنگا پور کی پروڈکشن کو بھی چیک کروں گا۔"

"اوہ' آ گئے نا شرارت پر' چلو خیر اچھا لگتا ہے اپنے آپ پر سنجیدگی کا لبادہ چڑھا رکھا تھا۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"میں امینہ بیگم کی بیٹی سے فراز کی شادی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"اوہو اچھا ہاں وہ پروگرام بھی میرا خیال ہے بہت جلد ہو جانا چاہئے۔"

"میں چلوں گی کسی دن امینہ بیگم کے ہاں' بلکہ میں خود چلی جاؤں گی ان سے بات کروں گی اور پھر یہ مسئلہ حل کئے لیتے ہیں وہ جو کہتے ہیں نا کہ کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب۔"

"نہیں اس وقت تو فراز آفس میں ہے۔" شامی نے کہا اور وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"فراز کے کیا حال چال ہیں؟"

"بہت خوش ہے' ہم سبھی خوش ہیں میڈم جو کچھ ہمیں مل گیا ہے اس کی ہم توقع نہیں رکھتے۔"

"چھوڑو بھئی' کیا ملنا' کیا ملانا' کون کسی کو کیا دے سکتا ہے بس جو کچھ ہمارے پاس ہے اگر دے سکتے ہو کسی کو تو ضرور دے دو۔ نہ دے سکو تو مجبوری ہے۔"

"واقعی؟" شامی نے عجیب سے انداز میں میڈم کو دیکھا۔

"اور اب تم اس جملے سے فائدہ اٹھا کر مجھ سے کچھ مانگنے نہ بیٹھ جانا۔"

"آپ نے تو بہت کچھ دے دیا ہے مجھے میڈم' آپ سے مزید مانگتے ہوئے اب شرم ہی آئے گی۔"

"خدا کی پناہ' خدا کی پناہ' ایسا لگ رہا ہے جیسے واقعی شامی نہیں بول رہا۔"

"ٹھیک ہے' بہرحال' فراز کے سلسلے میں میں نے یہ سوچا ہے کہ واقعی اب اس کے لئے کچھ کر دیا جائے۔ میڈم ایک سادہ سی تقریب کر لوں گا اور کون ہے ہمارے ساتھ بس

چند افراد شریک ہوں گے اور فراز کی شادی کر دی جائے گی۔"

"دیکھو ایک بات سنو' اگر تمہارے دل میں کوئی ارمان ہے نا اس کے لئے' خدا کی قسم اپنے آپ کو تنہا مت سمجھنا' میں اس میں پوری پوری شریک ہوں' اچھا لگے گا مجھے بھی تھوڑا سا چینج ہو جائے گا۔ ویسے ہی کون سی خوشیاں سمیٹے ہوئے ہیں ہم لوگ۔"

شامی نے اس جملے پر چونک کر میڈم کو دیکھا اس کے چہرے پر غم کی ایک لکیر نمودار ہو گئی تھی۔ شامی کا دل نہیں چاہا کہ اسے مزید اس سلسلے میں پریشان کرے۔

چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا اور میڈم اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔ بہرحال شامی' شامی ہی تھا۔ دل میں جو فیصلہ کر چکا تھا اس سے ہٹنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس نے اس شام میڈم کے بارے میں خاص طور سے ایک پروگرام ترتیب دیا تھا اور پھر پروگرام کے تحت وہ آفس سے نکلنے کے بعد اپنی گاڑی میں رک کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ میڈم کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ مقررہ وقت پر آفس سے نکلی اور چل پڑی۔ پھر اس کی کار کوٹھی ہی میں داخل ہوئی تھی اور شامی نے اس کا کوٹھی تک تعاقب کیا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ میڈم اب اسپتال نہیں جائے گی۔ چنانچہ تھوڑی دیر تک اطمینان کرنے کے بعد اس نے اپنی کار کا رخ کینیڈین اسپتال کی جانب کر دیا۔ پارکنگ لاٹ پر گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ اترا اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر سیدھا اس کمرے میں پہنچ گیا جس کے بارے میں وہ معلومات حاصل کر کے گیا تھا۔ ذہن میں بہت سے خیالات تھے' یہ قدم خاصا آگے کا تھا لیکن بہرحال اس نے یہ قدم اٹھا لیا تھا۔

چند لمحات کے بعد وہ کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ ہلکی سی دستک دی تو اندر سے ایک مترنم سی آواز ابھری۔

"آ جاؤ۔" وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ہی وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں ایک انگریزی رسالہ تھا جس کی وہ ورق گردانی کر رہی تھی اس نے سادگی سے نگاہیں اٹھا کر شامی کو دیکھا اور بولی۔

"ہاں' کیا بات ہے' ڈاکٹر ہیں آپ۔"

"نہیں۔ آپ کا ملاقاتی ہوں۔"

"جی؟" وہ حیرت سے بولی۔

"جی ہاں۔"

"آپ بیٹھئے پلیز کون ہیں آپ؟ میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اصل میں میرا تعلق ایک ایسے ادارے سے ہے جو لوگوں سے ان کی مشکلات پوچھتا ہے اور ان کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیتا ہے۔ میں آپ کے پاس اسی سلسلے میں آیا

ہوں۔"

لڑکی کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ لوگوں کی مشکلات معلوم کرتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"لیکن خوش قسمتی سے میں کسی مشکل کا شکار نہیں ہوں۔"

"کیا بیماری خود ایک مشکل نہیں ہوتی؟"

"بے شک ہوتی ہے لیکن آپ کس بیماری کی بات کر رہے ہیں؟"

"آپ کو علم ہے کہ یہ اسپتال ہے؟"

"جی ہاں میں جانتی ہوں۔"

"اور آپ یہاں داخل ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بتا سکتی ہیں کیوں؟"

"کیا رفاہی اداروں کو یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

"جی اصل میں، میں آپ کے مرض کی نوعیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" جواب میں وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"تو پھر آپ کو بڑا تلخ تجربہ ہو گا اس لئے کہ میرا کوئی مرض ہی نہیں ہے۔ میں کسی ہاسٹل میں رہنے کے بجائے اسپتال میں رہ رہی ہوں، بس اتنی سی بات ہے۔"

"جی؟" شامی حیرت سے بولا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کے والدین اور رشتے دار نہیں ہیں؟"

"عرض کیا نا یہ جوابات دینے کے نہیں ہوتے اور وہ بھی ایک اجنبی آدمی کو۔"

"دیکھئے مس..... کس نام سے آپ کو مخاطب کروں؟"

"میرا کوئی نام نہیں ہے۔"

"یہ بھی غلط ہے آپ ایف بیگ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔"

"تو آپ مجھے ایف بیگ کے نام سے مخاطب کر لیجئے۔"

"ایف سے کیا بنتا ہے؟"

"بہت کچھ بنتا ہے لیکن اس وقت کچھ نہیں بنے گا۔" اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

شامی کو احساس ہو رہا تھا کہ لڑکی خاصی ٹیڑھی چیز ہے ویسے چہرے مہرے سے وہ صحت مند نظر آتی تھی اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسپتال میں کیوں داخل ہے جوابات ایسے دیئے تھے کہ شامی کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا وہ پھر بھی ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

بولا۔ "مس ایف بیگ، دیکھئے انسانوں کی مدد کرنا انسانوں کا فرض ہوتا ہے۔"

"اور جنہیں مدد کی ضرورت نہ ہو۔"

"ان کی مدد نہیں کرنی چاہئے۔"

"تو مجھے مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن مجھے ہے۔" شامی نے کہا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کو؟"

"جی ہاں۔"

"تو پھر؟"

"آپ میری مدد کیجئے۔"

"بھئی کیا مدد کروں میں، پتا نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"مس ایف میں واقعی مدد کا مستحق ہوں۔"

"تو پھر فرمایئے کیا پیش کروں آپ کو؟"

"اپنے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات۔"

"سوری یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"لیکن آخر کیوں؟"

"کمال ہے اگر کوئی شخص کوئی کام نہیں کر پاتا تو یہ سوال تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ یہ کام کیوں نہیں کر پاتا، آپ میرا خیال ہے اس سلسلے میں مجھے معاف کر دیجئے میں کچھ نہیں بتا سکتی بس یوں سمجھ لیجئے مجھے اجازت نہیں ہے۔"

"کس کی؟"

"جس کی اجازت نہیں ہے میں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"آپ نے مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا۔" شامی نے کہا۔

"اس لئے نہیں پوچھا کہ میں دوبارہ آپ سے ملاقات نہیں کرنا چاہتی۔"

"لیکن میں حاضری دیتا رہوں گا۔"

"پلیز ایسا نہ کیجئے، کسی شخص کے ساتھ گستاخی کر کے مجھے سخت شرمندگی ہو گی، لیکن اگر آپ دوبارہ تشریف لائے تو میں یہاں کہہ دوں گی کہ کسی غیر متعلق شخص کو یہاں نہ آنے دیا جائے۔"

"آپ بہت سنگ دل معلوم ہوتی ہیں۔"

"اب آپ گالیاں دینے پر اتر آئے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بہرحال مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے لیکن ایک درخواست

ضرور کرتا ہوں آپ سے۔"

"جی وہ بھی فرما دیجئے۔"

"کسی سے میرے بارے میں کچھ نہ کہیں اور مجھے دوبارہ اپنے پاس آنے کی اجازت دیں۔"

"جی نہیں' دیکھئے اس طرح دوستیوں کا آغاز ہوتا ہے اور میں دوستیاں نہیں کرنا چاہتی اور پھر آپ خود سمجھتے ہیں میں ایک گھریلو لڑکی ہوں' نوجوانوں سے دوستی معیوب نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے' آپ نے میری عاقبت روشن کر دی ہے پھر بھی میں آپ سے عرض کروں گا کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتا دیجئے۔"

"خدا حافظ کہوں آپ کو؟"

"جی ہاں۔ اب خدا حافظ ہی کہہ دیجئے تو بہتر ہے۔" شامی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکی کو باتوں میں زیر کرنا ممکن نہیں ہے' جب شامی وہاں سے چند قدم آگے بڑھا تو وہ بولی۔

"سنئے' ایک منٹ آپ نے قرطیس کو دیکھا ہے؟"

"کسے؟"

"قرطیس' مصر کا شہزادہ تھا اور اس کی تلاش میں نکلا تھا جو شعلوں میں نہا کر جوان ہو جاتی تھی۔"

"جی.... مم... میں نے' میں نے تو ایسے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔"

"اگر وہ مل جائے تو اس سے کہہ دیجئے کہ وادی طورا کے کھنڈرات اس کا انتظار کر رہے ہیں جہاں وہ اس کی منتظر ہے شعلوں میں نہائی ہوئی' اداسیوں میں ڈوبی ہوئی' اس سے کہہ دیجئے کہ وہ ازل سے ابد تک اس کا انتظار کرے گی' جایئے میرا یہ پیغام اسے دے دیجئے۔"

"کسے؟"

"قرطیس کی بات کر رہی ہوں' مصر کے صحراؤں میں کہیں نہ کہیں وہ آپ کو ضرور مل جائے گا۔"

شامی نے کھوپڑی کھجاتے ہوئے لڑکی کو دیکھا اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی طاری تھی شامی چند لمحات سوچتا رہا پھر وہ بولا۔

"گویا آپ.... آپ صدیوں پرانی روح ہیں۔"

"آہ۔ جاؤ' جاؤ اسے میرا یہ پیغام دے دو بس اس کے سوا میں تم سے کوئی مدد نہیں چاہتی جاؤ خدا حافظ۔" اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانک کر کرسی پر بیٹھ گئی شامی چند لمحات اسے حیران نگاہوں سے دیکھتا رہا اور اس کے بعد مسکراتا ہوا باہر نکل آیا' لڑکی نے

بڑی کامیابی سے اسے گھسنے کی کوشش کی تھی لیکن' لیکن شامی ابھی گھسا نہیں تھا' خیر میڈم۔ یار زندہ صحبت باقی۔" اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

□

حسن صاف دل نوجوان تھا گلزار سے جو کچھ ہوا تھا اور اس کے بعد گلزار نے جس طرح اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا تھا اس کے بعد حسن کا دل تو صاف ہو گیا تھا لیکن راہی نے جو کچھ حسن کو بتایا تھا وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا ممکن ہے راہی درست ہی کہہ رہا ہو بہرحال وقت گزر رہا تھا' غزل سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں' اب تو ان کے درمیان جذبے ہی بدل گئے تھے اور جب بھی وہ ملتے تھے بڑی صاف دلی اور محبت سے ملتے تھے۔

غرضیکہ وقت گزر رہا تھا ادھر ایک اور مسئلہ حسن کے سامنے پیش آ گیا تھا انسٹی ٹیوٹ میں جو انچارج تھے وہ اتفاق سے ہندوستان کے رہنے والے ایک مسلمان تھے' تعلق لکھنؤ سے تھا لیکن پس منظر میں کہیں شیراز کا ذکر بھی آ جاتا تھا چنانچہ نعیم شیرانی صاحب شیرازی کے نام سے ہی پکارے جاتے تھے' بہت ہی قابل انسان اور نفیس شخصیت کے مالک تھے غرضیکہ نعیم شیرازی صاحب حسن کو خاص نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کے دل میں حسن کے لئے بڑا احترام تھا پھر ایک دن انہوں نے حسن سے ملاقات کی اور بولے۔

"عزیزی! ویسے تو تمہارے بہت سے جوہر میری نگاہوں میں کھلے ہیں لیکن پچھلے کچھ عرصے سے انسٹی ٹیوٹ میں تمہارے بارے میں کافی گفتگو ہو رہی ہے تم مسٹر جیکارڈ کو جانتے ہو؟"

"مسٹر جیکارڈ' اپنے ڈاکٹر جیکارڈ۔"

"ہاں۔"

"جی ہاں کیوں نہیں جانتا۔"

"ڈاکٹر جیکارڈ کو جرمنی سے ایک آفر ہوئی ہے اس ریسرچ کے سلسلے میں جو تم یہاں کر رہے ہو جرمنی میں اس ریسرچ کا ایک جدید ترین انسٹی ٹیوٹ قائم ہوا ہے اور اس انسٹی ٹیوٹ کا مکمل انچارج ڈاکٹر جیکارڈ کو بنایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر جیکارڈ کو اپنے لئے کچھ معاونوں کی ضرورت تھی' انہوں نے مجھے بھی ایک اچھی پیش کش کی ہے اور میں اس پیش کش پر غور کر رہا ہوں' اپنی طرف سے میں تمہیں یہ پیشکش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اس ریسرچ میں تم ڈاکٹر جیکارڈ کے معاون کی حیثیت سے جرمنی چلنا چاہو تو میں تمہارے لئے تمام انتظامات کرا سکتا ہوں۔ ڈاکٹر جیکارڈ تمام اخراجات برداشت کریں گے' جرمنی میں تمہیں ایک باقاعدہ ملازمت بھی حاصل ہو گی ان کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے اور پھر مکمل طور پر تم اپنا ریسرچ ورک بھی کر سکتے ہو' وہاں سے ملنے والی ڈگری اپنی حیثیت کی منفرد ہو گی اور میرا خیال ہے

تمہارے مستقبل میں تمہارے لئے بڑی معاون۔"

حسن سوچ میں ڈوب گیا تھا اس نے مسٹر شیرازی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد اس سلسلے میں غور کر کے جواب دے گا اور ان دنوں وہ اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا' ویسے تو کوئی بات نہیں تھی یہ تو مستقبل کا ایک اور سنہرا باب کھل رہا تھا لیکن بس چاہتا تھا یہاں اپنا کام مکمل کر لے۔ اسی کشمکش میں کئی دن سے مبتلا تھا کہ اس شام راہی اس کے پاس آ گیا۔ کوئی ساڑھے پانچ بجے کا وقت تھا اور راہی کے چہرے پر بڑے عجیب سے تاثرات تھے۔ حسن نے مسکرا کر اسے دیکھا تو راہی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"خیریت بھائی' تم بڑے خطرناک انسان ہو جب بھی دیتے ہوئی کوئی سنسنی خیز اطلاع دیتے ہو۔"

"اور اس وقت بھی ایک سنسنی خیز اطلاع لے کر ہی آیا ہوں۔"

"ارشاد۔ ارشاد۔"

"یقین کرو بڑی سنجیدہ بات ہے تمہاری سالگرہ ہے آج۔"

"اس غیر سنجیدہ بات کو تم سنجیدہ کہہ رہے ہو۔"

"پلیز حسن مجھے بتاؤ۔"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"سائنا بیچ پر آج تمہاری سالگرہ منائی جا رہی ہے اور گلزار نے تمہاری آواز میں غزل کو اس سالگرہ کی دعوت دی ہے اور اسے سائنا بیچ بلایا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"سائنا بیچ ایک سنسان ساحل ہے' بے شک وہاں کچھ ہٹس وغیرہ ہیں لیکن رونق بہت کم ہوتی ہے اور برائیوں کے لئے اسے بہترین جگہ تصور کیا جاتا ہے۔"

حسن حیرانی سے کھڑا ہو گیا۔

"راہی! سچ کہہ رہے ہو تم؟"

"اتنا سچ کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غزل چاہے تو اپنے ساتھ کسی کو بھی لا سکتی ہے۔"

"اوہ میرے خدا' مگر تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

"بالکل اتفاق سے' ایک ایسا انوکھا اتفاق جس پر یقین کرنے کو دل نہ چاہے لیکن میرے دوست مجھ سے یہ معلوم کرنے کے بجائے کر سکتے ہو تو اس سلسلے میں کچھ کر لو' ورنہ صورت حال خراب ہو جائے گی۔"

"راہی! گلزار نے یہ حرکت کی ہے تو میرے خیال میں اب اسے معاف کرنا حماقت کے مترادف ہے۔"

"سو فیصد' اس کے بعد وہ دوسری اور پھر کوئی تیسری حرکت کرے گا۔"

"تو پھر مجھے مشورہ دو اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"اصل میں' میں براہ راست ان معاملات میں نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن اب چونکہ صورت حال بالکل مختلف ہو گئی ہے' وطن کی عزت کا سوال بھی ہے ہم لوگ اگر یہ سب نہ کریں گے تو ہمیں عزت کی نگاہ سے کون دیکھے گا۔"

"بالکل۔"

"میرے تعلقات انسپکٹر رابرٹ سے ہیں' اگر تم چاہو تو میں انسپکٹر رابرٹ کو تمام صورت حال بتا سکتا ہوں وہ ہماری مدد کرے گا۔" حسن سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اور اگر یہ صورت حال نہ نکلی میرا مطلب ہے کوئی ایسا عمل ہوا جس سے یہ سارا کام نہ بنا تو رابرٹ دل میں کیا سوچے گا۔"

"یہ تم میرے اوپر چھوڑ دو۔"

"اگر یہ بات ہے راہی تو پھر ایسا ہی کرو تم انسپکٹر رابرٹ کو لے کر سائنا بیچ پہنچ جاؤ میں اس سے پہلے وہاں پہنچ کر غزل کی نگرانی کرتا ہوں۔ ویسے غزل کو اس حماقت میں نہیں پڑنا چاہئے تھا کم از کم مجھ سے کنفرم کر لیتی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو یار' جب تم نے خود اسے عجیب و غریب الفاظ میں یہ دعوت دی ہے تو وہ اس دعوت کو کیسے ٹھکرا سکتی ہے۔"

"ہوں۔ تعجب ہے میری آواز اتنی آسانی سے ٹریس کی جا سکتی ہے۔"

"اس کے بجائے اب یہ سوچو کہ کیا کرنا ہے؟"

"کچھ نہیں' میں سائنا بیچ جا رہا ہوں' دیر کرنا مناسب نہیں ہے تم انسپکٹر رابرٹ سے بات کرو۔"

"یہ میری ذمہ داری پر چھوڑ دو۔" راہی نے کہا اور اس کے بعد رخصت ہو گیا۔ حسن کو چکر آ رہے تھے وہ ایسی کسی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن اب گلزار نے مجبور ہی کر دیا تھا تو وہ کیا کرتا' چنانچہ تیار ہوا اور گاڑی لے کر سائنا بیچ کی جانب چل پڑا ذہن میں گہری سوچیں تھیں۔ کچھ بھی تھا' غزل کو بہرحال گلزار کے حوالے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس جھگڑے نمٹنے کے بعد ہاشم علی کو اس سلسلے میں اطلاع دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ غزل کے لئے یہاں کی فضاء سازگار نہیں ہے بہتر ہے اسے واپس بلا لیا جائے ورنہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو سکتی ہے۔

انہی تمام سوچوں میں ڈوبا ہوا سائنا بیچ پہنچ گیا وسیع و عریض علاقہ سنسان تھا سمندر کی لہریں ساحل سے ٹکرا رہی تھیں بہت خوبصورت بیچ بنا ہوا تھا جس میں کچھ امراء نے اپنے اپنے قسم کی ہٹیں بنائی تھیں ٹرالر بھی جگہ جگہ کھڑے ہوئے تھے' حسن نے گاڑی ایک

جگہ کھڑی کر دی جہاں اسے آسانی سے نہ دیکھا جا سکے اور پھر اس کی نگاہیں چاروں طرف
بھٹکنے لگیں یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ آج رش نہیں تھا' اس نے سیاہ رنگ کی ایک لمبی
دیکھی جو کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچی تھی اور اس میں سے گلزار نیچے اترا تھا۔ گلزار کے ساتھ
تین افراد اور بھی تھے ان میں سے ایک کو حسن پہچانتا تھا' یہ شہریار نامی آدمی تھا جو اچھا خاصا
بدنام تھا۔ باقی دوسرا بھی کوئی ایشیائی ہی تھا لیکن تیسرا جو شکل و صورت سے کافی خوفناک نظر
آتا تھا ایک مقامی آدمی تھا۔ گلزار ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

حسن نے خود کو ایسی جگہ پوشیدہ کر لیا جہاں سے اسے نہ دیکھا جا سکے پھر وہ لوگ
ہٹ کی جانب بڑھ گئے اور مقامی آدمی نے ہٹ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا حسن
تن بدن میں چنگاریاں دوڑ رہی تھیں گویا سارا بندوبست مکمل کر لیا گیا ہے۔ پھر اس
تشویش زدہ نگاہوں سے دور دور تک دیکھا' پتا نہیں راہی اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گا
یا نہیں اگر وہ کامیاب نہ ہو سکا تو' لیکن اس کے بعد حسن نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا
اسے کامیابی نہیں حاصل ہوتی تو پھر حسن کو ہی زندگی کی بازی لگانی پڑے گی۔ بہرحال غزل
اس سلسلے میں کوئی نقصان تو نہیں پہنچنے دیا جا سکتا البتہ اس نے اس دوران پلاننگ کر لی
اور اسی پلاننگ کے تحت وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس ہٹ کی جانب بڑھ گیا تھا جس
عقب میں ایسی جگہ موجود تھی جہاں رک کر حسن صورت حال کا جائزہ لے سکے پھر اس
کا تجزیہ کرنے کے بعد وہاں سے آگے بڑھا اور ایک بار پھر اس کی نظریں دور دور تک
جائزہ لینے لگیں پھر اس نے ایک ٹیکسی رکتی ہوئی دیکھی جس سے غزل اور سیتا نیچے اتر
تھیں' غزل کے ساتھ سیتا بھی آئی تھی غزل بہت خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھی اور اس
کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں' پھر وہ کسی قدر حیران سی ہو گئی اور آہستہ آہستہ
آگے بڑھنے لگی۔ رخ اسی جانب تھا' پتا نہیں گلزار نے اسے کیا سمجھایا تھا لیکن تھوڑی ہی
کے بعد غزل اور سیتا اسی ہٹ کے سامنے آ کھڑی ہوئیں حسن ان کا تعاقب کر رہا تھا
لمحات کے بعد غزل اور سیتا ہٹ کے دروازے سے اندر داخل ہو گئیں اور حسن نے آخر
بار مایوسی سے ایک نظر باہر ڈالی لیکن کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ راہی ابھی تک نہیں پہنچا تھا
چنانچہ حسن بسم اللہ کر کے ہٹ کی دیوار پر چڑھا اور اندر داخل ہو گیا۔ اندر سے تیز
آوازیں آ رہی تھیں حسن بے آواز دوڑتا ہوا اس بڑے کمرے کے دروازے کے سامنے
گیا جسے بند نہیں کیا گیا تھا اور اسی کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"تم... گلزار' وہ میرا مطلب ہے حسن کہاں ہیں؟"

"حسن نے تو اپنا عہد بدل لیا ہے ڈیئر' اب تم اس کا تصور چھوڑ دو' ہم جو ہیں
پذیرائی کے لئے۔"

"کیا مطلب؟" یہ غزل کی آواز تھی۔

اب بھی مطلب تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا' تم نے گلزار کو غلط سمجھا تھا غزل'
بیا چیز ہے اس کا تمہیں آج پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ میں نے تم سے پہلے ہی ایک
تھا کہ ہر وہ چیز جو مجھے پسند ہوتی ہے اسے میں ہر قیمت پر حاصل کر لیتا ہوں' ایک بار
اس نام نہاد بھائی نے تمہارا تحفظ کر لیا تھا' آج مجھے بتاؤ کون تمہیں بچا سکے گا اور
خوشی کی بات یہ ہے کہ تم نے میرے دوستوں کے لئے بھی معقول بندوبست کر دیا ہے'
بھی مجھے کافی پسند ہے۔"

اس سے زیادہ حسن نہیں سن سکا اور دوسرے لمحے وہ دروازے کا ہینڈل کھول کر اندر
ہو گیا' وہ سب بری طرح اچھل پڑے' گلزار کا چہرہ ایک لمحے کے لئے فق ہو گیا لیکن
شہریار اور جمال شاہ سخت نگاہوں سے حسن کو گھورنے لگے حسن نے کہا۔

"گلزار! بھروسہ کر لیا تھا میں نے تم پر اور یہ سمجھ کر بھروسہ کر لیا تھا کہ تم میرے ہم
ہو' تم نے جو باتیں کی تھیں گلزار وہ واقعی ایک شریف زادے کی باتیں تھیں' دھوکا کھا
بار کیا کرتا اس لئے کہ خود ایک شریف زادہ ہوں اس دن میں نے واقعی تم سے غزل کی
اور آبرو بچائی تھی اور تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ میں نے غزل کو بہن کہا
اس کے بعد تم نے یہ کیوں سوچ لیا کہ ایک بھائی بہن کے تحفظ سے غافل رہے گا۔"

"حسن! میں واقعی تمہاری عزت کرتا ہوں' تم ایک اچھے انسان ہو لیکن دیکھو اس وقت
صورت حال بالکل مختلف ہے' بات میری ہی نہیں ہے اگر تم گریسی سے واقف ہو جاتے تو
اپنی زندگی پر کھیلنے کی کوشش نہیں کرتے مجبور ہوں میرے دوست تمہیں باندھ کر یہاں
پڑے گا کیونکہ باہر نکل کر تم غلط حرکتیں کر سکتے ہو۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے' تم لوگ صرف چار ہو یا اور دس بیس یہاں موجود ہیں۔"

"لڑکیوں کے سامنے ہیرو بننے کی کوشش کر رہے ہو' گریسی یہی وہ آدمی ہے جس نے
مجھے مارا تھا' آج اس سے پرانا حساب بھی چکا لیا جائے تو زیادہ اچھا ہو گا۔"

اور گریسی نے کینہ توز نگاہوں سے حسن کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا
وقت سیتا کو موقع مل گیا دروازہ کھلا ہوا تھا چنانچہ سیتا نے دروازے کی جانب چھلانگ لگا
... دوڑا۔

"سیتا' پکڑنا' جمال شاہ اسے دیکھنا۔"

حسن کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے چوکی تھیں کہ گریسی نے آگے بڑھ کر اس کے بال
لئے اور اس کے بعد اسے گھسیٹتا ہوا دیوار تک لے گیا اور حسن کا سر دیوار سے دے مارا
کا سر زخمی ہو گیا تھا' خون کی تہہ اس کی آنکھوں میں آ گئی لیکن اس کے ساتھ ہی اس
سارے وجود میں خون اتر آیا اس نے اچھل کر گریسی کی پنڈلیوں میں ٹھوکریں ماریں اور
پیچھے ہٹنا پڑا وہ واقعی بہت طاقتور انسان تھا' جمال شاہ اور شہریار باہر دوڑ پڑے تھے

گلزار خود بھی گریسی کی مدد کو آگے بڑھا اور حسن نے اس کے پیٹ پر ایک زور دار لات رسید کر دی یہ لات گلزار کے لئے کافی ہوئی تھی لیکن گریسی جو درحقیقت ایک مقامی غنڈہ تو لڑائی بھڑائی کے فن سے واقف تھا' پہلے کامیاب حملے کے بعد وہ دوسرے کامیاب حملے کی تیاریاں کر رہا تھا پھر اچانک ہی سائرن کی آوازیں ابھریں پولیس کار کے سائرن تھے' غالباً پولیس گاڑیاں تھیں حسن نے آنکھوں میں اتر آنے والا خون صاف کیا گلزار اور گریسی پولیس کا سائرن سن کر کسی قدر دہشت زدہ ہو گئے تھے' انہوں نے دروازے سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن یہاں حسن نے کام دکھا دیا' اس نے دروازے میں ٹانگ اڑائی اور گریسی اوندھے منہ نیچے گر پڑا گلزار بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا پھر اسی وقت راہی پولیس انسپکٹر رابرٹ اور سپاہیوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔ حسن نے چیخ کر کہا۔

"باہر' باہر لڑکیاں ہیں۔"

"انہیں پولیس کی حفاظت میں لے لیا گیا ہے' حسن فکر مت کرو' رابرٹ یہ دونوں بدمعاش بھی شامل ہیں' اوہو حسن تم زخمی ہو گئے ہو پلیز رابرٹ دیکھو۔"

"نہیں' میں ٹھیک ہوں بہت زیادہ زخمی نہیں ہوں۔" حسن کو اچانک ہی اپنی چوٹ کا احساس ہوا تھا جس کا ابھی تک اسے کوئی احساس نہیں تھا۔ خون کافی شدت سے بہہ رہا تھا راہی نے جلدی سے اس خون کو روکنے کے انتظامات شروع کر دیئے۔ رابرٹ اور اس کے ساتھ آئے ہوئے سپاہیوں نے پستولیں گریسی اور گلزار کی کنپٹی سے لگا کر ان کے ہاتھوں کو پیچھے موڑ کر ان میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں اور پھر انہیں دھکے دے کر نکالتے ہوئے باہر نکل آئے۔ حسن بھی آنکھوں کو صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیتا کے ساتھ غزل کھڑی ہوئی تھی اور بری طرح کانپ کانپ کر رو رہی تھی۔ سیتا البتہ ایک بہادر لڑکی تھی وہ خونخوار نگاہوں سے شہریار جمال شاہ کو دیکھ رہی تھی جنہیں پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔ گریسی اور گلزار کو بھی آخر کار پولیس وین میں بٹھا دیا گیا اور اس کے بعد حسن کی خبر لی گئی۔ حسن نے راہی سے کہا۔

"راہی! میری گاڑی وہ اس طرف' اس جگہ کھڑی ہوئی ہے تم میری گاڑی سنبھال لو۔"

"او کے۔"

"آپ کا زخم کیسا ہے مسٹر؟"

"آپ یقین کریں مسٹر رابرٹ زخم گہرا نہیں ہے۔ معمولی سا زخم ہے آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔"

"اس کے باوجود مسٹر راہی آپ کو پہلے اسپتال لے جائیں گے اس کے بعد آپ اطمینان سے پولیس اسٹیشن آ جایئے' ہاں اگر آپ کی اجازت ہو تو ان لڑکیوں کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں مجھے امید ہے کہ آپ مجھ پر پورا پورا اعتماد رکھیں گے۔"

"او کے مسٹر رابرٹ تھینک یو' تھینک یو ویری مچ۔" حسن نے کہا اور راہی کی جانب بڑھ گیا جو کار لئے ہوئے برق رفتاری سے ادھر آ رہا تھا۔ راہی نے اسے کار میں بٹھایا اور اس کے بعد کار تیز رفتاری سے چل پڑی پولیس کی دونوں گاڑیاں گرفتار شدہ مجرموں اور لڑکیوں کو لے کر پولیس ہیڈ کوارٹر کی جانب چل پڑی تھیں۔

راہی نے بڑی مدد کی تھی بس تھوڑی سی دیر ہو گئی تھی جس کی وجہ سے حسن زخمی ہو گیا تھا۔ بہرحال حسن کو اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ ڈاکٹروں کے مطابق زخم کافی گہرا تھا۔

ادھر غزل اور سیتا گرفتار شدہ مجرموں کے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچ گئیں۔ غزل کی حالت تباہ تھی۔ اسے احساس تھا کہ ایک بار پھر اس سے زبردست غلطی ہوئی ہے۔ حسن نے اسے سمجھایا تھا کہ محتاط رہے' کہیں سے بھی کوئی غلط حرکت ہو سکتی ہے۔ جو واقعات پیش آئے تھے ان سے غزل کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ بدترین دھوکے کا شکار ہوئی ہے اور یہ سب کمینہ صفت گلزار کی کارروائی ہے۔ حسن بے چارہ میری وجہ سے زخمی ہو گیا اور میں خود اس کے جال میں پھنس گئی' سارا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔ سیتا بے چاری بھی اس کی وجہ سے بدنامی کا شکار ہوئی تھی۔

بہرطور پولیس کی کارروائی ہوئی' البتہ غزل نے گلزار کے لئے کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا اور اپنے بیان میں مکمل تفصیلات بتا دی تھیں۔ اس کے بعد غزل سے پوچھا گیا کہ وہ کسی سے کوئی رابطہ کرنا چاہتی ہے تو اس نے ہاشم علی کے بارے میں بتایا' ذمہ دار لوگ تھے' موثر کارروائی کی گئی۔ ہاشم علی کو فوراً اطلاع دی گئی اور ہاشم علی پریشانی سے دیوانے ہو کر بھاگے اور پہلی ہی فرصت میں غزل کے پاس پہنچ گئے۔ جو ہوا تھا وہ اتنا برا ہوا تھا کہ ہاشم علی کے ہاتھ پاؤں کے طوطے اڑ گئے۔ بہرحال قانونی کارروائیاں کرنا تو ضروری تھا۔ انہوں نے اپنے طور پر فیصلے کئے' اب بیٹی سے پوچھنا ممکن نہیں تھا جوان بیٹی کو اس سنگین صورت حال کا شکار نہیں ہونے دے سکتے تھے۔ مستقبل میں کیا کچھ ہو کچھ اندازہ نہیں تھا۔ چنانچہ دل میں فیصلہ کر لیا کہ غزل کو واپس لے جائیں گے۔ غزل نے تھوڑی سی مداخلت ضرور کی تھی لیکن بہرحال باپ کے سامنے نہ چل سکی' حسن کا زخم واقعی گہرا تھا اور ڈاکٹروں نے اسے اسپتال میں داخل رہنے کی ہدایت کی تھی چنانچہ وہ وہیں تھا ہاشم علی نے کہا۔

"حسن! میں غزل کو واپس لئے جا رہا ہوں میری رائے ہے کہ تم بھی واپس چلو۔" حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نہیں انکل میری منزل تو کچھ اور ہے آپ میرے لئے بالکل فکرمند نہ ہوں۔"

"بہتر تو یہ تھا کہ یہاں دشمنیوں کا شکار ہونے کی بجائے تم میرے ساتھ ہی واپس چلو۔"

"ممکن نہیں ہے انکل۔ معافی چاہتا ہوں۔"

اس سے زیادہ ہاشم علی حسن کو مجبور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن وطن واپس جا کر انہوں

نے محمود حسن کو ساری تفصیلات بتا دیں۔ اولاد کا معاملہ تھا' محمود حسن بے قرار ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے اپنی انا کو پس پشت ڈال کر حسن تک پہنچنے کا فیصلہ کیا اور جس قدر جلد ممکن ہو سکتا تھا حسن کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے حسن سے ملاقات کی۔ حسن نے باپ کا مکمل احترام کیا تھا۔ محمود حسن کہنے لگے۔

"اگر تمہاری دیوانگی میں سر کی چوٹ کے بعد سے کوئی فرق آیا ہو تو اب تم بھی یہاں سے واپس چلو۔ ہر کام ضروری نہیں ہے کہ ہماری مرضی کے مطابق ہی ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں اب تم اپنی دیوانگی ترک کر دو۔"

"نہیں ڈیڈی' سر کی چوٹ نے تو اس دیوانگی کو اور ہوا دے دی ہے۔ میں واپس نہیں جا سکتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میرا اور آپ کا تعلق ختم ہو گیا۔ یہ تعلق تو زندگی کے آخری سانسوں تک قائم رہے گا لیکن بہرحال میرا ایک نظریہ ہے میں اس کی تکمیل کروں گا۔"

"یہی تکمیل ہو رہی ہے اس نظریئے کی اسپتال میں پڑے ہوئے ہو۔"

"زندگی کی کہانی کے مختلف باب ہوتے ہیں ڈیڈی اگر ہم کہانی کو ایک ہی انداز میں لکھتے رہیں تو اس کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اور اس میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔"

"مجھ سے فلسفہ بگھار رہے ہو؟"

"فلسفہ تو فلسفہ ہے ڈیڈی' وہ جس کے سامنے بھی بیان کیا جائے بہرطور فلسفہ رہتا ہے۔"

"دیکھو میں تم سے زیادہ پاگل آدمی ہوں' میں۔ میں تم سے اس طرح تعلق ختم کروں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ڈیڈی! آپ تعلق ختم کریں گے لیکن میں نہیں کروں گا۔ جو کام آپ کریں گے اس سے آپ کو روکنا میرے لئے ممکن نہیں ہے اس لئے آپ اپنے ہر کام میں آزاد ہیں۔"

"گویا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اگر تجھ سے تعلق ختم کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں؟"

حسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔ "جو آپ نے کرنا چاہا تھا ڈیڈی وہ تو آپ نے کر لیا اب اس سلسلے میں مزید میری رائے جاننے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔"

"تو پھر کان کھول کر سن لو' اس کے بعد میرے گھر کے دروازے تجھ پر ہمیشہ کے لئے بند ہیں اگر کوئی تجھ سے ملنے کی کوشش کرے گا تو میرا اس سے رابطہ نہیں ہو گا' تو جس قدر ضدی ہے میں تجھے بتاؤں گا کہ ضد کیا ہوتی ہے۔"

حسن نے کوئی جواب نہیں دیا اور محمود حسن سخت غصے کے عالم میں وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔

حسن اس بات سے افسردہ ضرور تھا لیکن اس کی اپنی زندگی کا ایک نظریہ تھا اور شاید وہ بھی کوئی بہت ہی ضدی انسان تھا کیونکہ بعد میں اسپتال سے نکل کر بھی اس نے باپ سے

کوئی رابطہ نہیں قائم کیا۔ اپنے مقاصد کی تکمیل کرنے کے لئے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جیکارڈ کے ساتھ جرمنی چلا جائے۔ باقی سارے معاملات جو کچھ بھی تھے گلزار' گریسی' جمال شاہ اور شہریار کا جو کچھ بھی ہوا وہ ان کا اپنا معاملہ تھا لیکن حسن نے آخر کار جرمنی کا سفر اختیار کر لیا اور ڈاکٹر جیکارڈ اور شیرازی صاحب کے ساتھ جرمنی کی فضاؤں میں گم ہو گیا ایک نامعلوم کردار کی مانند۔

☐

دروازہ حمیدہ نے کھولا تھا اور اسے جو سامنے نظر آیا تھا اسے دیکھ کر حمیدہ دنگ رہ گئی تھی۔ پھر وہ ایک دم باادب ہو گئی۔

"آیئے بیگم صاحبہ' آیئے۔" میڈم اندر داخل ہو گئی۔ حمیدہ کے بعد صاعقہ نے اسے دیکھا تھا اور فوراً ہی ادب سے سلام کیا تھا۔ میڈم نے محبت بھری مسکراہٹوں کے ساتھ صاعقہ اور انیلا کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ امینہ بیگم کے بارے میں پوچھا۔ امینہ بیگم کمرے کے اندر تھیں۔ انہیں کسی کی آمد کا احساس ہوا تو وہ بھی باہر نکل آئیں اور پھر میڈم کو دیکھ کر وہ بھی سخت حیران ہوئیں۔

"بھئی آپ لوگ اس طرح حیران کیوں ہو رہی ہیں۔ کیا میں انسان نہیں ہوں؟"

"آیئے بیگم صاحبہ آیئے' آپ اس طرح یہاں آ جائیں گی اصل میں ہم نے سوچا نہیں تھا۔" امینہ بیگم نے کہا۔

"چلئے اب آ گئی ہوں اب تو مجھے تسلیم کر لیجئے۔"

صاعقہ اور انیلا فوراً ہی باہر نکل گئی تھیں وہ جانتی تھیں کہ بیگم صاحبہ کی خاطر مدارات کرنی ہے۔ یہ بہت بڑی محسن تھیں ان کی' اور ان سے سب ہی واقف ہو چکے تھے۔ میڈم نے امینہ بیگم سے کہا۔

"اصل میں بہت دن سے آپ کے پاس آنے کے بارے میں سوچ رہی تھی لیکن شاید شاہی اور فراز نے آپ کو بتایا ہو کہ ایک باقاعدہ کارخانہ چلا رہی ہوں۔ کافی کام ہوتے ہیں جنہیں خود ان کاموں کو دیکھتی ہوں' بے شک بہت سے معاون میرے ساتھ ہیں' وہ میرے لئے کام کرتے ہیں' لیکن پھر بھی اگر کسی کام کو خود نہ دیکھا جائے تو انسان کی طبیعت مطمئن نہیں ہوتی۔"

"بے شک' اس میں کیا شک ہے۔" امینہ بیگم نے کہا۔

"ویسے آپ کے کیا مشاغل رہتے ہیں؟"

"پہلے جو مشاغل تھے آپ کے علم میں ہیں' اب آپ نے ان سے آزاد کر دیا ہے اور نئے سے دلچسپی پیدا کر دی ہے تو اپنی دلچسپیوں میں کھوئی ہوئی ہوں۔"

"شاہی نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ آپ ناول نگار ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"افسوس میری زندگی تو کچھ اس طرح کی رہی کہ لطافت سے بہت دور نکل گئی لیکن کیا ہی دلچسپ مشغلہ ہے یہ' انسان دل کی بھڑاس بڑی آسانی سے نکال سکتا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ سب سے کہہ لیتا ہے۔ آپ کو بڑا اچھا لگتا ہو گا؟"

امینہ بیگم مسکرا دیں۔ پھر کہنے لگیں۔ "آپ کے اس کے علاوہ کیا مشاغل ہیں' شوہر بچے وغیرہ ہیں۔"

"نہیں خوش قسمتی سے نہ میں شوہر زدہ ہوں نہ بچوں سے میرا کوئی تعلق ہے اصل میں بس کچھ ایسے ہی واقعات زندگی سے وابستہ ہیں کہ ان جھگڑوں میں نہ پڑ سکی' ویسے ایک بات ضرور ہے امینہ بیگم' انسان فطرت سے دور نہیں ہٹ سکتا۔ جو لوگ خود کسی چیز سے محروم رہتے ہیں وہ بھی ایسے نہیں ہوتے کہ دوسروں کو ایسی محرومیوں میں دیکھنا پسند کریں۔"

"میں غور کر رہی ہوں آپ کی بات پر۔"

"نہیں اس بات کا کوئی اہم مقصد نہیں ہے' میں تو صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ بے شک میری شادی نہیں ہوئی لیکن میں شادیوں سے دلچسپی ضرور رکھتی ہوں اور اس وقت آپ کے پاس اسی سلسلے میں آئی ہوں۔"

"جی۔" امینہ بیگم چونک پڑیں۔

"ہاں۔ فراز کو میں نے دیکھا ہے شامی تو میرے ساتھ ہی کام کرتے ہیں' دونوں بہت اچھے نوجوان ہیں انسانیت سے اتنے قریب کہ تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھنے کو دل چاہے ہر طرح کی برائیوں سے پاک۔ امینہ بیگم! میری آرزو ہے کہ فراز کے لئے آپ صاعقہ کا رشتہ قبول کر لیں۔ یہ ایک رسم بھی ہے اور فرض بھی۔ میں یوں سمجھ لیجئے کہ یہ رشتہ لے کر آئی ہوں آپ کے پاس۔"

امینہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر میڈم کو دیکھا اور بولیں۔ "آپ تو ہمیں اعزازات پ[illegible] اعزازات دیئے جا رہی ہیں' کتنا کچھ دیں گی ہمیں' کیا صلہ دے سکیں گی آپ کو' آپ کی ان عنایتوں کا؟"

"بس میں نے آپ سے صلہ مانگ لیا ہے' صاعقہ کا رشتہ فراز کے لئے منظور کر لیں' مجھے میری تمام کاوشوں کا صلہ مل جائے گا۔"

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"جانتی ہوں آپ کیا پوچھیں گی' یہی سوال کریں گی ناں آپ کہ فراز یا شامی سے میرا کیا رشتہ ہے بس سمجھ لیجئے کہ بعض اوقات انسان کا کوئی دنیاوی رشتہ نہیں ہوتا لیکن صورت کچھ ایسی بن جاتی ہے کہ بہت سے قریبی رشتے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ شامی بہت پیاری شخصیت ہے اور فراز' میں اسے بہت زیادہ نہیں جانتی۔ لیکن اندازہ ہے کہ وہ کس

نوجوان ہے' میرا خیال ہے امینہ بیگم وہ بہت اچھا لڑکا رہے گا۔"

"جی وہ بہت اچھا ہے اور میں آپ کا حکم اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتی ہوں۔"

"تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے درمیان یہ معاملات طے ہیں۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔ آپ کو مکمل اختیار حاصل ہے۔"

"کریں کیا یہ بتایئے؟"

"میری بات مانیں گی یا آپ اپنی پسند سے سب کچھ کریں گی؟"

"نہیں آپ ہی کی بات مانوں گی۔"

"دیکھئے ہم لوگ جن حالات سے گزرے ہیں انہوں نے ہمیں بہت سہمایا ہوا ہے۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ آپ ہی کا دیا ہوا ہے' میری آرزو ہے کہ انتہائی سادگی کے ساتھ ان دونوں کا نکاح ہو جائے۔ کچھ بھی نہ کریں ہم لوگ بس اس کے بعد زندگی کا آغاز کر دیا جائے۔ فراز یہیں رہیں' شامی بھی یہیں آ جائیں۔ بڑا اچھا رہے گا۔ ہماری ایک شخصیت بن جائے گی۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہ ہو تو اچھا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔"

میڈم کچھ سوچنے لگیں' اسے بھی ایک دم احساس ہوا کہ اس کے سوچنے کا انداز غیر مناسب تھا۔ فراز کی شادی کرے گی' ہنگامہ کرے گی' دھوم دھام کرے گی۔ لوگ پوچھیں گے کہ یہ کون ہے تو کیا جواب دے گی۔ امینہ بیگم کا کہنا ہی بہتر ہے' کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا اور بولی۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر امینہ بیگم اس کے لئے ایک مناسب وقت طے ہو جائے۔"

"آپ فرمایئے۔"

"میرے خیال میں آج سے دسویں دن ہم اس فرض کو پورا کئے لیتے ہیں۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"تو پھر آپ کی طرف سے میں مطمئن ہو جاؤں؟"

"آپ کا حکم میرے لئے بہت بڑا درجہ رکھتا ہے اور کیا کہہ سکتی ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی فراز بھی بہت اچھا نوجوان ہے ان تمام باتوں کے بعد یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ ہم ذرے' آفتاب کے مقابل ہونے جا رہے ہیں۔"

"آپ واقعی عجیب ہیں۔ اچھا تو اجازت؟"

"ارے واہ بچیاں باہر کھڑکھڑا رہی ہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" امینہ بیگم نے کہا اور پھر مسکرا کر خاموش ہو گئیں۔

بہت عمدہ ناشتا تیار کیا گیا تھا اور میڈم کو بہت محبت اور چاہت سے بہت کچھ کھلایا گیا اس کے بعد وہ وہاں سے باہر نکل آئی۔ نجانے کیوں اس کی آنکھوں میں ایک مسرور سی

چمک تھی۔ پھر وہ بی کار میں بیٹھ کر فرم کی جانب چل پڑی۔

کچھ دیر کے بعد وہ آفس پہنچ گئی۔ یہ ساری کارروائی اس نے اپنے طور پر کی تھی' لیکن اعتماد تھا کہ فراز بشامی اس کے کئے پر اعتراض نہیں کر سکیں گے۔ پھر بھی آفس پہنچنے کے بعد سب سے پہلے شامی ہی کو تلاش کیا' موجود تھا' اس کی ہدایت پر اس کے آفس میں داخل ہو گیا۔ میڈم مسکرا رہی تھی۔ شامی بھی مسکرانے لگا۔

"ہاں بھئی شامی صاحب کیا ہو رہا ہے؟"

"زندگی کی گاڑی دھکیل رہے ہیں۔"

"کب تک دھکیلتے رہیں گے آپ یہ گاڑی؟"

"جب تک اس گاڑی کو منزل پر نہ پہنچا دیا جائے۔"

"منزل کیا چیز ہوتی ہے؟"

"موت۔"

"ارے ارے ارے' آج کل آخر ہو کیا رہا ہے آپ کو؟"

"کیوں میڈم؟"

"بڑی سنجیدہ گفتگو کرنے لگے ہیں' نجانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ یہ تو جوانی میں موت کا تصور کیسے آگیا؟"

"موت کا تصور تو اس دن سے شروع ہو جاتا ہے جس دن سے انسان دنیا میں پہلی بار آنکھ کھولتا ہے۔"

"اللہ کی پناہ! ارے شامی صاحب میں نے آپ کو اس گفتگو کے لئے نہیں بلایا بلکہ اپنی غلطی کی معافی مانگنے کے لئے بلایا ہے۔" میڈم نے کہا۔

"غلطی کی معافی۔" شامی بری طرح چونک پڑا۔

"ہاں بھئی بعض اوقات انسان اپنی حد سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے' لیکن کیا کیا جائے انسان تو انسان ہی ہے حد سے آگے بڑھنا ہی پڑتا ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میڈم' پلیز وضاحت کیجئے۔"

"امینہ بیگم کے پاس گئی تھی آج۔"

"اوہو اچھا خیریت؟"

"فراز کا رشتہ لے کر۔" میڈم نے کہا اور شامی بری طرح چونک کر میڈم کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر بری طرح ہنس پڑا۔

"کک..... کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ہاں گئی تھی فراز کا رشتہ لے کر۔" وہ بھی مسکراتی ہوئی بولی۔

"تو پھر کیا ہوا؟"

"منظور کر لیا امینہ بیگم نے۔"

"ارے تو یہ واقعی خدا کی قسم سچ کہہ رہی ہیں آپ؟"

شامی پر مسرت لہجے میں بولا۔

"تم خوش نظر آ رہے ہو شامی۔"

"فراز کی شادی سے خوش نہیں ہوں گا تو اور کیا کروں گا۔"

"تو پھر میں یہ رشتہ طے کر آئی ہوں بلکہ دن اور تاریخ بھی طے کر آئی ہوں۔"

"کمال کر رہی ہیں آپ' آج آپ واقعی کمال کر رہی ہیں' دن وغیرہ بھی طے کر لیا؟"

"جناب۔"

"کب؟"

"آج سے ٹھیک دس دن کے بعد۔"

"دس دن' دس دن' کون سا دن ہو گا اور ارے باپ رے باپ کیا واقعی؟" شامی ناچنے لگا وہ پر مسرت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی کہنے لگی۔

"ہاں' لیکن امینہ بیگم نے ایک فرمائش کی ہے۔"

"کیا؟"

"ان کا کہنا ہے کہ سادگی سے نکاح ہو جائے۔ چند افراد وہاں جائیں اور نکاح کر لیا جائے۔ پھر فراز وہیں قیام کرے' میں نے ان کی یہ خواہش بھی منظور کر لی ہے۔"

"میڈم' میڈم' آپ نے وہ کام کیا ہے جو واقعی ہم لوگ شاید سالہا سال نہ کر سکتے' ارے فراز سنے گا تو خوشی سے پاگل ہو جائے گا' میں اسے فون کر لوں؟"

"نہیں' اتنی جلدی کی ضرورت نہیں ہے' آرام سے اسے بتا دینا اور سنو شامی کسی زیادہ چکر میں پڑنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے آرام سے کر لیں گے۔"

"م.... مگر میڈم' ہمیں تو اس بارے میں کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"تجربہ تو مجھے بھی نہیں ہے' لیکن بہرحال کام ہو ہی جائے گا۔" میڈم نے کہا اور پھر یک دم سے اسے اپنے الفاظ کا احساس ہوا اور وہ سنبھل گئی۔

"پھر اب یہ بتائیے کہ ہم کیا کریں؟"

"کچھ نہیں' آرام کرو اور مجھے شادی کی تیاریاں کرنے کی اجازت دے دو۔"

"یہ تیاریاں بھی آپ ہی کریں گی؟"

"بھئی جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو تم کر لینا۔"

"نہیں میڈم' ہم تو سادہ مزاج آدمی ہیں اگر یہ مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہو جاتا ہے تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے آپ آرام کیجئے اور مجھے تیاریاں کرنے دیجئے۔"

"میں جاؤں؟"

"جایئے۔" میڈم نے ہنس کر کہا اور شامی وہاں سے اٹھ گیا لیکن وہ عقب سے دیکھ رہی تھی کہ شامی کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی ہے۔ نجانے کیوں اسے اس خوشی سے خود بھی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

□

زندگی کے معمولات جاری ہو گئے تھے۔ رخشندہ کی شادی ایک خوشگوار تجربہ ثابت ہوئی تھی۔ مسز عالمگیر درد مند خاتون تھیں' رخشندہ کو انہوں نے کبھی کسی قسم کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا اور وقت گزرتا رہا۔ مرزا صاحب بھی خاموش ہو گئے تھے۔ پھر ایک دن مسز عالمگیر نے تابندہ سے کہا۔

"تابندہ! آج شام کو تم آ سکتی ہو؟"

"کہاں آنٹی؟"

"گھر۔"

"حاضر ہو جاؤں گی جی کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں بہت خاص بات کرنی ہے تم سے۔" مسز عالمگیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے ہول چڑھتا رہے گا' کیا رخشندہ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟"

"بھول کر بھی نہ سوچنا ایسی کوئی بات' وہ بہت پیاری بچی ہے' نعمان بھی بے پناہ خوش ہے اور میں بھی' بس ایسے ہی کچھ ذاتی باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

"جی بہت بہتر۔"

تابندہ دفتر سے اٹھنے کے بعد گاڑی میں مسز عالمگیر کے گھر پہنچ گئی تھی۔ شام کی چائے پر اس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ نعمان بھی موجود تھا۔ رخشندہ بھی' رخشندہ کے چہرے پر ایک ہلکی سی افسردگی طاری تھی' جسے تابندہ نے فوراً محسوس کر لیا تھا۔ چائے کا دور چلا۔ مسز عالمگیر نے کہا۔

"تابندہ! ایک مسئلہ کئی دن سے ہم ماں بیٹے اور بہو کے درمیان زیر بحث ہے اس سلسلے میں اب تمہاری رائے آخری حیثیت رکھتی ہے۔"

"جی فرمایئے' مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"میں نے وہاں بھی تم سے کہا تھا کہ عجیب کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں نعمان کو ایک زبردست آفر آئی ہے بلکہ اسے آفر نہ کہو کیوں کہ پہلے سے وہ اپنا ایک کورس کرتے ہوئے وعدہ کر چکے ہیں کہ امریکہ واپس آنے کے بعد وہ اس اسپتال کو جوائن کر لیں گے۔ دیکھو روپے پیسے کا تو کوئی معاملہ نہیں ہے' لیکن نعمان نے جو کچھ کیا ہے اس کا صحیح مصرف

وہاں جا کر ہی ہو سکتا ہے اور اب میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے تابندہ کہ میں اپنے بیٹے اور بہو سے الگ رہ سکوں۔ جس قدر جدوجہد میں کر سکتی تھی وہ کر چکی ہوں' اب آرام کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں رہ کر میرے لئے آرام کرنا ممکن نہیں ہے۔ کاروبار اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اگر اسے سنبھالنے میں لگ جاؤں تو یقین کرو ممکن نہیں ہو گا۔ چنانچہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ ہم لوگ امریکہ چلے جائیں۔"

سب کی صورت دیکھتی رہ گئی' اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات رقصاں ہو گئے تھے۔ چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"اگر آپ یہ فیصلہ کر چکی ہیں' آنٹی تو ظاہر ہے اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خود نعمان کیا کہتے ہیں؟"

"اصل میں تابندہ باجی' میں یوں سمجھ لیجئے زندگی کی سب سے بڑی آرزو یہی رکھتا ہوں کہ میں نے جس سیکشن میں اسپشلائز کیا ہے اس میں پریکٹیکل کروں اور آپ کو اندازہ ہے کہ یہاں اس کے مواقع نہیں ہیں' پھر وہاں کا ماحول بھی میرے لئے بڑا سازگار ہے' اگر آپ کی اجازت ہو تو....؟"

"نہیں نعمان' بھلا میں اجازت دینے والی کون ہوں؟"

"آپ رخشندہ کو مس تو نہیں کریں گی' ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی مجھے وقت ملا' یا پھر جب بھی رخشندہ نے آنا چاہا تو میں انہیں خود یہاں لے کر آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے' آپ لوگ یہ فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے' میں آپ کو مبارک باد پیش کرتی ہوں۔"

"ہوں' یہ ایک مرحلہ ہوا' اب دوسرا مرحلہ میرے کاروبار کا رہ جاتا ہے' تو تابندہ دیکھو تمہارے لئے میرے دل میں جو جگہ پیدا ہو گئی ہے اگر تم خلوص دل سے غور کرو تو تمہیں احساس ہو گا کہ وہ جگہ ایک بیٹی کے لئے ہی پیدا ہو سکتی ہے' میں نے تم سے دل لگانے کے بعد تمہیں اپنی اولاد ہی کا درجہ دیا ہے۔ چاہے تم مجھے کسی بھی نام سے مخاطب کرتی رہی ہو۔ میں نے ہر مسئلے میں تم سے معلومات حاصل کی ہیں اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا ہے تمہاری مدد بھی کی ہے' تابندہ یہ سارا کاروبار میں تمہیں دینا چاہتی ہوں' میری آرزو ہے کہ تم اسے ترقی دو اور اپنے طور پر آرگنائز کرو' میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ میں باقاعدہ قانونی طور پر یہ سب کچھ تمہارے نام کرنا چاہتی ہوں۔"

"آنٹی۔" تابندہ لرز گئی۔

"اگر کہہ سکتی ہو تو ماں بھی کہہ دو مجھے' لیکن ماں اور خالہ میں زیادہ فرق نہیں ہوتا' خدا تمہاری ماں کو زندہ سلامت رکھے' میں بہرحال یہ بھی فیصلہ کر چکی ہوں اور اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو پھر میں اسے کسی خیراتی ادارے کو دے دوں گی' بس یہ میرا آخری فیصلہ

ہے۔"

تابندہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مسز عالمگیر کو دیکھتی رہی۔ دنیا میں کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، قصے کہانیاں تو ہوتی ہیں ایسی' حقیقتوں میں یہ ہونا بہت مشکل ہے' لیکن تصور میں تو آ سکتا ہے' کہانی کے طور پر تو لکھا جا سکتا ہے اور کہانی کبھی بھی حقیقت سے دور نہیں ہوتی۔ جو کچھ وہ کہہ رہی ہیں وہ کرنا بھی چاہتی ہیں۔

اور پھر مسز عالمگیر نے ایسا ہی کیا سب کچھ قانونی طور پر تابندہ کے حوالے کر دیا گیا۔ مرزا صاحب کا کردار اس سلسلے میں ذرا عجیب تھا۔ انہیں رخشندہ کے امریکہ چلے جانے کا کوئی دکھ نہیں تھا لیکن اتنے بڑے کاروبار کا تابندہ کی تحویل میں آ جانا ان کے لئے لاتعداد خوشیوں کا باعث تھا اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے' کہنے لگے۔

"ہم تو اس کا مقصد ہے کہ اب بہت بڑے آدمی بن گئے' وہ مردود اگر واپس آ جائیں تو ہم انہیں نوکری دے سکتے ہیں' کیا سمجھتے تھے اپنے آپ کو۔" مرزا صاحب نے بیٹوں کے بارے میں کہا۔

"تابندہ یا گھر کا کوئی بھی فرد مرزا صاحب کی باتوں میں بولتا ہی نہیں تھا اور مرزا سخاوت بیگ اپنے ہی طور پر سب کچھ کہہ کر رہ جاتے تھے۔"

پھر نعمان' رخشندہ اور مسز عالمگیر امریکہ چلے گئے۔ نہ جانے کتنا دکھ ہوا تھا تابندہ' فرخندہ اور ان کی ماں کو' لیکن بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں۔ ویسے بھی اگر وہ کہیں جانا چاہتے تو انہیں روکنا ممکن تو نہیں تھا۔

زندگی پھر سے رواں دواں ہو گئی لیکن تابندہ نے اب سارے کاروبار کے لئے ایک نئے سیٹ اپ کا فیصلہ کیا تھا اور کوششوں میں مصروف تھی۔

مرزا صاحب اپنے معاملات میں لگے رہتے تھے۔ گھر میں دولت کی فراوانی ہو گئی تھی' ہر ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔ تابندہ بڑی ذمے داری کے ساتھ اس پورے کاروبار کو سنبھالے ہوئے تھی' اس نے کچھ معاونوں کا بھی اضافہ کیا تھا اور انہیں اس کاروبار کے سلسلے میں ہدایات جاری کرتی رہی تھی۔

گھر وہی تھا' لیکن اس گھر کا نقشہ ہی بدل گیا تھا' تب مرزا سخاوت بیگ نے ایک اور تازیانہ لگایا۔ باہر بھی نکل جاتے تھے کبھی کبھی' ایک ملازم رکھ لیا گیا تھا۔ ان کے لئے جو ان کی وہیل چیئر کو دھکیلتا ہوا دور تک لے جاتا تھا۔ مرزا صاحب کے بہت سے شناسا تھے جن میں جلال خاں بنیادی حیثیت رکھتے تھے جوڑ توڑ کے ماہر' نجانے کس قسم کے آدمی تھے' اب تو انہیں مرزا صاحب سے کچھ مالی امداد بھی حاصل ہو جاتی تھی چنانچہ جلال خاں نے سخاوت بیگ کی فرمائش پر ایک رشتہ فرخندہ کے لئے تلاش کیا۔ لڑکا کنٹریکٹر تھا اور بقول جلال خاں بڑی بڑی عمارتیں بنایا کرتا تھا اور انہیں فروخت کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب سے اس کی ملاقات کرائی گئی اور مرزا صاحب کو لڑکا بھا گیا گھر والوں کے بارے میں بھی جلال خاں کا کہنا تھا کہ بڑے اچھے لوگ ہیں' نتیجہ یہ ہوا کہ بات گھر تک پہنچی۔ مرزا صاحب نے فیروزہ بیگم سے کہا۔

"فرخندہ کے لئے میں نے ایک رشتہ تلاش کر لیا ہے۔"

فیروزہ بیگم کا تو دل ہی دھک سے ہو گیا' پھٹی پھٹی آنکھوں سے سخاوت بیگ کو دیکھنے لگیں تو سخاوت بیگ بولے۔

"ناکارہ بے شک ہو گیا ہوں' لیکن اتنا بھی نہیں کہ کچھ نہ کر سکوں اور تم تو یہ سمجھتی ہو کہ میں نے بچیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں' کیا کروں معذور ہو گیا ورنہ اب تک بہت کچھ کر چکا ہوتا۔"

"آپ کو تابندہ نظر نہیں آتی؟"

"پھر وہ مرغے کی ایک ٹانگ۔ دیکھو ذرا غور کرو مجھ پر' جب میں تندرست تھا تو کیا میں نے بچوں کی طرف سے آنکھیں بند کیں' آج مجھے جواب دے دو اس بات کا تم لوگ مجھے ظالم سمجھتے ہو' کیا تابندہ کے لئے میں نے سب سے پہلے رشتہ تلاس نہیں کیا' بولو جواب دو۔ غیرت دار آدمی تھا اور جو کچھ بن پڑتا تھا کر رہا تھا۔ محمود حسن صاحب نے احسان کئے مجھ پر' اور اس کے بعد انہوں نے مجھے بالکل ہی بے غیرت بنانے کا فیصلہ کر لیا جس شخص نے میری غیرت پر حملہ کیا ہو' کیا وہ میرے قابل قبول ہو سکتا تھا' پھر صورت حال اور بدلی ہمارے دونوں بیٹوں نے دغا کی' میں اپاہج نہ ہوتا فیروزہ بیگم تو دنیا کے کسی بھی گوشے میں انہیں تلاش کر کے ان سے انتقام لیتا' ارے کیا ہی اچھی بات ہے۔ پیدائش کے پہلے دن کے ...ے ماں باپ بچوں کو سینے پر بٹھا کر پروان چڑھاتے ہیں۔ ہر اچھائی اور برائی کو سمیٹتے ہیں اور جب وہ اس قابل ہو جائیں تو انہیں یہ فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ دل ...یا ان کم بختوں نے میرا۔ میں کس کا برا چاہتا تھا' جواب دو' بے بس کر دیا' مایوس کر دیا ...ہ ارے اگر وہی بازو بنتے میرے تو کیا ضرورت تھی' ایک بار ہی تسلی کے کچھ الفاظ کہہ ...تے کہ ابو آپ کا دور گزر گیا اب بیٹھئے۔ آپ نے جس درخت کو پروان چڑھایا ہے اب ...ے سائے میں بیٹھ جایئے' لیکن تنہا چھوڑ دیا ہے مجھے کھلی دھوپ میں' کھلے میدان میں' ...ہا میرے دل میں' تم بتاؤ۔ ہر اس چیز کا سہارا تلاش کرنا پڑا جو میری زندگی کو برقرار ...ے تابندہ نے خود ہی گھر سے باہر نکل کر بوجھ سنبھالا تھا تا اب بتاؤ اگر میں اس درخت کو ...را دوں تو کیا بنے گا ہم سب کا۔ کیسے جئیں گے جواب دو....."

"لیکن بیٹیاں سہارا تو نہیں ہوتیں؟"

"بیٹے تو ہوتے ہیں۔"

"تو پھر....؟"

"جب بیٹے ساتھ نہیں دیتے تو پھر بیٹیوں کے لئے ہی کیوں مرا جائے؟"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"کون سی بات کیسے ہوئی' کہاں ہوئی' کیا ہوئی میں نہیں جانتا' میں نے جن پر اعتماد کیا انہوں نے مجھے دھوکا دیا تو اب مجھے کسی پر اعتماد نہیں ہے۔ بس جو ہو رہا ہے وہی ہو گا۔ اس سلسلے میں مجھ سے ضد نہ کی جائے۔"

"لیکن کون ہیں' کیا ہیں وہ لوگ؟"

"دیکھ لینا' میں لڑکے کو بھی بلائے لیتا ہوں اور انہیں بھی۔ جلال خان کا کہنا ہے کہ اچھے لوگ ہیں' مل لو ان سے' لیکن بس جو فیصلہ میں نے کر لیا ہے - وہ آخری ہے۔"

فیروزہ بیگم نے تابندہ کو بتایا اور تابندہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"کیا کہہ رہی ہیں امی....؟"

"جو تو نے سنا ہے۔"

"لیکن امی' ابو کے بارے میں تو آپ جانتی ہی ہیں۔ ہمیشہ اندھے فیصلے کیا کرتے ہیں۔"

"تو کچھ کر سکتی ہے تو کر لے' میں تیرا راستہ نہیں روکوں گی۔"

"نہیں امی' جب ابو کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے مجھے گھر کا مرد بنا دیا ہے تو پھر مجھے مردانہ فیصلے ہی کرنے ہوں گے۔"

"فساد برپا ہو جائے گا۔"

"مقابلہ کروں گی اس فساد کا۔"

"بیٹی! کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے۔"

"اللہ مالک ہے۔" تابندہ نے جواب دیا۔

بہرحال اس نے سخاوت بیگ سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ وقت مقررہ پر سخاوت بیگ نے بتایا کہ مہمان آ رہے ہیں' انتظام کر لیا جائے۔

اور پھر مہمان آ گئے۔

لڑکے کا نام شمشاد حسین تھا' ولدیت خالق حسین تھی لیکن ولدیت نہیں آئی تھی البتہ بیگم حسین آئی تھیں' خوبصورت ساڑھی میں ملبوس ایک فیشن ایبل خاتون۔ شمشاد حسین بھی دیکھنے میں اچھا خاصا تھا لیکن شاید ضرورت سے زیادہ خاموش طبع چہرے پر وہ رونق نہیں تھی' جو نوجوانوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔ بیگم حسین البتہ بڑی خوش اخلاق خاتون فرخندہ کو دیکھا گیا اور مسکرا کر بولیں۔

"بچی مجھے پسند ہے۔"

"آپ کا کیا مشغلہ ہے؟" تابندہ نے شمشاد حسین سے پوچھا اور وہ گھبرا کر ماں کی صورت دیکھنے لگا تو بیگم حسین جلدی سے بولیں۔

"بلڈنگیں بناتا ہے ماشاء اللہ۔ بڑے بڑے گھر بنا کر فروخت کر دیتا ہے۔ ٹھیکیداری کرتا ہے اور الگ سے اچھی خاصی کمائی ہو جاتی ہے۔"

تابندہ کو بیگم حسین کا بولنا عجیب سا لگا تھا۔ بہرحال کافی دیر تک ان لوگوں کا یہاں قیام رہا۔ خاطر مدارات کی گئی اور پھر کسی اور کے کچھ بولنے سے پہلے مرزا سخاوت بیگ بول اٹھے۔

"لڑکا ہمیں پسند ہے۔"

"بہت بہت شکریہ بھائی صاحب' ہمیں بھی یہ سمجھ لیجئے کہ کوئی جہیز وغیرہ کی زیادہ ضرورت نہیں ہے' بس جو اللہ آپ کو دے وہ دے دیجئے' ہم تو بس اپنے بیٹے کا گھر بسانا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' اب ہم اتنے گئے گزرے بھی نہیں ہیں کہ کچھ نہ دے سکیں۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"اب اس سلسلے کی دوسری ملاقات بہت جلد ہو گی آپ سے۔"

"میں چاہتی ہوں' شادی میں زیادہ وقت نہیں لگے۔ دیکھئے جب کسی کام کا آغاز کیا جائے تو اسے انجام تک پہنچائے بغیر چین سے نہیں بیٹھنا چاہئے۔"

"خالق حسین صاحب نہیں آئے؟" اس بار پھر تابندہ نے سوال کیا اور بیگم حسین ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئیں اور پھر بولیں۔

"بس وہ ایسے ہی آدمی ہیں' ملتے جلتے تو کسی سے ہیں ہی نہیں' بس اپنے دوستوں میں مگن رہتے ہیں۔ دراصل انہیں ریس کھیلنے کا شوق ہے' بس نکل جاتے ہیں جہاں بھی ریس ہوتی ہے۔ ان دنوں بھی گئے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ہم آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیں گے۔"

"فیصلے سے آگاہ کر دیا ہے ہم نے آپ کو۔ اب اس میں کسی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" مرزا سخاوت بیگ نے فوراً ہی مداخلت کی۔

"آپ لوگ ہمارے ہاں کب آ رہے ہیں؟ میں چاہتی ہوں کہ جس قدر جلد معاملہ طے ہو جائے اچھا ہے۔ آپ کو جلال خان نے بتا دیا ہو گا کہ ہم لوگ اس سلسلے میں فوراً ہی عمل کرتے ہیں۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ میں جلال خان کو ہی اطلاع دے دوں گا۔" مرزا سخاوت بیگ نے

بیگم حسین چلی گئیں اور گھر میں عجیب سے تاثرات چھوڑ گئیں۔ مرزا سخاوت بیگ نے

لوگوں کو ہر چیز میں کیڑے نکالنے کی عادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بچیوں کے لئے

جب بھی کوئی اچھا رشتہ آ جائے اسے لپک لینا چاہئے۔ لڑکوں کے لئے لڑکیوں کی کوئی ک
نہیں ہے۔ جب لوگ نکلتے ہیں تو لڑکیاں ہی لڑکیاں مل جاتی ہیں۔ ہمیں اس خوبصورت موقع
کو ہاتھ سے نہیں کھونا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے ابو' میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ فرخندہ کو کوئی اچھا گھر مل جائے۔ بس یک
خیال تھا دل میں کہ ذرا ٹھیک سے دیکھ بھال ہو جائے۔"

"کمال کرتی ہیں آپ۔ آپ کہاں سے دیکھ بھال کریں گی۔ ہیں۔ میں اندھا ہوں کیا'
دنیا کا تجربہ نہیں ہے مجھے کوئی' اور پھر جلال خان میرا ایسا دوست ہے کہ مجھ سے کوئی غلط
بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ بس اب اس سلسلے میں زیادہ ترمیم نہیں ہونی چاہئے۔ دن کا تعین
کرو' کس دن جانا ہے۔ چل کر گھر بار دیکھ لو اور اس کے بعد جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کر
ڈالو۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے' جس قدر جلد بیٹی کے ہاتھ پیلے ہو جائیں
اچھا ہے۔"

مرزا سخاوت بیگ نے تو حکم دے دیا۔ تابندہ نے بعد میں فیروزہ بیگم سے کہا۔

"امی! کیا خیال ہے آپ کا؟"

"میری تو عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"ایسا نہ کریں تو بہتر ہے آپ مجھے ہر معاملے میں تنہا چھوڑ دیتی ہیں' بتایئے ابو کا کہ
ایک طرح سے درست بھی ہے میں جانتی ہوں لیکن پھر بھی تھوڑی بہت معلومات تو حاصل
کرنی ہی ہو گی۔"

"کیسے کرو گی...؟"

"میں یہی چاہتی ہوں کہ کچھ موقع ملے ہمیں؟"

"وہ موقع دینے کو تیار ہیں۔"

"ابو...؟"

"ہاں اور کیا۔ انہی کی :

"تو پھر بتایئے امی کیا کیا جائے؟"

"میں نے کہا نا تابندہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ بلاوجہ کا ایک فساد اور کھڑا ہو گ
ہے۔"

"خیر' یہ فساد بلاوجہ کا نہیں ہے' میں آپ کو یقین دلا رہی ہوں امی کہ میں خود بھی یہ
چاہتی ہوں کہ فرخندہ جس قدر جلد ہو اپنے گھر کی ہو جائے۔ بعد میں ہمارے لئے کوئی پریشا
نہیں رہ جائے گی۔"

فیروزہ بیگم کے دل پر اس بات سے ایک گھونسا سا لگا تھا۔ واقعی اس کے بعد پریشا
نہیں رہ جائے گی۔ تابندہ کا تصور ہی دل سے نکال دیا گیا ہے۔

مرزا سخاوت بیگ کا حکم تھا کس کی مجال تھی کہ اس حکم کو ٹالے' چنانچہ گھر دیکھنے کے
لئے جایا گیا گھر واقعی شاندار تھا۔ بیگم حسین نے ان لوگوں کی بڑی اچھی طرح پذیرائی کی تھی'
حسین اس دن بھی نہیں ملے تھے۔ کہیں گئے ہوئے تھے۔ بیگم حسین نے ہنس کر کہا۔

"ہاں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا حالانکہ میں نے بتا دیا تھا کہ مہمان آ
رہے ہیں' گھر پر موجود رہیں۔ مرزا صاحب سے ملاقات کر لیں۔ وعدہ کر لیا عین وقت پر پھر
دوست آ گئے اور چل پڑے ان کے ساتھ۔ بس من موجی آدمی ہیں لیکن ہم نے بھی انہیں
ریٹائر کر دیا ہے اور کہا ہے کہ عیش سے زندگی گزاریں اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ کوئی
پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

شمشاد حسین سے بھی ملاقات ہوئی اچھے خاصے لباس میں تھا۔ شکل و صورت کا بھی برا
نہیں تھا۔ بس اس کی فطرت میں بے پناہ خاموشی اور بے گانگی سی تھی' جو سمجھ میں نہیں
آتی تھی۔ گفتگو شروع ہوئی اور مسز حسین نے کہا کہ رسمی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں' ان کی
خواہش ہے کہ کوئی وقت متعین کر لیا جائے۔

مرزا صاحب عورتوں کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑے تھے۔ "یہ تو آپ پر منحصر ہے۔
آپ جب چاہیں بچی کو نکاح کر کے لے آئیں اب تو وہ آپ کی امانت ہو گئی ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے بھائی صاحب تو ہم بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ایک ہفتے کے اندر
اندر یہ مسئلہ طے کر لیجئے۔"

مرزا سخاوت بیگ مسکرانے لگے پھر بولے۔ "تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ہم کسی سے پیچھے
ہیں؟"

تابندہ منہ کھول کر رہ گئی مرزا صاحب سارا تیاپانچہ کئے دے رہے تھے۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم تاریخ لینے آ جاتے ہیں۔"

"آیئے ہزار بار آیئے' لیکن تاریخ کی بات بھی یہیں طے ہو جائے تو کوئی حرج نہیں
ہے۔"

"آپ بڑے زندہ دل انسان ہیں مرزا سخاوت بیگ صاحب' وہ کر رہے ہیں جو میں
چاہتی ہوں' ایک ہفتے کے بعد کسی بھی دن کا تعین کر لیجئے۔"

"تعین کرنا تو آپ کا کام ہے۔ میں نے تو آپ سے کہہ دیا کہ ہم لوگ تو پوری طرح
کیل کانٹے سے لیس ہیں۔"

آخر کار ایک دن کی بات ہو گئی۔ تابندہ اور فیروزہ بیگم سر پکڑے بیٹھی ہوئی تھیں۔
فیروزہ بیگم نے پھر بھی کہا۔

"وہ باقی تو سب کچھ ٹھیک ہے' لیکن رخشندہ امریکہ میں ہے کیا بہن کی شادی میں اسے
نہیں بلائیں گے؟"

"دیکھو وہ امریکہ میں ہے اور اسے گئے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا ہے۔ یہ بات تم جانتی ہو' اگر ہم اسے لکھیں گے تو اس کے لئے پریشانیاں پیدا ہو جائیں گی' شادی بیاہ تو فرائض ہوتے ہیں پورے ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہوتا بعد میں آ جائے گی رخشندہ۔"

"گویا شادی میں شریک نہیں ہو گی وہ؟"

"ضروری نہیں ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے مسز حسین ہمیں آپ کی دی ہوئی تاریخ منظور ہے۔"

دونوں کا دل خون ہو گیا تھا۔ یہ شادی ہو رہی تھی عجیب سی بات تھی لیکن مرزا صاحب پر نجانے کیوں دیوانگی سوار تھی۔ بہرحال وہاں سے واپس آ گئے اب جو کچھ کر آئے تھے اسے نبھانا تھا اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ انتظام واقعی موجود تھا کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لئے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ گھر آنے کے بعد فیروزہ بیگم نے تنہائی میں تابندہ سے کہا۔

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"میرا دل جو کہتا ہے امی بس مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھئے آپ۔"

"لڑکا کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟ گھرانہ کیسا ہے؟"

"آپ مجھ سے زیادہ جہاندیدہ ہیں۔ جیسے لوگ ہیں آپ کو خود اندازہ ہے۔"

"برے تو نہیں لگتے؟"

"ہاں برے تو نہیں لگتے' لیکن ابو جو کچھ کر رہے ہیں کیا وہ مناسب ہے؟"

"تابندہ خاموش ہی ہو جاؤ تو اچھا ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں کیا کوئی ایسا قدم اٹھائیں جو.... خود دنیا بھر میں رسوائی کا سبب بنے؟"

"مثلاً؟"

"انہیں منع کر دیں سختی کے ساتھ اور اگر زیادہ گڑبڑ کریں تو گھر سے نکال دیں۔"

"ارے نہیں امی ظاہر ہے یہاں تک نہیں جا سکتے۔"

"تو پھر خاموشی ہی اختیار کر لو۔"

"رخشندہ کیا کہے گی۔ نعمان اتنے برے انسان تو نہیں ہیں' پتا چلتا تو ضرور [illegible] عالمگیر سوچیں گی کہ ایسے غلط لوگ نکلے۔ دوسری بہن کے گھر کا بھی تو سوال ہے۔"

"بتا دیں گے انہیں سب کچھ' تابندہ انہیں سب کچھ بتا دیں گے' بس میں کیا کہوں زبان اجازت نہیں دیتی' مذہب اجازت نہیں دیتا' شوہر کو مجازی خدا بنا دیا گیا ہے لیکن کبھی یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے۔"

"آپ اتنی افسردہ نہ ہوں۔ بہرحال جو اللہ کی مرضی' اب جیسا بھی ہے کئے دیتے ہیں سب کچھ انتظام کریں امی' ساری چیزوں کو سنبھالنا ہے ویسے تو اللہ کا احسان ہے کہ سب

[illegible] لیکن پھر بھی اور انتظامات کرنے ہیں۔ میں آفس کے لوگوں کو اس کام کے لئے [illegible] دیتی ہوں۔ وہ کل سے مصروف ہو جائیں گے۔ دیکھیں تو سہی ایک ہفتے کا وقت' [illegible] گڑیا گڈے کا کھیل ہے جیسا چاہا اٹھا کر کر دیا۔ بہت سے انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ [illegible] کیا کیا کچھ ہوتا ہے۔ خدا کی پناہ کیسے کروں میں یہ سب کچھ؟ اچھا ٹھیک ہے میں چلتی [illegible] آپ اپنے طور پر گھر کے تمام انتظامات کیجئے۔ افسوس رخشندہ یہ سوچے گی کہ میں نے [illegible] نظر انداز کر دیا۔ سب الزام لگائیں گے مجھ پر کہ گھر سے دھکیل دیا ہے میں نے انہیں' [illegible] اپنے لئے سب کچھ کر رہی ہوں' کیا کروں کیا نہ کروں؟" تابندہ بولتی رہی اور فیروزہ بیگم [illegible] سے اس کی صورت دیکھتی رہی' لیکن دونوں نے آوازیں دبائے رکھی تھیں تاکہ مرزا صاحب کو معلوم نہ ہو ورنہ وہی ہوتا جو اب تک ہوتا چلا آیا ہے۔

❑

شاہی نے فراز کو میڈم کی کارستانی کے بارے میں بتایا تو وہ بھی حیران رہ گیا لیکن شاہی نے اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں بھی دیکھ لی تھیں' مسکراتا ہوا بولا۔

"کہیں کوئی خفیہ کارروائی تو نہیں ہو گئی؟"

"کیسی خفیہ کارروائی؟"

"مطلب یہ کہ میڈم سے کوئی فرمائش تو نہیں کر دی گئی۔"

"شادی کے لئے۔"

"جی ہاں۔"

"گونگے ہو تم' میرا بھلا ان سے کیا رابطہ ہو سکتا تھا اور پھر میں ایسی حماقت کرتا ہی کیوں؟"

"نہیں کوئی حرج نہیں ہے اگر تم تیار نہ ہو تو میں میڈم کو بھی سمجھا لوں گا اور محترمہ [illegible] بیگم کو بھی۔" فراز ہنسنے لگا پھر بولا۔

"چلو کوئی بات نہیں ہے یار اب جو ہونا ہے ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔"

"تو پھر یہ اداکاری کیوں ہو رہی ہے؟"

"نہیں اداکاری نہیں شاہی' واقعی بڑا سنجیدہ مسئلہ ہے کریں گے کیا؟"

"تم بتاؤ ویسے امینہ بیگم صاحبہ کا تو یہ کہنا ہے کہ سادگی سے سب کچھ ہو جائے۔"

"خدا کی قسم شاہی میری بھی دلی آرزو یہی ہے میں روایتی قسم کے جھگڑوں سے بہت گھبراتا ہوں۔"

"میاں دلہا بنو گے نا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میرا مطلب ہے سہرا بھی ہو گا گھوڑا بھی' اس کے بغیر شادی ممکن ہی نہیں ہے۔"

"گردن دبا دوں گا شامی اگر ان دونوں چیزوں کا نام لیا تو...."

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ابے گدھے پر بٹھا دے' گھوڑے کی کیا ضرورت ہے۔"

"یار خدا کی قسم ہونا تو یہی چاہئے گھوڑے پر گدھا اچھا نہیں لگتا۔ گدھے پر گدھا ہو تو زیادہ سوٹ کرتا ہے' اب تم دیکھو نا اچھے خاصے سمجھدار آدمی کو شادی کا لالچ دے دو' سر پر جھنڈا بھی باندھ لے گا جو پہناؤ گے پہن لے گا ہاتھ پاؤں اچھے خاصے ہوتے ہیں لیکن دلہا میاں کو چند لڑکے یا لڑکیاں پکڑ کر چلاتے ہیں اور وہ چلتے ہیں اس کے بعد انہیں گھوڑے پر بٹھا دو یا گدھے پر ویسے جدید دور میں ذرا بہتر ہو گیا ہے کہ کاریں استعمال ہونے لگی ہیں جو کہا جائے وہ کر لیتے ہیں۔ یہ دلہا میاں اور یہی موقع ہوتا ہے بدلے لینے کا چنانچہ شامی صاحب کا بھلا تمہیں کیوں چھوڑیں گے۔"

"پھر پٹڑی سے اترے؟"

"جی نہیں پٹڑی پر ہوں' بات کر لوں گا میڈم سے بھی اور امینہ بیگم سے بھی۔"

"شامی! میں تیرے ہاتھ جوڑتا ہوں یار ایسی کوئی حماقت مت کرنا واقعی سادگی سے سب کچھ ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"شرکت کون کرے گا اس شادی میں؟"

"کون کرے گا' بتاؤ کون کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دفتر کے کچھ دوستوں کو ساتھ لے لیں گے اور باقی یہی چند افراد۔"

"ہوں۔ ولیمہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کسی ہوٹل میں ڈنر دے لیں گے۔"

"چلو معاف کئے دیتا ہوں صرف اس خیال سے کہ اس کے بعد تمہیں بھی اس کا موقع ملے گا یعنی یہ کہ اپنے بھی ہاتھ پیلے ہو جائیں گے اور اس وقت تمہارے ساتھ جو سلوک میں کروں گا تم بھی میرے ساتھ وہی سلوک کرنے کی کوشش کرو گے۔"

"بالکل بالکل۔ یہ نکتہ تو میرے ذہن میں تھا بھی نہیں تو نے خود ہی پوائنٹ آؤٹ کرایا ہے۔"

"اچھا تو پھر امینہ بیگم سے ملاقات کئے لیتے ہیں۔"

"یار کچھ عجیب سا نہیں لگے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب ذرا عجیب سا لگے گا۔"

"وہ تو لگے گا ہی۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"مت کرو شادی۔" شامی نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا اور فراز اسے گھورنے لگا چند لمحات خاموشی رہی پھر شامی ایک دم ہنس پڑا اور بولا۔

"یہ صاعقہ بیگم ویسے بڑی آفت چیز نکلی۔"

"کیوں؟"

"مطلب یہ کہ سب کچھ ہی کر ڈالا ویسے یار فراز ایک بات بتاؤ یہ ہم لوگ میڈم کے احسانات کب تک لیتے رہیں گے اب دیکھو نا ہمیں رہنے کے لئے فلیٹ دیا پھر امینہ بیگم کو دے دیا گیا مستقل انہی کے زیر دست رہیں گے۔"

"دیکھو میں بالکل سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کچھ کر سکتے ہو تو ضرور کرلو اس بارے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا کرائے پر ہم آسانی سے اپنا مکان لے سکتے ہیں' بلکہ کوئی ترکیب کر لیں گے یہ کہیں گے میڈم سے کہ ہم فلیٹ میں نہیں رہنا چاہتے فلیٹوں کی زندگی ہمیں پسند نہیں ہے کوئی ایسا گراؤنڈ فلور کا مکان تلاش کر لیں گے بات بن جائے گی۔"

"برا مان جائے گی بڑی مخلص عورت ہے۔"

"تو پھر جیسا تم پسند کرو تھوڑے دن گزار لیتے ہیں اس کے بعد یہ سلسلہ کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے' فی الحال چلنے دو لیکن پھر یہ فلیٹ خالی کر دیں گے۔ اس سلسلے میں تو میں بات کر لوں گا اور ویسے بھی امینہ بیگم بے چاری بچی کے ساتھ تنہا رہ جائیں گی اگر ہم صاعقہ کو یہاں لے آئے اور پھر یہ جگہ یار سچی بات ہے فیملی کے ساتھ رہنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ اس فلیٹ کا اور اس فلیٹ کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔"

"تم اس موضوع پر بھی اگر چاہو تو میڈم سے بات کر لینا یہ بھی بتا دینا کہ ہمارے ذہن میں کیا ہے۔"

"او کے۔ میں کر لوں گا' اچھا اب چلیں تمہارا تو دل چاہ رہا ہو گا کہ اڑ کر پہنچ جاؤ۔"

"نہیں یار بس ذرا سا الجھ گیا ہوں' چلو ٹھیک ہے امینہ بیگم ہی سے اس سلسلے میں بات کر لیتے ہیں۔"

"ساس صاحبہ کہو ساس صاحبہ...."

"میں کوئی فضول جملہ کہوں گا نہ کوئی فضول حرکت کروں گا بلکہ بڑی صاف صاف بات کروں گا تم چلو تو سہی۔" فراز نے کہا اور شامی ہنسنے لگا۔

امینہ بیگم نے بڑے محبت بھرے انداز میں ان کا استقبال کیا تھا ہمیشہ ہی کرتی تھیں لیکن آج چہرے پر کچھ زیادہ ہی بشاشت تھی' پیار سے دونوں کو بلایا البتہ صاعقہ سامنے نہیں آئی تھی لیکن انیلا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ اسے بھی اس مسئلے کا علم ہو گیا ہے۔ شامی نے اجنبی انداز میں کہا۔

"صاعقہ کہاں ہے؟؟"

"اندر ہے مگر یقین کرو میں نے اسے باہر آنے سے منع نہیں کیا ہے۔"

"کیا مطلب چچی جان۔" شامی حیرت سے بولا۔

"شرارت کر رہے ہو میں جانتی ہوں۔"

"ارے.... میں کیا کر رہا ہوں۔" شامی بولا۔

"بھئی میں سنجیدگی سے بات کرنا چاہتی ہوں اب اور کس سے بات کروں بتاؤ کوئی ایک نام لے دو میرے سامنے شامی، میں تو تمہیں اپنا دست راست سمجھتی ہوں۔"

"اور فراز کو....؟"

"فراز!" امینہ بیگم کے لہجے میں محبت کا سمندر موجزن تھا کہنے لگیں۔ "میڈم نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔"

"چلئے آپ بھی کیا یاد کریں گی چچی جان کہ ہم نے آپ کو پریشان نہیں کیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ آپ سے خوب باتیں کی جائیں۔"

"اللہ تمہیں زندگی کی ہر وہ خوشی نصیب کرے بیٹے جس کا تصور انسانی ذہن میں آ سکے، کیا بن گئے تم میرے لئے، کچھ بھی تو نہیں تھے میں تو بس یہی کہوں گی کہ اللہ نے میری کوئی دعا قبول کر لی اور میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے بھیج دیئے۔"

"دو؟" شامی نے سوال کیا اور اس غیر متوقع سوال پر امینہ بیگم ہنس پڑیں۔

"ہاں دو۔"

"فرشتہ نمبر ایک کون ہے؟"

"تم۔"

"تھینک یو چچی جان تھینک یو، اب دیکھئے نا اس کے بعد اب بات ہو گی ذرا سلیقے سے اگر آپ مجھے دو نمبر کہہ دیتیں تو پھر میرا موڈ خراب ہو جاتا، دو نمبر کو دو نمبر کہیں کوئی حرج نہیں ہے۔" امینہ بیگم ہنسنے لگیں پھر بولیں۔

"کرو گے کیا اب بیٹے مجھے یہ بتاؤ؟"

"نکاح کریں گے۔"

"میں کیا کروں گی؟"

"نہیں چچی جان آپ کو کچھ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" شامی نے کہا اور امینہ بیگم اسے گھورنے لگیں پھر ہنس پڑیں۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے، بھئی میڈم سے بھی میں نے یہی کہا ہے کہ ہم لوگوں کا نہ کوئی خاندان ہے نہ کوئی رشتے ناتے دار، کوئی پھیلاؤ نہیں ہے بس یوں کرنا پانچ چھ افراد مل کر آ جانا سادگی سے نکاح ہو جائے اور اس کے بعد بات ختم....."

"جی۔" شامی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا، اور فراز بوکھلائے ہوئے انداز میں

امینہ بیگم کی صورت دیکھنے لگا، امینہ بیگم پھر ہنس پڑی تھیں کہنے لگیں۔

"مجھے تمہاری شرارتیں بہت پسند ہیں کئے جاؤ۔"

"چچی جان اس کے بعد ہم دلہن کو رخصت کر کے لے جائیں گے۔" شامی بولا۔

"ایں۔ تمہاری مرضی ہے بیٹے لیکن میڈم کہہ رہی تھیں کہ تم دونوں یہیں منتقل ہو جاؤ گے۔"

"یہ بات کہہ رہی تھیں میڈم؟"

"ہاں۔"

"گویا آپ گھر داماد رکھنا چاہتی ہیں فراز کو...."

"گھر داماد نہیں بلکہ داماد کے گھر رہنا چاہتی ہوں میں۔"

"تو پھر چچی جان باقی معاملات بھی طے ہو گئے ہیں۔"

"ہاں۔ دیکھتے ہیں اگر تمہارے ذہن میں اور کوئی بات ہے تو مجھے بتا دو ویسے شامی اور فراز دونوں کو بتائے دے رہی ہوں میرے پاس کچھ زیادہ پیسے نہیں ہیں اور کہتے ہوئی شرم آتی ہے مجھے کیونکہ سب کچھ تو تم نے ہی کیا ہے چند جوڑے کپڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے میرے پاس اگر فرید احمد کو موقع ملتا تو وہ یہ کپڑے بھی فروخت کر دیتے۔"

"نہیں چچی جان آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں جو ہے وہ بہت کچھ ہے ہاں فراز کی طرف سے آپ تھوڑا بہت انتظام کر لیجئے یہ ذمہ داری آپ کو دی جا سکتی ہے۔" امینہ بیگم نے گردن جھکا دی، شامی کہنے لگا۔

"حمیدہ کو ساتھ لے کر آپ نکل جائیں یہ رقم رکھ لیں جو آپ مناسب سمجھیں خریداری کر لیں، سمجھ رہی ہیں نا آپ...." شامی نے جیب سے بہت سے نوٹ نکال کر امینہ بیگم کو دیئے اور فراز تعجب سے شامی کو دیکھنے لگا، یہ سب کچھ شامی نے اسے نہیں بتایا تھا۔

پھر دوسرے دن اپنے طور پر بھی کچھ تیاریاں کر رہی تھی، شامی کو امینہ بیگم نے بتایا کہ دلہن کا جوڑا یہیں تیار ہو رہا ہے شامی خود بھی جانتا تھا کہ جب میڈم اس سلسلے میں اس قدر دلچسپی لے رہی ہے تو باقی معاملات میں بھی وہ بہت قدم آگے بڑھائے گی اور یہی ہوا سارے انتظامات ہو گئے، شادی کی تقریب میں زلفی صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر اعجاز بھی تھے اور ان کا خاندان بھی تھا۔ میڈم تھی چند اور افراد تھے جو دلہن والے بنے، کچھ دلہا والے بنے اور آخر کار اسی فلیٹ پر ایک کمرے میں سادگی سے نکاح کی رسم انجام پا گئی۔ میڈم کی ہدایت پر شامی نے وہیں فلیٹ میں ایک کمرہ سجانے کا بندوبست کر دیا تھا اور خود بھی کمرے میں موجود تھا۔ نکاح کے بعد گھر کے گھر میں کھانا ہوا، میڈم نے ایک شاندار اعلان کر دیا تھا جو ولیمہ کی شکل میں تھا۔ فراز کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی لیکن اس سے زیادہ خوش شامی نظر آ رہا تھا اس نے ایک بہت قیمتی سیٹ صاعقہ کو اپنی طرف سے پیش

گیا اور فراز اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بہرحال شامی نے اپنی تمام امنگیں کسی نہ کسی شکل میں پوری کی تھیں، یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں دلہن کی رخصتی ہوئی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئی اور شامی بیگم امینہ اور انیلا کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ امینہ بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے۔ انیلا بھی سر جھکائے بیٹھی تھی شامی نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔

"چچی جان! کیا یہ عجیب منظر نہیں ہے؟" امینہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر شامی کو دیکھا تو شامی بولا۔ "والدین اپنی خوشی سے لڑکیوں کی شادی کرتے ہیں بعد میں افسوس کیوں کرتے ہیں۔" شامی کا انداز اس وقت بھی ایسا تھا کہ امینہ بیگم بے اختیار ہنس پڑیں، پھر بولیں۔

"تمہیں دعائیں دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی، بس بیٹھے یہ سوچ رہی ہوں کہ وقت کو دیکھو اپنی کہانی خود ہی تحریر کرتا ہے کوئی وقت کی کہانی تحریر کر کے تو دکھا دے، کسی کی اجارہ داری نہیں ہے حالات پر، حالات کیا کروٹ لینے والے ہیں کوئی نہیں جانتا۔"

"اب چچی جان میری فکر کیجئے مجھے بڑی جلن ہو رہی ہے۔" شامی نے کہا۔

"خدا کی قسم میرے منہ کی بات چھین لی ہے تم نے، اس فلیٹ میں بہت سے کمرے ہیں، ایک کمرہ بس تمہارے لئے تیار کرنا ہے، اب میری بھی آرزو ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے میں ایک اور دلہن لے آؤں، بتاؤ کوئی تمہاری نظر میں ہے؟"

"بتائیں گے چچی جان، اطمینان سے بتائیں گے۔ دیکھیں ان دونوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔"

"خدا خیر ہی کرے گا۔" امینہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ہاں میرا مطلب بھی یہی تھا کہ خدا خیر ہی کرے گا، سوری چچی جان میں شاید غلط بات کہہ گیا ہوں آپ محسوس نہ کریں۔"

شادی کی تمام رسومات میں میڈم اس طرح پیش پیش رہی تھی جیسے خود اس کے گھر کا مسئلہ ہو، اس بات کو سب ہی نے محسوس کیا تھا رات کو وہ خاصی رات گئے گئی تھی دوسرے دن صبح ہی صبح آ گئی بہت خوش نظر آ رہی تھی، سب کے ساتھ مل کر ناشتا کیا صاعقہ کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں اور شامی نے بہ مشکل تمام اپنی زبان بند کی تھی۔ فراز بھی جھینپا سا تھا پھر جب یہ رسم بھی طے ہو گئی تو میڈم نے کہا۔

"شامی! کیا پروگرام ہے دفتر آؤ گے آج؟"

"جو حکم ہو۔"

"نہیں تھکے ہوئے ہو تو ان لوگوں کے ساتھ رہو، ورنہ آؤ چلتے ہیں ساتھ ہی..."

میڈم نے کچھ اس انداز میں کہا کہ شامی فوراً ہی تیار ہو گیا لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد میڈم کے ساتھ چل پڑا، وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا اور میڈم اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی

شامی خاموش رہا تو اس نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ فراز کی جان تم نے اس آسانی سے چھوڑ دی۔"

"کیوں؟" شامی حیرت سے بولا۔

"تمہاری شرارتیں ایک دم نجانے کیوں سست پڑ گئیں بلکہ پڑ گئی ہیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ذرا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ کر اداس ہو گیا ہوں۔"

میڈم نے چونک کر اسے دیکھا دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔

"مستقبل کے لئے کچھ تمہارے ذہن میں ہے؟"

"یہی تو سب سے بڑی مشکل ہے میڈم کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے اس کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی، نجانے کیوں میرا دل یہی کہتا ہے۔"

"احمقانہ خیال ہے مجھے بتا دو جو بھی صورت حال ہے تم کیا سمجھتے ہو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی۔"

شامی نے گردن گھما کر اسے دیکھا، پھر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"کیوں؟ خاموش کیوں ہو گئے؟"

"بولنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔" شامی نے کہا۔

"میں انتظار کروں گی۔" وہ بولی۔

❑

فرخندہ سحر زدہ تھی، تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس طرح شادی ہو جائے گی، رخشندہ کی شادی سے وہ بہت خوش تھی، اس گھر میں بے وقوف کوئی بھی نہیں تھا، سب حالات کو سمجھتے تھے، سب کو مرزا سخاوت بیگ کی فطرت کا احساس تھا، لیکن ہر شخص اپنی اپنی جگہ بولتا تھا۔ فرخندہ کو بھی پورا پورا احساس تھا کہ بڑی بہن نے ماں اور باپ دونوں کی ذمے داریاں سنبھال رکھی تھیں، وہ خود بھی محسوس کرتی تھی کہ تابندہ زیادتی کا شکار ہوئی ہے، شدید زیادتی ہوئی ہے اس کے ساتھ مرزا سخاوت بیگ کو کوئی درمیانی راستہ نکالنا چاہئے تھا، یہ سب کچھ جو ہوا ہے مناسب نہیں ہے، یہاں تک کہ جب محمود حسن صاحب دوبارہ آئے تھے تب صورت حال تبدیل ہوئی تھی لیکن اس وقت تک مرزا سخاوت بیگ کے دل میں لالچ اور ہوس نے گھر کر لیا تھا۔ عادی ہو گئے تھے عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے، خوب کھاتے تھے اور ہر نت کھاتے رہنا چاہتے تھے۔

اگر تابندہ صورت حال نہ سنبھالتی تو گھر میں فاقہ کشی کی زندگی ہوتی، لیکن اس کا یہ تو مطلب نہیں تھا کہ تابندہ کو صرف قربانی کا بکرا ہی بنا لیا جائے۔

بہرحال رخشندہ کے بعد اس کی بھی اچانک شادی ہو گئی تھی۔ شمشاد کون ہے، کیا ہے،

کیسا ہے؟ ان لوگوں کا انداز زندگی کیا ہے؟ کچھ نہیں معلوم تھا اسے' بولنے کا تو خیر رواج ہی نہیں تھا لیکن بہرحال اگر ایک اچھی زندگی کا آغاز ہوا تو اس میں تابندہ کو ضرور شامل کرے گی۔ اصولی طور پر تو رخشندہ کو بھی تابندہ کے بارے میں سوچنا چاہئے تھا لیکن وہ بیرون ملک ہی چلی گئیں۔

فرخندہ نے سیج پر بیٹھے بیٹھے سوچا کہ اگر قدرت نے موقع فراہم کیا تو شمشاد سے کہے گی کہ اب اس کے بعد سب سے بڑی بہن کے لئے راستے ہموار کرے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان تو ایسا رشتہ ہوتا ہے' پھر وہ خود ہی شرما گئی۔ کتنی آگے کی باتیں سوچ رہی ہوں میں خاص طور سے اس رات میں' جس میں سوچنے کے لئے نجانے کیا ہوتا ہے۔

وقت گزرتا رہا۔ دروازے کی آہٹوں پر کان لگے ہوئے تھے۔ کون ہے؟ کس طرح پیش آئے گا اس سے؟ ایک اجنبی تصور اسے ہولے ہولے پگھلا رہا تھا۔ خاصی رات گزر چکی تھی' پھر دروازے پر آہٹیں ابھریں اور فرخندہ ساری جان سے لرز گئی۔ دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا اور اس کے بعد کچھ قدم اس تک پہنچ گئے۔ وہ اس کے سامنے آ بیٹھا۔ فرخندہ نے چور نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اچھا خاصا تو ہے وہ اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی تب اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ ایک تحفہ ہے تمہارے لئے پلیز قبول کر لو۔" جڑاؤ ہار تھا جو اس نے فرخندہ کی گردن میں ڈال دیا۔

"مجھ سے باتیں کرو' ہمیں زندگی بھر کے لئے ایک دوسرے سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ میری کوئی چوائس نہیں تھی اور نہ مجھے شادی کا شوق تھا' ماں باپ بلکہ خاص طور سے ماں اس سلسلے میں بضد ہو گئیں۔ بہرحال اس کا قرض تھا مجھ پر' پرورش کی ہے اس نے میری اور زندگی نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' منع نہیں کر سکا جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے' تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں' براہ کرم میری بات سنو' پوری سنجیدگی سے' لوگوں کا کہنا ہے کہ بیوی زندگی بھر کی راز دار ہوتی ہے' میں بھی تمہیں اپنا رازدار بنانا چاہتا ہوں' دیکھو کچھ کمزوریاں ہیں میرے اندر' کچھ برائیاں ہیں تمہیں یہ کمزوریاں یہ برائیاں تو برداشت کرنا ہی ہوں گی' وہ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں وہ ممکن ہی نہیں ہے' اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ان کی اور تمہاری ہر خواہش پوری کر دیتا' لیکن نہیں کر سکتا' میں مجبور ہوں' میں کیا کروں بدقسمتی ہے یہ روگ لگ گیا ہے مجھے' کیسے دور ہو گا اللہ جانتا ہے۔"

فرخندہ ان الفاظ پر شدید حیران تھی' کیا کہنا چاہتا ہے یہ شخص' ایک لمحے کے لئے اس کے اندر سے جھجک ختم ہو گئی' نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا' قبول صورت شخص تھا لیکن چہرے پر پیلاہٹ سی تھی' ایک عجیب سی پیلاہٹ' زبان میں بھی ہلکی ہلکی لکنت محسوس ہو رہی تھی' آنکھوں میں وہ چمک وہ روشنی نہیں تھی جو اس عمر کے کسی شخص کی ہوتی ہے۔

کا تجربہ اب اتنا بھی وسیع نہیں تھا کہ وہ اس کی وجوہات کو سمجھ لیتی۔ بہرحال اس نے ہمت کر کے کہا۔

"کیا تکلیف ہے آپ کو....؟"

"فرخندہ ہے نا تمہارا نام۔"

"جی۔"

"فرخندہ! بس غلط لوگوں میں جا پھنسا تھا' برے لوگوں کی صحبت اختیار کر لی تھی میں نے' انہوں نے مجھے نشے کا عادی بنا دیا۔ یہ سارا قصور میرے باپ کا ہے' مجھ پر اتنی پابندی عائد کی اس نے کہ میں اپنے ماحول سے باغی ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے اس ناواقف دنیا میں اچانک ہی نکال دیا گیا' یہ کہہ کر کہ کیا میں زندگی بھر ہی نکما رہنا چاہتا ہوں۔ باپ کی کمائی کھا رہا ہوں اس قسم کے بے شمار طعنے' میں باہر نکل آیا' لوگوں سے ناواقفیت تھی' ان کے درمیان رہا ایک آزادی کا سا احساس ہوا اور دوست مجھے گھر سے زیادہ قیمتی محسوس ہونے لگے۔ پھر میں نے دوستوں کے ساتھ ان کے ہر مشغلے میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ انہوں نے آہستہ آہستہ مجھے ہیروئن کی لت لگا دی' میں مجبور ہو گیا' یہ ایسا نشہ ہے کہ لگ جائے تو چھوٹتا نہیں ہے' بات آگے بڑھتی چلی گئی اور بہت عرصے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا کہ کیا ہو گیا ہے' بہت کوششیں کیں انہوں نے' اسپتالوں میں داخل کرایا مجھے' لیکن میری تقدیر نے مجھے اس مشکل سے نجات حاصل نہ ہونے دی اور میں آج تک اس مصیبت میں گرفتار ہوں' دیکھو تم میرے سامنے ہو' میرے قریب ہو' میری آرزو ہے کہ میں تمہیں ہر خوشی دوں' بہت اچھی طرح رکھوں تمہیں' میرے ذہن میں اور کوئی عورت نہیں ہے' نہ میں کبھی اس طرف راغب ہوا لیکن میری طلب' اس وقت مجھے کچھ اور مجبور کر رہی ہے' دیکھو فرخندہ' یہ لوگ تم سے یہی چاہیں گے کہ تم میری اس عادت کو چھڑا دو' یہ ممکن ہوتا تو میں کبھی کا اسے چھوڑ چکا ہوتا' ان سے یہی کہنا ہے تمہیں کہ رفتہ رفتہ تم میری اس عادت کو دور کر رہی ہو' لیکن فرخندہ یہاں تمہارے پاس تمہارے قریب آ کر میں سکون چاہتا ہوں' تم میری بیوی ہو نا بولو میری عزت رکھو گی' میری لاج رکھو گی؟"

فرخندہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی' یہ کیا کہانی ہے' ہیروئن پینے والوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تھیں اسے' بڑا مکروہ' پراگندہ تصور کیا جاتا تھا ایسے لوگوں کو لیکن یہ شخص جو اس سے اتنا قریب ہے جو اس کی زندگی بھر کا ساتھی ہے' یہ بھی انہی مکروہ اور گندے لوگوں میں سے ہے' آہ' یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیسے ہو گیا؟ کیا مرزا صاحب کو اس بارے میں کچھ معلوم تھا؟ کیا فیروزہ بیگم یہ بات جانتی تھیں' کیا تابندہ کو اس سلسلے میں بتا دیا گیا تھا؟ اگر یہ سب لوگ جانتے تھے تو پھر انہوں نے مجھے اس شخص کے حوالے کیسے کیا' یا پھر ہو سکتا ہے انہیں کچھ معلوم ہی نہ ہو' وہ عجیب سے انداز میں سوچتی رہی'

شمشاد نے پھر کہا۔

"مجھے اجازت ہے، بس تین کش تھوڑی سی۔" فرخندہ کیا جواب دیتی۔ اس نے خاموشی کو ہی جواب سمجھا اور اس کے بعد نجانے کیا کیا کرتا رہا۔ فرخندہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اپنے مشغلے میں مصروف رہا اور پھر کچھ دیر کے بعد فرش پر ہی گھٹنوں میں سر دے کے بیٹھ گیا۔ فرخندہ انتظار کرتی رہی اور اسی انتظار میں صبح ہو گئی۔ وہ اب بھی اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ اور وقت گزرا، دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ اندر سے تو بند نہیں کیا گیا تھا، آنے والی ایک ملازمہ تھی، مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی، سلام کیا اور بولی۔

"بی بی صاحب، غسل کر لیجئے، سب کچھ تیار ہے، باہر کا دروازہ بند کئے دیتی ہوں، غسل خانے کا یہ دروازہ اندر بھی ہے بیگم صاحبہ باہر انتظار کر رہی ہیں ناشتے پر۔" وہ کسی اور طرف دیکھے بغیر چلی گئی۔

فرخندہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اس کے پاؤں لرز رہے تھے، بیٹھے بیٹھے کمر دکھ گئی تھی، یہ سہاگ رات گزری تھی اس پر..... بہرحال غسل کیا، غسل کے دوران شمشاد کی باتیں سوچتی رہی، لرزتی رہی، کئی بار اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی بھی آئی، لیکن اس نے یہ نمی خشک کر لی، کس کے لئے رو رہی ہوں میں جس شخص سے میرا کوئی واسطہ ہی نہیں پڑا اس کے لئے آنکھوں میں آنسو لانے کی کیا ضرورت ہے۔

بہت دیر تک وہ سوچتی رہی، بہت سے فیصلے کئے اس نے ٹھنڈے پانی کی پھوار کے نیچے اور اس کے بعد لباس تبدیل کر کے باہر نکل آئی۔ باہر پہنچی تو کمرے میں بیگم حسین کو پایا، خاموش ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں، شمشاد کی وہی کیفیت تھی، گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ بیگم صاحبہ نے دروازہ شاید اندر سے بند کر لیا تھا۔ وہ باہر آئی اس نے سلام کیا تو بیگم حسین اسے دیکھنے لگیں۔ ایک لمحے کے لئے ان کی آنکھوں میں ہمدردی کے آثار ابھرے، لیکن پھر ان کا چہرہ پتھرا گیا۔ کہنے لگیں۔

"فرخندہ! یہ اسی طرح بیٹھا رہا، یہاں رات بھر....؟"

"جی۔" فرخندہ نے آہستہ سے کہا۔

"تم سے کوئی بات کی تھی اس نے۔"

"جی۔"

"کیا بات کی تھی؟"

"اپنے بارے میں بتایا تھا۔"

"کیا؟"

"کہ یہ ہیروئن پیتے ہیں۔"

"پھر....؟"

"پھر کچھ نہیں۔"

"تم نے کیا کہا اسے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں کیا کہتی؟"

"فرخندہ! ٹھیک ہے تمہارا کہنا بھی درست ہے، ظاہر ہے تمہیں ان باتوں کا علم نہیں ہو گا دیکھو فرخندہ شریف زادیاں جب بیاہ کر سسرال جاتی ہیں تو سسرال ہی ان کی جنت ہوتی ہے، ان کا اپنا ہوتا ہے اور وہاں سے وہ کبھی نہیں نکلتیں۔ بعض اوقات عورت کو اتنی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی، عورت ماں بھی ہوتی ہے، بیٹی، بہن اور بہو بھی، لیکن قدرت نے اس پر جو ذمے داریاں ڈال دی ہیں پتا نہیں وہ اس کی بساط سے زیادہ ہوتی ہیں یا کم، میں ماں ہوں اس کی، اس کی بری عادتوں کو نہیں چھڑا سکی۔ مجبور ہو گئی میں، لوگوں نے بہت سے مشورے دیئے۔ میں نے ہر طرح سے اس کا علاج کرایا، جتنا پیسہ خرچ کر سکتی تھی کیا، یہ ٹھیک نہ ہو سکا تو پھر کسی نے مجھ سے کہا کہ میں اس کی شادی کر دوں، مجھے ایک ایسی غمگسار لڑکی کی ضرورت تھی جو میرے غم کو بانٹ لے، میرے سینے میں بھی درد ہے، اپنے اس بیٹے کے لئے، میرے دل میں شدید دکھ ہے۔ فرخندہ میں نے تمہیں اس دکھ کا حصہ دار بنایا ہے، اب یہ تمہاری ذمے داری ہے کہ اسے سنبھالو۔ جو کچھ عادتیں اسے پڑ گئی ہیں تم اسے اپنی فراست سے دور کر سکتی ہو۔ فرخندہ ایک ماں کی مشکل میں ہاتھ بٹاؤ، یہ تمہارا احسان ہو گا مجھ پر، یہاں یہ سب کچھ ہے تمہارے لئے، دولت عیش و عشرت، گاڑی بنگلہ، سب تمہارا ہے فرخندہ، یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لئے اس شخص کو درست کرو، یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم دونوں مجھے ہنستے مسکراتے نظر آؤ گے، تم اپنی فنکاری دکھاؤ گی اس پر، میری بات کو یاد رکھنا فرخندہ، یہاں تمہاری بقا اور تمہاری عزت و آبرو کا ضامن تمہارا یہی کردار ہو گا کہ تم اسے سنبھال لو، ورنہ ظاہر ہے پھر تمہارا کوئی مصرف یہاں نہیں رہے گا، اس بات کو پوری طرح ذہن نشین رکھنا اور بہتر ہو گا [illegible] اپنے تک ہی محدود رکھو، کیونکہ تم یہ بھی جانتی ہو کہ قانون نے، مذہب نے بہت سے اختیارات مرد کو دیئے ہیں، عورت کی بقاء مرد کی خوشی میں ہی پوشیدہ ہے، آؤ چلو ناشتے پر سب انتظار کر رہے ہیں۔"

فرخندہ نے گردن گھما کر بیٹھے ہوئے شمشاد کو دیکھا تو بیگم حسین نے کہا۔

"ناشتے پر اس کا کبھی کوئی انتظار نہیں کرتا اس لئے کسی کو اس کے لئے تشویش نہیں ہو [illegible]"

وہ خاموشی سے باہر نکل آئی، لیکن قدموں میں لرزش تھی، دل میں خوف، ناشتے پر کچھ

عزیز واقارب بھی تھے اور انہی میں خالق حسین بھی جو افسردہ نگاہوں سے فرخندہ کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں' البتہ ایک مہمان خاتون نے پوچھ ہی لیا۔

"ارے دلہن اکیلی ناشتا کرے گی۔ شمشاد کہاں ہے؟"

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ دیر تک سونے کا عادی ہے۔ اپنے معمولات کو وہ کبھی ترک نہیں کرتا' چلئے ناشتا شروع کیجئے۔" اور ناشتا شروع کر دیا گیا۔ فرخندہ کے ہاتھ من من بھر کے ہو رہے تھے نہ کچھ اٹھایا جا رہا تھا' نہ رکھا جا رہا تھا' بس ایک عجیب سی سنسنی پورے وجود پر طاری تھی' تو یہ ہے مرزا سخاوت بیگ کا وہ تحفہ جو انہوں نے اپنی تیسری بیٹی کو دیا ہے' زندہ باد ابو' زندہ باد۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

❑

زندگی میں بہت سی خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں' فراز بے حد خوش تھا' امینہ بیگم کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات نظر آتے تھے۔ انیلا کے چہرے پر شفق پھوٹ اٹھی تھی ان لوگوں کے جینے کا سہارا مل گیا تھا' جو اپنے حالات سے تنگ آ کر خودکشی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور سہارا بھی ایسا کہ ہر سمت مسرتوں کے پھول کھل گئے تھے۔ امینہ بیگم نے اپنے ناول کے کردار یہی دونوں بنائے تھے اور ایک نہایت خوب صورت کہانی جاری تھی۔ صاعقہ بیوی کی حیثیت سے جس طرح فراز کا خیال رکھتی تھی۔ بالکل اتنی ہی اہمیت ایک بھائی یا دیور کی حیثیت سے وہ شامی کو بھی دیتی تھی۔ تبدیلیاں صاف ظاہر تھیں۔ شامی کا کمرہ جگمگاتا نظر آتا تھا اس کے لباس یہاں تک کہ اس کے جوتے بھی پالش کیئے ہوتے تھے۔ شامی نے ایک دن کہا بھی....

"یہ محترمہ بھابی صاحبہ آپ کیا کردار ادا کر رہی ہیں بھائی بھابی بن کر رہیں یہ حمیدہ بیگم کیوں بنتی جا رہی ہیں؟" صاعقہ نے گردن خم کر کے کہا۔

"شامی بھیا۔ حمیدہ نہیں ایک بہن کا کردار ادا کر رہی ہوں میں۔ آپ مجھے بھابی کہہ لیں بے شک کیونکہ میرا اور آپ کا رشتہ یہی بنتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شکل میں مجھے بھائی بھی تو ملا ہے۔ بھائی کی کچھ خدمت کر کے جو خوشی میں حاصل کرتی [illegible] اس پر اعتراض نہ کیجئے گا۔"

"نہیں مجھے اس خوشی پر تو اعتراض نہیں ہے لیکن پچھلے دنوں کچھ دنوں سے اپنا وزن بڑھتا ہوا محسوس کر رہا ہوں' پہلے خود سارے کام کرتا تھا تو ذرا بہتر رہتا تھا' لیکن اب کرنے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہیں ہے۔"

صاعقہ ہنسنے لگی' پھر بولی۔ "ورزش کیا کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

فراز بھی بہت خوش تھا اور شامی کا شکرگزار بھی' جہاں تک شامی کی شریر فطرت کا تعلق تھا تو بھلا اسے کیسے ترک کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ بولنے کے وقت بولتا ہی چلا جاتا تھا۔ ایک دن

انیلا سے کہنے لگا۔

"یار انیلا تم نے پیدا ہونے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟"

"[illegible]ن جان' میں نے تو دیر نہیں کی۔" انیلا بھولے پن سے بولی' پھر کہنے لگی۔ "آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"ذرا جلدی پیدا ہو جاتیں تو ہمارا کمرہ بھی آباد ہو جاتا۔"

"کیسے؟" انیلا نے سوال کیا۔

"بس اب کیا بتائیں تمہیں' چلو چھوڑو۔ یہ فراز تو خود غرض آدمی ہے۔"

فراز نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "شرم نہیں آتی' تجھے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

"چھوڑو یار فراز' یار ایک کام کرو اگر مناسب سمجھو تو؟"

"ہاں ہاں بولو۔"

"میرا بھی کہیں رشتہ کرا دو۔"

صاعقہ ہنس کر کہنے لگی۔ "شامی بھیا آپ ایک اشارہ کر کے تو دیکھیں اگر آپ کی خواہش پوری نہ کر دوں تو سمجھ لیجئے کہ کچھ بھی نہ کیا۔"

"ہاں اشارہ کرنے کو دل تو چاہ رہا ہے۔ اصل میں ہماری ایک ایسی بھابی تھیں جو بھابی ہوتے ہوتے رہ گئیں۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کے حق میں ہمیشہ دستبردار ہونے کو تیار رہتے ہیں' شمسہ بھابی بیک وقت ہم دونوں کو دیکھ لیا کرتی تھیں اور ان کی آنکھوں میں محبت کے جذبات ہوتے تھے۔ میں یہ سوچتا تھا کہ شاید تیر نظر فراز کی طرف ہے اور فراز سوچتا تھا کہ میری طرف۔ بس دونوں تکلف میں مارے گئے۔"

"خدا تجھے سمجھے۔ اب تو اسے چھوڑ دے۔"

"یہی تو وقت ہے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا' تم تو اپنی دنیا بسا بیٹھے' لیکن میرا مسئلہ ٹیڑھا ہو گیا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔ میں اور صاعقہ جائیں شیخ صاحب کے ہاں۔"

"[illegible] رہوں گا کہاں؟" شامی بولا۔

"کیا مطلب؟" فراز نے چونک کر کہا۔

"اس گھر میں تو گزارہ مشکل ہو جائے گا۔"

"کیوں؟"

"یار سمجھا کرو۔ بات وہی آ جائے گی' شمسہ دونوں کی طرف دیکھے گی اور میرے اور [illegible] درمیان جھگڑا چل جائے گا۔"

صاعقہ کھلکھلا کر ہنس پڑی' اس نے کہا۔ "یہ شمسہ صاحبہ کا جغرافیہ کیا ہے؟"

"جغرافیہ ہی تو ٹیڑھا ہو گیا تھا ورنہ باقی سب ٹھیک تھا۔" شامی نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

"اس شخص کا کوئی دین ایمان نہیں ہے کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ۔ بتا دوں۔" فراز نے شامی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"تیرا نکتہ نظر۔"

"ہائے میرا تو کوئی نکتہ نظر ہی نہیں ہے' مگر نظر کہیں نکلے تو نکتہ نظر کا بھی فیصلہ ہو۔"

"جھوٹ' بالکل جھوٹ' مجھے پتا ہے اور صاعقہ کو بتانے میں' میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔"

"کیا؟" شامی متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"صاعقہ جانتی ہو حضرت کن ہواؤں میں اڑ رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتی' لیکن جاننا چاہتی ہوں اور اب میں شامی بھیا کے لئے کچھ کر کے ہی دم لوں گی۔"

"ارے ارے کیا چھوڑنے بیٹھ گئے یار؟"

"میں بتائے بغیر نہیں رہوں گا۔ صاعقہ یہ شخص بہت بلند پرواز کر رہا ہے' میں تو اسے کافی سمجھا چکا ہوں تم بھی ذرا سمجھاؤ۔"

"کچھ پتا تو چلے مجھے....؟"

شامی ایک دم ہونق ہو گیا۔ اس نے آنکھیں نکالیں لیکن فراز بھی شرارت کے موڈ میں تھا' اس نے رخ بدل لیا اور بولا۔

"حضور والا اپنی مالکہ سے عشق کرتے ہیں۔"

"کس سے...." صاعقہ حیرت سے بولی۔

"میڈم سے...."

"جی۔" صاعقہ کا منہ تعجب سے کھل گیا۔

"جی ہاں۔ شروع سے اس چکر میں ہیں' میں تو خود انہیں سمجھاتا رہا ہوں' اب ذرا تم بھی انہیں سمجھاؤ تھوڑی بہت آبزرویشن تو تمہاری بھی ہو گی۔ پہلی بات تو میڈم کی عمر دوسری بات یہ کہ وہ ایک انتہائی پراسرار خاتون ہیں' بڑی چا... بدقسمتی سے انہوں نے اب تک اپنا نام ہر ایک سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے' شامی صاحب تک کو نہیں معلوم کہ ان کا ماضی کیا ہے' سرپھری خاتون ہیں۔ بے شک ہمارے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا ہے' لیکن اب اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے؟"

"صاعقہ بھابی! یہ شخص بڑی سنجیدگی سے مذاق کرتا ہے' آپ کو ہوشیار کئے دے رہا

ہوں کبھی اس کے چکر میں نہ پھنسے گا۔"

"تو پھر یہ کہتے ہو کہ میڈم کے لئے تمہارے دل میں کچھ نہیں ہے۔"

"میرے دل میں تو بہت سوں کے لئے بہت کچھ ہے اب ضروری تو نہیں ہے کہ اس کا عقل سے بھی کچھ تعلق ہو۔"

"بخدا سچ بولا ہے اس شخص نے' اس وقت سچ بولا ہے۔"

بہت دیر تک یہ چونچیں چلتی رہیں' لیکن شامی نے اپنے آپ کو کنٹرول کئے رکھا' اس نے یہ نہیں بتایا کہ ایک بار اس کے اور میڈم کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے۔

اس شام بھی وہ آفس سے باہر نکلا' نجانے کیوں کینیڈین اسپتال یاد آ گیا۔ ایک بار پھر وہاں جانے کو جی چاہا اور وہ اس جانب چل پڑا۔ ایک شاندار فلاور ہاؤس پر رک کر پھولوں کا حسین "کیے" بنوایا اور اسے لے کر کینیڈین اسپتال پہنچ گیا۔ میڈم کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی تھی اس لئے پہلے اس کی گاڑی کے بارے میں معلومات ضروری تھیں۔ چنانچہ پارکنگ لاٹ پر گاڑی دیکھی' موجود نہیں تھی تب وہ اوپر چل پڑا اور کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے پر دستک دی تو لڑکی نے دروازہ کھول دیا' اسے دیکھا۔ شامی نے پھول اسے پیش کر دیئے' وہ مسکرا دی۔

"آیئے۔ یہ پھول آپ میرے لئے لائے ہیں؟"

"جی۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارا کوئی باقاعدہ تعارف نہیں ہو سکا۔ مجھے تو آپ جو دل چاہے کہہ لیجئے لیکن آپ کون ہیں؟"

"میرا نام رحمان ہے۔"

"آپ مجھے زرینہ کہہ سکتے ہیں۔"

"جی۔"

"اگر یہ نام اچھا نہ ہو تو آپ مجھے صنوبر کہہ لیجئے یا پھر آپ کا جو دل چاہے کہہ لیجئے۔"

"آپ مجھے اپنا نام نہیں بتائیں گی؟"

"جو بات خود مجھے معلوم نہ ہو' وہ بات میں آپ کو کیسے بتا سکتی ہوں۔ بیٹھئے نا۔ اب یہ ہسپتال ہے' ورنہ اصولی طور پر تو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کیا پینا پسند کریں گے۔ یہاں میرے طلب کرنے پر سب کچھ مل جائے گا لیکن نجانے کیوں میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کسی کو آپ کی آمد کے بارے میں بتاؤں' ویسے آپ یقین کیجئے آپ کے یہاں آنے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ' اور خاص طور سے آپ کی پراسرار گفتگو کا بھی شکریہ۔"

"میری گفتگو پراسرار ہے؟" نجانے کیوں اس کے لہجے میں مسرت کا عنصر پیدا ہو گیا

تھا۔

"بے حد' نہ صرف آپ پراسرار ہیں بلکہ آپ کے ملنے جلنے والے بھی عجیب و غریب شخصیت رکھتے ہیں۔"

"میرا تو کوئی ملنے جلنے والا ہی نہیں ہے۔"

"ایک دن ایک خاتون کو دیکھا تھا آپ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں' نام تو نہیں جانتا میں ان کا۔ ہاں حلیہ بتا سکتا ہوں۔"

"خاتون۔" وہ تعجب سے بولی۔

"جی ہاں شاید آپ کی کوئی عزیزہ ہیں۔"

"نجانے کہاں کی باتیں کرتے ہیں آپ۔ چھوڑیئے اپنی باتیں کیجئے۔ ہو گا کوئی۔"

"اب دیکھا نا آپ نے۔ کتنی خوبصورتی سے آپ اصل بات کو ٹال گئیں۔ کیا یہ پراسرار بات نہیں ہے؟"

"ہو سکتا ہے لیکن میں آپ کو بتا دوں۔ میری شخصیت واقعی بے حد پراسرار ہے۔ مجھے کتابوں میں لکھا گیا ہے' میری داستانیں نجانے کہاں کہاں بکھری ہوئی ہیں۔ صحرائے اعظم کے کس گوشے سے میرا تعلق ہے نجانے کیوں میں اپنے گھر سے اتنی دور چلی آئی ہوں۔"

"اب آپ نے مجھے گھسنا شروع کر دیا۔"

"پلیز جو کچھ میں کہوں اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا کیجئے۔ کیجئے آنکھیں بند کیجئے۔" وہ معصومیت سے بولی اور شامی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ لڑکی ضرورت سے زیادہ چالاک ہے یا پھر واقعی ذہنی طور پر غیر متوازن ہے' لیکن پھر فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ اسپتال ذہنی طور پر غیر متوازن لوگوں کے لئے ہے اور وہ یہاں آرام نہ کر رہی ہو گی' لیکن کون ہے یہ کیا چکر ہے' کس طرح معلوم ہو؟"

لڑکی ضد کرنے لگی' کہ شامی آنکھیں بند کرو اور شامی نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ہنس پڑی تھی۔

"اب کھول لیجئے۔ آپ یقین کیجئے آپ پہلے بھی آئے تھے آپ کے جانے کے بعد میں آپ کے بارے میں بہت دیر تک سوچتی رہی تھی۔"

"کیا؟" شامی نے پوچھا۔

"یہ کہ جب اجنبی اتنی محبت سے قریب آتے ہیں تو کیسے لگتے ہیں۔ آپ اجنبی ہی تو ہیں میرے لئے۔ اجنبیوں سے مل کر کبھی کبھی بہت اچھا لگتا ہے۔"

"لیکن بعد میں یہ اجنبی اجنبی نہیں رہتے۔"

"کیوں؟"

"کبھی ملاقاتیں ہو جاتی ہیں تو اجنبیت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔"

اس نے ہونٹ سکوڑ لئے پھر آہستہ سے بولی۔ "ہاں یہ تو ہے اور میرے خیال میں ناھی پریشان کن بات ہے اجنبی تو اجنبی ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"محترمہ! آپ اپنے بارے میں مجھے بتایئے۔"

"ضد نہ کیجئے۔ میرے بارے میں جان کر آپ پریشان ہو جائیں گے' اصل میں میرا راز مصر کے ایک اہرام میں دفن ہے' اگر آپ کو واقعی اس سے اتنی دلچسپی ہے تو آپ کو مصر جانا پڑے گا۔ وہ اہرام تین سروں والے بندر کا ہے۔ ایک دروازہ ملے گا آپ کو جس میں بہت گہرائی میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ سیڑھیاں آپ کو ایک مقبرے میں لے آئیں گی اس مقبرے میں ایک ایک صندوق رکھا ہوا ہے اس صندوق کو کھولئے' اس میں آپ کو پتھر کی ایک کتاب ملے گی۔ بس اس کتاب میں میرے بارے میں درج ہے۔ میں شعلوں میں نہا کر زندہ رہتی ہوں اور مجھے شاید کسی کا انتظار ہے' جو نام میرے ذہن میں آتا ہے وہ قرطیس کا ہے۔ آپ مجھے ایک بات بتایئے۔ یہ زندگی میں اتنی تشنگی کیوں ہوتی ہے؟"

"جی؟" شامی نے کہا۔

"جی ہاں زندگی میں بڑی تشنگی ہوتی ہے آپ اپنی پسند کی چیزیں طلب کرتے ہیں لیکن وہ نہیں ملتیں' بہت سی دوسری چیزیں ملتی رہتی ہیں آپ کو' جو آپ چاہتے ہیں' وہ آپ کو نہیں ملتا اور آپ اسی کی آواز میں زندہ رہتے ہیں۔ کیا یہی زندہ رہنے کا راز ہے؟"

"خدا جانے۔ ویسے آپ ایک بات بتایئے؟"

"جی پوچھئے۔" وہ محبت سے بولی۔

"میڈم کو جانتی ہیں آپ....؟"

"میڈم؟" وہ پرخیال انداز میں بولی۔

"ہاں وہ جو اکثر آپ سے ملنے آتی رہتی ہیں۔"

"پتا نہیں میں انہیں جانتی ہوں یا نہیں۔"

"وہ کون ہیں آپ کی؟"

"میرا کہیں بھی کوئی بھی نہیں ہے' کوئی ہے ہی نہیں کس کے بارے میں بتاؤں آپ کو؟"

"پھر وہ یہاں کیوں آتی ہیں؟"

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"آپ سے ملنے۔"

"تو پھر وہ بھی مجھ سے ملنے آتی ہوں گی۔"

"لیکن وہ ہیں کون؟"

"آپ کون ہیں؟" شامی لاجواب ہو گیا۔

"جب آپ کوئی نہیں ہیں تو وہ بھی کوئی نہیں ہیں۔ کوئی کچھ بھی نہیں ہے' سب اپنے اپنے مطلب کے دوست ہیں کوئی کام ہو گا انہیں مجھ سے آ جاتی ہوں گی' آپ کو بھی مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"نہیں' میں تو بس آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

"مل لئے آپ....؟"

"جی ہاں مل تو لیا۔"

"تو پھر جایئے خدا حافظ۔ میرا وقت ہو گیا ہے جب شام کے سائے فضاؤں میں بھٹکنے لگتے ہیں تو میں اپنے معبد میں چلی جاتی ہوں اور اس مقدس عبادت گاہ میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں اپنے معبد میں جانا چاہتی ہوں آپ پلیز جایئے' جایئے آپ سنتے نہیں ہیں۔" وہ چیخ کر بولی اور شامی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ اس کی آنکھوں پر غور کر رہا تھا' کسی کے بارے میں صحیح طور پر جاننا ہو تو آنکھوں کو پڑھنے کا فن سیکھ لیا جائے۔ آنکھیں بہت کم جھوٹ بولتی ہیں اور حقیقتیں آنکھوں سے عیاں ہو جاتی ہیں اس وقت اس کی آنکھوں سے جو حقیقت عیاں تھی وہ یہی تھی کہ وہ ذہنی طور پر غیر متوازن لڑکی ہے۔ شامی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' بس فطرت کا تجسس اور یہ تجسس بھی صرف اس لئے تھا کہ اس نے میڈم کو پراسرار انداز میں یہاں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ لڑکی کے انداز سے یہ پتا چلتا تھا کہ اگر شامی اب یہاں سے نہ اٹھا تو شاید اس کا رویہ سخت ہو جائے' وہ اٹھ گیا اور آہستہ سے دروازے کی جانب بڑھا۔ تب اس نے عقب سے کہا۔

"سنو....." شامی رک گیا۔

"پھر آؤ گے؟"

"جی ہاں' جب سر میں کھجلی ہوئی تو ضرور آ جاؤں گا۔" شامی نے کہا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔

☐

تابندہ ہی لینے آئی تھی۔ بیگم حسین سے ملاقات ہوئی کچھ عجیب سا انداز تھا ان کا۔

"سب خیریت ہے؟" انہوں نے کہا۔

"جی بالکل۔ آپ سنایئے؟"

"بس ٹھیک ہے۔"

"شمشاد کہاں ہیں؟"

"کسی کام سے گیا ہے۔"

"میں فرخندہ کو لینے آئی ہوں۔"

"کیوں؟"

"جی۔" تابندہ حیرت سے بولی۔

"کوئی کام ہے؟"

"وہ میکے نہیں جائیں گی۔"

"اوہ' رسم!"

"ہوتی تو ہے۔"

"ہاں۔ پرانے دور میں لوگوں کے پاس بڑا وقت تھا۔ بے مقصد اور فضول رسموں کی ...کر رکھی تھی انہوں نے' لیکن نہ جانے ان فرسودہ رسموں کو ختم کرنے میں سیریس کیوں ...ہوتے۔"

"یہ تو سب ابتدائی رسمیں ہوتی ہیں۔ بعد میں لڑکی کو اپنا گھر سنبھالنا ہوتا ہے۔"

"یہی سوچ تو غلط ہے۔ کوئی کام بعد میں نہیں ہوتا۔ صحیح وقت شروع کا ہوتا ہے۔ بھئی ...لوگوں نے لڑکی کی شادی کر دی اب اسے اس کے گھر میں رہنے دیجئے۔ اس کا ذہن ...ب کرنے سے کیا فائدہ۔ وہ اپنے گھر کو سمجھے۔ ماحول سے آشنا ہو۔ خیر آپ اسے لے ...ئے' لیکن خیر آج کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے' میں دوسری بار اجازت نہیں دوں گی۔"

تابندہ آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔ بیگم حسین کا انداز بے حد خشک تھا۔

"فرخندہ تیار ہو جاؤ۔ چلو اپنے کمرے میں چلو۔" اس نے کہا لیکن بیگم حسین خود اٹھ ...ی ہوئیں۔

"آپ بیٹھئے میں اسے تیار کر کے لاتی ہوں۔"

تابندہ جو کھڑی ہو گئی تھی۔ آہستہ آہستہ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

"آؤ۔" بیگم حسین نے فرخندہ سے کہا اور فرخندہ ان کے ساتھ اندر چل پڑی۔ "لباس ...کرو گی؟" اندر چل کر انہوں نے فرخندہ سے کہا۔

"نہیں ٹھیک تو ہے۔"

"جاؤ بال وغیرہ سنبھال لو اور سنو' میں نے جو کچھ سمجھایا تھا تمہیں یاد ہے۔"

"جی۔"

...بھلا دیا؟"

"مجھے یاد ہے۔" فرخندہ نے آہستہ سے کہا۔

"میں دوبارہ دہرائے دیتی ہوں۔ خوشگوار زندگی کا راز زبان بند رکھنے میں ہے۔ ہر گھر ...کے مسائل ہوتے ہیں۔ تم نے قاضی کے رجسٹر پر دستخط کر کے شمشاد سے نکاح قبول کیا ...ب وہ اور یہ گھر تمہارا مستقبل ہے۔ اسے بنانا یا بگاڑنا تمہارا کام ہے۔ اپنے گھر جاؤ گی ...ے یہاں کے حالات پوچھیں گے' تم انہیں بتاؤ گی۔ وہ یا تو افسردہ ہو جائیں گے یا ...اف' ہم سے بات کریں گے ہم حقیقت بیان کر دیں گے۔ وہ تمہیں روک لیں گے'

مقدمہ چلے گا اور آخر کار تمہیں طلاق ہو جائے گی' لیکن جانتی ہو کتنے عرصہ کے بعد' کم از کم دس سال کے بعد اور دس سال میں تم بوڑھی ہو جاؤ گی' پھر باقی زندگی کہاں کٹے گی۔ اسی گھر میں' تم کتنے دن شادی شدہ رہو گی۔ صرف ایک دن..... میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"جی۔" فرخندہ نے ایک نگاہ مسہری پر سوئے ہوئے شمشاد پہ ڈالی۔

"دوسری صورت اس سے کہیں بہتر ہے۔ خاموشی اختیار کئے رہو' تمہاری قوت تمہیں ایک حسین مستقبل دے گی۔ شمشاد ٹھیک ہو جائے گا اور تم اس گھر کی مالک بن کر جیو گی۔ جاؤ اب وہ انتظار کر رہی ہو گی۔"

فرخندہ باہر آ گئی۔ تابندہ حیران پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ بے اختیار بول اٹھی۔

"کیا ہوا؟"

"کہاں؟" فرخندہ نے کہا۔

"تم نے کپڑے وغیرہ نہیں بدلے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے بدلے تھے باجی۔"

"ہوں۔ کچھ ساتھ لینا ہے؟"

"نہیں' شام کو تو واپس آ جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے چچی جان آپ لوگ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیے' سب لوگ' شمشاد سمیت۔"

"ارے نہیں بھئی' ایسے کسی تکلف میں نہ پڑنا' میں پرہیزی کھانا کھاتی ہوں' خالق برسوں سے رات کا کھانا چھوڑے ہوئے ہیں اور شمشاد۔ اس کے بارے میں تو کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا کہ رات کو کب واپس لوٹے۔"

"تو آپ لوگ نہیں آئیں گے؟"

"ناممکن۔"

"پھر فرخندہ!"

"تمہیں ہی تکلیف کرنی ہو گی۔"

"بہتر۔" تابندہ بھی کچھ چڑ گئی' پھر وہ سلام کر کے باہر نکل آئی۔ کار میں بیٹھ کر تابندہ نے کہا۔ "فرخندہ!"

"جی باجی۔"

"کیا یہ لوگ کسی بات پر ناراض ہو گئے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کوئی بات ہو گئی؟"

"بالکل نہیں باجی۔"

"پھر یہ بیگم حسین کیا کہہ رہی تھیں؟"

"میری سمجھ میں خود نہیں آیا۔"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ آج کے بعد تمہیں نہیں بھیجیں گی۔"

"ہاں۔ یہی کہہ رہی تھیں۔"

"لیکن کیوں؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم باجی۔"

"کیسے لوگ ہیں؟"

"پتا نہیں باجی' میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔"

"شمشاد کیسا آدمی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" فرخندہ نے کہا اور تابندہ خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ فرخندہ نے بھی بات نبھائی کسی سے کچھ نہیں کہا۔ فیروزہ بیگم نے بھی پوچھا۔ ویسے تابندہ کی باتوں پر وہ بھی حیران رہ گئی تھیں۔ واپسی پر تابندہ نے کہا۔

"فرخندہ فکر نہ کرنا۔ یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں وہ ممکن نہیں ہو سکے گا۔ تم ایک کام کرنا۔"

"کیا باجی؟"

"شمشاد کو اپنا ساتھی بنانے کی کوشش کرنا۔ لوہے کو لوہے سے کاٹا جا سکتا ہے۔"

"جی باجی۔" فرخندہ نے کہا۔

تابندہ' فرخندہ کو اس کے گھر پہنچا گئی۔ فرخندہ کو اس بھوت گھر میں وحشت ہو رہی تھی۔ کوئی نہیں آتا جاتا تھا۔ بس ایک معمول' ایک خاموشی' شمشاد تو انسان ہی نہیں تھا۔ یہ اس کا کمرہ تھا اس لئے وہ اس کمرے میں آجاتا تھا۔ لباس بدلتا تھا اور پھر.... اپنے مشغلے میں مصروف ہو کر کبھی کسی گوشے میں جا پڑتا۔ کبھی کسی میں..... فرخندہ بھی سو جاتی تھی۔

پھر آٹھ نو دن گزر گئے۔ تابندہ نے دو چکر لگائے تھے فرخندہ سے ملی تھی اور چلی گئی تھی۔ پندرہ دن کے بعد وہ تیسری مرتبہ آئی اور مسز حسین نے کہا۔

"میں فرخندہ کو چند روز کے لئے لے جانا چاہتی ہوں۔"

"کہاں؟"

"گھر۔"

"نو۔ سوری' میں نے پہلے ہی منع کر دیا تھا۔ فرسٹ اینڈ لاسٹ۔ بی بی یہ مناسب نہیں ہے اور میں ضد سننے کی عادی نہیں ہوں۔"

"آپ کمال کرتی ہیں۔ ہم اس سے تعلق کیسے توڑ سکتے ہیں۔ ایسا تو کہیں نہیں ہوتا۔"

تابندہ نے جھلا کر کہا۔

"یہاں ہوتا ہے اور تمہاری بہن اس گھر میں آئی ہے۔ جہاں تک میرے کمال کرنے کا تعلق ہے میں نے کوئی کمال نہیں کیا اور میری ایڈوائس ہے کہ مجھ سے کمال کرانے کی کوشش بھی نہ کرو' او کے۔"

"آپ لوگ اسے فون پر بھی نہیں بلاتے۔"

"ہم سے اس کی خیریت پوچھ لیا کرو۔"

تابندہ غصے میں بھری گھر لوٹی تھی۔ "امی! فرخندہ بہت بری جگہ پھنس گئی ہے۔"

"ہیں' کیا ہوا اب؟"

"ابو سے کہیں کہ اپنے دوست سے بات کریں' کون لوگ ہیں آخر یہ؟ کیسے لوگ ہیں؟"

"آخر کیا ہوا؟" فیروزہ بیگم نے پوچھا اور تابندہ نے شروع سے آخر تک کی تفصیل سنا دی۔ فیروزہ بیگم کا کلیجہ خون ہو گیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولیں۔ اس وقت مرزا صاحب آ گئے۔

"کیا بات ہے' خیریت؟"

"ابو! آپ نے فرخندہ کو کس جہنم میں جھونک دیا ہے۔ کوئی تحقیق بھی نہیں کرنے دی آپ نے جیسا انہوں نے کہا ویسے مان لیا آخر آپ کب تک ہم لوگوں پر مظالم کرتے رہیں گے۔"

مرزا صاحب کی آنکھیں سرخ ہو گئیں' تابندہ کو گھورتے ہوئے بولے۔ "دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہے کیا۔ کیا بکواس کر رہی ہے۔"

"کیسے لوگ ہیں فرخندہ کے سسرال والے؟"

"جیسے بھی ہیں جہنم میں جائیں۔ تو کون سے مظالم کی بات کر رہی ہے۔"

"ابو اپنی آنکھیں کھولئے۔ ضرورت سے زیادہ وصول کر رہے ہیں آپ۔ برباد کر دیا ہے ہمیں آپ نے۔ باپ ہیں ہمارے' خدا نہیں ہیں کہ آپ کی عبادت کریں۔ اس ماحول میں میری بہن کو کچھ ہو گیا تو ابو.... میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔"

"کیا کر لے گی میرا؟"

"آپ کا.... آپ کا۔" تابندہ ہانپنے لگی۔ آج اس پر بھی جنون طاری ہو گیا تھا۔ "آگ لگا دوں گی اس گھر میں۔ سب کچھ جلا کر راکھ کر دوں گی۔ خود بھی جل جاؤں گی اور.... اور....

"فیروزہ کیا بک رہی ہے یہ.... پاگل ہو گئی ہے۔"

"مجھ سے بات کریں۔ اس مظلوم عورت سے کیا بات کر رہے ہیں۔ جسے آپ نے کبھی انسان ہی نہ سمجھا۔ سب کچھ میری نگاہوں میں' سب کچھ ہے ابو۔"

"میرے پاس آ جا.... جواب دوں تجھے تیری باتوں کا۔ آ جواب دوں۔"

"جی۔ بتائیے مجھے میری بہن کو جہنم میں کیوں ڈال دیا ہے آپ نے بتائیے۔" تابندہ مرزا صاحب کے قریب جا کھڑی ہوئی اور مرزا صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔ تابندہ سے کچھ نہ کہہ رہے تھے۔ کرسی گھمائی اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔

"جوان بیٹے تھے۔ چھوڑ گئے۔ انہیں کا خون تھے وہ.... لیکن ان کا انتقام یہ ہم سے کیوں لے رہے ہیں۔ مجبور کر دیا ہے مجھے امی اب میں مجبور ہو گئی ہوں جو کچھ کروں گی اس کے ذمے دار.... ابو ہوں گے.... سمجھیں آپ۔" فیروزہ بیگم آنسو بہانے کے سوا کیا کر سکتی تھیں۔

فیروزہ بیگم نے دل پر اثر لیا تھا۔ اس رات ان کے سینے میں شدید درد اٹھا۔ شدت درد سے تڑپنے لگیں اور جب جان آنکھوں میں سمٹ آئی تو نہ جانے کس طرح گرتی پڑتی تابندہ کے پاس پہنچیں۔

"تابندہ.... ذرا اٹھ تابندہ۔ میری..... میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔"

تابندہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ "کیا ہوا کیا ہو گیا امی؟" وہ بدحواسی سے بولی۔

"درد ہے' سینے میں درد۔ آہ۔ برداشت نہیں ہو رہا ہے۔" تابندہ نے انہیں مسہری پر لٹایا' بتی جلا کر ماں کو دیکھا۔ فیروزہ بیگم پسینے میں نہائی ہوئی تھیں۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"کہاں درد ہے امی؟" وہ رندھی آواز میں بولی۔

"یہاں' سینے میں۔ اس جگہ' دونوں بازوؤں میں بھی ہے اور.... اور یہاں پیچھے۔ آہ' آہ' آہ۔" فیروزہ بیگم تڑپنے لگیں۔

وہ جلدی سے فون کی طرف بھاگی۔ ڈائریکٹری میں اسپتالوں کے نمبر تلاش کرنے لگی۔ جو پہلا نمبر نظر آیا اسی پر رنگ کر کے ایمبولینس کے لئے کہا۔ گھر کا پتا بتایا اور ایمبولینس پہنچنے کی یقین دہانی کرنے کے بعد فون بند کر کے ماں کے پاس بھاگی۔

فیروزہ بیگم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ "امی امی۔" وہ رو رو کر انہیں پکارنے لگی۔ وہ تنہا تھی۔ بالکل تنہا' کوئی بھی نہیں تھا اب تو فرخندہ اور رخشندہ بھی نہیں تھیں۔ "آہ کیا کروں؟"

مرزا صاحب کا خیال آیا۔ دل میں نفرت کی لہر اٹھی اور دل مسوس کر رہ گئی۔ سب کچھ انہی کا کیا دھرا ہے۔ آہ بعض مرد کس قدر ظالم ہوتے ہیں۔ فیروزہ بیگم کو ٹٹولتی رہی۔ پھر باہر سے ایمبولینس کا سائرن سنائی دیا اور وہ دروازے کی طرف بھاگی۔ باہر نکل کر انہیں راستہ دیا اور اسپتال کے اسٹاف کو اندر لے آئی۔ بے ہوش فیروزہ بیگم کو اسٹریچر پر ڈال کر ایمبولینس میں لے جایا گیا۔ اس نے جتنی نقد رقم تھی سنبھال کر بیگ میں رکھی اور باہر نکل آئی۔

مرزا صاحب کی جیسی مست نیند اور کسی کی ہو سکتی تھی۔ ان کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ تابندہ نے کھلے سر کی بھی پروا نہیں کی جو ہوتا ہے بھاڑ میں جائے۔ ماں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔

پرائیویٹ اسپتال تھا۔ دیکھ بھال اچھی ہوئی۔ فیروزہ بیگم کو فوراً ہی آئی سی یو میں پہنچا دیا

گیا

"آپ دس ہزار روپے جمع کرا دیجئے۔"

"جی۔" تابندہ نے کہا۔ دیکھ بھال شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر نے بتایا۔

"ہارٹ اٹیک ہے ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔"

"جی۔"

"پرائیویٹ روم لیں گی؟"

"جی ہاں۔"

"اخراجات زیادہ ہو جائیں گے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ترازو لے آئیے اور تول کر حساب کر لیجئے۔"

"سوری بی بی' بتا دینا ضروری ہوتا ہے۔"

"اور کتنے پیسے جمع کرا دوں۔"

"نہیں آپ ناراض نہ ہوں۔ اطمینان رکھیں ہم مریض کو ٹھیک کر کے بھیجیں گے۔"

"اخراجات کی آپ فکر نہ کریں۔"

"او کے۔" ڈاکٹر مطمئن ہو گئے۔ وہ صبح تک ایک جگہ بیٹھی رہی۔ دماغ میں خیالات کا بیرا تھا۔ اچھے برے لوگ یاد آ رہے تھے اور وہ انہی کے درمیان اپنی محفل سجائے ہوئے تھے' دونوں بھائی جو اپنی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کر کے گم ہو گئے تھے' اپنی دنیا میں مست تھے' عزت آبرو' محبت سب کچھ مٹا دیا تھا انہوں نے اپنے دل سے اور اپنی پسند کی زندگی گزار رہے تھے۔ کیسے ہوتے ہیں یہ لوگ' معصوم معصوم بے بس خوراک کے لئے روتے ہوئے ماں کے ہاتھ بدن کی صفائی نہ کریں تو کیڑے مکوڑے چاٹ کر کھا جائیں' اپنے پیروں پر وزن نہ سنبھال سکیں تو فوراً ہی دو ہاتھ انہیں لپک لیں' گریں تو منہ ٹوٹ جائے زخمی ہو جائیں شکلیں بگڑ جائیں اور اس کے بعد جب جسموں میں جان آئے تو ماضی کو بھول جائیں اپنے آپ پر بھروسہ کر کے' خود غرضی کی اعلیٰ مثال بن جائیں اور سوچنے لگیں یہ کیا بوجھ ہے جو خود پر لاد لیا ہے' زندگی تو آزاد رہنے کا نام ہے اپنی خوشی کے لئے جیو باقی سب [illegible] جو [illegible] رہا ہے وہ زندگی سے خود نمٹ لے گا' یہ ہے دنیا کی ریت' یہ ہے رسم و رواج' یہ ہے محبت کرنے والے' لیکن بھولے ہوئے۔

وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے' تاریخ کا عمل اسی طرح جاری رہتا ہے اور یہ بھی ایک سچ ہے کہ ہر چیز کا ایک ہی محور ہوتا ہے۔ گزرا کل آج بنتا ہے اور آج کل میں تبدیل ہو جاتا ہے اور کل انہی حسرتوں کی کہانی سناتا ہے جن حسرتوں سے وہ دوسروں کو گزار چکے ہوتے ہیں' فطرت کے عمل سے کیسے بچیں گے یہ لوگ ان کے لئے سب سے بڑی بددعا یہ ہے کہ زندگی کے انہی مراحل سے گزریں جن مراحل سے وہ دوسروں کو گزارنے کا باعث بنتے ہیں

ہاں یہ بددعا ہی ہے انہی کے لئے دعا نہیں اور اچھے لوگ جو بے لوث ہوتے ہیں وہ کر جاتے ہیں جس کا تصور بھی نہ کیا جائے' مسز عالمگیر اگر اپنی ایک معمولی کارکن کا ہاتھ اس طرح نہ پکڑتیں تو آج کیا ہوتا' کیا میرے پاس اسپتال میں جمع کرانے کے لئے یہ رقم ہوتی' کیا اس منحوس گھر میں ٹیلی فون کا تصور کیا جا سکتا تھا' جہاں مرزا سخاوت بیگ جیسی شخصیت موجود ہو' آہ کتنا بڑا احسان کیا ہے مسز عالمگیر نے مجھ پر' وہ دے گئیں جس کے صرف خواب دیکھے جا سکتے ہیں۔

اور پھر ذہنی رو' مسز حسین کی جانب مڑ گئی' کیسے انوکھے لوگ ہیں' کیسی بدنما شخصیتوں کے مالک' آخر کیا ہیں یہ سب' کیسے انسان ہیں' انسانوں کی کون سی قسم سے ان کا تعلق ہے' کسی کی زندگی کو ویران کر کے اپنی دنیا آباد کرنے کے خواہش مند' انہوں نے اپنے بیٹے کو بگاڑا تھا' انہوں نے شمشاد کو دولت کے سائے میں پروان چڑھا کر اس کی زندگی بدنما بنا دی تھی اور اب دوسروں سے اس بات کے متوقع تھے کہ وہ ان کے بگاڑے ہوئے ماحول کو سنواریں۔ ایک ارمان بھری معصوم لڑکی جسے زندگی کا کوئی تجربہ نہیں تھا بھلا کیسے ایک ایسے آوارہ نوجوان کو سنبھال سکتی تھی جو خود اپنی زندگی سے دور ہو بیٹھا تھا اور اس کے بعد اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لئے دوسرے پر ظلم ڈھانا' نہیں مسز حسین اب اتنی بے بس نہیں رہی ہوں میں' اس وقت تم نے جو کچھ کیا ہے بہت جلد تمہیں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا' فرخندہ میں تجھے زندگی کے اس بھنور میں ڈوبنے نہیں دوں گی۔ بے فکر رہنا' وہ نہیں ہونے دوں گی میں جو اس کہانی کا انجام ہو سکتا ہے' بدلوں گی اس انجام کو اور مرزا سخاوت بیگ صاحب آپ کے بارے میں کیا کہوں' بس شرمندگی اس بات پر ہے کہ آپ کے وجود سے میری تخلیق ہوئی ہے۔ آہ کاش ایسا نہ ہوتا۔

صبح ہو گئی' ڈاکٹر اور نرسیں اسے کئی بار دیکھ چکے تھے پھر ڈاکٹر کی ڈیوٹی بدلنے لگی تو نوجوان ڈاکٹر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"معاف کیجئے گا بی بی' آپ نے ساری رات یہیں بیٹھے بیٹھے گزار دی ہے وہ آپ کی والدہ ہیں....؟"

"جی ہاں۔"

"ہم نے انہیں آئی سی یو میں رکھا ہوا ہے آج کسی بھی وقت انہیں کمرے میں منتقل کر دیں گے آپ اگر مناسب سمجھیں تو پرائیویٹ روم لے لیجئے جیسا کہ آپ نے کہا اور وہاں جا کر آرام کیجئے' ورنہ آپ خود بیمار پڑ جائیں گی۔"

"ڈاکٹر صاحب میں نے تو کل ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے پرائیویٹ روم دے دیا جائے۔"

"میں ابھی انتظام کئے دیتا ہوں' ویسے آپ مطمئن رہیں آپ کی والدہ کی حالت بہتر ہو جائے گی' کیا انہیں پہلی بار دل کا دورہ پڑا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کوئی غم ناک واقعہ؟"

"جی ہاں۔"

"اندازہ یہی ہو رہا تھا تاہم بہتر دیکھ بھال کی ضرورت ہے' آپ لوگ ذرا محتاط رہئے۔"

"جی بے حد شکریہ۔"

"آپ تھوڑی دیر یہیں بیٹھیں میں انتظام کئے دیتا ہوں۔" ڈاکٹر ہمدرد انسان تھا یا پھر یہی اس کا کاروبار تھا۔ بہرحال کمرہ حاصل ہو گیا' سب سے اہم بات یہ تھی کہ دیکھ بھال کرنے کے لئے کوئی بھی نہیں تھا کوئی ایسا نام جس سے کہے کہ آؤ میری مشکل میں شریک ہو جاؤ۔ فیکٹری میں بہت سے افراد تھے ملازم تھے اس کے' کسی کو بھی طلب کر لیتی سب کے سب آ جاتے' دولت کا کھیل ہے لیکن بہرحال وہ سکون نہیں حاصل ہو سکتا جو اطمینان دلا دیتا' کمرہ بہت اچھا تھا۔ ائرکنڈیشنر لگا ہوا تھا چونکہ وہ دس ہزار روپے جمع کرا چکی تھی اس لئے کسی کو پرواہ بھی نہیں تھی لیکن پھر بھی احتیاطاً اس نے مزید دس ہزار روپے کی رقم کیشیئر کو دے کر رسید حاصل کر لی اور اس سے کہہ دیا کہ ڈاکٹروں کو بتا دیا جائے' اس طرح اسے وی آئی پی ٹریٹ منٹ حاصل ہو گیا تھا۔

دوپہر کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب فیروزہ بیگم کو کمرے میں منتقل کر دیا گیا' ہوش میں تھیں۔ چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا' تابندہ کو دیکھا تو اطمینان ہوا۔ تابندہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"اب سینے کے درد کا کیا حال ہے....؟"

"اب تو نہیں ہے مگر کیا واقعی مجھے دل کا دورہ پڑا تھا؟"

"جی ہاں' اور اپنے دل پر صدموں کے بوجھ اٹھاتی رہیں آپ۔"

فیروزہ بیگم خاموش رہیں انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں' کچھ دیر سوچتی رہیں پھر بولیں۔ "اب کیا ہو گا تابندہ....؟"

"کیا مطلب؟"

"فرخندہ کی زندگی تو برباد ہو گئی۔"

"کیوں؟" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"وہ کم بخت ہیروئن پیتا ہے۔"

"اس سے آپ اور کیا توقع رکھتی تھیں؟"

"مرزا صاحب' ایک ایسا عذاب ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس گناہ کے نتیجے میں مجھ پر نازل کیا گیا۔"

"آپ اس بارے میں سوچنا چھوڑ دیجئے' اپنا خیال کیجئے امی' میں صرف ایک سوال کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"کیا بیٹی؟"

"اب تو میں تنہا رہ گئی ہوں نا؟"

"ہاں۔"

"آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ دینا چاہتی ہیں؟"

"میں؟"

"جی ہاں' اگر آپ نے ایسے ہی دو چار صدمے اپنے دل پر سہہ لئے تو اس کے بعد آپ بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گی' پھر میرا کیا ہو گا؟"

"نہیں' خدا تجھے خوش رکھے۔"

"خدا مجھے اسی وقت خوش رکھے گا جب آپ اپنے طور پر اپنی صحت کی طرف توجہ دیں گی۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے امی۔"

"فرخندہ کا سن کر دل برداشت نہیں کر سکا تھا اور پھر مرزا صاحب...."

"چھوڑیئے امی' ہو جاتا ہے' وہ بیمار ہیں ذہنی بیمار' کیا کریں ہمارے اپنے ہیں' آپ کے شوہر اور میرے باپ ہیں' برداشت کر لیں گے انہیں۔ ان کی کسی بات کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے بس یہی ایک ذریعہ ہے۔"

"اور فرخندہ؟"

"کچھ بھی نہیں' بالکل' کچھ بھی نہیں' میں دیکھوں گی مسز حسین کو کہاں تک جاتی ہیں۔ سب ٹھیک کر دوں گی آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ہم جتنا اپنے آپ پر بے بسی لاد لیں' لوگ اتنا ہی شیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ میں فرخندہ کو اس عذاب سے نکال لوں گی' اس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ ہمارے پاس رہے۔"

"مگر یہ اچھا تو نہیں ہو گا۔"

"برا بھی نہیں ہو گا' آپ مطمئن رہیں' ارے واہ کمال ہے ہم نے اسے اپنا خون جگر پلا کر پالا ہے' ہم اسے تاریکیوں میں تو نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ دل سے یہ سارے خیال نکال دیں بالکل۔"

"ٹھیک ہے' میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کروں گی۔" فیروزہ بیگم کا حوصلہ بڑھتا تھا' اس کی آنکھوں میں کرختگی ابھر آئی تھی۔ وہ درحقیقت کافی سخت دلی سے سوچ رہی تھی۔ اب اس دنیا کے سامنے ذلیل ہونے سے بہتر ہے کہ ہاتھ میں جوتا پکڑ لیا جائے اور صورت حال کو سنبھالا جائے۔

دوپہر تک فیروزہ بیگم کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی' اس نے ڈاکٹر سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! میں چاہتی ہوں کہ میری ماں کے لئے ایک نرس کو مقرر کر دیا جائے جو مکمل طور سے ان کے پاس رہے' نرس کے جو بھی چارجز ہوں گے وہ میں ادا کروں گی۔"

"بالکل ٹھیک ہے' ہمارے ہاں پرائیویٹ نرسیں مل جاتی ہیں' بندوبست ہو جائے گا۔"

"میں نے دس ہزار روپے ڈپازٹ کرا دیئے ہیں' مزید جو بھی ضرورت ہو مجھے بتا دیا جائے۔"

"نہیں بی بی' بس ٹھیک ہے' آپ کافی تلخ ہو گئی ہیں' لیکن آپ کو پتا نہیں کہ ہم کن مسائل سے گزرتے ہیں۔ یہ پرائیویٹ اسپتال ہے اور معاف کیجئے گا جس شخص کا یہ اسپتال ہے وہ ڈاکٹر نہیں ہے۔ وہ کسی ایک دوا کی گولی کے بارے میں بھی نہیں جانتا لیکن سرمایہ دار ہے وہ' دولت لگا کر دولت کمانا جانتا ہے اور اس کی ہدایات ہیں ہم لوگوں کے لئے اور ہمیں ان ہدایات پر عمل کرنا پڑتا ہے اور بعض لوگ ہمیں نہ جانے کیا سمجھ لیتے ہیں۔ بہرحال ہر انسان کی اپنی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔"

"جی' میں سمجھ رہی ہوں۔"

"میں ابھی ڈیوٹی آفیسر سے کہہ دیتا ہوں' نرس فوراً ہی پہنچ جائے گی اور آپ اطمینان رکھئے' وہ بہت عمدگی سے ان کا خیال رکھے گی۔"

نرس واقعی ایک اچھی عورت تھی' تقریباً بتیس سال کی عمر' تندرست و توانا' خوش اخلاق۔ تابندہ نے پانچ سو روپے اسے دے کر کہا۔

"یہ پیسے ان چارجز میں سے نہیں ہیں جو اسپتال کو تمہارے سلسلے میں دینے پڑیں گے۔ یہ صرف اس لئے ہیں کہ میری ماں کا پورا پورا خیال رکھنا۔"

"بی بی' آپ اطمینان رکھئے۔" نرس نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ تابندہ فیروزہ بیگم سے بولی۔

"میں جا رہی ہوں امی' تھوڑا سا اپنا آفس بھی دیکھوں گی۔ پہلے گھر جاؤں گی لباس وغیرہ تبدیل کروں گی اور اس کے بعد آفس جاؤں گی۔ میری واپسی شام تک ہو گی۔ نرس کو میں اپنا ٹیلی فون نمبر بھی دے دیتی ہوں۔ خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو یہ مجھے اطلاع دے دے گی۔"

"تم جاؤ۔" فیروزہ بیگم نے کہا۔

تابندہ کچھ دیر کے بعد اسپتال سے نکل کر گھر کی جانب چل پڑی۔ رات بھر جاگی تھی لیکن اب اس کے اندر ایک ایسا حوصلہ ایک ایسا عزم بیدار ہوا تھا کہ اسے ذرا بھی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ گھر پہنچی' مرزا صاحب کے پورے بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ لال پیلے ہو رہے تھے' گھر سے باہر نکل کر دوستوں میں جا بیٹھے تھے اور دونوں ماں بیٹی کی گمشدگی کی کہانی سنا چکے تھے۔ اس وقت گھر میں ہی تھے۔ تابندہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی وہ خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"تم زندہ ہو۔" وہ غرائی ہوئی آواز میں بولے۔ لیکن تابندہ سیدھی اندر گھستی چلی گئی۔

اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ مرزا صاحب اس قدر آگ بگولہ ہو رہے تھے کہ وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہی آئے اور اس کے کمرے کا دروازہ بند ہونے سے پہلے اندر داخل ہو گئے۔

"تجھ پر فرض نہیں ہے کہ میری بات کا جواب دے۔"

"جی ہاں زندہ ہوں آپ کو نظر نہیں آ رہا۔"

"بدبخت، ذلیل، کمینی کیسے بات کر رہی ہے مجھ سے؟"

"اور کچھ۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔

"بہت سرکش ہو گئی ہے تو کیا سمجھتی ہے، کیا یہ کہ ہمیں کھلا رہی ہے تو؟"

"جی ہاں، یہی سمجھتی ہوں میں۔"

"لعنت بھیجتے ہیں ہم تیری کمائی پر۔"

"کب سے؟"

"کیا مطلب؟"

"کب سے لعنت بھیج رہے ہیں آپ میری کمائی پر؟"

"میں کہتا ہوں تو پاگل ہو گئی ہے کیا؟"

"جی ہاں، لگ نہیں رہا آپ کو میرے چہرے سے۔" وہ بولی۔

"کیا بکواس کر رہی ہے، کوئی ایک بات جو تمیز سے بتا رہی ہو۔" مرزا صاحب میں یہ خوبی تھی کہ اگر کوئی بھاری پڑ جائے تو پھر ان کے حوصلے پست ہونے لگتے تھے۔ کر بھی کیا سکتے تھے سوائے ناچنے اور گالیاں دینے کے، وہ اپنے کپڑے الماری سے نکالنے لگی اور پھر بولی۔

"میں غسل کرنے جا رہی ہوں کیا آپ کمرے سے باہر جانا پسند کریں گے؟"

"غسل کی بچی میں صبح سے بھوکا ہوں اور یہ تم لوگ صبح ہی صبح کہاں مر گئے تھے اور کہاں ہے تیری ماں؟"

"اسپتال میں ہیں۔"

"کیا....؟"

"جی ہاں، انہیں دل کا دورہ پڑا ہے۔"

"خوب، خوب، اسے پتا چل گیا ہے کہ تیرے مالی حالات بہت اچھے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بڑے آدمیوں کا مرض اپنانے کی کوشش کر رہی ہے وہ۔"

"ابو! آپ ذرا کبھی اپنے آپ کو دیکھئے، ٹٹولئے، انسانیت سے اتنے دور کیوں ہو گئے آپ، کیا شروع ہی سے آپ ایسے تھے اور ہم لوگوں کو آپ کی شناخت نہیں تھی، اور

ابو تو خدا کی قسم مجھے اپنے بھائیوں سے کوئی شکوہ نہیں رہا، درحقیقت ان میں نکل جانے کی صلاحیت تھی سکت تھی، وہ چلے گئے آپ جیسے باپ کو چھوڑ کر چلے جانا ہی مجبوری ہو سکتی ہے، اس کا مطلب ہے کہ میرے بھائی مجبور تھے، ہم لڑکیاں ہیں اور گھروں سے نکل جانا بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ جیسے باپ کے زیر سایہ رہنے سے بہتر ہے کہ انسان کھلے میدان میں دھوپ تلے زندگی گزار دے۔"

"بہت باتیں بنانا آگئی ہیں تجھے، کیا مصیبت نازل ہوئی ہے اس پر؟"

"کہا ہے نا میں نے کہ دل کا دورہ پڑا ہے اسپتال میں داخل ہو گئی ہیں۔"

"کب کی بات ہے؟"

"رات کی۔"

"مجھے کیوں نہیں بتایا گیا؟"

"آپ سو رہے تھے۔"

"تو کیا جاگ نہیں سکتا تھا؟"

"میرا تو یہی خیال تھا کہ آپ نہیں جاگ سکتے۔ آپ ہی نے جو کچھ کیا ہے اس سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔"

"کیا کیا تھا میں نے؟"

"فرخندہ کے سلسلے میں آپ نے جو کچھ کیا ہے ابو وہ ناقابل معافی ہے۔"

"پاگل کی بچی ہے تو، سب ٹھیک ہو جاتا ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ کو معلوم تھا ابو؟"

"کیا....؟"

"یہ کہ شمشاد ہیروئن پیتا ہے۔"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو کیا میں ایسا کرتا، دشمن سمجھتی ہو تم لوگ مجھے اپنا۔"

"تو پھر اس اندھے پن سے آپ نے یہ کام کیوں کیا؟"

"ارے ارے ارے، یہ تو مجھ سے بات کر رہی ہے۔"

"ہاں ابو، اب دنیا کے لئے میرے پاس یہی زبان رہ گئی ہے، کتنا اور برباد کریں گے آپ ہمیں، کتنا برباد کریں گے بتائیے کوئی حد ہے آپ کے پاس۔"

"وہ اصل میں جلال خان۔"

"تو جائیے پھر جلال خان کو قتل کر دیجئے جا کر جس نے یہ کام کرایا ہے۔"

"نمٹوں گا میں اس سے مگر تو یہ کر، دیکھ مجھے بھوک لگ رہی ہے تھوڑا سا ناشتا بنا دے یہاں تو کچھ کم بخت ملتا ہی نہیں ہے۔" مرزا صاحب پھر اپنی پر آ گئے اور وہ پھیکی سی ہنس کر کمرے سے باہر نکل آئی اور باورچی خانے کی سمت چل پڑی۔

جو کچھ بھی بن پڑا اس نے مرزا صاحب کے لئے تیار کیا' ٹرے میں لگایا چائے بنائی' خود بھی چائے پی' فیروزہ بیگم کی طرف سے کچھ اطمینان ہو گیا تھا۔ مرزا صاحب کو ناشتا دیا تو وہ مطمئن ہوئے اب تک جو باتیں کرتے رہے تھے یا جو کچھ اس نے کہا تھا وہ ان کے ذہن میں بھی نہیں رہیں تھیں' ناشتے میں جت گئے' وہ کہنے لگی۔

"ابو! میں نے آپ کے لئے کچھ چیزیں باورچی خانے میں رکھ دی ہیں' مجبوری ہے یہی کھانا ہو گا' اس کے بعد شام کو دیکھوں گی ہو سکا تو کچھ بازار سے لے آؤں گی۔ آپ اسی پر گزارا کریں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے اب مجبوری ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔" مرزا صاحب نے گردن ہلائی' غسل خانے میں جا کر اس نے غسل کیا' لباس پہنا اور پھر فیکٹری چل پڑی' راستے بھر مرزا صاحب کے بارے میں سوچتی آئی تھی' کمال کے انسان ہیں' کچھ عجیب سی فطرت ہو گئی ہے' اب تو برا ماننے کے بعد بھی فوراً ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں' نہیں ایک بیمار آدمی کے لئے برے انداز میں کیا سوچا جائے۔ بیمار ہی تو ہیں۔ معذوری نے ان کی ذہنی قوتیں بھی ماؤف کر دی ہیں' ورنہ ایسے تو نہیں تھے' نہ جانے کیوں اس کے دل کے گوشے نرم ہونے لگے۔ مرزا صاحب سے اتنے سخت الفاظ استعمال کئے تھے اس نے' لیکن اس کے باوجود وہ ناشتا مانگنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ فیروزہ بیگم زندہ رہیں گی یا مر جائیں گی' عجیب ہیں ابو آپ بھی کمال ہیں۔

پھر وہ فیکٹری کے معاملات میں مصروف ہو گئی۔ دن میں دوبارہ اسپتال فون کیا اور وہاں اس نرس کو بلایا جس کا نام جمیلہ تھا۔ جمیلہ نے اطلاع دی کہ فیروزہ بیگم کی حالت بہت بہتر ہے۔ ڈاکٹر مناسب طریقے سے دیکھ بھال کر رہے ہیں اور اب انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بہرحال وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ شام کو دفتر سے سیدھی اسپتال پہنچی اور ماں کے پاس جا بیٹھی۔ نرس واقعی فیروزہ بیگم کی اچھی دیکھ بھال کر رہی تھی' اس نے کہا۔

"ابھی تو اسپتال کے لباس موجود ہیں لیکن آپ ان کے ایک دو جوڑے کپڑے پہنچا دیجئے گا۔"

"کل لے آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"امی آپ گھبرا تو نہیں رہیں یہاں؟"

"اسپتال تو اسپتال ہی ہوتا ہے بیٹی' اپنے باپ کا خیال رکھنا۔"

"جی۔"

اسے خیال آ گیا کہ شام ہو چکی ہے' فیروزہ بیگم سے اجازت لی اور گھر چل پڑی' راستے

میں ایک ہوٹل سے بہترین کھانا پیک کرایا۔ اب اسے یہ ساری باتیں آ گئی تھیں اور وہ حالات سے اس قدر اجنبی نہیں رہی تھی۔ گھر پہنچی تو مرزا صاحب کی کیفیت خراب ہو رہی تھی۔ اسے گھورتے ہوئے بولے۔

"کچھ کھانے کو لائی ہو میرے لئے؟"

"ابھی دیتی ہوں ابو۔ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔"

"میرا دل تو سارا دن خوش ہوتا رہا ہے' کم بخت اور کوئی بھی تو نہیں ہے جو کھانے پینے کو دے سکے۔" پھر جب کھانا مرزا صاحب کے سامنے پہنچا تو ان کی دن بھر کی شکایتیں دور ہو گئیں۔ کھانے کی تعریفیں کرتے رہے تھے اور پوچھتے رہے تھے کہ کون سے ہوٹل سے لائی ہے۔

سات دن گزر گئے۔ فیروزہ بیگم کی حالت اب بہت بہتر تھی' لیکن ڈاکٹروں نے خصوصی ہدایت کر دی تھی کہ اگر گھر لے جایا جائے تو پوری طرح خیال رکھا جائے ورنہ دوسرا دورہ جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے جس کے امکانات رد نہیں کئے جا سکتے۔ دواؤں کا استعمال مسلسل جاری رکھا جائے' آٹھویں دن وہ فیروزہ بیگم کو گھر لے آئی۔ خطرہ تھا تو بس مرزا صاحب سے۔ لیکن اس دوران اس نے مرزا صاحب کو اتنا خوش رکھا تھا کہ وہ اب بہت سی شکایتیں بھول گئے تھے۔ سختی تو کی تھی اس نے لیکن خیال بھی پورا پورا رکھا تھا۔ اس دوران فرخندہ کو اس بارے میں اطلاع بھی نہیں دی گئی تھی۔ ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے ذرا بہتر ماحول درکار تھا۔ فیروزہ بیگم اسپتال میں بھی فرخندہ کے بارے میں پوچھتی رہتی تھیں اور اس نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے کہہ دیا تھا کہ جا تو نہیں سکی ہے لیکن ٹیلی فون پر بات چیت ہوتی رہتی ہے۔

اس نے فرخندہ کو ان کی بیماری کی اطلاع نہیں دی اور اس سے خیال سے نہیں دی کہ اگر ان لوگوں نے اسے آنے نہ دیا تو بلاوجہ فرخندہ پریشان ہو گی۔

فیروزہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھیں۔ بہرحال مرزا صاحب نے بھی فیروزہ بیگم کا اچھا ہی استقبال کیا تھا۔

"...کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"خیال رکھا کرو اپنا' کھایا پیا کرو' خواہ مخواہ بیمار پڑ گئیں۔" مرزا صاحب نے بس اتنی ہی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ پھر اسی شام رخشندہ کا امریکہ سے خط آیا' خاصا لمبا چوڑا خط تھا۔ تابندہ نے اس خیال سے اس خط کو پڑھا کہ کہیں اس میں بھی کوئی ایسی بات نہ ہو جو دوسرے دورے کا باعث بن جائے لیکن خط بے حد خوشگوار تھا۔ ماں کا دل خوش کرنے کے لئے وہ خط لے کر فیروزہ بیگم کے پاس پہنچ گئی۔

"ذرا بتایئے تو سہی امی کس کا خط ہو سکتا ہے؟" اس نے کہا۔

"ایں....؟"

"کس کا خط ہو سکتا ہے؟"

"کس کا ہے؟"

"آپ بتایئے۔"

"نہیں تم خود بتا دو۔" فیروزہ بیگم نہ جانے کس خیال سے آزردہ ہو گئیں۔

تابندہ فوراً ہی سمجھ گئی کہ بیٹوں کا خیال آ گیا ہے' ممکن ہے یہ امید دل میں بیدار ہوئی ہو کہ کسی بیٹے نے خط بھیجا ہے حالانکہ ان ناخلفوں سے ایسی توقع نہیں تھی' چنانچہ وہ جلدی سے بولی۔

"رخشندہ کا ہے' امریکہ سے آیا ہے۔" فیروزہ بیگم کا چہرہ کھل اٹھا' جلدی سے بولیں۔

"خوش تو ہے نا وہ' ذرا پڑھ کر سناؤ۔"

"جو لکھا ہے وہ سب سنا دوں۔" تابندہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں کیوں؟"

"بس بس ایسے ہی میرے نام لکھا ہے۔"

"سناؤ تابندہ زندگی میں کسی خوشی کا تو احساس ہوا۔" فیروزہ بیگم نے کہا اور تابندہ خط پڑھنے لگی۔

"پیاری باجی' السلام علیکم۔

باجی بہت دن کے بعد خط لکھ رہی ہوں شرمندہ ہوں' اصل میں بس نعمان تو عجیب و غریب انسان نکلے' بڑی انوکھی فطرت کے مالک ہیں' کہتے تھے کہ انہیں اپنے فن سے زیادہ پیار ہے' بیوی کوئی بھی ہو۔ وہ اسے بیوی کا مقام دیں گے لیکن ان کا فن ان کی میراث ہے باجی' سب بھول گئے' یہاں آ کر' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مجھے گھمانے لے چلے۔ اصل میں آنٹی بہت اچھی ہیں انہوں نے بھی کہا کہ بھئی یہ کیا آخر رخشندہ کے بھی کچھ جذبات ہوں گے ان جذبات کی پذیرائی کرنا تمہارا فرض ہے' انہوں نے کہا کہ امی عورتوں کے جو جو کچھ جذبات ہوتے ہیں براہ کرم مجھے لکھ کر دے دیجئے گا' میں ٹھہرا ڈاکٹر آدمی' مجھے جذبات میں اسپشلائزیشن کرنے کا شوق کبھی نہیں رہا' آپ ذرا تھوڑی سی عورت کی نمائندگی کر دیجئے' بس جناب اس کے بعد ہم لوگ کہاں کہاں گھومے' میں تمہیں کیا بتاؤں' حالانکہ میں نے بھی کہا۔ نعمان نے بھی کہا' لیکن آنٹی خود ہمارے ساتھ جانے کے لئے

تیار نہیں ہوئیں' کہنے لگیں کہ کباب اور ہڈی کا تصور اپنی جگہ ایک مکمل حقیقت ہے اور میں ہڈی نہیں بنوں گی کسی بھی قیمت پر۔ بس واپس واشنگٹن آ گئے ہیں' ہمارا گھر بے حد خوبصورت ہے اور ہم یہاں بڑے سکون سے رہتے ہیں ہمارے ہی وطن کے دو ملازم ہمارے ساتھ رہتے ہیں' گھر کے سارے کام کاج انہوں نے ہی سنبھال لئے ہیں۔ آنٹی سوشل ورک کرنے لگی ہیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ مصروف رکھتی ہیں۔ جب نعمان کو فرصت ہوتی ہے تو وہ بھی ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ زندگی ایک دم ہی بے حد حسین ہو گئی ہے اور اس زندگی میں باجی آپ بہت یاد آتی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ آپ لوگ بھی یہاں آئیں' نعمان تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ سب کو یہیں بلا لو' لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے' باجی مجھے تمام لوگوں کی خیریت لکھئے' سب کو سلام کہہ دیجئے گا۔ فرخندہ کیسی ہے' ویسے شاید کافی عرصے تک ہم لوگ وطن واپس نہ آ سکیں لیکن اچھا ہی ہے باجی اپنے آپ کو یہاں ایڈجسٹ کرنا ضروری ہو گا۔ اچھا پھر سب کو سلام اور خدا حافظ۔

آپ کی رخشندہ۔"

فیروزہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' رخشندہ کی یاد دل میں آ گئی تھی۔ کچھ یادیں بھی اس کے ساتھ ہی تازہ ہو گئی تھیں' بہت دیر تک خاموش رہیں پھر کہنے لگیں۔

"تقدیر کی بات ہے بیٹی اور تقدیر بنانے والے ہاتھ آزاد ہوتے ہیں۔ کاش تم دونوں کو نعمان جیسا ہی کوئی مل جاتا۔" پھر وہ ایک دم خاموش ہو گئیں شاید انہیں یاد آ گیا کہ نعمان کا رشتہ تو تابندہ کے لئے ہی تھا۔ وہ تو بس مرزا سخاوت بیگ' شوہر کے تصور کے ساتھ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

تابندہ بھی بہن کی خوشی سے بہت خوش تھی۔ ایک طرف فرخندہ کا غم تو دوسری طرف خوشی' کیا تضاد ہے زندگی میں۔ فرخندہ کے بارے میں ابھی تک کوئی مناسب فیصلہ نہ کر سکی تھی' لیکن کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لینا بڑا ضروری تھا۔ کچھ ایسا قدم اٹھانا ہو گا کہ فرخندہ کی یہ مشکل حل ہو جائے' لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بیگم حسین نے اس کم بخت تمشاد کے علاج کے لئے کیا کیا کوششیں نہیں کی ہوں گی' لیکن وہ باز ہی نہیں آ رہا ہو تو کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے۔

اس رات اپنی خواب گاہ میں لیٹ کر اس کے ذہن میں رخشندہ کا خیال آتا رہا وہ اس کی باتوں سے مسرور تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور پھر رات کو اس

نے ایک خواب دیکھا ایک ایسا خواب جس نے اسے ذہنی طور پر منتشر کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ دلہن بنی ہوئی بیٹھی ہے' سرخ دوپٹہ سر پر جھول رہا ہے گردن جھکی ہوئی ہے' دوپٹے کا پلو سیج پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر اچانک ہی تپش کا سا احساس ہوا اور اس نے دیکھا کہ دوپٹے کا پلو دھواں دے رہا ہے۔ پھر یہ دھواں آگ میں تبدیل ہوا اور آگ شعلہ‌اں میں اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ سارا آنچل جل گیا تھا۔

□

چھٹی کا دن تھا اور شامی نے انیلا کے ساتھ مل کر پروگرام بنا لیا تھا۔ وہ کار لے کر سیر کے لئے نکلا تھا۔ امینہ بیگم کو بھی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے بہت منع کیا تھا اور کہا تھا کہ میں بچوں کے ساتھ کہاں کدکڑے مارتی پھروں گی لیکن شامی نے بڑے پیار سے کہا تھا۔

"آنٹی آپ یقین کریں ہم نے آج تک کسی معمر خاتون کو کدکڑے مارتے نہیں دیکھا۔ کیا آپ ہماری یہ خواہش پوری کر دیں گی؟"

امینہ بیگم ہنس پڑیں' کہنے لگیں۔ "یقین کرو شامی میں نے خاص طور سے تمہیں اپنے ناول کا کردار بنایا ہے تمہارے بارے میں جو کچھ لکھ رہی ہوں بس ذرا اسے پڑھنا پھر دیکھوں گی تمہاری تمام شرارتیں۔"

"ایک تو لکھنے لکھانے والوں کے ہاتھوں میں یہ بڑی پاور ہوتی ہے کہ جس پر چاہا لکھ دیا اور بس خیر کچھ بھی ہو آپ کا جو دل چاہے لکھیں لیکن چلیں گی آپ ہمارے ساتھ۔"

اور اس کے بعد وہ ان لوگوں کو نہ جانے کہاں کہاں گھماتا پھراتا رہا تھا۔ مختلف علاقوں میں' ساحل سمندر پر' انیلا اس کی بہترین دوست تھی اور زیادہ تر دونوں اب ساتھ ہی رہنے لگے تھے۔ شامی نے انیلا سے کہا تھا کہ وہ اسے بہت بڑا آدمی بنائے گا اور اس نے یہ کام شروع بھی کر دیا تھا۔ انیلا ایک بہترین سکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھی اور اس کے لئے ایک شاندار ٹیوٹر مقرر کیا گیا تھا جس سے شامی نے درخواست کی تھی کہ بچی جتنا وقت ضائع کر چکی وہ اسے کور کروانے کا منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا اور انیلا خود بھی شوق سے پڑھ رہی تھی۔

بہرحال ایک نہایت مسرور دن گزرا' امینہ بیگم نے بھی قہقہے لگائے لیکن کبھی کبھی سہم کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی تھیں۔ شامی ٹھہرا ایک ہی کائیاں' ایک جگہ کہنے لگا۔

"آنٹی آپ کی جو یہ وحشت زدہ نگاہیں چاروں طرف بھٹکتی ہیں آپ کا کیا خیال ہے میں ان سے ناواقف ہوں۔"

"کک کیا مطلب؟" امینہ بیگم پریشانی سے بولیں۔

"آپ تلاش کر رہی ہیں اپنے ماضی کو۔"

"نن.... نہیں تو۔"

"نہیں آنٹی جھوٹ بولنے کی تو ہمارے درمیان ضرورت ہے ہی نہیں چاہے کیسی بھی بات ہو' یہ معاہدہ طے ہے ہمارے درمیان کہ ہم جھوٹ نہیں بولیں گے۔"

"ہاں میں ڈرتی ہوں کہ وہ خوف ناک صورت مجھے پھر نظر نہ آ جائے۔"

"فرید احمد صاحب کی بات کر رہی ہیں؟"

"ہاں۔ اب تو یقین کرو کہ نام سن کر بھی وحشت ہوتی ہے بس ایک ڈراؤنا خواب محسوس ہوتا ہے۔"

"کیا آپ اس بات پر یقین کریں گی آنٹی کہ اب وہ آپ کے لئے ڈراؤنا خواب نہیں بلکہ آپ ان کے لئے بہت ڈراؤنا خواب ہیں۔" شامی نے کہا اور امینہ بیگم پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گئیں۔

بڑا حسین دن گزرا تھا رات کو کہیں جا کر ساحل سمندر سے واپسی ہوئی اس کے بعد ایک شاندار ہوٹل میں ڈنر کیا گیا۔ انیلا کی تو صورت ہی بدلتی جا رہی تھی' اتنی پیاری ہوتی جا رہی تھی وہ کہ بس دیکھ کر انسان کو پیار آ جائے ایک دم سے اس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

کھانے کے بعد سب لوگ گھر واپس آ گئے۔ اپنے کمرے میں اپنے بستر پر آرام کرتے ہوئے صاعقہ کسی سوچ میں گم تھی۔ فراز نے کہا۔

"محترمہ کس سوچ میں ڈوبی ہوئی ہیں' کیا آپ کے نصف بہتر آپ سے پوچھ سکتے ہیں؟"

"کون سی بات ایسی ہے' جو آپ سے چھپائی جائے۔"

"واہ واہ واہ' لیکن استاد ان جملوں میں اب کوئی تبدیلی ہونی چاہئے۔"

"مذاق تو نہیں اڑائیں گے آپ میرا؟"

"توبہ توبہ' ہم نے زندگی میں کبھی کبوتر نہیں اڑائے مذاق کیا اڑائیں گے۔"

"آپ پر بھی شامی کا اثر ہوتا جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب یہ شامی کا اثر تو ہم پر بہت عرصے سے ہے۔"

"نہیں اب آپ ان کی باتوں میں مزاح کا رنگ کچھ زیادہ ہی آ گیا ہے۔"

"آ گیا ہے؟"

"وجہ؟"

"تم۔"

"میں.....؟" صاعقہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔"

"بھئی میں کیوں؟"

"ظاہر ہے زوجہ بیگم' اب ہمارے تمہارے درمیان اتنا گہرا ربط ہے کہ ہماری شخصیت پر تمہارے ہی اثرات مرتب ہونے چاہئیں۔"

"نہیں واقعی میں سنجیدگی سے ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں بتائیں گے؟"

"وعدہ' بتائیں گے ضرور بتائیں گے جناب عالی ہماری مجال کہ آپ کو کوئی بات نہ بتائیں۔"

"شامی کے سلسلے میں آپ نے اس دن کیا کہا تھا؟"

"کس دن؟"

"بھئی اس دن جب آپ اور ہم شامی کے بارے میں بات کر رہے تھے اور شامی موجود تھے؟"

"یاد نہیں آ رہا' ذرا کچھ اتا پتا ہو جائے۔"

"ان کی محبت کے بارے میں۔"

"ہاں ہاں' ہو رہی تھی بات۔"

"اور آپ نے ایک انوکھی بات کہی تھی۔"

"میڈم کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"بالکل بات واقعی انوکھی ہے' لیکن ہے۔"

"سنجیدہ تھے آپ؟"

"یعنی کمال ہے اس دن سے آپ یہی سوچ رہی ہیں کہ ہم سنجیدہ تھے یا نہیں۔"

"پلیز آپ کو میری قسم سچ سچ بتایئے۔"

"ارے باپ رے' کیا خوفناک ہتھیار ہے یہ قسم بھی ہاں اس میں کوئی شک نہیں صاعقہ کہ مجھے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ غیر سنجیدہ شامی کم از کم میڈم کے بارے میں سنجیدہ ہے۔"

"لیکن آخر کیوں' یہ کیسے ممکن ہے' میڈم کی تو عمر بھی کافی ہے ان کے سر کے بہت سے بال سفید ہو چکے ہیں اور پھر چہرے سے بھی عمر بہت زیادہ لگتی ہے اور اس کے علاوہ شامی کی باس ہیں۔"

"بے شک ہیں' لیکن شامی نہ جانے کیوں شروع ہی سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہیں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرا.....؟"

"ہاں ظاہر ہے تجربہ تو آپ کا بھی ہے۔"

"اب تو واقعی میرا تجربہ ہے' خاص طور سے محبت کے بارے میں۔" فراز نے صاعقہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' پلیز دیکھئے اس وقت مذاق نہیں ہو رہا' ظاہر ہے اب ہم لوگوں کو شامی کی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ آخر وہ کب تک اس طرح پھرتا رہے گا اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تو ضروری ہو گا۔"

"ہاں ظاہر ہے آپ اس کی بھابی بیگم ہیں اور سنا ہے کہ بھابی بیگم ماں کی جگہ ہوتی ہیں۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ ماں کے سینے میں کیسے جذبات ہوتے ہیں' لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ شامی بھیا کو میں بہت پیار کرتی ہوں' بہت چاہتی ہوں میں انہیں۔ ان کی شرارتوں سے میرا خون بڑھتا ہے' بہت پیارے ہیں وہ مجھے۔ اس کی وجہ شاید یہی ہو کہ میرا کوئی سگا بھائی نہیں ہے' بہرحال بات پھر ٹال دی آپ نے۔"

"بھئی صاعقہ معاملہ میرے لئے خود الجھا ہوا ہے' میڈم ایک بہت بڑے ادارے کی مالک ہیں۔ اب تمہیں اس کے بارے میں تفصیل بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ بے شمار افراد کام کرتے ہیں وہاں شامی جیسے اکھڑ مزاج اور خطرناک آدمی کو جو منہ پر نہ جانے کیا کچھ کہہ دینے کا عادی ہے' پہلی بات تو یہ کہ پرچیز آفیسر کی حیثیت سے جگہ دینا بھی ایک مشکل کام تھا لیکن اسے جگہ ملی۔ خیر آدمی وہ ایسا ہے کہ جس کام پر قابو پا لے اور کرنے پر تل جائے تو پھر کر کے ہی ہٹتا ہے۔ یقینی طور پر اس نے گارمنٹ سٹی کو اس طرح سنبھال لیا ہو گا کہ میڈم اس کی دست نگر ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد میڈم کی عنایات کا سلسلہ شروع ہوا' ہمیں فلیٹ دیا گیا شامی کی تمام بدتمیزیاں برداشت کر لی گئیں۔ پھر یہاں تم دیکھو ایک اتنی بڑی خاتون نے ہمارے معاملات میں کس طرح دلچسپی لی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ شامی کی ان سے یگانگت اور پھر شامی نے مجھے آج تک جو کہانیاں سنائی ہیں ان سے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ میڈم کے دل میں شامی کے لئے کوئی خاص جگہ ہے۔"

"ہوں یہ تو بڑا انوکھا مسئلہ ہے لیکن فراز ان کی عمروں کے فرق کو کیا کیا جائے؟"

"دیکھو صاعقہ اول تو یہ کہ میڈم کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے کہ انہیں اس سلسلے میں ناکارہ قرار دے دیا جائے' بے شک شامی سے اچھی خاصی بڑی ہوں گی لیکن اصل مسئلہ یہی ہے کہ ان کے دل کو کون ٹٹولے۔"

"اگر میں یہ کوشش کروں تو؟"

"کر سکو گی؟"

"ڈرتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"بس یہ کہ برا مان گئیں تو کیا سوچیں گی۔ انہوں نے ہمارے ساتھ اتنا کچھ کیا ہے اور ہم ان کی ان محبتوں کے جواب میں ایسی احمقانہ باتیں سوچ رہے ہیں۔"

"ہاں ہے تو سہی۔"

"دوسری شخصیت امی کی ہے' امی اس سلسلے میں بات کر سکتی ہیں۔"

"ہوں' لیکن سوال وہی پیدا ہوتا ہے' نہیں یار صاعقہ مناسب نہیں ہو گا۔ ابھی اس سلسلے کو خود ہی آگے بڑھنے دو دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"کس وجہ سے کہہ رہے ہیں؟"

"بھئی تم سمجھتی نہیں ہو' یہ ایک بہت چھوٹی بات ہو گی بالکل عامیانہ قسم کی اگر ہم میڈم سے یہ کہیں کچھ کہیں ان عنایات کا مطلب یہ تو نہیں ہے کچھ وہ ہماری سطح کو پہنچ گئیں یا شامی کے بارے میں ان سے بات کریں' وہ کیا سوچیں گی ہمارے بارے میں اگر ان کے دل میں یہ خیال نہ ہوا تو؟"

"ہوں' واقعی مسئلہ تو ہے سوچنے والا۔"

"اسی لئے میں کہتا ہوں کچھ ابھی ذرا بات کو آگے بڑھنے دو' شامی خود بہت منہ پھٹ ہے' وہی اس سلسلے میں بات آگے بڑھا سکتا ہے۔"

"تو پھر شامی سے بات کیجئے نا۔"

"یار' وہ غیر سنجیدہ آدمی کوئی جواب ہی صحیح طور پر نہیں دیتا۔"

"میں خود کروں گی کسی وقت یہ بات۔"

"تو شامی کا تذکرہ ختم ہوا اب ہمارا ذکر شروع ہو جائے۔" فراز نے صاعقہ کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور صاعقہ کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں۔

❑

فرخندہ زندگی کے دن گزار رہی تھی۔ بہت سی باتیں ذہن کے پردوں سے ٹکراتی تھیں اور اسے اپنی حسرتوں کا احساس ہوتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جھلتی رہتی تھی۔ شمشاد نے ابھی تک اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا تھا جو اسے ناگوار گزرتا' وہ تو کسی سلسلے میں دلچسپی لینے والوں میں سے تھا ہی نہیں۔ نشہ اکھڑتا تو خوشامدیں کرتا' ہاتھ جوڑتا پاؤں پکڑ لیتا اور اپنی طلب پوری کرنے کے لئے کہتا' ماں باپ بھی عاجز تھے۔ خالق حسین صاحب تو کسی مسئلے میں بولتے ہی نہیں تھے' لیکن بیگم حسین کو کبھی کبھی روتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور پھر ان کی ساری جھنجلاہٹیں فرخندہ پر ہی اترتیں۔

"یہ تو اور مصیبت آ گئی ہمارے سر' لائے تو تھے یہ سوچ کر کچھ ذرا ہلکے گھرانے کی لڑکی تعاون کرے گی' ورنہ کیا یہی بدبخت رہ گئی تھی ہمارے لئے' چہرے پر کبھی خوشی کی لہر ہی نہ دیکھی' جب دیکھو منہ سوجا ہوا' آنکھیں چڑھی ہوئیں جیسے کوئی بہت بڑا احسان کیا ہے'

اے بی بی کاروں میں گھومتی ہو' بنگلے میں رہ رہی ہو' آس پاس ملازم چکراتے رہتے ہیں' گھر کے کسی کام میں ہاتھ ڈالنا نہیں پڑتا' کیا یہی معیار تھا تمہارے گھر کا اور اب تم ہر وقت سوجی سڑی رہتی ہو۔ اے بی بی کوشش کرو اپنا مستقبل بنانے کی۔"

"کیا کروں امی' سمجھ میں بھی تو نہیں آتا۔"

"لو یہ اسکول بھی ہمیں ہی کھولنا پڑے گا۔ شوہر کو رجھانے کے گن سیکھو بی بی' اسے اپنی جانب مائل کرو' تم تو یوں لگتا ہے جیسے اندر کے اکھاڑے سے اتری ہوئی اپسرا ہو' بس اپنے آپ میں ہی لئے دیئے رہتی ہو۔"

"مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"تو تجربہ حاصل کرو۔"

"میں کوشش کرتی ہوں لیکن....؟"

"ہاں ہاں لیکن وہ مانتا نہیں ہے۔ ارے اگر وہ مانتا تو ہم ہی نہ اسے منا لیتے۔ تمہاری کیا خاص ضرورت تھی ہمیں دیکھو بی بی اس گھر میں تمہاری جگہ صرف اسی کے نام پر ہے' اگر تم اسے سمجھانے اور سنبھالنے میں کامیاب ہو گئیں تب تو ٹھیک ہے ورنہ تم خود سوچو ہمیں تمہارا کون سا اچار ڈالنا ہے۔"

فرخندہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ جاتی لیکن وہ خود بھی ڈرامے کرنے کی عادی نہیں تھی' کیا کرتی کس سے کہتی' بس خاموشی سے صبر کے گھونٹ پی کر رہ جاتی تھی' گھر کے کام کاج میں دلچسپی لیتی تھی' سب کچھ کرتی تھی لیکن شمشاد کسی طور پر قابو میں آنے والوں میں سے نہیں تھا وہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ اسے سنبھالنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کم بخت کو سنبھالنے کے لئے ایک اور زندگی ضائع کر دی گئی تھی۔ یہ ان لوگوں کی درندگی تھی۔

بہت دن گزر گئے تھے نہ تابندہ کا فون آیا تھا اور نہ ادھر سے کوئی آیا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے اپنی ساس سے کہا۔

"امی ایک بات کہوں؟"

"جی فرمایئے۔"

"کیا میں ایک آدھ دن کے لئے اپنے گھر ہو آؤں؟"

"دماغ خراب ہوا ہے کیا؟"

"اس میں حرج کیا ہے' آپ کو اب تک اندازہ ہو چکا ہے کہ میرے گھر والوں میں سے کوئی کسی معاملے میں کچھ نہیں بولتا۔ ہم سب خاموش رہتے ہیں اور.... اور امی اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہیں سے ہماری کوئی مدد کی جائے۔"

"دیکھو میں یہ فضول باتیں قطعی پسند نہیں کرتی' میں نے پہلے بھی کہہ دیا تھا تمہاری بہن سے بھی اور تمہارے گھر والوں سے بھی کہ یہ گھر آنے جانے کا چکر مجھے سخت ناپسند ہے

میں اس سلسلے میں کوئی بات سننا پسند نہیں کروں گی۔"

"کیا فضول باتیں کرتی ہو تم ہر وقت انسان کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کر سکتیں تم۔" خالق حسین بولے بغیر نہیں رہ سکے۔

"اچھا یہ اچانک ہی آپ پر ہمدرد انسانیت کا بھوت کیسے سوار ہو گیا؟"

"اس لئے کہ انسان ہوں۔"

"جناب انسان صاحب! اپنی فضول باتوں کو اپنی حد تک رکھئے اور خبردار جو گھر کے معاملات میں ٹانگ اڑائی۔"

"سنو معزز خاتون، اصل میں غلطی میری ہے، بہت زیادہ غلطی ہے کہ تمہیں اس طرح سر پر بٹھا لیا۔ اصولی طور پر شریف لوگ یہ کرتے نہیں ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر عورت ٹیڑھی ہو تو ہر شریف آدمی کو اپنا جوتا مضبوط رکھنا چاہئے۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ، آج تو بڑی سکندر اعظم جیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، مجال ہے کسی کی کہ مجھ پر جوتا اٹھائے۔"

"فرخندہ! جاؤ تیار ہو جاؤ۔" خالق حسین بولے۔

"مجال ہے فرخندہ کی، مار مار کر سر گنجا کر دوں گی۔"

"اگر فرخندہ پر کسی نے ہاتھ بھی اٹھایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ فرخندہ تمہیں پتا ہے میں شمشاد کا باپ ہوں۔"

"جی ابو۔"

"تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو، جاؤ تیار ہو جاؤ۔"

"ابو میں۔"

"اگر تیسری بار بھی مجھے تم سے یہ الفاظ کہنا پڑے تو مجھے شرم محسوس ہو گی اور میں اپنے آپ کو ذلیل محسوس کروں گا۔ سمجھیں تم؟"

"جی ابو۔" فرخندہ نے مسز حسین کی جانب دیکھا اور مسز حسین ہونہہ کہہ کر رخ بدل کر چلی گئیں۔ اصل میں انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت خالق حسین کے تیور خراب ہیں۔ بہرحال مرد تھے۔ اگر آ ہی گئے اپنی سی پر تو حالات بگڑ جائیں گے اور خواہ مخواہ بہو کے سامنے پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ اس لئے خاموش ہو گئیں۔

فرخندہ لرزتے دل کے ساتھ اندر پہنچی۔ وہ اس بات کی منتظر تھی کہ ابھی پیچھے پیچھے مسز حسین آئیں گی اور اس کے ساتھ سختی کریں گی لیکن مسز حسین کی شاید ہمت نہیں پڑی تھی وہ نہیں آئیں اور فرخندہ تیار ہو گئی۔ خالق حسین صاحب باہر موجود تھے۔ مسز حسین کا پتا نہیں تھا، باہر نکل کر اس نے کہا۔

"ابو، مجھے واپس بھی آنا ہے۔"

"ہاں تو پھر....؟"

"آپ کو اندازہ ہے کہ یہاں آ کر کیا ہو گا؟"

"میں تم سے اس موضوع پر بھی بات کروں گا لیکن یہ سب کچھ، یہ سب کچھ.... چلو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو، ڈرائیور نے گاڑی نکال لی ہے چلو میرے ساتھ۔" وہ فرخندہ کو لے کر باہر آ گئے، گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور اس کے بعد اسے لے کر چل پڑے۔ فرخندہ کا دل کانپ رہا تھا، راستے میں خالق حسین نے کہا۔

"دیکھو بیٹا! جو کچھ ہوا ہے وہ تو ہو ہی گیا ہے اب اس کے آگے جو ہونا ہے اس کے لئے بڑا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔ ابھی گھر جا کر کوئی ایسی بات بتانے کی ضرورت نہیں جو ان لوگوں کے لئے بھی باعث تکلیف ہو۔"

"جی ابو، ٹھیک ہے۔" فرخندہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے گھر پہنچ گئی۔

اس وقت فیروزہ بیگم، تابندہ اور مرزا سخاوت بیگ ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا سخاوت بیگ کے آگے رکھی ہوئی ٹرالی میں درجنوں قسم کی چیزیں موجود تھیں اور جب ان کے سامنے کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے ہوتے تھے تو ان کا موڈ بے حد خوشگوار ہوتا تھا۔ فرخندہ اندر داخل ہوئی تو تابندہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ فیروزہ بیگ بھی خوشی سے کھل اٹھی تھیں اور مرزا صاحب بھی چونک کر فرخندہ اور خالق حسین کو دیکھنے لگے تھے پھر انہوں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اوہ سمدھی صاحب، بھئی بڑے موقع سے آئے، آؤ بیٹھو۔ دیکھو کیا کیا رکھا ہوا ہے سامنے۔ یوں لگتا ہے جیسے تمہارے آنے کی خبر ہمیں پہلے ہی سے ہو گئی تھی سب کچھ آ گیا ہے آؤ آؤ بیٹھو۔"

"کیسے مزاج ہیں آپ کے مرزا صاحب؟"

"بھئی دعائیں ہیں، لیکن لیکن..... اوہو بیٹھو بیٹھو تم سے تو بڑی اہم باتیں کرنی ہیں۔"

"جی۔" خالق حسین صاحب نے کہا اور بیٹھ گئے۔ فرخندہ اور تابندہ ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی تھیں، دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور فیروزہ بیگم عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ تابندہ نے کہا۔

"امی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ چند دن اسپتال میں بھی رہنا پڑا۔"

"اور مجھے خبر تک نہیں دی گئی؟"

"تمہیں۔" تابندہ نے عجیب سی نگاہوں سے فرخندہ کو دیکھا اور فرخندہ کی نگاہیں جھک گئیں۔ ادھر مرزا صاحب اچانک کھاتے کھاتے بول پڑے۔

"میاں خالق حسین یہ تمہارا لونڈا کیا چیز ہے؟"

"جی؟"

"سنا ہے نشہ کرتا ہے۔"

"ہاں میں نے بھی سنا ہے۔"

"کیا مطلب؟ تم باپ نہیں ہو اس کے؟" مرزا صاحب حسب عادت بولے اور خالق حسین گردن اٹھا کر انہیں دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

"ہاں ہوں تو سہی۔"

"اور تمہیں اتنا تک پتا نہیں ہے؟"

"نہیں معلوم ہے مجھے۔"

"تو پھر تمہیں شرم نہیں آئی کسی کی بچی کو تباہ کرتے ہوئے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"جی آپ بالکل درست کہتے ہیں' مجھے شرم آئی تھی۔"

"کمال کی بات کرتے ہو میاں' میں کہتا ہوں اس کے نشے کی عادت چھڑاؤ' ورنہ چار دن کے لئے میرے پاس بھیج دو ایسا ٹھیک کروں گا کہ زندگی بھر نشے کا نام نہیں لے گا۔"

خالق حسین نے مرزا صاحب کی باتوں کا برا نہیں مانا تھا خود بھی غم زدہ تھے' انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مرزا صاحب کس قسم کے آدمی ہیں خاموش ہی بیٹھے رہے' فرخندہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی حالانکہ دل میں آنسو اُمڈے آ رہے تھے۔ تابندہ نے اس وقت اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ خواہ مخواہ ماں کے ذہن پر اثر پڑتا لیکن بہرحال فیروزہ بیگم ماں تھیں' خود ہی پوچھ بیٹھیں۔

"کچھ فرق ہوا شمشاد کے اندر؟"

"جی۔"

"تجھ سے بات کرتا ہے؟"

"جی۔" فرخندہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"فرخندہ مجھے نہیں بتائے گی بیٹا' کیا سلوک ہے ان لوگوں کا تیرے ساتھ؟"

"ٹھیک ہے امی۔" فرخندہ نے کہا اور بے اختیار ہو گئی۔ اس نے اپنی سسکیاں روکنے کی بہت کوشش کی' لیکن کچھ اس طرح بے قابو ہوئی کہ زار و قطار رونے لگی۔ تابندہ گھبرا گئی تھی۔

"فرخندہ' فرخندہ' بات تو سنو فرخندہ! میری بات سنو' دیکھو دیکھو نہیں روتے بیٹا' روتے نہیں ہیں بیٹا' میں ٹھیک کروں گی' سب ٹھیک کروں گی۔"

"کیا کرتے ہیں وہ تیرے ساتھ؟"

"جینا حرام کر دیا ہے امی' جینا حرام کر دیا ہے۔ امی مجھے زندہ دفن کر دیتے آپ لوگ تو زیادہ بہتر تھا' جو کچھ میرے ساتھ کیا گیا ہے امی میں نے تو آپ لوگوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ کیوں مجھے اس جہنم میں جھونک دیا گیا ہے۔ خدا کے لئے' خدا کے لئے امی مجھے

اس جہنم سے نکال دیجئے۔ میں وہاں مر جاؤں گی' میں بہت جلدی مر جاؤں گی وہاں۔ وہ.... وہ میری زندگی کے گاہک ہیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں رہنے دیں گے' امی مجھے بچا لیجئے۔" فرخندہ پر ایک دورہ سا پڑ گیا۔ وہ زور زور سے چیخنے لگی اور اس کی ہذیانی چیخیں سن کر خالق حسین صاحب بھی گھبرا کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ مرزا صاحب کھانا پینا چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

"ارے یہ کیا ہو گیا اسے' کیا ہو گیا؟"

"مار ڈالا ہے تم نے میری بچی کو' قاتل ہو تم میری بچی کے سخاوت بیگ' خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے میری فرخندہ کے ساتھ' خدا' خدا تم سے اس کا بدلہ لے۔ سخاوت بیگ خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے' سخاوت بیگ خدا کرے تم.... تم' خدا کرے....." اور پھر اچانک ہی فیروزہ بیگم کے چہرے پر تغیر نمودار ہونے لگا' وہ خاموش ہو گئیں' انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ بہت برا ہوا ہے فرخندہ' یہ بہت برا ہوا' امی کو دل کی تکلیف ہو گئی ہے' یہ بہت برا ہوا۔" فرخندہ بلک بلک کر رو رہی تھی' خالق حسین خاموش کھڑے تھے اور مرزا سخاوت بیگ شدید طیش کے عالم میں جبڑے بھینچے فیروزہ بیگم کو دیکھ رہے تھے' جنہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں' تابندہ نے کہا۔

"اب تم جاؤ فرخندہ' جاؤ بیٹا جاؤ آرام کرو دیکھیں گے' سوچیں گے' کچھ کریں گے۔ انکل پلیز آپ اسے لے جایئے۔" تابندہ نے کہا۔

"چلو فرخندہ چلتے ہیں بیٹا؟"

"امی میں۔"

"نہیں' امی سے بات مت کرو' تم جاؤ فرخندہ میری بات مان لو' بہت جلد میں تمہارے پاس آؤں گی' بہت جلد تم سے ملاقات کروں گی۔"

"اٹھو فرخندہ' تابندہ ٹھیک کہتی ہے۔" خالق حسین نے کہا اور فرخندہ بادل نخواستہ اٹھ گئی' پھر وہ روتی ہوئی خالق حسین کے ساتھ باہر نکل گئی تھی' مرزا سخاوت بیگ کہنے لگے۔

"کیا کہہ رہی تھی یہ کمین کی بچی' اب دوسروں کے سامنے بھی میری بے عزتی کی جانے لگی ہے' ہیں' تو ذرا ہٹ جا سامنے سے تابندہ' آج میں اس سے بہت سے حساب چکا لینا چاہتا ہوں' ہٹ جا تو سامنے سے تابندہ' بس میں نے کہہ دیا ہے' آج' آج میں اسے چھوڑوں گا نہیں' آج میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" مرزا سخاوت بیگ ادھر ادھر دیکھنے لگے اور پھر ٹرالی کے نچلے حصے میں رکھی ہوئی چھری اٹھا لی' جو پھل کاٹنے کے لئے تھی' ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا لیکن یہی خون تابندہ کی آنکھوں میں بھی نظر آنے لگا تھا اس نے خون خوار لہجے میں کہا۔

"چھری سے حملہ کریں گے آپ امی پر، چھری سے حملہ کریں گے آپ امی پر، مجال ہے آپ کی آپئے ماریئے انہیں، قتل کر دیجئے، گھر میں یہ کام آپ بے شک کر سکتے ہیں اس لئے کہ یہی گھر آپ کے ظلم کا مرکز رہا ہے، ہم ہی لوگوں پر قہر بن کر ٹوٹتے رہے ہیں آپ باہر کے لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، شرم آتی ہے آپ کو باپ کہتے ہوئے، کیسے ہیں آپ اور آپ جیسے لوگ کیسے ہوتے ہیں، آپ کی آرزو نہیں ہوتی کہ آپ کے گھر اولاد پیدا ہو، قدرت کا عمل بدنصیب انسانوں کو آپ جیسے باپ کی اولاد بنا دیتا ہے اور پھر وہ ساری عمر آپ جیسے لوگوں کو بھگتتے رہتے ہیں اس لئے کہ وہ آپ کو باپ کہنے پر مجبور ہیں، چلے جایئے ابو، یہ کرسی دھکیلتے ہوئے یہاں سے چلے جایئے ورنہ اچھا نہیں ہو گا، آج بہت برا ہو جائے گا، مجال ہے کسی کی جو میری امی کی جانب ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ جائے۔ آپ ہوتے کون ہیں ان پر ہاتھ اٹھانے والے۔ میں کہتی ہوں نکل جایئے یہاں سے۔" تابندہ اتنے زور سے چیخی کہ سخاوت بیگ کے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ وہ اسے گھورنے لگے، پھر انہوں نے کرسی کا رخ بدلا اور اسے دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ تابندہ ساری جان سے لرز رہی تھی۔ سخاوت بیگ کے جانے کے بعد وہ اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی پھر ماں کے پاس آ گئی۔

"امی کیا کروں میں؟ میں بھی تو مجبور ہوں، دیکھ لیجئے نا آپ خود کیا کیا ہے ابو نے ہم سب کے ساتھ، کس طرح ہم سب کو زندگی سے دور کر دیا ہے انہوں نے۔ میں کیا کروں امی، سنبھالئے خود کو خدا کے لئے آپ بیمار ہیں اپنے آپ پر بوجھ نہ لیجئے گا، کیا کریں ہم لوگ اگر آپ نہ ہوئیں اس دنیا میں، آیئے آرام کریں آپ، سب ٹھیک کر لوں گی میں، امی اب میں سب ٹھیک کر لوں گی، ایک ایک کو دیکھ لوں گی۔ میرے اندر بہت ہمت ہے، بہت باہمت ہوں میں، میں بھول جاؤں گی کہ میں عورت ہوں مردوں کی طرح اس دنیا سے مقابلہ کروں گی اب۔ آیئے اٹھئے۔" اس نے فیروزہ بیگم کا ہاتھ پکڑا، لیکن یہ ہاتھ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔ فیروزہ بیگم کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ تابندہ کو ایک عجیب سا احساس ہوا، ایک عجیب سا شبہ ہوا اس سے پہلے اس نے موت کی شکل نہیں دیکھی تھی لیکن نہ جانے کیوں اسے ایک لمحے میں یہ احساس ہوا کہ اس وقت موت اس کے سامنے ہے اپنا عمل کر رہی ہے بلکہ کر چکی ہے۔ وہ خوف کے عالم میں ماں کے قریب بیٹھ گئی اس نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"امی۔" لیکن کوئی آواز نہ ابھری، اسے فیروزہ بیگم کے سینے میں سانس کا احساس نہ ہوا۔ اس کے سارے وجود میں موت کی سرد لہریں دوڑ گئیں، ایک بار پھر اس کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

"امی۔" پھر اس نے ماں کے سینے پر سر رکھ دیا، فیروزہ بیگم اب ایک جانب ڈھلک گئی تھیں۔ درحقیقت وہ زندگی سے محروم ہو گئی تھیں اس کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکلی۔

"امی۔" لیکن اس چیخ کو سننے والا کوئی نہیں تھا۔ فیروزہ بیگم اس دنیا سے جا چکی تھیں۔ ان مشکلات سے نجات حاصل کر چکی تھیں۔

□

مسز حسین ایک مکمل شاطر خاتون تھیں۔ ساری زندگی شوہر پر حکمرانی کی تھی، اپنی کائنات کی شہنشاہ تھیں لیکن اسی شہنشاہیت نے انہیں بدترین نقصان سے دوچار کیا تھا۔ لاڈلا شمشاد انہی کا بگاڑا ہوا تھا، باپ نے جب بھی کسی بات پر روک ٹوک کی، مسز حسین سامنے آ گئیں، بیٹے کی ہر خوشی، ہر آرزو پوری کی یہاں تک کہ بری صحبتوں نے شمشاد کو زندگی اور موت کے دوراہے پر لا ڈالا اور وہ ہیروئن کا عادی ہو گیا پھر بھی انہیں ہوش نہیں آیا تھا۔ ہر طرح کے علاج کرائے، کسی نے مشورہ دیا کہ شادی کر دیں اور ان کا شیطانی ذہن اس سلسلے میں مصروف ہو گیا۔ بہت سے چکر چلائے لیکن حقیقت کہاں چھپتی ہے۔ جن بڑے گھرانوں میں اچھی لڑکی کی تلاش کی کوشش کی، وہاں سے چھان بین ہوئی اور پتا چل گیا کہ شمشاد نشے کا عادی ہے لوگوں نے برا بھلا کہہ کر رشتہ مسترد کر دیا تو اور گہرے انداز میں سوچنے لگیں کسی نے مشورہ دیا کہ کسی معمولی گھرانے کی لڑکی کو لے آئیں اور اس کے سپرد یہ ذمہ داری کریں کہ شوہر کو سنبھالے اور اپنی جنت بنائے، نہ جانے کہاں کہاں سے گزرتی ہوئی آخر کار جلال خان تک جا پہنچیں اور جلال خان نے ایک اچھی خاصی رقم طلب کرنے کے بعد اس گھرانے کو تاک لیا، سخاوت بیگ جلال خان کے آلہ کار بنے اور یوں فرخندہ زندگی کے اس بھنور میں آ پھنسی لیکن خالق حسین کی جانب سے کسی بھی سلسلے میں اس سے پہلے اس قدر سختی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک نیا محاذ کھل گیا تھا اور اس نئے محاذ کے بارے میں انہوں نے خالق حسین اور فرخندہ کے جانے کے بعد بہت غور کیا تھا۔ خالق حسین بہرحال شوہر تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہت اچھے شوہر تھے۔ انہوں نے ہر طرح کی باتیں برداشت کی تھیں، لیکن اگر اس لہجے میں بات کر ڈالی تھی انہوں نے تو اس کا مقصد تھا کہ اس کی کوئی اہمیت تھی، اب اگر شوہر سے بھی جھگڑا مول لے لیں تو بالکل ہی تنہا رہ جائیں گی، کچھ کرنے کے لئے ہاتھ میں نہیں رہے گا۔ لیکن وہ بھی نہیں ہو سکتا جو خالق حسین چاہ رہے تھے، فرخندہ کو بہرحال پاؤں کی جوتی بن کر رہنا ہو گا۔ اسی میں مسز حسین کا وقار تھا ورنہ بات ہی کیا رہ جاتی۔

فرخندہ کو اتنا اونچا نہیں جانا چاہئے تھا لیکن خالق حسین اس کی پشت پر آ گئے تھے تو پھر سوچنے کی بات تھی، دل ہی دل میں بری طرح سلگ رہی تھیں، لیکن ہوش کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا اور ہوش کا تقاضا یہی تھا کہ گرمی سے کام نہ چلایا جائے، چولا بدلنا پڑے گا، تا

کہ خالق حسین بھی مٹھی میں رہیں' بیٹا تو کسی قابل تھا ہی نہیں اور دور دور تک اس کی آثار نہیں نظر آ۔تے تھے کہ وہ بہتر ہو سکے' لیکن کم از کم ان پر اقتدار تو قائم رہنا چاہئے۔ اگر فرخندہ سر چڑھ گئی تو بری ہو گی۔

بہت سوچنے سمجھنے کے بعد انہوں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ رنگ بدلے بغیر گزارہ نہیں ہے' چنانچہ انتظار کرنے لگیں' پھر جب خالق حسین اور فرخندہ آئے تو انہوں نے کسی قسم کا سختی کا اظہار نہیں کیا کچھ دیر تک اپنے کمرے میں رہیں' خالق حسین اپنے کمرے میں چلے گئے' جو کچھ مرزا سخاوت بیگ کے گھر پیش آیا تھا' اس پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔ واقعی اس لڑکی کے ساتھ برا ہوا تھا' جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ادھر مسز حسین' فرخندہ کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ فرخندہ کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ مسز حسین کو دیکھ کر ساری جان سے لرز گئی' اسے اندازہ تھا کہ اس وقت مسز حسین کی کیفیت کیا ہو گی' ایک طرف گھر کی مشکل اور مصائب' دوسری طرف مسز حسین کا خوف' مسز حسین اس کے پاس بیٹھ گئیں اور آہستہ سے بولیں۔

"کیا حال ہے تمہارے گھر والوں کا؟" لہجہ نرم تھا اور آواز میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث خوف ہو' فرخندہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مسز حسین کو دیکھا تو مسز حسین بولیں۔

"لوگوں کا انداز فکر کتنا برا ہے فرخندہ' وہ دوسرے کو جانور سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ انسان انسان ہوتا ہے اور جانور جانور۔ نہ جانے کیا سمجھا تھا ان لوگوں نے مجھے' نہ جانے کیا سمجھا ہے' ارے میری بھی تو مشکلات ہیں' میں خود مشکل کا شکار ہوں' کیا بن گئی ہوں میں۔ جانور سمجھتا ہے' کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ میرے سینے میں کیا آگ سلگ رہی ہے۔ فرخندہ میں وہ بدنصیب ماں ہوں جس کی نگاہوں کے سامنے اس کا بیٹا اپنا ذہنی توازن کھوئے ہوئے بیٹھا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ تمہارے اپنے کیا تاثرات ہیں میرے لئے' یقیناً تم مجھے ایک ظالم عورت سمجھتی ہو گی' لیکن فرخندہ ایسا نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ حالات سے بالکل مجبور ہو کر خود غرضی کا شکار ہو کر میں نے ایک عورت ہی کو اپنی مدد کے لئے مانگا' دیکھو شمشاد کے اندر برائیاں پیدا ہو چکی تھیں حالانکہ ہم لوگ اچھی حیثیت کے مالک ہیں' لیکن شمشاد نے جو کچھ کر ڈالا اس کے بعد بہت سے لوگوں نے اسے اس قابل نہیں سمجھا کہ اس سے اپنی بیٹی کو منسوب کریں' لیکن مجھے اپنی جیسی ایک عورت کی مدد درکار تھی۔ میں کسی ایسی ہمدرد عورت کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتی تھی جو میرے دل میں دل ڈال کر میرے بیٹے کی زندگی کے لئے جدوجہد کرے' تقدیر نے تمہیں میرے ساتھ شامل کر دیا۔ فرخندہ مجھے برا نہ سمجھو' مجھے ایک مظلوم عورت سمجھو' میری مدد کرو' مجھے تمہاری مدد درکار ہے فرخندہ' میں تم پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتی اصل میں یہ سب کچھ میرے دل کا چور تھا۔ میں چاہتی تھی کہ میرا راز فاش نہ ہو اس لئے میں نے تمہیں تمہارے گھر آنے جانے سے

[منع] کیا تھا۔ بس ایک خوف تھا میرے دل میں کہ لوگ تم سے کہیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے' تم [نے] ایسی جگہ شادی کیوں کی ہے' بس فرخندہ نہ جانے کیا کیا خیالات میرے ذہن کو کھاتے [تھ]ے جس کی بناء پر میں نے تھوڑی سی سختی کر ڈالی تھی ورنہ میں کسی کو کسی سے جدا تھوڑی [ک]رنا چاہتی ہوں۔ میں تو تمہاری مدد کی طالب ہوں' آج میں تمہیں ایک دعوت دیتی ہوں [فر]خندہ' میں تم سے ایک درخواست کرتی ہوں میری مدد کرو' خدا کے لئے میری مدد کرو۔"

پتا نہیں یہ اداکاری تھی یا اس وقت سچائی آواز بن کر منہ سے نکل رہی تھی' مسز حسین [کی] آواز میں رقت پیدا ہو گئی' فرخندہ عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک [ب]دلی ہوئی آواز تھی۔ وہ آواز نہیں تھی جو وہ اب تک سنتی چلی آئی تھی۔ مسز حسین شاندار اداکاری کر رہی تھیں اور فرخندہ کا تجربہ ان کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا' لیکن ایک بات [ح]قیقت ہے کہ جو کچھ مسز حسین نے کہا تھا وہ سچائی تھی' البتہ اس سچائی میں بس اتنی سی [ب]ات شامل تھی کہ جو کچھ بگاڑا تھا مسز حسین نے خود ہی بگاڑا تھا۔ اپنا بویا کاٹ رہی تھیں۔ [ب]رائی خود کی تھی انہوں نے اور اس کے لئے مدد کسی اور سے مانگ رہی تھیں۔ یہ ناجائز عمل تھا لیکن فرخندہ ان کے مقابلے میں کوئی تجربہ نہیں رکھتی تھی' وہ ان کی باتوں سے بہت متاثر ہو گئی تھی اور اچانک ہی اس کے اندر ایک فرض کا احساس جاگا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شمشاد برا آدمی نہیں تھا۔ کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تھا اس سے نہ وہ واسطے کے قابل تھا۔ اس نے پہلے ہی اپنی معذوری کا رونا رویا تھا اور اب دوسری کہانی مسز حسین نے سنائی تھی' جو کچھ ہو چکا تھا وہ اپنی جگہ تھا لیکن مسز حسین کا ایک درد حقیقی تھا۔ شمشاد کے لئے اگر کوششیں کر لی جائیں تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ زندگی میں کوئی ایسی بات تو تھی نہیں جس میں شمشاد سے ہٹ کر سوچا جائے زندگی بنانے کے لئے ایک کوشش کر لینا غیر مناسب نہیں ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں آپ کا ساتھ دوں گی امی' مجھے گائیڈ کیجئے' جیسا آپ کہیں گی ویسا کروں گی میں' آپ اطمینان رکھیں اب میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

مسز حسین ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں' لیکن فرخندہ کے لئے ایک [دردناک] خبر موجود تھی' وہاں سے اطلاع آئی تھی' ٹیلی فون پر تابندہ کی آواز مسز حسین نے سنی تھی۔

"کون بول رہا ہے؟"

"میں تابندہ بول رہی ہوں' مرزا سخاوت بیگ کے گھر سے بول رہی ہوں۔"

"ہاں تابندہ کہو کیا بات ہے' میں مسز حسین ہوں۔"

"آنٹی! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔" دوسری طرف سے تابندہ کی آواز سنائی دی۔

"ہیں' کیا..... کب' کیسے؟"

"بس فرخندہ کے جانے کے بعد ان کی حالت اچانک بگڑ گئی اور ان کا انتقال ہو گیا۔"

"اوہ میرے خدا' ہم آ رہے ہیں تابندہ' ہم سب آ رہے ہیں۔"

اور اس کے بعد مسز حسین نے یہ دکھ بھری خبر فرخندہ کو سنائی اور فرخندہ غش کھا کر گر پڑی' لے دے مچ گئی۔ مسز حسین نے کافی دل جوئی کا مظاہرہ کیا' فرخندہ کو سنبھالا' خالق حسین صاحب کو ساتھ لیا اور اس کے بعد تابندہ کے گھر پہنچ گئی۔

فیروزہ بیگم کی آخری رسومات کی تیاریاں ہو رہی تھیں' بے چاری چلی گئی تھیں۔ مرزا صاحب گم صم تھے' کسی سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے' پتا نہیں ان کے اپنے احساسات کیا تھے۔ بہرحال سب کچھ ہوا' تدفین ہو گئی' فرخندہ کو وہیں چھوڑ دیا گیا' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ تابندہ کو سب سے زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ رخشندہ موجود نہیں ہے۔ رات کو رخشندہ کو فون کیا گیا اور اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"رخشندہ' میں تابندہ بول رہی ہوں۔"

"ارے باجی' آپ اُفوہ' آپ نے کیسے فون کر لیا؟"

"کیوں رخشندہ مجھے فون نہیں کرنا چاہئے تھا؟"

"نہیں باجی' اتنے دن ہو گئے میری تو کوئی خبر ہی نہیں لی گئی۔"

"کیا بتاؤں رخشندہ' تمہاری خوشیوں میں مشکلات نہیں کھڑی کرنا چاہتے تھے' تم اپنی دنیا میں خوش ہو' ہم تمہیں اپنے مسائل میں نہیں الجھانا چاہتے تھے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں باجی' الگ تو نہیں ہوں' آپ لوگوں سے۔"

"ہاں' لیکن رخشندہ پتا ہے کیا بات ہے' ہم چھوٹے لوگ کسی کی طرف سے بھی ذرا سی شہ پا کر وہ کچھ کرنے لگتے ہیں جو ہمیں نہیں کرنا چاہئے اور پھر بڑے لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی غلطی کر ڈالی ہے۔ دیکھو نا بیٹا محتاط تو رہنا ہی ہوتا ہے چھوٹے لوگوں کے مسائل بھی ایسے ہوتے ہیں کہ بس....."

"نہ جانے کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے باجی؟"

"نہیں رخشندہ کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے بس یوں سمجھ لے کہ شاید ہماری سوچیں ہی غلط تھیں' شاید ہم اپنی ایسی مشکلات کا شکار تھے کہ ہماری سوچوں کا انداز بدل گیا تھا۔"

"یہ آنٹی آ گئی ہیں انہیں علم ہو گیا ہے کہ تمہارا فون ہے' بات کرو ان سے۔"

"ہاں دے دو۔" تابندہ نے کہا اور دوسری جانب سے مسز عالمگیر کی آواز سنائی دی۔

"ارے بھئی تابندہ' یہ تمہارے بہن بہنوئی قصور وار ہیں میں نہیں ہوں' انہوں نے مجھے نہ جانے دنیا کے کون کون سے حصوں کی سیر کرا دی ہے' میں اس دوران تم سے رابطہ قائم نہ کرنا اپنا جرم سمجھتی ہوں' آئی ایم سوری تابندہ یقین کرو ان لوگوں نے موقع ہی نہیں دیا اور نعمان کو نہ جانے کیا ہو گیا' بس کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پسند آ گئی ہے اسے تمہاری

بن' لئے لئے گھوم رہا ہے' نہ جانے کہاں کہاں گھما چکا ہے اسے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہم تم سے ہو گئے' بس ایک عارضی دوری تھی' ہیں' بولو ناراض تو نہیں ہو؟"

"نہیں آنٹی' آپ نے جس طرح ہم بے مایہ لوگوں کو گلے لگایا ہے' لوگ ایسا نہیں رتے' یہ آپ کی عظمت ہے آنٹی' بہت بڑی ہیں آپ۔"

"نہیں تابندہ نہیں' میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر اتنی خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی' اچھا چلو چھوڑو بتاؤ فیکٹری کیسی چل رہی ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے آنٹی' کچھ ایسے جرائم کر چکی ہوں جس کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے کس طرح معافی مانگوں۔"

"جرائم؟"

"جی ہاں' اصل میں ان جرائم میں میرا ہاتھ نہیں تھا' آپ ہمارے گھر کی تمام حالات سے واقف ہیں' ایک لمبی کہانی ہے آنٹی' یہ تو پوچھ لیجئے کہ جرم کیا کیا ہے میں نے؟"

"میں جانتی ہوں تم جرم نہیں کر سکتیں' تمہارے بارے میں میرا ایک نظریہ ہے تم جرم ہو ہی نہیں سکتیں۔"

"آنٹی' ہم نے فرخندہ کی شادی کر دی ہے۔"

"کیا؟" مسز عالمگیر کی حیران آواز سنائی دی

"جی آنٹی' میں نے نہیں ابو نے۔"

"کیا کہہ رہی ہو' کچھ نہیں سمجھ پا رہی ہوں میں؟"

"ابو نے فرخندہ کے لئے ایک رشتہ تلاش کیا' اپنے جیسے کسی دوست کی معرفت' پھر حکم صادر کر دیا کہ فرخندہ کی ایک ہفتے کے اندر اندر شادی کر دی جائے' نہ امی تیار تھیں نہ ں' لیکن شادی ہو گئی اور ایک ہفتے کے اندر اندر ہو گئی' فرخندہ اپنے گھر چلی گئی' اس کا شوہر ایک بڑے باپ کا بیٹا ہے لیکن ہیرو نچی ہے' نشے میں ڈوبا رہتا ہے۔ شاید وہ فرخندہ کو نہ بیوی کی حیثیت سے پہچانتا بھی نہیں' اس کی ساس ہیں' بڑے لوگ ہیں بیٹے کو راہ راست پر لانے کے لئے ایک غریب لڑکی سے اس کی شادی کر دی گئی تھی اور فرخندہ پر یہ ذمہ داری لگا دی گئی تھی کہ وہ اپنے شوہر کو راہ راست پر لائے' ابھی تک تو وہ اسے راہ راست پر نہیں لا سکی' لیکن اس کے غم کی داستان میری ماں کے لئے زہر قاتل ثابت ہوئی۔ وہ مر گئیں' آنٹی امی مر گئیں....." تابندہ بلک پڑی اور دوسری جانب مسز عالمگیر حیران رہ گئیں' وہ مسلسل پوچھے جا رہی تھیں۔

"کب کیسے؟" لیکن رونے کی وجہ سے تابندہ کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ مسز عالمگیر نے کہا۔

"تابندہ ہم آ رہے ہیں' جتنی جلدی بن پڑے گا' ہم پہنچ رہے ہیں' کیا کیا سنا دیا ہے تم

نے' تابندہ میں فون بند کر رہی ہوں' میں رخشندہ سے بھی تمہاری بات نہیں کراؤں گی' جو کچھ میرے کانوں تک پہنچا ہے میں اسے اپنے آپ تک ہی رکھوں گی' بس یوں سمجھ لو جس قدر جلد بندوبست ہو سکا میں آ جاؤں گی۔ تم گھبرانا نہیں تابندہ' تم گھبرانا نہیں۔ کچھ تو بولو تابندہ' سنبھالو خود کو بیٹی۔"

"آنٹی' امی مر گئیں۔" تابندہ کی سسکی ابھری۔

"میں زندہ ہوں بیٹی' میں ہوں' خود کو سنبھالو۔ تمہیں خود کو سنبھالنا ہو گا تابندہ۔"

"جی آنٹی۔"

"دیکھو بیٹی' زندگی اسی الٹ پھیر کا نام ہے اور پھر تم تابندہ تم تو ایک فولادی ستون ہو۔"

"آنٹی میں تھک گئی ہوں۔"

"نہیں چاند۔ اب تو تمہاری تعمیر مکمل ہوئی ہے۔ اب تو وہ بوجھ تمہارے شانوں تک آیا ہے جو ذمے داری کا بوجھ ہوتا ہے۔ اب تو زندگی کا امتحان شروع ہوا ہے۔"

"اب کیا ہے آنٹی' میرے لئے اب کیا ہے؟"

"نہیں تابندہ" یہ نہ کہو' کبھی کبھی کچھ ایسے بوجھ بھی اٹھانے ہوتے ہیں جو ہماری ذمے داری نہیں ہوتے لیکن جو ہماری ذمے داری بن جاتے ہیں۔ رخشندہ ہے' فرخندہ ہے اور اب تو فرخندہ تمہاری مزید ذمے داری بن گئی ہے تم اسے بلکتا چھوڑ دو گی؟ مرجانے دو گی....؟"

"آنٹی!"

"میں آ رہی ہوں جان' تم تنہا نہ سمجھنا خود کو۔ او کے میں فون بند کر رہی ہوں' او کے۔" فون بند ہو گیا۔

مسز عالمگیر آ گئیں' رخشندہ اور نعمان بھی ساتھ تھے۔ فیروزہ بیگم کے سوئم کا دن تھا' فرخندہ مسز خالق حسین اور خالق حسین بھی موجود تھے' مسز حسین کے ایماء پر خالق حسین نے تمام ذمہ داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ خود مسز حسین گھر کا ایک ایک کام کر رہی تھیں۔ اب انہوں نے جو انداز اختیار کیا تھا اسے نباہنے پر تلی ہوئی تھیں۔ رخشندہ کو راستے میں بتا دیا گیا تھا کہ صورت حال کیا ہوئی ہے۔ وہ روتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی اور بہن سے لپٹ گئی تھی۔

"ہائے باجی' اتنا دور کیوں کر دیا' ہمیں اپنے آپ سے' میرا کیا قصور تھا مجھے بتا تو دیتے کم از کم۔ میں نے کیا بگاڑا تھا آپ کا' سب کچھ کرتے رہے آپ لوگ اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی' نعمان اتنے برے تو نہیں تھے' ہمیں ذرا بھی پتا چلتا تو ہم فوراً آ جاتے۔ بتایئے کیا کچھ چھین لیا ہم سے آپ نے۔ فرخندہ کی شادی آپ نے جہاں بھی کی' جیسے بھی کی ہمیں بھی تو بلا لیتیں اور پھر ہائے آپ نے مجھے امی کی صورت بھی نہ دکھائی۔" رخشندہ

نہ جانے کیا کیا کہتی رہی۔ مسز عالمگیر بھی آبدیدہ تھیں اور مسز حسین بھی دکھاوے کے آنسو بہا رہی تھیں۔

بظاہر گھر میں ایک دلدوز فضا پھیلی ہوئی تھی۔ مسز عالمگیر تو خیر ان لوگوں سے بے پناہ مخلص تھیں۔ مرزا صاحب اپنے کمرے میں گھسے ہوئے تھے اور انہوں نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ ان کی ذہنی کیفیت کا کسی کو کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن اس دوران بھی وہ اپنے لئے کھانا پینا طلب کرتے رہے تھے اور تبصرہ آرائی بھی جاری رہی تھی۔ ناپسندیدہ چیزوں پر ناک بھوں چڑھاتے تھے لیکن اب انہیں بیمار قرار دے دیا گیا تھا۔ ذہنی طور پر غیر متوازن۔

بہرحال یہ سب کچھ چلتا رہا۔ فرخندہ یہیں موجود تھی اور سوگوار ماحول میں وقت گزر رہا تھا۔ فرخندہ کے بارے میں مسز عالمگیر کو بھی سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔ نعمان نے کہا۔

"یہ تو دھوکے بازی ہوئی ہے جس طرح بھی ہوئی وہ ایک الگ بات ہے بے شک مرزا صاحب نے ظلم کیا ہے فرخندہ پر' لیکن تابندہ ہم اسے اس طرح تو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"کیا کریں۔ بتاؤ کیا کیا جائے؟" تابندہ نے پوچھا۔

"اسے طلاق دلوا دو' ہم لوگ مکمل طور سے کارروائی کرتے ہیں۔ دیکھیں گے خالق حسین کہاں تک جاتے ہیں۔ اس دھوکا دہی کی انہیں سزا ملنی چاہئے لیکن بس اتنا ہی کرایا جائے کہ فرخندہ کو طلاق دلوا دی جائے۔"

"ویسے تو یہ مناسب نہیں ہے لیکن فرخندہ کی رائے اور لے لی جائے' بہرحال اس کی رائے لینا بھی ضروری ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی زندگی جہنم بن کر ہی گزرے گی۔"

اس دوران فرخندہ اپنے گھر چلی گئی تھی' خود گئی تھی' مسز حسین نے تو ان دنوں محبت اور یگانگت کی انتہا کر دی تھی' کئی بار مسز عالمگیر کو اپنے ہاں مدعو کر چکی تھیں' لیکن مسز عالمگیر نے نہایت نرمی سے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ موت کے گھر میں آئی ہیں کوئی دعوت قبول نہیں کریں گی۔ نعمان' رخشندہ اور مسز عالمگیر اتنی محبت سے اس گھر میں رہ رہی تھیں کہ بس کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ ایک ایک چیز کا خیال رکھ رہی تھیں۔ نعمان نے اس طرح گھر کو سنبھال رکھا تھا جس طرح بیٹے سنبھالتے ہیں ہر مسئلے میں پیش پیش' کیا مجال جو چہرے پر ذرا سی شکن ہو' حالانکہ جس معیار کا نوجوان تھا اور جس معیار کے یہ لوگ تھے اس کے تحت یہ گھر ان کے لئے بالکل ہی ناقابل قبول تھا۔ لیکن بڑائی انسان کی ذات میں چھپی ہوئی ہوتی ہے دنیاوی ماحول پر نگاہ رکھنے والے نابینا ہوتے ہیں۔ محبتوں کا تو کوئی معیار ہی نہیں ہوتا۔ بس دل کے راستے دل تک ہوتے ہیں۔ مسز عالمگیر نے کہا تھا۔

"تابندہ! فرخندہ کا مسئلہ حل ہو جائے تو تم' فرخندہ اور مرزا صاحب تینوں ہمارے ساتھ کراچی چلو' زندگی کو یکسر تبدیل کر دو' اب یہاں تمہارے لئے کیا رکھا ہے۔ بے کار ہی ہے

سب کچھ' یہ صرف لفاظی نہیں ہے' اگر تمہیں ایک لمحہ یہ احساس ہو کہ وہاں جا کر تم نے کوئی غلطی کی ہے تو تمہاری واپسی کے راستے کھلے ہوں گے۔"

تابندہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی' ہاں اس وقت دل میں ایک ہوک ضرور اٹھی تھی' یادیں فراموش تو نہیں کی جاتیں' امریکہ کی فضاؤں میں حسن کی خوشبو رچی ہو گی' کہیں نہ کہیں موجود ہو گا اور کیا عجب کہ اس کی صورت نظر آ ہی جائے۔ لیکن یہ دل کی گہرائیوں میں ایک ایسا راز تھا جسے وہ اپنے آپ پر بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس میں اس کی انا بھی چھپی ہوئی تھی۔ بہرحال مسز حسین کے علم میں لائے بغیر پہلے فرخندہ سے گفتگو کرنا ضروری تھی' چنانچہ فرخندہ کو بلایا گیا۔ مسز حسین نے اسے بڑی خوش دلی کے ساتھ نعمان کے ہمراہ روانہ کر دیا تھا آخر نعمان بہنوئی تھا۔ فرخندہ گھر آ گئی اس گھر کی فضا میں سوگ کے علاوہ اور رہ ہی کیا گیا تھا۔ فرخندہ سے گفتگو کرنے کے لئے بڑی ہمت پیدا کی گئی تھی۔ مرزا صاحب کو تو خیر اب کسی مسئلے میں شریک کرنا بالکل غیر مناسب تصور کر لیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ ان سے کسی تعمیری بات کی توقع رکھنا حماقت کی بات ہے آخر کار مسز عالمگیر نے ہی یہ ذمہ داری اپنے سر لی اور فرخندہ کے سامنے زبان کھولی۔

"فرخندہ بیٹے! اس گھر سے ہمارا جو تعلق ہے اسے نظر انداز نہ کرنا اب تو یہ ایک ہی خاندان ہے اور سچی بات یہ ہے کہ فیروزہ باجی کی موت کے بعد اس خاندان کی بڑی میں ہی رہ گئی ہوں' میں مرزا صاحب سے ان کا حق چھیننا نہیں چاہتی' لیکن وہ کوئی صحیح بات کہنے سے قاصر ہیں اس لئے ایک بڑے کی حیثیت سے ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے اسے تمہارے سامنے بیان کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی آنٹی' کہئے۔"

"فرخندہ جو کچھ کیا ہے مرزا صاحب نے اپنی نادانی سے کیا ہے اور وہ جس قسم کے آدمی ہیں میں بھی جانتی ہوں اور تم بھی' لیکن فرخندہ ہم سے زندگی میں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور ہم ان غلطیوں پر پچھتاتے ہیں' لیکن ان غلطیوں کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے اور یہی انسانی فطرت ہے۔ فرخندہ سارے حالات میرے علم میں آ چکے ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے شمشاد ایسا نوجوان نہیں ہے جس میں سدھرنے کے آثار ہوں پھر زندگی کو ایک مستقل روگ کیوں بنایا جائے۔"

"میں سمجھی نہیں آنٹی۔" فرخندہ نے کہا۔

"ہم لوگ چاہتے ہیں کہ تمہیں شمشاد سے طلاق دلوا دی جائے۔"

فرخندہ کے بدن میں کپکپی طاری ہو گئی' اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے وہاں بیٹھے ہوئے ہر شخص کی صورت دیکھی پھر دہشت زدہ لہجے میں بولی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی' کیا کیا یہ کوئی مناسب بات ہو گی؟"

"مجبوری ہے بیٹا' نہ تمہارا پہلے کوئی قصور تھا نہ اب کوئی قصور ہو گا۔ لیکن ہم تمہاری زندگی کو اس طرح کرب میں تو نہیں گزارنے دیں گے۔"

"نہیں آنٹی بالکل نہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی ایسی بات' میں نہیں جانتی کہ میری تربیت کس نے کی ہے' میری ماں خود ایک سیدھی سادی عورت تھی لیکن اب دنیا سے اتنی ناواقف نہیں ہوں میں۔ جانتی ہوں کہ دنیا کیا چیز ہے آنٹی بالکل نہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی' خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔ ایسی کوئی بات جو کچھ میری تقدیر میں لکھا تھا ہو چکا ہے اور اب مجھے تقدیر کے فیصلے کے ساتھ ساتھ سفر کرنے میں لطف آ رہا ہے' نہیں آنٹی ایک اور ماں بھی ہے میری' میں مسز حسین کی بات کر رہی ہوں' اس نے درحقیقت خود غرضی سے کام لیا اپنے ناکارہ اور بگڑے ہوئے بیٹے کو راہ راست پر لانے کے لئے اس نے ایک غریب گھر کی لڑکی کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ آنٹی یہ تو اس کی کوشش تھی' لیکن اگر تقدیر کو منظور ہوتا تو میں ہی اس عذاب کا شکار نہ ہوتی' کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔ مزا تو اسی بات کا ہے کہ اب اس زندگی کو بھگت کر دکھا دیا جائے۔"

سب کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ فرخندہ اس قدر ثابت قدم ہے اتنی چھوٹی سی عمر میں اس کے اندر یہ بڑائی موجود ہے' ناقابل یقین سی بات تھی۔ مسز عالمگیر نے کہا۔

"تو پھر یہ بتاؤ کہ تم کیا کرو گی؟"

"میں اس ماں کی مدد کروں گی آنٹی جو اپنے بیٹے کی صحت کی خواہش مند ہے اور میں نے یہ کام شروع کر دیا ہے میں شمشاد کو راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں ہوں۔ وہ اگر نشے کی دنیا سے واپس نکل آئے تو میں اس کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی کا آغاز کروں گی میں آخر دم تک کوشش کرنا چاہتی ہوں آنٹی' آپ لوگ مجھے حوصلہ دیجئے' مجھے دعائیں دیجئے کہ میں اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں۔"

مسز عالمگیر کانپ کر رہ گئی تھیں۔ بڑے عزم اور حوصلے کی بات تھی یہ' ایک چھوٹی سی دنیا سے ناواقف لڑکی آسمان کی بلندیاں سر کرنا چاہتی تھی۔ یہ بری بات نہیں تھی' مشرق کی روایات یہی ہیں اور ان سچی مذہبی روایات سے کسی کو منحرف کرنا گناہ عظیم ہے لیکن مسز عالمگیر نے پھر بھی کہا۔

"ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ تم ایسا کرو لیکن بیٹا یہ تو ایک مجبوری تھی' دھوکے سے کام کیا گیا اور یہ سب کچھ بہتر نہیں تھا۔ یقین کرو یہ سب کچھ مناسب نہیں ہے جس نے یہ کیا ہے اس نے بڑی وحشت اور درندگی کا ثبوت دیا ہے۔ میری رائے ہے کہ اگر تم شمشاد سے نجات حاصل کر لو تو ہم سب اس ملک کی سکونت ترک کر کے امریکہ چلیں۔ وہاں نئی زندگی کا آغاز ہو' تمہاری بھی اور تابندہ کی بھی۔ یہ ہمارا فرض ہے۔"

"نہیں آنٹی' نہ میں اپنے شوہر کو چھوڑ سکتی ہوں اور نہ ہی مسز حسین کو' جنہوں نے مجھ سے مدد مانگی ہے۔ ایک عورت' عورت کی مدد پر آمادہ ہوئی ہے' آنٹی' مجھے ان کی مدد کرنے دیجئے' مجھے کوشش کر لینے دیجئے' مجھے دعائیں دیجئے۔"

مسز عالمگیر نے اک گہری سانس لی اور بولیں۔ "ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں فرخندہ' نہ صرف دعائیں بلکہ عمل بھی۔ اگر چاہو تو اسے لے کر امریکہ چلو تاکہ وہاں اس کا علاج کرایا جائے۔"

"اس کا فیصلہ بعد میں کریں گے اور یہ فیصلہ خالق حسین اور مسز حسین ہی کر سکتے ہیں۔" فرخندہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

بات ختم ہو گئی تھی اس کے آگے کچھ کہنا خود اپنے آپ کو شرمندہ کرنا تھا۔ فرخندہ کے جانے کے بعد مسز عالمگیر نے کہا۔

"بہت بڑے ہو تم لوگ' کوئی اگر یہ کہے کہ تمہارا تعلق ایک چھوٹے سے خاندان سے ہے تو یہ اس کی غلطی ہے' تم سب بہنیں عظمت کے مینار ہو۔ بہرحال میں تمہیں صرف ایک رائے دیتی ہوں تابندہ اس گھر کو چھوڑ دو' اپنی دنیا میں ایک نیا انقلاب لاؤ' دیکھو بیٹا زندگی اللہ کی دی ہوئی ہے' چھوٹے چھوٹے مصائب سے اکتا کر کچھ لوگ خودکشی پر آمادہ ہوتے ہیں لیکن یہ بات بھی تمہیں معلوم ہے کہ خودکشی گناہ عظیم ہے' اللہ تعالیٰ انسان کے لئے راستے خود ہی منتخب کرتا ہے۔ خدا سے کبھی منحرف نہ ہونا' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں' جب بھی آواز دو گی ہم تم سے دور نہیں ہوں گے۔"

"شکریہ آنٹی' مجھے تو سچی بات یہ ہے کہ نہ تقدیر سے شکوہ ہے نہ حالات سے۔ انسان کو زندگی میں ایک بھی ایسا محبت کرنے والا مل جائے جو بے لوث اور بے غرض اس کی خوشی کے لئے سرگرداں ہو تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ دنیا کی ہر دولت سے مالا مال ہے خدا رخشندہ کو خوش رکھے نعمان ہمیشہ خوش رہیں اور آپ ان کے سر پر سایہ فگن رہیں' آپ اطمینان رکھئے میں جیوں گی' جیتی رہوں گی جب تک کہ قدرت کی طرف سے میرے لئے بلاوا نہ آ جائے' میں زندگی سے ہار نہیں مانوں گی' میں جدو جہد کروں گی' میں ایک مقام بناؤں گی اپنا۔ واقعی آپ ٹھیک کہتی ہیں میں کچھ کروں گی آنٹی' آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

پھر تابندہ نے ان سب کو رخصت کیا تھا مسز عالمگیر تابندہ کو بہت سی ہدایات دے کر جہاز پر سوار ہوئی تھیں اور جب جہاز فضا میں بلند ہو گیا تو تابندہ نے ٹھنڈی سانس لے کر اطراف میں دیکھا' بے شمار افراد تھے' بہت سے لوگ تھے لیکن اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے چاروں طرف بے پناہ سناٹا ہے۔ انسان اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ خاموشی۔ ویرانی۔ سناٹا....

❑

میڈم نے شامی کو اپنے آفس میں طلب کیا اور شامی معمول کے مطابق پہنچ گیا۔ میڈم کا موڈ خوشگوار ہی تھا۔ شامی کے بیٹھنے کے بعد کہنے لگیں۔

"سناؤ بھئی کیا ہو رہا ہے' بھابی کے ساتھ عیش ہو رہے ہوں گے؟"

"ہاں صاعقہ بہت اچھی لڑکی ہے' بڑی خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہوئی ہیں گھر میں اس تبدیلی کے بعد۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے زندگی کا سیٹ اپ ہی بدل گیا ہو گا' لیکن مجھے ایک شکایت ہے۔"

"جی....؟" شامی نے سوالیہ نگاہوں سے میڈم کو دیکھا۔

"تم لوگوں نے ہمیں فاصلے پر رکھا ہے اپنے معاملات میں شریک نہیں کرتے' دیکھو نا ابھی تک ہمیں کوئی خصوصیت نہیں دی گئی ہے۔"

شامی شرمندہ سا ہو گیا' کہنے لگا۔ "نہیں میڈم آپ پلیز یہ بات نہ کہیں۔"

"حقیقت تو ہے۔"

"حقیقت ہے بھی اور نہیں بھی۔"

"کیسے....؟" میڈم نے سوال کیا اور شامی سنجیدہ سا ہو گیا۔ ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"آپ اتنی بڑی ہیں اتنی عظیم ہیں' یقین کیجئے یقین نہیں آتا۔ دنیا میں اچھے لوگ بے شک ہوتے ہیں لیکن اتنے اچھے نہیں ہوتے جتنی آپ ہیں۔"

"اچھا اچھا آ گئے شرارت پر' کیوں بے وقوف بنا رہے ہو بھئی۔"

"نہیں میڈم دیکھئے' کبھی کبھی دل میں پیدا ہونے والے جذبات کا مذاق اڑانا اچھا نہیں لگتا' آپ نے کچھ کہنے کا موقع دیا ہے تو حقیقتاً کہنے پر تل گیا ہوں یہ بہت بڑی سچائی ہے کہ آپ جیسی شخصیت کبھی مل نہیں سکتی' میں کیا بتاؤں آپ کو..... آپ کے لئے میرے دل میں جو جذبات ہیں۔"

"بھئی شامی الٹا مجھے ہی شرمندہ کر رہے ہو اچھا خیر اب ان باتوں کو جانے دو۔"

"نہیں میڈم آپ نے تذکرہ کیا ہے نا' کیا نہیں کیا آپ نے ہمارے لئے' خاک سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا' کیا نہیں کیا ہے آپ نے' میں نے آپ کے ہاں ملازمت کی' آپ نے کبھی مجھے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ملازم ہوں آپ کا۔"

"شامی! اس احساس سے تو میں نے سب ہی کو دور رکھا ہے۔"

"مانتا ہوں' لیکن سب ہی کو آپ نے وہ عزت وہ محبت نہیں بخشی جو مجھے دی گئی ہے۔"

"تو پھر یہ سمجھ لو کہ تم مجھے اتنے اچھے لگے تھے اس دن سے جب تم نے انٹرویو دیا تھا'

آج تک..... تمہارے اندر جو انفرادیت ہے وہ دوسروں میں نہیں ہے۔"

شامی نے نگاہیں اٹھا کر میڈم کو دیکھا' دیکھتا رہا اس نے بھی چند لمحات شامی سے نگاہیں ملائیں لیکن نہ جانے کیوں اسے اس وقت شامی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت ناک چمک نظر آئی' ایسی انوکھی چمک جسے کوئی مفہوم نہیں دیا جا سکتا تھا یا پھر اگر اس چمک کا کوئی مفہوم تھا بھی تو اس کی ادائیگی ممکن نہیں ہو سکتی تھی' اسے الفاظ میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میڈم کچھ خجل سی ہو گئیں' شامی نے کہا۔ "آپ نے ہمیں اپنے جیسی محبت دی آپ نے ہمیں اپنے برابر کا درجہ دیا جبکہ ہم آپ کے جوتوں کی خاک بھی نہیں تھے' کچھ بھی نہیں تھے ہم۔ آپ نے ہمیں اتنی اپنائیت دی کہ ہم پریشان ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود میڈم یہ خیال رکھا گیا کہ آپ کا مرتبہ بلند ہے' ہم چھوٹے لوگ شاید آپ کی وسعتوں کو نہ چھو سکیں۔"

"تم نے اپنے آپ کو چھوٹے لوگ کیوں سمجھا بھئی' یہ تو تمہاری غلطی ہے میری تو نہیں ہے۔"

"اس لئے میڈم کہ ہم چھوٹے ہیں۔"

"اچھا اب فضول بک بک مت کرو' آج رات کو تم میری طرف سے ڈنر قبول کرو' اصل میں مجھے امینہ بیگم سے بات کرنی چاہئے تھی کیونکہ وہ اس گھر میں بڑی ہیں اور میں کروں گی' لیکن پہلے تم سے مشورہ کر لینا ضروری سمجھا' اس لئے کہ..... کہ....."

"کہ.....؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میڈم کی جانب دیکھا۔

"بھئی تمہارے مشورے کے بغیر میں کچھ کرتی ہوں۔" وہ بولی۔ نہ جانے کیوں اس وقت وہ شامی کے سامنے اپنے آپ کو کچھ ہلکا محسوس کر رہی تھی' شامی ایک دم سنبھل گیا۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ یہ مشورہ کر رہی ہیں تو میری طرف سے تو انکار نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی حرج بھی نہیں ہے' لیکن ایک بات ہے میڈم....."

"جی فرمایئے۔"

"دیکھئے اگر کہیں ہم سے کوئی لغزش ہو جائے تو ہمیں قابل گردن زدنی قرار نہ دیا جائے چھوٹے لوگوں کو جب منہ لگایا جاتا ہے تو وہ زیادہ اچھلتے ہیں اور اپنی جسامت سے بڑی بڑی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ شکایت آپ نے کی ہے' اب آئندہ ہم اپنی چھوٹی سے چھوٹی تقریب میں خوشی میں' ہر عمل میں آپ کو شریک رکھیں گے۔ آپ برا نہ منایئے گا۔"

"بالکل نہیں برا مانوں گی' بلکہ میں چاہتی ہوں تم لوگ ایسا کیا کرو۔"

"او کے میڈم او کے۔"

"تو پھر امینہ بیگم سے کہے دیتی ہوں۔"

شامی کے سامنے ہی میڈم نے فون اٹھایا اور امینہ بیگم سے رابطہ قائم کیا۔ امینہ بیگم نے فون موصول کیا تھا۔

"میڈم بول رہی ہوں۔"

"اوہو میڈم کیسی ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک ہوں' لیکن آپ سے شکایت کر رہی ہوں۔"

"ارے بھئی کیا ہو گیا؟"

"یعنی آپ تو خود ہمیں پوچھتی بھی نہیں ہیں۔"

"کیا تمہیں پوچھنے کی ضرورت ہے۔"

"نہیں جناب' یہ فرار والی بات ہے' ہم قبول نہیں کرتے' خیر شکایتیں اپنی جگہ' آج رات آپ کو میرے ساتھ ڈنر کرنا ہے لیکن گھر پر نہیں کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کریں گے۔"

"میں یہ تو کہہ نہیں سکتی کہ اس تکلف کی کیا ضرورت ہے بلکہ تکلف تو یہ ہے کہ مجھے اس بارے میں اطلاع دی گئی' مجھے اطلاع نہیں حکم چاہئے۔"

"جی نہیں آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آج آپ میری طرف سے ڈنر قبول کیجئے' فراز تو آفس گئے ہوں گے؟"

"ہاں۔"

"صاعقہ' انیلا' آپ' فراز اور شامی۔ آپ سب آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ پروگرام یہ رہے گا کہ میں اپنی گاڑی لے کر پہنچ جاؤں گی شامی کے پاس بھی اپنی گاڑی موجود ہے' ہم دونوں گاڑیوں میں چلیں گے اور یہ فیصلہ بعد میں کر لیں گے کہ کون سے ہوٹل میں ڈنر دینا ہے۔"

"جیسا تمہارا حکم۔" امینہ بیگم بولیں۔

"او کے۔" میڈم نے فون بند کر دیا اور شامی سے کہنے لگیں۔ "اب ذرا کسی اچھے سے ہوٹل کا نام بتایئے۔"

"یہ بھی آپ کو طے کرنا ہو گا؟"

"پھر کیا فائدہ ہوا تمہیں بلانے کا۔"

"نہیں' میں ذہنی طور پر ذرا اپ سیٹ ہو گیا ہوں۔"

"وجہ.....؟"

"بتا دوں گا..."

"ابھی نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔ کب بتاؤ گے؟"

"کل۔" شامی نے کہا۔

"وعدہ؟"

"وعدہ۔"

"او کے پھر جاؤ اپنا کام کرو اور مجھے بھی کام کرنے دو۔" میڈم ہنس کر بولی اور شامی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ اسے دروازے سے باہر جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی لیکن شامی کے انداز میں اس وقت ایک عجیب سی وحشت سرایت کر گئی تھی۔

اپنے کمرے میں آیا' کرسی پر بیٹھ گیا' کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا' پتا نہیں کیوں دل و دماغ میں شدید جھنجھناہٹ ہو رہی تھی۔ میڈم کے الفاظ یاد آ رہے تھے اس کی اپنائیت اس کا انداز بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا وہ اس وقت۔ ابتدا میں یہ ایک مذاق تھا۔ گارمنٹ سٹی میں اسے ملازمت دی گئی تھی اور وہ اپنی سرکش فطرت کے باوجود یہاں ٹکا ہوا تھا۔ میڈم جیسی شخصیت جس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ ڈاکٹر اعجاز' گھر کے دوسرے لوگ' آفس کے لوگ' ذکی صاحب' مس مینا' سارے کے سارے یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ میڈم کا موڈ ایک لمحے میں خراب ہو جاتا ہے لیکن شامی نے کبھی اس کی پروا نہیں کی تھی' دل میں جو آیا اس نے کہا سنا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ نوکری چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ اور میڈم نے اسے واپس اس کی جگہ بلایا۔ خوشامد درآمد کی اور اس کے آخری الفاظ' آخری الفاظ جو آج تک شامی کے دل و دماغ میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ اس نے کہا تھا۔

"جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو کہو؟"

اور جب شامی نے کہا تھا کہ اس کے لئے اسے وقت درکار ہے تو اس نے کہا تھا کہ میں انتظار کروں گی۔

وہ کیا انتظار کر رہی ہے' آج بھی اس نے یہی الفاظ کہے تھے' کیا واقعی' کیا واقعی ایسی بات ہے' کیا اس کے دل میں بھی میرے لئے گنجائش ہے۔ وہ بہت اچھی ہے۔ بہت پیاری شکل و صورت میں بھی پروقار شخصیت کی مالک' اگر اس کے دل میں بھی ... ایسا جذبہ موجود ہے تو مجھے بھی اپنی زبان کھولنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ کہہ دینا چاہئے مجھے اس سے کہ میں اسے چاہتا ہوں اس سے محبت کرتا ہوں اسے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک شریک کرنا چاہتا ہوں۔ وہ..... وہ..... شامی شدت جذبات سے سوچتا رہا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ بہرحال آخری فیصلہ یہی کیا تھا اس نے کہ میڈم کے سامنے زبان کھول دینا مناسب ہے۔

شام کو چھٹی ہوئی وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو میڈم نے فون پر اسے مخاطب کیا اور اس نے فون اٹھا لیا۔

"شامی میں بول رہی ہوں۔"

"جی میڈم....."

"گھر جا رہے ہو نا؟"

"جی۔"

"میں تیار ہو کر ساڑھے سات بجے تک پہنچوں گی۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھیں گے پھر نکل چلیں گے۔ تھوڑی دیر گھومیں گے شہر میں اور اس کے بعد کسی اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

"جی۔"

"او کے - پھر خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" شامی نے کہا اور پھر فون بند کر کے باہر نکل آیا۔

☐

صاعقہ نے خوبصورت ساڑھی باندھی تھی۔ انیلا بھی بہت حسین لباس میں تھی۔ امینہ بیگم نے سادہ لیکن قیمتی لباس پہنا تھا اور بہت پروقار نظر آ رہی تھیں۔ سب میڈم کا انتظار کر رہے تھے۔

صاعقہ نے شرارت بھری نظروں سے شامی کو دیکھا اور پھر اچانک بولی۔ "ارے ہاں فراز! آپ نے شامی بھیا کو شیخ صاحب کے بارے میں نہیں بتایا۔"

اس سے پہلے کہ فراز کچھ کہتا صاعقہ خود ہی بولی۔

"شامی بھیا وہ شیخ صاحب فراز کو ملے تھے۔"

"کون شیخ صاحب؟"

"وہی آپ کے سابق لینڈ لارڈ۔"

"ارے کہاں مل گئے تھے؟" شامی نے چونک کر فراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اصل میں صاعقہ نے صرف شرارت کی تھی وہ بھی اچانک جبکہ فراز کو بھی اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن فراز صاعقہ کو شیخ صاحب کے بارے میں سب کچھ بتا چکا تھا۔ اب صورت حال سمجھ کر فراز بھی اس شرارت میں شریک ہو گیا اور اس نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں دفتر سے آ رہا تھا' راستے میں ملاقات ہو گئی۔"

"خیریت؟"

"نہیں۔" فراز بولا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ کمینے پن پر اتر آئے ہیں۔" فراز نے بالکل سنجیدگی سے کہا۔
"کچھ منہ سے تو پھوٹو۔"
"تم نے کبھی شمسہ کو کوئی خط لکھا تھا؟"
"کیا....؟"
"ہاں محبت بھرا خط' جس میں سے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا ہے۔"
"شمسہ کو؟"
"ہاں بھئی۔"
"میں نے؟"
"احتشام احمد تمہارا ہی نام ہے۔" فراز نے کہا اور شامی اسے گھورنے لگا۔
"تمہارا کیا خیال ہے میں ایسا کوئی عمل کروں گا؟"
"مذاق میں ہی سہی۔"
"جی نہیں۔ ایسے بھینگے مذاق میں نہیں کرتا۔"
"بہرحال وہ کلیم کرتے ہیں' کہہ رہے تھے شمسہ شامی کے لئے تڑپ رہی ہے اور وہ اس خط کی روشنی میں کچھ قانونی کارروائی کرنے جا رہے ہیں۔"
شامی نے چونک کر فراز کو پھر صاعقہ کو دیکھا۔ پھر نچلا ہونٹ دبا کر بولا۔
"ہوں.... تو مسٹر اینڈ مسز فراز آپ نے شامی کا نام سنا ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"ایک بے ہودہ سا محاورہ ہے' اس لئے میں نہیں دہراؤں گا۔ آپ خود سمجھ لیجئے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہمیں نے آپ کو پرواز سکھائی ہے اور ہم سے ہی.... لیکن جانتی ہیں بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔"
"بات کیجئے۔" فراز نے صاعقہ سے کہا۔
"آپ کیجئے نا۔" صاعقہ بولی۔
"جی نہیں۔ آپ خود کیجئے' مجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔" فراز نے کہا اور صاعقہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"توبہ بڑے بزدل ہیں آپ۔ مذاق میں بھی ڈرتے ہیں۔" صاعقہ بولی۔
"جس سے آپ مذاق فرما رہی ہیں' اس کا نام شامی ہے۔ اطمینان رکھئے چند روز کے بعد آپ بھی ڈریں گی۔" فراز نے کہا اور صاعقہ ہنسنے لگی پھر بولی۔
"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے یہ ہم بھابی دیور کا معاملہ ہے آپس میں نمٹ لیں گے' آپ جیسے بزدل آدمی سے تو بس اللہ ہی بچائے' آپ کے نام کے ساتھ کوئی مذاق کیا جائے تو اس سے بھی ڈرنا پڑے گا۔"

"بعض لوگوں سے ڈرنے میں فائدہ ہوتا ہے محترمہ صاعقہ کہہ دیا نا آپ سے کہ ناتجربے کار ہیں' تجربہ ہو جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فراز نے کہا اور دروازے پر بجنے والی بیل سن کر سب خاموش ہو گئے' صاعقہ جلدی سے آگے بڑھی اور اس نے دروازہ کھول دیا میڈم تھیں' انگوری کلر کے ایک خوبصورت لباس میں شگفتہ شگفتہ چہرے پر مسکراہٹ بڑی نفاست سے اس نے اپنے آپ کو سنوارا تھا' صاعقہ نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا اور میڈم اندر داخل ہو گئی۔ اس نے تعریفی نگاہوں سے صاعقہ کو دیکھ اور بولی۔
"شامی دیکھا' کیچڑ میں کیسا پھول کھلا ہوا تھا' کم بختوں نے اس پھول کو کیچڑ میں ڈال دیا تھا۔ ہیلو امینہ بیگم کیسی ہیں آپ؟"
"اللہ کا شکر ہے' آپ لوگوں کی محبت کے سائے میں جی رہے ہیں۔"
"ظاہر ہے یہ ایک افسانہ نگار کے الفاظ ہی ہو سکتے ہیں۔"
"افسانے تو حقیقت ہی ہوتے ہیں۔"
"ہوں' ماشاء اللہ' بڑی تیاریاں نظر آ رہی ہیں اور یہ انیلا بیگم یہ تو بس قیامت سی لگ رہی ہیں۔"
"اچھی لگ رہی ہوں نا آنٹی۔"
"اچھی کہہ کر اس پیاری سی صورت کی توہین مت کرو انیلا' بہت پیاری بہت اچھی' بہت سویٹ۔"
"تھینک یو آنٹی۔"
"جی جناب شامی صاحب! میر کارواں تو آپ ہی ہیں اب یہ بتائیے کہ یہ کارواں کس سمت روانہ ہو گا۔"
"پروگرام آپ کا ہے میڈم۔"
"ہاں ہے تو سہی' لیکن وہی میر کارواں والی بات۔"
"جی نہیں ابھی ہمارا یہ عہدہ زیر غور ہے۔" شامی بھلا باتوں میں کہاں چوکنے والا تھا
"زیر غور۔"
"بالکل۔"
"بھئی سمجھائیے کچھ۔"
"آپ بیٹھیں تو سمجھائیں۔" شامی نے کہا اور میڈم ہنستی ہوئی صوفے پر بیٹھیں۔
"جی ارشاد۔"
"اجازت ہے خواتین و حضرات۔" شامی بولا۔
"اجازت ہے' اجازت ہے۔" انیلا نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ شامی کہنے لگا۔

"شکریہ مس انیلا' بات اصل میں یہ ہے کہ میر کارواں ہماری اصطلاح میں کسی قافلے کے سالار کو کہتے ہیں اور اس وقت جس قافلے کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اس میں کچھ متنازعہ شخصیات موجود ہیں۔"

"ارے باپ رے' بات اتنی گہرائی تک پہنچ جائے گی اس کا خدشہ نہیں تھا۔"

"آپ اپنے اس نوکر کو ابھی تک پہچان نہیں سکی ہیں میڈم۔" فراز نے کہا۔

"نہیں فراز' شامی کو نوکر تو نہ کہو۔"

"جو کچھ کہنا چاہئے اس میں آپ نے رکاوٹ ڈالی ہوئی ہے میڈم۔" شامی سرکشی سے بولا اور فراز اور صاعقہ گھبرا کر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے' صاعقہ نے دل ہی دل میں تسلیم کیا کہ واقعی شامی ایک خطرناک شخصیت ہے' پتا نہیں میڈم کو کسی بات کا احساس ہوا یا نہیں وہ کہنے لگی۔

"بھئی بات کچھ آگے نہیں بڑھ گئی۔"

"اسی لئے میں ابھی صاعقہ کو سمجھا رہا تھا کہ شامی کو کچھ کہتے ہوئے احتیاط رکھنی چاہئے۔"

"صاعقہ نے کچھ کہہ دیا تھا؟"

"ہاں ایک مذاق فرما رہی تھیں اور وہ بھی میرے حوالے سے' کوئی میرے دل سے پوچھے' میں نے زندگی بھر کس طرح خوف کے عالم میں گزارا کیا ہے۔" فراز بولا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے امینہ بیگم آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں کہ شامی سے میں بھی ڈرنے لگی ہوں۔" میڈم نے کہا۔

"نہیں' بھئی میں اس بات پر یقین نہیں کروں گی اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شامی بہت پیارا لڑکا ہے۔"

"اس کے پیارا ہونے میں کس کو شبہ ہے لیکن بولنے میں قیامت ہے یہ' بخدا مجھے اپنے دفتر میں ان کے سامنے جھجک ہونے لگی ہے اور میں ان سے کچھ کہتے ہوئے الفاظ کو تولنے لگی ہوں۔"

"یہ آپ کی بڑائی ہے میری نہیں۔" شامی نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے' بات کا رخ تبدیل ہو گیا۔"

"اخلاقاً کر دیا ہے اس لئے ابھی تھوڑی دیر پہلے محترمہ صاعقہ نے بھی اپنے شوہر نامدار کا سہارا لے کر ایک مذاق فرمانے کی کوشش کی تھی' شوہر صاحب سمجھدار آدمی ہیں' فوراً ہی ہتھیار پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہرحال میر کارواں کی بات رہ گئی' چلیں ادھار سہی۔"

"چلئے ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔"

"اور آپ اپنے الفاظ واپس نہیں لیں گی۔"

"ارے بابا نہیں لے رہی نا' اب یہ بتاؤ کہاں سے شروع کریں؟"

"ڈرائیور ہے آپ کے ساتھ؟"

"ہاں ہے' لے آئی تھی اگر کہو تو واپس کر دوں۔"

"نہیں رہنے دیں' کوئی حرج نہیں ہے۔"

پھر دو پارٹیاں بن گئیں' صاعقہ فراز اور انیلا ڈرائیور کے ساتھ میڈم کی گاڑی میں بیٹھ گئے' میڈم امینہ بیگم اور شامی دوسری گاڑی میں آ گئے۔ شامی نے کہا۔

"آج ہم اپنے شہر کا سروے کرتے ہیں' پارک' سمندر یہ تو بارہا دیکھے ہوئے ہیں' آج پوری سڑکیں اور گلیاں گھومتے ہیں۔"

"کچھ شاپنگ کریں۔" میڈم نے کہا۔

"نہیں' یہ بھی ایک فرسودہ بات ہو گی۔"

"پھر چلو تمہیں آزادی ہے' اپنی گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

اور اس کے بعد درحقیقت بچوں کی سی حرکتیں ہوتی رہیں' مختلف علاقوں میں گھومتے رہے' جگہ جگہ گاڑیوں کو روکا گیا' ایک جگہ سڑک پر آئس کریم کھائی گئی اور پھر وہاں سے آگے بڑھا گیا تو ایک جگہ گول گپے نظر آئے اور شامی نے وہاں گاڑی روک لی۔ میڈم نے کہا۔

"بھئی اگر اس طرح ہم پیٹ بھرتے رہے تو ہوٹل میں کیا کھائیں گے؟"

"سڑکوں کے چکر لگاتے ہوئے ہی اگر پیٹ بھر جائے تو ہوٹل میں وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"جی نہیں' ڈنر طے کر دیا گیا ہے اور ہماری میز ریزرو ہو چکی ہے۔" میڈم نے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر تھوڑے سے گول گپے کھائے لیتے ہیں ان کا اپنا مزہ الگ ہی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" یہ تمام سڑک گردی ہوتی رہی اور سب خوشی سے قہقہے لگاتے رہے' میڈم بھی بے پناہ خوش نظر آ رہی تھیں' پھر شہر کے ایک عالیشان ہوٹل میں داخل ہوا گیا' میز واقعی ریزرو تھی' چنانچہ یہ لوگ اپنی میز پر جا بیٹھے اور ایک پر تکلف ڈنر کا اہتمام کیا گیا' رات گئے وہاں سے اٹھا گیا تھا اور اس کے بعد میڈم نے کہا تھا۔

"اب آپ لوگ اپنے گھر کو جائیے' میں ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر چلی جاؤں گی۔"

چنانچہ امینہ بیگم کے فلیٹ پر سب کو اتار کر میڈم کو خدا حافظ کہہ دیا گیا' صاعقہ بہت خوش تھی' امینہ بیگم بھی مسرتوں کا سفر کر رہی تھیں۔ تنہائی میں موقع ملا تو صاعقہ نے فراز سے کہا۔

"شامی واقعی بہت خطرناک ہے میر کارواں کے لفظ پر وہ کس طرح ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا فراز میں خوف زدہ ہو گئی ہوں۔"

"کیوں؟"
"یہ شامی کہیں کسی مشکل کا شکار نہ ہو جائے؟"
"کیسے؟"
"میں زیادہ تجربہ کار تو نہیں ہوں لیکن میڈم کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی، جسے ہم کہہ سکیں کہ وہ شامی سے محبت کرتی ہے، ویسے بھی پروقار عورت ہے، کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گی کہ اپنے کسی ملازم سے عشق کرے اور اس کے بعد اس سے شادی کر لے، ایسی شادیوں پر کیسے کیسے اسکینڈل بنتے ہیں، لوگ اتنی باتیں بنائیں گے کہ ان لوگوں کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا، شامی تو خیر اس بات پر پر تولے بیٹھا ہوا ہے لیکن میڈم کبھی اپنے وقار کو اس طرح مجروح نہیں ہونے دیں گی اور اس وقت کیا، شامی کے لئے ایک خطرناک بات نہیں ہو گی، میں پھر یہ بات کہوں گی کہ بہت زیادہ تجربہ تو نہیں ہے لیکن شامی جیسے کھلنڈرے لوگ اگر کوئی بات دل کو لگائیں تو پھر وہاں سے ہٹنا ان کے لئے مشکل ہو گا، کیا اس وقت یہ مسئلہ بہت زیادہ الجھ نہیں جائے گا؟"
نراز اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا اور خاموشی سے سوچ میں ڈوب گیا، لیکن ان لوگوں کے فرشتوں کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ شامی اپنے دل میں کیا تہیہ کئے بیٹھا ہے اور اس کے ارادے کتنے خطرناک ہیں خاص طور سے پچھلے دن ہونے والی باتوں نے، شامی کو ایک طرح سے مشتعل کر دیا تھا اور وہ اب اپنے مسئلے کا حل چاہتا تھا۔ بہرحال کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی تھی جو قابل ذکر ہوتی۔
شامی دفتر پہنچ گیا، اور بہت دیر تک اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ میڈم کا ٹیلی فون ایک دو بار آیا اور انہوں نے مختلف امور کے بارے میں پوچھا، پچھلے دن کی سیر و تفریح کا کوئی تذکرہ تک نہیں کیا گیا تھا، لنچ کا وقت تھا، شامی نے میڈم کو فون کیا اور بولا۔
"لنچ کہاں کیجئے گا؟"
"تم جانتے ہو میں لنچ نہیں کرتی۔"
"لیکن میں کرتا ہوں۔"
"تو کر لو۔"
"آپ کے کمرے میں آنا چاہتا ہوں۔"
"لنچ کے خیال سے مت آنا۔"
"ٹھیک ہے میں بھی آج لنچ نہیں کرتا۔"
"بھئی کیا فضول بات ہے تم لنچ کرو نا، میں کچھ کام کر رہی ہوں۔"
"جی نہیں میں آ رہا ہوں۔"
"تو پھر آ جاؤ، دھمکیاں کیوں دے رہے ہو۔" میڈم نے خوشگوار لہجے میں کہا اور چند

لمحات کے بعد شامی ان کے کمرے میں پہنچ گیا، میڈم نے ہنس کر اسے دیکھا اور بولی۔
"یہ کیا بچپن تھا، لنچ نہیں کر رہی، تمہیں علم ہے کہ میں واقعی لنچ نہیں کرتی۔"
"ہاں مجھے علم ہے مت کیجئے گا، میں نے جوس کے لئے کہہ دیا ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے مگر تم تو لنچ کر لو۔"
"جی نہیں، آج میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں وہ میرے لنچ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔"
"اللہ اکبر، پھر کچھ سوجھی ہے۔" میڈم نے خوشگوار لہجے میں کہا۔
"جی میڈم سوجھی تو ہے۔"
"تو ارشاد فرمایئے۔"
"جوس پی لینے میں کیا حرج ہے، ہو سکتا ہے اس کے بعد نہ آپ جوس پی سکیں اور نہ میں۔"
"بھئی کیا گڑ بڑ کر رہے ہو، میں بہت عرصے سے ذہنی خلجان سے نجات پانے کی کوششوں میں مصروف ہوں اور اب یقین مانو، کوئی الجھی ہوئی بات مجھے برداشت نہیں ہوتی۔ شامی! قسم کھا رہی ہوں کہ دل چاہتا ہے ذہن کو بالکل آزاد چھوڑ دوں، کچھ بھی نہ کروں بیٹھ جاؤں، ایک سنسان گوشے میں، بہت سا وقت اس طرح گزاروں، لیکن یہ میں جانتی ہوں کہ گارمنٹ سٹی کو لمحہ لمحہ میری ضرورت ہے اور میرے بغیر اس کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔"
"اس میں کوئی شک نہیں ہے آپ کے بغیر دنیا کے بہت سے کام چلنے مشکل ہیں۔"
"طنز کر رہے ہو، خیر کوئی بات نہیں ہے۔"
اتنی دیر میں جوس کا جگ اور دو گلاس آ گئے۔ شامی نے خود جوس بھر کر میڈم کو پیش کیا تھا اور دوسرا گلاس لے کر بیٹھ گیا تھا۔ میڈم نے کہا۔
"شکریہ شامی۔"
"جوس پیجئے۔"
میڈم جوس کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی، شامی نے اپنا گلاس خالی کر لیا اور دوسرا گلاس بھرنے لگا۔
"ویری گڈ، اچھا انداز ہے لنچ کی کسر پوری کرنے کا۔"
"جی نہیں اپنے آپ کو تقویت دے رہا ہوں، پھلوں کا رس ہے، بدن میں خاصی جان پیدا کر دیتا ہے اور دل کو خاص طور سے مضبوط کرتا ہے اس کے بعد زبان آسانی سے کھل جاتی ہے۔"
"واقعی کچھ کہنے کے موڈ میں ہو؟"
"جی ہاں۔ وہ جس کے لئے اس دن بات ہوئی تھی اور آپ نے کہا تھا کہ میں انتظار

کروں گی۔"

"اپنی شادی کی بات۔" میڈم نے خوش ہو کر کہا۔

"جی۔"

"ارے وری گڈ۔ اگر تم یہ پہلے سے مجھے بتا دیتے تو میں اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیتی۔ واقعی اب شامی کچھ کر ہی ڈالو۔ دیکھو فراز کتنا خوش ہے، میں تمہیں بھی اتنا ہی خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ یہ آپ نے میری خوشیوں کا اتنا خیال کیا اصل میں میڈم بعض اوقات انسان کوئی چھوٹی سی غلطی کر کے اس طرح بھگتتا ہے کہ اس کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب؟ کوئی چھوٹی سی غلطی ہو گئی ہے تم سے؟"

"مجھ سے نہیں آپ سے۔"

"مجھ سے؟"

"جی ہاں۔"

"یقیناً ہوئی ہو گی، لیکن ذرا اس کی تفصیل ارشاد ہو جائے۔" میڈم نے کہا اور شامی اسے جلتی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"مختلف مراحل ایسے آئے ہیں جب آپ مجھ سے ناراض ہوئیں کچھ ایسے مرحلے بھی آئے کہ میں آپ سے ناراض ہوا۔ میرا منانا تو پھر میری ضرورت کے مطابق ہو سکتا تھا۔ اچھی ملازمت کون چھوڑتا ہے، لیکن آپ نے بھی اس طرح میری ناز برداری کی کہ کبھی کبھی مجھے خود یقین نہیں آتا تھا اور پھر کچھ ایسے احساسات دل میں بیدار ہو گئے، جنہیں اپنے طور پر خود سوچا تو مشکل میں پڑ جاتا تھا۔ تفصیل میں بالکل نہیں جاؤں گا، بات یہاں تک آ گئی تھی کہ آپ نے کہا کہ شامی تم بھی شادی کرو اور میں نے اس کے جواب میں آپ سے کچھ کہا، بعد میں آپ نے پھر مجھے یہ باور کرایا کہ میں جو کچھ کہوں گا اس کی پذیرائی کی جائے گی۔ میڈم میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"خدا کی پناہ، یہ الفاظ کچھ ایسے لہجے میں نہیں کہے جا رہے جیسے کہا جا رہا ہو میڈم میں اسے پھانسی کے تختے تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ بھئی شادی کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو، مجھے نام بتاؤ اس مظلوم لڑکی کا، جس کے تم شوہر بننے کے خواہش مند ہو، میں اسے سمجھاؤں گی، بجھاؤں گی اس سے کہوں گی کہ تقدیر پر شاکر رہے، تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے، جوڑے آسمانوں پر ہی بنتے ہیں، اب شامی جیسا شوہر ہی تمہاری تقدیر میں لکھا تھا تو اسے برداشت کرو، اللہ مالک ہے، ہم سب تمہارے لئے دعائیں کریں گے۔" میڈم نے مسخرے پن سے کہا۔

"اور جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں، اس سے محبت کرتا ہوں میں، بہت چاہتا ہوں اسے، اتنا چاہتا ہوں کہ شاید وہ تصور بھی نہیں کرتی ہو گی۔"

"اچھی بات ہے پھر تو تم اس کا خیال بھی رکھو گے اور اسے اپنا مشق ستم نہ بناؤ گے؟"

"جی میں زندگی بھر اس سے محبت کروں گا، اس کی ہر مشکل میں اس سے تعاون کروں گا، وہ جو کوئی بھی ہے جیسی بھی ہے اور اس کے جو مسائل ہیں ان سب کو اپنا لوں گا۔ میڈم مجھے نہ تو اس کی دولت سے دلچسپی ہے اور نہ ہی اس کے معیار سے، میں صرف اس کی ذات سے دلچسپی رکھتا ہوں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اسے بہت چاہتا ہوں۔"

"تو اب ذرا اس کے بارے میں کچھ تفصیل عرض ہو جائے جناب؟"

"وہ آپ ہیں، میڈم آپ.... آپ جو کوئی بھی ہیں آپ کا جو نام بھی ہے، جیسا بھی کچھ ہے آپ زندگی کو جس انداز میں بھی دیکھیں، آپ یہ بھی سوچیں کہ آپ عمر میں مجھ سے بڑی ہیں۔ آپ یہ بھی سوچ سکتی ہیں کہ میں آپ کا صرف ایک نوکر ہوں، ایک بے مایہ اور کم حیثیت انسان یہ آپ کی اپنی سوچ ہے، جو آپ کا دل چاہے سوچتی رہیں اور میرے ان الفاظ کے نتیجے میں جو رد عمل آپ پر ہو آپ اس میں حق بجانب ہیں۔ بات میری ہے، اور میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ بہت عرصے سے نجانے کب سے میں آپ کو چاہنے لگا ہوں۔ آپ میرے وجود میں اس طرح اتر چکی ہیں کہ میں شاید الفاظ میں بیان نہ کر سکوں۔ اگر میری شادی ہوئی تو صرف آپ سے ہو گی میڈم نہیں ہوئی تو نہ سہی۔ زندگی بہرطور گزر ہی جاتی ہے، میں یہ بات سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔" شامی نے کہا۔

میڈم کے پورے بدن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا اس کے دونوں ہاتھ بے اختیار میز کی سطح پر آ ٹکے تھے اور پھر وہ سطح کو اس طرح کھرچنے لگی کہ انگلیوں کے ناخن ٹیڑھے ہو گئے۔ اس کے چہرے پر شدید ہیجان تھا، اس کی آنکھیں شامی پر جمی ہوئی تھیں اور ان آنکھوں میں قہر و غضب کی بجلیاں چمک رہی تھیں وہ نجانے کیا کہنا چاہتی تھی۔ اس کے ہونٹ ٹیڑھے ہو رہے تھے، بدن کی لرزشیں بتا رہی تھیں کہ سخت ذہنی عذاب سے گزر رہی ہے۔

شامی پتھرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ میڈم کی اس کیفیت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا، پھر میڈم کی آواز ابھری۔

"جاؤ۔"

"کہاں؟"

"جاؤ جہاں دل چاہے جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کوئی جواب نہیں دیں گی آپ مجھے؟"

"گیٹ آؤٹ.... گیٹ آؤٹ۔" میڈم نے کہا اور پھر ایک زوردار گھونسہ میز کی سطح

پر مارا۔

"گیٹ آؤٹ۔"

"ٹھیک ہے میں جانتا تھا کہ کوئی نہ کوئی جواب تو ملے گا مگر میں اس جواب کو مکمل نہیں سمجھتا۔ یہ جواب آپ کو مکمل کرنا ہو گا' خدا حافظ۔" شامی نے کہا اور میڈم کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

❑

فرخندہ پھر اپنی اس دنیا میں واپس آ گئی۔ بہت بددل تھی بے حال تھی' رخشندہ آئی تھی۔ بہنوں کی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ تقدیر کیسے کیسے گل کھلاتی ہے' کس طرح پامال کرتی ہے اس کا احساس ہو رہا تھا' رخشندہ کس قدر خوش ہے' نعمان کتنا اچھا انسان ہے اور ایک یہ گھر ہے جہاں زندگی کی رمق تک نہیں ہے' سب روتے سوتے لوگ' مسز حسین اپنے آپ سے نالاں خالق حسین خاموش اور شمشاد بے حس ایک پتھر کی مانند جس میں زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ ابھی تک تو اس نے فرخندہ سے کوئی سخت بات نہیں کی تھی' لیکن ماں سے پیسے مانگتا تھا اور اگر ماں اس کی ضرورت پوری نہ کرتی تو بہت شدید جھلاہٹ کا شکار ہو جاتا تھا۔ فرخندہ کے سامنے تو ابھی تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا لیکن اس کے پیچھے یا دوسرے کمرے میں وہ مسز حسین کے ساتھ کافی بدتمیزی کر لیا کرتا تھا۔ خالق حسین تو اس سے بات ہی نہیں کرتے تھے۔ باقی رہا فرخندہ کا معاملہ تو' وہ فرخندہ کے کمرے میں بے شک آتا تھا اور ایک گوشے میں بیٹھ کر ہیروئن پیتا تھا اور اس کے بعد اوندھا سیدھا کہیں پڑ جاتا تھا اس کے اندر کوئی حس ہی نہیں جاگتی تھی اور فرخندہ خاموش بیٹھی اپنے بدترین مستقبل کو دیکھتی رہتی تھی' مسز حسین نے ایک بچی کو بری طرح پامال کیا تھا۔ اسے زندگی سے اتنی دور لا ڈالا تھا کہ اس جرم میں انہیں پھانسی کی سزا ہونی چاہئے تھی۔ وہ بہت تیز طرار خاتون تھیں جو کچھ کیا تھا انہوں نے اپنی خود غرضی سے کیا تھا اور اب اس خود غرضی کو ہر طرح سنبھالنے میں کوشاں تھیں' جو نرم رویہ انہوں نے اختیار کیا تھا اس کی بنیاد خالق حسین کا بگڑ جانا تھا ورنہ شاید وہ ہر طرح سے جھگڑے فساد پر آمادہ ہو جاتیں۔

بہرحال اپنی چالاکی سے کام لے کر انہوں نے اس صورت حال کو سنبھال لیا تھا لیکن شمشاد کے سنبھلنے کا کوئی تصور ابھی تک نظر نہیں آتا تھا۔ خالق حسین کسی کاروباری کام سے باہر چلے گئے تھے۔ حالات معمول کے مطابق تھے' اس رات بھی شمشاد نجانے کہاں سے لٹا پٹا آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا' صوفے پر بیٹھ گیا' پاؤں پھیلا دیئے۔ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ فرخندہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اے شہزادی' جوتے اتارو میرے۔"

فرخندہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی' اس کے نزدیک بیٹھ کر جوتے اتارے تو شمشاد

کہنے لگا۔

"سنو تم.... تم نے کبھی ہیروئن پی ہے؟"

فرخندہ نے نفرت کی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"نہیں۔"

"زندگی سے کوئی دلچسپی ہے تمہیں؟"

"ہے۔"

"تو بس پھر ایک بار میرے ساتھ تھوڑی سی ہیروئن پی کر دیکھو۔"

"شمشاد! زندگی یہی تو نہیں ہوتی' کیا تم نے کبھی ہوش کے عالم میں اس دنیا کو دیکھا ہے؟"

"ہوش کے عالم میں دنیا کو دیکھو تو بے ہوشی طاری ہونے لگتی ہے' ہر طرف مکر و زیب کے جال بچھے ہوئے ہیں ہر طرف خون کی پیاس ہے' ہر طرف ایک دوسرے کو زندگی سے محروم کر دینے کی سازشیں ہیں۔ اس دنیا کو ہوش کے عالم میں کس کا دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔"

"سب کچھ ہے لیکن انسان' انسان ہی کی طرح جیتے ہیں' ہر طرح کا مقابلہ کرتے ہیں' لیکن تم.... تم اپنے آپ کو مار رہے ہو' اپنے آپ کو قتل کر رہے ہو' اب تم میرے بارے میں سوچو' مجھ پر غور کرو' میں تمہاری خدمت کرنا چاہتی ہوں۔"

شمشاد ہنسنے لگا' پھر بولا۔ "ہاں میں خود کو مار رہا ہوں' خود کو قتل کر رہا ہوں۔ جانتی ہو کس لئے اگر میں نے خود کو نہ مارا تو تمہاری یہ دنیا مجھے مار دے گی' کون کسی کو جینے دیتا ہے' سب ایک دوسرے کے دشمن ہیں' اگر وفا دیکھنا چاہتی ہو تو اس سفید زندگی میں دیکھو' دیکھو یہ وفادار' یہ اپنے وعدے پورے کرتی ہے' یہ جب وجود میں اترتی ہے تو اس دنیا سے بہت دور لے جاتی ہے' کیف و سرور سکون ہی سکون' ورنہ باقی کچھ بھی نہیں ہے' سنو' تم میری بیوی ہو نا' تمہیں میری زندگی سے منسلک کر دیا گیا ہے نا' کیا تم پر یہ فرض نہیں عائد ہوتا کہ جو کچھ میں کہوں اسے تسلیم کرو اسے مانو' بولو' تم پر یہ فرض نہیں عائد ہوتا؟"

"ہوتا ہے۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ ہیروئن پیو' آؤ۔"

"شمشاد کیا زندگی میں تمہارے انسان بن جانے کا کوئی چانس ہے؟" فرخندہ نے زہریلے لہجے میں کہا اور پہلی بار شمشاد کی تیوریاں چڑھ گئیں' وہ فرخندہ کو گھورنے لگا' پھر بولا۔

"تم نے مجھے ایک ناکارہ انسان سمجھ لیا ہے نا' میری نرم طبیعت کو تم نے میری بزدلی سمجھ لیا ہے' یہی بات ہے نا' دو ٹکے کی لڑکی تیرا کیا خیال ہے میں نہیں جانتا کہ تجھے یہاں میرے لئے لایا گیا ہے' تجھے میرے لئے خریدا گیا ہے۔"

"اصل میں تم سے میں کچھ نہیں کہوں گی' کیونکہ نشہ انسان کو بے شرم کر دیتا ہے اور تم نشے باز آدمی ہو' شرم و حیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے' یہ تک نہیں معلوم تمہیں کہ گھر کے دروازے سے لڑکھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہو اور لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکلتے ہو تو لوگوں کی تمسخرانہ نگاہیں تمہارے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟"

"میں جو کچھ کرتا ہوں اس کے بارے میں آج تک تجھے نہیں بتایا میں نے' لیکن اب ذرا مختلف بات ہو گئی ہے' تجھے میرے ساتھ ہیروئن پینی پڑے گی۔"

"میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں' اور تمہاری اس ہیروئن پر بھی' سمجھ رہے ہو نا' تم نے یہ کیا کہا کہ مجھے تمہارے لئے خریدا گیا ہے' کیا قیمت ادا کی ہے تم نے میری' تم بے غیرت اور بے حیا ہو' اسی طرح تمہاری ماں بھی ہے جس نے ایک لڑکی کی زندگی تباہ کر دی۔"

شمشاد اپنی جگہ سے اٹھا' اور فرخندہ کے قریب پہنچ گیا۔

"میں بے حیا ہوں' میں بے غیرت ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے غیرت شخص شاید ہی کوئی روئے زمیں پر دوسرا ہو گا۔" فرخندہ نے کہا' اسے یہ بات بہت بری لگی تھی کہ شمشاد اسے زر خرید سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اسے اس کے لئے خریدا گیا ہے' اس سے زیادہ تکلیف کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی' وہ تو برباد ہوئی تھی اور صرف اپنا شریفانہ رویہ نبھا رہی تھی اور یہ شخص' یہ کمینہ بدکار' فرخندہ بھی اس وقت کچھ ضرورت سے زیادہ ہی چراغ پا ہو گئی تھی۔ شمشاد نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑنا چاہے تو فرخندہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ایسا کوئی عمل مت کرو شمشاد جو بعد میں تمہارے لئے ہی نقصان دہ ثابت ہو۔"

"بتاتا ہوں تجھے' ابھی بتاتا ہوں' کیا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے میرے لئے اور کیا نہیں؟" شمشاد نے پھر اس کے بالوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو فرخندہ نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا' شمشاد گھوم گیا تھا اور پھر اس کے بعد اس پر بھی دیوانگی سوار ہو گئی' اس نے فرخندہ کا لباس پھاڑ دیا' جگہ جگہ سے نوچا' دانتوں سے کاٹا' فرخندہ کی چیخیں بلند ہونے لگیں' دروازہ کھلا ہوا تھا' مسز حسین بھاگتی ہوئی اندر آئیں' بہ مشکل تمام انہوں نے شمشاد کو پکڑا' فرخندہ کی حالت دیکھی' شمشاد نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ لائی ہو تم میرے لئے' یہ لڑکی نیچ گھرانے کی' بدکار' بدمعاش' آوارہ جب یہ میرے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتی تو پھر اس کے یہاں رہنے کا کیا جواز ہے' بولو کیا جواز ہے اس کے یہاں رہنے کا' کون ہے یہ میری' کیا تعلق ہے اس سے میرا؟"

"ہوش میں آ شمشاد ہوش میں آ' کیا بدتمیزی کر رہا ہے یہ' کیا ہو گیا فرخندہ' کیا ہو گیا؟"

فرخندہ نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' بدن تھرتھر

کانپ رہا تھا' وہ شدید غصے کے عالم میں تھی' اس نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"یہ کمینہ' یہ مجھے ہیروئن پلانا چاہتا ہے' سمجھیں' آپ کا یہ بیٹا مجھے ہیروئن پینے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔"

"شمشاد تو پاگل ہے۔"

"اس نے مجھے کمینہ کہا ہے' یہ میری بیوی ہے' لعنت بھیجتا ہوں میں ایسی بیوی پر' طلاق دیتا ہوں میں اسے' میں اسے طلاق دے رہا ہوں..... میں نے اسے طلاق دی..... سمجھیں تم لوگ۔"

"شمشاد' شمشاد کیا بکواس کر رہا ہے؟" مسز حسین دھاڑیں' لیکن شمشاد مسلسل وہی الفاظ دہراتا رہا' اس نے کوئی بیس بار فرخندہ کو طلاق دے دی تھی۔ فرخندہ کے بدن کی تھرتھراہٹ ختم ہو گئی' وہ کانپنے لگی۔ مسز حسین سکتے کے عالم میں کھڑی ہوئی تھیں' پھر انہوں نے فرخندہ سے کہا۔

"بیٹی تم آ جاؤ میرے ساتھ' آؤ میرے ساتھ آ جاؤ۔" وہ فرخندہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے باہر نکال لے گئیں' شمشاد نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ فرخندہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے کمرے میں پہنچ گئی۔

"تمہارا لباس تو اسی کمرے میں ہے' میں تمہیں اپنے کپڑے دیتی ہوں بدل لو۔"

"مسز حسین' میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" فرخندہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم' ایک پاگل کے ساتھ تم بھی پاگل ہو رہی ہو' کسی ہوش مند آدمی کے منہ سے یہ الفاظ نہیں نکلے' تم جانتی ہو وہ نشے باز ہے' دیوانہ ہے۔"

"مسز حسین' اس نے مجھے طلاق دے دی ہے' میں بہت زیادہ صاحب علم نہیں ہوں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ اگر شوہر کی زبان سے بیوی کے لئے تین بار طلاق کے الفاظ ادا ہو جائیں تو وہ کسی بھی حیثیت میں ہو' طلاق ہو جاتی ہے۔"

"اب تم نے ایک نیا جھگڑا شروع کر دیا' میں بتا چکی ہوں تمہیں کہ وہ ہوش میں نہیں ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ چاہیں تو معلومات حاصل کر سکتی ہیں۔ میں کم از کم اتنا ضرور جانتی ہوں کہ جو کچھ وہ کہہ چکا ہے وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔" مسز حسین کی تیوریاں چڑھ گئیں' فرخندہ کو گھورتے ہوئے بولیں۔

"تم تو یوں لگتا ہے جیسے اس بات پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں کہ وہ اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نکالے اور تم اسے فوراً اچک لو۔"

"آپ بہت بڑے لوگ ہیں' آپ کی سوسائٹی ہماری سوسائٹی سے بہت مختلف ہے مسز حسین' آپ کے ہاں ان الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہو گی' لیکن ہم اس اہمیت کو جانتے

ہیں۔"

"تو تم اس بات پر مصر ہو کہ اس نے تمہیں طلاق دے دی؟"

"وہ دے چکا ہے' اب میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"لڑکی فضول باتوں سے گریز کر' تو کیا سمجھتی ہے' کیا اس طرح میں آسانی سے تیری جان چھوڑ دوں گی؟"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ ہے کہ اس بات کی گواہ صرف میں ہوں اور خبردار تیری زبان سے یہ الفاظ باہر کہیں ادا ہوئے' ابھی تیرا فرض پورا نہیں ہوا اس کے ظلم و ستم سہنا پڑیں گے تجھے' میں بار بار یہ رسک نہیں لے سکتی' بار بار مجھے ایسی لڑکیاں نہیں ملیں گی جنہیں میں شمشاد کی دلہن بنا سکوں' جن پر یہ ذمے داری عائد کر سکوں۔"

"وہ تمہارا بیٹا ہے ذمے داری تم پر عائد ہوتی ہے' دوسروں کو اپنے ستم کا نشانہ کیوں بناتی ہو؟"

"دیکھو میں کوئی فضول بات سننے کو تیار نہیں ہوں' اس بات کو ذہن سے نکال دو' جو کچھ ہوا ہے ہوش کے عالم میں نہیں ہوا ہے' وہ دیوانہ جو بکواس کر گیا ہے' اسے نظر انداز کرنا پڑے گا تمہیں۔"

"نہیں مسز حسین' میں جانا چاہتی ہوں' گھر جانا چاہتی ہوں' مجھے بس ایک جوڑا کپڑے دے دیجئے آپ' اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہئے۔"

"اگر تو نے فضول بکواس کی تو پھر مجھے اپنے اصلی رنگ میں واپس آنا پڑے گا۔"

"اس کے علاوہ بھی کوئی اور اصلی رنگ ہے آپ کا؟"

"آ میرے ساتھ آ' میں تجھے آخری بار سمجھانے کی کوشش کروں گی۔" مسز حسین نے کہا اور فرخندہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کے اندرونی حصے میں لے آئیں' ان پر بھی شدید دیوانگی ہی طاری تھی' نجانے کیوں اس قدر بوکھلا گئی تھیں' فرخندہ کو کمرے میں بٹھا کر بولیں۔

"دیکھو فرخندہ' میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' صورت حال بہت بگڑ جائے گی' فرخندہ اس قدر جلد بازی سے کام نہ لو جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ' دیکھو وقت خود اپنی آواز ہے' کچھ عرصے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ نجانے کیسی باتیں کر رہی ہیں مسز حسین' مذہب و ملت سے آپ کا کوئی تعلق ہے' آپ دین کے احکامات سمجھتی ہیں' جانتی ہیں۔"

"سب کچھ ٹھیک کہہ رہی ہو تم' لیکن لیکن وہ' وہ ہوش میں نہیں ہے' ہم ہم فتویٰ لیں گے' ہم معلومات کریں گے' اگر دیوانگی کے عالم میں کوئی کسی سے یہ مکروہ الفظ کہہ دے

تو اس کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔"

"آپ بے شک نہیں جانتیں لیکن میں جانتی ہوں' مجھے علم ہے آپ فتوے لیتی پھریں گی' میرے پاس فتوے موجود ہیں' مسز حسین قدرتی طور پر وہ ہو گیا ہے جو ہونا چاہئے تھا' آپ اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے میں تو شاید ساری زندگی اسی طرح گزار دیتی میں آپ کا کیا خیال ہے میں اس موذی نشے کا شکار ہو جاتی' لیکن اس کے باوجود جس طرح بھی بن پڑتا ظلم و ستم سہہ کر میں یہ لمحات ٹال جاتی' گزار دیتی لیکن میں کیا کروں۔"

"ہوں' فرخندہ سمجھنے کی کوشش کرو' دیکھو جلد بازی نہ کرو۔"

"اب رہ کیا گیا ہے' آپ مجھے صرف یہ بتا دیجئے اب کیا رہ گیا ہے؟"

"میں' میرا خیال ہے تم بہت غیر معقول ہو رہی ہو' کچھ پیو' تھوڑی سی کوئی ٹھنڈی چیز پیو' ٹھنڈے دل اور دماغ سے سوچو۔"

"آپ پتا نہیں کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"تو پھر تم کیا چاہتی ہو؟"

"مجھے میرے گھر واپس بھجوا دیجئے' یہ تو ہونا تھا' وہ ہو گیا ہے جو آپ نہیں چاہتی تھیں' میں بھی نہیں چاہتی تھی' لیکن قدرت یہی چاہتی تھی۔"

"تم بیٹھو ایک منٹ بیٹھو۔" مسز حسین نے کہا اور اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ نجانے کیسی کیفیت ہو رہی تھی ان کی' بہرحال انہوں نے کچن میں جا کر سیب کا جوس نکالا' سیب کا مزہ بھی ذرا تیز ہوتا ہے اور خوشبو بھی' اور پھر انہوں نے ایک اور عمل کیا۔ سیب کے جوس میں خواب آور گولیوں کی اچھی خاصی مقدار ملائی اور اس میں حل کر لیا پھر وہ جوس کے دو گلاس لئے ہوئے واپس کمرے میں آ گئیں' فرخندہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"لو۔" انہوں نے ایک گلاس فرخندہ کی طرف بڑھایا اور دوسرا سامنے رکھ لیا۔ فرخندہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے' مسز حسین نے اپنا گلاس اٹھا کر ہونٹوں کے قریب کیا اور فرخندہ سے بولیں۔

"لو پلیز سیب کا جوس ہے خراب ہو جائے گا۔" فرخندہ نے گلاس اٹھایا' ہونٹوں سے لگایا اور اس کے بعد غٹاغٹ کر کے سارا گلاس خالی کر گئی۔ مسز حسین کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"اور دوں۔"

"نہیں۔"

"اب ذرا غور کرو۔ آرام سے آنکھیں بند کر لو' غور کرو۔" مسز حسین فرخندہ کو غور سے دیکھتی ہوئی بولیں۔ فرخندہ نے آنکھیں بند کر لیں' عجیب سا بوجھ ذہن پر طاری ہو رہا

تھا۔ طبیعت میں ایک متلاہٹ سی پیدا ہو رہی تھی اور مسز حسین بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بہرحال خاصا وقت گزرا اور اس کے بعد فرخندہ کے انداز میں غنودگی کے آثار نظر آنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور گہرے گہرے سانس چلنے لگے۔ مسز حسین نے جلدی سے اس کے آگے رکھا ہوا گلاس اٹھایا اور اسے لے کر واپس کچن میں پہنچ گئیں، اپنے گلاس کا جوس واش بیسن میں بہایا۔ گلاسوں کو خوب دھو کر صاف کر کے قرینے سے رکھا اور اس کے بعد واپس کمرے میں آ گئیں۔

کوٹھی کے اندرونی حصے میں ایک تہہ خانہ بنا ہوا تھا اس تہہ خانے کے بارے میں تقریباً سبھی جانتے تھے، بیکار پڑا ہوا تھا۔ کاٹھ کباڑ، پرانا سامان، بستر وغیرہ نجانے کیا کیا..... وہ اس وقت اپنی ہمت اور قوت سے زیادہ کام لے رہی تھیں۔ فرخندہ جیسی جوان لڑکی کو اٹھا کر اس جگہ تک لانا معمولی بات نہیں تھی، لیکن بہرحال وہ فرخندہ کو تہہ خانے میں لے آئیں اور وہاں انہوں نے اسے بند کر دیا، اس تہہ خانے کے بارے میں باہر کسی آدمی کو علم نہیں تھا۔ گھر کا کوئی فرد سوچ بھی نہیں سکتا تاکہ مسز حسین کوئی ایسا عمل کر رہی ہیں جو کسی گھریلو عورت کے لئے ناممکن ہی ہو، لیکن مسز حسین کے ذہن میں نجانے کیا تھا۔ بہرحال انہوں نے فرخندہ کو تہہ خانے میں لے جا کر بستر پر لٹا دیا۔ پنکھا کھولا اور اس کے بعد ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ بہت عجیب کیفیت ہو رہی تھی ان کی، پھر انہوں نے فرخندہ کے دونوں ہاتھ پشت پر کس کر باندھ دیئے، پیروں میں مضبوط رسی باندھ کر اسے مسہری کے مضبوط پایوں سے باندھ دیا، وہ اس وقت وحشت و درندگی پر اتری ہوئی تھیں اور ان کا شیطانی ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو معتدل کیا، آہستہ آہستہ باہر آئیں، ٹیلی فون تک پہنچیں اور تابندہ کے گھر ٹیلی فون کیا، گھر پر تابندہ موجود نہیں تھی، ٹیلی فون مرزا صاحب نے اٹھایا تھا اور بولے تھے۔

"ہاں کون ہے؟"

"میں مسز حسین بول رہی ہوں۔"

"کہئے مسز حسین خیریت، میں مرزا سخاوت بیگ بول رہا ہوں۔"

"وہ مرزا صاحب، کیا فرخندہ گھر پہنچ گئی۔"

"فرخندہ۔"

"جی؟"

"نہیں، یہاں تو نہیں آئی، کیا بھیجا ہے آپ نے اسے؟"

"تابندہ کہاں ہے؟"

"آفس میں ہو گی۔"

"ان کے آفس کا نمبر، ہاں ہے میرے پاس، ٹھیک ہے مرزا صاحب۔"

"سنو بات تو سنو، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"جی نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔" مسز حسین نے کہا اور اس کے بعد تابندہ کے آفس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد تابندہ سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"تابندہ۔" مسز حسین نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کون؟"

"مسز حسین بول رہی ہوں آواز نہیں پہچانی میری۔"

"اوہ سوری آنٹی اب پہچان گئی۔"

"فرخندہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"کیا؟" تابندہ نے حیرت سے پوچھا۔

"چلی گئی ہے گھر سے، کسی سے کچھ کہے سنے بغیر، پیسے لے گئی ہے تھوڑے سے، گھر نہیں پہنچی، میں ابھی گھر ٹیلی فون کر کے مرزا صاحب سے معلوم کر چکی ہوں۔"

"کک..... کیا، خ..... خیریت تو ہے؟"

"اگر ہو سکے تو تم میرے پاس آ جاؤ۔"

"جی میں آ رہی ہوں۔" تابندہ نے کہا اور مسز حسین نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا، چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا کئے اور پھر ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر تابندہ کا انتظار کرنے لگیں۔ تابندہ ہانپتی کانپتی مسز حسین کے پاس پہنچی تھی۔

"خیریت، آنٹی کیا ہوا؟"

"تابندہ کچھ گڑبڑ ہو گئی، میں سخت پریشان ہوں۔"

"کیوں خیریت، کیا ہوا؟"

"بس وہ فرخندہ کی شمشاد سے کچھ لڑائی ہو گئی تھی۔"

"لڑائی ہو گئی تھی؟"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"وہ گھر سے چلی گئی، لڑائی کے بارے میں تو مجھے علم نہیں تھا، لیکن میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ فرخندہ ایسا کوئی قدم اٹھا لے گی۔ میں نے کافی دیر کے بعد اسے تلاش کیا، تو وہ موجود نہیں ملی اور نجانے، نجانے کہاں چلی گئی، وہ پرس بھی غائب ہے اس کا، پیسے اچھے خاصے ہیں اس کے پاس، سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ وہ گھر نہیں پہنچی میں نے فون کیا تھا وہ مرزا صاحب۔"

"جی جی، مگر فرخندہ، یہاں تو ہمارا کوئی اور ہے بھی نہیں۔ نجانے کہاں چلی گئی وہ، کتنی دیر ہو گئی؟"

"میرا خیال ہے کوئی دو گھنٹے کے قریب ہو گئے۔"

"اوہ آنٹی کہیں' کہیں اس نے کوئی غلط قدم نہ اٹھا لیا ہو۔" تابندہ روہانسی ہو گئی۔

"اب بتاؤ کیا کریں؟"

"آیئے اسے تلاش کریں اور کیا کر سکتے ہیں؟"

"میں سوچ رہی ہوں پولیس میں رپورٹ درج کرا دوں۔"

"آنٹی کیا یہ اچھا رہے گا؟"

"تو پھر بتاؤ کیا کروں؟"

"میرے تو ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں' تم گاڑی میں آئی ہو اپنی؟"

"جی۔"

"تو پھر آؤ چلتے ہیں مگر کہاں' کہاں تلاش کریں گے؟"

"آپ آیئے تو۔" تابندہ نے کہا اور اس کے بعد مسز حسین کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چل پڑی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا' فرخندہ کے بارے میں اتنا تو جانتی تھی کہ زندگی سے بیزار ہے لیکن اس قدر باہمت ہے کہ گھر سے نکل کھڑی ہو گی اس بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا' ایک بھی تو گھر ایسا نہیں تھا جس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ فرخندہ نے ادھر کا رخ کیا ہو گا اور پھر کہیں اور جانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ایسی کوئی بات ہوئی تھی تو سیدھی گھر آتی' سڑکوں پر نگاہیں دوڑاتی ہوئی چلتی رہی اور دل و دماغ بے قابو ہوتے رہے' آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور بار بار آنسو پونچھ رہی تھی' مسز حسین بھی اداکاری کر رہی تھیں اور جھوٹ موٹ کے آنسو بہا رہی تھیں۔ نجانے کب تک وہ اسی طرح مارے مارے پھرے' پھر تابندہ اپنے گھر آئی' مرزا صاحب سے فرخندہ کے بارے میں پوچھا تو مرزا صاحب اکھڑ گئے۔

"آخر کہاں مر گئی وہ' بغیر کہے سنے گھر سے نکلی ہی کیوں' کیا اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا؟" لیکن وہ انہیں بکتا جھکتا چھوڑ کر باہر نکل آئیں' مطلب تو یہی تھا کہ یہ پتا چل جائے کہ فرخندہ یہاں پہنچی یا نہیں' پھر جب وہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئیں تو تابندہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"آنٹی! میرا خیال ہے فرخندہ' فرخندہ نے خودکشی کر لی۔ آہ آنٹی میری بہن بھی مر گئی آہ میری بہن بھی مر گئی...." تابندہ زار و قطار رونے لگی۔ مسز حسین نے کہا۔

"تابندہ حوصلہ رکھو' خدا پر بھروسہ رکھو' اللہ جو کچھ بھی کرے گا بہتر ہی کرے گا۔" یہ کہتے ہوئے بھی ان کے سیاہ دل پر کوئی ضرب نہیں پہنچی تھی۔ دل جب سیاہ ہو جاتے ہیں تو انسان اسی طرح دیوانہ ہو جاتا ہے۔

بہرحال مسز حسین کو ان کے گھر پر اتار دیا اور اس کے بعد تابندہ کار لے کر نکل کھڑی

ہوئی۔ مسز حسین گھر میں داخل ہونے کے بعد ایک ایسی جگہ پہنچیں جہاں سے تابندہ کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکے۔ وہ جا چکی تھی' جب وہ چلی گئی تو مسز حسین ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں آ بیٹھیں اور پھر دیر تک اسی جگہ بیٹھی سوچتی رہیں۔ نجانے کیا کیا خیالات ان کے دل میں جاگزین تھے۔ بہت دیر تک اسی طرح بیٹھی رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے سب سے قدیم ملازم ستار کو بلایا۔ یہ ملازم تقریباً چودہ سال سے مسز حسین کے گھر پر کام کر رہا تھا۔ بیوی بچوں والا آدمی تھا۔ بیوی بچے کسی اور جگہ رہتے تھے' جاتا آتا رہتا تھا۔ ستار کو پاس بلا کر بٹھایا اور دیر تک اس کی صورت دیکھتی رہیں' پھر انہوں نے کہا۔

"ستار! کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں ہمارے ہاں کام کرتے ہوئے؟"

"جی۔"

"کتنے عرصے سے یہاں کام کر رہے ہو؟"

"بہت عرصہ ہو گیا بیگم جی' اب تو یاد بھی نہیں رہا ہے۔"

"تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے ہم سے؟"

"نہیں جی' کوئی غلطی ہو گئی ہم سے کیا؟"

"جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دو۔"

"نہیں جی' کوئی تکلیف نہیں پہنچی مجھے تو' میں تو آپ سب سے بہت خوش ہوں۔"

"یہ پانچ ہزار روپے رکھو' میری طرف سے انعام ہے۔"

"جی۔" ستار کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"بچوں کے بہت سے کام رکے ہوں گے انہیں دے دینا۔"

"مگر بیگم جی یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔"

"ہاں اور ایک خاص کام کے سلسلے میں تمہیں دی گئی ہے۔"

"کیا بات ہے بیگم جی؟"

"یہ بتاؤ راز کو راز رکھ سکتے ہو؟"

"جان دے دیں گے بیگم جی' کوئی راز کبھی نہیں کھولیں گے' نمک حلال آدمی ہیں۔"

"کس کے؟"

"آپ کے جی۔"

"اور خالق حسین صاحب کے۔"

"ان کے بھی ہیں۔"

"بس یہی خرابی ہے' ایک راز ہے' جو میں خالق حسین سے بھی چھپانا چاہتی ہوں' بولو کیا یہ راز راز رکھ سکو گے؟"

"آپ حکم دیں گی تو رکھیں گے جی۔"

"سوچ لو ستار؟"

"بیگم جی' ایک دفعہ ہماری آزمائش کر کے دیکھیں' انشاء اللہ پورے اتریں گے اس آزمائش میں۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔" مسز حسین نے کہا اور ستار کو لئے ہوئے تہہ خانے میں پہنچ گئیں۔ ستار اس تہہ خانے کے بارے میں جانتا تھا' لیکن یہاں فرخندہ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ مسز حسین نے کہا۔

"ستار کچھ ایسی صورت حال ہو گئی ہے کہ مجھے اسے یہاں لانا پڑا' اس کا یہاں بند رہنا ضروری ہے' اگر یہ یہاں سے نکل بھاگی تو سمجھ لو کہ ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی' ہم بہت بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ تمہیں اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا ہے میں خود تو ہر وقت نہیں آ سکتی' لیکن تم اس کی دیکھ بھال کرو گے' صبح سب سے پہلے اٹھ کر یہاں آؤ' اس کی دیکھ بھال کرو اور اس کے بعد رات کو جب سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیں تو یہاں آؤ' خبردار! رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ ستار تمہارے ساتھ جو سلوک ہو گا تم نہیں جانتے' یہ میری مجبوری ہے' میں بعد میں تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی' سمجھے۔" ستار نے بادل نخواستہ گردن ہلا دی۔

"آؤ میرے ساتھ۔" مسز حسین نے کہا اور ستار کو لئے ہوئے باہر نکل آئیں۔ تہہ خانے کا دروازہ احتیاط سے بند کر دیا گیا تھا' مسز حسین نے کہا۔

"بس تھوڑے دن کی بات ہے۔ اسے زیادہ عرصہ یہاں نہیں رکھنا ہے۔"

"جی بیگم جی۔"

"ہوشیاری سے اس کی نگرانی کرو۔ کام کی تکمیل کے بعد تمہیں زبردست انعام دوں گی۔"

"آپ ہی کا دیا کھاتے ہیں بیگم جی' ہمیں انعام کا لالچ نہیں ہے۔ بس اتنا بتا دیں کہ انہیں یہاں کیوں بند کیا ہے۔" ستار نے کہا' اور مسز حسین اسے گھورنے لگی۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"پرندہ پنجرے میں چہچہائے تو اچھا لگتا ہے' لیکن وہ پرواز کے لئے پر تول رہا ہو تو..... اسے سنبھالنا پڑتا ہے۔"

"مگر کوئی ہم سے اس بارے میں پوچھے تو۔"

"کیوں؟ تم سے کیوں پوچھے گا' کیا تم اس گھر کے سرپرست ہو۔ اوقات سے آگے بڑھے ستار تو نقصان اٹھاؤ گے۔ یہ مت سمجھنا کہ اس چھوٹے سے کام کی وجہ سے میں تمہارے دباؤ میں آ جاؤں گی۔"

"نہیں بیگم جی۔ ہمارا یہ مطلب نہیں تھا۔ ہم تو پولیس کی بات کر رہے تھے۔"

"رازداری برتنا تمہارا کام ہے۔ یہی تمہاری وفاداری کا امتحان ہو گا۔"

"ٹھیک ہے بیگم جی۔" ستار نے کہا اور مسز حسین اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

تابندہ کے چاروں طرف تاریکیوں کا راج تھا۔ زندگی میں کچھ بھی تو نہیں رہ گیا تھا۔ اب تو اس طرح تنہائی ہو گئی تھی کہ روشنی کا کوئی سراغ نہیں رہ گیا تھا۔ کسی کو اپنا نہیں کہہ سکتی تھی۔

دوسری طرف اتنا بڑا کاروبار تھا اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کچھ نہ کرنے کے باوجود اس میں دن دونی رات، چوگنی ترقی ہو رہی تھی۔ وہ حالات پر غور کرتی تو خود اپنی کہانی میں کھو جاتی۔

آغاز کہاں سے ہوا تھا' انجام کہاں جا کر ہو' رات کی تنہائیوں میں جب مرزا سخاوت بیگ حلق تک ٹھونسنے کے بعد اپنے کمرے میں خراٹے نشر کر رہے ہوتے تھے' وہ اپنی کہانیوں میں گم ہو جاتی تھی۔ بے شک ایک دور تھا' معصومیت کا' محبت کا' حسن کا حسن کے ساتھ جو واقعات پیش آئے تھے وہ آج بھی ہونٹوں پر مسکراہٹ بن جاتے تھے لیکن پھر انہی ہونٹوں سے خون ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ کس نے ساتھ دیا' حسن بھی تو حالات سے اکتا کر چھوڑ گیا۔ کوئی پائیدار نہیں ہے کسی کی محبت اہمیت نہیں رکھتی خود جلتے رہو' جس کے پیار میں جی چاہے جلتے رہو' جب اس سے کچھ طلب کرو گے تو مایوسیوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کس کو اپنا کہا جائے' کس کو نہ کہا جائے۔

بہرحال بڑی غم آلود زندگی گزر رہی تھی۔ سب سے زیادہ فرخندہ کی گمشدگی نے بے حال کر دیا تھا۔ زمانہ شناس تھی جانتی تھی کہ اگر پولیس کے چکر میں پڑی تو پولیس رگڑ کر رکھ دے گی ہونا ہوانا کچھ نہیں۔ بس دن رات کی مشکلات کا شکار ہو جائے گی چنانچہ مسز حسین ہی سے رابطہ قائم رکھا تھا اور جب بھی دل میں آگ بھڑکنے لگتی تو ان کے پاس پہنچ جاتی۔

خالق حسین کو بھی صورت حال کا علم ہو گیا تھا اور وہ بے حد بے چین تھے۔ بیوی کو ہمیشہ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ نہ جانے ان کے ذہن میں کیا خیال تھا لیکن مسز حسین اپنے فن میں یکتا تھیں۔ ابھی تک تو انہوں نے شوہر کو بھی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ بہرحال اس وقت بھی تابندہ مسز حسین کے پاس پہنچی تھی اور مسز حسین نے غم انگیز انداز میں اس کا استقبال کیا تھا۔

"کیسی ہیں آنٹی؟" تابندہ نے سوال کیا اور مسز حسین کے ہونٹوں پر غم آلود مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کسی برباد شدہ گھر میں کوئی کیسا ہو سکتا ہے' تم خود بھی اندازہ لگا سکتی ہو تابندہ۔"

"لیکن آنٹی کہیں سے اس کی لاش کی کہانی بھی تو سامنے نہیں آئی؟"

"ہائے کیسی باتیں کرتی ہو تابندہ' سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ارے اس لئے تو اسی ڈولی میں بٹھا کر گھر نہیں لائی تھی کہ ایک دن اس کی لاش کی داستان سنوں۔"

"آنٹی آپ عورت ہیں؟" تابندہ نے کہا اور مسز حسین چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ کوئی شک ہے مجھ پر؟"

"ہاں آنٹی مجھے آپ پر شک ہے۔" وہ جنونی لہجے میں بولی۔

"کیا شک ہے؟"

"یہ کہ آپ عورت نہیں ہیں۔"

"نہ جانے کیوں یہ الفاظ کہہ رہی ہو تم۔ میں عورت بھی ہوں تابندہ اور ماں بھی۔"

"اگر آپ ان دونوں صفات سے بہرہ ور ہوتیں آنٹی' تو کبھی ایک مظلوم لڑکی کو اپنی ہوس کی بھینٹ نہیں چڑھاتیں۔"

"ماں بنو گی تابندہ تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ ماں کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔" مسز حسین نے کہا۔

"آہ وہ نہ جانے کہاں گئی' کس حال میں ہو گی وہ آپ جانتی ہیں اس نے یہ گھر کیوں چھوڑا؟"

"ہاں جانتی ہوں۔"

"اس کی مجرم آپ ہیں آنٹی۔"

"دیکھو تابندہ غم مجھے بھی ہے لیکن فیصلہ تو تمہاری بہن نے کیا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ بہت خود سر تھی۔"

"آنٹی! وہ بالکل خود سر نہیں تھی' وہ ایک معصوم لڑکی تھی۔"

"مانتی ہوں لیکن جو کچھ اس نے کیا' کیا تمہارے مشورے سے کیا یا میرے مشورے سے کیا' کچھ کرنے سے پہلے اسے کچھ تو سوچنا چاہئے تھا۔"

"کیا سوچتی؟ پاگل ہو گئی تھی وہ! مگر آنٹی ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"تم چونکہ اس قدر غمزدہ ہو کہ مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے' ورنہ جو طنزیہ باتیں تم کر جاتی ہو تابندہ' مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔"

"ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' میں یہ کہہ رہی تھی آنٹی کہ اس نے نہایت عزم سے کہا تھا کہ وہ اپنا مستقبل تعمیر کرنے کی کوشش کرے گی پھر اس نے گھر کیوں چھوڑ دیا؟"

"یہی تو سب سے زیادہ افسوس ناک بات ہے اگر وہ کچھ نہیں کرتی تو.... تو.... تو کسی

سے کہتی تو سہی فیصلہ خود کر لیا اس نے' کاش وہ ہمیں فیصلہ کرنے کا موقع دیتی۔" مسز حسین بولیں۔

"آنٹی میں کیا کروں؟"

"افسوس میں تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

اسی دوران خالق حسین آ گئے۔ تابندہ کو دیکھ کر پژمردگی سے مسکرائے اور بولے۔

"یقیناً کوئی اچھی خبر تمہارے پاس بھی نہیں ہے تابندہ؟"

"اچھی خبر۔ انکل اچھی خبر کیا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ فرخندہ کی لاش دستیاب ہو گئی۔"

خالق حسین ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے۔ تابندہ نے کہا۔

"آنٹی کاش' کاش مجھے اس وقت اختیارات حاصل ہوتے' کاش میں وہ کر سکتی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔"

خالق حسین کہنے لگے۔ "آخر ہم پولیس سے کیوں اجتناب برت رہے ہیں؟"

"کیا ہو گا انکل۔ ہم پولیس کو رپورٹ کریں گے پولیس تفتیش کرے گی اور اس کے بعد ہمارا اور اس کا گہرا تعلق ہو جائے گا۔ بے کار ہے سب کچھ بے کار ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ پولیس کا کام دوسروں کو پریشان کرنا ہی ہوتا ہے۔ کر کے کچھ نہیں دیں گے۔ صبح شام آتے جاتے رہیں گے اور ہم لوگوں کو پریشان کرتے رہیں گے۔"

"میں چلتی ہوں آنٹی۔"

"بیٹھو تابندہ' کچھ کھا پی لو۔"

"جو کچھ کھا پی رہی ہوں وہی کافی ہے۔" تابندہ نے کہا اور وہاں سے نکل آئی۔ وہ گھر واپس آ گئی تھی۔ مرزا صاحب وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے پراطمینان انداز میں دیوار کو گھور رہے تھے۔ اسے دیکھ کر بولے۔

"بہت مصروف رہتی ہو تم آج کل۔"

"جی ابو۔"

"اتنی مصروفیت اچھی نہیں ہوتی۔"

"جی ابو۔"

"کیا جی ابو' جی ابو لگا رکھی ہے۔ میں گھر میں بالکل اکیلا رہتا ہوں۔"

"تو آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کے پاس بیٹھی رہوں۔"

"ہاں' ہوتا ہے' یہی ہوتا ہے۔ تم ان دونوں مردودوں سے مختلف کہاں ہو' ارے بچے تھے تو باپ کے سینے پر بیٹھے رہا کرتے تھے' ضدیں کرتے تھے اور فرمائشیں کرتے تھے اور میں حتی الامکان ان کی فرمائشیں پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ آخر کار جب اپنے پر نکلے تو

آشیانے سے اڑ گئے۔ کیا کھیل ہے قدرت کا بھی۔ یہ انسان اولاد سے اس قدر محبت کیوں کرتا ہے' کتنا پاگل ہے یہ' کیا اسے احساس نہیں ہوتا کہ سب کچھ بے مقصد ہے' یہ صرف ایک فرض ادا کر رہا ہے وہ! اور جب فرض پورا کر چکے گا تو اس کے بعد اس کے ہاتھوں میں کچھ نہیں رہے گا۔"

"ابو! اگر یہی سوچا جاتا تو آج دنیا قائم کیوں ہوتی۔"

"تباہ ہو جانا چاہئے اس دنیا کو' بے کار ہے' بے مقصد ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے میرے لئے بادام کا حلوہ تیار کرایا؟"

تابندہ نے غم آلود نگاہوں سے باپ کو دیکھا اور بولی۔ "ابو! آپ مر نہیں سکتے؟"

"ہیں۔ کیا کہہ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ سینہ غم سے پھٹا جا رہا تھا اور مرزا صاحب کو بادام کا حلوہ درکار تھا۔ وہ تو تابندہ کے الفاظ پر ہی غور کرتے رہ گئے تھے' غالباً صحیح الفاظ سمجھ نہیں پائے تھے۔ بہرطور تابندہ اندر کمرے میں جا بیٹھی' رخشندہ کو یہ سب کچھ نہیں بتایا گیا تھا' کیا فائدہ' ذکر کرتی تو مسز عالمگیر' نعمان اور رخشندہ پھر آ جاتے۔ کیا سوچتے وہ اپنے دل میں' کتنا پریشان کیا ہے ان لوگوں نے' کہیں مسز عالمگیر یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائیں کہ رخشندہ سے شادی کر کے انہوں نے خواہ مخواہ اپنے لئے ایک عذاب مول لے لیا ہے۔ آج یہ ہو گیا کل وہ ہو گیا۔ بس اسی مشکل میں پڑے رہو' نہیں اسے اس کی زندگی گزارنے دی جائے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔

❑

فرخندہ نے کبھی خواب میں بھی ایسی صورت حال کے بارے میں نہیں سوچا تھا' کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو آخر۔ مسز حسین اس طرح اس کی دشمن کیوں ہو گئی ہیں اس کے دل میں نفرتوں کے طوفان کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ جانتی تھی کہ تقدیر کا یہی فیصلہ ہے اس لئے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا اور اس وقت جب نعمان رخشندہ اور مسز عالمگیر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس ذلیل انسان سے طلاق لے لی جائے تو اس نے نہ جانے کن جذبوں کے تحت اس سے انکار کر دیا تھا لیکن اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ برے انسان ہمیشہ ہی برے رہیں گے ان سے کسی اچھائی کی توقع کرنا فضول ہے اگر مسز حسین اتنی ہی شریف خاتون ہوتیں تو یہ گھناؤنا جرم کبھی نہ کرتیں۔ پہلے اپنے بیٹے کا علاج کراتیں اور اس کے بعد کسی معصوم لڑکی کو تباہ کرنے کے بارے میں سوچتیں لیکن انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ ایک انسانی جرم تھا اور ایک مجرم جرم کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔ اس بدقماش شخص نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب اس کے بعد میرا اس سے واسطہ خودبخود ختم ہو گیا ہے پھر مسز حسین آخر کیا چاہتی ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی' مذہب نے جو اصول متعین کر دیئے ہیں' وہ

اس سے انحراف کر رہی ہیں۔ مسلمان ہیں بھی یا نہیں؟"

لیکن بے چاری فرخندہ کیا جانتی تھی کہ اس وقت انسانی سوچ کن راستوں پر مڑ چکی ہے۔ مذہب تو صرف نام کی حد تک رہ گیا ہے' لوگ ہر چیز کو اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ مذہب کا نام لے کر وہ ذہنوں سے کھیلتے ہیں لیکن اپنے ذہنوں سے نہیں' دوسروں کے ذہنوں سے۔ مسز حسین اس طلاق کے بعد بھی فرخندہ سے یہ توقع رکھتی تھیں کہ طلاق کی بات منظر عام پر نہ آئے اور یہ سلسلہ جاری رہے' گویا ایک غیر مرد اور غیر عورت ساتھ رہیں اور ان کی ساکھ بنی رہے لیکن آخر اس سے فائدہ۔ وہ تنہا پڑی مستقل یہ سوچتی رہتی تھی۔ مسز حسین اس پر حاوی تھیں اور وہ اپنے آپ میں اتنی ہمت نہیں پاتی تھی کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے اور کر بھی کیسے سکتی تھی۔

یہاں اس تنہا قید خانے میں اس کے پاس کرنے کے لئے کیا تھا۔ پاگلوں کی طرح ماری ماری پھرتی رہتی تھی ہر ایسی جگہ تلاش کرتی تھی جہاں سے باہر نکلنے کے امکانات پیدا ہو جائیں لیکن ایسا ممکن نہیں تھا پھر اس نے ستار کو دیکھا جو کھانا لے کر آیا تھا۔ فرخندہ اسے خونی نگاہوں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"تم کون ہو؟"

"بی بی جی ستار ہوں۔"

"ہاں ستار تو ہو لیکن کیا مسز حسین نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں یہاں قید ہوں۔"

"ہاں جی۔"

"اور تمہیں یہ کھانا دے کر بھیجا ہے؟"

"ہاں جی۔ اب ہم ہی آپ کے لئے کھانا لایا کریں گے؟"

"کتنے پیسے ملے ہیں تمہیں یہ راز' راز رکھنے کے؟"

"جی؟"

"کتنے پیسے ملے ہیں تمہیں؟"

"وہ جی بس مالکوں کا حکم ہے؟"

"اللہ کا کیا حکم ہے۔" فرخندہ نے پوچھا۔

"ہیں جی؟"

"میں پوچھ رہی ہوں اللہ کا حکم کیا ہے؟"

"وہ پتا نہیں جی۔"

"گڈ' ویری گڈ۔ تمہیں مالکوں کا حکم پتا ہے' اللہ کا حکم نہیں پتا۔ ستار ہمیشہ غلام رہو گے تم ہمیشہ زندگی بے بسی اور بے کسی میں گزار دو گے سمجھے۔"

"کھانا کھا لیجئے بی بی جی۔"

"لعنت بھیجتی ہوں میں ایسے کھانے پر۔"

"دیکھیں بی بی جی انسان بڑا جذباتی ہوتی ہے۔ ہم غلام ہیں اگر ہم بیگم صاحبہ کی بات نہیں مانیں گے تو نکال دیئے جائیں گے اور سچی بات یہ ہے جی کہ آج کل نوکریاں کہاں ملتی ہیں اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ بیگم صاحبہ نے ہمیں انعام بھی دیا ہے۔ حالانکہ ہم دل سے یہ سب کچھ نہیں چاہتے تھے مگر کیا کریں جی مجبوری ہے۔"

"ستار اگر تمہاری اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو؟"

"تو جی۔"

"تو کیا تم اس کے ساتھ یہ سلوک برداشت کر سکتے تھے؟"

"نہیں جی۔"

"تو تم مجھے اپنی بیٹی سمجھ لو ستار۔"

"نہیں جی آپ ہماری بیٹی کہاں ہیں آپ تو مالکن ہیں۔"

"اور مالکن کو تم نے قید کر رکھا ہے۔"

"نہیں جی۔ ہم نے کہاں قید کر رکھا ہے جی' قید کرنے والے تو دوسرے ہی ہیں۔ ہماری ایسی ہمت کہاں۔"

"مجھے بتاؤ ستار تمہیں کتنا انعام ملا ہے' مجھے آزاد کر دو ستار۔ میں بھی تمہیں منہ مانگا انعام دے سکتی ہوں۔"

"نہیں جی انعام کی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"آپ نہیں جانتیں بیگم صاحبہ کو۔"

"کیا مطلب؟"

"قتل کر دیں گی وہ ہمیں۔ پولیس کے چکر میں پھنسا دیں گی۔"

"نہیں پھنسا سکیں گی میں تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"دیکھو بیگم جی آپ کھانا کھا لو ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے' ہمارے کان بند ہیں' اب آپ جو کچھ کہتی رہو گی ہماری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ہم چل رہے ہیں۔" ستار نے کہا اور کھانا رکھ کر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ فرخندہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔

ہاں حکم کے بندے ہیں یہ لوگ ذہنی طور پر غلام ہیں۔ ان سے بھلا کسی اچھائی کی توقع کیا رکھی جا سکتی ہے لیکن لیکن اب مجھے کرنا کیا چاہئے۔ کیسے نکلوں یہاں سے' کس طرح اپنی روداد دوسروں تک پہنچاؤں' تابندہ کا کیا حال ہو گا' اس نے میری خبر نہیں لی ہو گی' کیا اسے یہ علم نہیں ہو گیا ہو گا کہ میں گھر پر نہیں ہوں' مسز حسین نے اس سے کیا کہا ہو گا؟ کیا ہوا

ہو گا؟ اور اب اس تہہ خانے میں سز حسین میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟"

وہ سوچتی رہی پھر بھوک کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا کہ اپنے آپ کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے کھانا پینا تو لازمی چیز ہے اگر اس سے منحرف ہوئی تو کچھ بھی نہیں کر سکے گی، کچھ سوچنا چاہئے، کچھ کرنا چاہئے۔ ہوش و حواس سے کام لے کر مسز حسین کو ہی کسی طرح رام کرنا چاہئے لیکن بہت زیادہ ذہنی صلاحیتوں کی مالک نہیں تھی ایک نارمل سی لڑکی تھی جس نے گھر کے علاوہ دنیا میں اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔ تابندہ تو خیر اب گھر سے باہر نکل چکی تھی اور اسے دنیا جہاں کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا لیکن بے چاری فرخندہ تو ابھی تک معصوم بچوں کی مانند ہی گزارتی رہی تھی۔ اسے حالات کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کھانا کھا لیا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی لیکن ذہن مسلسل مشکلات کا شکار تھا۔ شمشاد کی درندگی یاد آتی تھی اور اس کے دل میں نفرت کے طوفان کے سوا اور کچھ نہیں ابھرتا تھا۔ شمشاد انسان تھا ہی کہاں۔ زندگی کا ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں گزرا جب اس کے دل میں اس کے لئے گداز پیدا ہوا ہو یا اس نے فرخندہ کی جانب کسی قسم کی کوئی توجہ کی ہو۔ کم بخت نشے باز۔ بس نشے کی دنیا میں مست۔ پتا نہیں یہ انسانوں کی کون سی قسم ہوتی ہے۔ یہ لوگ کیوں اس طرح اپنی زندگی نشے کے حوالے کر دیتے ہیں۔

بہرحال فرخندہ کے پاس ان سوچوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ بے چاری وقت گزارتی رہی، ایک دن، دو دن، تین دن، چار دن، پانچ دن، ستار کم بخت واقعی پتھر کا بت تھا، کوئی بات سنتا ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں کس لالچ کا شکار ہو گیا تھا وہ۔ یہاں بیٹھے بیٹھے اس کے ذہن پر وہ سوار ہونے لگتا تھا اور اس کی سوچیں اس کے سر کو چکرائے دیتی تھیں۔ وحشت کے عالم میں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگتی تھی کبھی سوچتی کہ دیواروں سے سر ٹکرا کر خودکشی کر لے لیکن پھر یہ خیال آتا کہ میں کیوں مروں۔ میں نے تو کوئی قصور بھی نہیں کیا ہے۔ دنیا نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہ دنیا کا قصور ہے میرا تو نہیں۔ بس انہی سوچوں میں وقت گزر رہا تھا۔

پھر ایک دن لیٹے لیٹے اچانک اسے احساس ہوا کہ چھت نیچے آ رہی ہے۔ وہ نیچے جھکتی ہوئی چھت کو دیکھتی رہی اور پھر اس کے حلق سے دہشت ناک چیخیں نکل گئیں اس نے دونوں پاؤں اوپر اٹھائے اور چھت کو اپنے قریب آنے سے روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ نہ جانے کیا بات ہوئی، چھت اس کے پیروں تک پہنچ ہی نہیں پا رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور مسہری کے نیچے گھس گئی، اب اسے ذرا سا سکون حاصل ہوا تھا اگر چھت نیچے آئی بھی تو مسہری سے ٹک جائے گی، مسہری کافی اونچی ہے۔ بہت دیر تک وہ مسہری کے نیچے لیٹی رہی اور پھر اس نے آہستہ سے گردن نکال کر چھت کو دیکھا اور ایک دم اس کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

"اب بول۔" وہ چھت کو جوتا دکھا کر بولی اور مسہری کے نیچے سے باہر نکل آئی۔

"میں تجھے ایک گھونسے میں واپس تیری جگہ پہنچا سکتی ہوں۔" اس نے کہا اور چھت کو دیکھ کر قہقہے لگانے لگی، ستار کھانا لے کر اندر داخل ہوا تو وہ کہنے لگی۔

"اوہو سکندر اعظم آپ، آپ دنیا کو فتح کر کے یہاں تک پہنچ گئے۔"

"ک، ک، کیا ہوا؟" ستار نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"راجہ پورس کے ہاتھی بھاگ گئے۔" اس نے کہا۔

"ک کدھر؟" ستار بوکھلا کر پیچھے دیکھنے لگا۔

"ادھر تھوڑی۔" اس طرف فرخندہ نے کہا اور ایک جانب اشارہ کیا۔ ستار کو اچانک ہی ایک احساس ہوا کہ فرخندہ عقل و ہوش کی باتیں نہیں کر رہی ہے وہ آہستہ سے بولا۔

"بی بی جی کھانا کھا لو۔"

"بی بی جی، کون بی بی جی، اے بے وقوف آدمی تم ملکہ اولمپیاس کو نہیں جانتے۔"

"ک، کون ملکہ جی؟"

"اولمپیاس، اولمپیاس سکندر کی ماں، تم نے دیکھا ہمارے بیٹے نے کس طرح دنیا میں اپنے فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔"

"ارے بب، باپ رے۔" ستار نے کہا اور الٹے قدموں تہہ خانے سے واپس نکل بھاگا، اس کے پاس ایک اہم اطلاع تھی اور وہ اطلاع یہ تھی کہ فرخندہ پاگل ہو گئی ہے۔

❑

مسز حسین کے لئے یہ خبر بھی بڑی پریشان کن تھی، وہ اب تک فرخندہ کو قید خانے میں ڈالنے کے بعد اس کے پاس نہیں گئی تھی، ذہن میں کوئی خاص منصوبہ نہیں تھا۔ بس یہ خیال تھا کہ اس راز کو صیغہ راز میں رہنا چاہئے۔ یہ بات منظر عام پر نہیں آنی چاہئے کہ شمشاد نے اسے طلاق دے دی ہے، قید رہے گی تو ہوش و حواس ٹھکانے آ جائیں گے، زبان بند رکھے گی، لیکن بہرحال اس کے باوجود انہیں یہ احساس تھا کہ ان کی منصوبہ بندی ناقص ہے اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا، شمشاد کو سدھارنے والا شاید روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ذہنی طور پر وہ بھی کافی پریشان رہتی تھیں۔ یہ احساس بھی تھا کہ انہوں نے جرم کیا ہے اور اس جرم کے نتائج خراب بھی ہو سکتے ہیں لیکن عورت کی عقل اسی لئے کمزور قرار دی گئی ہے کہ بعض اوقات اس کے فیصلے بے مقصد اور بے معنی ہوتے ہیں۔ ستار کے الفاظ کو اس نے خوف زدہ انداز میں سنا پھر بولی۔

"اداکاری تو نہیں کر رہی ہے؟"

"یہ تو ہمیں معلوم نہیں جی۔"

"کیا کہہ رہی تھی۔" اس نے پوچھا اور ستار نے ساری تفصیلات بتا دیں۔ مسز حسین

سوچ میں ڈوب گئی تھیں کہنے لگیں۔

"یہ بہت برا ہوا ہے لیکن ستار تمہیں ہوشیاری سے اپنی زبان بند رکھنی ہے، کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکلے ورنہ بہت کچھ برباد ہو جائے گا۔ خالق حسین صاحب بھی مجھے نہیں چھوڑیں گے، آج کل ان پر بڑی دلیری کے دورے پڑ رہے ہیں اور وہ مسلسل مجھے مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیگم صاحبہ لیکن اب ہم کیا کریں؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ جی اب تو اس کے پاس جاتے ہوئے بھی ڈر لگے گا ہمیں۔"

"تم مرد ہو یا کیا ہو؟"

"مرد ہی تو ہیں جی۔"

"تو پھر ایک کمزور اور بے بس لڑکی سے ڈرو گے۔"

"کمزور اور بے بس تھی، تب تو ٹھیک تھا بیگم جی، لیکن اب وہ پاگل بھی ہے۔"

"اوہو، کچھ نہیں بگاڑ پائے گی وہ تمہارا! اور پھر جہنم میں جائے، پاگل ہے مرجائے گی، خاموشی سے کہیں دفن کر دیں گے کسی دریا میں اس کی لاش وغیرہ ڈلوا دیں گے۔"

ستار کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ حیرانی سے مسز حسین کو دیکھتا ہوا بولا۔

"بیگم جی۔"

"ہوں، بکو کیا بک رہے ہو؟"

"آپ کو، اس سے کوئی خاص دشمنی تھی؟"

"کیا بکواس کر رہا ہے؟"

"نہیں جی، میرا مطلب ہے ایک انسان کی زندگی چھیننا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"ستار ایک کی نہیں، مجھے دو انسانوں کی زندگی چھیننا پڑے گی۔"

"ہیں جی۔"

"ہاں۔"

"دوسرا کون ہے جی؟"

"تو۔"

"ہم۔" ستار خوف سے اچھل پڑا۔

"ہاں تو ستار۔ اب تو میرا اتنا گہرا راز دار بن گیا ہے کہ اگر تو نے کہیں زبان کھولی اور کوئی فضول بات کی تو فرخندہ سے پہلے تیری زندگی کو ختم کرنا ضروری ہو جائے گا۔"

"نہیں بیگم جی، ہم تو آپ کے نمک خوار ہیں، آپ سے نمک حرامی کبھی نہیں کریں گے لیکن بیگم جی بس یہ سوچتے ہیں کہ کہیں کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے۔"

"اونچ نیچ ہو چکی ہے ستار، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"جی بیگم جی۔" ستار گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

مسز حسین کی پیشانی پر شکنیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اب کیا کیا جائے۔ فرخندہ پاگل ہو گئی ہے کیا کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے کہ..... کہ..... وہ نہ جانے کیا کیا سوچتی رہیں بہت سے منصوبے ذہن میں آ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے یہ بھی سوچا کہ فرخندہ کو یہاں سے نکال کر کسی ویرانے میں چھوڑ دیا جائے یا کسی ایسی جگہ جہاں سے آخرکار وہ پولیس کے ہاتھ لگ جائے اور مسز حسین یہ کہہ سکے کہ وہ پاگل ہو کر ہی گھر سے نکل گئی ہو گی۔ اس کے بعد، اس کے بعد کم از کم یہ تو نہیں ہو گا کہ فرخندہ اس طلاق کے بارے میں کسی کو بتا سکے گی لیکن ان سب باتوں سے حاصل کیا ہے۔ وہ خود اپنے آپ میں الجھ گئی تھیں اور اس رات خالق حسین صاحب بھی کچھ عجیب سے ہی موڈ میں تھے حالانکہ ابھی تک مسز حسین نے انہیں فرخندہ کے بارے میں ہوا نہیں لگنے دی تھی لیکن نہ جانے کیوں انہوں نے مسز حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سنو، مجھے ایک سوال کا جواب دو گی؟"

"ہاں۔"

"کیا تمہیں احساس ہے کہ تم نے اس غریب لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟"

"وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ یہ سلوک صرف میں نے کیا تھا۔ کیا آپ اس سارے مسئلے میں شریک نہیں تھے۔"

"ہاں میں اس مسئلے میں شریک تھا لیکن میں نے کیا مشورہ دیا تھا یاد ہے؟"

"کیا دیا تھا؟"

"میں نے تمہیں روکا تھا، منع کیا تھا میں نے، میں نے کہا تھا کہ دیکھو کسی معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کرنے کی کوشش مت کرو، یہ لڑکا اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اب اس کا سدھرنا ممکن نہیں ہے۔"

"تو پھر آخر ہوتا کیا شمشاد کا؟"

"کچھ نہ ہوتا، ہمارا کیا ہمیں ہی بھگتنا پڑتا۔"

"تو اب بھی تو بھگت رہے ہیں۔"

"اب تم نے اس میں ایک لڑکی کو بھی بلکہ ایک پورے خاندان کو بھی شامل کر لیا ہے۔"

"ہونہہ، خاندان، خاندان ہی نے تو تعاون نہیں کیا ہمارے ساتھ۔ بجائے اس کے کہ لڑکی کو سمجھاتے بجھاتے آخر ان کے پاس رکھا کیا تھا۔"

"پتا نہیں کس خواب کی دنیا میں رہتی ہو جانتی ہو تابندہ کس حیثیت کی مالک ہے؟"

"ہونہہ کس حیثیت کی مالک ہے؟" بیگم حسین جھلا کر بولی۔

"وہ ایک بہت بڑی گارمنٹ فیکٹری کی مالک ہے۔"

"پتا نہیں کیسی مالک ہے۔ گھر پر تو ٹھیکرے برستے ہیں۔"

"ان باتوں کو جانے دو' میں کہتا ہوں کہ اب بھی اگر مناسب سمجھو تو مجھے فرخندہ کے بارے میں بتا دو۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"فرخندہ' فرخندہ کو جانتی ہو نا؟"

"ہاں جانتی ہوں۔"

"میں تم سے اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"کہاں ہے وہ؟"

"مجھے معلوم ہے کیا؟"

"ہاں تمہیں معلوم ہے۔ بہرحال میرا اور تمہارا زندگی بھر کا ساتھ رہا ہے تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں میں۔"

"میں کچھ کہوں گی تو کہو گے کہ بدتمیزی کر رہی ہے۔"

"نہیں بدتمیزی نہ کرو' مجھے بتاؤ' میں تمہارا زندگی بھر کا ساتھی ہوں اگر کوئی غلطی کر بیٹھی ہو تو مجھے بتاؤ' کیا کیا ہے تم نے' کہاں ہے وہ؟"

"آپ پاگل ہو گئے ہیں۔"

"دیکھو بات سنو میری' میں تمہیں ایک بات کھل کر بتائے دیتا ہوں کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اگر وہ گھوم گئی تو کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا ہمیں' اندازہ ہے۔"

"ارے بابا مجھے سونے دو' نیند آ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے سو جاؤ لیکن سونے والے جب جاگتے ہیں تو ان کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔"

"بددعائیں دیئے جاؤ گے مجھے' کوئی حل سوچو اس بات کا۔"

"کس بات کا؟"

"شمشاد کا آخر کیا ہو گا۔ دیکھو ہمارا اکلوتا بیٹا ہے ہماری زندگی بھر کی کمائی' کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔"

"کیا نہیں کیا میں نے اس کے لئے۔ ہر طرح کا علاج کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ کم بخت خود بھی تو اس پر آمادہ ہو۔"

"یااللہ میں کیا کروں؟" مسز حسین نے سر پکڑ لیا لیکن خالق حسین صاحب کا کہنا بالکل

درست تھا۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہی ہوتی ہے اور جب وہ گھومتی ہے تو پھر انسان کے پاس بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے نشے بازوں کو کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی تھی' ہیروئن کا کاروبار شدت پکڑ چکا تھا۔ نارکوٹکس اور انتظامیہ سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں کہ اس کاروبار کو ختم کیا جا سکے اور نوجوانوں کو تباہ ہونے سے بچایا جا سکے' چنانچہ ہیروئن فروخت ہونے کی جو جگہیں تھیں ان کی شدید نگرانی کی جا رہی تھی اور ان دنوں ہیروئن کی بڑی قلت ہو گئی تھی' نشہ باز نوٹوں کے انبار ہاتھ میں لئے پھر رہے تھے لیکن انہیں ہیروئن دستیاب نہیں ہو رہی تھی۔ ایک شمشاد ہی کیا بے شمار ایسے نوجوان تھے جو گھروں سے خوشحال تھے لیکن اس بدحالی کا شکار ہو چکے تھے اب پریشان پھر رہے تھے اور ہیروئن کہیں سے حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ نشہ آور ادویات فروخت کرنے والوں نے اس کی قیمتیں آسمان تک پہنچا دی تھیں اور بڑے خطرناک طریقے سے اسے سپلائی کر رہے تھے۔ شمشاد بھی تین دن سے ہیروئن کے بغیر پھر رہا تھا اس کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی وہ ہر اس پوائنٹ پر جا چکا تھا جہاں ہیروئن فروخت ہوتی تھی لیکن اسے ہیروئن دستیاب نہیں ہو رہی تھی کسی دوست نے ایک خطرناک جگہ کے بارے میں بتایا۔

"اگر تم شمشاد وہاں چلے جاؤ' تو وہاں ایک شخص ایسا ہے جو تمہیں ہیروئن دے سکتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟ مجھے اس کا نام بتاؤ۔"

"دلاور کے نام سے مشہور ہے۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"کچی آبادی میں۔"

"اس آبادی کا کوئی نام تو ہو گا۔"

"کچی آبادی ہی ہے اس کا نام۔"

"ہوں' ذرا مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔" اور دوست نے شمشاد کو تفصیل بتا کر بولا۔

"لیکن شمشاد بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"آج کل انتظامیہ کے افراد ہر جگہ نگرانی کر رہے ہیں اور خاصی سختی کی جا رہی ہے۔"

"میں جان کی بازی لگا کر ہیروئن حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر دیکھ لو جا کر۔ جو کچھ بھی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" شمشاد نے کہا اور اپنی کار لے کر کچی آبادی کی جانب چل پڑا۔

جو پتا اسے معلوم ہوا تھا اسے تلاش کرنے میں کافی وقت پیش آئی - کافی رقم لے کر گھر سے نکلا تھا۔ آخر کار ان لوگوں تک پہنچ گیا جو خفیہ طور پر ہیروئن سپلائی کرتے تھے اور پھر اس کی طلب پوری ہو گئی۔ ہیروئن کی اچھی خاصی مقدار اسے حاصل ہو گئی تھی اور اس کے اندر گویا نئی زندگی دوڑ گئی تھی۔ رقم ادا کرنے کے بعد کار میں بیٹھا اور واپس چل پڑا۔ راستے سنسان تھے' ایک عجیب سی پراسرار خاموشی فضا پر مسلط تھی' وہ اپنی کار دوڑا رہا تھا کہ اچانک ہی کچھ فاصلے پر اسے دو موبائل نظر آئیں۔ انہوں نے راستہ روکا ہوا تھا اور اسے رکنے کا اشارہ کیا جا رہا تھا۔ شمشاد کے ذہن میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی۔ اس کے پاس ہیروئن موجود ہے۔ سامنے پولیس ہے اگر اس کی تلاشی لے لی گئی تو پھر اسے اس مشکل سے نکالنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا' کیا کرنا چاہئے۔ گاڑی کی رفتار اس نے سست کر دی تھی اس کی نگاہیں موبائل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سڑک کے ایک سمت اتنی جگہ تھی کہ اگر قریب پہنچنے کے بعد پوری قوت سے گاڑی کاٹ کر نکالی جا سکے تو اس میں کوئی دقت نہیں ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنا لیا۔ گاڑی کی رفتار اس نے اس طرح سست کی اور اس طرح اسے سائیڈ پر لے آیا جیسے سائیڈ پر گاڑی روکنے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن جیسے ہی قریب پہنچا اچانک ہی اس نے پوری قوت سے کلچ چھوڑ کر ایکسلریٹر دبا دیا۔ گاڑی نے ایک چھلانگ لگائی اور وہ بڑی مہارت سے اسے کچے راستے پر اتارنے کے بعد واپس مین روڈ پر لے آیا لیکن پولیس مستعد ہو گئی تھی۔ موبائلیں اپنی جگہ سے ہٹیں' سائرن بجنے لگا اور دونوں موبائلیں بھی اسی تیز رفتاری سے اس کے تعاقب میں آ رہی تھیں پھر بحالت مجبوری پولیس موبائل سے رائفل استعمال کی گئی اور پہلا برسٹ شمشاد کی گاڑی کے پچھلے حصے کو برباد کر گیا لیکن شیشہ محفوظ تھا۔ غالباً گاڑی کے ٹائروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ گاڑی کے ٹائر بچ گئے تھے لیکن ڈکی' بتیاں وغیرہ تباہ ہو گئی تھیں۔ شمشاد نے اس پر بھی گاڑی نہیں روکی تو دوسرا برسٹ ذرا اونچا مارا گیا اور اس بار گاڑی کا پچھلا شیشہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور گولیاں شمشاد کے شانوں اور کمر کے عقبی حصے میں گھس گئیں۔ اسٹیئرنگ بے قابو ہوا اور دوسرے لمحے گاڑی سڑک سے اتر کر نیچے تھوڑے نشیب میں چلی گئی۔ اس نے کئی قلابازیاں کھائی تھیں اور اس کے بعد الٹی ہو گئی تھی۔

پولیس موبائل فوراً ہی قریب پہنچ گئی اور کانسٹیبل نیچے اتر کر گاڑی کی جانب دوڑے' شکر ہے انجن کو آگ نہیں لگی تھی لیکن شمشاد دم توڑ چکا تھا۔"

پولیس والوں نے اس کی تلاشی لی اور ہیروئن برآمد ہو گئی اور اس کے بعد گاڑی کے کاغذات وغیرہ تلاش کئے جانے لگے۔ کاغذات میں تمام تفصیلات مل گئی تھیں۔

چنانچہ رات کو کوئی ساڑھے بارہ بجے جب خالق حسین اور مسز حسین' شمشاد کے انتظار میں بے چین بیٹھے ہوئے تھے اور کہیں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوئی

تھیں۔ ٹیلی فون موصول ہوا اور خالق حسین نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو خالق حسین صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"بول رہا ہوں۔"

"خالق حسین صاحب' ہم پولیس ہیڈ آفس سے بول رہے ہیں۔ میرا نام انسپکٹر فراز ہے' آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی انسپکٹر کہئے۔"

"کیا آپ کے صاحب زادے کا نام شمشاد حسین ہے۔"

"جی بالکل۔"

"معاف کیجئے گا' کیا وہ ہیروئن کا مریض ہے؟"

خالق حسین ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئے پھر گلوگیر لہجے میں بولے۔

"جی ہاں۔"

"خالق حسین صاحب! یہ افسوس ناک خبر آپ کو دیتے ہوئے ہمیں خود بھی دکھ ہے کہ مسٹر شمشاد ایک کچی آبادی سے ہیروئن خرید کر وہاں سے واپس پلٹ رہے تھے۔ پولیس نے انہیں روکا تو نہیں رکے' مجبوراً پولیس کو ان کی گاڑی پر فائرنگ کرنا پڑی اور اس فائرنگ سے مسٹر شمشاد ہلاک ہو گئے۔"

خالق حسین کا سانس رک گیا تھا۔ وہ ریسیور ہاتھ میں لئے گم صم بیٹھا رہا دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اور اس وقت ان کی لاش آپ کو پولیس اسپتال کے سرد خانے میں مل جائے گی۔ ہم آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے افسوس ظاہر کرتے ہیں اس سلسلے میں اگر آپ کو کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں تو پولیس ہیڈ آفس سے حاصل کر لی جائیں۔ خدا حافظ۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا لیکن خالق حسین کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ریسیور ہاتھ میں لئے ہوئے بیٹھے تھے پھر انہوں نے ریسیور رکھا اور مسز حسین کی طرف دیکھ کر بولے۔

"کھیل ختم ہو گیا۔ سمجھیں کھیل ختم ہو گیا۔"

"کیا ہوا کون تھا' کس کا فون تھا؟"

"پولیس ہیڈ آفس سے فون آیا تھا۔"

"پولیس ہیڈ آفس سے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ؟" مسز حسین خوف زدہ لہجے میں بولیں۔

"شمشاد ہلاک ہو چکا ہے۔ وہ ہیروئن خرید کر واپس آ رہا تھا کہ پولیس موبائل نے اسے روکا۔ نہیں رکا تو اس پر گولی چلائی اور وہ جاں بحق ہو گیا۔"

"ہیں۔" مسز حسین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور تیورا کر گر پڑیں پھر اٹھیں اور بری طرح دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ خالق حسین خاموشی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے نہ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے نہ انہوں نے بیگم کو رونے سے روکنے کی کوشش کی تھی ملازم جمع ہو گئے تھے' مسز حسین پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ خالق حسین نے ان سے کہا۔

"یہ پیشین گوئی تو میں نے آپ سے پہلے کر دی تھی۔"

"ارے نہیں خدا کے لئے نہیں' اتنے سنگ دل نہ بنو' یہ... یہ اطلاع جھوٹ ہے' کہہ دو یہ اطلاع غلط ہے۔"

"جایئے اور پولیس کے سردخانے سے اپنے بیٹے کی لاش اٹھا لایئے۔ میں بہت عرصے پہلے اس وقت کا تعین کر چکا تھا۔"

بہرحال مسز حسین پر برا وقت آ پڑا تھا۔ خالق حسین صاحب خود ہی ملازموں کے ساتھ گئے۔ بیٹے کی لاش ضروری خانہ پری کے بعد حاصل کی۔ تمام وہ امور طے ہوئے جو اس سلسلے میں ہو سکتے تھے اور اس کے بعد شمشاد کی تدفین کا بندوبست کیا گیا۔ ملازم الگ افسردہ تھے۔ مسز حسین بستر سے جا لگی تھیں۔ کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ خالق حسین نے خود ہی تابندہ کو فون کیا اور تابندہ گھر پر مل گئی۔ صبح کا وقت تھا۔ آفس جانے کی تیاریاں کر رہی تھی - خالق حسین نے کہا۔

"تابندہ بیٹے۔"

"جی انکل خیریت؟"

"ہاں بیٹا خیریت ہی سمجھو۔"

"کوئی خاص بات ہے انکل؟"

"خاص بات ہے بھی اور نہیں بھی۔ میں تمہیں یہ اطلاع دیتے ہوئے افسردہ ہوں کہ شمشاد پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور اب اس کی تدفین کی تیاری کی جا رہی ہے۔"

تابندہ کی حالت بھی اتنی ہی خراب ہو گئی تھی' جتنی ہونی چاہئے تھی۔ بہ مشکل تمام اس کی آواز ابھری۔

"انکل' میں آ رہی ہوں۔"

"ہاں بیٹا آ جاؤ تو اچھا ہے۔"

تابندہ پہنچ گئی' مسز حسین زار و قطار رو رہی تھیں۔ ان کی حالت بے حد خراب تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ستار کھڑا ہوا انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بہرحال بہت سے

مہمان آ گئے تھے۔ تابندہ کو تمام صورت حال ملازموں کی زبانی ہی معلوم ہو گئی تھی۔ سب کا عجیب انداز تھا کوئی بہت زیادہ ہمدردی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ فرخندہ کا تو کھیل ختم ہو ہی گیا تھا۔ تابندہ کو اس منحوس شخص سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ بس تھوڑا سا واسطہ تھا تو بہن کی حیثیت سے تھا۔

بہرحال تدفین ہو گئی۔ مسز حسین بڑے دلدوز انداز میں بین کر رہی تھیں اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ مہمان آتے جاتے رہے' تابندہ آج اپنے آفس بھی نہیں جا سکی تھی۔ بہرحال یہ سلسلہ جاری رہا۔ تابندہ اٹھنے لگی تو مسز حسین نے کہا۔

"نہیں تابندہ' تھوڑی دیر بیٹھو تمہیں خدا کا واسطہ تم ہی رک جاؤ۔ تابندہ تم سے بہت ضروری کام ہے مجھے۔"

مسز حسین کے ان الفاظ پر تابندہ چونک سی پڑی لیکن بہرحال اس رات وہ وہاں رک گئی تھی۔ مہمانوں کا تانتا آدھی رات تک بندھا رہا تھا اور اس کے بعد مسز حسین نے خالق حسین سے کہا تھا کہ اب اگر کوئی ان سے ملنے آئے تو اس سے معذرت کر لی جائے وہ اب اپنے اندر ہمت نہیں پاتیں۔ ان کا ضمیر انہیں جھنجھوڑ رہا تھا وہ تابندہ سے جو کہنا چاہتی تھیں وہ کہنے کے لئے ہمت نہیں پا رہی تھیں لیکن تابندہ کو انہوں نے رات کو جانے نہیں دیا تھا۔ اپنے کمرے میں انہوں نے کہا۔

"تابندہ' میں نے کتنا بڑا جرم کیا تھا۔ تمہیں اندازہ ہے۔"

"ہاں چچی جان آپ نے واقعی جرم کیا تھا۔" تابندہ کھردرے لہجے میں بولی۔

"اور جانتی ہو جب انسان اپنے مفاد کے لئے کسی انسان کی زندگی داؤ پر لگا دے تو پھر اللہ کی طرف سے اس کی گرفت ہو جاتی ہے۔ تابندہ میری گرفت اللہ کی طرف سے ہوئی ہے۔ میں جس بیٹے کے لئے زندگی کی ہر خوشی قربان کرنے کو تیار تھی۔ آخر کار وہ مجھ سے چھن گیا۔" تابندہ کچھ نہ بولی تو مسز حسین نے کہا۔

"تابندہ میں خدا کی مجرم ہی نہیں' قانون کی مجرم بھی ہوں میں نے ایک اور جرم بھی کیا ہے۔" تابندہ نے چونک کر مسز حسین کو دیکھا اور بولی۔

"کیا چچی جان؟"

"میں نے' تابندہ میں نے' میں نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے' فرخندہ یہیں موجود ہے۔ میں نے اسے حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے تم میرے خلاف پرچہ کٹوا دو' پولیس کو میرے بارے میں رپورٹ دو اور مجھے گرفتار کرا دو۔"

"کیا؟" تابندہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں بیٹھو بیٹھو جذباتی نہ ہو۔ میں تو اپنے آپ کو ہر سزا کے لئے پیش کر چکی ہوں لیکن تمہیں اپنا جرم تو بتا دوں۔"

"آپ آپ کیا بکواس کر رہی ہیں۔ کیا کہہ رہی ہیں آپ' آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"ہاں دماغ ہی خراب ہو گیا تھا' پتا نہیں میں نے یہ سب کچھ کیوں کیا تابندہ' میں نہیں جانتی میں نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے لیکن تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں۔ میں نے صرف اپنے بیٹے کے لئے یہ سب کچھ کیا' اس بیٹے کے لئے جو اب اس دنیا میں نہیں رہا' ہاں وہ برے راستوں پر پڑ گیا تھا اور اس میں بھی میرا ہی قصور تھا۔ اکلوتا تھا' بے جا لاڈ اٹھاتی رہی۔ جو کچھ کہتا رہا کرتی رہی۔ حالانکہ خالق حسین نے بارہا مجھ سے کہا کہ بچہ بگڑ جائے گا مگر اس کی محبت میں' میں اس کی محبت میں ہی سب کچھ کرتی رہی۔ پتا نہیں کیوں مجھے خیال نہیں آیا کہ ایک دن ایسا بھی آ سکتا ہے اور پھر۔ پھر تابندہ وہ برے راستوں پر پڑ گیا۔ بہت کوشش کی میں نے کہ وہ صحیح راستوں پر آ جائے۔ نہیں آیا تو میں نے ایک ہمدرد تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اچھے گھرانے کی کوئی لڑکی آتی تو میرے ساتھ یہ سب کچھ نہ کر پاتی۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہماری سطح کا کوئی گھرانہ ہمیں قبول ہی نہ کرتا اور ہمیں اپنی بیٹی نہیں دیتا اس لئے ہم اس کوشش میں رہے کہ کوئی درمیانی درجے کے گھر کی لڑکی آ جائے تو وہ اپنا یہ منصب سنبھال لے فرخندہ بے چاری معصوم لڑکی تھی۔ کچھ نہیں کر پائی وہ' لیکن میں جنون کا شکار ہو گئی اور میں نے وہ سب کچھ نہیں کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا بلکہ فرخندہ پر سختیاں ہی کرتی رہی۔ شمشاد اور فرخندہ کا ایک دن بھی رابطہ نہیں ہو سکا وہ ذہنی طور پر ایک دوسرے کی جانب نہیں' راغب ہو سکے۔ شمشاد بالکل ہی ختم ہو چکا تھا اور میں اس بات پر چراغ پا تھی کہ فرخندہ نے اپنا کام کیوں نہیں کیا جس مقصد کے لئے میں نے اسے بلایا تھا۔ اور تابندہ پھر یہ ہوا کہ تھوڑے دن پہلے کی بات ہے کہ شمشاد نے فرخندہ کو مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ نشے آور شے پئے وہ تیار نہیں ہوئی تو شمشاد نے اس کا لباس پھاڑ دیا اور اسے طلاق دے دی۔"

"طلاق؟"

"ہاں' یہ طلاق میرے سامنے دی گئی تھی اور طلاق ہو گئی تھی لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا۔ فرخندہ اپنے گھر واپس جانا چاہتی تھی۔ میں نے اسے یہیں ایک تہہ خانے میں بند کر دیا۔ وہ اس وقت سے میرے پاس قید ہے۔"

"آہ خدا' خدا آپ کو غارت کرے' خدا آپ کو غارت کرے مسز حسین آپ نے کیا درگت بنائی میری بہن کی۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' ابھی آگے تو سنو' وہ..... وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہے وہ پاگل ہو گئی ہے' وہ..... وہ بالکل پاگل ہو گئی ہے۔"

تابندہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا' ایک لمحے تک غم و اندوہ میں ڈوبی رہی پھر اس

نے آہستہ سے کہا۔

"خدا آپ کو غارت کرے' خدا آپ کو غارت کرے مسز حسین' واقعی بہت اچھی سزا ملی ہے آپ کو' آپ کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ابھی تو آپ دیکھ لیجئے خود آپ کے اپنے بدن میں کیڑے پڑیں گے' آپ کوڑھ کی مریض ہو کر مریں گی' کہاں ہے میری بہن' خدا کے واسطے میری بہن مجھے واپس کر دیجئے۔"

"ہاں اب کیا رہ گیا ہے' لے جاؤ اسے جو کچھ بھی ہے' لے جاؤ' آؤ میرے ساتھ آؤ' میں تمہیں اس سے ملا دوں۔"

مسز حسین نے کہا اور تابندہ کو ساتھ لئے ہوئے تہہ خانے میں چل پڑیں' تہہ خانے کے بستر پر فرخندہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے' چہرہ بری طرح ستا ہوا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی اس کی' اس نے ان دونوں کو دیکھا اور بولی۔

"تم لوگ' تم لوگ کیا مجھے روم جلنے کی اطلاع دینے آئے ہو' روم جل چکا ہے' کوئی بات نہیں' میں' میں نیا روم تعمیر کر لوں گی سمجھے' تم لوگوں نے مجھے سمجھا کیا ہے؟"

"فرخندہ۔"

"کون ہے' کون بول رہا ہے' ہیلو' ہیلو' ون' ٹو' تھری' فور' فائیو' سکس' ہیلو' ہیلو۔" وہ کان کے پاس ہاتھ لے جا کر بولی اور تابندہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا۔

"اب اس جنازے کو میرے ساتھ روانہ کرنے کا بندوبست تو کر دیجئے گا۔"

"تم خود بندوبست کرو۔ میرے اندر سکت نہیں ہے۔" مسز حسین نے کہا۔

"فرخندہ! میں تابندہ ہوں۔"

"میں درندہ ہوں۔" فرخندہ نے کہا اور دانت باہر نکال لئے۔

"چلو میری بہن' تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے' میں نہیں جانتی کہ اس کا ذمے دار کون ہے' آؤ فرخندہ۔"

بمشکل تمام تابندہ' فرخندہ کو نکال کر باہر لائی اور بالکل خاموشی سے اسے کار میں بٹھا کر گھر کی جانب چل پڑی۔ اب اس کے ذہن میں کوئی تصور' کوئی خیال نہیں تھا' پاگل بہن ساتھ تھی' آہ کیا کروں میں' کیا کروں' راستے بھر وہ یہی سوچتی ہوئی آئی تھی۔ فرخندہ بڑی سعادت مندی سے اس کے ساتھ گھر کے اندر آ گئی اور پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیا وطن' نیا ملک بہت اچھا ہے لیکن لیکن اس کی از سر نو تعمیر کرنا مناسب ہو گا۔ ہاں اس کی از سر نو تعمیر کرنا ہی مناسب ہو گا۔ او کے' او کے سیکرٹری مجھے کسی مناسب جگہ پہنچا دو۔"

"آؤ فرخندہ۔" تابندہ نے کہا اور فرخندہ کو ساتھ لئے ہوئے اس کے کمرے میں داخل

ہو گئی۔ اس کے دل میں غم کا طوفان اٹھ رہا تھا اور مرزا صاحب اپنے کمرے میں آرام سے گہری نیند سو رہے تھے۔ فرخندہ بھی سو گئی۔ تابندہ اس کے سرہانے بیٹھی رہی تھی اور اس کا چہرہ پیار سے دیکھتی رہی تھی۔ بہت سے تصورات اس کے دل میں آ رہے تھے - بہت سے خیالات اسے پریشان کر رہے تھے۔ یہ تو خیر جو کچھ ہوا تھا وہ ہونا چاہئے تھا۔ بھلا فرخند کا کیا قصور تھا مسز حسین نے دیوانگی کا مظاہرہ کیا۔ ہم تو ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن قدرت نے ان سے انتقام لیا۔ وہ اپنے بیٹے ہی سے محروم ہو گئیں لیکن فرخندہ' فرخندہ.....

بہت غور و خوض کیا تھا تابندہ نے اور اس سلسلے میں نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتی رہی تھی' دل کی دنیا برباد تھی' عمر ضائع ہو رہی تھی۔ وقت اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ اب اپنے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا اس نے' لیکن کچھ لوگ اس سے وابستہ تھے وہ دونوں تو نہ جانے کہاں گم ہو گئے' آہ اگر وہ واپس آ جائیں تو اب انہیں اس گھر سے نفرت نہ محسوس ہو' میرا کاروبار اتنا اچھا چل رہا ہے کہ میں ہر ایک کی مشکل دور کر دوں لیکن کوئی خبر بھی تو نہیں دی ہے انہوں نے' کیا کرنا چاہئے' تنہا زندگی کیسے گزاروں؟

پھر اس کے اندر ہمت کی ایک نئی لہر اٹھی۔ ان لوگوں سے نفرت بے کار ہے' جنہوں نے اسے زندگی کی تمام لطافتوں سے محروم کر دیا ہے' یہ نفرتیں بھی تو مجھے کچھ نہیں دیں گی' بلاوجہ کیا کروں' کیا نہ کروں۔

دوسری صبح جاگی' مرزا صاحب وہیل چیئر پر صحن میں ٹہل رہے تھے اسے دیکھ کر بولے۔

"تم بہت دیر سے اٹھتی ہو' میرے لئے ناشتے کا بندوبست رات کو ہی کر دیا کرو' تاکہ صبح مجھے کچھ مل جایا کرے۔"

"جی ابو ٹھیک' آپ کے لئے میں آپ کی پسند کے مطابق انتظام کر دوں گی۔" وہ نرم اور پیار بھرے لہجے میں بولی اور مرزا صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب؟"

"جی کوئی مطلب نہیں ابو۔"

"تم طنز کر رہی ہو مجھ پر؟"

"ارے واہ کیوں طنز کروں گی اپنے ابو پر' دنیا میں اپنے ابو کے سوا میرا اور ہے ہی کون؟"

"پ' پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہی ہو' میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔" مرزا صاحب بوکھلائے ہوئے انداز میں بولے۔

"اچھا یہ بتایئے ناشتے میں کیا لیں گے آپ؟"

"جو بھی مل جائے۔ اب تو جو مل جاتا ہے کھا لیتا ہوں۔"

"سوری ابو' ویری سوری آپ اطمینان رکھئے اب آپ کو آپ کی پسند ہی کی چیزیں ملا کریں گی اور ابو کیا خیال ہے آپ کا یہ گھر آپ کو کیسا لگتا ہے؟"

"ارے بابا تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ بتا دو بس مجھے؟"

"کچھ نہیں ہوا ہے ابو' بس آپ کی محبت میرے دل میں جاگ اٹھی ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"آ جائے گا۔" تابندہ نے کہا اور پھر بولی۔

"ابو! فرخندہ آ گئی ہے۔"

"ایں۔"

"ہاں۔ شمشاد کو پولیس نے گولی مار دی۔"

"ک' کیا؟" مرزا صاحب اچھل پڑے۔

"جی ہاں' وہ ہیروئن پیتا تھا۔ یہ بات آپ کے دوست کو بھی معلوم ہو گی ہی' آپ کو بھی پتا چل گئی تھی۔"

"ہاں ٹھیک ہے پھر۔"

"ہیروئن لے کر آ رہا تھا پولیس نے روکا' نہ رکا چنانچہ پولیس نے گولی مار دی۔"

"تت تو' م.... مر گیا کیا؟"

"گولی مارنے سے آدمی مر ہی جاتا ہے۔"

"یعنی فرخندہ بیوہ ہو گئی؟"

"جی ہاں ابو۔"

"تم اتنے آرام سے یہ بات کہہ رہی ہو۔"

"تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"ارے وہاں چلیں دیکھیں ذرا جا کر تم فرخندہ کو کیوں لے آئیں؟"

"کیوں ابو' اب میں اسے وہاں کیوں چھوڑتی؟" وہ بولی۔

"ایں' ہاں یہ تو ٹھیک ہے' م' مگر.... مگر مجھے تمہاری باتیں عجیب سی لگ رہی ہیں' تمہارا دماغ تو صحیح ہے نا؟"

"میرا تو صحیح ہے ابو لیکن فرخندہ پاگل ہو گئی ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں فرخندہ پاگل ہو گئی ہے۔"

"شوہر کی موت کے غم سے؟"

"یہی سمجھ لیں۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ مرزا صاحب اسے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ بہرحال مرزا صاحب کے لئے اس نے ناشتے کا بندوبست کر کے ان کے

کمرے میں پہنچا دیا اور اس کے بعد فرخندہ کو ناشتا کرانے لگی۔

□

شامی کے جانے کے بعد وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی رہی' اس کی آنکھوں سے شعلے ابل رہے تھے' پورا وجود یوں محسوس ہوتا تھا جیسے شعلوں کے درمیان گھرا ہوا ہو۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں زائل ہو گئی تھیں' ایک وحشت' ایک دیوانگی اس پر سوار ہوتی جا رہی تھی اور وہ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے مسلسل سامنے دیکھے جا رہی تھی۔

مس بینا کسی کام سے اندر داخل ہوئی' اس کے سامنے پہنچی اور اس کی کیفیت سے بے نیاز ایک سیمپل آگے رکھتے ہوئے بولی۔

"میڈم! یہ وہ سیمپل ہے جو....." لیکن اس کے بعد اچانک اسے اس کی کیفیت کا احساس ہوا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میڈم کو دیکھا تو اس کے چہرے کا رخ بدلا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"اس وقت نہیں مس بینا جاؤ پھر دیکھوں گی۔"

"یس' یس۔ میڈم۔" مس بینا نے سیمپل اٹھایا اور اس طرح بھاگی جیسے کوئی بھوت پیچھے لگ گیا ہو۔

لیکن مس بینا کی آمد نے اس کے اس ذہنی طلسم کو توڑ دیا تھا۔ وہ شدید ذہنی ہیجان کا شکار تھی پھر اس نے پیاسی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ جوس بھی ختم ہو گیا تھا پینے کے لئے کچھ نہیں تھا لیکن اس وقت زبان ہلا کر کسی سے پینے کے لئے کچھ مانگنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی۔ شامی کے الفاظ اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اتر رہے تھے اور اس کا وجود کرب میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ بڑی شدید ہیجانی کیفیت اس پر طاری ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح اس نے اپنے آپ میں ہمت پیدا کی۔ دفتر میں بیٹھ کر تماشا بننے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کم از کم دفتر سے باہر نکلا جائے چنانچہ وہ ہمت کر کے دفتر سے باہر نکلی اور کسی جانب متوجہ ہوئے بغیر نیچے آ گئی۔ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اس نے پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھا دی اور اس کے بعد ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ پتا نہیں کس طرح گاڑی کا رخ ساحل سمندر کی جانب ہو گیا تھا۔ غالباً غیر شعوری طور پر اس وقت اسے سمندر کے پانی کی ضرورت تھی۔

وہ ایک عام قسم کی عورت نہیں تھی۔ کبھی اس نے نوجوان لڑکیوں کی مانند سمندر کے پانی سے چہلیں نہیں کی تھیں لیکن اس وقت اس کے وجود میں شعلے لپک رہے تھے' دل میں جو آگ لگ رہی تھی وہ اس بات کی متقاضی تھی کہ سمندر میں چلی جائے وہاں پہنچ کر ہر چیز سے بے نیاز وہ آگے بڑھنے لگی۔ پانی کی لہروں نے اس کے قدموں کو چھوا تو احساس ہوا کہ جوتے راستہ روک رہے ہیں۔ اس نے سینڈل اتار کر دور اچھال دیئے اور پھر دوبارہ پانی

میں آگے بڑھنے لگی۔ پانی گھٹنوں تک' کمر تک اور پھر سینے تک آ گیا۔ وہ پانی میں ڈولتی رہی۔ یہی شکر تھا کہ دیوانگی اور جنون نے اسے سمندر کی آغوش کی نذر نہ کر دیا۔ وہ اس وقت تک پانی میں رہی' جب تک اس کی قوت برداشت ساتھ دیتی رہی۔ خوش قسمتی سے عام دن تھا اور کوئی آس پاس موجود نہیں تھا۔ اکا دکا افراد تھے جو دور دور نظر آ رہے تھے اس لئے اسے کوئی دقت نہیں ہوئی' کپڑوں سمیت وہ کئی گھنٹے پانی میں رہی اور اپنے وجود کی تپش مٹانے کی کوشش کرتی رہی لیکن جو آگ اندر سلگ رہی تھی وہ بیرونی طور پر نہیں بجھ سکتی تھی۔

بہت دیر کے بعد وہ پانی سے نکلی۔ نڈھال ہو رہی تھی بالکل۔ لباس اس طرح خراب ہو گیا تھا کہ شاید زندگی میں کبھی اس نے اس طرح خود کو بھی بے حجاب نہ دیکھا ہو۔ اس عالم میں گاڑی تک پہنچی' سینڈل اتار کر پاس رکھ لئے پاؤں مٹی سے لتھڑ گئے تھے۔ گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑی پھر کوٹھی کی طرف ہی رخ کیا تھا۔

کار کوٹھی میں داخل ہو گئی اور وہ نیچے اتر آئی تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ملازم کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"گاڑی میں جوتے پڑے ہوئے ہیں' اٹھا کر اندر لے آؤ۔"

ملازموں نے اسے ایک انوکھے حال میں دیکھا فرزندی جلدی سے قریب آ گئی۔

"کپڑے بھیگ گئے بیگم جی' خیریت تو ہے؟"

اس نے نگاہیں اٹھا کر فرزندی کو دیکھا اور فرزندی ایک دم سہم گئی۔ آج پھر آنکھوں میں وہی جنون نظر آ رہا تھا۔ جو کبھی بہت زیادہ ہوتا تھا لیکن اب طویل عرصے سے یہ جنون ختم ہو گیا تھا لیکن آج پھر وہ جنون ابھر آیا تھا اور اس جنون کے عالم میں کسی کا اس کے نزدیک جانا مصیبت کا باعث بھی بن سکتا تھا۔

وہ دنیا جہان کو بھول کر اپنے کمرے میں داخل ہو گئی اور غسل خانے میں چلی گئی۔ بدن پانی سے چپک رہا تھا' غسل خانے میں شاور کی ٹھنڈی پھواروں کے نیچے اس نے کافی وقت گزارا باہر ملازموں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ خدا خیر آج پھر بادل اُٹھ آئے ہیں۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بستر پر دراز ہو گئی۔ بدن جیسے ہوا میں اڑ رہا تھا۔ غصے سے دانت بھینچے ہوئے تھے۔

کمینہ' ذلیل' بے اوقات کہیں کا۔ نہ جانے کیا سمجھتا ہے خود کو' ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گی' گولی مار دوں گی' اس کے دماغ میں چیخیں ابھر رہی تھیں اس کی آنکھیں ادھر ادھر گھومنے لگیں' کوئی ایسی چیز تلاش کرنا چاہتی تھی جسے شامی کے سینے میں بھونک دیا جائے اس کی

آنکھیں پھوڑ دی جائیں اس کے دماغ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اس کے سارے وجود کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔

جان سے مار دوں گی کم بخت کو' سمجھتا کیا ہے۔ دل ہی دل میں اس نے سوچا اور پھر وقت گزرتا رہا۔ وہ آنکھیں بند کر کے بستر پر پڑی رہی تھی۔ ایسے عالم میں ملازموں کی بھلا کیا مجال کہ وہ اسے کسی طرح مخاطب کر سکیں لیکن تقدیر کے مارے بیگ صاحب دروازے پر پہنچ گئے تھے۔ پہلے انہوں نے ملازموں سے پوچھا تو ملازموں نے یہی بتایا کہ دروازہ اندر سے بند ہے بیگ صاحب کہنے لگے۔

"لیکن میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ہم دروازہ نہیں کھلوا سکتے۔"

"تو ٹھیک ہے میں کھلواتا ہوں۔" وہ اپنی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ شام گہری ہو چکی تھی اور روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ بیگ صاحب نے تین چار بار دستک دی تو وہ بپھری ہوئی دروازے پر آئی۔ یہی سمجھی تھی کہ کوئی ملازم ہو گا لیکن بیگ صاحب کو دیکھ کر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مصیبت نازل ہوئی ہے آپ پر؟"

"دروازہ بند کئے پڑی ہو؟ اتنی رات بھی نہیں ہوئی۔"

"میں کہتی ہوں تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ایں۔" بیگ صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"رفعت فرزندی کہاں مر گئے تم سب کے سب۔ ادھر آؤ۔"

ملازم دوڑتے دوڑتے قریب پہنچ گئے تھے۔ "یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"وہ جی میڈم۔ ہم نے۔ ہم نے...."

"تم سب کو' تم سب کو' میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔ لے جاؤ انہیں یہاں سے۔ لے جاؤ' میں کہتی ہوں لے جاؤ۔"

"ارے مم مگر میری بات تو سنو' میں تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"لے جاؤ۔" وہ حلق پھاڑ کر دھاڑی اور رفعت نے گاڑی اس طرح آگے بڑھائی کہ بیگ صاحب اوندھے منہ گرتے گرتے بچے۔ اس نے پوری قوت سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

تاریک ہوتے ہوئے ذہن کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے وہ پھر بستر میں جا گھسی۔ تکیے میں منہ چھپا لیا آنکھوں سے سرخ خون بہہ رہا تھا۔ وہی رنگ جو اس کی آرزوؤں اور امنگوں کا رنگ تھا۔ اس نے اپنے دل و دماغ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن کوئی ایسی صورت حال نہ پیدا ہو سکی جو اسے سکون دیتی تب وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور الماری میں خواب آور گولیاں تلاش کرنے لگی' بدبختی یہ کہ خواب آور گولیاں بھی ختم ہو گئی تھیں۔

آہ' آہ وہ شدت کرب سے کراہنے لگی اور پھر بستر پر لیٹ گئی اب اس کی آنکھیں چھت کی نگرانی کر رہی تھیں' چھت میں ایک بار پھر شامی کا چہرہ نظر آیا اور اس کے جبڑے بھنچ گئے لیکن آہستہ آہستہ وہ چہرہ واضح ہوتا گیا' ہنستا مسکراتا چہرہ' شریر آنکھیں اور پھر نہ جانے کیسے کیسے مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے' وہ وقت یاد آیا جب شامی انٹرویو دے رہا تھا' اس کے الفاظ یاد آئے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی تمام حرکتیں۔ وہ بے حد شریر نوجوان تھا۔ زندگی سے بھرپور۔ اس نے نہ جانے شامی کو کس کس رنگ میں دیکھا بہت سے چہرے سامنے آئے' فراز' انیلا' صاعقہ' امینہ بیگم اور ان کے گھر کا پورا ماحول پھر شامی کے الفاظ اور اس کے وجود کی کھولن کچھ کم ہونے لگی۔ بدن آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑنے لگا پھر اس کے دماغ میں سناٹا چھا گیا تھا اور اس سناٹے نے اسے ایک سکون بخش نیند سے دوچار کر دیا تھا۔

صبح جاگی تو حالت اس قدر خراب نہیں تھی جتنی پچھلے دن اور پچھلی رات رہی تھی۔ بہت دیر تک بستر پر پڑی سوچتی رہی اس کے بعد اس نے فرزندی کو آواز دی اور فرزندی دروازے پر آ گئی۔

"میڈم جی دروازہ بند ہے۔"

"کھولتی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ فرزندی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ملازموں کو احساس ہو گیا تھا کہ ایک بار پھر صورت حال خراب ہو گئی ہے لیکن اس وقت اس کا چہرہ نارمل تھا۔

"فرزندی! مجھے چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ دو اور میرے دفتر جانے کی تیاریاں کرو۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"ابھی لائی میڈم۔" فرزندی نے کہا اور دوڑتی چلی گئی۔ بعد میں اس نے دوسرے ملازمین کو یہ خوش خبری سنائی تھی کہ اب صورت حال بالکل ٹھیک ہے۔

وہ اپنے دفتر جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات تھے جنہوں نے اسے پرسکون کر دیا تھا پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار دفتر کی جانب چل پڑی۔

❑

ادھر شامی اپنی کیفیت کا شکار تھا اس نے آخر کار وہ کر ڈالا تھا جو بہت دن سے اس کے ذہن میں پک رہا تھا۔ وہ اس لاوے کو نکال دینا چاہتا تھا۔ ٹائپ ہی اس قسم کا تھا۔ کوئی بھی کام ہو آر یا پار۔ زندگی میں ہمیشہ یہی طریقہ کار اختیار کیا تھا۔

فراز کی شادی ہو چکی تھی۔ صاعقہ کے ساتھ فراز ایک خوشگوار اور خوبصورت زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان دنوں کافی سوچیں شامی کے ذہن میں رہتی تھیں۔ فراز کی خوشگوار زندگی کو دیکھ کر اس کے اپنے دل میں بھی بہت سی بار یہ تاثر ابھرا تھا کہ زندگی کا یہی رنگ حقیقی رنگ ہوتا ہے اور اس کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے پھر بہت غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا

تھا کہ میڈم پر دل کی بات عیاں کر دی جائے۔ گو یہ سب کچھ اسے خود بھی بہت عجیب لگتا تھا لیکن کافی غور و خوض کرنے کے بعد دل نے یہی کہا کہ اگر میڈم کی زندگی میں شامل ہوجائے تو اتنا برا نہیں رہے گا۔ برباد، پرخلوص، ذہنی طور پر بہت اچھی عورت تھی وہ۔ ذرا سی عمر زیادہ ہے تو کیا فرق پڑتا ہے زندگی کا ساتھ ہی نبھانا ہے نا، عمر سے کیا ہوتا ہے پھر اس کے دل کے گوشوں میں کیا ہے، یہ بھی شامی کے لئے پراسرار معمہ تھا۔

غرض یہ کہ آج دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے برسوں سے سینے کے اندر جو گھٹن ہے وہ آج ختم ہو گئی ہے۔ نتیجہ برآمد ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

دفتر سے نکل کر وہ باہر آگیا اور اس کے بعد یونہی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔ اس کے الفاظ اس کا انداز ذہن میں آ رہا تھا۔ اس نے انتہائی خونخوار لہجے میں اسے باہر جانے کا حکم دیا تھا وہ اپنے دفتر میں آگیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ میڈم کے لئے غیر متوقع تھا لیکن پھر وہ سب کچھ کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ انتظار کرے گی۔ ایک پرسکون ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر جہاں اتفاق سے اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی بھی نہیں تھا، اس نے اپنے لئے کچھ اشیاء طلب کیں اور ان سے شغل کرتے ہوئے حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔ پراسرار عورت شاید اس کے لئے دل میں وہ جذبات نہیں رکھتی جو کچھ شامی نے سوچے تھے۔ اس کے علاوہ فراز، یہاں تک کہ صاعقہ صاحبہ بھی یہی بات کہتی تھیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے میڈم ذرا مختلف عورت ہے لیکن یہ مختلف عورت اس کی زندگی میں آنی چاہئے۔ تبھی تو زندگی کا لطف آئے گا، ورنہ ایک عام سی لڑکی کو زندگی میں شامل کرنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ بہرحال شامی کو ذرہ برابر نہ خوف تھا نہ افسوس، بس ایک تجسس تھا اس کے دل میں کہ میڈم اس کا کیا جواب دیتی ہے۔ باقی ساری باتوں کی اس نے کبھی پروا نہیں کی تھی۔ بلکہ اب تو صورت حال ایسی تھی کہ اگر میڈم اس سے دشمنی پر آمادہ ہو جائے تب بھی وہ اپنے آپ کو حالات کے ساتھ ضم کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے فراز، صاعقہ اور خود امینہ بیگم اس سلسلے میں اس سے تعاون نہ کریں یا کم از کم یہ کہیں کہ اس نے جلد بازی کی یا غلطی کی، یا ناسپاسی کی، اسے ایک ادنیٰ ملازم ہو کر مالکن سے یہ الفاظ نہیں کہنے چاہئے تھے لیکن اس سلسلے میں اس کا موقف بہت سخت تھا۔ یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ میری زندگی کا معاملہ ہے اور اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ بہتر انداز میں اور کوئی نہیں سوچ سکتا ہاں اگر وہ مجھے منع کر دیتی ہے تو پھر ظاہر ہے کسی کو بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے اچانک ہی اسے کینیڈین اسپتال کا خیال آیا اور ساتھ ہی اس کے دل میں یہ امنگ جاگی کہ چلو ادھر ہی چلتے ہیں۔ ویسے وہاں اس کا داخلہ مشکل نہیں رہا تھا۔ جس طرح کا وہ انسان تھا۔ اس کے تحت اس نے وہاں بھی اپنے لئے آسانیاں حاصل کر لی

تھیں پھر بل ادا کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کینیڈین اسپتال چل پڑا۔ اسپتال کے استقبالیہ سے ہی اسے معلوم ہو گیا کہ ایف بیگ عقبی باغ میں ہے، وہ لوگ غالباً اب یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ اس شخص کا مریضہ سے تعلق ہے۔ وہ باغ میں بیٹھی ہوئی تھی، خاموش گم صم چہلیں کرتے ہوئے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔ شامی اس کے قریب پہنچ گیا۔

”ہیلو۔“ اس نے کہا اور وہ چونک کر پلٹی پھر آنکھیں پھاڑنے لگی۔

”ارے کیا واقعی تم پرندے سے انسان کا روپ دھار گئے؟“ شامی نے اس کے اس سوال پر حیرت سے اسے دیکھا اور اس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”تم ابھی اڑ رہے تھے نا، فضا میں پرواز کر رہے تھے نا؟ وہ لرزتی ہوئی شاخ دیکھو تم اس شاخ پر بیٹھے ہوئے تھے نا؟“

”اللہ نہ کرے، کیا میں تمہیں الو نظر آتا ہوں؟“

”الو۔“ اس نے کہا اور ہنس پڑی پھر بولی۔ ”الو تو نہیں تھے، تم تو بڑے خوبصورت پرندے تھے۔“

”نہ جانے تم کیا کہہ رہی ہو؟“ شامی بے تکلفی سے بولا۔

”ایں۔“ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا؟“

”تم مجھے پاگل سمجھو گے۔“ اس نے کہا اور شامی اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”نہیں سمجھوں گا۔“

”وعدہ۔“

”ہاں وعدہ۔“

”ویسے میں ایک بات بتاؤں، میں پاگل نہیں ہوں۔“

”کون بیوقوف کہتا ہے کہ تم پاگل ہو؟“

”تھوڑے دن پہلے کی بات ہے میرے دماغ میں کچھ تھوڑی سی عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، میں سوچتے سوچتے گم ہو جاتی تھی اور یہ فیصلہ نہیں کر پاتی تھی کہ میں کیا سوچ رہی ہوں اب بھی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے لیکن عام طور سے نہیں، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ میری حالت پچاسی فیصد بہتر ہو گئی ہے صرف پندرہ فیصد خراب رہ گئی ہے۔“

”ویری گڈ، وہ آسانی سے دور ہو جائے گی۔“

”ہو جائے گی نا؟“ وہ خوش ہو کر بولی۔

”کیوں نہیں؟“

"ایک بات کہوں؟"

"کہو۔"

"میں تمہیں یاد کر رہی تھی۔"

"مجھے۔"

"ہاں۔"

"مجھے کیوں؟"

"بس کیوں کا کیا سوال ہے یاد کر رہی تھی۔"

"لیکن آخر یاد کرنے کی بھی کچھ وجوہ ہوتی ہیں۔"

"ہاں ہوتی ہیں ٹھہرو' ذرا سوچ لوں پھر بتاؤں گی۔" اس نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گئی پھر آہستہ سے بولی۔ "اصل میں بات یہ ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"میں جو ہوں۔"

"ہاں' میں نے یہی سوچا کہ کیوں نہ تم سے دوستی کی جائے' ابھی تک تو ہماری دوستی نہیں ہوئی نا؟"

"کمال کر رہی ہو اگر دوستی نہ ہوتی تو میں آتا کیوں؟"

"اچھا۔" وہ کسی قدر فکرمندی سے بولی پھر کہنے لگی۔

"بس یہی تو پندرہ فیصد پاگل پن ہے میرے اندر ورنہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ تم مجھے دوست سمجھتے ہو اور میں یہی غور کرتی رہی کہ تم سے دوستی کس طرح کی جائے۔"

"میں بتاؤں۔"

"کیا؟"

"کہ دوستی کس طرح کی جائے۔"

"ہاں بتاؤ پلیز بتاؤ؟"

"بس تم مجھے یاد کر لیا کرو' میں تمہارے پاس آ جایا کروں گا۔ جب میں جانے لگوں تو تم مجھ سے کہو کہ کل پھر آنا۔ میں دوسرے دن پھر آ جایا کروں گا' مجھ سے فرمائشیں کیا کرو' دوستوں سے فرمائشیں کی جاتی ہیں نا۔"

"کیسی فرمائشیں؟"

"بس یہی کہ میں تمہارے لئے کچھ خرید کر لاؤں' رومال اور کوئی چیز' لباس پھول وغیرہ جو تمہیں پسند ہوں یا پھر کھانے پینے کی چیزیں۔"

"نہیں کھانے پینے کی چیزیں تو یہاں اسپتال والے اندر نہیں لانے دیتے' پتا ہے نا

تمہیں۔"

"نہیں اتفاق سے مجھے نہیں معلوم۔"

"کئی بار میں نے چیزوں کی فرمائش کی لیکن مجھے منع کر دیا گیا۔ یہ لوگ کھانے پینے میں بڑی احتیاط رکھتے ہیں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ؟"

"ہاں۔"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ تم نے مجھے پرندے کے روپ میں دیکھا تھا۔"

"میں نے کہا نا کبھی کبھی پاگل پن کی باتیں سوچنے لگتی ہوں۔ تم یاد آ رہے تھے مجھے۔"

"میں؟"

"ہاں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر میں نے دیکھا کہ تم آسمان سے پرواز کرتے ہوئے آئے تم ایک خوبصورت پرندے کا روپ رکھتے تھے لیکن تمہارا چہرہ تمہارا اپنا تھا۔ اتنا چھوٹا' اتنا چھوٹا بس جتنا ایک پرندے کا چھوٹا سا چہرہ ہو سکتا ہے۔"

"ویری گڈ' کیسا لگ رہا تھا؟"

"پتا نہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا خیر پھر کیا ہوا؟"

"بس پھر تم ایک درخت کی شاخ پر آ بیٹھے اور میں تم سے باتیں کرنے لگی' یقین کرو بس اسی وقت تم آ گئے تھے۔"

"یعنی پرندے سے انسان کا روپ دھار گیا تھا۔"

"ہاں وہ تو میرا تصور تھا لیکن یہ تصور تو نہیں ہے' ہیں' یہ تصور تو نہیں ہے نا۔" وہ ایک دم فکرمند ہو گئی۔

"نہیں۔ کوئی تصور نہیں ہے لیکن مجھے تم سے ایک شکایت ہے۔"

"کیا؟"

"دوست ہو نا تم میری؟"

"ہاں اب وہ تو ہوں۔"

"مگر تم نے اپنا نام نہیں بتایا مجھے۔"

"نام' یقین کرو' میرا کوئی نام نہیں ہے' پتا نہیں مجھے اپنا نام کیوں یاد نہیں آیا۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی اور شامی اس کی صورت دیکھتا رہا۔ لڑکی کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ جب کافی دیر کے بعد شامی وہاں سے واپس پلٹا تب بھی وہ اس کیفیت کو نظر

انداز نہیں کر پایا تھا۔ پتا نہیں اس کم بخت سے اس کا کیا تعلق ہے۔ بہرحال اس سوال کا جواب کہیں سے بھی ملنے کی توقع نہیں تھی۔ البتہ اب اسے یہ دیکھنا تھا کہ میڈم کا رویہ اس کے بعد کیا رہتا ہے۔

□

حسن زندگی کے مختلف مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سالہا سال گزر جانے کے باوجود اس کے دل سے اپنی ماں' دونوں بہنوں اور باپ کا خیال نہیں نکل سکا تھا لیکن شاید اس کی فطرت میں بھی ایک جنون تھا اور اس جنون نے اسے کبھی ہار نہیں ماننے دی تھی۔ ماں باپ کا انداز جو کچھ بھی تھا کبھی غور کرتا تجزیہ کرتا تو احساس ہوتا کہ کوئی ایسا ظلم بھی نہیں کیا ہے انہوں نے اس پر' بس محمود حسن صاحب کی ضد تھی اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایک بات ایسی لگ گئی تھی دل کو کہ اس نے اسے اپنا شعار زندگی بنا لیا تھا لیکن اس سے اسے فائدے ہی حاصل ہوئے تھے۔ اپنی ذات پر اعتماد کر کے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے' ورنہ دوسروں کے سہارے سب کچھ کرنے کے باوجود طبیعت کو وہ سیری نہیں حاصل ہوتی۔

جرمنی میں پورے پانچ سال گزارنے کے بعد وہ امریکہ چلا گیا' امریکہ میں اس کے بہت سے شناسا تھے' لیکن اب وہ امریکہ کے ایک بہت بڑے اسپتال میں بہت بڑے ڈاکٹر کی حیثیت سے آیا تھا اور یہاں اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ امریکہ کے بعد اسے نیوزی لینڈ' پھر نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑا اور زندگی کے ماہ و سال گزرتے رہے' سب سے رابطے ٹوٹ گئے تھے' لیکن ذہنی رابطے کسی سے بھی نہیں ٹوٹے تھے۔ وہ اب بھی کبھی کبھی اپنے گھر کو یاد کرتا تھا اور کبھی کبھی اس کے دل میں ایک اور یاد چٹکیاں لینے لگتی تھی۔ وہ اس وقت افسردہ ہو جاتا تھا جب تابندہ اس کے ذہن میں آتی' ماضی کے دلکش نقوش اس کی آنکھوں میں گردش کرتے رہتے' وہ لمحات ہی تو زندگی کا حاصل تھے' جب تابندہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ دلکش دلکش حسین حسین مسکراہٹ' آنکھوں کی وارفتگی اور چہرے کی شرم' یہ ساری چیزیں مل کر ایک عجیب سا احساس دلاتی تھیں اور وہ ایک عملی آدمی ہونے کے باوجود یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ عورت زندگی میں ایک حسین مقام رکھتی ہے اور یہ حسین مقام ہی زندگی کا حاصل ہوتا ہے' اب تو زندگی کے سفر میں وہ اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ کافی پختگی آ گئی تھی۔ کنپٹیوں کے بالوں میں ہلکی ہلکی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ محمود حسن نے بھی شاید اس کے بعد اس کے بارے میں تگ و دو نہیں کی تھی۔ پھر ڈاکٹر طارق سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر طارق بھی اس کے وطن ہی سے متعلق تھے اور بہت ہی نفیس شخصیت کے مالک' تفصیلات معلوم کرنے پر پتا چلا کہ ڈاکٹر طارق کا تعلق نہ صرف اس کے وطن بلکہ اس کے شہر سے بھی ہے۔ ڈاکٹر طارق نے کہا۔

"مجھے تقریباً سترہ سال ہو گئے غیر ممالک میں زندگی بسر کرتے ہوئے اور اب حسن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اپنے وطن واپس جاؤں۔"

"کیوں ڈاکٹر صاحب' خیریت؟"

"بھئی خیریت کی کیا بات ہے' اپنا دیس اپنا دیس ہوتا ہے' وطن کی مٹی کی محبت اگر کسی کے دل سے نکل جائے تو سمجھو کہ پھر وہ شخص کسی بھی محبت کے قابل نہیں ہوتا۔ اس کے دل سے محبت کا تصور ہی نکل چکا ہوتا ہے' آخر میرے اپنے وطن میں بھی ایسی لوگ موجود ہیں جنہیں ہماری ضرورت ہو گی ہم غیروں کی ضروریات پوری کرتے پھر رہے ہیں صرف اس لئے کہ ان سے ہمیں دولت حاصل ہوتی ہے۔ اصل میں حسن اتنی دولت کمالی ہے میں نے کہ اب میرا دل چاہتا ہے کہ اب اسے اپنے وطن کے نادار لوگوں کے لئے خرچ کروں۔"

"جذبہ بہت اچھا ہے ڈاکٹر طارق۔"

"اور یہ جانتا ہوں کہ تم بھی معمولی شخصیت کے حامل نہیں ہو۔"

"شکریہ ڈاکٹر۔"

"حسن! ایک تجویز ہے میرے ذہن میں' اگر تم پسند کرو تو۔"

"جی' کیا ڈاکٹر طارق؟"

"چلو وطن واپس چلتے ہیں۔"

"میں بھی؟"

"ہاں.... کیا تمہارے دل میں اہل وطن کا درد نہیں ہے؟"

حسن گہری سوچ میں ڈوب گیا' درحقیقت وطن سے دور ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ اب بہت سے نقوش بھی آنکھوں میں معدوم ہو گئے تھے۔ نہ جانے کیوں ڈاکٹر طارق کی اس پیش کش پر دل کے اندر ایک ہوک سی اٹھی' اب ایسی بھی کیا دشمنی کہ گھر کی جانب رخ ہی نہ کیا جائے۔ ڈاکٹر طارق نے کہا۔

"میں نے باقی انتظامات کر لئے ہیں' ہم وہاں پہنچ کر اپنا کلینک بنائیں گے اور اس کے بعد اپنی زندگی بسر کریں گے۔"

"لیکن ڈاکٹر طارق....؟"

"میں نہیں جانتا حسن کہ تمہارا وہاں کون کون ہے لیکن بہرحال میری آرزو یہ کہ اب کچھ عرصہ وطن میں گزاروں۔"

"ہاں ڈاکٹر وطن یاد تو آتا ہے لیکن بس ہمت نہیں پڑتی۔"

"چاہو تو میرے ہاتھ کا سہارا لے سکتے ہو۔"

اس رات حسن گہری سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔ دل میں ایک آگ سی لگ گئی تھی اور

اب تک جو یاد نہیں آیا تھا وہ یاد آ گیا تھا۔ بہنیں تھیں' ماں تھی' باپ تھا' سب لوگ تھے ان سے دشمنی تو نہیں، ہوئی تھی' لیکن نہ جانے کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ ایک طویل عرصہ' واقعی ایک طویل عرصہ بیت گیا تھا۔ اگر وطن واپس چلا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ کام تو ہو گیا جس کے لئے بیڑا اٹھا کر یہاں آیا تھا' اب اس کا شمار دنیا کے بہترین ڈاکٹروں میں ہوتا تھا اور اب اگر وطن واپس جایا جائے تو محمود حسن صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اپنا عہد پورا نہیں کیا۔

چنانچہ دوسرے دن اس نے ڈاکٹر طارق سے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ ڈاکٹر طارق نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "بخدا میں نے بھی اپنے وطن واپسی کا خیال تمہارے اوپر چھوڑ دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر تم تیار ہوئے تو ہمت کروں گا' ورنہ سچی بات ہے کہ ہمت نہیں تھی۔ بہرحال میری اور تمہاری عمر میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن اگر تم میرے ساتھی ہوتے تو میں آسانی سے سب کچھ کر سکتا تھا۔"

"جی ڈاکٹر' بہرحال میں تیار ہوں۔"

"ارے میاں تو جب تیار ہو تو پھر انتظار کرنے سے کیا فائدہ' چلو وطن واپس چلتے ہیں۔"

اور اس کے بعد تیاریاں کرنے میں تھوڑے سے دن صرف ہوئے۔ جہاز کے پہیوں نے جب وطن کی زمین چھوئی تو حسن کے دل میں نہ جانے کیسی کیسی حسرتیں جاگ اٹھیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی' سوچوں کے دائرے پھیل اور سکڑ رہے تھے' لیکن ابھی کچھ فیصلے بھی کئے تھے اس نے' ابھی طویل عرصے تک اپنے ماں باپ سے نہیں ملے گا یہاں ایک مقام پیدا کرے گا اور اس کے بعد ان کے سامنے آئے گا۔ جب انہوں نے اس طرح اس کا تصور چھوڑ دیا ہے تو پھر وہ بھی دیوانگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔

ڈاکٹر طارق کے بہت سے اہل خاندان یہاں موجود تھے اور انہوں نے ڈاکٹر طارق کو بہت خوشگوار انداز میں دیکھا لیکن ڈاکٹر طارق ذرا مختلف قسم کے آدمی تھے۔ ان کا بھی اپنا چھوٹا سا خاندان تھا۔ مسز طارق تھیں' دو نوجوان لڑکے تھے' دو نوجوان لڑکیاں تھیں' لیکن وہ سب کے سب حسن کو چچا کہہ کر پکارتے تھے۔ ڈاکٹر طارق نے ایک خوب صورت مکان خریدا اور اس کے بعد اس مکان میں منتقل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد دوسری کارروائیوں کا آغاز ہوا۔ اپنا دیس اپنی گلیاں' اپنا شہر' سب کچھ اپنا' وہ اسپتال بھی نگاہوں کے سامنے تھا جہاں اس نے ہاؤس جاب کیا تھا' بہت سے شناسا تھے' دل چاہتا تھا کہ اڑ کر ماں باپ کے پاس پہنچ جائے' لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی' نہ جانے کیا کیا تصورات ذہن میں آتے تھے' یہ خیال بھی

آتا تھا کہ کہیں کوئی الم ناک خبر سننے کو نہ ملے' اگر ایسا ہوا تو پھر ایک دم سے وطن سے نفرت کا احساس ہو گا' اور نہ جانے دل کی کیا کیفیت ہو جائے۔ چنانچہ طویل عرصے تک اس نے اپنے گھر کا رخ نہیں کیا۔

اسپتال تعمیر ہو گیا' دولت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں' اس کے انبار لگا دیئے جائیں' کون سا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر طارق نے کلینک بہت ہی خوبصورت اور جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا۔ پھر اسپتال کا افتتاح ہوا اور بہت سے لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ ڈاکٹر طارق نے اپنے حلقے کے بہت سے افراد کو اس تقریب میں مدعو کیا تھا' لیکن اسپتال کے بڑے سے ہال میں داخل ہونے والے مہمانوں میں غزل کو دیکھ کر حسن کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ خیال تو بے شک آیا تھا غزل کا' لیکن یہ امید نہیں تھی کہ وہ آ جائے گی' حسن نے حتی الامکان خود کو غزل کی نگاہوں سے بچانے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹر طارق نے سارا کھیل خراب کر دیا' اپنی تقریر کے دوران انہوں نے اپنے معاون کا اور دنیا کے بیشتر ممالک سے داد تحسین حاصل کرنے والے ڈاکٹر حسن کے بارے میں بتایا اور اس کے بعد ڈاکٹر حسن سے درخواست کی کہ وہ آ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں تو حسن کے بدن پر کپکپی سی طاری ہو گئی اور تو کوئی بات نہیں تھی وہ بس غزل کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نگاہ شرکاء میں بیٹھی ہوئی غزل پر ڈالی اور اس کے بعد اپنے آپ کو سنبھال کر کہنے لگا۔

"افسوس ہے جناب کہ ایک ڈاکٹر مقرر نہیں ہوتا' میں تقریر کرنا نہیں جانتا' میں تو بس مریضوں کا علاج کرتا ہوں' ڈاکٹر طارق جو عزم لے کر اپنے وطن آئے' میں اس میں اپنے آپ کو شریک ہونے سے باز نہ رکھ سکا۔ یہ میرا بھی وطن ہے اور مجھے اپنے اہل وطن سے بہت محبت ہے' میں نہیں جانتا کہ آگے کیا ہو گا' لیکن جذبہ یہی ہے کہ بہت سی بری باتوں سے بے نیاز ہو کر صرف بیمار انسانیت کی خدمت کی جائے۔ آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں کہ جو کچھ کرنا چاہتا ہوں وہ اس انداز میں کر سکوں' جو میری خواہش ہے۔" بس ان الفاظ کے بعد حسن وہاں سے اتر کر اپنی جگہ آ بیٹھا تھا۔ دوسرے لوگ مختلف باتیں کرتے رہے لیکن جو خطرہ حسن کو درپیش تھا وہ فوراً ہی سر پر آ گیا۔ غزل اپنی جگہ سے اٹھی۔ حسن کے قریب بیٹھے ہوئے شخص سے اس نے درخواست کی۔

"جناب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی جگہ حاصل کر لوں' حالانکہ یہ ایک بری بات ہے' لیکن ڈاکٹر حسن سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس شخص نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ڈاکٹر غزل' شاید آپ مجھے پہچان نہیں سکیں' میرا نام فیضان ہے اور ہمارا کئی بار آمنا سامنا ہو چکا ہے۔"

"جی فیضان صاحب' میں صورت سے آشنا ہوں آپ کی' تعارف نہیں ہوا اتفاق

سے۔"

"بہرحال آپ تشریف رکھئے۔" غزل حسن کے قریب بیٹھ گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"حسن۔"

"کیسی ہو غزل....؟"

"ٹھیک ہوں، تم آ گئے....؟"

"ہاں...."

"بہت خوب صورت ہو گئے ہو۔"

"شکریہ غزل۔"

"کہاں تھے؟"

"بس دیار غیر میں چکراتا پھر رہا تھا۔"

"اپنوں کو چھوڑ کر۔"

"نہیں چھوڑا کہاں تھا۔"

"اب واپس تو نہیں جاؤ گے؟"

"ارادہ تو نہیں ہے۔"

"گھر والوں سے مل لئے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس۔"

"ملو گے بھی نہیں؟"

"کہہ نہیں سکتا۔"

"یہ زیادتی نہیں ہے حسن؟"

"پلیز غزل اس وقت اس موضوع پر بات مت کرو۔"

"کہاں قیام ہے؟"

"ڈاکٹر طارق کے ساتھ۔"

"کسی کو دیکھا بھی نہیں ابھی تک تم نے، حالانکہ جو کچھ طارق نے کہا ہے اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں یہاں آئے ہوئے خاصا عرصہ گزر گیا۔"

"ہاں، بس ہمت نہیں پڑی۔"

"پھر مجھ سے کب ملو گے؟"

"غزل، ایک درخواست کر سکتا ہوں؟"

"ہاں کرو۔"

"دیکھو اگر تم نے میری درخواست نہ مانی تو خدا کی قسم میں واپس چلا جاؤں گا جب مجھے علم ہو گیا تم نے میرے کہنے سے انحراف کیا ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ابھی میرے اہل خاندان کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتانا۔"

"ٹھیک ہے نہیں بتاؤں گی۔"

"بیرسٹر صاحب کو بھی نہیں؟"

"انہیں بھی نہیں بتاؤں گی۔"

"شکریہ غزل، اب میں تم سے کچھ سوالات کر سکتا ہوں؟"

"کرو۔"

"میری امی، ابو، بہنیں۔"

"سب لوگ خیریت سے ہیں، دونوں بہنوں کی شادی ہو چکی ہے، بیرسٹر محمود حسن صاحب ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں، کچھ نہیں کرتے، بس عیش و آرام کر رہے ہیں۔"

"سب خیریت سے تو ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"بہنوں کی شادی کہاں ہوئی ہے؟"

"اسی شہر میں ہیں، بہت اچھے لوگوں کے ساتھ ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے، اب اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"میرے دو بچے ہیں۔" غزل نے جواب دیا۔

"ارے واہ، ویری گڈ اور ہمارے بہنوئی صاحب کیا کرتے ہیں؟"

"ڈاکٹر ہیں۔"

"اور تم؟"

"میں ایک اسپتال میں ملازمت کرتی ہوں۔"

"ملازمت؟"

"ملازمت نہ سمجھو، میرے شوق کی تکمیل سمجھو۔"

"تم نے اپنا اسپتال نہیں تعمیر کیا؟"

"نہیں، بس الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔" غزل نے جواب دیا۔

"بچے کہاں ہیں؟"

"گھر پر ہیں۔"

"گھر کا پتا دو۔" حسن بولا اور غزل نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک کارڈ نکال کر اسے دے

دیا پھر بولی۔

"میں تم سے ملنے آؤں گی۔"

"نہیں' اس سے پہلے میں تم سے ملنے آؤں گا' کیا نام ہے تمہارے شوہر کا' اوہو سمجھ گیا' غزل اعجاز۔"

"اور کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی زندگی میں؟؟"

"مثلاً؟؟"

"شادی؟؟"

"نہیں۔"

"او کے' اچھا پھر کیا خیال ہے؟؟"

"تم جاؤ اپنی جگہ بیٹھو اور میں تمہارے گھر آؤں گا اس پتے پر۔"

"کب؟"

"کل شام کو۔"

"کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔"

"ٹھیک ہے۔" حسن نے جواب دیا اور غزل شکریہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ڈاکٹر فیضان پھر حسن کے پاس آ بیٹھا تھا لیکن حسن کے تصورات میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی' گھر والے واقعی بری طرح یاد آ رہے تھے' بہنوں کی شادی ہو چکی ہے' چلو خدا کا شکر ہے کہ بیرسٹر صاحب خیریت سے ہیں' اس نے دل میں سوچا۔

□

نفرت ہو گئی تھی اسے اس گھر سے' کیا کیا کہانیاں وابستہ ہیں اس سے۔ زندگی کا کون سا غم نہیں ملا ہے یہاں' حالانکہ اسی گھر میں آنکھ کھولی تھی اسی گھر میں زندگی کے تمام نشیب و فراز سے واقفیت حاصل ہوئی تھی لیکن یہ گھر اب رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ مسز عالمگیر نے اپنا بہت بڑا کاروبار اسے سونپ دیا تھا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے اس کاروبار کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اتنی محنت کی تھی کہ بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی۔ اب بلا وجہ اقتدار کے ڈھول پیٹتی رہے' یہ سوچتی رہے کہ مسز عالمگیر نے اس کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے جب یہ سب قبول کر لیا ہے تو پھر اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور اب فرخندہ کی واپسی کے بعد تو یہ سب کچھ بہت ضروری ہو گیا تھا اس فرسودہ ماحول سے چھٹکارہ حاصل کر لینا چاہئے۔

اس نے اپنے اثاثے چیک کئے بات نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی تھی۔ کاروبار بہت بڑا ہو رہا تھا۔ اس کاروبار کو وسعت دی جا سکتی ہے' اسی عالم میں جینا ہے۔ چنانچہ اس نے نہایت پامردی کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ بہت سے لوگوں سے رابطے کے لئے

اسے ایک کوٹھی کی تلاش تھی لیکن اندر کا جنون' اندر کی وحشت اب عروج کو پہنچ چکی تھی۔ یہ کوٹھی ایسی ہونی چاہئے کہ لوگ اسے دیکھ کر عش عش کریں' ہاں ایسی ہی ہونی چاہئے' شہر کے ایک انتہائی حسین ملاقے میں اسے ایک کوٹھی پسند آ گئی۔ اتنی وسعتوں میں پھیلی ہوئی تھی کہ درجنوں انسان اس میں سما جائیں جس نے بھی بنائی تھی بڑی چاہتوں سے بنائی تھی۔ شاندار کیاریاں' خوبصورت عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی' اس نے کوٹھی پسند کر لی اور اس کے بعد اسے خرید لیا۔ بہت سے قانونی مراحل طے کرنے پڑے تھے۔ عالیشان کوٹھی کی ڈیکوریشن بھی اس نے نہایت ہی عالیشان کرائی۔ اپنا چولا ہی بدلنے پر تل گئی تھی وہ' اور پھر کوٹھی کو آخری نگاہ دیکھنے کے بعد اس نے اخبار میں ملازموں کے لئے اشتہار دیئے اور کئی ملازمین کو رکھ لیا پھر فرخندہ اور مرزا سخاوت بیگ کو اس نے اس کوٹھی میں منتقل کیا۔ مرزا صاحب تو کوٹھی کو دیکھ کر دیوانے ہو گئے تھے۔

"یہ کس کا گھر ہے سبحان اللہ' لوگ ایسے بھی رہتے ہیں۔ کیا انصاف ہے تقدیر کا' کہیں ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے اور کہیں ایسے عالیشان محل۔ کہانیوں ہی کی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔"

"یہ ہماری کوٹھی ہے ابو۔"

"ایں؟"

"ہاں یہ ہماری کوٹھی ہے۔"

"اگر ہماری کوٹھی ہے تو کیا ہم اس میں رہ بھی سکتے ہیں؟؟"

"اب ہم اسی میں رہیں گے۔ آپ اپنے لئے کمرہ پسند کر لیجئے۔"

اور مرزا صاحب نے اپنے لئے ایک کمرہ پسند کر لیا۔ ملازم ان کی خدمت گزاری کرنے لگے۔ اس نے کار خریدی' نئی شاندار کار' پرانی کار بھی گھر میں موجود تھی۔ ڈرائیور رکھا' غرض یہ کہ زندگی کی وہ تمام آسائشیں جو تصور میں آ سکتی تھیں اپنے لئے حاصل کر لیں اور ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔

ادھر فیکٹری میں کام بڑی خوش اسلوبی سے جاری تھا۔ اس سمت سے فارغ ہونے کے بعد اس نے فیکٹری کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا۔ آس پاس کی بہت سی زمین بھی خریدی گئی اور فیکٹری کی از سر نو تعمیر شروع ہو گئی پھر فرخندہ کی باری آئی اور فرخندہ کو اس نے ایک غیر ملکی اسپتال میں داخل کرا دیا جہاں اس کا نہایت موثر طریقے سے علاج شروع ہو گیا۔ اس نے ایک پراسرار شخصیت کا روپ اپنا لیا تھا۔ بہت سے ملازم تھے اس کے۔ بہت سے لوگ اس کی زندگی میں شامل ہو گئے تھے اور اب اپنے آپ کو ان کے مسائل میں ضم کر دینا ہی اس کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا زندگی کے اس نئے سفر میں اسے کافی سکون حاصل ہوا تھا لیکن ایک تشنگی جو روح کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی تھی کبھی کبھی ابھر آتی تو اسے دیوانہ کر دیتی تھی اور اس دیوانگی کو قابو میں کرنا اس کے بس میں نہیں رہتا تھا۔

لیکن وقت خود اپنا جواب دیتا ہے۔ وہ گزرنے سے باز نہیں آتا۔ وقت گزرتا رہا۔

رخشندہ دو تین بار آئی تھی اس نے رخشندہ کو اپنی نئی رہائش گاہ کے بارے میں لکھ دیا تھا۔ مسز عالمگیر بھی آ گئی تھیں اور اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں اب ان کی صحت کافی خراب ہو گئی تھی اور انہوں نے معذرت کی تھی کہ وہ جلد جلد نہیں آ سکیں گی لیکن نعمان اور رخشندہ اکثر آتے رہیں گے، بہرحال زندگی اس ڈگر پر چل رہی تھی اور عمر کا تیز رفتار گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔

□

شاہی گھر آ گیا۔ جو کچھ کر کے آیا تھا اب اس کا رزلٹ چاہتا تھا۔ بہرحال گھر آ کر اس نے کسی قسم کی انوکھی بات کا اظہار نہیں کیا۔ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ فوری طور پر کچھ کہنا مناسب نہیں تھا۔ صاعقہ، انیلا، امینہ بیگم اور فراز معمول کے مطابق خوش و خرم نظر آئے۔ ان کے اپنے مشاغل تھے اور ان مشاغل میں وہ مسلسل مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ آج بھی وہی سب کچھ رہا لیکن رات کو شاہی کا ذہن اپنے طور پر سفر کرنے لگا۔ وہ مستقبل کے لئے فیصلے کر رہا تھا۔ پھر وہ مرحلہ آ گیا تھا جس کے لئے نہ جانے کتنے عرصے تک سوچتا رہا تھا اور فیصلے کرتا رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے لیکن اب سب کچھ ہو چکا تھا۔ اس نے میڈم کو دل کی بات بتا دی تھی اور اس کے نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس فیصلے میں بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا اور یہ فیصلہ بھی جلد ہو جائے گا۔ حالانکہ میڈم کا رویہ جو کچھ تھا وہ شاید اس فیصلے کا ترجمان تھا جو میڈم کرنے والی تھی اگر غور کیا جاتا تو اندازہ تو بہت پہلے ہو گیا تھا۔ میڈم بے شک ایک اچھی عورت تھی ہمدرد اور انسان نواز لیکن اب یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ انسان نوازی میں اپنی شخصیت ہی کھو بیٹھے۔ اس کی فیکٹری میں کام کرنے والا ایک معمولی ملازم اس کا مالک بن جائے۔ پتا نہیں اس کی زندگی میں کیا راز چھپے ہوئے تھے۔

شاہی جوں جوں غور کر رہا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ سب کچھ حماقت تھی واقعی حماقت تھی، جس عورت کا نام تک اسے معلوم نہ ہو اور اس نے دوسروں کی طرح شاہی کو بھی کبھی اپنا نام نہ بتایا ہو۔ اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ اسے اپنی زندگی بھر کا ساتھی قبول کر لے گی کیسی حماقت کی بات تھی اور یہ حماقت وہ مسلسل کرتا رہا تھا۔ جبکہ اسے نہیں کرنی چاہئے تھی لیکن اب کیا ہو، جواب اگر اتنا ہی سخت اور اسی شکل میں ملا تو کیا میڈم کے ساتھ مستقل نتھی رہنا مناسب ہو گا، ذہن کے گوشوں کو ٹٹولا اور یہ غور کرنے لگا کہ اگر میڈم نے اسے سختی سے دھتکار دیا تو خود اندر کی کیا کیفیت ہو گی لیکن اس کا کوئی صحیح جواب اسے حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

غرض یہ کہ رات کو کافی دیر تک کشمکش کا شکار رہا۔ ایک دل یہ کہتا تھا کہ اب آفس نہ

جائے اور انتظار کرے لیکن نہ جانے کیوں طبیعت کا چھچھورا پن محسوس ہوا۔ پہلے ناراض ہو گیا تھا تو میڈم منانے آ گئی تھی۔ اب صورت حال ایسی ہے کہ وہ منانے کبھی نہیں آئے گی اور اسے انتظار کرنا بھی نہیں چاہئے۔ ہاں دو ٹوک فیصلے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آفس ہی چلا جائے۔ یہ آخری خیال تھا اور اس کے بعد وہ گہری نیند سو گیا، دوسرے دن کسی کو احساس بھی نہیں ہوا کہ شاہی کے ذہن و دل میں کیا ہے، معمول کے مطابق ناشتہ وغیرہ کیا اور پھر تیار ہو کر آفس پہنچ گیا۔ معمول کے مطابق ہی مس بینا وغیرہ سے ساری تفصیلات معلوم کیں، میڈم کے آنے کی بھی خبر مل گئی تھی اس نے کہا۔

"میڈم بہت جلدی آ گئیں آج؟"

"میڈم ہیں جب بھی آ جائیں۔" مس بینا نے مسکرا کر کہا۔

"جی ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" وہ بولا اور پھر اس کے بعد خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کا ایک بجا تھا، لنچ کا وقت ہو گیا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو مصروف رکھ کر سب کچھ بھلا دیا تھا۔ اچانک ہی انٹر کام پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے انٹر کام اٹھا لیا۔

"جی۔"

"شاہی صاحب؟"

"اوہو میڈم۔"

"لنچ کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

"جی۔"

"کیا آپ آنا پسند کریں گے؟"

"ج، جی حاضر ہوتا ہوں۔" شاہی نے کہا اور یہ حقیقت تھی کہ آج پہلی بار اسے اپنے قدموں میں لرزش محسوس ہو رہی تھی بہرحال اپنے آپ کو سنبھال کر وہ میڈم کے کمرے میں پہنچا، اجازت لی اور اندر داخل ہو گیا، نہ جانے کیسی کیسی کیفیتوں کا شکار تھا، یہ بلاوا رات بھر کی سوچ کے بعد اس کے حق میں بھی ہو سکتا تھا یا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میڈم اسے معذرت کرتے ہوئے کہے کہ کل سے وہ اپنی ڈیوٹی پر نہ آئے اس نے حد سے زیادہ آگے بڑھنے کی جسارت کی ہے اور وہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتی ہے، کوئی بھی بات ہو سکتی تھی میڈم کے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا، سوائے اس کے کہ وہ سخت اور پتھرایا ہوا ہے اور اس نے اپنا حلیہ بھی ایسا نہیں بنا رکھا، جس سے کسی خوشگوار کیفیت کا احساس ہو، میڈم نے کہا۔

"شاہی! دروازہ بند کر دو۔"

"جی میڈم۔" وہ ادب سے واپس پلٹا اور دروازہ بند کر دیا۔

"کچھ کھاؤ گے؟"

"نہیں میڈم کچھ بھی نہیں۔"

"پیو گے کچھ؟"

"جی نہیں بالکل نہیں۔"

"ہوں' بیٹھو۔"

"شکریہ۔" وہ بیٹھ گیا اور میڈم نے پاس رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ گلاس کا سارا پانی اس نے ایک لمحے میں معدے میں اتار لیا۔ شامی بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کی کیفیات کا اندازہ لگا رہا تھا۔ ہونٹ خشک کرنے کے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"تم نے کل مجھ سے اظہار عشق کیا تھا۔ اپنی زندگی میں شامل کرنے کی بات کی تھی شامی' میں تمہیں اس بات کا جواب دینا چاہتی ہوں۔"

شامی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بڑی ڈائریکٹ گفتگو تھی یہ' کسی لاگ لپیٹ کے بغیر۔ بہت عجیب اور بہت سنسنی خیز' شامی کو اپنے بدن میں پھریریاں سی محسوس ہوئیں اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر آہستہ سے بولی۔

"میں بھی تم سے محبت کرنے لگی ہوں شامی' میں بھی تمہیں بہت زیادہ چاہنے لگی ہوں۔ ہاں یہ میرے اندر کی گہرائیوں کا جواب ہے لیکن شامی کچھ رشتے ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ ہم خود بھی ان پر حیران رہ جاتے ہیں۔ ہمیں خود بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ رشتے کتنے ناپائیدار اور بے حقیقت ہوتے ہیں ایک لمحے میں تم کہیں جا سکتے ہو اور میں کہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان رشتوں میں کوئی پائیداری پیدا کر سکتے ہیں۔ شامی رشتوں کو اگر کوئی نام دیا جائے تو اس میں چند ایک نام آتے ہیں۔ باپ' بھائی' بیٹا' ماں' بہن' یہی سارے نام مضبوط رشتوں کے ہیں لیکن کون سا رشتہ مضبوط ہوتا ہے کون سا نہیں اس کا فیصلہ کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں شامی' بس بہت اچھے ہو تم۔ ہنس مکھ' خوش مزاج' بے باک ایسی فطرت کے مالک جسے پسند کیا جائے لیکن تمہاری تمام تر خوبیوں کے باوجود میں تمہیں کوئی بھی حیثیت دینے میں ناکام رہی ہوں۔ میں تمہیں بھائی نہیں کہنا چاہتی اس لئے کہ یہ نام میرے لئے مکروہ ہیں۔ شامی تمہاری عمر کے مطابق میں تمہیں بیٹا بھی نہیں کہہ سکتی اس لئے کہ میں خود بھی مامتا کے جذبوں سے دور ہوں اگر یہ رشتہ لاگو ہو سکتا تو میں بڑے خلوص سے تمہیں اپنا بیٹا اپنی اولاد کہہ دیتی۔ شامی کہنے نہ کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اصل میں یہ احساسات کا کھیل ہے میں تم سے محبت کرتی ہوں شامی لیکن اس محبت میں کوئی ہوس شامل نہیں ہے میں تمہیں ایک بہن کی طرح ایک ماں کی طرح چاہتی ہوں' بس یہی مقام رہنے دو میرے لئے۔ ان میں سے کوئی بھی درمیانی بات نکال لو۔ مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ میں تو جذبوں کی بات کرتی ہوں۔ میرے دل میں تمہارے لئے ایسا ہی

کوئی جذبہ چھپا ہوا ہے۔ نہیں چونکنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں اور بھی بہت کچھ بتاتی ہوں۔ تابندہ ہے میرا نام۔ سمجھے۔ تابندہ بیگ' مرزا سخاوت بیگ کی بیٹی ہوں۔ تین بہنیں تھیں ہم۔ تابندہ' رخشندہ' فرخندہ' مرزا سخاوت بیگ ایک عجیب و غریب فطرت کے انسان ہیں۔ تم دیکھ چکے ہو گے انہیں وہیل چیئر پر زندگی کا بوجھ گھسیٹتے ہوئے۔ کیا کروں شامی وہ میرے باپ ہیں۔ میری زندگی میں اتنی گہرائیوں تک اترے ہوئے ہیں کہ ان سے نفرت کے باوجود میں ان سے نفرت نہیں کر سکتی۔ شامی بڑی عجیب کہانی ہے میری۔ بہت عجیب و غریب۔ سناؤں گی تمہیں' اس لئے کہ ذہنی طور پر تمہیں مطمئن کرنا ضروری ہے' میری تمہاری عمر میں بہت فرق ہے اور تم نہایت ہی اچھے انسان ہو' مجھے یقین ہے کہ جب تم میری مکمل کہانی سن لو گے تو تمہارے نظریات' میرے بارے میں تبدیل ہو جائیں گے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی شامی۔" وہ ایک لمحے کو رکی پھر گویا ہوئی۔

"تو میں بتا رہی تھی کہ تابندہ ہے میرا نام۔ زندگی کس انداز میں گزاری بڑا عجیب وقت تھا وہ۔ دو بھائیوں کی بہن بھی تھی۔ بڑے بھائی سجاد اور چھوٹے بھائی جواد اور اس کے بعد ایک سخت گیر باپ' ایک سادہ لوح ماں' دو نوجوان اور معصوم بہنیں۔ اب اس کہانی کا آغاز ہوا جس کی جھلکیاں درمیان میں بھی نظر آتی رہی ہیں۔ تابندہ جس نے زندگی کو ایسے رنگ میں دیکھا کہ شاید اس کی مثال بہت کم ملے۔"

تابندہ شامی کو اپنی کہانی سناتی رہی اور شامی اس کی کہانی سنتا رہا پھر وہ کہنے لگی۔

"اور پھر ہم لوگوں نے وہ گھر تبدیل کر لیا۔ میں اپنی زندگی کو ایک نئی ڈگر دینا چاہتی تھی۔ میں نے اس فیکٹری کا نام تبدیل کر کے گارمنٹ سٹی نام رکھ دیا اور یہ گارمنٹ سٹی آج بھی تمہارے سامنے ہے۔ حسن جا چکے ہیں' رخشندہ ملک سے باہر ہے کبھی کبھی آ جاتی ہے اور فرخندہ یہاں کے ایک اسپتال میں داخل ہے' کینیڈین اسپتال کے نام سے یہ اسپتال جانا جاتا ہے۔ بہت عرصے سے وہ اس اسپتال میں داخل ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کے دماغ کا آپریشن کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بہت سی پیچیدگیاں ہونے کا امکان ہے۔ البتہ یہ بھی کہنا ہے ان کا کہ تقریباً پچاسی فیصد کیفیت بہتر ہے اس کی۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو ہی جائے گی۔

شامی یہ ہے میری کہانی۔ ہاں بڑے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں میں نے زندگی میں۔ مجھے اپنے نام سے نفرت ہو گئی ہے' مجھے اپنے وجود سے نفرت ہو گئی ہے شامی۔ میں نہیں جانتی کہ میری زندگی کی یہ ڈگر کس طرح بنی۔ گو اپنی زندگی کی اس ڈگر میں' میں کسی کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکتی۔ شامی' میں بیگ صاحب کے بارے میں کیا کہوں۔ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب مرزا سخاوت بیگ ایک اچھے باپ تھے۔ سخت گیر' اپنے اصولوں کی دنیا سجائے ہوئے اور ان اصولوں میں کسی قسم کی رخنہ اندازی کو ناپسند کرنے والے' انہوں نے ہمیں تحفظ بھی

دیا' گھریلو زندگی بھی دی' انہوں نے کہیں بھی غلط نہیں سوچا ہمارے بارے میں' میں بالکل نہیں کہتی کہ وہ قصور وار ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ وقت نے' حالات نے ایسا راستہ متعین کر دیا جس پر چلنا ان کی بھی تقدیر بن گیا اور ہماری بھی۔ میں کبھی کبھی ان سے سخت نفرت کرتی ہوں۔ میرے دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ خود غرض انسان تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی خودغرضی اپنے لالچ کی بھینٹ چڑھا دیا۔ میری مانگ سونی کر دی انہوں نے' میرے آنچل میں آگ لگا دی' میرے ارمانوں کی دنیا پامال کر دی لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ وہ میرے ہی لئے اپنی گریجویٹی' اپنا فنڈ' اپنے تمام اثاثے لینے نکلے تھے اور حادثے کا شکار ہو گئے۔ مخلص تھے وہ۔ وہ زندگی میں مجھے ایک مقام دینا چاہتے تھے اور جب وہ اس میں ناکام ہو گئے' جب انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ خالی محسوس کئے۔ تو وہ بے بس ہو کر خاموش ہو گئے پھر ان کے پاس کرنے کے لئے کچھ نہ رہا اور کچھ نہ کر سکنے کا زہر ان کی فطرت کا ایک حصہ بن گیا۔ یہ ایک مجبوری تھی۔ میں ان دونوں احساسات کے درمیان آج تک زندگی بسر کرتی رہی ہوں۔ شامی یہ ہے میری داستان حیات۔

تم نے مجھے مرد کی نگاہ سے دیکھا۔ تم نے مجھے صرف عورت سمجھا شامی' لیکن تم جتنے اچھے انسان ہو' ہو سکتا ہے تم خود اپنا تجزیہ نہ کر پائے ہو۔ ہو سکتا ہے شامی تمہارے دل میں میرے لئے جو جذبے ہوں وہ' وہ جذبے نہ ہوں جو مرد کے دل میں عورت کے لئے ہوتے ہیں' بس میری قربت' میرا پیار' تمہاری طلب ہو' شامی میں تمہیں بے قوف نہیں بنا رہی۔ میرے دل میں اگر حسن نہ ہوتا تو شاید میں دوسری محبت تم سے ہی کرتی۔ اتنے ہی اچھے لگتے ہو تم مجھے لیکن سچ بات یہ ہے کہ حسن آج بھی میرے دل میں زندہ ہے۔ میں اپنے آپ کو اس کے نام پر وقف سمجھتی ہوں اگر میرے دل میں کسی مرد سے محبت کا تصور جاگتا ہے تو حسن ہی ہے' بہت اچھا تھا وہ' بہت ہی اچھا تھا۔ بس شامی یہ ہے ساری صورت حال۔ تمہاری بات پر مجھے غصہ آیا تھا۔ بے پناہ غصہ آیا تھا مجھے' میں نے سوچا یہ کیا انسان ہے جس نے میرے پیار' میری محبت کو ایسا بھونڈا رنگ دیا ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن پھر تمہاری تمام شخصیت میری نگاہوں میں آئی۔ شامی چھوڑنا نہیں چاہتی میں تمہیں' کسی قیمت پر تم سے دوری پسند نہیں ہو گی مجھے' لیکن بس میری مجبوریاں۔ آج زندگی میں پہلی بار میں نے سب کچھ تمہارے سامنے کہا ہے۔ ایک طویل عرصہ ہو گیا ہے دیکھو میرے سر میں بہت سے سفید بال اگ آئے ہیں بہت وقت گزر گیا ہے لیکن یقین کرو زندگی میں وہ تجربہ مجھے آج تک نہیں حاصل ہو سکا جو میرے جیسی عمر کی عورتوں کو حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے یہی فیصلہ کیا شامی کہ سب کچھ تمہیں بتا دوں' اپنے جذبوں کا اظہار بھی کر دوں تمہارے سامنے۔ تم..... تم..... تم بہت اچھے انسان ہو۔ میں کسی بھی طرح تم سے دوری پسند نہیں کروں گی شامی' لیکن یہ ایک سچائی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔"

شامی پتھرا سا گیا تھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا میڈم کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور یہ چہرہ اس کی نگاہوں میں نہ جانے کیسے کیسے روپ اختیار کرتا جا رہا تھا لیکن گزرنے والا ہر لمحہ اس کے چہرے کی پاکیزگی' تقدس اور وقار میں اضافہ کر رہا تھا۔

کیا اچھی عورت ہے' کیا عظیم شخصیت ہے یہ' جس انداز میں اس نے اپنے آپ کو میرے سامنے پیش کیا ہے کیا انوکھی کہانی ہے اس کی' اور اگر کسی کے دل میں کوئی دوسری شخصیت جاگزین ہو تو پھر اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ اپنی برسوں کی محبت کو ترک کر کے میری محبت قبول کرے کیسی بے ہودہ بات ہے یہ' کیسی گھناؤنی' کیسی انوکھی۔ وہ کسی سے محبت کرتی ہے اور اس محبت میں اس کے سینے کے ناسور پک رہے ہیں۔ تو پھر وہ کسی اور کی محبت کو کیسے قبول کر سکتی ہے۔ یہ تو ایک سچائی' ایک اعتماد ہے جو اس نے مجھ پر کیا ہے اور مجھے اس اعتماد کا جواب اسی اعتماد کے ساتھ دینا چاہئے۔

شامی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تو میڈم نے کہا۔

"اور میں تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں۔ تمہارے ہونٹوں سے جواب چاہتی ہوں' شامی میں تمہارے جواب کی خواہش مند ہوں مجھے زندگی میں پہلی بار کسی سے کچھ طلب ہوئی ہے۔ شامی تمہارا جواب میری ضرورت ہے۔"

شامی چند لمحات اسے دیکھتا رہا اور پھر شدت جذبات سے مغلوب ہو گیا اپنی جگہ سے اٹھا اور میز کے پیچھے پہنچ گیا۔

میڈم حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شامی نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے' انہیں ہونٹوں سے لگایا' آنکھوں سے لگایا پھر اس کے دونوں بازو وارفتگی کے انداز میں آگے بڑھے اور وہ میڈم سے لپٹ گیا۔ اس نے اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔ میڈم کے نرم و نازک ہاتھ آگے بڑھے اور شامی کے بالوں میں کنگھیاں کرنے لگے۔

"ہاں شامی جذبوں کی کوئی عمر نہیں ہوتی' جذبوں کا کوئی مقام نہیں ہوتا' جہاں جیسے بھی دل میں ابھر آئیں۔ شامی میرے بیٹے ہو تم۔ میرے بچے ہو تم۔ ہاں تم بیٹوں کی مانند ہو میرے لئے۔"

"سوری میڈم' ویری سوری۔ میں سخت شرمندہ ہوں لیکن قصور وار میں بھی نہیں ہوں۔ مجھے' مجھے یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا۔"

"تھینک یو شامی تھینک یو۔" میڈم کے لہجے میں ایسا سکون تھا' جیسے اس کی نہ جانے کتنے برسوں کی پیاس بجھ گئی ہو۔ شامی پیچھے ہٹا' مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر کرسی پر آ بیٹھا۔

"لنچ کریں گی؟"

"ضرور کریں گے۔" میڈم نے مسکرا کر کہا۔ "جاؤ دروازہ کھول دو' میں کسی کو بلا کر

"کھانا منگواتی ہوں۔"

شامی سعادت مندی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ میڈم نے بیل بجا دی تھی پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ دونوں کے چہرے اس طرح مطمئن اور مسرور نظر آ رہے تھے جیسے وہ زندگی کی بہت بڑی الجھن سے نجات پا گئے ہوں۔

خاموشی سے کھانا کھایا گیا پھر اس کے بعد میڈم نے کہا۔

"اب کافی پئیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

"جی۔" شامی آہستہ سے بولا۔

میڈم نے کافی کے لئے کہہ دیا۔ ملازم نے آکر برتن اٹھا لئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کافی سرو کر دی گئی۔ میڈم بولی۔ "شامی غیر مطمئن تو نہیں ہو؟"

"نہیں۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔"

"میں کہتی تھی نا کہ تم بہت اچھے انسان ہو۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے اس بارے میں کسی کو بتایا تو نہیں؟"

"کیا؟"

"یہی کہ جناب ہم سے عشق کرتے ہیں، شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"بتا دیا ہے۔"

"کے.... کسے؟"

"فراز کو، صاعقہ اور امینہ بیگم کو۔"

"خدا تمہیں سمجھے۔ مجھ سے بات کئے بغیر ہی یہ سب کچھ بتا دیا۔"

"سچی بات یہ ہے کہ میں کوئی تعین نہیں کر سکا تھا آپ سے اپنے لگاؤ کا۔ ویسے اب بھی یہی کہوں گا کہ چاہتا تو میں تھا آپ کو لیکن آپ یقین کیجئے مجھے یہ تمام صورت حال معلوم نہیں تھی اگر معلوم ہوتی تو میں انصاف کی نگاہ سے دیکھتا، انصاف کے احساسات سے سوچتا، آپ بالکل حق بجانب ہیں۔"

میڈم چند لمحات سوچتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "اور میرا بھی اندازہ تمہارے بارے میں غلط تو نہیں تھا۔"

"ایک بات بتاؤں آپ کو؟" شامی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی جی۔ بتایئے۔" میڈم بھی مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں۔ مس ایف بیگ سے مل چکا ہوں۔"

"کیا؟"

"جی ہاں۔ کینیڈین اسپتال میں، لیکن ان کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا تھا اور آپ سے رشتہ بھی۔"

"ارے لیکن کب، کیسے؟"

"ایک بار کی بات نہیں ہے، بلکہ کئی بار ان سے میری ملاقات ہو چکی ہے اور محترمہ بھی اب مجھے اچھی طرح پہچانتی ہیں۔"

"ارے خدا کی پناہ شامی۔ تم.... تم.... تم واقعی بس کیا کہوں تمہارے بارے میں۔ کیا جانتی ہے تو تمہارے بارے میں؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"مگر تم پہنچے کیسے؟"

"آپ کا تعاقب کرتا ہوا۔"

"کیا مطلب؟" تابندہ نے کہا اور شامی اسے تمام تفصیل بتانے لگا۔ تابندہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی وہ شامی کو گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔

"قیامت ہو تم قیامت۔"

"تھینک یو اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو ممی کیسے کہوں؟"

"چھوڑو، منہ سے کہنے سے کیا ہوتا ہے بس ہم نے اپنے ذہنوں میں رشتوں کا ایک تعین کر لیا ہے اور.... اور.... اور...." تابندہ اچانک لرز سی گئی اسے دیکھتی رہی، گھورتی رہی، سوچتی رہی شامی اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"اب اس قسم کی بات کی گنجائش نہیں رہی ہے خاتون، سمجھ رہی ہیں نا آپ؟"

"ک.... کیا مطلب؟"

"یہ کہ آپ مجھے دیکھتی رہیں، مجھ سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچائیں، دیکھئے جب دلوں میں کوئی چیز پیدا ہو جائے تو پھر کہیں کوئی تکلف نہیں ہو سکتا۔"

"بہت بڑی بات سوچی ہے شامی اچانک میں نے، بہت بڑی بات سوچی ہے۔ پتا نہیں تم اسے کیا سمجھو؟"

"کچھ بھی نہیں سوچوں گا، کچھ بھی نہیں سمجھوں گا، بس جو سوچا ہے آپ نے وہ مجھے بتایئے۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ، آپ نہیں جانتیں مجھے کتنا بڑا مقام ملا ہے۔"

"شامی۔ تم.... تم فرخندہ سے شادی کرو گے؟" میڈم نے کہا اور شامی بھونچکا رہ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میڈم کو دیکھتا رہا۔ میڈم کا چہرہ تصویر حسرت و یاس بن گیا تھا۔

"بولو شامی فرخندہ سے شادی کرو گے؟"

"ہاں۔" شامی نے آہستہ سے کہا۔

□

غزل کی حالت خراب تھی۔ اتنی بڑی بات کو ہضم کرنا اس کے لئے مشکل کام تھا۔ اس نے اپنے شوہر ڈاکٹر اعجاز سے اس بارے میں کہا اور مشورہ مانگا۔

ڈاکٹر اعجاز نے کافی غور کر کے کہا۔ "میرا خیال ہے ڈیڈی سے مشورہ کر لیا جائے۔ ویسے جہاں تک میں سمجھتا ہوں محمود حسن صاحب کو اس کا علم ضرور ہونا چاہئے۔"

"حسن ان کا اکلوتا بیٹا ہے اگر بچھڑے ہوئے مل جائیں تو کیا حرج ہے؟"

"ہاں۔ کار ثواب ہے۔" ڈاکٹر اعجاز نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "لیکن کیا ڈاکٹر حسن نے اب تک شادی نہیں کی؟"

"پتا نہیں' کل وہ یہاں آئے گا۔"

"جلد بازی نہ کرو۔ اس سے مل کر تفصیل معلوم کرو۔ اس کے نظریات کا تو پتا چل سکے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ویسے واقعی عجیب کہانی ہے۔ البتہ مجھے ایک خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔"

"کیا؟"

"وہ تمہاری پرانی محبت ہے۔"

"اعجاز۔ وہ میرے لئے بھائی کا درجہ رکھتا ہے۔"

"یار کمال ہے بھئی۔ بھئی اب مذاق کر کے بھی سمجھانا پڑے گا کہ میڈم یہ مذاق ہے۔" ڈاکٹر اعجاز نے محبت سے کہا۔ اسے اپنی وفا شعار بیوی پر پورا اعتماد تھا جس نے اپنی زندگی کی یہ داستان بہت پہلے سنا دی تھی۔

حسن وعدہ خلاف نہیں نکلا۔ دوسرے دن وہ اپنے دیئے ہوئے وقت کے مطابق ڈاکٹر اعجاز کی کوٹھی پہنچ گیا۔ غزل اور اعجاز نے اس کا استقبال کیا تھا۔

"یہ میرے شوہر ڈاکٹر اعجاز ہیں' یہ گڈی اور میرا بیٹا ببلو۔"

"ہیلو ڈاکٹر۔" حسن نے اس سے ہاتھ ملایا اور بچوں کو پیار کرنے لگا پھر بولا۔ "ویسے غزل تم نے ایک ڈاکٹر سے شادی کر کے اپنے ذوق کا ثبوت دیا ہے۔"

"مسٹر حسن۔ آپ میری ایک مشکل ضرور حل کر سکتے ہیں۔" ڈاکٹر اعجاز نے حسن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ضرور۔ کیا مشکل ہے؟"

"یار یہ میری بیگم خود کو مجھ سے بڑا ڈاکٹر سمجھتی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ یہ پلٹ ہیں۔ اسپیشلسٹ ہیں جبکہ میں ایک جنرل فزیشن ہوں۔"

"بڑائی اس لحاظ سے ایک بے معنی لفظ ہے اور غزل ایسی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے خواتین کا ہر جگہ ساتھ دیا جاتا ہے۔ کھانے پینے کا دور چلا۔" پھر غزل نے

پوچھا۔

"حسن۔ تم نے شادی کر لی؟"

"نہیں۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا غزل کہ میں شادی نہیں کروں گا۔"

"اور حسن۔ اس لڑکی کی شادی ہو گئی؟"

"پتا نہیں؟"

"معلوم بھی نہیں کیا تم نے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کوئی فائدہ نہیں تھا۔"

"پھر بھی۔"

"یہ بھی کوئی لفظ نہیں ہے۔" حسن مسکرا کر بولا۔

"حسن' محمود صاحب سے نہیں ملو گے۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا اور حسن خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر اعجاز نے پھر کہا۔

"میری آپ سے پہلی ملاقات ہے حسن لیکن ساری باتیں مجھے معلوم ہو گئی ہیں۔ انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ ہم ڈاکٹر ہیں انسانی کمزوریوں کے گواہ۔ زندگی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن۔"

"میں سمجھ رہا ہوں ڈاکٹر۔"

"ہمیں یہ اعزاز دو گے؟" اعجاز بولا۔

"نہیں۔"

"کیا مطلب؟" اعجاز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ کی رائے چاہتا ہوں۔"

"کیسی رائے؟"

"کیا میں ان سے مل لوں؟"

"ہاں ضرور ملو۔"

"ڈاکٹر جب ان سے ملنا ہے تو پھر مجھے ان کے مقام کا مان رکھنا چاہئے۔ باپ' بیٹے کی وساطت سے نہیں ملنا چاہئے۔ کیا آپ میری اس بات کا برا مانیں گے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں نے کہا تھا نا ڈاکٹر۔ حسن بہت بڑے انسان ہیں۔"

"خدا کی قسم مجھے خوشی ہوئی۔ البتہ اپنی ٹانگ پھنسائے رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پھنسائیں۔" حسن مسکرا کر بولا۔

"وہ جو کہتے ہیں نا کہ کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب۔"

"آپ حسن کو ڈنر دینے سے بچنا چاہتے ہیں اعجاز۔" غزل نے کہا۔

"ہو گئی، ہو ئی عورت والی بات۔ بی بی یہ آپ کے ڈنر سے بڑا کام ہے۔ حسن ہمارے ساتھ سیکڑوں ڈنر لیں گے۔ حسن آپ تیاریاں کریں۔ آپ کو وہاں جانا ہے۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

❑

اتفاق کی بات تھی ترنم اور عزیزہ بھی اپنے شوہروں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ گھر میں خوب رونق تھی۔ فرزانہ بیگم دامادوں سے بات کر رہی تھیں کہ ایک ملازم نے بتایا۔

"ایک صاحب آئے ہیں۔ ملنا چاہتے ہیں۔"

"کون ہیں؟ نام بتایا۔" محمود حسن نے پوچھا۔

"جی۔ حسن نام بتاتے ہیں۔"

"کیا۔" محمود حسن اچھل پڑے۔

"ہاں جی۔ آپ کا نام الٹ کر بتایا ہے۔ کہتے ہیں حسن محمود نام ہے۔"

"حسن محمود۔" عزیزہ نے کہا او اٹھ کر باہر بھاگی۔ فرزانہ بیگم کھڑی ہو گئیں۔ محمود حسن کا سانس تیز تیز چلنے لگا پھر عزیزہ حسن سے لپٹی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ بے اختیار محمود حسن کھڑے ہوئے۔ فرزانہ بیگم کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھیں۔ حسن نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں سنبھال لیا تھا۔ ترنم بھی بھائی سے لپٹ کر رونے لگی پھر محمود حسن بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور حسن کے پاس آ گئے۔ انہوں نے حسن کو لپٹاتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔ تھینک یو ویری مچ حسن۔"

"سوری ڈیڈی۔" حسن بولا۔

گھر میں عید آ گئی تھی۔ محمود حسن نے دونوں دامادوں سے تعارف کرایا اور عارف صدیقی نے کہا۔

"سالے صاحب۔ آپ کتنے بڑے ڈاکٹر ہوں لیکن ہم آپ کو سالا کہہ کر فخر کریں گے۔"

"جو ہوں۔ وہ تو ہوں۔ تقدیر کے لکھے کو کیسے ٹالا جا سکتا ہے۔" حسن نے مسکرا کر کہا۔

خوشیاں اس طرح بھی اچانک آ جاتی ہیں۔ محمود حسن کو ایک دم اپنی پشت کی مضبوطی کا احساس ہو رہا تھا۔ حسن سے باتیں ہونے لگیں اس نے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا۔ فرزانہ بیگم نے کہا۔

"اتنے دن کے بعد آئے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں امی۔ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔"

"اب کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"آپ کے سامنے ہے۔"

"کہاں رہتے ہو؟"

"ایک مکان ہے۔"

"واپس جاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"آؤ۔ اپنے کمرے میں چلو۔" حسن ماں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ذہن کو جھٹکا لگا تھا۔ کمرے میں تابندہ کی بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی دوسری تصویر حسن کی تھی۔ کمرے کا فرنیچر وہی تھا۔ ترتیب وہی تھا۔

"یہ کمرہ جوں کا توں تھا تمہاری ہدایت تھی۔ محمود صاحب روز صبح اس کمرے میں آتے ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر اس کی صفائی کراتے ہیں۔ ایک بار ایک نوکر نے یہ گلدان اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا تھا تو ان پر دورہ پڑ گیا تھا۔ ملازم کو مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔"

حسن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پھر سب لوگ کمرے میں داخل ہو گئے۔ حسن کی آمد ایک انوکھا واقعہ تھی۔ ماں باپ اور بہنوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ عزیزہ نے کہا۔

"حسن بھائی تابندہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"مجھے؟"

"ہاں۔"

"تم مجھے اس کردار کا مالک سمجھتی ہو؟"

"نہیں۔ میرا مطلب ہے۔"

"میں یہاں سے جانے کے بعد پہلی بار وطن آیا ہوں۔"

"اوہ۔"

"تمہیں کچھ معلوم ہے؟" حسن نے پوچھا۔

"نہیں۔" عزیزہ شرمندگی سے بولی۔

"یہ تصویر کونسی ہے؟"

"وہ منگنی پر جو تصویریں بنائی تھیں۔ ان میں سے ایک ہے۔" عزیزہ نے جواب دیا۔

"بہرحال۔ رات گئی، بات گئی۔" حسن نے کہا اور پھر اس نے ڈاکٹر طارق کو فون کر دیا تھا۔

دوسرے دن علی الصبح ڈاکٹر اعجاز غزل کے ساتھ آ گیا۔ محمود صاحب انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ انہوں نے بے اختیار کہا۔

"غزل۔ حسن آگیا۔"

"میں خود انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں۔" غزل نے کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔

"آپ لوگ ناشتا کر چکے ہیں؟" ڈاکٹر اعجاز نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔"

"شکر ہے۔ میں سمجھا دیر ہو گئی۔"

ناشتا کیا گیا۔ بہت دیر باتیں ہوتی رہیں پھر ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

"ڈاکٹر حسن۔ مجھے تنہائی میں کچھ وقت دیں گے۔"

"میں بھی ساتھ رہوں گی۔" غزل نے کہا۔ "اصل میں انکل ہم اپنے پیشے کے بارے میں بات کریں گے۔" غزل نے کہا اور محمود حسن مسکرا کر گردن ہلانے لگے۔

"بھئی۔ میں کب منع کر رہا ہوں۔"

"آیئے آپ لوگ میرے کمرے میں چلئے۔" کمرے تک آتے ہوئے اعجاز نے کہا۔

"خدا کی قسم۔ اس مسرور گھرانے کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی جنت کے حقدار ہو گئے۔"

"وہ کیسے؟" غزل نے پوچھا۔

"بھئی ہم دونوں نے ہی تو حسن کو گھر آنے پر مجبور کیا تھا۔"

"سبحان اللہ۔ یہ تحریک میری تھی۔"

"تو کیا تم مجھے جنت میں اپنے ساتھ دیکھنا پسند نہ کرو گی؟" ڈاکٹر اعجاز منہ بسور کر بولا۔

سب لوگ ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوگئے۔ ڈاکٹر اعجاز نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "تو یہ ہے جناب ڈاکٹر حسن کا.... کا.... کا۔" ڈاکٹر اعجاز کی آواز اچانک بند ہو گئی۔ اس کی نگاہیں تابندہ کی تصویر پر جم گئی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

"خیریت۔ کیا بات ہے؟" غزل نے پوچھا۔

"غزل.... یہ.... یہ۔ اس تصویر کو پہچانتی ہو؟"

"ایں.... ہاں.... شاید۔ یہ وہ گارمنٹ سٹی والی میڈم۔"

"مل چکی ہو نا ان سے؟"

"ہاں کئی بار۔"

حسن خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر اعجاز نے پھٹی آواز میں کہا۔

"حسن یہ تصویر؟"

"آپ کو حیرانی کیوں ہو رہی ہے؟"

"کس کی تصویر ہے یہ؟"

"تابندہ' میری منگیتر تھی۔" حسن نے آہستہ سے کہا۔
"تابندہ' تابندہ' تابندہ بیگ؟"
"ہاں۔ آپ اسے جانتے ہیں؟"
"میرے خدا' میرے خدا' میڈم۔ تابندہ بیگ۔"
"بیٹھو ڈاکٹر اعجاز۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"
"میں ان کا معالج ہوں۔ میرے خدا' خدا کی پناہ اوہ میرے خدا۔ پراسرار میڈم۔ یعنی حد ہو گئی۔ ارے باپ رے مگر۔"
"نہ جانے آپ اس قدر کیوں بوکھلا گئے ہیں؟"
"یار حد کر رہے ہو۔ یعنی میری زندگی کے ایسے پراسرار راز سے پردہ اٹھ رہا ہے اور آپ۔ یعنی کہ۔"
"غزل یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں' تمہیں بتایا تھا میں نے۔" حسن نے کہا۔
"میں ان سے مل چکی ہوں حسن۔ یہ تو شہر کی ایک نہایت دولت مند خاتون ہیں۔ ایک بہت بڑی گارمنٹ انڈسٹری کی مالک۔"
"میں تفصیل بتاتا ہوں۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔

❑

فراز پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا' صاعقہ بھی ہنسی نہ روک پا رہی تھی' امینہ بیگم مسکرا رہی تھیں اور انیلا سب کی صورت دیکھ رہی تھی۔
"لکھ ڈالیں آ گئی۔ خدا کی قسم لکھ ڈالیں اس پر بھی۔ محبوب نے محبوبہ کو ماں تسلیم کر کے اس کی چھوٹی بہن سے شادی کر لی۔" فراز نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔
"چچی جان اس سے افسوس کی بات اور کوئی ہو سکتی ہے؟" شامی نے سرد لہجے میں کہا۔
"فراز۔ مذاق نہ اڑاؤ۔ یہ تو ایک بہت ہی خوبصورت موڑ ہے۔" امینہ بیگم نے کہا۔
"کاش میں یہ سب کچھ آپ لوگوں کو نہ بتاتا۔ ویسے فراز مجھے تمہارا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ بات اتنی پر مزاح نہیں بلکہ گمبھیر تھی۔" شامی نے کہا۔
"ارے باپ رے۔ اب تم میڈم کو ممی کہو گے۔"
"او کے۔ میں جو کچھ کہوں گا۔ وہ میں جانتا ہوں۔ تم لوگوں کو اس کے لئے کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔" شامی نے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
"واقعی فراز۔ یہ مذاق مناسب نہیں ہے۔"
"انیلا دیکھو۔ وہ کیا کر رہا ہے۔" فراز نے آنکھوں میں آنے والے پانی کو خشک کرتے ہوئے کہا۔ انیلا کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے واپس آ کر کہا۔
"اپنے سوٹ کیس میں کپڑے رکھ رہے ہیں۔"

"اس۔" فراز اچھل پڑا پھر اس نے جلدی سے کہا۔
"صاعقہ چابی' باہر کے تالے کی چابی۔" صاعقہ نے چابی دی اور فراز نے باہر چھلانگ لگا دی پھر اس نے باہر کا تالا لگا دیا۔
"یہ کوئی حل نہیں ہے فراز۔ اس سے سوری کہو اور آگے کے بارے میں سوچو۔"
شامی کمرے سے باہر نکلا تو درمیانی کمرے میں فراز' صاعقہ' انیلا اور امینہ بیگم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے رک کر انہیں دیکھا اور دروازے کی طرف چل پڑا۔ کوئی کچھ نہیں بولا تھا لیکن دروازے کا لاک وہ نہ کھول سکا۔
"یہ تالا کس نے لگایا ہے؟"
"ہم نے لگایا ہے۔" فراز اکڑ کر بولا۔
"کیوں؟"
"تاکہ دلہا بھاگ نہ جائے۔"
"میرے خیال میں یہ بھونڈا مذاق ہے۔" شامی جھلا کر بولا۔
"ہمارا بھی یہی خیال ہے اس لئے ٹریک بدل دیا گیا ہے۔" فراز نے کہا۔
"شامی بیٹے! کہاں جا رہے ہو؟" امینہ بیگم نے کہا۔
"آپ کو خود اندازہ ہو گیا ہے چچی جان۔ میرے کسی سنجیدہ مسئلے کا بھی مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ میں کیا توقع کر سکتا ہوں حالانکہ میں....." شامی رک گیا۔ فراز کے چہرے پر اچانک سنجیدگی نمودار ہو گئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔
"سوری شامی۔ خدا کی قسم۔ گمان بھی نہیں تھا کہ تم اس طرح برا مان جاؤ گے۔" فراز کی آواز بھرا گئی تھی۔
"میں جانا چاہتا ہوں فراز۔" شامی نے کہا۔
"نہیں شامی۔ مجھے معاف کر دو۔ واقعی غلطی ہو گئی آئندہ خیال رکھوں گا۔"
"یہ کوئی بات ہوئی۔ اتنا سنجیدہ مسئلہ ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم لوگ مجھے سہارا دو گے' حل بتاؤ گے' میرا رکنا اب ممکن نہیں ہے۔"
"تب پھر ہمارا جانا مناسب ہو گا شامی۔ یہ سب کچھ تو تمہارا ہے' تمہاری وجہ سے ہمیں ملا ہے۔" فراز نے کہا۔
"یہ کچھ زیادہ گھٹیا نہیں ہو گیا چچی جان۔"
"نہیں شامی۔ تم نے یہ سوٹ کیس تیار کر کے زیادتی کی ہے۔ جو دل چاہے کہہ لیتے لیکن اس طرح۔"
"کیا میں احمق ہوں آنٹی۔"
"یہ لیجئے۔ سوٹ کیس میں وہ کپڑے ہیں جو مجھے لانڈری میں ڈالنے ہیں۔ میرے بھی

ہیں اور فراز کے بھی۔" شامی نے سوٹ کیس کھول دیا۔ واقعی سارے میلے کپڑے بھرے ہوئے تھے۔
صاعقہ پھر ہنس پڑی۔ فراز نے آگے بڑھ کر شامی کی گردن پکڑ لی تھی پھر اس نے کہا۔
"جان سے مار دوں گا اگر اب۔ اتنا سنجیدہ ہوا تو۔"
"بیٹھو بھئی۔ اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا کریں۔"
"ابھی ہم پہلے کینیڈین اسپتال جا کر فرخندہ سے ملتے ہیں پھر باقاعدہ جا کر آنٹی تابندہ کو فرخندہ کا رشتہ دیں گے اور اس کے بعد۔"
"ٹھیک ہے۔" امینہ بیگم نے کہا۔

❑

ڈاکٹر اعجاز کو ذکی صاحب نے کارڈ پہنچایا تھا۔
"کس کا کارڈ ہے ذکی صاحب؟"
"میڈم کی بہن کی شادی کا۔"
"میڈم کی بہن؟"
"ہاں۔ پراسرار بہن۔ جو اچانک نمودار ہوئی ہے۔"
"میڈم کہاں ہیں؟"
"مصروف ہیں اور بہت خوش ہیں۔ جانتے ہیں شادی کس سے ہو رہی ہے؟"
"کس سے؟"
"شامی سے۔" ذکی صاحب نے جواب دیا۔
"یہ شامی اتنا ہی خطرناک انسان تھا۔ میرے رشتے کے سالے کی نوکری چھینی تھی اس نے اور اب لیکن یہ میڈم۔" ڈاکٹر اعجاز نے کہا اور پھر کسی خیال سے مسکرا پڑا۔

❑

فائیو اسٹار ہوٹل کے عظیم الشان لان پر روشنیوں کے رنگ بکھرے پڑے تھے۔ بارات آ گئی تھی۔ نکاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں ڈاکٹر اعجاز پیش پیش تھا۔ غزل بھی میڈم کے آس پاس تھی۔ رخشندہ اور نعمان بھی آ گئے تھے۔ البتہ مسز عالمگیر نہیں آ سکی تھیں۔ نکاح ہوا پھر ڈنر۔ لاتعداد مہمان تھے۔ انہی میں حسن بھی چھپا ہوا تھا اور دور دور سے تابندہ کو دیکھ رہا تھا۔
دلہن رخصت ہو گئی۔ رخشندہ وغیرہ اس کے ساتھ گئے تھے۔ مہمان جانے لگے تو ڈاکٹر اعجاز نے کہا۔
"سوری میڈم۔ میرے پیٹ کی حالت بہت خراب ہے کچھ مدد کر سکتی ہیں۔"
"زیادہ کھا گئے ہوں گے ڈاکٹر صاحب۔" تابندہ نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں۔ کچھ اور بات ہے۔"

"کیا بھئی؟"

"اصل میں اپنے کارڈ پر ۔ ایک مہمان کو اور لے آیا تھا اور اب وہ آپ سے ملنے پہ مصر ہے۔"

"بہت اچھا کیا آپ نے۔ بلایئے اپنے مہمان کو۔"

"یہ ہے نا۔" اعجاز نے رخ بدلے کھڑے ہوئے حسن سے کہا۔

"ہیلو مسٹر۔"

"میرا نام حسن ہے۔ حسن محمود۔" حسن نے کہا اور رخ بدل لیا۔

تابندہ کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ وہ حیرت بھری نظروں سے حسن کو دیکھ رہی تھی اور ڈاکٹر اعجاز' غزل کا ہاتھ پکڑ کر کھسک لیا تھا۔

"ہیلو تابندہ۔" حسن نے کہا۔

"ہیلو۔" وہ بمشکل بولی۔

"میں واپس آ گیا ہوں اور اب میں نے یہیں اپنا کلینک کھول لیا ہے۔ میری کوٹھی میں جو کمرہ تمہارے لئے مخصوص تھا وہ آج بھی تمہاری تصویر سے سجا ہوا ہے۔ راستے کے سارے پتھر ہٹ گئے ہیں۔ ہم اپنی تقدیر کے ہر فیصلے کے لئے آزاد ہیں۔ میں نے اپنی کنپٹیوں کے بال سفید ہونے تک تمہارا انتظار کیا ہے اور اب میں تم سے شادی کا خواہش مند ہوں۔ سنو تابندہ۔ اب تک جو ہوا ہے اس میں نہ میرا قصور تھا نہ تمہارا۔ ہم کسی رسم' کسی اقدار کو نہیں مانیں گے۔ آؤ تابندہ۔ یہاں کام ختم ہو گیا ہے ۔ ہم کسی پر سکون جگہ بیٹھ کر اب اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ میرا ہاتھ پکڑو اور ہمت کے ساتھ میرے ساتھ باہر نکلو۔ تابندہ یہ میرا ہاتھ ہے۔"

حسن نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تابندہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے آخر کار آگے بڑھ کر حسن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

(ختم شد)